بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غدامذهب النعمان خير المذاهب		كالقمر الوضاح خير الكواكب
تفقه في خير القرون مع التقىٰ		فمذهبه لاشک خير المذاهب

(الجواهر المضية ترجمة الامام الاعظم ابو حنيفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۲ ص ۴۵۵)

الحمدللہ والمنۃ کہ دریں ایام پر فتن ایں کتاب لاثانی بتائید یزدانی

المسمی بہ

سیف رحمانی

شرح خلاصہ کیدانی

تصنیف

خادم الاولیاء فقیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نامِ کتاب: سیف رحمانی شرح خلاصہ کیدانی

مصنّف: حضرت علامہ سید احمد علی شاہ حنفی سیفی ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور خیبر پختونخواہ۔

نظر ثانی: استاذالعلماء شیخ القرآن والحدیث مفتی سید منور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

فاضل دارالعلوم امجدیہ کراچی

نظر ثالث: استاذالعلماء شیخ القرآن والحدیث مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی رحمہ اللہ تعالیٰ

فاضل دارالعلوم قمرالعلوم فریدیہ رضویہ ماڑی پور روڈ کراچی وجامعہ عثمانیہ ٹھٹھہ سندھ۔

اشاعتِ اول: 14 ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ بمطابق 6 جولائی 2020ء

تعدادِ طباعت: ایک ہزار

کمپوزر: علامہ ڈاکٹر محمد افضل سیفی

ہدیہ: روپے

ناشر: شعبہ نشرواشاعت جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بالمقابل شیل پیٹرول پمپ والی گلی، فقیر کالونی نمبر 10 اور نگی ٹاؤن کراچی

For More Books Click On
Ghulam Safdar
Muhammadi Saifi

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مقدمة

الحمدللہ رب العلمین والعاقبة للمتقین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمدوالہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔ جاننا چاہیئے کہ تمام امور دین سے افضل چیز صرف اور صرف علم دین ہے کیونکہ قرآن عظیم الشان اوراحادیث مبارکہ میں علم دین کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اوراسے سیکھنے پر بہت زور دیا گیاہے۔ چند آیات قرآنی جن میں علم دین کی شرافت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلہ ۱۱)

"اوران کے جن کو علم دیا گیادرجے بلند فرمائے گا۔"

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر ۹)

"تم فرماؤ کیابرابر ہیں جاننے والے اور انجان نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔"

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸)

"اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔"

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (العنکبوت ۴۳)

"اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔"

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء ۸۳)

"اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اُس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں۔"

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت ۴۹)

بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (التوبة ۱۲۲)

"تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔"

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرة ۲۶۹)

"اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔"

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)

"تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔"

وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران ۱۸)

ترجمہ: اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طه ۱۱۴)

ترجمہ: اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔

چند احادیث مبارکہ جن میں علم دین کی شرافت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

عن أبي الدرداء: من سلک طريقًا يطلبُ فيه علمًا سلک اللهُ به طريقًا من طرقِ الجنَّةِ وإنَّ الملائكةَ تضعُ أجنحتَها لطالبِ العلمِ رضًا بما يطلبُ وإنَّ العالِمَ يستغفرُ له من في السَّماءِ ومن في الأرضِ والحيتانُ في جوفِ البحرِ وفضلُ العالِمِ على العابدِ كفضلِ القمرِ ليلةَ البدرِ على سائرِ الكواكبِ وإنَّ العلماءَ ورثةُ الأنبياءِ إنَّ الأنبياءَ لم يُوَرِّثوا دينارًا ولا درهمًا وأورثوا العلمَ فمن أخذ به أخذ بحظٍّ وافرٍ۔[1]

ترجمہ: جو شخص علم کی تلاش میں کسی راہ پر گامزن ہو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اسے جنت کے راستہ پر چلائے گا۔ طالب علم کے عمل سے خوشنود ہو کر فرشتے اپنے پر اس کیلئے بچھاتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق پانی میں موجود مچھلیوں کے سمیت علم والے کیلئے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ عالم کی برتری عابد پر ایسی ہے جیسے سارے ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کو برتری حاصل ہوتی ہے۔ بے شک علماء انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں انبیاء علیہم السلام درہم و دینار وارث نہیں چھوڑتے وہ صرف علم بطور وراثت کے چھوڑتے ہیں جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے وافر پالیا۔

عن أنس بن مالک: طلبُ العلمِ فَريضةٌ على كلِّ مسلمٍ وواضعُ العِلمِ عندَ غيرِ أَهْلِهِ كمقلِّدِ الخَنازيرِ الجوهرَ واللُّؤلؤَ والذَّهبَ۔[2]

---

[1] ابن عساكر (٥٧١هـ)، تاريخ دمشق ٢٥/٢٤٧ • له طرق كثيرة • أخرجه أبو داود (٣٦٤١)، والترمذي (٢٦٨٢)، وابن ماجه (٢٢٣)، وأحمد (٢١٧١٥) باختلاف يسير، وابن عساكر في «تاريخ دمشق» (٢٥/٢٤٧) واللفظ له •

[2] المزي (٧٤٢هـ)، تهذيب الكمال ١٥/٣٦٣ • [فيه كثير بن شنظير المازني قال أحمد بن حنبل روى عنه الناس واحتملوه صالح الحديث وقال أبو زرعة لين وقال النسائي ليس بالقوي • أخرجه ابن ماجه (٢٢٤) واللفظ له، والبزار (٦٧٤٦) مختصراً، والبيهقي في «شعب الإيمان۔

عن عبدالله بن عمر: العلمُ دينٌ، والصلاةُ دينٌ، فانظروا عمن تأخذونَ هذا العلمَ، وكيف تُصَلُّونَ هذه الصلاةَ، فإنَّكم تُسْأَلونَ يومَ القيامَةِ۔[3]

ترجمہ: علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے نااہل کو علم سکھانے والا ایسا ہے جیسا کہ خنزیروں کے گلے میں جوہر موتی اور سونے کا پٹہ ڈالنے والا۔

عن أبي هريرة: العالمُ والعلمُ والعملُ في الجنةِ، فإذا لم يَعْمَلِ العالمُ بما يعلمُ، كان العلمُ والعملُ في الجنةِ، وكان العالمُ في النارِ۔[4]

ترجمہ: عالم، علم اور عمل جنت میں، جب عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے (وہ عالم نہیں ہے لہذا) علم اور عمل تو جنت میں ہوں گے لیکن عالم دوزخ میں۔

عن محمد بن كعب القرظي: إذا أرادَ اللهُ بعبدٍ خيرًا فقَّهَه في الدِّينِ، وزَهَّدَه في الدُّنيا، وبصَّرَه عيوبَهُ۔[5]

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے دنیا سے نے رغبت کر دیتا ہے اور اسے اپنے عیب دکھا دیتا ہے۔

عن أبي ذر وأبي هريرة: إذا جاء الموتُ لطالِبِ العِلمِ وهو على هذه الحالةِ، مات وهو شَهيدٌ[6].

ترجمہ: جب طالب علم کو طلب علم میں موت آتی ہے تو وہ شہادت کی موت مرتا ہے۔

عن أنس بن مالک: أشدُّ الناسِ حسْرةً يومَ القيامةِ رجلٌ أمْكنَهُ طلَبُ العلمِ في الدنيا فلمْ يَطلُبْهُ، ورجلٌ علَّمَ عِلمًا فانتفعَ بهِ مَنْ سمعَهُ مِنهُ دُونَهُ[7].

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے بڑھ کر حسرت اس شخص کو ہو گی جس کیلئے طلب علم دنیا میں ممکن تھی لیکن اس نے علم نہ سیکھا نیز اس شخص کو جس نے علم سیکھا لیکن اس سے سننے والوں نے اس سے فائدہ اٹھالیا اور وہ خود اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

---

[3] ابن رجب (٧٩٥هـ)، شرح علل الترمذي ١/٦١• ابن الجوزي (٥٩٧هـ)، العلل المتناهية ١/١٣١• ابن القيسراني (٥٠٨هـ)، ذخيرة الحفاظ ٢/٩٨٢• أخرجه الديلمي في «الفردوس» (٤١٩٠) باختلاف الالفاظ۔

[4] السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٥٦٤١• أخرجه الديلمي في «الفردوس» (٤١٩٨) باختلاف يسير.

[5] السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٣٧٦•

[6] السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٥٤٣• ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، لسان الميزان ٢/٥٠٧• الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ١/١٢٩• البزار (٢٩٢هـ)، البحر الزخار المعروف بمسند البزار ١٥/١٩١•

[7] أخرجه ابن عساكر في «تاريخ دمشق» (٥١/١٣٧) من حديث عبدالله بن عباس رضي الله عنه.

عن علي بن أبي طالب: العلمُ خزائنُ، ومفتاحُها السُّؤالُ، فاسألوا يرحمْكم اللهُ، فإنَّه يُؤجرُ فيه أربعةٌ: السّائلُ، والمعلِّمُ، والمستمِعُ، والمجيبُ لهم[8].

ترجمہ: علم کئی خزانوں پر مشتمل ہے ان کی چابی سوال ہے لہذا پوچھا کرو اللہ تعالیٰ تم رحم فرمائے کیونکہ اس کے باعث چار آدمیوں کو ثواب ملتا ہے۔(۱) پوچھنے والا۔(۲) سکھانے والا (۳) سننے والا اور دھیان کرنے والا (۴) ان سے محبت کرنے والا۔

عن علي بن أبي طالب: العلمُ خزائنٌ مفاتيحُها السؤالُ: ألا فاسألُوا فإنَّهُ يُؤْجَرُ فيه أربعةٌ: السائلُ، والعالِمُ، والمستمعُ، والمحبُّ لهم۔[9]

عن سخبرة الأزدي والد عبدالله: من طلب العلمَ كان كفارةً لما مضى۔[10]

ترجمہ: علم کی طلب سابقہ گناہوں کی کفارہ ہوتی ہے۔

عن معاذ بن أنس: مَن علَّمَ علمًا فلَهُ أجرُ من عمِلَ بِهِ، لا ينقصُ من أجرِ العاملِ شيءٌ۔[11]

ترجمہ: جس نے کسی کو علم سکھایا اس کیلئے اس پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ہو گا اور عمل کرنے والے کا ثواب کم نہ ہو گا۔

عن سهل بن سعد الساعدي: واللهِ لَأنْ يُهدى بهُداكَ رجُلٌ واحدٌ خيرٌ لكَ مِن حُمْرِ النَّعَمِ[12].

ترجمہ: خدائے تعالی کی قسم تیری رہنمائی سے ایک آدمی کا ہدایت پا جانا تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

عن عمران بن مسلم: عن عمرَ بنِ الخطابِ رضي اللهُ عنه قال: تعلَّموا العلمَ وعلِّموه الناسَ تعلَّموا الوقارَ والسكينةَ وتواضعوا لمن تعلمتم منه ولا تكونوا جبابرةَ العلماءِ فلا يقومُ علمُكم بجهلِكم۔[13]

ترجمہ: علم سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ اور علم کیلئے وقار اور اطمینان سیکھو جس سے علم سیکھو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

---

[8] أبو نعيم (٤٣٠هـ)، حلية الأولياء ٣/٢٢٤ • غريب • أخرجه أبو نعيم في «حلية الأولياء» (١٩٢/٣) مطولاً واللفظ له، والخطيب في «الفقيه والمتفقه» (٦١/٢).

[9] العراقي (٨٠٦هـ)، تخريج الإحياء ١/٢٤ •

[10] الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٣٦٤٨ • الترمذي (٢٧٩هـ)، تهذيب التهذيب ٣/٤٥٤ • ابن العربي (٥٤٣هـ)، عارضة الأحوذي ٥/٣٢١ •

[11] المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٨٠ • [فيه سهل بن معاذ • أخرجه ابن ماجه (٢٤٠)، والبغوي في «معجم الصحابة» (٢١١٢)، والطبراني (٢٠/١٩٨) (٤٤٦) باختلاف يسير.

[12] أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٣٦٦١ • السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٩٥٨٧ • صحيح •

[13] البيهقي (٤٥٨هـ)، المدخل إلى السنن الكبرى ٢/١٥٣ •

عن أبي بكرة نفيع بن الحارث: اغْدُ عالِمًا أو مُتعلِّمًا أو مُستمِعًا أو مُحبًّا، ولا تكنِ الخامسةَ فتهلكَ، قال عُبَيدُ بنُ جَنّادٍ: قال عطاءٌ: قال مِسعَرُ بنُ كِدامٍ: يا عطاءُ هذه خامسةٌ، زادنا اللهُ في هذا الحديثِ لم يكنْ في أيدينا، إنَّما كان في أيدينا: اغْدُ عالِمًا أو مُتعلِّمًا أو مُستمِعًا ولا تكنِ الرّابعةَ فتهلكَ، يا عطاءُ! ويلٌ لمن ليس فيه واحدةٌ من هذه۔[14]

ترجمہ: عالم یا (دوم) طالب علم یا (سوم) ان سے علمی گفتگو سننے والا یا (چہارم) ان سے محبت کرنے والا، ان چار گروہوں کے علاوہ پانچواں نہ بن ،ورنہ برباد ہو جائے گا۔

عن عبدالله بن عمرو: خرج رسولُ اللهِ ﷺ ذات يومٍ من بعضِ حجرِه، فدخل المسجدَ، فإذا هو بحلقتين إحدُاهما يقرأون القرآنَ ويدعون اللهَ والأخرى يتعلّمون ويعلِّمون فقال النبيُّ ﷺ كلٌّ على خيرٍ، هؤلاء يقرأون القرآنَ ويدعون اللهَ، فإن شاءَ أعطاهم وإن شاء منعَهم وهؤلاء يتعلّمون ويعلِّمون، وإنما بعثتُ معلِّمًا فجلس معهم[15].

ترجمہ: ایک روز تاجدار ختم نبوت ﷺ اپنے کسی حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لائے پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے دو حلقے دیکھے ایک میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے۔ دوسرے حلقے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کچھ پڑھ رہے تھے اور کچھ پڑھا رہے تھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا سب نیکی میں مشغول ہیں یہ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اور دعائیں مانگ رہے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے ان کو دے اور اگر چاہے تو روک لے یہ پڑھ رہے ہیں یا پڑھا رہے ہیں۔ میں صرف تعلیم دینے والا بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور یہ فرما کر (ان کی تعلیمی ضرورت کی بنا کر) ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

عن أنس بن مالک: قيلَ يا رسولَ اللهِ أيُّ الأعمالِ أفضلُ؟ فقال: العلمُ باللهِ عزَّ وجلَّ، فقيل: أيُّ العلمِ تريدُ؟ قال ﷺ: العلمُ باللهِ سبحانَه، فقيل له: نسألُ عن العملِ وتجيبُ عن العلمِ؟ فقال ﷺ: إنَّ قليلَ العملِ ينفعُ من العلمِ باللهِ، وإنَّ كثيرَ العملِ لا ينفعُ مع الجهلِ باللهِ[16].

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ اعمال میں سب سے بہتر کون سا عمل ہے؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل (کے دین) کا علم سب سے بہتر ہے۔ پس کہا گیا اس کون سا علم آپ ﷺ کی مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ (کے دین) کا علم، پس کہا گیا آپ ﷺ سے کہ ہم عمل کے متعلق عرض کرتے ہیں اور آپ علم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تھوڑا عمل بھی فائدہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ (کے دین) کے علم کے ساتھ اور بے شک زیادہ عمل بھی نفع نہیں دیتا اللہ تعالیٰ (کے دین) کے جہل کے ساتھ۔

---

[14] البيهقي (٤٥٨هـ)، شعب الإيمان ٢/٧٣٧• البزار (٢٩٢هـ)، البحر الزخار ٩/٩٤• الطبراني (٣٦٠هـ)، المعجم الأوسط ٥/٢٣٠• الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ١/١٢٧•

[15] البوصيري (٨٤٠هـ)، إتحاف الخيرة المهرة ١/٢٠٥•

[16] العراقي (٨٠٦هـ)، تخريج الإحياء ١/٢٢• أخرجه ابن عبد البر في «جامع العلم وفضله» (٢١٤) باختلاف يسير، والديلمي كما في «الجامع الصغير» للسيوطي (٢/١٤٩) مختصراً۔

عن أبي موسى الأشعري: إنَّ اللهَ تعالى لا ينزِعُ العلمَ منكم بعدما أعطاكُموهُ انتزاعًا، ولكِنْ يقبِضُ العلماءَ بعِلْمِهِمْ، ويَبْقى جُهّالٌ، فيُسأَلُونَ فيُفْتُونَ، فيَضِلُّونَ ويُضِلُّونَ۔[17]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں علم عطا فرمانے کے بعد یکبارگی تم سے نہیں چھین لے گا لیکن وہ علماء کو اٹھالے گا۔ جاہل باقی رہ جائیں گے ان سے مسائل پوچھے جائیں گے وہ فتوے دیں گے خود گمراہ ہوں گے اور اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

عن أبي هريرة: دخلْنا على رسولِ اللهِ ﷺ حتى ملأْنا البيتَ وهو مُضطجعٌ لجنبِه، فلما رآنا قبَضَ رجليه، ثم قال: إنه سيأتيكم أقوامٌ مِن بعدي يَطلُبون العلمَ، فرحِّبُوا بهم، وحيُّوهم، وعلِّمُوهم[18].

ترجمہ: ہم نبی ﷺ کی خدمت میں اندر آئے یہاں تک کہ ہم سے گھر بھر گیا آپ ﷺ کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے جب آپ ﷺ نے ہمیں دیکھا تو اپنی ٹانگیں مبارک سمیٹ لیں اور فرمایا تمہارے پاس کچھ لوگ علم کی طلب میں آئیں گے انہیں خوش آمدید اور مرحبا کہو اور انہیں علم سکھاؤ۔

عن أبي هريرة: ما عُبِد اللهُ بشيءٍ أفضلَ من فقهٍ في دينٍ. قال أبو هريرةَ: لأن أتفقَّهَ ساعةً أحبُّ إليَّ من أن أُحييَ ليلةً أصلِّيها حتّى أُصبحَ، ولَفقيهٌ واحدٌ أشدُّ على الشَّيطانِ من ألفِ عابدٍ، ولكلِ شيءٍ دِعامةٌ، ودِعامةُ الدِّينِ الفقهُ۔[19]

ترجمہ: حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دین کو سمجھنے سے زیادہ بہتر اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی نے نہیں کی۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لمحے بھر کیلئے میرا دین کی سمجھ سیکھنا مجھے رات بھر کی شب بیداری اور صبح تک نماز میں مشغولیت سے زیادہ محبوب ہے اور ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ سخت (بھاری) ہے اور ہر چیز کیلئے کوئی ستون ہوتا ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔

عن أبي هريرة: ما عُبِدَ اللهُ بشيءٍ أفضَلَ مِن فِقهٍ في دِينٍ، ولَفَقيهٌ واحِدٌ أشَدُّ على الشَّيطانِ مِن ألْفِ عابِدٍ، ولكلِّ شيءٍ عِمادٌ، وعِمادُ الدِّينِ الفِقهُ. وقال أبو هُرَيرةَ: لَأَنْ أجلِسَ ساعةً، فأتَفَقَّهَ أحَبُّ إليَّ مِن أنْ أُحْيِيَ لَيلةً إلى الصَّباحِ[20].

---

[17] صحيح الجامع ١٨٦١ • حسن •

[18] ابن ماجه ٤٧ •

[19] أبو نعيم (٤٣٠هـ)، حلية الأولياء ٢/٢٣٠ • تفرد به يزيد بن عياض عن صفوان • أخرجه الطبراني في «المعجم الأوسط» (٦١٦٦)، والدارقطني (٣/٧٩)، وأبو نعيم في «حلية الأولياء» (٢/١٩٢) واللفظ له.

[20] البيهقي (٤٥٨هـ)، شعب الإيمان ٢/٧٣٨ • أخرجه الطبراني في «المعجم الأوسط» (٦١٦٦)، والدارقطني (٣/٧٩)، والبيهقي في «شعب الإيمان» (١٧١٢) واللفظ له

ترجمہ: دین میں سمجھ پیدا کرنے سے بڑھ کر فضیلت والے اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت نہیں ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔ ہر شئے کا ایک ستون ہوتا ہے اس دین کا ستون فقہ ہے۔ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک ساعت فقہ سیکھنا مجھے ساری کی شب بیداری سے زیادہ محبوب ہے۔

عن أبي هريرة: مَن جاءَ مَسجدي هذا، لَم يَأْتِه إلّا لخيرٍ يَتعلَّمُه، أو يُعلِّمُه فهوَ بِمنزِلَةِ المجاهدينَ في سَبيلِ اللهِ، ومَن جاءَ لغيرِ ذلكَ، فهوَ بِمنزِلَةِ الرَّجُلِ يَنظرُ إلى مَتاعِ غيرِه۔[21]

ترجمہ: جو شخص میری اس مسجد میں صرف کوئی نیکی سیکھنے یا سکھانے کیلئے آیا وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے قائم مقام ہے جو کوئی کسی اور مقصد کیلئے آیا پس وہ اس کی آدمی کی طرح ہے جو دوسروں کے سامان کی حفاظت کرتا ہے۔

عن أبي ذر الغفاري: يا أبا ذرٍّ لأن تغدوَ فتُعلِّم آيةً من كتابِ اللهِ خيرٌ لك من أن تصلِّيَ مائةَ ركعةٍ ولأن تغدوَ فتُعلِّم بابًا من العلمِ عُمِل به أو لم يُعمَلْ به خيرٌ من أن تُصلِّيَ ألفَ ركعةٍ۔[22]

ترجمہ: اے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تیرا کہیں جاکر قرآن کریم کی ایک آیت مبارک سیکھ لینا سو رکعت نفل سے افضل ہے۔ تیرا کہیں جاکر علم کا ایک باب سیکھ لینا جس پر عمل کیا جائے یا نہ، ہزار رکعت نماز نفل سے بہتر ہے۔

عن أنس بن مالك: إنَّ مثلَ العلماءِ في الأرضِ كمثلِ النُّجومِ يُهتَدى بها في ظلماتِ البرِّ والبحرِ فإذا انطمستِ النُّجومُ أوشكَ أن تضلَّ الهُداةُ۔[23]

ترجمہ: حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک زمین پر علماء کی مثال آسمان کے ستاروں کی طرح ہے کہ ان کے ذریعہ سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے جب ستاروں کی روشنی ختم ہو جائے تو ممکن ہے کہ رستہ دکھانے والے بھی گمراہ ہو جائیں۔

عن أنس بن مالك: ألا أخبرُكم عن الأجودِ، الأجودُ اللهُ، الأجودُ الأجودُ، وأنا أجودُ ولدِ آدمَ وأجودُهم من بعدي رجلٌ علم علمًا فنشره، يبعثُ يومَ القيامةِ أمةً واحدةً، ورجلٌ جاد بنفسِه في سبيلِ اللهِ۔[24]

ترجمہ: حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کیا میں سب سے فیاض ہستی نہ بتاؤں اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر فیاض ہے سب سے زیادہ فیاض ہے بنی آدم میں سب سے فیاض میں ہوں۔ میرے بعد سب سے زیادہ فیاض وہ ہوگا جسے علم عطا کیا گیا اور اس

---

[21] صحيح الترغيب ٨٧ • صحيح • أخرجه ابن ماجه (٢٢٧)، وأحمد (٩٤١٩)

[22] المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ٢/٣٠٤ • إسناده حسن • أخرجه ابن ماجه (٢١٩)، وابن شاهين في «شرح مذاهب أهل السنة» (٥٤)، والديلمي في «الفردوس» (٨٣٦٢) باختلاف يسير۔

[23] المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٨٠ • الدمياطي (٧٠٥هـ)، المتجر الرابح ١٩ •

[24] أخرجه أبو يعلى (٥/١٧٦)،

نے اپنے علم کو پھیلا دیا۔ قیامت کے دن وہ اکیلا بہت بڑا امام بن کر اٹھایا جائے گا۔ نیز وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان قربانی کیلئے پیش کر دی یہاں تک کہ وہ مار ڈالا گیا۔

عن أبي أمامة الباهلي: أيُّما ناشئٍ نشأَ في طلبِ العِلمِ والعبادةِ حتّى يكبُرَ وهو على ذلكَ أعطاهُ اللهُ يومَ القيامةِ ثوابَ اثنينِ وسبعينَ صدِّيقًا[25].

ترجمہ: جو بچہ طلب علم اور عبادت میں پلا بڑھا یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے بہتر (۷۲) صدیقوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔

عن أبي هريرة: خصلتانِ لا تجتمعانِ في منافقٍ: حسنُ سمتٍ، وفقهٌ في الدِّينِ۔[26]

ترجمہ: دو خصلتیں کسی منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اچھی روش اور دین میں سمجھ۔

عن أبي هريرة: مَن نَفَّسَ عن مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِن كُرَبِ الدُّنْيا، نَفَّسَ اللَّهُ عنه كُرْبَةً مِن كُرَبِ يَومِ القِيامَةِ، وَمَن يَسَّرَ على مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللَّهُ عليه في الدُّنْيا والآخِرَةِ، وَمَن سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللَّهُ في الدُّنْيا والآخِرَةِ، واللَّهُ في عَوْنِ العَبْدِ ما كانَ العَبْدُ في عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَن سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فيه عِلْمًا، سَهَّلَ اللَّهُ له به طَرِيقًا إلى الجَنَّةِ، وَما اجْتَمَعَ قَوْمٌ في بَيْتٍ مِن بُيُوتِ اللَّهِ، يَتْلُونَ كِتابَ اللَّهِ، وَيَتَدارَسُونَهُ بيْنَهُمْ، إلّا نَزَلَتْ عليهمِ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ المَلائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَن عِنْدَهُ، وَمَن بَطَّأَ به عَمَلُهُ، لَمْ يُسْرِعْ به نَسَبُهُ. غيرَ أنَّ حَدِيثَ أَبِي أُسامَةَ ليسَ فيه ذِكْرُ التَّيْسِيرِ على المُعْسِرِ[27].

عن أنس: ما من رجلٍ يَنْعَشُ بلسانِهِ حَقًّا، فعَمِلَ به مَن بعدَه، إلا أُجْرِيَ عليه أجرُه إلى يومِ القيامةِ، ثم وَفّاه اللهُ تعالى ثوابَه يومَ القيامةِ[28].

عن واثلة بن الأسقع الليثي أبي فسيلة: مَنْ طلب علمًا فأدركه أعطاه اللهُ كِفلَينِ من الأجرِ ومَنْ طلب علمًا ولم يدركْه أعطاه اللهُ كِفلًا من الأجرِ فغيرُه فقال من طلب علمًا فأدركه أعطاه اللهُ أجرَ ما علِمَ وأجرَ ما عمِلَ ومن طلب علمًا فلم يدركْه أعطاه اللهُ أجرَ ما علمَ وسقط عنه أجرُ ما لم يعملْ۔[29]

عن أنس بن مالك: العلمُ علمانِ علمُ اللِّسانِ وَعِلمُ القلبِ فذاكَ العلمُ النّافعُ وعلمُ اللِّسانِ حجَّةٌ على ابنِ آدمَ۔[30]

---

[25] الجامع ٢٢٥٢•

[26] أخرجه الترمذي (٢٦٨٤)، والطبراني في «المعجم الأوسط» (٨٠١٠)

[27] مسلم (٢٦١هـ)، صحيح مسلم ٢٦٩٩] •صحيح•

[28] السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٨٠٢٣ •حسن۔ أخرجه أحمد (١٣٨٠٣)، والبيهقي في «شعب الإيمان» (٧٦٨١)،

[29] ابن حبان (٣٥٤هـ)، المجروحين ٢/٣٧٨ •أخرجه الدارمي (٣٣٥)

[30] المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٨٣ •إسناده حسن •أخرجه الخطيب في «تاريخ بغداد» (٤/٣٤٦)،

ترجمہ: علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو دل میں جاگزیں ہو گیا۔ وہ سود مند علم ہے۔ دوسرا وہ جو زبان پر ہے وہ آدمی کے خلاف دلیل ہو گا۔

عن أنس بن مالک: مَنْهُومانِ لا يَشْبَعانِ: مَنْهُومٌ في العلمِ لا يَشْبَعُ منه، ومَنْهُومٌ في الدنيا لا يَشْبَعُ منها۔[31]

ترجمہ: دو حریص سیر نہیں ہوتے، علم کی حرص والا سیر نہیں ہوتا، دنیا کی لالچ کرنے والا حریص بھی سیر نہیں ہوتا۔

عن عبداللہ بن مسعود: لا حَسَدَ إلّا في اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتاهُ اللّٰهُ مالًا، فَسَلَّطَهُ على هَلَكَتِهِ في الحَقِّ، وآخَرُ آتاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهو يَقْضِي بها ويُعَلِّمُها[32].

ترجمہ: دو آدمیوں کے سوا کوئی اور رشک کے لائق نہیں، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اسے وہ نیکی کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ اور دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازے، وہ لوگوں کو سکھائے اور خود اس پر عمل کرے۔

عن عمر بن الخطاب: أخوَفُ ما أخافُ على أُمَّتِي كلُّ منافقٍ عَليمُ اللِّسانِ[33].

ترجمہ: سب سے خوفناک چیز مجھے اپنی امت پر جس کے ضرر کا خوف ہے۔ ہر وہ منافق ہے جو زبان کا عالم ہو (اپنے علم پر خود عمل نہ کرتا ہو)۔

عن جندب بن عبداللہ: مثلُ العالِمُ الَّذي يُعلِّمُ النّاسَ الخيرَ ولا يعملُ بهِ كمثلِ السِّراجِ يُضيءُ للنّاسِ ويحرِقُ نفسَهُ۔[34]

ترجمہ: وہ عالم جو لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود کو بھلا دے۔ اس کی مثال دیے (چراغ) کی سی ہے وہ لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور اپنے آپ کو جلاتا ہے۔

عن أبي هريرة: إنَّ أشدَّ النّاسِ عذابًا يومَ القيامةِ عالِمٌ لم ينفعْهُ علمُهُ۔[35]

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہو گا جسے اس کے علم نے کچھ نفع نہ دیا۔

عن عبداللہ بن عباس: إنَّ ناسًا مِن أُمَّتي سيَتفقَّهونَ في الدِّينِ، يُقرِؤُونَ القرآنَ يقولونَ: نأتي الأُمَراءَ فنُصِيبُ مِن دُنياهم ونَعتَزُّ لهم بدِينِنا ولا يكونُ ذلك كما لا يُجتَنى مِنَ القَتادِ إلّا الشَّوْكُ، كذلك لا يُجتَنى مِن قُربِهم إلّا. قال ابنُ الصَّبّاحِ: يعني الخَطايا[36].

---

[31] تخريج مشكاة المصابيح ٢٥١ • صحيح • والحاكم (٣١٢)، والبيهقي في «شعب الإيمان» (١٠٢٧٩)

[32] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري ٧٤١] • صحيح •

[33] الذهبي (٧٤٨هـ)، سير أعلام النبلاء ١١/٤٤٥ • المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/١٠٣ • ابن كثير (٧٧٤هـ)، مسند الفاروق ٢/٦٦٠ •

[34] ابن كثير (٧٧٤هـ)، تفسير القرآن ١/١٢٢ • الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ١/١٨٩

[35] الدارقطني (٣٨٥هـ)، لسان الميزان ٥/٤١٥ • ابن القيسراني (٥٠٨هـ)، ذخيرة الحفاظ ٢/٩٦٧ •

[36] المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٩٣ • الهيتمي المكي (٩٧٤هـ)، الزواجر ٢/١٢٠ • تخريج مشكاة المصابيح ٢٥٣ •

ترجمہ: میری امت کے کچھ لوگ دین میں فقاہت کا مقام پالیں گے اور قرآن مجید پڑھیں گے کہیں گے ہم حکمرانوں کے پاس جاتے ہیں تاکہ اپنی کچھ دنیا درست کرلیں۔ اپنے دین کو ہم ان سے بچا کر رکھتے ہیں۔ حقیقت میں ایسا نہ ہوگا جس طرح (سخت کانٹوں والا درخت) قتاد سے صرف کانٹے ہی حاصل ہوتے ہیں اسی طرح ان کے قرب سے صرف گناہوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

عن أبي سعيد الخدري: إن الناسَ لكم تَبَعٌ وإن رجالًا ليأتُونكم من أقطارِ الأرضِ يتفقَّهونَ في الدينِ فإذا أتَوكم فاستوصوا بهم خيرًا۔[37]

ترجمہ: لوگ تمہارے پیچھے چلنے والے ہیں۔ کچھ لوگ زمین کے اطراف واکناف سے دین کی سمجھ حاصل کرنے کیلئے آئیں گے۔ جب تمہارے پاس آئیں، انہیں نیکی کی بات سکھانا۔

عن علي بن أبي طالب: كنّا جُلوسًا عندَ النَّبيِّ ﷺ وهو نائمٌ، فذكَرْنا الدَّجّالَ، فاستيقَظَ مُحْمَرًّا وجْهُه، فقال: غيرُ الدَّجّالِ أخوَفُ عندِي عليكُم مِن الدَّجّالِ؛ الأئمَّةُ المُضلِّينَ[38].

ترجمہ: ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھے تھے اور آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ ہم نے دجال کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ بیدار ہوگئے۔ آپ ﷺ کا چہرہ اقدس سرخ تھا، فرمایا دجال کے سوا اس سے بڑھ کر بھی میرے نزدیک تمہارے لیے زیادہ خوفناک مخلوق ہے۔ وہ گمراہ کرنے والے امام ہیں۔

عن أنس بن مالک: أتيتُ ليلَةَ أُسْرِيَ بي على رِجالٍ تُقْرَضُ شِفاهُهُم بمقاريضَ من نارٍ قلْتُ مَنْ هَؤُلاءِ يا جبريلُ قال هؤلاءِ خطباءُ أمتِکَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ الناسَ بالبرِّ وينسونَ أَنْفُسَهُمْ وهم يَتْلُونَ الْكِتابَ أفَلا يعقِلونَ۔[39]

ترجمہ: معراج کی رات میرا گزر ایک قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ اہل دنیا سے وہ مقرر ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو فراموش کردیتے تھے اور وہ قرآن مجید پڑھیں گے، کیا وہ نہیں سمجھیں گے؟

عن أبي هريرة: إذا ماتَ الإنْسانُ انْقَطَعَ عنه عَمَلُهُ إلّا مِن ثَلاثَةٍ: إلّا مِن صَدَقَةٍ جارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صالِحٍ يَدْعُو له[40].

---

[37] محمد المناوي (٨٠٣هـ)، تخريج أحاديث المصابيح ١/١٦٠ • ابن ماجه ٤٨ •

[38] البوصيري (٨٤٠هـ)، إتحاف الخيرة المهرة ٨/٤٤ • الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ٥/٢٤٢ •

[39] الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ٧/٢٧٩ • أخرجه أحمد (١٣٤٤٥)، وأبو يعلى (٣٩٩٢)

[40] مسلم (٢٦١هـ)، صحيح مسلم ١٦٣١] • صحيح •

ترجمہ: جب آدمی مر جاتا ہے اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین جہتوں سے اس کو ثواب ملتا رہتا ہے صدقۂ جاریہ، علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

عن عبداللہ بن عباس: مَنْ حفِظ على أُمتي أربعينَ حديثًا من أمرِ دينِها بعثه اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يومَ القيامةِ فقيهًا عالمًا۔[41]

ترجمہ: جو شخص میری امت کو چالیس احادیث دینی معاملات کے بارے میں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن عالم اور فقیہ اٹھائے گا۔

قال رسول اللہ ﷺ لا یخرج المؤمن فی طلب العلم حتی اعتقہ اللہ تعالی من النار قبل ان یخرج اربعین سنۃ۔

روی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سئلت عن جبریل علیہ السلام عن مراتبۃ صاحب العلم قال یارسول ﷺ ھم حبیب اللہ وسراج امتک فی الدنیا والاخرۃ وشفیع المذنبین طوبی لمن عرفھم ومن احب العلم والعلماء لم یکتب فی ایام حیوتہ خطیئۃ ویدخل الجنۃ بلاحساب ولاعذاب وویل لمن انکرھم فھم یدخل النار ابداً۔

قال رسول اللہ ﷺ من اراد ان ینظر الی العالم اعتقہ اللہ من النار فلینظر الی طالب العلم قال رسول اللہ ﷺ من اراد رضائی فلیکرم صدیقی۔ قیل یارسول اللہ ﷺ من صدیقک قال طالب العلم ومن مات فی طلب العلم فقدمات مغفورا وان کان فاسقا قال رسول اللہ ﷺ طالب العلم عند اللہ افضل من الحافظین والعابدین والزاھدین والمجاھدین والمعتکفین والحاج والشھداء واستغفر اللہ لہ الملئکۃ والسحاب والنجوم والریاح والبحار والاشجار وکل شئی فی الارض۔

قال رسول اللہ ﷺ من کان فی طلب العلم یسمی لہ اولیاء فی السماء وفی الارض فقیھا وکتب اللہ تعالیٰ بکل شعرۃ بدنہ ثواب نبی ومرسل ویدخل الجنۃ مع الانبیاء بغیر حساب۔ لان العلماء بمنزلۃ النبیون والفرق لھما انہ لم یوح الیھم ومن صافح ید العلماء حرم اللہ جسدہ علی النار ومن اراد ان یحب علی النبی ﷺ فعلیہ ان یحب العلماء لان العلماء جالسون علی مکان النبی علیہ السلام ومن کان احضر علی دفن العلماء والمتعلمین او حضر علی جنازتھم غفر اللہ لہ ویفتح اللہ فی قبرہ ابواب الرحمۃ ونور اللہ قبرہ۔

قال النبی ﷺ اذا کان یوم القیامۃ یجمع العلماء ویقول اللہ تعالیٰ یا احبائی انتم یحملون شدۃ الاجلیٰ فی طلب العلم ولیھتدونکم بالاسلام اناراض منکم وغفرت ذنوبکم وعلیکم شفاعۃ المذنبین کشفاعۃ حبیبی محمد ﷺ وشفیعکم للمذنبین ثم دخلتم الجنۃ بلاحساب ولاعذاب۔ قال النبی ﷺ الناس علی ثلثۃ اقسام العالم والمتعلم والخادم لھم وسائر الناس کالھمج فی النجاسۃ والنظر الی المصحف والی وجہ العالم والوالدین عبادۃ الف سنۃ کقولہ علیہ السلام النظر الی وجہ العالم افضل من عبادۃ الف سنۃ وزیارۃ العالم احب الی اللہ تعالیٰ من طواف الکعبۃ سبعین مرۃ ونزل علیہ کل یوم من اللہ تعالی رحمۃ ووجب لہ الجنۃ۔ قال النبی ﷺ لو ذھب العالم الی المدینۃ او الی القریۃ واکل من طعامھم یرفع اللہ تعالی عن امواتھم عذاب القبر اربعین سنۃ۔ قال النبی ﷺ من اکل الطعام مع العالم لایعذب اللہ تعالی فی القبر ولاحساب لہ یوم القیامۃ۔ قال النبی ﷺ من اکل لقمۃ او لقمتین مع العالم او جلس معہ ساعۃ او ساعتین او مشی خلفہ خطوۃ او خطوتین وجب لہ الجنۃ۔ قال النبی ﷺ من اراد ان یقدم لتعلیم غفر اللہ لہ قبل ان یخطو او اذا جلس بین ید العالم للتعلیم افتح اللہ تعالیٰ علیھم سبعین بابا من الرحمۃ ولایقوم حتی یصیر کنحو ولدت امہ

---

[41] ابن حبان (۳۵٤ھ)، المجروحین ۱/۱٤٤۔

كتب الله له بكل حرف ثواب ستين شهيدا او يبنى له فى الجنة بيتا مثل الدنيا عشر مرة قال النبى ﷺ ان الله تعالىٰ خلق جبلا فوق السماء السابعة مثل الدنيا باربعين الف مرة يضعه الله تعالىٰ يوم القيامة فى الميزان لمن يجلس عند العلماء۔ قال النبى ﷺ الجلوس ساعة عند العلماء افضل الى الله تعالىٰ من عبادة الف سنة۔ قال النبى ﷺ اذا مات عالم لا ياكل الارض لحمه شئى بل يبقى فيه سلامة الى يوم القيامة و العالم محبوبة يقوم يوم القيامة بجنب جسيم۔ قال النبى ﷺ من احب قوما فهو منهم و ان لم يعمل و العلماء و المتعلمين فى الفضيلة سواء حتى اذا جاء عالما او متعلما و لم يقوم الناس اليهم فكانما قتل الف نبيا و امراته عليه حرام كذا ذكره فى فتاوى الناطقى و ذكر فى البحر اذا جاء عالما او متعلما و لم يقوم الناس فليس لهم شفاعة النبى ﷺ۔ قال النبى ﷺ اذا جاء العالم او المتعلم و لم يقوم الناس لهما لم يجد شفاعتى كذا فى السراجية و لا يجوز للجاهل ان يقدم على العالم الشاب فى المشى و الجلوس و الكلام و ان كان الجاهل كبير سنا كذا ذكره فى مجموع النادرات لا ينبغى للعالم ان ياتى فى قوم لا يكون فيه تعظيما لان النبى ﷺ قال فى المنهيات العالم غريب فيما بين قوم و لا يسمعون منه لا ينظر الله تعالىٰ الى تلك القوم نظر الرحمة كذا فى التاتارخانى ۔من تقدم على العالم او المتعلم فى الجلوس او المشى او الكلام يكفر لان تقديمه لا يخلو امّا ان يكون اهانة العلم او اهانة ذات العالم فان كان باهانة العلم فقد كفر بالاجماع و نكاحه كالكافر و اذا كان باهانة ذات العالم فهو ايضا كذلك يكفر لان شرف الانسان الى الله تعالىٰ بالعلم اقوى من سائر الاوصاف كذا ذكره فى فصول الحمادى ۔قال النبى ﷺ العلماء كسورة القرآن بعضها طويلة و بعضها قصيرة و الكفر بالانكار كلها و حرمة العلم و العلماء فرض و يكفر بترك حرمة العلم و العلماء و ان كان فاجرا الا ترى ان الانسان لا يكفر بالمعصية و يكفر بترك حرمة العلم و العلماء و ان كان العالم فاجرا لا يرى فجوره بل علمه و حرمة العلم و العلماء خير من سائر الطاعات كذا ذكره فى فصول الحمادى و ينبغى للعالم فى زماننا ان يلبس احسن الثياب و اعظم العمامة او سع القميص اكما ما قال ابو حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه الى اصحابنا احسنوا ثيابكم و اعظموا عمامكم و اوسعوا اكمامكم تعظيما لعلماء كذا ذكره فى كنز العباد اذا جاء العالم الى المسجد و كان الناس فى صف الاول فلهم ان يؤخروا اليقدم العالم الى الصف الاول لان حرمة العالم فرض فى كل حال كذا ذكره فى فصول الحمادى و من رفع الصوت على العالم ان كان على وجه الحقارة فهو كافر بالاتفاق و ان كان على وجه المزاح ففيه اختلاف المشائخ قال بعضهم يكفر و قال بعضهم لا يكفر و الاصح يكفر لان المزاح دليل الاستخفاف و كان من الحقارة فى حق العالم بالاتفاق كذا ذكره فى مجمع البحرين ۔قال النبى ﷺ و من نظر الى العالم او المتعلم بنظر الحقارة خرج من الدنيا كافرا الا ان يتوب و من جلس فوق العالم فقد جلس فوق القرآن و من جلس فوق القرآن فقد كفر و من قال لطالب العلم اى ابله و اى بيعقل يكفر كذا ذكره فى مجمع البحرين و من شتم الى العالم او الى طالب العلم او جدله ينظر ان كان المنازعة على المسئلة فلا شئى و ان كان على الدنيا فهو كافر بالاتفاق لان حرمة العلم و العلماء فرض و من نظر بالحقارة طلقت امراته بالاتفاق كذا ذكره فى تحفة الفقهاء و من سب الى العالم او الى العلماء يعود الى النبى ﷺ فيجب قتله و لا يقبل توبته كذا ذكره فى اجناس الناطقى و من سب رسول الله ﷺ او اخر الانبياء و امهل و فى قتل السابى بلا سبب شرعى مع قدرتهم على قتل السابى فقد رضوا بما صدر عنه من الشتم و الشتم هو الكفر و الرضاء بالكفر كفر و هم كافرون كذا ذكره فى فتاوى مجموع الغرائب فاذا مات العالم ينبغى ان يحزن الناس فمن لم يحزن فهو من المنافقين و روى عن حسن رضى الله تعالىٰ عنه انه قال قال رسول الله ﷺ من لم يحزن بموت العالم فهو منافق لانه مصيبة عظيمة من موت العالم و اذا مات العالم يبكى السماء و الارض و ما فيهما سبعين يوما و من تقدم عن العالم فى الجلوس و المشى و الركوب و الكلام فهو استخفاف و العالم الذى يعلم الواجبات و السنة و الحج و الصوم و الزكوة و الحيض و النفاس و الحرام و الحلال و المكروه و المفسدات فهو عالم و ان علم بالايمان و مائة و ثلثين مسائل و فرائض الصلوة و الواجبات و السنة

کماعرف وان کان قاریااو کاتبالایکون عالماکذاذکرہ فی رسالۃ البراۃ۔العالم ھو الذی یخشی اللہ کثیر اویرجوامنہ وکان فی العبادات مشغولاویاکل الحلال واجتنب عن حرام الدنیاولسانہ فی الحمدوعینہ من الحیاءوالبکاءویحب الفقراء لاالاغنیاء والملوک والامراءوان کان بخلافہ لایکون عالماکذاذکرہ فی تفسیر الزاھدی اذالم یکن فی العالم خوف اللہ تعالیٰ ولم یکن فیہ ھذہ الصفۃ المذکورۃ لم یکن عالمابل لصوص الدین کذاذکرہ فی شرح القلوب یاکل النار فی بطنہ یوم القیامۃ من سوءعملہ قال النبی ﷺ العلماءورثۃ الانبیاءاذاعمل بعلمہ ولایدخل لاجل الدنیافی باب الملوک واذادخل فی باب الملوک کان لصوص الدین وقطاع الطریق۔قال النبی ﷺ ولاتاکلوامن خبز الملوک فانہ عجین من دم المساکین کذاذکرہ فی ھدایۃ الاعمیٰ۔قال رسول اللہ ﷺ الذباب علی قذرۃ خیر من العلماءالذین اخذواشیئامن باب الملوک والامراء۔

قال النبی ﷺ العالم السائل اذادخل فی باب الملوک کذباب دخل فی النجاسۃ فاذامات فاحذروامنھم واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ: استاد یا مرشد کا عاق

مُرشد اور اُستاذ کا عاق فاسق نہیں بلکہ کافر ہے جیسا کہ خُداوندِ کریم قرآنِ پاک میں فرماتا ہے۔

"وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔ای صار منھم باستقباحہ أمر اللہ تعالی إیاہ بالسجود لآدم اعتقاداً بأنہ أفضل منہ، والأفضل لایحسن أن یؤمر بالتخضع للمفضول"۔[42]

وجہ کُفر یہ ہے کہ اُستاذ و مُرشد کی تخفیف کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ جیسے اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ سب فرشتے مع شیطان کے آدم علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ سب فرشتوں نے سجدۂ تعظیمی کیا لیکن شیطان نے نہیں کیا بلکہ آدم علیہ السلام کو حقیر جانا جبکہ وہ اُستاذ ہونے کے باعث لائقِ عزت تھے جیسا کہ مصرح موجود ہے۔

"وھو مراعاۃ للأدب بتفویض العلم کلہ إلیہ"[43]

اور جیسا کہ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے۔

"ابی ای امتنع من السجود لاٰدم فلم یسجد واستکبر وھٰذا کان من اللہ خبرا عن ابلیس فانہ من خلق اللہ الذین یتکبرون عن الخضوع لامر اللہ والانقیاد لطاعتہ فیما امرھم وفیما نھاھم عنہ والتسلیم لہ فیما اوجب لبعضھم علی بعض من الحق فنبہ اللہ إلی الکافرین انہ کان حین ابی من السجود فصار من الکافرین حینئذ وقبل فی ھٰذا الموضع"۔[44]

---

[42] (تفسیر بیضاوی ص ۶۳ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

[43] (تفسیر بیضاوی ص ۶۴)

[44] (تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۱۷۵)

تفسیر ابن جریر کی عبارت سے ثابت ہے کہ ایک شخص کا دوسرے شخص پر حق ہوتا ہے اور خُداوندِ کریم فرماتا ہے کہ تو اس کا حق ادا کر اور وہ اس کا حق ادا نہیں کرتا بسبب تکبر اور حسد کے تو وہ اس صورت میں کافر ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے آنحضرت سرورِ کائنات ﷺ کی تعظیم و توقیر اور طاعت تمام دنیا پر واجب تھی کیونکہ وہ معلم الخیر تھے۔ جس وقت یہودیوں نے تعظیم و توقیر سے انکار کیا بوجہ تکبر و حسد کے تو خُداوندِ کریم نے اُن کو کفر میں مبتلا کیا۔ اسی طرح سے استاذ و مرشد معلم الخیر ہیں ان کی تعظیم و توقیر شاگرد و مرید پر واجب ہے اگر وہ تعظیم و توقیر نہیں کرتا بلکہ تخفیف کرتا ہے تو اس صورت میں کفر لازم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خُداوندِ کریم قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے۔

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۔قال ابن عباس و جابر هم الفقهاء و العلماء الذين يعلمون الناس دينهم وهو قول الحسن و الضحاک و مجاهد"[45]

خُداوندِ کریم اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت واجب ہے اور نافرمانی کُفر ہے۔ اسی طرح اُستاذ کی طاعت واجب ہے اور نافرمانی کرنا کفر ہے۔ کیونکہ حکم معطوف اور معطوف علیہ دونوں کا ایک ہوتا ہے۔

دوسری دلیل اس آیتِ کریمہ کی دلالت النص سے ہے۔

"لَاتَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا"۔ مطلب یہ ہے کہ اصل نصوص میں تعلیل ہے۔ اس نص میں علت یہ ہے کہ آنجناب سرورِ کائنات ﷺ تمام مخلوق کیلئے مُعلم الخیر تھے اس لیے ان کا نام مبارک لیکر پُکارنا حرام ہے اور ان کی تخفیف کرنا کفر ہے جیسا کہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

"وفی الآية بيان توقير معلم الخير لان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان معلم الخير فامر الله بتوقيره و تعظيمه وفيه معرفة حق الأستاذ وفيه معرفة اهل الفضل"[46]

اس کی تائید یہ آیتِ کریمہ کرتی ہے۔

"قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الكهف ٦٦) قال ستجدني ان شآءالله صابرا و لا اعصى لک امرا" موسیٰ علیہ السلام باوجود کمالِ علم کے اور عالی منصب ہونے کے اپنے اُستاذ کی تعظیم اور توقیر اور تابعداری کرتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ اُستاذ اور مُرشد کی تخفیف اور نافرمانی کرنا کفر ہے۔

"وفيه دليل على انه لا ينبغي لاحدٍ ان يترک طلب العلم و ان كان قد بلغ نهاية و ان يتواضع لمن هو اعلم منه"[47]

---

[45] (خازن ج ا ص ۳۷۲ لبنان بیروت)

[46] (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۷۹۱ سورۃ نور)

[47] (تفسیر مدارک ص ۲۱۸)

جواب توبہ: توبہ کا جواب یہ ہے کہ یعنی استاذ و مُرشد کے عاق کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی جیسا کہ نصًا موجود ہے اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں **فان تولوا فانّ اللہ علیم بالمفسدین قال المشائخ رحمھم اللہ تعالی فی تفسیر ھٰذہ الآیۃ عقوق الاستاذین لاتوبۃ منہ۔**[48]

اس سے معلوم ہوا کہ عاق توبہ سے نہیں بخشا جاتا۔ جس طرح سابی الرسول توبہ سے نہیں بخشا جاتا۔ یہ مذہب مختار ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عاق، شرک سے بڑا گناہ ہے کیونکہ شرک توبہ سے بخشا جاتا ہے۔ **اعوذ باللہ منہ۔**

تحذیر الاخوان ص ۱۷۰ میں فجِ عمیق کے حوالے سے منقول ہے کہ عاق کے کفر کے بہت سی روایات منقول ہیں آخر میں لکھا ہے کہ عاق کا کفر۔ نوادر اور ذخیرہ کی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالے میں لکھا ہے کہ کسی کتاب میں نہ روایت ہے کہ کسی سے سُنا گیا ہے اور نہ کوئی کہتا ہے کہ عاق کے پیچھے نماز جائز ہے۔ دُرر الفرائد میں لکھا ہے۔

"حق الاستاذ فرض فمن انکر من حقہ فھو کافر و کذا الشیخ بل الشیخ افضل من الاب فادبہٗ اولی من ادبہ و قال یحیٰی بن معاذ العلماء ارحم بامۃ محمد ﷺ من أبائھم و امّھاتھم قیل و کیف ذٰلک قال لان أبائھم و امّھاتھم یحفظونھم من نار الدنیا و ھم یحفظونھم من نار الآخرۃ"۔

یعنی استاذ کا حق فرض ہے جس نے اُستاذ کے حق کا انکار کیا وہ کافر ہے اس طرح شیخ (پیر و مُرشد) کا حق ہے بلکہ شیخ والد سے افضل ہے تو شیخ کا ادب والد کے ادب سے اولیٰ و مقدم ہے۔ یحیٰی بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ علمائ کرام امتِ محمدیہ پر ان کے والدین سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں پوچھا گیا کہ وہ کیسے فرمایا کہ ان کے والدین انہیں دنیاوی آگ سے محفوظ رکھتے ہیں اور علمائے کرام ان کو آخرت کی آگ سے محفوظ رکھتے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مبدأ و معاد ص ۴۶ میں لکھا ہے کہ۔

پیر و مرشد کا حق تمام حقداروں (والدین، اساتذہ) کے حقوق سے بڑھ کر ہے۔ تربیت السالکین ص ۱۲۴ میں پوری تحقیق ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ باپ تین قسم پر ہے اور ان میں بہتر وہ ہے جو اس کو تعلیم دے الخ۔

جامع الفتاوی فی الھدایۃ لاھل الخیاریٰ ص ۹۲ پر لکھا ہے۔

"و اما حقوق الوالدین فثابت بنص القرآن کما قال اللہ تعالی (أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ) حیث قرّن اداء شکرھما باداء شکرہ و اما حقوق الاستاذ (معلم العلم الشرعی) فوق ذٰلک فی الرعایۃ کما قال اسمٰعیل الحقی البروسوی فی تفسیرہ۔[49]

حق المعلم فی الشکر فوق حق الوالدین قال الامام الواعظ رکن الاسلام محمد بن ابی بکر المعروف بامام زادہ الحنفی فی کتابہ شرعۃ الاسلام (و یقدم حق معلمہ علی حق ابویہ و سائر المسلمین) و قال العلامۃ یعقوب بن السید علی فی شرح شرعۃ الاسلام فی

---

[48] (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۴۶ لبنان بیروت)

[49] (روح البیان سورۃ لقمان ج ۷ ص ۷۸)

باب فضل العلم و سنة التعلم و التعليم (روی عنه ﷺ انه قال خير الامام من علمک و قد اشير اليه فی قول علی رأيت احق الحق حق المعلم"۔[50]

و فی الفتاوی الهندية ای فی الباب الثلثون فی المتفرقات ج ۵ ص ۳۷۸ (وينبغی للرجل ان يراعی حقوق استاذه و ادابه لايضن بشئ من ماله و لايقتدی به فی سهوه) و قال وحيد العصر الشيخ الاجل طاهر بن عبدالرشيد البخاری فی خلاصة الفتاوی (و فی الشافی لا يجوز ان يتقدم العالم علی ابن استاذه او ابن ابن استاذه اذ کان ذٰلک الابن او ابن الابن عالمان، اما اذا کان جاهلًا فهو بالخيار زجرًا له) و اما حقوق مشائخ الصوفية (اهل البيعة) اشرف و افضل من حقوقهم فی رعاية الاٰداب) جامع الفتاوی ج ۱ ص ۹۳ شرح تعليم المتعلم، مجالس الابرار، مجمع العجائب وغيره۔

جو شخص اپنے حقیقی باپ کا حکم نہ مانے تو وہ عاق اور نافرمان ہے کیونکہ نافرمانی گناہ کبیرہ ہے اور خاص کر علماء ومشائخ کی نافرمانی۔ مولوی عبد الھادی دیوبندی شاہ منصوری تسھیل المشکوۃ ص ۵ میں لکھتے ہیں کہ۔

"و عقوق الوالدين الخ و المعلم و الشيخ قياس عليهما و فی الفتاوی بر التلميذ لاستاذه افضل من بر الولد لوالديه لان الاب يحمی ولده من اٰفات الدنيا و الاستاذ يحمی تلميذه من اٰفات الآخرة انتهی۔ ويؤيده ما فی کتب الفقه و زوج المرضعة اب الرضيع انتهی۔ و تربية العلم افضل من تربية اللبن و قال فی الظهيرية و غيرها لايجوز الصلوة خلف العاق و لاتقبل توبته انتهی۔ و فی العاق ثلاثة احرف العين دال علی العيب و الالف دال علی الاهانة و القاف دال علی القهر فهذه اسباب العقوق اعاذنا الله تعالی منه و لايجوز تعليم العلم و لاطلب المسئلة من العاق"۔

یعنی والدین کی نافرمانی اور اس پر قیاس استاذ اور پیر و مرشد کی نافرمانی ہے۔ شاگرد کا اپنے استاذ کی خدمت بیٹے کا اپنے والدین کی خدمت سے افضل ہے کیونکہ باپ اپنے بچے کو دنیاوی مصیبتوں سے بچاتا ہے اور استاذ اپنے شاگرد کو اُخروی آفات سے بچاتا ہے۔ اسکی تائید فقہ کے دلائل سے بھی ہوتی ہے۔ دودھ پلانے والی عورت کا شوہر دودھ پینے والے بچے کا باپ ہے۔ اور علم کی تربیت دودھ کی تربیت سے افضل ہے۔ ظھیریۃ میں ہے کہ عاق کے پیچھے نماز جائز نہیں اور عاق کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ عاق میں تین حروف ہیں۔ عین، عیب پر دلالت کرتا ہے، الف، اھانۃ پر دلالت کرتا ہے، قاف، قہر پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ تینوں عقوق کے اسباب ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے۔ آمین۔ عاق کو تعلیم دینا یا اس سے مسئلہ پوچھنا جائز نہیں۔

اور ص ۶ میں لکھتے ہیں کہ۔ **و لاتعقن والديک اه و قياس عليهما المعلم و الشيخ و زوج المرضعة معها و العجب فی هٰذا الزمان ان الاولاد يخالفون عن الوالدين و التلميذ من الاساتذة و هلم جرا و قال فضل بن عياض لااکلم العالم الذی يخالف عن شيخه و لاانظر إلی وجهه انتهی۔[51]**

---

[50] (شرعۃ الاسلام ص ۴۴)

[51] (تسھیل المشکوۃ ص ۶)

یعنی اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو اور اس پر قیاس استاذ اور پیر و مرُشد ہے اور رضاعی باپ بھی۔ اس زمانے میں تعجب کی بات یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین اور شاگرد اپنے اساتذہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ فضل بن عیاض فرماتے ہیں میں اس عالم سے بات نہیں کرتا جو اپنے پیر و مرشد کی مخالفت کرتا ہے اور نہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوں۔

دُرر الفرائد معروف بکچکول الحیدری (مصنف: شیخ ابو عبد الرحمن حاجی ملا غلام حیدر الحنفی القادری) میں ہے کہ۔

من تعلم منه حرفا من القرآن او من تفسير او من الفقه او من مسئلة من المسائل الدينية او من كلمة الشهادة او من كلمة الاخرى او من الصلوة او من ذكر الله او نصيحة من الحسنات فهو استاذ فمن انكر من حقه فقد كفر لان حق الاستاذ فرض فمن انكر من حقه فهو كافر قال النبی ﷺ من استخف استاذه ابتلاه الله بثلاثة بلاء او له نسی منه العلم و الثانی قل رزقه و الثالث يخرج من الدنيا كافرا و من منع كلمة من كلام الاستاذ فهو عاق لا يقبل الله تعالى عنه الصلوة و الصوم و الحج و الزكاة و كل عبادة و لا يجوز الصلوة خلفه و لا يقبل شهادته و لا يعتبر قوله و لو كان عالما فقيها و لا ذبيحة من يده لانه صار عاقا فذبيحة العاق و الكافر سواء كان فی النار مع الكافرين الا ان يرضی عنه استاذه صار مسلما كما اسلم الكافر من الكفر كذا ذكر فی منهاج العابدين۔

جس نے کسی سے ایک حرف قرآن یا تفسیر یا فقہ یا دینی مسئلہ یا کلمہ شہادت یا کوئی دوسرا کلمہ یا نماز یا ذکر یا نیکی کی کوئی نصیحت سیکھی تو وہ اس کا استاذ ہے پس جو اپنے استاذ کے حق سے منکر ہوا وہ کافر ہے کیونکہ استاذ کا حق فرض ہے اور جو اس سے انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے استاذ کی اہانت کی وہ کافر ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے استاذ کی توہین کی اس کو اللہ تعالی تین مصیبتوں میں مبتلا کرے گا (۱) اس سے علم بھول جائے گا۔ (۲) رزق میں کمی ہو گی۔ (۳) دنیا سے کافر جائے گا۔ جس نے اپنے استاذ کی کوئی بات منع کی تو وہ عاق ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور کوئی عبادت بھی قبول نہیں فرمائے گا اور عاق کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اس کی شہادت قبول نہیں اور نہ ہی اس کے قول کا اعتبار ہو گا اگرچہ عالم ہو یا فقیہ اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں کیونکہ وہ عاق ہے اور عاق اور کافر کا ذبیحہ برابر ہے اور کافروں کے ساتھ دوزخ میں ہو گا مگر یہ کہ استاذ اس سے راضی ہو جائے تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔ آگے لکھتے ہیں کہ۔

لا يقبل الله تعالى منه كل طاعة كالكافر و لا يجوز الصلوة خلفه قال رسول الله ﷺ المرتد على نوعين احدهما مرتد عن الدين فيلقنه على الفور فان عاد و تاب صار مسلما فيصح توبته و لا يقتل و الثانی المرتد عن الاستاذ لا يقبل الله تعالى منه كل طاعة بالاتفاق الا ان يرضی استاذه ذكر فی الظهيرية و كذٰلک لا تسافر بغير اذن الاستاذ حتى لا تصير عاقا۔[52]

یعنی اللہ تعالیٰ عاق کی کوئی عبادت کافر کی طرح قبول نہیں فرماتا اور عاق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا مرتد کی دو قسمیں ہیں ۔

[52] (تذکرہ غوثیہ ص ۲۲ بحوالہ دُرر الفرائد فصل فی الکراھیۃ ص ۳۳۶، ۳۳۵، بریقہ ص ۱۴۸)

(۱) دین سے مرتد: ایسے مرتد کو فوراً دین کی تلقین کی جائے گی اگر واپس آیا اور توبہ کی تو مسلمان ہو گیا اور اس کی توبہ قبول ہے اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) اپنے استاذ سے مرتد: ایسے مرتد کا کوئی بھی عمل قبول نہیں ہو گا مگر یہ کہ اس سے استاذ راضی ہو جائے اور استاذ کی اجازت کے بغیر سفر بھی نہیں کرنا چاہیئے تاکہ عاق نہ ہو جائے۔

عاق کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس پر اپنی بیوی طلاق ہو جاتی ہے اور اس کا ذبیحہ حرام اور گواہی مردود ہے۔ اور اس کی امامت صحیح نہیں یعنی اس کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادۃ ہے۔ عاق کا کوئی قول و فعل معتبر نہیں اور کوئی بھی مالی و جانی عبادت قبول نہیں ہے اور اگر اسلامی قانون نافذ العمل ہو تو عاق واجب القتل اور لازم الاھانۃ ہے۔

سب سے پہلے عاق شخص کو توبہ کی ترغیب دی جائے گی اگر توبہ کر کے اپنے حقدار (استاذ، مرشد اور والدین) کو راضی کیا تو پھر اس کو اسلام کی تلقین کی جائے گی اور نکاح کی بھی تجدید کی جائے گی۔ اگر توبہ کرنے سے انکار کیا تو واجب القتل ہے۔ اور اگر قتل کا غلبہ و قدرت نہ ہو تو عاق کے ساتھ قطع تعلق کرنا واجب ہے البتہ استاذ کا حق والدین کے حق سے زیادہ ہے جس نے کسی سے ایک بھی حرف پڑھا اس کی قدر کرے گا اور اس کے سامنے عاجزی کرے گا۔

فتاوی خانیہ میں ہے کہ عاق اور صلہ رحمی قطع کرنے والا جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ مجمعۃ العجائب میں ہے کہ۔

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ والدین کے نافرمان کی مغفرت کی جائے گی مگر استاذ کے نافرمان کی مغفرت نہ ہو گی۔[53] درسہ جا آوردہ۔ "**الاستھزاء بالعلم و العلماء کفر**"۔[54] "**و لو صغر الفقیہ قاصدًا لاستخفاف بالدین کفر**"[55]

"**لان اھانۃ اھل العلم کفر علی المختار**" عالم کی تخفیف اور استہزاء کرنا کفر ہے۔ تو کیا استاذ کی تخفیف و استہزاء کفر نہیں ہو سکتا بلکہ ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو حقوق استاذ کے ہیں وہ دلالت النصوص کے ساتھ ثابت ہیں وہ نصوص جو نبی کریم ﷺ کے حقوق میں وارد ہوئے ہیں کیونکہ دونوں کی علتِ مشترکہ ہے۔ اور وہ علت یہ ہے کہ ہر ایک معلم الخیر ہے۔ اور دلالت النص حکمِ قطعی اور یقینی ثابت کرتی ہے جیسا کہ ظاہر علمِ اصول میں مرقوم ہے۔ اگر کسی صاحب کو علماء سے دوسری علت بغیر اس علت کے جو علماء متقدمین سے منقول ہے، معلوم ہو تو بتلاوے۔ خاکسار تسلیم کرنے کو تیار ہے۔

---

[53] بحر الرائق ج۵ ص ۱۲۳

[54] و نیز بحر الرائق ص ۱۲۴۔

[55] در شامی ج۳ ص ۲۰۳ آوردہ۔

جوابِ ثانی:

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اُستاذ و مُرشد کا عاق فاسق ہوتا ہے۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ فاسق لُغت میں خارج عن حدالایمان کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

"قولہ تعالی إِلَّا الْفَاسِقِينَ (البقرة ٢٦) الَّذِينَ۔ الفاسق فی اللُغة خارج عن حدالایمان" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق بھی کافر ہوتا ہے۔ فاسق کا کفر دلالت النص سے ثابت ہے جیسا کہ مولوی صاحب شرح علی الحسامی نے تشریح کی ہے۔

"فان استدل بمعناه اللغوی فدلالت النص ص ۷۴۔ في الشرع: الخارج عن أمر الله بارتكاب الكبيرة، وله درجات ثلاث:

الأولى: التغابي وهو أن يرتكبها أحياناً مستقبحاً إياها. الثانية: الانهماك وهو أن يعتاد ارتكابها غير مبال بها. الثالثة: الجحود وهو أن يرتكبها مستصوباً إياها، فإذا شارف هذا المقام وتخطى خططه خلع ربقة الإيمان من عنقه، ولابس الكفر"[56]

عاق استاذ کا اگر فاسق ہے تو اعلیٰ درجے کا فاسق ہے (وهو لابس الكفر) اس سے ثابت ہوا کہ عاق امامت کے لائق ہرگز نہیں ہو سکتا۔

لان معصومیت الامام عن الکبائر شرط لان الامام هو الذی یؤتمّ به ویقتدی به فلو صدر منه الکبائر لوجب علینا الاقتداء له فی ذٰلک فیلزم ان یجب علینا فعل الکبائر و ذٰلک محال لان کونه معصیة عبارت عن کونه ممنوعًا من فعلهٖ و کونه واجب عبارت عن کونه ممنوعا عن ترکه والجمع بینهما محال فَثَبَتَ بِدَلَالَةِ الْآيَةِ بُطْلَانُ إِمَامَةِ الْفَاسِقِ، قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ، وَدَلَّ أَيْضًا عَلَى أَنَّ الْفَاسِقَ لَا يَكُونُ حَاكِمًا، وَأَنَّ أَحْكَامَهُ لَا تُنَفَّذُ إِذَا وَلِيَ الْحُكْمَ، وَكَذَلِكَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ وَلَا خَبَرُهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا فُتْيَاهُ إِذَا أَفْتَى، وَلَا يُقَدَّمُ لِلصَّلَاةِ۔[57]

وَأَمَّا الْفَاسِقُ فَقَدْ عَلَّلُوا كَرَاهَةَ تَقْدِيمِهِ بِأَنَّهُ لَا يُهْتَمُّ لِأَمْرِ دِينِهِ، وَبِأَنَّ فِي تَقْدِيمِهِ لِلْإِمَامَةِ تَعْظِيمَهُ، وَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِمْ إِهَانَتُهُ شَرْعًا، وَلَا يَخْفَى أَنَّهُ إِذَا كَانَ أَعْلَمَ مِنْ غَيْرِهِ لَا تَزُولُ الْعِلَّةُ، فَإِنَّهُ لَا يُؤْمَنُ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ بِغَيْرِ طَهَارَةٍ فَهُوَ كَالْمُبْتَدِعِ تُكْرَهُ إِمَامَتُهُ بِكُلِّ حَالٍ، بَلْ مَشَى فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ عَلَى أَنَّ كَرَاهَةَ تَقْدِيمِهِ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ لِمَا ذَكَرْنَا قَالَ: وَلِذَا لَمْ تَجُزْ الصَّلَاةُ خَلْفَهُ أَصْلًا عِنْدَ مَالِكٍ وَرِوَايَةٌ عَنْ أَحْمَدَ۔[58]

---

[56] (تفسیر بیضاوی ص ۵۴)

[57] (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۶۹)

[58] (شامی ج ۱ ص)

اس طرح کبیری میں موجود ہے (ص۳۱۹،۳۱۸) فاسق، علماء، مجتہدین کے درمیان کافر اختلافی ہو گیا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ عاق کافر ہے اور اس کی کوئی عبادت بھی قبول نہیں ہے۔ فتاوی نور الھدیٰ المشھور فتاویٰ جامع الفوائد میں ہے۔

وینبغی للمتعلم ان یعظم استاذہ لان فی تعظیمہ برکۃ ومن لم یعظم او شتم فھو عاق لا تقبل صلاتہ ولا امامتہ ویعذر ویشھر وعلیہ الفتوٰی فی زماننا۔ (مختار الفتاوی) ولا یجوز شھادۃ العاق ولا امامتہ وتسقط عدالتہ ولا یعتبر قولہ ولا یعمل بفتواہ لو کان مفتیا۔ (تحفۃ الفقھاء) لا یحل ذبیحۃ العاق ولا امامتہ لان العاق یصیر مرتدا فی الحال ومثواہ فی النار۔ (فتاوی جامع) من امتنع کلمۃ من الاستاذ فھو عاق لم یدخل الجنۃ ولا نجاۃ لہ من النار ویخرج من الدنیا بغیر الایمان ولا تقبل عبادتہ ان کان الاستاذ ممن تعلم منہ حرفا من القرآن او تعلّم مسئلۃ من مسائل الفقہ او الحدیث او النصیحۃ من الحسنات او الذکر او لقّن کلمۃ طیبۃ۔[59]

یہ مسئلہ میں نے کسی کے ساتھ تعصب یا عداوت کی وجہ سے شائع نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک کو آگاہ کرنے کے لیے پیش خدمت ہے۔ کیونکہ آج کل بہت سے شاگرد استاذ کے ساتھ ہتک کے ساتھ پیش آتے ہیں اس لیے ان کو خُداوندِ کریم کے حکم سے اور استاذ کے حقوق سے آگاہ کرتا ہوں۔ علمائِ کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس مسئلے میں تمام کی رائے ایک ہونی چاہیے۔ **واللہ ورسولہ اعلم۔**

دوسری بات جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ آدمی پر اپنے استاد کا حق ہوتا ہے نہ کہ مطلق عالم کا تو یہ بات عقل و نقل سے بالکل خلاف ہے جیسا کہ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے۔

وَلَا یَأْمُرُوا الْعُلَمَاءَ فَإِنَّ الْحُجَّةَ قَدْ وَجَبَتْ علیھم.[60] یعنی عوام علماء کو حکم نہیں دیں گے کیونکہ ان پر دلیل قائم ہوئی ہے۔

قَالَ سَهْلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوا السُّلْطَانَ وَالْعُلَمَاءَ، فَإِذَا عَظَّمُوا هَذَيْنِ أَصْلَحَ اللَّهُ دُنْيَاهُمْ وَأُخْرَاهُمْ، وَإِذَا اسْتَخَفُّوا بهذين أفسد دنياهم وَأُخْرَاهُمْ.[61] یعنی جب تک لوگ علماء اور بادشاہوں کی تعظیم کریں گے تو ان کو خیر ملے گی اور جب تک لوگ ان دونوں کی تعظیم کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت کو سنوارے گا اور اصلاح کرے گا اور اگر لوگ ان دونوں کی توہین کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت فاسد فرمائے گا۔" تہتر فرقوں میں تہتر واں فرقہ جو ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو علماء کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں اور فقہاء کو برا جانتے ہیں اور یہ بے ادب فرقہ سابقہ امتوں میں نہیں تھا۔ (قرطبی)

اللہ تعالیٰ کے قول شھد اللہ میں علماء کی فضیلت اور شرافت پر دلیل ہے کیونکہ علماء کے علاوہ اگر کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا نام اپنے نام اور فرشتوں کے ساتھ یکجا فرماتا جیسا کہ علماء کا نام اپنے نام کے ساتھ یکجا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ علمائے کرام اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر امنا (امین) ہیں یہ علماء کی عظیم شرافت ہے مذکورہ تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عالم کا عوام پر ایسا حق

---

[59] (فتاوی نور الھدیٰ ص ۴۲۵، ۴۲۴)

[60] الجامع لأحکام القرآن = تفسیر القرطبي ج ۱۲ ص ۷۳ سورۃ الحج ۴۵۔

[61] الجامع لأحکام القرآن = تفسیر القرطبي ج ۵ ص ۲۶۰ النساء ۵۹۔

ہے جیسا کہ استاد کا اپنے شاگرد پر حق ہوتا ہے کیونکہ استاد کے حق کا سبب علم ہے اور یہ سبب وعلت ہر عالم میں موجود ہے اس لئے کتابوں میں لکھا ہے کہ جب عوام پر عالم کا حق استاد پر شاگرد کے حق پر مترادف ہوا تو وہ حق یہ ہے کہ عالم سے پہلے بات شروع نہ کریں عالم کی جگہ پر نہ بیٹھیں اگرچہ استاد غائب ہو استاد کی بات کارد نہیں کریں گے اور رفتار میں آگے نہیں بڑھیں گے اس سے بڑھ کر شوہر کا بیوی پر حق ہے۔

ومن قال فی جواب الاستاذ، لا، لایفلح ابدا۔[62] اور جس نے استاد کو جواب میں لا (نہیں) کہا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔" یہ اس لئے کہ علماء کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے اور اس میں استاد اور مطلق عالم برابر ہیں ان کے حق میں کوئی فرق نہیں، یہ لوگ صاحب حکم وعزت ہیں۔

درر الفرائد میں لکھا ہے کہ **حق الاستاذ فرض فمن انکر من حقه فهو کافر و کذا الشیخ بل الشیخ افضل من الاب فادبه اولی من ادبه وقال یحیی بن معاذ العلماء ارحم بامة محمد ﷺ من اباءهم و امهتهم و کیف ذلک قال لان اباءهم و امهتهم یحفظونهم من نار الدنیا وهم ویحفظونهم من نار الآخرة** ۔استاذ کا حق فرض ہے جس نے استاذ کے حق سے انکار کیا وہ کافر ہے اس طرح شیخ (پیر و مرشد) کا حق ہے بلکہ شیخ والد سے افضل ہے اس لئے ان کا ادب والد کے ادب سے مقدم واولیٰ ہے۔یحیی بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ ﷺ پر علماء کرام، والدین سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں پوچھا گیا کہ یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ والدین بچوں کو دنیاوی آگ سے بچاتے ہیں اور علماء کرام ان کو اخروی آگ سے بچاتے ہیں۔[63]

علمائے کرام کے ساتھ کینہ بغض رکھنا اور ان کی توہین کرنا یا علمائے کرام کو برا بھلا کہنا کفر ہے خاص کر عوام جہلاء ایسی باتیں نہیں جانتے اس لئے علمائے کرام کی توہین کرتے ہیں اس وجہ سے علامہ شامی نے لکھا ہے۔ **وَالِاحْتِيَاطُ أَنْ يُجَدِّدَ الْجَاهِلُ إيمَانَهُ كُلَّ يَوْمٍ وَيُجَدِّدَ نِكَاحَ امْرَأَتِهِ عِنْدَ شَاهِدَيْنِ فِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، إذْ الْخَطَأُ وَإِنْ لَمْ يَصْدُرْ مِنْ الرَّجُلِ فَهُوَ مِنْ النِّسَاءِ كَثِيرٌ۔**[64] یعنی احتیاط اس میں ہے کہ جاہل (عامی شخص) روزانہ ایمان کی تجدید کرتا رہے اور ہر مہینے میں دو یا ایک مرتبہ اپنا نکاح پڑھاتا رہے (یعنی نیا کرتا رہے) دو گواہوں کے سامنے کیونکہ اگرچہ آدمی کی طرف سے کوئی گناہ نہ ہو مگر عورتیں گناہ میں کثرت کرتی ہیں۔

تدوین فقہ:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے بلاشبہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ اسلامی باقاعدہ منظم طریقے سے مدون کی فقہ کی تعریف یہ ہے۔

---

[62] قشیریہ ص ۱۷۶، ارشاد الطالبین، طریقہ محمدیہ ص ۱۷۰ ج ۲۔

[63] درر الفرائد

[64] رد المحتار علی الدر المختار شامی ج ۱ ص ۳۲۔

لغت میں فقہ کے معنی ہیں **الشق و الفتح** یعنی شق کرنا اور کھولنا۔ **الفقه حقيقة الشق و الفتح** ۔ فقہ کا لغوی معنی ہے کسی شئے کو کھولنا اور واضح کرنا۔ اسی بنیاد پر علامہ زمخشری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الفائق میں فقیہ کی تعریف یہ کی ہے۔ **الفقيه۔ العالم الذی يشق الاحكام ويفتش عن حقائقها ويفتح ما استغلق منها**۔ یعنی فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کو واضح کرے اور ان کے حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق اور پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔[65]

فقہ مصدر ہے باب سمع یسمع اور کرم یکرم سے آتا ہے سمع یسمع سے ہو تو اس کا معنی ہے کسی شئے کو کھولنا واضح کرنا کسی چیز کو جاننا اور سمجھنا اگر کرم یکرم سے ہو تو اس معنی ہے فقیہ ہونا اور علم میں غالب ہونا۔ لفظ فقہ کی قاف پر سکون کے علاوہ اس پر تینوں حرکات آسکتے ہیں۔ فقہ (بکسر القاف) ہو تو اس کا معنی ہے جاننا۔ فقہ (بفتح القاف) ہو تو اس کا معنی ہے دوسرے کو سمجھانا اور فقہ (بضم القاف) ہو تو اس کا معنی ہے فقہ میں کمال پیدا کرنا اور مہارت کا حاصل ہو جانا۔[66]

شرح مسلم الثبوت میں فقہ کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ **الفقه حكمة شرعية فرعية**۔ یعنی فقہ اس حکمت شرعیہ کا نام ہے جس کا تعلق عقائد سے نہیں بلکہ احکام سے ہے عام فقہاء سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے۔ **العلم بالاحكام الشرعية الفرعية عن ادلتها التفصيلية**[67]۔

ترجمہ: احکام شرعیہ کو معلوم کرنا ان کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ۔ صاحب مسلم الثبوت کی صراحت کے مطابق عہد قدیم میں علم فقہ کا اطلاق وسیع مفہوم پر ہوتا تھا یعنی اس کے دائرہ بحث میں علم شریعت کے علاوہ علم الھیات اور علم طریقت کے مسئلے بھی شامل تھے۔ **ان الفقه فی الزمان القديم كان متناولا لعلم الحقيقة وهی الالهيات من مباحث الذات و الصفات و علم الطريقة وهی مباحث المنجيات و المهلكات و علم الشريعة الظاهرة**۔[68] یعنی علم فقہ زمانہ قدیم میں شامل تھا علم حقیقت کو بھی جسے علم الہیات بھی کہتے ہیں اور جس میں خدا کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے اور شامل تھا علم طریقت کو بھی جس میں نجات دینے والے اور ہلاک کرنے والے امور سے بحث ہوتی ہے اور شامل تھا علم شریعت ظاہرہ کو بھی جس میں احکام سے بحث ہوتی ہے۔ جس عہد میں فقہ کے مباحث کا دائرہ اتنا وسیع تھا اس وقت فقہ کی تعریف یہ کی جاتی تھی۔ **الفقه معرفة النفس مالها و ماعليها**۔ انسان کے فرائض و حقوق اور منافع و مضار کو جاننا علم فقہ کہلاتا ہے۔

---

[65] فتاوی فریدیہ ص ۷۵۔

[66] فتاوی فریدیہ ص ۷۵۔

[67] توضیح

[68] مسلم الثبوت۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب کا نام فقہ اکبر غالباً اسی اصطلاح کے نتیجے میں ہے۔ایک عرصہ دراز تک علم فقہ کا اطلاق اسی مفہوم میں ہوتا رہا لیکن اسلامی فتوحات کے نتیجے میں جب دنیا کی مختلف اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات قائم ہوئے تو علوم وفنون کے تبادلے کا ایک نیا دور شروع ہوا۔اس دور میں یونانی فلسفہ کے اثرات بھی دینی مباحث میں داخل ہوگئے اور جب وقت کے تقاضے کے مطابق عقائد وایمانیات کو عقلی دلائل سے مسلح کرنے کی جدوجہد شروع ہوئی تو عقائد کے مباحث نے "علم کلام" کے نام سے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرلی اس کے بعد فقہ کا مفہوم علم شریعت ظاہرہ میں محدود ہوگیا لیکن حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی گراں قدر تصنیف احیاء العلوم میں ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہزار انفرادیت کے باوجود فقہ پر علم طریقت کو اثر انداز رہنا چاہیئے۔ایک فقیہ کے اوصاف کے سلسلے میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے۔کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے۔مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو۔مال کی طمع نہ رکھے آفات نفسانی کے باریکی کو پہچانتا ہو عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو۔راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔سفر وحضر وجلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو۔[69]

نور ایمانی میں ہے کہ **الفقہ لغۃ دانائی وشناسائی واصطلاحا معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا۔** (نفس کو پہچاننا وہ جو اس سے مربوط ہے اور وہ جو اس (نفس) میں ہے۔)

وغرضہ امتیاز الحق عن الباطل (فرق کرنا حق اور باطل میں) وموضوعہ احکام المشروعات وغیر المشروعات۔
مشروعات اور غیر مشروعات کے احکام میں۔

(رب یسر) اے میرے رب آسان کردے مجھ پر یہ کتاب اس لئے کہ **لانک خیر المیسرین (ولا تعسر علی ھذا الکتاب)** مشکل اور سخت نہ کرنا مجھ پر یہ کتاب اس لئے **لانک احل المشکلات (وتممہ بالخیر)** اے میرے رب تمام کردے مجھ پر یہ کتاب خیر کے ساتھ **(لا بالشر)** نہ شر کے ساتھ **لانک خیر المتمین (ولا تنقص)** اور کم نہ کردے مجھ پر یہ کتاب حقیقتاً اور حکماً حقیقتاً کا معنی یہ کہ پوری کتاب کو نہ پڑھے اور حکماً کا معنی یہ کہ پڑھ تو لے مگر سمجھ نہ آئے **(یا فتاح)** **افتح علی اسرار ھذا الکتاب** اے سختیوں کے کھولنے والے مجھ پر اس کتاب کے اسرار کھول دے **(وبہ**

---

[69] احیاء العلوم ج ۱۔بحوالہ عجائب الفقہ ص ۱۹۔

نستعین) اورآپ کے نام سے جو سختیوں اور مشکلوں کو حل کرنے والا ہے مدد مانگتے ہیں ہم آپ سے اے میرے رب یعنی مجھے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقصود پر سمجھ عطا کر دے۔[70]

تسمیہ: لغت میں نام خدا کو کہا جاتا ہے اور شرع میں تسمیه من الاسماءالثلاثة یعنی اسماءثلاثة سے مرکب کلام ہے۔فان قیل: اگر کہا جائے یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ رب یسر کو تمم سے کیوں مقدم کیا گیا؟قلنا:(ہم کہتے ہیں یعنی سوال کا جواب دیتے ہیں ۔)رب یسر کو تمم سے اس حدیث کی موافقت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔"الزینة بهما کزینة الوجه بالعذارین"[71]

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ [72])(بِسْمِ اللَّهِ) اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں (الرحمن) ایسے اللہ تعالیٰ جو رزق دینے والا ہے تمام رزق کھانے والوں کیلئے جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایاوَ مَامِنْ دَابَّةٍفِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا(ھود ٦)(اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس

---

[70] ابتداء به اقتداء بکتاب الله و عمل بالحدیث الواقع فی شأن التسمیة قال رسول الله ﷺ کل امرٍ ذی بال لم یبدأ فیه بسم الله فهو اقطع و اجراء علی طریقة السلف الصالح رحمهم الله و اصل بسم الله باسم الله و حذفت الهمزة فی الخط و الکتابة لکثرة الاستعمال و هی متداعیة التخفیف و لا تحذف فی اقرأ باسم ربک الذی۔ من الخط لقلته ثم طولوا الباء لیدل علی الهمزة المحذوفة۔

و کان عمر بن عبد العزیز رحمة الله علیه یقول لکتابه طولوا الباء و اظهروا السین ای فرقوها بین اسنانها و دوروا المیم تعظیماً لکتاب الله تعالیٰ بل محافظة علی تفخیم هذا الاسم و انما حرکة الباء لئلا یلزم التقاء الساکنین علی غیر حده و انما حرکت بالکسر دون الفتح و الضم لان الکسرة لا تدخل فی الافعال و فی اسماء غیر منصرف فصار بمنزلة بعدم تشابه السکون الذی هو عدم الحرکت او کسرت لتکون حرکتها من جنس عملها و الاسم عند البصریین مشتق من السمو و هو العلو افاصله سمو حذفت لامه رعوض عنها الف الوصل۔

و عند الکوفیین مشتق من الوسم و السمة هی العلامة و الاول اصح قال ابن معطی فی الفیته۔

واشتق رسم من سما البصریون واشتقه من واسم الکوفیون

والمذهب المقدم الجلی دلیله الاسمآء و السمی

ای یستدل علی صحة مذهب البصریین بان جمع الاسم الاسماء و لو کان من الوسم القلیل اوسام و بان تصغیره سمی و لو کان من الوسم لقلیل وسیم۔

والله: علم غیر مشتق و معناه المستحق للعبادة قال البلقینی حکی هذا القول عن طائفة من العلماء منهم الامام الشافعی و محمد بن الحسن و الامام ابو حنیفة و الخلیل و جمع من الفقهاء منهم الخطابی و امام الحرمین و الغزالی رحمهم الله و قیل هو مشتق ثم اختلف فقیل من اَلَهَ و اله لفظ مشترک فی العبادة و السکون و التحیر و الفزع لان خلقه یعبدونه و یسکنون الیه و یتحیرون فیه و یفزعون الیه فاصل الجلالة الشریفة حینئذٍ اله کامام ادخلت علیه الالف و الام للتعریف ثم حذفت الهمزة تخفیفاً و نقلت حرکتها الی اللام ثم اسکنت الاولیٰ و ادغمت فی الثانیة تسهیلاً۔ و قال البیضاوی اصله اله فحذفت الهمزة و عوض عنها الالف و اللام و قال الشیخ زاده هذه العبارة احسن مما وقع فی الکشاف ثم قال ان حذفه علی خلاف القیاس لان محذوف قیاسا فی حکم مثبت فلا یعوض عنه بشیء۔

[71] فان قیل: لم قال رب یسر و لم یقل یسر لی او یارب یسر لی قلنا. ان فیهما ثقالة و فی رب یسر تیسیر فان قیل لم حذف الیاء فی رب یسر لان اصله یارب یسر؟قلنا. انما حذف الیاء بکثرة الاستعمال کما فی قوله تعالیٰ یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا(یوسف ٢٩)و لأن الیاء حرف النداء و النداء قد یکون الی الغائب و الله حاضر کما یلیق لشأنه کما قال وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ(ق ١٦). فان قیل. لم قدم رب یسر علی تمم بالخیر قلنا ان رب یسر یتعلق بالابتداء و تمم بالخیر یتعلق بالانتهاء. فان قیل. لم قدم رب یسر علی التسمیة. قلنا. التسمیة مثل الوجه و رب یسر و تمم بالخیر مثل العذارین و قد قال علیه الصلوة و السلام زینة الوجه بالعذارین و زینة التسمیة بین یسر و تمم بالخیر.

[72] فان قلت لم قدم التسمیة علی سائر الکتب قلت لمعان کثیرة احدها المتابعة عثمان رضی الله تعالیٰ عنه لان جمع القرآن و قدم التسمیة فان قلت لیس المصنف مثل عثمان رضی الله تعالیٰ عنه فی الکرامة و لیس کتابه مثل کتاب الله تعالیٰ قلت المصنف اتبع الحدیث و هو قوله علیه الصلوة و السلام من تشبه بقوم فهو منهم فلذلک قدم المصنف تسمیة الله تعالیٰ علی الکتاب لیجعله الله مثل عثمان رضی الله تعالی عنه فی الکرامة و کتابه مثل کتابه فی البرکة و الثانی اتبع الحدیث ایضاً و هو قوله علیه الصلوة و السلام کلُّ أمرٍ ذي بالٍ لم يُبدأ فيه باسمِ اللهِ فهو أبتَرُ (ابن حجر العسقلاني (٨٥٢ هـ)، الکافي الشاف ٠٧)فهو اقطع ای هذا الامر لا یتم فان قلت لم قدم بسم علی الله قلت لان فم العبد ملوثة بالکذب و الفحش و الغیبة و اسم الله طاهر فاذا قال بسم فهو فمه ثم قال الله بفم طاهر کما قال الشاعر۔

هزار بار بشویم دهن بمشک و گلاب		هنوز نام تو گفتن کمابی ادبی است

کارزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو)رزق عبارت ہے ہر اس چیز سے کہ جس کے ذریعے انسان کی حاجت دفع ہوتی ہے یاعبارت ہے ہر اس چیز سے جس سے حیوان نفع لیتا ہے یاعبارت ہے ہر اس چیز سے جو کہ حاصل ہوتی ہے بدن کے قائم ہونے کے ساتھ (الرحیم) ایسے اللہ تعالیٰ جو بخشنے والا ہے آخرت میں مومنوں کو نہکہ کافروں کو جیساکہ اللہ رب العزت نے ارشادفرمایا وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ (٩٠) وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ (الشعراء ٩١)(اور قریب لائی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے لیے اور ظاہر کی جائے گی دوزخ گمراہوں کے لیے)

اللہ لغت میں مطلق معبود برحق کو کہاجاتا ہے اور شرع میں ذات واجب الوجود کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ وازلیہ کا جامع ہے اور زوال ونقصان سے منزہ ہے۔فان قیل: جب اللہ ذات واجب الوجود کا نام ہے تو اللہ کے ذکر کے بعد رحمن اور رحیم کے ذکر کا کیافائدہ؟قلنا: صفات دو قسم کی ہیں۔پہلی قسم وہ ہے جو رحمت کو واجب کرتی ہیں مثلاً رحمن، رحیم، لطیف اور کریم وغیرہ اور دوسری قسم وہ ہے جو غضب کو واجب کرتی ہے۔مثلاً جباراور قہاروغیرہ پس اگر رحمن اور رحیم کو ذکر نہ کیاجاتاتو رحمت اور غضب میں برابر کاوہم پیدا ہوجاتااوراس سے یہ مراد نہیں بلکہ رحمت مقدم ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ کاارشادہے۔إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔(التحریم ٣٢)یعنی اللہ تعالیٰ بلحاظ مغفرت واسع ہے۔لہذا رحمت غضب پر غالب ہوگئی۔فان قیل: کہ لفظ اللہ کو رحمن سے کیوں مقدم کیاگیا۔قلنا: کہ اللہ اسم ذات ہے اور رحمن اسم صفت اور ذات صفت سے مقدم ہوتی ہے کیونکہ ذات اصل ہے اور صفت فرع۔اس اصل فرع سے طبعاً مقدم ہوتی ہے لہذا اسے وضعاً بھی مقدم کیاگیاتاکہ وضع کی طبع کے ساتھ موافقت آجائے۔فان قیل: رحمن کو رحیم سے کیوں مقدم کیاگیا۔ قلنا: کہ لفظ رحمن دار دنیاسے تعلق رکھتاہے اور لفظ رحیم دارآخرت سے تعلق رکھتاہے اور دنیاآخرت پر مقدم ہوتی ہے۔ فان قیل: رحمن اور رحیم دو صفتیں ہیں اور رحمت سے مشتق ہیں اور رحمت رقت قلب کو کہاجاتاہے جبکہ اللہ تعالیٰ قلب سے منزہ ہے۔قلنا: رحمت سے مراد دنیامیں اعطائے نعمت ہے اورآخرت میں مغفرت ہے۔فان قیل: کہ تسمیہ کو ابتداء کتاب سے کیوں مقدم کیاگیاہے؟قلنا: یہ تقدیم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی موافقت کی وجہ سے ہے۔وھو قولہ ﷺ کل امر ذی بال لم یبداء ببسم اللہ فھو ابتر۔ای قلیل البرکۃ۔یہ جواب سوال ہے اوراس کی تقدیر یہ ہے کہ ان الابتر ھو مخبون فیکون تقدیر معنی الحدیث ولم یبداء بذلک الامر ای ببسم اللہ فذلک الامر مخبون وھو غیر مستقیم المعنی لان الخبن یتحقق بزوال العقل ولم یوجد العقل ھھنافاجاب بقولہ ای قلیل البرکۃ۔حاصل جواب یہ ہے کہ ذکرا بتر کاہے اور مراداس سے قلیل البرکۃ ہے اور متقدمین [73] کے طریقوں کے ساتھ موافقت کی وجہ سے تسمیہ کو مقدم کیاگیا۔فان قیل: باء کو اسم سے کیوں مقدم کیاگیا۔ قلنا: کہ

فان قلت لم یطھر فم القائل ببسم وباسم لانہ لیس من اسماء اللہ تعالیٰ ولا من اسماء النبی ﷺ قلت نعم ولکن بسم جار لاسم اللہ تعالی فلبالقرب اثر فیہ فیطھر فمہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لکل مجلس تاثیر قال القائل فی تاثیر المجلس۔

سگ اصحاب کھف روزے چند		پئے نیکان گرفت ومردم شد
پسر نوح بابدان بنشست		خاندان نبوتش گم شد

فلھذا قدم بسم علی لفظ اللہ والوجہ الثانی ان الطالب مثل المسافر والباء مثل الاناء والسین مثل الطریق والمیم کالبحر فاذا اراد المسافر ان یغسل فمہ یدخل الاناء فی البحر ویأخذ الماء من البحر فیغسل فمہ فلھذا قدم علی لفظ اللہ۔

[73] متقدمین لفظ عام ھے اورتابعین وتبع تابعین کو اصحاب کھاجاتاھے اورسلف صرف اصحاب کو کھاجاتاھے متقدمین متقدم کی جمع ھے اورمتقدمین پھلے زمانے کے لوگوں کو کھاجاتاھے۔اصحاب ان لوگوں کو کھاجاتاھے جنھوں نے حضور ﷺ کو آپ ﷺ کی زندگی میں دیکھاھو اور آپ ﷺ پر ایمان لاکر اس حالت ایمان میں دنیاسے رخصت

باء حرف جار ہے اور جبکہ اسم مجرور اور جار مجرور سے مقدم ہوتا ہے۔ **فان قیل:** جار کو مجرور سے کیوں مقدم کیا گیا؟ **قلنا:** اس وجہ سے کہ جار عامل ہے اور مجرور معمول اور عامل معمول سے مقدم ہوتا ہے۔ **فان قیل:** عامل کو معمول سے کیوں مقدم کیا گیا؟ **قلنا:** اس لئے کہ عامل مؤثر یعنی اثر کرنے والا ہے اور معمول مؤثَر یعنی اثر کیا گیا ہے اور مؤثر، مؤثَر سے مقدم ہوتا ہے۔ **فان قیل:** کہ مؤثر کو مؤثَر سے کیوں مقدم کیا گیا ہے؟ **قلنا:** اس لئے کہ مؤثر اصل اور مؤثَر فرع اور اصل ہمیشہ فرع سے مقدم ہوتا ہے۔ جیسے والد کی تقدیم بیٹے پر ہوتی ہے۔

کل امر ذی بال لم یبداء ببسم اللہ فھو ابتر۔ وفی روایۃ فھو اقطع وفی روایۃ فھو اجزم۔ ہر اچھا کام جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام ساتھ نہ ہو وہ دم بریدہ، بے برکت ہوتا ہے یعنی اس کام میں برکت نہیں ہوتی۔

حدیث مذکورہ کا مطلب

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو جو بھی اچھا کام ہو خواہ اس کا تعلق دنیا کے ساتھ ہو یا اس کا تعلق دین کے ساتھ ہو اس کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھا کرو۔ جیسے مسجد میں داخل ہوتے ہوئے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ، اگر آپ تاجر ہیں تو تجارت کی ابتداء بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ سے، اگر آپ دکان دار ہیں تو دکان کھولتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ، اگر آپ طالب علم ہیں تو کتاب پڑھتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ، اگر آپ ڈرائیور ہیں تو گاڑی چلاتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ، اگر کھانا کھانے کا ارادہ ہے تو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ پڑھ کر شروع کیجئے، ایک بندہ جب کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا ہے تو وہ خالق کائنات کیسے کسی کی محنت کو ضائع کرے گا۔ تفسیر الموسوم بفتح العزیز میں حضرت شاہ عبد العزیز نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ ابتداً بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ پڑھ کر وضو کرتا ہے تو جب تک وضو کرتا رہے گا فرشتے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھتے رہیں گے۔ اس طرح جب گاڑی کو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ پڑھ کر چلائیں گے یا سوار ہوں گے تو جب تک اس گاڑی میں سفر کریں گے فرشتے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھتے جائیں گے۔

حدیث مذکورہ پر سوال

فان قیل۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل میں سوال ہو کہ حدیث میں آتا ہے جس کام کی ابتداء بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ سے نہ ہو وہ کام ہی نہیں ہوتا حالانکہ بہت سے کام ایسے ہیں کہ ان کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ نہیں پڑھتے وہ کام ہو جاتا ہے وضو کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ نہیں پڑھتے وضو ہو جاتا ہے۔

ہوئے ہوں اور تابعین ان کو کہا جاتا ہے جس نے حضور ﷺ کے ایک یا ایک سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بحالت ایمان دیکھا ہو۔ جیسا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تبع تابعین ان کو کہا جاتا ہے جنھوں نے بحالت ایمان تابعین کو دیکھا ہو۔

قلنا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس کام کا وجود تو بغیر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کے ہو گا لیکن اس پر جو اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے وہ بغیر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کے نہ ہو گا جیسے وضو ہی کو لیجیے گا اس کی ایک حیثیت ہے۔ مفتاح الصلوۃ یعنی جس سے نماز صحیح ہو وہ تو بغیر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کے ہی ہو گا لیکن ایک یہ وضو مستقل عبادت ہو اس وضو پر بھی ثواب ملے یہ اس وقت ہو گا جب اس کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ ہو۔

فضائل و برکات بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے سورۃ توبہ کے علاوہ باقی تمام سورتوں کی ابتدائی آیت مبارکہ ہے ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عن عبداللہ بن عباس کان النَّبِيُّ ﷺ لا یَعرِفُ فَصلَ السُّورۃِ حتی تَنزِلَ علیہ: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ۔[74] تاجدار ختم نبوت ﷺ قرآنی سورتوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ نازل ہونے سے پہچانتے تھے یعنی رسول مکرم ﷺ پر قرآنی آیات طیبات کا نزول ہوتا رہتا تھا۔ جب بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ نازل ہوتی تو آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو جاتا تھا کہ پہلی سورت مکمل ہو چکی ہے اور نئی سورت کا نزول ہو گیا ہے اس سے آپ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کی عظمت اور شان کا اندازہ فرمائیں کہ قرآن حکیم کی آیت ایک مرتبہ نازل ہوئی، کوئی آیت دو مرتبہ نازل ہوئی کوئی تین دفعہ نازل ہوئی، کوئی دس دفعہ کوئی بیس دفعہ مگر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کی عظمت و بزرگی کا یہ عالم ہے کہ یہ آیت مقدسہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کی ذات گرامی پر ایک سو چودہ مرتبہ نازل فرمائی گئی ہے۔ واضح رہے کہ سورت توبہ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ نہیں ہے مگر سورۃ نمل میں دو دفعہ ہے ایک دفعہ سورت کے شروع میں اور دوسری بار اس سورت کی آیت ۳۰ میں لہٰذا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کی تعداد قرآن عظیم الشان کی تمام سورتوں کی تعداد کے برابر ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ ہر سورت کی ابتدائی آیت ہے۔ خادم رسول ﷺ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول مکرم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ إذْ أغْفی إغْفاءَۃً اچانک آپ ﷺ پر غنودگی سی طاری ہوئی۔ (یہ آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت کے وقت ہوتا تھا کہ آپ ﷺ پر معمولی سی غنودگی چھا جاتی تھی۔ آپ ﷺ کا سر مبارک تھوڑا سا نیچے کو جھک جاتا تھا اور بوجھ محسوس ہونا شروع ہو جاتا تھا۔) تھوڑی دیر یہ کیفیت رہی۔ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَہُ مُتَبَسِّمًا، پھر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے سر اقدس کو اوپر اٹھایا تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ فَقُلْنا: ما أضْحَکَکَ یا رَسولَ اللہِ ﷺ، (یہاں تو ہنسنے والی کوئی بات نہیں ہوئی) آپ ﷺ کے لبوں پر مسکراہٹ کیسے پھیل گئی؟ امام کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قالَ: أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آنِفًا سُورَۃٌ فَقَرَأَ: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ۔ إنّا أعْطَیْناکَ الکَوْثَرَ)۱(فَصَلِّ لِرَبِّکَ وانْحَرْ)۲(إنَّ شانِئَکَ ھو الأَبْتَرُ۔ (الکوثر: ۱–۳) میرے رب کی طرف سے ابھی مجھ پر ایسی سورت نازل

---

[74] أبو داود (۲۷۵ھ)، سنن أبي داود ۷۸۸ • ابن حزم (۴۵۶ھ)، أصول الأحکام ۲/۲۷۷ • ابن عبد البر (۴۶۴ھ)، التمهید ۲۰/۲۱۰ • ابن کثیر (۷۷۴ھ)، إرشاد الفقیہ ۱/۱۲۲ • السیوطي (۹۱۱ھ)، الجامع الصغیر ۶۸۸۵ • أحمد شاکر (۱۳۷۷ھ)، عمدۃ التفسیر ۱/۵۶ •

فرمائی گئی ہے جسے سن کر میں بے اختیار ہنس پڑا ہوں کیونکہ اس سورت میں مجھے حوض کوثر عطا کرنے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے بصد ادب واحترام عرض کیا حضور! اس عظیم الشان بابرکت اورآپ ﷺ کو ہنسا دینے والی سورت مقدسہ کی آیت مبارکہ سے ہمیں بھی آگاہ فرمائیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سمیت پوری سورت کوثر کی تلاوت فرمائی۔[75]

حضرتِ سیّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رِوایت ہے کہ اللہ کے مَحْبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا، "جس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تَعظِیم کیلئے عُمدہ شَکْل میں **بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ** تحریر کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ اُسے بَخْش دے گا۔[76]

بیان فضیلت بسم اللہ الرحمن الرحیم کے متعلق اظہار الکمال میں لکھا ہے۔

منها من قرا بسم الله الرحمن الرحيم يخلق الله لهذا القارى تسع عشر ملكا يستغفرون له الى يوم القيامة۔ وايضا قال عليه السلام من قرا بسم الله الرحمن الرحيم يذب الشيطان كما يذب الرصاص فى النار۔ وقال عليه السلام من قرا بسم الله الرحمن الرحيم يفتح عليه ابواب الجنة ويشد عليه ابواب النار وايضا قال عليه السلام من قرا بسم الله الرحمن الرحيم فكانما اعتق الف رقبة وايضا قال عليه السلام من قال بسم الله الرحمن الرحيم مرة لم يبق من ذنوبه ذرة۔[77]

ترجمہ: اس کی فضیلت میں سے یہ ہے جس نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھا تو اللہ تعالیٰ انیس فرشتے پیدا فرماتے ہیں جو قیامت تک اس پڑھنے والے کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں نیز فرمایا حضور ﷺ نے جو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھ لیتا ہے شیطان اس طرح پگھلنے لگتا ہے جس طرح سیسہ آگ میں پگھلتا ہے۔

فرمایا حضور ﷺ نے جو کوئی **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھ لے تو اس کیلئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے اس کیلئے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

نیز فرمایا حضور ﷺ نے جو کوئی **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھ لے گویا کہ اس نے ایک ہزار غلام آزاد کر لئے نیز فرمایا حضور ﷺ نے جو کوئی **بسم اللہ الرحمن الرحیم** ایک بار پڑھ لیتا ہے تو اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔

فائدہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے میں چودہ فائدے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انمول قول

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انا مدینة العلم وعلی بابها۔ میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔) فرماتے ہیں جتنے بھی علوم ہیں وہ سب کے سب کتب سماویہ میں موجود ہیں کتب سماویہ کے سب علوم چار آسمانی کتابوں (تورات، زبور، انجیل، قرآن) میں ہیں۔ ان چار کتابوں کے علوم قرآن میں ہیں پورے قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں

---

[75] مسلم (٢٦١هـ)، صحيح مسلم ٤٠٠ • أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٤٧٤٧ • السخاوي (٩٠٢هـ)، البلدانيات ١٨٣ • صحيح •، وأحمد (١٢٠١٥) والنسائي (٩٠٤)

[76] (الدُّرُّالْمَنْثُور ج ١ ص ٢٧)

[77] (حاشیہ کنز المبارک جلد اول صفحہ ١ تا صفحہ ٣)

موجود ہے پوری فاتحہ کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ میں ہے پوری بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کے ب میں موجود ہے، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سب علوم کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کی ب میں موجود ہے اس مذکورہ قول کی وضاحت یہ ہے سب علوم سے مقصود یہ ہے کہ بندہ کا وصل (ملاپ) ہو جائے اس ذات سے جس ذات نے اس کو پیدا کیا پیدا کرنے کے بعد سب نعمتوں سے سرفراز کیا اس کو جیسے فرمان الٰہی ہے۔ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوهَا (النحل ۱۸) اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے "اور یہ سب نعمتیں اس اللہ تعالیٰ کی ذات نے عطا کی ہیں۔ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰہِ (النحل ۵۳) اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے" ایسی ذات سے اس کو وصل ہو جائے۔ بندہ بسبب گناہوں کی نجاستوں اور غلاظتوں کے اللہ تعالیٰ سے دور ہے۔

عربی زبان میں ب آتی ہے الصاق یعنی ملانے کیلئے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں اتنا مشغول اور مستغرق ہو جائے کہ اس کو وصل ہو جائے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اور یہ معنی کی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کا خلاصہ ب میں موجود ہے۔ اس بناء پر فرمایا کہ سب علوم کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کی ب میں ہے۔[78]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کی میم پر بحث

میم سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے جس کے بارے میں قرآنی ذوق یہ بتلاتا ہے۔ سدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں خشک سالی ہو گئی لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دعا کرنے کی درخواست کی حضرت سلیمان علیہ السلام نکلتے ہیں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی اپنے پاؤں پر کھڑی ہے دونوں ہاتھ پھیلا رہی ہے اور کہتی ہے۔ اللھم اناخلق من خلقک ولاغنی عن فضلک۔ اے پروردگار میں ایک مخلوق ہوں تیری مخلوقات میں سے اور مجھے تیرے فضل سے بے پرواہی نہیں ہے۔" اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش برسنا شروع ہو گئی۔

لفظ اللّٰہِ پر بحث

أَنَّ لِلّٰہِ تَعَالَى أَرْبَعَةَ آلَافِ اسْمٍ: أَلْفٌ مِنْهَا فِي الْقُرْآنِ وَالْأَخْبَارِ الصَّحِيحَةِ وَأَلْفٌ مِنْهَا فِي التَّوْرَاةِ، وَأَلْفٌ فِي الْإِنْجِيلِ، وَأَلْفٌ فِي الزَّبُورِ وَيُقَالُ: أَلْفٌ آخَرُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ، وَلَمْ يَصِلْ ذَلِكَ الْأَلْفُ إِلَى عَالَمِ الْبَشَرِ،[79]

بے شک اللہ تعالیٰ کے چار ہزار نام ہیں ان میں سے ایک ہزار قرآن اور صحیح احادیث میں اور ایک ہزار ان میں سے تورات میں اور ان میں سے ایک ہزار انجیل میں اور ایک ہزار زبور میں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ایک ہزار لوح محفوظ میں ہیں جو کہ عالم بشر کو نہیں پہنچے ہیں۔"

---

[78] بسم اللہ کے فضائل و برکات ص ۷۶۔

[79] مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر ج ۱ ص ۱۴۱

لفظ اللہ قرآن میں

اسماءالحسنیٰ میں سب سے زیادہ قرآن میں استعمال ہوا ہے۔قال المجید الفیروزآبادی ،لاشئی من الاسماءیتکررفی القرآن المجیدوفی جمیع الکتب تکررہ،یعنی فرماتے ہیں کہ قرآن میں اور تمام آسمانی کتابوں میں جتنی مرتبہ لفظ اللہ استعمال ہوا ہے اور کوئی نام اتنی مرتبہ استعمال نہیں ہوا۔لفظ اللہ قرآن مجید میں ۲۵۶۰ سے کچھ زیادہ استعمال ہوااور معجم میں ہے لفظ اللہ قرآن میں مرفوع، منصوب اور مجرور تینوں طرح آیا ہے۔مرفوع ۹۸۰ مرتبہ، منصوب ۵۹۲ مرتبہ، مجرور ۱۱۲۵ مرتبہ گویا کل ۲۶۹۷ مرتبہ لفظ اللہ قرآن میں آیا ہے۔

لفظ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ کے معنی ایک ہیں یہ مترادف الفاظ میں ندمان و ندیم دونوں لفظوں کی طرح۔بعض نے لکھا ہے کہ الرَّحْمَنِ میں مبالغہ زیادہ ہے بنسبت الرَّحِیمِ کے کیونکہ قانون یہ ہے کہ جس کلمے میں حروف زیادہ ہوں گے اس میں معنی کی بھی کثرت ہوگی۔ الرَّحْمَنِ فقط ذات باری تعالیٰ کیلئے بولا جاتا ہے الرَّحِیمِ کا اطلاق حضور اکرم ﷺ کیلئے بھی ہوتا ہے جیسے بِالْمُؤْمِنِینَ رَءُوفٌ رَحِیمٌ (التوبۃ ۱۲۸)۔الرَّحْمَنِ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے وہ اس انداز کا ہے۔(۱) باعتبار کثرت رحمت ایجادی کے۔ (۲) باعتبار کثرت افراد مرحومین کے،(۳) کیفیت کی زیادتی کے اعتبار سے یعنی بڑی رحمتوں کی طرف اشارہ ہے۔الرَّحْمَنِ رحمت دنیا کی عام ہے نیک اور شر دونوں کیلئے اس کی طرف اشارہ ہے لفظ الرَّحْمَنِ سے۔ آخرت کی رحمت خاص ہوگی مؤمنین کیلئے اس طرف اشارہ ہے لفظ الرَّحِیم سے۔

ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

ضحاک مشتق ہے ضحک سے،اس کے معنی ہنسنے کے آتے ہیں۔علماء نے لکھا ہے کہ غالباً یہ تین سال تک ماں کے پیٹ میں تھے جب پیدا ہوئے تو مسکرا رہے تھے،اس وجہ سے ان کا نام ضحاک ہوگیا۔بہر حال ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الرَّحْمَنِ سے اشارہ اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوتا ہے آسمان والوں پر الرَّحِیم سے اشارہ ہے اس کی رحمت کا نزول ہوتا ہے زمین والوں پر۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

الرَّحْمَنِ وہ ہے جو اس سے سوال کریں اس کو پورا کرے اور الرَّحِیم وہ ہے جو اس سے کچھ طلب نہ کریں تو ناخوش ہو اور غصہ میں آجائے۔ بعض علماء نے فرق اس طرح بیان کیا ہے کہ دنیا و آخرت میں طرح طرح کی نعمتیں یہ رحمت رحمانی ہیں۔ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوهَا (النحل ۱۸)..... وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ (النحل ۵۳)۔ آفات کا اور مصائب کا دور کرنا یہ سب رحمت رحیمی ہے لفظ رحمن شامل ہے بڑی بڑی نعمتوں ،اصول،کلیات والی نعمتوں کو اور رحیم کا لفظ شامل ہے حقیر اور چھوٹی چھوٹی نعمتوں کی طرف،لفظ رحمن کے بعد رحیم کا لانا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اے انسان میرے دربار سے ادنیٰ سے ادنیٰ چیز مانگتے ہوئے شرم محسوس نہ کرو اور بے دھڑک ہو کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرو۔ یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ تک مانگتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو اس بناء پر یہ لفظ لائے ہیں بعض نے کہا کہ رحمن

سے اشارہ کرنا ہے ان نعمتوں کی طرف جن کے دینے سے بندہ عاجز ہو جیسا کہ زندگی، بینائی وغیرہ کا عطا کرنا، رحیم سے اشارہ اس بات کی طرف کہ بندوں سے حاصل ہونا بھی ممکن ہے جیسے مرض کی تشخیص و معالجہ کرنا دوائی سے امور معاش کے ذریعہ سے کسی کی نفرت کرنا، ان کی طرف اشارہ ہے لفظ رحیمی سے بس گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندے! میں رحمن ہوں نطفہ گندہ تو میرے حوالہ کرتا ہے میں اس کو خوش قالب اور خوبصورت آدمی بنا کر تیرے حوالے کرتا ہوں ۔قرآن پاک نے اسے بیان کیا ہے۔أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ (المرسلات ۲۰) کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہ فرمایا، مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَى (النجم ۴۶) نطفہ سے جب ڈالا جائے۔ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى (القيامة ۳۷) کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے۔ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ (المومنون ۱۴) پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی۔خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (التغابن ۳) اس نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ بنائے اور تمہاری تصویر کی تو تمہاری اچھی صورت بنائی اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التين ۴) بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔ اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے لفظ رحمن سے۔اور اے انسان! تو تو تخم خشک بوسیدہ میرے حوالے کرتا ہے اور میں اس کو درخت مع شاخ، پتوں اور پھلوں کے تجھے عطا کرتا ہوں یہ سب میرا احسان ہے، اسی چیز کو قرآن نے سورہ واقعہ میں بیان کیا ہے۔ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (الواقعه ۶۴) کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔أَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ (الواقعة ۷۲) کیا تم نے اس کا پیڑ پیدا کیا یا ہم ہیں پیدا کرنے والے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا احترام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا ادب واحترام، تعظیم وتوقیر کرنا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے بلکہ کاغذ کے جس ٹکڑے پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ تحریر ہو اس کاغذ کا احترام کرنا بھی انتہائی لازم وضروری ہے۔صحابیٔ رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: مَنْ رَفَعَ قِرْطَاسًا مِنَ الْأَرْضِ فِيهِ «بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ» إِجْلَالًا لَهُ تَعَالَى كُتِبَ عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الصِّدِّيقِينَ، وَخُفِّفَ عَنْ وَالِدَيْهِ وَإِنْ كَانَا مُشْرِكَيْنِ،[80] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کاغذ کے بسم اللہ لکھے ہوئے ٹکڑے کو اس خیال سے اٹھاتا ہے کہ کسی کے پاؤں تلے نہ آجائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام "صدیقین" میں لکھ دیا جاتا ہے اور اگر اس کے والدین فوت ہو چکے ہوں اور عذاب میں مبتلا ہوں تو بیٹے کے اس عمل کی وجہ سے اس کے ماں باپ کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اور اگرچہ وہ دونوں مشرک ہوں۔

اللہ کریم ہم سب کو بسم اللہ اور قرآن حکیم کے لکھے ہوئے کاغذات کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اگر کوئی شخص "بسم اللہ" لکھے ہوئے کاغذ کا احترام نہ کرے، اسے پاؤں تلے روندے یا جان بوجھ کر زمین پر پھینک دے تو ایسے شخص کو امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے۔حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرسل حدیث میں بیان فرماتے ہیں کہ

---

[80] مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر ج ۱ ص ۸۸، غنیۃ الطالبین عربی اردو ص ۲۰۱ فصل فی فضل بسم اللہ۔

ان النبی ﷺ مر علی کتاب فی الارض۔ نبی مکرم ﷺ زمین پر گرے ہوئے ایک کاغذ کے قریب سے گزرے تو اپنے نوجوان خادم سے فرمایا: ماھذا؟ دیکھو، یہ کاغذ کیسا ہے؟ اس نوجوان نے کاغذ اٹھایا اور اسے کھولا تو اس میں "بسم اللہ" لکھی ہوئی تھی۔ خادم نے عرض کیا۔ حضور! اس کاغذ پر تو "بسم اللہ" لکھی ہوئی ہے۔ فرمایا: لعن اللہ من فعل ھذا۔ جس شخص نے "بسم اللہ" لکھا ہوا کاغذ زمین پر پھینکا ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے۔ نیز فرمایا: لا تضعوا بسم اللہ الا فی موضعہ۔ تم اللہ تعالیٰ کا نام لکھے ہوئے کاغذ کو احترام کی جگہ پر رکھا کرو۔[81]

"بسم اللہ" کا احترام کرنے کے فوائد کے ضمن میں یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں اور اس واقعہ عجیبہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "بسم اللہ" کے احترام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہ گاروں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "کشف المحجوب" میں ایک ولی کامل حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کی توبہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ بشر نامی ایک نوجوان شراب کا دلدادہ تھا اور ہر عیب، گناہ اور نقص اس میں پایا جاتا تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ بشر شراب خانہ سے مستی کی حالت میں کہیں جا رہا تھا کہ اسے زمین پر گرد و غبار میں اٹا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا نظر آیا۔ اس نے اسے اٹھا کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا "بسم اللہ الرّحمن الرّحیم" (وہ نوجوان اس گرد و غبار والے کاغذ پر اللہ تعالیٰ کا نام دیکھ کر از حد پریشان ہوا اور دل میں خیال کیا کہ میرے اللہ کے مبارک نام کی کس قدر توہین ہو رہی ہے) اس کاغذ کو پاک صاف کیا، بڑی تعظیم کے ساتھ اسے اٹھایا، عطر لگایا اور انتہائی ادب و احترام کے ساتھ ایک بلند اور پاکیزہ جگہ پر رکھ دیا۔ اسی رات جب یہ نوجوان نیند کی آغوش میں گیا تو خواب کی حالت میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز اور خوشخبری سنائی دی: "یا بشر طیبت اسمی فبعزتی لا طیبن اسمک فی الدنیا والاخرۃ (اے بشر! تو نے میرے نام کو خوشبو لگا کر معطر کیا، مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں تیرے نام کو دنیا اور آخرت میں معطر کر دوں گا۔) نیند سے بیدار ہو، توبہ کر اور خوشخبری سن کہ بسم اللہ اور میرے نام کے احترام کی وجہ سے میں نے تیرے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما دیا ہے اور میں نے تیرے نام کو ایسا باعزت بنا دیا ہے کہ جو بھی تیرا نام سنے گا اپنے دل میں راحت محسوس کرے گا۔[82]

بسم اللہ کے احترام، ادب، عزت، توقیر، تکریم اور تعظیم کی برکت سے رب تعالیٰ نے ایک شرابی اور گناہ گار کے تمام گناہوں کو معاف کر کے اسے اپنا دوست اور ولی بنا دیا اور اس کے نام کو عزت و احترام عطا فرمایا۔

پہلی تحریر

بعض اسلاف سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح و قلم کی تخلیق کے بعد جو سب سے پہلے تحریر لکھوائی وہ "بسم اللہ الرّحمن الرّحیم" تھی۔ یہ بسم اللہ کی فضیلت اور عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ کائنات میں جو سب سے پہلی تحریر وجود میں آئی وہ "بسم اللہ" تھی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اول ما خلق اللہ اللوح و القلم کہ اللہ کریم نے سب سے پہلے لوح (محفوظ) اور قلم کو پیدا فرمایا۔ فاول ما کتب

---

[81] (مراسیل ابی داؤد، صفحہ ۲۰، باب الکتاب یلقی فی الطریق)

[82] (کشف المحجوب مترجم صفحہ ۱۵۹، تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۹۱)

علی اللوح بسم اللہ الرحمن الرحیم پس اس لوح پر جو چیز سب سے پہلے لکھی گئی وہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو اس کے پڑھنے والے کے لئے امن و امان کا باعث بنا دیا۔[83]

فرشتوں کا وظیفہ

بسم اللہ ایسا بابرکت اور بے مثل وظیفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ فرشتے ہر وقت اسی کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیا خوبصورت سماں ہو گا جب فرشتوں کی زبان پاک سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے الفاظ نکلتے ہوں گے تو ایک عجیب و غریب اور خوش کن منظر پیدا ہوتا ہو گا اور رب السماوات والارض فرشتوں کے ترانے سے خوش ہو کر انہیں اپنے مزید لطف و کرم سے نوازتا ہو گا۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ھی قراءۃ اھل سبع سماوات و اھل الصفح الاعلی۔ ساکنان ہفت آسمان اور اہالیان ذی مرتبت کا وظیفہ "بسم اللہ" ہی ہے اور ملائکہ مقربین جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور تعریف و توصیف میں مصروف ہیں وہ بھی "بسم اللہ" ہی کا ورد کرتے رہتے ہیں۔[84]

شیطان کا رونا

بسم اللہ کی برکات، فضائل اور اس کے اثرات و ثمرات کو سمجھنے کے لئے اس بات کو نوٹ کر لیجئے کہ شیطان لعین کو بسم اللہ سے بڑی ضد، عداوت اور دشمنی ہے کیونکہ جہاں بسم اللہ پڑھی جائے گی، وہاں برکات کا نزول ہو گا، وہاں رحمتیں اتریں گی، سکون و واطمینان حاصل ہو گا، گناہ معاف ہوں گے، جہنم سے آزادی کا اعلان ہو گا، جنت کے دخول کی بشارت سنائی جائے گی اور یہ ساری چیزیں ابلیس کے لئے تو موت کا پیغام ہیں۔ اس لئے شیطان جب کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو روتا، پیٹتا اور چیخیں مارتا ہوا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہے اور بسم اللہ کی والی سرزمین سے دور چلا جاتا ہے۔ حضرت محبوب سبحانی الشیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے کہ ابلیس لعین نے اپنی زندگی میں تین مرتبہ ایسا نوحہ اور ماتم کیا ہے اور شدید رویا اور پیٹا ہے کہ اس طرح کبھی بھی نہیں رویا ابلیس کے رونے کے مقامات ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ حین لعن و اخرج من ملکوت السماء جب ابلیس کو لعنتی قرار دے کر بارگاہ الٰہی، فرشتوں کی صحبت اور آسمان کی رہائش سے نکال دیا گیا تو ایسا رویا کہ اس جیسا کبھی نہ رویا تھا۔ قرآن حکیم اپنے مقدس الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ جب ابلیس علیہ اللعنۃ نے اپنے رب کے حکم سے روگردانی کی اور ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے حضور جھکنے سے انکار کر دیا تو رب تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ (۷۷) وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ (۷۸ص) فرمایا تو جنّت سے نکل جا کہ تو راندھا کیا گیا اور بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔" درگاہ ربانی سے مردود ہونے کے بعد شیطان رویا، چیخا، چلایا، پیٹا اور رو رو کر اس نے اپنا برا حال کر دیا۔

---

[83] (غنیۃ الطالبین اردو و عربی صفحہ ۲۰۲)

[84] (غنیۃ الطالبین اردو و عربی صفحہ ۲۰۲)

۲۔حین ولد النبی ﷺ۔جب پیغمبر دوجہاں اور سرور کون ومکان حضرت تاجدار ختم نبوت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اور شیطان لعین کو یقین ہو گیا کہ اب روئے زمین پر توحید کا پرچم لہرائے گا، شرک کا ختم ہو جائے گا اور سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ کی ولادت کی برکت سے صنم کدہ جہاں ابھی عبادت رحمان کا منظر پیش کرے گا تو ابلیس یہ تصور کر کے آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن اتنا رویا کہ اس نے رو رو کر برا حال کر لیا۔اس طرح اس کی ذریت واولاد میلاد شریف کے موقع پر ناخوش اور ناراض ہوتی ہے اور منہ ایسے بناتے ہیں کہ جیسے بند گوبھی۔

نثار تیری چہل پہل پر ہزاروں عیدیں ربیع الاول

سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

۳۔حین انزلت فاتحۃ الکتاب لکون بسم اللہ الرحمن الرحیم۔اور ابلیس کی زندگی میں تیسرا وہ موقع جب اسے بہت رونا آیا اور وہ اپنی سسکیوں اور چیخوں پر قابو نہ رکھ سکا وہ دن جس دن اللہ تعالیٰ نے امام کائنات ﷺ پر سورۃ فاتحہ کو نازل فرمایا۔فان قیل ۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورت فاتحہ میں شیطان کو رلانے والی کون سی چیز ہے۔قلنا۔جواب آیا۔لکون بسم اللہ الرحمن الرحیم۔کیونکہ سورت فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ ہے اس بسم اللہ کی وجہ سے ابلیس اتنا رویا کہ اپنے آنسو پر ضبط نہ رکھ سکا کیونکہ اسے بسم اللہ کی برکات، اثرات اور ثمرات کا علم ہو چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ جسے میں بہکاؤں گا وہ بسم اللہ پڑھے گا تو راہ راست پر آجائے گا۔جسے میں گمراہ کروں گا وہ بسم اللہ پڑھے گا تو ہدایت حاصل کرے گا۔جسے میں نافرمانی کراؤں گا وہ بسم اللہ پڑھے گا تو فرمانبردار ہو جائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ:هَرَبَ الْغَيْمُ إِلَى الْمَشْرِقِ، وَسَكَنَتِ الرِّيحُ، وَهَاجَ الْبَحْرُ، وَأَصْغَتِ الْبَهَائِمُ بِآذَانِهَا، وَرُجِمَتِ الشَّيَاطِينُ مِنَ السَّمَاءِ، وَحَلَفَ اللهُ بِعِزَّتِهِ وَجَلَالِهِ أَنْ لَا تُسَمَّى عَلَى شَيْءٍ إِلَّا بَارَكَ فِيهِ.

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا نزول ہوا تو بادل مشرق کی جانب بھاگے، ہوا ساکن ہو گئی۔سمندر ٹھہر گئے اور جانوروں نے اس طرف کان لگا لئے اور شیاطین پر آسمان سے آگ برسنے لگی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر بسم اللہ پڑھی جائے گی میں اس میں ضرور برکت عطا فرماؤں گا۔[85]

بسم اللہ الفاظ ومعانی کا ایک بے کنار سمندر ہے جس میں آپ جتنا غور وفکر کرتے جائیں گے، علم وعرفان اور معرفت حق کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے اور بقول امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ "اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید تمام سابقہ کتب سماوی کے علوم وفنون کا خلاصہ اور نچوڑ ہے اور تمام قرآنی احکام کا نچوڑ اور خلاصہ سورہ فاتحہ ہے اور سورت فاتحہ کی تلخیص اور نچوڑ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔"

بسم اللہ ایسی بابرکت آیت اور پر عظمت وظیفہ ہے کہ جب کوئی استاد اپنے شاگرد کو بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہے اور وہ شاگرد اپنے استاد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھتا ہے تو بسم اللہ کی برکت سے اسے پڑھانے والے، پڑھنے والے اور دونوں کے ماں باپ کیلئے جہنم سے آزادی کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔امام دیلمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت

---

[85] تفسیر الدر منثور ص ۹ ج ۱، فتح القدیر ص ۱۸ ج ۱۔

کیاہے کہ إن الْمعلم إذا قَالَ للصَّبِيّ قل {بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم} كتب للمعلم وللصبي ولأبويه بَرَاءَة من النَّار۔[86] بے شک استاد، جب بچے کو بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم پڑھنے کو کہتا ہے پس وہ پڑھتا ہے تو استاد، بچے اوران دونوں کے والدین کے لئے آگ کے عذاب سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔" یہ تو بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم، پڑھنے اور پڑھانے کی فضیلت تھی۔ اب بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم لکھنے کی برکت اوراس کے ثواب کا مختصر تذکرہ بھی سماعت فرمائیں اور دلوں کو بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم کے نور سے منور فرمانے کی کوشش فرمائیں ۔خادم رسول ﷺ حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قال رسول الله ﷺ من كتب بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم مجودة تعظيماالله غفرالله له ۔[87] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص تعظیم الٰہی کیلئے بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم کوخوشخط اور عمدہ طریقے سے لکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔

چھہتر ہزار نیکیاں

بسم اللہ کا پڑھنا کار ثواب، بسم اللہ کا لکھنا ذریعہ نجات اور بسم اللہ کا وظیفہ باعث برکات ہے۔ اس کی تلاوت کے اجر وثواب کا ذکر کرتے ہوئے مشہور صحابی رسول ﷺ کی روایت پیش خدمت ہے۔ عَن ابْن مَسْعُود قَالَ: قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم من قَرَأَ {بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم} كتب لَهُ بِكُل حرف أَرْبَعَة آلَاف حَسَنَة ومحي عَنهُ أَرْبَعَة آلَاف سَيِّئَة وَرفع لَهُ أَرْبَعَة آلَاف دَرَجَة۔[88]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں جو شخص {بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم} کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر حرف کے بدلے میں اس کے نامہ اعمال میں چار ہزار نیکیاں درج فرمادیتا ہے اوراس کے چار ہزار گناہ معاف فرمادیتا ہے اوراس کے چار ہزار درجات بلند فرمادیتا ہے۔"

بسم اللہ کی تلاوت واجر وثواب پر غور فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ پوری بسم اللہ پڑھنے والے کو چار ہزار نیکیاں ملتی ہیں ۔ چار ہزار گناہ معاف ہوتے ہیں اور چار ہزار درجات بلند ہوتے ہیں بلکہ فرمایا کہ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلے میں اس کے قاری کو یہ مرتبہ اور مقام نصیب ہوتا ہے۔

{بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم} ایسا عظیم بابرکت اور مہتم بالشان وظیفہ ہے کہ جس مقام پر پڑھا جائے وہاں کے پہاڑ، درخت، زمین اور دوسری اشیاء بھی ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، طاہرہ، مطہرہ، زاکیہ، مزکیہ، محدثہ، معلمہ، مبلغہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ لَمَّا نَزَلَتْ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، ضَجَّتِ الْجِبَالُ حَتَّى سَمِعَ أَهْلُ مَكَّةَ دَوِيَّهَا، فَقَالُوا: سَحَرَ مُحَمَّدٌ الْجِبَالَ، فَبَعَثَ

---

[86] تفسیر الدرمنثور ص ۹ ج ۱ ۔

[87] تفسیر الدرمنثور ص ۱۰ ج ۱ ۔

[88] تفسیر الدرمنثور ص ۲۶ ج ۱ ،فتح القدیر ص ۱۹ ج ۱ ۔

اللَّهُ دُخَانًا حَتَّى أَظَلَّ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَرَأَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مُوقِنًا سَبَّحَتْ مَعَهُ الْجِبَالُ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْمَعُ ذَلِكَ مِنْهَا». [89]

جب بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا نزول ہوا تو پہاڑوں نے زور سے بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کی آواز نکالی یہاں تک کہ پہاڑوں کی اس آواز کو اہل مکہ نے بھی سنا تو کافروں اور مشرکوں نے (اسے بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کی برکت اور نبی اکرم ﷺ کا معجزہ قرار دینے کی بجائے) کہا کہ محمد ﷺ نے پہاڑوں پر جادو کر دیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر ایک دھواں بھیجا جس نے تمام اہل مکہ کو گھیرے میں لے لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص یقین کامل کے ساتھ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں مگر وہ ان پہاڑوں کی آواز نہیں سن سکتا۔"

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ پڑھنے سے کام میں برکت، رزق میں وسعت، معاملات میں آسانی، مشکلات سے نجات، پریشانی سے چھٹکارہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رب العزت کی قربت نصیب ہوتی ہے اور بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا وظیفہ کرنے والا مسلمان، اللہ تعالیٰ کے اس قدر قریب ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ قرب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نبی مکرم ﷺ کے چچازاد بھائی اور اول مفسر قرآن حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَقَالَ: «هُوَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ، وَمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اسْمِ اللَّهِ الْأَكْبَرِ إِلَّا كَمَا بَيْنَ سَوَادِ الْعَيْنِ وَبَيَاضِهَا مِنَ الْقُرْبِ». [90]

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی مکرم ﷺ سے بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کے بارے میں دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ (خوبصورت ناموں) میں سے ایک خوبصورت نام ہے اور اس کے (پڑھنے والے) اور اللہ تعالیٰ کے بڑے نام کے درمیان اتنا (نہ ہونے کے برابر) ہی فاصلہ ہوتا ہے جتنا آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا اسی طرح بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کے قاری اور رب تعالیٰ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا وظیفہ کرنے والا اپنے منہ سے کلمات بعد میں ادا کرتا ہے اس کا رب اس کی دعا کو پہلے ہی درجہ قبولیت عطا فرما دیتا ہے۔

نزول بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا تاریخی پس منظر

سب سے پہلے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا نزول ہوا جب سیدنا آدم علیہ السلام کی نسل نامناسب اور اوچھی حرکتوں پر اتر آئی تو یہ آیت امان ان کے سینوں سے اٹھالی گئی اور زبانوں سے چھین لی گئی۔ پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ آسمانی نعمت عطا فرمائی گئی۔ وقت آنے پر دوبارہ نعمت واپس لے لی گئی۔ پھر موقع آنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے دور میں عطا کی گئی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد قوم میں بگاڑ پیدا ہوا تو بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ پھر اٹھالی گئی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام

---

[89] فتح القدیر ص ۱۹ ج ۱۔

[90] فتح القدیر ص ۱۹ ج ۱۔

کازمانہ آیااللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا کہ محراب داؤدی میں تمام لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دواورانہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ آیت امان نازل فرمانے والا ہے اس لئے سب جمع ہو جاؤ۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے عہد ہمایوں میں پھر یہ آیت امان بڑی شان وشوکت کے ساتھ اتاری گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے، اترتے چڑھتے غرض ہر حالت میں اس کی تلاوت کرواوراسے اپناورد ووظیفہ بنالو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جب آپ علیہ السلام کی قوم بگڑ گئی اور دین حق سے منحرف ہو گئی توان سے بھی یہ دولت سلب کرلی گئی ۔ جب حضور نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایاتو سعادت مند لوگ امڈ کر آپ کر گرد جمع ہو گئے اوراس کلام سے اپنی روح کو منور کرنے لگے جب جبریل علیہ السلام کی وساطت سے نازل ہوا۔ ایک روز جبریل علیہ السلام آخری دوسورتیں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس لے کر نازل ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ دوسورتوں کے درمیان فصل اور فرق کرنے کیلئے کوئی خاص علامت ہونی چاہئیے۔ جبریل امین فوراًدربار خداوندی میں پہنچے توارشاد ہوا کہ اب وہ وقت آگیاہے کہ عرش کی دولت اورآسمان کی عظیم ترین نعمت محبوب مکرم ﷺ کو عطا کر دی جائے۔ نزول بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا پر جلال انداز میں اہتمام والتزام کرو۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق ستر ہزار فرشتوں کا جلوس اپنے ساتھ لیااوربڑی سج دھج وشان وشوکت کے ساتھ زمین کی طرف روانہ ہوئے۔ فرشتے اعلان کررہے تھے کہ طرقوا طرقوا۔ راستہ چھوڑدو، راستہ چھوڑدو، اور باادب، باملاحظہ، ہوشیار کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا خزانہ زمین کی طرف بھیجا جارہاہے۔ شیطان نزول بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا یہ شان دار منظر دیکھ کر چیخ اٹھااس سے یہ اعزازواکرام دیکھانہ گیاحسد وکدورت سے جل بھن گیااور غم واضطراب کے باعث سینہ پیٹنے اور سر پٹخنے لگا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی برکت بندوں کو روحانی وجسمانی امراض سے نجات دے گی اوررب کا قرب عطا کرے گی اوراس کے ورد سے گناہ معاف ہوں گے اورروحوں کو جلانصیب ہو گی اس لئے دردوکرب سے اس کی کمر ٹوٹ گئی۔

ایک حدیث قدسی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام قسم کھاکر یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ حضرت میکائیل قسم کھاکر بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام قسم کھاکر یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے اسرافیل! میں اپنی عزت اور بخشش وجلال وکرم کی قسم کھاکر کہتاہوں کہ جو شخص بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (کی میم) کو سورہ فاتحہ کے ساتھ ملاکر ایک مرتبہ بھی پڑھ لے توتم گواہ رہو کہ میں اس کی زبان کو نہیں جلاؤں گااوراس کو جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ دوں گااور قیامت کے عذاب سے بچالوں گا۔[91]

یہی بات شیخ اکبر نے اپنی کتاب فتوحات میں لکھی ہے کہ جب تم سورۃ فاتحہ پڑھو تب ایک ہی سانس میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے ساتھ سورۃ فاتحہ ملاکر پڑھو۔

---

[91] روح البیان۔ فضائل بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ص ۱۵۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قرب خداوندی کا ذریعہ

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی نسبت سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام اللہ تعالیٰ کے بڑے ناموں میں سے ہے، اور اس میں اس قدر نیکی اور قرب ہے جیسے آنکھ کی سیاہی و سفیدی میں۔[92] لہٰذا جو شخص ہر جائز کام کے شروع میں کثرت سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے گا تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو گا۔

جنت کی چاروں نہروں سے سیر ابی

حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ معراج کی رات میں آسمانوں سے بھی اوپر تشریف لے گئے تو تمام جنتوں کا معائنہ اور سیر فرمائی تو جنت میں چار نہریں دیکھیں (جس کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے) پانی، دودھ، شراب طہور اور شہد کی نہریں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ نہریں کہاں سے نکلتی ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ حوض کی طرف کی جاتی ہیں مگر یہ کہاں سے نکلی ہیں یہ مجھے بھی معلوم نہیں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو یہ بتلادے۔ پس نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو ایک فرشتہ آیا اور آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ اے محمد ﷺ! اپنی آنکھیں بند کیجئے۔ پس میں نے اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں تو ایک درخت کے پاس تھا اور دیکھا کہ سفید موتیوں کا ایک قبہ ہے اور اس کا سونے کا دروازہ ہے اور اس پر تالا لگا ہوا ہے اور یہ قبہ اتنا بڑا ہے کہ اگر تمام جنات و انسان اس میں رکھ دیے جائیں تو ایسے لگے جیسے ایک خوبصورت پرندہ ایک پہاڑ پر بیٹھا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ یہ چاروں نہریں اس قبہ سے نکل رہی ہیں میں نے ارادہ کیا کہ واپس لوٹوں تو اس فرشتہ نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ اس قبہ میں داخل نہیں ہوں گے؟ میں نے کہا کہ میں کیسے داخل ہوں اس کے دروازے پر قفل لگا ہوا ہے۔ میرے پاس اس کی کنجی نہیں ہے تو فرشتہ نے عرض کیا کہ اس کی چابی بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے۔ جب میں نے اس کے قریب جا کر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھی تو تالا کھل گیا۔ میں اس قبہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاروں نہریں اس قبہ سے اس طرح نکلی ہوئی ہیں کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی میم سے پانی کی نہر، اللّٰہِ کی ھا سے دودھ کی نہر، اور الرَّحۡمٰنِ کی میم سے شراب طہور کی نہر، اور الرَّحِیۡمِ کی میم سے شہد کی نہر، معلوم ہوا کہ یہ چاروں نہریں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے نکلتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ! اگر آپ ﷺ کی امت خلوص دل سے بغیر ریاکاری کے میرے اس نام سے مجھے یاد کرے گی تو ضرور ان نہروں سے انہیں سیراب کر دوں گا۔[93]

برکات تسمیہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر وضو کرتے وقت تسمیہ نہ پڑھی جائے تو وہی اعضاء پاک ہوتے ہیں جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں اور اگر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر وضو کیا جائے تو پورا جسم پاک ہو جاتا ہے۔

---

[92] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۔

[93] روح البیان ص ۹ ج ۱۔ الفتح الربانی شرح خلاصہ الکیدانی ص ۳۱۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی کے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا اس میں اس کے گناہ ہوں گے وہ اپنی دنیاوی عادت کے مطابق بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر اپنے ہاتھ میں لے گا تو وہ بالکل سفید ہو جائے گا اور اس میں کوئی گناہ باقی نہ رہے گا۔ وہ بندہ کہے گا کہ اس نامہ اعمال میں تو کچھ بھی نہیں ہے میں کیا پڑھوں تو اس سے کہا جائے گا کہ تسمیہ کی برکت سے تمام گناہ مٹا دیئے گئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب مومن بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر پل صراط پر قدم رکھے گا تو اس قدموں کے نیچے سے جہنم کی آگ اسے پکار کر کہے گی۔ اے مومن گزر جا تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیے ہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے سے چار ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں، چار ہزار گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور چار ہزار درجات بلند کر دیے جاتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اس امت کے اعمال نامے تولے جائیں گے تو اس امت کی ایک رکعت کا وزن بنی اسرائیل کی ایک ہزار رکعت کے برابر ہو گا بنی اسرائیل اس کی وجہ پوچھیں گے ان سے کہا جائے گا کہ یہ ان کی نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی برکت ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھی اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ستاروں سے زینت دی ہے فرشتوں کو جبریل سے، جنت کو حور و قصور سے، انبیاء علیہم السلام کو حضرت محمد ﷺ سے اور قرآن کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے زینت دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جبریل علیہ السلام تسمیہ لے کر آئے تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کی امت کے بارے میں خائف تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نازل کی تو دل کو تسلی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب بندہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھتا ہے تو اسے سات سو سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تو اس کی طرف ہیبت سے دیکھا وہ پھٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت تک کے حالات لکھ۔ عرض کی ابتداء کیسے کروں۔ فرمایا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے، قلم نے سات سو سال میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنے عزو جلال کی قسم! امت مصطفیٰ ﷺ کا جو آدمی اور عورت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے گا اس کو سات سو سال کی عبادت کا ثواب دوں گا۔

سات انبیاء علیہم السلام کو سات کلمات

اللہ تعالیٰ نے سات پیغمبروں کو سات کلمات عطا فرمائے اور ان کلمات کی سعادت برکت ان پیغمبروں کو بھی ملی اور اس امت کو بھی عطا ہوئی۔

ا۔ حضرت سیدنا آدم صفی اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو چھینک آئی تو انہوں نے کہا الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یرحمک ربک۔ حضور ﷺ کا جو امتی۔ الحمدللہ کہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جائے گا۔" ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ حمد کرنے والے کھڑے ہو جائیں۔ ایک گروہ کھڑا ہو جائے گا۔ ان کیلئے جھنڈا نصب کیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پوچھا گیا حمد کرنے والے کون ہوں گے؟ فرمایا کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے والے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے اس مریض پر فخر کرتا ہے جو مرض میں الحمدللہ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو میرا بندہ مصیبت میں بھی میری حمد بیان کرتا ہے۔ اے فرشتو! اس کیلئے جہنم سے برأت لکھ دو۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ بات لکھی دیکھی کہ جب بندہ ہر لقمہ پر **بسم اللہ الحمدللہ رب العالمین** کہتا ہے تو لقمہ حلق سے اترنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ یہی حال پانی پینے کا ہے۔

۲۔ حضرت نوح علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے کشتی میں سوار ہوتے وقت بسم اللہ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طوفان سے نجات دی۔ اگر بندۂ مومن تسمیہ کا ورد کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت کے مصائب سے نجات دے گا۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نار نمرود میں ڈالا جانے لگا تو جبریل علیہ السلام نے امداد کی پیشکش کی تو آپ علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے قبول نہ کی اور فرمایا **حسبی اللہ** اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگ سے نجات دی جو بندہ مؤمن اس کلمہ کو ورد بنالے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ سے نجات دے گا۔

۴۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ذبح کرنے کا ذکر کیا آپ علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ **قَالَ يَاأَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (الصافات ۱۰۲)** کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔" اس ان شاء اللہ کی برکت سے آپ علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام ذبح کی تکلیف سے نجات پا گئے جو یہ کلمہ کہے گا وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

حضرت سلیمان علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام کی ۹۹ بیویاں .... ان شاء اللہ نہ کہا تو کسی کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ**۔ اس کے نتیجے میں فرعون کے شر سے محفوظ رہے۔ جو بندہ ان کلمات کو پڑھتا رہے گا وہ نفس و شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۶۔ حضرت یونس علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء ۸۷)** کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔" شکم ماہی سے نجات ہوئی جو کسی مصیبت میں ہو نجات پائے اور قبر روشن ہو جائے۔ رحمت و مغفرت کا مژدہ پائے۔

۷۔ حضور ﷺ نے شب معراج میں کہا: **التحیات للہ والصلوات والطیبات**۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**۔ جو یہ کلمات کہے بوقت موت ایمان سلامت لے جائے۔ جو بندۂ مومن اس سات کلمات کو ورد بنالے۔ متذکرہ سات پیغمبروں کی شفاعت سے سرفراز ہو اس کے جسم کے سات اعضاء گوشت پوست ہڈیاں خون مغز پٹھے جہنم کے سات درجات سے نجات پائیں گے۔

قال علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ زین عشرۃ اشیاء بعشرۃ اشیاء زین السماء بالشمس والقمر والنجوم وزین الملئکۃ بجبرائیل علیہ السلام وزین الجنۃ بالحور والقصور وزین الانبیاء بمحمد ﷺ وزین الایام بیوم الجمعۃ وزین اللیالی بلیلۃ القدر وزین الشھور بشھر رمضان وزین المساجد بالکعبۃ المعظمۃ وزین الکتب بالقرآن وزین القرآن ببسم اللہ الرحمن الرحیم وقال علیہ السلام من دخل فی دارہ وقال بسم اللہ الرحمن الرحیم رفع اللہ لہ الف درجۃ ومحاعنہ الف الف سیئۃ وکتب لہ الف الف حسنۃ وان مات فی ذلک الیوم مات شھیداً۔ روي أن فرعون قبل أن ادعی الإلھیۃ قصد أو أمر أن یکتب باسم اللہ علی بابہ الخارج، فلما ادعی الإلھیۃ وأرسل اللہ إلیہ موسی ودعا فلم یر بہ أثر الرشد

قال: إلهي كم أدعوه ولا أرى به خيراً، فقال تعالى: يا موسى لعلك تريد إهلاكه، أنت تنظر إلى كفره وأنا أنظر إلى ما كتبه على بابه. والنكتة أن من كتب هذه الكلمة على بابه الخارج صار آمناً من الهلاك وإن كان كافراً،[94]

کلمۂ تمجید کی فضیلت کا بیان

عن ابی موسی رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال لہ قُلْ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الجَنَّةِ۔[95]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے حضور ﷺ نے فرمایا کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرو جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ روایت کیا اسے بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال من قال لا حول ولا قوۃ الا باللہ کان دواء من تسعۃ وتسعین داء ایسرھا الھم۔[96]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو کوئی لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ لے یہ ننانوے بیماریوں کا علاج ہے اور سب سے آسان دل کا بوجھ ہے روایت کیا اسے طبرانی و حاکم نے اور اسے صحیح الاسناد جانا ہے۔[97]

فائدہ: معلوم ہوا کہ کلمہ تمجید جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے تو ہوئی ایک عظیم الشان نیکی۔ ہر کار نیک کا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرنا سنت اور تمام انبیائے کرام کا طریقہ رہا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

کل امر ذی بال لم یبدا فیہ بسم اللہ فھو ابتر و اقطع و معنی اقطع قلیل البرکۃ ای اقطع من کمال البرکۃ وھو ای الابتداء بالبسملۃ امر مستحب موجب لزیادۃ الثواب و البرکۃ اعلم ان فی تقدیم البسملۃ وجوھا قولہ تعالی اقرا باسم ربک الذی خلق ای اقرا مفتتحا باسم ربک ای قل بسم اللہ الرحمن الرحیم وھذا یدل علی ان البسملۃ مامور بھا فی ابتداء کل قراءۃ وخیر منھا حدیث البخاری فی کتاب رسول اللہ (ﷺ) الی ھرقل بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد (ﷺ) عبد اللہ ورسولہ ومنھا انہ تعالی متقدم بالوجود والقدیم الخالق ینبغی ان یکون ذکرہ ایضا سابقا وھذا لا یصح الا اذا کانت قراۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم سابقہ علی سائر الاذکار وامور الخیر۔[98]

ترجمہ: ہر کام شروع جس کا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نہ کی جائے تو وہ بے نام ونشان اور اقطع ہے۔ اقطع کی معنی قلیل البرکت یعنی کمالِ برکت سے گرا ہوا یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرنا ایک مستحب کام ہے۔ زیادتیٔ ثواب اور برکت کا باعث ہے۔ جان لے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تقدیم میں وجوہات ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ پڑھ اللہ کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ یعنی پڑھ اپنے اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے۔ اے پڑھ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ دلالت ہے اس بات پر کہ ہر قرأت اور بھلائی سے پہلے بسم اللہ الرحمن

---

[94] التوابین لابن قدامۃ، باب توبۃ بشر ابن الحارث الحافی، ج ۱ ص ۱۲۸، حیاۃ السلف بین القول والعمل، ج ۱ ص ۷۵۸

[95] (رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

[96] (رواہ طبرانی فی الاوسط والحاکم وقال صحیح الاسناد ترغیب ترھیب جلد ۳ ص ۲۵۲ و ۲۵۳)

[97] (ترغیب ترھیب جلد تین صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۵۳)

[98] (بنایہ شرح ھدایہ جلد اول ص ۱۳ و ۱۵)

الرحیم سے شروع کرنے کا حکم ہے۔ اس کی ثبوت میں بخاری شریف کی حدیث دیکھ لو۔ ہر قل کے نام حضور ﷺ نے ابتدا جس کا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا کہ محمد ﷺ جو خدا کے بندے اور رسول ہیں اور (ثبوت) میں سے یہ کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے اور خالق ہونے کے لحاظ سے مقدم ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کا ذکر سب سے مقدم ہو۔ یہ تب درست ہو سکتا ہے جب بسم اللہ الرحمن الرحیم کا پڑھنا تمام اذکار اور بھلائی کے کاموں سے مقدم ہو۔[99]

فائدہ: جب شارع کی طرف سے ہر نیک کام کا شروع کرنا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ضروری ہے اور سنت طریقہ ہے نیز تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے قولا و عملا ثابت ہے تو عقیدہ اس تبلیغی جماعت کا جو گلیوں میں گشت کرتی ہے کہ کلمہ تمجید کا بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ پڑھنا شرعًا منع ہے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف ہے بلکہ صریح حضور ﷺ کے قول اور فعل پر اعتراض ہے۔ خوب سمجھو۔

اعلموا! یعنی جان لو! اے تبلیغی جماعت والو۔ خلاصہ کیدانی اور منیۃ المصلی پڑھ لیں کہ تمہیں اپنے دین کا علم ہو جائے کہ تمہیں ان امور کا پتہ چلے جن کی ابتداء بسم اللہ الرحمن الرحیم سے منع ہے اور تمہیں علم ہو جائے کہ دین فقہ میں ہے اور تم نے فقہ سے اپنے آپ کو محروم رکھا ہے۔ کما فی غایۃ التحقیق ولم یشم رائحۃ الفقہ ای اصول الفقہ ص ۲۸۵۔

یعنی غایۃ التحقیق میں ہے کہ وہ فقہ کی خوشبو نہیں سونگھ سکتا یعنی اصول فقہ نہیں جان سکتا۔

وہ امور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں جن کا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرنا منع ہے۔

کما فی طحطاوی قولہ فعل المکلف من حیث ما یعرض لہ من الاحکام الخمسۃ وھی الوجوب والندب والاباحۃ والحرمۃ والکراھۃ والاتیان بالبسملۃ عمل یصدر من المکلف فلا بد ان یتصف بحکم۔ فتارۃ یکون فرضا کما عند الذبح وتارۃ یکون واجبا علی القول بانھا أیۃ من الفاتحۃ وان کان خلاف المذھب لان الاخبار واردۃ فیھا مع المواظبۃ تفید الوجوب۔ وتارۃ یکون سنۃ کما فی الوضوء واول کل امر ذی بال ومنہ الاکل والجماع ونحوھما وتارۃ یکون مباحا کما ھی بین الفاتحۃ والسورۃ علی الراجح وفی ابتداء المشی والقعود وتارۃ یکون الاتیان بھا حراما کما عند الزنا ووطی الحائض وشرب الخمر واکل مغصوب او مسروق وتارۃ یکون الاتیان بھا مکروھا کما فی اول سورۃ براءۃ دون اثنائھا فیستحب ومنہ عند شرب الدخان وفی محل النجاسۃ۔ طحطاوی ص ۳۔

یعنی جیسا کہ طحطاوی کا قول ہے کہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لئے) ہر مکلف پانچ امور سے سامنا کرتا ہے یا پڑھنا اس کا اس کے لئے وجوب کا حکم رکھے گا یا ندب کا یا اباحت کا یا حرمت کا یا کراہت کا۔ اسے اس کے احکام جاننا لازمی ہیں۔ کبھی اسے بسم اللہ کا پڑھنا فرض ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ذبح کرتے وقت۔ اور کبھی اس کا پڑھنا واجب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ اگرچہ خلاف مذہب ہو کیونکہ اس کی دوام پر اتنی حدیثیں وارد ہو چکی ہیں جن سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور کبھی اس کا پڑھنا سنت ہوتا ہے جیسا کہ وضو میں اور کل امر ذی بال (والی حدیث) مثلا کھانا کھانا، جماع کرنا وغیرہ۔ کبھی اس کا پڑھنا مباح بن جاتا ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ اور سورت

---

[99] (بحوالہ بنایہ شرح ھدایہ جلد اول ص ۱۳ و ۱۵)

کے درمیان ترجیحاً چلنے اور بیٹھنے میں۔ اور کبھی اس کا پڑھنا حرام ہو جاتا ہے جیسا کہ زنا کرتے وقت یا حیض کی حالت میں وطی کے وقت، شراب پینے، غصب اور چوری کا مال کھانے کے وقت۔ اور کبھی اس کا پڑھنا مکروہ ہو جاتا ہے جیسا کہ سورہ برأت کی شروع میں (حالانکہ اس سورت کے بغیر دیگر سورتوں کے ساتھ اس کا پڑھنا سنت ہے)۔ حقہ سگریٹ پیتے وقت اور گندگی کی جگہ۔[100]

وفی عجائب الفقه : ۱۔ کس وقت بسم اللہ پڑھنا فرض ہے؟ ۲۔ کب بسم اللہ پڑھنا سنت ہے؟ ۳۔ کس وقت بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے؟ ۴۔ کب بسم اللہ پڑھنا جائز و مستحسن ہے؟ ۵۔ کس وقت بسم اللہ پڑھنا کفر ہے؟ ۶۔ کب بسم اللہ پڑھنا حرام ہے؟ ۷۔ کس وقت بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے؟

{جوابات} بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

۱۔ جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا فرض ہے اگرچہ پوری پڑھنا فرض نہیں جیسا کہ **طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص: ۲:** میں ہے۔ **والإتيان بالبسملة عمل يصدر من المكلف فلا بد أن يتصف بحكم, فتارة يكون فرضا كما عند الذبح, وإن كان لا يشترط هذا اللفظ بتمامه بل لا يسن, وإنما المنقول باسم الله, الله أكبر۔**

۲۔ بیرون نماز کسی سورت کے شروع سے تلاوت کی ابتداء کے وقت، وضو کے شروع میں، نماز کی ہر رکعت کے اول میں اور ہر اہم کام جو جائز ہو جیسے کھانے، پینے اور ہمبستری وغیرہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے جیسا کہ **طحطاوی علی مراقی: ص: ۳:** پر ہے۔ **تارة يكون سنة كما في الوضوء, وأول كل أمر ذي بال ومنه الأكل والجماع ونحوهما۔**

۳۔ خارج نماز درمیان سورت سے تلاوت کی ابتداء کے وقت **بسم اللہ** پڑھنا مستحب ہے بہارِ شریعت حصہ سوم ص: ۱۰۱: میں ہے اور سورۂ توبہ کے درمیان سے پڑھتے وقت بھی یہی حکم ہے۔

۴۔ اٹھنے بیٹھنے کے ہر وقت اور نماز میں سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا جائز و مستحسن ہے۔ جیسا کہ **طحطاوی علی مراقی: ص: ۳:** میں ہے۔ **تارة يكون مباحا كما هي بين الفاتحة والسورة على الراجح, وفي ابتداء المشي والقعود مثلاً۔**

۵۔ شراب پینے، زنا کرنے، چوری کرنے، جوا کھیلنے کے وقت **بسم اللہ** پڑھنا کفر ہے۔ یعنی جب کہ حرام قطعی کرتے وقت **بسم اللہ** پڑھنے کو حلال سمجھے بہارِ شریعت حصہ نہم: ص: ۷۲: اور فتاویٰ عالمگیری جلد دوم: ص: ۲۴۵: میں ہے۔ **الاتفاق على انه ان تمسک القدح وقال بسم الله وشربه يصير كافرا وهكذا ان بسمل وقت مباشرة الزنا او حال لعب القمار فانه يصير كافرا كذا في الفصول العمادية۔**

۶۔ حرام قطعی کرنے اور چوری وغیرہ کا ناجائز استعمال کرنے کے وقت **بسم اللہ** پڑھنا حرام ہے جب کہ پڑھنے کو حلال نہ سمجھے۔ اسی طرح حائضہ عورت سے ہمبستری کرتے وقت بھی پڑھنا حرام ہے اور وہ شخص کہ جس پر غسل فرض ہے اسے تلاوت کی نیت سے **بسم اللہ** پڑھنا

---

[100] (طحطاوی ص ۳)

حرام ہے۔ البتہ اسے ذکر ودعا کی نیت سے پڑھنا جائز ہے طحطاوی علی مراقی: ص:۳: میں ہے۔ وتارة یکون الإتیان بها حراما کما عندالزنا ووطیء الحائض وشرب الخمر وأکل مغصوب,أو مسروق قبل الإستحلال,أو أداء الضمان,والصحیح أنه إن استحل ذلک عندفعل المعصیة کفر,وإلا لا۔

۷۔ سورۂ برأت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے جب کہ سورۂ انفال سے ملا کر پڑھے۔ اسی طرح حقہ، بیڑی، سگریٹ پینے اور لہسن، پیاز جیسی چیز کھانے کے وقت اور نجاست کی جگہوں میں بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے اور شرمگاہ کھولنے کے وقت بھی پڑھنا مکروہ ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص:۳: پر ہے۔ تارة یکون الإتیان بها مکروها کما في أول سورة براءة ودون أثنائها فیستحب, وعندتعاطي الشبهات ومنه عندشرب الدخان وفي محل النجاسات,اهتلخیصًا۔ اور شامی جلداول میں :ص:۷: میں ہے۔ تکره عند کشف العورة او محل النجاسات وفی اول سورة برأة اذا وصل قرأتها بالانفال کما قیده بعض المشائخ قیل وعند شرب الدخان ای ونحوه من کل ذی رائحة کریهة کاکل ثوم وبصل وتحرم عند استعمال محرم بل فی البزازیة وغیرها یکفر من بسمل عندمباشرة کل حرام قطعی الحرمة وکذا تحرم علی الجنب ان لم یقصد بها الذکر اه۔

(اَلْحَمْدُلِلّٰهِ)[101] (الْحَمْدُ[102]) تمام اقوال حمیدہ اورافعال حمیدہ جو کہ صادر ہیں ملائکہ سے یا ثقلین سے یاصادر ہو گا ہر زمانے میں[103] چاہے نعمت کے مقابلے میں ہو یا غیر نعمت کے یہ سب کے سب مختص ہیں۔ (لِلّٰهِ) اللہ تعالیٰ کیلئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر ۶۲) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے) اور چیز مخلوق ہے اور مخلوق کی ثناء خالق کیلئے ہوتی ہے۔ (رَبِّ الْعٰلَمِيْن) ایسا خدا جو عالمین کی تربیت کرنے والا ہے عالمین عالم کی جمع ہے اور عالم ماسویٰ اللہ تعالیٰ کو کہا جاتا ہے اور ماسویٰ کی چار اقسام ہیں اول جمادات دوم نباتات سوم مائعات چہارم حیوانات اور عالم کو عالم سے اس لئے مسمیٰ کیا کہ عالم اللہ تعالیٰ کے وجود پر علامۃ ہے یہ قول ہے ابو القاسم بالیاء والنون لتغلیت العقلاء یہ سوال مقدر کا جواب ہے اس سوال کی تقدیر یہ ہے۔ فان قیل: کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے رب العالمین کہا رب العالم کیوں نہیں کہا تو شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ انما جمع الخ حاصل جواب یہ ہے کہ غیر عقلاء پر عقلاء کے غلبہ کی وجہ سے عالم کو یاء ونون کے ساتھ جمع کیا (والعاقبة) درجات عالیہ جو عملِ صالح کے تابع ہے للمتقین اس جہان کے پرہیز گاروں کے لئے ہے اور مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول والعاقبة للمتقین جواب سوال ہے اور اس سوال کی تقدیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے تو عالمین میں کفار بھی ہیں تو ایسا ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اٰخرت میں کفار کا بھی مربی یعنی تربیت کرنے والا ہو جبکہ امر ایسے نہیں تو مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب اس قول کے ساتھ دیا کہ والعاقبة للمتقین

---

[101] قوله الحمد لله اردف البسملة بالحمد لة اقتداء بکتاب الله المبین وعمل بسنة اکرم الخلق وافضل المرسلین کل کلام لا یبداء فیه بحمد الله فهو اجزم رواه ابو داؤد والنسائی وفی روایة ابن ماجة کل امر زبال لم یبداء فیه بالحمد لله فهو اقطع ورواه ابن حبان وأبو عوانة فی صحیحهما وقال ابن الصلاح هذا حدیث حسن بالصحیح قوله اقطع ای قلیل البرکت وکذلک اجزم من جزم بکسر ذال المعجمة وهی العطش فیکون معناهما انه لا خیر فیه کالمجزوم والنخل التی لا یصیبها الماء کذا اخرجه وبینه الحافظ العینی فی عمدة القاری۔

[102] فان قیل مالفرق بین المدح والحمد قلنا ان المدح ثناء قبل الاحسان والحمد ثناء بعد الاحسان ثم مالفرق بین الحمد والشکر قلنا الحمد عام والشکر خاص والخاص مایوجد فی نفسه ولا یوجد فی غیره والعام مایوجد فی نفسه ویوجد فی غیره۔ ۱۲۔

[103] یعنی ازل سے ابد تک۔ ازل اس کو کہا جاتا ھے جس کی ابتداء نہ ھو اور ابد اس کو کہا جاتا ھے جس کی انتہاء نہ ھو۔ فان قیل۔ کہ ازل میں تو خدا کے سوا کوئی نہیں تھا پھر کس نے ثناء کہی؟ قلنا: اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خود ثناء کہی۔ جیسے حدیث قدسی میں ھے۔ لا احصی ثناء علیک کما اثنیت انت علی نفسک۔

حاصل جواب یہ ہے کہ کفار اگرچہ عالمین میں شامل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اخرت میں ان کا مربی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الْيَوْمَ نَنْسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا۔ (آج ہم تمہیں چھوڑ دیں گے جیسے تم اپنے اس دن کے ملنے کو بھولے ہوئے تھے (الجاثیہ ۳۴)) اسی طرح مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول و خیر العاقبۃ للمتقین بھی جواب سوال ہے اور سوال کی تقدیر یہ ہے کہ عاقبۃ کسی چیز کی آخرت اور نفسِ آخرت جس طرح مؤمنوں کے حق میں موجود اسی طرح کفار کے حق میں بھی موجود ہے لہذا تخصیص عاقبت مؤمنوں کے حق میں صحیح نہ ہوئی تو شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے جواب دیا و خیر العاقبۃ للمتقین حاصل جواب یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت مضاف (لفظِ خیر) کے حذف کے ساتھ ہے نہ کہ نفسِ آخرت خیر آخرت کے درجات عالیہ میں جو عملِ صالح کے تابع ہیں تو قید عالیہ کے ساتھ درجات کفار و منافقین سے احتراز کیا گیا کیونکہ درجات کفار و منافقین سفلی یعنی ادنی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول میں آیا ہے۔ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں (النساء ۱۴۵)) اور مؤمنوں کے حق میں فرمایا: وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى (طه ۷۵) (اور جو اس کے حضور ایمان کے ساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں تو انہیں کے درجے اونچے) (للمتقین) متقین متقی کی جمع ہے متقی لغت میں مہاجر کو کہا جاتا ہے اور شرع میں متقی کی تعریف کے بارے میں پانچ اقوال ہیں، اول یہ کہ هم الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (البقرة ۳) (وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں)۔ دوم قول هم الذين لا يفضلون انفسهم على الغير سوم قول هم الذين يحترزون عن الشبهات چهارم قول هم الذين يتقون عن الشرك و الكبائر پنجم قول هم الذين يأتون بالمامور به وينهون عن المنهيات۔ تقویٰ دار کے لئے دو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں ایک تقی اور دوسرا نقی تقی اسے کہا جاتا ہے جس نے تقویٰ قبل از بلوغ اور بعد از بلوغ دونوں کو اختیار کیا ہو اور نقی اسے کہا جاتا ہے جس نے تقویٰ کو صرف بعد از بلوغ اختیار کیا ہو نہ کہ قبل از بلوغ (وَالصَّلٰوۃُ) معبود سے نزولِ رحمت ہو ای افاضۃ الخیر یہ قول شارح رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور جواب سوال ہے، سوال کی تقدیر یہ ہے فان قیل صلوۃ کے معنی رحمت کے ہیں اور رحمت قصور کا تقاضا کرتی ہے جب کہ حضور ﷺ سے قصور صادر نہیں ہوا تو پھر مصنف علیہ الرحمہ کا یہ قول و الصلوۃ علی رسولہ کس طرح صحیح ہو گا تو شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے جواب دیا ای افاضۃ الخیر حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں صلوۃ نزولِ خیر کے معنی میں ہے اور نزولِ خیر قصور کا تقاضا نہیں کرتا۔ قوله و الصلوة اردف الحمد بالصلوة لما ذكره الامام الحافظ بدر الدين العينى من ان الواجب على مصنف الكتاب او مؤلف رسالة ثلاثة اشياء وهى البسملة و الحمد له و الصلوة الى ان قال و اما الصلوة فلان ذكره ﷺ مقرون بذكره تعالىٰ و لقد قالوا فى قوله تعالىٰ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح ۴) معناه ذكرت حيثما ذكرت و فى رسالة الشافعى رحمه الله تعالىٰ عن مجاهد فى تفسير هذه الأية قال لا اذكر الا ذكرت اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله و روى ذلك مرفوعا عن رسول الله ﷺ الى جبرئيل عليه السلام الى رب العٰلمين انتهى ملخصاً و قال الشارح فى الكبير افتتح اى المصنف كتابه بقوله بسم الله لان ذلك سنة الله فى كتابه المبين و سنة انبياء و سائر عباده الصلحين و اقتداء بهم اصل الدين و كذلك الارداف بقوله الحمد لله اقتداء بكتاب الله تعالىٰ و اتباعاً لعباده المؤمنين الى عن قال ثم اتبع ذكره تعالىٰ بذكر رسول الله ﷺ فقال و الصلوة على رسوله محمد عملاً بقوله تعالىٰ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح ۴) اذ المراد به جعل ذكره ﷺ مقارناً لذكره تعالىٰ على ما فى التفسير انتهى مختصراً قال امام اهل السنة فى الكلام فخر الدين الرازى

فی مفاتیح الغیب فی تفسیرہ قولہ عز وعلی ورفعنا لک ذکرک واعلم انہ عام فی کل ما ذکرہ من النبوّۃ وشھرتہ فی الارض والسموت واسمہ مکتوب علی العرش وانہ یذکر معہ فی الشھادۃ والتشھد وانہ تعالیٰ ذکرہ فی الکتاب المقدس وانتشار فکرہ فی الافاق وانہ ختمت بہ النبوۃ وانہ یذکر فی الخطب والاٰذان ومفاتیح الرسائل وعند الختم وجعل ذکرہ فی القراٰن مقروناً بذکرہ وَاللّٰہَ وَرَسُولُہُ أَحَقُّ أَنْ یُرْضُوہُ و وَمَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَرَسُولَہُ و أَطِیعُوا اللّٰہَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وینادیہ باسم الرسول والنبی حین ینادی غیرہ بالاسم یا موسیٰ یا عیسیٰ وایضاً جعلہ فی القلوب بحیث یطیبون ذکرہ وھو معنی قولہ تعالیٰ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا کانہ تعالیٰ یقول املاء العلمین من اتباعک کلھم یثنون علیک ویصلون علیک ویحفظون سنتک بل ما من فریضۃ سن فرائض الصلوۃ الا ومعہ سنۃ فھم یمتثلون فی الفریضۃ امری وفی السنۃ امرک وجعلت طاعتک طاعتی وبیعتک بیعتی مَنْ یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہَ إِنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَکَ إِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللّٰہَ فلعلک فعل وَمَا رَمَیْتَ إِذْ رَمَیْتَ وَلَکِنَّ اللّٰہَ رَمَی لا تانف السلاطین من اتباعک بل لا جرأۃ لاجھل الملوک ان ینسب خلیفۃ من غیر قبیلتک فالقراء یحفظون الفاظ منشورک والمفسرون یفسرون معانی فرقانک واھل الروایۃ یسعون فی جمع اخبارک واھل الدرایۃ یعدون فی الاجتھاد والاستنباط مما حواہ اثارک من قولک وفعلک وتقریرک والوعاظ یبلغون وعظک والمعتنون بما صدر منک وشرّفک وکرّمک بہ ربک من زمان ولادتک الی اوان رحلتک یطربون المخلصین من عشاق امتک الحاضرین فی المحافل الشریفۃ المعقول لرفع ذکرک ببیان لطیف نسبک وتبیان ارھاصاتک وکراماتک ومعجزاتک ویعزرونک ویوقرونک حتیٰ انھم لغایۃ فرحھم بقدومک وفرط محبتھم لک یقومون تعظیماً وتکریما لک عند ذکر ظھورک من بطن اٰمنۃ امھم وامک المؤمنۃ بک بان احییناھا لک زمان تبلیغک فاٰمنت بک اسلمت بجمیع شرائعک بل العلماء والسلاطین یصلون الی خدمتک ویسلمون من وراء الباب علیک ویمسحون وجوھھم بتراب روضتک ویرجون شفاعتک فذکرک جار وشرفک باق الی یوم القیامۃ انتھی کلامہ الشریف بزیادۃ شیء یسیر من العبد الفقیر وللامتثال بحدیث کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ بذکر اللہ ثم بالصلوۃ علی فھو اقطع ممحوق من کل برکۃ اخرجہ الرھاوی ای فی اربعینہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا وان قیل بضعفہ کما افادہ فی المرقاۃ قال فی عمدۃ الرعایۃ بعد ما عزی تخریجہ الی الرھاوی فی الاربعین والدیلمی ایضاً فی مسند الفردوس وفی سندہ ضعف لکن یعمل بہ فی الفضائل انتھی بلفظہ ثم اعلم ان الصلوۃ من اللہ تعالیٰ الرحمۃ ومن الخلق الدعاء بھا قالہ الشارح البارع فی الکبیر رزقہ اللہ تعالیٰ الثواب الکبیر (والسلام) اور سلامتی ہو پس حضور ﷺ پر صلوۃ وسلام کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے، پس حضرت محمد ﷺ پر صلوۃ وسلام کتاب اللہ سے اس قول کی دلیل کی وجہ سے ثابت ہے۔ إِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہُ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا اور ثبوتِ صلوۃ کے بارے میں یہ حدیث دلیل ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں خصنی اللہ تعالیٰ بکرامات عدمنھا اذا ذکرتم اللہ تعالیٰ فذکرونی معہ۔ فان قیل یہ حدیث تکبیر اولیٰ، ذبح، تلبیہ اور اجماع کے مقام پر یہ حدیث منقوص ہوتی ہے کیونکہ ان مقامات پر صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور حضور ﷺ کا ذکر نہیں ہوتا قلنا اس حدیث میں لفظ بعض مقدر ہے یعنی بعضِ مواضع میں اذا ذکرتم اللہ تعالیٰ فاذکرونی معہ فان قیل۔ اس حدیث سے حضور ﷺ کی مدح مراد ہے اور بعضِ مواضع میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور ﷺ کے ذکر سے آپ ﷺ کی مدح حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور ﷺ کے ذکر کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر بھی بعض مواضع میں کیا جاسکتا ہے قلنا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور ﷺ کا ذکر اکثر مواضع میں کیا جاسکتا ہے اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ذکر کے ساتھ قلیل مواضع میں ہوتا ہے۔ ثبوتِ صلوۃ پر اجماع ہوا ہے

اور حضور ﷺ کی امت آپ ﷺ کے زمانے سے آپ ﷺ پر ثبوتِ صلوۃ سلام بھیجنے میں جمع ہو چکی ہے اور آج تک ثبوتِ صلوۃ سلام سے انکار نہیں کیا اور ثبوتِ صلوۃ قیاس سے یہ ہے کہ قیاس بھی یہ کہتا ہے کہ صلوۃ و سلام کو حضور ﷺ پر جائز قرار دیا جائے کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے نہ دور ہوتا ہے اور نہ ہی نزدیک مگر حضور ﷺ کے واسطے اور حضور ﷺ بندے سے راضی نہیں ہوتے مگر صلوۃ سلام (جو آپ ﷺ پر بھیجا جائے) کی وجہ سے راضی ہوتے ہیں پس صلوۃ کے چار معانی ہیں، اول رحمت جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے أُولَئِکَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوَاتٌ مِنۡ رَبِّهِمۡ (البقرۃ ۱۵۷) ای رحمته من ربهم دوم ثناء جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ای علی النبی ﷺ سوم قراءۃ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ ولا تجهر بصلوتک ای بقراءتک، چہارم دعاء جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ (التوبۃ ۱۰۳) ادع لهم فان قیل جب صلوۃ بمعنی دعاء ہوئی تو قاعدہ یہ ہے کہ جب دعاء کلمہ علی کے ساتھ استعمال ہو تو اس سے بد دعاء مراد لی جاتی ہے جب کہ حضور ﷺ کے لئے بد دعاء کرنا کفر ہے **قلنا** یہ قاعدہ بھی درست ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ حضور ﷺ کے لئے بد دعاء کرنا کفر ہے لیکن یہ قاعدہ صریح لفظِ دعاء میں ہے نہ کہ دعاء کے لفظ آخر میں جیسے لفظ صلوۃ اور اس سے مراد دعاء **فان قیل** صلوۃ کے چار معنی ہوئے تو یہ دو باتوں سے خالی نہ ہو گا یا تو اس سے مراد بطریقہ حقیقت کل مراد ہے اور اس معنی سے عموم مشترک لازم ہوتا ہے جبکہ عموم مشترک باطل ہے یا اس سے مراد بطریقہ حقیقت بعض مراد ہو گا یا بطریقہ مجاز بعض مراد ہو گا اس صورت میں حقیقت اور مجاز کے درمیان جمع لازم ہو گی جبکہ حقیقت و مجاز کے درمیان جمع باطل ہے کیونکہ لفظ بمنزلہ لباس یعنی کپڑا ہے اور معنی بمنزلہ شخص اور ایک کپڑا ایک وقت میں دو شخصوں کو عام طریقے سے نہیں پہنایا جا سکتا اور اگر بعض مراد لیا جائے نہ کہ بعضِ تو ترجیح بلا مرجح لازم ہوتی ہے اور ترجیح بلا مرجح باطل ہے۔ ہم دو جواب دیتے ہیں اول یہ کہ یہ اعتراض اس صورت میں وارد ہوتا ہے جب جہتِ واحدہ سے تمام مضاف مراد لئے جائیں اور یہاں پر جہات سے نہ کہ جہتِ واحدہ سے اور جب صلوۃ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہو تو صرف رحمت کا معنی دیتا ہے نہ کہ باقی ثلاثہ کا اور جب صلوۃ ملائکہ کی طرف سے مضاف ہو تو صرف ثناء کا معنی دیتا ہے اور جب لفظ صلوۃ مؤمنوں کی طرف مضاف ہو تو دعاء کا معنی دیتا ہے اور جب جہر اور اخفیٰ کی طرف مضاف ہو تو قراءۃ کا معنی دیتا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ صلوۃ سے مراد حضور ﷺ کے حق میں عنایت ہے تاکہ آپ ﷺ کی شرافت کا اظہار ہو اور عنایت اللہ تعالیٰ اور ملائکہ و عباد کے ساتھ نسبت کے لحاظ سے بطریقہ عموم مختلف ہوتے ہیں نہ کہ طریقہ اشتراک اور حقیقت کی مجاز کے ساتھ جمع کی وجہ سے یہ قول شارح علیہ الرحمہ کا ہے کہ لانہ اعلم بما یلیق بہ یہ جواب سوال ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حضور ﷺ پر صلوۃ و سلام کا امر دیا تو مؤمنین حضور ﷺ پر صلوۃ و سلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دوبارہ سوال کیوں کرتے ہیں تو شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے جواب دیا کہ لانه اعلم بما یلیق به تو حاصل جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حضور ﷺ پر اس قدر صلوۃ و سلام کا حکم دیا کہ حضور ﷺ اس پر راضی ہو جائیں تو وہ مؤمنوں کو معلوم نہیں تھے اس لئے مؤمنوں نے دوبارہ سوال کیا کہ اے اللہ تعالیٰ تو خود حضور ﷺ پر اس قدر صلوۃ و سلام بھیج کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں۔ فان قیل مصنف علیہ الرحمہ نے بعض فقہاء کے ساتھ مخالفت کی ہے کیونکہ بعض فقہاء نے حضور ﷺ پر صرف صلوۃ کو ذکر کیا ہے نہ کہ سلام کو جب کہ مصنف علیہ الرحمہ نے دونوں کا ذکر کیا ہے **قلنا** مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اللہ (قرآن عظیم الشان) سے موافقت

کی ہے یعنی قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ نے صلوۃ وسلام دونوں کا ذکر کیا ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے بھی دونوں کا ذکر کیا اور بعض فقہاء نے واہم کی طرف سے دفع وہم کے لئے صرف صلوۃ کا ذکر کیا اور اگر احدھما جائز نہ ہوتا یعنی اگر صلوۃ وسلام میں سے کوئی ایک جائز نہ ہوتا تو تشھد میں صرف سلام کا حکم نہ دیا جاتا (علی رسولہ) اللہ کے مرسل یعنی رسول ﷺ پر ای علی مرسلہ جواب سوال ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ فان قیل کہ رسول بہ وزن فعول ہے اور فعول کا وزن کبھی بمعنی اسم فاعل ہوتا ہے اور کبھی بمعنی اسم مفعول۔ اور یہاں پر یہ فاعل کے معنی میں ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے فساد لازم ہوا کیونکہ حضور ﷺ کا مرسل اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ پر غیر سے صلوۃ وسلام نہیں تو شارح رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ای علیٰ مرسلہ حاصلِ جواب یہ ہے کہ رسول وزنِ فعول میں مفعول کا معنی دیتا ہے یعنی مرسل کے معنوں میں خود نبی اکرم ﷺ ہیں۔ رسول لغت میں فرستادہ شدہ (بھیجا گیا) کو کہا جاتا ہے اور شرع میں رجل من نبی ادم یتجاوز من حد الصغر الی حد الکبر مبعوث الخلق لتبلیغ احکام الشریعۃ معہ کتاب متجدد ام لا۔

مسئلۃ:

علامہ صاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے۔ **فمن زعم ان النبی ﷺ کاحاد الناس لایملک شئیا اصلاً و لانفع بہ لاظاھر او لاباطنا فھو کافر خاسر الدنیا و الآخرۃ۔**[104]

جو شخص یہ خیال کرے کہ نبی پاک ﷺ بالکل کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی ان سے ظاہری اور باطنی طور پر نفع پہنچتا ہے تو وہ شخص کافر ہے اور دنیا اور آخرت میں رسوا ہے۔

(محمد) جو کہ محمد ﷺ ہیں یعنی وہ رسول جن کا نام مبارک محمد ﷺ ہے اور محمد ستودہ شدہ را گویند (تعریف کئے گئے ہیں) کو کہا جاتا ہے اور رسول ﷺ کو محمد ﷺ کے ساتھ اس لئے مسمی کیا گیا کہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے کثرت سے محامد ہیں۔ دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے۔ محمد ﷺ ایک پیارا، حسین، قابلِ فخر، ہر دل عزیز، باعثِ خیر و برکت، پسندیدہ، دل ربا، ذخیرہء حسنِ دو جہاں، عطر ریز، عنبر بار، دل کش، مقبول و پر کشش نام۔۔۔ ایک ایسا نام جو کسی کو نہ سوجھا، کس پہ نہ جچا، کوئی اس کے قابل نہ تھا، سیدہ آمنہ کے حسین و خوبصورت، صاحبِ جمال و کمال بیٹے کی وجہ سے انسانیت تک اس نام کی رسائی ہوئی، اس نام کے نغموں کی کائنات میں گونج ہے،، افقِ عالم میں اس کا چرچا و شہرت ہے، اس نام میں رحمت و اپنائیت ہے، عرب جو بد نظمی اور پراگندگی کے عادی تھے اسمِ محمد ﷺ نے ان سب کو ایک دائرہ میں لا کر ایک سلسلہ میں منضبط کر دیا، ایک ہی لڑی میں پرو دیا، پوری دنیا کے باشندوں کو رنگ و نسل، قوم و قبائل کے امتیاز کے بغیر ایک راہ و یک جا کر دیا، عالم اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر جگہ ہر مقام پہ یہ نام ایک قدر مشترک ہے، ہر کلمہ گو نامِ محمد ﷺ سے وابستہ ہے، قوم و لسانیت کے اختلافات کے باوجود سب کے سب مسلمان اگر کسی بات پر متفق ہیں تو وہ نام محمد ﷺ ہے۔ یہ نام عظیم قوت ہے، اس نام سے دشمنوں پر ہیبت و رعب ہے، یہ نام روشنی ہے، ایک ایسی روشنی جس نے جہالت و تاریکیوں کے سارے پردے چاک

---

[104] تفسیر صاوی ج ا ص ۱۶۷۔

کر کے کائنات کو منور کر دیا، یہ نام نامِ عظمت ہے جس نے اپنے چاہنے والوں کو عظیم کر دیا، یہ نام بہت ہی ارفع وبلند ہے، یہ نام پاکیزہ و مقدس ہے جس کے دم سے دھرتی کفر و شرک سے پاک ہو گئی، سورج، چاند، ستارے، آسمان و زمین، فرشتے، جنات اور انسان سب اس نام کے گُن گاتے ہیں، اس نام سے کلیوں کا تبسم، پھولوں کا ترنم، دھرتی کی بقاء و جگمگاہٹ، ہر شئ کی نقل و حرکت، گویا کہ کائنات کا حسن، رنگ، رونق، خوشبو، تازگی سب کچھ اسی نام سے ہے، اسی عقیدت و محبت کا اظہار علامہ محمد اقبال مرحوم اشعارع کی دنیا میں یوں کرتے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے — دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خُم بھی نہ ہو — بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے — نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

محبوب ﷺ کے لئے محمد نام چھپایا گیا

جس طرح ہزار کفر و شرک کے باوجود بھی "اللہ" کا نام ذاتِ خداوندی کے لئے مخصوص رہا، بعینہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے نامِ محمد ﷺ و احمد ﷺ کو بھی چھپائے رکھا، کسی کو بھی نہ سوجھا کہ یہ نام بھی رکھا جائے، جب آپ ﷺ کی ولادت کا زمانہ قریب آیا، کاہنوں، نجومیوں اور اہل کتاب نے نام وصفات کی وضاحت کے ساتھ آمد آمد کی بشارتیں دیں، تو لوگوں کی توجہ اس نام کی طرف گئی، اور امیدِ نبوت پر محمد و احمد رکھنا شروع کئے، چند گنے چنے ایسے اشخاص ملتے ہیں جن کا یہ نام رکھا گیا، لیکن مشیتِ الٰہی دیکھئے ان میں سے کسی نے بھی دعویٰ نبوت نہ کیا۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: **محمد بن احیحة، محمد بن مسلمة الانصاری، محمد بن البراء البکری، محمد بن سفیان بن مجاشع، محمد بن حمران الجعفی، محمد بن خزاعی السلمی، محمد بن عدی، محمد بن یزید بن عمرو، محمد بن اسامه بن مالک۔** زصد ھزار محمد کہ در جہاں آید، یکے بمنزلت و فضل مصطفیٰ نرسد۔ اس دنیا میں لاکھوں محمد آئے لیکن ان میں سے کوئی بھی مصطفےٰ ﷺ کے بلند مقام کو نہ چھو سکا۔ محمد بن عدی سے پوچھا گیا کہ آپ کا نام جاہلیت میں کیسے محمد رکھا گیا، انہوں نے کہا کہ میں نے بھی ایک دن جب اپنے والد سے یہی پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں سفیان بن مجاشع، زید بن عمرو، اسامہ بن مالک شام گئے، وہاں ایک راہب نے آخری نبی ﷺ کی آمد کا بتایا، ہم نے پوچھا اس کا نام کیا ہو گا؟ کہا: محمد (ﷺ)، پھر ہم واپس آئے، ہم میں سے ہر ایک کے ہاں لڑکا ہوا، سب نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا۔[105] ہم نے ہر دور میں تقدیسِ رسالت کے لئے وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے، توڑ کر سلسلہ رسم سیاست کا فسوں، فقط اک نام محمد ﷺ سے محبت کی ہے۔ نام رکھا گیا محمد ﷺ دادا عبد المطلب ایک عجیب خواب دیکھتے ہیں ان کے کمرے سے نور کا ایک سلسلہ نکل رہا ہے جس کا ایک سرا زمین میں ہے اور دوسرا سرا آسمان میں ہے ایک مشرق میں ہے تو دوسرا مغرب میں پھر اس نور نے ایک

---

[105] (کتاب الشفاء ۱۴۴، الاصابة الجز السادس)

درخت کی صورت اختیار کی جس کے ہر پتے میں نور چمک رہا تھا اور مشرق اور مغرب کے لوگ اس درخت سے لگے ہوئے ہیں ۔ معبرین نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ آپ کی نسل سے ایک بچہ پیدا ہو گا مشرق اور مغرب کے لوگ اس کی پیروی کریں گے زمین وآسمان والے اس کی حمد وثناء کریں گے۔ پوتا پیدا ہوا تو عبد المطلب نے ان کا نام ... محمد... رکھا(ﷺ) مروجہ تمام ناموں سے مختلف لہجے اور معنی میں الگ تھلگ ایک خاص شان لئے نام جس نے بھی سنا متعجب اور حیران ہوا کہ کعبے کے متولی عبد المطلب نے کعبے میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ خداؤں میں سے کسی کے ساتھ نسبت دینے کے بجائے اپنے پوتے کا ایک انوکھا اور عجیب نام محمد ﷺ رکھا کسی نے وجہ پوچھی اے ابو الحارث تم نے اس بچے کا نام محمد ﷺ رکھا ہے حالانکہ یہ نام تمہارے باپ اور دادا میں سے کسی کا ہے اور نہ تمہاری قوم میں کسی کا؟؟عبد المطلب نے جواب میں کہا...اردت ان یحمده الله فی السماء وتحمده الناس فی الارض... میں چاہتا ہوں کہ خالق کائنات آسمان میں ان کی تعریف کریں اور خلق خدا زمین میں ان کی مدح وستائش کرے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ نام واقعی اسی ہستی کیلئے موزوں اور مناسب تھا کیونکہ پھر ستائش وتعریف کرنے والوں میں تعجب کرنے والے بھی شامل تھے۔ والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بتایا گیا کہ تمہارے شکم اطہر میں سید الامم ہیں اور اس نومولود کا نام محمد ﷺ رکھنا دوسری روایت میں ہے کہ احمد ﷺ رکھنا[106] ۔ گویا کہ محبوب کل (فداه روحی ونفسی وابی وامی)ﷺ کا نام کسی فرد وبشر نے نہیں رکھا بلکہ خلاصۂ حیات کا نام مبارک خود خالق کائنات نے رکھا ہے پھر اس خالق کل سے بشارت پا کر خویش واقارب اصدقاء واحباء نے آپ ﷺ کا نام محمد اور احمد ﷺ رکھ کر اپنے قلوب واذہان کو مفرح کیا۔

مجھ کو تو اپنی جان سے بھی پیارا ہے ان کا نام — شب اگر ہے حیات تو ستارہ ہے ان کا نام

تنہائی کس طرح مجھے محصور کر سکے — جب میرے دل میں انجمن آراء ہے ان کا نام

ہر شخص کے دکھوں کا مداوا ہے ان کی ذات — سب پا شکستگان کا سہارا ہے ان کا نام

بے یاروں بے کسوں کا اثاثہ ہے ان کی یاد — بے چارگان دہر کا چارہ ہے ان کا نام

قرآن پاک ان پہ اتارا گیا ندیم — اور میں نے اپنے دل میں اتارا ہے ان کا نام

عبد المطلب سجدے میں گر گئے

ولادت رسول اللہ ﷺ کے کچھ عرصے بعد شاہ یمن جو کہ یہود کے بڑے علماء میں سے تھے فاتح حبشہ بنے عرب کے رؤسا اشراف انہیں مبارک باد دینے کیلئے حاضر خدمت ہوئے عبد المطلب کی قیادت میں قریش کا وفد بھی پہنچا شاہ یمن سیف بن ذی یزن، جناب عبد المطلب کی شخصیت

---

[106] سیت مصطفی ﷺ وسیرت حلبیۃ۔

اوران کی فصاحت وبلاغت سے بڑا متاثر ہوا اور حکم جاری کیا کہ ایک ماہ تک ان کا خصوصی اکرام ومہمان نوازی کی جائے اسی دوران ایک دن شاہ یمن نے جناب عبدالمطلب کو خلوت میں ایک خصوصی مجلس میں بلا کر کہا کوئی اور ہوتا تو میں اس سے اس معاملے میں بات نہ کرتا لیکن چونکہ مجھے آپ رازدار لگتے ہیں اس لئے ایک راز کی بات بتاتا ہوں جب تک اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہ کرے آپ بھی اسے افشاں نہ کریں وہ خبر ساری انسانیت کیلئے شرف اور فضیلت والی آپ کیلئے اس میں بے انتہا عزت اور شرافت ہے۔**هذا حينه الذى يولد فيه او قد ولد اسمه محمد بين كتفيه شامة يموت ابوه وامه يكفله جده وعمه.....** اب وقت آگیا ہے کہ مکہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا اس کا نام محمد ہوگا (ﷺ) اس کے دونوں کندھوں کے درمیان علامت نبوت ہوگی اس کے ماں باپ فوت ہو جائیں گے اور دادا اور چچا اس کی کفالت کریں گے اللہ تعالی اسے ایسی نبوت عطا فرمائے گا جو سب انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر غالب ہوگی اس کے مددگار ہم میں سے یعنی انصار مدینہ ہوں گے اس کے ماننے والوں کو اللہ تعالی عزت دے گا اور اس کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کرے گا وہ زمین پر جہاد کرے گا پاکیزہ اشیاء اس کے لئے حلال ہوں گی وہ رحمان کی عبادت کرے گا شیطان کو ذلیل کرے گا بتوں کو توڑے گا آتشکدوں کو بجھائے گا اس کا قول مستحکم اور فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہوگا۔ امر بالمعروف ونھی عن المنکر اس کا شعار ہوگا۔ عبدالمطلب یہ ساری گفتگو سن کر سجدے میں گر گئے بادشاہ نے کہا سر اٹھایئے آپ کا سینہ ٹھنڈا ہو اور آپ کا کعبہ بلند ہو مجھے بتاؤ آخر کیا ہوا عبدالمطلب کہنے لگے بادشاہ میرا ایک بہت محبوب بیٹا تھا میں نے اس کی شادی ایک شریف خاندان کی بہت ہی معزز و شریف خاتون سیدہ آمنہ بنت وھب بن عبد مناف بن زہرہ سے کی **فجاءت بغلام سميته محمدا مات ابوه وامه وكفلته انا وعمه، بين كتفيه شامة وفيه كل ما ذكرت من علامة**۔ اس نیک سیرت خاتون سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام میں نے رکھا اس کے ماں باپ واقعی رخصت ہو چکے ہیں اب میں اور اس کا چچا اس کی کفالت کرتے ہیں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر وہ ساری علامات موجود ہیں جو آپ نے بیان کی ہیں۔ شاہ یمن کہنے لگا تم واقعی اس کے دادا ہو لہذا یہودیوں سے اس بچے کی حفاظت کرو کیونکہ وہ اس سے دشمنی کریں گے لیکن اللہ تعالی ان کی حفاظت کرے گا۔[107]

آمد کی بشارت

نبی مکرم ﷺ کی آمد آمد کی سابقہ انبیاء علیہم السلام نے بشارتیں دیں لوگ منتظر تھے عرب کے اشراف ورؤسا بھی انتظار کرنے والوں میں سے تھے آپ ﷺ کے ایک جد امجد کعب بن لوئی کہ ان کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ۵۶۰ اور ایک اور روایت کے مطابق ۵۲۰ سال کا فاصلہ ہے قریش کے لوگ ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔

ثم يعظهم ويذكرهم بمبعث النبي صلى الله عليه واله وسلم ويعلمهم بانه من ولده ويامرهم باتباعه ويقول سياتي لحرمكم نبا عظيم سيخرج منه نبي كريم۔

---

[107] اثمار التکمیل ج ۲ ص ۱۳۱ ملخصا معارف اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص ۶۲۔

وہ انہیں نصیحت کرتا، آپ ﷺ کے ظہور کے متعلق باتیں بتاتا وہ کہتا تھا کہ وہ نبی آخر الزمان میری اولاد میں سے ہوں گے کعب ان کو حکم دیتا کہ (آپ ﷺ کے بعث و ظہور کے بعد) ان کی پیروی کرنا وہ کہتا تھا کہ تمہارے لئے ایک عظیم خبر آئے گی اور ایک کریم نبی ﷺ ظاہر ہوں گے اور آنحضرت ﷺ کی مدح و توصیف میں اس کے اشعار میں سے دو شعر حاضر خدمت ہیں۔

علی غفلہ یاتي النبي محمد　　یخبر اخبار الصدوق خبیر ھا

یالیتني شاھد فحواء دعوتہ　　حین العشیرہ تبغی الحق خذلانا

جہالت اور بے خبری کے دور میں ایک نبی آئے گا جس کا نام محمد ہو گا (ﷺ) اور وہ اس طرح خبریں بتلائے گا جس طرح ایک جاننے والا بتلایا کرتا ہے کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب وہ لوگوں کو حق کی دعوت دے گا اور ان کے قبیلے والے اس حق کو رسوا کرنے کے درپے ہو گے۔[108]

اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے نام

نام سے کسی شخصیت کا تعارف مقصود ہوتا ہے خواہ اس نام کی کوئی حقیقت اور اثر اس میں نہ پایا جاتا ہو جیسے مشفق ماں ایک سیاہ فام بچے کا نام کافور، چاند اور غبی و کند ذہن کا نام ذکی و ذہین رکھ دیتی ہے مگر یہ سب کچھ بے حقیقت ہوتا ہے لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ سے محض ان کی ذات کا تعارف ہی مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کے تمام اوصاف کے ترجمان ہوتے ہیں جو دست قدرت نے ازل سے ان میں ودیعت رکھے ہیں اس لئے حضور ﷺ کا ہر نام کسی نہ کسی صفت کی جلوہ گاہ ہے۔

اسی طرح اسمائے مبارکہ، آپ ﷺ کے صفات پسندیدہ کا وہ آئینہ ہے جس سے آپ ﷺ کی خوبیوں کی تصاویر اور اخلاق کا نقشہ پورا پورا سامنے آجاتا ہے اور کمالات محمد ﷺ کی رنگین چلمنیں ہیں جن میں چھن چھن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات نظر آتے رہتے ہیں تو جس طرح آپ ﷺ کی ذات بے نظیر و بے مثال تھی اسی طرح آپ ﷺ کے اسماء مبارکہ بھی بے مثل ہیں۔

آپ کے ذاتی وصفاتی اسمائے مبارکہ کی کل تعداد کیا ہے؟ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ قاضی ابو بکر بن العربی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاحوذی فی شرح الترمذی میں بعض صوفیاء کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ایک ہزار نام ہیں علماء اور سیرت نگاروں نے اپنی اپنی سعادت کے مطابق نام گنوائے ہیں شیخ ابو الخطاب بن دحیۃ نے اس پر کتاب لکھی **المستوفی فی الاسماء المصطفی** ﷺ شیخ ابو الحسن علی بن احمد المعروف بالحوالی نے اسماء النبی ﷺ نے ۹۹ نام بتائے ہیں اور ابن جوزی نے ۲۳ اور ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عساکر نے بیس نام بتائے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ البہجۃ السویۃ میں 500 نام جبکہ علامہ سخاوی نے القول البدیع قاضی ابو الفضل عیاض نے کتاب الشفاء اور امام ابن العربی نے القبس والاحکام میں 400 نام گنوائے ہیں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلائل الخیرات میں 201 نام گنوائے ہیں۔

---

[108] سیرت حلبیہ اردو عربی

حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی ایک قصیدہ میں تاجدار ختم نبوت ﷺ کے ۵۲۱ اسمائے گرامی نظم کی شکل میں پیش فرمائے ہیں۔ اس قصیدے کا نام ہے۔ **القصیدۃ الحسنیٰ فی اسماء النبی العظمیٰ** ﷺ مشکلات اور مصائب سے نجات کیلئے اس کا پڑھنا بہت مجرب ہے۔ مرقاۃ المفاتیح ج ۱۰ ص ۷۴، الجواھر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ cd بنات عائشہ کراچی جون ۲۰۰۴ تحریر مفتی محمد منصور احمد۔ حضرت مولانا محمد موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور تصنیف البرکات المکیۃ میں رسول اللہ ﷺ کے ۸۰۰ سے زائد اسماء کو جمع کیا ہے محدث جلیل و محقق کبیر پیر طریقت رہبر شریعت عاشق رسول مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نوراللہ مرقدہ نے سرور دوجہان ﷺ کے ۱۱۰۰ سے زائد اسماء بیان کیے جو اس وقت تک ہمارے علم کے مطابق اسماء النبی ﷺ پر سب سے زیادہ تحقیق ہے۔

مختلف اسماء النبی ﷺ

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حسین بن محمد الدامغانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اہل جنت کے نزدیک تاجدار ختم نبوت ﷺ کا نام عبدالکریم ہے اہل نار کیلئے عبدالجبار اہل عرش کے نزدیک عبدالحمید تمام ملائکہ کے ہاں عبدالمجید تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاں عبدالوہاب شیاطین کے ہاں عبدالقہار جنات کے ہاں عبدالرحیم پہاڑوں میں عبدالخالق خشکی میں عبدالقادر سمندر میں عبدالمہیمن مچھلیوں میں عبدالقدوس حشرات الارض میں عبدالغیاث وحشی جانوروں میں عبدالرزاق درندوں میں عبدالسلام چوپایوں میں عبدالمومن پرندوں میں عبدالغفار تورات میں مازمازا انجیل میں طاب طاب صحائف میں عاقب زبور میں فاروق حق تعالیٰ کے ہاں طہ یس مومنین کے ہاں محمد ﷺ اور کنیت ابوالقاسم ہے کیونکہ (بامر الہیٰ) اہل جنت کو ان کے درجات تقسیم فرماتے ہیں۔[109]

اللھم صل علی اسم محمدفی الاسماءنظمت اسامی الرسل فھی صحیفۃ فی اللوح واسم (محمد)طغراءاسم الجلالۃفی بدیع حروفہالف ھناک واسم (طہ)باء۔ پیغمبروں (علیہم السلام) کے اسمائے گرامی خوبصورتی کے ساتھ لوح پر جڑ دئے گئے ہیں جن سے ایک چوکھٹا تیار ہو گیا ہے اور اس کے وسط میں اسم محمد ﷺ طغریٰ ہے۔ اللہ کا نام بے نظیر حروف تہجی میں اس لوح کا "الف" ہے تو رسول اللہ ﷺ کا نام "طہ" اس تختی میں "ب" ہے۔ (الف کے بعد "ب" آتی ہے شاعر کہنا چاہتا ہے کہ اللہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نام وہاں درج ہے، یہ "بعد از خدا بزرگ توئی" کا مفہوم ہے)۔ محمد ﷺ۔ "محمد" وہ نام ہے جو شیریں بھی ہے، مترنم بھی ہے اور مقدس بھی، اس نام کو زبان سے ادا کیا جائے تو ایک ایمان افروز اور دلنواز صدا بلند ہوتی ہے اور اس آواز سے فضا میں ایک ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جس پر قلب و ضمیر جھومتے اور ذوق و وجدان وجد کرتے ہیں، اس نام میں جو نغمگی ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے نام ہی خود بتا رہا ہے کہ میں اس عظیم ترین انسان کا نام ہوں جس کی نعت و ستائش اور توصیف ارض و سماء پر واجب قرار دی گئی ہے۔ حافظ سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ تورات میں آپ ﷺ کا جو اسم مبارک مذکور ہے وہ احمد (ﷺ)۔ حافظ ابن قیم اس رائے سے متفق نہیں ہیں اور اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ تورات میں آپ ﷺ کی آمد کی پیشگوئی اسم محمد (ﷺ) کے ساتھ بھی صاف موجود ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن قیم اسم "محمد" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "محمد" وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں، محمود بھی اسم مفعول کا

---

[109] (القول البدیع)

صیغہ ہے، لیکن جو مبالغہ باب تفعیل، مزید میں ہوتا ہے، وہ ثلاثی مجرد میں نہیں ہوتا اس لئے "محمد" (ﷺ) محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔ محمد (ﷺ) وہ ہے کہ جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے، اسی لئے تورات میں آپ کا نام محمد ﷺ ہی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ، آپ ﷺ کی امت اور آپ ﷺ کے دین کے فضائل و کمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسول کو بھی آپ ﷺ کی امت میں ہونے کی آرزو ہونے لگی۔ حافظ سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ "محمد" کے وزن میں ہمیشہ تکرار کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں اس لئے محمد ﷺ اس کو کہا جائے گا جس کی بار بار تعریف کی جائے۔[110]
قال القرطبی: وأما محمد فمنقول من صفة ایضا وهی فی معنی محمود ولکن فیه معنی المبالغة والتکرار فالمحمد هو الذی حمد مرة بعد مرة۔ واقعی ایسا ہی ہے کیونکہ خود خالقِ دوجہاں نے آپ ﷺ کی تعریف کی ہے، انبیاء کرام (علیہم السلام) سے لے کر جن وملک تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک، ہر ذی روح اور غیر ذی روح، شجر، حجر، سب آپ ﷺ کے ثناخواں ہیں، ہر ایک کی تعریف کا انداز نرالا اور انوکھا ہے، بے شمار زبانیں آپ ﷺ کی تعریف و توصیف کے لئے متحرک و مصروف ہیں۔ ایک عاشقِ رسول ﷺ عربی شاعر نے چالیس سال حضور ﷺ کی شان میں قصیدے اور اشعار لکھتے گزارے، اپنے دیوان میں پچاس ہزار اشعار عربی زبان میں لکھے، لکھتے لکھتے آخری شعر لکھا، جس کا اردو ترجمہ کسی شاعر نے یوں کیا ہے: تھکی ہے فکر رسا مدح باقی ہے، قلم ہے آبلہ پا مدح باقی ہے، ورق تمام ہوا مدح باقی ہے، تمام عمر لکھا مدح باقی ہے۔ محمد ﷺ کے ایک معنی ابن فارس رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کئے: **سمی نبینا محمد ﷺ محمد الکثرة خصاله المحمودة یعنی الهم الله تعالیٰ اهله تسمیته بذلک لما علم من خصاله الحمیدة قال اهل اللغة رجل محمد ومحمود ای کثیر الخصال المحمودة۔** ہمارے نبی ﷺ کا نام محمد رکھا گیا کیونکہ آپ ﷺ کے خصال حمیدہ اور عادات شریفہ کی کوئی انتہاء نہیں، اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب ﷺ کی خصال حمیدہ کا علم تھا، اس لئے اہل خانہ کو غیبی اشارہ کیا کہ ان کا نام محمد رکھا جائے۔ ﷺ اہل لغت کہتے ہیں محمد یا محمود وہ ہے جس میں خصال حمیدہ کثرت سے پائے جائیں۔[111] لغات قاموس نے لفظ "حمد" کے ایک معنی قضاء الحق کے بھی بتلائے ہیں، پس لفظ "محمد" کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو، یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسان کو جس سرحدِ کمال تک پہنچانا مقصود تھا، اور انسان کا اپنے خالق پر جو حقِ تخلیق مقرر تھا، وہ محمد ﷺ پر پورا کر دیا گیا۔ علم و عمل، خلق و خُلق، دماغ و کیرکٹر، ارتقائے ذہنی اور ارتقائے عملی، یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائناتِ تخلیق کا لب لباب ہیں، اول ثانی کے لئے بنیاد ہے، عمل علم پر، کیریکٹر دماغ پر، خُلق خَلق پر قائم ہے۔ ایک عجیب نکتہ ہے کہ جتنی ہی کسی انسان کی حالت مکمل ہوگی اسی قدر اس کی خُلقی کیفیت راسخ و مستحکم ہوگی، ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے، تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ کیریکٹر اور اخلاق کی جملہ شاخوں کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک نے پیش کیا، عالمِ انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے حتیٰ کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اس کو فرمادیا۔ **انک لعلی خلق عظیم۔** محاورات عرب سے "حمد" کے یہ بھی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا، حماسیات میں نیزہ کے بھرپور پڑنے کے وقت **حمدت بلاءه** (میں نے

---

[110] [ترجمان السنة ۱/۴۵۲

[111] [تهذیب الاسماء

پوراوار کیا) کا محاورہ بہت مشہور ہے۔ اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے بے تامل کہا جاسکتا ہے کہ لفظ محمد ﷺ کے معنی مخلوق کامل کے بھی ہیں۔[112] شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالیٰ یہاں ایک اور عجیب نکتہ لکھ گئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے، جب ہم کھاپی کر فارغ ہو لیتے ہیں، تو خدا کی حمد کرتے ہیں، جب سفر ختم کر کے گھر پہنچتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں، اسی طرح دنیا کا طویل و عریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو خدا کی حمد کریں گے۔ **وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔**[113]

اس دستور کے مطابق مناسب یہ ہے کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہوا تو یہاں بھی آخر میں خدا کی حمد ہو اس لیے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام محمد ﷺ رکھا گیا بے شک جو ذات پاک کے حسن وخوبی کی تمام رعنائیاں اور زیبائشوں کا مجموعہ ہو اس کے اسماء بھی حسن وخوبی کا مجموعہ ہونے چاہئیں۔[114]

سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی — الٹ دیتے ہیں تخت قیصری و تاج دارائی

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں — بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سر فروشی کے فسانے میں

سلام اس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا — مسلماں کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیوا

درود اس پر کہ جس کا نام تسکین دل وجاں ہے — درود اس پر کہ جس کے خلق کی تفسیر قرآں ہے

درود اس پر کہ جس کا نام لے کر پھول کھلتے ہیں — درود اس پر کہ جس کے فیض سے دو دوست ملتے ہیں

درود اس پر کہ جو تھا صدر محفل پاک بازوں میں — درود اس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں۔[115]

احمد ﷺ

احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے اسم فاعل و مفعول دونوں میں مستعمل ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں معنیٰ ہوں گے **احمد الحامدین لربہ** تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا (اتنی تعریف کہ کسی انسان سے اس کا احتمال ہی نہ ہو۔ **قال القرطبی: الانبیاء صلوت اللہ علیھم کلھم حامدون اللہ و نبینا احمد اکثرھم حمدا۔** علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالی نے لکھا کہ انبیائے کرام علیہم السلام سب اللہ تعالی کی تعریف و ثنا کرنے والے ہیں اور ہمارے نبی ﷺ ان تمام میں سب سے زیادہ حمد و ثناء کرنے والے ہیں۔ دوسری صورت میں معنی ہوں گے۔ **احق الناس و اولاھم بان یحمد** تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثنا

---

[112] [تفسیر ماجدی: ضمیمہ سورہ آل عمران

[113] [روض الانف ۱/۱۰۶

[114] ترجمان السنة

[115] ماھر القادری بحوالہ نقوش رسول نمبر 10

کے مستحق۔ پس جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے حمد کے تعلق میں آپ ﷺ سب سے اعلیٰ و افضل ہیں کیونکہ جتنی خدا تعالی کی تعریف آپ ﷺ کے ذریعہ سے گونجی، کیا کبھی کسی اور کے ذریعے گونجی؟؟اور جتنی کثرت کے ساتھ خود خالق کائنات اور اس کی مخلوق نے آپ ﷺ کی تعریف وثنا کی، اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہے؟؟؟اس لیے احمد و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نام کے شایان شان صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات گرامی ہی ہو سکتی ہے اور جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ یہ اسماء آپ ﷺ کی ذات پر چسپاں ہیں کسی اور پر نہیں۔[116]

ان کے دربار اقدس میں جب بھی کوئی — غمزدہ آگیا تشنہ کام آگیا

غم غلط ہو گئے، معصیت دھل گئی — مغفرت وعافیت کا پیام آگیا

دل کو لذت ملی چشم پر نم ہوئی — جب زباں پہ محمد ﷺ کا نام آگیا

محمد واحمد ﷺ

محمد واحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو عظیم نام صوفیاء کرام کا کہنا یہ ہے کہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی ہستی کی دو جدا جدا حقیقتیں ہیں چنانچہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں احمد ﷺ رسول اللہ ﷺ کا پہلا نام ہے آپ ﷺ آسمان والوں میں اسی نام سے معروف ہیں آپ ﷺ کے اس نام مبارک کو اللہ جل مجدہ کا ایک خاص تقرب حاصل ہے اور یہ آپ ﷺ کے دوسرے نام محمد ﷺ سے ایک منزل زیادہ اللہ جل مجدہ کے نزدیک اور قریب ہے۔[117]

نزھۃ المجالس ص۲۰۷ پر ہے کہ بعض نے کہا آپ ﷺ کا اسم شریف محمد (ﷺ) ہے آپ ﷺ کی برکت سے آپ ﷺ کی امت کے گناہ محو (مٹا) دیے گئے اور آپ ﷺ کا اسم شریف احمد ﷺ ہے اس سے دوزخ سے ان کی (امت کی) حمایت (نجات) ہوئی۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں آپ ﷺ کے دونوں اسمائے مبارک حقیقت میں ایک اسم ہیں جو حمد سے مشتق اور مبالغہ کے معنی میں مفید ہیں پہلا نام باعتبارِ کیفیت ہے جبکہ دوسرا نام باعتبار کمیت ہے، آپ ﷺ حق تعالی کی حمد افضل محامد سے کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کثرت محامد سے آپ ﷺ کی حمد وستائش کی گئی آپ ﷺ **احمد الحامدین** (حامدین میں سب سے بڑے حامد و سب سے زیادہ تعریف کرنے والے) **احمد المحمودین** (تمام تعریف کیے جانے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کئے گئے) **و افضل من حمد** (تمام تعریف کرنے والوں میں سب سے برتر و افضل تعریف کرنے والے ہیں)[118]

---

[116] ترجمان السنۃ ج ا ص 453 اضافہ کے ساتھ۔

[117] مکتوبات دفتر سوم

[118] مدارج النبوۃ ج ا باب ھفتم۔

(جب احمد کو اسم مفعول کے معنی میں استعمال کیا جائے تو) اس بنا پر محمد و احمد میں فرق یہ ہے کہ محمد وہ ہے جس کی تعریف اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سب سے زیادہ کی جائے اور احمد وہ ہے کہ جس کی تعریف سب سے بہتر اور عمدہ کی جائے پس محمد بلحاظ کمیت ہے اور احمد بلحاظ کیفیت۔ دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنے خلق و فضائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ سب سے زیادہ اور سب سے کامل تعریف آپ کی ہو۔[119]

پہلے احمد پھر محمد ﷺ

آپ ﷺ کے اسماء میں محمد و احمد بہت مشہور ہیں یہ دونوں اسماء واقع کے مطابق ہیں آپ ﷺ پہلے احمد ہیں پھر محمد ﷺ ، یعنی وجود کے حساب سے بھی آپ پہلے احمد ﷺ پھر محمد ﷺ ہیں بلکہ احمد ﷺ ہونے کی وجہ سے ہی آپ محمد ﷺ ہوئے انبیاء سابقہ علیہم السلام نے نام احمد ﷺ کے ساتھ آمد کی بشارت دی عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ پھر عالم وجود میں آنے کے بعد محمد ﷺ کے نام سے پکارے گئے... آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی خوب تعریف کی تو احمد ﷺ ہوئے پھر مخلوق نے آپ ﷺ کی خوب تعریف کی محمد ﷺ ہوئے محشر میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کریں گے کہ آج تک کسی کو بھی ایسی تعریف القاء نہ ہوئی تو احمد ﷺ ہوں گے پھر شافع و مشفع (شفاعت وسفارش کرنے والا) کے بعد مخلوق خدا خوب آپ ﷺ کی تعریف کرے گی تو محمد ﷺ ہوں گے تو شان احمدیت ﷺ پہلے ہی مقدم ہے اور شان محمدیت ﷺ بعد میں ہے۔[120]

جہاں کی زبان پر ہے نام محمد ﷺ — ہر اک دل میں ہے احترام محمد ﷺ

بلا اذن خالق کہا کچھ نہ منہ سے — کلام خدا ہے کلام محمد ﷺ

مجموعۂ محامد و مرجع خلائق

(مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے تفسیر ماجدی میں سورۃ آل عمران کے آخر میں ایک ضمیمہ "اسم پاک محمد ﷺ" میں لکھا ہے، فضیلۃ الشیخ مفسر قرآن مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری مدظلہ نے فرمایا کہ اس پورے مضمون کو بعینہ نقل کر دو، اس سیاہ کار نے حکم کی تعمیل کی اور مختلف عنوانات سے اسے نقل کیا ہے، اس کا کچھ حصہ پیچھے گزر چکا ہے۔)

حضور ﷺ کا نام نامی آپ کے دادا عبد المطلب نے رکھا تھا، عام طور پر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ رجاءان **یحمد** عبد المطلب نے آثار نیک دیکھ کر محمد نام رکھا کہ مستقبل میں یہ مولود سعید آقائے نامدار ﷺ مجموعۂ محامد اور مرجع خلائق بنے۔ ارباب تصوف موشگافی کی انتہا کر دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لفظ محمد خدا کے نام احد سے مشتق ہے۔

---

[119] ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۴۵۳۔

[120] قرطبی تحت الآیۃ الصف ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۴۵۳۔

اگرچہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں باہم امتیاز قائم رہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی غرض یہ نہیں ۔اسم کو اپنے مسمیٰ کی صفات ،خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہئیے،افراد کے نام رکھنے میں تو اس کا کم لحاظ رکھا جاتا ہے لیکن عموماً انواع واجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔مثلاً انسان، مسلم، قوم۔شاذونادر طریقہ پر افراد واشخاص کے ناموں میں بھی اس کا لحاظ کر لیا جاتا ہے جیسے (مسیح اور بدھ) یہ دونوں نام اپنے مسمیٰ کے اوصاف اور خواص کو بتلاتے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے عرب میں کہیں اس نام کا پتہ نہیں چلتا مؤرخین اکثر لکھتے ہیں۔**ولم یکن شائعا بین العرب ھذا الاسم** (یہ نام عرب میں مشہور ومتداول نہ تھا) اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور سے نام "محمد" کا "عبد المطلب" کے ذہن میں آنا منشائے خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دنیا کو اپنے وجود گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔

نام مبارک کا آسان اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ "وہ ذات جس کی تعریف کی گئی ہو" اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس جامعیت کبریٰ اور برزخ کامل اور مقصود آفرینش کے فضائل وکمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے خدا کے تمام نبی اس کے نزدیک موجب توصیف ہیں دنیا کے تمام حکیم فاتح عام انسانوں کی نظروں میں لائق مدح وستائش ہیں،اس لیے اس ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تفحص کو اور زیادہ وسعت دیں۔صاحب مفردات محمد کے معنی لکھتے ہیں۔**الذی اجمعت فیہ الخصال المحمودۃ**۔یعنی مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظ محمد کے معنی مجموعہ خوبی کے ہیں۔

اے کہ تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم

کارساز قدرت کی وسعت لامحدود،اس کے کرشمے ناقابل شمار،اس کی خلقت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھلا ہوا ہے۔غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلہ پر پہنچتے ہیں کہ قدرت نے تخلیق انواع کیلئے ایک معیار مقرر کیا ہے،مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجہ کمال ہے کہ جس کے آگے اس کا قدم نہیں بڑھتا،حیوانات،نباتات اور جمادات تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں،صورتیں ایک ہیں،شکلیں متحد ہیں،اوصاف مختلف ہیں ،لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہاء ہے جسے جنس اعلیٰ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں ،ہر نوع میں جنس اعلیٰ کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ جاکر ختم ہوتے ہیں۔ہم مقصود فطرت اور نقطہ تخلیق کہہ سکتے ہیں اس نقطہ تخلیق کی اصطلاح کو پوری تشریح کے ساتھ ذہن میں رکھنا چاہیے،یہ بات تھوڑے سے غور اور مشورے سے باآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔تفحص اور تفتیش کے بعد تمام انواع مخلوقات کے اوصاف کا ایک درجہ اعلی پاتے ہیں کہ جس کے آگے انسانی معلومات میں کوئی درجہ نہیں۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصود فطرت کو انسانوں کی جماعت میں تلاش کرنا ضروری ہے اور دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بین فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سینکڑوں افراد ہیں اور یہاں اوصاف وخصوصیات کے افراد کے اعتبار سے ہر ہر فرد اپنے مقام پر نوع مستقل ہے۔آفرینش انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلا سکتی ہے کہ آج بھی انسان کی شکل وشباہت اس کے اعضاء وجوارح اس کا ڈھانچہ جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں لیکن دماغی کیفیتوں کا حال ان سے جداگانہ ہے ان میں برابر ارتقاء

واختلاف جاری ہے اب اگر انسان کی اس ارتقائے دماغی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل ومابعد ادبوں زبانوں کی تاریخ میں ارتقائے دماغی کی آخر ترین سرحد اگر کوئی معلوم ہوسکتی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار رسول اللہ ﷺ کی ہے۔

یارب صل وسلم دائماً ابداً　　علی حبیبنا و حبیبک خیر الخلق کلھم

زندہ جاوید معجزہ، نام محمد ﷺ

منجملہ دیگر کمالات نبوت و معجزات رسالت کے ایک معجزہ گرامی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی بھی ہے، یہ زندہ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے تاہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے، صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ **محمد الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ** جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ محض اعتقاد نہیں بلکہ واقعۃً رسالت مآب روحی فداہ ﷺ کے کمالات سے پردہ اٹھتا جاتا ہے علماء وفضلاء، یورپ کی اکثریت اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتے جاتے ہیں دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معدوم کرنے کی ضرورت اتنی ہی ان کے نزدیک بڑھتی جاتی ہے بادل نخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑتی ہے کہ بے شبہ پیغمبر عرب کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالم انسان کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے اہل ایشیا کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے اسی قدر پیغمبر عالم محمد رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہوتا جاتا ہے یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مبارک تیرہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتا دے رہا ہے مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہوگی پھر بھی اپنی موجودہ حالت میں ترقی کرے گی جس کی بظاہر امید نہیں انہیں اپنے پچھلے سبق دہرائے دونوں حالتوں میں اسے کمالات نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہوگا اس حیثیت سے نام مبارک محمد ﷺ کا ترجمہ سراقوم حامد ہوگا جیسا اوپر کہا گیا ہے۔ عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے، شاذ و نادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اس کے شعبہائے حیات کی تفصیل ہو، مگر نام نامی آقائے نامدار ﷺ اس سے مستثنٰی ہے، اسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاص نام کے رکھنے کے متعلق ضرور عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک غیبی تحریک ہوئی۔

اب غور کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا خلاصہ دوست و دشمن کی یکساں تنقید حاضر و غائب کی رائے زنی کا ماحصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ علم و عمل، ظاہر و باطن، خَلق و خُلق اور ہر حیثیت سے حضور ﷺ کی زندگی قابلِ تعریف ہے اور اس خلاصۂ حیات کا ترجمہ ہے محمد ﷺ۔

ختمِ نبوت کی دلیل نام محمد ﷺ

اور اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نام مبارک حضور ﷺ کے نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی بھی دلیل ہے۔ کمال و کمالِ اخلاق بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہے۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کا کمال علمی و عملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا لیکن حضور ﷺ کی جامعیت آپ ﷺ کی سوانح و تعلیمات سے معلوم کی جاسکتی ہے، لفظِ "محمد" (ﷺ) کے معنی مجموعۂ خوبی اور مخلوق کامل کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، اس سے آگے کوئی نکتہ ہی نہیں ہے۔ اس حالت پر کمال کلی کی انتہاء اور معارف کا اختتام ہے، جس کے بعد نہ کسی

نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔ مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرتِ پاک کا مطالعہ کیا ہے وہ باوجود ہزار سعی تنقیص اعترافِ کمال پر مجبور ہوئے ہیں۔ سر ولیم مور اور مار گولیٹ جیسے سخت لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ عہدِ نبوت ﷺ میں بھی اس قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں کہ بعض سخت ترین منکر ایک توجہ نظر اقدس کی تاب نہ لا سکے۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نامور علمائے یہود میں سے تھے، وہ جس طرح اسلام لائے معلوم ہے۔ بعث کے حالات سیرتِ طیبہ، تعلیم و تلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نام مبارک میں بیان کیا گیا۔

لفظِ محمد ﷺ عربی زبان میں تحمید سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے اس کو وجود میں آنے کے لئے مجبور کیا ہے جیسے صرّف (پھیر دیا) یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے پھیر دیا۔ اس طرح محمد (ﷺ) کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو، اس معنی سے اس قوتِ جاذبہ اور کششِ اصلی کی طرف اشارہ ہے۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرۂ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اُٹھے **ھذا لیس بوجہ کذاب** (یہ جھوٹا چہرہ نہیں ہو سکتا)۔ یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ ﷺ کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب آج کل بعض جماعتوں اور خدا ترس بندوں کی طرف سے جو مساعی جمیلہ کی جارہی ہیں، انہوں نے تجربہ کرادیا کہ جب کبھی اصل صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہ تو ہمارا کعبہ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کئے ہوئے ہے، کوئی جزو اس سے چھوٹا ہوا نہیں۔ استعمال میں آتا ہے **قتلہ تقتیلا** یعنی خوب خوب قتل کیا۔ اس خاصیت کا لحاظ کرتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ "محمد" (ﷺ) یعنی جس کا جُزو جُزو قابلِ تعریف ہے، "اصلاحِ نفس" "تدبیرِ منزل اور تدبیرِ بدن کی وہ کون سی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذاتِ قدسی صفاتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش نہیں کر دیا۔

پاک نام اور پاکیزہ ذات

انبیاء علیہم السلام کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص تربیت و نظام کے ساتھ آیا اور ہر ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمالِ اخلاقی یا عرفانی یا انتظامی لایا۔ یہ بابرکت سلسلہ جب اپنی حد و نہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالمِ انسان کے سامنے ایک ایسا نمونہ کامل پیش کیا جائے جو ان تمام صفات کا مجموعہ اور فضائل کا آئینہ ہو، جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے موسیانہ مستی، مسیحانہ اخلاق، ابراہیمی محبت بیک وقت نظر کے سامنے آجائے، اور پھر وہ ان تمام صفات میں اپنے متقدمین سے بالاتر ہو، وہ ہستی کا جامع اور برزخ کامل ذات پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بشارت میں لفظِ "احمد" (ﷺ) فرمایا یعنی وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہو گا، دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب نے کامل نشو و نما جب ہی پائی ہے جب وہ معرفت و روحانیت کی آغوش سے نکل کر سلطنت اور حکومت کی گود میں چلے گئے ہیں، مسیحی مذہب کی ترقی رومی بادشاہوں کی رہین احسان ہے، بدھ مت نے بہت کچھ تبلیغ کی لیکن اس کا عالم گیر مذہب بھی اسی وقت اپنی تکمیل کر سکا جب وہ اشوک خاندان کی

سرپرستی میں آگیا، لیکن اسلام اپنی تاریخ میں بالکل علیحدہ ہے، وہ جن جن ملکوں میں گیا اور جن جماعتوں میں پھیلا، اخلاق وروحانیت سے گیا، تلوار اسلام میں روحانیت اور مذہب کے داخلے کے بعد گئی ہے۔

افریقہ اور ہندوستان کی نظیریں اس بارے میں بہت صاف ہیں، اس خاص نعمت تبلیغ کو بھی نامِ مبارک میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ **فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام ۴۵)** بظاہر اسباب ان مفاسد کے مٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی، لیکن فطرت کی تدبیریں اندر سے جاری رہتی ہیں اور ایک وقتِ معین پر ظاہر ہو جاتی ہیں، فطرت کی رفتار ہوا کی طرح تیز اور سیلاب کی طرح نرم ہوتی ہے، خوش تدبیری اور حسنِ اسلوب کے موقع پر بھی "محمد" ﷺ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ پس لفظِ محمد ﷺ کے ایک یہ بھی معنی قرار دیئے جاسکتے ہیں کہ وہ جس کے ساتھ خوش تدبیری نے ترقی کی، آپ ﷺ کا تعلیم کی انتشار، آپ ﷺ کا لایا ہوا دین خدا کی خاص مرضی اور خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا۔ جس کی سرعت اور بغیر جدوجہد رفتار ترقی سے اس وقت بھی دنیا متحیر ہے۔

الغرض، اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبرِ اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معنی کے اعتبار سے مختلف خوبیوں کا مرقع، بہتیرے فضائل کا خلاصہ، ایک طرف وہ اپنے مسمی کے کام اور کام کے انجام کی پیشگوئی ہے اور دوسری طرف اس کے کارناموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لب لباب ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی (ﷺ) جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔[121]

جنت میں آدم علیہم السلام کا لقب "ابو محمد"

عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی شخص کی عظمت واحترام کرتے تھے تو اسی کی کنیت یعنی لقب رکھتے تھے اور اس کی اولاد میں جو سب سے زیادہ قابل اور لائق ہوتا تھا اس کے نام پر کنیت یعنی لقب رکھتے تھے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مرفوع روایت ہے کہ جنت میں ہر شخص کو اسی کے نام سے پکارا جائے گا مگر آدم علیہ السلام کو "ابو محمد" (محمد ﷺ کے والد) کہہ کر پکارا جائے گا جس سے آدم علیہ السلام کی تعظیم اور آنحضرت ﷺ کی توقیر اور احترام مقصود ہو گا۔"

ایک روایت میں ہے کوئی شخص یعنی جنت والوں میں سے کوئی شخص سوائے آدم علیہ السلام کے ایسا نہیں ہو گا جس کو کوئی لقب دیا جائے، ان کو یعنی آدم علیہ السلام کو "ابو محمد" لقب دیا جائے گا۔[122]

محمد نام رکھا کرو

---

[121] (تفسیر ماجدی، ضمیمہ سورہ آل عمران)

[122] سیرت حلبیۃ ج ۱ ص ۲۷۰

رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں نومولود بچے لائے جاتے آپ ﷺ تحنیک کے بعد ان کے نام بھی تجویز فرماتے (پیدائش کے بعد سب سے پہلے بچے کے منہ میں کچھ ڈالنے کو تحنیک یعنی گھٹی کہتے ہیں) کئی بچوں کا نام آپ ﷺ نے خود محمد رکھا نو مسلموں میں سے بھی کسی کا نام اگر صحیح نہ ہوتا تو آپ ﷺ تبدیل فرماتے چنانچہ کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام آپ ﷺ نے تبدیل کر کے محمد رکھا۔

امت کو بھی آپ ﷺ نے محمد (ﷺ) نام رکھنے کی ترغیب دی فرمایا۔ **عن عثمان العمري والد محمد، ما ضرَّ أحدَكم لو كانَ في بيتِه محمَّدٌ ومحمَّدانِ وثلاثةٌ۔**[123] اگر ایک گھر میں محمد نام والے ایک دو اور تین افراد ہوں تو تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا۔

نام مبارک محمد ﷺ چومنا

بعض علماء اذان میں رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کو بدعت کہتے ہیں، حالانکہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة صلى الله عليك يا رسول الله وعند الثانية منها قرّة عيني بك يا رسول الله ﷺ ثم يقول اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفرى الابهامين على العينين فانه عليه السلام يكون قائدًا له الى الجنة كذا في كنز العباد قهستاني ونحوه في الفتاوىٰ الصوفيه وفي كتاب الفردوس من قبل ظفرى ابهاميه عند سماع اشهد ان محمدًا رسول الله ﷺ في الاذان انا قائده ومدخله في صفوف الجنة وتمامه في حواشي البحر للرملي۔** یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلی بار **اشهد ان محمدًا رسول الله** سنتے وقت **صلى الله عليك يا رسول الله** اور دوسری بار **اشهد ان محمدًا رسول الله** سنتے وقت **قرة عيني بك يا رسول الله** کہے پھر دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھ کر **اللّٰهمّ متّعني بالسّمع والبصر** کہے تو حضور ﷺ اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے ایسا ہی کنز العباد للامام قہستانی میں اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں **اشهد ان محمدًا رسول الله** سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے (اس کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ) میں اس کا قائد بنوں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری تشریح اور بحث البحر الرائق کے حواشی رملی میں موجود ہے۔[124]

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی لکھتے ہیں۔

مسح العينين بباطن أنملتي السبابتين بعد تقبيلهما عند سماع قول المؤذن: أشهدُ أن محمداً رسولُ الله، مع قوله: أشهد أن محمداً عبده ورسوله، رضيت بالله ربّاً، وبالاسلام ديناً، وبمحمد ﷺ نبياً۔

رواه الديلمي عن أبي بكر: لما سمع قول المؤذن ((أشهد أن محمداً رسول الله)) قاله وقبل باطن الانملتين السبابتين ومسح عينيه فقال ﷺ من فعل فعل خليلي فقد حلّت له شفاعتي قال في المقاصد ولا يصح۔ وقال القاري واذا ثبت رفعه الى

---

[123] السيوطي (۹۱۱ھ)، الجامع الصغير ۷۹۱۳ • فيض القدير الجزء الخامس، كتاب الشفاء ص ۱۱۰ الباب الثالث۔

[124] (ردالمحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

الصدیق فیکفی العمل بہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی وقیل لا یفعل ولا ینھی وکذا لا یصح۔

ترجمہ:... یعنی مؤذن سے **اشھد ان محمداً رسول اللہ** سن کر انگشتان شہادت کے باطن کو چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دعا پڑھنا **اشھد انّ محمداً عبدہ ورسولہ رضیت باللہ رباو بالاسلام دینا وبمحمد ﷺ نبیا۔**

اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب انہوں نے مؤذن کو **اشھد انّ محمداً رسول اللہ** کہتے سنا تو یہ دعا پڑھی اور شہادت کی دونوں انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا کہ میرے پیارے نے کیا، اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی، جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت کا نام رکھتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب اس حدیث کا رفع (سند) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت۔

اور کہا گیا کہ نہ یہ عمل کریں نہ اس سے منع کریں اسی طرح یہ صحیح نہیں۔[125]

اسی طرح حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی نے اپنی کتاب "**موجبات الرحمہ وعزائم المغفرۃ**" میں روایت کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ اسلام نے فرمایا:

من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان محمدا رسول اللہ، مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ ﷺ، ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یعم لم یرمد ابدا۔

ترجمہ:... جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے **اشھد ان محمدا رسول اللہ** اور **مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ ﷺ** کہے پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔[126]

پھر ایک سند کے ساتھ فقیہ محمد بن الباب سے روایت کیا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی۔ سخت درد تھا اور وہ باوجود کوشش کے اس کو اپنی آنکھ سے نہ نکال سکے۔

---

[125] (کشف الخفاء ومنریل الالباس ج ۲ ص ۲۶۹۔۲۷۰ رقم الحدیث ۲۲۹۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[126] (کشف الخفاء ومنریل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

وانه لما سمع المؤذن یقول اشهدان محمدا رسول اللہ قال ذلک فخرجت الحصاۃ من فورہ۔ قال الرداد ھذا یسیر فی جنب فضائل رسول ﷺ۔

ترجمہ جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا **اشھدان محمدا رسول اللہ** تو انہوں نے بھی ایسا ہی کہا ہو تو فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔ الرداد نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے فضائل میں سے ہے۔[127]

فقیہ ابوالحسن علی بن محمد نے روایت کیا کہ اور طاؤسی فرماتے ہیں انہوں نے محمد بن ابی نصر بخاری سے یہ حدیث سنی کہ

من قبل عند سماعہ من المؤذن کلمۃ الشھادۃ ظفری ابھامیہ و مسحھما علی عینیہ و قال عند المس اللھم احفظ حدقتی و نورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ ﷺ و نورھما لم یعم۔

ترجمہ:... جو شخص مؤذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں پر پھیرے اور یہ پڑھے **اللھم احفظ حدقتی و نورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ ﷺ و نورھما لم یعم** (یا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کی چشمان مبارک اور ان کے نور کی برکت سے میری آنکھوں کی حفاظت فرما اور ان کو روشن فرما) وہ کبھی اندھا نہ ہو گا۔[128]

حضرت محدث محمد طاہر بن علی ہندی پٹنی لکھتے ہیں۔

وحکی عن البعض من صلی علی النبی ﷺ اذا سمع ذکرہ فی الاذان و جمع اصبعیہ المسبحۃ و الابھام و مسح بھما عینیہ لم یرمد ابدا و قال ابن صالح و سمعت بعض الشیوخ انہ یقول عند ما یمسح عینیہ صلی اللہ علیک یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی و یا نور بصری و یا قرۃ عینی قال و مذ فعلتہ لم ترمد عینی و قد جرب کل منھم ذالک و روی الحسن مثل ما روی عن الخضر علیہ السلام بعینہ انتھی۔

بعض علماء محدثین کرام سے مروی ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی اذان میں سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں مسبحہ (شہادت والی) انگلیوں کو ملا کر انہیں چوم کر آنکھوں پر ملے اس کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی اور امام ابن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض مشائخ کرام سے سنا ہے کہ وہ انگوٹھے آنکھوں پر ملتے وقت یوں کہتے ہیں۔ **صلی اللہ علیک یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی و یا نور بصری و یا قرۃ عینی۔**

---

[127] (کشف الخفاء و منریل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[128] (کشف الخفاء و منریل الالباس ج ۲ ص ۲۷۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

یہ عمل کرنے والے بزرگ فرماتے ہیں کہ جب سے میں یہ کرنے لگا ہوں میری آنکھیں کبھی نہیں دکھیں اور سارے بزرگوں نے اس کا تجربہ کیا اور حضرت خضر علیہ السلام سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[129]

علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمعیل حقی حنفی سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ آیت نمبر ۵۶ کے تحت لکھتے ہیں۔

قال القهستاني في شرحه الكبير نقلا عن كنز العباد اعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة الثانية (صلى الله عليك يا رسول الله) وعند سماع الثانية (قرة عيني بك يا رسول الله) ثم يقال (اللهم متعني بالسمع والبصر) بعد وضع ظفر الا بهامين على العينين فانه صلى الله عليه وسلم يكون قائدا له الى الجنة انتهى۔

ترجمہ:... علامہ امام قہستانی شرح الکبیر میں کنز العباد سے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

جان لو بلاشبہ اذان کی دوسری شہادت کے پہلے جملے کے سننے پر **صلی اللہ علیک یا رسول اللہ** اور دوسری شہادت کے وقت **قرۃ عینی بک یا رسول اللہ** کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے **اللھم متعنی بالسمع والبصر** تو حضور ﷺ ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔[130]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ در محیط آوردہ کہ پیغمبر ﷺ بمسجد درآمد ونزدیک ستون بنشست وصدیق رضی اللہ تعالی عنہ دربرابر آنحضرت نشستہ بود بلال رضی اللہ عنہ برخاست وباذان اشتغال فرمود چوں گفت **اشھدان محمدا رسول اللہ** ابو بکر رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود را بر ہر دو چشم خود نہادہ گفت **قرۃ عینی بک یا رسول اللہ** چوں بلال رضی اللہ تعالی عنہ فارغ شد حضرت رسول اللہ ﷺ فرمودہ کہ یا ابا بکر ہر کہ بکند ایں چنیں کہ تو کردی خدائے بیامرزد گناہان جدید اور اقدیم۔ اگر بعمد بودہ باشد اگر بخطا۔

ترجمہ:... محیط میں ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قریب بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰعنہ اٹھے اور اذان دینا شروع کی۔ جب کہا **اشھدان محمدا رسول اللہ** تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ کر کہا **قرۃ عینی بک یا رسول اللہ**۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

---

[129] (تذکرۃ الموضوعات ص ۳۴ مطبوعہ ملتان)

[130] (تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اے ابو بکر! میرا نام سن کر جو کوئی تمھاری طرح انگوٹھے چومے گا اور آنکھوں سے لگائے گا اللہ تعالی اس کے نئے اور پرانے تمام گناہ بخش دے گا اگرچہ عمداً گیا ہو یا خطاً"[131]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قوت القلوب سے نقل کرتے ہیں کہ۔

حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رفع اللہ درجاتہ در قوت القلوب روایت کردہ از ابن عینیہ رحمۃ اللہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام بمسجد درآمد در دہ محرم وبعد ازانکہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار گفت وابو بکر رضی اللہ عنہ، بظہر ابہامین چشم خودرا مسح کردو گفت قرۃ عینی بک یارسول اللہ وچوں بلال رضی اللہ عنہ، از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ افرمودہ کہ اے ابا بکر ہر کہ بگوئد آنچہ تو گفتی از روئے شوق بلقائے من و بکند آنچہ تو کردی خدائے در گزارد گناہاں ویرا آنچہ باشد نو و کہنہ ونہاں وآشکارا۔

ترجمہ: حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی مکی اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے اپنی کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ ابن عینیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے دس محرم کو مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور ایک ستون کے نزدیک جلوہ افروز ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا۔ اور **قرۃ عینی بک یارسول اللہ** کہا۔ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ اذان سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے ابو بکر جو شخص تمھاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے تو اللہ تعالی اس کے تمام نئے اور پرانے ظاہر و باطن سب گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔[132]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ۔ **وفی قصص الأنبیاء وغیرھا ان آدم علیه السلام اشتاق الی لقاء محمد ﷺ حین کان فی الجنة فاوحی الله تعالی الیه هو من صلبک ویظهر فی آخر الزمان فسأل لقاء محمد ﷺ حین کان فی الجنة فاوحی الله تعالی الیه فجعل الله النور المحمدي فی إصبعه المسبحة من یده الیمنی فسبح ذلک النور فلذلک سمیت تلک الإصبع مسبحة کما فی الروض الفائق. او اظهر الله تعالی جمال حبیبه فی صفاء ظفری ابهامیه مثل المرآة فقبل آدم ظفری ابهامیه و مسح علی عینیه فصار أصلا لذریته فلما اخبر جبرائیل النبي صلی الله علیه و سلم بهذه القصة قال علیه السلام (من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابهامیه و مسح علی عینیه لم یعم ابدا)۔**

ترجمہ: قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں حضرت محمد ﷺ کی ملاقات کے مشتاق ہوئے تو اللہ تعالی نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمھاری صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں نور محمدی ﷺ چمکایا تو اس نور نے اللہ تعالی

---

[131] (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[132] (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کی تسبیح پڑھی اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا۔ جیسا کہ روض الفائق میں ہے۔ اور اللہ تعالی نے اپنے حبیب کے جمال محمد ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ کے ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی پھر جبریل علیہ اسلام نے حضور اکو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے۔ تو وہ کبھی اندھا نہ ہو گا۔[133]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ حم السجدۃ پارہ ۲۴ آیت نمبر ۳۳ کے تحت لکھتے ہیں۔

ویستحب ان یقول عند سماع الاولی من الشهادة الثانية صلى الله تعالى عليک يا رسول الله وعند سماع الثانية قرة عينی بک يا رسول الله ثم يقول اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الابهامين على العينين كما فی شرح القهستاني"۔

ترجمہ: دوسری شہادت کی پہلی شہادت کے سننے پر **صلی اللہ علیک یا رسول اللہ** اور دوسری شہادت کے وقت **قرۃ عینی بک یا رسول اللہ** کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے **اللھم متعنی بالسمع والبصر**۔[134]

امام شمس الدین محمد الخراسانی القھستانی لکھتے ہیں۔

واعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولی من الشهادة الثانية "صلى الله عليک يا رسول الله" وعند الثانية منها "قرة عينی بک يا رسول الله" ثم يقال اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامين على العينين فانه ﷺ يكون قائدا له الى الجنة كذا فی كنز العباد۔

ترجمہ:... جان لو بلاشبہ اذان کی دوسری شہادت کی پہلی شہادت کے سننے پر **صلی اللہ علیک یا رسول اللہ** اور دوسری شہادت کے وقت **قرۃ عینی بک یا رسول اللہ** کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے **اللھم متعنی بالسمع والبصر** تو حضور اایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔[135]

علامہ محمد تجریم مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ من مسح بيده اسم محمد ثم قبل يده بشفتيه ثم مسح على عينيه يری ربه بما يراه الصالحون وينال شفاعتی ولو كان عاصياً۔

---

[133] (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[134] (تفسیر روح البیان ج۸ ص ۳۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[135] (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے ہاتھ سے اسم محمد (ﷺ) کو چھوا پھر اپنے ہونٹوں سے اپنے ہاتھ کو چوما پھر اپنی آنکھوں پر ملا تو اللہ تعالی کی زیارت کرے گا جیسے صالحین اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتے ہیں اور وہ میری شفاعت پائے گا اگرچہ وہ گنہگار ہو۔[136]

شیخ المشائخ، رئیس محققین مولانا جمال الدین عبد اللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں۔

سئلت عن تقبیل الابھامین و وضعھما علی العینین عند ذکر اسمہ ﷺ فی الاذان، ھل ھو جائز ام لا، اجبت بما نصہ نعم تقبیل الابھامین و وضعھما علی العینین عند ذکر اسمہ ﷺ فی الاذان جائز، بل ھو مستحب صرح بہ مشایخنا فی غیر ما کتاب۔

ترجمہ: یعنی مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور ﷺ کا ذکر شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور والا ﷺ کا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا آنکھوں پر رکھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے ہمارے مشایخ نے متعدد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی۔[137]

پیر شریعت پیر طریقت شیخ الاسلام عبد اللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری لکھتے ہیں۔

"وچوں **اشھدان محمدا رسول اللہ** گوید سامع ہر دو انگشت ابہام را بر ہر دو چشم بنہد یعنی ناخن ایشان دیدہ بروار دو بدان ناخن نظر کند حق تعالی چہار ہزار گناہ کبیرہ اورا عفو کند۔

ترجمہ:... جب **اشھدان محمدا رسول اللہ** کہا جائے تو سننے والا اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھے یعنی ناخنوں کو دیکھے اللہ تعالی چار ہزار گناہ کبیرہ اس کا معاف فرمائے گا"[138]

یہی شیخ الاسلام عبد اللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"ودر قران خوانی مسطور است کہ این انگشت نہادن سنت است ترک نمی توان کرد و ہر کہ بجائے آرد در عرصات حضرت رسالت پناہ اورا چنان طلب کند کہ کسی گم شدہ خود را بطلبد و بگوید **قرۃ عینی بک سیدی و مولائی** و یا ایں گوید **صدق رسول اللہ**"

---

[136] (النوافح العطریہ ص ۵۱ مطب)

[137] (فتاوی جمال بن عبد اللہ عمر مکی بحوالہ فتاوی رضویہ جدید ج ۵ ص ۴۳۶ مطبوعہ لاہور)

[138] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

ترجمہ:... قرآن خوانی میں لکھا ہے کہ یہ انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنا سنت ہے اس کو نہیں چھوڑنا چاہیئے حضور ﷺ اس کو قیامت کے دن اس طرح طلب کرے گا کہ جس طرح کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے اور اس کو تلاش کرتا رہے اور کہے اے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک یا یہ کہے **صدق رسول اللہ**۔[139]

مزید لکھتے ہیں۔

"و بعضی گفتہ اند کہ سنت بابا آدم است کہ روزے آرزوے کرد کہ اگر جمال محمد آخر الزمان میدید مے چہ خوش بودے فرمان حضرت عزت شد کہ بر ہر دو ناخن نظر کن چوں نظر نمود جمال جہاں آرائے حضرت دران دید ناخن را بر چشم نہاد و گفت **صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی و مولائی**"

ترجمہ:... اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سنت بابا آدم علیہ السلام ہے کہ ایک دن انہوں نے تمنا کی کہ اگر جمال محمد ﷺ آخر زمان دیکھ لیتا کیا اچھا ہوتا اللہ تعالی کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اپنے دونوں ناخنوں کو دیکھو جب حضور ﷺ کا جمال مبارک اس میں دیکھا تو ان ناخنوں کو آنکھوں پر رکھا اور کہا **صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی و مولائی**۔[140]

اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو شیخ الاسلام والمسلمین اعلی حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط کتاب **منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین** کا مطالعہ فرمائیں۔ مخالفین کے تمام شکوک ختم ہو جائیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی روایت کرتے ہیں۔

و اخرج ابو نعیم فی (الحلیۃ) عن وھب قال: کان فی بنی اسرائیل رجل عصی اللہ مائتی سنۃ ثم مات فاخذوہ فالقوہ علی مزبلۃ، فأوحی اللہ الی موسی ان اخرج فصل علیہ، قال یارب: بنو اسرائیل شھدوا انہ عصاک مائتی سنۃ، فأوحی اللہ الیہ: ھکذا کان الا انہ کان کلما نشر التوراۃ و نظر الی اسم محمد ﷺ قبلہ و وضعہ علی عینیہ و صلی علیہ، فشکرت لہ ذلک و غفرت ذنوبہ وزوجتہ سبعین حوراء۔

ترجمہ: ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دو سو سال تک خدا کی نافرمانی کی۔ پھر وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے گھر (کچرہ کونڈی) پر ڈال دیا۔ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے دو سو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔ حق تعالی نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتا وہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت

---

[139] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

[140] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبیٰ ﷺ پر نظر پڑتی تو "وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اپنی آنکھوں سے لگاتا اور آپ پر درود بھیجتا تھا" تو میں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس (مشہور نافرمان) کا نکاح کر دیا۔[141]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی لکھتے ہیں۔

ماروا ہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن وھب بن منبہ رحمہ اللہ تعالی قال: کان فی بنی اسرائیل رجل عصی اللہ تعالی مائۃ سنۃ ثم مات فاخذوہ فألقوہ علی مزبلۃ فاوحی اللہ تعالی الی موسی علیہ الصلوۃ والسلام: ان اخرج فصل علیہ، قال: یارب ان بنی اسرائیل یشھدون انہ عصاک مائۃ سنۃ، فاوحی اللہ تعالی الیہ: ھکذا کان الا انہ کان کلما نشر التوراۃ ونظر الی اسم محمد ﷺ قبلہ و وضعہ علی عینیہ فشکرت لہ ذلک وغفرت لہ وزوجتہ سبعین حوراء۔

ترجمہ: امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں وہب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے سو سال تک خدا کی نافرمانی کی۔ پھر وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے کرکٹ پر ڈال دیا۔ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے سو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔ حق تعالیٰ نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتاً وہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبیٰ ﷺ پر نظر پڑتی تو "وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتا اور آپ ﷺ پر درود بھیجتا تھا" تو میں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس (مشہور نافرمان) کا نکاح کر دیا۔[142]

نامِ محمد ﷺ سے تعظیماً برکت حاصل کرنے کا بیان

حضور نبی اکرم ﷺ کے شمائل و خصائص کا شمار جس طرح ممکن نہیں، اسی طرح آپ ﷺ کے نام مبارک کے فضائل بھی بے شمار ہیں جن کا تعین ممکن نہیں۔ نام محمد ﷺ کی برکات بہت ہیں۔ ذیل میں ان کا ذکر مختصراً کیا جاتا ہے۔

۱) سیدنا ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **من ولد لہ مولودٌ فسمّاہ مُحمّداً حُبّاً لِی وتبرّکاً باسمی کان ھو ومولودہ فی الجنّۃ۔**[143] یعنی جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے بچہ کا نام "محمد" رکھا تو وہ دونوں باپ بیٹا جنّت جائیں گے۔

---

[141] (خصائص الکبری ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[142] (سبل الھدی والرشاد ج ۱ ص ۴۱۱۔۴۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[143] (زرقانی علی المواھب، ج ۵ ص ۳۰۱، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۸، البرھان ص ۴۴۳)

اس مذکورہ بالا حدیث پاک کے متعلق امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: واسنادہ حسن۔ "اور اس کی سند بھی اچھی ہے (بہت اچھی ہے)۔"[144]

اور علّامہ حلبی نے فرمایا: **اصحّھا و اقربھا للصّحّۃ۔**[145]

۲) مشہور حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **قال اللہ تعالیٰ: وعزتی و جلالی! لا أعذّب احداً تسمّی باسمک فی النار۔** "اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم! اے حبیب مکرّم ﷺ میں کسی ایسے شخص کو آگ کا عذاب نہیں دوں گا، جس کا نام آپ ﷺ کے نام پر ہو گا۔" امام حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں نام سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کا مشہور نام "محمد" یا "احمد" ہے

۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن دو بندے دربارِ الٰہی میں کھڑے کیے جائیں گے۔ ان میں سے ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ کی طرف سے حکم ہو گا کہ ان دونوں کو جنت لے جاؤ۔ وہ دونوں عرض کریں گے یا اللہ! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت کے حقدار ہوئے، حالانکہ ہم نے تو کوئی عمل جنتیوں والا نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرمائے گا: **ادخل الجنّۃ فانّی آلیت علی نفسی أن لّا یدخل النّار من اسمہ احمد و محمد۔** یعنی تم دونوں جنت جاؤ کیونکہ میں نے اپنی ذات پر قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہو گا وہ دوزخ نہیں جائے گا۔[146]

۴) سیّدنا نبیط صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے: **وعزّتی و جلالی لا اعذّب احدًا تسمّی باسمک فی النّار۔** یعنی اے محبوب مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم میں کسی ایسے بندے کو دوزخ کا عذاب نہ دوں گا جس نے اپنا نام تیرے نام پر رکھا ہو گا۔[147]

۵) سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبیِ رحمت ﷺ نے فرمایا: **من ولد لہ ثلاثۃ اولادٍ فلم یسمّ احداً منھم محمّدًا فقد جھل۔** یعنی جس کے تین لڑکے پیدا ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد نہ رکھا وہ جاہل ہے۔[148]

---

[144] (اللآلی المصنوعہ ص ۱۰۶، ج ۱)

[145] (سیرت حلبیہ ۷۹، ج ۱)

[146] (احکام شریعت ص ۳۸، زرقانی علی المواھب ص ۳۰۱، ج ۵، احکام القرآن ص ۴۴۵، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

[147] (زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۳۰۲، سیرتِ حلبیہ ج ۱ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹)

[148] (سیرتِ حلبیہ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹، البرھان ص ۴۴۷)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی مضمون کی ایک مرسل حدیث نضر بن شنقی سے نقل کر کے اس حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مقبول قرار دیا ہے۔

۶)مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:**اذا سمّیتم الولد محمّدًا فاکرموہ واوسعوا لہ فی المجلس ولا تقبحوا لہ۔**"جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو پھر اس کی عزت کرو اور اس کے لئے جگہ فراخ کرو اور اس کی قباحت وبرائی مت کرو۔"[149]

اسی وجہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ شامی میں لکھا ہے کہ چونکہ عام لوگ نام مبارک کی عزت نہیں رکھتے اس لئے عام نام رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

۷)حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:**اذا سمّیتم محمّداً فلا تضربوہ ولا تقبّحوہ وأکرموہ وأوسعوا لہ فی المجلس۔**[150]

۸)جو یہ چاہے کہ لڑکا پیدا ہو وہ بچے کا نام محمد رکھے۔

من اراد ان یکون حمل زوجتہٖ ذکراً فلیضع یدہ علیٰ بطنھا ولیقل ان کان ذکراً فقد سمّیتہ محمّداً۔[151]

یعنی جو کوئی چاہے کہ اس کی بیوی کا حمل لڑکا ہو تو وہ بیوی کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہے (**ان کان ذکراً فقد سمّیتہ محمداً**) بفضلہ تعالیٰ لڑکا ہو گا۔

۹)علّامہ حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں :**وفی الشّفاء انّ للّٰہِ ملٰئکۃ سیّاحین فی الارض عبادتھم کلّ دارٍ فیھا اسم محمّدٍ حراستہ۔**یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو زمین پر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ان کی ڈیوٹی یہ ہے کہ جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس کا پہرہ دینا۔[152]

---

[149](زرقانی علی المواھب ج۵ ص ۳۰۲،احکام شریعت ص ۴۰،البرھان ص ۴۴۷)

[150](شعرانی، کشف الغمۃ ج ۱ ص ۲۸۳، مناوی فیض القدیر ج ۱ ص ۳۸۵، عجلونی کشف الخفا و مزیل الالباس ج ۱ ص ۹۴ رقم ۲۳۹، حلبی انسان العیون ج ۱ ص ۱۳۵، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۵۹)

[151](سیرت حلبیہ ۷۹،احکام شریعت ص ۴۰،البرھان ص ۴۴۸)

[152](سیرت حلبیہ ص ۷۹،البرھان ص ۴۴۸)

۱۰)سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **ما کان فی اھلبیت اسم محمد الاّ کثرت برکتہ۔** ”جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس گھر میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔“[153]

تنبیہ: اس مقام پر علماء کرام اور محدثین عظام نے فرمایا یہ ساری بہاریں اس شخص کے لئے ہیں جو کہ سنّی صحیح العقیدہ ہو ورنہ بے ادب گستاخ کے لئے کسی قسم کی کوئی رعایت نہ ہو گی۔[154]

کیونکہ جو شخص اس مقدّس و مطہر نام کی عظمت کا قائل ہی نہیں، اور کہے کہ عمل کے بغیر کوئی جنّت جا ہی نہیں سکتا، اس کے لئے رعایت کا سوال ہی نہیں وہ اپنے عملوں کے بل بوتے پر جنّت حاصل کرے اور ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھے **من نوقش لہ فی الحساب یھلک۔** جس کو حساب میں پوچھ گچھ ہوئی وہ بچ نہیں سکتا۔

۱۱)سیّدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا زمانہ تھا ان کی قوم بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت ہی گنہگار اور کردار کا گندا تھا، اس نے سو سال اور ایک قول کے مطابق دو سو سال نافرمانیوں میں گزار دیئے جب وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اس کا غسل و کفن گوارا نہ کیا بلکہ اسے ٹانگ سے پکڑ کر گندگی کے ڈھیر پر پھینک آئے ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے کلیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارا ایک دوست فوت ہو گیا ہے اور اسے لوگوں نے گندگی پر پھینک دیا ہے۔ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کو اٹھائیں اور عزّت و احترام کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کریں پھر آپ اس کا جنازہ پڑھائیں، یہ حکم سن کر کلیم اللہ علیہ السلام قوم کو لے کر وہاں پہنچے اسے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو وہی پاپی ہے لیکن مامور تھے اسے اعزاز کے ساتھ اٹھا کر تجہیز و تکفین کر کے جنازہ پڑھایا اور دفن کر دیا۔ بعد میں موسیٰ علیہ السلام نے دربار الٰہی میں عرض کی یا اللہ یہ شخص اتنا بڑا مجرم و گنہگار ایسے اعزاز کا حقدار کیسے ہو گیا، تو ربّ کریم نے فرمایا اے میرے پیارے کلیم، تھا تو یہ بڑا گنہگار اور سخت سزا کا حقدار مگر ہوا یوں کہ ایک دن اس نے توریت کھولی اور اس میں میرے حبیب ﷺ کے نام مبارک محمد ﷺ پر اس کی نظر پڑی اور اس کے دل میں میرے حبیب ﷺ کی محبت نے جوش مارا، اس نے اس نام مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھ کر درود پاک پڑھا، لہٰذا اس تعظیم کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں، اور اس کو اپنے مقبول بندوں میں داخل کر دیا ہے۔[155]

---

[153](زرقانی علی المواھب ج۵ ص ۳۰۲، احکام شریعت ص ۴۰، البرھان ص ۴۵۰-۴۴۹، مناوی فیض القدیر ج۵ ص ۴۵۳)

[154](احکام شریعت ص ۳۸)

[155](مقاصد السالکین ص ۵۰، القول البدیع ص ۱۱۸، حلیۃ الاولیاء ج۴ ص ۴۲، سیرتِ حلبیہ ج ۱ ص ۸۰، البرھان ص ۴۵۲، تفسیر روح البیان ج۷ ص ۱۸۶ مطبوعہ بیروت، سبل الھدی والرشاد ج ۱ ص ۴۱۲-۴۱۱ مطبوعہ بیروت، انسان العیون فی سیرت الامین والمامون ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ بیروت، سیرت حلبیہ اردو ج ۱ ص ۴۱، و ۲۷۰ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، نزھۃ المجالس ج۲ ص ۱۵۵ طبع بیروت، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۹۵ بیروت، سعادت الدارین فی الصلوۃ علی سید الکونین اردو ج ۱ ص ۲۵۶-۲۵۵ مطبوعہ ضیاء القرآن لاھور، فضائل درود شریف، تبلیغی نصاب ص ۹۹ مطبوعہ لاھور)

اوپر جو مذکور ہوا کہ صد سالہ مجرم تعظیمِ نامِ مصطفی ﷺ کی وجہ سے بخشا گیا، اس واقعہ کو ایک واقعہ کہہ کر خارجی نظریات والے رد کر دیتے ہیں لیکن مندرجہ ذیل حدیث پاک کو کیسے رد کرینگے جس کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ تعالیٰ وغیرہ نے روایت کیا ہے پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔

۱۲) سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **ما اجتمع قوم قط فی مشورة معهم رجل اسمه محمد، لم یدخلوه فی مشورتهم الا لم یبارک لهم۔** "کوئی قوم مشورہ کے لئے جمع ہو اور محمد نام والا کوئی ان کے درمیان ہو لیکن اس کو مشورہ میں داخل نہ کیا جائے، تو ان کے کام میں برکت نہیں ہو گی۔"[156]

۱۳) حضرت محمد بن عثمان عمری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **ما ضر أحدکم لو کان فی بیته محمد و محمدان و ثلاثة۔** "تم میں سے کسی شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اگر اس کے گھر کے افراد میں ایک یا دو یا تین شخص محمد نام کے ہوں۔"[157]

۱۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **ما أطعم طعام علی مائدة، و لا جلس علیها، و فیه اسمی الا قدسوا کل یوم مرتین۔** "کوئی بھی دستر خوان ایسا نہیں جس پر کھانا کھایا جائے اور وہاں میرا اہم نام بیٹھا ہو تو فرشتے ہر روز دو مرتبہ (اس دستر خوان کی) تعریف نہ کرتے ہوں۔"[158]

۱۵) **لیس أحد من أهل الجنة الا یدعی باسمه أی و لا یکنی الا آدم علیه السلام فانه یدعی أبا محمد تعظیماً له و توقیراً للنبی ﷺ یعنی** "جنت میں سب کو ان کے ناموں سے پکارا جائے گا یعنی ان کی کنیت نہیں ہو گی، سوائے حضرت آدم علیہ السلام کے۔ انہیں تعظیماً "**ابو محمد**" کہہ کر پکارا جائے گا، اور یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی توقیر کے سبب ہے۔"

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ (آل عمران ۱۴۴) اور نہیں محمد ﷺ مگر اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں "اور یہ قول خداوندی ہے۔ **وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ** (الانبیاء ۱۰۷) اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔"

رسول اللہ ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ (الاحزاب ۷) کی لطیف تفسیر

---

[156] (خطیب بغدادی، موضع أوهام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۴۴۶، حلبی نے انسان العیون ج ۱ ص ۱۳۵ میں کہا ہے حفاظ حدیث نے اس روایت کی صحت کا اقرار کیا ہے)

[157] (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۵۴، مناوی فیض القدیر ج ۳ ص ۲۴۶، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۶۰)

[158] (خطیب بغدادی، موضع أوهام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۴۴۶، حلبی انسان العیون، ج ۱ ص ۱۳۶، تبرک کی شرعی حیثیت، ص ۶۱)

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (الاحزاب ۷)

"اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا۔"

نکتہ: رسولوں کا مقام، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے فزوں تر ہے اور رسولوں میں سے پانچ رسولوں کا مقام سب سے بلند و برتر ہے، ان پانچ رسولوں کو اولوالعزم رسول کہا جاتا ہے اور وہ مختار قول کے مطابق یہ پانچ ہیں جن کا ذکر الاحزاب کی اس آیت میں ہے، یعنی (۱) نبی مکرم ﷺ (۲) حضرت نوح علیہ السلام (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام۔

آیت کریمہ میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ان چاروں اولوالعزم رسولوں سے بعد میں مبعوث ہوئے لیکن آپ کا ذکر ان چاروں سے قبل ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ علماء نے اس کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) آپ ﷺ کے ذکر کی تقدیم سے آپ ﷺ کی خلقت نورانی کی تقدیم مراد ہے چونکہ حضور نبی مکرم ﷺ کا نور مبارک جمیع عالمین اور جملہ مخلوقات سے پہلے پیدا کیا گیا اس لئے اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے ذکر مقدم رکھا اس آیت کی تفسیر میں خود حضور اقدس ﷺ کا فرمان ملاحظہ فرمائیں،

عَن قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ: كَانَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِذا قَرَأَ {وَإِذ أَخذنَا من النَّبِيين ميثاقهم ومنك وَمن نوح} قَالَ: ذكر لنا أَن نَبِي الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ يَقُول كنت أول الْأَنْبِيَاء فِي الْخلق وَآخرهمْ فِي الْبَعْث۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب یہ آیت پڑھتے وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ (الاحزاب ۷) تو فرماتے تھے کہ نبوت کی ابتداء مجھ سے کی گئی اور بعثت میں میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد آیا۔[159]

مسند دیلمی میں حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ} الْآيَةَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم: "كنت أول النبيين في الخلق وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ۔

[159] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۲۲ رقم الحدیث ۳۱۷۶۲، الدر المنثور ج ۶ ص ۵۷۰)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ} کی تفسیر میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں خلقت کے لحاظ سے اول ہوں اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری ہوں [160]۔

(۲) اللہ رب العزت نے نبی مکرم علیہ السلام کا ذکر مقدم اس لئے فرمایا کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں زیادہ معظم اور مؤقر ہیں اور آپ ﷺ کی اس عظمت اور افضلیت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ ﷺ کا ذکر بھی تمام کے اذکار سے مقدم ہو، دراصل یہ دونوں باتیں جو ذکر ہوئیں، حضور اقدس ﷺ کی افضلیت مطلقہ کی دلیل قاطع ساطع ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہی دو نکات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقدم النبي صلى الله عليه وسلم عليهم في الذكر تعظيما له واشعارا بما اخبر عنه صلى الله عليه وسلم حيث قال كنت أول الناس في الخلق وآخرهم في البعث رواه سعد عن قتادة مرسلا ورواه البغوي متصلا عن قتادة عن الحسن عن ابي هريرة وقال قال قتادة وذلك قول الله عزّ وجلّ وَإِذْ أَخَذْنا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ الاية فبدأ به صلى الله عليه وسلم قبلهم- وروى ابن سعد وابو نعيم في الحلية عن ميسرة الفجر بن سعد عن ابي الجدعاء والطبراني في الكبير عن ابن عباس بلفظ كنت نبيّا وآدم بين الروح والجسد۔

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کی تعظیم کیلئے اس آیت میں حضور اقدس ﷺ کا ذکر پہلے کیا اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے جس کی حضور ﷺ نے خبر دی کہ میں پیدا ہونے کے لحاظ سے تمام لوگوں سے اول ہوں اور تشریف لانے کے اعتبار آخر ہوں ۔اس حدیث کو سعد نے قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت کیا اور بغوی نے قتادہ سے اور قتادہ سے حسن نے اور حسن نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصلاً روایت کیا ہے اور کہا کہ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس قول "وَإِذْ أَخَذْنا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ الاية" میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے حضور اکرم ﷺ کا ذکر کیا اور ابن سعد اور ابو نعیم نے حلیہ میں میسرہ سے اور میسرہ نے ابو الجدعاء اور طبرانی نے کبیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان الفاظ میں اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔[161]

مصطفےٰ ﷺ سب سے مقدم تھے

---

[160] (مسند دیلمی ج۴ ص ۴۴، جامع البیان ج ۲۱ ص ۱۲۵، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۷۰، الدر المنثور ج ۶ ص ۵۷، تفسیر معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۹۲، تفسیر خازن ج ۵ ص ۱۹۶، تفسیر روح البیان ج ۵ ص ۶۶۱)

[161] (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۳۷۳ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، نکات الفرقان فی شان حبیب الرحمن ﷺ ص ۶۴)

حَدَّثَنَا أَبُو هَمَّامٍ الوَلِيدُ بْنُ شُجَاعِ بْنِ الوَلِيدِ البَغْدَادِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ الأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ: «وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالجَسَدِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت سے ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کیلئے کب نبوت واجب ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے بین بین تھے۔[162]

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "إِنِّي عِنْدَ اللَّهِ مَكْتُوبٌ خَاتِمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِي: دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسَى، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ حِينَ وَضَعَتْنِي، وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ"

عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے آخری نبی لکھا گیا ہوں اس وقت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے جارہے تھے اور جلدی بتا سکتا ہوں میں تمہیں اپنے متعلق اول کام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعا مانگنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میرے متعلق بشارت دینا اور میرے وضع حمل کے وقت میری ماں کا خواب دیکھنا اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ ضرور میری ماں کے واسطے نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔[163]

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ مصطفےٰ ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے نبوت حاصل ہوئی جب نبوت مقدم تو ذات مقدم اور ذات جسمیہ کا ظہور تو سب انبیاء علیہم السلام کے اخیر میں ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو اس وقت نبوت ملی اور نبوت صفت ہے ذات کی تو آپ ﷺ کی ذات حقیقتاً نور ثابت ہوئی جس کو نبوت عطا ہوئی تو لباس انسانی حضرت ﷺ کو بعد میں عطا ہوا۔[164]

قوله صلّى الله عليه وسلّم. كنت نبيا وآدم بين الماء والطين۔

فأول روح ركضت في ميدان الخضوع والانقياد والمحبة روح نبينا صلّى الله عليه وسلّم وقد أسلم نفسه لمولاه بلا واسطة وكل إخوانه الأنبياء عليهم الصلاة والسلام إنما أسلموا نفوسهم بواسطته عليه الصلاة والسلام فهو صلّى الله عليه وسلّم المرسل إلى الأنبياء والمرسلين عليهم الصلاة والسلام في عالم الأرواح وكلهم أمته وهم نوابه في عالم الشهادة،[165]

---

[162] (مشکوۃ شریف ص ۵۱۳، ترمذی ج ۲ ص ۲۰۱)

[163] (شرح السنة المؤلف: محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (المتوفى: 516هـ) ج ۱۳ ص ۲۰۷)

[164] (مقیاس نور ص ۵۱)

[165] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۴ ص ۱۳۲ سورة الانعام)

وقوله عليه الصلاة والسلام: كنت نبيا وآدم بين الماء والطين، إشارة إلى هذا أيضا وإنه لم يشأ سبحانه خلق آدم إلا لينتزع الصافي من ذريته ولم يزل يستصفي تدريجا إلى أن بلغ كمال الصفاء، ولا يفهم هذا إلا بأن يعلم أن للدار مثلا وجودين وجودا في ذهن المهندس حتى كأنه ينظر إلى صورتها ووجودا خارج الذهن مسببا عن الوجود الأول فهو سابق عليه لا محالة.

وحينئذ يقال: إن الله تعالى يقدر أولا ثم يوجد على وفق التقدير ثانيا والتقدير يرسم في اللوح المحفوظ كما يرسم تقدير المهندس أولا في لوح أو قرطاس فتصير الدار موجودة بكمال صورتها نوعا من الوجود يكون سببا للوجود الحقيقي، وكما أن هذه الصورة ترتسم في لوح المهندس بواسطة القلم والقلم يجري على وفق العلم بل العلم يجريه كذلك تقرير صورة الأمور الإلهية ترتسم أولا في اللوح المحفوظ بواسطة القلم الإلهي والقلم يجري على وفق العلم السابق الأزلي، واللوح عبارة عن موجود قابل لنقش الصور، والقلم عبارة عن موجود منه تفيض الصور على اللوح وليس من شرطهما أن يكونا جسمين ولا يبعد أن يكون قلم الله تعالى ولوحه لائقين لأصبعه ويده وكل ذلك على ما يليق بذاته الإلهية ويقدس عن حقيقة الجسمية، وقد يقال: إنهما جوهران روحانيان أحدهما متعلم وهو اللوح والآخر معلم وهو القلم، وقد أشير إلى ذلك بقوله سبحانه: عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [العلق: 4] فإذا فهمت معنيي الوجود فقد كان نبينا صلى الله عليه وسلم قبل بالمعنى الأول منهما دون المعنى الثاني اه[166].

حديث, كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد

حاصله أن حقيقته عليه الصلاة والسّلام قد تكون من قبل آدم آتاها الله تعالى النبوة بأن خلقها مهيأة لها وأفاضها عليها من ذلك الوقت وصار نبيا ثم.... والمراد بكونه عليه الصلاة والسّلام خاتمهم انقطاع حدوث وصف النبوة في أحد من الثقلين بعد تحليه عليه الصلاة والسّلام بها في هذه النشأة.[167]

حديث, كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد

فهو نبى الانبياء فى عالم الابتداء كما صار امام الانبياء فى ليلة الاسراء۔[168]

(وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ) فثبت بهذه الآية ان محمدا ﷺ آخر الانبياء قال ﷺ (كنت نبيا وآدم بين المآء والطين۔) فبطن كونه خاتم النبيين فى هذا الحديث وكان من ظهوره نبيا وآدم بين المآء والطين ان استفتح به مراتب البشر فقال (اول ما خلق الله نور نبيك ياجابر) وختم الله به النبيين بعد بعثته ﷺ لبشريته فظهر كونه خاتم النبيين بقوله (ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا نبى بعدى ولا رسول۔) يعنى ان الرسالة وهى البعثة الى الناس بالتشريع لهم والنبوة قد انقطعت اى ما بقى من يشرع له من عند الله حكم يكون عليه ليس هو شرعنا الذى جئنا به فلا رسول بعدى يأتى بشرع يخالف شرعى الى الناس ولا نبى فلا نبوة تشريع بعده ولا نبى يكون على شرع ينفرد به عند ربه يكون عليه فصرح انه خاتم النبوة التشريع ولو اراد غير ما ذكرناه لكان معارضا لقوله (ان عيسىٰ عليه

---

[166] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج۷ ص ۲۸۶ سورة الحجر)

[167] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۱۱ ص ۴۹ سورة الاحزاب)

[168] (تفسير الملا على القارى ج ۱ ص ۳۰۴)

السلام ینزل فینا حکما مقسطا یؤ منا بنا) ای بالشرع الذی نحن علیه و لا نشک فیه انه رسول و نبی فعلمنا انه ﷺ اراد انه لا شرع بعده ینسخ شرعه۔

بَاب خُصُوصِيَّة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِكَوْنِهِ أول النَّبِيين فِي الْخلق وَتقدم نبوته و اخذ الْمِيثَاق عَلَيْهِ

اخْرُج ابْن أبي حَاتِم فِي تَفْسِيره وَأَبُو نعيم فِي الدَّلَائِل من طرق عَن قَتَادَة عَن الْحسن عَن أبي هُرَيْرَة عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي قَوْله تَعَالَى {وَإِذ أَخذنَا من النَّبِيين ميثاقهم} الْآيَة قَالَ كنت أول النَّبِيين فِي الْخلق وَآخرهمْ فِي الْبَعْث فَبدَأَ بِهِ قبلهم۔

وَأخرج أَبُو سهل الْقطَّان فِي جُزْء من أَمَالِيهِ عَن سهل بن صَالح الْهَمدَانِي قَالَ سَأَلت أَبَا جَعْفَر مُحَمَّد بن عَليّ كَيْف صَار مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يتَقَدَّم الْأَنْبِيَاء وَهُوَ آخر من بعث قَالَ إِن الله تَعَالَى لما اخذ من بني آدم من ظُهُورهمْ ذرياتهم وأشهدهم على أنفسهم أَلَسْت بربكم كَانَ مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أول من قَالَ بلَى وَلذَلِك صَار يتَقَدَّم الْأَنْبِيَاء وَهُوَ آخر من بعث وَأخرج أَحْمد وَالْبُخَارِيّ فِي تَارِيخه وَالطَّبَرَانِيّ وَالْحَاكِم وَالْبَيْهَقِيّ وَأَبُو نعيم عَن ميسرَة الْفجر قَالَ قلت يَا رَسُول الله مَتى كنت نَبيا قَالَ وآدم بَين الرّوح والجسد واخرج احْمَد وَالْحَاكِم وَالْبَيْهَقِيّ عَن الْعِرْبَاض بن سَارِيَة قَالَ سَمِعت رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَقُول إِنِّي عِنْد الله فِي ام الْكتاب لخاتم النَّبِيين وَإِن آدم لَمُنْجَدِل فِي طينته واخرج الْبَزَّار وَالطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَأَبُو نعيم من طَرِيق الشّعبِيّ عَن ابْن عَبَّاس رَضِي الله عَنْهُمَا قَالَ قيل يَا رَسُول الله مَتى كنت نَبيا قَالَ وآدم بَين الرّوح والجسد وَأخرج أَبُو نعيم عَن الصنَابحِي قَالَ قَالَ عمر رَضِي الله عَنهُ مَتى جعلت نَبيا قَالَ وآدم منجدل فِي الطين مُرْسل وَأخرج ابْن سعد عَن ابْن ابي الجدعاء قَالَ قلت يَا رَسُول الله مَتى كنت نَبيا قَالَ إِذْ آدم بَين الرّوح والجسد وَأخرج ابْن سعد عَن مطرف بن عبد الله بن الشخير أَن رجلا سَأَلَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَتى كنت نَبيا قَالَ بَين الرّوح والطين من آدم وَأخرج ابْن سعد عَن عَامر قَالَ قَالَ رجل للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَتى استنبئت قَالَ وآدم بَين الرّوح والجسد حِين اخذ مني الْمِيثَاق وَأخرج الطَّبَرَانِيّ وَأَبُو نعيم عَن أبي مَرْيَم الغساني ان اعرابيا قَالَ للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَي شَيْء كَانَ اول نبوتك قَالَ اخذ الله مني الْمِيثَاق كَمَا أَخذ من النَّبِيين ميثاقهم ودعوة أبي ابراهيم وبشرى عِيسَى وَرَأَتْ امي فِي منامها انه خرج من بَين رِجْلَيْهَا سراج اضاءت لَهُ قُصُور الشَّام۔

فَائِدَة فِي ان رِسَالَة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عَامَّة لجَمِيع الْخلق و الانبياء و امهم كلهم من امته

ورسالته عَامَّة لجَمِيع الْخلق من زمن آدم إِلَى يَوْم الْقِيَامَة وَتكون الْأَنْبِيَاء وامهم كلهم من أمته وَيكون قَوْله بعثت إِلَى النَّاس كَافَّة لَا يخْتَص بِهِ النَّاس من زَمَانه إِلَى يَوْم الْقِيَامَة بل يتَنَاوَل من قبلهم أَيْضا ويتبين بذلك معنى قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كنت نَبيا وآدم بَين الرّوح والجسد وَأَن من فسره بعلم الله بِأَنَّهُ سيصير نَبيا لم يصل إِلَى هَذَا الْمَعْنى لِأَن علم الله مُحِيط بِجَمِيعِ الْأَشْيَاء وَوصف النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِالنُّبُوَّةِ فِي ذَلِك الْوَقْت يَنْبَغِي ان يفهم مِنْهُ أَنه امر ثَابت لَهُ فِي ذَلِك الْوَقْت وَلِهَذَا رأى آدم اسمه مَكْتُوبًا على الْعَرْش مُحَمَّد رَسُول الله فَلَا بُد أَن يكون ذَلِك معنى ثَابتا فِي ذَلِك الْوَقْت وَلَو كَانَ الْمُرَاد بذلك مُجَرّد الْعلم بِمَا سيصير فِي الْمُسْتَقْبل لم يكن لَهُ خُصُوصِيَّة بِأَنَّهُ نَبِي وآدم بَين الرّوح والجسد لِأَن جَمِيع الْأَنْبِيَاء يعلم الله نبوتهم فِي ذَلِك الْوَقْت وَقَبله فَلَا بُد من خُصُوصِيَّة للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لأَجلهَا أخبر بِهَذَا الْخَبَر إعلاما لأمته ليعرفوا قدره عِنْد الله تَعَالَى فَيحصل لَهُم الْخَيْر بذلك ۔قَالَ فَإِن قلت أُرِيد ان افهم ذَلِك الْقدر الزَّائِد فَإِن النُّبُوَّة وصف لَا بُد ان يكون الْمَوْصُوف بِهِ مَوْجُودا وَإِنَّمَا يكون بعد بُلُوغ أَرْبَعِينَ سنة أَيْضا فَكيف يُوصف بِهِ قبل وجوده وَقبل إِرْسَاله وَإِن صَحَّ ذَلِك فَغَيره كَذَلِك قلت قد جَاءَ ان الله تَعَالَى خلق الْأَرْوَاح قبل الأجساد فقد تكون الْإِشَارَة بقوله كنت نَبيا إِلَى روحه الشَّرِيفَة اَوْ إِلَى حَقِيقَته والحقائق تقصر عقولنا عَن مَعْرفَتهَا وانما يعلمهَا

خَالِقهَا وَمن امده بِنور الهي ثمَّ ان تِلْكَ الْحَقَائِق يُؤْتِي الله كل حَقِيقَة مِنْهَا مَا يَشَاء فِي الْوَقْت الَّذِي يَشَاء فحقيقة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قد تكون من قبل خلق آدم آتَاهُ الله ذَلِك الْوَصْف بِأَن يكون خلقهَا متهيئة لذَلِك وأفاضه عَلَيْهَا من ذَلِك الْوَقْت فَصَارَ نَبيا وَكتب اسْمه على الْعَرْش وَأخْبر عَنهُ بالرسالة ليعلم مَلَائِكَته وَغَيرهم كرامته عِنْده فحقيقته مَوْجُودَة من ذَلِك الْوَقْت وَإِن تَأَخّر جسده الشريف المتصف بهَا واتصاف حَقِيقَته بالاوصاف الشَّرِيفَة المفاضة عَلَيْهِ من الحضرة الالهية وانما يتَأَخَّر الْبَعْث والتبليغ وكل مَا لَهُ من جِهَة الله تَعَالَى وَمن جِهَة تأهل ذَاته الشَّرِيفَة وَحَقِيقَته معجل لَا تَأْخِير فِيهِ وَكَذَلِك استنباؤه وايتاؤه الْكتاب وَالْحكم والنبوة وَإِنَّمَا الْمُتَأَخر تكونه وتنقله إِلَى ان ظهر صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَغَيره من أهل الْكَرَامَة قد تكون افاضة الله تَعَالَى تِلْكَ الْكَرَامَة عَلَيْهِ بعد وجوده بِمدَّة كَمَا يَشَاء سُبْحَانَهُ وَلَا شكّ ان كل مَا يَقع فَالله عَالم بِهِ من الازل وَنحن نعلم علمه بذلك بالادلة الْعَقْلِيَّة والشرعية۔[169]

قوله: (متى وجبت لك النبوة؟ قال: وآدم بين الروح والجسد إلخ) أي كان النبي (ﷺ) نبياً وجرت عليه أحكام النبوة من ذلك الحين بخلاف الأنبياء السابقين، فإن الأحكام جرت عليهم بعد البعثة كما قال مولانا الجامي أنه كان نبياً قبل النشأة العنصرية.[170]

(كتبت نبيًّا) من الكتابة، والمراد إظهار نبوته -صلى اللهَ عليه وسلم- قبل وجوده العنصري في الملائكة والأرواح، وإعلامهم بذلك كما ورد كتابة اسمه الشريف على العرش، والسموات، وقصور الجنة، وغرفها، وعلى نحور الحور العين، وعلى ورق قصب آجام الجنة، وعلى ورق شجرة طوبى، وعلى ورق سدرة المنتهى، وعلى أطراف الحجب، وبين أعين الملائكة،....وقال بعض العارفين: إن روحه الشريفة كانت نبيًّا في عالم الأرواح مربيًا لها، وقد ثبت أن اللهَ خلق الأرواح قبل الأجساد، واللهَ أعلم بحقيقة الحال.[171]

عَنْ أَبِي هُرَيرَةَ -رضي الله عنه- قَالَ: قَالُوا: يارَسُولَ الله! متَى وَجَبَتْ لكَ النُّبُوَّةُ؟ قال: "وآدمُ بَيْنَ الرُّوحِ والجَسدِ".

قوله: "متى وجَبَتْ لك النبوةُ؟ قال: وآدمُ بين الروحِ والجسد". (متى): سؤالٌ عن الزمان، والواو في (وآدم) للحال.

(وجبت)؛ أي: ثَبَتَتْ؛ يعني: ثبتت نبوتي في حال أنَّ آدمَ بين الرُّوح والجَسَد.[172]

ومن جملة ما كتب في الذكر أن محمدًا خاتم النبيين.

وعن العرباض بن سارية عن النبي صلى الله عليه وسلم: "إني عند الله لخاتم النبيين" وإن آدم لمنجدل في طينته". رواه أحمد والبيهقي، والحاكم، وقال: صحيح الإسناد.

وقوله عليه الصلاة والسلام لمنجدل، يعني: طريحًا ملقى على الأرض قبل نفخ الروح فيه.

---

[169] (الخصائص الكبرىٰ ص ١٠-٧)

[170] (العرف الشذي شرح سنن الترمذي ج ٤ ص ٤٢٩)

[171] (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ج ٩ ص ٢٣٤، اشعت اللمعات شرح مشكوة ج ٤ ص ٤٩٩)

[172] (المفاتيح في شرح المصابيح ج ٦ ص ١٠٣)

وعن ميسرة الضبي. قال: قلت يا رسول الله، متى كنت نبيًا؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد". هذا لفظ رواية الإمام أحمد. ورواه البخاري في تاريخه وأبو نعيم في الحلية، وصححه الحاكم. وأما ما اشتهر على الألسنة بلفظ: كنت نبيًا وآدم بين الماء والطين. فقال شيخنا العلامة الحافظ أبو الخير السخاوي في كتابه "المقاصد الحسنة": لم نقف عليه بهذا اللفظ. انتهى.

وقال العلامة الحافظ ابن رجب، في اللطائف: وبعضهم يرويه: متى كتبت نبيًا من الكتابة، انتهى.

قلت: وكذا رويناه في جزء من حديث أبي عمرو، إسماعيل بن نجيد، ولفظه: متى كتبت نبيًا؟ قال: "كتبت نبيًا وآدم بين الروح والجسد".

فتحمل هذه الرواية مع رواية العرباض على وجوب نبوته وثبوتها، فإن الكتابة تستعمل فيما هو واجب، قال تعالى: {كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ}[البقرة:183] و{كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ}[المجادلة:21].

وعن أبي هريرة. أنهم قالوا: يا رسول الله، متى وجبت لك النبوة قال: "وآدم بين الروح والجسد". رواه الترمذي وقال: حديث حسن.

ورويناه في جزء من أمالي أبي سهل القطان عن سهل بن صالح الهمداني، قال: سألت أبا جعفر، محمد بن علي، كيف صار محمد صلى الله عليه وسلم يتقدم الأنبياء وهو آخر من بعث؟ قال: إن الله تعالى لما أخذ الميثاق من بني آدم من. ظهورهم ذرياتهم وأشهدهم على أنفسهم: ألست بربكم؟ كان محمد صلى الله عليه وسلم أول من قال: بلى، ولذلك صار محمد صلى الله عليه وسلم يتقدم الأنبياء، وهو آخر من بعث.

فإن قلت: إن النبوة وصف ولا بد أن يكون الموصوف به موجودًا، وإنما يكون بعد بلوغ أربعين سنة مهمة أيضًا، فكيف يوصف به قبل وجوده وإرساله؟ أجاب العلامة الغزالي رحمه الله في كتابه "النفخ والتسوية" عن هذا، وعن قوله: كنت أول الأنبياء خلقًا وآخرهم بعثًا: بأن المراد بـ"الخلق" هنا: التقدير دون الإيجاد. فإن قيل إن ولدته أمه لم يكن موجودًا مخلوقًا، ولكن الغايات والكمالات سابقة في التقدير لاحقة في الوجود".

قال: وهو معنى قولهم: "أول الفكرة آخر العمل، أول الفكرة" وبيانه: أن المهندس المقدر للدار، أول ما يمثل في نفسه صورة الدار، فيحصل في تقديره دار كاملة، وآخرة ما يوجد من أعماله هي الدار الكاملة، فالدار الكاملة هي أول الأشياء في حقه تقديرًا، وآخرها وجودًا، لأن ما قبلها من ضرب اللبنات وبناء الحيطان، وتركيب الجذوع، وسيلة إلى غاية وكمال وهي الدار الكاملة، فالغاية هي الدار ولأجلها تقوم الآلات والأعمال.

ثم قال: وأما قوله عليه الصلاة والسلام: كنت نبيًا فإشارة إلى ما ذكرناه، وأنه كان نبيًا في التقدير قبل تمام خلقه آدم عليه الصلاة والسلام، لأنه لم ينشأ خلق آدم إلا لينتزع من ذريته محمد صلى الله عليه وسلم ويستصفى تدريجًا إلى أن يبلغ كمال الصفات".

"قال: ولا تفهم هذه الحقيقة إلا بأن يعلم أن للدار وجودين: وجودًا في ذهن المهندس ودماغه، والوجود الثاني أنه ينظر إلى صورة الدار خارج الذهن في الأعيان، والوجود الذهني سبب الوجود الخارج للعين، فهو سابق لا محالة. كذلك فاعلم أن الله تعالى يقدر ثم يوجد على وفق التقدير ثانيًا"، انتهى

وهو متعقب بقول الشيخ تقي الدين السبكي: "إنه قد جاء أن الله خلق الأرواح قبل الأجساد، فقد تكون الإشارة بقوله: كنت نبيًا إلى روحه الشريفة، أو إلى حقيقة من الحقائق، والحقائق تقصر عقولنا عن معرفتها، وإنما يعلمها خالقها ومن أمده الله بنور إلهي، ثم إن تلك الحقائق يؤتي الله كل حقيقة منها ما يشاء في الوقت الذي يشاء، فحقيقة النبي صلى الله عليه وسلم قد تكون من حين خلق آدم آتاها الله ذلك الوصف، بأن يكون خلقها متهيئة لذلك، وأفاضه عليها من ذلك الوقت، فصار نبيًا، وكتب اسمه على العرش، وأخبر عنه بالرسالة ليعلم ملائكته وغيرهم كرامته عنده.

فحقيقته موجودة من ذلك الوقت وإن تأخر جسده الشريف المتصف بها، واتصاف حقيقته بالأوصاف الشريفة المفاضة عليه من الحضرة الإلهية، وإنما يتأخر البعث والتبليغ وكل ما له من جهة الله ومن جهة أهل ذاته الشريفة وحقيقته معجل لا تأخر فيه، وكذلك استنباؤه وإيتاؤه الكتاب والحكم والنبوة، وإنما المتأخر تكونه وتنقله إلى أن ظهر صلى الله عليه وسلم.

وقد علم من هذا: أن من فسره بعلم الله بأنه سيصير نبيًا لم يصل إلى هذا المعنى، لأن علم الله محيط بجميع الأشياء، ووصف النبي صلى الله عليه وسلم بالنبوة في ذلك الوقت ينبغي أن يفهم منه أنه أمر ثابت له في ذلك الوقت، ولو كان المراد بذلك مجرد العلم بما سيصير في المستقبل لم يكن له السلام خصوصية بأنه نبي وآدم بين الروح والجسد، لأن جميع الأنبياء يعلم الله تعالى نبوتهم في ذلك الوقت وقبله، فلا بد من خصوصية للنبي صلى الله عليه وسلم لأجلها أخبر بهذا الخبر إعلامًا لأمته ليعرفوا قدره عند الله تعالى. وعن الشعبي قال رجل: يا رسول الله، متى استنبئت؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد، حين أخذ مني الميثاق". رواه ابن سعد من رواية جابر الجعفي فيما ذكره ابن رجب.

فهذا يدل على أنه من حين صور آدم طينًا استخرج منه محمد صلى الله عليه وسلم. ونبئ وأخذ منه الميثاق، ثم أعيد إلى ظهر آدم حتى يخرج وقت خروجه الذي قدر الله خروجه فيه فهو أولهم خلقًا.

لا يقال: يلزم خلق آدم قبله، لأن آدم كان حينئذ مواتًا لا روح فيه، ومحمد صلى الله عليه وسلم كان حيًا حين استخرج ونبئ وأخذ منه الميثاق، فهو أول النبيين خلقًا وآخرهم بعثًا.

فإن قلت إن استخراج ذرية آدم منه كان بعد نفخ الروح فيه، كما دل عليه أكثر الأحاديث، والذي تقرر هنا: أنه استخرج ونبئ وأخذ منه الميثاق قبل نفخ الروح في آدم عليه الصلاة والسلام.

أجاب بعضهم: بأنه صلى الله عليه وسلم خص باستخراجه من ظهر آدم قبل نفخ الروح، فإن محمدا صلى الله عليه وسلم هو المقصود من خلق النوع الإنساني، وهو عينه وخلاصته وواسطة عقده. والأحاديث السابقة صريحة في ذلك، والله أعلم.

وروي عن علي بن أبي طالب أنه قال: لم يبعث الله تعالى نبيًا من آدم فمن بعده إلا أخذ عليه العهد في محمد صلى الله عليه وسلم لئن بعث، وهو حي، ليؤمنن به ولينصرنه، ويأخذ العهد بذلك على قومه.

وهو مروي عن ابن عباس أيضًا، كما ذكره العماد بن كثير في تفسيره. وقيل: إن الله تعالى لما خلق نور نبينا محمد صلى الله عليه وسلم أمره أن ينظر إلى أنوار الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، فغشيهم من نوره ما أنطقهم الله به وقالوا: يا ربنا، من غشينا نوره؟ فقال الله تعالى: هذا نور محمد بن عبد الله، إن آمنتم به جعلتكم أنبياء، قالوا: آمنا به وبنبوته فقال الله تعالى: أشهد عليكم؟ قالوا: نعم.

فذلك قوله تعالى: {وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ}إلى قوله:{وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ}[آل عمران:81].

قال الشيخ تقي الدين السبكي: في هذه الآية الشريفة من التنويه بالنبي صلى الله عليه وسلم وتعظيم قدره العلي ما لا يخفى، وفيه مع ذلك: أنه على تقدير مجيئه في زمانهم يكون مرسلا إليهم، فتكون نبوته ورسالته عامة لجميع الخلق، من آدم إلى يوم القيامة، ويكون الأنبياء وأممهم كلهم من أمته، ويكون قوله: "وبعثت إلى الناس كافة". لا يختص به الناس من زمانه إلى يوم القيامة، بل يتناول من قبلهم أيضًا. ويتبين بذلك معنى قوله صلى الله عليه وسلم: "كنت نبيًا وآدم بين الروح والجسد".

ثم قال: فإذا عرف هذا فالنبي صلى الله عليه وسلم نبي الأنبياء، ولهذا ظهر في الآخرة جميع الأنبياء تحت لوائه، وفي الدنيا كذلك ليلة الإسراء صلى بهم. ولو اتفق مجيئه في زمن آدم ونوح وإبراهيم وموسى وعيسى صلوات الله وسلامه عليهم وجب عليهم وعلى أممهم الإيمان به ونصرته. وبذلك أخذ الله عليهم الميثاق. انتهى وسيأتي إن شاء الله تعالى لذلك في المقصد السادس.[173]

وظائف شهر ربيع الأول

المجلس الأول في ذكر مولد سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم...وظائف شهر ربيع الأول.

ويشتمل على مجالس: المجلس الأول: في ذكر مولد سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم:

خرج الإمام أحمد من حديث العرباض بن سارية السلمي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إني عبد الله في أم الكتاب لخاتم النبيين وإن آدم لمنجدل في طينته وسوف أنبئكم بتأويل ذلك: دعوة أبي إبراهيم وبشارة عيسى قومه ورؤيا أمي التي رأت أنه خرج منها نور أضاءت له قصور الشام وكذلك أمهات النبيين يرين" وخرجه الحاكم وقال: صحيح الإسناد وقد روي معناه من حديث أبي أمامة الباهلي ومن وجوه أخر مرسلة المقصود من هذا الحديث أن نبوة النبي صلى الله عليه وسلم كانت مذكورة معروفة من قبل أن يخلقه الله ويخرجه إلى دار الدنيا حيا وأن ذلك كان مكتوبا في أم الكتاب من قبل نفخ الروح في آدم عليه السلام وفسر أم الكتاب باللوح المحفوظ وبالذكر في قوله تعالى: {يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ}[الرعد:39] .وعن ابن عباس رضي الله عنهما: أنه سأل كعبا عن أم الكتاب؟ فقال: علم الله ما هو خالق وما خلقه عاملون فقال لعلمه: كن كتابا فكان كتابا ولا ريب أن علم الله عز وجل قديم أزلي لم يزل عالما بما يحدثه من مخلوقاته ثم إنه تعالى كتب ذلك في كتاب عنده قبل خلق السموات والأرض كما قال تعالى: {مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ}[الحديد:22].

وفي صحيح البخاري عن عمران بن حصين رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "كان الله ولا شيء قبله وكان عرشه على الماء وكتب في الذكر كل شيء ثم خلق السموات والأرض".

---

[173] (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ص ٨٠-٦٠ ج ١)

وفي صحيح مسلم عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إن الله كتب مقادير الخلائق قبل أن يخلق السموات والأرض ومن جملة ما كتبه في هذا الذكر وهو أم الكتاب: أن محمدا خاتم النبيين.

ومن حينئذ انتقلت المخلوقات من مرتبة العلم إلى مرتبة الكتابة وهو نوع من أنواع الوجود الخارجي ولهذا قال سعيد بن راشد سألت عطاء: هل كان النبي صلى الله عليه وسلم نبيا قبل أن يخلق؟ قال: قال: إي والله وقبل أن تخلق الدنيا بألفي عام خرجه أبو بكر الآجري في كتاب الشريعة وعطاء ـ الظاهر أنه ـ الخراساني وهذا إشارة إلى ما ذكرنا من كتابة نبوته صلى الله عليه وسلم في أم الكتاب عند تقدير المقادير وقوله صلى الله عليه وسلم في هذا الحديث: "إني عبد الله في أم الكتاب لخاتم النبيين وإن آدم لمنجدل في طينته" ليس المراد به والله أعلم أنه حينئذ كتب في أم الكتاب ختمه للنبيين وإنما المراد الإخبار عن كون ذلك مكتوبا في أم الكتاب في تلك الحال قبل نفخ الروح في آدم وهو أول ما خلق من النوع الإنساني.

وجاء في أحاديث أخر أنه في تلك الحال وجبت له النبوة وهذه مرتبة ثالثة وهي انتقاله من مرتبة العلم والكتابة إلى مرتبة الوجود العيني الخارجي فإنه صلى الله عليه وسلم استخرج حينئذ من ظهر آدم ونبيء فصارت نبوته موجودة في الخارج بعد كونها كانت مكتوبة مقدرة في أم الكتاب ففي حديث ميسرة الفجر قال: قلت يا رسول الله متى كنت نبيا؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد" خرجه الإمام أحمد والحاكم.

قال الإمام أحمد في رواية منها: وبعضهم يرويه: متى كتبت نبيا؟ من الكتابة فإن صحت هذه الرواية حملت مع حديث العرباض بن سارية على وجوب نبوته وثبوتها وظهورها في الخارج فإن الكتابة إنما تستعمل فيما هو واجب: إما شرعا كقوله تعالى: {كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ} [البقرة: 183] أو قدرا كقوله تعالى: {كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي} [المجادلة: 21] وفي حديث أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنهم قالوا: يا رسول الله متى وجبت لك النبوة؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد" خرجه الترمذي وحسنه وفي نسخه صححه وخرجه الحاكم وروى ابن سعد من رواية جابر الجعفي عن الشعبي قال: قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم: متى استنبئت؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد حيث أخذ مني الميثاق" وهذه الرواية تدل على أنه صلى الله عليه وسلم حينئذ استخرج من ظهر آدم ونبيء وأخذ ميثاقه فيحتمل أن يكون ذلك دليلا على أن استخراج ذرية آدم من ظهره وأخذ الميثاق منهم كان قبل نفخ الروح في آدم وقد روي هذا عن سلمان الفارسي وغيره من السلف ويستدل له أيضا بظاهر قوله تعالى: {وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ} صحيحه فيكون حينئذ من حين صور آدم طينا استخرج منه محمد صلى الله عليه وسلم ونبيء وأخذ منه الميثاق ثم أعيد إلى ظهر آدم حتى خرج في وقت خروجه الذي قدر الله خروجه فيه ويشهد لذلك ما روي عن قتادة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "كنت أول النبيين في الخلق وآخرهم في البعث" وفي رواية: "أول الناس في الخلق" خرجه ابن سعد وغيره وخرجه الطبراني من رواية قتادة عن الحسن عن أبي هريرة مرفوعا والمرسل أشبه وفي رواية عن قتادة مرسلة: ثم تلا: {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ} [الأحزاب: 7] فبدأ به قبل نوح الذي هو أول الرسل فمحمد صلى الله عليه وسلم أول الرسل خلقا وآخرهم بعثا فإنه استخرج من ظهر آدم لما صور ونبيء حينئذ وأخذ ميثاقه ثم أعيد إلى ظهره ولا يقال: فقد خلق آدم قبله لأن آدم حينئذ كان مواتا لا روح فيه ومحمد صلى الله عليه وسلم كان حيا حين استخرج ونبيء وأخذ ميثاقه فهو أول النبيين خلقا وآخرهم بعثا فهو خاتم النبيين باعتبار أن زمانه تأخر عنهم فهو: المقفى والعاقب الذي جاء عقب الأنبياء ويقفوهم قال تعالى: {مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ} [الأحزاب: 40].

وفي الصحيحين عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "مثلي ومثل الأنبياء كمثل رجل بنى دارا فأكملها وأحسنها إلا موضع لبنة فجعل الناس يدخلونها ويعجبون منها ويقولون لولا موضع اللبنة" زاد مسلم قال: "فجئت فختمت الأنبياء" وفيهما أيضا عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم معناه وفيه: "فجعل الناس يطوفون به ويقولون: هلا وضعت اللبنة؟ فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين".

وقد استدل الإمام أحمد بحديث العرباض بن سارية هذا على أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يزل على التوحيد منذ نشأ ورد بذلك على من زعم غير ذلك بل قد يستدل بهذا. الحديث على أنه صلى الله عليه وسلم ولد نبيا فإن نبوته وجبت له من حين أخذ الميثاق منه حين استخرج من صلب آدم فكان نبيا من حينئذ لكن كانت مدة خروجه إلى الدنيا متأخرة عن ذلك وذلك لا يمنع كونه نبيا قبل خروجه كمن يولى ولاية ويؤمر بالتصرف فيها في زمن مستقبل فحكم الولاية ثابت له من حين ولايته وإن كان تصرفه يتأخر إلى حين مجيء الوقت قال حنبل: قلت لأبي عبد الله يعني أحمد: من زعم أن النبي كان على دين قومه قبل أن يبعث؟ قال: هذا قول سوء ينبغي لصاحب هذه المقالة أن يحذر كلامه ولا يجالس قلت له: إن جارنا الناقد أبا العباس يقول هذه المقالة؟ قال: قاتله الله وأي شيء أبقى إذا زعم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان على دين قومه وهم يعبدون الأصنام قال الله تعالى حاكيا عن عيسى عليه السلام: {وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ} [الصف: 6] قلت له: وزعم أن خديجة كانت على ذلك حين تزوجها النبي صلى الله عليه وسلم في الجاهلية قال: أما خديجة فلا أقول شيئا قد كانت أول من آمن به من النساء ثم قال: ماذا يحدث الناس من الكلام!! هؤلاء أصحاب الكلام لم يفلح ـ سبحان الله ـ لهذا القول واحتج في ذلك بكلام لم أحفظه.

وذكر أن أمه حين ولدت رأت نورا أضاء له قصور الشام أو ليس هذا عندما ولدت رأت هذا وقبل أن يبعث كان طاهرا مطهرا من الأوثان أو ليس كان لا يأكل لما ذبح على النصب ثم قال: "احذروا الكلام فإن أصحاب الكلام أمرهم لا يؤول إلى خير" خرجه أبو بكر عبد العزيز بن جعفر في كتاب السنة ومراد الإمام أحمد الإستدلال بتقدم البشارة بنبوته من الأنبياء الذين قبله وبما شوهد عند ولادته من الآيات على أنه كان نبيا من قبل خروجه إلى الدنيا وولادته وهذا هو الذي يدل عليه حديث العرباض بن سارية هذا فإنه صلى الله عليه وسلم ذكر فيه أن نبوته كانت حاصلة من حين آدم منجدلا في طينته والمراد بالمنجدل: الطريح الملقى على الأرض قبل نفخ الروح فيه ويقال للقتيل: إنه منجدل لذلك.

ثم استدل صلى الله عليه وسلم على سبق ذكره والتنويه باسمه ونبوته وشرف قدره لخروجه إلى الدنيا بثلاث دلائل وهو مراده بقوله تعالى "وسأنبئكم بتأويل ذلك".[174]

الباب الثالث في تقدم نبوته صلى الله عليه وسلم على نفخ الروح في آدم صلى الله عليهما وسلم

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: «إن الله عز وجل كتب مقادير الخلق قبل أن يخلق السموات والأرض بخمسين ألف سنة وَكانَ عَرْشُهُ عَلَى الْماءِ. رواه مسلم.

---

[174] (لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف ص ٩٩-٩٤)

زاد صاحب اللطائف: ومن جملة ما كتب في الذّكر وهو أمّ الكتاب: أن محمدا صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين.

وعن العرباض - بكسر العين المهملة - ابن سارية رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «إني عند الله في أم الكتاب لخاتم النبيّين، وإنّ آدم لمنجدل في طينته.

رواه الإمام أحمد والحاكم وصححه.

قال الطيبي في شرح المشكاة: انجدل, مطاوع جدله إذا ألقاه على الأرض، وأصله الإلقاء على الجدالة - بفتح الجيم والدال المهملة - وهي الأرض الصّلبة وهذا على سبيل إنابة فعل مناب فعل، يعني لا يجوز إجزاء منجدل على أن تكون مطاوعا لجدل لما يلزم منه أن يكون آدم منفصلاً من الأرض الصلبة، بل هو ملقّى عليها. والطينة: الخلقة من قولهم: طانه الله على طينتك. والجارّ الذي هو «في» ليس بمتعلق بمنجدل، لما يلزم منه أن يكون آدم مظروفاً في طينته، إنما هو خبر ثان لأنّ، والواو وما بعدها في محل نصب على الحال من المكتوب، والمعنى: كتبت خاتم الأنبياء في الحال الذي آدم مطروح على الأرض حاصل في أثناء تخلّقه لمّا يفرغ من تصويره وإجراء الروح.

وقال الحافظ أبو الفرج ابن رجب رحمه الله تعالى في اللطائف: المقصود من هذا الحديث أن نبوة النبي صلى الله عليه وسلم كانت مذكورة معروفة من قبل أن يخلقه الله تعالى ويخرجه إلى دار الدنيا حيّاً، وأن ذلك كان مكتوباً في أم الكتاب من قبل نفخ الروح في آدم صلى الله عليه وسلّم، وفسّر أمّ الكتاب باللّوح المحفوظ وبالذّكر في قوله تعالى: يَمْحُوا اللَّهُ ما يَشاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتابِ. وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أنه سأل عن أمّ الكتاب فقال: علم الله ما هو خالق وما خلقه عاملون، فقال لعلمه كن كتاباً. فكان كتاباً. ولا ريب أن علم الله تعالى قديم أزلي لم يزل عالماً بما يحدثه من خلقه، ثم إن الله تعالى كتب ذلك عنده في كتاب عنده قبل أن يخلق السماوات والأرض كما قال تعالى: ما أَصابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَها إِنَّ ذلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ.

وفي صحيح البخاري عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كان الله ولا شيء قبله، وكان عرشه على الماء، وكتب في الذكر كلّ شيء، ثم خلق السماوات والأرض.

وقوله في هذا الحديث:

إني عند الله في أم الكتاب، ليس المراد به - والله أعلم - أنه حينئذ كتب في أم الكتاب ختمه للنبيين وإنما المراد الإخبار عن كون ذلك مكتوباً في أم الكتاب في ذلك الحال قبل نفخ الروح في آدم وهو أول ما خلق الله تعالى من النوع الإنساني.

وجاء في أحاديث أخر أنه في تلك الحالة وجبت له صلى الله عليه وسلم النبوة. وهذه مرتبة ثالثة وهو انتقاله صلى الله عليه وسلم من رتبة العلم والكتابة إلى رتبة الوجود العيني الخارجي. فإنه صلى الله عليه وسلّم استخرج من ظهر آدم ونبئ فصارت نبوّته موجودة في الخارج بعد كونها كانت مكتوبة مقدرة في أم الكتاب.

فعن ميسرة - بفتح الميم وسكون المثناة التحتية - الفجر - بفتح الفاء وسكون الجيم - رضي الله تعالى عنه قال: يا رسول الله، متى كنت نبيا؟ قال: وآدم بين الروح والجسد.

رواه الإمام أحمد و البخاري في تاريخه و الحاكم و صححه.

قال الإمام أحمد في رواية منها: وبعضهم يرويه متى كتبت من الكتابة؟ قال: «كتبت نبيا وآدم بين الروح والجسد». رواه ابن عساكر

فتحمل هذه الرواية مع حديث العرباض السابق على وجوب نبوته صلى الله عليه وسلم وثبوتها وظهورها في الخارج، فإن الكتابة إنما تستعمل فيما هو واجب شرعاً كقوله تعالى: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيامُ أو قدراً كقوله تعالى: كَتَبَ اللهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي.

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قالوا يا رسول الله متى وجبت لك النبوة؟

قال: وآدم بين الروح والجسد.

رواه الترمذي وحسنه.

وعن الصّنابحيّ مرسلاً - وهو بضم الصاد المهملة وفتح النون وكسر الموحدة ومهملة - عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنه قال: يا رسول الله متى جعلت نبيا؟

قال: «وآدم بين الروح والجسد.

رواه أبو نعيم

.وروى الآجريّ في كتاب الشريعة، عن سعيد بن أبي راشد قال: سالت عطاء رحمه الله تعالى: هل كان النبي صلى الله عليه وسلم نبيّاً قبل أن يخلق الخلق؟ قال: إي والله وقبل أن تخلق الدنيا بألفي عام.

قال الحافظ ابن رجب: عطاء هذا الظاهر انه الخراساني، وهذا إشارة إلى ما ذكرناه من كتابة نبوته صلى الله عليه وسلم في أمّ الكتاب عند تقدير المقادير. ويرحم الله القائل حيث قال:

سبقت نبوّته وآدم طينة... فله الفخار على جميع النّاس

سبحان من خصّ النّبيّ محمّداً... بفضائل تتلى بغير قياس!

تنبيهان

الأول: ما اشتهر على الألسنة بلفظ:

كنت نبيا وآدم بين الماء والطين

قال ابن تيمية والزّركشي والشيخ وغيرهم من الحفّاظ: لا أصل له. وكذا:

كنت ولا آدم ولا ماء ولا طين. كنت نبيا

إلى روحه الشريفة أو إلى حقيقة من الحقائق، والحقائق تقصر عقولنا عن معرفتها وإنما يعلمها خالقها ومن أمده الله تعالى بنور إلهي، ثم إن تلك الحقائق يؤتي الله تعالى كل حقيقة منها ما يشاء في الوقت الذي يشاء، فحقيقة النبي صلى الله عليه وسلم قد تكون من قبل خلق آدم آتاها الله ذلك الوصف بأن يكون خلقها، مهيّأة لذلك فأفاضه عليه من ذلك الوقت فصار نبيّاً وكتب اسمه على العرش وأخبر عنه بالرسالة ليعلم ملائكته وغيرهم كرامته عنده، فحقيقته موجودة في ذلك الوقت وإن تأخّر جسده الشريف المتّصف بها.

واتصاف حقيقته بالأوصاف الشريفة المضافة عليه من الحضرة الإلهية إنما يتأخر البعث والتبليغ وكل ما له من جهة الله تعالى ومن جهة تأهل ذاته الشريفة صلى الله عليه وسلّم وحقيقته معجّل لا تأخر فيه، وكذا استنباؤه وإيتاؤه الحكم والنبوة، وإنما المتأخّر تكوّنه وتنقّله إلى أن ظهر صلى الله عليه وسلّم. انتهى ملخصا.

وأثر كعب السابق أول الباب الأول يؤيد ما قاله.

وقال بعض العارفين: لما خلق الله الأرواح المدبّرة للأجسام عند وجود حركة الفلك أول ما خلق الله الزمان بحركة، كان أول ما خلق روح محمد صلى الله عليه وسلم، ثم صدرت الأرواح عن الحركات الفلكية فكان لها وجود في عالم الغيب دون عالم الشهادة، وأعلمه بالنبوة وآدم لم يكن، كما قال: «بين الروح والجسد» فاقتضى قوله: كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد أن يكون حقيقة، فإنه لا يكون العدم بين أمرين موجودين لانحصاره، والمعدوم لا يوصف بالحصر في شيء، ثم انتهى الزمان إلى وجود جسمه صلى الله عليه وسلم وارتباط الروح به، فظهر سيدنا محمد صلى الله عليه وسلّم بكليته جسماً وروحاً، فكان له الحكم أولاً باطناً في جميع ما ظهر من الشرائع على يدي الأنبياء والرسل صلوات الله وسلامه عليهم، ثم صار له الحكم ظاهراً فنسخ كل شرع وإن كان الشرع واحداً وهو صاحب الشرع، فإنه قال: «كنت نبيّاً» ما قال: كنت إنساناً ولا كنت موجوداً، وليست النبوة إلا بالشرع المقرر من عند الله تعالى، فأخبر صلى الله عليه وسلم أنه صاحب النبوة قبل وجود الأنبياء في الدنيا

الباب الرابع في تقدم أخذ الميثاق عليه، زاده الله تعالى شرفاً وفضلاً لديه

روى ابن سعد عن الشعبي مرسلا قال: قال رجل: يا رسول الله متى استنبئت؟

قال: وآدم بين الروح والجسد حين أخذ منّي الميثاق.

وروى أبو سهل القطّان في أماليه، عن سهل بن صالح الهمذانيّ، قال: سالت أبا جعفر محمد بن علي: كيف صار محمد صلى الله عليه وسلم يتقدم الأنبياء وهو آخر من بعث؟ قال: إن الله لما اخذ من بني آدم من ظهورهم ذرياتهم وأشهدهم على أنفسهم: الست بربكم، كان محمد صلى الله عليه وسلم أول من قال بلى. ولذلك صار يتقدم الأنبياء وهو آخر من بعث.

قال الحافظ ابن رجب في اللّطائف: وخبر الشعبي يدل على أنه من حين صوّر آدم طيناً استخرج وأخذ منه صلى الله عليه وسلّم ونبئ واخذ منه الميثاق، ثم أعيد إلى ظهر آدم حتى يخرج وقت خروجه الذي قدر أيت خروجه فيه، فهو أولهم خلقاً، وآخرهم بعثاً، وهو آخر النبيّين باعتبار أن زمانه تأخّر عنهم.

لا يقال: خلق آدم قبله، لأن آدم كان حينئذ هواء لا روح فيه، ومحمد صلى الله عليه وسلم كان حيّاً حين استخرج ونبّئ واخذ منه الميثاق، ولا يقال إن استخراج ذرية آدم منه كان بعد نفخ الروح فيه، كما دلّ عليه أكثر الأحاديث والذي تقرر أنه استخرج ونبّئ قبل نفخ الروح في آدم، لأنه صلى الله عليه وسلم خص باستخراجه من ظهر آدم قبل نفخ الروح فيه فإن محمدا صلى الله عليه وسلم هو المقصود من خلق النوع الإنسانيّ، وهو عينه وخلاصته. ويستدل بخبر الشّعبي وغيره مما تقدم في الباب السابق على أنه صلى الله عليه وسلم ولد نبيّاً، فإنّ نبوّته وجبت له حين أخذ الميثاق حيث استخرج من صلب آدم فكان نبيّاً حينئذ، لكن كانت مدة خروجه إلى الدنيا متأخرة عن ذلك، وذلك لا يمنع كونه نبيّاً كمن تولى ولاية ويؤمر بالتصرف فيها في زمن مستقبل، فحكم الولاية ثابت له من حين ولايته، وإن كان تصرّفه يتأخّر إلى حين مجيء الوقت. والأحاديث السابقة في باب تقدم نبوته صلى الله عليه وسلم صريحة في ذلك. والله سبحانه وتعالى أعلم۔[175]

وسئل رسول الله ﷺ: متىٰ كنت نبيا؟ فقال: وآدم بين الروح والجسدُ

قوله: وآدم بين الروح والجسد:

قال الحافظ ابو نعيم فى الدلائل: ففى هذا الحديث الفضيلة لرسول الله ﷺ ولما أوجبه الله له النبوة قبل تمام خلق آدم، قال: ويحتمل ان يكون هذا الايجاب هو ما أعلم الله ملائكته ماسبق فى علمه وقضائه من بعثته له فى آخر الزمان، نقله الحافظ ابن كثير فى تاريخه وقال هذا الكلام يوافق ماذكرناه ولله الحمد من أنه اخباره عن التنويه بذكره فى الملأ الأعلى، وأنه معروف بذلك بينهم بأنه خاتم النبيين وآدم لم ينفخ فيه الروح، لأن علم الله تعالىٰ بذلك سابق قبل خلق السماوات والأرض لامحالة، فلم يبق إلا هذا الذى ذكرناه من الإعلام به فى الملأ الأعلى۔اه۔

وقال الشيخ تقى الدين رحمه الله تعالى فى كتابه "التعظيم والمنة": فى هذا من التنويه بالنبى ﷺ وتعظيم قدره العالى مالا يخفى، وفيه مع ذلك أنه على تقدير مجيئه فى زمانهم يكون مرسلاً إليهم فتكون نبوته ورسالته عامة لجميع الخلق من زمن آدم إلى يوم القيامة، وتكون الأنبياء وأممهم كلهم من امته، ويكون قوله ﷺ: بعثت الى الناس كآفة، لايختص به الناس من زمانه إلى يوم القيامة، بل يتناول من قبلهم أيضاً، ويتبين بذلك معنى قوله ﷺ: كنت نبياً وآدم بين الروح والجسد، وأن من فسره بعلم الله بأنه سيصير نبياً لم يصل إلى هذا المعنى، لأن علم الله محيط بجميع الاشياء، ووصف النبى ﷺ بالنبوة فى ذلك الوقت ينبغى أن يفهم منه أنه أمر ثابت له فى ذلك الوقت، ولهذا رأى آدم اسمه مكتوبا على العرش: محمد رسول الله، فلابد أن يكون ذلك معنى ثابتا فى ذلك الوقت، قال: ولو كان المراد بذلك مجرد العلم بما سيصير فى المستقبل لم يكن له خصوصية بأنه نبى وآدم بين الروح والجسد، لأن جميع الأنبياء يعلم الله نبوتهم فى ذلك الوقت وقبله فلابد من خصوصية للنبى ﷺ لأجلها أخبر بهذا الخبر إعلاماً لأمته ليعرفوا قدره عند الله تعالىٰ فيحصل لهم الخير بذلك۔اه۔باختصار۔

وقال الشيخ الغزالى فى نفخ الروح: وأما قوله ﷺ: كنت نبيا وآدم بين الماء والطين، فإشارة إلى أنه كان نبيا فى التقدير قبل تمام خلقه آدم، لأنه لم ينشاء خلق آدم إلا لينتزع الصافى من ذريته، ولا يزال يستصفى تدريجياً إلى أن يبلغ كمال الصفاء فيقبل الروح المحمدى، قال: واما قوله: انا اول الانبياء خلقا وآخرهم بعثا فالخلق ههنا هو التقدير دون الايجاد، فانه قبل ان

---

[175] (سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد ج ۱ ص ۸۴-۷۷)

تلده امه لم يكن مخلوقا موجودا ولكن الغايات والكمالات سابقة في التقدير، لاحقة في الوجود، وهو معنا قوله: ومعنى قولهم اول الفكرة آخر العمل، بيانه: أن المهندس المقدر للدار أول مايتمثل صورته في تقديره هي دار كاملة، وآخر مايوجد من اثر من اعماله هي الدار الكاملة، والدار الكاملة اول الاشياء في حق تقديرا، وآخر الاشياء وجودا۔اه۔

وقال الحافظ ابن رجب في اللطائف: المقصود من هذا الحديث: ان نبوة النبي ﷺ كانت مذكورة معروفة قبل ان يخلقه الله تعالىٰ ويخرجه الى الدار الدنيا حيا وان ذلک كان مكتوبا في ام الكتاب من قبل نفخ الروح في آدم صلى الله عليهما وسلم، نقله الصالحي في سبل الهدىٰ۔

وقال الطيبي في شرح المشكوة: المعنى كتبت خاتم الانبياء في الحال الذى آدم عليه السلام مطروح على الارض، حاصل في أثناء الخلقة لمايفرغ من تصويره واجراء الروح فيه۔[176]

الحقيقة المحمدية ﷺ

المقصد الاول: اعلم ياذا العقل السليم، المتصف باوصاف الكمال والتتميم وفقني الله واياک بالهداية الى الصراط المستقيم انه لماتعلقت ارادة الحق تعالىٰ بإيجاد خلقه، وتقدير رزقه، ابرز الحقيقة المحمدية (ﷺ) من الانوار الصمدية، في الحضرة الاحدية، ثم سلخ منها العوالم كلها، علوها وسفلها، على صورة حكمه، كماسبق في سابق ارادته وعلمه، ثم اعلمه تعالىٰ بنبوته، وبشره برسالته، هذا وآدم لم يكن الا كماقال ﷺ بين الروح والجسد ثم ان بجست منه ﷺ عيون الارواح فظهر بالملأ الأعلىٰ، وهو بالمنظر الأجل، فكان لهم المورد الاحلى فهو ﷺ، الجنس العالى على جميع الاجناس، والأب الاكبر لجميع الموجودات والناس، ولما انتهى الزمان بالاسم الباطن في حقه ﷺ إلى وجود جسمه، وارتباط الروح به انتقل حكم الزمان إلى الاسم الظاهر فظهر محمد ﷺ بكليته جسما وروحاً، فهو ﷺ وإن تأخرت طينته، عرفت قيمته، فهو خزانة السر، وموضع نفوذ الأمر، فلاينفذ أمر إلا منه۔[177]

ومن جواهر الامام القسطلاني ايضاً فضائله ﷺ

قوله رحمه الله تعالىٰ في المقصد الرابع ايضاً: اعلم نور الله قلبي وقلبک وقدس سري وسرک إن الله تعالىٰ قد خص نبينا ﷺ بأشياء لم يعطها النبي قبله، وماخص نبي بشئ إلا وكان لسيدنا محمد ﷺ مثله فإنه أوتي جوامع الكلم، وكان نبياً وآدم بين الروح والجسد وغيره من الانبياء، لم يكن نبيا إلا في حال نبوته وزمان رسالته، ولما أعطى هذه المنزلة علمنا إنه ﷺ الممد لكل إنسان كامل مبعوث، ويرحم الله الأديب شرف الدين البوصيري فلقد احسن حيث قال:

وكل اى اتى الرسل الكرام بها　　فإنما اتصلت من نوره بهم

---

[176] (مناحل الشفا ومناهل الصفا بتحقيق كتاب شرف المصطفى ﷺ ج ١ ص ٢٩١-٢٩٠)

[177] (جواهر البحار ج ٢ ص ٦-٥)

فإنه شمس فضل هم كواكبها　　يظهرن أنوارها للناس في الظلم[178]

فان قلت فمامعنى قوله ﷺ كنت نبيا وآدم بين الماء والطين ؟والنبى هو المخبر عن الله ،وكيف صح اخباره ﷺقبل أن يخلق؟وقبل وجود من يخبرهم؟

فالجواب: كماقاله الشيخ في الباب الخامس وثلاث مائة من الفتوحات ،معناه أن رسول الله ﷺ كان يعرف ذاته بذاته بإذن الله في غير مجلى قبل أخذ الميثاق ،وهو الحال التى التعريف فى ذلک الحال۔فإن النشأة الإنسانية كانت مبثوثة فى العناصر ومراتبها إلى حين وجودها ،لكن من الناس من أعطى فى ذلک الموطن شهود نفسه ،ومرتبته إماعلى غاياتها بكمالها ،وإماأن يشهد صورة مامن صوره ،وهى عين تلک المرتبة التى له فى الدنيا ،فيعلمها ليحكم على نفسه بها ،وهناشاهد ﷺنبوته ،ولاندرى هل شهد صور جميع أحواله أم لا ،قال تعالىٰ:وَأَوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا (فصلت:١١٢)فمامن فلک من الافلاک التسعة إلا وللانسان صورة فيه ،فيحفظها ذلک الفلک إلى وصول وقتها ،فوجودها كوجود الصورة الواحدة فى المرائى الكثيرة المختلفة الأشكال من طول وعرض ،واستقامة وتعويج ،واستدارة وتربيع ،وتثليث ،وصغر وكبر ،فتختلف صور الأشكال باختلاف المجلى ،والعين واحدة فلذلک قلنا أنه ﷺكان يعرف ذاته بذاته من غير مجلى بإذن تعالىٰ ،وإذا كان بهذه المثابة لم تؤثر فيه المراتب إذا نالها قال ﷺ وهو فى المرتبة العليا:"أناسيد ولد آدم ولا فخر"فلتحكم فيه المرتبة ،وقال فى وقت آخر وهو فى مرتبة الرسالة والخلافة:"انما انا بشر مثلكم"

فلم تحجبه المرتبة عن معرفة نشأته ،وسبب ذلک أنه رأى لطيفة ناظرة إلى مركبها العنصرى وهو متبدد فيها ،فشاهد ذاته العنصرية ،فعلم أنها تحت قوة الأفلاک العلوية ،ورأى المشاركة بينها وبين سائر الخلق الأناسى والحيوان والنبات والمعدن ،فلم ير لنفسه من حيث نشأته العنصرية فضلاً على أحد ممن تولد عنها ،بل رأى نفسه مثلاً لهم ورآهم أمثالاً له فقال:"انما انا بشر مثلكم"وكان يتعوذ من الجوع ،فما افترق عنا إلا بقوله يوحى إلى ،فقد عرفت معنى قوله ﷺ:كنت نبيا وآدم بين الماء والطين ،وإن هذا القول إنما كان بلسانک تلک الصورة التى هو فيها مما هو معدود من صور تلک المراتب فترجم لنا فى هذه الدار عن تلک الصورة۔

فإن قلت:فهل أعطى أحد النبوة وآدم بين الماء والطين غير محمد ﷺ؟فالجواب لم يبلغنا أن أحدا أعطى ذلک ،إنما كانوا أنبياء أيام رسالتهم المحسوسة۔

فإن قلت:فلم قال كنت نبيا وآدم بين الماء والطين ،ولم يقل كنت إنساناً ،أو كنت موجوداً؟

فالجواب:إنما خص النبوة بالذكر دون غيرها ،إشارة إلى أنه اعطى النبوة قبل جميع الانبياء ،فإن النبوة لاتكون إلا بمعرفة الشرع المقدر عليه من عند الله تعالىٰ۔

فإن قلت:فمامعنىٰ قولهم إنه ﷺأول خلق الله؟هل المراد به خلق مخصوص أو المراد به الخلق على الاطلاق؟

---

[178](جواهر البحار ج٢ ص١٢)

فالجواب: كماقاله الشيخ فى الباب السادس: إن المرادبه خلق مخصوص وذلک أن أول ماخلق الله الهباء، وأول ماظهر فيه حقيقة محمدﷺقبل سائر الحقائق۔

وإيضاح ذلک: أن الله تبارک وتعالىٰ لماأرادبدءظهور العالم على حدماسبق فى علمه انفعل العالم عن تلک الإرادة المقدسة بضرب من تجليات لتزيه إلى الحقيقة الكلية، فحدث الهباء، وهو بمنزلة طرح البناءالجص ليفتتح فيه من الأشكال والصور ماشاء، وهذاهو اول موجود فى العالم، ثم إنه تعالىٰ تجلى بنوره إلى ذلک الهباءو العالم كله فيه بالقوة، فقبل منه كل شئى فى ذلک الهباءعلى حسب قربة من النور، كقبول زوايا البيت نورالسراج، فعلى حسب قربة من ذلک النوريشتدضوءه وقبوله، ولم يكن أحدأقرب إليه من حقيقة محمدﷺفكان أقرب قبولاًمن جميع مافى ذلک الهباء، فكان ﷺمبدأظهور العالم وأول موجود۔

ثم قال: فعلم كماقاله الشيخ محى الدين فى الفتوحات، إن مستمدجميع الأنبياءوالمرسلين من روح محمدﷺ، إذهو قطب الأقطاب، فهو ممدلجميع الناس اولاوآخرا، فهو ممدكل نبى وولى سابق على ظهوره حال كونه فى الغيب، وممدأيضاًلكل ولى لاحق به، فيوصله بذلک الإمدادإلى مرتبة كماله فى حال كونه موجوداًفى عالم الشهادة وفى حال كونه متنقلاًإلى الغيب الذى هو البرزخ والدار الآخرة، فإن انوار رسالته ﷺغير منقطعة عن العالم من المتقدمين والمتأخرين۔

فإن قلت: قدوردفى الحديث: ”اول ماخلق الله نورى“ وفى رواية ”أول ماخلق الله العقل“ فماالجامع بينهما؟

فالجواب: إن معناهماواحد، لأن حقيقة محمدﷺتارة يعبر عنها بالعقل الاول وتارة بالنور۔[179]

(كنت نبياً) في عالم الغيب لا يقال إن أريد التقدير فغيره من الأنبياء كذلک وإن أريد البعثة فما هي مراده ضرورة لأنا نقول يجب الإيمان بما أخبر به - صلى الله عليه وسلم - من غير تفتيش عن الكيفية التي كان عليها، وقيل: المراد أنه تعالى أخبره بمرتبته وهو روح قبل إيجاد الأجسام الإنسانية كما أخذ الميثاق علي بني آدم قبل إيجاد أجسامهم ذكره ابن العربي:[180]

اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا سب کچھ حضور ﷺ کیلئے پیدا ہوا

جیسا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

---

[179] (جواهر البحار ج ۲ ص ۵۶-۵۴)

[180] (التَنويز شَرحُ الجَامِع الصَّغِيرِ ج ۸ ص ۲۴۲)

محدث خیر الامم امیر المومنین خلیفۃ المسلمین غیظ المنافقین مراد رسول ﷺ ، تاجدار عدالت حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم رسول محتشم نور مجسم شفیع معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

۱۔لما اقترف آدم الخطیئۃ، فقال یارب اسئلک بحق محمد لما غفرت لی۔

جب حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے عرض کیا اے رب کریم میں تجھ سے محمد کریم ﷺ کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما اس پر اللہ تعالیٰ کریم نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا ابھی تک تو ان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی آدم علیہ السلام نے عرض کیا مولا جب تو نے مجھ اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اپنی روح مجھ میں پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے ستون پر لکھا ہوا دیکھا۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ۔ پس میں نے جان لیا کہ تیرے نام کے ساتھ اس کا نام ہو سکتا ہے جو تجھے مخلوق میں سب سے محبوب ہے۔ **وقال اللہ تعالیٰ صدقت یا آدم** ۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام تو نے سچ کہا کہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا وہی محبوب ہے۔ اب جب کہ تو نے اس کے وسیلے سے دعا کی ہے تو **فقد غفرت لک** ۔ پس تحقیق میں نے تمہیں معاف فرما دیا ہے۔ اور (سن لو) **ولو لا محمد ما خلقتک** اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔[181]

---

[181] (مستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۶۷۲ رقم الحدیث ۴۲۲۸، تفسیر روح البیان تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۱۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، تفسیر درمنثور تحت الآیۃ سورۃ البقرۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۶۰ ضیاء القرآن پبلی کیشن لاہور، ہکذا فی تفسیر روح المعانی، المعجم الاوسط من اسمہ محمد ج ۵ ص ۳۶ رقم الحدیث ۶۵۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۱۳ء، مجمع الزوائد و منبع الفوائد کتاب علامات النبوۃ باب عظیم قدرہ ج ۸ ص ۳۲۳ رقم الحدیث ۱۳۹۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کتاب الفضائل سیدنا محمد ﷺ ج ۱۱ ص ۲۰۶ رقم الحدیث ۳۲۱۳۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، تاریخ دمشق الکبیر ذکر من اسمہ ادریس ج ۷ ص ۳۰۹ رقم الحدیث ۱۹۷۸ دار الاحیاء التراث العربی بیروت، تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۶۰ دار المسیرۃ بیروت لبنان، الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ الباب الثالث الفصل الاول فبینما ورد من ذکر مکانتہ ج ۱ ص ۱۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب باب خصوصیتہ ﷺ بکتابۃ اسمہ ج ۱ ص ۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت، الریاض الانیقۃ فی شرح اسماء خیر الخلیقۃ ص ۵۴ شبیر برادرز لاہور پاکستان، نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض الباب الثالث فصل فی تعظیم النبی ﷺ وتوقیرہ وجلالہ ج ۴ ص ۴۸۶ دار العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۰۱ء، دلائل النبوۃ ومعرفۃ الاحوال صاحب الشریعۃ ج ۵ ص ۴۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۰۸ء، جامع الآثار فی مولد النبی المختار ﷺ ج ۱ ص ۳۹۱ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۰۹ء، تفسیر الروح البیان تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۱۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، تفسیر درمنثور تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۶۰ ضیاء القرآن پبلی کیشن لاہور، تفسیر روح المعانی تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۳۲۰ مکتبۃ رشیدیۃ کوئٹہ پاکستان، تفسیر فتح العزیز تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ص ۳۷۴ نوریۃ رضویہ پبلی کیشنز لاہور، المواہب اللدنیۃ المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ ج ۱ ص ۵۲ فرید بک اسٹال لاہور پاکستان، المواہب اللدنیہ المقصد العاشر فصل فی زیارۃ قبرہ الشریف ج ۳ ص ۶۲۰ فرید بک اسٹال لاہور پاکستان، مصابیح السیرۃ المحمدیۃ ج ۱۲ ص ۲۲۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء، الوفاء باحوال المصطفی ﷺ الباب الاول ج ۱ ص ۳۳ مکتبۃ نوریۃ رضویۃ فیصل آباد پاکستان، البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۳۱ دار الفکر بیروت لبنان، انسان العیون فی سیرۃ امین المامون باب ماجاء من امر رسول اللہ عن اخبار الیہود ج ۱ ص ۳۱۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد جامع ابواب التوسل الباب الثانی ج ۱۲ ص ۴۰۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۴ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان، جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۲۷۷ اکبر بک سیلرز لاہور پاکستان، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ﷺ الباب الثامن الفصل الاول ج ۴ ص ۱۹۳ مکتبۃ الحقانیۃ پشاور پاکستان، جواہر المعظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم ص ۲۱۲ مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور پاکستان، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ص ۱۸۹ ادارہ مصباح القرآن ساہیوال پاکستان، الفتاویٰ الحدیثیہ مطلب فی ان الادلۃ المعتبرۃ قامت علی تفصیل نبینا ص ۳۳۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزات سید المرسلین ص ۲۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۲۱۹-۲۶۵ نوریۃ رضویۃ پبلی کیشنز لاہور، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ من جواہر شیخ اسماعیل حقی ج ۲ ص ۲۹۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، مولد رسول اللہ ﷺ ص ۱۹ مرکز تحقیقات اسلامیۃ لاہور پاکستان، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ص ۸۶ ج ۳۲ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار من جواہر ابن حجر ج ۲ ص ۱۳۷، حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزاۃ الباب الثانی الفصل الثالث القسم الرابع ص ۵۷۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت، الانوار المحمدیۃ من المواہب المواہب اللدنیہ المقصد الاول ص ۱۴ حقیقت کتابوی ترکی استنبول ۲۰۱۱ء، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۴ ص ۴۷ من جواہر السمودی دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۹۹۸ء، مصباح الظلام باب ماجآء فی استغاثۃ سیدنا آدم ابی البشر بالنبی ﷺ ص ۶۰ مکتبۃ قادریۃ لاہور پاکستان، شواہد الحق فی استغاثۃ بسید الخلق ص ۲۱۷ حامد اینڈ کمپنی لاہور پاکستان، شفاء النواد بزیارۃ خیر العباد ص ۲۸۲ کاروان اسلام پبلی کیشنز لاہور پاکستان، السیرۃ

گر ارض وسما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو:

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے پاک پیغمبر حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ **یعیسیٰ !آمن بمحمدوأمرمن ادرکه من امتک أن یؤمنوا به.....** یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام !تم بھی ایمان لاؤ محمد کریم ﷺ پر اور امت کو بھی حکم دو جو بھی ان کا زمانہ پائے تو ضرور ان پر ایمان لائے....

فلو لا محمد ﷺ ما خلقت آدم..... اگر سیدنا محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو بھی پیدا نہ کرتا۔

و لو لا محمد ﷺ ما خلقت الجنة و لا النار.... اور اگر سیدنا محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دوزخ۔

ولقدخلقت العرش علی المآءفاضطرب فکتبت لااله الاالله محمدرسول الله فسکن..... اور جب میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو مضطرب ہوا تو میں نے اس پر **لا اله الا الله محمد رسول الله** لکھا تو وہ ٹھہر گیا۔[182]

نہ جنت ہوتی نہ دوزخ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور شہنشاہ حسینان عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **اتانی جبریل فقال یامحمد ﷺ لولاک لما خلقت الجنة و لولاک ما خلقت النار۔** جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو نہ جنت کو پیدا کیا جاتا اور نہ دوزخ کو۔[183]

النبوية للدحلان مکی ج ا ص ۱۵ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان، (یہی حدیث شریف دیوبندیوں اور غیر مقلدین کی درج ذیل کتابوں میں موجود ھے۔) شیخ ابن تیمیه کتاب الوسیلة ص ۹۰ اسلامی اکیڈمی لاہور، شیخ اشرف علی تھانوی نشر الطیب ص ۱۳ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، شیخ زکریا کاندھلوی فضائل درود شریف ص ۱۵۶ کتب خانه اشرف کراچی پاکستان، شیخ عنایت شاہ باغ جنت ص ۳۶۱ مکتبة الحسن لاہور، مفتی حبیب دیوبندی تحقیق مسئله توسل ص ۶۸ سرگودھا پاکستان، عابد میاں رحمة اللعلمین ص ۳۹۷، ۱۵۹، ۱۳۶، ۹۲ محمدی دین اینڈ سنز کراچی پاکستان، هدیة المهدی ص ۴۸ چشتی کتب خانه فیصل آباد)

[182] (مستدرک علی الصحیحین کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء باب ذکر سید المرسلین ج ۲ ص ۶۷۲ رقم الحدیث ۴۲۲۷ دار الکتب العلمیه لبنان، مصابیح السیرة المحمدیة ج ا ص ۸۶ دار الکتب العلمیه بیروت، کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب باب خصوصیته ﷺ ج ا ص ۱۴ دار الکتب العلمیه لبنان، حاشیه شهزاده علی الخرپوتی ص ۷۱ نور محمد اصح المطابع کراچی، الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ باب الاول ص ۴۸ حامد اینڈ کمپنی لاہور پاکستان، تفسیر روح البیان ج ۶ ص ۲۰ الفتاویٰ الشهاب الدین الرملی ص ۲۹۴ سورة الفرقان الآیة دار الکتب العلمیة بیروت، شواهد الحق فی الاستغاثة فی سید الخلق ﷺ ص ۲۶۵ حامد اینڈ کمپنی لاہور پاکستان، الفتاویٰ الحدیثیة مطلب فی ان الادلة المعترة ص ۳۳۲ دار الکتب العلمیه بیروت لبنان، اس حدیث شریف کے متعلق امام حاکم لکھتے ھیں۔ هذا حدیث صحیح الاسناد یعنی اس حدیث کی سند صحیح ھے۔)

[183] (الاسرار المرفوعة فی اخبار الموضوعة ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانه کراچی، کنز العمال کتاب فضائل نبینا محمد ﷺ ج ۱۱ ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۳۲۰۲۲ دار الکتب العلمیه بیروت لبنان۔ مصابیح السیرة المحمدیة ج ا ص ۸۶ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث قدسی مروی ہے کہ حضور جان کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: **یقول اللہ عزوجل وعزتی وجلالی لولاک ماخلقت الجنۃ ولولاماخلقت الدنیا.....** یعنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم، اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دنیا کو پیدا کرتا۔[184]

یہاں ہم قارئین کی ضیافت طبع اور حدیث شریف کی وضاحت کیلئے مناظر اہلسنت، منبع علم وحکمت، عالم باعمل، شیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا محمد عنایت اللہ قادری رضوی حامدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ درج کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ جنت ہوتی اور نہ دوزخ۔ ارے جنت جنت کرنے والو! جنت بھی مصطفیٰ ﷺ کے صدقے میں بنی ہے بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس طرح کوئی اپنے محبوب کے سر کا صدقہ دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان کے لائق اپنے محبوب وحبیب ﷺ کے سر کا صدقہ بنادی۔ (اپنی مخلوق کیلئے)۔

نہ زمین وآسمان ہوتے:

الامام، المحدث، سیف الدین ابی جعفر ابن طغربک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **الدر النظیم فی مولدالنبی الکریم** ﷺ، میں لکھتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کو الہام فرمایا کہ وہ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گزار ہوں۔ **یارب لم کنیتنی ابامحمد**۔ یعنی اے میرے رب عزوجل! میری کنیت ابو محمد کیوں ہے؟ **قال اللہ تعالیٰ: یاآدم ارفع رأسک.....** اللہ کریم جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: اے آدم اپنا سر اٹھاؤ....

فرفع رأسہ فرای نورمحمدعلی سرادق العرش..... پس انہوں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ نور محمد عرش کے ارد گرد چھایا ہوا ہے۔ **فقال یارب ماھذاالنور؟** عرض کیا یااللہ یہ نور کیسا ہے؟ **قال ھذانورنبی من ذریتک اسمہ فی السماءاحمدوفی الارض محمد....** ارشاد ہوا کہ یہ نور اس نبی کا ہے جو تیری اولاد میں سے ہوگا اس کا نام آسمانوں میں احمد ہوگا اور زمین میں محمد ﷺ۔ **لولاہ ماخلقتک ولاخلقت سماءولاارضا.....**

اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین وآسمان کو پیدا کرتا۔[185]

نہ جن ہوتے نہ فرشتے:

---

[184] (مسندالفردوس، بماثورالخطاب، باب الیاء، ج۵، ص۲۲۷، رقم الحدیث ۸۰۳۱ دارالکتب العلمیہ بیروت، الاسرار المرفوعہ فی اخبار الموضوعۃ رقم الحدیث ۷۵۵ ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج ۱ ص ۷۵ الباب الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[185] (مواھب اللدنیہ مع زرقانی باب فی تشریف اللہ تعالیٰ، ج ۱ ص ۸۵-۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، الانوار المحمدیۃ من المواھب اللدنیہ المقصدالاول فی تشریف اللہ تعالیٰ ...ص ۱۳-۱۲ حقیقت کتابوی ترکی، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار، من جواھر سید عبداللہ مرغنی، ج۴ ص ۱۲۱ دارالکتب العلمیہ بیروت استنبول)

علامہ صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ **لولاک ماخلقت سمآء ولاارضاًولاجناولاملکا**۔اے پیارے محبوب ﷺ اگر تم نہ ہوتے تو نہ میں آسمانوں کو پیدا کرتا اور نہ زمین کو جنات کو اور نہ ہی فرشتوں کو پیدا فرماتا۔[186]

نہ عرش ہوتا نہ کرسی نہ لوح وقلم:

علامہ شیخ محمد المغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ **فبینماآدم یسیر فی الجنة**۔آدم علیہ السلام جنت میں سیر کررہے تھے کہ (کیادیکھا)

اذرای نورسیدنامحمدفی سرادق العرش۔انہوں نے دیکھا کہ نور محمد ﷺ عرش کے کناروں پر **واسمه مکتوباعلیه ومقرونا باسم الرب جل جلاله** اور محمد ﷺ کانام نامی اسم گرامی عرش پر لکھاہے اوروہ بھی رب تعالیٰ جل جلالہ کے نام مبارک کے ساتھ تو آدم علیہ السلام نے عرض کیایارب **من هذاالذی قرن اسمه باسمک** اے میرے رب عزوجل یہ کون ہے جس کانام تیرے نام کے ساتھ لکھاہے **قال هذانبی من ذریتک اسمه فی السماءاحمدوفی الارض محمد**(ﷺ)۔ارشادہواکہ یہ آپ کی اولادمیں سے نبی ہیں جن کانام آسمانوں پراحمداورزمین پرمحمد(ﷺ)ہے۔**فلولاہ ماخلقتک ولاخلقت عرشاولاکرسیاولالوحاولاقلماولاسماءلاارضاولاجنة ولانارااولادنیاولااخری**۔اے آدم !اگریہ نہ ہوتے تومیں نہ تجھے پیداکرتااورنہ عرش وکرسی کوپیداکرتانہ لوح وقلم کوپیداکرتانہ زمین وآسمان کوپیداکرتانہ جنت ودوزخ کوپیداکرتااورنہ دنیاکوپیداکرتااورنہ آخرت کوپیداکرتا...[187]

معلوم ہواکہ ساری کائنات رب کائنات نے اپنے محبوب علیہ السلام کی محبت ووجاہت وعزت کی خاطرپیدافرمائی۔کیاخوب قلم اٹھایابریلی کے تاجدارعلیہ رحمۃ الغفاروالستارنے۔

زمین وزماں تمہارے لئے،مکین ومکاں تمہارے لئے　چنین وچناں تمہارے لئے،بنے دوجہاں تمہارے لئے

وہ کنزنہاں یہ نورفشاں وہ کن سے عیاں یہ بزم فکاں　یہ تن وجاں یہ باغ جناں یہ ساراساماں تمہارے لئے

یہ شمس وقمریہ شام وسحریہ برگ وشجریہ باغ وثمر　یہ تیغ وسپریہ تاج وکمریہ حکم رواں تمہارے لئے

نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی نہیں　خبرہی نہیں جورمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے[188]

---

[186] (الاسرارالمرفوعةفی اخبارالموضوعة ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی، کنزالعمال کتاب فضائل نبینامحمدﷺ ج ۱۱ ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۳۲۰۲۲ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔مصابیح السیرۃ المحمدیۃ ج ۱ ص ۸۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[187] (کاروان قمرجنوری ۲۰۱۶ ص ۳۱، جواہرالبحارفی فضائل النبی المختارﷺ ج ۳ ص ۳۷۷ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[188] (حدائق بخشش حصہ دوم ص ۷۳-۷۲ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

نہ سورج ہوتا نہ چاند:

ایک روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چاند نہ ہوتا تو آسمان کا چاند بھی نہ ہوتا اور اگر یہ نبوت ورسالت کا سورج طلوع نہ ہوتا تو آسمانوں کا سورج بھی نہ ہوتا۔ اگر یہ نور ہے آفتاب کا تو صدقہ اسی عالی جناب کا اگر وجود کا ماہتاب کا تو بھی وسیلہ ہے رسالت مآب کا، پڑھیئے علامہ نبہانی علیہ رحمۃ الوہاب کا۔ **ولاالطول ولاالعرض** ...اور نہ لمبائی کو نہ چوڑائی کو **ولاوضع ثواب ولاعقاب**.....اور نہ ثواب ،عذا ب کا تقرر ہوتا **ولاخلقت جنة ولانارا**....اور نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دوزخ کو پیدا۔ **ولاشمساولاقمرا**....اور نہ سورج کو پیدا کرتا اور نہ چاند کو پیدا کرتا۔[189]

وجہِ تخلیق کائنات:

صحابیٔ رسول حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حضور جان کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب عزوجل فرماتا ہے کہ اگر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے تو آپ (ﷺ) کو اپنا حبیب بنایا ہے، میری مخلوق میں آپ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی بھی عزت والا نہیں۔ **ولقد خلقت الدنيا وأهلها لأعرفهم كرامتك ومنزلتك عندي**۔ یعنی میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لئے پیدا کیا کہ ان کو آپ (ﷺ) کے مقام و مرتبہ کی پہچان کراؤں اور بتاؤں کہ میرے نزدیک آپ کا کیا مرتبہ اور مقام ہے۔ **ولولاک ماخلقت الدنيا**۔ اور اگر آپ (ﷺ) نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔[190]

کونین بنائے گئے سرکار ﷺ کی خاطر:

مفسر قرآن علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ: خالق مصطفیٰ جل وعلا نے اپنے پیارے مصطفیٰ ﷺ سے ارشاد فرمایا: **لولاک یامحمدماخلقت الکائنات**...یعنی اے محمد ﷺ! اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔[191]

---

[189] (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ج ۲ ص ۴۴۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، من جواہر ابن حجر ج ۲ ص ۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[190] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲ ص ۲۳۶ دار الفکر بیروت/تهذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۲۳ دار المهره، سبل الهدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۷۵ دار الکتب العلمیه ،المواهب اللدنیه ج ۱ ص ۵۳ مقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ...فرید بک سٹال لاہور، مصابیح السیرة المحمدیة ص ۱۲۰-۱۲۱ دار الکتب العلمیه بیروت لبنان، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۴۶۵ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۲ ص ۲۶۹ دار الکتب العلمیه بیروت لبنان، الانوار المحمدیة من المواهب اللدنیه المقصد الاول ص ۱۵-۱۴ حقیقت کتابوی ترکی استنبول)

[191] (جواہر البحار ج ۲ ص ۳۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، تفسیر روح البیان ج ۶ ص ۲۰۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

دوسرے الفاظ یوں ہیں: **لولاک لماخلقت الافلاک.....** محبوب پیارے (ﷺ)! اگر تو نہ ہوتا میں ہفت افلاک کو بھی پیدا نہ کرتا۔[192]

نوٹ: دیوبندی علماء کی بھی ایک کثیر تعداد نے حدیث لولاک یعنی مندرجہ بالا حدیث لکھی ہے چند ایک حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔[193]

حضرت شیخ الحدیث محمد نصر اللہ خان نور اللہ مرقدہ جعل الجنۃ مثواہ بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین مقدمہ عید میلاد النبی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ **اسعدک اللہ تعالیٰ** بدانکہ آن صاحب تاج **لولاک سید الارض والافلاک ومافیھن** شہنشاہ کونین سرور دارین وہ ذات ہے جو ہر ذات سے برتر۔ اس کی ہر ہر صفت کونین کی تمام صفات سے اعلیٰ اور ہر عیب وشین سے منزہ ومبراء ہے کائنات کے کل فضائل اعلیٰ وکمالات بالا کا منبع وسرچشمہ ساری خدائی کا مرجع ومنشاء ہے ہر زین سے مزین وپیراستہ اور تمام اخلاق جمیلہ سے آراستہ وشائستہ ہے آپ ہی وہ انسان کامل ہیں جس کو خالق عالم اپنی جمال ذات واپنی تمام صفات جلال وجمال کا مظہر اتم بلکہ شفاف آئینۂ افخم گردانا ہے۔ پوری خدائی کو آپ ﷺ ہی کی خاطر ہستی پر ظاہر فرمادیا ہے۔ پس فیض وہدایت عرفان ودلالت میں ہر ایک شئے آپ ﷺ کی محتاج رہی کہ خالق عالم نے جس کو جو بھی عطا کیا یا جو بھی جس سے لے لیا یہ سب آپ ﷺ ہی کیلئے کیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ سے نبیوں کو نبوت ملی آپ ﷺ کی خاطر ولیوں کو ولایت سے نوازا گیا آپ ﷺ کی خاطر ثواب وعقاب کی خاطر غرض کہ مقصود ذات اوست دیگر جملگی طفیل۔ منظور نور اوست دیگر جملگی ظلام۔ کہ **لولاک لولاک لمااظھرت الربوبیۃ**۔ اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں ہرگز ہرگز اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ فرماتا اور ظاہر کہ اگر ربوبیت کا ظہور نہ ہوتا تو یقیناً مربوبیۃ نہ ہوتی کوئی شئے نہ ہوتی کہ ماسوی اللہ، اللہ کے مربوب ہیں خدائی کا ظہور اسی نور کی خاطر رہا ہے۔[194]

مولانا فقیر ابو الفیض ابو محمد حبیب الرحیم "الدولۃ المدنیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" میں لکھتے ہیں کہ **لولاک لماخلقت الدنیا** یعنی اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔ دنیا میں تحت الثریٰ تک جو کچھ بھی ہے تمام آپ ﷺ کی خاطر اور آپ ﷺ کیلئے پیدا فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ تمام اشیاء کی اصل اور منبع ہیں۔ جیسے خود حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ **انا من نور اللہ وکل شئی من نوری**۔ میرا نور اللہ کے نور سے مخلوق ہے اور تمام اشیاء (عرش معلیٰ سے تحت الثریٰ تک) میرے نور مطہر سے ظہور میں آئے ہیں۔ یعنی تمام اشیاء میرے نور مطہر میں ودیعت رکھی ہوئی تھیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آئیں اور جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ رب تعالیٰ

---

[192] ملا علي قاري (١٠١٤هـ)، الأسرار المرفوعة ٢٨٨•

[193] (فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲ ص ۱۳۴ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی پاکستان، الشھاب الثاقب ص ۴۷ کتب خانہ رحیمیہ یوبند سھارن پور بھارت، براھین القاطعہ افادات شاہ عبد الغنی پھولی نوری مرتب حکیم محمد اختر ص ۱۱۰ کتب خانہ مظھری کراچی، صدائے محراب ج ۱ ص ۱۳۳۴ ادارہ تالیفات ختم نبوت لاھور، ۶۳ نکات میلاد النبی ص ۱۳۵ ادارۃ نشریات اھلسنۃ جامعہ ابی صدیق عمر کالونی کبیر والا، شرف المصطفیٰ ص ۲۳ شعبہ نشر واشاعت مجلس صیانۃ مسلمین ھارون آباد بھاولنگر، تقاریر اسعد محمود مکی ص ۱ مرکز الشیخ زکریا فیصل آباد، مضامین ومقالات عبد الحکیم سکھروی ص ۱۳۴۲ ادارۃ المعارف کراچی، احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۴ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ملفوظات محدث کشمیری ص ۱۸۴ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، باادب بانصیب ص ۳۷ مکتبہ الفقیر فیصل آباد، فضل الرحمن دھرم کوٹی بھارستان شرح اردو بوستان ص ۲۵ مکتبۃ المصباح لاھور)

[194] (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۱۸ وکذا جآء فی الحدیث القدسی حدیث الاسراء لولاک لماخلقت الافلاک) (ص ۴)

فرماتاہے۔**لولاک لماخلقت الافلاک** یعنی اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ کو ظہور میں نہ لاتا تو آسمانوں کو پیدا نہ فرماتا اور **لولاک لمااظھرت الربوبیۃ**۔یعنی اور اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ کو پیدا نہ فرماتا تو اپنی خدائی کو ظہور میں نہ لاتا۔

علمائے دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلا م نے محمد ﷺ کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔[195]

لولاک لماخلقت الافلاک حدیث قدسی ہے کہ اے محبوب ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ فرماتا اس حدیث شریف کو عظیم المرتبت محدثین کرام علیہم الرحمۃ کے علاوہ دیوبندیوں کے نہایت ہی مستند مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب عطر الوردۃ میں درج کیا ہے مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ آپ ہی باعث ایجاد خلق ہیں کہ **اول ماخلق اللہ نوری وقال اللہ تعالیٰ مخاطبا لآدم علیہ السلام لولاہ ماخلقتک وورد ایضاً لولاک لماخلقت الافلاک**۔[196]

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اگر وہ حضور پر نور ﷺ نہ ہوتے تو دنیا خود عدم سے وجود کی طرف نہ آتی اور موجود نہ ہوتی خلاصہ یہ ہے کہ خود دنیا کا وجود رسول پاک ﷺ کے طفیل سے ہے۔

ہے انہیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار　　گر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو گر وہ نہ تھے عالم نہ تھا

شیخ الامام قدوۃ الانام شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی لئے عرض کیا ہے۔

وکیف تدع الی الدنیا ضرورۃ من　　لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔اور کیوں کر دنیا کی طرف ضرورتیں ایسے نفس زکی کو بلا سکتی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے اور دنیا میں جلوہ افروزی نہ فرماتے تو دنیا عدم سے **منصۂ شہود** پر ظاہر نہ ہوتی۔

محمد (ﷺ) کی جلوہ نمائی نہ ہوتی　　تو دارین میں روشنائی نہ ہوتی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

---

[195] (نشر الطیب ص ۱۰ مطبوعہ دیوبند)

[196] (عطر الوردہ ص ۲۴ دیوبند)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ **لولاہ لماخلق اللہ سبحانہ الخلق ولمااظھر الربوبیۃ** ۔ اگر حضور پر نور ﷺ کی ذات بابرکات نے اس عالم دنیامیں ظہور نہ فرماناہوتا تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا ہی نہ فرماتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا۔

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی جو کہ طائفہ دیوبندیہ کے جید عالم اور مدرسہ دیوبند کے چشم وچراغ ہیں نے بھی حدیث قدسی اس طرح درج کی ہے۔**لولاک لماخلقت الافلاک ولولاک لمااظھرت الربوبیۃ**۔یعنی اے میرے محبوب ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا ہی نہ فرماتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ فرماتا۔

گر ارض وسما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو　　یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

مولوی رشید احمد صاحب لدھیانوی دیوبندی احسن الفتاویٰ میں لکھتے ہیں ۔امام شہاب الدین احمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری نے کتاب مواہب اللدنیہ میں نقل کیاہے۔**قال اللہ تعالی: یا آدم ارفع رأسک، فرفع رأسہ فرأی نور محمد-صلی اللہ علیہ وسلم-فی سرادق العرش، فقال: یا رب، ما ھذا النور؟ قال: ھذا نور نبی من ذریتک اسمہ فی السماء أحمد، وفی الأرض محمد، لولاہ ما خلقتک ولا خلقت سماء ولا أرضا.**[197]

یہ روایت حضرت شیخ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انوار محمدیہ میں لائے ہیں ۔مذکورہ دونوں کتابوں (مواہب اللدنیہ اورانوار محمدیہ)میں حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تابعی کا قول منقول ہے۔حضرت کعب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تورات وانجیل کے بھی بڑے عالم تھے اور قرآن وحدیث کے بھی بڑے ماہر تھے۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔**ان آدم وجمیع المخلوقات خلقوا لاجل محمد ﷺ رواہ البیھقی**۔

حق تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتاہے۔**لولاک لمااظھرت الربوبیۃ**۔(دیوبند کے)حضرت حکیم الامت الشاہ اشرف علی تھانوی نشرالطیب میں تحریر فرماتے ہیں ۔**عن عمر الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی ﷺ قال اللہ تعالیٰ لآدم یآدم لولا محمد ماخلقتک رواہ حاکم وصححہ البیھقی والطبرانی ۔قال اللہ تعالیٰ یآدم لولا محمد ﷺ ماخلقتک وھو آخر الانبیاء**۔[198]

علامہ امام زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مواہب اللدنیہ ج ا میں لکھتے ہیں ۔**عن ابی الشیخ والحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسی بن مریم علیہ السلام۔یاعیسیٰ! لولا محمد ماخلقت آدم ولا الجنۃ ولا النار وروی الحاکم مثلہ وصححہ ورواہ السبکی والبلقینی، قال اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی لولا محمد ماخلقت عرشا ولا کرسیا ولا سمآء ولا ارضا ولا جنۃ**

---

[197] (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۵، المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ا ص ۴۷ المکتبۃ التوفیقیۃ، القاھرۃ-مصر)

[198] (الدرر النظیم فی مولد النبی الکریم ﷺ)

ولانارا ولا لیلا ولا نهارا وماخلقت جمیع الاشیاء الا اکراما للذی سمیته محمدا ﷺ۔ (مولد النبی ﷺ للقطب الربانی الشیخ عبدالرحیم البرعی) هذا ماظهر لی فی هذا الباب۔[199]

حدیث لولاک.... کی تحقیق:

حدیث لولاک لماخلقت الافلاک اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کے بارے میں محدثین حضرات نے کلام کیا ہے لیکن معنیٰ و مضمون کے اعتبار سے یہ ثابت ہے اور ایک حقیقت نفس الامر ہے جو کہ دوسری روایات سے ثابت ہے اور جن علماء سے انکار منقول ہے وہ بھی الفاظ ہی کے بارے میں ہے معنیٰ کے بارے میں نہیں ہے چنانچہ خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ اگرچہ علامہ صغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے موضوع کہا ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے ثابت ہے حدیث لولاک لماخلقت الافلاک قال الصغانی انه موضوع کذافی الخلاصة لکن معناه صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما مرفوعا اتنی جبریل فقال یامحمد لولاک ماخلقت الجنة ولولاک ماخلقت النار وفی روایة ابن عساکر لولاک ماخلقت الدنیا۔[200]

وفی حدیث سلمان عند ابن عساکر قال: «هبط جبریل علی النبی صلی اللہ علیه وسلم- فقال: إن ربک یقول: إن کنت اتخذت إبراهیم خلیلا، فقد اتخذتک حبیبا، وما خلقت خلقا أکرم علی منک، ولقد خلقت الدنیا وأهلها لأعرفهم کرامتک ومنزلتک عندی، ولولاک ماخلقت الدنیا۔[201]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَوْحَى اللَّهُ إِلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عِيسَى آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَكَهُ مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَسَكَنَ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی اے عیسیٰ علیہ السلام! ایمان لا محمد ﷺ پر اور تیری امت سے جو لوگ ان کا زمانہ پائیں انہیں حکم کر کہ ان پر ایمان لائیں کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا نہ جنت دوزخ بناتا جب میں نے عرش کو پانی پر بنایا اسے جنبش تھی میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا پس ٹھہر گیا۔[202]

---

[199] (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۶)

[200] (موضوعات کبیر ص ۵۹ حرف اللام)

[201] (مواهب اللدنیا ج ۱ ص ۸۳ بحوالہ فتاویٰ حقانیہ اکوڑہ خٹک ج ۲ ص ۲۰۳)

[202] (المستدرک للحاکم کتاب التاریخ کان رسول اللہ ﷺ اجود الناس بالخیر دار الفکر بیروت ج ۲ ص ۶۱۵)

شیخ المشائخ استاذالعلماءوالمجاهدین بقیةالسلف مناظراسلام محمدلعل الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب **التجلیات الرحمانیةفی معادن الحقائق الاسلامیه** میں بہت زیادہ تحقیق فرمائی ہے۔اس کا مطالعہ کریں تاکہ سب شکوک وشبہات ختم ہو جائیں۔[203]

حقیقت محمدی ﷺ اور تعین اول "حب"

فقیر صدیق احمد القریشی الہاشمی الدیوبندی شفاءالقلوب میں لکھتے ہیں کہ سلوک کی کتابوں میں تعین حبی کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے چنانچہ سالکین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ تعین حبی کے کیا معنی ہیں۔اگر سالکین تعین حبی کو سمجھ لیں تو یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حقائق انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات کے ان اسباق کا تعلق حب سے کیوں ہے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ نے دفتر اول مکتوب نمبر ۸۵ میں فرمایا ہے کہ ان چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے یہ ہیں کہ ہمارے نزدیک تعین کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق تعالیٰ عزوجل نیچے اتر آیا۔پس وہ حب یا وجود ہو گیا بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) کے ہیں کیونکہ وہ تنزیہ کے زیادہ لائق ہے اور انبیاء کرام کی زبان کے زیادہ مناسب ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ دفتر سوم مکتوب ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ حقیقت محمدی ﷺ جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے،اس کے متعلق مراتب ظلال طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے کہ وہ تعین اور ظہور حبی ہے جو مبداء ظہورات اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔**کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق**۔یعنی میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔[204]

سب سے پہلی چیز جو اس پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں جلوہ گر ہوئی وہی حب ہے جو مخلوق کی پیدائش کا سبب بنی اگر یہ حب نہ ہوتا تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتا۔**حدیث قدسی لولاک لماخلقت الافلاک**۔اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین وآسمان کو پیدا نہ کرتا۔[205] کے راز کو جو کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والتسلیمات کی شان میں واقع ہے اس جگہ تلاش کرنا چاہیئے۔اور **لولاک لمااظھرت الربوبیة**۔"اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا"[206] کی حقیقت اس مقام میں طلب کرنی چاہیے تمام تعینات کے مبادی اعتبارات ہوتے ہیں ۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلا اعتبار کون سا ظاہر ہوا۔چنانچہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ خدا کا پہلی بار مخلوق کو پیدا کرنے کا علم تعین اول ہے۔دیگر حضرات نے فرمایا کہ ارادۂ تخلیق تعین اول ہے لیکن امام ربانی

---

[203] (ص ۲۶۸) التجلیات الرحمانیةفی معادن الحقائق الاسلامیه

[204] (کشف الخفاء ص ۲۱۶)

[205] (کشف الخفاء ص ۲۱۴۳)

[206] (کشف الخفاء ص ۴۳-۴۱)

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ عجیب بات فرماتے ہیں کہ حب یعنی یہ چاہنا کہ میں پہچانا جاؤں تعین اول ہے اور یہ سب سے پہلا اعتبار ہے جو ظاہر ہوا اب جب اللہ تعالیٰ نے ظہور فرمایا تو سب سے پہلے نور محمدی ﷺ کی تخلیق ہوئی۔ شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ذاتیہ تمام کمالات کا سبب و آغاز ہے۔ پھر دوسرا اعتبار جب اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا وہ وجودی ہے جو ایجاد کا مقدمہ ہے اس لئے تعین وجودی تعین حبی کا ظل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا۔ (الاحزاب ۷)**

ترجمہ: اور جب ہم نے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات سے عہد لیا اور آپ ﷺ سے اور اس طرح نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے۔" اس آیت کریمہ میں عالم ارواح کی ترتیب میں آپ ﷺ کو سب پر مقدم کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش سب سے پہلے ہوئی ہے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ **کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث۔** تخلیق کے اعتبار سے میں سب سے اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے میں سب سے آخری نبی ہوں۔[207]

ایک اور حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا۔ **لولاک لماخلقت الافلاک ولما اظھرت الربوبیۃ۔** "اے محمد ﷺ! اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں یعنی عالم کو پیدا نہ کرتا اور ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔[208]

اعتراض: یہ حدیث تو موضوع ہے صغانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے اور علامہ علی قاری نے لکھا ہے۔

جواب: ہمارے پاس علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کی کتاب کے تین نسخے ہیں ایک عربی، ایک دیوبندی، ایک غیر مقلدین کا ترجمہ۔ آیئے ہم اصل عبارات و ترجمہ نقل کرتے ہیں جس سے حقیقت حال واضح ہو جائے گی چنانچہ عظیم حنفی محدث علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری لکھتے ہیں: **لولاک لماخلقت الافلاک.... قال الصغانی انہ موضوع کذافی (الخلاصۃ) لکن معناہ صحیح۔**[209]

دیوبندی ترجمہ: علامہ صغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے البتہ اس کا مضمون صحیح ہے۔[210]

---

[207] (کشف الخفاء ص ۲۰۹)

[208] (کشف الخفاء ص ۲۳-۲۱، شفاء القلوب ص ۵۳۴، غیاث اللغات مع منتخب اللغات وچراغ ھدایت مولانا محمد غیاث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لولاک حدیث قدسی کھا ھے۔ ص ۶۱۹)

[209] (موضوعات کبیر ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[210] (موضوع روایت ص ۱۲۲ مکتبہ رحمانیہ لاھور)

اہلحدیث ترجمہ: صغانی کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے لیکن اس کا معنیٰ صحیح ہے۔[211]

دیکھئے ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب کی مکمل عبارت مع ترجمہ آپ کے سامنے ہے اس میں صرف ایک علامہ صغانی جن کا نام بھی ذکر نہیں کیا کے حوالے سے لکھا کہ وہ موضوع کہتے ہیں۔ ملا علی قاری نہیں ،بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو اس کا دفاع کیا اور کہا کہ معناً یہ صحیح ہے علامہ علی قاری نے اپنی دوسری کتابوں میں علامہ صغانی کا قول ذکر کر کے اس حدیث کو معناً صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ علی قاری، شرح شفاء اور **الزبدۃ العمدۃ**۔

بلکہ علامہ علی قاری نے تو موضوعات کبیر میں اس کو معنوی طور پر صحیح قرار دے کر اس کی تائید میں حدیث مرفوع ذکر کی ہے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ **فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا اتانی جبریل فقال یا محمد (ﷺ) لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار۔**[212]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو نہ میں جنت پیدا کرتا نہ دوزخ۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔[213]

نوٹ: دیوبندی ترجمہ میں اس حدیث کو نکال دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔[214]

میں کہتا ہوں کہ جن احادیث سے حدیث لولاک کی تائید ہوتی ہے کیا نامعلوم صغانی کے کہنے پر ان کو ٹھکرا دیا جائے گا؟ تین روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اور ایک حدیث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اور دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث کو مرفوعہ قرار دیا ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کے مرفوع ہونے کو بیان کیا۔ اب مرفوع کسے کہتے ہیں؟ تو پڑھئے اس پر ضمناً دو حوالہ جات۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ مرفوع وہ حدیث ہے کہ جس کی نسبت خاص طور پر حضور اکرم ﷺ کی طرف کی جائے اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور پر اس کا اطلاق نہ ہو اور بعض نے کہا ہے کہ وہ روایت جس میں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کل کائنات ﷺ کا فعل مبارک یا آپ ﷺ کا قول مبارک بیان کرے۔[215]

---

[211] (موضوعات کبیر اردو ص ۲۶۵ نعمانی کتب خانہ لاہور)

[212] (الاسرار المرفوعۃ فی احادیث الموضوعۃ ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[213] (موضوعات کبیر اردو ص ۲۶۵ اہلحدیث ترجمہ نعمانی کتب خانہ لاہور)

[214] (موضوع روایات ص ۱۲۲ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

[215] (تدریب الراوی ص ۹۴ قدیمی خانہ کراچی)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس حدیث کی سند حضور اکرم ﷺ تک پہنچے وہ مرفوع ہے۔[216]

تو جس حدیث کی تائید حدیث اور حدیث مرفوع سے ہو رہی ہو اس کو موضوع قرار دینا اور وہ بھی ایک صغانی کے کہنے پر، یہ کوئی علمی دیانت داری ہے نہ حدیث رسول ﷺ سے وفاداری۔ آیئے! ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی بھی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ اللہ کریم نے اپنے نبی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

یامحمد! وعزتی وجلالی لولاک ماخلقت ارضی وسمائی ولا رفعت ھذہ الخضراء ولا بسطت ھذہ الغبراء۔

ترجمہ: اے محمد ﷺ! مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم، اگر تم نہ ہوتے تو نہ میں زمین کو پیدا کرتا اور نہ آسمان کو نہ میں یہ سبز چھت سجاتا اور نہ میں فرش زمین بچھاتا۔

اسے شیخ الاسلام بلقینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں عبد الرحمن بن عبد اللہ بن محمد بن احمد، ابو القاسم بن طالب العرفی کے والد سے اور ابن سبع اپنی کتاب شفاء الصدور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے۔[217]

حدیث لولاک کو موضوع کہنے والے اور سن کر سیخ پا ہونے والے حضرات کے اس انکار پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ محمد انوار اللہ قادری چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدر الصدور حیدر آباد دکن، انڈیا لکھتے ہیں:

یہاں معلوم کرنا چاہیئے کہ آج کل جو غل مچ رہا ہے کہ **لولاک لماخلقت الافلاک**، حدیث موضوع ہے۔ یہ تسلیم بھی کیا جائے تو جرح کو اس سے کیا فائدہ؟ زمین، دریا، جنت، دوزخ، ثواب، عقاب، جملہ آدمیوں کے جد بزرگوار بلکہ ساری دنیا جب بدولت آنحضرت ﷺ کے پیدا ہوئی تو افلاک کیا چیز ہیں؟ دیکھ لو! جنت، دوزخ بدولت آنحضرت ﷺ کے پیدا ہونے کی حدیث کو حاکم، دیلمی، سبکی، بلقینی، نے روایت کیا ہے اور زمین و دریا پیدا ہونے کی حدیث کو ابن سبع اور غرفی نے، اور دنیا طفیلی ہونے کی حدیث کو ابن عساکر نے اور ثواب وعقاب کی حدیث کو ابن سبع وعرفی نے اور خلق آدم علیہ السلام کی حدیث کو طبرانی، حاکم، بیہقی، ابن عساکر، ابو نعیم، ابو الشیخ، بلقینی اور سبکی نے روایت کیا ہے۔[218]

خود دیوبندی علماء بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث معناً صحیح ہے۔

---

[216] (مقدمہ اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۲۸ فرید بک سٹال لاہور)

[217] (زرقانی، مصابیح السیرۃ المحمدیۃ، ج ۱ ص ۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج ۱ ص ۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ھارون دیوبندی خصوصیات مصطفیٰ ﷺ ج ۱ ص ۵۳ ۴ دار الاشاعت کراچی، انسان المفھون فی سیرۃ الامین المامون ج ۱ ص ۳۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[218] (انوار احمدی ص ۵۴-۵۳ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، پاکستان)

مولوی خیر محمد جالندھری نے بھی لکھا ہے، ملاحظہ ہو:[219]

مفتی محمود نے بھی تسلیم کیا ہے، ملاحظہ ہو:[220]

مفتی عبدالحکیم سکھروی نے بھی اسے معناً صحیح تسلیم کیا، ملاحظہ ہو:[221]

معلوم ہوا کہ اس حدیث شریف کو لے کر موضوع کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ہاں البتہ ان کے بغض باطنی کا اظہار ضرور ہو جائے گا کہ اس بہانے سے وہ عظمت مصطفیٰ ﷺ کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔

اعتراض: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ ''میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے،، اور تم کہتے ہو کہ نبی پاک ﷺ کیلئے پیدا کیا ہے، تو تمہارا یہ موقف اور یہ احادیث موضوع ہیں کیونکہ قرآن کریم کے معارض ہیں۔

جواب: اس اعتراض کے کئی جوابات ہیں، سب سے پہلے ہم علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جواب نقل کرتے ہیں پھر ہم اپنے جوابات عرض کریں گے، چنانچہ علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ: یہ احادیث قرآن کریم کی اس آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنسَ اِلَّا لِیَعْبُدُونِ ﴿الذریت ۵۶﴾ کے خلاف نہیں ہے، اگر یہ بات ہے تو پھر وہ کتنے کثیر تعداد انسان اور جنات ہیں جو عبادت نہیں کرتے تو کیا یہ اس آیت کے خلاف نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے دن کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ یہ آیت مؤمنین کے ساتھ خاص ہے اور احادیث مبارکہ پوری مخلوق کو شامل ہیں لہٰذا قرآن کے معارض نہیں ہیں۔[222]

راقم الحروف کا پہلا جواب:

ایک ہوتی ہے علت غائیہ اور ایک علت باعثہ، انسانوں اور جنات کو عبادت کیلئے پیدا کرنا علت غائیہ ہے یعنی ان کی تخلیق کی غرض وغایت عبادت خداوندی ہے اور اس کا باعث ہے وجود مسعود صاحب مقام محمود و محبوب رب ودود لہٰذا قرآن و سنت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

دوسرا جواب: ضروری نہیں کہ ایک کام کا ایک ہی سبب ہو، ایک کام کے دو سبب بھی ہو سکتے ہیں اور تخلیق کائنات کے بھی دو سبب ہیں غرض وغایت کے طور پر عبادت اور اس کا باعث بنی ذات مصطفیٰ کریم ﷺ۔ ہم انسان بھی بعض اوقات ایسے کام کرتے ہیں کہ ان کے پیچھے کئی کئی

---

[219] (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۷ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[220] (فتاویٰ محمودیہ ج ۴ ص ۸۴-۸۲)

[221] (مقالات و مضامین مفتی عبدالحکیم سکھروی ص ۳۴۲ ادارۃ المعارف کراچی)

[222] (مصابیح السیرۃ المحمودیۃ ج ۱ ص ۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

اغراض ومقاصد ہوتے ہیں توجب انسان کے کسی کام کے دو مختلف سبب ہوسکتے ہیں تو اس رب العلمین و احسن الخالقین کے کسی فعل کے دو سبب کیوں نہیں ہوسکتے؟

اظہار ربوبیت اور شان احمدیت:

حضرت سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی نقل کرتے ہیں ۔**لولاک لما اظھرت الربوبیۃ۔**

ترجمہ: اے محبوب! اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔[223]

ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب کی توحید جوش آئے اور وہ کہہ دے کہ جی ان احادیث کی حیثیت کیا ہے؟ یہ بھی موضوع ہے۔ تو ہم گزارش کریں گے کہ یہ حدیث حضور مجدد پاک نے نقل کی ہے اور مجدد پاک کی علمی جلالت مسلمہ ہے لیکن ہم پھر اتمام حجت کے طور پر ایک دو حوالہ جات عرض کئے دیتے ہیں۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے "مناظر" مولوی منظور نعمانی نے مجدد صاحب کے متعلق یوں لکھا ہے: "امت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لیں ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارنامہ بہت ممتاز ہے۔ اسی طرح اخیر دور میں (جس کا آغاز ہزارہ دوم (الف ثانی) کے آغاز سے یعنی رسول اکرم ﷺ کی وفات پر ایک ہزار سال گزرنے کے بعد ہوتا ہے) امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیاء شریعت کا جو کام ہمارے اس ملک میں ہی لیا وہ اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب مجدد الف ثانی ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔"[224]

مزید یوں لکھتا ہے کہ آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گزرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک وقت میں کئی مجدد نظر آتے ہیں کوئی علم حدیث کا کوئی فقہ کا پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے۔ کوئی فقہ شافعی کا کوئی علم کلام کا مجدد اور کوئی سلوک واحسان کا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کیلئے خاص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں۔[225]

---

[223] (مکتوبات امام ربانی ج ۲ دفتر ۳ مکتوب ۱۲۲ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، جواہر البحار ج ۲ ص ۲۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[224] (تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۲۰-۲۱ دار الاشاعت کراچی)

[225] (تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۲۷۶)

دیوبندی مکتبۂ فکر کے مفتی وعلامہ ولی حسن ٹونکی دیوبندی نے لکھا ہے:

راقم الحروف کی رائے ہے کہ اگر حضرت مجدد اپنے تجدیدی اوراصلاحی کارناموں سے ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت نہ فرماتے تو آج ہندوستان کے مسلمانوں کی وہی حالت ہوتی جو چین کے مسلمانوں کی ہے۔[226]

دیوبندی مولوی روح اللہ غفوری نے حضرت مجدد پاک کے متعلق لکھا ہے:

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ باقویہ کے بانی ہیں، فرماتے تھے، شیخ احمد (امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہو جائیں۔ آسمان کے نیچے ان کی نظیر نہیں، ان جیسے اس امت میں چند ہی بزرگ گزرے ہیں جو آپ کی زیارت کرتا بے اختیار کہتا۔ "**فتبارک اللہ احسن الخالقین**"[227]

امت کے جلیل القدر مجدد حدیث لکھ رہے ہیں کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو رب کریم عزوجل اظہار ربوبیت نہ فرماتا اور لوگوں (منکرین) کو افلاک کی پریشانی ہو رہی ہے۔

کنز مخفی اور شان مصطفوی ﷺ:

رب محمد جل وعلا و ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "**کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق.....**"

ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس مجھے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا...[228]

خالق کائنات نے اپنی پہچان کیلئے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سب سے قبل اپنے محبوب کے نور اور روح کو پیدا فرمایا۔ انبیاء سے عالم ارواح میں عہد لیا عالم ارواح میں محبوب علیہ السلام کی نبوت کے چرچے فرمائے اور انبیاء کرام ورسولان عظام علیہم السلام، عارفین، کاملین، صالحین، صدیقین بلکہ کل عالمین کو بتادیا کہ لوگو!

ہر شئے خدا نے بنائی اے سوہنے مدنی دے واسطے　　دو جگ دی کھیڈ رچائی اے سوہنے مدنی دے واسطے

حضور شہنشاہ حسینان عالم ﷺ کی شان لولاک کا تذکرہ کرتے ہوئے امام بوصیری عرض کرتے ہیں۔

---

[226] (تذکرہ اولیاء پاک وھند ص ۱۳۹ بار اول دسمبر ۱۹۹۹ء، ادارہ اسلامیات لاھور)

[227] (بزرگان نقشبندیہ کو خواب میں زیارت نبی ﷺ ص ۱۴۱، اشاعت دوم جنوری ۲۰۱۰ء مکتبہ عمر فاروق کراچی)

[228] (تفسیر روح البیان، ج ۶ ص ۶۱ تحت الآیۃ سورۃ الحج ۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۴ ص ۲۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ المقاصد الحسنۃ باب الکاف ص ۳۷۷ رقم الحدیث ۸۳۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۶۹۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

وکیف تدعوا الی الدنیا ضرورۃ من　　لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

کہا کرے مائل ضرورت ان کو دنیا کی طرف　　گر نہ ہوتے آپ تو دنیا بھی ہوتی کالعدم

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

تراعز لولاک تمکیں بس است　　ثنائے تو طٰہٰ و یٰس بس است

آپ (ﷺ) کو بطور مرتبہ عزت لولاک کافی ہے　　آپ (ﷺ) کی تعریف میں طہ و یسین کافی ہے

صلاح بن مبارک بخاری فرماتے ہیں۔

خواجہ لولاک و سلطان رسل　　مقتدا اور ہنمائی جزو کل　　(ﷺ)

امام اہلسنت امام عشق و محبت تاجدار بریلی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا خوب لکھتے ہیں:

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ　　لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اقبال سہیل نے کہا۔

کتاب فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا　　تو نقش ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح و قلم نہ ہوتا

یہ محفل کن فکاں نہ ہوتی جو وہ امام امم نہ ہوتا　　زمین نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا

ظفر علی خان نے کہا۔

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو　　یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

شورش کاشمیری دیوبندی کہتا ہے۔

جب دوش پہ گیسو کھلتے ہیں، واللیل کی شرحیں ہوتی ہیں　　لولاک لما کے سانچے میں اک نور جسم ڈھل کے رہا

مولوی طالوت دیوبندی کہتا ہے۔

ادب سے سر جھکاؤ مالک لولاک آتے ہیں　　ردائے انما اوڑھے نبی پاک آتے ہیں (ﷺ)[229]

---

[229] (ماھنامہ حق چار یار، ج ۳ شمارہ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۹۰ء بیک ٹائٹل)

صلی اللہ علی النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔

شجرہ نسب رسول اللہ ﷺ محمد رسول اللہ ﷺ بن عبد اللہ

عبد المطلب: علی ابن ابی طالب

ہاشم:

عبد مناف: آمنہ بنت وہب، عثمان ابن عفان، ابن ابو العاص ابن امیہ ابن عبد الشمس۔

قصی: زبیر ابن عوام ابن خویلد ابن اسد ابن عزی، خدیجۃ الکبریٰ۔

کلاب: عبد الرحمن ابن عوف ابن عبد یغوث ابن حارث ابن زہرہ، سعد ابن ابی وقاص ابن مالک ابن وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ۔

مرہ: خالد ابن ولید ابن مغیرہ ابن عبد اللہ ابن عمر ابن مخزوم ابن یقظہ، ابو بکر صدیق ابن ابو قحافہ ابن عامر ابن طلحہ ابن عبد اللہ ابن عثمان ابن کعب ابن سعد ابن تیم۔

کعب: عمر ابن خطاب ابن نفیل سعید ابن زید ابن عمرو ابن عبد العزیٰ ابن رباح ابن عبد اللہ ابن قرظ ابن رواح ابن عدی۔

لوی:

غالب:

فہر: ابو عبیدہ ابن عبد اللہ ابن جراح ابن وہب ابن ضمہ ابن حارث۔

مالک:

نضر:

کنانہ:

خزیمہ:

مدرکہ:

الیاس:

مضر:

نزار:

معد:

عدنان:

مرتب حکیم الامت مفتی احمد یار خاں مدظلہ العالی

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ایمان کا بیان

بعض علماء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ کافر تھے اور کفر پر فوت ہوئے (العیاذ باللہ)۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تمام اباؤ اجداد، صاحبانِ ایمان و توحید تھے، سب مؤمن مسلمان تھے۔ جیسا کہ تفسیر مظہری میں لکھا ہے: **المراد منه تقلبک من اصلاب الطّاهرين السّاجدين لله الیٰ ارحام الطّاهرات السّاجدات و من ارحام السّاجدات الیٰ اصلاب الطّاهرين ای الموحّدين و الموحّدات حتّٰی یدلّ علیٰ انّ آباء النبی ﷺ کلّهم کانوا مؤمنين۔** یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ پاکیزہ اور اللہ کو سجدہ کرنے والے مردوں کی پشت سے ان عورتوں کے رحم کی طرف منتقل ہوئے جو طاہر اور سجدہ کرنے والی تھیں اور پھر ان طاہرات و ساجدات کے رحم سے ایسے پاکیزہ افراد کی طرف منتقل ہوئے جو سبھی اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم تھے۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ کے تمام آباؤ اجداد صاحبانِ ایمان و توحید تھے۔[230]

تحت هذه الایت و تقلّبک فی السّاجدين۔[231]

حدیث پاک میں ہے: **عن عروة بن الزبير عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها ان رسول اللہ ﷺ سال ربه ان یحیی ابویه فاحیاهما له فامنا به ثم اماتهما۔**[232]

ترجمہ: "حضرت عروۃ بن زبیر، ام المؤمنین عائشۃ صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کریم سے دعا کی یا اللہ میرے والدین کو زندہ کر تو رب ذوالجلال نے اپنے حبیب ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا، دونوں کو زندہ کیا اور وہ دونوں (والدین کریمین) اپنے لختِ جگر رحمت اللعالمین ﷺ پر ایمان لائے اور پھر اپنی اپنی آرامگاہوں میں آرام فرما ہو گئے۔"

ایک محب نبی ﷺ کا قول مبارک: **قال بعضهم:**

ایقنت ان ابا النبی و امه	**احیاهما الرب الکریم الباری**
حتی له شهدا بصدق رسالة	**سلم فتلک کرامة المختار**
هذا الحدیث و من یقول بضعفه	**فهو الضعیف عن الحقیقة عاری۔**

"بیشک نبی رحمت ﷺ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ان دونوں کو ان کے رب کریم نے زندہ کیا حتی کہ دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے سچے رسول ہونے کی گواہی دی۔"

---

[230] (تفسیر مظہری ج۷ ص ۸۹)

[231] (تفسیر روح المعانی ج۷ ص ۱۳۷ تا ۱۳۸ مطبوعہ بیروت)

[232] (زرقانی علی المواہب صفحہ ۱۶۸ جلد ۱، حجۃ اللہ علی العلمین صفحہ ۴۱۲)

اے عزیز اس بات کو مان لے کہ یہ مختار نبی ﷺ کی کرامت ہے (عزت افزائی کے لئے ہے) اور دوبارہ زندہ ہو کر ایمان قبول کرنا یہ حدیث سے ثابت ہے اور جو کوئی اس حدیث پاک کو ضعیف کہے وہ خود ضعیف ہے (اس کا ایمان ضعیف ہے) ایسا شخص حقیقت سے عاری ہے۔[233]

محب الرسول علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مبارک:

ان اللہ احیاھما لہ ﷺ حتی آمنا بہ وھذا السبیل مال الیہ طائفۃ "کثیرۃ" من الائمۃ الحفاظ ھم الحافظ ابو بکر الخطیب البغدادی و الحافظ ابو القاسم ابن عساکر و الحافظ ابو حفص بن شاھین و الحافظ ابو القاسم السھیلی و الامام القرطبی و الحافظ محب الدین الطبری و العلامۃ ناصر الدین بن المنیر و الحافظ فتح الدین بن سید الناس۔[234]

اس بات میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے اعزاز و اکرام کے لئے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ اس امر کی (زندہ ہو کر ایمان لانے کی) حدیث پاک کو بہت سارے اماموں اور حافظ حدیث نے اپنایا ہے، مثلاً: (۱) حافظ الحدیث ابو بکر خطیب بغدادی، (۲) حافظ الحدیث ابو القاسم ابن عساکر، (۳) حافظ الحدیث ابو حفص بن شاہین، (۴) حافظ الحدیث ابو القاسم سہیلی، (۵) امام قرطبی، (۶) حافظ الحدیث محب الدین طبری، (۷) علامہ ناصر الدین بن منیر، (۸) حافظ الحدیث فتح الدین بن سید الناس۔

الحافظ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ و جزاہ عن الاسلام و المسلمین خیر الجزاء فانہ الف فی ذلک جملۃ مولفات اثبت فیھا نجاتھما ببراھین کثیرۃ و اقام النکیر علی من زعم خلاف ذلک من اھل الجمود و الجحود۔

اللہ تعالیٰ حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کو تمام مسلمانوں کی طرف سے بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے کئی کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں اور دلائل قاہرہ سے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کا نجات یافتہ ہونا ثابت کیا ہے اور جن لوگوں نے اپنی ضد تعصب اور جمود کی وجہ سے اس کے خلاف باتیں کی ہیں ان کی خوب خبر لی ہے۔[235]

علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

آیت پاک سے سید العلمین ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مؤمن ہونے پر استدلال کیا گیا ہے جیسے کہ اہلسنت کے بہت سارے جلیل القدر علماء اور ائمہ کرام کا مسلک ہے۔ نیز فرمایا: **و اخشیٰ الکفر علیٰ من یقول فیھما رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔** یعنی

---

[233] (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۹۸)

[234] (زرقانی علی المواھب ص ۱۲۹ ج ۱، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۱۳)

[235] (حجۃ اللہ علی العلمین ص ۲۹۸)

جن علماء نے رحمتِ کائنات ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق اس کے خلاف کہا ہے مجھے تو ان کے متعلق خوف ہے کہ ان کا اپنا ایمان ضائع نہ ہو جائے۔[236]

ایک مغالطہ:

بعض لوگ امام الائمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے ساتھ ملا کر بے ادبوں کی صف میں کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرمایا۔

ووالدارسول اللہ ﷺماتاعلی الکفر۔رسول اللہ ﷺ کے والدین دونوں کفر پر وفات پاگئے تھے۔**العیاذباللہ ولاحول ولاقوۃالاباللہالعلی العظیم**۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ فقہ اکبر کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کس کی تصنیف ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے اور محققین نے جو تحقیق کی ہے وہ یہ ہے کہ فقہ اکبر ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف ہے اور جب یہ ثابت ہی نہیں کہ یہ تصنیف امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے تو ان کے سر اعتراض تھونپنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ فقہ اکبر سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی تصنیف ہے تو پھر عبارت میں اختلاف ہے جو فقیر کے پاس فقہ اکبر ہے اس میں ہے کہ **ووالدارسول اللہ ﷺمات علی الفطرۃ**۔[237] یعنی رحمت کائنات ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا وصال فطرت (دین اسلام) پر ہوا ہے۔**والحمدللہ رب العلمین**۔لہذا یہ معلوم ہوا کہ یہ کسی کی تحریف ہے کہ **مات علی الفطرۃ** کو **مات علی الکفر** کر دیا اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواہ مخواہ بے ادبوں میں کھڑا کر دیا ہے ورنہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ پیکر ادب واحترام تھے ان سے کیسے بے ادبی کے الفاظ سرزد ہو سکتے ہیں ۔تیسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی ضد کرے اور کہے کہ یہ الفاظ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی ہیں تو ہم کہیں گے کہ تمہیں وہ مبارک اور ہمیں یہ مبارک **الحمدللہ رب العلمین**۔ہمارے پاس جو نسخہ فقہ اکبر ہے اس میں صاف صاف لکھا ہے کہ **مات علی الفطرۃ** اللہ تعالیٰ ہمیں باادب رکھے اور ادب والوں میں ہمارا حشر و نشر کرے۔

مفتی سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی کہتے ہیں کہ فقہ اکبر میں ایک یہودی نے تحریف کی ہے یہ نسخہ قلمی تھا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد اصل عبارت ایسی تھی **ووالدارسول اللہ ﷺماماتا علی الکفر**۔اس یہودی نے ایک "ما" کاٹ لیا اور یہودیوں کا کام ہی تحریف کرنا ہے۔

---

[236] (تفسیر روح المعانی ص ۱۳۸ ج ۱۹ مطبوعہ ملتان، زیر آیت وتقلبک فی الساجدین)

[237] فقہ اکبر ص ۱۵۔

عن معاذ بن أنس: من قرأ القرآن وعمل بما فيه أُلبِسَ والداه تاجًا يومَ القيامةِ ضوؤهُ أحسنُ من ضوءِ الشَّمسِ۔[238]

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کا نور سورج کے نور سے بھی زیادہ ہو گا۔" اے عزیز! اگر صرف قرآن مجید پڑھنے اور عمل کرنے والے کے والدین کو یہ اعزاز ملے گا تو جس کے وسیلے سے قرآن پاک ملا ہے اور جس کی ہدایت سے ساری خدائی قرآن پاک کے مطابق عمل پیرا ہے اس کے والدین کو کیا کیا انعامات ملنے چاہئیں۔ یہ تو اپنے ایمان سے پوچھ کر بتا! ایک بار حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تنور میں روٹیاں لگا رہیں تھیں ایک روٹی حبیب خدا ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے لگائی تو باقی ساریاں پک گئیں مگر جس روٹی کو شاہ کونین ﷺ کا دست مبارک لگا اس روٹی کو آنچ تک آئی۔[239]

میرے پیارے! غور کر جس روٹی کو امت کے والی کا ہاتھ مبارک لگ جائے اسے آگ اثر نہ کرے تو جس شکم پاک میں رحمت کائنات فخر موجودات، باعث تخلیق کائنات ﷺ نو مہینے رہیں اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ تو اپنے ایمان سے پوچھ لے۔

اور جو لوگ حبیب خدا ﷺ کے والدین کریمین کو معاذاللہ تعالیٰ کافر کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب رحمۃ للعلمین ﷺ کو دکھ اور ایذا دے رہے ہیں وہ اس سے توبہ کریں اور مندرجہ ذیل مضمون پڑھ کر راہ راست پر آجائیں یا پھر لعنت کا طوق گلے میں ڈال کر جہنم کی تیاری کریں۔ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا (الاحزاب ۵۷) بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔" نیز وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (التوبة ۶۱) اور وہ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

دلائل ختم نبوت ﷺ پر آیات قرآنی واحادیث مبارکہ

قرآن مجید نے جہاں خدا تعالیٰ کی توحید اور قیامت کے عقیدہ کو ہمارے ایمان کا جزو لازم ٹھہرایا۔ وہاں انبیاء ورسل علیہم السلام کی نبوت ورسالت کا اقرار کرنا بھی ایک اہم جزو قرار دیا ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتوں کو ماننا اور ان پر عقیدہ رکھنا ویسے ہی اہم اور لازمی ہے جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید پر۔ لیکن قرآن مجید کو اول سے آخر تک دیکھ لیجئے۔ جہاں کہیں ہم انسانوں سے نبوت کا اقرار کرایا گیا ہو اور جس جگہ کسی وحی کو ہمارے لئے ماننا لازمی قرار دیا گیا ہو۔ وہاں صرف پہلے انبیاء کی نبوت ووحی کا ہی ذکر ملتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو نبوت حاصل ہو اور پھر اس پر خدا کی وحی نازل ہو کہیں کسی جگہ پر اس کا ذکر تک نہیں۔ نہ اشارۃً نہ کنایۃً' حالانکہ پہلے انبیاء کی نسبت

---

[238] أخرجه أبو داود (۱٤٥٣) واللفظ له، وأحمد (۱٥٦٤٥) ابن حجر العسقلاني (۸٥٢هـ)، تخريج مشكاة المصابيح ۲/۳۷٤ • مشکاۃ ص ۱۸۶ ۔ المستدرک ص ۵۶۷ ج ۱ ۔ مجموعۃ الزوائد ص ۱۶۴ ج ۷،

[239] حالات مشائخ نقشبندیہ ص ۱۱۲ ۔

آنحضرت ﷺ کے بعد کسی فرد بشر کو نبوت عطا کرنا مقصود ہوتا تو اس کا ذکر زیادہ لازمی تھا اور اس پر تنبیہ کرنا از حد ضروری تھا۔ کیونکہ پہلے انبیاء کرام اور ان کی وحی تو گزر چکی۔ امت مرحومہ کو تو سابقہ پڑنا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کی نبوتوں سے۔ مگر ان کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔ بلکہ ختم نبوت کو قرآن مجید میں کھلے لفظوں میں بیان فرمانا صاف اور روشن دلیل ہے۔ اس بات کی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی شخصیت کو نبوت یا رسالت عطا نہ کی جائے گی۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمایئے۔

(۱) وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (البقرة ۴)

اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں۔

(۲) يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ (المائدة ۵۹)

اے کتابیو تمہیں ہمارا کیا بُرا لگا یہی نہ کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اُترا اور اس پر جو جو پہلے اترا۔

(۳) لَكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (النساء ۱۶۲)

ہاں جو اُن میں علم میں پکّے اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اُس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اترا۔

(۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (النساء ۱۳۶)

اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے ان رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اُتاری۔

(۵) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (النساء ۶۰)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعوی ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا۔

(۶) وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الزمر ۶۵)

اور بیشک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف کہ اسے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا اور ضرور تو ہار میں رہے گا۔

(۷) كَذَلِكَ يُوحِي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الشوریٰ ۳)

یونہی وحی فرماتا ہے تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف اللہ عزّت وحکمت والا۔

مندرجہ بالا تمام آیات خدا تعالیٰ نے ہمیں صرف ان کتابوں' الہاموں اور وحیوں کی اطلاع دی ہے اور ہم سے صرف انہی انبیاء کو ماننے کا تقاضا کیا ہے جو آنحضرت ﷺ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور بعد میں کسی نبی کا ذکر نہیں فرمایا۔

یہ چند آیات لکھی گئی ہیں۔ ورنہ قرآن پاک میں اس نوعیت کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ مندرجہ بالا آیات میں "مِنْ قَبْلِ یا مِنْ قَبْلِكَ" کا صریح طور پر ذکر تھا۔ عقیدہ ختم نبوت اور قرآن مجید کا اسلوب بیان نمبر ۲، اب چند وہ آیات بھی ملاحظہ فرمایئے جن میں خدا تعالیٰ نے ماضی کے صیغہ میں انبیاء کا ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کا منصب جن لوگوں کو حاصل ہونا تھا وہ ماضی میں حاصل ہو چکا

ہے اور انہی کا ماننا داخل ایمان ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کو نبوت بخشی جائے اور اس کا ماننا ایمان کی جزولازمی قرار دی گئی ہو۔

(۱) قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ (البقرة ۱۳۶)

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم پر۔

(۲) قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ (آل عمران ۸۴)

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراہیم پر۔

(۳) إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ (النساء ۱۶۳)

بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل پر وحی بھیجی۔

ان تینوں آیتوں میں اور ان جیسی اور آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں گزشتہ انبیاء اور ماضی کی وحی کو منوانے کا اہتمام کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کی نبوت ورسالت کو کہیں صراحۃً وکنایۃً ذکر نہیں فرمایا۔ جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ جن جن حضرات کو خلعت نبوت ورسالت سے نوازنا مقدر تھا۔ پس وہ ہو چکے اور گزر گئے۔ اب آئندہ نبوت پر مہر لگ گئی ہے اور بعد میں نبوت کی راہ کو ابدالآباد تک کے لئے مسدود کر دیا گیا ہے اور اب انبیاء کے شمار میں اضافہ نہ ہو سکے گا۔

عقیدہ ختم نبوت اور قرآن مجید کا اسلوب بیان نمبر ۳ قرآن مجید کا نقشۂ نبوت حضرات ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: کہ جب دنیا پیدا ہوئی تو اس وقت حکم خداوندی حضرت آدم صفی اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو بدیں الفاظ پہنچایا گیا۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرة ۳۸)

ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى (طه ۱۲۳)

فرمایا تم دونوں مل کر جنّت سے اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے پھر اگر تم سب کو میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا وہ نہ بہکے نہ بدبخت ہو۔

اسی مضمون کو الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ دوسری جگہ بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کو آج کل مرزائی آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کو جاری ثابت کرنے کے لئے بالکل بے محل پیش کر دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي فَمَنِ اتَّقَى وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (الاعراف ۳۵)

اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئے میری آیتیں پڑھتے تو جو پرہیز گاری کرے اور سنورے تو اس پر نہ کچھ خوف اور نہ کچھ غم۔

ان دونوں آیتوں میں ابتداء آفرینش کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ اور دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور نوع انسان کو حکم دیا کہ میں حضرت آدم سے نبوت کا سلسلہ شروع کرنا چاہتا ہوں اور حضرت آدم علی نبیناوعلیہ السلام کے بعد انبیاء ورسل علی نبیناو علیہم السلام بکثرت ہوں گے اور لوگوں کے لئے ان کی اتباع کرنا ضروری ہو گا۔ اس جگہ رسل جمع کے صیغہ سے بیان فرمایا ہے اور انبیاء کی تحدید و تعین نہیں کی۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم صفی اللہ علی نبیناوعلیہ السلام کے بعد کافی تعداد میں انبیاء کرام علی نبیناو علیہم السلام مبعوث ہوں گے۔ بعد ازاں حضرت نوح وابراھیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ آیا تو اس میں بھی یہی اعلان ہوا کہ ان کے بعد بھی بکثرت انبیاء علی نبیناو علیہم السلام ہوں گے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (٢٦) ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا (الحدید ٢٦، ٢٧)

اور بیشک ہم نے ابراہیم اور نوح کو بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوّت اور کتاب رکھی تو ان میں کوئی راہ پر آیا اور ان میں بہتیرے فاسق ہیں پھر ہم نے ان کے پیچھے اسی راہ پر اپنے اور رسول بھیجے۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرمایا کہ حضرت نوح اور حضرت ابراھیم علیہم السلام پر نبوت کا دروازہ بند نہیں ہو گیا تھا۔ بلکہ ان کے بعد بھی کافی تعداد میں انبیاء کرام تشریف لائے اور یہاں بھی "رسل" کا لفظ فرمایا کوئی تحدید و تعین نہیں فرمائی۔ علی ہذا القیاس یہی سنت اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی رہی اور بعینہ یہی مضمون ذیل کی آیت میں صادر ہوا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ (البقرہ ٨٧)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی باب نبوت بند نہیں ہوا تھا اور ان کے بعد انبیاء کرام بکثرت آتے رہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بالرسل کہہ کر ارشاد فرمایا۔ صرف یہ تین آیتیں اس لئے ذکر کی گئیں کہ معلوم ہو جائے کہ اولوالعزم انبیاء کرام کے بعد سنت خدا وندی کیا کچھ چلتی رہی؟۔ لیکن جب حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم کی باری آئی تو اس مبشر "احمد" نے آکر دنیا کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ اب میرے بعد سلسلہ نبوت اس کثرت سے اور غیر محدود نہیں جیسے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہوتا چلا آیا ہے۔ بلکہ میرے زمانہ میں نبوت میں ایک نوع کا انقلاب ہو گیا ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ الرسل کے لفظ سے انبیاء کرام کی آمد کو بیان کیا جاتا تھا اب واحد کا لفظ "برسول" کہہ کر ارشاد کیا اور بجائے اس کے کہ حسب سابق غیر محدود اور غیر معین رسولوں کے آنے کا ذکر کیا جاتا۔ طریق بیان کو بدل کر صرف ایک رسول کے آنے کی اطلاع دی اور اس کے اسم مبارک (احمد) کی بھی تعین فرمادی کہ کوئی شقی ازلی یہ دعویٰ نہ کرنے لگے کہ اس کا مصداق میں ہوں۔ (جیسے آج کل مرزا قادیانی کی امت یہ ہانک دیا کرتی ہے کہ بشارت احمد کا مصداق مرزا قادیانی ہے۔)

ارشاد ہوا ہے: وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ (الصف ٦)

اور یاد کرو جب عیسٰی بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے پھر جب احمد ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تشریف لائے بولے یہ کُھلا جادو ہے۔

آنے والے نبی کریم ﷺ کا نام بتا کر تعین بھی کر دی اور کہا کہ اب میرے بعد ایک اور صرف ایک رسول آئے گا۔ جس کا نام گرامی احمد ہو گا۔ انبیاء وسابقین نے تو اپنے بعد کے زمانہ میں بصیغہ جمع کئی رسولوں کی آمد کی خوشخبری دی تھی۔ مگر حضرت مسیح علی نبیناوعلیہ السلام نے صرف ایک رسول احمد ﷺ کی ہی بشارت وخوشخبری دی اور جب وہ رسول خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ' آخر آمد بود فخر الاولین' تشریف فرماہوئے۔ تو خدا نے ساری دنیا کے سامنے اعلان فرمادیا کہ اب وہ رسول کریم ﷺ جس کی طرف نگاہیں تاک رہی تھیں۔ وہ تشریف فرماہو گیا ہے۔ وہ خاتم النبیین ہے اور اس کے بعد کوئی نیا شخص نبوت کے اعزاز سے نہیں نوازا جائے گا۔ بلکہ وہ نبوت کی ایسی اینٹ ہے جس کے بعد نبوت کے دروازہ کو بند فرمادیا گیا ہے۔ ارشاد ملاحظہ ہو: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ٤٠)

محمّد تمہارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

یعنی آنحضرت ﷺ جن کی آمد کی اطلاع حضرت مسیح نے دی تھی وہ آچکے اور آکر نبوت پر مہر کر دی۔ اب آپ ﷺ کے بعد دنیا میں کوئی ایسی ہستی نہیں ہو گی۔ جس کو نبوت کے خطاب سے نوازا جائے اور انبیاء کرام کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ قرآن کا یہ طریق بیان نبوت کے سلسلہ کی ان کڑیوں کا اجمالی نقشہ تھا کہ جو حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہو کر حضرت محمد ﷺ پر ختم ہو گیا۔ عقیدہ ختم نبوت اور قرآن مجید کا اسلوب بیان نمبر ۴ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء کرام کے بعد تشریف فرماہوئے ہیں۔ جتنے نبی ہو چکے ہیں وہ سب کے سب آپ ﷺ سے پہلے ہی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد اب کسی کو نبوت سے نہ نوازا جائے گا۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ (آل عمران ٨١)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اس جگہ یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء کے بعد آئیں گے۔ اوراسی آیت کو مرزا قادیانی نے بھی حقیقت الوحی صفحہ ۱۳۰'۱۳۱'روحانی خزائن صفحہ ۱۳۴'۱۳۳' جلد ۲۲ میں نقل کر کے اس کے بعد تحریر کیا ہے کہ:"اس آیت میں "ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ" سے مراد آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔"

قرآن مجید کو اول سے آخر تک پڑھئے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت حضرت آدم صفی اللہ علی نبیناوعلیہ السلام سے شروع کیا اور آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیا۔ خود مرزا قادیانی بھی اس کا اقراری ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:"سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفی ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کافر وکاذب جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ علی نبیناوعلیہ السلام سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفی ﷺ پر ختم ہو گئی۔"[240]

آیات مندرجہ بالا کے علاوہ ایک ایسی آیت بھی ملاحظہ ہو جو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کی ضرورت ہی کو اٹھادے اور وہ ایسی فلاسفی بتادے کہ جس پر یقین کر کے ہر مومن اطمینان حاصل کرے کہ اب آئندہ کسی کو نبوت حاصل نہ ہو گی اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدة ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اس ارشاد خداوندی نے بتادیا کہ دین کے تمام محاسن مکمل اور پورے ہو چکے ہیں۔ اب کسی پورا کرنے یا مکمل کرنے والے کی ضرورت نہیں۔ ظاہر ہے جب کسی کے پورا کرنے یا مکمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی تو یقیناً آج کے بعد کسی کو نبی بنانے کی بھی کوئی حاجت نہیں۔

آیت خاتم النبیین کی تفسیر

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۴۰)

محمّد تمہارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

شان نزول (نازل ہونے کا سبب)

اس آیت شریفہ کا شان نزول یہ ہے کہ آفتاب نبوت ﷺ کے طلوع ہونے سے پہلے تمام عرب جن تباہ کن اور مضحکہ خیز رسومات قبیحہ میں مبتلا تھے ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ متبنّٰی یعنی لے پالک بیٹے کو تمام احکام واحوال میں حقیقی اور نسبی بیٹا سمجھتے۔ اسی کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور مرنے کے بعد شریک وراثت ہونے میں اور رشتہ ناطے اور حلت وحرمت کے تمام احکام میں حقیقی بیٹا قرار دیتے تھے۔ جس طرح نسبی بیٹے کے مر جانے یا طلاق دینے کے بعد باپ کے لئے بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح وہ لے پالک کی بیوی سے بھی اس کے مرنے اور طلاق دینے کے بعد نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔

---

[240] (مجموعہ اشتہارات ص ۲۳۱'۲۳۰ ج ۱'حقیقت النبوۃ ص ۸۹)

یہ رسم بہت سے مفاسد پر مشتمل تھی۔ اختلاط نسب، غیر وراث شرعی کو اپنی طرف سے وارث بنانا، ایک شرعی حلال کو اپنی طرف سے حرام قرار دینا وغیرہ وغیرہ۔

اسلام جو کہ دنیا میں اسی لئے آیا ہے کہ کفر وضلالت کی بیہودہ رسوم سے عالم کو پاک کر دے۔ اس کا فرض تھا کہ وہ اس رسم کے استیصال (جڑ سے اکھاڑنے) کی فکر کرتا۔ چنانچہ اس نے اس کے لئے دو طریق اختیار کئے۔ ایک قولی اور دوسرا عملی۔ ایک طرف تو یہ اعلان فرمادیا: مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (۴) ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ (الاحزاب ۵، ۴)

اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا یہ تمہارے اپنے منھ کا کہنا ہے اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔

اصل مدعا تو یہ تھا کہ شرکت نسب اور شرکت وراثت اور احکام حلت وحرمت وغیرہ میں اس کو بیٹا نہ سمجھا جائے۔ لیکن اس خیال کو بالکل باطل کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ متبنّٰی یعنی لے پالک بنانے کی رسم ہی توڑ دی جائے۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہو گیا کہ لے پالک کو اس کے باپ کے نام سے پکارو۔ نزول وحی سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (جو کہ آپ ﷺ کے غلام تھے) آزاد فرما کر متبنّٰی (لے پالک بیٹا) بنالیا تھا اور تمام لوگ یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی عرب کی قدیم رسم کے مطابق ان کو "زید بن محمد (ﷺ)" کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی اس وقت سے ہم نے اس طریق کو چھوڑ کر ان کو "زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کہنا شروع کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس آیت کے نازل ہوتے ہی اس رسم قدیم کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ لیکن چونکہ کسی رائج شدہ رسم کے خلاف کرنے میں اعزاء واقارب اور اپنی قوم وقبیلہ کے ہزاروں طعن وتشنیع کا نشانہ بننا پڑتا ہے جس کا تحمل ہر شخص کو دشوار ہے۔ اس لئے خداوند عالم نے چاہا کہ اس عقیدہ کو اپنے رسول ہی کے ہاتھوں عملاً توڑا جائے۔ چنانچہ جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باہمی ناچاقی کی وجہ سے طلاق دے دی تو خداوند عالم نے اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا کہ ان سے نکاح کر لیں تاکہ اس رسم وعقیدہ کا کلیۃً استیصال ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا: فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ (الاحزاب ۳۷) پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی تاکہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے۔

آپ ﷺ نے بامر خداوندی نکاح کیا۔ ادھر جیسا کہ پہلے ہی خیال تھا۔ تمام کفار عرب میں شور مچا کہ لو، اس نبی (ﷺ) کو دیکھو کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر بیٹھے۔ ان لوگوں کے طعنوں اور اعتراضات کے جواب میں آسمان سے یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۴۰)

محمّد تمہارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

جس میں یہ بتلادیا گیا کہ آنحضرت ﷺ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسبی باپ بھی نہ ہوئے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا ان کی سابقہ بی بی سے نکاح کرلینا بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے۔ اور اس بارے میں آپ ﷺ کو مطعون کرنا سراسر نادانی اور حماقت ہے۔ ان کے دعوے کے رد کے لئے اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ آپ ﷺ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ نہیں۔ لیکن خداوند عالم نے ان کے مطاعن کو مبالغہ کے ساتھ رد کرنے اور بے اصل ثابت کرنے کے لئے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا کہ یہی نہیں کہ آپ ﷺ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ نہیں۔ بلکہ آپ ﷺ تو کسی مرد کے بھی باپ نہیں۔ پس ایک ایسی ذات پر جس کا کوئی بیٹا ہی موجود نہیں یہ الزام لگانا کہ اس نے اپنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کرلیا کس قدر ظلم اور کجروی ہے۔ اور اگر کہو کہ آنحضرت ﷺ کے چار فرزند ہوئے ہیں۔ قاسم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور طیب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور طاہر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور ابراھیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے۔ پھر یہ ارشاد کیسے صحیح ہوگا کہ آپ ﷺ کسی مرد کے باپ نہیں؟ تو اس کا جواب خود قرآن کریم کے الفاظ میں موجود ہے۔ کیونکہ اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کسی مرد کے باپ نہیں اور آپ ﷺ کے چاروں فرزند بچپن ہی میں وفات پاگئے تھے۔ ان کو مرد کہے جانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ آیت میں "رجالکم" کی قید اسی لئے بڑھائی گئی ہے۔ بالجملہ اس آیت کے نزول کی غرض آنحضرت ﷺ سے کفار و منافقین کے اعتراضات کا اٹھانا اور آپ ﷺ کی برأت اور عظمت شان بیان فرمانا ہے اور یہی آیت کا شان نزول ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ {ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے۔}

خاتم النبیین کی قرآنی تفسیر

اب سب سے پہلے دیکھیں کہ قرآن مجید کی رو سے اس کا کیا ترجمہ و تفسیر کیا جانا چاہئیے؟۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ "ختم" کے مادہ کا قرآن مجید میں سات مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

۱۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ (بقرہ ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی۔

۲۔ خَتَمَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ (انعام ۴۶) {اور مہر کردی تمہارے دلوں پر۔}

۳۔ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ۔ (الجاثیہ ۲۳) {مہر کردی اس کے کان پر اور دل پر۔}

۴۔ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ (یٰسن ۶۵) {آج ہم مہر لگادیں گے ان کے منہ پر۔}

۵۔ فَإِنْ يَشَإِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ۔ (الشوریٰ ۲۴) {اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مُہر فرمادے۔}

۶۔ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ۔ (مطففین ۲۵) {جو مُہر کی ہوئی رکھی ہے۔}

۷۔ خِتَامُهُ مِسْكٌ۔ مطففین ۲۶" {اس کی مُہر مشک کی ہے۔}

ان ساتوں مقامات کے اول وآخر' سیاق وسباق کو دیکھ لیں "ختم" کے مادہ کا لفظ جہاں کہیں استعمال ہوا ہے۔ ان تمام مقامات پر قدر مشترک یہ ہے کہ کسی چیز کو ایسے طور پر بند کرنا۔ اس کی ایسی بندش کرنی کہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اور اندر سے کوئی چیز اس سے باہر نہ نکالی جاسکے۔ وہاں پر "ختم" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً پہلی آیت کو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں پر مہر کر دی۔ کیا معنی؟ کہ کفران کے دلوں سے باہر نہیں نکل سکتا اور باہر سے ایمان ان کے دلوں کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ فرمایا: **خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِھِمْ** (بقرہ ۷) اب زیر بحث آیت خاتم النبیین کا اس قرآنی تفسیر کے اعتبار سے ترجمہ کریں تو اس کا معنی ہو گا کہ رحمت دو عالم ﷺ کی آمد پر حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ پر ایسے طور پر بندش کر دی' بند کر دیا' مہر لگا دی' کہ اب کسی نبی کو نہ اس سلسلہ سے نکالا جاسکتا ہے اور نہ کسی نئے شخص کو سلسلہ نبوت میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ **فھو المقصود**۔ لیکن قادیانی اس ترجمہ کو نہیں مانتے۔ خاتم النبیین کی نبوی ﷺ تفسیر آنحضرت ﷺ نے خاتم النبیین کی تفسیر **لانبی بعدی** کے ساتھ وضاحت فرمادی۔ آپ ﷺ کی معروف حدیث شریف جس کا آخری جملہ ہے "**انا خاتم النبیین لانبی بعدی**" اس کا حوالہ وتوضیح آگے آرہی ہے۔ سر دست یہاں پر اپنے فریق مخالف کے سامنے مرزا قادیانی کے ایک حوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے: "**قال اللہ عزوجل مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ** (الاحزاب ۴۰) **الا تعلم ان الرب الرحیم المتفضل سمی نبینا ﷺ خاتم النبیین خاتم الانبیاء بغیر استثناء وفسرہ نبینا فی قولہ لانبی بعدی**۔[241]

دیکھئے کس صراحت سے مرزا قادیانی تسلیم کر رہا ہے کہ خاتم النبیین کی تفسیر حضور ﷺ نے واضح بیان کے ساتھ **لانبی بعدی** سے کر دی ہے۔ لیکن قادیانی گروہ رحمت دو عالم ﷺ کے ترجمہ وتفسیر کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں۔

خاتم النبیین کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے

حضرات صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسئلہ ختم نبوت سے متعلق کیا موقف تھا۔ خاتم النبیین کا ان کے نزدیک کیا ترجمہ تھا؟ یہاں پر صرف دو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء مبارکہ درج کی جاتی ہیں۔ امام ابو جعفر ابن جریر طبری اپنی عظیم الشان تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاتم النبیین کی تفسیر میں روایت فرماتے ہیں: "**عن قتادۃ رضی اللہ عنہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای آخرھم**۔[242]

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ اور لیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین یعنی آخر النبیین ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول شیخ جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر در منثور میں عبد الرزاق اور عبد ابن حمید اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم سے بھی نقل کیا ہے۔[243]

---

[241] (بیان واضح للطالبین۔ حمامۃ البشریٰ ص ۲۰ روحانی خزائن ص ۲۰۰ ج ۷)

[242] ابن جریر ص ۱۱ ج ۲۲"

[243] (درمنشور ص ۲۰۴ ج ۵)

اس قول نے بھی صاف وہی بتلادیا جو ہم اوپر قرآن عزیز اور احادیث سے نقل کر چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہیں۔ کیا اس میں کہیں تشریعی غیر تشریعی اور بروزی وظلی وغیرہ کی کوئی تفصیل ہے؟ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات ہی آیت مذکور میں: **ولکن نبینا خاتم النبیین** ہے۔ جو خود اسی معنی کی طرف ہدایت کرتی ہے جو بیان کئے گئے۔ اور سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے در منثور میں بحوالہ عبد ابن حمید حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: "**عن الحسن فی قولہ وخاتم النبیین قال ختم اللہ النبیین بمحمد ﷺ وکان آخر من بعث**"[244] {حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت **خاتم النبیین** کے بارہ میں یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو محمد ﷺ پر ختم کر دیا اور آپ ﷺ ان رسولوں میں سے جو اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے آخری ٹھہرے۔

کیا اس جیسی صراحتوں کے بعد بھی کسی شک یا تاویل کی گنجائش ہے؟ اور بروزی یا ظلی کی تاویل چل سکتی ہے؟

خاتم النبیین اور اصحاب لغت:

خاتم النبیین "ت" کی زبر یا زیر سے ہو قرآن وحدیث کی تصریحات اور صحابہ وتابعین کی تفاسیر اور آئمہ سلف کی شہادتوں سے بھی قطع نظر کر لی جائے اور فیصلہ صرف لغت عرب پر رکھ دیا جائے تب بھی لغت عرب یہ فیصلہ دیتا ہے کہ آیت مذکورہ کی پہلی قرات پر دو معنی ہو سکتے ہیں۔ آخر النبیین اور نبیوں کے ختم کرنے والے اور دوسری قرات پر ایک معنی ہو سکتے ہیں یعنی آخر النبیین۔

لیکن اگر حاصل معنی پر غور کیا جائے تو دونوں کا خلاصہ صرف ایک ہی نکلتا ہے۔ اور بہ لحاظ مراد کہا جا سکتا ہے کہ دونوں قرأتوں پر آیت کے معنی لغۃً یہی ہیں کہ آپ ﷺ سب انبیاء علیہم السلام کے آخر ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں تصریح موجود ہے۔ "**والخاتم اسم آلۃ لما یختم بہ کالطابع لما یطبع بہ فمعنی خاتم النبیین الذی ختم النبییون بہ ومآلہ آخر النبیین**۔[245] {اور خاتم بالفتح اس آلہ کا نام ہے جس سے مہر لگائی جائے۔ پس خاتم النبیین کے معنی یہ ہوں گے: "وہ شخص جس پر انبیاء ختم کئے گئے" اور اس معنی کا نتیجہ بھی یہی آخر النبیین ہے۔}

اور علامہ احمد معروف بہ ملا جیون صاحب نے اپنی تفسیر احمدی میں اسی لفظ کے معنی کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: "**والمآل علیٰ کل توجیہ ھو المعنی الآخر ولذلک فسر صاحب المدارک قراءۃ عاصم بالاٰخر وصاحب البیضاوی کل القراءتین بالاٰخر**" اور نتیجہ دونوں صورتوں (بالفتح وبالکسر) میں وہ صرف معنی آخر ہی ہیں اور اسی لئے صاحب تفسیر مدارک نے قرات عاصم یعنی بالفتح کی تفسیر آخر کے ساتھ کی ہے اور بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قرأتوں کی یہی تفسیر کی ہے۔ روح المعانی اور تفسیر احمدی کی ان عبارتوں سے یہ بات بالکل روشن ہو گئی۔ کہ لفظ خاتم کے دو معنی آیت میں بن سکتے ہیں۔ ان کا بھی خلاصہ اور نتیجہ صرف ایک ہی ہے۔ یعنی آخر النبیین اور اسی بناء پر بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قراتوں کے ترجمہ میں کوئی فرق نہیں کیا۔ بلکہ دونوں صورتوں میں آخر النبیین تفسیر کی ہے۔ خداوند عالم

---

[244] "درمنشور ص ۲۰۴ ج ۵"

[245] (روح المعانی ص ۵۹ ج ۷)

ائمہ لغت کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے صرف اسی پر بس نہیں کی کہ لفظ خاتم کے معنی کو جمع کر دیا۔ بلکہ تصریحاً اس آیت شریفہ کے متعلق جس پر اس وقت ہماری بحث ہے صاف طور پر بتلا دیا کہ تمام معانی میں سے جو لفظ خاتم میں لغۃً محتمل ہیں اس آیت میں صرف یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ آپ ﷺ سب انبیاء کے ختم کرنے والے اور آخری نبی ہیں۔

خدائے علیم و خبیر ہی کو معلوم ہے کہ لغت عرب پر آج تک کتنی کتابیں چھوٹی بڑی اور معتبر و غیر معتبر لکھی گئیں۔ اور کہاں کہاں اور کس صورت میں موجود ہیں۔ ہمیں نہ ان سب کے جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ یہ کسی بشر کی طاقت ہے۔ بلکہ صرف ان چند کتابوں سے جو عرب و عجم میں مسلم الثبوت اور قابل استدلال سمجھی جاتی ہیں "مشتے نمونہ از خروارے" ہدیہ ناظرین کر کے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ لفظ خاتم بالفتح اور بالکسر کے معنی میں سے ائمہ لغت نے آیت مذکورہ میں کون سے معنی تحریر کئے ہیں۔

مفردات القرآن:

یہ کتاب امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وہ عجیب تصنیف ہے کہ اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ خاص قرآن کے لغات کو نہایت عجیب انداز سے بیان فرمایا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتقان میں فرمایا ہے کہ لغات قرآن میں اس سے بہتر کتاب آج تک تصنیف نہیں ہوئی۔ آیت مذکورہ کے متعلق اس کے الفاظ یہ ہیں:

وخاتم النبیین لانہ ختم النبوۃ ای تممھا بمجیئہ۔[246] آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت کو ختم کر دیا یعنی آپ ﷺ نے تشریف لا کر نبوت کو تمام فرما دیا۔

المحکم لابن السیدہ:

لغت عرب کی وہ متعمد علیہ کتاب ہے جس کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان معتبرات میں سے شمار کیا ہے کہ جن پر قرآن کے بارے میں اعتماد کیا جا سکے۔ "**وخاتم کل شیء وخاتمتہ عاقبتہ وآخرہ از لسان العرب**" {اور خاتم اور خاتمہ ہر شے کے انجام اور آخر کو کہا جاتا ہے۔}

تہذیب الازھری

اس کو بھی سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے معتبرات لغت میں شمار کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے: **والخاتم والخاتم من اسماء النبی ﷺ وفی التنزیل العزیز مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب ۴۰) ای آخرھم۔**[247] {اور خاتم بالکسر اور خاتم بالفتح نبی کریم ﷺ کے ناموں میں سے ہیں اور قرآن عزیز میں ہے کہ نہیں ہیں آنحضرت ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے

---

[246] (مفردات راغب ص ۱۴۲)

[247] از لسان العرب

باپ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور سب نبیوں میں آخری نبی ہیں۔} اس میں کس قدر صراحت کے ساتھ بتلا دیا گیا کہ خاتم بالکسر اور خاتم بالفتح دونون آنحضرت ﷺ کے نام ہیں۔ اور قرآن مجید میں خاتم النبیین سے آخر النبیین مراد ہے۔ کیا آئمہ لغت کی اتنی تصریحات کے بعد بھی کوئی منصف اس معنی کے سوا اور کوئی معنی تجویز کر سکتا ہے؟

لسان العرب

لغت کی مقبول کتاب ہے۔ عرب و عجم میں مستند مانی جاتی ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے: "**خاتمهم و خاتمهم و آخرهم عن اللحیانی و محمد ﷺ خاتم الانبیاء علیه و علیهم الصلوٰة و السلام**" {**خاتم القوم بالکسر** اور **خاتم القوم بالفتح** کے معنی آخر القوم ہیں اور انہی معانی پر لحیانی سے نقل کیا جاتا ہے 'محمد ﷺ خاتم الانبیاء (یعنی آخر الانبیائ) اس میں بھی بوضاحت بتلایا گیا کہ بالکسر کی قرات پڑھی جائے یا بالفتح کی ہر صورت میں **خاتم النبیین** اور **خاتم الانبیاء** کے معنی **آخر النبیین** اور **آخر الانبیاء** ہوں گے۔

لسان العرب کی اس عبارت سے ایک قاعدہ بھی مستفاد (دال) ہوتا ہے کہ اگرچہ لفظ خاتم بالفتح اور بالکسر دونوں کے بحیثیت نفس لغت بہت سے معانی ہوسکتے ہیں لیکن جب قوم یا جماعت کی طرف سے اس کی اضافت کی جاتی ہے تو اس کے معنی صرف آخر اور ختم کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ غالباً اسی قاعدہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لفظ خاتم کو تنہا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ قوم اور جماعت کی ضمیر کی طرف اضافت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لغت عرب کے تتبع (تلاش) کرنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ لفظ خاتم بالکسر یا بالفتح جب کسی قوم یا جماعت کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی آخر ہی کے ہوتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں بھی خاتم کی اضافت جماعت "نبیین" کی طرف ہے۔ اس لئے اس کے معنی آخر النبیین اور نبیوں کے ختم کرنے والے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتے۔ اس قاعدہ کی تائید تاج العروس شرح قاموس سے بھی ہوتی ہے۔ وھو ھذا:

تاج العروس

شرح قاموس للعلامتہ الزبیدی میں لحیانی سے نقل کیا ہے: "**و من اسمائه علیه السلام الخاتم و الخاتم و هو الذی ختم النبوة بمجیئه**" {اور آنحضرت ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے خاتم بالکسر اور خاتم الفتح بھی ہے اور خاتم وہ شخص ہے جس نے اپنے تشریف لانے سے نبوت کو ختم کر دیا ہو۔}

مجمع البحار

جس میں لغات حدیث کو معتمد طریق سے جمع کیا گیا ہے۔ اس کی عبارت درج ذیل ہے:" **الخاتم و الخاتم من اسمائه** ﷺ " ش "**بالفتح اسم ای آخرهم و بالکسر اسم فاعل**۔[248] {خاتم بالکسر اور خاتم بالفتح نبی کریم ﷺ کے ناموں میں سے ہے۔ بالفتح اسم ہے جس کے معنی آخر کے ہیں۔ اور بالکسر اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی تمام کرنے والے کے ہیں۔}

"**خاتم النبوة بکسر التاء ای فاعل الختم و هو الا تمام و بفتحها بمعنی الطابع ایی شیء یدل علیٰ انه لانبی بعده**۔[249] {**خاتم النبوة بکسر تا** یعنی تمام کرنے والا اور بالفتح تا بمعنی مہر یعنی وہ شے جو اس پر دلالت کرے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔} قاموس میں ہے "**و الخاتم آخر القوم کالخاتم و منه قوله تعالیٰ و خاتم النبیین ای آخرهم**" {اور خاتم بالکسر اور بالفتح، قوم میں سب سے آخر کو کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **خاتم النبیین یعنی آخر النبیین**۔} اس میں بھی لفظ "**قوم**" بڑھا کر قاعدہ مذکورہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز مسئلہ زیر بحث کا بھی نہایت وضاحت کے ساتھ فیصلہ کر دیا ہے۔

کلیات ابی البقاء

لغت عرب کی مشہور و معتمد کتاب ہے۔ اس میں مسئلہ زیر بحث کو سب سے زیادہ واضح کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"**و تسمیة نبینا خاتم الا نبیاء لان الخاتم آخر القوم قال الله تعالیٰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب ۴۰)**[250] {اور ہمارے نبی ﷺ کا نام خاتم الانبیاء اس لئے رکھا گیا کہ خاتم آخر قوم کو کہتے ہیں۔ (اور اسی معنی میں) خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ نہیں ہیں محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور آخر سب نبیوں کے۔}

اس میں نہایت صاف کر دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے خاتم الانبیاء اور خاتم النبیین نام رکھنے کی وجہ ہی یہ ہے کہ "**خاتم**" **خاتم القوم** کو کہا جاتا ہے۔ اور آپ ﷺ آخر النبیین ہیں۔ نیز ابو البقاء نے اس کے بعد کہا ہے کہ:"**و نفی الاعم یستلزم نفی الاخص**" {اور عام کی نفی، خاص کی نفی کو بھی مستلزم ہے۔} جس کی غرض یہ ہے کہ نبی عام ہے۔ تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔ اور رسول خاص تشریعی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور آیت میں جبکہ عام یعنی نبی کی نفی کر دی گئی تو خاص یعنی رسول کی بھی نفی ہونا لازمی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس آیت سے تشریعی اور غیر تشریعی ہر قسم کے نبی کا اختتام اور آپ ﷺ کے بعد پیدا ہونے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ جو لوگ آیت میں تشریعی اور غیر تشریعی کی تقسیم گھڑتے ہیں علامہ ابو البقاء نے پہلے ہی سے ان کے لئے رد تیار رکھا ہے۔

صحاح العربیہ للجوہری

---

[248] مجمع البحار ص ۱۵ ج ۲ طبع ۳"

[249] مجمع البحار ص ۱۵ ج ۳ طبع ۳"

[250] کلیات ابی البقاء ص ۳۱۹"

جس کی شہرت محتاج بیان نہیں۔ اس کی عبارت یہ ہے: "**والخاتم والخاتم بکسر التاء وفتحها والخیتام والخاتام کله بمعنی والجمع الخواتیم وخاتمة الشئ آخره ومحمد ﷺ خاتم الانبیاء علیهم السلام**" {اور خاتم اور خاتم تا کے زیر اور زبر دونوں سے اور ایسے ہی خیتام اور خاتام سب کے معنی ایک ہیں۔ اور جمع خواتیم آتی ہے۔ اور خاتمه کے معنی آخر کے ہیں اور اسی معنی میں محمد ﷺ کو خاتم الانبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔} اس میں تصریح کر دی گئی ہے کہ خاتم اور خاتم بالکسر و بالفتح دونوں کے ایک معنی ہیں۔ یعنی آخر قوم۔

منتہی الارب

میں لفظ خاتم کے متعلق لکھا ہے: "خاتم کصاحب مہر و انگشتری' و آخر ہر چیزے و پایان آں و آخر قوم و خاتم بالفتح مثلہ و محمد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم و علیہم اجمعین" صراح میں ہے "**خاتمة الشئ آخره ومحمد خاتم الانبیاء بالفتح صلوات الله علیه وعلیهم اجمعین**" {خاتمہ شے کے معنی آخر شے کے ہیں اور اسی معنی میں محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔}

لغت عرب کے غیر محدود دفتر میں سے یہ چند اقوال آئمہ لغت بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ہیں۔ جن سے ان شاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو یقین ہو گیا ہو گا کہ از روئے لغت عرب' آیت مذکورہ میں خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ اور لفظ خاتم کے معنی آیت میں آخر اور ختم کرنے والے کے علاوہ ہر گز مراد نہیں بن سکتے۔

یہاں تک بحمد اللہ یہ بات بالکل روشن ہو چکی ہے کہ آیت مذکورہ میں خاتم بالفتح اور بالکسر کے حقیقی معنی صرف دو ہو سکتے ہیں۔ اور اگر بالفرض مجازی معنی بھی لئے جائیں تو اگرچہ اس جگہ حقیقی معنی کے درست ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن بالفرض اگر ہوں تب بھی خاتم کے معنی مہر کے ہوں گے۔ اور اس وقت آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ ﷺ انبیاء پر مہر کرنے والے ہیں۔

ختم نبوت اور احادیث نبویہ تواتر آنحضرت ﷺ نے متواتر احادیث میں اپنے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمایا اور ختم نبوت کی ایسی تشریح بھی فرمادی کہ اس کے بعد آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے میں کسی شک وشبہ اور تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ متعدد اکابر نے ان حادیث ختم نبوت کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حزم ظاہری کتاب "**الفصل فی الملل والاهواء والنحل**" میں لکھتے ہیں:

"**وقد صح عن رسول الله ﷺ بنقل الکواف التی نقلت نبوته واعلامه وکتابه انه اخبر انه لانبی بعده**۔[251]

{وہ تمام حضرات جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت آپ ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ کی کتاب (قرآن کریم) کو نقل کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خبر دی تھی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔}

---

[251] کتاب الفصل ص ۷۷ ج ۱"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ آیت خاتم النبیین کے تحت لکھتے ہیں: "وبذالک وردت الاحادیث المتواترۃ عن رسول اللہ ﷺ من حدیث جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔[252]

{اور ختم نبوت پر آنحضرت ﷺ سے احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں۔ جن کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے بیان فرمایا۔}

اور علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر روح المعانی میں زیر آیت خاتم النبیین لکھتے ہیں: "وکونہ ﷺ خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر۔[253] {اور آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسی حقیقت ہے جس پر قرآن ناطق ہے۔ احادیث نبویہ نے جس کو واشگاف طور پر بیان فرمایا ہے۔ اور امت نے جس پر اجماع کیا ہے۔ پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو۔ اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔} پس عقیدہ ختم نبوت جس طرح قرآن کریم کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے۔ یہاں اختصار کے مد نظر صرف چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین۔[254] {حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بہت ہی حسین وجمیل محل بنایا۔ مگر اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس کے گرد گھومنے اور اس پر عش عش کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگا دی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں وہی (کونے کی آخری) اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔} یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے:

۱۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی حدیث کے الفاظ صحیح مسلم میں درج ذیل ہیں:

"قال رسول اللہ ﷺ فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت الانبیاء۔[255] {رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پس میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔ میں آیا پس نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا۔}

۲۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "مثلی فی النبیین کمثل رجل بنی دارا فاحسنھا واکملھا واجملھا وترک منھا موضع لبنۃ فجعل الناس یطوفون بالبناء ویعجبون منہ ویقولون لو تم موضع تلک اللبنۃ۔ وانا فی النبیین موضع تلک

---

[252] "تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۳ ج ۳"

[253] روح المعانی ص ۴۱ ج ۲۲"

[254] صحیح بخاری کتاب المناقب ص ۵۰۱ ج ۱ صحیح مسلم ص ۲۴۸ ج ۲ واللفظ لہ"

[255] (مسند احمد ص ۳۶۱ ج ۳، صحیح بخاری ص ۵۰۱ ج ۱، مسلم ص ۱۴۸ ج ۲، ترمذی ص ۱۰۹ ج ۱)

اللبنة قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح۔[256]{انبیاء کرام (علیہم السلام) میں میری مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بڑا حسین و جمیل اور کامل و مکمل محل بنایا مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ پس لوگ اس محل کے گرد گھومتے اور اس کی عمدگی پر تعجب کرتے اور یہ کہتے کہ کاش! اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر دی جاتی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔}

۳۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند احمد میں ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **"مثلی و مثل النبیین من قبلی کمثل رجل بنی دار فتمھا الا لبنة واحدة فجئت انا فاتمت تلک اللبنة۔**[257]{میری اور دوسرے نبیوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے محل بنایا پس اس کو پورا کر دیا مگر صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کو پورا کر دیا۔} ان احادیث میں آنحضرت ﷺ نے ختم نبوت کی ایک محسوس مثال بیان فرمادی ہے اور اہل عقل جانتے ہیں کہ محسوسات میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔

حدیث نمبر ۲ " عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسول اللہ ﷺ قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت باالرعب و احلت لی الغنائم جعلت لی الارض طھورا و مسجدا و ارسلت الی الخلق کافة و ختم بی النبیون۔[258]

{حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چھ چیزوں میں انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔

(۱)۔۔۔مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں۔(۲)۔۔۔رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔(۳)۔۔۔مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔(۴)۔۔۔روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنادیا گیا ہے۔(۵)۔۔۔مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔(۶)۔۔۔اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔}

اس مضمون کی ایک حدیث صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ اس کے آخر میں ہے:

"و کان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس عامة۔[259]{پہلے انبیاء کو خاص ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔}

---

[256] مسند احمد ص ۱۳۷ ج ۵، ترمذی ص ۲۰۱ ج ۲"

[257] مسند احمد ص ۹ ج ۳ و اللفظ له، صحیح مسلم ص ۲۴۸ جامع الاصول ص ۵۳۹ ج ۸"

[258] صحیح مسلم ص ۱۹۹ ج ۱، مشکوٰۃ ص ۵۱۲"

[259] (مشکوٰۃ ص ۵۱۲)

حدیث نمبر ۳"عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لانبی بعدی۔[260] وفی روایۃ المسلم انہ لانبوۃ بعدی۔[261]{سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:"تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہما السلام سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ:"میرے بعد نبوت نہیں۔" یہ حدیث متواتر ہے اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت سے بھی مروی ہے:

۱۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(مسند احمد ص۳۳۸ ج۳'ترمذی ص۲۱۴ ج۲'ابن ماجہ ص ۱۲)

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کنزل العمال ص۶۰۷ ج۱۱ حدیث نمبر ۳۲۹۳۴)

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کنز ص۱۵۸ ج۱۳ حدیث نمبر ۳۶۴۸۸ مجمع الزوائد ص ۱۱۰ ج۹)

۴۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسند احمد ص۴۳۸ ج۶'مجمع ص۱۰۹ ج۹'کنز ص۶۰۷ ج۱۱ حدیث نمبر ۳۲۹۳۷)

۵۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کنز ص۶۰۳ ج۱۱ حدیث نمبر ۳۲۱۹۱۵ مجمع الزوائد ص۱۰۹ ج۹)

۶۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مجمع الزوائد ص۱۱۱ ج۹)

۷۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایضاً ص۱۱۰ ج۹)

۸۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایضاً ص۱۰۹ ج۹)

۹۔ براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایضاً ص۱۱۱ ج۹)

۱۰۔ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایضاً ص۱۱۱ ج۹)

۱۱۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایضاً ص۱۱۰ ج۹'خصائص کبریٰ سیوطی ص۲۴۹ ج۲)

۱۲۔ حبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کنز ص۱۹۲ ج۱۳ حدیث نمبر ۳۶۵۷۲ مجمع ص۱۰۹ ج۹)

۱۳۔ مالک بن حسن بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کنز ص۶۰۶ ج۱۱ حدیث نمبر ۳۲۹۳۲)

۱۴۔ زید بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کنز ص۱۰۵ ج۱۳ حدیث نمبر ۳۶۳۴۵)

واضح رہے کہ جو حدیث دس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہو حضرات محدثین اسے احادیث متواترہ میں شمار کرتے ہیں۔ چونکہ یہ حدیث دس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مروی ہے اس لئے مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو متواترہ میں شمار کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ازالۃ الخفا میں "مآثر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کے تحت لکھتے ہیں:"فمن المتواتر انت منی

---

[260](صحیح بخاری ص ۶۳۳ ج ۲')

[261](صحیح مسلم ص ۲۷۸ ج ۲)

بمنزلة هارون من موسیٰ۔[262] {متواتر احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔}

حدیث نمبر ۴ ”**عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه یحدث عن النبی ﷺ قال کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی و انه لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون۔**[263] {حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی قیادت خود ان کے انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے۔ جب کسی نبی علیہ السلام کی وفات ہوتی تھی تو اس کی جگہ دوسرا نبی علیہ السلام تشریف لاتا تھا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔}

بنی اسرائیل میں غیر تشریعی انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے تھے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تجدید کرتے تھے مگر آنحضرت ﷺ کے بعد ایسے انبیاء علیہم السلام کی آمد بھی بند ہے۔

حدیث نمبر ۵ ”**عن ثوبان رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ انه سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔**[264] {حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے۔ ہر ایک کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔}

یہ مضمون بھی متواتر ہے اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحیح بخاری ص ۵۰۹ ج ۱، صحیح مسلم ص ۳۹۷ ج ۲)

۲۔ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کنز العمال ص ۱۹۸ ج ۱۴ حدیث نمبر ۳۸۳۷۲)

۳۔ ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مشکل الآثار ص ۱۰۴ ج ۴)

۴۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فتح الباری ص ۶۱۷ ج ۶ حدیث نمبر ۳۶۰۹)

۵۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فتح الباری ص ۸۷ ج ۱۳ حدیث نمبر ۷۱۲۱)

۶۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایضاً)

۷۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایضاً)

۸۔ سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایضاً)

۹۔ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایضاً)

---

[262] ازالۃ الخفاء مترجم ص ۴۴۴ ج ۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراتشی“

[263] صحیح بخاری ص ۴۹۱ ج ۱ واللفظ لہ، صحیح مسلم ص ۱۲۶ ج ۲، مسند احمد ص ۲۹۷ ج ۲“

[264] ابو داؤد ص ۲۲۸ ج ۲ واللفظ لہ، ترمذی ص ۴۵ ج ۲“

۱۰۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایضاً)

۱۱۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مجمع الزوائد ص ۳۳۴ ج ۷)

تنبیہ: ان تمام احادیث کا متن (مجمع الزوائد ص ۳۳۲، ۳۳۴ ج ۷) میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۶ "**عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔**[265] {حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے۔ پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔}

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند میں بھی روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اس حدیث میں بروایت ابو یعلی اتنا اضافہ نقل کیا ہے: "**ولکن بقیت المبشرات قالوا وما المبشرات قال رؤیا المسلمین جزء من اجزاء النبوۃ۔**[266] {لیکن مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا مومن کا خواب جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔} اس مضمون کی حدیث مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحیح بخاری ص ۱۰۳۵ ج ۲)

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کنز العمال ص ۳۷۰ ج ۱۵ حدیث نمبر ۴۱۴۱۹ مجمع الزوائد ص ۱۷۲ ج ۷)

۳۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حوالہ بالا)

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (صحیح مسلم ص ۱۹۱ ج ۱، سنن نسائی ص ۱۶۸، ابو داؤد ص ۱۲۷ ج ۱، ابن ماجہ ص ۲۷۸)

۵۔ حضرت ام کرز الکعبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ابن ماجہ ص ۲۷۸، احمد ص ۳۸۱ ج ۶، فتح الباری ص ۳۷۵ ج ۱۲)

۶۔ حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسند احمد ص ۴۵۴ ج ۵، مجمع الزوائد ص ۱۷۳ ج ۷)

حدیث نمبر ۷ "**عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ بید انہم اوتو الکتاب من قبلنا۔**[267] {حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم سب کے بعد آئے اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ صرف اتنا ہوا کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی۔}

---

[265] ترمذی ص ۵۱ ج ۲، مسند احمد ص ۲۶۷ ج ۳"

[266] فتح الباری ص ۳۷۵ ج ۱۲"

[267] صحیح بخاری ص ۱۲۰ ج ۱ واللفظ لہ، صحیح مسلم ص ۲۸۲ ج ۱"

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنا آخری نبی ہونا اور اپنی امت کا آخری امت ہونا بیان فرمایا ہے۔ یہ مضمون بھی متعدد احادیث میں آیا ہے:

۱۔ **"عن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ (فذکر الحدیث' وفیه) ونحن الآخرون من اهل الدنیا والاولون یوم القیامة المقضی لهم قبل الخلائق۔**[268] {حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اہل دنیا میں سب سے آخر میں آئے اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ جن کا فیصلہ ساری مخلوق سے پہلے کیا جائے گا۔}

۲۔ **"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ (فذکر حدیث الشفاعة' وفیه) نحن الآخرون الاولون نحن آخر الامم واول من یحاسب۔**[269] {حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حدیث شفاعت میں) فرمایا کہ ہم سب سے پچھلے اور سب سے پہلے ہیں۔ ہم تمام امتوں کے بعد آئے اور (قیامت کے دن) ہمارا حساب وکتاب سب سے پہلے ہو گا۔}

۳۔ **"عن عائشه رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم مساجد الانبیاء۔**[270] {حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مساجد میں آخری مسجد ہے۔}

۴۔ **"عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ کنت اول النبیین فی الخلق وآخرهم فی البعث۔**[271] {حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری تخلیق سب نبیوں سے پہلے ہوئی اور بعثت (دنیا میں تشریف آوری) سب کے بعد ہوئی۔}

۵۔ **"عن العرباض بن ساریة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ انی عنداللہ فی اول الکتاب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینته۔**[272] {حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوح محفوظ میں خاتم النبیین (آخری نبی) لکھا ہوا تھا۔ جب کہ ابھی آدم علیہ السلام کا خمیر گوندھا جا رہا تھا۔}

۶۔ **"عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه فی حدیث الشفاعة فیأتون محمدا ﷺ فیقولون یا محمد انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء۔**[273]

---

[268] صحیح مسلم ص ۲۸۲ ج ۱' نسائی ص ۲۰۲ ج ۱"

[269] مسند احمد ص ۲۸۲ ج ۱"

[270] کنز العمال ص ۲۸۰ ج ۱۲ حدیث نمبر ۳۴۹۹۹"

[271] کنز العمال ص ۴۰۹'۴۵۲ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۱۹۱۶'۳۲۱۲۶"

[272] مجمع الزوائد ص ۲۲۳ ج ۸' مسند احمد ص ۱۲۷ ج ۴' مستدرک حاکم ص ۶۰۰ ج ۲' واللفظ له کنز العمال ص ۱۱ حدیث نمبر ۳۱۹۶۰'۳۲۱۱۴"

[273] صحیح بخاری ص ۶۸۵ ج ۲"

{حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شفاعت میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگ (دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے) محمد ﷺ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے۔ اے محمد آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔۔۔۔۔!

۷۔"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ قال انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر وانا اول شافع واول مشفع ولا فخر'۔[274]

{حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نبیوں میں قائد ہوں اور فخر سے نہیں کہتا اور میں نبیوں کا خاتم ہوں اور فخر سے نہیں کہتا اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلا شخص ہوں جس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر سے نہیں کہتا۔}

۸۔"عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ یوماً کالمودع فقال انا محمد النبی الامی ثلاث مرات ولا نبی بعدی۔[275]{حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ گویا ہمیں رخصت فرمارہے ہوں۔ پس فرمایا میں محمد نبی امی (ﷺ) ہوں۔ تین بار فرمایا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (ﷺ)}

۹۔"عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا لما خلق اللہ عزوجل آدم خبرہ ببنیہ فجعل یری فضائل بعضھم علی بعض فرای نوراً ساطعافی اسفلھم فقال یارب من ھذا قال ھذا ابنک احمد ھو الاول ھو الاخر وھو اول شافع واول مشفع۔[276]{حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو ان کی اولاد کی آزمائش فرمائی۔ پس ایک دوسرے کی فضائل کا ان پر اظہار کیا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے (یعنی اولاد کے) نیچے ایک نور بلند ہوتا ہوا دیکھا تو عرض کیا۔ یارب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ آپ کے صاحبزادے احمد (ﷺ) ہیں۔ یہی اول ہیں یہی آخر ہیں۔ یہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور سب سے پہلے انہی کی شفاعت قبول کی جائے گی۔}

۱۰"عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث الاسراء وان محمدا ﷺ اثنی علی ربہ فقال کلکم اثنی علی ربہ وانا مثن علی ربی الحمد للہ الذی ارسلنی رحمۃ للعالمین وکافۃ للناس بشیرا ونذیرا وانزل علی القرآن فیہ تبیان کل شیء وجعل امتی خیر امۃ اخرجت للناس وجعل امتی وسطا وجعل امتی ھم الاولون وھم الآخرون وشرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحا وخاتما۔ فقال ابراھیم علیہ السلام بھذا فضلکم محمد ﷺ۔[277]**فقال لہ ربہ تبارک وتعالیٰ قد اتخذتک خلیلا**

---

[274] سنن دارمی ص ۳۱ ج ۱، کنز العمال ص ۴۰۴ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۱۸۸۳"

[275] مسند احمد ص ۱۷۲، ۲۱۲، ج ۲"

[276] کنز العمال ص ۴۳۷ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۲۰۵۶"

[277] (مجمع الزوائد ص ۶۹ ج ۱)

وهو مکتوب فی التوراة محمدﷺحبیب الرحمن وارسلتک الی الناس کافة وجعلت امتک هم الاولون وهم الآخرون۔۔۔۔۔وجعلتک فاتحا وخاتما"[278]{حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث معراج میں مروی ہے کہ (انبیاء کرام علیہم السلام کے مجمع میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے تحدیث نعمت کے انداز میں حق تعالیٰ شانہ کی حمد وثنا بیان فرمائی) اور آنحضرت ﷺ نے بھی اپنے رب کی حمد وثنا کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ حضرات نے اپنے رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی ہے اب میں بھی اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے رحمت للعالمین بنایا۔ تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر بنایا۔ مجھ پر قرآن نازل کیا جس میں (مہمات دین میں سے) ہر چیز کا بیان ہے۔ اور میری امت کو خیر امت بنایا اور جو لوگوں کے نفع کے لئے نکالی گئی۔ اور میری امت کو معتدل امت بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہی پہلے ہیں اور وہی پچھلے ہیں اور اس نے میرا سینہ کھول دیا۔ میرا بوجھ اتار دیا اور میری خاطر میرا ذکر بلند کر دیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم (کھولنے والا اور بند کرنے والا) بنایا۔ یہ سن کر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے حضرات انبیاء کرام کو مخاطب کر کے فرمایا ان ہی امور کی وجہ سے محمد ﷺ تم سب سے سبقت لے گئے ہیں۔"

نیز اسی حدیث معراج میں ہے کہ: "حق تعالیٰ شانہ نے (آنحضرت ﷺ) سے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو اپنا خلیل بنالیا اور یہ تورات میں لکھا ہے کہ محمد ﷺ رحمن کے محبوب ہیں اور میں نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ اور آپ ﷺ کی امت کو تخلیق میں سب نبیوں سے اول رکھا اور بعثت میں سب سے آخر۔"}

۱۱۔"عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنه فی حدیث الا سراء ثم سار حتی اتی بیت المقدس فنزل فربط فرسه الی صخرة ثم دخل فصلی مع الملائکة فلما قضیت الصلاة قالوا یا جبریل من هذا معک قال هذا محمد خاتم النبیین۔[279]{حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث معراج میں مروی ہے کہ پھر آپ ﷺ چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے۔ پس اتر کر سواری کو چٹان سے باندھ دیا۔ پھر اندر داخل ہوئے اور فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ انہوں نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ یہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔"}

۱۲۔"عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه فی شمائله ﷺ وبین کتفیه خاتم النبوة وخاتم النبیین۔[280]{حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کے شمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ ﷺ خاتم النبیین تھے۔}

۱۳۔"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه فی حدیث الشفاعة فیأتون عیسی فیقولون اشفع لنا الی ربنا حتی یقضی بیننا فیقول انی لست هناکم انی اتخذت وامی الهین من دون اللہ ولکن ارائیتم لو ان متاعا فی وعاء قد ختم علیه اکان یوصل ای مافی الوعاء حتی

---

[278](ایضاص ۱۷ ج ۱)

[279]المواهب اللدینة ص ۱۷ ج ۲"

[280]شمائل ترمذی ص ۳"

یفض الخاتم فیقولون لا فیقول فان محمدا ﷺ **قد حضر الیوم۔**[281] {حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث شفاعت میں مروی ہے کہ (حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراھیم، حضرت موسیٰ، علیٰ نبینا و علیہم السلام کے بعد) لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو آپ یہ عذر کریں گے کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنایا گیا۔ اس لئے میں اس کا اہل نہیں۔ پھر فرمائیں گے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کچھ سامان کسی ایسے برتن میں ہو جسے سر بمہر کر دیا گیا ہو جب تک مہر کو نہ توڑا جائے کیا اس برتن کے اندر کی چیز تک رسائی ممکن ہے؟ حاضرین اس کا جواب نفی میں دیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ پھر محمد ﷺ آج یہاں موجود ہیں ان کی خدمت میں جاؤ۔}

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس تشبیہ سے مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ لہذا جب تک نبیوں کی مہر کو نہ کھولا جائے اور آپ ﷺ شفاعت کا آغاز نہ فرمائیں تب تک انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اور نہ ہی کسی نبی کی شفاعت کا حصول ممکن ہے۔ لہذا تم لوگ سب سے پہلے حضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو۔ پہلے "نبیوں کی مہر" کو کھولو۔ آپ ﷺ سے شفاعت کا آغاز کراؤ۔ تب کسی اور نبی کی شفاعت ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۔ "**عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی** ﷺ **۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قال انا آخر الانبیاء و انتم آخر الامم۔**[282]

{حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔}

۱۵۔ "حضرت ابو قتیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: "**لا نبی بعدی و لا امۃ بعدکم۔**[283]

{میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔}

۱۶۔ "امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الرؤیا میں حضرت ضحاک بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ: "**قال قال رسول اللہ** ﷺ **لا نبی بعدی و لا امۃ بعد امتی۔**[284] {رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔}

۱۷۔ "طبرانی و بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن زمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ایک خواب کی تعبیر ارشاد فرمائی۔ اس کا آخری حصہ یہ ہے: "**و اما الناقۃ فھی الساعۃ علینا تقوم لا نبی بعدی و لا امۃ بعدی امتی۔**[285]

{لیکن اونٹنی (جس کو تم نے مجھے اٹھاتے ہوئے دیکھا) پس وہ قیامت ہے وہ ہم پر قائم ہو گی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔}

---

[281] مسند ابو داؤد طیالسی ص ۳۵۴"

[282] ابن ماجہ ص ۲۹۷"

[283] مجمع الزوائد ص ۲۷۳ ج ۳ کنز العمال ص ۹۴۷ ج ۱۵ حدیث نمبر ۴۳۶۳۸"

[284] ختم نبوت کامل ص ۲۷۲"

[285] خصائص کبری سیوطی ص ۱۷۸ ج ۲"

۱۸"عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یا اباذر اول الرسل آدم و آخر ھم محمد۔[286]

{حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوذر! نبیوں میں سب سے پہلے نبی آدم ہیں اور سب سے آخری نبی محمد (ﷺ) ہیں۔}

حدیث نمبر ۸"عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب۔[287]

{حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے۔} یہ حدیث حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے بھی مروی ہے:

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فتح الباری ص ۵۱ ج ۷، مجمع الزوائد ص ۶۸ ج ۹)

۲۔ عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مجمع الزوائد ص ۶۸ ج ۹)

"لو" کا لفظ فرض محال کے لئے آتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نبوت کی صلاحیت کامل طور پر پائی جاتی ہے۔ مگر چونکہ آپ ﷺ کے بعد کسی کا نبی ہونا محال ہے اس لئے باوجود صلاحیت کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی نہیں بن سکے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں: "در شان حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام "لو کان بعدی نبی لکان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ" یعنی لوازم و کمالاتیکہ در نبوت در کار است ہمہ را عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دارد اما چوں منصب نبوت بخاتم الرسل ﷺ ختم شدہ است علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام بدولت منصب نبوۃ مشرف نگشت • مکتوب ۲۴ ص ۲۳ دفتر سوم" {حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے۔" یعنی وہ تمام لوازمات و کمالات جو نبوت کے لئے درکار ہیں سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ منصب نبوت خاتم الرسل ﷺ پر ختم ہو چکا ہے اس لئے وہ منصب نبوت کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے۔}

حدیث نمبر ۹"عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی ﷺ یقول ان لی اسمائ' انا محمد' و انا احمد' و انا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر' و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی' و انا العاقب و العاقب الذی لیس بعدہ نبی۔[288]

{حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میرے چند نام ہیں۔ میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں ماحی (مٹانے والا) ہوں۔ کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے۔ اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب (سب کے بعد آنے والا) ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔}

---

[286] کنز العمال ص ۴۸۰ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۲۲۶۹"

[287] ترمذی ص ۲۰۹ ج ۲"

[288] (متفق علیہ) مشکوٰۃ ص ۵۱۵"

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے دو اسمائے گرامی آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی دلالت کرتے ہیں۔ اول "**الحاشر**" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**بشارة الی انه لیس بعده نبی و لا شریعة۔۔۔۔۔ فلما کان لا امة بعد امته لانه لا نبی بعده' نسب الحشر الیه لانه یقع عقبه۔**[289] {یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور کوئی شریعت نہیں۔۔۔۔۔ سو چونکہ آپ ﷺ کی امت کے بعد کوئی امت نہیں اور چونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس لئے حشر کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد حشر ہو گا۔} دوسرا اسم گرامی "**العاقب**" جس کی تفسیر خود حدیث میں موجود ہے۔ یعنی کہ: "**الذی لیس بعده نبی۔**" {آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔}

اس مضمون کی احادیث مندرجہ ذیل حضرات سے بھی مروی ہیں:

۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"**کان رسول اللہ ﷺ یسمی لنا نفسه اسماء فقال انا محمد و احمد و المقفی و الحاشر و نبی التوبة و نبی الرحمة۔**[290]

{آنحضرت ﷺ ہمارے سامنے چند اسمائے گرامی ذکر فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا میں محمد ہوں' احمد ہوں' مقفی (سب نبیوں کے بعد آنے والا) ہوں' حاشر ہوں' نبی توبہ ہوں' نبی رحمت ہوں۔}

۲۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں: "**قال انا محمد و انا احمد و انا الرحمة و نبی التوبة و انا المقفی و انا الحاشر و نبی الملاحم۔**[291] {فرمایا میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں نبی رحمت ہوں' میں نبی توبہ ہوں' میں مقفی (سب نبیوں کے بعد آنے والا) ہوں' میں حاشر ہوں اور نبی ملاحم (مجاہد نبی) ہوں۔}

۳۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں: "**انا احمد و انا محمد و انا الحاشر الذی احشر الناس علی قدمی۔**[292] {میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں حاشر ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں میں جمع کیا جائے گا۔}

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "**و انا احمد و محمد و الحاشر و المقفی و الخاتم۔**[293] {میں احمد ہوں' محمد ہوں' حاشر ہوں' مقفی ہوں اور خاتم ہوں۔}

---

[289] فتح الباری ص ۵۵۷ ج ۶"

[290] صحیح مسلم ص ۲۶۱ ج ۲"

[291] شمائل ترمذی ص ۲۶' مجمع الزوائد ص ۸۴ ج ۸"

[292] مجمع الزوائد ص ۲۸۴ ج ۸"

[293] مجمع الزوائد ص ۲۸۴ ج ۸"

۵۔ مرسل مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "**انا محمد و احمد انا رسول الرحمة انا رسول الملحمة انا المقفی والحاشر بعثت بالجهاد ولم ابعث بالزرع۔**[294] {میں محمد ہوں اور احمد ہوں، میں رسول رحمت ہوں، میں ایسا رسول ہوں جسے جنگ کا حکم ہوا ہے۔ میں مقفی اور حاشر ہوں، میں جہاد کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، کسان بنا کر نہیں بھیجا گیا۔}

۶۔ حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح الباری ص ۵۵۵ ج ۶" حدیث نمبر ۱۰ متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "**بعثت انا و الساعة کهاتین**" {مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔} اس مضمون کی احادیث مندرجہ ذیل حضرات سے مروی ہیں:

۱۔ سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بخاری ص ۹۶۳ ج ۲، مسلم ص ۴۰۶ ج ۲)

۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بخاری ص ۹۶۳ ج ۲)

۳۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بخاری ص ۹۶۳ ج ۲)

۴۔ مستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ترمذی ص ۴۴ ج ۲)

۵۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسلم ص ۲۸۴ ج ۱، نسائی ص ۲۳۴ ج ۱)

۶۔ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جامع الاصول ص ۳۸۵ ج ۱۰)

۷۔ بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسند احمد ص ۳۴۸ ج ۵)

۸۔ ابی جبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مجمع الزوائد ص ۳۱۲ ج ۱۰)

۹۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسند احمد ص ۱۰۳ ج ۵)

۱۰۔ وہب السوائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مجمع الزوائد ص ۳۱۱ ج ۱۰)

۱۱۔ ابو جحیفہ (کنز ص ۱۹۵ ج ۱۴، مسند احمد ص ۳۰۹ ج ۴)

ان احادیث میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے درمیان اتصال کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری قرب قیامت کی علامت ہے اور اب قیامت تک آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ "تذکرہ" میں لکھتے ہیں:

"**واما قوله بعثت انا و الساعة کهاتین فمعناه انا النبی الاخیر فلا یلینی نبی آخر و انما تلینی القیامة کما تلی السبابة الوسطی ولیس بینها اصبع آخری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ولیس بینی و بین القیامة نبی۔**[295]

---

[294] طبقات ابن سعد ص ۱۰۵ ج ۱"

[295] التذکرة فی احوال الموتی و امور الآخرة ص ۷۱۱"

{اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں آخری نبی ہوں ۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میرے بعد بس قیامت ہے۔ جیسا کہ انگشت شہادت درمیانی انگلی کے متصل واقع ہے۔ دونوں کے درمیان اور کوئی انگلی نہیں۔۔۔۔۔۔ اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں۔}

علامہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ حاشیہ نسائی میں لکھتے ہیں: **" التشبیه فی المقارنة بینهما ای لیس بینهما اصبع اخری کما انه لا نبی بینه ﷺ وبین الساعة۔**[296] {تشبیہ دونوں کے درمیان اتصال میں ہے۔ (یعنی دونوں کے باہم ملے ہوئے ہونے میں ہے) یعنی جس طرح ان دونوں کے درمیان کوئی اور انگلی نہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ کے درمیان اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔}

"کم ترک الاولون لآاخرون۔"

اجماع کی حقیقت اور اس کی عظمت:

خدائے تعالیٰ کے ہزاروں درود اس ذات مقدس پر جس کے طفیل میں ہم جیسے سراپا گناہ اور سراسر خطا و قصور بھی خیر الامم' امت وسطی' امت مرحومہ' شہدائے خلق کے القاب گرامی کے ساتھ پکارے جاتے ہیں:

کہ دار دزیر گردوں میر سامانے کہ من دارم

وہ بے شمار خداوندی انعام واکرام جو ہمارے آقائے نامدار ﷺ کی بدولت ہم پر مبذول ہوئے ہیں۔ اجماع امت بھی ان میں سے ایک امتیازی فضلیت ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اس امت کے علمائے مجتہدین اگر کسی مسئلہ میں ایک حکم پر اتفاق کر لیں تو یہ حکم بھی ایسا ہی واجب الاتباع اور واجب التعمیل ہوتا ہے جیسے قرآن وحدیث کے صریح احکام۔ جس کی حقیقت دوسرے عنوان سے یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر جب نبوت ختم کر دی گئی تو آپ ﷺ کے بعد کوئی ہستی معصوم باقی نہیں رہتی جس کے حکم کو غلطی سے پاک اور ٹھیک حکم خداوندی کا ترجمان کہا جاسکے۔ اس لئے رحمت خداوندی نے امت محمدیہ کے مجموعہ کو ایک نبی معصوم کا درجہ دے دیا کہ ساری امت جس چیز کے اچھے یا برے ہونے پر متفق ہو جائے وہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا امت کے مجموعہ نے سمجھا ہے۔ اسی بات کو رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے: **"لن تجتمع امتی علی الضلالة۔"** {یعنی میری امت کا مجموعہ کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتا۔} اسی لئے اصول کی کتابوں میں اس کے حجت ہونے اور اس کے شرائط ولوازم پر مفصل بحث کی جاتی ہے۔ اور احکام شرعیہ کی حجتوں میں قرآن وحدیث کے بعد تیسرے نمبر پر اجماع کو رکھا جاتا ہے۔ اجماع بھی دراصل دلیل ختم نبوت ہے در حقیقت اجماع کا شرعی حجتوں میں داخل ہونا اور اس امت کے لئے مخصوص ہونا خود بھی ہمارے زیر بحث مسئلہ ختم نبوت کی روشن دلیل ہے۔ جیسا کہ صاحب توضیح لکھتے ہیں: **"وما اتفق علیه المجتهدون من امة محمد ﷺ فی عصر علیٰ امر فهذا من خواص امة محمد علیه الصلوٰة والسلام فانه خاتم النبیین لا وحی بعده وقد قال الله تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم ولا شک ان الاحکام التی تثبت بصریح الوحی**

---

[296] حاشیہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ بر نسائی ص ۲۳۴ ج ۱"

بالنسبة الی الحوادث الواقعة قلیلة غایة القلة فلو لم تعلم احکام تلک الحوادث من الوحی الصریح وبقیت احکامها مهملة لا یکون الدین کاملا فلابد ان یکون للمجتهدین ولایة استنباط احکامها من الوحی۔[297]

{اور وہ حکم جس پر محمد ﷺ کی امت کے مجتہدین کا کسی زمانہ میں اتفاق ہو جائے اس کا واجب التعمیل ہونا اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ ﷺ کے بعد کسی پر وحی نہیں آئے گی اور ادھر یہ اشارہ خداوندی ہے کہ ہم نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اس میں بھی شک نہیں بلکہ جو احکام صریح وحی سے ثابت ہوئے ہیں وہ بہ نسبت روز مرہ کے پیش آنے والے واقعات کے نہایت قلیل ہیں۔ پس جب ان واقعات کے احکام وحی صریح سے معلوم نہ ہوئے (اب اگر اجماع و قیاس کو حجت نہ بنایا جائے) اور شریعت میں ان واقعات کے متعلق احکام نہ ہوں تو دین کامل نہیں رہتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس امت کے مجتہدین کو وحی (رہنمائی) سے ان احکام کے استنباط کرنے کا حق حاصل ہو۔} الغرض جس طرح قرآن وحدیث سے احکام شرعیہ ثابت ہوئے ہیں اسی طرح بتصریح نصوص قرآن وحدیث اور باتفاق علمائے امت اجماع سے قطعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ البتہ اس میں چند درجات ہیں۔ جن میں سب سے مقدم اور سب سے زیادہ قطعی اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔ جس کے متعلق علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ اگر کسی مسئلہ پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء بالتصریح جمع ہو جائیں تو وہ بالکل ایسا ہی قطعی ہے جیسا کہ قران مجید کی آیات۔ اور اگر یہ صورت ہو کہ بعض نے اپنی رائے بیان فرمائی اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی تردید نہ کی بلکہ سکوت اختیار کیا۔ تو یہ بھی اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں داخل ہے اور اس سے جو حکم ثابت ہو وہ بالکل ایسا ہی قطعی ہے جیسے احادیث متواترہ کے احکام قطعی ہوتے ہیں بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو تمام ادلہ شرعیہ میں سب سے زیادہ فیصلہ کن دلیل ہے اور بعض حیثیات سے تمام حجج شرعیہ پر مقدم ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت کے مفہوم و معنی متعین کرنے میں آراء مختلف ہو سکتی ہیں۔ اجماع میں اس کی بھی گنجائش نہیں۔ چنانچہ حافظ حدیث علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

"واجماعهم حجة قاطعة یجب اتباعها بل هی اوکد الحجج وهی مقدمة علیٰ غیرها ولیس هذا موضع تقریر ذالک فان هذا الاصل مقرر فی موضعه ولیس فیه بین الفقهاء ولا بین سائر المؤمنین الذین هم المؤمنون خلاف۔[298] {اور اجماع صحابہ حجت قطعیہ ہے اس کا اتباع فرض ہے بلکہ وہ تمام شرعی حجتوں سے زیادہ موکد اور سب سے مقدم ہے۔ یہ موقع اس بحث کے پھیلانے کا نہیں۔ کیونکہ ایسے موقعے (یعنی کتب اصول) میں یہ بات باتفاق اہل علم ثابت ہو چکی ہے۔ اور اس میں تمام فقہاء اور تمام مسلمانوں میں جو واقعی مسلمان ہیں کسی کا بھی خلاف نہیں۔}

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سب سے پہلا اجماع

اسلامی تاریخ میں یہ بات درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں دعوائے نبوت کیا۔ اور بڑی جماعت اس کی پیرو ہو گئی۔ اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلی مہم جہاد جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں

---

[297] توضیح مصری ص ۴۹ ج ۱"

[298] اقامۃ الدلیل ص ۱۳۰ ج ۳"

کی وہ اسی کی جماعت پر تھا۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مہاجرین وانصار نے اس کو محض دعوائے نبوت کی وجہ سے اور اس کی جماعت کو اس کی تصدیق کی بناء پر کافر سمجھا۔ اور باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور یہی اسلام میں سب سے پہلا اجماع تھا۔ حالانکہ مسیلمہ کذاب بھی مرزا قادیانی کی طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کا منکر نہ تھا بلکہ بعینہ مرزا قادیانی کی طرح آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ اپنی نبوت کا مدعی تھا۔ یہاں تک کہ اس کی اذان میں برابر ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' پکارا جاتا تھا۔ اور وہ خود بھی بوقت اذان اس کی شہادت دیتا تھا۔ تاریخ طبری میں ہے:'' وکان یؤذن للنبی ﷺ وشھد فی الاذان ان محمد رسول اللہ وکان الذی یؤذن لہ عبداللہ بن النواحۃ وکان الذی یقیم لہ حجیر بن عمیر ویشھد لہ وکان مسیلمہ اذا دنی حجیر من الشھادۃ قال صرح حجیر فیزید فی صوت ویبالغ التصدیق نفسہ۔[299]

{وہ (مسیلمہ) نبی کریم ﷺ کے لئے اذان میں یہ گواہی دیتا تھا کہ محمد ﷺ رسول اللہ ہیں اور اس کا موذن عبد اللہ ابن نواحہ اور اقامت کہنے والا حجیر ابن عمیر تھا۔ اور جب حجیر شہادت پر پہنچتا تھا تو مسیلمہ بآواز بلند کہتا تھا کہ حجیر نے صاف بات کہی اور پھر اس کی تصدیق کرتا تھا۔} الغرض نبوت و قرآن پر ایمان اور نماز روزہ سب ہی کچھ تھا۔ مگر ختم نبوت کے بدیہی مسئلہ کے انکار اور دعوائے نبوت کی وجہ سے باجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کافر سمجھا گیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مہاجرین وانصار اور تابعین کا ایک عظیم الشان لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں مسیلمہ کے ساتھ جہاد کے لئے یمامہ کی طرف روانہ کیا۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہ کیا اور کسی نے نہ کہا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں، کلمہ گو ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان کو کیسے کافر سمجھ لیا جائے؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابتدائً خلاف کرنا اور بعد تحقیق حق کے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ موافقت کرنا جو روایات میں منقول ہے وہ بھی اس واقعہ میں نہیں تھا۔ بلکہ مانعین زکوٰۃ پر جہاد کرنے کے معاملہ میں تھا۔ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقت کی نزاکت اور مسلمانوں کی قلت وضعف کا عذر پیش کر کے ابتدائً ان کی رائے سے خلاف ظاہر فرمایا تھا۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھوڑے سے مکالمہ کے بعد ان کی رائے بھی موافق ہو گئی۔ الغرض حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابتدائً خلاف کرنا بھی مسیلمہ کذاب کے واقعہ میں ثابت نہیں۔ اس طرح حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی روانگی کے مسئلہ پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختلاف کیا مگر مسیلمہ کذاب جھوٹے مدعی نبوت کے خلاف جہاد کرنے کے مسئلہ پر کسی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ یہ دلیل ہے کہ سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر منعقد ہوا۔ امت کو اجماع، ختم نبوت کے صدقے ملا۔ امت نے بھی سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر کیا۔ ۱۲ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ جن میں سات سو قرآن مجید کے حافظ و قاری تھے۔ رحمت دو عالم ﷺ کی امت کا سب سے قیمتی اثاثہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مسئلہ پر شہید ہوئے

---

[299] تاریخ طبری ص ۲۴۴ ج ۳''

جس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ ختم نبوت کی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک کتنی اہمیت تھی۔ نیز مسلک الختام فی ختم نبوت سید الانام کے ص ۱۰ پر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمائی ہے کہ:

امت محمدیہ میں سب سے پہلا اجماع جو ہوا ہے وہ اس مسئلہ پر ہوا کہ مدعی نبوت قتل کیا جائے۔"[300]

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں: "اور سب سے پہلا اجماع جو اس امت میں منعقد ہوا۔ وہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر اجماع تھا۔ جس کا سبب صرف اس کا دعویٰ نبوت تھا۔ اس کی دیگر گھناؤنی حرکات کا علم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کے قتل کے بعد ہوا تھا جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے۔[301]

اجماع امت کے حوالہ جات

(۱) علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں: "**دعوی النبوۃ بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع**۔[302]

{ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔}

۲۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ "**الاقتصاد**" میں فرماتے ہیں:

"**ان الامۃ فھمت بالاجماع من ھذا اللفظ و من قرائن احوالہ انہ افھم عدم نبی بعدہ ابدا۔۔۔۔۔ و انہ لیس فیہ تاویل و لا تخصیص فمنکر ھذا لایکون الا منکر الاجماع**۔[303] {بے شک امت نے بالاجماع اس لفظ (خاتم النبیین) سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ رسول۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس لفظ میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں۔ پس اس کا منکر یقیناً اجماع امت کا منکر ہے۔}

۳۔ حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الشفاء میں خلیفہ عبد الملک بن مروان کے عہد خلافت کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں حارث نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو خلیفہ نے وقت کے علماء (جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے) کے فتویٰ سے اسے قتل کر دیا۔ اور سولی پر چڑھایا۔ قاضی عیاض صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

"**وفعل ذالک غیر واحد من الخلفاء و الملوک باشباھم و اجمع علماء وقتھم علی صواب فعلھم و المخالف فی ذالک من کفر ھم کافر**۔[304]

---

[300] (احتساب قادیانیت ج دوم مجموعہ رسائل مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۰)

[301] (خاتم النبیین مترجم ص ۱۹۷ مطبوعہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)

[302] شرح فقہ الاکبر ص ۲۰۲"

[303] الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۱۲۳"

[304] شفا ص ۲۵۷، ۲۵۸ ج ۲"

{اور بہت سے خلفاء وسلاطین نے ان جیسے مدعیان نبوت کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے۔ اور اس زمانہ کے علماء نے ان سے اس فعل کے درست ہونے پر اجماع کیا ہے۔ اور جو شخص ایسے مدعیان نبوت کی تکفیر میں خلاف کرے وہ خود کافر ہے۔}

۴۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی اپنی کتاب شفاء میں اسی اجماع کی تصریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں: **"لانہ اخبر ﷺ انہ خاتم النبیین لانبی بعدہ واخبر عن اللہ تعالیٰ انہ خاتم النبیین وانہ ارسل کافۃ للناس واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علیٰ ظاھرہ وانہ مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلاشک فی کفر ھؤلأ الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا۔**[305]

{اس لئے کہ آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ ﷺ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام بالکل اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے۔ اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہ ہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔}

۵۔ اور علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی بغداد اپنی تفسیر روح المعانی میں اسی اجماع کو الفاظ ذیل میں نقل فرماتے ہیں: **"ویکون ﷺ خاتم النبیین مما نطقت بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصرا۔**[306]

{اور آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جس پر کتاب (بلکہ تمام آسمانی کتابیں) ناطق ہیں۔ اور احادیث نبوی ﷺ اس کو بوضاحت بیان کرتی ہیں۔ اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ پس اس کے خلاف کا مدعی کافر ہے۔ اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔}

۶۔ اور اسی مضمون کو علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں اس طرح بیان فرمایا ہے: **"ومن اعتقد وحیا بعد محمد ﷺ کفر باجماع المسلمین"** {اور جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد کسی وحی کا معتقد ہو وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔}

۷۔ کتاب الفصل فی الملل والنحل پر ہے: **"صح الاجماع علیٰ ان کل من حجر شیاء صح عندنا بالاجماع ان رسول اللہ ﷺ بہ فقد کفر"** {رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز (مسئلہ) کے اجماعی طور پر ثابت ہو جانے سے اس کا انکار کرنے والا بھی بالاجماع کافر ہے۔}

خلاصہ بحث

۱۔ مسئلہ ختم نبوت قرآن مجید کی ننانوے آیات بینات سے ثابت ہے۔

۲۔ مسئلہ ختم نبوت دو سو دس احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

۳۔ مسئلہ ختم نبوت تواتر سے ثابت ہے۔

۴۔ مسئلہ ختم نبوت اجماع امت سے ثابت ہے۔

---

[305] شفاء قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۲۴۷ ج ۲ مطبوعہ مصر"

[306] روح المعانی ص ۳۹ جزء ۲۲"

۵۔ مسئلہ ختم نبوت پر امت کا سب سے پہلا اجماع منعقد ہوا۔

۶۔ مسئلہ ختم نبوت کے لئے بارہ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جس میں سات سو قرآن مجید کے حافظ و قاری اور بدری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔

۷۔ مسئلہ ختم نبوت کی وجہ سے اللہ رب العزت نے امت کو اجماع کی نعمت سے نوازا۔

۸۔ مسئلہ ختم نبوت کی وجہ سے رحمت دوعالم ﷺ پر نازل شدہ وحی قرآن مجید کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔

۹۔ ختم نبوت کے تحفظ کی پہلی جنگ کے بعد قرآن مجید کو جمع کرنے کا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں امت نے اہتمام کیا۔

۱۰۔ ختم نبوت کے منکر یعنی جھوٹے مدعی نبوت سے اس کے دعویٰ نبوت کی دلیل طلب کرنے والا بھی کافر ہے۔ نیز یہ کہ جھوٹے مدعی نبوت اور اس کے پیروکاروں کی شرعی سزا قتل ہے۔

۱۱۔ دنیا میں کہیں کسی آسمانی کتاب کے حافظ موجود نہیں۔ جبکہ قرآن مجید کے حافظ و قاری ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہیں۔ یہ اس لئے کہ پہلی کتب عارضی و محدود دور کے لئے تھیں۔ قرآن مجید قیامت کی صبح تک کے لئے ہے۔ اس اعتبار سے تو اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر اس وقت تک دنیا کے ہر خطہ میں حافظ و قاری ختم نبوت کی دلیل ہیں۔

۱۲۔ مسیحی قوم اپنی عبادت گاہوں کو فروخت کر کے دوسرے مقاصد (دکان و مکان) کے لئے استعمال کرتی ہے۔ جہاں مسجد بن جائے امت محمدیہ ﷺ اس جگہ کو دوسرے مقصد کے لئے استعمال نہیں کر سکتی۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت محدود وقت کے لئے' ان کی عبادت گاہیں بھی محدود وقت کے لئے۔ آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لئے تو مساجد بھی قیامت تک کے لئے۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو مسجد نبوی ﷺ سے لے کر کائنات کے ہر خطہ کی ہر مسجد ختم نبوت کی دلیل نظر آتی ہے۔

ان تمام امور پر نظر کریں تو گویا پورا دین ختم نبوت کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔

خدا چاہے تو کروڑوں محمد پیدا کر دے

امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی قتیل نے ایسا عقیدہ لکھا ہے کہ جس سے ختم نبوت کے انکار کا دروازہ کھلا ہے۔

عقیدہ :اس شہنشاہ اللہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی ،جن و فرشتہ ،جبریل اور محمد ﷺ پیدا کر ڈالے۔[307]

وہابیوں کے امام کے اس عقیدے سے ختم نبوت کا انکار واضح ہے۔ نزد دہلوی کی علمی قابلیت اور قرآن دانی کا سارا راز بھی فاش ہو جاتا ہے۔ دراصل اس میں دہلوی نے یہ گستاخی إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرة ۲۰) کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بناء پر کی ہے۔ حالانکہ اس بیچارے کو اتنا علم نہیں کہ مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مایشاء قَدِيرٌ۔ بے شک اللہ

---

[307] تقویت الایمان ص ۳۱ مطبوعۃ دھلی۔

تعالیٰ جس چیز کو چاہے اس پر قادر ہے۔رب کریم کا یہ بھی اعلان ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۴۰) محمدؐ تمہارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔" جب اللہ کریم نے فرمایا کہ محمد ﷺ کے بعد نبوت ختم ہے آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں پھر اس کی وضاحت اعلانیہ طور پر تاجدار ختم نبوت ﷺ نے فرمادی۔لانبی بعدی ۔میرے بعد کوئی نبی نہیں ۔" قرآن وحدیث کے ان واضح فرامین کے باوجود اسماعیل دہلوی یہ عقیدہ رکھے کہ خدا کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں محمد ﷺ پیدا کر ڈالے۔ خدا اواس کے پیارے رسول ﷺ سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔کیونکہ اگر محمد پیدا کرے گا تو نبوت بھی دے گا اور اگر نبوت دے گا تو خاتم النبیین جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وہ غلط ہوتا ہے۔(العیاذ باللہ) جبکہ پروردگار عالم کا یہ بھی اعلان ہے۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (النساء۸۷) اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ (یونس ۶۴) اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔" وہابیوں کے امام اسماعیل قتیل نے مرزا غلام قادیانی کو یہ راستہ دکھایا۔رہنمائی دہلوی نے کی اور دعویٰ قادیانی نے کیا کہ

منم مسیح زماں منم کلیم خدا　　منم محمد واحمد کہ مجتبےٰ باشد[308]

تمام محدثین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مصطفےٰ ﷺ پر نبوت ختم ہے

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین۔اوراس کے ماتحت حدیثیں فرمان مصطفےٰ ﷺ کی تحریر فرمائیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔جئت فختمت الانبیاء۔میں آیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا۔اب کسی کی نبوت نہیں چل سکتی اور لیس بعدہ نبی عاقب۔ کے معنی ثابت کر دیئے۔[309]

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

بخاری شریف میں مصطفےٰ ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ سے فرمایا ہے اور باب خاتم النبیین مقرر فرمایا۔[310]

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابوداؤد شریف پر مصطفےٰ ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ نے ثابت فرمایا ہے۔[311]

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

---

[308] تریاق القلوب ص ۵۔

[309] مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۸ پر باب مقرر فرمادیا۔

[310] بخاری شریف ج ۱ ص ۵۰۹، ج ۲ ص ۱۰۴،

[311] ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۳۳،

ترمذی شریف ،باب ذھبت النبوۃ مقرر فرماکران الرسالۃ والنبوۃ قدانقطعت فلارسول بعدی ولانبی ۔کی حدیث نقل فرماکراجرائی نبوت کارد کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی یہی تھا کہ مصطفیٰ ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔اورامام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر بھی ازروئے احادیث صحیحہ مصطفیٰ ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب ثابت کیاہے۔[312]

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کاعقیدہ

مصطفےٰ ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ نے ثابت کیاہے۔[313]

شیخ علاؤالدین رحمہ اللہ تعالیٰ کاعقیدہ

صاحب کنزالعمال شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان الرسالۃ والنبوۃ قدانقطعت فلارسول بعدی ولانبی۔کی حدیث نقل فرماکراجرائے نبوت کی ایک حدیث یاقول بیان نہیں فرمایاجس سے ثابت ہوا کہ ان کاعقیدہ بھی ختم نبوت پر تھا۔

ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ کاعقیدہ

ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلائل النبوت میں حدیث نقل فرمائی جس سے ثابت کیاہے کہ مصطفیٰ ﷺ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے قبل ہی خاتم النبیین ﷺ منتخب ہو چکے تھے۔[314]

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ کاعقیدہ

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب استیعاب میں نبی کریم ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے دلائل ازروئے احادیث صحیحہ انا الخاتم الذی ختم بی النبوۃ وانا العاقب فلیس بعدی نبی وانا المقفیٰ بعدالانبیاء۔بیان فرمائی اوراجرائے نبوت کے متعلق ذراسااشارہ بھی بیان نہیں فرمایا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ عبدالبر کامذہب بھی ختم نبوت پر ہی تھا۔[315]

ابن حجر صاحب فتح الباری شارح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کاعقیدہ

وان اللہ ختم بہ المرسلین واکمل بہ شرائع الدین ۔اوربے شک اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ تمام رسولوں کوختم کردیااورآپ ﷺ کے ساتھ ہی دین کو مکمل کردیا۔ معلوم ہوا کہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کامذہب بھی ختم نبوت پر ہی تھا۔[316]

---

[312] ترمذی شریف ج۲ص ۵۱ وج۲ص ۴۵۔

[313] بیہقی شریف ج۹ص ۱۸۱،

[314] دلائل النبوت میں ج ۱ ص ۹

[315] استیعاب کے ج ۱ ص ۱۲

[316] فتح الباری ج۱۴ ص ۳۱۴۔

امام قسطلانی شارح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

وانا العاقب لانہ جاء عقب الانبیاء فلیس بعدہ نبی۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمان مصطفیٰ ﷺ کی تشریح فرماتے ہوئے **انا العاقب** کی تشریح فرماتے ہیں کہ مصطفیٰ ﷺ عاقب اس لئے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیچھے تشریف لائے ہیں، تو آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی بن سکتا۔ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ **(باب خاتم النبیین) ای آخرھم الذی ختمھم او ختموا بہ وقیل من لا نبی بعدہ....ولا یقدح فیہ نزول عیسٰی علیہ السلام بعدہ لانہ اذا نزل یکون علی دینہ مع ان المراد انہ اخر من نبی۔**[317]

امام قسطلانی نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ باب خاتم النبیین کے تحت مصطفیٰ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے معنی فرماتے ہیں یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کے آخری نبی جس نے تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا ہے۔ یہ تمام انبیاء علیہم السلام مصطفیٰ ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی ختم ہو گئے اور بعض نے خاتم النبیین کے معنی بیان کئے ہیں کہ وہ شخص کہ جس کے بعد نبی نہ ہو۔ ثابت ہوا کہ جو مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین مانتا ہے اس کو آپ ﷺ کے بعد ختم نبوت کو ختم تسلیم کرنا پڑے گا اور جو آپ ﷺ پر نبوت کو ختم نہیں سمجھتا اور اجرائے نبوت کا قائل ہے وہ خاتم النبیین کا منکر ہے اور پھر علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے تشریف لانا مخالف نہیں کیونکہ جب وہ اتریں گے تو وہ آپ ﷺ کے دین پر ہی تشریف فرما ہوں گے۔ اپنی نبوت کے مبلغ نہ ہوں گے باوجودیکہ مراد خاتم النبیین سے یہی ہے کہ مصطفیٰ ﷺ آخری نبی ہیں۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ختم نبوت پر عقیدہ تھا

زرقانی ج۵ ص۲۶۷، ومنھا: أنه خاتم الأنبياء والمرسلين" كما قال تعالى: {وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ}، أي: آخرهم الذي ختمهم أو ختموا به على قراءة عاصم بالفتح، وروى أحمد والترمذي والحاكم بإسناد صحيح عن أنس مرفوعًا: "إن الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي"، وقيل: من لا نبي بعده يكون أشفق على أمته وهو كالوالد لولد ليس له غيره، ولا يقدح نزول عيسى بعده، لأنه يكون على دينه مع أن المراد أنه آخر من نبئ،[318]

ترجمہ پہلے گزر چکا ہے صرف ایک جملہ علامہ زرقانی نے فرمایا ہے جو قابل غور ہے۔ **وھو کالوالد لولد لیس لہ غیرہ،** کہ مصطفیٰ ﷺ باپ کی طرح ہیں اپنے بیٹے کیلئے جیسا کہ بیٹے کیلئے باپ ایک ہے ایسے ہی آپ ﷺ اب ایک ہی نبی ہیں کیونکہ پہلے نبوت جاری تھی اب ختم ہو چکی۔

تمام مفسرین اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی ختم نبوت پر عقیدہ تھا

---

[317] قسطلانی ج۶ ص ۲۱۔

[318] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج۷ ص ۲۳۵۔

ولكنه رسول الله وخاتم النبيين، الذي ختم النبوة فطبع عليها، فلا تفتح لأحد بعده إلى قيام الساعة، ترجمہ: اور لیکن محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں کہ آپ ﷺ نے نبوت کو ختم کر دیا، اور تمام پر آپ ﷺ نے مہر لگادی۔ پھر کسی کیلئے قیامت تک نہیں کھل سکتی۔[319]

حدثنا بشر، قال: ثنا يزيد، قال: ثنا سعيد، عن قتادة قوله (مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ) قال: نزلت في زيد، إنه لم يكن بابنه، ولعمري ولقد ولد له ذكور، إنه لأبو القاسم وإبراهيم والطيب والمطهر (وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ) أي: آخرهم۔[320]

اور لیکن آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں یعنی تمام کے آخر ہیں۔

فَقَرَأَ ذَلِكَ قُرَّاءُ الْأَمْصَارِ سِوَى الْحَسَنِ وَعَاصِمٍ بِكَسْرِ التَّاءِ مِنْ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ، بِمَعْنَى أَنَّهُ خَتَمَ النَّبِيِّينَ.[321] اور تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے سوائے حسن وعاصم کے تمام شہروں کے قراء نے اس کو خاتِم النبیین پڑھا ہے کہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

(وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ) وَذَلِكَ لِأَنَّ النَّبِيَّ الَّذِي يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيٌّ إِنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنَ النَّصِيحَةِ وَالْبَيَانِ يَسْتَدْرِكُهُ مَنْ يَأْتِي بَعْدَهُ، وَأَمَّا مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ يَكُونُ أَشْفَقَ عَلَى أُمَّتِهِ وَأَهْدَى لَهُمْ وَأَجْدَى، إِذْ هُوَ كَوَالِدٍ لِوَلَدِهِ الَّذِي لَيْسَ لَهُ غَيْرُهُ مِنْ أَحَدٍ وَقَوْلُهُ: وَكانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً يَعْنِي عِلْمَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ دَخَلَ فِيهِ أَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔[322]

(اور آپ ﷺ تمام نبیوں کے خاتم ہیں) اور یہ اس لئے کہ ایسے نبی ہیں کہ جس کے بعد اور کوئی نبی ہو اگر (پہلے نبی) نصیحت اور بیان سے کچھ چھوڑ جائے تو اس کا بعد کا نبی اس کو لے لیتا ہے اور لیکن ایسا شخص جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو تو ایسا نبی اپنی امت پر زیادہ مہربان ہوتا ہے اور ان کیلئے زیادہ ہادی ہوتا ہے اور زیادہ صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ایسے والد کی مانند ہے جس کا بیٹا اس کے سوا اور کوئی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا فرمان (اللہ تعالیٰ ہر شئے کو جاننے والا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا علم ہے۔ اس میں (یہ بھی) داخل ہو گیا کہ مصطفیٰ کے بعد کوئی نبی ﷺ نہیں۔

{وَخَاتَمَ النبيين} بفتح التاء عاصم بمعنى الطابع أي آخرهم يعني لا ينبأ أحد بعده وعيسى ممن نبئ قبله وحين ينزل عاملا على شريعة محمد ﷺ كأنه بعض أمته۔[323]

(اور خاتم النبیین) تاء کے فتح کے ساتھ عاصم کی قرأت ہے۔ بمعنی مہر لگانے والے کے یعنی سب کے آخر یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا اور عیسیٰ علیہ السلام وہ شخص ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نبی ہو چکے ہیں اور جب اتریں گے محمد ﷺ کی شریعت کے عامل ہوں گے گویا کہ وہ آپ ﷺ کے امتی ہیں۔

---

[319] تفسیر ابن جریر ج۳ص ۲۳۹۔

[320] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۲۲۔

[321] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۲۲۔

[322] مفاتیح الغیب=التفسیر الکبیر ج ۶ ص ۷۸۶۔

[323] تفسیر النسفي (مدارک التنزیل وحقائق التأویل) ج۳ص ۲۳۴۔

وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ ختم الله به النبوة فلا نبوة بعده أي ولا معه قال ابن عباس: يريد لو لم أختم به النبيين لجعلت له ابنا ويكون بعده نبيا وعنه قال: إن الله لما حكم أن لا نبي بعده، لم يعطه ولدا ذكرا يصير رجلا وَكانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً أي دخل في علمه أنه لا نبي بعده.[324]

وَكان خاتَمَ النَّبِيِّينَ يعنى أنه لو كان له ولد بالغ مبلغ الرجال لكان نبيا ولم يكن هو خاتم الأنبياء، كما يروى أنه قال في إبراهيم حين توفى. لو عاش لكان نبيا «1». فإن قلت: أما كان أبا للطاهر والطيب والقاسم وإبراهيم؟ قلت: قد أخرجوا من حكم النفي بقوله مِنْ رِجالِكُمْ من وجهين، أحدهما: أنّ هؤلاء لم يبلغوا مبلغ الرجال. والثاني: أنه قد أضاف الرجال إليهم وهؤلاء رجاله لا رجالهم. فإن قلت: أما كان أبا للحسن والحسين؟ قلت: بلى ولكنهما لم يكونا رجلين حينئذ، وهما أيضا من رجاله لا من رجالهم، وشيء آخر: وهو أنه إنما قصد ولده خاصة، لا ولد ولده، لقوله تعالى وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ ألا ترى أن الحسن والحسين قد عاشا إلى أن نيف أحدهما «2» على الأربعين والآخر على الخمسين. قرئ. ولكن رسول الله بالنصب، عطفا على أَبا أَحَدٍ وبالرفع على: ولكن هو رسول الله. ولكنّ، بالتشديد على حذف الخبر، تقديره: ولكنّ رسول الله من عرفتموه، أى: لم يعش له ولد ذكر. وخاتم بفتح التاء بمعنى الطابع، وبكسرها بمعنى الطابع وفاعل الختم. وتقوّيه قراءة ابن مسعود: ولكنّ نبيا ختم النبيين. فإن قلت: كيف كان آخر الأنبياء وعيسى ينزل في آخر الزمان؟ قلت: معنى كونه آخر الأنبياء أنه لا ينبأ أحد بعده، وعيسى ممن نبئ قبله، وحين ينزل ينزل عاملا على شريعة محمد، مصليا إلى قبلته، كأنه بعض أمّته.[325]

یعنی آپ ﷺ کا اگر کوئی لڑکا آدمیوں کی عمر کا بالغ ہوتا تو نبی ہوتا اور ہوا نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد فرمایا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا، (چونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اس لئے زندہ نہیں رہا۔) پس اگر تو سوال کرے کہ مصطفےٰ ﷺ آخر الانبیاء کیسے ہوئے حالا کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں اتریں گے میں کہتا ہوں

{وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ} [الأحزاب: 40] ختم الله به النبيين، وقرأ ابن عامر وابن عاصم: {وَخَاتَمَ} [الأحزاب: 40] بِفَتْحِ التَّاءِ عَلَى الِاسْمِ، أَيْ آخِرَهُمْ، وَقَرَأَ الْآخَرُونَ بِكَسْرِ التَّاءِ عَلَى الْفَاعِلِ لِأَنَّهُ خَتَمَ بِهِ النَّبِيِّينَ فَهُوَ خَاتَمُهُمْ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُرِيدُ لَوْ لَمْ أَخْتِمْ بِهِ النَّبِيِّينَ لَجَعَلْتُ لَهُ ابْنًا يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيًّا. وَرُوِيَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمَّا حَكَمَ أَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ لَمْ يُعْطِهِ وَلَدًا ذَكَرًا يَصِيرُ رَجُلًا،[326]

{وَخَاتَمَ النَّبِيين} ختم الله بِهِ النَّبِيين قبله فَلَا يكون نَبِي بعده۔[327]

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ساتھ نبیوں کو جو آپ ﷺ سے پہلے تھے ختم کر دیا تو آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

{رَسُول الله وخاتم النبيين} فلا يكون له ابن رَجُل بَعْده يَكُون نَبِيًّا وَفِي قِرَاءَة بِفَتْحِ التَّاء كَآلَةِ الْخَتْم أَيْ بِهِ خُتِمُوا {وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْء عَلِيمًا} مِنْهُ بِأَنْ لَا نَبِيّ بَعْده۔[328]

---

[324] تفسیر خازن ج۵ ص ۲۱۸۔

[325] تفسیر کشاف زمخشری ج۳ ص ۲۳۹۔

[326] معالم التنزیل ج۵ ص ۳۱۸۔

[327] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ج ۱ ص ۲۶۲۔

[328] تفسیر الجلالین ج ۱ ص ۲۶۶۔

وقوله تعالى: وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً كقوله عز وجل: اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسالَتَهُ [الْأَنْعَامِ: 124] فَهَذِهِ الْآيَةُ نَصٌّ فِي أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَإِذَا كَانَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ فَلَا رَسُولَ بعده بالطريق الْأَوْلَى۔[329]

تو یہ آیت نص ہے اس امر میں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو رسول بطریق اولیٰ نہیں ہو سکتا۔" پھر علامہ ابن کثیر آگے رقمطراز ہیں،

وَقَدْ أَخْبَرَ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ، وَرَسُولِهِ فِي السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنْهُ: أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، لِيَعْلَمُوا أَنَّ كُلَّ مَنِ ادعى هذا المقام بعده فَهُوَ كَذَّابٌ أَفَّاكٌ، دَجَّالٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ، وَلَوْ تَخَرَّقَ وَشَعْبَذَ، وَأَتَى بِأَنْوَاعِ السِّحْرِ وَالطَّلَاسِمِ والنيرجيات، فَكُلُّهَا مُحَالٌ وَضَلَالٌ عِنْدَ أُولِي الْأَلْبَابِ، كَمَا أَجْرَى اللّٰهُ، سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى، عَلَى يَدِ الْأَسْوَدِ الْعَنْسِي بِالْيَمَنِ، وَمُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ بِالْيَمَامَةِ، مِنَ الْأَحْوَالِ الْفَاسِدَةِ وَالْأَقْوَالِ الْبَارِدَةِ، مَا عَلِمَ كُلُّ ذِي لُبٍّ وَفَهْمٍ وحجى أَنَّهُمَا كَاذِبَانِ ضَالَّانِ، لَعَنَهُمَا اللّٰهُ. وَكَذَلِكَ كُلُّ مُدَّعٍ لِذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخْتَمُوا بِالْمَسِيحِ الدَّجَّالِ،[330]

اور ضرور خبر دی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ نے احادیث متواترہ میں جو مصطفیٰ ﷺ سے مروی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہر وہ شخص جو اس مقام (نبوت) کا آپ کے بعد دعویٰ کرے تو وہ کذاب ہے۔ بڑا بہتانی ہے۔ دجال ہے۔ گمراہ ہے اور گمراہ کن ہے۔ خواہ آگ جلا کر دکھائے اور شعبدہ بازی کرے اور مختلف اقسام کے جادو اور طلاسم اور نیرنجیات دکھائے پس یہ تمام مشکلات ... گمراہی ہے، عقلمندوں کے نزدیک جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسود عنسی کے یمن میں ظاہر فرمائے اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں، احوال فاسدہ واقوال باردہ جاری فرمائے جو ہر ایک عقل و فہم والا معلوم نہیں کر سکتا اور میرے نزدیک دلیل یہ ہے کہ وہ دونوں جھوٹے ہیں۔ گمراہ ہیں، دونوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے اور اسی طرح قیامت تک ہر مدعی نبوت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو حتیٰ کہ (ایسے جھوٹے نبی) مسیح دجال کے زمانے میں ختم کئے جائیں گے۔"

دلائل ختمِ نبوت از اقوال سلف صالحین

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: الاجماع علی انہ ﷺ مبعوث الی جمیع الانس والجن۔ اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔[331]

اعلم ان اللہ تعالیٰ قد سد باب علی کل مخلوق بعد محمد ﷺ۔ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے بعد تمام مخلوق سے دروازہ (نبوۃ) بند کیا گیا ہے۔[332]

---

[329] تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) ج۳ ص ۴۹۳۔

[330] تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) ج۳ ص ۴۹۳۔

[331] (خصائص الکبریٰ، ج۲ ص ۱۸۸)

[332] (الیواقیت والجواہر ج۲ ص ۷۲)

وکل من ادعی النّبوۃ بعد محمد ﷺ فھو مدّع شریعۃ اوحیٰ بھا الیہ سواء وافق شرعنا او خالف فان کان مکلّفا ضربنا عنقہ والّا ضربنا عنہ صفحا۔[333]

واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد ن الذی ارسلہ الی الناس کافۃ بشیرا ونذیرا۔[334]
محمد ن الذی ھو اٰخر الوجود ختم دائرتہ ومتصل باولھا ولھذا ختم۔[335]

کتبِ عقائد میں بھی نبی ﷺ پر نبوت ختم ہے

واول الانبیاء اٰدم علیہ السلام واٰخرھم محمد علیہ السلام۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے پہلے اٰدم علیہ السلام ہیں اور ان کے اٰخر محمد علیہ (الصلوۃ و) السلام ہیں۔[336]

وکلام اللہ المنزل علیہ علی انہ خاتم النبیین وانہ مبعوث الی کافۃ الناس بل الی الجن والانس ثبت انہ اٰخر الانبیاء۔۔۔فان قیل قد ورد فی الحدیث نزول عیسیٰ بعدہ قلنا نعم لکنہ یتابع محمداً علیہ السلام لان الشریعۃ قد نسخت۔ (شرح عقائد نسفی، ص ۱۰۱)

ترجمہ: اور اللہ کا کلام جو مصطفی ﷺ پر اتارا گیا ہے، اس بات پر شاہد ہے کہ مصطفی ﷺ تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور بلا شک آپ بھیجے گئے ہیں تمام لوگوں کی طرف بلکہ جن وانس کی طرف ثابت ہوا کہ مصطفی ﷺ تمام نبیوں کے آخری نبی ہیں پھر اگر سوال کیا جائے کہ حدیثِ صحیح میں مذکور ہے آپ ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا، تو ہم جواب دیتے ہیں ہاں ضرور اتریں گے لیکن وہ محمد ﷺ کے تابع ہوں گے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت یقینا منسوخ ہو چکی ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام امتِ محمدیہ ﷺ کا اجماعی عقیدہ مصطفی ﷺ پر نبوت ختم ہونے پر ہے اور اس سے مخالفت کرنے والا بلا شک وشبہ کافر ہے۔

قد ان قطع الوحی۔ ضرور وحی منقطع ہو چکی ہے۔[337]

(واٰخرھم فی البعث) ای لکونہ خاتم النبیین۔ (اور تمام انبیاء کرام کے مبعوث ہونے میں) یعنی واسطے ہونے ان کے نبیوں کے ختم کرنے والے۔ (شرح شفاء شریف ج ا ص ۱۰۹)

فاوحی اللہ تعالیٰ الیہ وعزتی وجلالی انہ لاٰخر النبیین من ذریتک ولولاہ ما خلقتک۔ (فتاویٰ حدیثیہ، ص ۱۳۴)

---

[333] (جواھر البھار ج ۲ ص ۴۱۵)

[334] (نخبۃ الفکر صفحہ ۳)

[335] (تفسیر ابن عربی)

[336] (شرح عقائد نسفی، ص ۹۹)

[337] (حیات الحیوان، ج ا ص ۴۳)

ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ نے اُدم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ قسم ہے مجھ کو میری عزت کی اور میرے جلال کی بے شک مصطفی ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے آخری نبی ہیں تیری اولاد سے اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں کچھ بھی پیدا نہ کرتا۔

والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ (الانسان الکامل ص ۵)

اور صلوۃ اور سلام اس ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

فقہاء کرام کا عقیدہ بھی ختمِ نبوّت پر تھا

عقیدۂ خیر الدین رحمۃ اللہ علیہ: **محمد خاتم النبیین والمرسلین** (فتاویٰ خیریہ، ج ا ص ۲)

ترجمہ: محمد ﷺ تمام نبیوں اور رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ: **العلماء ورثۃ الانبیاء بعد انقطاع النبوۃ ھذہ درجۃ اعلی النھایۃ فی القوّۃ** ۔ (کتاب المبسوط، ج ا ص ۲)

ترجمہ: علماء ربانی نبیوں کے وارث ہیں اور نبوت کے منقطع ہونے کے بعد قوت میں یہ آخری اعلیٰ درجہ ہے۔

محمد اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی عقیدہ ختم نبوت پر تھا: **الذی بعثہ اللہ حجۃ علی الجاحدین وختم بہ باب النبوۃ علی المرسلین۔** (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۲)

ترجمہ: وہ ذات (مصطفی ﷺ) جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا منکرین پر حجت اور آپ ﷺ کے ساتھ تمام رسولوں پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا۔

مصطفی ﷺ کے بعد مدعی نبوت دجال ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ فَيَكُونَ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ، دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ، وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ، قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ»[338]

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا الأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلاَثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي»: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔[339]

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔[340]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا۔۔۔ میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے ساتھ تمام انبیاء علیہم السلام ختم کئے گئے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

---

[338] (بخاری شریف، ج ا ص ۵۰۹، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

[339] (سنن الترمذی، باب ما جاء لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، ج ۲ ص ۴۵)

[340] (سنن الترمذی، باب ما جاء فی الغنیمۃ)

وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِينَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَمُشَفَّعٍ وَلَا فَخْر». رَوَاهُ الدَّارِمِيّ۔[341]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں کرتا۔ اور میں تمام نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں اور فخر نہیں کرتا۔۔۔ الخ۔

یوم میثاق سے ہی اللہ جل شانہ نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ بند کر دیا

وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔(آل عمران، آیت ۸۱)

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے حلفیہ وعدہ لیا جو میں تم کو کتاب اور دانائی عنایت کروں گا، پھر آئے گا تمہاری طرف ایک رسول ﷺ اور مصدق ہوں گے اس شئ کی جو شئ (میری انعام کردہ) تمہارے پاس ہوں گے اس رسول کے ساتھ تم ضرور ایمان لاؤ اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا رب العزت نے کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر تم نے میرا اپکا وعدہ قبول کیا؟ تمام انبیاء علیہم السلام نے عرض کیا کہ ہم تمام نے اقرار کیا خداوند کریم نے فرمایا تم تمام انبیاء بھی گواہی دو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں تو جس نبی نے اس کے بعد اعراض کیا تو یہی وہ فاسق ہوں گے۔

بہائم (جانوروں) نے بھی مصطفیٰ ﷺ پر نبوت کے ختم ہونے کی شہادت دی

وَأخرج ابْن عَسَاكِر عَن أبي مَنْظُور قَالَ لما فتح رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خَيْبَر أصَاب فِيهَا حمارا أسود فَوقف بَين يَدَيْهِ فَكلم رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الْحمار فَكَلمهُ الْحمار فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَا اسْمك قَالَ يزِيد بن شهَاب أخرج الله تَعَالَى من نسل جدي سِتِّينَ حمارا كلهم لَا يركبه إِلَّا نَبِي قد كنت أتوقعك أَن تركبني لم يبْق من نسل جدي غَيْري وَلَا من الْأَنْبِيَاء غَيْرك قد كنت قبلك لرجل يَهُودِيّ وَكنت أتعثر بِهِ عمدا وَكَانَ يجيع بَطْني وَيضْرب ظَهْري فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَأَنت يَعْفُور فَكَانَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يبْعَث بِهِ إِلَى بَاب الرجل فَيَأْتِي الْبَاب فيقرعه بِرَأْسِهِ فَإِذا خرج إِلَيْهِ صَاحب الدَّار أومىء إِلَيْهِ أَن أجب رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَلَمَّا قبض النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جَاءَ إِلَى بِئْر كَانَت لأبي الْهَيْثَم بن التيهَان فتردى بهَا جزعا على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم[342]

جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو فتح خیبر عنایت فرمائی.... تو آپ ﷺ کے ساتھ دراز گوش (گدھے) نے کلام کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ دراز گوش نے عرض کی یزید بن شہاب میری نسل کی جد (دادا) سے کل ۶۰ ساٹھ دراز گوش نکلے ہیں۔ نہیں سوار ہوئے ان پر سوائے نبی کے، میری جد کی نسل سے سوائے میرے کوئی دراز گوش باقی نہیں رہا، اور نہیں باقی نبیوں سے سوائے آپ ﷺ کے، الخ

---

[341] (مشکوۃ المصابیح، ص ۵۱۴)

[342] خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۴۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۵۱۔ مقیاس نبوت ج ۲ ص ۲۴۵۔

۔"اگر سچ سچ ہے تو مرزائیو! قادیانیو! اغلظ ترین کافرو! یقین سمجھو، کہ جو شخص مصطفےٰ ﷺ کے سوا اب اجرائے نبوت کا قائل ہے وہ گدھے سے بھی زیادہ احمق ہے۔

ضب (گوہ) نے نبی ﷺ پر نبوت ختم ہونے کی شہادت دی

أخرج الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسط وَالصَّغِير وَابْن عدي وَالْحَاكِم فِي المعجزات وَالْبَيْهَقِيّ وابو نعيم وَابْن عَسَاكِر عَن عمر بن الْخطاب أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ فِي محفل من أَصْحَابه إِذْ جَاءَ إعرابي من بني سليم قد صَاد ضبا فَقَالَ وَاللات والعزى لَا آمَنت بك حَتَّى يُؤمن بك هَذَا الضَّب فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم من أَنا يَا ضَب فَقَالَ الضَّب بِلِسَان عَرَبِيّ مُبين يفهمهُ الْقَوْم جَمِيعًا لبيْك وَسَعْديك يَا رَسُول رب الْعَالمين قَالَ من تعبد فَقَالَ الَّذِي فِي السَّمَاء عَرْشه وَفِي الأَرْض سُلْطَانه وَفِي الْبَحْر سَبيله وَفِي الْجنَّة رَحمته وَفِي النَّار عَذَابه قَالَ فَمن أَنا قَالَ أَنْت رَسُول رب الْعَالمين وَخَاتم النَّبِيين قد أَفْلح من صدقك وَقد خَابَ من كَذبك۔[343]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بعض اصحاب کی محفل میں تشریف فرماتھے اچانک ایک اعرابی آیا بنی سلیم کے قبیلے سے جس نے گوہ کا شکار کیا ہوا تھا.... تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے گوہ میں کون ہوں؟ تو گوہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ رب العالمین کے رسول اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں، ضرور فلاح پائے وہ شخص جس نے آپ ﷺ پر نبوت کے ختم ہونے کی تصدیق کی اور ضرور خسارے میں رہا جو ختم نبوت کا منکر ہوا۔

اے خبیث قادیانیو! مرزائیو! گدھا اور گوہ تو مصطفےٰ ﷺ پر نبوت ختم ہونے کو تسلیم کرلیں لیکن مرزائی منحرف ہے۔

(و علی آلہٖ وَأَصْحَابِہٖ) اور صلوۃ سلام ہو آپ ﷺ کی آل واصحاب کرام رضوان اللہ اجمعین پر پس آپ ﷺ کی آل و اصحاب پر تبعاً سنت اور اجماع سے صلوۃ وسلام ثابت ہے سنت سے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے **من ذکرنی بالصلوۃ والسلام ولم یذکر آلی واصحابی فقد خانی**۔ پس ثبوت صلوۃ وسلام پر اجماع ہوا ہے اور حضور ﷺ کی امت آپ ﷺ کے زمانے سے آپ ﷺ کے آل واصحاب پر صلوۃ وسلام بھیجنے میں جمع ہو چکے ہیں اور آج کے دن تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ **فان قیل** کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بعض فقہاء سے کیوں مخالفت کی کیونکہ فقہاء نے صرف اٰل کا ذکر کیا ہے اصحاب کا نہیں جبکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کا ذکر کیا ہے **قلنا** کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے ساتھ موافقت کی ہے اور دوسرے فقہاء نے آل سے مراد اتباع لیا ہے اور اتباع میں اصحاب بھی شامل ہیں پس آل اور اصحاب کے درمیان من وجہ عموم خصوص ہے اور یہ تین مادے چاہتے ہیں ایک اجتماعی اور دو افتراقی مادہ اجتماعی اٰل اور اصحاب کا ہے مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور مادہ افتراقی اٰل کا ہے مثال کے طور پر زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مادہ افتراقی صحابہ کرام رضون اللہ علیہم اجمعین کا بھی ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابی اس کو کہا جاتا

---

[343] خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۷۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۴۹۔ اخرج الطبرانی فی الاوسط والصغیر وابن عدی والحاکم وابو نعیم وابن عساکر۔

ہے جس نے حضور ﷺ کو حالت بلوغت میں دیکھا ہو اور آپ ﷺ پر ایمان بھی لایا ہو اور اس کا وصال بھی ایمان کی حالت میں ہوا ہو۔ اٰل اور اہل میں فرق یہ ہے کہ اٰل اشراف کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اہل ارذال کے لئے استعمال ہوتا ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ یا **اھل الحجام و الاسکاف** اور اٰل کا ذکر قول خداوندی میں ہے کہ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ چونکہ فرعون کو دنیا میں شرافت حاصل تھی اس لئے اس کے بارے میں اٰل کا لفظ استعمال ہوا۔ اور اہل کا ذکر اس قول خداوندی میں ہے کہ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ یہ قصہ حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کا ہے کنعان حضرت نوح علیہ السلام کی اٰل میں سے نہیں تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ۔

جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی گستاخی کرتے ہیں وہ سخت ترین گمراہ ہیں اگرچہ وہ سید ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل چیز ایمان اور عقیدہ ہے اگر عقیدہ خراب ہے یعنی کوئی شخص سید بد عقیدہ (مثلاً خارجی، رافضی، وہابی نجدی، قادیانی وغیرہ) ہو جائے تو وہ سادات سے نکل جاتا ہے۔ اور اسے سید کہنا بھی درست نہیں۔ قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں جب اس نے عقیدتاً و عملاً اپنے والد محترم جو اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام تھے کا انکار کیا اور ساتھ نہ دیا تو اللہ نے فرمایا: "إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ۔۔۔ الخ" یعنی وہ تمہارے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں مثالی محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہماری آپس کی محبت حضور نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ مبارک کو غور اور محبت سے کیوں دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ علی کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔" حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔ الخ ایک مرتبہ ایک صحابی کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لائے واپسی پر جب وہ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب کو پکڑ کر احتراماً اوپر کر دیا تاکہ وہ صحابی آرام سے سوار ہو جائیں تو ان صحابی نے کہا آپ نے ایسے کیوں کیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم کی اسی طرح تعظیم کریں۔ تو ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس طرح تعظیم کریں۔ (سبحان اللہ)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بشری تقاضوں کے پیش نظر کوئی رنجش ہو بھی گئی ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر چھوڑ دی جائے گی اور دونوں گروہوں کے متعلق خیر کی بات ہی کہنی لازم ہے کیونکہ دونوں نے صحبتِ نبوی ﷺ سے فیض پایا ہے اور دونوں گروہ آپ ﷺ کے محبوب ہیں اور دونوں کی عزت و حرمت کی تلقین آپ ﷺ نے فرمائی ہے اور قرآن کریم نے ان تمام حضرات کو **رضی اللہ عنھم وَرَضُوا عَنْهُ** کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا سادات حضرات بھی اس بات کو نگاہ میں رکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں توہین و بے ادبی کتنا سنگین جرم ہے کہ اس بے ادبی و گستاخی کی وجہ سے سید دو عالم ﷺ کی ناراضگی لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنے محبوب کریم ﷺ ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے اہل بیت

کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت عطا فرمائے اور ان کی عزت و حرمت کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے بلکہ ہر مؤمن مسلمان کی محبت اور عزت ہمیں عطا فرمائے اور ہمیں صالحین کے ساتھ قیامت میں اٹھائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنے اہلِ بیت کے بارے میں وصیت کا بیان

عن أبی سعید عن النّبی ﷺ قال: ألا انّ عیبتی الّتی آوی الیها أهل بیتی، وانّ کرشی الأنصار۔ فاعفوا عن مسیئهم واقبلوا من محسنهم۔ رواه التّرمذی وابن أبی شیبة۔ وقال أبو عیسی: هذا حدیث حسنٌ۔

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! میرا جامہ دان جس سے میں آرام پاتا ہوں میرے اہل بیت ہیں اور میری جماعت انصار ہیں۔ ان کے بُروں کو معاف کر دو اور ان کے نیکوکاروں سے (اچھائی کو) قبول کرو۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[344]

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّی تارکٌ فیکم خلیفتین: کتاب اللہ حبلٌ ممدود ما بین السّماء والأرض۔ أو ما بین السّماء الی الأرض، وعترتی أهل بیتی، وانّهما لن یّتفرّقا حتی یردا علیّ الحوض۔ رواه أحمد۔

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں تم میں دو نائب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو کہ آسمان و زمین کے درمیان پھیلی ہوئی رسی (کی طرح) ہے اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ کہ یہ دونوں اس وقت تک ہرگز جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں پہنچ جاتے۔" اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔[345]

عن عبد الرّحمٰن بن عوف قال: افتتح رسول اللہ ﷺ مکّة ثم انصرف الی الطّائف فحاصرهم ثمانیة أو سبعة، ثمّ أدخل غدوة أو روحة ثم نزل ثمّ هجر۔ ثم قال، أیّها النّاس، انّی لکم فرطٌ وانّی أوصیکم بعترتی خیرًا، وانّ موعدکم الحوض۔۔۔۔ الحدیث۔ رواه الحاکم، وقال: هذا حدیث صحیحٌ۔

"حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مکہ فتح کیا پھر طائف کا رخ کیا اور اس کا آٹھ یا سات دن محاصرہ کئے رکھا پھر صبح یا شام کے وقت اس میں داخل ہو گئے پھر پڑاؤ کیا پھر ہجرت فرمائی اور فرمایا: اے لوگو! بے شک

---

[344] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: فی فضل الأنصار وقریش، ۵/۷۱۳، الرقم: ۳۹۰۴ وابن أبی شیبة فی المصنف، ۶/۳۹۹، الرقم: ۳۲۳۵۷، والشیبانی فی الآحاد والمثانی، ۳/۳۳۲، الرقم: ۱۷۱۶، وابن سعد فی الطبقات الکبری، ۲/۲۵۲)

[345] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۵/۱۸۱، الرقم: ۲۱۶۱۸، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۲)

میں تمہارے لئے تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور بے شک میں تمہیں اپنی عترت کے ساتھ نیکی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانا حوض ہو گا۔۔۔۔الحدیث۔" اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[346]

عن زید بن أرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: أیّھا النّاس، انّی تارکٌ فیکم أمرین لن تضلّوا ان اتّبعتموھما، وھما: کتاب اللہ، وأھل بیتی عترتی۔ ثمّ قال: أتعلمون أنّی أولی بالمؤمنین من أنفسھم ثلاث مرّاتٍ قالوا: نعم، فقال رسول اللہ ﷺ: من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ۔ رواہ الحاکم وقال الحاکم: صحیح۔

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں اور اگر تم ان کی اتباع کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ دو چیزیں کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو میں مؤمنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کو عزیز ہوں آپ ﷺ نے ایسا تین مرتبہ فرمایا۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کی: ہاں یارسول اللہ ﷺ! تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔" اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[347]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لمّا نزلت ھذہ الآیۃ: {قُل لَّآ اَسۡـئَلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی} قالوا: یارسول اللہ، من قرابتک ھؤلاء الّذین وجبت علینا مودّتھم؟ قال: علیّ وفاطمۃ وابناھما۔ رواہ الطّبرانی۔

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت: {قُل لَّآ اَسۡـئَلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی} نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی قرابت کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: علی، فاطمہ، اور ان کے دو بیٹے (حسن و حسین)۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[348]

عن زید بن أرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی روایۃ طویلۃ: قال: قال النّبی ﷺ: انظروا کیف تخلفونی فی الثقلین۔ فنادی مناد وما الثقلان یارسول اللہ ﷺ، قال: کتاب اللہ طرف بید اللہ وطرف بأیدیکم فاستمسکوا بہ لا تضلّوا، والآخر عترتی وانّ اللّطیف الخبیر نبّأنی أنّھما لن یّتفرّقا حتی یردا علیّ الحوض، سألت ربّی ذلک لھما، فلا تقدّموھما فتھلکوا، ولا تقصروا عنھما فتھلکوا، ولا تعلموھم فانّھم أعلم منکم ثمّ أخذ بید علیّ فقال: من کنت أولی بہ من نفسی فعلیّ ولیّہ اللّھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ رواہ طبرانی۔

---

[346] (أخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۲/۱۳۱، الرقم: ۲۵۵۹)

[347] (أخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۱۸، الرقم: ۴۵۷۷)

[348] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۴۷، الرقم: ۲۶۴۱، والھیثمی فی مجمع الزوائد ۹/۱۶۸)

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس یہ دیکھو کہ تم دو بھاری چیزوں سے مجھے کیسے باقی رکھتے ہو۔ پس ایک نداء دینے والے نے ندا دی یا رسول اللہ ﷺ! وہ دو بھاری چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کا ایک کنارہ (سرا) اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارہ (سرا) تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگے اور دوسری چیز میری عترت ہے اور بے شک اس لطیف خبیر رب نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں چیزیں کبھی بھی جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ میرے پاس حوض پر حاضر ہوں گی اور ایسا ان کے لئے میں نے اپنے رب سے مانگا ہے۔ پس تم لوگ ان پر پیش قدمی نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ہی ان سے پیچھے رہو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ان کو سکھاؤ کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: پس میں جس کی جان سے بڑھ کر اسے عزیز ہوں تو یہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا دوست ہے اے اللہ! جو علی کو اپنا دوست رکھتا ہے تو اسے اپنا دوست رکھ اور جو علی سے عداوت رکھتا ہے تو تو اس سے عداوت رکھ۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[349]

عن مصعب بن عبد الرّحمٰن بن عوف عن أبيه قال: لمّا فتح رسول الله ﷺ مكّة انصرف الى الطّائف فحاصرها سبع عشرة، أو تسع عشرة، ثمّ قام خطيبًا فحمدالله و أثنى عليه۔ ثمّ قال: أوصيكم بعترتى خيراً، و أنّ موعدكم الحوض۔ و الّذى نفسى بيده لتقيمنّ الصلاة و لتؤتنّ الزّكاة، أو لأبعثنّ اليكم رجلاً منى۔ أو كنفسى يضرب أعناقكم۔ ثمّ اخذبيد علىّ رضى الله تعالىٰ عنه فقال: بهذا۔ رواه البزّار۔

"حضرت مصعب بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے مکہ فتح کیا اس کے بعد آپ ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے اور آپ ﷺ نے سترہ دن طائف کا محاصرہ کئے رکھا پھر آپ ﷺ خطاب کے لئے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا: میں اپنی عترت کے بارے میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانہ حوض کوثر ہوگا اور نماز قائم کروگے اور زکوۃ ادا کروگے یا میں تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا میری طرح کا ہے اور جو تمہاری گردنیں مارے گا پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اس آدمی سے میری مراد یہ ہے۔" اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔[350]

حضور نبی اکرم ﷺ کا لوگوں کو اہلِ بیت کی محبت پر اُبھارنے کا بیان

---

[349] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۶۶/۵، الرقم: ۴۹۷۱)

[350] (أخرجه البزار فی المسند، ۲۵۸/۳، ۲۵۹، الرقم: ۱۰۵، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۶۳/۹)

اہل بیت النبی (ﷺ) کی محبت ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ در حقیقت اس محبت کی محرک اہل بیت کی نسبت ہے۔ جو ذاتِ رسول (ﷺ) سے مربوط و منسلک ہے اور دوسری وجہ آنجناب (ﷺ) کی اپنی ذاتی محبت اپنی نسل پاک سے ہے اور یہ عاشقانہ دستور و اصول ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت (ﷺ) نے ایک بالترتیب محبت و مودت کا موجب ذکر فرمایا ہے:

قال ﷺ احبو اللہ تعالیٰ لما یغذو کم بہ من نعمۃ و احبونی لحب اللہ تعالیٰ و احبوا اھل بیتی لحبی۔

"فرمایا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں غذا اور نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور میری اہل بیت سے محبت کرو کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔"

محبت کے اس ایمان افروز دستور کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس محبوب پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے: **قُل لَّآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى** "فرمادو میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔[351]

مفسر روح البیان اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **ویجوز ان یراد بالقربی اھل قرابتہ قیل یا رسول من قرابتک ھؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم قال علی و فاطمہ و ابنای ای الحسن و الحسین رضی اللہ عنھما۔** "یہ حقیقت ہے کہ قرابت سے مراد آنجناب رسالت مآب (ﷺ) کی قرابت اور نسل پاک ہو۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون قریبی ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ فرمایا وہ علی فاطمہ اور میرے دو بیٹے حسن اور حسین ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علماء کرام اور مفسرینِ عظام نے "آل" کی وضاحت یوں فرمائی ہے: **عترۃ الرجل: أھل بیتہ، ورھطہ الأدنون، ولاستعمالھم "العترۃ" علی أنحاء کثیرۃ۔** یعنی کسی شخص کی آل اسکے گھر والے ہوتے ہیں اور وہ افراد جو اس کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے آل کا استعمال کئی اقسام میں منقسم ہے۔[352]

ایک اہل گھر کے افراد ہیں مثلاً ازواج مطہرات (**رضی اللہ تعالیٰ عنھنّ**)۔ دوسرے وہ حضرات جن کا تعلق نسب و نسل سے ہے۔ ان میں سے بعض بہت زیادہ قریب ہیں جیسے حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت امّ کلثوم (**رضی اللہ تعالیٰ عنھن**) اور حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین، حضرت محسن اور انکی بہنیں (**اخوات**) **رضی اللہ تعالیٰ عنھم**۔ تیسرے وہ حضرات جو ان کی نسبت کچھ دور ہیں جیسے حضرت عباس، حضرت حمزہ اور ان کی اولاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ چوتھے درجہ میں حضرت عبد المطلب اور حضرت ہاشم کی اولاد جس پر زکوۃ ممنوع ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ پانچویں درجہ میں ہر متقی اور صالح و مخلص مؤمن بھی آل میں داخل ہے۔

---

[351] (سورۃ الشوریٰ: آیت ۲۳)

[352] (نہج الرشاد في نظم الاعتقاد ج ۱ ص ۱۶)

چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (**السلمان منا اھل البیت**) اور فرمایا (**اٰلِ محمد کل تقی**) اس اعتبار سے سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آل میں داخل ہیں۔

یہاں جس آلِ اطہار کا بیان کرنا چاہتا ہوں وہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد ہے۔ اگرچہ اس کے ضمن میں آل کے تمام افراد داخل ہونگے لیکن خصوصیّت اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔ جیسا کہ مفسرین کرام نے اس ضمن میں وضاحت کی ہے:

والحق وجوب محبة قرابته ﷺ من حیث انّھم قرابته ﷺ کیف کانوا وکلما کانت جھة القرابة اقوی کان طلب المودة اشد فمودة العلویین الفاطمیین الزم من محبة العباسین (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) واٰثار تلک المودة التعظیم والاحترام والقیام باداء الحقوق اتم قیام۔ ”اہل بیت کی محبت کے مراتب ہیں حق بات یہ ہے کہ جس اہل کو جتنی نزدیک تر قربت ذاتِ فخر موجودات (ﷺ) سے ہوگی ان کی محبت کا وجوب بہ نسبت دوسروں کے اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ لہٰذا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد پاک کی مودّت حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد سے زیادہ ہوگی۔ اہل بیت کرام کی محبت کی علامت ان کی تعظیم واحترام اور محبت کے حقوق کی ادائیگی میں ہے۔

آپ (ﷺ) کی محبت اپنی اہل سے کس قدر زیادہ تھی اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جاسکتا ہے: **أخرج ابو سعید عن النبی ﷺ انه قال لا تصلوا علی الصلاة البتیراء قالوا وما الصلاة البتیراء یا رسول اللہ قال تقولون اللھم صل علی محمد وتسکتون بل قولوا اللھم صل علی محمد واٰل محمد** ”سرور کائنات (ﷺ) نے ارشاد فرمایا مجھ پر ناقص صلاۃ وسلام نہ پڑھا کرو۔[353]

صحابہ نے عرض کیا نامکمل صلاۃ کیا ہے۔ فرمایا یہ کہ تم کہتے **اللھم صلی علی محمد** اور پھر خاموش ہو جاتے ہو (ایسا نہ کرو) بلکہ یوں پڑھا کرو **اللھم صلی علی محمد واٰل محمد** اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صلاۃ وسلام میں اہل بیت کی عدم شمولیت سے شرف قبولیت کامل نہیں ہوگا۔ ایک اور حدیث شریف **قال رسول اللہ ﷺ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الیٰ الارض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی۔**[354] ”آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں اگر تم نے اسے تھاما (یعنی اسے عملی اعتبار سے قبول کیا) تو میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ان دونوں چیزوں میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) جو ایک طویل رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے، اور دوسری چیز میری اولاد ہے میری اولاد اور قرآن کریم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آکر ملیں گے۔ پس لوگو! سوچ لو میرے بعد میری اولاد کے ساتھ تم کیا برتاؤ کروگے۔

---

[353] (خزینة الاسرار ص ۱۸)

[354] (مشکوٰۃ ص ۵۷۹)

فائدہ: اہل بیت کے سلسلہ میں آنحضرت (ﷺ) نے ایک شرط اور معیار بیان فرمایا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لا یعذبھم۔ "سرور کائنات (ﷺ) نے فرمایا میرے رب نے میری اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ان کو عذاب سے محفوظ فرمائے گا۔ بشرطیکہ وہ توحید ورسالت پر یقین رکھتے ہوں یعنی اہل بیت کا صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے۔[355]

ایک اور حدیث میں فرمایا: **سألت ربی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانی ذلک۔** میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ میری اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کسی فرد کو دوزخ میں داخل نہ فرمانا تو میرے رب نے میرا سوال پورا کیا اور میری مراد مجھے عطا فرمائی۔

(شرح) فاستدل بعض العلماء بہ علی ان ذریتہ ﷺ یموتون علی اکمل الاحوال۔

ترجمہ: "بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کا ہر فرد موت کے وقت اکمل الاحوال پر انتقال کرے گا۔" یعنی مرتے وقت ان کو ولائیت کبریٰ کا درجہ ملے گا۔

حرم شریف کے ایک امام نے علماء کے اس فیصلہ کو پڑھا اور دلائل پر غور کیا تو یقین کر لیا کہ اس کے دلائل قوی ہیں لیکن اس کے بعد پھر خیال آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اہل بیت کے فرد جو بھی کرتے رہیں (گناہ اور نافرمانی وغیرہ) پھر بھی وہ ولی کامل ہو کر انتقال کریں گے؟ یہ درست نہیں ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اپنے تصنیف شدہ رسائل ستہ میں لکھتے ہیں: **فنظر الیٰ الدلیل فراہ قویا ثم استبعد ذلک بما یبلغہ عن شرفاء مکہ المشرفہ فنام فرای حضرت صاحب الرسالۃ (ﷺ) فی منامہ وھو معرض عنہ فقال اتستبعد ان یموت اھل بیتی علی اکمل الاحوال او کما قال فاستیقظ خائفًا ورجع عن ذلک۔**[356]

"امام کعبہ نے جب اہل بیت کی فضیلت کے قوی دلائل دیکھنے کے باوجود ان کی فضیلت کو تسلیم نہ کیا کیونکہ اس نے سادات کے بعض نوجوانوں کو اچھے کام کرتے نہیں دیکھا تھا، تو اس نے ایسا خیال کیا تھا۔ خواب میں رسالت مآب ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا جب ملنے کیلئے خدمتِ اقدس کی طرف آیا، تو آپ ﷺ نے اعراض فرمایا اور انکار کر دیا، اس کی معذرت پر فرمایا کہ تجھے میری اہل بیت کی موت علی اکمل الاحوال (ولایت کبریٰ) سے انکار ہے۔ نیند سے خوف زدہ ہو کر بیدار ہوا اور اس جرم سے توبہ کی۔

آلِ بیت النبی ﷺ کی فضیلت میں کئی ایک آیات قران حکیم میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ آیت مبارکہ ہے:

---

[355] (رسائل الستہ لابن عابدین الشامی علیہ الرحمہ ص ۵)

[356] (رسائل ستہ ص ٦)

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿ال عمران ٦١﴾

"تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔"[357]

آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ نجران کے علاقہ میں رہنے والے نصرانیوں نے اپنے مذہب (نصرانیت) کی حقانیت کیلئے آنجناب نبوت مآب ﷺ سے مباہلہ کی تاریخ متعین کی جب آنے کا وقت آیا تو سرور دوعالم ﷺ نے حضرت حسین کو گود میں اور حضرت حسن کا داہنا ہاتھ پکڑا۔ حضرت فاطمہ پیچھے اور حضرت علی ان کے پیچھے (رضی اللہ عنہم) آپ ﷺ نے ان نفوسِ قدسیہ سے فرمایا میں جو دعا مانگوں تم آمین کہنا۔ اسی اثنا میں نصاریٰ کا وفد بھی پہنچ گیا۔ وفد کے پادری نے وفد سے کہا سنو! مذہب کی تائید اپنی جگہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سامنے نظر آنے والے مقدس و منوّر چہرے اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے چل کر ہمارے پاس آجائے تو لازماً آجائے گا۔ اب مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سے مباہلہ نہ کریں اور معافی مانگ لیں ورنہ مباہلہ میں ان کی دعاؤں سے ہمارا دنیا سے نام بھی مِٹ جائے گا۔ اس پر نصرانی متفق ہوگئے۔ ان کی معذرت پر رحمتِ دوعالم نورِ مجسّم ﷺ نے مباہلہ ترک فرمایا اور ان پر تاوان (جزیہ) رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر یہ نصرانی مباہلہ کرتے تو تمام نصرانی اور ان کا علاقہ، درخت اور پرندے درندے سب جل کر راکھ ہو جاتے۔ اور دنیا میں نام کا ایک نصرانی باقی نہ رہتا ان کے لئے آسمان سے آگ اتر رہی تھی، میری دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو واپس لے لیا۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما نزلت ھٰذہ الآیۃ ندع ابنائنا و ابنائکم دعا رسول اللہ ﷺ علیًا و فاطمۃ و حسنًا و حسیناً، فقال اللھمّ ھٰؤلاء اھل بیتی۔ رواہ مسلم۔ "سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿آل عمران ٦١﴾ نازل ہوئی، تو آنحضور ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور یہ فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، اس کے بعد عیسائیوں سے مباہلہ کے لئے ان چاروں کو لے کر گئے مگر وہ مقابلہ پر نہ آئے۔"[358]

صاحبِ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے متعلق شیعوں کے اعتراضات کے جوابات دے کر آخر میں تحریر فرمایا ہے: **لکنّ ھٰذہ القصۃ تدلّ علی کون ھٰؤلاء الکرام احبّ النّاس الی رسول اللہ ﷺ۔**[359]

یعنی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں حضرات جناب رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھے۔

---

[357] (سورہ آل عمران آیت ٦)

[358] (مشکوۃ شریف، ج ٢ ص ٥٦٨)

[359] (تفسیر مظہری، ج ٢ ص ٦٢)

علماء کرام نے اس آیت کے تحت نتیجہ اخذ کیا کہ: **فعلم انهم المراد من الاٰية وان اولاد فاطمه (رضی اللہ تعالی عنها) وذريتها يسمون ابنائه ﷺ وينسبون اليه نسبةً صحيحةً نافعةً في الدنيا والاخرة۔** "معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں جنکا ذکر ہے وہ حضرات اہل بیت مراد ہیں، اور بلاشبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد آپ ﷺ کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اور ان کی آپکی ذاتِ بابرکات سے جو نسبت ہے بالکل درست اور دنیا اور آخرت میں نفع بخش نسبت ہے۔ اسی نسبت کے اعتبار سے حدیث شریف میں مذکور ہے: **قال صلی اللہ تعالیٰ علیه واٰلہٖ وسلم الدعاء محجوب حتی یصلی علی محمد واهل بيته۔ اللهم صلّ وسلم علی محمد واٰلہٖ۔**[360]

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: الدعاء محجوب عن السماء حتی يتبع بالصلاة علی محمدٍ واٰلہٖ۔ "حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دعا آسمان سے اس وقت تک پردہ میں رہتی ہے جب تک اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ بھیجا جائے۔"[361]

عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: كل دعاءٍ محجوب عن السماء حتی يصلی علی محمد ﷺ وعلی آل محمد ﷺ۔ "حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر دعا اس وقت تک آسمان کے نیچے حجاب میں رہتی ہے جب تک حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ بھیجا جائے۔"[362]

خلاصہ: قرآن و سنت کے دلائل اس پر شاہد ہیں کہ کائنات و ممکنات کا ہر ذرّہ آنحضرت ﷺ کی رحیمانہ شفقت سے ہر وقت مستفیض ہے۔ اور آپ کا وصفِ دائمی ہے کہ دنیا و مافیها آنجناب کے زیرِ نظر ہے۔

اس کی دلیل ملاحظہ ہو: **قال ان اللہ تعالیٰ رفع لی الدنيا وانا انظر اليها والی ماهو كائن فيها الی يوم القيامة كانما انظر الی كفی هذا۔** "اللہ تعالیٰ نے دنیا و مافیہا اور قیامت تک ہونے والے حالات میرے سامنے روشن اور ظاہر فرما دیئے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔"[363]

جو لوگ اہل بیت کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، اور ان کا احترام اور اعزاز بجالاتے ہیں اور جو خدمت کرتے ہیں ان کا بدلہ انہیں دنیا میں بھی ملتا ہے اور قیامت میں بھی دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اس سے باخبر ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان خدمت گزاروں کو خواب میں شرفِ زیارت سے مشرف فرماتے ہیں۔

---

[360] (الدیلمی)

[361] (عسقلانی، لسان المیزان، ۵۳:۴، رقم: ۱۵۰)

[362] (بیهقی، شعب الایمان، ۲:۶۱۶، رقم: ۱۵۷۵)

[363] (الفتوحات الاحمدیه ص ۲۷ بحواله الطبرانی)

علامہ شامی کتاب الحج میں نقل کرتے ہیں: **فی المسامرات عن رجل اراد الحج فحمل الف دینار یتأھب بھافجاءتہ امرأۃ فی الطریق وقالت لہ انی من اٰل بیت النبی ﷺ وبی ضرورۃ فافرغ لھا مامعہ فلما رجع حجاج بلدہ صار کلما لقی رجلا منھم یقول لہ تقبل اللہ تعالیٰ منک فتعجب من قولھم فرای النبی ﷺ فی نومہ وقال لہ تعجبت من قولھم تقبل اللہ تعالیٰ منک قال نعم یارسول اللہ ﷺ قال ان اللہ تعالیٰ خلق ملکًا علی صورتک حج عنک وھو یحج عنک الی یوم القیامۃ باکرامک لامرأۃ مضطرۃ من اٰل بیتی۔**[364]

"**مسامرہ** (کتاب کا نام) میں ہے کہ ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا اور ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان لے کر نکلا تو راستہ میں ایک باپردہ خاتون سامنے آکر کہنے لگی میں سیّد زادی ہوں اور ضرورتمند ہوں، تو اس نے ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان خاتون کو دے دیا اور واپس گھر آگیا جب اس شہر کے حاجی واپس آنے لگے تو شہر کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا ان میں یہ شخص بھی تھا، حاجیوں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا حج قبول فرمائے (آپ پہلے آگئے ہیں) یہ بڑا متعجب ہوا۔ جب سویا تو خواب میں سرور کونین نور العین ﷺ نے اس کو شرفِ زیارت بخشا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تو حاجیوں کی مبارکباد سے متعجب ہوتا ہے؟ عرض کی جی ہاں یارسول اللہ ﷺ! فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری صورت کا ایک فرشتہ پیدا فرمایا اس نے تیری طرف سے حج ادا کیا اور آئندہ قیامت تک ادا کرتا رہے گا۔ کیونکہ تو نے میری اولاد کی عزت و تعظیم کی ہے۔ (**سبحان اللہ**)

قال ﷺ حرمت الجنۃ علی من ظلم اھل بیتی واٰذانی فی عترتی ومن اصطنع صنیعۃ الیٰ احد من ولد عبد المطلب ولم یجازہ فانا اجازیہ علیھا غدًا اذا لقینی یوم القیامۃ۔[365]

"آنجناب ﷺ نے فرمایا جو لوگ میرے اہل بیت پر ظلم کرتے ہیں اور میری اولاد کی وجہ سے مجھے ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر جنت حرام ہے۔ اور جو شخص حضرت عبد المطلب (**رضی اللہ تعالیٰ عنہ**) کی اولاد کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے اور وہ اس کو بدلہ نہیں دے سکتا تو کل اس کو میں بدلہ دوں گا۔ جب اس کی ملاقات مجھ سے قیامت میں ہوگی۔"

عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ ﷺ: أحبوا اللہ لما یغذوکم من نعمہ، وأحبّونی بحبّ اللہ عزوجل۔ وأحبّوا أھل بیتی لحبّی۔ رواہ الترمذی والحاکم۔ وقال أبو عیسی: ھذا حدیث حسن۔

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت کرو ان نعمتوں کی وجہ سے جو اس نے تمہیں عطا فرمائیں اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی خاطر محبت کرو۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[366]

---

[364] (الشامی ج ۲ ص ۲۷۵)

[365] (روح البیان)

[366] (أخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: مناقب أھل البیت النبی ﷺ، ۵/۶۶۴، الرقم: ۳۷۸۹، والحاکم فی المستدرک ۳/۱۶۲، الرقم: ۴۷۱۶، والبیھقی فی شعب الایمان، ۱/۳۶۶، الرقم: ۴۰۸)

عن العباس بن عبد المطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: کُنّا نلقی النّفر من قریش وهم یتحدّثون فیقطعون حدیثهم، فذکرنا ذلک لرسول اللہ ﷺ، فقال: ما بال أقوامٍ یتحدّثون فاذا رأوا الرجال من أهل بیتی قطعوا حدیثهم واللہ لا یدخل قلب رجلٍ الایمان حتّی یحبّهم للہ ولقرابتهم منّی۔ رواہ ابن ماجه والحاکم۔ ”حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب قریش کی جماعت سے ملتے اور وہ باہم گفتگو کر رہے ہوتے تو گفتگو روک دیتے ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جب میرے اہل بیت میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو گفتگو روک دیتے ہیں؟ اللہ رب العزت کی قسم! کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو گا جب تک ان سے اللہ تعالیٰ کے لئے اور میری قربت کی وجہ سے محبت نہ کرے۔“ اسے امام ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔[367]

عن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قلت: یا رسول اللہ، انّ قریشًا اذا لقی بعضهم بعضا لقوهم ببشرٍ حسنٍ، واذا لقونا لقونا بوجوه لا نعرفها۔ قال: فغضب النّبیّ ﷺ غضبًا شدیدًا وقال: والّذی نفسی بیده لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبّکم للہ ولرسولهم ولقرابتی۔ رواہ أحمد والنّسائی والحاکم والبزّار۔ وفی روایة: قال: واللہ، لا یدخل قلب امرأ ایمانٌ حتّی یحبّکم للہ ولقرابتی۔

”حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! قریش کے بعض لوگ جب آپس میں ملتے ہیں تو حسین مسکراتے چہروں سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے چہروں سے ملتے ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے (یعنی جذبات سے عاری چہروں کے ساتھ)۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ یہ سن کر شدید جلال میں آگئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بھی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور میری قرابت کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔“ اسے امام احمد، نسائی، حاکم اور بزار نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: خدا کی قسم کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہو گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور میری قرابت کی وجہ سے تم سے محبت نہ کرے۔[368]

عن أبی سعیدٍ الخدریّ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت النبی ﷺ یقول علی هذا المنبر: ما بال رجالٍ یقولون: انّ رحم رسول اللہ ﷺ لا تنفع قومه یوم القیامة، بلی واللہ، انّ رحمی موصولة فی الدّنیا والآخرة۔ وأنّی أیّها النّاس، فرطٌ لکم علی الحوض فاذا جئتم قال رجلٌ: یا رسول اللہ أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال: یتحقّق أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال لهم: أمّا النّسب فقد عرّفته ولکنّکم أحدثتم بعدی وأرتددتم القهقریّ۔ رواہ احمد والحاکم۔ ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی

---

[367] (أخرجه ابن ماجة فی السنن، المقدمة، باب: فضل العباس بن عبد المطلب ص، ۱/۵۰، الرقم: ۱۴۰، والحاکم فی المستدرک، ۴/۸۵، الرقم: ۶۹۶۰، والمقدسی فی الأحادیث المختارة، ۸/۳۸۲، الرقم: ۴۷۲، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۱۱۳، الرقم: ۶۳۵۰، والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۱/۱۳، الرقم: ۱۴۰)

[368] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند ۲۰۷۱ الرقم: ۱۷۷۲، ۱۷۷۷، ۱۷۶۵۶، ۱۷۶۵۷، والحاکم فی المستدرک، ۳/۳۷۶، الرقم: ۵۴۳۳، ۲۹۶۰، والنسائی فی السنن الکبری، ۵/۵۱ الرقم: ۸۱۷۶، والبزار فی المسند، ۶/۱۳۱، الرقم: ۲۱۷۵، والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/۱۸۸، الرقم: ۱۵۰۱، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۶۱، الرقم: ۷۰۳۷)

اکرم ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ان لوگوں کا کیا ہو گا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے نسبی تعلق قیامت کے روز ان کی قوم کو کوئی فائدہ نہیں دے گا کیوں نہیں! اللہ کی قسم بے شک میرا نسبی تعلق دنیا و آخرت میں آپس میں باہم ملا ہوا ہے اور اے لوگو! بے شک (قیامت کے روز) میں تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا پس جب تم آ گئے تو ایک آدمی کہے گا یا رسول اللہ ﷺ! میں فلان بن فلان ہوں پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کا فلان بن فلان کہنا پایہ ثبوت کو پہنچے گا اور رہا نسب تو تحقیق اس کی پہچان میں نے تمہیں کرا دی ہے لیکن تم میرے بعد احداث (بدعت جاری) کرو گے اور الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔" اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔[369]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه: قال: قال رسول الله ﷺ خيركم، خيركم لأهلی من بعدی۔ رواه الحاكم و أبو يعلی۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل کے لئے بہترین ہے۔" اس حدیث کو امام حاکم اور امام ابو یعلی نے بیان کیا ہے۔[370]

عن عبد الرحمٰن بن أبی ليلی عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤمن عبدٌ حتی أكون أحبّ اليه من نفسه و أهلی أحبّ من أهله و عترتی أحبّ اليه من عترته و ذاتی أحبّ اليه من ذاته۔ رواه الطبرانی و البيهقی۔

"حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہل بیت اس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔" اسے امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔[371]

عن الحسن بن علی: أنّ رسول الله ﷺ قال: الزموا مودّتنا أهل البيت، فانّه من لقی الله عز و جل و هو يودّنا دخل الجنّة بشفاعتنا، و الّذی نفسی بيده: لا ينفع عبد عمله الّا بمعرفة حقنا۔ رواه الطبرانی۔

"حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم اہل بیت کی محبت کو لازم پکڑو پس بے شک وہ شخص جو اس حال میں اللہ سے ملا کہ وہ ہم سے محبت کرتا تھا تو وہ ہماری شفاعت کے صدقے جنت میں داخل ہو گا اور اس ذات کی

---

[369] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۱۸/۳، الرقم: ۱۱۱۵۴، والحاكم فی المستدرک، ۸۴/۴، الرقم: ۶۹۵۸، وأبو يعلی فی المسند، ۴۳۳/۲، الرقم: ۱۲۳۸، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۳۶۴/۱۰)

[370] (أخرجه الحاكم فی المستدرک، ۳۵۲/۳، الرقم: ۵۳۵۹، وأبو يعلی فی المسند، ۳۳۰/۱۰، الرقم: ۵۹۲۴، وابن أبی عاصم فی السنة، ۶۱۶/۲، الرقم: ۱۴۱۴، والديلمی فی مسند الفردوس، ۱۷۰/۲، الرقم: ۲۸۵۱، والخطيب فی تاريخ بغداد، ۲۷۶/۷، الرقم: ۳۷۶۵، والمناوی فی فيض القدير، ۴۹۷/۳، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۱۷۴/۹)

[371] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الكبير، ۷۵/۷، الرقم: ۶۴۱۶، وفی المعجم المعجم الأوسط، ۵۹/۶، الرقم: ۵۷۹۰، والبيهقی فی شعب الايمان، ۱۸۹/۲، الرقم: ۱۵۰۵، والديلمی فی مسند الفردوس، ۱۵۴/۵، الرقم: ۷۷۹۵، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۸۸/۱)

قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کو اس کا عمل فائدہ نہیں دے گا مگر ہمارے حق کی معرفت کے سبب۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[372]

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کان لآل رسول اللہ ﷺ خادمٌ تخدمهم يقال لها: بريرة فلقيها رجلٌ فقال: يا بريرة، غطي شعيفاتک، فانّ محمّدًا لن يغني عنک من الله شيئاً قال: فأخبرت النّبيّ ﷺ: فخرج يجرّ رداءه محمّرة وجنتاه، وكنا معشر الأنصار نعرف غضبه بجر ردائه وحمرة وجنتيه۔ فاخذنا السلاح ثم أتيناه فقلنا: يارسول الله مرنا بما شئت فوالّذی بعثک بالحق، لو أمرتنا بأمهاتنا وآبائنا وأولادنا، لأمضينا قولک فيهم، فصعد ﷺ المنبر فحمد الله عزوجل وأثنى عليه۔ وقال: من أنا؟ فقلنا: أنت رسول الله۔ قال: نعم، ولكن من أنا؟ فقلنا: محمد بن عبدالله بن عبد المطلب بن هاشمٍ بن عبد منافٍ۔ قال: أنا سيد ولد آدم ولا فخر، واوّل من تنشقّ عن الأرض ولا فخر، واوّل من ينفض التّراب عن رأسه ولا فخر، وأوّل داخل الجنّة ولا فخر، ما بال أقوامٍ يزعمون أنّ رحمی لا ينفع۔ ليس كما زعموا انّی لأشفع وأشفّع، حتى أنّ من أشفَعُ له لَيَشفَعُ فَيَشَفَّعُ، حتّى انّ ابليس ليتطاول طمعًا فی الشّفاعة۔

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آل رسول ﷺ کی ایک خادمہ تھی جو ان کی خدمت بجالاتی، اسے "بریرہ" کہا جاتا تھا پس اسے ایک آدمی ملا اور کہا: اے بریرہ اپنی چوٹی کو ڈھانپ کر رکھا کر بے شک محمد ﷺ تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ راوی بیان کرتے ہیں پس اس نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی پس آپ ﷺ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے در آنحالیکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دونوں رخسار مبارک سرخ تھے اور ہم (انصار کا گروہ) حضور ﷺ کے غصے کو آپ ﷺ کے چادر کے گھسیٹنے اور رخساروں کے سرخ ہونے سے پہچان لیتے تھے پس ہم نے اسلحہ اٹھایا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آگئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ جو چاہتے ہیں ہمیں حکم دیں پس اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں ہماری ماؤں، آباء اور اولاد کے بارے میں بھی کوئی حکم فرمائیں گے تو ہم ان میں بھی آپ ﷺ کے قول کو نافذ کر دیں گے پس آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا: میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں لیکن میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ ﷺ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، میں وہ پہلا شخص ہوں جس کی قبر پھٹے گی لیکن کوئی فخر نہیں اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے سر سے مٹی جھاڑی جائے گی لیکن کوئی فخر نہیں، اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میرا رحم (نسب و تعلق) فائدہ نہیں دے گا ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں۔ بے شک میں شفاعت کروں گا اور میری شفاعت قبول بھی ہو گی یہاں تک کہ جس کی میں

---

[372] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الأوسط ۲/۳۶۰، الرقم: ۲۲۳۰، والهيثمی فی مجمع الزوائد ۹/۱۷۲)

شفاعت کروں گا وہ یقینا دوسروں کی شفاعت کرے گا اور اس کی بھی شفاعت قبول ہو گی یہاں تک کہ ابلیس اپنی گردن کو بلند کرے گا شفاعت میں طمع کی خاطر (یا کسی طور اس کی شفاعت بھی کوئی کر دے)۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[373]

تاجدارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہم سے محبت نہ کرے اور اس وقت تک محبت کرنے کے کا دعویٰ خام ہے جب تک ہماری اہل بیت وعترت اور قریبوں سے محبت نہ کرے۔[374]

ایک اور مقام پر امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہمیں اپنی جان سے محبوب نہ رکھے اور ہماری عترت کو اپنی عترت سے اور ہماری اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے محبوب نہ رکھے۔ اور ہماری ذات کو اپنی ذات سے محبوب نہ سمجھے۔[375]

ایک اور مقام پر حضور سرورِ کائنات فخر موجودات باعث تخلیق کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **واللہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبھم للہ ولقرابتھم منی۔** "خدا کی قسم انسان کے دل میں اس وقت تک ایمان ہی داخل نہیں ہو تا جب تک میرے قریبوں سے محبت نہ کرے۔"[376]

امام الانبیاء تاج دارِ مدینہ ﷺ کو اپنی صاحبزادی والاشان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد طاہرہ سے اس قدر والہانہ محبت ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا: میری آلِ پاک کی محبت تم پر لازم اور واجب قرار دی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ ہماری شفاعت اور جنت الفردوس میں داخلہ کا انحصار محض اس بات پر ہے کہ ہمارے گھر والوں سے مودت و محبت کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کی قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر اہل بیت کے بارے میں ہمارا حق نہیں پہچانو گے تو تمہارا کوئی عمل بھی تمہیں نفع نہیں دے گا۔[377]

عن أبی رافعٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنّ رسول اللہ ﷺ قال لعلیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنت وشیعتک تردون علیّ الحوض رواء مرویین، مبیّضۃ وجوھکم۔ وانّ عدوک یردون علیّ ظمائً مقبّحین۔ رواہ الطبرانی۔ "حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تو اور تیرے (چاہنے والے) مددگار (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر چہرے کی شادابی اور سیراب ہو کر آئیں گے اور ان کے چہرے (نور کی وجہ سے) سفید

---

[373] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۲۰۳/۵، الرقم: ۵۰۸۲، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۳۷۶/۱۰)

[374] (الصواعق المحرقہ ص ۱۴۵)

[375] (الصواعق المحرقہ ص ۱۷۲)

[376] (الصواعق المحرقہ ص ۲۳۰)

[377] (جامع الصغیر، ج ۱ ص ۱۰۱، الصواعق المحرقہ ص ۱۷۳، الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۳۶۰/۲، الرقم: ۲۲۳۰، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۳۱/۹)

ہوں گے اور بے شک تیرے دشمن (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر بد نما چہروں کے ساتھ اور سخت پیاس کی حالت میں آئیں گے۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[378]

اولادِ فاطمہ (سادات) پر جہنم حرام ہے

عن جابر بن عبداللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّما سمّیت بنتی فاطمة لأنّ اللہ عزوجل فطمها وفطم محبّیها عن النّار۔ رواہ الدّیلمی۔

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے چاہنے والوں کو آگ سے چھڑا (اور بچا) لیا ہے۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[379]

بنتِ رسول، خاتونِ جنّت، سیدہ بتول، سلام اللہ علیہا کا اسمِ مقدس ہی ایسا ہے جس کے معنی ہیں آزاد کرانے والی۔ چنانچہ لفظِ فاطمہ تشریح کرتے ہوئے محدثین نے لکھا ہے: **وفاطمة کما قال ابن درید مشتقة من الفطم وھو قطع سمیت بذالک لان اللہ تعالیٰ فطمها عن النار۔**

"اور فاطمہ! جیسا کہ کہا ابنِ درید کے بیٹے نے کہ یہ فطم سے مشتق ہے جس کا معنی ہے علیٰحدہ کرنا۔ اور فاطمہ کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے علیٰحدہ کر دیا ہے۔[380]

واخرج الدیلمی مرفوعا انها سمیت فاطمة لان فطمها ومحبّیها عن النّار۔ "اور دیلمی نے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ آپ کا نام فاطمہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے محبین کو آگ سے علیحدہ کر دیا ہے۔[381]

ان فاطمة قد احصنت فرجها فحرّمها اللہ وذریّتها علی النّار۔ "بیشک فاطمہ پاک دامن ہے، آپ کو اور آپ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام فرما دیا ہے۔[382]

---

[378] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱/۳۱۹، الرقم: ۹۴۸، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۳۱)

[379] (أخرجه الدیلمی فی مسند الفردوس، ۱/۳۴۶، الرقم: ۱۳۸۵، والخطیب فی تاریخ بغداد، ۱۲/۳۳۱، والمناوی فی فیض القدیر، ۳/۴۳۲)

[380] (اسعاف الراغبین حاشیہ نور الابصار ص ۸۰، شرح فقہ اکبر ص ۱۳۰)

[381] (صواعق محرقہ ص ۱۸۸ نور الابصار ص ۴۵)

[382] (المستدرک حاکم ۳/۱۵۲، الامن والعلیٰ ص ۲۳۸، اشرف الموبد ص ۴۴، مراۃ شرح مشکوۃ ۴۵۲)

علاوہ ازیں بھی بیشتر فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سیّدہ فاطمۃ الزھرا سلام اللہ علیھا کی تمام اولاد پاک جہنم سے محفوظ رہے گی۔ چند ایک روایات مزید ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿الضحیٰ ۵﴾ (اور بیشک اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے: **عن ابن عباس قال رضا محمد ﷺ ان لا یدخل احد من اھل بیتہ النار۔** "کہ سرکارِ دوعالم کی رضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے کوئی ایک فرد بھی جہنم میں نہ جائے۔[383]

کتبِ احادیث میں آتا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ میرے اہل بیت سے ایک شخص بھی جہنم میں نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے میرا یہ سوال قبول فرمالیا۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سألت ربّی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانیھا۔ (حدیث صحیح ولم یخرجاہ)۔[384]

اور اولادِ فاطمہ پر دوزخ حرام ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سرورِ کائنات، فخر موجودات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے حسب نسب منقطع ہو جائیں گے مگر ہمارا حسب و نسب منقطع نہیں ہو گا۔ چنانچہ روایات صحیحہ میں آتا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ کل حسبٍ و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا حسبی و نسبی۔[385]

عن ابن مسعودٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی ﷺ قال: حبّ آل محمّدٍ یوماً خیر من عبادۃ سنۃٍ و من مات علیہ دخل الجنّۃ۔ رواہ الدّیلمی۔

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل بیتِ مصطفی ﷺ کی ایک دن کی محبت پورے سال کی عبادت سے بہتر ہے اور جو اس محبت پر فوت ہوا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[386]

قال علیہ الصلوۃ والسلام: "الا و من مات علی حبّ آل محمد مات مغفورا۔ الا و من مات علی حبّ محمد مات تائبا۔ الا من مات علی حب آل محمد مات مؤمنا۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات شھیدا متکمل الایمان۔ الا و من مات علیٰ حبّ اٰل محمد یبشرہ ملک الموت بالجنۃ ثم منکرا و نکیرا۔ الا و من مات علی حب آل محمد یزف الی الجنۃ کما تزف العروس الی بیت

---

[383] (تفسیر قرطبی جز ۳۰ ص ۴۸۲ اشرف الموبد ص ۴۴)

[384] (المستدرک ۳/۱۵۰، اشرف الموبد ۴۴)

[385] (المستدرک ۳/۱۶۴، خصائص کبریٰ ۲/۲۲۵ جامع الصغیر ۲/۹۳ اشرف الموجد ص ۴۵ الروضۃ الفیحانی تواریخ النساء ص ۱۶۴ طبقات ابن سعد ۸/۴۸۲)

[386] (أخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۲/۱۴۲، الرقم: ۲۷۲۱)

زوجها وفتح له فی قبر باب الجنة جعل الله قبره مزار ملائکة رحمة۔ الا ومن مات علی حبّ آل محمد مات علی السنة والجماعة۔
"اے مسلمانو: آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ بخشا ہوا مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ مؤمن مرا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ شہید اور کامل الایمان مرا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا ملکُ الموت اور منکر نکیر اسے جنت کی بشارت دیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا جنت ایسے جائے گا جیسے دولہن اپنے خاوند کے گھر جاتی ہے، قبر میں اس کے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنائے گا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ سنت وجماعت پر مرا۔"[387]

عن علیّ بن حسین: أنّه ﷺ قال: یا علیّ انّ الله قد غفر لک ولذرّیّتک ولولدک ولأهلک، ولشیعتک ولمحبّی شیعتک فابشر۔ رواه الدّیلمی۔ "حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیری اولاد کو اور تیرے گھر والوں کو اور تیرے مددگاروں کو اور تیرے مددگاروں کے چاہنے والے کو بخش دیا ہے پس تجھے یہ خوشخبری مبارک ہو۔"[388]

اہل بیت کے ساتھ دشمنی کرنے والا یا منافق، یا ولدِ زنا، یا ناپاک حمل سے ہے

واخرج ابن عدی والبیهقی فی شعب الایمان عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ من لم یعرف حقّ عترتی والانصار والعرب فهو الاحدی ثلاثٍ: أما منافق، وأما لزنیةٍ، وأما امرؤٌ حملت به اُمُّه لغیر طهر۔

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص میرے اہل بیت اور انصار اور عرب کا حق نہیں پہچانتا تو اس میں تین چیزوں میں سے ایک پائی جاتی ہے: یا تو وہ منافق ہے، یا وہ حرامی ہے، یا وہ ایسا آدمی ہے جس کی ماں بغیر طہر کے اس سے حاملہ ہوئی ہو۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔[389]

حضور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لا یحبنا اهل البیت الا مؤمن تقی ولا یبغضنا الا منافق وشقی۔** "ہمارے اہل بیت سے وہی محبت رکھے گا جو مؤمن اور متقی ہے اور ہمارے اہل بیت پاک سے وہی بغض رکھے گا جو منافق اور بدبخت ہے۔"[390]

---

[387] (تفسیر کبیر ۷/۳۹۰، تفسیر ابن عربی ۲/۲۱۲، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، تفسیر کشاف ۴/۳۳۹، اشرف المؤید ۱۵۷، نزهة المجالس ۲/۲۲۲)

[388] (أخرجه الدیلمی فی مسند الفردوس، ۵/۳۲۹، الرقم: ۸۳۳۷)

[389] (أخرجه البیهقی فی شعب الایمان، ۲/۲۳۲، الرقم: ۱۶۱۴، الدیلمی فی مسند الفردوس، ۳/۶۲۶، الرقم: ۵۹۵۵، والذهبی فی میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ۳/۱۴۸)

[390] (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

ایک اور مقام پر سر تاج الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من بغض اهل البیت فهو منافق**۔ ”جو ہمارے اہل بیت سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے۔“[391]

امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: **حرمت الجنة علی من ظلم اهل بیتی و اذانی فی عترتی**۔ ”جو میرے اہل بیت پر ظلم کرتا ہے اور میری عترت کی وجہ سے مجھے ایذا دیتا ہے اس پر جنت کو حرام کر دیا گیا ہے۔“[392]

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: **الا و من مات علی بغض آل محمد جاء یوم القیامة کتب بین عینیه آئس من رحمةالله**۔ ”جو ہماری آل پاک سے بغض کی حالت میں مرے گا جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان تحریر کر دیا جائے گا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا ہے۔“[393]

الا من مات علی بغض آل محمد لم یشم رائحة الجنة۔ آل محمد ﷺ سے بغض رکھنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔[394]

مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے خاص لطف و کرم سے اہل بیتِ مصطفی علیہم السلام کی محبت عطا فرمائے اور ان سے بغض رکھنے والوں کے سایہ سے بھی محفوظ فرمائے، اہل بیت محمد ﷺ سے بغض اور دشمنی کی سزا قطعی طور پر جہنم ہے اور یہ کسی دنیاوی عدالت کا فیصلہ نہیں بلکہ ان کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جملے ہیں جن کا ہر ارشاد حکمِ خداوندی اور ناقابلِ ترمیم ہے۔ اب آپ سرکارِ دو عالم ﷺ کے مزید ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دفعہ تاجدار دو عالم امام الانبیاء ﷺ نے اپنی صاحبزادیٔ مکرمہ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شہزادوں کو گود میں لے کر فرمایا: **من احبهما فقد احبنی و من ابغضهما فقد ابغضنی**، جو ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے محبت رکھتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے۔[395]

---

[391] (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

[392] (تفسیر کشاف ۴/۳۹۹)

[393] (کشاف ۴/۳۹۹، روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزهة المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

[394] (تفسیر کبیر ۷؛ ۳۹۰، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزهة المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

[395] (البدایه والنهایه ۸/۲۶۵ المستدرک ۳/۱۶۶ و دیگر کتب احادیث متفقه علیه)

حضور سید المرسلین ﷺ اپنے اہل بیت کرام سے اختلاف رکھنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ چنانچہ کتب احادیث میں آتا ہے کہ میری آلِ پاک میری امت کے لئے امان ہے اور تمہیں اختلاف سے بچاتی ہے جو قبیلہ بھی ان سے مخالفت کرے گا وہ شیطان کی جماعت ہے۔[396]

کائنات کی سلامتی آلِ نبی ﷺ ہے

ایک مقام پر تاجدارِ دوعالم سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا میری آل پاک کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔ دوسری جگہ فرمایا میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ غرق ہو گیا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح تاجدارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ جہنم کا ایندھن بن گیا۔[397]

عن علی قال: قال رسول اللہ ﷺ: النّجوم أمان لأهل السّماء۔ فاذا ذهبت النجوم ذهب أهل السّماء۔ وأهل بيتی أمانٌ لأهل الأرض۔ فاذا ذهب أهل بيتی ذهب أهل الأرض۔ رواه الديلمی۔ "حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں پس جب ستارے چلے گئے تو اہل آسمان بھی چلے گئے اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے امان ہیں پس جب میرے اہل بیت چلے گئے تو اہل زمین بھی چل گئے۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[398]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ کی تین حُرمات ہیں جو ان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے دین و دنیا کے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے اور جو ان تین کو ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرماتا،" سو عرض کیا گیا: "یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون سی تین حرمات ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "اسلام کی حرمت، میری حرمت اور میرے نسب کی حرمت۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

---

[396] (خصائص الکبریٰ ۲/۱۴۵ اشرف صواعق محرقہ ۱۵۳)

[397] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۴۵، الرقم: ۲۶۳۷، ۱۲/۳۴، الرقم: ۲۳۸۸، ۲۶۳۸، ۲۶۳۶، وفی المعجم الاوسط، ۴/۱۰، الرقم: ۳۴۷۸، ۵/۳۵۵، الرقم: ۵۵۳۶، ۶/۸۵، الرقم: ۵۸۷۰، فی المعجم الصغیر، ۱/۲۴۰، الرقم: ۳۹۱، ۲/۸۴، الرقم: ۸۲۵، والحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم: ۴۷۲۰، والبزار فی المسند، ۹/۳۴۳، الرقم: ۳۹۰۰، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۱/۲۳۸، الرقم: ۹۱۶، والقضاعی فی مسند الشهاب، ۲/۲۷۳، الحدیث ۱۳۴۳، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۸، صواعق محرقہ ص ۱۵۳، اشرف الموبد ص ۱۵۲،)

[398] (أخرجه الدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۱۱، الرقم: ۶۹۱۳، مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج ۱۱ ص ۳۹۹، ۴۰۰)

عن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: وعدنی ربّی فی أھل بیتی من أقرّ منھم بالتّوحید ولی بالبلاغ أن لا یعذبھم۔ رواہ الحاکم وقال: ھذا حدیثٌ صحیح الأسناد۔ ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میرے اہل بیت کے بارے میں وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جو بھی توحید کا اقرار کرے گا اور میرے دین پہنچانے کا اقرار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دے گا۔“ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[399]

محبت اہل بیت فرض اور ان پر درود نہ پڑھنے سے نماز نہیں

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **یا اھل بیت رسول اللہ حبّکم فرض من اللہ فی قرآن انزلہ۔** اے اہل بیت رسول ﷺ آپ سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس کو اس نے اتارا ہے فرض قرار دیا ہے۔

کفاکم من عظیم القدر انّکم　　من لم یصلّ علیکم لا صلوۃ لہ

اے اہل بیت آپ کی عظمت وشان کے لئے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز ہی نہیں۔

رافضی اور ناصبی

اذا نحن فضّلنا علیًّا فَإنّنا　　روافض بالتفضیل عند ذی الجھل

جب ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کو بیان کیا تو بیشک ہم بہ سبب بیان تفضیل کے جاہلوں کے نزدیک رافضی ہوئے۔

وفضل ابی بکرٍ اذا ما ذکرتہ　　رمیت بنصبٍ عند ذکری للفضل

اور جس وقت ہم فضائل حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں تو اس وقت ہم پر ناصبی ہونے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

قالو الرّفضت قلت کلا　　ما الرفض دینی ولا اعتقادی

جن جاہلوں نے مجھ کو رافضی کہا تو میں نے جواب دیا کہ حاشا میرا دین اور میرا اعتقاد رافضیوں کا سا نہیں۔

محبت اہل بیت عین ایمان

---

[399] (أخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم: ۴۷۱۸، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۸۲، الرقم: ۷۱۱۲)

لٰکن تولّیت غیر شکٍّ　　خیر امامٍ و خیر ھادی

لیکن اس میں شک نہیں کہ میں بہتر امام اور بہتر ہادی کے ساتھ دوستی رکھتا ہوں۔

ان کان رفضًا حبّ اٰل محمد　　فلیشھد الثّقلان انّی رافض

اگر آل محمد مصطفی ﷺ کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ بیشک میں رافضی ہوں۔

قرآن اور اہل بیتِ نبوت سے وابستگی نورِ ہدایت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام فریضہ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے باہر غدیر خم کے مقام پر تشریف فرما ہوئے جہاں سے مختلف اطراف کی طرف راستے جاتے ہیں تو مختلف علاقوں سے آئے ہوئے اصحاب کو الوداع کہنے سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ ”اے میرے ساتھیو! میں اپنے فرائض کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں۔ سنت الٰہیہ کے موافق کسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آجائے اور مجھے اس کی تکمیل کرنا پڑے اس لئے میں تمہاری ہدایت و نجات کے لئے آخری بات کہہ دینا چاہتا ہوں تاکہ تم ہدایت صراط مستقیم سے بھٹک نہ جاؤ۔

و انا تارک فیکم الثقلین اوّلھما کتاب اللہ فیہ النّور و الھدیٰ فخذوا بکتاب اللہ و استمسکوا بہٖ۔ و قال و اھل بیتی اذکر اللہ فی اھل بیتی و قال ثلاثاً۔

(یعنی) میں تم میں دو بیمثل عمدہ نفیس چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) جو نورِ ہدایت سے بھرپور ہے، اس کو بہت مضبوطی سے پکڑے رہنا دوسری گرانقدر اور بزرگ چیز میرے اہل بیت (گھر والے) ہیں، میں تم کو خدا یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں، اور تین بار اس کا تکرار فرمایا۔“

اولاد کو تین باتوں کی تعلیم

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اپنی اولاد کو تین باتوں کی تعلیم دو: **حبّ نبیّکم و حبّ اھل بیتہٖ و قرأۃ قرآن۔**

اپنے نبی ﷺ کی محبت، اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت اور قرآن پڑھنے کی محبت۔“ اللہ تعالیٰ ہم کو حب رسول ﷺ و حب اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم و حب قرآن سے سرشار فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ (آمین)

اہل بیت مصطفی ﷺ

اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنکُمُ الرِّجْسَ اَھلَ الْبَیتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیرًا۔[400]

"اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے اہل بیت عظام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کو پاک اور خوب پاک فرمایا ہے اور کوئی ناپاکی ان کے قریب نہیں آسکتی۔ اب اس آیت میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل بیت سے یہاں کون مراد ہیں اور دوسرا یہ کہ رجس ناپاکی سے کیا مراد ہے تیسرا یہ کہ امتیازی شان کیا ہے اور چوتھا یہ کہ تطہیر کیا ہے۔ علماء ومفسرین کرام علیہم الرحمۃ کی کثرت رائے یہ ہے کہ یہ آیت سیدنا حضرت علی المرتضی، سیدہ فاطمۃ الزہرہ، سیدنا امام حسن، اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ **عنکم** اور اس کے بعد تمام ضمیریں مذکر ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ازواجِ مطہرات کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ اس کے بعد **واذکر ما یتلیٰ فی بیوتکن** ہے۔ چنانچہ علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر کبیر میں آیت تطہیر کے ماتحت فرماتے ہیں: **فالأولیٰ ان یقال ھم اولادہ وازواجہ والحسن والحسین منھم وعلی منھم لانہ کان من اھل بیتہ بسبب معاشرہ بنت النبی ﷺ وملازمتہ النبی ﷺ۔** "اولی اور حسن بات یہی ہے کہ اہل بیت نبی ﷺ کی اولاد، بیویاں اور سیدنا حسن، اور سیدنا حسین ہیں، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اہل بیت سے ہیں اس لئے کہ نبی ﷺ کی شہزادی سیدہ (فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے معاشرت کے باعث اور آپ کی معیت کی وجہ سے وہ اہل بیت میں شامل ہیں، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس نسبت میں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔ اور علامہ صاوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

فی اھل بیت سکنہ وھنّ ازواجہ واھل بیت نسبہ وھنّ ذریّۃ۔ "آیت میں اہل بیت سکونت ازواجِ مطہرات ہیں اور اہلبیت جو آپ کی اولاد ہے تمام شامل ہیں۔ اور محقق علی الاطلاق علامہ شیخ شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات میں یوں بیان فرماتے ہیں: "بیت سہ است بیت نسب، بیت سکنی، وبیت ولادت پس بنو ہاشم اولاد عبد المطلب اہل بیت پیغمبر اند ﷺ از جہت نسب وازواج مطہرات آن حضرت ﷺ اہل بیت سکنی اند واولاد شریف آں حضرت اہل بیت ولادت اند" یعنی اہل بیت تین ہیں۔ (۱) بیت نسب، (۲) بیت سکنی، (۳) بیت ولادت، پس حضرت عبد المطلب کی اولاد بنو ہاشم ہیں، وہ پیغمبر اسلام کے نسب کے لحاظ سے اہل بیت ہیں اور ازواجِ مطہرات نبی ﷺ کی اہل بیت سکنی ہیں اور اولاد شریف آں حضرت علیہ السلام کی اہلبیتِ ولادت ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آگے چل کر شیخ محقق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی اہل بیت میں سیدنا علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہرا اور سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خصوصی امتیازی اور انفرادی مقام حاصل ہے اس لئے کہ سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کے

---

[400] ﴿الاحزاب ۳۳﴾

ساتھ خصوصی محبت و پیار ہے اس لئے ان کی فضیلت و بزرگی اس وجہ سے زیادہ ہے۔ ثابت ہوا کہ اہلبیت میں ازواجِ مطہرات النبی ﷺ یقیناً شامل ہیں یہ اس آیت سے کسی طریق سے خارج نہیں ہیں۔

رجس کے معنی ازروئے قرآن

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیسِرُ وَ الاَنصَابُ وَ الاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیطٰنِ "اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں۔"[401]

یہاں آیت میں شراب، جوئے، بتوں اور فال کے تیروں کو "رجس" فرمایا گیا ہے۔

اِلَّا اَن یَّکُونَ مَیتَۃً اَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا اَوْ لَحْمَ خِنزِیرٍ فَاِنَّہٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُھِلَّ لِغَیرِ اللّٰہِ بِہٖ۔[402]

"مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون، وہ نجس ہے، یا بطور نافرمانی اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔"

وَ اُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیکُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ﴿الحج ۳۰﴾ "اور تمہارے لئے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے، سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور رہو بتوں کی گندگی سے۔"[403]

ان دو آیات میں مردار بہتا ہوا خون، گوشت خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کو رِجْسٌ فرمایا گیا ہے۔

وَ اَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِھِم مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا ﴿یونس ۱۲۵﴾ "اور جن کے دلوں میں آزار ہے، انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی"

فَاَعْرِضُوا عَنْھُمْ اِنَّھُمْ رِجْسٌ ﴿توبۃ ۹۵﴾

"تو تم ان کا خیال چھوڑو وہ تو نرے پلید ہیں۔"

ان دو آیات میں منافقین کے نفاق، بے ایمانی اور بے عقلی پر رجس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

وَ یَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِینَ لَا یَعْقِلُونَ ﴿یونس ۱۰۰﴾ "اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔"

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیکُم مِّن رَّبِّکُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ﴿الاعراف ۷۱﴾

---

[401] ﴿المائدۃ ۹۰﴾ (سورۃ مائدہ: ۹۰، پ ۷ ع ۲)

[402] ﴿الانعام ۱۴۵﴾ (سورۃ الانعام: ۱۴۵، پ ۸ ع ۵)

[403] (سورۃ الحج: ۳۰، پ ۱۷، ع ۱۱)

"کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔"

ان دو آیات میں عذابِ خداوندی کو رجس فرمایا گیا ہے۔

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ شراب، جوا، جاری خون، خنزیر کا گوشت، بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، منافقین اور ان کے نفاق بے دینی و بے ایمانی اور عذابِ خداندی وغیرہم پر "رِجس" کا اطلاق ہوا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهلَ الْبَيتِ ﴿الاحزاب ۳۳﴾ اے نبی ﷺ کے اہل بیت کرام میں نے تم کو تمام اعتقادی و عملی ناپاکیوں اور برائیوں سے بالکل پاک اور منزہ فرما کر قلبی صفائی، اخلاقی ستھرائی اور تزکیہ ظاہر و باطن کا وہ اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے تم دوسروں سے ممتاز و فائق ہو۔

سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے گھرانے کا اہل بیت اور اہل کساء ہونے کا بیان

عن صفيّة بنت شيبة قالت: قالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها: خرج النّبى ﷺ غداةً وعليه مرطٌ مرحّلٌ من شعرٍ أسود، فجاء الحسن بن على رضى الله تعالىٰ عنهما فأدخله، ثمّ جاء الحسين رضى الله تعالىٰ عنه فدخل معه، ثمّ جآءت فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها فأدخلاها، ثمّ جاء علىّ رضى الله تعالىٰ عنه فأدخله، ثمّ قال: انّما يريد الله ليذهب عنكم الرّجس أهل البيت ويطهّركم تطهيرا۔ رواه مسلم۔

"حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ صبح کے وقت باہر تشریف لائے درآنحالیکہ آپ ﷺ نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جس پر سیاہ اون سے کجاووں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور ان کے ہمراہ چادر میں داخل ہو گئے، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل فرما لیا، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو آپ ﷺ نے انہیں بھی چادر میں لے لیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: "اے اہل بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک و صاف کر دے۔" اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[404]

---

[404] (أخرجه مسلم فى الصحيح، كتاب: فضائل الصحابة، باب: فضائل أهل بيت النبى، ۱۸۸۳/۴، الرقم: ۲۴۲۴، وابن أبى شيبة فى المصنف، ۳۷۰/۶، الرقم: ۳۶۱۰۲، وأحمد بن حنبل فى فضائل الصحابة، ۶۷۲/۲، الرقم: ۱۱۴۹، وابن راهويه فى المسند، ۶۷۸/۳، الرقم: ۱۲۷۱، والحاكم فى المستدرک ۱۶۹/۳، الرقم: ۴۷۰۷، والبيهقى فى السنن الكبرىٰ، ۱۳۹/۲، والطبرانى فى جامع البيان، ۶/۲۲)

عن عمر بن أبی سلمة ربیب النبی ﷺ قال لمّا نزلت هذه الآیة علی النبی ﷺ: {اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا} فی بیت اُمّ سلمة، فدعا فاطمة و حسنًا و حسینًا رضی الله عنهم فجلّلهم بكساء و علیّ رضی الله تعالیٰ عنه خلف ظهره فجلّله بكساء، ثمّ قال: اللهمّ هؤلاءِ أهلُ بیتی، فأذهب عنهم الرّجس و طهّرهم تطهیرًا۔ رواه التّرمذی و أحمد۔"

پر وُردۂ نبی حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں یہ آیت مبارکہ۔۔۔۔ اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور فرمادے اور تم کو خوب پاک و صاف فرمادے۔۔۔ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے انہیں بھی ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے نجاست دور کر اور ان کو خوب پاک و صاف کر دے۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور احمد نے روایت کیا ہے۔[405]

سادات کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جو تعظیم و تکریم کتب احادیث سے ظاہر ہے وہ بیان سے باہر اور گمان سے بالا ہے۔ قلم کی ہر گز طاقت نہیں کہ اولادِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل و اکرام کا احاطہ کر سکے۔ ہم قارئین کی خدمت میں التماس کریں گے کہ جو شخص بھی اہل بیتِ رسول ﷺ کا فرد ہونے کا دعوی دار ہے، آپ بہر طور اس کی تعظیم و تکریم اولادِ مصطفی ﷺ سمجھ کر کریں، اور ہر گز اس ٹوہ میں نہ جائیں کہ ممکن ہے یہ سیّد نہ ہو۔

ہم نے اشرف المؤبد و دیگر متعدد کتب میں پڑھا ہے کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی اولاد پاک سے ایک شہزادی فقر کی حالت میں ایک غنی مسلمان کے پاس کسی ضرورت سے تشریف لے گئیں اور اسے بتایا کہ میں سید زادی ہوں، اس لئے میری مدد کرو، تو اس شخص نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مجھے کیا معلوم تم سید زادی ہو یا نہیں۔ وہ شہزادی بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا پریشانی کے عالم میں واپس آگئیں اور ایک یہودی سے اپنی حاجت بیان فرمائی۔ یہودی نے ایک برقعہ پوش اور خاندانِ سادات کی خاتون سمجھ کر ان کی نہایت تعظیم و تکریم سے ضرورت پوری کر دی۔ رات کو اس مسلمان اور یہودی دونوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے اس مسلمان کو جنت میں داخل ہونے سے یہ فرما کر منع فرمادیا کہ جب تمہیں ہماری بیٹی کے سیدہ ہونے پر شک تھا تو ہم تمہارے مسلمان ہونے پر کیسے یقین کر لیں، اور اس یہودی کو عزت سے جنت میں داخل ہونے دیا۔ یہودی نے جب یہ خواب دیکھا تو صبح بیدار ہوتے ہی مسلمان ہو گیا۔

اگر کوئی اپنا نسب تبدیل کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ نسب بدلنے والوں کے متعلق سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ ملعون و مردود ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں۔ کراچی میں بھی ایسے پیران عظام ہیں جو کہ اپنا نسب

---

[405] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: تفسیر القرآن باب: ومن سورة الأحزاب، ۵/ ۳۵۱، ۶۲۳، الرقم: ۳۲۰۵، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۶/ ۲۹۲، وفی فضائل الصحابة، ۲/ ۵۸۷، الرقم: ۹۹۴، والحاکم فی المستدرک، ۲/ ۴۵۱، الرقم: ۳۵۵۸، ۳/ ۱۵۸، الرقم: ۴۷۰۵، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/ ۵۲، الرقم: ۲۶۶۲)

بدلتے ہیں اوراپنے آپ کوسید شاہ جی کہلاتے ہیں اور مدرسہ بناتے ہیں اوراسے بھی شاجیہ مدرسہ لکھواتے ہیں وہ خود تو مردود وملعون ہیں اگر کسی کو ان کے نسب بدلنے کا پتہ ہو اور پھر بھی ان کو سید پکارے تو وہ بھی گناہگار ہیں کیونکہ پنجاب اور سندھ میں لوگ شاہ جی کو سید کہتے ہیں ہمارے صوبہ خیبر پختون خواہ سید کو بادشاہ صاحب اور میاں صاحب پکارتے ہیں اورافغانستان میں آغا صاحب پکارتے ہیں۔

حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف کرے، کسی کو بھی اُس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، غیر سیّد اپنے آپ کو سیّد نہ بتائے اور غیر سادات کو سادات نہ کہا جائے، اس ممانعت پر قرآن کریم اور حدیث شریف وارد ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس پر وعید بیان فرمائی ہے۔

قرآن کریم

اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی اولاد بتانے کا عام رواج تھا اور لوگ بھی لے پالک کو پالنے والے کا بیٹا کہتے تھے اور وہ بھی اپنے آپ کو پالنے والے کا بیٹا بتاتے تھے اور ابتداء اسلام میں یہ معاملہ اسی طرح رہا۔

چنانچہ علامہ ابوالحسن علی بن حلف بن عبد الملک لکھتے ہیں:

ان أهل الجاهلية كانوا لا يستنكرون ذلک أن يتبنّى الرّجل منهم غير ابنه الذى خرج من صلبه فنسب اليه، ولم يزل ذلک أيضاًفى أوّل الاسلام۔

یعنی بے شک اہل جاہلیت اسے معیوب نہ سمجھتے تھے کہ اپنے صُلبی بیٹے کے علاوہ کسی اور کو اپنا متبنی (لے پالک) بنالیں اور اُسے اپنی طرف منسوب کریں اور یہ امر اوّل اسلام میں بھی جاری رہا۔[406]

پھر اس سے منع کر دیا گیا، چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی اور ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: **قد كانوا يفعلونه فنهى عنه۔** یعنی لوگ ایسا کرتے تھے پھر اس سے روک دیا گیا۔[407]

اور ممانعت کے لئے قرآن کریم میں جو حکم نازل ہوا، اس کی ابتداء یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ (الأحزاب: ۳۳/۴)

ترجمہ: اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا۔ (کنز الایمان)

---

[406] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب "من ادّعی الی غیر أبیه وهو یعلم الخ"، ۸:۳۸۳)

[407] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶:۳۹۶، مرقات، کتاب النکاح، باب اللعان، برقم: ۳۳۱۵، ۶:۴۳۶)

شانِ نزول

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قولہ تعالیٰ {وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ} أجمع أهل التفسير على أن هذا نزل في زيد بن حارثة، وروى الأئمة أن ابن عمر قال: ما كنّا ندعو زيد بن حارثة الا زيد بن محمد حتى نزلت {اُدْعُوهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ}

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: "اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا"۔ اہل تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اور ائمہ نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا "ہم زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پکارتے تھے مگر زید بن محمد" یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (جس میں حکم ہوا کہ) "انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو (جن سے وہ پیدا ہوئے) یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔"[408]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان {وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ} کے بارے میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس میں دو احتمالات ہیں چنانچہ امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا" دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے، اُن میں سے ایک یہ کہ تمہارے لے پالکوں کو آباء کی طرف نسب کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا اور وہ جو کچھ واقعات میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا بنالیتا تو وہ اس کی اولاد کے ساتھ اس کا وارث بنتا اور یہی وہ شئے ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (تو مطلب ہو گا کہ) جسے تم زمانہ جاہلیت میں مدد و نصرت کے لئے اپنا بیٹا بناتے ہو انہیں اسلام میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہارے لے پالکوں کو نسبیت کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہتے تھے۔[409]

اور لے پالکوں کو اپنا بیٹا کہنا، یہ لوگوں کی اپنائی ہوئی بات تھی جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ کسی کو اپنا بیٹا بنانے سے وہ بیٹا بن جاتا، کسی کا نسب بدل دینے یا بدل لینے سے اس کا نسب نہیں بدل جاتا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (الأحزاب، ۴:۳۳)

ترجمہ: یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے۔ (کنز الایمان)

---

[408] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۴، ۷/۱۴/۱۱۸)

[409] (تأویلات أهل السنّة، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۴، ۴/۱۰۰)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :قوله تعالیٰ: {ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ}{بِاَفْوَاهِكُمْ}تأكيد ببطلان القول، أي أنه قول لا حقيقة له في الوجود، انما هو قول لسانيٌّ فقط۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان "یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے" میں "بِأَفْوَاهِكُمْ" (تمہارے منہ) لوگوں کے قول کے بُطلان کی تاکید ہے (کہ تمہارا کسی اور کے بیٹے کو بیٹا بنانا باطل ہے) یعنی یہ ایسا قول ہے کہ جس کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ فقط زبانی قول ہے۔[410]

اور حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ﴿الاحزاب ۴﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ (کنز الایمان)

پھر صریح حکم ہوا کہ اب تم انہیں ان کے نسبی باپوں کی طرف منسوب کر دو۔

چنانچہ امام قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ: فأمر تعالیٰ بدعاء الأدعياء الى آبائهم للصّلب۔ یعنی پس اللہ تعالیٰ نے لے پالکوں کو ان کے صُلبی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارنے کا حکم فرمایا۔[411]

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الأحزاب ۳۳/۵)

ترجمہ: انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔

اس آیہ کریمہ میں "اَقْسَطُ" کا معنی "اَعْدَلُ" ہے یعنی زیادہ عدل اور انصاف والی بات، تو مطلب یہ ہو گا کہ کسی آدمی کا اپنے آپ کو اپنے نسبی باپ کی طرف منسوب کرنا، باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ عدل و انصاف والی بات ہے، اگر اس پر کوئی اعتراض کرے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا بھی انصاف والی بات ہے اور زیادہ انصاف کی بات یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو نسبی باپ کی طرف منسوب کرے حالانکہ اپنے آپ کو باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنا انصاف کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ظلم ہے، گناہ ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس آیہ کریمہ میں اسم تفضیل "اقسط" مجازاً صفت مشبّہ کے معنی میں ہے اور یہاں زیادتی مراد نہ ہو گی بلکہ مراد صرف عادلانہ فیصلہ اور انصاف کی بات ہے۔

---

[410] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۵، ۷/۱۴/۱۲۱-۰)

[411] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۵، ۷/۱۴/۱۲۱)

اس آیت میں اپنے نسب کی حفاظت کا حکم دیا گیا اور اس بات پر سختی فرمائی گئی کہ کوئی شخص دانستہ اپنے کو کسی غیر کا بیٹا نہ کہے اور نہ اپنا نسب کسی غیر کے ساتھ جوڑے۔

ناسخ و منسوخ

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی جائیداد میں وارث قرار دینے کا عام رواج تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عمل اسی پر جاری تھا کہ جب تک اسلام میں اس سے کوئی ممانعت وارد نہ ہوئی اس پر عمل کی اجازت تھی پھر قرآن کریم میں اس کی اباحت کو منسوخ کر دیا گیا چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں: **دليل على أن التبنّى كان معمولاً به في الجاهليّة والاسلام، يتوارث به ويتناصر، الى أن نسخ الله ذلك بقوله: {اُدْعُوهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِندَ اللهِ} أى أعدل، فرفع الله حكم التبنّى، ومنع من اطلاق لفظه، وأرشد بقوله الى أن الأولىٰ والأعدل أن ينسب الرّجل الى أبيه نسباً**۔ یعنی، اس پر دلیل کہ متبنّٰی (یعنی لے پالک بنانے) کا جاہلیت اور اسلام میں معمول تھا اور اُس کو وارث قرار دیا جاتا اور ان سے مدد حاصل کی جاتی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس فرمان سے منسوخ فرمادیا کہ "انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے (تو یہ نسخ اس پر دلیل ہے کہ زمانۂ جاہلیت اور ابتداء اسلام میں اس کا معمول تھا اور "اَقْسَطُ" بمعنی "اَعْدَلُ" کے ہے پس اللہ تعالیٰ نے تبنّی کا حکم اُٹھالیا اور اُسکے لفظ کے اطلاق سے منع فرمادیا اور اپنے فرمان سے ہمیں راہ یہ دکھائی کہ اَولیٰ اور اَعدل یہ ہے کہ مرد کو اس کے نسبی باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔[412]

اور اگر غلطی سے بلا ارادہ کہہ دیا جائے تو اس پر پکڑ نہیں ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَ لَیسَ عَلَیکُمْ جُنَاحٌ فِیمَا اَخْطَاتُم بِهٖ (الاحزاب: ۵/۳۳)

ترجمہ: اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو تم سے نادانستہ صادر ہو جائے۔ (کنز الایمان)

جیسے کوئی کسی بزرگ یا استاد یا اپنے مرشد کو تعظیم کے طور پر باپ کہہ دے اور اس سے اس کی مراد یہ نہ ہو کہ وہ اس کے نسب سے ہے اسی طرح کوئی بڑا کسی بچے کو ازراہِ شفقت بیٹا کہے یا کوئی استاد اپنے شاگرد کو، شیخ اپنے مرید کو شفقت کے طور پر بیٹا کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ اسے اپنا صلبی بیٹا کہہ رہے ہیں۔

گناہ تو اس صورت میں ہے جب کسی کو جانتے ہوئے اپنا نسبی باپ سمجھ کر باپ بتائے جیسے لوگ اپنا نسب بدل لیتے ہیں۔ غیر سادات، سادات کہلواتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ سادات سے نہیں ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ نسب بدلنا حرام ہے، اور اسی طرح کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ اُس کا بیٹا نہیں ہے اُسے اپنا صُلبی بیٹا کہے یا بتائے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: **وَلٰکِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُکُمْ** (الأحزاب: ۵/۳۳)

---

[412] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۵، ۷/۱۴/۱۱۹)

ترجمہ: ہاں وہ گناہ ہے جو (ممانعت کے بعد) دل کے قصد سے کرو۔ (کنز الایمان)

پھر اہل بیت کی طرف نسبت کا جرم غیر اہلبیت کی طرف نسبت کے جرم سے بڑا ہے چنانچہ امام قرطبی نے لکھا کہ حضرت مقداد بن اسود جو عمرو کے بیٹے تھے، اسود نے انہیں اپنا متبنّٰی (یعنی لے پالک) بنایا تھا اور وہ ان ہی کے نام سے معروف تھے، جب یہ حکم نازل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں ابن عمرو ہوں لیکن لوگوں میں ابن اسود کے نام سے ہی معروف رہے اور کسی نے بھی انہیں مقداد بن اسود کہنے والے کو گناہ گار قرار نہیں دیا، اسی طرح حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب تھے اور اسی کے ساتھ مشہور تھے اور یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال کے بر خلاف ہے کیونکہ ان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ انہیں زید بن محمد کہا جائے، اگر کسی نے قصداً اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ کی وجہ سے گنہگار ہو گا۔[413]

تو معلوم ہوا کہ غیر سادات اقوام میں سے کوئی شخص کسی دوسری قوم کے ساتھ اپنا نسب جوڑے حالانکہ وہ ان میں سے نہ ہو تو وہ ضرور مجرم ہے لیکن اس سے بڑا مجرم وہ ہے جو غیر سیّد ہو کر سادات کرام کے ساتھ اپنا نسب جوڑتا ہے۔

حدیث شریف

نسب بدلنے یعنی اپنے آباء کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی ممانعت میں احادیث مبارکہ میں شدید وعید آئی ہے۔ اور ان احادیث کو امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دارمی، ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابن الجعد اور نور الدین ہیثمی رحمہم اللہ اجمعین وغیرہم نے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت ابو بکر الصدیق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عمرو، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ذر غفاری، حضرت عمرو بن خارجہ، حضرت ابو امامہ باہلی، حضرت معاذ بن انس اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔ اب ان احادیث مبارکہ کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے اور اُن احادیث پر شارحین حدیث کا کلام، کلماتِ حدیث کی تشریح، قابل تاویل کلمات کی نشاندہی، ان میں تاویلات و احتمالات اور ان سے مستفاد احکام، مستند و معتمد ائمہ و علماء کے حوالے سے بیان کئے جائیں گے۔

نسب بدلنے والے پر جنت حرام ہے

[413] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۴، ۷/۱۴/۱۲۰)

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **من ادّعی الیٰ غیر أبیه وهو یعلم انّه غیر أبیه فالجنّة علیه حرامٌ**۔ یعنی جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔[414]

امام ابو داؤد سلمان بن اشعث سجستانی روایت کرتے ہیں کہ ابو عثمان کہتے ہیں: **حدّثنی سعد بن مالکٍ، قال سمعته أذنای ووعاه قلبی من محمّد علیه الصلاة والسلام انّه قال: من ادّعی الیٰ غیر أبیه وهو یعلم أنّه غیر أبیه فالجنّة علیه حرامٌ۔ قال: فلقیت أبا بکرة فذکرت له، فقال: سمعته أذنای ووعاه قلبی من محمّد** ﷺ۔

یعنی حدیث بیان کی مجھے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد مصطفی ﷺ سے میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔ فرمایا پھر میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا حضرت محمد مصطفی ﷺ سے اسے میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔[415]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا کہ ابو عثمان راوی کہتے ہیں کہ: **فَذَکَرْتُهُ لِأَبِي بَکْرَةَ، فَقَالَ: وَأَنَا سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**۔

یعنی پس میں نے اس کا حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا: اسے رسول اللہ ﷺ سے میرے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔[416]

"وهو یعلم" "اور وہ اسے جانتا ہے" کا معنیٰ

حضور ﷺ کے ارشاد مبارک میں "**وهو یعلم**" کی قید مذکور ہے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس قید کا یہ فائدہ ہے کہ وہ شخص گناہگار تب قرار پائے گا جب اُسے علم ہو کہ جس کی طرف وہ اپنی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا حقیقی باپ نہیں ہے یا جس قوم کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے یا منسوب کیا جاتا ہے وہ اس قوم سے نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے پہلے گزرا اور اس کے بارے میں علامہ محمد امین ہروی نے لکھا کہ: "**وهو**" **أی والحال أن ذلک الرّجل المنتسب لغیر أبیه "یعلمه" أی یعلم أن ذلک**

---

[414] (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر ابیه، برقم ٦٨٦٦)

[415] (سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم ٥١١٣، ٥/٢١٢)

[416] (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر ابیه، برقم ٦٧٦٧)

الغیر لیس أباہ و والدہ۔ یعنی اور وہ اسے جانتا ہے یعنی حال یہ ہے کہ بے شک وہ شخص جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا گیا، اسے جانتا ہے کہ وہ غیر اس کا باپ نہیں ہے۔[417]

اور دوسری جگہ لکھا کہ: **قولہ ﷺ: "وھو یعلم" تقیید لا بدّ منہ، فان الاثم انما یکون فی حق العلام بالشیء۔** یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "حالانکہ وہ جانتا ہے" یہ ایک ضروری قید ہے بے شک گناہ تو صرف عالم بالشی کے حق میں ہے۔[418]

اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ علم ہوتے ہوئے غیر باپ کی طرف نسبت حرام ہے چنانچہ علامہ شرف الدین طیبی اور ملا علی قاری لکھتے ہیں: **والادعاء الی غیر الأب مع العلم بہ حرام۔** یعنی غیر باپ کی طرف اس پر علم کے باوجود (کہ یہ میرا باپ نہیں ہے) نسبت کرنا حرام ہے۔[419]

"جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا" کا مطلب

یعنی جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا۔ یہ کلمات حضرت سعد بن اَبی وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت عمرو بن خارجہ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی احادیث میں ہیں، جبکہ حدیث اَبی ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں "**لیس من رجل ادعی لغیر أبیہ**" ہے۔ عربی زبان میں وہ لڑکا جسے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے، اسے "**الدّعی**" کہتے ہیں، اس کی جمع "**الأدعیا**" ہے جو سورۃ (۳۳) الاحزاب کی آیت ۴ میں مذکور ہے اور اس کا مصدر "**الدّعوۃ**" ہے۔

اور ان کلمات کا مطلب حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے واضح ہو جاتا ہے چنانچہ اس میں ہے: "**من انتسب الی غیر أبیہ**" یعنی جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف منسوب کرے۔[420]

---

[417] (شرح صحیح مسلم للھرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیہ الخ، ۱۶۴ (۶۰) ۲/۵۰۶)

[418] (شرح صحیح مسلم للھرری ۲/۲۰۷)

[419] (شرح الطّیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶/۴۳۶)

[420] (سنن ابن ماجۃ برقم ۲۶۰۹، ۳/۲۶۳)

تو اس کا معنی ہے کہ اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ امام محمد بن خلیفہ وشتانی اُبی مالکی، اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی مالکی لکھتے ہیں: **أیما رجل ادّعیٰ لغیر أبیه، أی أنتسب**۔ یعنی جو آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرے۔[421]

اور غیر کو اپنا باپ بنالینا جیسا کہ علامہ محمد امین ہروی شافعی نے لکھا ہے: **ادّعی انتسب لغیر أبیه والده أی انتسب الیه واتخذه أباً**۔ یعنی "ادّعی" کا معنی ہے انتساب کیا، اس نے اپنے باپ اور والد کے غیر کی طرف یعنی اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اور اسے اپنا باپ بنالیا۔[422]

اور امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ: **أی انتسب الیه واتخذه أباً**۔ یعنی اس کی طرف منسوب اور اسے اپنا باپ بنالیا۔[423]

اور اس میں علم ہونا شرط ہے جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "**وهو یعلم**" اور "**وهو یعلمه**" سے ظاہر ہے اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی اور علامہ محمد امین ہروی لکھتے ہیں:

أی انتسب لغیر أبیه رغبةً عنه مع علمه به۔ یعنی اپنے باپ سے اعراض کرتے ہوئے اس کے غیر کی طرف اپنی نسبت کی اس علم کے باوجود کہ یہ اس کا باپ نہیں ہے۔[424]

صرف غیر باپ کی طرف نسبت کرنا ہی نہیں بلکہ اس میں اپنے خاندان و قوم کے سوا دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی شامل ہے، چنانچہ علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ طیبی اور ان سے ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

قوله: "من ادّعی" الدّعوة بالکسر فی النّسب، وهو أن ینتسب الانسان الی غیر أبیه وعشیرته۔ یعنی، حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "**من ادّعی**" **الدّعوة فی النسب** یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ اور کنبے کے غیر کی طرف منسوب کرے۔[425]

---

[421] (اکمال اکمال المعلم: کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم: ۱۱۲، (۶۱) ۱۱/۲۸۰)، (مکمل اکمال اکمال، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم: ۱۱۲، (۶۱) ۱۱/۲۸۰)

[422] (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۲/۵۰۶)

[423] (شرح صحیح مسلم للهرری، ۲/۲۰۷)

[424] (المفهم، کتاب الایمان باب اثم من کفر مسلماً، برقم ۵۱، ۱/۲۵۴) (شرح صحیح مسلم للهروی، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۲/۵۰۶)

[425] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶/۳۹۶) (مرقات، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، برقم: ۳۳۱۵، ۶/۴۳۶)

اور اس میں دو باتیں پائی جائیں گی کہ وہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کو چھوڑے اور اُس نسبت کا انکار کر دے اور ان کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے جیسا کہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "صحیح مسلم" کے ایک باب کے عنوان "من رغب عن أبيه" (جو اپنے باپ سے اعراض کرے) کے تحت لکھتے ہیں: **يريد ترك الانتساب اليه وجحده وانتسب سواه يقال: رغبت عن الشيء تركته وكرهته، ورغبت فيه أحببته وطلبته۔** یعنی وہ اس کی طرف (یعنی اپنے حقیقی باپ کی طرف) انتساب کے ترک اور اس کے انکار کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے سوا کی طرف منسوب ہوتا ہے عربی زبان میں کہا جاتا ہے "رغبت عن الشيء" یعنی میں نے اسے چھوڑ دیا اور اسے مکروہ جانا اور کہا جاتا ہے رغبت فيه یعنی، میں نے اسے محبوب رکھا اور اسے طلب کیا۔[426]

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو نہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کا انکار کرے اور نہ غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے بلکہ دوسرے لوگ اسے اس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب کرتے ہوں اور وہ اس پر راضی ہو تو وہ شخص بھی اس حکم میں داخل ہو گا جیسا کہ محشی صحاح ستّہ علامہ نور الدین ابو الحسن محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی لکھتے ہیں: **من ادّعى الى غير أبيه أى رضى بأنه ينسبه النّاس الى غير أبيه۔** یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "جو شخص خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے یعنی وہ اس بات پر راضی ہو کہ لوگ اسے اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کریں۔[427]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں: **عن عاصم قال سمعت أبا عثمان قال: سمعت سعداً وأبا بكرة، فقالا: سمعنا النّبيّ ﷺ يقول: من ادّعى الى غير أبيه، وهو يعلم، فالجنّة عليه حرامٌ۔** یعنی عاصم سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعد اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا، دونوں نے فرمایا: "ہم نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔"[428]

اور امام مسلم بن حجاج قشیری، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

عن عثمان عن سعدٍ وأبي بكرة، كلاهما يقول: سمعته أذناي ووعاه قلبي محمداً ﷺ يقول: من ادعى الى غير أبيه وهو يعلم أنّه غير أبيه، فالجنّة عليه حرامٌ۔ واللفظ لمسلم۔

---

[426] (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه الخ، ۲-۱/۴۵)

[427] (فتح الودود فی شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب الرجل ینتمی الی غیر أبیه، برقم: ۵۱۱۳، ۶۸۱/۴)

[428] (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف، برقم: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۱۰۰/۳) (سنن الدارمی، کتاب السیر، باب فی الذی ینتمی الی غیره موالیه، برقم: ۲۵۳۰، ۱۹۶/۲) (المسند: ۴۶/۵) (ونقله التبریزی فی مشکاته، کتاب النکاح، باب العان، الفصل الاول، برقم: ۳۳۱۴، ۲-۱/۶۰۸)

یعنی عثمان نے حضرت سعد (بن ابی وقاص) اور ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا دونوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہمارے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔"[429]

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دوسری روایت میں ہے:

عن أبی عثمان، قال: لمّا ادّعی زیاد لقیت أبا بکرة فقلت له: ماهٰذا الذی صنعتم؟ انّی سمعت سعد بن ابی وقاص یقول: سمع أذنای من رسول الله ﷺ وهو یقول: من ادّعی أبا فی الاسلام غیر أبیه یعلم أنّه غیر أبیه، فالجنّة علیه حرامٌ، فقال أبو بکرة: وأنا سمعته من رسول الله ﷺ۔

یعنی ابو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب زیاد کے بھائی ہونے کا دعویٰ کیا گیا تو میں نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ میں نے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے کانوں سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے سوا کسی اور شخص سے بیان کیا اس پر جنت حرام ہے، تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا تھا۔[430]

جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب

نسب بدلنے والے، غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کے لئے فرمایا گیا کہ اس پر جنت حرام ہے وہ جنت میں داخل نہ ہو گا، اب دیکھنا یہ ہے کہ جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب کیا ہے؟

علماء کرام نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں کہ اگر وہ نسب بدلنے کو حلال جان کر اس کا ارتکاب کرے گا تو جنت اُس پر حرام ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ جب کامیاب لوگ جنت میں جائیں گے اس وقت یہ لوگ جنہوں نے اپنے نسب بدلے تھے جنت میں نہیں جائیں گے۔

اور امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **فیه تأویلان، أحدهما: أنه محمول علی من فعله مستحلاًله، والثّانی: أن جزاءه أنها محرّمة أوّلاً عند دخول الفائزین وأهل السّلامة۔** یعنی پس اس میں دو تاویلیں ہیں، ان میں سے ایک

---

[429] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه وهو یعلم، برقم: ۱۱۵/۱۳۲-(۶۳) ص ۵۹) (سنن ابن ماجه، کتاب الحدود، باب من ادّعی الی غیر أبیه الخ" برقم: ۲۶۱۰، ۲۶۳/۳، ۲۶۴) (المسند امام احمد رحمة الله تعالیٰ علیه، ۱۷۴/۱)

[430] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه وهو یعلم، برقم: ۱۱۴/۱۳۱-(۶۳)، ص ۵۸)

یہ ہے کہ یہ اس پر محمول ہے جو حلال جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، اور دوسری یہ کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اولاً کامیاب اور اہل سلامۃ کے جنت میں دخول کے وقت اس کا ارتکاب مرتکب کو دخول جنت سے محروم کرنے والا ہے۔[431]

امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی اور ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: **أقول: معنی قوله: فالجنّة علیه حرام علی الأوّل ظاهر، وعلی الثّانی تغلیظ**۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے فرمان کہ اس پر جنت حرام ہے کا معنی پہلی وجہ پر تو ظاہر ہے اور دوسری وجہ تغلیظ (یعنی تشدید) ہے۔[432]

اور شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلوی حنفی لکھتے ہیں: ابن زجر و تشدید ست یا محمول بر استحلال ست یا مراد عدم دخول جنت ست با مقربان و سابقان۔ یعنی یہ زجر اور تشدید ہے، یا اُس شخص کے بارے میں جو اسے حلال جانے، یا مطلب یہ ہے کہ وہ مقربین و سابقین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا۔[433]

اور علامہ ابو الحسن سندھی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **قوله: فالجنّة علیه حرامٌ أی ان استحلّ ذلک، أو محمول علی الزّجر والتّغلیظ للتنفیر عنه**۔ یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "اس پر جنت حرام ہے" یعنی اگر اسے حلال جانتا ہے تو اس پر جنت حرام ہے، یا یہ باپ سے نفرت کی وجہ سے زجر اور تغلیظ پر محمول ہے۔[434]

اور ایک مسلمان جب اس قبیح فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسے حلال نہیں جانتا اس لئے کچھ علماء کرام نے اس حدیث شریف کا دوسرا مطلب ہی بیان کیا جیسا کہ محشی صحاح ستّہ علامہ نور الدین محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفیه "من ادّعی الی غیر أبیه فالجنة علیه حرامٌ" أی دخوله ابتدائً حرام لأن جزاء عمله أن لا یدخل ابتداءً۔ یعنی اور اس حدیث میں ہے "جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اس پر جنت حرام ہے" یعنی اس کا ابتداء دخول حرام ہے، بے شک اس کے عمل کی جزا یہ ہے کہ وہ ابتداءً داخل نہ ہو۔[435]

---

[431] (شرح صحیح مسلم للنّووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، کتاب الایمان، باب حال ایمان من رغب عن أبیہ الخ، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲/۴۵)

[432] (شرح الطیب، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل أول، ۶/۳۹۶) (مرقاۃ، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الاول، برقم ۳۳۱۵، ۶/۴۳۶)

[433] (أشعۃ اللمعاۃ، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الاول، ۳/۱۷۷، ۱۷۸)

[434] (حاشیۃ السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیہ، ۴/۲۲۶)

[435] (حاشیۃ السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف برقم: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۳/۱۱۴)

اور لکھتے ہیں کہ: **أی لا یستحق أن یدخل فیھا ابتداءً**۔ یعنی وہ اس کا مستحق نہیں کہ جنت میں ابتداءً داخل ہو۔[436]

اور لکھتے ہیں: **أی لا یستحقه دخولھا أوّلا**۔ یعنی وہ اولاً جنت میں دخول کا مستحق نہیں ہے۔[437]

اور دوسری تاویل کے مطابق جب اوّلا نسب بدلنے والوں کو سزا کے طور پر دخولِ جنت سے روک دیا جائے گا پھر بعد میں انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی چنانچہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: **ثم ان قد یجازی فیمنعھا عند دخولھم ثم یدخلھا بعد ذلک**۔ یعنی پھر یہ سزا دی جائے کہ کامیاب لوگوں کے جنت میں داخلے کے وقت انہیں روک دیا جائے پھر بعد میں جنت میں داخل کیا جائے۔[438]

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے، ان سے مؤاخذہ ہی نہ فرمائے چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **وقد لا یجازی یعفو اللہ سبحانه وتعالیٰ عنه و معنی حرام ممنوعة**۔ یعنی اور یہ بھی ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے سزا نہ دے بلکہ اسے معاف فرمادے اور حدیث شریف میں مذکور لفظ "حرام" کا مطلب روکنا ہو گا۔[439]

اور علامہ ابوالحسن سندھی حنفی لکھتے ہیں:

وأما فضل اللہ واسع، فیمکن أنه تعالیٰ بفضله یدخله ابتداءً لقوله تعالیٰ {اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ} الآیة۔

یعنی مگر اللہ تعالیٰ کا فضل واسع ہے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے ابتدائً جنت میں داخل فرمادے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ}۔[440]

اور اس تاویل کے راجح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے کوئی شخص جنت سے محروم نہیں ہوتا چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تأویله علی ما تقدم من أھل السنّة من أن الذّنوب لا تحرّم علی أحد الجنّة البتّة، بل ان شاء اللہ تعالیٰ أخذ و عاقب و حرّمھا للمذنب مدّة ثم یدخلھا و ان شاء عفی، أو یکون تأویل الحدیث لفاعله مستحلاً۔ یعنی اس کی تاویل وہی ہے جو اہلسنت کی طرف سے پہلے گزری یہ ہے کہ گناہ کسی پر جنت کو حرام نہیں کرتے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مواخذہ فرمائے، عذاب دے اور جنت گنہگار پر ایک مدّت

---

[436] (حاشیة السندی علی السنن لابن ماجة، برقم: ۲۶۱۰، ۲۶۳/۳)

[437] (فتح الودود شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم: ۵۱۱۳، ۶۸۱/۴، ۶۸۲)

[438] (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیه الخ، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۴۵/۲/۱)

[439] (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیه الخ، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۴۵/۲/۱)

[440] (حاشیة السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف، برقم: ۴۳۲۶-۷، ۱۱۵/۳)

کے لئے حرام فرمادے پھر اس میں داخل فرمائے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے یا حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ وعید حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنے والے کے لئے ہے۔[441]

جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن عبداللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: من ادّعی الیٰ غیر أبیہ لم یرح رائحۃ الجنۃ، فانّ ریحھا لیوجد مسیرۃ خمس مائۃ عام۔

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی دوری سے پائی جاتی ہے۔[442]

(بعض روایات میں سات سو سال بھی ذکر ہے لیکن محفوظ یہی ہے کہ پانچ سو سال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

خوشبو پانے سے مراد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں ہے کہ "جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا" تو جنت کی خوشبو نہ پائے سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں شارحینِ حدیث کا کہنا ہے کہ یہ ابتداء جنت میں داخل نہ ہونے سے کنایہ ہے یا اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان اور اچھے اعمال کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم سے جنت میں چلا گیا تو بھی جنت کی خوشبو پانے سے محروم رہے گا، چنانچہ علامہ نور الدین محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی "**لم یرح ریح الجنۃ**" (جنت کی بو نہیں پائے گا) کے تحت لکھتے ہیں:

أی لم یشمّ ریحھا، وھو کنایۃ عن عدم الدّخول فیھا ابتداءً، بمعنی أنہ لا یستحقّ ذلک، والمعنی لا یجد لھا ریحاً وان دخلھا۔ یعنی اس کا معنی ہے کہ جنت کی بو نہیں سونگھے گا اور یہ ابتداء جنت میں عدم دخول سے کنایہ ہے اس معنی میں ہے کہ وہ اس کا مستحق نہ ہو گا اور معنی یہ ہے کہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اگرچہ اس میں داخل ہو جائے۔[443]

نسب بدلنے کو کفر فرمایا گیا

---

[441] (اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیہ، الخ ۲/۳۱۹)

[442] (سنن ابن ماجۃ، کتاب الحدود، باب: من ادّعی الی غیر ابیہ، الخ برقم: ۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

[443] (حاشیۃ السندی علی السنن لابن ماجۃ، برقم: ۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں کہ: **عن أبی ذرّ أنه سمع النبیّ ﷺ یقول: "لیس من رجل ادّعیٰ لغیر أبیه، وهو یعلمه، الّا کفر، ومن ادّعیٰ قوما لیس له فیهم نسبٌ فلیتبوّ أمقعده من النار۔**

ترجمہ: یعنی حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بھی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسب کا دعویٰ کرے (یا کسی اور نسب کی طرف خود کو منسوب کرے) حالانکہ وہ جانتا ہے (یہ نسبت غیر کی طرف ہے) وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے کسی ایسی قوم کی طرف خود کو منسوب کیا جس میں اس کا نسب نہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔[444]

اور امام مسلم بن حجاج قشیری کی روایت اس طرح ہے کہ:

عن أبی ذر أنه سمع رسول اللہ ﷺ یقول: لیس من رجل ادّعی لغیر أبیه وهو یعلمه، الا کفر، ومن ادّعی ما لیس له فلیس منّا ولیتبوأ مقعده من النار۔ یعنی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے۔[445]

اور حدیث شریف میں "لیس من رجل" ہے اور اس میں "من" زائدہ ہے۔[446]

اور احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد حکم جس طرح مردوں کے لئے ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے چنانچہ امام شہاب الدین احمد قسطلانی شافعی اور علامہ محمد امین ہروی نے لکھا ہے کہ مردوں سے تعبیر کرنا بطور غلبہ کے جاری ہو اور نہ عورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔[447]

"وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے" کا مطلب

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے"۔ اس میں آخری جملہ "جہنم ٹھکانہ بنالے" ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ تو اس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ جہنم کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے کرتوت سے جہنم کو اپنے لئے واجب کر لیا، چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی لکھتے ہیں:

---

[444] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل، برقم: ۳۵۰۸، ۳۱۶/۲)

[445] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه، برقم: ۱۲۹/۱۱۲-(۶۱)، ص ۵۸) ایضاً المسند: ۱۶۶/۵۔

[446] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۱۹/۸)

[447] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۱۹/۸) (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه وهو یعلم الخ، برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۵۰۷/۲، ۵۰۶)

وقوله: فليتبوّأ مقعده من النّار: أي استحق ذلک بقوله، واستوجبه لمعصية الاّ أن يعفو اعنه۔ یعنی اور حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے" یعنی وہ اپنے قول سے اس کا مستحق ہے اور اس نے اپنی معصیت کے ذریعے اپنے لئے اسے واجب کر لیا مگر یہ کہ اسے معاف کر دیا جائے۔[448]

پھر یہ جملہ یا تو مرتکب کے خلاف دعا ہے یا یہ اس کے انجام کی خبر ہے پھر اگر وہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے بھی اسے حلال جانتا ہے تو جہنم اس کا ہمیشہ کے لئے ٹھکانہ ہے اور اگر حلال نہیں جانتا پھر یا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے معاف فرمادے اور اسے توبہ کی توفیق مرحمت فرمادے اور وہ گناہ اس سے ساقط ہو جائے ورنہ اسے مخصوص مدّت کے لئے بطور سزا جہنم میں رکھا جائے۔ چنانچہ علامہ محمد امین ہروی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ:

هذا دعاء عليه أو خبر الأمر وهو أظهر القولين فيه، أي يكون مقعده ومنزله من النار مخلدا فيها ان استحلّ ذلک أو هذا جزائه ان جوزي على ذلک ان لم يستحلّ لأنه يجاز عليه ان لم يغفر له، وقد يعفى عنه وقد يوفق للتوبة فيسقط عنه ذلک۔

یعنی اس مرتکب کے خلاف دعا ہے یا لفظِ امر کے ساتھ خبر ہے اور ان میں سے یہ قول اظہر القولین ہے یعنی اس کا ٹھکانہ اور منزل اگر اسے حلال جانتا ہے تو خلود فی النار ہے اور اگر اس گناہ کے ارتکاب پر سزا دیا گیا تو یہ اس کی سزا ہے اور اگر حلال نہیں جانتا کیونکہ اگر اسے نہ بخشا گیا تو وہ اس پر سزا دیا جائے گا اور کبھی بخش دیا جاتا ہے اور توبہ کی توفیق مرحمت کیا جاتا ہے تو اس سے وہ گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔[449]

"ہم میں سے نہیں" کا مطلب

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے کہ "جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں وہ ہم میں سے نہیں"۔ مستحلّ کے حق میں یہ کلمات اپنے ظاہر پر ہیں اور غیر مستحل کے لئے اس کا مطلب ہو گا کہ وہ حضور ﷺ کی ہدایت پر چلنے والا اور آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والا نہیں یا یہ کہ وہ اہل دین کے طریقے پر نہیں ہے۔ چنانچہ امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی لکھتے ہیں:

وقوله: ليس منّا على ما تقدّم أي ليس مهتدياً بهدينا ولا مسنّا بسنتنا۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "وہ ہم میں سے نہیں" کا مطلب بنا بر اس کے جو پہلے گزرا ہے یہ کہ وہ ہماری ہدایت پر چلنے والا اور ہماری سنت پر عمل کرنے والا نہیں۔

اور حافظ ابو العباس احمد قرطبی لکھتے ہیں:

---

[448] (اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه وهو یعلم، برقم: ۱۱۲، (۶۱)، ۱/۳۱۹)

[449] (شرح صحیح مسلم للهروی، کتاب الایمان، باب بیان حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، ۲/۵۰۸)

ظاهر التبرّی المطلق فیبقی علی ظاهرہ فی حقّ المستحلّ لذلک علی ما تقدم ویتأویل فی حقّ غیر المستحلّ بأنہ لیس علی طریقة النّبیّ ﷺ ولا علی طریقة أھل دینہ، فان ذلک ظلم وطریقة أھل الدّین العدل، وترک الظّلم ویکون ھذا کما قال: لیس منا من ضرب الخدود وشقّ الجیوب" ویقرب منہ من لم یأخذ من شاربہ فلیس منّا۔ یعنی ظاہر مطلق تبری (یعنی برأت) ہے اور یہ فرمان حلال جاننے والے کے حق میں اپنے ظاہر پر ہے اور حلال نہ جاننے والے کے حق میں اس کی تاویل کی جائے گی، اس طرح کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر نہیں ہے اور نہ ہی اہلِ دین کے طریقے پر ہے اور اہلِ دین کا طریقہ عدل ہے اور ترکِ ظُلم ہے اور یہ فرمانِ نبوی ﷺ، حضور ﷺ کے اس فرمان کی طرح ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس نے رُخسار پیٹے اور گریبان چاک کئے وہ ہم سے نہیں، اس کے قریب حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ "جو اپنی مونچھوں سے نہ لے یعنی انہیں نہ تراشے وہ ہم سے نہیں۔"[450]

امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام مسلم بن حجاج قشیری اور امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی روایت کرتے ہیں کہ: **عن عراک بن مالک أنہ سمع أبا ھریرة یقول: انّ رسول اللہ ﷺ قال: لا ترغبوا عن آبائکم فمن رغب عن أبیہ فھو کفر۔ واللفظ لمسلم ونقلہ التبریزی فی "مشکاتہ" فی کتاب النّکاح، باب اللعان ال فصل الاول۔** یعنی عراک بن مالک نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو (انکار نہ کرو) پس جس نے اپنے باپ کے نسب کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔"[451]

"اعراض نہ کرو" کا مطلب

حدیثِ ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ "اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو" اس سے مراد ہے کہ اپنے نسب کو اپنے آباء کے غیر کی طرف نہ پھیرو اور یہ زمانۂ جاہلیت کے کافروں کی عادات سے ہے، اسلام میں جب اس سے منع کر دیا گیا تو مرتکب کے لئے وعیدیں وارد ہوئیں۔

چنانچہ شارح صحیح البخاری حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

انما المراد بہ من تحوّل عن نسبت لأبیہ الی غیر أبیہ عامداً مختاراً، وکانوا فی الجاھلیة لا یستنکرون أن یتبنّی الرّجل ولد غیرہ ویصیر الولد وینسب الی الذی تبنّاہ حتی نزل قولہ تعالیٰ {اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ ھُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ} وقولہ سبحانہ تعالیٰ {وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآئَکُمْ اَبْنَآئَکُمْ} فنسب کلّ واحدٍ الی أبیہ الحقیقی، وترک الانتساب الی من تبنّاہ۔ یعنی اس سے مراد صرف یہ ہے کہ جو شخص اپنے باپ کی طرف نسبت کو اپنے اختیار کے ساتھ عمداً غیر باپ کی طرف پھیر دے (تو وہ اس وعید کا مستحق ہے جو اس حدیث شریف میں

---

[450] (رواہ البخاری برقم: ۳۵۱۹، ومسلم: برقم: ۱۰۳) (رواہ الترمذی برقم: ۲۷۶۲)

[451] (صحیح البخاری، کتاب الفرائض باب من ادّعی الی غیر أبیہ برقم: ۶۷۶۸، ۴/۲۷۳) (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیہ الخ، برقم: ۱۳۰/۱۱۳-(۶۲)، ص ۵۸) (المسند، ۲/۵۲۶) (برقم: ۳۳۱۵، ۲-۱/۶۰۸))

مذکور ہے)اور زمانۂ جاہلیت میں لوگوں میں یہ معیوب نہ تھا کہ وہ غیر کے بیٹے کو متبنّی بنالیں اور وہ اس (متبنّی بنانے والے) کا بیٹا ہو جائے اور اُسی کی طرف منسوب ہو کہ جس نے اسے متبنی بنایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا "انہیں ان کے باپوں کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے" اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا کہ "یہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا" تو ہر ایک اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر دیا گیا اور متبنّٰی بنانے والے کی جانب انتساب کو ترک کر دیا گیا۔[452]

اور شیخ محقق شیخ عبد الحق محدّث دہلوی لکھتے ہیں: اعراض نکنید از پدرانِ خود بترک نسبت بایشان، کسیکہ اعراض کند از پدر خود و ترک کند نسبت خود را بوے پس تحقیق کُفرانِ نعمت کرد وچہ نعمت کہ اصل ہمہ نعمتہاست۔ یعنی اپنے آباء سے اعراض نہ کرو ان کی طرف اپنی نسبت کو ترک کر کے، جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اور اپنی اسکی طرف نسبت کو ترک کیا پس تحقیق اس نے کفرانِ نعمت کیا، اس نعمت کا جو تمام نعمتوں کی اصل ہے۔[453]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ: **عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جدّه قال: "کفر" بامرئٍ ادّعائُ نسبٍ لا یعرفه أو جحده وان دقّ**۔ یعنی عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا ایسے نسب کی طرف انتساب کہ جسے وہ نہیں پہچانتا (یا وہ معروف نہیں) یا (اس کا اپنے) نسب کا انکار کرنا اگرچہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو کفر ہے۔[454]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ سے روایت کیا: **عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جدّه قال: قال رسول اللہ ﷺ: کُفْرٌ تَبَرَّؤُ من نسب وان دقّ أو ادّعاه الیٰ نسب لا یعرف**۔[455]

اور امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی "معجم اوسط" میں اور معجم صغیر میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا:

کفرٌ بامریء ادّعاه (وفی الصغیر ادّعا) الیٰ نسب لا یعرف وجحده وان دقّ۔[456]

اور حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی نے "الکامل" میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعا روایت کیا:

---

[452] (فتح الباری، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه، برقم: ۶۷۶۸، ۱۲-۶۳/۱۱)

[453] (أشعة اللمعات، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۱۷۸/۳)

[454] (سنن ابن ماجه کتاب الفرائض، باب من أنکر ولده برقم: ۲۷۴۴، ۳۳۷/۳ وقال محققه اسناده صحیح)

[455] (المسند: ۲۱۵/۲)

[456] (المعجم الأوسط، من اسمه محمود، برقم: ۷۹۱۹، ۳۹/۲، ۴۰) (المعجم الصغیر، من اسمه محمود، ۱۰۸/۲)

کفر من ادّعی الیٰ نسب لا یعرف، أو جحده وان دقّ۔[457]

اور علامہ نور الدین ہیثمی نے "**مجمع البحرین**" میں اور "**مجمع الزوائد**" میں اسے نقل کیا ہے۔[458]

کافر ہونے کا مطلب

حدیث شریف میں نسب بدلنے، غیر آباء کی طرف انتساب کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے، اس میں بھی دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ نسب بدلنا جس سے قرآن میں ممانعت اور حدیث شریف میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئیں اسے اگر حلال جانتا ہو تو کافر ہو جائے گا، دوسری یہ کہ اگر حلال نہیں جانتا تو مراد وہ کفر نہیں ہو گا جو اسے ملّتِ اسلام سے خارج کر دے بلکہ کفرانِ نعمت مراد ہے یا عملِ کفار کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ بولا گیا چنانچہ امام ابوزکریا نووی شافعی لکھتے ہیں جیسا کہ علامہ محمد امین ہروی نے ان سے نقل کیا کہ:

قال النووی: فیه تأویلات أحدهما: أنه فی حق المستحلّ، والثانی: أنه کفر النّعمة والاحسان وحق الله وحق أبیه، ولیس المراد الکفر الذی یخرجه عن ملّة الاسلام وهذا کقوله "یکفرن" ثم فسّره بکفر انهنّ الاحسان وکفران العشیر۔

یعنی امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں تاویلیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ وعید حلال جاننے والے کے حق میں ہے اور دوسری یہ کہ یہ نعمت، احسان، اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے باپ کے حق کی ناشکری ہے اور وہ کفر مراد نہیں ہے جو مرتکب کو ملّتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور حضور ﷺ کے فرمان "یکفرن" کی مثل ہے، پھر اس کی تفسیر عورتوں کی طرف سے احسان کی ناشکری اور ان کی اپنے شوہروں کی ناشکری کے ساتھ کی ہے۔[459]

اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف نسبت یا تو قذف (یعنی تہمت زنا) ہے یا کذب (یعنی جھوٹ) ہے یا والدین کی نافرمانی علماء کرام نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، لہٰذا ظاہر حدیث کو حلال جاننے پر محمول کیا جائے گا۔

اور امام محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی حسنی مالکی لکھتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں تاویل کی ضرورت ہے:

لأن انتسابه لغیر أبیه قذف أو کذب، أو عقوق، ولا شیء من ذلک بکفر فیحمل أیضاً علی المستحلّ، أو أنه أراد کفر النعمة أی حجد حق أبیه، أو أنه أطلق الکفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الکفر لأنهم کانوا یفعلونه فی الجاهلیة۔ یعنی کیونکہ غیر باپ کی

---

[457] (الکامل لابن عدی، عمر بن شعیب (برقم: ۳۱۴/۱۲۸۱)، ۲۰۴/۶)

[458] (مجمع البحرین، کتاب الایمان، باب فی الکبائر، برقم: ۱۳۴، ۸۵/۱)

[459] (شرح صحیح مسلم للهروی، کتاب الایمان، باب حکم ایمان، من انتسب لغیر أبیه الخ، برقم: ۲-۱۲۴/۵۰۷)

طرف انتساب تہمت ہے یا جھوٹ ہے یا نافرمانی ہے اور ان میں سے کوئی چیز کفر نہیں تو اسے بھی (غیر آباء کی طرف انتساب کو) حلال جاننے والے پر محمول کیا جائے گا، یا یہ کہ حدیث شریف میں اس سے کفرانِ نعمت یعنی اپنے حقیقی باپ کے حق کے انکار کا ارادہ کیا گیا یا یہ کہ اس عمل کی اہلِ کفر کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مجازاً اس پر کفر کا اطلاق کیا کیونکہ وہ جاہلیت میں ایسا کرتے تھے۔[460]

علامہ محمد امین ہروی نے لکھا کہ: **ذلک المنتسب کفراً حقیقیاً یخرجه عن الملّة ان استحل ذلک الانتساب، لأنه ما هو معلوم حرمته من الدّین ضرورة، والا کفر کفراً بمعنی کفران نعمة الأبوّة أی جحد حق أبیه، لأن انتسابه لغیر أبیه اما قذف، أو کذب، أو عقوق ولا شیء من ذلک کفرٌ، قال القرطبی: أو أنه أطلق الکفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الکفر لأنهم کانوا یفعلونه بالجاهلیة، وعبارته هنا۔**

یعنی اگر وہ غیر باپ کی طرف انتساب کو حلال جانتا ہے تو وہ منتسب حقیقی کفر کا مرتکب ہو جائے گا جو اسے ملتِ اسلامیہ سے نکال دے گا کیونکہ یہ وہ ہے کہ جس کی حرمت کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے ورنہ (یعنی اگر وہ اسے حلال نہیں جانتا تو) یہ کفر بمعنی **کفرانِ نعمت ابوۃ** ہے یعنی اس نے اپنے باپ کے حق کا انکار کیا، اس کی ناشکری کی اس لئے کہ اس کا اپنے باپ کے غیر کی طرف انتساب یا تو قذف (تہمت) ہے یا جھوٹ ہے یا عقوق (نافرمانی) ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ یا یہ ہے کہ اہل کفر کے فعل کی مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ بولا گیا کیونکہ وہ زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کیا کرتے تھے۔[461]

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے غیر آباء کی طرف انتساب کرنے والا اگر اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہو گا چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی اور ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

فمن اعتقد اباحته کفر لمخالفة الاجماع، [ومن لم یعتقد اباحته ففی] فمعنی کفره وجهان، أحدهما: أنه قد أشبه فعله فعل الکفّار، والثّانی: أنه کافر نعمة الاسلام۔

یعنی پس جس نے اس (یعنی نسب بدلنے) کے مباح ہونے کا اعتقاد کیا وہ اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہوا اور جو اس کی اباحت کا اعتقاد نہ رکھے تو اس کے مرتکب کے کفر کے معنی میں دو وجہیں ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ اس (نسب بدلنے والے) نے اپنا فعل کافروں کے فعل کے مشابہ کر دیا اور دوسرا یہ کہ وہ نعمتِ اسلام کی ناشکری کرنے والا ہے۔[462]

شیخ الحدیث غلام رسول رضوی لکھتے ہیں: اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ انسان گُناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا اور حدیث میں اپنے والد کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مؤوّل ہے، تاویل یہ ہے کہ جو کوئی اپنے والد کے غیر کی

---

[460] (شرح صحیح مسلم للهروی، کتاب الایمان، باب حکم ایمان، من انتسب لغیر أبیه الخ، برقم: ۲-۱۲۴/۵۰۷)

[461] (شرح صحیح مسلم للهروی، کتاب الایمان، باب بیان حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ)

[462] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶/۳۹۶) (مرقاۃ، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الاول برقم: ۳۳۱۵، ۶/۴۳۶)

طرف اپنی نسبت کو حلال اور جائز سمجھے وہ کافر ہے یا مراد کفرانِ نعمت ہے، یا یہ مراد ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے والد کے حق کا انکار کر دیا یا زجر و تہدید کے لئے فرمایا، حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو کوئی اپنی نسبت غیر کی طرف کرے یا اپنے آپ کو غیر خاندان میں شمار کرے اور اس کو جائز سمجھے وہ شخص کافر ہے اس زمانہ میں دیکھنے میں آیا ہے بعض سادات کی طرف اپنی نسبت کر لیتے ہیں تاکہ عوام کی نگاہوں میں محترم ہوں وہ اس حدیث کے مصداق ہیں۔[463]

اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی لکھتے ہیں:

فمن فعل ذلک مستحلا فهو کافر حقیقة تبقی الحدیث علی ظاهره، أما ان کان غیر مستحل فیکون الکفر الذی فی الحدیث محمولا علی کفران النعم والحقوق فانه قابل الاحسان بالاساءة ومن کان کذا صدق علیه اسم الکافر، ویحتمل أن یقال: أطلق علی ذلک، لأنه تشبه بالکفار أهل الجاهلیة أهل الکبر والأنفة فانهم کانوا یفعلونه ذلک۔ یعنی پس جس نے اسے (یعنی نسب بدلنے کو) حلال جانتے ہوئے ایسا کیا تو وہ حقیقۃً کافر ہو جائے گا، (اس صورت میں) حدیث شریف اپنے ظاہر پر باقی رہے گی، اگر حلال نہیں جانتا تو جس کفر کا حدیث شریف میں ذکر ہے وہ کفرانِ نعم اور کفرانِ حقوق پر محمول ہو گا کیونکہ اس نے احسان کے مقابلے میں اساءت کی اور جو ایسا ہو اس پر کفر کا اسم صادق آئے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے اس پر یہ لفظ بولا جائے گا کیونکہ اس نے اہل جاہلیت، اہل کبر کفار کے ساتھ مشابہت کی، بے شک وہ ایسا کیا کرتے تھے۔[464]

وان ثبت ذلک فالمراد من استحلّ مع علمه بالتّحریم وعلی الرّوایة المشهورة فالمراد کفر النعمة، وظاهر اللفظ غیر مرادٍ، وانما ورد علی سبیل التّغلیظ والزّجر لفاعل ذلک، أو المراد باطلاق الکفر أن فاعله فعل فعلاً شبیها بفعل أهل الکفر۔

یعنی اگر وہ ثابت ہو تو مراد وہ شخص ہو گا جو اس فعل کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے اور روایت مشہور کی بناء پر مراد کفرانِ نعمت ہے اور ظاہر لفظ مراد نہیں ہے اور یہ صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے تغلیظ و زجر کے طور پر وارد ہوا ہے یا یہ کہ اطلاقِ کفر سے مراد ہے کہ اس کے فاعل نے ایسا عمل کیا ہے جو اہل کفر کے عمل کے مشابہ ہے۔[465]

اور حافظ شہاب الدین احمد قسطلانی شافعی لکھتے ہیں:

---

[463] (تفهیم البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۵، ۳۲۸۱/۳۸۳، ۳۸۴)

[464] (المفهم، کتاب الایمان، باب اثم من کفر مسلماً، برقم: ۵۱، ۱/۲۵۴)

[465] (فتح الباری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۸/۶/۶۷۰)

وعلى ثبوتها مؤوّلة بالمستحلّ لذلک مع علمه التّحريم، أو ورد على سبيل التّغليظ والزّجر لفاعله۔ یعنی اس کے ثبوت کی بنا پر یہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھنے کے باوجود اسے حلال جاننے والے کے ساتھ موؤّل ہے یا یہ فاعل کے لئے بطور تغلیظ وزجر کے وارد ہوا ہے۔[466]

اور علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان کورانی شافعی ثم حنفی لکھتے ہیں:

وهو يعلمه الا كفر ان اعتقد ذلک، أو كفر بنعمة الله أو ذلک الفعل من أخلاق الكفّار۔ یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "**وهو يعلم الا كفر**" کا مطلب ہے کہ اگر اس (کے حلال ہونے) کا اعتقاد رکھتا ہے یا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی یا یہ کہ یہ فعل (یعنی نسب بدلنا، غیر باپ کی طرف نسب) کُفّار کے اخلاق سے ہے۔[467]

غیر مستحلّ کے حق میں اس کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ یہ عمل کفر تک پہنچانے والا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی لکھتے ہیں:

والكفر فيه بمعنى أن ذلک يؤدى اليه، أو استحل، أو كفر النّعمة۔ یعنی اس میں کفر اس معنی میں ہے کہ وہ (عمل) کفر تک پہنچانے والا ہے، اسے حلال جانتا ہے (تو کافر ہے) یا اس نے کفرانِ نعمت کیا۔[468]

نسب بدلنے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر فرمایا گیا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جسے امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی نے "**معجم الاوسط**" میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے: **عن أبي بكر يقول: قال رسول الله ﷺ: كفر بالله: ادّعاء نسب لا يعرف، وكفرٌ بالله تبرّئٌ من نسبٍ وان دقّ۔** یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے نسب سے برأت اگرچہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[469]

---

[466] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة اليمن الى اسماعيل عليه السلام، برقم ۳۵۰۸، ۱۹۸)

[467] (الكوثر الجاری الى رياض أحاديث البخاری، كتاب المناقب، باب نسبة اليمن الى اسماعيل عليه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۳۵۳/۶)

[468] (الزواجر عن اقتراف الكبائر، برقم: ۲۹۳، ۱۰۰/۲)

[469] (المعجم الأوسط، من اسمه ابراهيم، برقم: ۲۸۱۸، ۴۴/۲)

اور ان الفاظ سے کہ:

عن أبی بکر الصّدیق قال: قال رسول اللہ ﷺ: من ادّعی نسباً لا یعرف کفر باللہ و انتفاء من نسب و ان دقّ کفر باللہ۔ یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے ایسے نسب کی طرف نسبت کی جو معروف نہیں اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور نسب سے نفی اگرچہ (یعنی حقیر) ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔[470]

اسی طرح امام طبرانی نے "الدعاء" میں روایت کیا۔[471]

اور حافظ بزار نے اپنی مسند میں اور امام حافظ نور الدین ہیثمی نے "**کشف الاستار**" میں ان الفاظ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: **کفر باللہ تبرّیئٌ من نسب و ان دقّ۔**[472]

اور حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی نے اپنی "سنن" میں، حافظ، ابو الحسن علی ابن الجعد نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا ہے: **کفر باللہ ادّعاءٌ الیٰ نسبٍ لا یعرف، و کفرٌ باللہ تبرّیٌ من نسبٍ و ان دقّ۔** یعنی غیر معروف نسب کی طرف نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اور نسب سے برأت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اگرچہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[473]

اور امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ نے "المصنف" میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا: **قال أبو بکر: کفر من ادّعی نسباً لا یعلم و تبرأ من نسبٍ و ان دق۔**[474]

حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اکثر روایات میں "**کفر باللہ**" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے) اور "**کفر باللہ**" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا) مذکور ہے، اسی طرح حدیث أبی ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں "**الا کفر باللہ**" یعنی جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نسبت غیر کی جانب ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا" آیا ہے، یہ حدیث ابی بکر اور حدیث أبی ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت اگر اسی طرح ہو تو غیر مستحل کے حق میں اس کی تاویل میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفہ سے پیدا کیا تھا اس شخص نے اس کا انکار کر کے کہا کہ مجھے اس کے نہیں فلاں کے نفطہ سے پیدا کیا گیا ہے گویا اس نے اس

---

[470] (المعجم الأوسط، من اسمہ معاذ، برقم: ۸۵۷۵، ۶/۲۲۱)

[471] (کتاب الدّعاء، ذکر من لعنہ الرسول ﷺ، برقم: ۲۱۴۳، ص ۵۸۷)

[472] (سنن الدّارمی، کتاب الفرائض، باب ن ادّعی الی غیر أبیہ، برقم: ۲۸۶۱، ۲/۲۷۰) (مسند ابن الجعد، بقیۃ حدیث الأعمش، برقم: ۳۶۹۱، ص ۳۹۴)

[473] (سنن الدّارمی، کتاب الفرائض، باب ن ادّعی الی غیر أبیہ، برقم: ۲۸۶۱، ۲/۲۷۰) (مسند ابن الجعد، بقیۃ حدیث الأعمش، برقم: ۳۶۹۱، ص ۳۹۴)

[474] (المصنّف لابن أبی شیبہ، کتاب الأدب، باب مایکرہ الرجل أن ینتمی الیہ الخ، برقم: ۲۶۶۳۳، ۱۳/۳۳۱، ۳۳۰)

معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا اور مستحل کے حق میں تاویل کی حاجت نہیں ہے جیسا کہ ہماری ذکر کردہ دیگر عبارات سے ظاہر ہے اور اس جواب کے قریب حافظ ابن حجر عسقلانی کی بعض شرّاحِ حدیث سے نقل کردہ یہ تاویل ہے، فرماتے ہیں:

قال بعض الشّرّاح: سبب اطلاق الکفر ھنا أنه کذب علی اللہ کأنه یقول: خلقنی اللہ من ماء فلان، ولیس کذلک لأنه انما خلقه من غیرہ۔ یعنی بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں اطلاقِ کفر کا سبب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا، گویا کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں کے پانی (یعنی نطفہ) سے پیدا کیا حالانکہ ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے تو اسے (جس کے پانی سے پیدا ہونے کا اس نے دعویٰ کیا ہے) اس کے غیر (کے پانی) سے پیدا کیا ہے۔[475]

اور حدیثِ اَبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب اس صورت میں ہے جب یہ اضافہ ثابت ہو اور یہ اضافہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایات میں نہیں ہے اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ اس اضافہ کا حذف ہی مناسب ہے چنانچہ علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

ولیست ھذہ الزّیادۃ فی غیر روایته ولا فی روایة مسلم ولا اسماعیلی فحذفھا أوجه لما لا یخفی۔ یعنی یہ اضافہ اس روایت کے غیر میں نہیں ہے نہ مسلم کی روایت میں ہے اور نہ اسماعیلی کی روایت میں ہے لہٰذا اس کا حذف اوجہ ہے اس لئے کہ اس کے حذف کا اوجہ ہونا مخفی نہیں ہے۔[476]

اور حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اکثر روایات میں یہ اضافہ مذکور ہے جب کہ بعض میں نہیں ہے اگر یہ اضافہ ثابت ہو اس کا وہی جواب ہو گا جو حدیث اَبی ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ضمن میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیا۔

اور علماء کرام نے لکھا ہے کہ کفر کا لغوی معنی ہے کہ کسی شیء کو ڈھانپا تو کفر باللہ کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ عزّوجلّ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عزوجل کے حق کو ڈھانپ دیا، چنانچہ شارح صحیح بخاری علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک لکھتے ہیں:

فان قیل: فتقول للرّاغب فی الانتماء الی غیر أبیه ومو الیه کافر باللہ کما روی عن أبی بکر الصّدیق أنه قال: کفر باللہ ادعاء نسب لا یعرف، وروی عن عمر بن الخطاب أنه قال: کان مما یقرء فی القرآن: "لا ترغبوا اباء کم فانه کفر بکم" قیل: لیس معناہ الکفر الذی یستحق علیه التخلید فی النار، وانما ھو کفر لحقّ أبیه ولحقّ موالیه، کقوله فی النّساء: "یکفرن العشیر" والکفر فی لغة العرب: التعظیة للشیء والستر له، فکأنه تغطیة منه علی حقّ اللہ عزّ وجلّ فیمن جعله ولداً، لا أن من فعل ذلک کافراً باللہ حلال الدّم۔

یعنی پس اگر کہا جائے کہ تم غیر باپ اور غیر مالک کی طرف انتساب میں رغبت رکھنے والے کو کہتے ہو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جس نے غیر معروف نسب کی

---

[475] (فتح الباری، شرح صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادّعی الی غیر أبیه، برقم: ٦٧٦٨، ١٥/١٢/٦٣)

[476] (ارشاد الساری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر أبیه، برقم: ٦٧٦٨، ٨/١٩)

طرف اپنے آپ کو منسوب کیا" اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "قرآن کریم میں جو پڑھا گیا ہے اس میں یہ تھا کہ "اپنے آباء سے اعراض نہ کرو پس یہ کفر ہے" تو جواب میں کہا جائے گا کہ اس کا معنی وہ کفر نہیں ہے کہ جس میں بندہ خلود فی النار کا مستحق ہوتا ہے، اور کفر صرف باپ کے حق اور مالکوں کے حق کی وجہ سے ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا عورتوں کے بارے میں فرمان ہے۔ "یکفرن العشیر" (یعنی اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں) اور لغتِ عرب میں کفر کا معنی ہے کسی شیء کو ڈھانپنا اور اسے چُھپانا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عزّ وجلّ کے حق کو ڈھانپ دیا، یہ نہیں کہ جو اس کا ارتکاب کرے گا وہ کفر باللہ کا مرتکب، حلال الدّم ہو جائے گا۔"[477]

نسب بدلنے والے پر لعنت فرمائی گئی

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی روایت کرتے ہیں:

عن أنس بن مالک، قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من ادّعی الی غیر أبیہ، أو انتمی الی غیر موالیہ، فعلیہ لعنۃ اللہ المتتابعۃ الیٰ یوم القیامۃ۔

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی قیامت تک لعنت ہے۔"[478]

امام ابو عیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن أبی أمامۃ الباھلی قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فی خطبۃ حجّۃ الوداع: ومن ادّعی الیٰ غیر أبیہ، أو انتمی الیٰ غیر موالیہ، فعلیہ لعنۃ اللہ التّابعۃ الیٰ یوم القیامۃ الحدیث۔ یعنی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا تو اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"[479]

امام مسلم بن حجاج قشیری، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اور امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں: **عن ابراھیم التیمی عن أبیہ قال: خطبنا علیّ بن أبی طالبٍ فقال من زعم أنّ عندنا شیئاً نقرؤہ الا کتاب اللہ وھٰذہ الصحیفۃ۔ قال: وصحیفۃ معلّقۃ فی قراب سیفہ فقد کذب فیھا اسنان الابل وأشیاء من الجراحات، وفیھا قال النبی ﷺ "ومن ادّعیٰ الی غیر أبیہ أو انتمیٰ الیٰ غیر موالیہ، فعلیہ لعنۃ اللہ**

---

[477] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیہ الخ" ۳۸۴/۸)

[478] (سنن أبی داؤد کتاب الأدب، باب فی الرّجل ینتمی الی غیر موالیہ، برقم: ۵۱۱۵، ۲۱۳/۵)

[479] (سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء "لا وصیۃ لوارث" برقم: ۲۱۲۰، ۱۷۸/۳، ۱۷۹)

والملائکة والناس اجمعین، لا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ صرفاً ولا عدلاً۔" واللفظ لمسلم۔ یعنی ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا حالانکہ ان کی نیام کے ساتھ ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صحیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ (قرآن) اور صحیفہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، وہ جھوٹا ہے، اس صحیفہ میں تو اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور کچھ زخموں کی دیت کا بیان ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اور جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مالک کے غیر کی طرف منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہ فرمائے گا اور نہ نفل۔"[480]

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی روایت کرتے ہیں کہ

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ: من انتسب الی غیر أبیہ، أو تولی غیر موالیہ، فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس أجمعین۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے غیر سے بیان کیا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔[481]

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اور امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی اور حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن خارجۃ قال: کنت تحت ناقۃ النبی ﷺ فسمعتہ یقول: من ادّعی الیٰ غیر أبیہ أو انتمی الیٰ غیر موالیہ رغبۃ عنہم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس أجمعین۔ واللفظ للدارمی وزاد الطبرانی: لا یقبل منہ صرف ولا عدل۔ یعنی حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی اونٹنی کے نیچے تھا تو آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے یا اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا ان سے اعراض کرتے ہوئے تو اس پر اللہ تعالیٰ، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔"[482]

---

[480] (سنن الترمذی، کتاب الولاء والھبۃ، باب ماجاء فیمن تولّی غیر موالیہ الخ، برقم: ۲۱۲۷، ۱۸۳/۳، ۱۸۴) (المسند، ۸۱/۱)

[481] (سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب: من ادّعی الی غیر أبیہ الخ، برقم: ۲۶۰۹، ۲۶۳/۳)

[482] (سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، برقم: ۲۱۲۱، ۱۷۹/۳، ۱۸۰) (سنن الدّارمی، کتاب السّیر، باب فی الذی ینتمی الی غیر موالیہ، برقم: ۲۵۲۹، ۱۹۶/۲) (المعجم الکبیر، برقم: ۶۰ تا ۷۱، ۱۷-۱۵/۳۲ تا ۳۶)

لعنت سے مراد

حدیث شریف میں نسب بدلنے والے کے لئے لعنت مذکور ہے، یہ لعنت اس پر ہے جو اپنے آباء سے بیزاری ظاہر کرے اور اپنے آباء کے غیر کے نسب کا دعویٰ کرے جیسے غیر سیّد ہو کر سیّد ہونے کا دعویٰ کرے چنانچہ شارح صحیح البخاری علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک لکھتے ہیں:

وانما لعن النبی علیه السلام المتبرئ من أبیه والمدّعی غیر نسبه فیمن فعل ذلک فقد رکب من الاثم عظیماً وتحمل من الوزر جسیماً، وکذلک المنتمی الی غیر موالیه۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے صرف اس پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے حقیقی باپ سے برأت ظاہر کرے اور حقیقی باپ کے غیر کے نسب کا مدّعی ہو، جس نے اس طرح کیا تو اس نے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا اور (گناہ کا) بڑا بوجھ اٹھالیا، اسی طرح وہ غلام جو اپنے مالک کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے۔[483]

اور لعنت کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب اپنے مولیٰ کی نعمت کی قدر نہیں کرتا، اس کی نعمتوں کی ناشکری پر اتر آتا ہے تو ظالم قرار پاتا ہے اور ظالموں پر قرآن کریم میں لعنت مذکور ہے، چنانچہ حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

اذا کفر نعمة مولاه فقد صار ظالماً، وقد قال الله تعالیٰ {اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِينَ ﴿هود ۱۸﴾}

یعنی جب وہ اپنے مولیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے تو وہ ظالم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔[484]

اور لعنت کا معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے، احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں نسب بدلنے والے کے لئے قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت متتابعہ مذکور ہے تو لعنت جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی تو معنی ہوگا کہ وہ اس بندے کو رحمت سے دور فرمادیتا ہے، اور اسی طرح فرشتوں اور انسانوں کی لعنت بھی مذکور ہے، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جیسا کہ ظاہر حدیث میں ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرشتے چونکہ اہلِ ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں، بندہ جب اس جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اس پر نادم و پشیمان ہو کر توبہ نہیں کرتا تو وہ فرشتے اس کے لئے استغفار ترک کر دیتے ہیں اور اسی طرح انسانوں کی لعنت میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ انسان اس کام کو قبیح گردانتے ہوئے مرتکب کو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابو بکر ابن العربی لکھتے ہیں:

---

[483] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه الخ، ۳۸۳/۸)

[484] (عارضة الأحوذی، کتاب الولاء، باب ماجاء فیمن تولی غیر موالیه، ۴، ۲۱۹/۸/۲۱۲۷)

واللعنة هی الطرد، فیکون المراد کما تقدم فی وقت أو حالٍ أو شخصٍ أو علی صفةٍ، وأما لعنة الملائکة فانهم کانوا یستغفرون له، فقطعهم الاستغفار ابعاد له عنهم، ویجوز أن یحمل علی ظاهره فیلعنونه، وأما لعنة الناس فهجرانهم، أو اطلاق اللعن له علی ظاهر الحدیث۔

یعنی اور لعنت دور کرنا ہے، دھتکارنا ہے جیسا کہ پہلے گزرا مراد ہو گی کسی وقت یا کسی حال میں یا کسی صفت پر (دور کرنا یا دھتکارنا) اور ملائکہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں تو فرشتے اس شخص کی (اس ممنوع فعل کے ارتکاب کے ذریعے) ان سے دوری کے سبب اس کے لئے استغفار قطع کر دیتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس لعنت کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے کہ وہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور لوگوں کی لعنت اُن کا اس شخص کو چھوڑنا ہے یا ظاہر حدیث کی بنا پر اس کے لئے لعنت کا اطلاق (یعنی لوگ اُن پر لعنت کرتے ہیں)۔[485]

نسب بدلنے والے پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

امام احمد بن حنبل نے روایت کیا کہ:

عن سهل بن معاذ عن أبیه عن النبی ﷺ أنّه قال: انّ للّٰه تبارک و تعالیٰ عباداً لا یکلّمهم اللّٰه یوم القیامة، و لا یزکّیهم و لا ینظر الیهم۔ "قیل: من أولٰئک یا رسول اللّٰه؟ قال: متبر من والدیه، راغبٌ عنهما، و متبر من ولده، و رجل أنعم علیه قومٌ فکفر نعمتهم و تبرّا منهم۔ یعنی سہل بن معاذ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں پاک فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا۔" عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا: "اپنے والدین سے برأت کا اظہار کرنے والا، ان سے اعراض کرنے والا اور اپنی اولاد سے برأت کا اظہار کرنے والا اور وہ شخص جس پر کسی قوم نے انعام کیا پس اس نے ان کی نعمت کی ناشکری کی اور ان سے برأت کا اظہار کیا۔"[486]

اس حدیث شریف کو امام ابو القاسم طبرانی نے بھی "المعجم الکبیر" میں **یحییٰ بن ایوب کلاهما عن زبان ان فائدة و بهذا الاسناد** کے طریق سے روایت کیا ہے۔[487]

---

[485] (عارضة الأحوذی، کتاب الولاء، باب ماجاء فیمن تولی غیر موالیه، ۴، ۲۱۲۷/۸/۲۱۹)

[486] (المسند ۳/۴۴۰)

[487] (المعجم الکبیر ۲۰/۱۹۵، برقم: ۴۳۷ وقال فیه: عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبیه)

اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا، حقیقی باپ سے برأت اور اس سے اعراض ہے، اسی طرح نسب بدلنا اپنے آباء سے برأت اور ان سے اعراض ہے اور حدیث شریف میں برأت اور اعراض سے منع کیا گیا اور ارتکاب کرنے والوں کے لئے یہ وعیدیں بیان کی گئیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں ستھرا رکھے گا اور نہ ان پر نظر رحمت فرمائے گا۔

اور اس میں بھی وہی تاویلیں ہیں جو پہلے ذکر کی جاچکیں کہ اگر کوئی شخص اس برأت و اعراض کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے تو حدیث شریف اپنے ظاہر پر رہے گی اور اگر حلال نہیں جانتا تو یہ کلمات صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے بطور تغلیظ وزجر وارد ہوئے۔

اور علمائے کرام نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام نہ فرمانا شدتِ غضب سے کنایہ ہے، چنانچہ علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں: **قوله: لا يكلّمهم الله: كناية عن شدّة الغضب**۔ اور انہیں ستھرا نہیں کرے گا" کا مطلب ہے کہ انہیں گناہوں کے میل سے پاک نہیں کرے گا اور ان کی طرف نہیں دیکھے گا کا مطلب ہے کہ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا ورنہ کوئی بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔[488]

نسب بدلنا بہت بڑا بہتان ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں:

عبد الواحد بن عبد الله النّصرى قال: سمعت واثلة بن الأسقع يقول: قال رسول الله ﷺ: انّ من أعظم الفرى أن يدّعى الرّجل الىٰ غير أبيه الخ۔ یعنی، عبد الواحد بن عبد اللہ النصری نے بیان کیا کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی نسبت اپنے والد کے غیر کی طرف کرے۔

اور وہ اس طرح کہ اس سے بڑا بہتان اور کیا ہو گا کہ آدمی اپنے خالق پر بہتان باندھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفے سے پیدا فرمایا وہ کہتا ہے کہ نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا کیا ہے، اسی طرح اپنے باپ پر بھی بہتان ہے کہ میں تیرے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا ہوا ہوں، اسی طرح ماں پر بھی یہ عظیم بہتان ہے۔[489]

ذکر کردہ احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وعیدیں

علماء اسلام نے ارشاداتِ نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد کلمات کی جو توجیہات و تاویلات اور ان میں پائے جانے والے احتمالات ذکر کئے وہ اپنی جگہ درست ہیں، اس میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن ایک مسلمان کو چاہیئے کہ وہ نسب بدلنے والوں، غیر آباء کی طرف اپنی نسبت

---

[488] (تحقیق مسند امام احمد، ۲۴/۳۹۸)

[489] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة اليمن الى اسماعيل عليه السلام، برقم: ۳۵۰۹، ۲/۴۱۶، ۴۱۷)

کرنے والوں کے لئے حضور نبی کریم ﷺ نے جو وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں انہیں مد نظر رکھے، اور اس قبیح و شنیع عمل کی گرد سے بھی اپنے آپ کو بچائے اور ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ بہت بڑا بہتان ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا۔

۳۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں پاک نہیں فرمائے گا۔

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

۵۔ اس پر جنت حرام ہے۔ جیسا کہ امام بخاری، مسلم، او داؤد، ابن ماجہ، دارمی، اور احمد نے اسے حضرت سعد بن اَبی وقاص اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۶۔ وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ نے اسے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۷۔ اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے اسے حضرت انس بن مالک اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۸۔ اس پر خود اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام مسلم، ترمذی، ابن ماجہ نے اسے حضرت علی المرتضیٰ، ابن عباس اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۹۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہیں فرمائے گا اور نہ نفل۔ جیسا کہ امام مسلم، ترمذی اور طبرانی نے اسے حضرت علی المرتضیٰ اور عمر بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۰۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ امام مسلم اور امام احمد نے اسے حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۱۔ وہ کافر ہو جائے گا۔ جیسا کہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد اور احمد نے اسے حضرت ابو ذرّ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۲۔ نسب کا انکار کفر ہے۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ، احمد، طبرانی اور ابن عدی نے اسے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۳۔ آدمی کا ایسے نسب کی طرف اپنی نسبت کرنا جو معروف نہیں، کفر ہے۔

۱۴۔ ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی، ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۵۔ نسب سے برأت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی، براز اور ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۶۔ نسب کی نفی کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۷۔ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ جیسا کہ امام بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

حکم

علماء اسلام نے قرآن کریم کی آیت اور حضور ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے نسب بدلنے کو غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حرام و گناہ لکھا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے، شارح بخاری شیخ الاسلام علامہ بدر الدین عینی حنفی اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی "صحیح البخاری" کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وفی الحدیث تحریم الانتفاء النسب المعروف، والادعاء الی غیرہ۔

یعنی اور حدیث شریف میں معروف نسب کی نفی اور اپنے آپ کو حقیقی باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے کا حرام ہونا مذکور ہے۔[490]

شارح بخاری علامہ شریف الحق امجدی لکھتے ہیں: جان بوجھ کر نسب کو بدلنا حرام و گناہ ہے یہاں تک کہ اس حدیث میں اسے کفر تک فرمایا گیا ہے، نسب بدلنے کی دو صورتیں ہیں ایک نفی یعنی اپنے باپ کے نسب سے انکار کرنا، دوسرے اثبات یعنی جو باپ نہیں اسے اپنا باپ بتانا دونوں حرام ہیں جیسا کہ آج کل رواج پڑ گیا ہے بڑی آسانی سے لوگ اپنے آپ کو سید کہنے اور کہلانے لگتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ سید نہیں غالباً یہ بیماری پہلے بھی رائج تھی۔[491]

---

[490] (عمدۃ القاری، کتاب المناقب، باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۱۱/۲۵۹) (فتح الباری، کتاب المناقب، باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۸، ۳۵۰۸/۶/۶۷۰) (صحیح البخاری، برقم: ۳۵۰۸)

[491] (نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث: ۱۸۵۳، ۷/۱۹)

اور امام جمال الدین عبد الرحمن بن علی ابن الجوزی نے اپنے ایک رسالہ میں والدین سے اعراض اور غیر باپ کی طرف نسبت کو گناہ قرار دیا اور مسند امام احمد اور صحیحین سے احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء ذکر کی ہے۔[492]

اور امام ذہبی نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جیسا کہ ان کی کتاب ''الکبائر'' میں ہے۔

اور علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے بھی اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔[493]

اہلِ بیتِ اطہار

اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین روئے زمین پر سب سے بہترین مخلوق ہیں کیونکہ ان ہی کے بارے میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ تواتر سے ملتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔(الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی کو دور رکھے، نبی اکرم ﷺ کے گھر والو! اور تم کو پاک و صاف فرمادے، جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

''مسند'' اور ''معجم کبیر'' میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، ''نزلت ھٰذہ الاٰیۃ: فی خمسۃٍ: النبیّ ﷺ وعلیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا و الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ و الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' یعنی یہ آیۂ مبارکہ پانچ شخصیات کے لئے نازل ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شرفِ انفرادی تطہیر

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ''خرج النبی ﷺ ذات غداۃ و علیہ مرطٌ مرجل من شعر اسود، فجاء الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فادخلہ ثم جاء الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فادخلہ ثم جائت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فادخلھا ثم جاء علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فادخلہ ثم قال: {اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا}

ایک دن نبی پاک ﷺ اُونی دھاری دار چادر اوڑھے صبح کے وقت باہر تشریف لائے اس اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو چادر میں داخل کر دیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل

---

[492] (بر الوالدین و صلۃ الرحم، فصل فیمن تبرأ من والدیہ الخ، و فصل اثم من ادّعی الی غیر أبیہ، ص ۶۱، ۶۲)

[493] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الثانیۃ و الثالثۃ و التسعون بعد المائتین ۲/۹۹، ۱۰۰)

کر دیا، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمادیا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمانے کے بعد آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

خاص اہلِ بیتِ نبوی ﷺ

"سنن ترمذی" میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ کر فرمایا "**اللّٰھمّ ھؤلآء اھل بیتی و حامتی - ای خاصتی - اذھب عنھم الرّجس و طھرھم تطھیراً**۔ (اے اللہ! یہ میرے "خاص اہل بیت" ہیں ان سے آلودگی کو دور فرما کر ان کو پاک و صاف فرمادے)

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں ان کے ساتھ ہوں جس پر آپ ﷺ نے فرمایا بے شک تو خیر پر ہے۔ اس سے مراد ہے "**انت من ازواج النبی ﷺ**" کہ تو تو نبی ﷺ کے گھر والی ہے۔ {ازواج اور اولاد کی مجموعی صورت ہی کو اہلِ بیت کہا جاتا ہے}

یہ! میرے اہلِ بیت ہیں

"سنن ترمذی" میں حضرت ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جس وقت آپ ﷺ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بلوایا اور ان کو چادر میں ڈھانپ کر فرمایا: "**اللھمّ ھؤلاء اھلُ بیتی فاذھب عنھم الرِّجسَ و طھّرھم تطھیرا**۔ کہ یارسول اللہ ﷺ میں ان کے ساتھ ہوں؟ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تیرا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے اور تو نیکی اور بھلائی پر ہے۔"

"مسلم" اور "ترمذی" میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جب "**آیتِ مباھلہ**" سورۃ آل عمران، آیت ۶۱ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلوایا اور فرمایا "**أَللّٰھمّ ھَؤُلاءِ اَھلِی**" اے اللہ! یہ! میرے اہل (گھر والے) ہیں۔"

اھلُ بیتی حقّاً

"مستدرک" میں حضرت واثلہ بن الأسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درِ اقدس پر حاضر ہوا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ میں وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بائیں ران پر بٹھایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سامنے بٹھا کر ان سب کو چادر یا اپنی عباء میں ڈھانپ کر آیتِ تطہیر تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا: "**اللھمّ ھؤلاء اھل بیتی حقًّا**" اے اللہ یہ! ہی میرے حقیقی اہلِ بیت ہیں۔"

"**معالم العترۃ**" اور "**مسند امام احمد**" میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز سیدۃ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صبح کے وقت ہنڈیا میں حلوہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور خدمتِ اقدس میں حلوہ پیش فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ میرے چچا کے بیٹے (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کہاں ہیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی کہ وہ گھر میں ہیں جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: **فاذھبی فادعیہ و آتینی ببنیہ!** کہ تم جاؤ، ان کو اور اپنے دونوں صاحبزادوں کو ساتھ لے کر میرے پاس آؤ۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سب کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے ان سب پر خیبر سے لائی ہوئی چادر ڈال کر فرمایا "اے اللہ! یہ آلِ محمد ﷺ ہیں ان پر تو اپنا درود اور برکات بھیج جیسا کہ تو آلِ ابراہیم پر بھیجتا ہے، بے شک تو بڑی تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

"**المطالب العالیہ**" اور "**فتح الباری**" میں حضرت ابی الحمراء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کے وقت ایک دروازے کی چوکھٹ پر تشریف لا کر فرماتے "**السلام علیک یا اھل البیت و رحمۃ اللہ و برکاتہ**" پھر فرماتے "**الصلاۃ رحمکم اللہ**" یعنی نماز کا وقت ہے، اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ پوچھا گیا کہ اس گھر میں کون ہے؟ فرمایا حضرت علی، سیدہ فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مصداقِ آیتِ تطہیر

"ضحاک" فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم آپ کے اہل ہیں کہ جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ناپاکی کو طہارت میں تبدیل فرمادیا ہے؟ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ آدمی کی بیوی ہی پیار و محبت میں سب سے زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔ "**والذی خصّ اللہ نبیّا، لقد خصّ اللہ بھٰذہ الاٰیۃ: فاطمۃ و زینب و رقیّۃ و امّ کلثوم و علیّا و الحسن و الحسین و جعفراً و ازواج محمّد ﷺ خاصۃ و اقرباءہ۔** جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیۃ مبارکہ ان سے مخصوص فرمائی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم ﷺ کی ازواج مبارکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور ان کے اقارب۔

تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ کربلا کے بعد جب شام تشریف لائے تو شام کے ایک شخص سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا تو نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت (انّما یرید اللہ۔۔۔) نہیں پڑھی، جس پر اس شخص نے سوال کیا کہ کیا آپ ہی وہ شخصیات ہیں؟ جواب میں حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! ہم ہی اس آیتِ مبارکہ کے مصداق ہیں۔

اہلِ بیتِ نسب

"صحیح مسلم" میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا اہل بیت میں آپ ﷺ کی ازواجِ مبارکہ بھی شامل ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ نبی پاک ﷺ کی ازواج بھی اہل بیت ہیں، لیکن وہ اہل بیتِ نسب نہیں ہیں۔ **وانما اھل بیت نسبہ من حرم الصدقۃ** اور اہل بیت نسب وہی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں "**ھم آل علی و آل جعفر و آل عقیل**" کہ اولادِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اولادِ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اولادِ عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اہل بیت کی فضیلت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول مبارک سے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ "**اللّھمّ انّھم منّی و انا منھم**" اے اللہ! یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبردار! آگاہ رہو کہ جس نے میرے قرابت داروں کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔

فضیلتِ بنو قریش و بنو ھاشم

حضرت سہل بن سعد الساعدی سے مرفوع حدیث روایت ہے کہ "**احبّوا قریشاً، فانّ من احبّھم احبّہ اللہ**" قریش سے محبت کرو، جو ان سے محبت کرے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائے گا۔

"صحیح مسلم" میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان اللہ اصطفیٰ کنانہ من بنی اسماعیل و اصطفیٰ من بنی کنانہ قریشاً و اصطفٰی من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم**" تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسماعیل میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ سے قریش کو پسند فرمایا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

مسلم، ترمذی، ابو حاتم، اور حمزہ السھمی نے فضائل العباس میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولادِ آدم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پسند فرما کر ان کو اپنا دوست بنایا، پھر اولادِ ابراہیم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا، پھر اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے نزار کو پسند فرمایا، پھر نزار سے مضر اور مضر سے کنانہ اور کنانہ سے قریش کو چنا، پھر قریش سے

بنی ھاشم اور بنی ھاشم سے عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا اور پھر اولاد عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مجھے منتخب فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۵ پر بنی ھاشم کی دوسری فضیلت سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو تلپٹ کیا فلم اجد رجلا افضل من محمد ﷺ لیکن مجھے محمد ﷺ سے افضل کوئی شخصیت نہیں ملی۔ وقلبت الارض مشارقھا و مغاربھا کہ میں نے زمین کا مشرق و مغرب چھان ڈالا لیکن میں نے بنو ہاشم سے افضل کسی کو نہ پایا۔

اہلِ بیتِ کرام سے احسان کا صلہ

دیلمی نے الفردوس میں حدیثِ نبوی ﷺ نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص میرے وسیلے سے روزِ قیامت شفاعت کا طلبگار ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ میری اہلِ بیت سے تعلق رکھے اور انہیں خوشیاں بہم پہنچائے۔"

"ذخائر العقبیٰ" میں حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "کیا تمہیں معلوم نہیں؟ بنی ہاشم کی عیادت فرض ہے اور ان کی زیارت نفل کا درجہ رکھتی ہے۔"

زیارتِ بنی ھاشم کی فضیلت

دار قطنی نے الفضائل میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "ہمارے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کو چلو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بنی ہاشم کی عیادت فرض میں اور ان کی زیارت نوافل میں شمار ہوتی ہے۔"

طبرانی نے الاوسط میں حدیث حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس کسی نے حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کے کسی بھی فرد سے نیکی کا ہاتھ بڑھایا اور وہ شخص اس نیکی کا بدلہ ادا نہ کر سکا، تو اس کا بدلہ میرے ذمے ہے، کل جب وہ مجھے ملے گا تو میں ادا کروں گا۔"

ایک علوی عورت کی خدمت کا صلہ

"تذکرہ خواص الامہ فی معرفۃ الائمۃ" میں "سبط ابن الجوزی" نے حضرت عبد اللہ ابن المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ آپ ایک سال حج ادا کیا کرتے اور ایک سال جہاد میں شرکت فرمایا کرتے، سالِ حج میں انہوں نے پانچ سو دینار نکالے اور کوفہ میں اونٹوں کی خریداری کے لئے چل پڑے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ جو گندگی کے ڈھیر سے ایک مردہ بطخ کو

صاف کر رہی ہے، میں اس کے قریب گیا اور مردہ بطخ کو صاف کرنے کی وجہ دریافت کی، جس پر اس عورت نے جواب دیا کہ اے عبد اللہ! تو مجھ سے ایسی بات کے متعلق پوچھ رہا ہے جس کا تجھ سے کوئی تعلق نہیں، حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں اچانک ایک خیال گزرا اور حقیقت حال کا پتہ لگانے کے لئے میں نے دوبارہ اصرار کیا، جس پر اس عورت نے کہا کہ اے عبد اللہ تو نے مجھے اتنا مجبور کر دیا ہے کہ اب میں تجھے اصل صورتحال سے آگاہ کرتی ہوں: **انا امرأة علوية ولی اربع بنات یتامیٰ مات ابو هنّ من قریب**، کہ میں ایک علوی خاتون ہوں میری چار یتیم بچیاں ہیں ان کا باپ کچھ عرصہ قبل انتقال کر گیا ہے۔ اور آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا اور یقیناً اب ہم پر مردار بھی حلال ہو گیا ہے، اس لئے اب اس بطخ کو صاف کر کے اپنی بچیوں کے کھانے کے لئے لے جا رہی ہوں۔ آپ فرماتے ہیں میں نے دل میں کہا "**ویحک یا ابن المبارک**" کہ اے ابن مبارک، حیف ہے تجھ پر، یہ سب کچھ کیا ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ میرے دل سے حج ادا کرنے کی خواہش جاتی رہی اور میں نے مذکورہ رقم اس پریشان خاندان کے حوالہ کر دی۔ زمانۂ حج گزر گیا اور لوگ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آنا شروع ہو گئے۔ میں جس حاجی کو بھی حج کی مبارک باد دیتا تو وہ جواباً مجھے بھی حج کی مبارک باد پیش کرتا اور کہتا کہ ہم نے آپ سے فلاں مقام پر ملاقات کی ہے، اور ہم فلاں مقام پر آپ سے ملے تھے، حتیٰ کہ بے شمار لوگوں نے مجھے اس قسم کی باتیں بتائیں کہ میں اس بارے میں بہت زیادہ متفکر ہو گیا۔ **فرأیت رسول اللہ ﷺ فی المنام، وهو یقول: یا عبد اللہ، لا تعجب فانک اغثت ملهوفةً من ولدی، فسألت اللہ ان یخلق علیٰ صورتک ملکاً یحج عنک کل عامٍ الیٰ یوم القیامة، فان شئت ان تحج، وان شئت لا تحج**۔ تو خواب میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور آپ ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ اے عبد اللہ! تو اس بات پر تعجب نہ کر، تو نے میری اولاد کی ایک حاجت مند خاتون کی مدد کی، تو میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ تیری شکل و صورت کا ایک فرشتہ پیدا کر دے جو قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کرتا رہے، اب تو حج ادا کر یا نہ کر یہ تیری مرضی ہے۔

جامع کرامات اولیاء از علامہ محمد یوسف اسماعیل النبھانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار اکابر مجتہدین میں ہوتا ہے، آپ بہت بڑے امام اور عارفین میں عظیم شخصیت ہو گزرے ہیں۔ حضرت یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے وقت اپنی دونوں آنکھیں کھولیں، پھر ہنسے اور کہا **لمثل هٰذا فلیعمل العاملون** کہ کام کرنے والوں کو ایسے ہی کام کرنے چاہئیں۔

ایک علوی خاتون سے نیکی پر مجوسی کو زیارتِ رسول ﷺ اور جنت میں محل

ابو الفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب الملتقط میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک علوی بزرگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر بلخ میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ بعد اس علوی بزرگ کا انتقال ہو گیا اور ان کی خاتون دشمنوں کے خوف سے اپنی بچیوں کو ساتھ لے کر شدید سردی کی حالت میں سمرقند چلی گئیں۔ بچیوں کو مسجد میں چھوڑا اور خود ان کے کھانے کی تلاش میں باہر نکلی، وہ خاتون بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک بزرگ شخص کے ارد گرد جمع ہیں، میں نے اس شخص کے بارے میں لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں، تو مجھے بتایا گیا کہ

"**ھٰذا شیخ البلد**" کہ یہ شہر کے بڑے بزرگ آدمی ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی، اپنی ساری داستانِ غم سنائی جس پر انہوں نے کہا "**اقیمی عندی البیّنہ انک علویۃ**" تو مجھے اس بات کا ثبوت فراہم کر کہ تو علویہ (خاندانِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے۔ اس نے میری کوئی بات نہ سنی اور میں مایوس ہو کر واپس مسجد کی طرف چل پڑی تو راستے میں دیکھا کہ ایک اور بڑے آدمی چبوترے پر بیٹھے ہیں، اور ان کے گرد بھی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا "**ھذا ضامن البلد**" کہ یہ شہر کا ذمہ دار آدمی ہے اور مجوسی ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید اس شخص کے ہاں میری مشکل کا حل نکل آئے، میں آگے بڑھی اور اپنی داستانِ غم اسے بھی سنا دی اور "**شیخ البلد**" سے بھی اپنی ملاقات کا ذکر کر دیا، مجوسی نے فوراً اپنے ملازم کو بلایا اور کہا کہ جا کر اپنی مالکن کو پیغام دو کہ فوراً تیار ہو کر باہر آئے۔ کچھ ہی دیر میں اس مجوسی کی بیوی تیار ہو کر اپنی کنیزوں کے ہمراہ باہر آگئی، مجوسی نے اسے کہا کہ اس خاتون کے ہمراہ فلاں مسجد میں جاؤ اور ان کی بچیوں کو گھر لے کر آؤ۔ علوی خاتون بیان کرتی ہیں کہ مجوسی کی بیوی میرے ساتھ چلی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی، ہمارے لئے بہترین رہائش کا انتظام کیا، قیمتی لباس پہنائے اور مختلف قسم کے کھانوں سے ہماری تواضع کی۔ ہم نے انتہائی آرام و سکون کے ساتھ رات گزاری۔ آدھی رات کے وقت اس مسلمان "**شیخ البلد**" نے ایک خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور سرکار ﷺ تاجِ شفاعت پہنے ہوئے ہیں۔ ایک سبز زمرد کا محل بھی اس نے دیکھا، جس پر "**شیخ البلد**" نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ جواب ملا یہ ایک مسلمان کا محل ہے۔ "شیخ البلد" رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا تو آپ ﷺ نے اس سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جس پر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھ سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جب کہ میں مسلمان ہوں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: "**اقم البینۃ عندی انک مسلم**" کہ تو اپنے مسلمان ہونے پر دلیل دے۔ وہ شخص حیران و پریشان ہو گیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے کہا کہ کیا اب تو وہ بات بھول گیا ہے جو تو نے اس علوی خاتون سے کہی تھی؟ وہ علوی خاتون اپنی بچیوں کے ہمراہ جس شخص کے گھر میں اب قیام پذیر ہیں، یہ اس شخص کا محل ہے۔ وہ شخص پریشانی کے عالم میں خواب سے بیدار ہوا، روتا ہوا اور اپنے منہ پر تھپڑ مارتا ہوا اس علوی خاتون کی تلاش کے لئے باہر نکل آیا۔ اسے پتہ چلا کہ وہ خاتون اس مجوسی کے ہاں قیام پذیر ہیں، وہ اس مجوسی کے پاس آیا اور اس علوی خاندان کے بارے میں پوچھا جس پر مجوسی نے جواب دیا کہ وہ میرے پاس مقیم ہیں۔ اس نے کہا کہ انہیں میرے ساتھ بھیج دو، مجوسی نے جواب دیا کہ اب یہ ناممکن ہے۔ "**شیخ البلد**" نے اس مجوسی سے کہا کہ یہ ہزار دینار ہیں ان کے بدلے اس خاندان کو میرے ساتھ کر دو۔ مجوسی نے جواب دیا "**لا واللہ ولا بمائۃ الف**" کہ نہیں خدا کی قسم! اگر تو ایک لاکھ دینار بھی دے تو اب یہ ممکن نہیں! "**شیخ البلد**" نے جب زیادہ منت سماجت شروع کر دی تو اس مجوسی نے کہا کہ جو خواب تو نے دیکھا ہے، وہ خواب میں نے بھی دیکھا ہے، اور جس محل کا تو نے نظارہ کیا ہے تو میرے ہی لئے تیار کیا گیا ہے، اور اگر تو اپنے مسلمان ہونے پر نازاں ہے تو پھر سن لے، خدا کی قسم! میں اور میرے اہل خانہ رات کو اس وقت تک نہ سوئے کہ جب تک ہم سب نے اس علوی خاتون کے دستِ مبارکہ پر اسلام قبول نہیں کر لیا۔ اور اب ہم پر اسلام کی برکات کا نزول بھی شروع ہو گیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بھی شرف حاصل کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **القصر لک ولاھلک بما فعلت مع العلویۃ**

وانتم من اهل الجنة خلقكم الله مؤمنين فی القدم، یعنی یہ محل تیرے اور تیرے اہل خانہ کے لئے ہے اور یہ اس نیکی کا بدلہ ہے جو تو نے اس علوی خاتون کے ساتھ کی اور تم اہل جنت میں سے ہو کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم سب کو بہت پہلے سے مسلمان پیدا کیا تھا۔

امیر تیمور کو اہل بیت سے محبت کا صلہ

"بلخی" نے "ینابیع المودۃ" اور "صواعق محرقۃ" میں نقل کیا ہے کہ امیر تیمور کی وفات کے بعد قرأ حضرات اس کی قبر پر تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب قرأ حضرات کی جماعت کے ساتھ اس کی قبر پر آتا تو قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا اور جب کبھی اکیلا قبر پر آتا تو سورۃ الحاقۃ کی آیت ۳۰ اور ۳۱ تلاوت کیا کرتا: "پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔" اور یہ آیات میں اکثر تلاوت کیا کرتا، ایک رات جب میں سویا ہوا تھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف فرما ہیں اور پہلو میں امیر تیمور بھی بیٹھے ہوئے ہیں، قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں ہی اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "**الی هنا یا عدوّ الله وصلت**" کہ اے دشمن خدا! تو یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو رسول اللہ ﷺ سے دور کر دوں جس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **دعه فانّه کان یحبّ ذرّیتی!** کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ وہ میری اولاد سے محبت کرتا تھا۔" میں خواب سے بیدار ہوا اور امیر تیمور کی قبر پر جو خلوت میں پڑھا کرتا تھا، اس کو ترک کر دیا۔

"**صواعق محرقة**" میں "**الزین عبد الرحمن البغدادی الخلال**" بیان کرتے ہیں کہ امیر تیمور کے کچھ وزراء نے انہیں بتایا کہ ایک مرتبہ امیر تیمور سخت بیمار ہوا، چند دن شدت اضطراب میں گزارنے کے بعد اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد خود ہی دوبارہ اس کا چہرہ ٹھیک ہو گیا، اس کی وجہ جب پوچھی گئی تو امیر تیمور نے خود بیان کیا کہ عذاب کے فرشتے میرے پاس آئے اور اسی دوران رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اس سے دور ہو جاؤ کیونکہ یہ شخص میری اولاد سے محبت اور ان سے احسان کیا کرتا تھا۔

نسب بدلنے کا شرعی حکم میں حضرت علامہ شیخ القرآن والحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کا مطالعہ کیجئے۔ میں نے اس کتاب سے کچھ عبارات یہاں لکھ دی ہیں۔ یہاں پر ایک مسئلہ کی وضاحت کرتا ہوں وہ مسئلہ اہل سادات کو زکوۃ دینے کے بارے میں ہے۔

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ بعض مولوی و مفتی حضرات کہتے ہیں کہ بنی ہاشم (سادات کرام وغیرہ) کو زکوۃ، صدقات، خیرات، صدقۂ فطر و چمڑہ دینا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ مقروض، نادار، محتاج اور تنگدست ہی کیوں نہ ہوں جبکہ اس زمانے میں نہ خلافت ہے اور نہ ہی بیت المال جس سے ان (سادات) کا بندوبست ہوتا تھا لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کراہت و ممانعت کی روایات ووجوہ اور موجودہ زمانے اور وقت وحال کے تقاضوں کے مطابق ملت اسلامیہ پر احسان فرماتے ہوئے کتاب وسنت وفقہ اسلامی اور حکمت ملی کی روشنی میں شرعی حکم واضح فرمائیں کہ سادات بنی ہاشم آل رسول ﷺ کے فقراء ومساکین، حاجت مندوں، محتاجوں اور ناداروں کو صدقات، صدقہ فطر، زکوۃ اور قربانی کا چمڑا وغیرہ ان کی جان آبرو اور دین کو بچانے کیلئے دینا درست ہے یا نہیں۔

بینوا بالدلائل بقدر الحاجۃ وتوجروا یوم القیامۃ۔

المستفتی: سید سراج الحق شاہ، مدرس جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی فقیر کالونی کراچی

الجواب بعون الملک الوھاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ بے شک کتاب وسنت وفقہ اسلامی کی روشنی میں تمام اقسام کے صدقات وخیرات وزکوۃ عشر وفطرانہ نادار، محتاج، قرض دار، سادات کرام کو دینا جائز اور درست ہیں۔ اس لئے کہ دین حق اسلام میں صدقات وخیرات وزکوۃ وعشر وغیرہ کی مشروعیت کی حکمتوں میں سے اعلیٰ حکمت وسبب وہی ہے جسے خود کلام اللہ شریف نے منصوص فرما کر بیان فرمایا۔ **اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰکِیۡنِ: الخ** ﴿توبۃ ۶۰﴾ یعنی صدقات تو فقراء ومساکین ہی کا حق ہے اور اس کی سب سے اعلیٰ تفسیر جو خود معلم کائنات ﷺ نے متفق حدیث میں فرمائی ہے **تُؤۡخَذُ مِنۡ أَغۡنِیَائِھِمۡ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمۡ۔**[494]

یعنی صدقات فریضہ واجبہ اغنیاء سے لے کر فقراء کو دی جاتی ہے لہذا ملت اسلامیہ کے فقراء ومساکین صدقات کے حق دار ہیں چاہے وہ سادات ہوں یا غیر سادات تمام اس میں شامل ہیں اگر خود شرع کسی فرد کو کسی وقت وزمانہ یا حال وعلت سے مستثنیٰ فرما کر اس کی حاجت روائی کیلئے کوئی خاص بند وبست مقرر کر دے تو وہ اس کا حق ہے مگر وہ وقت زمانہ حال اور علت نہ رہے تو قاعدہ شرعیہ ہے۔ **لِأَنَّ الۡحُکۡمَ یَدُوۡرُ مَعَ الۡعِلَّۃِ۔**[495] جب وہ زمانہ وحال اور سبب علت نہ رہے تو وہ حکم استثناء بھی نہ رہے گا جیسا کہ حالت خوف وسفر کہ اس میں وہ حکم نہیں رہتا جو اس حالت میں تھا۔ کتب مذہب میں ہے کہ طاعات ومعاصی پر اجرت لینا صحیح نہیں جبکہ اذان حج امامت تعلیم قرآن وحدیث وفقہ سب طاعات سے ہیں اور اجرت لینے دینے پر علماء وعوام کا معمول ہے بعض نے اقامت اور وعظ کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ حالانکہ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ) نے تصریح فرمائی ہے۔ **واجمعوا علی ان الاجارۃ علی تعلیم الفقہ باطلۃ** مگر معمول علماء ہے کہ حج وزیارت کی تربیت وتعلیم پر اجرت معمول متواتر ہے اور تعلیم وتلاوت قرآن بھی عوام وخواص کا معمول ہے باوجودیکہ علامہ شامی کی مجموعہ رسائل طبعہ مصر ص ۱۷۴ ار سالہ سابعہ میں ہے قرآن کے **متعلق لایجوز فی مذھب من مذاھب الاسلامیۃ ولا فی دین من الادیان السماویۃ** مگر تلاوت وقرأت پر اجرت کا معمول کتنا عام ہے جن پر خلاف معمول حکم کے خلاف عمل ہو رہا ہے اگر مانعین حضرات کی طرح علم وانصاف کی آنکھیں بند کر کے عدم جواز وممانعت کا حکم نافذ کر دیا جائے تو کیا خلق کثیر پر ظلم نہ ہو گا۔ تو آخر کیا علت ہے اجرت پر ان کاموں کو جاری

---

[494] (صحیح البخاري ج۲ ص۱۲۸ رقم الحدیث ۱۴۹۶، صحیح مسلم ج۱ ص۵۱ رقم الحدیث ۳۱)

[495] (شامی ج۳ ص۳۹)

رکھنے کی یہی ہے کہ بغیر اجرت کے یہ کام کرنے والوں کا زمانہ نہ رہا اور کام کرنے والوں کی ضرورت وحاجت کی علت کی بناء پر ضرورتاً اور اضطراراً امور دین کو جاری رکھنے کیلئے جواز کا حکم وفتویٰ دیا گیا ہے۔[496] پر ملاحظہ ہو۔

(وَ) لَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ مِثْلُ (الْأَذَانِ وَالْحَجِّ وَالْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ) وَيُفْتَى الْيَوْمَ بِصِحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالْإِمَامَةِ وَالْأَذَانِ.

جس طرح ان امور پر اجرت لینا دینا ایک زمانے میں صحیح نہ تھا تو جواز کا حکم وفتویٰ بھی نہ تھا اور اب وہ زمانہ نہ رہا۔ یونہی عہد نبوی ﷺ اور خیر القرون دور خلافت میں بیت المال کے مال غنیمت سے آل رسول ﷺ بنی ہاشم سادات کو خمس الخمس دے کر ان کے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا بندوبست مقرر تھا لہذا صدقات وغیرہ سے لینا دینا ممنوع ومکروہ رکھا گیا۔ روایات میں **لاتحل** اور **لاتنبغی** کہا گیا ہے وہ زمانہ تاسیس ضابطہ کا زمانہ تھا اگر آل رسول ﷺ کو صدقات وغیرہ ملتے تو کوئی ضعیف الاعتقاد شک وطعن میں مبتلا ہو کر دین وایمان سے محروم نہ ہو بیٹھے کہ یہ شارع علیہ السلام نے اپنوں کیلئے مشروع کیے اس اندیشہ کا محل اب نہ رہا۔ بعض افراد کے مطالبے پر فرمایا کہ تمہاری حاجت روائی کا بندوبست خمس الخمس سے کر دیا گیا ہے وہی کافی ہے پس وہ علت اب نہ رہی تو وہ حکم بھی نہ رہا۔ وجود علت کا حکم عدم علت میں ہو تو فقراء ومساکین کی حق تلفی ہو اور صاف ضرر ہو اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ **الضرر یزال** یعنی ضرر کو دور کرنا مشروع ہے۔ خمس الخمس ملنے کے وقت وحال کا حکم خمس الخمس نہ ملنے کے وقت وحال میں لگانا قطعاً غلط اور قیاس مع الفارق ہے۔

تفسیر احمدی طبع علیمی میں ہے۔

غاية مافي الباب انهم يستحقونه اذاكانوافقراء وذالک لانهم لماطلبواالزكاة فمنعهاعليه السلام عنهم وقال يامعشربني هاشم ان الله حرم عليكم غسالة الناس واوساخهم وعوضكم منهابخمس الخمس من الغنيمة فقد جعل رسول الله ﷺ خمس الخمس عوضاعن الزكاةوالزكاةانمايستحقهاالفقراءفكذاهذاوقدصح ان الخلفاءالراشدين كلهم قسموا على نحومانقلناهكذافي شرح الوقاية والهداية۔

لہذا معلوم ہوا کہ خمس الخمس زکوۃ کا عوض ہے جو آل رسول ﷺ کیلئے ہوا اور زکوۃ کے مستحق فقراء ہی ہیں تو خمس الخمس کے مستحق بھی فقراء ہی ہیں پس آل رسول ﷺ سادات بنی فاطمہ سے جو فقراء مساکین محتاج ہو زکوۃ وصدقات ان کو دینا جائز بلکہ دوسروں سے زیادہ ثواب ہے ایک ادائے زکوۃ کا اور دوسرا قرابت نبوی ﷺ کا اس مسئلے میں بعض علماء سے لغزش ہوئی ہے مگر مذہب حنفی سنی میں تمام صدقات بنی ہاشم وآل رسول ﷺ کیلئے حلال اور درست ہیں۔

جامع الرموز طبع نول کشور فصل مصرف الزکوۃ ص ۱۵۰ میں ہے۔

---

[496] (درمختار ج ۲ ص ۱۷۹ مجتبائی)

وعن ابی حنیفة روایتان وبالجواز نأخذ لأن الحرمة مخصوص بزمانه ﷺ۔

امام ابو جعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس چیز کو اختیار کیا ہے کہ صدقات زکوۃ وعشر وغیرہ بنی ہاشم آل رسول ﷺ سادات کرام کو دینا جائز ہے اور ناجائز ہونے کا زمانہ اب نہیں ہے۔[497] پر تصریح ہے۔

واختار الطحاوی دفعها لبنی هاشم وکذا روی ابو عصمة عن الامام انه یجوز الدفع الی بنی هاشم فی زمانه لان عوضها وهو خمس الخمس لم یصل الیهم العوض عادوا الی المعوض واقره القهستانی کذا فی شرح الملتقیٰ، اه۔

شرح معانی الآثار میں ہے۔

رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ. حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ, عَنْ أَبِيهِ, عَنْ مُحَمَّدٍ, عَنْ أَبِي يُوسُفَ, عَنْهُ أَنَّ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا كَانَتْ حَرُمَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا جُعِلَ لَهُمْ فِي الْخُمُسِ الخمس فَلَمَّا انْقَطَعَ ذَلِكَ مَا كَانَ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ فَبِهَذَا نَأْخُذُ.

ص ۳۹۳ اور امام طحاوی اصحاب ترجیح میں سے ہیں ان کے "**فبهذا نأخذ**" کہنے سے یہ روایت راجح ہو گئی اور حرمت و ممانعت والی روایت مرجوح ہو گئی اور فتاویٰ شامی میں امام ابن عابدین نے تصریح فرمائی ہے کہ

المرجوح کالمنسوخ والحکم والفتویٰ بالمرجوح حرام۔

نیز فرمایا۔ الحکم والفتیا بما هو مرجوح خلاف الاجماع۔

بعض کا یہ کہنا کہ صدقات کی علت حرمت آل رسول ﷺ پر مجموعۂ امرین ہے۔ اول صدقات کا وسخ ہونا دوسرا خمس الخمس کا ملنا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ مجموعۂ امرین کا ارتفاع حکم حرمت کا ارتفاع ہو سو وسخ ہونا یوں مرتفع ہوا کہ

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ سے قاعدہ الضرورة تبیح المحظورات۔

تو حظر اباحت میں داخل ہو گیا اور دوسرا امر خمس الخمس کا ملنا بوجہ عدم خلافت اور بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے موقوف ہو گیا پس ارتفاع مجموعہ امرین سے علت حرمت بھی مرتفع ہو گئی تو اس قاعدہ کے تحت "**سقوط العلة یستلزم لسقوط المعلول**" یعنی جو حکم جس علت پر ہو اس علت کے اٹھ جانے سے حکم بھی اٹھ جایا کرتا ہے لہذا صدقات وزکوۃ سادات کرام کیلئے جائز اور حلال ہیں۔ اور اصحاب ترجیح سے محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر بھی اسی کے مؤید ہیں اور امام طحاوی (مجتہد فی المسائل) کے فتویٰ کو نقل فرما رہے ہیں۔

---

[497] (طحاوی ص ۳ طبع مصر ۴۳۴)

قال العلامة الحموی شارح الاشباہ والنظائر وفی شرح الآثار عن ابی حنیفة ان الصدقات کلھا جائزة علی بنی ھاشم والحرمة کانت فی عھد رسول اللہ ﷺ لوصول خمس الخمس الیھم فلما سقط ذالک بموتہ ﷺ حلت لھم الصدقة قال الطحاوی وبالجواز نأخذ۔اھ۔"

قال العلامة القھستانی فی جامع الرموز وعن ابی حنیفة روایتان وبالجواز نأخذ فالحرمة مخصوص بزمانہ ﷺ،اھ۔وفی شرح الملتقی الابحر عن الامام جواز دفع الھاشمی زکوة لمثلہ وعنہ الجواز فی زماننا مطلقا قال الطحاوی وبہ نأخذ"

برھان شرح مواہب الرحمٰن میں تصریح ہے۔**وروی ابو حنیفة انہ یجوز فی ھذا الزمان وانما کان ممتنعا فی ذالک الزمان،اھ**

اور کفایۃ حاشیہ ہدایۃ میں ہے کہ **قولہ (ولا تدفع الی بنی ھاشم) وفی شرح الآثار للطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی حنیفة رحمۃ اللہ علیہ لا بأس بصدقات کلھا علی بنی ھاشم والحرمة فی عھد النبی ﷺ للعوض وھو خمس الخمس فلما سقط ذلک بموتہ ﷺ حلت لھم الصدقة.....قال الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ وبالجواز نأخذ۔**

ترجمہ: یہ قول کہ بنی ہاشم کو زکوۃ نہیں دی جائے گی امام طحاوی امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سے شرح الآثار میں نقل کرتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے تمام صدقات بنی ہاشم کو دینے میں اور حرمت آپ ﷺ کے زمانے اطہر میں تھی کیونکہ انہیں خمس الخمس عوض میں ملتا تھا جب آپ ﷺ مبارک کے وصال کے ساتھ خمس الخمس ساقط ہوا تو ان کیلئے صدقہ وزکوۃ حلال ہے۔اور آخر میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جواز کی صورت کو ہم لیتے ہیں۔[498]

اور تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے۔

وَقَدْ ذُكِرَ فِي شَرْحِ معانی الْآثَارِ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي زَمَانِنَا إعْطَاءُ الزَّكَاةِ لِبَنِي هَاشِمٍ الْأَخْيَارِ لِعَدَمِ وُصُولِ خُمُسِ الْخُمُسِ إلَيْهِمْ بِسَبَبِ إهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِمْ فَإِذَا لَمْ يَحْصُلْ الْمُعَوَّضُ عَادُوا إلَى الْعِوَضِ وَبِهِ أَخَذَ مِنْ الْآثَارِ حَاوِي الْإِمَامِ الْجَلِيلِ الطَّحَاوِيِّ۔

ترجمہ:اور تحقیق کے ساتھ شرح معانی الآثار میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے کیونکہ ان کو خمس الخمس نہیں مل رہا ہے اس سبب کے ساتھ کہ لوگوں نے غنائم کے معاملے کو چھوڑ دیا ہے اور جو ان پر واجب ہے اس کو بھی پس جب معوض حاصل نہ ہو جائے تو عوض کی طرف آنا پڑے گا(جب خمس الخمس نہیں مل رہا ہے تو زکوۃ لے سکتے ہیں)اور امام طحاوی نے آثار سے اسی کو لیا ہے۔[499]

فیض الباری علی صحیح البخاری میں ہے

ونقل الطحاوي عن أمالي أبي يوسف: أنه جاز دفعُ الزكاة إلى آل النبيِّ صلى الله عليه وسلّم عند فُقدان الخُمُس، فإنَّ في الخُمُس حقَّهم، فإذا لم يوجد، صح صرفُها إليهم. وفي البحر عن محمد بن شجاع الثَّلْجي عن أبي حنيفة أيضًا جوازه. وفي عقد

---

[498] (الکفایۃ شرح الھدایۃ ج ۱ ص ۱۳۸، البنایۃ فی شرح الھدایۃ ج ۳ ص ۵۵۴)

[499] (تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۱ ص ۳۰)

الجيدأن الرازي أيضًا أفتى بجوازِه. قلتُ: وأخذُ الزكاةِ عندي أسهلُ من السؤال، فأفتي به أيضًا (نقل العيني عن الأَصْطَخْري أيضًا: أنهم إن مُنِعُوا الخُمُس جاز صرفُ الزكاةِ إليهم.).

ترجمہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب امالی سے امام طحاوی نقل کرتے ہیں کہ زکوۃ نبی کریم ﷺ کی آل کو دینا جائز ہے جب ان کو خمس الخمس نہ دیا جارہا ہو پس تحقیق کے ساتھ خمس میں ان کا حق ہے پس جب وہ نہ پایا جائے تو ان پر خرچ کرنا صحیح ہے اور بحر میں محمد بن شجاع الثلجی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح کا جواز نقل کرتے ہیں اور عقد الجید میں ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی جواز کا فتوی دیا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ زکوۃ کا لینا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے مانگنے سے اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام عینی اسطخری سے اسی طرح نقل کرتے ہیں اگر انہیں خمس سے نہ دیا جائے تو انہیں زکوۃ دینا جائز ہے۔[500]

اور الفتاویٰ السراجیہ میں ہے۔

لو ادی الی هاشمی لایجوز (هذاهو القول المعروف المذکور فی عامة الکتب و القول الاخر ان الصدقات انما کانت محرمة علیهم لأجل خمس الخمس فلماانقطع ذلک عنهم جاز دفع الزکاة الیهم ,وهذه روایة ابی عصمة عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ[501] و ابن سماعة عن أبی یوسف[502] وهکذا نقل الطحاوی عن أمالی أبی یوسف[503] و اختاره الطحاوی[504]

قال الزیلعی فی "تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳" وروی أبو عصمة عن أبی حنیفة جواز دفع الزکاة الی الهاشمی فی زمانه وروی عن أبی حنیفة أن الهاشمی یجوز له أن یدفع زکاته إلی الهاشمی۔

وقال الشیخ الشبلی فی حاشیة علی "تبیین الحقائق" قال الطحطاوی: هذه الروایة عن أبی حنیفة لیست بالمشهورة ۔اه۔غایة۔ وفی شرح الآثار عن أبی حنیفة لا بأس بالصدقات کلها علی بنی هاشم و الحرمة للعوض و هو خمس الخمس, فلما سقط ذلک بموته علیه الصلاة و السلام حلت لهم الصدقة, قال الطحاوی: و به نأخذ۔ انتهیٰ۔

وقال السغدی فی "النتف فی الفتاویٰ ص ۱۲۴" (من لاتعطی لهم الزکاة)... الخامس: إلی بنی هاشم فی قول أبی یوسف و محمد و أبی عبدالله, ویجوز فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ۔

وقال العینی فی "البنایة ج ۳ ص ۵۵۴" وروی ابن سماعة عن أبی یوسف أنه قال: لا بأس بصدقة بنی هاشم بعضهم علی بعض۔

---

[500] (فیض الباری شرح علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۲)

[501] (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳)

[502] (البنایة ج ۳ ص ۵۵۴)

[503] (فیض الباری ج ۳ ص ۵۲)

[504] (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۳۳)

وممن قال بالجوازمن المتأخرين:الشيخ يوسف القرضاوی [505]والدكتوروهبة الزحيلی [506]،والشيخ أنورشاه الكشميری[507]والقاضی مجاهدالاسلام القاسمی[508]وللاستزادةانظر:[509]

اسی طرح الیاس زادہ وبرجندی وشرح نقایہ شرنبلالی وغیرہ سب کے سب آل رسول ﷺ بنی ہاشم کیلئے صدقات کو بالتصریح جائز وحلال کہتے ہیں ۔ تمام کتب مذاہب مثلاً برھان ،ملتقی الابحر، نھر الفائق، حموی شرح الاشباہ والنظائر، جامع الرموز، الیاس زادہ، برجندی ،شرح نقایہ، نورالایضاح، فتح القدیر، کفایہ اور معانی الآثار میں ثابت اور متقرر ہے۔اور یہ فتویٰ من جانب مجتہد ہے اور فتویٰ کی علامات میں سے ایک علامت "فبھذا نأخذ" ہے۔

قال فی الدر المختار اما العلامة للافتاء فقوله وعليه الفتویٰ،وبه يفتیٰ،وبه نأخذ...الخ۔

لہذا مسئلہ ہذا جواز صدقات بر بنی ہاشم وسادات مذہب سنی حنفی میں ثابت اور محقق ہے اوران حضرات کا صدقات لینا درست وجائز ہے۔

قرآن پاک میں صریح حکم ہے۔فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرة)

ترجمہ: پس جو ناچار ہوا نہ حکم شرع سے باغی بن کر اور نہ حد ضرورت سے بڑھ کر کھائے تو اس پر گناہ نہیں ۔جب ضرورۃ لابدیہ شرعیہ میں میتہ (مردار) بھی مباح ہوتا ہے تو بحالت حاجت لابدیہ شرعیہ سادات بنی ہاشم کیلئے صدقہ وزکوۃ جو بعلت وصول خمس الخمس کے (جو ان کی حاجت روائی کیلئے کافی تھا) ممنوع ومکروہ تھے تو اس زمانہ وعلت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کیوں مباح اور حلال نہ ہوں گے بلکہ ضرور حلال ہوں گے صدقات کی مشروعیت فقراء ومساکین کی حاجت مندی اور ضرورت ہی کی بناء پر ہے تو جب تک حاجت وضرورت باقی ہے صدقات کی مشروعیت اباحت ہے۔تفسیر احکام القرآن باب ذکر الضرورة المبيحة لاكل الميتة میں ہے کہ

وقدفصل لكم ماحرم عليكم الاما اضطررتم اليه (الانعام)فاقتضیٰ ذلک وجود الاباحة بوجود الضرورة فی كل حال وجدت الضرورة فيها۔

پس جس زمانہ وحال میں ضرورت ہو اباحت ومشروعیت کا حکم ہے۔صدقات وزکوۃ اہل بیت بنی ہاشم سادات پر مباح وحلال ہیں ان کو دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ انہیں لینے میں کوئی گناہ ہے بلکہ ان کو دینے سے منع کرنا مذہب وملت کے علم سے محرومی وجہالت

---

[505](فقه الزكاة ۲/۱۸۰)

[506](الفقه الاسلامی وأدلته ۲/۸۸۴)

[507](فيض الباری ۳/۵۲)

[508](مجلة بحث ونظر ص ۱۱۰-۹۹)

[509]حاشية الطحطاوی علی الدر المختار ۱/۴۳۸"و"حاشية الشرنبلالی علی درر الحكام ۱/۱۹۱"و"فقه الزكاة ۲/۱۸۷-۱۸۸"و"معارف السنن ۵/۲۶۶"و"فتاوی محمودية ۹/۵۶۰"

ہے اوران کو باوجود فقر ومحتاجی کے نہ لینا بھی جہالت اور گناہ ہے حتی کہ اگر اس فقر ومحتاجی میں مفتی کے غلط فتویٰ کی بناء پر اوراپنی لاعلمی سے صدقات وزکوۃ سے جان، آبرواور دین کی تباہی کی نوبت آئی تو گناہ نہ لینے والے پر ہے اور یہ ولاتقتلوا انفسکم فرمان خداوندی کی صریح خلاف ورزی ہے جو قطعی حرام ہے۔لہذا اب عدم خلافت وبیت المال سے خمس الخمس کے عدم وصول اور فقراء واحتیاج کے عدم جواز کا فتویٰ ظلم وبربریت وجہالت ہے۔اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

احکام القرآن (طبع مصر) میں ہے قال اللہ تعالیٰ ولاتقتلوا انفسکم "ومن امتنع من المباح حتی مات کان قاتلانفسه متلفالهاعندجميع اهل العلم....الخ۔

خلاصہ کلام:

تمام اقسام کے صدقات محتاج سادات کو دینااور لینا جائز درست اور حلال ہیں اور منع کرنا جہالت اور گمراہی ہے بلکہ یزیدیت سے محبت اوراہل بیت سے دشمنی ہے۔نجاناالله منه۔

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جمع صاحب بمعنی صحابی لان فاعلا یجمع علی افعال صرح به سیبویه ومثله بصاحب واصحاب وارضاه الزمخشری والرضی وابو حیان (مؤلف هدایة النحو) والاصح فی تعریفه ان الصحابی من لقی النبی ﷺ مؤمنا به ومات علی الاسلام الاصابة فی تمیز الصحابة للعلامة ابن حجر العسقلانی ص ۷ ج ۱ ۔فیدخل فیمن لقیه من طالت مجالسته له أو قصرت، ومن روی عنه أو لم یرو، ومن غزا معه أو لم یغز، ومن رآه رؤیة ولو لم یجالسه، ومن لم یره لعارض کالعمی.

ویخرج بقید «الإیمان» من لقیه کافرا ولو أسلم بعد ذلک إذا لم یجتمع به مرة أخری.

وقولنا: «به» یخرج من لقیه مؤمنا بغیره، کمن لقیه من مؤمني أهل الکتاب قبل البعثة. وهل یدخل من لقیه منهم وآمن بأنه سیبعث أو لا یدخل؟ محلّ احتمال. ومن هؤلاء بحیرا الراهب ونظراؤه.

ویدخل في قولنا: «مؤمنا به» کلّ مکلف من الجن والإنس، فحینئذ یتعیّن ذکر من حفظ ذکره من الجن الذین آمنوا به بالشرط المذکور. وأما إنکار ابن الأثیر علی أبي موسی تخریجه لبعض الجن الذین عرفوا في کتاب الصحابة فلیس بمنکر لما ذکرته.

وقد قال ابن حزم في «کتاب الأقضیة» من «المحلّی»: من ادّعی الإجماع فقد کذب علی الأمة، فإن اللّٰه تعالی قد أعلمنا أن نفرا من الجن آمنوا وسمعوا القرآن من النبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلم، فهم صحابة فضلاء، فمن أین للمدّعي إجماع أولئک؟.

وهذا الّذي ذکره في مسألة الإجماع لا نوافقه علیه، وإنما أردت نقل کلامه في کونهم صحابة.

وهل تدخل الملائکة؟ محلّ نظر، قد قال بعضهم: إن ذلک یبنی علی أنه هل کان مبعوثا إلیهم أم لا؟ وقد نقل الإمام فخر الدین في أسرار التنزیل الإجماع علی أنه صلّی اللّٰه علیه وسلم لم یکن مرسلا إلی الملائکة، ونوزع في هذا النقل، بل رجح الشیخ تقي الدین السبکي أنه کان مرسلا إلیهم. واحتج بأشیاء یطول شرحها. وفي صحة بناء هذه المسألة علی هذا الأصل نظر لا یخفی.

وخرج بقولنا: «ومات على الإسلام» من لقيه مؤمنا به ثم ارتدّ، ومات على ردّته في سنة عشر إلا أسلم، وشهد مع النبي صلّى اللهَ عليه وسلم حجّة الوداع. ومثل ذلک قول بعضهم في الأوس والخزرج: إنه لم يبق منهم في آخر عهد النبي صلّى اللهَ عليه وسلم إلّا من دخل في الإسلام، وما مات النبي صلّى اللهَ عليه وسلم وأحد منهم يظهر الكفر. واللهَ أعلم. (اجمعین) اٰل واصحاب سب پر صلوۃ وسلام ہو۔ اٰل واصحاب کے ذکر کے بعد تین سوالوں کا جواب ہے اول سوال کی تقدیر یہ ہے کہ واصحاب میں لفظ واؤ بمعنی او (یا) ہو گا اور کلمہ او کو شک کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو صلوۃ وسلام میں شک ہوا چاہے وہ اٰل پر ہو یا اصحاب پر اور دوسرے سوال کی تقدیر یہ ہے فان قیل کہ اٰل و اصحاب سے وہ لوگ مراد ہوں گے جن کے لئے عصیان نہ ہو اگر عصیان ہو تو صلوۃ وسلام جائز نہ ہوا کیونکہ عصیان بمثل نجاست ہے اور نجاست پر صلوۃ وسلام جائز نہیں اور تیسرے سوال کی تقدیر یہ ہے کہ واہم یہ وہم کرے گا کہ بعض اصحاب اور بعض اٰل سے عصیان ہو گیا ہو گا لہٰذا ان پر باعتبار بعض مخلوق کے صلوۃ وسلام جائز نہ ہوا تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اجمعین کے قول سے جواب دیا کہ واصحاب میں واؤ بمعنی جمع ہے نہ کہ بمعنی او اور اجمعین میں اس بات کا رد ہے بوجہ عصیان آل واصحاب کی تعظیم نہ کی جائے اس لئے کہ حضور ﷺ کی شفاعت گناہگاروں کے لئے ہی تو ہے۔

شان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور بعض تفضیلیوں کا رد

قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (البینۃ ۸)۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللهَ اللهَ في أصحابِي اللهَ اللهَ في أصحابي لا تتخِذوهم غرضًا من بعدي فمَن أحبّهم فبحبّي أحبّهم ومن أبغضهم فببغضِي أبغضَهم ومَن آذاهم فقد آذانِي ومن آذانِي فقد آذى اللهَ ومن آذى اللهَ فيوشِكُ أن يأخذَه۔[510]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اللہ! میرے بعد میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرنا اور انہیں ہدفِ ملامت نہ بنانا اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض کیا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی گویا اس نے مجھے ایذا پہنچائی، اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی اللہ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دے گا۔

عَنْ أَنَسٍ: إِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِي وَاخْتَارَ لِي أَصْحَابًا وَأَنْصَارًا وَسَيَأْتِي قَوْمٌ يَسُبُّونَهُمْ وَيَسْتَنْقِصُونَهُمْ، فَلَا تُجَالِسُوهُمْ وَلَا تُشَارِبُوهُمْ وَلَا تَوَاكِلُوهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوهُمْ۔[511]

---

[510] (رواہ الترمذی ابواب المناقب وشرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۷)

[511] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۹ ص ۳۸۷۶ دار الفکر، بیروت-لبنان۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا اور میرے لئے ساتھی اور مددگاروں کو چن لیا عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو انہیں (میرے ساتھیوں کو) برا کہیں گے اور ان کی شان گھٹائیں گے تو تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ اٹھنا بیٹھنا رکھنا اور نہ ان کے ساتھ کھانا پینا رکھنا اور نہ ان کے ساتھ رشتے ناطے کرنا۔

قال رسول اللہ ﷺ صاحبُ السّرمعاویة بن ابی سفیان فمن احبه فقدنجا ومن ابغضه فقدهلک۔[512]

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رازدان ہیں جس نے اِن سے محبت کی تو نجات پا گیا اور جس نے اِن سے بغض رکھا تو ہلاک ہوا۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهماقال :قال رسول اللہ ﷺلکل نبی صاحب السر و صاحبُ السّری معاویة بن ابی سفیان فمن احبه فقدنجا و من ابغضه فقدهلک۔[513]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک رازدان ہوتا ہے اور میرے رازدان حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جس نے اِن سے محبت کی تو نجات پا گیا اور جس نے اِن سے بغض رکھا تو ہلاک ہوا۔

عن أبي الدرداء قال دخل رسول الله (صلى الله عليه و سلم) على أم حبيبة و معاوية عندها نائم على السرير فقال من هذا يا أم حبيبة فقالت أخي معاوية يا رسول الله قال فتحبينه قالت أي و الله إني لأحبه فقال يا أم حبيبة فإني أحب معاوية و أحب من يحب معاوية و جبريل و ميكائيل يحبان معاوية و الله أشد حبا لمعاوية من جبريل و ميكائيل۔[514]

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ہاں آرام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا: میرے بھائی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ ان سے محبت کرتی ہیں؟ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ جی ہاں اللہ تعالیٰ کی قسم میں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام حبیبہ !(رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں بھی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتا ہوں اور اس سے بھی محبت کرتا ہوں جو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتا ہے اور اس شخص سے جبریل و میکائیل علیہما السلام بھی محبت کرتے ہیں اور ان دونوں فرشتوں کی محبت سے زیادہ اللہ تعالیٰ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتا ہے۔

---

[512] تطهیر الجنان ص ۱۳۔

[513] تطهیر الجنان ص ۱۳۔

[514] تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۹ ص ۹۰، الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع۔

عن أبي بكر قال رأيت رسول الله (صلى الله عليه وسلم) بين الركن والمقام رافعا يديه إلى السماء حتى رأيته بياض إبطيه وهو يقول اللهم حرم بدن معاوية على النار اللهم حرم النار على معاوية۔[515]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجر اسود اور مقام ابراھیم کے درمیان ہاتھ مبارک آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے دیکھا حتی کہ میں نے آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ ﷺ فرمارہے تھے یا اللہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن کو آگ پر اور آگ کو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حرام فرما۔

عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن سعد بن أبي وقاص يقول لحذيفة ألست شاهدا يوم قال النبي (صلى الله عليه وسلم) لمعاوية يحشر يوم القيامة معاوية بن أبي سفيان وعليه حلة من نور ظاهرها من الرحمة وباطنها من الرضا يفتخر بها في الجمع لكتابة الوحي بين يدي رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال حذيفة نعم۔[516]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کیا آپ اس دن موجود نہ تھے جب آپ ﷺ نے معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حال میں لایا جائے گا کہ ان پر نور کا ایک جبہ (لباس) ہو گا جس کے ظاہر میں رحمت اور باطن میں رضا ہو گی اور وہ قیامت کے دن اس پر فخر کریں گے بوجہ اس کے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے وحی (قرآن وخطوط) کی کتابت کرتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں موجود تھا۔

عن واثلة قال قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) إن الله ائتمن على وحيه جبريل وأنا ومعاوية وكاد أن يبعث معاوية نبيا من كثرة حلمه وائتمانه على كلام ربي فغفر لمعاوية ذنوبه ووفاه حسابه وعلمه كتابه وجعله هاديا مهديا وهدى به۔[517]

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے اپنی وحی (قرآن) پر حضرت جبرئیل علیہ السلام، مجھے اور معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو امین بنایا اور قریب ہے کہ اللہ تعالی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی بنا کر مبعوث فرمائے کیونکہ وہ انتہائی بردبار ہیں اور قرآن کے امین ہیں اللہ تعالی معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے گناہ معاف فرمائے اور پورا اجر عطا فرمائے اور قرآن کا علم عطا فرمائے اور ان کو ہدایت یافتہ ہادی اور رہبر بنائے اور ان کے ذریعے ہدایت فرمائے۔

شان حضرت امام تدبر محسن اسلام کاتب وحی صحابی رسول ﷺ امیر المؤمنین خلیفہ ششم امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[515] تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۹ ص ۹۴، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

[516] تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۹ ص ۹۳، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

[517] تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۹ ص ۷۴، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

بعض علمائے سوء وکلاب النار، اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین کرتے ہیں اور بعض نام نہاد سُنی جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، جب کہ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا حلالی نہیں ہے، تو سُنی کیسے ہو سکتا ہے بلکہ یہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔

حضور ختم الرسل ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو خالق کائنات جلّ وعلا نے اپنے قرب کے انتہائی مقام پر فائز فرمایا جہاں کوئی نہ پہنچ سکا اور کمالات عالیہ عنایت فرما کر پوری کائنات میں ممتاز اور فائق فرمایا، اور قاسمِ فیضانِ الٰہی بنا کر شرفِ خلافتِ مطلقہ عطا فرمایا۔ اس لئے جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ آپ ﷺ کے توسل سے ہی ملتا ہے۔ اس پر حدیث "**انما انا قاسم واللہ یعطی**" ناطق ہے۔ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی اشیاء بھی متبرک اور قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ وہ حضرات جنہیں آپ ﷺ سے ایمان کے ساتھ کسی طرح کی بھی نسبت ہو، وہ قابل صد احترام ہیں۔ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ کے لوگ وہ ہیں جو آپ ﷺ کے خاندان کے افراد ہیں اور آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں جنہیں اہل بیت کہتے ہیں۔ اور ایک طبقہ کے لوگ وہ جو آپ ﷺ سے خاندانی نسبت نہیں رکھتے مگر آپ ﷺ پر ایمان لائے انہیں صحابی کہتے ہیں۔ دونوں طبقات کی نسبت آپ ﷺ سے ہے اسی وجہ سے دونوں طبقات کی محبت وعزت واحترام لازم ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی بغض و نفرت دوسرے کی نفرت وبغض کو مستلزم ہے کیونکہ دونوں کی علت ذاتِ پاک مصطفی ﷺ ہے۔ لہٰذا اہل بیت سے محبت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت بھی لازمی ہے اور صحابہ کرام کی محبت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی محبت بھی لازمی امر ہے۔

اہل بیت کی محبت کی آڑ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گستاخی وبے ادبی سخت ترین جرم وگناہ وزندیقیت ہے۔ امام ابوزرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے: **اذا رأیت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول اللہ ﷺ فانہ زندیق وذٰلک ان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادیٰ الینا ھٰذا القرآن والسّنن اصحاب رسول اللہ ﷺ وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسّنّۃ والجرح بھم اولیٰ وھم زنادقۃ۔**

"جب کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حق ہے اور یہ قرآن وسنت ہمیں اصحابِ رسول ﷺ نے ہی پہنچایا ہے (جو لوگ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب وسنّت کو مجروح کر سکیں ایسے لوگ خود قابلِ جرح ہیں اور زندیق ہیں۔"[518]

---

[518] الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۴۸، الصواعق المحرقۃ ص ۲۹۹۔

ہمارے اس دور میں اپنے آپ کو سادات گردانے والے کچھ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بہت بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ ایسا کہنے والا قطعی طور پر سادات کے نقش قدم پر نہیں ہو سکتا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت بڑی شان اور رتبہ ہے۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضور خاتم النبیین ﷺ نے آپ کے بارے میں ہادی اور مہدی کے الفاظ استعمال کئے، مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے ان کے بارے میں مختلف دعائیں فرمائیں۔ چنانچہ سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں ان الفاظ میں دعا فرمائی: **اللھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا و اھدہ و اھدبہ**۔ اے اللہ! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کے لئے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما اور ان کو ہدایت دے اور ان کو دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔[519]

ایک اور روایت میں جو سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے: **اللھمّ علّم معاویۃ الکتاب و الحساب و قہ العذاب**۔ "اے اللہ! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذابِ جہنم سے محفوظ فرما۔"[520]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **و لا ارتیاب ان دعاء النبی ﷺ مستجابۃ فمن کان ھٰذا حالہ فکیف یرتاب فی حقہ**۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے لہٰذا جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے بارہ میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جا سکتا ہے۔"[521]

اس حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے علم الکتاب کی دعا فرمائی اور دوسرے علم الحساب کی، جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرے وقہ العذاب کی تاکہ دنیا میں امورِ خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو، یہ تینوں دعائیں کسی معمولی آدمی کے لئے نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ صرف اس کے لئے ہو سکتی ہیں جس سے خاص محبت و الفت کا رشتہ ہو۔

---

[519] (التاریخ الکبیر ۴:۳۲۷، طبرانی المعجم الاوسط ۱:۳۸۰، ترمذی ۲:۲۱۱، اسد الغابہ ۴:۳۸۶، البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۱، تاریخ الاسلام للذہبی ۲:۳۱۹، حلیۃ الاولیاء ۸:۳۵۸، طبقات ابن سعد ۷:۱۳۶، تاریخ بغداد ۱:۲۰۸، الاصابہ ۲:۴۰۶، وقال الترمذی حسن غریب، الفتح الربانی ۲:۳۵۶، تہذیب الاسماء واللغات للنووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲:۱۰۳)

[520] (مسند امام احمد ۴:۱۲۷، تاریخ الاسلام للذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲:۳۱۸، البدایہ والنہایہ ص ۱۲۱، کنز العمال ۷:۸۷، الاستیعاب ۳:۳۸۱، انساب الاشراف بلاذری ۴:۱۰۷، مجمع الزوائد ہیثمی ۹:۳۵۶، صحیح ابن حبان ۱۰:۱۶۹، الاصابہ ۱:۳۸۵)

[521] (مرقاۃ ۱۱:۱۳۸)

الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے آپ کو تعلیمِ کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و مصوّن رہنے کی دعا فرمائی۔ اور ایک امتی کے لئے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اس کا نبی اس دنیا میں اس کے لئے تعلیم کتاب فہم دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی انہی دعاؤں کے اثرات تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے صفتِ عدل سے نوازا، اور ان کے عدل و انصاف اور وسعت قلبی اور لوگوں کے ساتھ مروت و عدالت سے پیش آنے کی بناء پر کوئی ان کو "**المهدی**" کہنے پر مجبور ہوتا۔[522] اور کوئی ان کو "**المصحف**" کہتا۔[523] اور کوئی انہیں عدل و انصاف کا پیکر کہتا۔

چنانچہ امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں ایک روز سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ چل پڑا۔ امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کو پالیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا۔" لوگوں نے پوچھا: "حضرت! کس چیز کا پتہ چل جاتا؟ ان کے حلم و بردباری کا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ ان کے عدل و انصاف کا۔[524]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سرکارِ دوعالم ﷺ کی نظر شفقت کا اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے جس کو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی بات کے بارے میں مشورہ چاہا، یہ دونوں حضرات اس بارے میں کچھ نہ کہہ سکے اور دربارِ رسالت پناہ میں عرض کر دیا کہ اللہ جل شانہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتا ہے، آپ ﷺ نے ان کا یہ جواب سن کر فرمایا: **ادعوا معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنہ**۔ "معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ۔"

سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو قریش کے دو آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرما رہے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھو کیونکہ: **فانّہ قویّ امینٌ** (کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں)[525]

---

[522] (العواصم من القواصم ص ۲۰۵ تعلیقہ، البدایہ والنہایہ ۸:۱۳۵)

[523] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۱)

[524] (العواصم من القواصم ۳۰۵ تعلیقہ)

[525] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۲، تاریخ الاسلام للذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲:۳۱۹، مجمع الزوائد ۹:۳۵۵)

تاریخ وحدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت وامارت کے بارے میں کچھ بشارات بھی دی تھیں جن کو آپ کی خلافت کے بارہ میں پیش گوئی بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: **یا معاویة! ان ولیت امرًا فاتق اللہ واعدل۔** "اے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اگر تجھے امور مملکت وخلافت سونپے جائیں تو اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔"[526] اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو بکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "**یا معاویة! ان ولیت فاحسن۔**" اے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اگر امورِ مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا اور امورِ مملکت وخلافت کو احسن طریق سے سرانجام دینا۔"[527]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکارِ دوعالم ﷺ نے مجھے یہ کلمات فرمائے تھے، اسی روز سے مجھے یقین تھا کہ میں حکومت کے معاملات میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی۔"

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو حکومت حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے ملی تھی۔ چنانچہ علامہ خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف شہروں اور مملکتِ اسلامیہ کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔"[528]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم وہمت کے بارے میں بھی حضور ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا: **ان معاویة لا یصارع احدًا الا صرعه معاویة۔** "معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بھی نبرد آزما ہو گا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پچھاڑ دے گا۔"[529]

یہ تو دنیا کی کامیاب وکامرانی کی بشارت تھی، آخرت میں آپ پر انعام ذکر فرماتے ہوئے سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[526] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۳، مجمع الزوائد ۵:۱۸۶، ۹:۳۵۵، مسند احمد ۴:۱۰۱، تطہیر الجنان ۱۸، دلائل النبوۃ ۶:۴۴۶)

[527] (المصنف، ابن ابی شیبہ ۱۱:۱۱۷، اسد الغابہ ۴:۳۸۷، البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۳، المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۴:۱۰۸)

[528] (نسیم الریاض ۳:۱۲۶)

[529] (کنز العمال ۷:۸۷)

یبعث اللہ تعالیٰ معاویۃ یوم القیمۃ وعلیہ رداء من الایمان۔ ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حالت میں اٹھائے گا کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہو گی (جس میں وہ لپٹے ہوئے ہوں گے)۔“[530]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن تاجدار ختم نبوت ﷺ نے فرمایا:

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یطلع علیکم من ھذا الباب رجل من أھل الجنۃ فطلع معاویۃ فلما کان من الغد قال مثل ذلک فطلع معاویۃ فلما کان بعد الغد قال مثل ذلک فطلع معاویۃ قال رجل ھو ھذا قال نعم ھو ھذا ثم قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا معاویۃ أنت مني وأنا منک لتزاحمني علی باب الجنۃ کھاتین۔[531]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس دروازے سے آپ لوگوں کے پاس ایک شخص داخل ہو گا جو جنتی ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ داخل ہو گئے دوسرے دن پھر وہی فرمایا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہو گئے تیسرے دن پھر وہی فرمایا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہو گئے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ جنتی شخص یہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں یہی ہیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں آپ میرے ساتھ جنت کے دروازے پر ایسے ملو گے جیسے یہ دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ چمٹا لیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم سے ملا ہوا ہے؟“ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میرا پیٹ اور سینہ آپ ﷺ کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔“ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے دعا کے طور پر فرمایا: **اللھمّ املأہ علمًا۔** اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے!

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **زاد ابو مسھر وحلماً۔** ابو مسہر نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے علم کے ساتھ حلم (بردباری) کی بھی دعا فرمائی۔ یعنی اے اللہ اس کے سینے اور پیٹ کو علم اور حلم سے بھر دے۔“[532]

جناب خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی انہی دعاؤں اور پیش گوئیوں کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعتِ قلبی اور حلم سے نوازا تھا اور حضور ﷺ کے ارشاد گرامی **ان ولیت فاحسن** پر آپ نے اس طرح عمل فرمایا کہ تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی ڈھونڈنے

---

[530] (کنز العمال ۱۹۰ : ۶)، تاریخ دمشق لابن عساکر ص ۹۳ ج ۵۹، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

[531] تاریخ دمشق لابن عساکر ص ۹۸ ج ۵۹، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

[532] (تاریخ الاسلام ۳۱۹ : ۲، التاریخ الکبیر ۱۸ : ۴)

سے ملے۔ جتنا کوئی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کرتا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایذا اور تکلیف دیتا اُتنا ہی اس کے ساتھ نیک سلوک فرماتے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیفِ قلب فرماتے، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

غیر مقلدین کے علامہ ابن تیمیہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو یوں لکھا ہے: **من المعلوم من سیرۃ معاویۃ انہ کان من احلم الناس و اصبرھم علی من یؤذیہ و اعظم النّاس تالیفًا لمن یعادیہ۔**[533]

"آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حد درجہ حلیم و بردبار تھے اور ایذاء دینے والے کی ایذاء کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت کرتے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تالیفِ قلب میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھتے۔"

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی وسعتِ قلبی اور بُردباری سے متاثر ہو کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی اور بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب اپنے بھائی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملے اور جنگ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ لڑی، چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے: **وفارق (عقیل) اخاہ علیاً امیر المؤمنین فی ایّام خلافتہٖ وھرب الیٰ معاویۃ و شھد صفین معہ۔**[534]

"عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے ایامِ خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے گئے اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) صفین کی جنگ لڑی۔"

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وسعتِ قلبی، بردباری اور عدل و انصاف کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔[535]

لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلم اور بردباری کو اپنی کتابِ زندگی کا ایک امتیازی باب بنالیا تھا۔[536]

---

[533] (منہاج السنّۃ ۲:۲۱۹)

[534] (عمدۃ الطالب فی الانساب آل ابی طالب ص ۱۵)

[535] (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفخری ص ۱۴۵، العقد الفرید ۲:۳۰۴، ۱۶۵، مروج الذھب ۵:۴۱۰)

[536] (ھسٹری آف دی عربز، پروفیسر ھٹی انگریزی)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرماتے تھے: **اِنی لا رفع نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عفوی او جھل اکثر من حلمی او عورۃ لا اواریھا بستری او اسائۃ اکثر من احسانی۔** "میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے یا کوئی خطا ایسی ہو جسے دامن میں نہ چھپا سکوں یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں۔"[537]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں جلی حروف میں ملتا ہے: **انی لا احول بین الناس و بین السنتھم ما لم یحولوا بیننا و بین سلطاننا (ملکنا)۔** "میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔"[538]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وسعتِ قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسانِ نبوت نے ان الفاظ میں فرمایا: **احلم امّتی معاویۃ۔** "میری امت میں سب سے بڑا حلیم اور بردبار معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔"[539]

غرضیکہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتہائی تعریف فرمائی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر امتیاز حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ۴۱ھ میں تمام امت نے متفقہ طور پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کر لیا اور سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔[540]

فتح مکہ تک تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا اسلام گھر والوں سے چھپائے رکھا۔[541]

لیکن فتح مکہ کے بعد آپ نے حضور رسالت مآب ﷺ کی ہمرکابی میں **جھاد فی سبیل اللہ** میں حصہ لیا اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شرکت فرمائی اور حضور ختمی مرتبت ﷺ نے آپ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا۔[542]

---

[537] (طبری ۶:۱۸۷، البدایہ والنہایہ ۸:۱۳۵، ابن الاثیر جلد ۳)

[538] (طبری ۵:۳۳۶، الکامل لابن الاثیر ۳:۲۶۳، تاریخ الاسلام والحضارۃ الاسلامیہ ۲:۱۴۷)

[539] تطھیر الجنان بر حاشیۃ صواعق محرقۃ از ابن حجر مکی ص ۵۵۔

[540] (ملاحظہ ھو البدایہ والنہایہ ۸:۴۱، فتح الباری ۱۳:۵۳، مھیج الاحزن ۴۸، ناسخ التواریخ ج ۶ کتاب دوم ص ۷۹، بحار الانوار از ملا باقر مجلسی جلد ۱۰ ص ۱۶۴ وغیرھم)

[541] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۷، تطھیر الجنان لمعاویۃ بن ابی سفیان ص ۱۰، حیوۃ الحیوان ۱:۱۰۴، الاصابہ تذکرۃ معاویہ اسد الغابہ ۴:۳۸۵)

[542] (الاستیعاب ۳:۳۷۷)

صرف علمی اور عملی لحاظ ہی سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربار رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو حضور ختمی مرتبت ﷺ سے تعلق اور قرب حاصل تھا، ایک تو چوتھی پشت میں آپ ﷺ سے ملتے تھے اور دوسرے آپ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حقیقی بھائی تھے، اس لحاظ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کے برادرِ نسبتی اور مسلمانوں کے ماموں تھے۔

کتابت وحی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دوعالم ﷺ کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خاص اعتماد تھا، اسی اعتماد کی وجہ سے بارگاہِ رسالت سے آپ کو کتابتِ وحی کا منصبِ جلیلہ عطا ہوا۔[543]

خود شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے: **کان (معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) احد کتاب رسول اللہ ﷺ**۔ "معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے۔[544]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاتبِ نبوی ﷺ ہونا تاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفضل الخلابی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے: **ان زید بن ثابت کان کاتب وحی رسول اللہ ﷺ و کان معاویۃ کاتبہ فیما بینہ و بین العرب**۔ "حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی وحی کے کاتب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ اور عرب کے دوسرے قبائل یا ملوک کے درمیان خط و کتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔"[545]

اگرچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے لیکن دوسری روایت اس کی تردید کرتی ہے، لہٰذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف وحیِ الٰہی کے کاتب تھے لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحیِ الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کے دوسرے امور کی کتابت بھی سرانجام دیتے تھے۔

---

[543] (تقریب التہذیب ص ۳۵۷، کنز العمال ۲:۲۴۹، البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۸، آداب السلطانیہ للفخری ص ۱۴۵، النجوم الزاہرہ ۱:۱۵۴، الاستیعاب ۳:۳۲۵)

[544] (ابن ابی الحدید ۱:۲۳۸)

[545] (تاریخ اسلام للذہبی ۲:۳۱۸)

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اسی صفحہ پر سند صحیح کے ساتھ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے: **کنت العب فدعانی رسول اللہ ﷺ فقال ادع لی معاویۃ و کان یکتب الوحی۔** ”میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحی لکھا کرتے تھے۔[546]

اس سلسلہ میں ایک روایت مسند احمد میں بھی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں ”ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر لاؤ۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں حضور ﷺ کے کاتبِ وحی تھے، چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرکارِ دوعالم ﷺ کا یہ پیغام دیا کہ سرکار ﷺ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا رہے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو تم سے کوئی کام ہے۔“[547]

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ صرف سرکارِ دوعالم ﷺ کے مراسلات اور فرامین کی کتابت فرماتے تھے، بعض نے لکھا ہے کہ صرف وحی کی کتابت فرماتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے فرمایا کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے تھے۔“[548]

اور طبرانی نے بسند حسن روایت کیا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی کتابت کیا کرتے تھے، یعنی وحی کی بھی اور مراسلات و فرامین کی بھی۔[549]

چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ: ”ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے مسعود بن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف مراسلہ بھیجا جو آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لکھوایا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ، کیسے لکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے **بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم** لکھو اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھواؤں وہ لکھو، چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے ہی لکھا۔“[550]

تاریخ میں مختلف فرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بنو امیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو ان پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک شخص سیدنا وائل بن حجر الکندی رضی اللہ

---

[546] (تاریخ اسلام للذہبی ۲:۳۱۸)

[547] (مسند امام احمد ص ۳۳۵)

[548] (البدایہ والنہایہ ۸:۲۱)

[549] (مجمع الزوائد ۹:۳۵۷)

[550] (الاصابہ ۳:۳۹۳)

تعالیٰ عنہ ہوئے ہیں، یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے لئے بڑی دعائیں فرمائیں، وہ حضر موت سے آکر مسلمان ہوئے، نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا، نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جاؤ اور ان کے لئے ایک قطعہ اراضی متعین کر کے ان کی تحویل میں دے دیں، حضور ﷺ نے ساتھ ہی ان کے لئے ایک مکتوب تحریر کرایا جس میں سیدنا وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اور میرے اہل خانہ کے لئے مزید مال و متاع کے لئے ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل فرمائی ہے۔[551]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدّثین اور اصحابِ تاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساحل البحر کے علاقہ معاون القبیلۃ میں چند قطعاتِ اراضی عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں ایک وثیقہ تحریر کروا کر انہیں عطاء فرمایا۔[552]

محدّثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے جس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتبِ رسول ﷺ ہونے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے نزدیک ان کے با اعتماد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشہور صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت قیصر روم کو دعوتِ اسلام کا ایک والا نامہ ارسال فرمایا، اس مراسلہ کے جواب میں قیصر روم کا خط لے کر اس کا قاصد التنوخی حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہرقل روم کا قاصد التنوخی بیان کرتا ہے کہ: ''سرورِ کائنات ﷺ مقامِ تبوک میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ میں ہرقل کا خط لے کر وہاں گیا۔ میں آپ ﷺ کو نہیں پہچانتا تھا، میں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کون ہیں؟ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں ہوں۔ میں نے وہ مکتوب آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، آپ ﷺ نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لئے دیا، جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ مکتوب آپ ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپ ﷺ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے تو فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا)۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: **سبحان اللہ! اذا جاء اللیل فاین النھار؟ سبحان اللہ!** جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ جب یہ مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپ ﷺ نے قیصرِ روم کے قاصد سے فرمایا کہ ''آپ مکتوب لانے والے ہیں اور پیغام رساں کا احترام اور حق ہوتا ہے، ہم چونکہ اس وقت مسافرت میں ہیں، اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ہدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ کو ضرور دیتے۔'' آپ ﷺ کی یہ بات سن کر آپ

---

[551] (تاریخ الکبیر ۱۷۵:۴، اسد الغابہ ۵:۸۱، الاصابہ ۳:۵۹۲، صحیح ابن حبان ۱۰/۹:۱۶۶، تحت وائل بن حجر الکندی ص)

[552] (المستدرک حاکم ۳:۵۱۷، معجم البلدان ۱۵:۳۰۷)

ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں، چنانچہ وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال کر لایا اور اسے میری گود میں رکھ دیا، میں نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون ہیں، انہوں نے کہا یہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بعد ازاں سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ اس قاصد کو کون اپنے ہاں ٹھہرائے گا؟ اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے پاس ٹھہرایا۔[553]

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبی اکرم ﷺ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھواتے تھے اور انہی سے ان کے جواب بھی لکھواتے تھے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بعض تحریرات اور وثیقہ جات پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کو بھی بطورِ گواہ پیش کیا۔[554]

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ جو اسلام کے چار ستون تھے، جہاں انہوں نے اپنی گواہی ثابت کی وہیں حضورِ انور ﷺ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لئے فرمانا، ان کی کتابِ زندگی کا ایک نہایت پُر اعتماد باب ہے، بلکہ سرکار دوعالم ﷺ کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے یہی پانچ خلفاء ہیں جو تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تحریر پر بطور گواہ اپنے دستخط ثبت فرمارہے ہیں۔[555]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتبِ وحی ہونے کو شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید رحمہ اللہ کا حوالہ تو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن یعقوبی جو شیعہ فرقہ کا ستون سمجھا جاتا ہے، اس نے بھی صاف الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور نہ صرف وحی بلکہ آپ ﷺ کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تحریر فرماتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:

وکان کتابه الّذین یکتبون الوحی والکتب والعهود علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان وعمرو بن العاص بن امیّه ومعاویة بن ابی سفیان وشرحبیل بن حسنة۔

---

[553] مسند امام احمد ج۳ ص ۴۴۱، ج۴ ص ۷۴، البدایة والنهایة ج۵ ص ۱۶، مجمع الزوائد ج۵ ص ۲۳۵۔

[554] (ملاحظہ ہو سیرت الحلبیہ ۳:۲۴۱)

[555] (سیرت حلبیہ ۳:۲۴۰)

اور رسول اللہ ﷺ کے کاتبین جو آپ ﷺ کے لئے وحی، مراسلات و معاہدات اور مواثیق وغیرہ لکھا کرتے تھے، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمرو بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم تھے۔"[556]

ہماری اس بات کی تائید ابن حزم اور علی بن برہان الدین الحلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے: **وکان زید بن ثابت من الزم النّاس لذٰلک ثمّ تلاہ معاویۃ بعد الفتح فکانا ملازمین لکتابتہ بین یدیہ ﷺ فی الوحی وغیر ذٰلک لا عمل لھما غیر ذٰلک۔**

"سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فتح مکہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابت کے لئے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں میں سے تھے، چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی۔"[557]

آپ کے کاتبِ وحی ہونے کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔[558]

روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب حضور ﷺ نے اللہ رب العزت کے حکم سے عطا فرمایا چنانچہ حافظ ابن کثیر نے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ: **یا محمد اقراء معاویۃ السلام واستوص بہ خیرًا فانہ امین اللہ علیٰ کتابہ و وحیہ ونعم الامین۔** "اے محمد (ﷺ)! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کہیے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔"[559]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کاتبِ وحی بنانے کے لئے حضور ختمی مرتبت ﷺ نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا: **استکتبہ فانہ امین۔** "آپ ان کو کاتب وحی بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔"[560]

اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امین ہونے کے متعلق جبرئیل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کا صرف کتابتِ وحی کے منصب پر فائز رہنا ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امین ہونے کے لئے کافی تھا کیونکہ جس طرح وحی لانے والے کے لئے امین ہونا شرط ہے تاکہ وہ وحی الٰہی کے لانے میں کوئی خیانت نہ کرسکے، اسی طرح کاتبِ وحی کے لئے بھی امین ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کتابتِ وحی میں کوئی خیانت نہ کرسکے۔ لہٰذا جس طرح آپ کا کاتبِ وحی ہونا مسلّم ہے اسی طرح آپ کا امین ہونا بھی مسلّم ہے۔ **کما لا یخفیٰ علی من لہ ادنیٰ من**

---

[556] (تاریخ یعقوبی ۲:۸۰)

[557] جوامع السیرۃ ص ۲۷۔

[558] (الاستیعاب ۳:۳۷۵، الاصابہ ۳:۳۱۲، مجمع الزوائد ۹:۳۵۷، زاد المعاد ۱:۳۰)

[559] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۰)

[560] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۰)

الفھم۔ کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی علوّ مرتبت کی دلیل ہے وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ (۱۷) آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔[561]

پورے مکہ میں جبکہ صرف سترہ یا بیس لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آپ کا کتابت کے فن سے واقف ہونا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عادل ثقہ اور صالح صحابی ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ کے گھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عالم اور مجتہد صحابی ہیں۔ آپ کے لئے سرورِ کائنات ﷺ نے دعا فرمائی۔ آپ کی شان میں گستاخی کرنا اور آپ کو برا کہنا رفض ہے۔ ایسا شخص ہرگز ہرگز سُنی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ہرگز ہرگز نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**اللہ اللہ فی اصحابی۔۔الخ**" میرے صحابہ کے معاملے اللہ سے ڈرو۔" یعنی ان کی عزت و عظمت و حرمت کا خیال رکھو۔ کیونکہ صحابی کا نصف سیر جو گندم خیرات کرنا دوسروں کے لاکھوں من سونا خیرات کرنے سے افضل و بہتر ہے۔ دین ہمیں صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے توسل سے ہی ملا ہے دونوں میں کسی کی تنقیص و توہین سے دین کے معتد بہ حصہ سے انکار لازم آتا ہے۔

جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی گستاخی کرتے ہیں وہ سخت ترین گمراہ ہیں اگرچہ وہ سید ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل چیز ایمان اور عقیدہ ہے اگر عقیدہ خراب ہے یعنی کوئی شخص سید بد عقیدہ (مثلاً خارجی، رافضی، وہابی نجدی، قادیانی وغیرہ) ہو جائے تو وہ سادات سے نکل جاتا ہے۔ اور اسے سید کہنا بھی درست نہیں۔ قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں جب اس نے عقیدتاً و عملاً اپنے والد محترم جو اللہ کے نبی علیہ السلام تھے کا انکار کیا اور ساتھ نہ دیا تو اللہ نے فرمایا: "**انہ لیس من اھلک۔۔الخ**" یعنی وہ تمہارے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں مثالی محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہماری آپس کی محبت حضور نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ مبارک کو غور اور محبت سے کیوں دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ علی کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔" حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے بعد سب سے

---

[561] (الحضارۃ الاسلامیہ ص ٦٦)

افضل کون ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔الخ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لائے واپسی پر جب وہ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب کو پکڑ کر احتراماً اوپر کر دیا تاکہ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرام سے سوار ہو جائیں تو ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے کیوں کیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم کی اسی طرح تعظیم کریں۔ تو ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس طرح تعظیم کریں۔ (سبحان اللہ)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بشری تقاضوں کے پیش نظر کوئی رنجش ہو بھی گئی ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر چھوڑ دی جائے گی اور دونوں گروہوں کے متعلق خیر کی بات ہی کہنی لازم ہے کیونکہ دونوں نے صحبتِ نبوی ﷺ سے فیض پایا ہے اور دونوں گروہ آپ ﷺ کے محبوب ہیں اور دونوں کی عزت و حرمت کی تلقین آپ ﷺ نے فرمائی ہے اور قرآن کریم نے ان تمام حضرات کو رضی اللہ عنھم وَرَضُوا عَنْهُ کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا سادات حضرات بھی اس بات کو نگاہ میں رکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں توہین و بے ادبی کتنا سنگین جرم ہے کہ اس بے ادبی و گستاخی کی وجہ سے سید دو عالم ﷺ کی ناراضگی لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنے محبوب کریم ﷺ ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت عطا فرمائے اور ان کی عزت و حرمت کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے بلکہ ہر مؤمن مسلمان کی محبت اور عزت ہمیں عطا فرمائے اور ہمیں صالحین کے ساتھ قیامت میں اٹھائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ، وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ۔[562]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اللہ! میرے بعد میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرنا اور انہیں ہدفِ ملامت نہ بنانا اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی گویا اس نے مجھے ایذا پہنچائی، اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی اللہ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دے گا۔

---

[562] (رواہ الترمذی ابواب المناقب و شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۷)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہنے والا قتل کا مستحق ہے کیونکہ اس کا یہ عمل عداوت رسول ﷺ پر مبنی ہے۔ اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔[563]

ترجمہ: جو شخص میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے تو اس شخص پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

وقال ان شرار امتی اجراؤھم علی اصحابی۔[564]

ترجمہ: اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک میری امت کا شریر ترین (امتی) وہ ہے جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر زبان درازی کرتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسلم: "إِذا رَأَيْتُمْ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شركم". رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔[565]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس وقت آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دیتے ہوں تو آپ اُن سے کہیں کہ آپ کے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔

وقال لعن اللہ من سب اصحابی۔[566]

ترجمہ: اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے۔

قال النبی ﷺ حبہ وشکرہ واجب علی امتی۔[567]

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ محبت اور ان کا شکر ادا کرنا میری امت پر واجب ہے۔

---

[563] (رواہ الطبرانی وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۸)

[564] (رواہ ابن عدی، وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۸)

[565] (رواہ الخطیب وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۸) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۹ ص ۳۸۸۱ دار الفکر، بیروت-لبنان۔

[566] (رواہ الطبرانی وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۸)

[567] (رواہ ابن عساکر وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۹)

اہلسنت وجماعت کاعقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کاذکر شریف صرف بھلائی کے ساتھ کیاجائے ان کے فضائل ومناقب محامد ومحاسن اور کمالات کاذکر کیاجائے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل خیر وصلاح ہیں ۔عادل ہیں ۔دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے مقدمات ہیں ۔ان پر اعتراض وانکار نہ کیاجائے اوران کے متعلق بے ادبی کی بات نہ کی جائے۔ فقہ اکبر میں سراج الامۃ حضرت سیدناامام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔**ولاتذکر احدامن اصحاب رسول اللہ ﷺ الابخیر۔**

شیخ المحدثین مولانا محقق عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں۔**تقف عن ذکر الصحابۃ الابخیر۔**

نسیم الریاض میں ہے۔**لاتتخذوھم غرضًامن بعدی** ۔کی شرح میں فرمایا۔**والمعنی لاتضرھم ولاتطعنوافیھم باسنادامورقبیحۃ غرضًابعدی۔**[568]یعنی اے ایمان والو!میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف ناپسندیدہ باتوں کی نسبت نہ کرو۔کتاب مذکور میں دوسری جگہ لکھاہے۔**لایذکر احدمنھم بسوءای بامرقبیح لایغمس علیہ امرای لایعاب ولاینقص فی امرمن امور بل یذکر حسناتھم وفضائلھم وحمیدسیرھم ویسکت عماوراءذلک کماقال ﷺ اذاذکر اصحابی فامسکوا عن الطعن فیھم وذکرھم یوھم نقصافیھم۔**[569]

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح شفامیں ہے۔"**(ولایذکر احدمنھم بسوء)لان اللہ اثناعلیھم فی مواطن کثیرۃ من کتابہ ووصی النبی ﷺ امتہ فی تعظیم اصحابہ نحوقولہ لاتسبوا اصحابی مع تعمیم قولہ ﷺ لاتذکروا امواتکم الابخیر ولانہ من الواحش المحرمۃ باجماع اھل السنۃ**"[570]

ان احادیث مقدسہ وعبارات اکابر علماء قدست اسرارھم میں جن آداب کی تعلیم ہے ان آداب کے حق دار رسول ﷺ کے باقی صحابہ کی طرح سیدناامیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ہم پرلازم ہے کہ ہم باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح ان کا بھی ادب واحترام پورے طور پر ملحوظ رکھیں اوران کی ذات ستودہ صفات کے خلاف کسی وقت بھی زبان طعن درازنہ کریں ۔رسول پاک ﷺ کاصحابی ہونے کاشرف اللہ تعالیٰ نے ان کوعطاکیاہے ہروقت اسے پیش نظر رکھیں ۔ان کوہرامر قبیح سے اور فعل شنیع سے پاک سمجھیں عوام کوان کی عظمت وفضیلت سے آگاہ کرنے کیلئے وقتاً فوقتاً ان کے فضائل ومناقب ،خصائص ومحامد بیان کرتے رہاکریں ۔ان کے نیک سیرت پاک کردار کی تشہیر اللہ ورسول جلاجلالہ وﷺ کی رضاوخوشنودی ہے۔اہلسنت کے نزدیک تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت نہایت ہی ضروری ہے اورلازم ہے کہ ان سے ہررذیل چیز کی نفی کرے اگرکسی روایت میں کوئی ایسی بات آجائے جوصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان رفیع کے خلاف ہوتوایسی روایت میں تاویل کرناضروری ہے اگرتاویل کی کوئی صورت نہ

---

[568]نسیم الریاض ج۳ص ۴۲۴،المکتبۃ السلفیہ مدینہ منورہ۔

[569](رواہ الترمذی ابواب المناقب وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۷)

[570]شرح الشفاء لملاعلی قاری ج۲ ص ۹۰ دارالعلمیہ بیروت لبنان۔

ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی نے غلط بیان کیا ہے۔ صحابہ کی شان رذیل باتوں سے بلند و بالا ہے۔ راویوں کی روایات میں کوئی ایسی بات منقول نہیں کہ جس میں صحابی کی شان کے خلاف ذکر ہو اور اگر اس میں تاویل معتذر و ناممکن ہو تو اس منکر کلمے کی حکایت راوی کی غلطی کی طرف محمول کرنا ہے اور ہدایت کے ستارے صحابی کا دامن اس منکر بات سے پاک ہے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔ وَلَسْنَا نَقْطَعُ بِالْعِصْمَةِ إِلَّا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِمَنْ شَهِدَ لَهُ بِهَا لَكِنَّا مَأْمُورُونَ بِحُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ وَنَفْيِ كُلِّ رَذِيلَةٍ عَنْهُمْ وَإِذَا انْسَدَّتْ طُرُقُ تَأْوِيلِهَا نَسَبْنَا الْكَذِبَ إِلَى رُوَاتِهَا۔[571]

نیز امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فرمایا۔ قَالَ الْعُلَمَاءُ: الْأَحَادِيثُ الْوَارِدَةُ الَّتِي فِي ظَاهِرِهَا دَخَلٌ عَلَى صَحَابِيٍّ يَجِبُ تَأْوِيلُهَا قَالُوا وَلَا يَقَعُ فِي رِوَايَاتِ الثِّقَاتِ إِلَّا مَا يُمْكِنُ تَأْوِيلُهُ۔[572]

نسیم الریاض میں ہے۔"(والامساک عماشجر بینهم ومعاداة من عاداهم والاضطراب عن اخبار المؤرخین) التی نقلوا هاعنهم فانها تورث تنقیص بعضهم بمانقلوه(وجهلة الرواة)الذین روواقصصاباطلة تودی لسوء ظن بهم (وضلال الشیعة والمبتدعین)"[573]

وکیل احناف ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح شفاء میں ہے۔"والاضطراب عن اخبار المؤرخین ...ای عن اقوال اصحاب التواریخ فان غالبهم غیر صحیح بل کذب صریح۔"[574]

حاشیہ شرح عقائد میں ہے۔قال ابن دقیق العید فی عقیدته: ومانقل فیماشجر بینهم واختلفوا فیه فمنه ماهو باطل وکذب فلایلتفت الیه وماکان صحیحااوّلناه تاویلا حسنالان الثناء علیهم من الله سابق، ومانقل من الکلام اللاحق محتمل للتاویل والمشکوک والموهوم لایبطل المحقق والمعلوم۔[575]

لہذا کتب سیر و تواریخ میں جو روایات و حکایات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان کے خلاف منقول ہیں اور شرعاً ان میں کوئی تاویل نہیں نکل سکتی تو اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایسی روایات و حکایات کا اعتبار نہیں۔

---

[571] شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱۲ ص ۲۹۶ دار المعرفة بیروت لبنان۔

[572] شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱۵ ص ۱۷۱ دار المعرفة بیروت لبنان۔

[573] نسیم الریاض شرح الشفاء لقاضی عیاض ج ۳ ص ۴۲۱، المکتبة السلفیه مدینه منوره۔

[574] شرح الشفاء لعلی قاری علی هامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۲۱، المکتبة السلفیه مدینه منوره۔

[575] شرح کتاب الفقه الاکبر شرحه الامام الملا علی قاری ص ۱۱۷ دار الکتب العلمیة۔

الصواعق المحرقۃ میں ہے۔اعْلَم أَن الَّذِي أجمع عَلَيْهِ أهل السّنة وَالْجَمَاعَة أَنه يجب على كل أحد تَزْكِيَة جَمِيع الصَّحَابَة بِإِثْبَات الْعَدَالَة لَهُم و الكف عَن الطعْن فيهم وَالثنَاء عليهم فقد أثنى الله سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَلَيْهِم فِي آيَات من كِتَابه۔[576]

آپس میں جو بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہوا تو وہ غرض دنیاوی اور حظ نفسانی کی بناء پر نہ تھا عناد کے سبب سے نہ تھا نیز اصول میں قطعاً اختلاف نہ تھا بلکہ بعض فروعی مسائل میں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وائمہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فروع میں اختلاف رحمت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا۔اختلاف امتی رحمۃ او کما قال اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو مقدمات دینی ہیں ان کا جو اختلاف اجتہادی ہے وہ بھی رحمت ہے اور جو اجتہادی نہیں وہ بھی رحمت ہے اس لئے کہ ان کا اختلاف عناد و فساد کی غرض سے نہ تھا بلکہ تاویل شرعی سے تھا اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عدالت وہدایت پر تھے امیر المؤمنین مولا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جتنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان دونوں کے ساتھ تھے سب کے سب بلا استثناء قبل اختلاف اور وقت اختلاف اور بعد اختلاف ہدایت وصداقت پر تھے۔

شرح عقائد میں ہے۔وما وقع بينهم من المحاربات والمنازعات فله محامل وتاويلات۔[577]

لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن على معاوية رضى الله تعالىٰ عنه واحزابه۔[578]

ترجمہ: اسلاف مجتہدین اور علماء اور صالحین میں سے کسی سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گروہ پر لعنت کرنا منقول نہیں ہے۔ ذهب العمرية والواصلية من المعتزلة الى ان الفريقين فاسقان حتى قال واصل بن عطاء لو شهد الجميع على باقة بقل لم اقبل شهادتهم وذهب الخوارج الى ان الفريقين كافران وذهب الروافض الى ان من قاتل عليا فهو كافر وقال اهل السنة كان الحق مع على رضى الله تعالىٰ عنه وان من حاربه مخطى فى الاجتهاد فهو معذور وان كلا من الفريقين عادل صالح ولا يجوز الطعن فى احد منهم للاحاديث مشهورة فى مدح الصحابة والنهى عن سبهم وهذا هو الحق وفماذا بعد الحق الا الضلال۔[579]

ترجمہ: عمریہ اور معتزلہ میں سے واصلیہ کہتے ہیں کہ دونوں گروہ (یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فاسق تھے (نعوذ باللہ) حتی کہ واصل بن عطا نے کہا کہ اگر سب لوگ ان کی پاکدامنی کی گواہی دیں بھی تو میں کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا۔ اور خوارج کہتے ہیں کہ یہ دونوں فریق کافر ہیں اور روافض کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی وہ کافر تھے۔ اور اہل سنت نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور جنہوں نے ان سے جھگڑا کیا وہ اجتہادی طور پر غلطی پر تھے۔ پس وہ

---

[576] الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة ج ۲ ص ۶۰۳ مؤسسة الرسالة - لبنان۔

[577] (شرح العقائد المسمى بالنبراس ص ۵۴۹)

[578] (شرح العقائد المسمى بالنبراس ص ۵۵۰)

[579] (شرح العقائد المسمى بالنبراس ص ۵۰۳)

معذور ہوتے ہیں اور بے شک دونوں فریق عادل وصالح تھے۔ اور دونوں میں سے کسی ایک پر بھی طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مدح وتوصیف اور ان کو گالی نہ دینے کے معاملہ میں احادیث مشہور موجود ہیں اور یہی بات حق وسچ ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

قال النَّبيُّ ﷺ يا أبا هريرةَ إنَّ في جهنَّمَ كِلابًا زرقَ الأعْيُنِ على أعرافِها شَعرٌ كأمثالِ أذنابِ الخيلِ لَو أذِنَ اللَّهُ تبارکَ وتعالى لكلبٍ منها أنَّ يبلعَ السَّماواتِ السبعِ في لُقمةٍ واحدةٍ لهانَ ذلکَ عليهِ يُسلَّطُ يومَ القيامةِ على من لعنَ مُعاويةَ بنَ أبي سُفيانَ۔[580]

آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بے شک جہنم میں نیلی آنکھوں والے کتے ہیں جن کی گردن پر گھوڑوں کی دموں کی طرح بال ہیں اگر اللہ تعالی ان میں سے کسی ایک کتے کو ساتوں آسمان نگلنے کی اجازت عطا فرمائے تو وہ کتا اسکو ایک ہی لقمے (نوالے) میں نگل لے گا یہ کتا قیامت کے دن اس شخص پر مسلط کر دیا جائے گا جو حضرت معاویہ بن بن ابی سفیان رضی اللہ تعالی عنہما کی گستاخی کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

ومن یکن یطعن فی معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فذاک کلب من کلاب الھاویۃ[581]

جو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن طعن کرتا ہے وہ جہنم کے کتوں میں سے ہے۔

بعض جہلاء یا بعض گمراہ زندیق سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی شان بیان کر رہے ہو حالانکہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نام ہی ایسا ہے جو حقارت پر دلالت کر رہا ہے آئیں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مختصر المعانی کو دیکھیں۔ آپ رقم طراز ہیں۔ **اوتعظیم او اھانۃ کمافی القاب الصالحۃ لذلک مثل رکب علی وھرب معاویۃ**۔ اس مثال سے علامہ تفتازانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تلخیص المفتاح کے قول (**اوتعظیم او اھانۃ**) کی وضاحت کی ہے کہ لفظ "علی" مشتق ہے "علو" سے جو عظمت پر دلالت کر رہا ہے جس کا نام ہی حقارت پر دلالت کرے وہ ذیشان کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: **والمتبادر ان المراد بعلی ومعاویۃ صاحبا رسول اللہ ﷺ ولا یخفی مافیہ من سوء الادب فی حق سیدنا معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والجرأۃ علیہ بما لا یلیق بمنصبہ بل لو حملنا علی غیرھما لم یخل من سوء الادب لمافیہ من الایھام کذا فی دسوقی وتجرید۔**

آئیں ذرا لغات کو دیکھیں

---

[580] تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۹ ص ۱۰۱ الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

[581] شرح الشفاء لقاضی عیاض ص ۴۳۰ ج ۳۔ احکام شریعت ص ۱۰۲ حصہ اول۔

(عوی)الْكَلْب وَالذِّئْب وَابْن آوی عواء لوی خطمه ثمَّ صَاح صياحا ممدودا لَيْسَ بنباح فَهُوَ عاو وعواء وَالْقَوْم دعاهم إِلَى الْفِتْنَة وَالشَّيْء عطفه ولواه يُقَال عوی الْحَبل وَالشعر والقوس وَعَن فلَان رد عَنهُ وَكذب مغتابه (عاواهم) صايحهم۔[582]

صحابی رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی کو تم صرف (عوی الْكَلْب) (کتے کی بھونک) سے ماخوذ کر کے کیوں مراد لے رہے ہو؟ کیا تمہیں (عوی الذئب یاعوی ابن أوی یاعوی السبع) نظر نہیں آتا؟ جن میں بہادری کا معنی پایا گیا ہے۔

کیا بھیڑیے کی چنگھاڑ میں، کیا درندے کی چنگھاڑ میں، کیا شیر کی گرج میں بہادری ہے یا نہیں۔ ہاں ہاں! معاویہ کا معنی بہادر بھی ہے معاویہ کا معنی کمزور بھی ہے۔

دونوں معانی کو بیک وقت اعتبار کریں تو أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی تفسیر نظر آئے گی۔ جب (عوی) کا معنی باز رکھنا لیا جائے تو اب مطلب ہوا کہ معاویہ اسے کہا جاتا ہے جو اپنے اجتہاد سے کسی کو غلطی پر دیکھے تو اسے باز رکھنے میں سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اجتہادی خطا ہی کیوں نہ ہو اس پر ثواب تو ہے گناہ نہیں، گرفت نہیں۔

جب "عوی القوس ونحوه" سے معاویہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ کمان اور تلوار کو جھکانے والا یہ بہادری اور صلح دونوں پر دلالت کر رہا ہے کہ جہاں کمان یا تلوار کو لہرانے اور تاننے کی ضرورت پیش آئی وہاں بہادری کا مظاہرہ کیا جہاں صلح کی ضرورت در پیش آئی وہاں کمان یا تلوار کو جھکا دیا۔

جب "عوی الْحَبل وَالشعر" سے لیں تو معاویہ کا معنی بہادر ہو گا کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں جنگوں میں کافروں کی گردن کو موڑ دیا بلکہ توڑ دیا۔

جب "عوی عَن فلَان رد عَنهُ وَكذب مغتابه" سے لیں تو اب معاویہ کا معنی یہ ہو گا کہ وہ فصاحت سے جواب دیتے تھے اگر کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت کرے تو وہ اسے جھٹلا دیتے تھے یہ دونوں معنی بھی بہادر عظمت پر دلالت کر رہے ہیں۔

بغض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اپنی عاقبت خراب نہ کریں

کیا "عاواهم" کا ایک معنی المعجم الوسیط میں "صايحهم" نہیں کیا گیا۔ کیا اردو میں تمہیں اس کا معنی آتا ہے یا نہیں ہاں اگر نہیں آتا تو راقم تمہیں بتاتا ہے اس کا معنی ہے فلاں شخص نے ان لوگوں کو زوردار آواز دی۔

---

[582] المعجم الوسیط ج ۲ ص ۶۳۸۔

اگر میں یوں کہوں "**عاوی الخطیب الناس بخطابه**"(خطیب نے لوگوں کو زوردار آواز سے خطاب کیا) کیااس کا معنی یوں بھی کیا جائے گا خطیب لوگوں کے سامنے کتے کی طرح بھونکا۔

کیاتم عربی زیادہ جانتے ہو یا عرب زیادہ جانتے ہیں

کیااہل لسان نے بغیر سوچے سمجھے یوں ہی نام نہیں رکھ دیے؟ نہیں بلکہ وہ معنی سے باخبر تھے لغت اور گرائمر کے محتاج نہیں۔ عجمی حضرات عربی سیکھتے ہیں گرائمر پڑھتے ہیں لغات دیکھتے ہیں تو پھر کچھ بات سمجھتے ہیں انکا عرب لوگوں پر عربی میں زیادہ ماہر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

آیئے چند نام دیکھئے

"عفان" اگر یہ "عفن" سے لیں تو اس کا معنی ہو گا بدبودار اور معنی ہو گا خراب برباد اور اگر عفو سے اور الف ونون زائد تان مانیں تو معنی ہو گا معاف کرنے والا کوئی شخص تمام عفان نامی لوگوں کو بدبودار یا خراب ہونے والا معنٰی دے گا؟ نہیں یہ عقل ودانش سے دوری کی بات ہے۔

آیئے ذرا ہوش والوں سے پوچھیے وہ کہیں گے عفان کا معنی معاف کرنے والا ہے۔

عتبان

عتبان بن مالک بدری صحابی۔ ان کی شان کے مطابق معنی یہ ہو گا کسی کی غلطی پر سرزنش کرنا خفگی کرنا یا معنٰی یہ ہو گا کسی کو غلطی پر ملامت کرنا لیکن یہ معنی صحابی کی شان کے لائق نہیں ایک پاؤں پر کودنا، تین ٹانگوں پر چلنا، لنگڑا ہونا، ایک دوسرے سے ناز سے گفتگو کرنا، چوکھٹ کو پھلانگ جانا، چوکھٹ پر چمٹے رہنا۔

عابس بن ربیعہ

صحابی ہیں ان کی شان کے مطابق صحیح معنی یہ ہو گا ترش رو ہونا یعنی آپ کافروں کے ساتھ ترش روئی سے درپیش آتے کافر سے بات کرتے تو چیں بہ جبیں ہو کر بات کرتے لیکن صحابی کی شان کے لائق یہ معنی نہیں۔ اونٹ کی دم پر مینگنی کا خشک ہو جانا، میلا ہونا۔

ماعز بن مالک

صحابی ہیں ان کی شان کے مطابق معنی یہ ہو گا "**ماامعز رأیه**" وہ کس قدر مضبوط رائے والا ہے لیکن "**ماعز**" بکری کی کھال کو بھی کہا جاتا ہے کیا کوئی شخص حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بکرا یا بکری کی کھال کہے گا؟ تمہاری عقل کہاں چلی گئی؟

طارق

بن سوید صحابی ہیں صحابی کی شان کے مطابق یہ معنی ہوں گے خاموش ہونا، نیچے سر جھکا کر زمین کی طرف دیکھنا، سر جھکا کر چلنا، ہتھوڑا مارنا یعنی بہادر ہونا سخت گیر ہونا لیکن صحابی کی شان کے لائق یہ معنی نہیں رات کو آنے والا چور، کمزور عقل والا ہونا، ٹیڑھی پنڈلی والا ہونا، تاریک ہونا، اوپر نیچے کپڑے پہننا۔

حمار

ایک صحابی کا نام ہے کیا کوئی شخص یہ کہے گا کہ صحابی کا نام "حمار" تھا اس لئے وہ "معاذاللہ" گدھا تھا نہیں نہیں یہ بالکل غلط ہے ہاں البتہ صحابی کی شان کے لائق دو معانی ہیں۔ "حمر الرجل" غصہ سے بھڑک اٹھا یا حمرة سے لیں جس کا معنی ہے سرخ۔

خدیجہ

رسول اللہ ﷺ کی پہلی زوجہ اور نبی کریم ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے ہیں ان کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ہی ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر اعتراض کرنے والوں سے یوں کہو کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی امی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

خدج

"ض، ن" "خدوجا" چیز کا ناقص ہونا، گھٹیا ہونا۔ "خدج صلاته" بعض ارکانِ نماز میں کمی کرنا، خدجت الناقة اونٹ کا ناتمام بچہ گرانا (المنجد)

آیئے لغت کے ان تمام معانی کو مد نظر رکھیے پھر فیصلہ کیجئے کیا بظاہر لغت کے تمام معانی میں سے کسی ایک معنی کی وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خدیجہ کہا جاسکتا ہے نہیں! نہیں! یقیناً نہیں! کیا آپ کا نام بے معنی ہے کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام کسی عجمی بغیر سوچے سمجھے رکھ دیا ہے جب ایسا نہیں تو یہی کہا جائے گا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام عربیوں نے رکھا مرادی مطلب کو مد نظر رکھا کہ یہ بچی عجز وانکساری کی چلتی پھرتی تصویر ہوگی۔

سودہ

مومنوں کی ماں رسول اللہ ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ کا نام حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں کیا ان کا ساد، یسود، سوادا (ن) سے لیا ہوا ہے جس کا معنی سیاہ ہونا ہے ہے کیا ان کا رنگ سیاہ تھا کیا وہ حبشیہ تھیں کہ ان کا نام ان کے گھر والوں نے سودہ رکھا تھا ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا تو یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام مندرجہ ذیل معنی کی وجہ سے رکھا گیا۔

"ساد، یسود، سیادة، سیدودة، سودا" (ن) شریف ہونا، بزرگ ہونا، (قومہ) قوم کا سردار ہونا، شان وشرافت میں کسی پر غالب ہونا۔ (المنجد)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

ولیسوا کفارا ولا فسقة ولا ظلمة لمالهم من التاویل وان کان باطلا فغایة الامر انهم اخطأ وافی الاجتهاد وذلک لایوجب التفسیق فضلاعن التکفیر ولهذا منع علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحابہ من لعن اهل الشام وقال اخواننا بغوا علینا۔[583]

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی جماعت کے لوگ) نہ کافر تھے اور نہ ہی فاسق تھے اور نہ ہی ظالم تھے اس لئے کہ ان کے پاس کوئی نہ کوئی تاویل یعنی کوئی نہ کوئی وجہ تھی اگرچہ ان کی تاویل باطل تھی لیکن زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کی اجتہادی خطا تھی اجتہادی خطا (پر ثواب ہوتا ہے) سے فسق بھی لازم نہیں آتا چہ جائیکہ کفر لازم آئے اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصحاب کو اہل شام پر لعنت کرنے سے منع فرمادیا تھا کہ وہ ہمارے بھائی ہی تو ہیں جنہوں نے ہم پر زیادتی کر دی۔

نام معاویہ پر معترضین 25 راویوں کے گستاخ ہیں:

احادیث کے راویوں میں پچیس حضرات وہ جن کے اسمائے گرامی معاویہ ہیں ان میں تین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور کچھ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور کچھ جلیل القدر مشائخ حدیث ہیں کیا ان تمام ناموں والے حضرات کے والدین عربی سے بے خبر تھے کیا سب کے نام اس لیے رکھے گئے تھے کہ یہ بڑے ہو کر کتے کی طرح بھونکیں گے (معاذ اللہ) یا انہوں نے اس لئے نام رکھے تھے کہ یہ فصیح ہوں گے بڑے خطیب ہوں گے بڑے بہادر ہوں گے کافروں پر سخت ہوں گے اپنوں پر رحم دل ہوں گے آیئے معاویہ نام والے راویوں کی تفصیل دیکھیے۔

1. معاویہ "بن إسحاق بن طلحہ بن عبید اللہ التیمي أبو الأزهر الکوفي (تابعی)

2. معاویہ بن جاہمہ السلمي (الصحابی)۔

3. معاویہ بن خدیج بن جفنہ ۔ان کی کنیت ابو عبد الرحمن زیادہ ان پر ابو نعیم بضم نون وفتح العین "مصری کندی کا اطلاق ہوتا تھا۔ان کی صحابیت میں اختلاف ہے، مفضل اور ابن حبان نے ان کو صحابی کہا ہے اور ابن اثرم اور حرب نے امام احمد رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ صحابی نہیں تھے۔

4. معاویہ بن خدیج کوفی جعفی۔(پہلے جن کا ذکر کیا وہ مصری، کندی ہیں)

5. معاویہ بن الحکم "بفتح الحاء والکاف" سلمی (صحابی ہیں)

6. معاویہ بن حکیم بن معاویہ النمیری، شامی۔

7. معاویہ بن حیدہ بن معاویہ بن قشیر، قشیری۔

8. معاویہ بن سبرۃ بن حصین السوائی العامری۔

9. معاویہ بن سعید بن شریح بن عروہ التجیبی فہمی۔

---

[583] شرح مقاصد ص ۳۰۵ المبحث السابع اتفق اهل الحق علی وجوب تعظیم الصحابہ۔

10. معاویہ بن یحیی طرابلسی۔(ان کو معاویہ بن یزید کا نام دیا جاسکتا ہے۔)

11. معاویہ بن ابی سفیان۔(فتح مکہ کے دن بلکہ اس سے پہلے اسلام قبول کیا۔ان کی روایات بغیر کسی واسطے کے نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اورام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان جو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بہن ہیں)کے واسطے سے بھی مروی ہیں ۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کے بعد میں خلیفہ بنایا۔رجب المرجب کی چار راتیں رہتی تھیں تو ان کا وصال ہوا۔

12. معاویہ بن سلمہ بن سلیمان نصری۔(ان کی کنیت ابو سلمہ تھی دمشق میں بسیرا تھا کوفی کہلاتے تھے۔)

13. معاویہ بن سلام بن ابی سلام۔

14. معاویہ بن صالح بن حدیر بن سعید بن سعد بن فہر الحضرمی۔

15. معاویہ بن صالح بن الوزیر۔(ان کا نام معاویہ بن عبید اللہ بن یسار اشعری)

16. معاویہ بن عبد الکریم ثقفی۔

17. معاویہ بن عمار بن ابی معاویہ الدہنی البجلی الکوفی۔

18. معاویہ بن عمرو بن المہلب بن عمرو بن وشبیب الازدی المعنی الکوفی ابو عمر البغدادی۔

19. معاویہ بن عمرو ابو المہلب الجرمی۔(ان کی کنیت ابو نوفل بن ابی عقرب)

20. معاویہ بن غلاب۔(ان کی کنیت ابن عمر)۔

21. معاویہ بن قرۃ بن اباس المزنی۔

22. معاویہ بن ابی مزود۔

23.، معاویہ بن ہشام القصار الازدی۔

24. معاویہ بن یحیی صدفی۔

25. معاویہ بن یحیی دمشقی۔[584]

---

[584] الماخوذ من تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی۔نجوم التحقیق ص ۱۴۷۔

بغض عرب بغض مصطفےٰ ﷺ ہے

عن سلمان الفارسي رضی اللہ تعالیٰ عنه یا سلمانُ، لاتُبغِضْني فتُفارِقَ دینَک، قلتُ: یا رسولَ اللہِ، کیف أُبغِضُک! وبک ھدانا اللہ، قال: تُبغِضُ العربَ فتُبغِضُني[585].

حدیث پاک کا نتیجہ واضح ہے

کہ عرب سے مراد مسلمان صحیح العقیدہ حضرات ہی ہیں ، کفار مراد نہیں ہوسکتے تو پتہ چلا کہ تمام عرب صحابہ کرام میں سے کسی ایک سے بغض رکھنا در حقیقت امام الانبیاء ﷺ سے بغض رکھنا ہے اور نبی کریم ﷺ سے بغض رکھنا دین سے پھر جانا اور بے ایمان ہونا ہے۔

وَالْحَاصِلُ أَنَّ بُغْضَ الْعَرَبِ قَدْيَصِيرُ سَبَبًا لِبُغْضِ سَيِّدِ الْخَلْقِ، فَالْحَذَرَ الْحَذَرَ كَيْلَايَقَعَ فِي الْخَطَرِ.[586]

وہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جن کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ تم لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدگمانی سے بچو کیونکہ وہ ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور روز مرہ صحابیت میں بڑی فضیلت رکھتے ہیں۔ خبردار ان کی بدگوئی میں پڑ کر گناہ کے مرتکب نہ ہونا۔[587]

وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے متعلق امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنا ایسا ہے جیسا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہنا۔[588]

حضرت سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احادیث کثیرہ کتب احادیث میں مروی ہیں یہ چند احادیث ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں ۔اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو شیخ الامام العارف باللہ العلامۃ مولانا عبد العزیز بن احمد بن حامد الفرہاروی مؤلف النبراس شرح شرح العقائد للعلامۃ التفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "**الناھیة عن طعن امیر المومنین معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنه**" کا مطالعہ کرے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنا در حقیقت حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنا ہے اور یہ کفر ہے ۔اور یہ آدمی واجب القتل ہے۔ **کمافی خلاصة الفتاویٰ من شتم النبی ﷺ او اھانه او عابه فی امور دینه او فی شخصه او فی وصف من اوصاف ذاته سواء کان الشاتم من امته او غیرھا وسواء کان من اھل الکتاب او غیرہ ذمّیا کان او حربیا وسواء کان الشتم او الاھانة او العیب صادرًا عنه عمدًا او سھوًا او غفلة او جدًا او ھزلاً فقد کفر خلودًا بحیث ان تاب لم تقبل توبته ابدًا لا عند اللہ ولا عند الناس وحکمه فی الشریعة**

---

[585] الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٣٩٢٧ • ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، تخريج مشكاة المصابيح ٥/٣٨٢ • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج سير أعلام النبلاء ١/٥٣٩ • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج المسند ٣١/٢٣٧ •

[586] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۶۶ ۔نجوم التحقیق لمحقق اہلسنت شیخ الحدیث علامہ قاضی عبد الرزاق مدظلہ العالی ص ۳۳۴۔

[587] ازالۃ الخفاء ص ۱۱۳ ج ۱۔

[588] صواعق المحرقۃ ص ۱۵۵۔

المطهرة عند المتأخرين المجتهدين اجماعاً وعند اكثر المتقدمين القتل قطعاً ولا يداهن السلطان ونائبه في حكم قتله۔[589] عن عبد الله بن مغفل: اللهَ اللهَ في أصحابي، لا تَتَّخِذُوهم غَرَضًا بَعدي، فمَن أَحَبَّهُم فبِحُبِّي أَحَبَّهُم، ومَن أَبغَضَهُم فبِبُغضي أَبغَضَهُم، ومَن آذاهُم فقد آذاني، ومَن آذاني فقد آذى اللهَ، ومَن آذى اللهَ فيُوشِكُ اللهُ أنْ يأخُذَه[590].

وہ آدمی حلال نہیں بلکہ حرامی ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ: من طعن فی علماء الامة لا یلو من الا امه۔[591]

وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ; فَهُوَ مِنَ الْعُدُولِ الْفُضَلَاءِ، وَالصَّحَابَةِ الْأَخْيَارِ، وَالْحُرُوبُ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمْ كَانَتْ لِكُلِّ طَائِفَةٍ شُبْهَةٌ اعْتَقَدَتْ تَصْوِيبَ أَنْفُسِهَا بِسَبَبِهَا، وَكُلُّهُمْ مُتَأَوِّلُونَ فِي حُرُوبِهَا، وَلَمْ يَخْرُجْ بِذَلِكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ مِنَ الْعَدَالَةِ; لِأَنَّهُمْ مُجْتَهِدُونَ اخْتَلَفُوا فِي مَسَائِلَ، كَمَا اخْتَلَفَ الْمُجْتَهِدُونَ بَعْدَهُمْ فِي مَسَائِلَ، وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذَلِكَ نَقْصُ أَحَدٍ مِنْهُمْ.[592]

ومن شدة حبه ما ذكره القاضي عياض رحمه الله في الشفاء وَبَلَغ مُعَاوِيَة أنّ كَابِس بن رَبِيعَة يُشْبِه بِرَسُول اللَّه صَلَّى اللَّه عَلَيْه وَسَلَّم فَلَمّا دَخَل عَلَيْه من بَاب الدّار قَام عَن سَرِيرِه وَتَلَقّاه وَقَبَّل بَيْن عَيْنَيْه وَأَقْطَعَه الْمزْعَاب لِشَبَهِه صُورَة رسول الله صلى الله عليه وسلم*[593]

بغض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل سے نکالنا

حضرت مولانا ہاشمی کشمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک جوان طالب علم سادات کرام میں سے میرا دوست تھا اس نے بیان کیا کہ میں ایک شب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا مطالعہ کر رہا تھا اس میں آپ قدس سرہ کے ایک جملے پر نظر پڑی کہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنا حضرات شیخین (صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو برا کہنے کے برابر جانتے تھے اور جو حد (سزا) شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے برا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے وہی حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے۔

چونکہ میرے دل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے کینہ تھا اس لئے میں اس تحریر کو دیکھ کر بہت آزردہ ہوا اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات کو زمین پر پھینک کر سو گیا رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ غصہ کی حالت میں تشریف لائے اور میرے دونوں کانوں کو پکڑ کر فرما رہے ہیں۔ اے طفل نادان! تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور اسے زمین پر پٹختا ہے اگر تجھے میری تحریر کا اعتبار نہیں ہے تو میں تجھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لے چلتا ہوں آپ اسی طرح مجھے کشاں کشاں ایک باغ میں لے گئے اور اس کے ایک گوشے میں مجھے بٹھا دیا اس باغ میں ایک عالیشان عمارت تھی جس میں ایک بزرگ تشریف فرما تھے آپ اندر تشریف لے گئے اور نہایت ادب سے سلام کیا انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور ملاقات فرمائی پھر آپ ان بزرگ کے سامنے دو زانوں بیٹھ گئے اور کچھ گفتگو فرمائی

---

[589] (خلاصة الفتاویٰ، الفاظ الکفر ص ۵۲۲، ج ۴، وتمهید ابی الشکور السالمی ثم تذکرة الابرار وفتاویٰ مالابد منه ص ۱۵۷ وجامع الرموز ج ۴ ص ۵۵۳، وفیروزیه)

[590] البخاري (٢٥٦هـ)، الضعفاء الكبير ٢/٢٧٢ •في إسناده نظر• أخرجه الترمذي (٣٨٦٢)، وأحمد (٢٠٥٦٨) باختلاف يسير، والعقيلي في «الضعفاء الكبير» (٢/٢٧٢)

[591] (تکمله حاشیه ابن عابدین ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعه بیروت، هدایة الابرار ص ۱۲۴، جامع الرموز ج ۲ کتاب الشهادة ص ۴۸۹، فتاوی النقشبندیة المعروف به فتاویٰ السیفیة)

[592] مرقاة ج ۱ ص ۴۷۲۔

[593] الشفا بتعریف حقوق المصطفی - مذیلا بالحاشیة المسماة مزیل الخفاء عن ألفاظ الشفاء ج ۲ ص ۵۱۔

آپ اور وہ بزرگ دور سے میری طرف دیکھتے اور کچھ اشارات کرتے تھے اس کے بعد آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں سنو کیا فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا خبر دار ہر گز ہر گز اصحاب رسول رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے ساتھ کبھی کینہ نہ رکھنا اور بزرگوں کی ملامت میں ایک حرف بھی زبان پر نہ لانا اس بات کو ہم اور ہمارے بھائی ہی جانتے ہیں کہ نیک نیتوں کے ساتھ ہماری منازعت واقع ہوئی تھی پھر حضرت مجدد پاک کا نام لے کر فرمایا کہ ان کے کلام کا بھی انکار نہ کرنا... شخص مذکور بیان کرتا ہے کہ باوجود اس نصیحت کے میرا دل کدورت سے پاک نہ ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ قدس سرہ کو حکم دیا کہ اس کا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا ہے اور تھپڑ مارنے کا اشارہ فرمایا آپ نے زور سے تھپڑ میری گدی پر مارا تب میں نے اپنے دل کو اس کدورت سے پاک وصاف پایا اور اس جواب وخطاب کی لذت آج تک میرے دل میں موجود ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ صاحب کے معارف کے ساتھ اعتقاد بہت زیادہ ہو گیا ہے۔[594]

الحاصل تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مغفور و جنتی ہیں اور اس میں شک کرنے والا پکا رافضی ہے۔ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (الحدید ۱۰)

"تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتحِ مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنّت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔"

وفی تفسیر الجلالین {وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى} الْجَنَّة۔

مہاجرین وانصار کے جنتی ہونے پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبة ۱۰۰)

"اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔"

مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بہت بڑے اجر کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (النحل ۴۱)

"اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے مظلوم ہو کر ضرور ہم انہیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور بیشک آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کسی طرح لوگ جانتے۔"

---

[594] زبدۃ المقامات۔ البینات شرح مکتوبات ابو البیان محمد سعید احمد مجددی ص ۵۳۲-۵۳۳۔

مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بڑی کامیابی:

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (التوبة ۲۰)

"وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال جان سے اللہ کی راہ میں لڑے اللہ کے یہاں ان کا درجہ بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے۔"

صحابہ کرام کی مغفرت اور اجر عظیم کا رب تعالیٰ کی طرف سے وعدہ:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (الفتح ۲۹)

"محمّد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔"

وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد الصادق الامین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی ازواجہ امہات المؤمنین وذریتہ واھل بیتہ الطیبین الطاھرین والتابعین لھم باحسان الی یوم الدین وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

(اعلم[595]) اس بات کو جان لو کہ کلمہ اعلم امورِ ثلاثہ میں سے ایک امر کے لئے ذکر کیا جاتا ہے: اول غافل کو سوال کی وجہ سے بیدار کرنے کے لئے۔ دوم غافل کو جواب کی وجہ سے بیدار کرنے کے لئے اور سوم غافل کو تفصیل کے ساتھ بیدار کرنے کے لئے۔ اور یہاں کلمہ اعلم تیسرے امر کے لئے ذکر ہوا ہے۔ (بان العبد[596]) بتحقیق جو بندہ ہے (مبتلی) ابتلا (آزمائش) میں ہے۔ یہ قول شارح علیہ الرحمہ کا ہے کہ **ای المکلف**۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ **فان قیل عبد** (بندہ) اس عبد کا اسم ہے جس میں متعدد کام جاری ہوتے ہیں مثال کے طور پر فروخت کرنا، ہبہ کرنا، صدقہ کرنا، اجارہ کرنا، مکاتب کرنا، ام ولد کرنا اور آزاد کرنا، اور عبد سے مملوک مراد لینے میں

---

[595] اعلم جان لو کلمۃ امر یذکر لایقاظ الغافلین "اعلم لغت میں دانستن را گویند وفی الشرع خطاب عام لکل یقرء او یسمع وقیل ھی کلمۃ تذکر فی اول الکلام لایقاظ الغافلین وقیل ھی کلمۃ تذکر لاستحضار ماسبق وانتظار ماسیاتی فان قیل لم قال المصنف اعلم ولم یقل اعرف قلنا ان کلمۃ اعلم یستعمل فی الکلیات والجزئیات جمیعا وکلمۃ اعرف یستعمل فی الجزئیات فقط فان قیل ان کلمۃ اعلم خطاب وفی الخطاب لابد من المخاطب وھو لیس بموجود قلنا ان الخطاب علی نوعین خطاب عام وخطاب خاص فحضور المخاطب شرط الخطاب الخاص دون خطاب العام وکلمۃ اعلم خطاب عام فلایرد الاشکال اصلا"۔

[596] قولہ بان العبد مبتلیٰ العبد اسم لمملوک خاص من جنس العقلاء فیتناول الصبیا والمجنون لانھما من جنس العقلاء لکن المراد ھھنا المکلف ھو الانسان البالغ العاقل اذا الصبی لقصور اھلیتہ والمجنون لعدم اھلیتہ غیر مبتلیٰ۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے معنی میں فساد لازم ہوتا ہے کہ اکیلا مملوک مامور ہو گا نہ کہ آزاد جبکہ حکم ایسا نہیں لہذا شارح علیہ الرحمہ نے اپنے اس قول سے جواب دیا کہ ای المکلف۔ حاصل جواب یہ ہے کہ عبد سے مراد عاقل و بالغ ہے، چاہے حُر یعنی آزاد ہو یا مملوک یعنی غلام، لفظِ مکلف کی وجہ سے صبی (بچہ) اور دیوانہ اس بحث سے خارج ہوں گے۔ بچہ اس لئے کہ وہ نابالغ ہوتا ہے اور دیوانہ اس لئے کہ اس میں عقل ہی نہیں ہوتی۔ اور ابتلا لغت میں امر کو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: واذ ابتلی ابراھیم ربہ ای امر ربہ فان قیل۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی ابتلا میں کی کیا حکمت تھی، قلنا: اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا اظہارِ سماحت، سخاوت اور اخلاص کو جانچا جائے (وبین) اور اس بات کے درمیان (ان یطیع اللہ تعالیٰ) بندہ اس آزمائش میں ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت کرتا ہے اور منہیاتِ خداوندی سے اجتناب کرتا ہے (فیثاب) تو ثواب دیا جاتا ہے، یہ شارح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ای لابتغاء مرضاتہ، جوابِ سوال ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ اطاعت صرف مجردِ عبادت سے ہو گی، ایک ہی بات ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو یا بغیر اخلاص کے، یعنی اگر بغیر اخلاص کے ہو تب بھی ثواب دیا جائے گا، والامر لیس کذلک، یعنی امر ایسے نہیں ہے کیونکہ بغیر اخلاص اطاعت ثابت نہیں ہوتی، فاجاب شارح بقولہ، تو شارح نے اس قول کے ساتھ جواب دیا کہ، لابتغاء مرضاتہ، حاصل جواب یہ ہے کہ ثواب اخلاص کی وجہ سے پایا جاتا ہے نہ کہ مجرد عبادت سے سمعۃ و ریاء۔ پس اطاعت کی دو اقسام ہیں، ایک اطاعت بالقلب جو کہ وقتِ بلوغ سے لے کر موت تک فرضیت اور حِل و حرمت پر نصوصِ قاطعہ کے ساتھ حقیقت ما اراد اللہ پر اعتقاد ہے اور دوسری اطاعت بالجوارح ہے، جو جوارح پر اداء عبادت ہے۔ (وبین ان یعصیہ) اور بندہ اس آزمائش میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عدمِ اتیان ہے، اور منہیاتِ خداوند تعالیٰ سے عدمِ اجتناب ہے (فیعاقب) تو مستحقِ عذاب ہو گا قولہ ای مستحق العذاب، شارح علیہ الرحمۃ کا ہے، یہ جوابِ سوال ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ فان قیل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ فیعاقب عذاب کے یقینی ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور امر ایسے نہیں یعنی یقینی عذاب صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ شرک سے متعلق ہے، جیسا کہ یہ قولِ خداوندی ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا (النساء ۴۸) (بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اُس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا) فاجاب الشارح علیہ الرحمۃ بقولہ یستحق العذاب ان شاء اللہ تعالیٰ یعذبہ و ان شاء یغفر لہ، حاصل الجواب ان المراد بقول المصنف علیہ الرحمۃ فیعاقب استحقاق العذاب سے عذاب قطعاً یقیناً۔ پس عصیان کی بھی دو اقسام ہیں، ایک عصیان بالقلب، جو نصوصِ قاطعہ کے ساتھ حقیقت ما اراد اللہ پر عدمِ اعتقاد ہے اور احکامِ شریعت کے ساتھ حل و حرمت پر عذاب دیا جاتا ہے، لا محالۃ (یقیناً) اور دوسرا عصیان بالجوارح جو سلامتی آلات اور صحتِ اسباب کے ہوتے ہوئے عبادات کا ترک ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اس عصیان پر عذاب متعلق ہے، (ابتلاء) اور بندے کا مامور آزمائش میں ہونا (یتعلق بالمشروع) عمل مشروع سے متعلق ہوتا ہے، ای بالفرض و الواجب و السنۃ الھدیٰ دون المستحبات لعدم العقاب بترک المستحب تو ترک کرنے پر عدمِ عقاب کی وجہ سے مستحب مشروعات سے خارج ہو گیا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ نکرہ جب معاد ہو معرفہ یا معرفہ معاد ہو جائے معرفہ تو ثانی عینِ اولی ہوتا ہے، تو

ابتلا اول نکرہ تھا، ثانیا معاد ہوا معرفہ، ابتلاء اول مباح میں تھا مستحب میں نہیں تھا، اس طرح دوسرا بھی (وغیر المشروع) اور مامور ہونا غیر مشروع کے ساتھ متعلق ہے، ای المفسد والحرام والمکروہ دون المباحات لعدم العقاب والثواب بالترک والفعل فخرج المباح عن غیر المشروعات بالنظر الی عدم الثواب بالفعل، (فعلاً) بحیثیتِ فعل، (وترکاً) اور بحیثیت ترک کرنے کے یہ عبارت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، فعلاً وترکاً لُف ونشر کے طریقے پر ہے لہذا فعل مشروعات کی طرف راجع ہوا اور ترکِ غیر مشروعات ک طرف، پس لُف و نشر تین اقسام کی ہیں، ایک مرتب ہے اور دوسری غیر مرتب ہے، اور تیسری مشوش ہے۔ اول میں ترتیب کے ساتھ اول سے آخر تک نشر ہوتا ہے، دوسرے میں عکس پر نشر ہوتا ہے، اور تیسری قسم میں بعض عکس پر نشر ہوتا ہے اور بعض میں ترتیب کے ساتھ، اور مشروعات سے مراد فرض، واجب اور سنتِ موکدہ ہے نہ کہ مستحب، اور غیر مشروعات سے مراد حرام، مفسد اور مکروہ ہے نہ کہ مباح۔ کیونکہ مشروع وہ چیز ہے جس کا وجود مقصود ہو اور مستحب ترک کرنے سے عدمِ تعذیب کی وجہ سے مشروعات میں داخل نہ ہوا اور غیر مشروع وہ چیز ہے جس کا عدمِ وجود مقصود ہو، لہذا مباح مطلوب الوجود نہ ہونے کی وجہ سے غیر مشروع میں داخل نہ ہوا، تو جب مشروع اور غیر مشروع کے ساتھ ابتلاء بندے کے ساتھ متعلق ہو تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ: فلا بد من بیان انواع المشروعات وغیر المشروعات پس مشروعات اور غیر مشروعات کی اقسام بیان کرنا ضروری ہے وبیان معانیھا اور مشروع اور غیر مشروع کی اقسام کی لغوی اور شرعی معنی بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ واحکامھا اور مشروعات اور غیر مشروعات کے احکام یعنی آثار مرتبہ بیان کرنا بھی ضروری ہے فان قیل۔ مشروعات کو غیر مشروعات سے کیوں مقدم کیا گیا، قلنا مشروع مقصود ہے اور غیر مشروع مقصود نہیں اور مقصود غیر مقصود سے مقدم ہوتا ہے۔ لیسھل تاکہ آسان ہو علی الطالب طالب علم کے لئے درکھا مسائل کو تلاش کرنا وضبطھا اور مسائل کو حفظ کرنا (طالبِ کے لئے آسان ہو) فان قیل کہ درک کو ضبط سے مقدم کیوں کیا گیا؟ قلنا درک طبعاً ضبط سے مقدم ہے لہذا وضعاً بھی درک کو ضبط سے مقدم کیا، تاکہ طبع کی وضع کے ساتھ موافقت ہو جائے کیونکہ ضبط درک کا نتیجہ ہے اور ضبط بغیر درک کے محال ہے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔ پس ہم کہتے ہیں کہ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (المشروع انواع اربعۃ) مشروع کی چار اقسام ہیں فان قیل مصنف علیہ الرحمۃ نے ابوزید رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں مخالفت کی اس لئے کہ انہوں نے اسرار میں کہا ہے المشروع نوعان حرام وغیر حرام جب کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ المشروع انواع اربعۃ وغیر المشروع نوعان حرام ومکروہ، قلنا ابوزید رحمۃ اللہ علیہ نے ثبوتِ نفس کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ جس طرح غیر حرام کا ثبوت شرع سے ہے، اسی طرح حرام کا ثبوت بھی شرع سے ثابت ہے جبکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عاقبتِ حسنہ اور ضمیمہ کو فوقیت دی ہے، اور مشروعات کے لئے عقیبتِ حسنہ ہے اور غیر مشروعات کے لئے عقیبتِ ضمیمہ لہذا دونوں صاحبین علیہ الرحمۃ کی بات درست ہوئی، فان قیل۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ مشروعات کی اقسام چار سے نہ زیادہ ہوئیں نہ کم، قلنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشروع اس بات سے خالی نہیں ہوگا کہ مشروع اول یعنی فرض یا قطعی ہوگا یا قطعی نہ ہوگا اور یا تو اس کا منکر فاسق ہوگا یا فاسق نہ ہوگا، اور مشروعِ ثانی یعنی واجب کا تارک یا تو ملامت کے لائق ہوگا یا ملامت کے لائق نہ ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر مشروع کی دلیل یا تو قطعی ہوگی یا نہیں ہوگی اول فرض ثانی خالی نہ ہوگا، تو ظنی الاصل قطعی الفرع ہوگا یا نہ ہوگا، اول واجب ثانی خالی نہ ہوگا، یا تو حضور اکرم ﷺ نے بطریقہ عبادت اس پر ایک یا دو بار مواظبت کی

ہو گی یا نہ کی ہو گی، اول سنت ثانی مستحب اور مصنف علیہ الرحمۃ نے انواع الربعۃ کہا اور اربعۃ انواع نہیں کہا کیونکہ انواع عدد مبہم ہے جبکہ اربعۃ عدد مفسرہ ہے اور عدد مفسرہ عدد مبہم سے طبعاً موئخر ہوتا ہے۔ لہذا وضع میں بھی اس کو موئخر کیا تاکہ وضع کے طبع کے ساتھ موافقت ہو جائے۔ (فرض و واجب و سنۃ و مستحب)۔ یہ اربعۃ کا بدلِ کل ہے۔ فرض کو قوی ہونے کی وجہ سے واجب سے مقدم رکھا اور واجب کو بوجہ قوت سنت سے مقدم رکھا اور سنت کو بوجہ قوت مستحب سے مقدم رکھا پس بدل کی دو اقسام ہیں ایک بدلِ کل اور دوسری بدلِ بعض۔ ویلیھا المباح۔ اور مباح مشروع کے نزدیک ہے فان قیل اس کی کیا وجہ ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ویلیھا المباح کہا اور انواع خمسۃ نہیں کہا، قلنا مشروع اسے کہتے ہیں جس کے لئے عاقبتِ محمودہ ہو اور اس کا فاعل ماجور ہو تو مباح اس وجہ سے مشروع میں داخل ہے کہ مباح کے لئے عاقبت محمودہ ہے نہ کہ عاقبتِ مذمومہ۔ اور مباح مشروع سے اس وجہ سے خارج ہے کہ اس کا فاعل ماجور نہیں یعنی اس سے اجر نہیں دیا جاتا تو اس وجہ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے المشروع انواع خمسۃ کے بجائے ویلیھا المباح کہا کیونکہ مباح کا فاعل نہ تو حمد کا مستحق ہے اور نہ ذم یعنی برائی کا۔ جب مصنف رحمۃ اللہ علیہ مشروع کے بیان سے من کل وجوہ اور مشروع من وجہ سے فارغ ہوا تو انواع غیر مشروع کے بیان کو شروع کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا: وغیر المشروع نوعان۔ غیر مشروع یعنی ناجائز کی دو اقسام ہیں غیر مشروع اسے کہا جاتا ہے جس کا شارع کو عدمِ فعل مقصود ہو نہ کہ وجودِ فعل۔ یہ قول مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے: محرم و مکروہ۔ غیر مشروع کی اقسام میں سے ایک حرام ہے اور دوسرا مکروہ، یہ غیر مشروع سے دخولِ مفسد کی وجہ سے بدلِ بعض ہے، حرام اسے کہا جاتا ہے جس کے لئے قطعاً اور یقیناً عاقبت مذمومہ ہو کیونکہ حرام شرعاً تین دلیلوں میں سے دلیلِ قطعی کے ساتھ ممنوع ہے اور مکروہ اسے کہا جاتا ہے جس کا ترک کرنا اتیان کی نسبت شرعاً اولی ہو۔ ویتلوھما المفسد اور مفسد حرام و مکروہ دونوں کے تابع ہے للعمل المشروع فیہ اس عمل کے لئے جو شروع کیا گیا ہو، تو مفسد غیر مشروع کی تیسری قسم ہوئی اور یہ مکروہ اور حرام سے سخت حرام ہے، اس لئے کہ حرام و مکروہ کی حرمت و کراہیت فسادِ عمل لازم نہیں کرتے جبکہ مفسد فسادِ عمل لازم کرتا ہے اس لئے یہ حرام اور مکروہ سے اشد ہوا۔ فالکل ثمانیۃ انواع پس مشروع و غیر مشروع کے سب آٹھ اقسام ہوئیں، پانچ مشروع اور تین غیر مشروع کی، اور اسرار میں ابوزید رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے مطابق حرام اسے کہا جاتا ہے جس میں ہر ایک کی حل و حرمت شرع کے ساتھ ثابت ہو تو حرام اس معنی کے ساتھ مشروعات میں شامل ہے جب مصنف رحمۃ اللہ علیہ مشروعات و غیر مشروعات کی اقسام کے بیان کرنے سے فارغ ہوا تو احکام مشروعات و غیر مشروعات اور ان کے معانی بیان کرنے کا ارادہ کیا اس لئے فرمایا ہے: (اما الفرض فما ثبت بدلیل قطعی) فرض جو ہے وہ دلیلِ قطعی سے ثابت ہے، فرض لغت میں قطع اور تقدیر کو کہا جاتا ہے اور شرع میں اس عمل کو فرض کہا جاتا ہے جو دلیلِ قطعی یعنی کتاب اللہ، سنت متواترہ اور اجماعِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صریحاً ثابت ہو۔ لا شبھۃ فیہ اس دلیل میں تاویل، تخصیص و حدۃ کا کوئی شبہ نہ ہو، مثلاً کتاب اللہ اور عام غیر مخصوص البعض الاخرین۔ و حکمہ اور فرض کا حکم یہ ہے کہ الثواب بالفعل۔ فرض پر فعل یعنی عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے، خالصتاً للہ نہ کہ سمعۃ و ریاء یعنی شہرت اور دکھلاوے کے لئے۔ یعنی اگر کسی آدمی نے شہرت یا ریا کے لئے نماز پڑھی تو اس کے لئے آخرت میں اجر نہیں ہو گا، بلکہ گناہگار ہو گا اور ثواب کے حق میں وہ نماز کی ذمہ داری سے فارغ ہو گا اور عدمِ ثواب میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ

علیہ کے مذہب میں صلوۃ کلاصلوۃ ہو یعنی نماز کو دوبارہ پڑھے گا۔ **والعقاب بالترک** اور فرض کے ترک پر استحقاقِ عذاب ہے، **بلاعذر** بغیر عذر کے شرعا اور ترک نماز میں عذر کی شرعی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور چہرے اور سر پر زخم ہوں کیونکہ ایک روایت کے مطابق وضو ساقط ہونے سے نماز کا ساقط ہونا لازم آتا ہے، اور دوسری روایت کے مطابق وضو کے ساقط ہونے سے نماز کا ساقط ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ وضو تبع ہے اور نماز اصل اور سقوطِ تبع سے اصل ساقط نہیں ہوتا، تو رکوع اور سجدہ کے لئے بغیر وضو کے اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے گا یا جیسے اپنے نفس (جان) پر ڈرنے والے کے لئے امر بالمعروف کا ترک ہوا۔ (**والکفر بالانکار فی المتفق علیہ**) اور فرض اتفاقیہ سے انکار کرنے سے کفر لازم آتا ہے، جیسے پانچ نمازیں، زکوۃ، مجملہ، نماز جنازہ اور تواترِ قراٰن اور قیدِ متفق علیہ کی وجہ سے فرضِ اختلافیہ سے احتراز ہوا۔ جیسے مسح ناصیہ یعنی پیشانی کا مسح، اور وضو میں کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا کیونکہ ان سے انکار پر کفر لازم نہیں ہوتا اگرچہ یہ نصِ قطعی کے ساتھ ثابت ہے، اس وجہ سے کہ حکم بیان کے بعد نص کی طرف مضاف ہوتا ہے نہ کہ خبرِ واحد کی طرف۔ لیکن مقدار میں اختلاف کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا کیونکہ متنازع کے لئے یہ حق ہے کہ وہ کہے کہ میں بیان کے بعد قطعیت کو نہیں مانتا کیونکہ یہ بیان آحاد نہیں۔ (**والواجب ماثبت بدلیل**) اور واجب وہ فعل ہے جو دلیل کے ساتھ ثابت ہو، واجب لغت میں وجبت سے مشتق ہے۔ وجبت سقوط (گرنے) کو کہا جاتا ہے اور واجب بھی فرض کے مرتبہ سے ساقط ہوتا ہے۔ (**فیہ شبھۃ**) اس دلیل میں شبہ ہو جیسے مؤول اور عام مخصوص البعض ہے اور خبرِ واحد، قیاس اور اجماع بطریقہ آحاد کے منقول ہے۔ پس واجب کے دو اقسام ہیں، ایک قسم قوتِ فرض میں ہے جیسے وتر اور قعدہ آخیرہ ہے لانہ فرض ظنی اور اس کی فرضیت نسیان کی وجہ سے فرضِ اصلی نہیں ہے۔ دوسری قسم مرکز اور محلِ فرض میں ہے جیسے فاتحہ اور ضم سورت۔ لہذا پہلے قسم کے لئے ثواب، عذاب اور فساد میں فرض کا حکم ہے نہ کہ اعتقاد میں، اور دوسری قسم کے لئے ثواب اور عذاب میں فرض کا حکم ہے نہ کہ فساد اور اعتقاد میں۔ (**وحکمہ کحکم الفرض عملا لا اعتقاداً**) اور واجب کا حکم عمل میں فرض کے حکم کی طرح ہے، نہ کہ اعتقاد میں۔ **ای فی نفس الثواب والعقاب دون المقدار جواب سوال تقدیر لما کان حکم الواجب کحکم الفرض عملاً لا اعتقاداً فینبغی ان یکون کلاھما فی الثواب والعقاب سواء والامر لیس کذلک فاجاب الشارح بقولہ ای نفس الثواب لا فی المقدار حاصل جواب ان حکم الواجب کحکم الفرض فی نفس ثبوت الثواب والعقاب لا المساواۃ فی المقدار فان عذاب ترک الفرض فوق عذاب ترک الواجب وثواب الفرض فوق ثواب الواجب۔** یہ قول مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا عملاً لا اعتقاداً جواب سوال ہے تقدیر اس کی یہ ہے: جب حکم واجب بمثل فرض ہو گیا تو چاہیئے کہ واجب سے منکر کافر ہو جائے اور اس کی نماز بھی واجب کے ترک کرنے سے فاسد ہو جائے، جیسے صبح کی نماز کا فاسد ہونا وتر یاد آنے سے یا قعدہ اخیرہ رہ جانے سے جبکہ ایسا حکم نہیں ہے۔ تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کے ساتھ جواب دیا کہ عملاً لا اعتقاداً حاصل جواب یہ ہے کہ واجب کا حکم عمل میں فرض کے حکم کی طرح ہے، نہ کہ اعتقاد میں اور فساد صلوۃ اعمال میں سے ہے لیکن واجب دو قسم کے ہیں ایک قسم قوتِ فرض میں ہے اور دوسری قسم محلِ فرض میں ہے اور فساد نماز میں فرض کے ساتھ پہلی قسم شریک ہے نہ کہ دوسری قسم کیونکہ دوسری قسم فرض کی مکمِّل ہے اور اگر دوسری قسم کے ساتھ فسادِ نماز لازم ہو جائے تو پھر مکمِّل اور مکمَّل کے درمیان مساوات لازم ہو جائے گی اور یہ مساوات باطل ہے۔ جب حکم واجب حکمِ فرض کے مانند

ہو، عمل میں نہ کہ اعتقاد میں۔ (حتیٰ لا یکفر جاحدہ) تو فائدہ یہ ہوا کہ واجب کا منکر کافر نہیں ہوتا بلکہ فاسق ہوتا ہے اور وہ حکم جو بیان ہو چکا ہے فروعات میں جیسے موزے پر مسح کا منکر اس پر کفر کا ڈر ہوتا ہے یہ تہدید اور تخویف پر حمل ہے۔

(والسنة) اور سنت جو ہے لغت میں مطلق طریقے کو کہا جاتا ہے اچھی ہو یا بری، جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ». رَوَاهُ مُسلم۔[597] اور شرع میں سنت ما واظب علیه النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم وہ فعل ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے بطریقہ عبادت مداومت یعنی ہمیشگی کی ہو۔ (مع ترکه مرة او مرتین) باوجود اس کے کہ حضور ﷺ نے اسے ساری عمر میں ایک یا دو مرتبہ ترک کیا ہو اور اگر ترک تین بار ہو یا ہمیشگی بطریقہ عادت ہو اور ساری عمر میں ترک کرنا موجود نہ ہو تو اسے مستحب کہا جاتا ہے۔ اور اگر ہمیشگی یعنی دوام بطریقہ عبادت ہو اور ساری عمر میں ترک کرنا موجود نہ ہو تو اسے واجب کہا جاتا ہے۔ فان قیل یہ تعریف رمضان کے آخری دس روزوں میں اعتکاف پر منقوض ہو گی۔ کیونکہ اعتکاف پر حضور ﷺ نے بطریقہ عبادت بغیر ترک کرنے کی ہمیشگی کی ہے پھر بھی اعتکاف سنت ہے واجب نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ قلنا اگرچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے خود اعتکاف پر دوام کیا ہے لیکن تارک پر ترکِ اعتکاف کا انکار نہیں اور آنحضرت ﷺ کا عدمِ انکار اعتکاف کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور سنت سے مراد مطلق سنت ہے، چاہے سنتِ ھُدیٰ یعنی سنتِ موکدہ ہو یا زوائد اور مداومت سے مراد عام ہے، چاہے عبادت کے ساتھ ہو یا عادت کے ساتھ۔ تو اس قول میں فائدہ حاصل ہوا والعتاب بالترک فی الھدی۔

(وحکمه الثواب بالفعل) اور سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے میں ثواب ہے (والعتاب بالترک)[598] اور سنت کو ترک کرنے پر عتاب یعنی ملامتی ہے۔ فان قیل۔ ماالفرق بین العقاب والعتاب؟ قلنا۔ ان العقاب اظهار الغضب مع زوال المحبة والعتاب اظهار الغضب مع بقاء المحبة کغضب الاب علی الابن۔ (فی الھدی) سنتِ موکدہ میں یعنی یہ حکم سنتِ موکدہ کا ہے اور اس قول سے سنتِ زوائد سے احتراز ہو گیا۔ سنتِ زوائد کی مثال ایسی ہے جیسے حضور اکرم ﷺ کی اٹھنے، بیٹھنے، کپڑے اور نماز کو لمبا کرنے کی عادت شریفہ

---

[597] مشکاۃ المصابیح فصل الاول ج ۱ ص ۲۷۔

[598] (والعتاب) اور ملامت کرنا ھے۔ بالتاء وھو اللائمة یعنی الملامة فی الدنیا وحرمان الشفاعة فی العقبی مع لحوق اثم یسیر قال ﷺ من ترک سنتی لم ینل شفاعتی وقال ﷺ (من ضیع سنتی) ای جعلها ضایعاً بعدم اتباعه (حرمت علیه شفاعتی) الشفاعة علی قسمین شفاعة لاصل النجاة وشفاعة نیل الدرجات والمراد ههنا الثانی دون الاول فانها ثابتة لکل المسلمین او محمول علی الترک علی سبیل الاستهانة کماهو المشهور فی شروح الحدیث وقال ﷺ (من احیی سنتی) بالاتباع (فقد احیانی، ومن احیانی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة) وقال ﷺ من حفظ سنتی اکرمه الله باربع خصال المحبة فی القلوب البرة والهیبة فی قلوب الفجرة والسعة فی الرزق والثقة فی الدین، روی عن رسول الله ﷺ انه قال لیأتی علی الناس زمان تخلق سنتی فیه وتجدد البدعة فمن اتبع سنتی یومئذ صار غریبا وبقی وحیدا ومن اتبع بدع الناس وجد خمسین صاحبا او اکثر وقال الصحابة یارسول الله ﷺ هل بعدنا احد افضل منا قال بلی قالوا افیرونک یارسول الله ﷺ قال لا قالوا فکیف یکونون فیها قال فی الملح فی الماء یذوب قلوبهم کما یذوب الملح فی الماء قالوا فکیف یعیشون فی ذلک الزمان قال کالدود فی الخل قالوا فکیف یحفظون دینهم یارسول الله ﷺ قال کالقحم فی الیدان وضعته طفئ وان امسکته او عصرته احرق الید کذا فی روضة العلماء۔

تھی۔ لہذا بندے کو اس سنت کی ادائیگی پر نہ مامور کیا گیا اور نہ ترک پر گناہ۔ اور مستحب کا ادا کرنا بہتر ہے، اور سنتِ موکدہ اس کو کہا جاتا ہے جس کے ادا کرنے پر نعمت کا وعدہ ہو۔ اور ترک کرنے پر وعید ہو۔

(والمستحب) اور مستحب کی تعریف یہ ہے کہ المستحب مایکون محب الشارع۔ اور شرع میں مستحب وہ عمل یا قول ہے (فعلہ النبی علیہ السلام مرۃ) جس پر نبی کریم ﷺ نے ساری عمر میں بطریقہ عبادت ایک دفعہ عمل کیا ہو یا اسے قول فرمایا ہو (وترکہ مرۃ اخریٰ) اور دوسری دفعہ اس قول یا فعل کو ترک کر دیا ہو یا پھر ساری عمر ترک کیئے بغیر بطریقہ عادت کیا۔ یا پھر ساری عمر میں بطریقہ عادت کیا ہو مگر تین دفعہ اسے ترک کیا ہو۔ (وما احب السلف) اور اس فعل کو بھی مستحب کہا جاتا ہے جسے حضور ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تابعین نے محبوب سمجھا ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی۔ لہذا زوائد جہتِ ثواب سے حکم اخروی کے اشتراک کی وجہ سے موکدہ کے ساتھ ملحق ہو گی، اور حکم اخروی و دنیوی کے عدمِ اشتراک کی وجہ سے موکدہ سے خارج ہو گی۔ (وحکمہ الثواب بالفعل) اور مستحب کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب ہے، (وعدم العقاب بالترک) اور اس یعنی مستحب ترک کرنے پر ملامتی نہیں۔ (والمباح) اور مباح لغت میں اباحت سے مشتق ہے اور اباحت نفسِ حِل کو کہا جاتا ہے امر کے ساتھ ہو یا بغیرِ امر کے، اور شرع میں مباح (مایخیر العبد فیہ) یہ وہ عمل ہے جس کے لئے بندے کو اختیار ہے (بین الاتیان والترک) کہ چاہے ادا کرے یا چاہے تو ترک کر دے۔ (وحکمہ عدم الثواب والعقاب) اور مباح کا حکم یہ ہے کہ اس میں نہ تو ثواب ہے اور نہ عذاب و ملامتی۔ (فعلا وترکا) اس کو ادا کرنے یا ترک کرنے میں یعنی اگر مباح کو ادا کیا جائے تو پھر بھی نہ تو ثواب ہے اور نہ عذاب اور اگر اسے ترک کیا جائے تب بھی ثواب و عذاب نہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کھانا، عبادت کی وجہ سے نیند کرنا، اور اگر کھانا نماز میں کھڑے ہونے کے لئے طاقت حاصل کرنے کی وجہ سے کھایا یا نیند رات کی نماز کی وجہ سے کی یا زوجہ سے وطی کی تو ایسا مباح کرنے والا ثواب پاتا ہے، لہذا فعلا ثواب کو راجح ہوا، اور ترکا عقاب کو راجع ہوا۔ (والمحرم) اور حرام جو ہے، حرام لغت میں حرمت سے مشتق ہے، اور حرمت کسی چیز کے منع کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ فقہاء کے اس قول میں آتا ہے حرم القاتل عن المیراث المقتول ای منع عن میراثہ۔ اور شرع میں حرام (ما) وہ فعل ہے (ثبت النھی) جو شارع کی طرف سے نہی یعنی منع کے ساتھ ثابت ہے (فیہ بلا عارضٍ) اس حرام میں دلیل حل و حرمت کا تعرض نہیں، جیسے لحم سباع البھائم، شراب، خنزیر، سود، اور یتیم کا مال کھانا۔ لحم سباع البھائم کی حرمت حضور ﷺ کے اس قول مبارک سے ثابت ہے: ان اللہ تعالیٰ حرم علیکم لحم کل ذی ناب و مخلب من السباع و الطیور۔ اور شراب کی حرمت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے: انما الخمر و المیسر الاٰیۃ۔ خنزیر کی حرمت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے: و لحم الخنزیر۔ سود کی حرمت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (ال عمران ۱۳۰) اور یتیم کے مال کی حرمت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے: و لا تقربوا مال الیتیم۔ (وحکمہ) اور حرام کا حکم یہ ہے کہ (الثواب بالترک) قدرت کے ہوتے ہوئے حرام کو ترک کرنے پر ثواب ہے، اور اگر قدرت شرط نہ ہو تو مخلوق ہر وقت زیادہ ثواب کی مستحق ہو گی، جب کہ بات ایسی نہیں ہے۔ (للہ تعالیٰ) خاص اللہ تعالیٰ کے لئے جس کا حکم آسمانوں اور زمین میں غالب ہے، اور ساری موجودات سے اعظم و عالی ہے، یعنی حرام کو ترک

کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، (**والعقاب بالفعل**) اور حرام پر عمل کرنے سے عذاب ہوتا ہے، (**من غیر عذر**) بغیر شرعی عذر کے، جیسے پانچ وقت کی نمازوں یا زکوۃ کا ترک کرنا (**والکفر بالاستحلال فی المتفق علیه**) اور ایسے حرام کو حلال جاننا کفر ہے جس کی حرمت میں علمائے حق کا اتفاق ہے جیسے اگر زنا کرنے، شراب پینے اور سود کھانے وغیرہ کو حلال سمجھا جائے تو اس حلال سمجھنے پر مسلمان کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ان امور کی حرمت پر علماء کا اتفاق ثابت ہے، **نعوذ باللہ تعالیٰ منها**۔ قید متفق کے ساتھ حرامِ اختلافیہ سے احتراز ہوا جیسا کہ حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اس حیوان کا پیشاب پینا حرام ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہو۔ اور حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے جانور کا پیشاب بطور دوا پینا جائز ہے جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایسے پیشاب کو مطلق حلال کہتے ہیں تو اس طرح کے اختلافی حرام کو حلال جاننا کفر نہیں۔ اور ڈھول وباجے (مزامیر) پیشاب کی مثل ہیں، ان کو حلال سمجھنے والا فاسق ہوتا ہے نہ کہ کافر۔ **مضموات تمهید ابو الشکور سالمی**۔

(**والمکروه**) اور مکروہ جو ہے لغت میں اس قول و فعل کو کہا جاتا ہے کہ **کرهه الشارع** یعنی جس سے شارع نے منع فرمایا ہو کیونکہ مکروہ، **کره** سے مشتق ہے اور اور کرہ منع کرنے کو کہا جاتا ہے اور شرع میں مکروہ۔ (**ما**) وہ قول و عمل ہے (**ثبت النهی**) جس میں نہی ثابت ہوا ای (**منع فیه مع العارض**) اس میں حل و حرمت یا طہارت و نجاست کی دلیل کا تعارض ہوتا ہے جیسے بلی کا جھوٹا یعنی بچا ہوا کھانا۔ اس کے بارے میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **انه قال الهرة من السبع**۔ یہ حدیث بلی کے جھوٹے اور گوشت کی نجاست پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ دوسری حدیث جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے، **انها قالت سمعت رسول اللہ** ﷺ **انه قال الهرة لیست بنجسة و انما هی من الطوافین ای من العبید و الطوافات علیکم**۔ لہذا یہ حدیث بلی کے جھوٹے کے پاک ہونے پر دلالت کرتی ہے اس لئے جب دونوں احادیث معارض ہوئیں تو دونوں میں سے ہر ایک پر عمل کرنا من وجہ ساقط ہو گیا۔ اور ہر ایک پر عمل کرنا من وجہ واجب ہوا تو طہارت کی دلیل نجاست کی دلیل پر عمل کی وجہ سے ساقط ہوئی اور نجاست طہارت کی دلیل پر عمل کی وجہ سے ساقط ہوئی اس لئے بوجہ عمل دلیلین کے بقدرِ امکان کراہیت ثابت ہوئی۔ (**وحکمه**) اور مکروہ کا حکم یہ ہے کہ (**الثواب بالترک والموصوف**) مکروہ کو ترک کرنے ایسا میں ثواب ہے جس طرح حرام کے ترک کرنے میں ثواب ہے۔ للہ تعالیٰ۔ یہ ترک صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور اگر مکروہ (جیسے بلی کا جھوٹا) کو نفرتِ طبیعت کی وجہ سے ترک کیا تو اس میں ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے۔ (**وخوف العقاب بالفعل**) اور مکروہ پر عمل کرنے سے عذاب کا خوف ہے اور اگر امر ایسے نہ ہو تو بدلیلِ ظنی عین حرام میں عذاب پر یقین نہیں، اس قول خداوندی کے مطابق کہ **إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا** (النساء ۴۸) (بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اُس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا)۔ (**وعدم الکفر بالاستحلال**) اور مکروہ کو حلال جاننے پر کفر نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کا ثبوت دلیلِ قطعی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ (**والمفسد ما**) اور مفسد وہ ہوتا ہے (**هو النّاقض**) جو فاسد کرتا ہے (**للعمل المشروع فیه**) شروع کئے گئے عمل کو۔ **فان قیل**۔ کہ فسادِ نفل کی وجہ سے قصداً عذاب کو واجب نہ کیا جائے کیونکہ نفل مشروع لنا ہے اور

بعدالشروع علینا۔قلنا۔ ہماری بحث بعد الشروع میں ہے نہ کہ قبل الشروع میں۔فان قیل۔ کہ بطلانِ نفل کی وجہ سے عذاب کو واجب نہ کیا جائے کیونکہ نفل مضمونِ بالقضاء ہے۔قلنا۔ کہ عذاب بطلانِ عمل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور بطلانِ عمل اس قول خداوندی کی دلیل کی وجہ سے حرام ہے ولا تبطلوا اعمالکم یہ اس وقت ہے جب بطلان قصداً کمال کے ساتھ نہ ہو۔ جیسا کہ امام کے پیچھے اقتداء کے لئے یا روپے سے کم مقدر کی نجاست کو دور کرنے کے لئے منفرد امبطلان ہوا، لغت میں صحت کی ضد کو بطلان کہا جاتا ہے جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں کہ ھذا البیع صحیح وھذا البیع فاسد۔ اور شرع میں بطلان اسے کہا جاتا ہے جو متن میں مذکور ہے۔(وحکمہ العقاب بالفعل عمداً) اور مفسد پر قصداً عمل کرنے سے عذاب کا حکم ہے (وعدم العقاب سھواً) اور مفسد پر خطاء اور نسیان یعنی بھولنے کی وجہ سے عمل کرنے پر عذاب نہیں ہوتا کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔ اور خطاء اور نسیان کے رفع سے رفعِ حکم مراد ہے نہ کہ رفعِ حقیقت۔ دوسرا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لیس علیکم جناح فیما اخطاتم۔ اگر نماز میں قصداً قہقہہ لگایا جائے تو عذاب دیا جائے گا اور اگر سہواً قہقہہ نکل جائے تو عذاب نہیں ہوتا۔

(ثم اعلم) پھر جان لو۔ کلمۂ ثم ذکر واخبار میں تراخی کے ساتھ تعقیب کے لئے ذکر کیا جاتا ہے اور کلمۂ اعلم فرائض سے لے کر مفسدات تک آٹھ بابوں کی تفصیل کے لئے استعمال ہوا ہے، تو فرمایا(بان الصلوۃ جامعۃ) تحقیق نماز جمع کرنے والی ہے یعنی مجموعہ ہے (للرابعۃ الاول)ا ٹھ اقسام سے پہلی چار اقسام کا جو کہ فرض، واجب، سنت اور مستحب ہیں اور جامعۃ کی صلوۃ کی طرف نسبت حکمی ہے اس لئے کہ صلوۃ میں پہلی چار اقسام کا جامع حقیقی اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ صلوۃ۔ یعنی فرض واجب اور سنت، نمازی سے شارع کے حکم سے واقع ہوتا ہے یا اذنِ شارع سے ادا ہوتا ہے، جو کہ نفل ہے کیونکہ یہ چار امور نماز میں اصالۃ شرعا مطلوب ماموربھا ہیں، نہ کہ انسانی طبع کے ساتھ۔

(وقد توجد الاربعۃ للاخیرۃ فیھا طبعا) اور کبھی کبھی بتقاضا طبع نماز کے آخری چار اقسام بھی نماز میں پائے جاتے ہیں، جو کہ مباح، حرام، مکروہ و مفسد ہیں۔ ان آخری چار اقسام میں سے کوئی ایک قسم غفلت کی وجہ سے نماز میں شامل ہو جاتی ہے نہ کہ شرعاً بمثلِ اول چار اقسام کے۔ پس آخری تین اقسام میں عدمِ معنی کا تعبد ہے اور مباح میں عدمِ وجود معنی کا تعبد ہے کیونکہ مباح کے کرنے میں نہ اجر ہے اور نہ ہی گناہ۔ اس لئے نماز میں مباح کا وجود یا واقع ہونا طبعاً ہوتا ہے نہ کہ شرعاً کیونکہ شارع نے نماز میں تحصیل مباح کی ترغیب نہیں دی، (فلابدمن تفصیل کل نوعٍ)۔ پس ہر ایک نوع کو بیان کرنا ضروری ہے (وتعدادھا) اور ان کی تعداد بیان کرنا بھی ضروری ہے (بطریق الانحصار والاختصار)۔ ان کو اس طریقے سے بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ ہر نوع اپنے جزئیات پر منحصر بھی ہو اور مختصر بھی یعنی مختصر مگر جامع۔ (مرتبا علی ثمانیۃ ابواب) ان اقسام کو آٹھ ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔(تیسیرا للمؤمنین) تاکہ ان مؤمنین کے لئے آسان ہو جائے جو نمازی ہیں۔ تیسیراً کی نصب یعنی زبر جہتِ تمیز سے ہے اور طریقہ انحصار واختصار کے ساتھ ترتیب کتاب کی علتِ غائی ہے فان قیل۔ ترتیبِ کتب میں مؤمنوں کے حق میں تیسیرا اول کے ساتھ متحقق تھا تو چھ یا سات ابواب پر کتاب کو مرتب کیوں نہیں کیا گیا۔ قلنا مشروع اور غیر مشروع دونوں کی اقسام آٹھ ہیں۔ نہ اس سے زیادہ ہیں اور نہ ہی کم۔ اس لئے اس کتاب کو بھی آٹھ ابواب میں ترتیب دیا گیا۔

الباب الاول فی بیان الفرائض

الباب الاول آٹھ ابواب میں سے ہے باب لغت میں نوع یعنی قسم کو کہا جاتا ہے جس طرح حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ[599]

عن عبداللہ بن عباس: عنِ النَّبيِّ ﷺ أنَّه قال: مَن جمَعَ بينَ صَلاتَينِ من غَيرِ عُذرٍ، فقد أتى بابًا من أبْوابِ الكَبائرِ[600]**. ای نوعا من الکبائر۔**

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دو دا نمازوں کو ایک وقت میں جمع کیا تو اس نے کبیرہ گناہوں کی اقسام میں سے ایک گناہ کیا۔ اور اصطلاح میں مسائل فقہیہ میں سے ایک طائفہ کو باب کہا جاتا ہے۔ **اعتبرت مستقلة غیر مشتملة علی الابواب والفصول۔ بلکہ نوع**[601] **واحدہ پر مشتمل ہو۔ وباب اصلہ بوب علی وزن حطب بالفتحتین بدلیل جمعہ علی ابواب وانما قلبت الواو الفالتحرکھا وانفتاح ماقبلھا فصار باب وھو فی اللغة النوع وعرفا نوع من المسائل اشتمل علیھا کتاب ولیست بفصل ۔واعرابہ امابالتنوین مرفوعا بتقدیر ھذا باب اوبالوقف کسائر الاسماء او بالاضافة الی قولہ باب فی بیان الفرائض** ۔یہ باب بیان فرائض میں ثابت ہے فرائض فرض کی جمع ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے اور شرع میں فرض اس حکم کو کہا جاتا ہے جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں بالکل شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو جس طرح کتاب اللہ غیر مؤول عام غیر مخصوص البعض، سنت متواترہ اور اجماع[602]۔

فرض کی چار اقسام ہیں ۔ایک فرض دائمی ہے، جیسے ایمان اور ستر عورت۔ **دوسرا** فرض موقت ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ، **تیسرا** فرض کفایہ ہے جیسے نماز جنازہ۔ اور **چوتھا** فرض ظنی ہے جیسا کہ وضو میں کہنیوں، ٹخنوں اور عذارین کا دھونا اور چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ **وھی خمسة عشر۔** اور نماز کے یہ فرائض پندرہ ہیں ان پندرہ میں سے تیرہ اتفاقی ہیں اور دو اختلافی۔[603] **بعضھا خارجیة۔** ان پندرہ میں سے بعض خارج نماز ہیں جن کو شرائط نماز کہا جاتا ہے۔ یہ نماز سے باہر ادا ہوتے ہیں یعنی نماز سے مقدم ہوتے ہیں کیونکہ کسی شئے کی شرط

---

[599] مثلاً ان یؤخر صلاۃ الظہر الی العصر او اخر المغرب الی العشاء فیہ رد علی الشافعی رحمہ اللہ تعالی۔ ترجمہ: مثلاً اس طرح کہ ظہر کی نماز کو عصر تک یا مغرب کی نماز کو عشاء تک مؤخر کیا جائے اور اس مسئلے میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

[600] العقيلي (٣٢٢هـ)، تنقيح التحقيق ٢/٥٣٩•ابن حبان (٣٥٤هـ)، المجروحين ١/٢٩٥•الدارقطني (٣٨٥هـ)، سنن الدارقطني ٢/٦٨•ابن القيسراني (٥٠٨هـ)، معرفة التذكرة ٢٠٩• عمر بن بدر الموصلي (٦٢٢هـ)، الأحاديث الموضوعة للموصلي ٩٤. المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٣٦٥•

[601] جیسا کہ فرائض ہوئے۔

[602] یعنی اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین صریحاً۔

[603] وھو الخروج بالصنع والتعدیل عند الصاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ علیھما فرض ۔ترجمہ: اور وہ یعنی اختلافی فرض صنع کے ساتھ نماز سے خارج ہوتا ہے اور صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ علیھما کے نزدیک تعدیل فرض ہے۔

اس شئے سے مقدم ہوتی ہے۔ **وبعضھا داخلیة۔** اوران پندرہ میں سے بعض فرائض نماز میں داخل ہیں۔ انہیں ارکان نماز کہا جاتا ہے اور شئے کا رکن شئے کا موقوف علیہ ہوتا ہے اور شئے رکن سے مرکب ہوتی ہے اور رکن شئے میں داخل ہوتا ہے اور شرط شئے کی موقوف علیہ ہوتی ہے اور شئے سے مقدم بھی ہوتی ہے جیسے نماز کیلئے مصلی ہوا۔[604] اور علامہ یعنی پہچان شئے سے موقوف علیہ ہوتا ہے نہ داخل[605] ہوتا ہے اور نہ موثر[606] اور نہ ہی شئے کی طرف مفضی اور سبب شئے موقوف علیہ ہوتا ہے اور مقدم بھی اور مفضی[607] بھی ہوتا ہے۔ داخل نہیں ہوتا اور نہ ہی موثر ہوتا ہے۔

اما الخارجیة۔ پس وہ فرائض جو نماز سے خارج اور شرائط کے نام سے موسوم ہیں۔ **فثمانیة۔** پس وہ آٹھ ہیں[608] **الوقت۔** معرفت وقت یعنی ہر نماز کیلئے اس نماز کے وقت کو پہچاننا اور نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا فرض ہے۔ اگر نماز وقت سے پہلے پڑھ لی تو نمازی

---

[604] مصلی صلاۃ کی علت ھے اور صلاۃ مصلی ھی سے موجود ھوتی ھے۔

[605] احتراز عن الرکن۔ یعنی رکن سے احتراز کیا جاتا ھے۔

[606] بخلاف الشرط والرکن والسبب۔ یعنی شرط، رکن اور سبب کے خلاف۔

[607] یعنی سبب شئے کے نزدیک ھوتا ھے جیسے وقت نماز اور فرضیت بھی نزدیک ھوتی ھے۔

[608] الوقت ای احدھما معرفتا الوقت۔ یعنی ایک ان میں سے وقت کو پھچاننا ھے۔ لقولہ تعالیٰ: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (النساء ۱۰۳) ای فرضا موقوتا ای محدودا باوقات لایجوز تقدیمھا ولا تأخیرھا عنھا عند القدرۃ علی فعلھا فیھا بحسب الاستطاعۃ حتی یعاد الاذان لو اذن قبل وقتہ والاوقات خمسۃ وقت الصبح من طلوع الفجر الصادق الی قبیل طلوع الشمس ووقت الظھر من زوال الشمس الی ان یصیر ظل کل شئی مثلیہ او مثلہ علی اختلاف القولین واختار الامام الطحاوی الثانی وھو قول صاحبین وفی روایۃ رواھا الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی بلوغ ظل کل شئی مثلہ وھی قول مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وشافعی وزفر رحمھما اللہ تعالیٰ وھو الاظھر لبیان جبرئیل اول وقت کل صلاۃ ثم اعلم ان کلا القولین سواظل الاستواء ووقت العصر منھما علی اختلاف القولین الی غروب الشفق الاحمر علی المفتی بہ والعشاء والوتر منہ الی الصبح الصادق ولا یقدم الوتر علی العشاء لترتیب اللازم ومن لم یجد وقتھما لم یجب کما لو کان فی بلد یطلع فیہ الفجر قبل ان یغیب الشفق کبلغار فی اکثر لیالی السنۃ فیما حکاہ صاحب معجم البلدان وقال العینی فانھم لایجدون فی کل سنۃ وقت العشاء اربعین لیلۃ فان الشمس کما تغرب من ناھیۃ المغرب یظھر الفجر من المشرق وافتی البقالی لعدم وجوبہ کما یسقط غسل الیدین من الوضوء عن مقطوعھما من المرفقین وافتی بعضھم بوجوبھا واختارہ المحقق فی فتح القدیر وردہ العلامۃ الحلبی شارح المنیۃ ووافقہ العلامۃ الباقانی فی شرحہ علی الملتقی وشرنبلالی فی امداد الفتاح وحواشیہ علی الدرر والعلامۃ نوح آفندی فی حاشیۃ الدرر وصاحب انھر شارح الکنز فی نھر الفائق وتابعھم الشیخ علاؤ الدین الحصکفی فی شرحہ ولکن انتصر للمحقق ابن الھمام محشی شرح التنویر العلامۃ الشیخ ابراھیم الحلبی المداری ورد کلام شارح المنیۃ فی حاشیتہ علی شرح التنویر وایدہ ابن العابدین فی حاشیتہ علی البحر واستظھر الکمال وجوب القضاء استدلالا بقولہ علیہ السلام حین اخبران الدجال یمکث قالَ: أَرْبَعُونَ يَوْمًا، يَوْمٌ كَسَنَةٍ، وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ، وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ قُلْنَا: يا رَسولَ اللهِ، فَذلكَ اليَوْمُ الذي كَسَنَةٍ، أَتَكْفِينَا فيه صَلَاةُ يَومٍ؟ قالَ: لَا، اقْدُرُوا له قَدْرَهُ، وتبعہ ابن الشحنہ وصححہ فی الغازہ وذکر فی المنھل انہ المذھب قال فی الشرنبلالیۃ والزیلعی علی الکنز وبہ افتی برھان الدین الکبیر ولا ینوی القضاء کما فی الدرر وابی السعود والتبیین لفقد وقد الاداء وفرق اخو صاحب البحر فی النھر بان الوقت موجود حقیقۃ فی یوم الدجال والمفقود العلامۃ فقط بخلاف ما نحن فیہ فان الوقت لا وجود لہ اصلا ویؤید ھذا الفرق العلامۃ نوح افندی معزیا للحلبی فی شرح المنیۃ۔ وفی فتاویٰ الظھیریۃ بلغنا انہ ورد فتوی من بلغاء بان الفجر یطلع فیھا قبل غیبوبۃ الشفق فی اقصر لیالی السنۃ علی الشمس الائمۃ الحلوانی فکتب علیکم وجوب قضاء العشاء ثم ورد بخوازم علی الشیخ الکبیر سیف الدین البقالی فافتی بعدم الوجوب فبلغ جوابہ شمس الائمۃ الحلوانی فارسل من یسئلہ فی عامۃ بجامع خوارزم ما تقول فیمن اسقط من الصلوٰت الخمس واحدۃ ھل یکفر، فاحس بہ الشیخ فقال ما تقول فیمن قطعت یدا۔ ن المرفقین او رجلاہ من الکعبین فکم فرائض وضوئہ فقال ثلاث لغوات محل الرابع فقال فکذالک الصلوۃ الخامسۃ فبلغ الحلوانی جوابہ فاستحسنہ ووافقہ فیہ۔ نکتۃ: ویصح تقدیم الوتر علی التراویح وتاخیرہ عنھا کذا فی نور الایضاح فی فصل التراویح۔ قال المؤلف فی شرحہ علی نور الایضاح اعنی مراقی الفلاح عند قولہ وتأخیرہ عنھا وھو افضل وقال العلامۃ الطحطاوی وقیل وقتھا (ای التراویح) بعد العشاء قبل الوتر وبہ قال عامۃ مشائخ بخاری واثر الخلاف یظھر فیما لو فاتتہ ترویحۃ لو اشتغل بھا یفوتہ الوتر بالجماعۃ یشتغل بالترویحۃ علی قول مشائخ بخاری وبالوتر علی قول غیرھم۔ (فتاویٰ بلخی ص ۴۵-۴۷)

کے ذمے سے ساقط[609] نہیں ہوتی۔ اور اگر نماز کے وقت کے بعد پڑھی تو نمازی کے ذمے سے ساقط ہو جاتی ہے لیکن اسے قضاء کہا جاتا ہے نہ کہ ادا۔ اور نمازی اس نماز میں تاخیر کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوتا ہے۔

فان قیل ۔ فرض وہ چیز ہے جو مکلف کی قدرت میں ہو اور اس کا فاعل ثواب پانے والا ہو اور اس کا تارک یعنی چھوڑنے والا عذاب میں گرفتار ہو جب کہ وقت کا آنا مکلف کی قدرت میں نہیں لہذا وقت کس طرح فرض ہوا۔

قلنا۔ وقت سے مراد اداء فی الوقت ہے اور اداء مکلف کی قدرت میں ہے۔ **فان قیل**۔ اداء عبد یعنی بندے کا فعل ہے اور عبد (بندے) کا فعل نماز میں ہوتا ہے نہ کہ نماز سے باہر تو چاہیئے کہ وقت نماز فرائض داخلی میں سے ہو۔ **قلنا**۔ وقت سے مراد انتظار وقت ہے اور وقت کا انتظار نماز سے خارج ہے۔

فان قیل۔ کہ سببیت وقت تین باتوں سے خالی نہیں ہو گا یا تو اول وقت سبب ہو گا یا درمیانہ وقت سبب ہو گا یا آخری[610] وقت سبب ہو گا اگر اول وقت ہو تو درمیانی اور آخری وقت میں نماز قضاء پڑھی جائے گی نہ کہ ادا اور اگر درمیانہ وقت ہو تو اول میں نماز جائز نہیں ہو گی اور آخری[611] میں قضاء ہو گی اور اگر آخری وقت ہو تو ابتدائی اور درمیانے وقت میں نماز جائز نہیں ہو گی۔ **قلنا**۔ سببیت وقت جز متصلہ اول وقت میں ہو یا وسط میں ہو یا آخر میں ہو لہذا وقت سبب ہوا کیونکہ یہ نماز کو مفضی ہے اور شرط نماز اس لئے ہے کہ یہ صلاۃ سے مقدم ہے اور فرضیت وقت کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے کتاب اللہ سے وقت کا فرض ہونا اس قول خداوندی سے ثابت ہے کہ[612] **إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا** (النساء ۱۰۳)[613] اور فرضیت وقت کا نماز سنت سے اس طرح ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا قول ہے کہ[614] **خمس صلوات افترضھن اللہ تعالیٰ علی العباد فمن احسن وضوئھن وصلھن لوقتھن واتم رکوعھن وسجودھن الخ**۔ اور فرضیت وقت کا ثبوت اجماع سے اس طرح ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی امت زمانہ نبی کریم ﷺ ہی سے فرضیت وقت پر متفق ہوئی ہے اور آج تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا اور فرضیت وقت کے بارے میں قیاس کہتا ہے کہ وقت فرض ہونا چاہئے کیونکہ وقت نماز کی شرط اور سبب

---

[609] لعدم الوقوع فی الوقت۔ یعنی وقت کے عدم واقع ہونے کی وجہ سے۔

[610] یا کل ہو گا۔

[611] اگر کل میں ہو۔

[612] ارشاد خداوندی ہے کہ بے شک مومنوں پر نماز اپنے اپنے وقت پر فرض کی گئی ہے۔

[613] یعنی اپنے اپنے وقت میں لہذا وقت فرض ہوا۔

[614] حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں تو جس نے اچھے طریقے سے وضو کیا اور اپنے وقت میں نماز ادا کی اور رکوع وسجود کو پورا کیا (الخ)۔

ہے اور وقت نماز کو مفضی ہوتا ہے اور نماز قبل از وقت جائز نہیں ۔ وطهارة البدن۔ اور نمازی کے بدن کا حکمی اور حقیقی پلیدی[615] سے پاک ہونا فرض ہے اور اعضاء کو دھونا یعنی وضو کرنا اور نہانا طہارت حقیقی ہے اور تیمم کرنا طہارت حکمی ہے اور فرضیت غسل اس قول خداوندی سے ثابت ہے[616] وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدة ٦) اور فرضیت غسل حضور ﷺ کے اس قول مبارک سے ثابت ہے کہ[617] تحت كل شعرة نجاسة وفي رواية فوق كل جلدة جنابة الافبلوا الشعر وانقوا البشرة۔ اور فرضیت[618] وضو اس قول خداوندی سے ثابت ہے کہ[619] إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدة ٦) اور وضو کی فرضیت حضور ﷺ کے اس قول مبارک سے ثابت ہے۔ وقال هذا وضوئي ووضوءُ الأنبياءِ مِن قبلي[620] حضور ﷺ نے فرمایا یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے۔ (على نبينا وعليهم السلام) اور نجاست حقیقی سے طہارت حاصل کرنے کا فرض اس قول خداوندی سے ثابت ہے کہ وثيابك فطهر۔ یعنی اپنے کپڑے پاک رکھو اور کپڑوں کے پاک کرنے میں عبارت النص[621] ہوئی اور بدن اور مکان کے پاک کرنے میں دلالۃ النص ہوئی اور ثبوت دلالۃ اس طرح ہوتا ہے جس طرح ثبوت عبارت اور تیمم کے فرض ہونے میں یہ قول خداوندی دلیل ہے۔ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا (النساء ٤٣) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں کو چھوا یعنی ہمبستری کی اور پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منھ اور ہاتھوں کا مسح کرو بے شک اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔" اور فرضیت تیمم حضور اکرم ﷺ کے اس قول مبارک سے ثابت ہے۔ عن أبي ذر الغفاري: إنَّ الصعيدَ الطَّيِّبَ طَهورُ المسلِمِ، وإنْ لم يجِدِ الماءَ عَشْرَ سنينَ، فإذا وجَدَ الماءَ فلْيُمِسَّه بشَرَتَه[622]. اور یہ

---

[615] والمراد من النجاسة ما لا يخفى وهو زائد على مقدار الدرهم في الغليظة مقدار الكف في الريق وربع الثوب او البعض في الخفيف۔ ترجمہ: اور نجاست سے مراد وہ نجاست ہے جو چھپتی نہ ہو اور وہ نجاست غلیظ میں درہم کی مقدار سے زائد ہو نجاست رقیقہ میں بقدر ہتھیلی یعنی ہاتھ کا گڑھا یا کپڑے کے چوتھائی حصے کے برابر ہو یا بعض نجاست خفیفہ میں۔

[616] اگر تم حالت جنابت میں ہو تو اپنے آپ کو خوب پاک کرو۔

[617] حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے۔ خبردار بالوں کو تر کرو اور بدن کو صاف کرو۔

[618] هذا جواب سوال المقدر، تقديره ان فرضية الوضوء يكون المدعى وفي المدعى لا بد من المثبت ولم يوجد۔ اھ۔ ترجمہ: یہ سوال مقدر کا جواب ہے اس کی تقدیر یہ ہے کہ بے شک مدعی اور مدعی میں فریضہ وضو ہوتا ہے تو مثبت سے لاچاری ہے جو یہاں پر موجود نہیں۔

[619] ارشاد خداوندی ہے کہ جب تم نماز کیلئے اٹھو تو پہلے اپنے چہروں اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ کو دھولو اور سر کا مسح کرو اور دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو۔

[620] الزيلعي (٧٦٢هـ)، نصب الراية ١/٢٧ • الطبراني (٣٦٠هـ)، المعجم الأوسط ٤/٧٨ • الدارقطني ١/٢١٠ • الدارقطني (٣٨٥هـ)، سنن الدارقطني ١/٢٢٠ • البيهقي (٤٥٨هـ)، السنن الكبرى للبيهقي ١/٨٠ • ابن عبد البر (٤٦٤هـ)، التمهيد ٢٠/٢٦٠ • ابن القيسراني (٥٠٨هـ)، ذخيرة الحفاظ ٢/١١٦٩ • ابن عساكر (٥٧١هـ)، معجم الشيوخ ٢/١٠٤٨ • ابن الملقن (٧٥٠هـ)، البدر المنير ٢/١٣٧ • ابن الملقن (٧٥٠هـ)، تحفة المحتاج ١/١٨٩ • الزيلعي (٧٦٢هـ)، نصب الراية ١/٢٨ • الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ١/٢٣٦ •

[621] جواب سؤال وهو ان الدليل مخالف من المدعى عام والدليل في الثوب فقط دون البدن والمكان۔ جواب سوال ہے اور وہ یہ کہ مدعی کی دلیل مخالف ہے کیونکہ مدعی عام ہے جب کہ دلیل صرف ثوب یعنی کپڑوں میں ہے نہ کہ بدن اور مکان میں۔

[622] شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج شرح السنة ١/٤٤٩ • صحيح الترمذي ١٢٤ •

قول بھی حضور ﷺ کا ہے کہ عن أبي أمامة: فُضِّلتُ بأربعٍ: جُعِلَتْ لي الأرضُ مسجدًا وطَهورًا، فأيُّما رَجُلٍ مِن أُمَّتي أتى الصَّلاةَ، فلمْ يَجِدْ ماءً، وُجَدَالأرضَ مسجدًا وطَهورًا، وأُرسِلتُ إلى النّاسِ كافَّةً، ونُصِرتُ بالرُّعبِ مِن مَسيرةِ شَهرٍ يَسيرُ بيْنَ يدَيَّ، وأُحِلَّتْ لي الغَنائمُ[623].

جُعلَت لي الأرضُ مسجِدًا وطَهورًا فأينَما أدركَتْكَ الصَّلاةُ فَصلِّ[624] جُعِلَتْ ليَ الأرضُ مسجدًا وتُربتُها طَهورًا[625] عن أبي أمامة الباهلي: جُعِلَتِ الأرضُ كُلُّها لي ولأمتي مَسْجِدًا وطَهُورًا فأينما أَدْرَكَتْ رجلًا من أمتي الصلاةُ فعنده مَسْجِدُهُ وعنده طَهورُه۔[626] عن أنس بن مالک: جُعِلَتْ لي كلُّ أرضٍ طيبةٍ مسجدًا وطهورًا۔[627] پس نجاست حقیقی کی دو اقسام ہیں [628] ایک وہ جو نظر آتی ہو اور دوسری وہ جو نظر نہ آتی ہو اور اس کی دو اقسام ہیں ایک نجاست غلیظۃ اور دوسری نجاست خفیفہ۔ نجاست غلیظہ کی مثال میں بنی آدم کا پیشاب اور مرغی کی گندگی (بیٹ)، گدھے، گھوڑے، خچر اور دیگر چوپایوں کا گوبر اور لید وغیرہ۔ اور نجاست خفیفہ کی مثال میں اڑنے والے پرندوں کی بیٹ یعنی فضلہ ہے اور وہ جو نظر نہیں آتے وہ بھی دو قسم کی ہیں ایک غلیظ جیسے بنی آدم کا پیشاب ہے اور دوسری خفیف جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ فان قیل۔ ان قولہ تعالیٰ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴)۔ عام مخصوص البعض ہے کیونکہ یہ آیت نماز سے باہر کیلئے نہیں اور نہ ہی ایک روپے سے کم مقدار کی نجاست کیلئے تو چاہیئے کہ لباس، مکان اور بدن کی فرضیت طہارت اس آیت سے ثابت نہ ہو۔ قلنا۔ ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ یہ آیت عام ہے بلکہ یہ آیت خاص ہے کیونکہ ہمیں داخل نماز کیلئے خطاب ہے نہ خارج نماز کیلئے اور شرع میں نجاست سے مراد نجاست معتبرہ ہے اور یہ اندازہ نہ تو روپے سے زیادہ ہے اور نہ ہی کم۔ فان قیل۔ کہ یہ آیت ثِيَابَكَ قصر پر موّل ہے یعنی کپڑوں کو دھونے پر تو چاہیئے کہ اس آیت سے فرضیت ثابت نہ ہو۔ قلنا۔ یہ تاویل اس آیت کے معنی میں خلل ڈالنے والی نہیں کیونکہ کپڑے کا قصر کپڑے کی صفائی کا سبب ہوتا ہے۔ فان قیل۔ کسی بوتل میں پیشاب ہو اور وہ بوتل

---

[623] شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج مشكل الآثار ٩/١٦٠ • السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٥٨٦٤ • ابن كثير (٧٧٤هـ)، تفسير القرآن ٣/٤٩٠ • إسناده صحيح • أخرجه أحمد (١٩٧٥٠) •

[624] ابن الملقن (٧٥٠هـ)، شرح البخاري لابن الملقن ٥/٤٩٦ •

[625] الشوكاني (١٢٥٥هـ)، السيل الجرار ١/١٣٢ •

[626] الشوكاني (١٢٥٥هـ)، نيل الأوطار ١/٣٣٦ • الرباعي (١٢٧٦هـ)، فتح الغفار ١/١٦٥ • العظيم آبادي (١٣٢٩هـ)، غاية المقصود ٣/١٩٤ •

[627] الجورقاني (٥٤٤هـ)، الأباطيل والمناكير ٢/١٠ • الذهبي (٧٤٨هـ)، أحاديث مختارة ١١٨ •

[628] جواب سوال وتقدیرہ ان الحکم فی انواع النجاسة کلھا ماجاء ولا فرق فی الحکم بین انواع النجاسات کلھا فاجاب پس ثیابک النجاسة الحکمی لم یوجد العفو اصلا لا قلیلا ولا کثیرا وفی الحقیقی المرئی المغلظة قدر الدرھم عفو وفی غیر المرئی المغلظة مثل عرض مقعر الکف وفی الخفیف ربع ادنی الثوب۔ ترجمہ: جواب سوال ھے اور اس کی تقدیر یہ ھے کہ بے شک ساری انواع نجاست میں حکم وھی ھے جو آیا ھے اور انواع نجاست کے حکم میں فرق نہیں تو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول سے جواب دیا۔ پس ثیابک نجاست حکمی قلیل ھو یا کثیر اس میں ھرگز معافی نہیں اور وہ نجاست جو بھاری ھو اور نظر آتی ھو یعنی حقیقی المرئی المغلظة اس میں درھم کی مقدار معاف ھے اور غیر المرئی المغلظة یعنی جو نظر نہ آتی ھو اس میں ھاتھ کی ھتھیلی کی مقدار معاف ھے اور نجاست خفیفہ میں کپڑے کی چوتھائی سے کم معاف ھے۔

آستین میں ہو تو نماز جائز ہونی چاہیئے کیونکہ لباس، مکان اور جسم تو صاف ہے جبکہ امر ایسے نہیں یعنی اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ **قلنا**۔ لباس ،مکان اور بدن کی صفائی نجاست کے نزدیکی سے اجتناب میں شرط ہے اور اس کی صورت[629] میں اجتناب مجاورت موجود نہیں ہے۔

والثوب۔ اور کپڑے کی پاکی فرض ہے **والمکان**۔ اور مکان کی پاکی فرض ہے اور مکان سے مراد نمازی کے دونوں قدموں اور سجدے کرنے کی جگہ ہے۔ اور طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ حکم زمین اور فرش دونوں میں ہے۔[630] اور امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا ہے یہ مختار ہے اور اس پر فتویٰ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **وثیابک فطھر**۔ اور اگر نجس یعنی گندہ تیل نمازی کے کپڑوں کو پہنچ جائے ایک روپے کی مقدار یا اس سے کم پر وہ تیل کپڑے پر پھیل جائے اور[631] روپے کی مقدار سے زیادہ ہو جائے تو فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین نے فرمایا ہے کہ یہ نماز کے جواز کو منع کرتا ہے۔ فتاوی ابن حافظ نے فرمایا ہے کہ یہ نماز کے جواز کو منع نہیں کرتا اور اس پر فتوی ہے کیونکہ عین نجاست زیادہ نہیں ہے تو یہ حکم شرعا ہے۔ اور پہلا حکم دیانتاً ہے۔

وستر العورۃ۔ اور نماز میں عورت یعنی شرمگاہ کو چھپانا حق نماز کی وجہ سے فرض ہے اور نماز سے باہر حق عباد یعنی لوگوں کے حق کی وجہ سے بدن کو چھپانا واجب ہے کیونکہ قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔ **خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ای مایواری عورتکم عند کل صلوۃ**[632]۔ تو اول میں حال کا ذکر ہے اور اس سے محل مراد ہے کہ عورت ہے اور دوم میں محل کا ذکر ہے۔ **(ھو المسجد)** اور اس سے حال مراد ہے۔ **(وھی الصلوۃ) مجازاً**۔ **فان قیل**۔ ستر دو باتوں سے خالی نہیں ہو گا یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف فرض ہو گا یا لوگوں کی طرف سے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو تو یہ مقصود نہیں اور اگر لوگوں کی جانب سے ہو تو نماز کپڑے پر قدرت ہوتے ہوئے بھی اندھیرے میں ،یا مکان کے اندر یا صحرا میں جائز ہونی چاہیئے لیکن حکم ایسے نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ **قلنا**۔ ستر نماز کے حق کی وجہ سے فرض ہے لہذا ستر مطلقاً فرض ہوا چاہے دن میں ہو یا رات میں اندھیرے کمرے میں ہو یا صحرا میں۔ **فان قیل**۔ کہ آیت مبارکہ تو طواف[633] کیلئے نازل ہوئی ہے نہ کہ نماز کیلئے تو چاہئے کہ اس آیت سے نماز میں فرضیت نماز ثابت نہ ہو۔ **قلنا**۔ اعتبار عموم[634] لفظ کیلئے ہے نہ کہ

---

[629] کیونکہ یہ نجاست کا حامل اور حمل نجاست کے ساتھ نماز روا نہیں ہوتی۔

[630] لانہ حکم الارض والارض کبیر وطھارۃ الارض شرقا وغربا لایمکن وفی غیر البساط والارض کالرداء مثلاً فلایجوز لو کان تحت مصلی الرداء النجس ای موضع کان۔ ترجمہ: کیونکہ یہ زمین کا حکم ھے اور زمین تو بڑی ھے اور زمین کی طھارت شرقاً غرباً ممکن نہیں اور غیر بساط یعنی قالین اور زمین میں مثلاً جس طرح چادر ھوئی تو جائز نہیں اگر مصلی کے نیچے پلید چادر ھو یعنی جو بھی جگہ ھو۔

[631] دونوں صورتوں میں نجاست درھم کی مقدار سے زیادہ ھوئی یعنی دکھائی دینے والی مقدار زیادہ ھوئی نہ کہ تیل کی اصل مقدار۔

[632] اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ یعنی وہ چیز جو کہ تمھاری عورتوں یعنی شرمگاھوں کو چھپالے ھر نماز کے وقت۔

[633] کفار کی عورتیں بیت اللہ شریف میں ننگے جسم سے طواف کرتی تھیں تاکہ مسلمانوں کو شوق پیدا ھو اور ھمارے ساتھ زنا کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی اور حضور اکرم ﷺ سے فرمایا کہ اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین سے کھہ دو کہ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ الخ۔ بنزد ھر مسجد اگر مسجد حرام ھو یا دوسری مسجد جس میں نماز پڑھتا ھو تو نماز میں اپنی عورت یعنی شرمگاہ کو ننگا نہ کرے۔

[634] کہ خُذُوا زِينَتَكُمْ ھے یہ عام مسلمانوں کو خطاب ھے۔

خصوصی سبب کیلئے۔فان قیل۔[635]جب آیت سبب میں وارد ہو تو حکم ماسوا کیلئے بھی ثابت ہوتا ہے جبکہ لفظ مسبب اسی سبب کے[636]کہ حکم کیلئے عام ہو۔(ھو الطواف) جیسا کہ قول خداوندی ہے۔(ھو الصلاۃ) میں ہے۔

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ(المجادلة ٢)[637] وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ(النور ٤)[638] اور یہاں اس آیت کا حکم ان افراد کے متناول ہے جن کے حق میں طریقۂ وجوب کے ساتھ وارد ہوا ہے نہ کہ طریقۂ فرضیت کے ساتھ۔کیونکہ طواف اگر ننگے جسم کے ساتھ معتبر ہے تو نماز بھی ننگے جسم کے ساتھ معتبر ہونی چاہئے نہ کہ فرض بمثل طواف۔

قلنا۔ آیت فرضیت کی وجہ سے اس وقت حمل ہوتی ہے جب عدم فرضیت کی دلیل موجود نہ ہو جب کہ طواف میں عدم فرضیت ستر کیلئے دلیل موجود ہے اور وہ دلیل اجماع ہے[639]تو آیت طواف کے حق میں وجوب پر حمل ہوئی اور عدم فرضیت ستر کے ساتھ نماز کے حق

---

[635]آیت کے نزول کا سبب کہ وہ طواف ھے۔

[636]اور لفظ مسبب تب عام ھو گا جب طواف اور صلوۃ دونوں میں ستر فرض ھو جائے اور طواف میں ستر واجب ھے نہ کہ فرض تو چاھیئے کہ نماز میں بھی واجب ھو۔

[637]الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ(المجادلة ٢) یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ھیں۔"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فرماتی ھیں کہ پاک ھے وہ ذات جس کی شنوائی میں ھر چیز سمائی ھوئی ھے۔میں نے خولہ بنت ثعلبہ کا کلام خود سنا تھا لیکن اس کے کلام کا کچھ حصہ میں سن نہ سکی تھی وہ رسول اللہ ﷺ مبارک سے اپنے شوھر کی شکایت کر رھی تھیں اور کھہ رھی تھیں یا رسول اللہ ﷺ اس نے میرا مال کھالیا اور اس کیلئے میں اپنا پیٹ بکھیر دیا یعنی بچے پیدا کر دیے لیکن جب میں بوڑھی ھو گئی اور سلسلہ تولید ختم ھو گیا تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا۔بغوی نے لکھا کہ یہ آیت اوس بن صامت کی بی بی حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے حق میں نازل ھوئی۔خولہ حسین تھیں اور اوس کے مزاج میں غصہ بھت تھا ایک روز اوس نے خولہ سے قربت کرنا چاھی خولہ نے انکار کر دیا تو اوس نے کھا۔یا انت علی کظھر امی۔یعنی تو میرے لئے ایسی ھے جیسے میری ماں کی پشت (کھنے کو تو یہ غصے میں کھہ دیا) پھر پشیمان ھوئی ظہار اور ایلاء (عورت سے محدود الایام کنارہ کش رھنے کی قسم) کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔اس لئے اوس بن صامت نے خولہ سے کھا میرے خیال میں تو میرے لئے حرام ھو گئی خولہ نے کھا واللہ! یہ طلاق نھیں۔یہ کھہ کر خولہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ھوئیں اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا حضور اکرم ﷺ کا سر مبارک ایک طرف سے دھو رھی تھیں خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے آکر کھا یا رسول اللہ ﷺ میرے شوھر اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے نکاح اس وقت کیا تھا جب میں جوان تھی، مالدار تھی اور کنبہ والی تھی جب وہ میرا مال کھا چکا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرا کنبہ بھی بچھڑ گیا اور میں بوڑھی ھو گئی تو اب اس نے مجھ سے ظہار کر لیا لیکن ظہار کرنے کے بعد پشیمان ھو گیا۔کیا کوئی ایسی صورت ھے کہ میں اور وہ پھر سے یک جا ھو جائیں حضور ﷺ نے فرمایا تو اس کیلئے حرام ھو گئی خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے میں اپنی محتاجی اور تنھائی کا شکوہ اللہ تعالیٰ سے کرتی ھوں میرا اور اس کا ساتھ مدت دراز تک رھا اور میں نے اس کیلئے اپنا پیٹ جھاڑ دیا یعنی اپنے پیٹ سے اس کے بھت سے بچے جنے حضور ﷺ نے میرے خیال میں تم اس کیلئے حرام ھو گئی ھو اور تیرے متعلق کوئی خاص حکم میرے پاس نھیں آیا۔خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بار بار کلام کو لوٹتی پلٹتی رھیں آخر جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو اس کیلئے حرام ھو گئی تو گفتگو سے رکی اور کھنے لگی میں اللہ تعالیٰ سے اپنی محتاجی اور بدحالی کا شکوہ کرتی ھوں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ھیں اگر میں ان کو اپنے ساتھ رکھوں گی تو بھوکے رھیں گے اور اس کے پاس چھوڑوں گی تو تباہ ھو جائیں گے پھر اوپر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کھنے لگی اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے ھی شکوہ کرتی ھوں۔اے اللہ! میرے لئے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر حکم نازل فرما دے، اسلام میں یہ پھلا ظہار تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا جب رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کا دوسرا حصہ دھونے لگیں تو خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بولیں۔اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ ﷺ پر قربان میرے معاملہ میں غور فرمایئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے فرمایا کہ اپنی بات ختم کر اور جھگڑا نا چھوڑ۔کیا تو رسول اللہ ﷺ مبارک کے چھرہ مبارک کو نھیں دیکھ رھی ھے۔حضور اکرم ﷺ پر جب وحی اترتی تھی تو اس وقت آپ ﷺ پر ایک اونگھ طاری ھو جاتی تھی جب وحی کی حالت ختم ھو گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنے شوھر کو بلا لے اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے تو آپ ﷺ نے یہ آیات ان کو پڑھ کر سنائیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے فرمایا بڑی خیر والا ھے وہ اللہ جس کی شنوائی تمام آوازوں کو اپنے اندر سمائے ھوئے ھے میں گھر کے گوشے میں موجود تھی اس عورت کی کچھ گفتگو سن لی تھی اور کچھ نھیں سن پائی تھی (مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری گفتگو سن لی) اس آیت کا سبب نزول ظہار کا کفارہ ادا کرنے تک وطی کی حرمت ھے یہ حکم عموم کے لفظ کے ساتھ مسبب کے ساتھ باقی عورتوں کے ظہار میں ثابت ھوا ھے یعنی ظہار کا حکم جو وطی اور وطی کے شوق دلانے والے کاموں کی حرمت میں ھے۔خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سمیت باقی عورتوں کیلئے ھے۔ظہار کا لفظ ظھر سے مشتق ھے (ظھر کا معنی پیٹھ ھے) اور ظہار کا معنی ھے کسی شخص کا اپنی بیوی سے یہ کھہ دینا کہ تو میرے لئے ایسے ھی حرام ھے جیسے میری ماں کی پشت۔

[638]اور جو لوگ پاک دامنوں پر تہمت لگاتے ھیں۔

[639]اجماع اس بات پر ھے کہ اگر طواف ننگی حالت میں کرے تو بھی ھوتا ھے۔

میں دلیل موجود نہیں لہذا مذکورہ آیت نماز کے حق میں فرضیت ستر پر حمل ہوئی۔واستقبال القبلة۔اور قبلے کی طرف منہ کرنا(نماز کا) فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرة ۱۴۴) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا(ف ۲۶۲)تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو۔"عن أبي هريرة: قالَ قال رسول الله ﷺ: إذا قُمْتَ إلى الصَّلاةِ،فأسْبِغِ الوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ القِبْلَةَ،[640]حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو کامل وضو کرو اور پھر قبلہ رو ہو کر نماز پڑھو۔عن عبدالله بن عمر بيْن النّاسُ بقُباءٍ في صَلاةِ الصُّبْحِ، إذْ جاءَهُمْ آتٍ، فَقالَ: إنَّ رَسولَ اللَّهِ ﷺ قدْ أُنْزِلَ عليه اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وقدْ أُمِرَ أنْ يَسْتَقْبِلَ الكَعْبَةَ، فاسْتَقْبِلُوها، وكانَتْ وُجُوهُهُمْ إلى الشَّأْمِ، فاسْتَدارُوا إلى الكَعْبَةِ[641].

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ (لوگ) مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ پر اس رات قرآن نازل ہوا اور آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ کعبہ کی طرف منہ کرو تم بھی کعبہ کی طرف منہ کرلو چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے ان کے چہرے شام (بیت المقدس) کی طرف تھے تو وہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔والنية ۔اور نماز کی نیت فرض ہے نیت کے معنی یہ ہیں کہ محض قرب الٰہی حاصل کرنے کے خیال سے دل میں افعال عبادت بجالانے کا ارادہ کیا جائے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نیت دل کے ارادے کو کہا جاتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے۔عن عمر بن الخطاب: إنَّما الأعْمالُ بالنِّيّاتِ،[642]حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔عن أبي هريرة،إنَّ اللهَ لا ينظرُ إلى صُوَرِكُم ولا إلى أَمْوالِكُم ولكِنْ ينظُرُ إلى قلوبِكُم وإلى أعمالِكُم[643]. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں (یعنی اخلاص) اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ای ثواب الاعمال موقوف بالنیات۔نیت میں فرض وقت کا تعین کرنا ہے جیسے نماز عصر ہے اور نیت میں مستحب ہے کہ زبان کے ساتھ رکعتوں کا شمار کرنا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔(البينة ۵) اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے۔"عن

---

[640]البخاري(٢٥٦هـ)، صحيح البخاري٦٦٦٧•أخرجه ابن ماجه(٤٤٧)•ومسلم(٣٩٧) مسلم(٣٦١هـ)، صحيح مسلم١٢٨٠•أبو داود(٢٧٥هـ)، سنن أبي داود٨٥٦•

[641]البخاري(٢٥٦هـ)، صحيح البخاري٤٠٣•ابن حبان(٣٥٤هـ)، صحيح ابن حبان١٧١٥•أحمد شاكر(١٣٧٧هـ)، مسند أحمد٨/١٦٥•

[642]البخاري(٢٥٦هـ)، صحيح البخاري١•أبو داود(٢٧٥هـ)، سنن أبي داود٢٢٠١•الطبراني(٣٦٠هـ)، المعجم الأوسط١/١٧•أبو نعيم(٤٣٠هـ)، حلية الأولياء٦/٣٧٤•أبو نعيم(٤٣٠هـ)، حلية الأولياء ٨/٤٣•ابن عبد البر(٤٦٤هـ)، التمهيد٢١/٢٧٠•النووي(٦٧٦هـ)، الإيضاح في مناسك الحج٤٠•

[643]البيهقي(٤٥٨هـ)، الأسماء والصفات٢/٦٣٤•ابن القيسراني(٥٠٨هـ)، ذخيرة الحفاظ١/٥٩٩•ابن عساكر(٥٧١هـ)، تاريخ دمشق١٨/١٩٣•مسلم(٣٦١هـ)، صحيح مسلم٢٥٦٤•ابن حبان(٣٥٤ هـ)، صحيح ابن حبان٣٩٤•صحيح ابن ماجه٣٣٥٩•

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالَ: تعودوا الخیر فانما الخیر بالعادۃ و حافظوا علی نیاتکم فی الصلوۃ۔[644] حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ خیر اور بھلائی کے کاموں کی عادت ڈالو اس لئے کہ بھلائی کے کام عادت کی بناء پر ہونے چاہیئں اور نماز میں اپنی نیت کی حفاظت کرو۔ **(والتکبیرۃ الاولی)** اور تکبیر اولی فرض ہے فان قیل تکبیر اولی میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کیا کیا ہے؟ **قلنا**۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی بھی اسم ادا کرنا فرض ہے اور اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور تکبیر میں ہاتھ کو کانوں تک اٹھانا سنت ہے، اور ہاتھوں کو کانوں تک پہنچانا مستحب ہے۔ حضرت سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تکبیرِ اولیٰ شرط ہے جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیر اولیٰ رکن ہے اور اگر کوئی شخص تکبیرِ اولیٰ کے وقت نجاست کو دور کرے یا اپنی شرم گاہ کو چھپائے یا قبلہ کی طرف پھر جائے یا فرض کی تکبیرِ تحریمہ سے نفل کی بنا کرے تو حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ان چاروں صورتوں میں نماز جائز ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں نماز جائز نہیں ہوگی۔ پس تکبیرِ اولیٰ کی فرضیت کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ سے تکبیر اولیٰ کا یہ ثبوت ہے یعنی فرمانِ خداوندی ہے کہ **وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (المدثر ۳) فصل صلوۃ** (نماز) کو تکبیر (اولیٰ) پر عطف کیا گیا اگر تکبیر اولیٰ رکن ہو تو شے کا اپنے نفس پر عطف لازم ہو جائے گا، تو معلوم ہوا کہ تکبیر اولیٰ نماز سے خارج ہے کیونکہ تکبیرِ اولیٰ شروع پر عقد ہے نہ کہ عین شروع پر اور اس میں یہ قولِ خداوندی ہے **وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی (الاعلی ۱۵)** اور حضرت امامِ اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب[645] میں اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے وقت قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تکبیرِ اولیٰ نماز سے خارج ہے نہ کہ داخل۔ کیونکہ اگر یہ نماز میں داخل ہوتی تو اس دوران قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا۔ اور تکبیرِ اولیٰ کے ثبوت میں نبی کریم ﷺ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ **عن علي بن أبي طالب: مِفتاحُ الصلاۃِ الطُّھورُ و تحریمُھا التَّکبیرُ و تحلیلُھا التَّسلیمُ۔**[646] حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہارت ہے اور نماز کی تحریمہ تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔ تحریمہ لغت میں کسی چیز کے حرام کرنے کو کہا جاتا ہے کیونکہ یہ نماز سے باہر کی مباح اشیاء کو نماز کے اندر حرام کرتی ہے۔ اور شرع میں تکبیرِ اولیٰ کو ہی تکبیرِ تحریمہ کہا جاتا ہے اور سلام کو تحلیل کے ساتھ مسمیٰ کیا گیا۔ کیونکہ یہ یعنی سلام نماز کے اندر حرام اشیاء کو نماز سے نکلنے پر نمازی کے لئے حلال کرتا ہے اور تکبیرِ اولیٰ کے ثبوت میں اجماع یہ ہے کہ حضور

---

[644] مجمع الزوائد باب النیۃ والخروج من الصلاۃ۔

[645] مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اور مذہب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ اگرچہ رکن ہے لیکن قہقہہ ایسی نجس چیز نہیں تو تکبیر اولیٰ کے دوران مفسد ہو کہ وضو کا ٹوٹنا لازم آئے۔ ہم کہتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ شرط ہے اور قہقہہ شرائط میں وضو کے دھرانے کو لازم نہیں کرتا۔

[646] (ابو داؤد والترمذی، وابن ماجہ، وأحمد) أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٦١ • سکت عنہ [وقد قال في رسالتہ لأھل مکۃ کل ما سکت عنہ فھو صالح • أخرجہ أبو داود (٦١)، والترمذي (٣)، وابن ماجہ (٢٧٥)، وأحمد (١٠٠٦) الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٢٣٨ • حسن • أخرجہ الترمذي (٢٣٨) واللفظ لہ، وابن ماجہ (٢٧٦) مختصراً •

اکرم ﷺ کے زمانے سے ہی تکبیرِ اولیٰ کے فرض ہونے پر اجماعِ امت ہے اور آج تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ اور قیاس کہتا ہے کہ تکبیرِ اولیٰ فرض ہونی چاہیئے کیونکہ یہ دخولِ نماز کا موقوف علیہ ہے اور نماز میں دخول فرض ہے اس لئے تکبیرِ اولیٰ بھی فرض ہوئی۔[647]

(**واما اداخلية**) اور وہ فرائض جو نماز میں داخل ہیں، (**فسبعة**) پس وہ سات ہیں (**القيام**) کھڑا ہونا، نماز میں قیام کرنا یعنی کھڑا ہونا کی فرضیت، کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ سے قیام کی دلیل یہ ہے **حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطىٰ وقوموا الله قانتين اى صلوا الله قائمين**۔ لہذا قدرت رکھتے ہوئے نماز میں کھڑا ہونا (قیام) فرض ہوا اور مجبوری کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔[648]

فان قيل۔ نصِ مطلق نماز میں فرضیتِ قیام کا تقاضا کرتی ہے، تو چاہیئے کہ نفل نماز میں بھی کھڑا ہونا فرض ہو، اور قدرت کے باوجود نفل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہ ہو۔ **قلنا**۔ نفلی نماز بیٹھ کر پڑھنا حضور ﷺ کے اس قول سے ثابت ہے کہ **عن عبدالله بن عمرو: صلاةُ القاعِدِ على النِّصفِ من صَلاةِ القائمِ**۔[649] تو معلوم ہوا کہ اس سے نفلی نماز بیٹھ کر پڑھنے کا جواز ہے اور معذور کا بیٹھ کر نماز پڑھنا قائم یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ اور قیام سنتِ رسول ﷺ سے اس طرح ثابت ہے کہ حضور ﷺ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ **صلِّ قائمًا، فإن لم تَستطِعْ فقاعدًا، فإن لم تستَطِعْ فعلى جنبٍ**۔[650] اور اجماع سے قیام اس طرح ثابت ہے کہ امتِ رسول ﷺ نے زمانۂ رسول ﷺ سے قیام کی فرضیت پر اجماع کیا ہے اور آج تک کسی نے قیام کی فرضیت سے انکار نہیں کیا۔ اور قیاس کہتا ہے کہ حالتِ قدرت میں قیام فرض ہونا چاہیئے کیونکہ اطاعت بقدرِ قدرت ہے۔ **فان قيل**۔ کہ فرض واجب سنت اور مستحب قیام میں کون سے ہیں۔ **قلنا** ہم کہتے ہیں۔ قیام بقدرِ ایک آیت فرض ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بقدرِ تین آیات فرض ہے۔ **الحمد** پڑھنا، اور مطلق ایک آیت کا پیوست کرنا مذہبِ امامِ اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور بقدرِ ایک لمبی آیت مذہبِ صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں واجب ہے اور بقدرِ تین لمبی آیتوں کے سنت ہے، اور بقدرِ تین لمبی آیتوں سے زیادہ تفاوت کے ساتھ پانچ نمازوں میں مستحب ہے۔ (**والقراءة**) اور نماز میں قرأت فرض ہے پس فرضیتِ قرأت کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس کے ساتھ ثابت ہوئی ہے۔ ثبوت کتاب اللہ سے یہ قولِ خداوندی ہے **فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ** (**المزمل ۲۰**) ثبوتِ سنت سے حضور نبی کریم ﷺ کا قول اور فعل ہے۔ ثبوتِ فعل سے وہ ظاہر ہے۔ ثبوت قول سے آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے۔ **عن عبادة بن**

---

[647] فرض کا موقوف علیہ فرض ہوتا ہے واجب کا واجب، سنت کا سنت اور مستحب کا موقوف علیہ مستحب ہوتا ہے۔

[648] کیونکہ ناتوانی کی حالت میں کھڑا ہونا ساقط ہو جاتا ہے اس قول خداوندی کے مطابق کہ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ۔ (الفتح ۱۷) (اندھے پر تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر مواخذہ)۔

[649] الترمذي (٢٧٩هـ)، العلل الكبير ٨٠ • صحيح يروى من غير وجه • أخرجه مسلم (٧٣٥)، وابن ماجه (١٢٢٩) باختلاف يسير، والنسائي (١٦٥٩)، وأحمد (٦٨٠٨) واللفظ لهما •.

[650] ابن باز (١٤١٩هـ)، حديث المساء ٣٤٩] • ثابت • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج سنن الدارقطني ١٤٢٥ • صحيح •

الصامت لا صَلاةَ إلّا بفاتحةِ الكِتابِ و آيتَينِ معها[651]۔ اور ثبوتِ اجماع سے حضرت رسول اکرم ﷺ کی امت زمانۂ نبی کریم ﷺ سے جمع ہوئی ہے اور آج تک فرضیتِ قرأت سے کسی نے انکار نہیں کیا اور قیاس کہتا ہے کہ قرأت فرض ہونی چاہیئے کیونکہ قرأت نماز میں رکن ہے اور رکن شے کا فرض ہوتا ہے، اور قرأت مطلقاً فرض ہے۔ اگر علیحدہ نماز پڑھنے والا ہو، یا مقتدی ہو یا امام ہو۔ **فان قیل۔** کہ مقتدی پر قرأت منع ہے، تو کس طرح اس پر قرأت فرض ہو۔ **قلنا۔** قرأت دو قسم کی ہے، ایک حقیقتاً اور دوسری تقدیراً۔ تو مقتدی کے حق میں قرأت تقدیری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے مطابق کہ **عن جابر بن عبدالله: مَنْ كانَ لَهُ إمامٌ فإنَّ قراءةَ الإمامِ قراءةٌ لَهُ**[652] **فان قیل۔** کہ فرض وہ فعل ہے جو مکلف کی قدرت میں ہو اور قرأت مقتدی کے حق میں نہیں تو یہ مقتدی پر کس طرح فرض ہو گی۔ **قلنا۔** یہ بات ہم نہیں مانتے کہ مقتدی کی قدرت میں قرأت نہیں بلکہ اس کی قدرت میں ہے۔ **فان قیل۔** آیت عام مخصوص البعض ہے ایک آیت سے کم اس آیت سے خارج ہوا ہے اور یہ دلیلِ ظنی ہے۔ اس کے ساتھ فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ **قلنا۔** یہ بات ہم نہیں مانتے کہ یہ آیت مادون کو متناول ہے کیونکہ قرأت قسم ہے نظمِ معجزہ کے لئے اور معجز آیت ہے نہ کہ مادون کے لئے۔ **فان قیل۔** کہ آیت تو صلوۃ تہجد میں نازل ہوئی اور صلوۃ تہجد منسوخ ہے، تو اس آیت کے ساتھ دوسری نمازوں میں قرأت کس طرح فرض ہو گی۔ **قلنا۔** یہ بات ہم نہیں مانتے کہ صلوۃِ تہجد میں ارکان کا نسخ ہے بلکہ فرضیت کا وصف ہے، کیونکہ جب ایک شخص تہجد کی نماز پڑھ رہا ہو تو قیام اور قرأت وغیرہ تہجد میں بھی اس پر فرض ہیں۔ **فان قیل۔** کہ قرأت میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کون سے ہیں۔ **قلنا۔** مذہبِ حضرت امامِ اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک آیت کی قرأت مطلقاً فرض ہے چاہے وہ قصیر ہو یا طویل، اور مذہبِ صاحبین رحمۃ اللہتعالیٰ علیہم کے نزدیک ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیت اور الحمد کا پڑھنا اور مطلق ایک آیت کا پیوست کرنا یا ایک لمبی یا تین کوتاہ یعنی چھوٹی آیتوں کا پڑھنا اختلافِ مذہبین میں واجب ہے۔ اور تین لمبی آیتوں کا پیوست کرنا سنت ہے اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔ **(والرکوع)۔** اور رکوع نماز میں فرض ہے۔ رکوع لغت میں جھکنے کو کہا جاتا ہے اور شرع میں کمر کا سر کے ساتھ مطلقاً برابر کرنا ہے اور اگر کمر کا جھکنا کم ہوا اور وہ قیام کو نزدیک تھا تو جائز نہیں اور اگر رکوع کو قریب تھا تو رکوع جائز ہے۔ پس فرضیت رکوع کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس کے ساتھ ثابت ہوئی ہے۔ ثبوت کتاب اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ **وارکعوا۔** سنت سے رسول اللہ ﷺ کا فعل اور قول ہے۔ ثبوت فعل تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کرتے تھے۔ ثبوت قول رسول اللہ ﷺ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے کہ **عن عمران بن الحصين: سألتُ رسولَ اللهِ ﷺ عن**

---

[651] شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج المسند ٣٧/٣٤٦ • أخرجه البخاري (756)، ومسلم (394)، وأبو داود (822)، والترمذي (247)، والنسائي (910)، وابن ماجه (837)، وأحمد (22677) مختصراً، والطبراني في ((المعجم الأوسط)) (2262) واللفظ له

[652] العيني (٨٥٥هـ)، عمدة القاري ٦/١٧ • له طرق أخرى يشد بعضها بعضا • أخرجه ابن ماجه (٨٥٠)، وأحمد (١٤٦٤٣) الدارقطني (٣٨٥هـ)، سنن الدارقطني ٢/٧٨ • البيهقي (٤٥٨هـ)، السنن الكبرى للبيهقي ٢/١٥٩ • وأحمد (١٤٦٤٣) بنحوه، والطبراني في «المعجم الأوسط» (٧٩٠٣) واللفظ له. الكمال بن الهمام (٨٦١هـ)، شرح فتح القدير ١/٣٤٥ • سنده صحيح • ملا علي قاري (١٠١٤هـ)، شرح مسند أبي حنيفة ٣٠٨ • إسناده صحيح. الزيلعي (٧٦٢هـ)، نصب الراية ٢/٧ • [فيه جابر الجعفي مجروح ولكن له طرق أخرى مدخولة يشد بعضها بعضا • أخرجه ابن ماجه (٨٥٠)، وأحمد (١٤٦٤٣) باختلاف يسير، وعبد بن حميد في «المسند» (١٠٤٨) واللفظ له

صلاةِ المريضِ فقال صلِّ قائمًافإن لم تستطِع فقاعِدًا فإن لم تستطِعْ فعلى جَنبٍ[653]ثبوت اجماع سے توجمع ہوئی ہے امت رسول ﷺ کی زمانۂ رسول ﷺ سے اورآج تک رکوع کی فرضیت سے کسی نے انکار نہیں کیااور قیاس کہتاہے کہ نمازمیں رکوع فرض ہوناچاہیئے کیونکہ رکوع نمازمیں رکن ہے اور شیئے کارکن شیئے کاموقوف علیہ ہوتاہے اور موقوف علیہ نمازکافرض ہوتاہے نمازکی طرح۔کوئی کہتا۔رکوع میں فرض،واجب،سنت اور مستحب کون کون سے ہیں۔ہم کہتے ہیں مطلق رکوع فرض ہے اور طمانیۃ بقدرایک تسبیح کے واجب ہے اوربقدر تین تسبیحات طمانیہ سنت اوربقدر پانچ یاسات تسبیحات کے طمانیہ مستحب ہے۔(**والسّجود**)۔اور سجدہ فرض ہے لغت میں سجدہ انقیاداور میلان کو کہاجاتاہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں۔**سجدت النخلة اذامالت وسقطت على الارض**[654]۔اور شرع میں سجدہ نمازمیں رکن مخصوصہ سے عبارت ہے کہ رکوع اور قیام یاقعود کے درمیان اداہوتاہے۔پس فرضیت سجدہ کتاب اللہ تعالیٰ،سنت،اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔ثبوت کتاب اللہ تعالیٰ سے یہ قول خداوندی ہے۔ **وَاسْجُدُوا(الحج ۷۷)**۔ثبوت سنت سے آنحضرت ﷺ کافعل اور قول ہے۔ثبوت فعل سے ظاہرہے کہ حضور ﷺ کایہ قول ہے کہ ایک بیمار کوفرمایاتھا۔**فصل قاعداًبركوع وسجود**[655]۔ثبوت اجماع سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت زمانہ رسول اللہ ﷺ سے سجدہ کی فرضیت پر جمع ہوئی ہے اورآج دن تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ثبوت قیاس یہ ہے کہ نمازمیں سجدہ فرض ہوناچاہیئے کیونکہ نمازمیں سجدہ رکن ہے اور شیئے رکن کے بغیر موجود نہیں ہوتی کیونکہ رکن شیئے کاذاتی شیئے ہوتاہے۔

کوئی کہتا۔کہ سجدہ میں فرض،واجب،سنت اور مستحب کون کون سے ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ مطلق سجدہ فرض ہے جوکہ پیشانی کارکھناہے اور طمانیہ بقدرایک تسبیح واجب۔بقدر تین تسبیحات سنت اوربقدر سات تسبیحات مستحب ہے فرض نمازمیں۔کوئی کہتاکہ اللہ تعالی کایہ قول۔ **وَاسْجُدُوا**۔امر ہے اورامر تکرارکامقتضی نہیں ہے توسجدہ میں تکرار فرض نہیں ہوناچاہیئے۔ہم کہتے ہیں۔یہ بات مانتے ہیں کہ امر تکرارکاتقاضانہیں کرتا۔پہلاسجدہ توامر کی وجہ سے فرض ہوااوردوسراسجدہ مشاکلت کی وجہ سے فرض ہوگیااور جب اللہ تعالیٰ نے ارواح کوحکم دیاتوارواح نے حضرت آدم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام کوسجدہ کردیااور شیطان نے سجدہ نہیں کیاجب ارواح نے سجدہ سے سروں کواٹھایاتواللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت نازل ہوئی سب ارواح لعنت کے خوف سے واپس سجدہ میں گرگئیں توجب ارواح نے سجدہ سے سراٹھایاتوشیطان علیہ اللعنۃ پرلعنت واقع ہوچکی تھی اوردوسرایہ کہتاہوں کہ پہلااوردوسراسجدہ قول خداوندی پرفرض ہواہے کہ۔ **وَاسْجُدْوَاقْتَرِبْ(العلق ۱۹)وَاسْجُدْ** سے پہلااور **وَاقْتَرِبْ** سے دوسراسجدہ فرض ہواہے۔[656]**وَاقْتَرِبْ الى اللہ تعالیٰ بالسجدة الاخيرة**

---

[653]ابن العربي(٥٤٣هـ)،عارضة الأحوذي١/٣٩٢•حسن۔القرطبي المفسر(٦٧١هـ)،تفسير القرطبي٥/٤٦٧•

[654]جیسے اہل عرب کہتے ہیں کہ درخت نے اس وقت سجدہ کیاجب وہ ٹیڑھاہوایاجب گرگیاتھا۔

[655]حضور ﷺ نے ایک بیمار کوفرمایاکہ نمازبیٹھ کررکوع وسجود کے ساتھ پڑھو۔

[656]سجدہ نمازکے متفق علیہ فرائض میں سے ہے چنانچہ ہرنمازی پرفرض ہے کہ ہررکعت میں دوسجدے کرے اب رہی اس کی حد کہ کس طرح سجدہ ادا کرنے سے فرض اداہواس کے بارے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فرض سجدہ کی ہڈیاں ہیں کہ (پیشانی کا) کچھ حصہ رکھاجائے اگرچہ یہ حصہ پیشانی کا(جس سے سجدہ

کذافی القھستانی[657]۔**(والقعدة الاخیرة)**۔اور قعدۂ اخیرہ (نماز کی آخری رکعت میں بیٹھنا) فرض ہے چاہے فرض ہو یا نفل۔اور قعدہ اخیرہ کی فرضیت کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس کے ساتھ ثابت ہوئی ہے۔ثبوت قول خداوندی ہے۔**الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ** (آل عمران ۱۹۱) ثبوت سنت سے یہ قول اور فعل رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ثبوت قول سے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ۔ **اذاقلت ھذاوفعلت ھذافقدتمت صلوتک ای فقدقربت الصلوۃ الی الاتمام**[658]۔ثبوت فعل رسول اللہ ﷺ سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قعدہ اخیرہ کو بغیر ترک کے مداومت (ہمیشگی) سے کیا ہے۔ اور قعدۂ اخیرہ کا اجماع سے ثبوت یہ ہے کہ زمانہ نبی اکرم ﷺ سے ہی امت محمدیہ ﷺ نے آخری قعدے کی فرضیت پر اجماع کیا ہے اور آج تک کسی نے اس کی فرضیت سے انکار نہیں کیا اور قیاس یہ کہتا ہے کہ قعدۂ اخیرہ نماز میں فرض ہونا چاہئے کیونکہ کسی حال میں بھی نماز بغیر قعدے کے خارج ہونا متحقق نہیں ہوتا اور چونکہ نماز سے خارج ہونا فرض ہے لہذا قعدہ اخیرہ بھی فرض ٹھہرا۔

فان قیل۔ قعدہ اخیرہ میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کون کون سے ہیں؟**قلنا۔**قدرے تشہد بیٹھنا فرض ہے اور تشہد پڑھنا واجب ہے۔درود اور دعا کرنا سنت ہے جبکہ سینے کی طرف دیکھنا مستحب ہے۔**(والترتیب)** اور ترتیب کی محافظت واجب ہے۔**(فی ما)**۔نماز کے اس رکن میں۔**(اتحدت شرعیتہ)**۔کہ اس رکن کا ایک دفعہ ادا کرنا روا ہوا ہو۔**(فی کل رکعة)** ہر رکعت میں۔جیسے قیام، رکوع اور سجدہ کرنے میں ترتیب ہے۔**(اوفی جمیع الصلوۃ)**۔یا وہ رکن ساری نماز میں ایک بار کرنا روا ہوا ہو جیسے تکبیر اولیٰ اور قعدہ اخیرہ ہے اور ترتیب نماز کے ان افعال میں فرض ہے۔جو ایک رکعت میں مکرر ہو جیسے دو سجدے ہیں اور پہلا سجدہ اتفاقاً فرض ہے ہمارے مذہب کے علماء ثلاثہ کے نزدیک اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرا سجدہ مختلف فیہ ہے۔اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر فتویٰ ہے کہ اگر رکوع کو قیام اور قرأت سے مقدم کر دیا یا سجدے کو رکوع سے مقدم کیا تو قیام و قرأت کے بعد رکوع کا اور رکوع کے بعد سجدے کا اعادہ نہ کرے اور ہمارے مذہب کے علماء کے نزدیک اعادے پر فتویٰ ہے اور جب فعل مکرر میں ترتیب واجب ہو تو فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص

ہوتاھے)چھوٹاساجزوھوناک کاکچھ حصہ سجدے میں رکھنا کافی نہیں جب تک کہ معذوری نہ ھو محض چھرے یا ٹھوڑی کا سجدے میں رکھنا قطعاً کافی نہیں خواہ معذوی ھو یا نہ ھو دونوں ھاتھوں میں سے ایک ھاتھ کو اور دو گھٹنوں میں سے ایک گھٹنے کو اور دونوں پیروں میں سے ایک پیر کے کچھ نہ کچھ سرے کے ساتھ سے سجدہ کرنا ضروری ھے اگرچہ ان انگلیوں میں سے جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ھے صرف ایک ھی انگلی ھو پیشانی کے بیشتر حصہ کا سجدہ میں رکھنا واجب ھے اور پورا سجدہ دراصل وھی ھے جس میں دونوں ھاتھ پورے دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے سرے سر اور پیشانی اور ناک سجدہ میں رکھے جائیں۔

[657]آخری سجدے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ھوا جیسے کہ قھستانی میں ھے۔

[658]مذھب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ میں "السلام" کھہ کر نماز سے خارج ھونا فرض نھیں بلکہ "یہ لفظ السلام" واجب ھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشھد کی تعلیم دے کر فرمایا کہ "اگر تشھد پڑھ لی ھو یا اس کی مقدار قعدہ کر لیا ھو تمھاری نماز پوری ھو گئی اب کھڑے ھو جانا چاھو تو کھڑے ھو جاؤ اور اگر لوگوں کی طرف منہ پھیرنا چاھو تو پھیر لو" مقصد یہ ھے کہ حضور ﷺ نے نماز سے باھر آنے کیلئے "السلام" کھنے کا حکم نھیں دیا۔واضح ھو کہ صرف السلام کھنے سے بغیر اس کے کہ علیکم کھا جائے انسان نماز سے باھر آجاتا ھے پس اگر کوئی شخص بغیر السلام کھے نماز سے باھر آجائے خواہ کوئی امر وضو توڑنے والا سرزد کر کے تو نماز صحیح ھو گی (لیکن ترک السلام) گناہ ھے اور چاھئے کہ نماز دوبارہ پڑھ لی جائے اگر دوبارہ نہ پڑھی تو اور بھی گناہ ھو گا۔

نے پہلی رکعت میں ایک سجدہ ترک کیاتو دوسری رکعت میں تین سجدے کرے گادو سجدے دوسری رکعت کے اور تیسرا سجدہ پہلی رکعت کے سجدے کی قضاء کااور آخر میں سجدہ سہو کرے گا۔(والخروج)۔اور نماز سے خارج ہونا فرض ہے۔

(بفعل المصلی)۔ نمازی کے فعل اختیاری منافی کے ساتھ یعنی ایسے فعل سے خارج ہونا فرض ہے جو نماز کے منافی ہو جیسے کھانا پینا،لفظ السلام یعنی اپنے آپ کو قصداً بے وضو کرنا۔پس نماز سے خارج ہونے کی فرضیت کتاب اللہ ،سنت رسول اللہ ﷺ اور قیاس سے ثابت ہے،ثبوت کتاب اللہ سے خروج نماز اس قول خداوندی سے ثابت ہے کہ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ (الجمعة ١٠) سنت رسول اللہ ﷺ سے اس کا ثبوت نبی کریم ﷺ کا وہ قول ہے۔جب آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ عن عبدالله بن مسعود: إذا قلتَ هذا أو فعلتَ هذا فقد قضيتَ صلاتَک فإن شئتَ أن تقومَ فقُمْ وإن شئتَ أن تقعُدَ فاقْعُدْ۔[659] یہاں قیام اوراستقبال (یعنی لوگوں کی طرف مڑ جانا)نماز کے منافی ہے اس لئے یہ نماز سے خروج ہوا اور جس کام سے نماز سے قصداً نکلا جاتا ہے اسے صنع کہا جاتا ہے اور قیاس کہتا ہے کہ نماز سے صنع کے ساتھ نکلنا فرض ہونا چاہیئے،کیونکہ خارج ہونا فرض آخر کا موقوف علیہ ہوتا ہے اور فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے اس لئے نماز سے خاج ہونا فرض ٹھہرا۔اور نبی کریم ﷺ کے اس قول کی دلالت میں مذہب صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ میں صنع کے ساتھ نماز سے خارج ہونا فرض نہیں۔حضور ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ إذا قلتَ هذا أو فعلتَ هذا[660]۔اوراس مسئلے میں بغیر صنع کے نکلنے سے اختلاف اس لئے ہے کہ تیمم کرنے والے آدمی کا تشہد کے بعد پانی کا دیکھنا اور پانی پر قدرت حاصل ہونا بھی نماز کو توڑ دیتا ہے۔اسی طرح اور بھی مثالیں ہیں جو "کنز الدقائق" میں مذکور ہیں۔مذہب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان بارہ صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ ابھی تک فرضیت باقی ہے جو مصلی کا صنع ہے اور مذہب صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ میں مطلقاً خروج فرض ہے نہ کہ مصلی کا صنع۔اس لئے ان کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔فان قیل۔اگر نمازی کا صنع کے ساتھ نماز سے خارج ہونا متحقق ہوتا ہے تو پھر صنع نماز سے خارج ہونی چاہئے نہ کہ داخل نماز۔ قلنا۔ صنع ،قعدے کے ساتھ متصل (ملا ہوا) ہے اور چونکہ قعدہ داخل نماز ہے اس لئے صنع بھی داخل ہوئی۔فان قیل۔ تکبیر اولیٰ قیام کے ساتھ متصل ہے اور چونکہ داخل نماز ہے اس لئے صورت صنع کی طرح تکبیر اولیٰ بھی داخل ہونی چاہئے جب کہ تکبیر اولیٰ خارج نماز ہے۔ قلنا۔ تکبیر اولیٰ قیام سے مقدم ہے اور جو چیز مقدم ہو وہ موخر کے تابع نہیں ہوتی جب کہ صنع قعدے سے موخر ہے اس لئے موخر،مقدم کے تابع ہوتا ہے۔

صفۃ الصلوٰۃ کی پہیلیاں

ا۔ قیام پر قدرت کے باوجود فرض نماز کو بھی بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔اس کی صورت کیا ہے؟

---

[659] الدارقطني (٣٨٥هـ)، سنن الدارقطني ٢/٩٥

[660] اگر تشہد پڑھ لی ہو یا اس کی مقدار میں قعدہ کر لیا۔

۲۔ وہ کون سی صورت ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں بھول کر سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد بھی بیٹھ جانا واجب ہے؟

۳۔ ایک مقتدی کو مغرب کی نماز میں چودہ بار تشہد یعنی التحیات پڑھنا پڑا اس کی کیا صورت ہے؟

۴۔ چار رکعت کی نماز میں بغیر کسی سہو کے چار بار التحیات پڑھنا پڑے۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۵۔ فرض نماز میں فرض کی نیت کرنے کے باوجود فرض نماز نہیں ہو گی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۶۔ وہ کون سی صورت ہے کہ نمازی سلام پھیرنے کے باوجود نماز سے باہر نہیں ہوتا؟

۷۔ وہ کون سے نمازی ہیں کہ ان کو سلام نہیں پھیرنا ہے؟

۸۔ جس وقت کی نیت سے نماز پڑھی اس کے بجائے دوسرے وقت کی نماز ہو گی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۹۔ رکوع و سجود اور قیام پر قدرت کے باوجود فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے اس کی صورت کیا ہے؟

۱۰۔ پنج وقتی نماز اور عیدین وجمعہ میں کب آخری صف میں شامل ہونا افضل ہے؟

۱۱۔ وہ کون سی چار رکعت والی نماز ہے کہ جس کی تیسری رکعت میں ثنا اور تعوذ پڑھنے کا حکم ہے؟

۱۲۔ کس رکوع کی تکبیر کہنا واجب ہے؟

۱۳۔ نماز میں ثناء و تعوذ اور تسمیہ پڑھنا جائز نہیں۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۱۴۔ کس شخص کو رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم ہے؟

{جوابات} صفۃ الصلوٰۃ کی پہیلیاں

۱۔ جب کہ نمازی کے پاس کپڑا وغیرہ نہ ہو کہ جس سے بدن چھپا سکے تو ننگے نماز پڑھنے کی صورت میں قیام پر قدرت رکھنے کے باوجود فرض نماز کو بھی بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: مطبوعہ مصر: ص:۵۵: میں ہے: **مَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْبًا صَلَّى قَاعِدًا يُومِئُ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ أَوْ قَائِمًا بِرُكُوعٍ وَسُجُودٍ الْأَوَّلُ أَفْضَلُ. هَكَذَا فِي الْكَافِي۔**

۲۔ صرف مقتدی قعدہ اولیٰ میں بھول کر سیدھا کھڑا ہو جائے تو امام کی متابعت کے لئے اس پر بیٹھ جانا واجب ہے نوافل میں بھی جب تک کہ تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ آئے کہ نفل کا ہر قعدہ قعدۂ اخیرہ ہے۔ مراقی الفلاح مع طحطاوی: ص:۲۵۳: میں ہے: **إذا سها**

"المقتدي" فحكمه "كالمنتقل" إذا قام "يعود ولو استتم قائما۔ اور در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۹۹: میں ہے: ا ء مَا النَّفَلُ فَيَعُودُ مَا لَمْ يُقَيِّدْ بِالسَّجْدَةِ۔

۳۔ ایک مقتدی کو مغرب کی نماز میں چودہ بار تشہد پڑھنے کی صورت یہ ہے مہ مقتدی نے قعدۂ اولیٰ میں امام کو پا کر پہلی بار تشہد پڑھا پھر امام کے ساتھ اس کی تیسری رکعت پر دوسری بار تشہد پڑھا اور امام پر سجدۂ سہو واجب تھا تو سجدۂ سہو کے بعد امام کے ساتھ تیسری بار تشہد پڑھا۔ پھر امام کو یاد آیا کہ نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی ہے اور سجدہ نہیں کیا ہے تو سجدۂ تلاوت کے بعد پھر چوتھی بار امام کے ساتھ تشہد پڑھ کر سجدۂ تلاوت قعدۂ اخیرہ کو ختم کر دیتا ہے پھر امام نے سجدۂ سہو دوبارہ کرنے کے بعد تشہد پڑھ کر سلام پھیرا تو مقتدی کو پانچویں بار امام کے ساتھ تشہد پڑھنا اس لئے کہ سجدۂ تلاوت کے سبب امام کا پہلا سجدہ سہو بیکار ہو گیا تھا۔

اب مقتدی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پوری کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اپنی دوسری رکعت کے قعدہ میں چھٹی بار تشہد پڑھا۔ پر اپنی تیسری رکعت میں ساتویں بار تشہد پڑھا اور اس سے بھی کوئی واجب بھی بھول کر چھوٹ گیا تھا تو سجدۂ سہو کے بعد آٹھویں بار تشہد پڑھا۔ اس کے بعد اسے بھی سجدۂ تلاوت یاد آیا تو سجدۂ تلاوت کے بعد نویں بار تشہد پڑھا اور چونکہ سجدۂ تلاوت کے سبب سہو بیکار ہو گیا اس لئے سجدۂ سہو کے بعد دسویں بار تشہد پڑھ کر سلام پھیرا۔[661] اور در مختار کے مختصر الفاظ یہ ہیں: قَدْ يَتَكَرَّرُ عَشْرًا، كَمَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ فِي تَشَهُّدَيْ الْمَغْرِبِ وَعَلَيْهِ سَهْوٌ فَسَجَدَ مَعَهُ وَتَشَهَّدَ ثُمَّ تَذَكَّرَ سُجُودَ تِلَاوَةٍ فَسَجَدَ مَعَهُ وَتَشَهَّدَ ثُمَّ سَجَدَ لِلسَّهْوِ وَتَشَهَّدَ مَعَهُ ثُمَّ قَضَى الرَّكْعَتَيْنِ بِتَشَهُّدَيْنِ وَوَقَعَ لَهُ كَذَلِكَ۔

اور جب مقتدی امام کے ساتھ پانچویں بار تشہد پڑھ چکا اگر اس کے بعد امام کو یاد آیا کہ ہم نے نماز کی کسی رکعت کا ایک ہی سجدہ کیا ہے تو نماز کا چھوٹا ہوا سجدہ کرنے کے بعد امام کے ساتھ مقتدی کو چھٹی بار تشہد پڑھنا پڑا اور نماز کے سجدہ نے چونکہ پھر سجدۂ سہو کو باطل کر دیا اس لئے امام نے پھر تیسری بار سجدۂ سہو کرنے کے بعد تشہد پڑھ کر سلام پھیرا تو مقتدی کو امام کے ساتھ کل سات بار تشہد پڑھنا پڑا اور اگر مقتدی کو بھی اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کے پڑھنے میں اسی قسم کا معاملہ پیش آیا یعنی اس سے بھی نماز کا سجدہ بھول کر چھوٹ گیا تو مقتدی کو تین رکعت کی نماز میں کل چودہ مرتبہ تشہد پڑھنا پڑے گا جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۳۱۳: میں ہے: مِثْلُ التِّلَاوَةِ تَذَكُّرُ الصُّلْبِيَّةِ، فَلَوْ فَرَضْنَا تَذَكُّرَهَا أَيْضًا لَهُمَا زِيدَ أَرْبَعٌ۔

۴۔ اگر چار رکعت کی نماز میں مقیم نے ایک رکعت ہو جانے کے بعد مسافر امام کی اقتداء کی تو اس صورت میں بغیر سہو کے اسے چار بار التحیات پڑھنا پڑھے گا۔ ایک بار امام کے ساتھ پھر ان دونوں رکعتوں پر کہ جیسے وہ بغیر قرأت پڑھے گا اور چوتھی بار آخری رکعت میں۔[662]

---

[661] (ردالمحتار: جلداول: ص:۳۱۳)

[662] (فتاویٰ رضویہ: جلدسوم: ص:۳۹۵)

۵۔ فرض نماز میں اگر فرض کی نیت کرے گا مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں تو فرض نماز نہیں ہو گی جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں "اگر کوئی شخص نماز فرض میں فرض کی نیت تو کرے مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں نماز نہ ہو گی کہ صلوٰۃ فریضہ میں نیت فرض بھی ضروری تھی جب وہ معنی فرض سے غافل ہے تو لفظ فرض کا خیال ہوا نہ نیت فرض کی کہ فرض تھی: **فی الاشباہ عن العنایۃ انہ ینوی الفریضۃ فی الفرض الخ ثم نقل عن القنیۃ ینوی الفرض و لا یعلم معناہ لا یجزیہ۔**[663]

۶۔ جس پر سجدۂ سہو واجب ہو مگر سہو ہونا یاد نہ ہو تو اس صورت میں سلام پھیرنے کے باوجود نماز کے باہر نہیں ہو تا بشرطیکہ سجدۂ سہو کر لے لہٰذا جب تک کہ کوئی فعل منافی نماز نہ کیا ہو اسے حکم ہے کہ سجدۂ سہو کرے اور تشہد وغیرہ پڑھ کر نماز پوری کرے در مختار مع رد المحتار: جلد اول: ص:۵۰۳: میں ہے: **سَلَامُ مَنْ عَلَيْهِ سُجُودُ سَهْوٍ يُخْرِجُهُ) مِنَ الصَّلَاةِ خُرُوجًا (مَوْقُوفًا) إنْ سَجَدَ عَادَ إلَيْهَا وَإِلَّا لَا۔**

۷۔ امام تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد ٹھٹھا مار کر ہنسا، یا قصداً وضو توڑ دیا تو ان صورتوں میں اس کی مقتدیوں کو سلام نہیں پھیرنا ہے جیسا کہ شامی: جلد اول: ص:۴۱۱: میں ہے: **لَوْ قَهْقَهَ إمَامُهُمْ أَوْ أَحْدَثَ عَمْدًا فَإِنَّهُمْ يَقُومُونَ بِلَا سَلَامٍ۔** اور جوہرہ نیرہ: جلد اول: ص:۶۵: میں ہے: **لَوْ أَنَّ الْإِمَامَ قَهْقَهَ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ أَوْ أَحْدَثَ مُتَعَمِّدًا فَإِنَّ الْقَوْمَ يَذْهَبُونَ مِنْ غَيْرِ سَلَامٍ۔**

۸۔ اس خیال سے کہ ابھی رات باقی ہے تہجد کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھی بعد میں معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی تھی تو اس صورت میں تہجد کی نیت سے پڑھی ہوئی نماز اس کے بجائے فجر کی دو رکعت سنت ہو گئی جیسا کہ الاشباہ والنظائر: ص:۳۲: میں ہے: **لَوْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ عَلَى ظَنِّ أَنَّهَا تَهَجُّدٌ بِظَنِّ بَقَاءِ اللَّيْلِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهَا بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ كَانَتْ عَنْ سُنَّةِ الْفَجْرِ عَلَى الصَّحِيحِ۔**

۹۔ کشتی یا جہاز میں سر چکرانے کے خوف سے رکوع و سجود اور قیام پر قدرت کے باوجود فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے جیسا کہ حضرت علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: **جَوَازُ صَلَاةِ الْفَرْضِ فِي السَّفِينَةِ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ لِخَوْفِ دَوَرَانِ الرَّأْسِ۔**[664]

۱۰۔ جب کہ یہ جانتا ہو کہ آگے کی صف میں شامل ہو گا تو رکعت چھوٹ جائے گی تو اس صورت میں آخری صف میں شامل ہونا افضل ہے جیسا کہ حضرت علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: **إذَا أَدْرَكَ الْإِمَامَ رَاكِعًا فَشُرُوعُهُ لِتَحْصِيلِ الرَّكْعَةِ فِي الصَّفِّ الْأَخِيرِ أَفْضَلُ مِنْ وَصْلِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ مَعَ فَوْتِهَا۔**[665]

۱۱۔ فرض اور ظہر و جمعہ کے پہلے چار رکعت والی سنت کے علاوہ ہر چار رکعت والی نماز کی تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ پڑھنے کا حکم ہے جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۵۴: اور فتاوی رضویہ: جلد سوم ص:۴۶۹: میں ہے: **(وَلَا يُصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**

---

[663] (فتاویٰ رضویہ: جلد سوم: ص:۶۷۶)

[664] (الاشباہ والنظائر: ص:۷۹)

[665] (الاشباہ والنظائر: ص:۱۶۸)

- فِي الْقَعْدَةِ الْأُولَى فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا) وَلَوْ صَلَّى نَاسِيًا فَعَلَيْهِ السَّهْوُ، وَقِيلَ لَا شُمُنِّيٌّ (وَلَا يَسْتَفْتِحُ إذَا قَامَ إلَى الثَّالِثَةِ مِنْهَا) لِأَنَّهَا لِتَأَكُّدِهَا أَشْبَهَتْ الْفَرِيضَةَ (وَفِي الْبَوَاقِي مِنْ ذَوَاتِ الْأَرْبَعِ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ) - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (وَيَسْتَفْتِحُ) وَيَتَعَوَّذُ وَلَوْ نَذْرًا لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ صَلَاةٌ۔

۱۲۔ نماز عیدین کی آخری رکعتوں کے رکوع کی تکبیر کہنا واجب ہے جیسا کہ مراقی الفلاح مع طحطاوی: ص:۱۳۷: میں ہے: **تکبیرة الرکوع فی ثانیة ای الرکعة الثانیة من العیدین۔**

۱۳۔ جب کہ وقت ختم ہونے سے نماز کے فاسد ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ثناء و تعوذ اور تسمیہ پڑھنا جائز نہیں بلکہ پورا درود شریف بھی نہ پڑھے صرف **اللھم صل علی سیدنا محمد** پڑھ کر سلام پھیر دے اور اگر اتنی بھی گنجائش نہ ہو تو صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ شرح وقایہ: جلد اول مجیدی: ص:۱۸۱: میں ہے: **اذا ضاق الوقت یترک السنة۔** اور الاشباہ والنظائر: ص:۳۶۲: میں ہے: لَوْ ضَاقَ الْوَقْتُ عَنْ سُنَنِ الطَّهَارَةِ أَوْ الصَّلَاةِ تَرَكَهَا وُجُوبًا۔

۱۴۔ جو شخص عیدین کی نماز میں اس وقت شامل ہوا جب کہ امام رکوع میں ہے اور وہ حالت قیام میں تکبیرات زوائد کہہ کر امام کو رکوع میں نہیں پا سکتا ہے تو اس شخص کو بغیر ہاتھ اٹھائے رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم ہے ایسا ہی بہارِ شریعت: حصہ چہارم: ص:۱۰۸: میں ہے اور نور الانوار: ص:۳۹: میں ہے: **من ادرک الامام فی صلٰوة العید فی الرکوع وفاتت عنه التکبیرات الواجبة فانه یکبر فی الرکوع عندنا من غیر رفع۔**

قرأت کی پہیلیاں

۱۔ امام کو عشاء کی آخری رکعتوں میں بھی بلند آواز سے قرأت کرنے کا حکم ہے اس کی صورت کیا ہے؟

۲۔ وہ کون سی صورت ہے کہ فرض کی چاروں رکعتوں میں قرأت فرض ہے؟

۳۔ وہ کون سا نمازی ہے کہ جس کو پنج وقتی نماز میں الحمد شریف پڑھنا حرام ہے؟

۴۔ وہ کون سی آیتیں ہیں کہ جن کو بعض نمازوں میں پڑھنا مکروہ ہے؟

۵۔ کس نماز میں کم قرأت کرنا زیادہ قرأت کرنے سے افضل ہے؟

۶۔ جہری نماز میں آیت قرأت کی مگر نہ سجدۂ سہو واجب ہو اور نہ اعادہ۔ اس مسئلہ کی صورت کیا ہے؟

۷۔ فرض کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت پوری پڑھی دوسری رکعت میں بھی اسی صورت کے پڑھنے کا حکم ہے؟

{جوابات} قرأت کی پہیلیاں

۱۔ اگر عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا بھول گیا ہو تو اس صورت میں عشاء کی آخری دو رکعتوں میں بھی امام کو سورۂ فاتحہ اور سورت بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہے جیسا کہ شرح وقایہ: جلد اول مجیدی: ص:۱۴۹: میں ہے: **ان ترک سورۃ اولی العشاء قرأھا بعد فاتحۃ اخرییہ وجھر بھما ان ام۔**

۲۔ فرض کے چاروں رکعتوں میں قرأت کے فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ دو رکعت فرض نماز پڑھانے کے بعد امام کا وضو ٹوٹ گیا تو اس نے مابقی نماز پڑھانے کے لئے ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جس کی دو رکعتیں چھوٹ گئی تھیں اور اشارہ کیا کہ میں پہلی دو رکعتوں میں قرأت بھول گیا تو اس صورت میں خلیفہ پر چار رکعتوں میں قرأت فرض ہے جیسا کہ رد المحتار: جلد اول: ص:۳۰۰: میں ہے: **قَدْ تُفْرَضُ الْقِرَاءَةُ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ الْفَرْضِ الرُّبَاعِيِّ كَمَا لَوْ اسْتَخْلَفَ مَسْبُوقًا بِرَكْعَتَيْنِ وَأَشَارَ لَهُ أَنَّهُ لَمْ يَقْرَأْ فِي الْأُولَيَيْنِ۔**

۳۔ مقتدی کو الحمد شریف پڑھنا حرام ہے۔[666]

۴۔ سجدہ کی آیتیں عیدین وجمعہ اور ہر وہ نماز جس میں قرأت آیات کی جاتی ہے امام کو پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ غنیۃ: ص:۴۷۳: میں ہے: **یکرہ للامام ان یقرأ ایۃ السجدۃ فی صلوٰۃ یخافت فیھا و کذا فی نحو الجمعۃ والعید لانہ ان ترک السجود لما فقد ترک واجبا وان سجد یشتبہ علی المقتدیین الا ان تکون السجدۃ فی اٰخر السورۃ او قریبا منہ بحیث نؤدی برکوع الصلٰوۃ او سجودھا۔**

۵۔ فجر کی دو رکعت سنت میں کم قرأت کرنا زیادہ قرأت کرنے سے افضل ہے جیسا کہ حضرت علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: **تَقْلِيلُ الْقِرَاءَةِ فِي سُنَّةِ الْفَجْرِ أَفْضَلُ مِنْ تَطْوِيلِهَا۔** حدیث شریف میں ہے کہ سرکارِ اقدس ﷺ فجر کی سنت میں **قل یا ایھا الکافرون** اور **قل ھو اللہ احد** پڑھتے تھے۔[667]

اور مغرب کی نماز میں زیادہ قرأت کرنے سے کم قرأت کرنا افضل ہے۔[668]

۶۔ منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے نے جہری نماز میں آیات قرأت کی تو نہ سجدہ واجب ہوا اور نہ اعادہ۔[669]

۷۔ جب کہ پہلی رکعت میں پوری **قل اعوذ برب الناس** پڑھی۔ یا دوسری میں بلا قصد وہی پہلی رکعت والی سورت شروع کر دی۔ یا دوسری رکعت یاد نہیں آتی تو ان صورتوں میں دوسری رکعت میں بھی اسی سورت کے پڑھنے کا حکم ہے۔[670]

---

[666] (فتاویٰ رضویہ: ج:۳: ص:۶۴۷)

[667] (بہارِ شریعت بحوالہ ابو یعلیٰ)

[668] (درمختار۔ بہارِ شریعت وغیرہ)

[669] (بہارِ شریعت: حصہ چہارم: ص:۵۴: بحوالہ درمختار)

[670] (بہارِ شریعت: حصہ صوم: ۱۰۰: بحوالہ ردالمحتار)

الباب الثانی فی بیان الواجبات۔

یہ دوسرا باب ہے[671] جو نماز کے واجبات مطلقہ میں ثابت ہے مطلق کے معنی یہ ہیں کہ یہ واجبات عام ہوں یا خاص **وھی احدو عشرون**۔ اور نماز کے یہ واجبات مطلق اکیس (۲۱) ہیں۔**منھا**۔ نماز میں سے بعض واجبات مطلقہ ماوہ واجب ہیں۔**یعم جمیع المصلین**۔ جو تمام نمازیوں کیلئے شامل ہوں کہ وہ منفرد، امام، مقتدی، مدرک، لاحق، بالیق، بایق، سابق، مسبوق اور مذکر مؤنث ہیں۔**وجمیع الصلوۃ**۔ اور ساری نمازوں میں شامل ہیں کہ وہ فرائض، نوافل، وقتی، فوتی، جہری اور خفی ہیں۔**وھی سبعۃ**۔ یہ عام واجبات سات (۷) ہیں۔ **ومنھا**۔ اور نماز سے بعض واجبات مطلقہ۔**ما**۔ وہ واجب ہیں[672]۔**یخص بعض المصلین**۔ کہ بعض نمازیوں کے ساتھ ان کا وجوب خاص ہوتا ہے۔ جیسے امام ہو افقط یا مقتدی ہو افقط یا مذکر ہو افقط یا مؤنث ہو افقط۔**وبعض الصلوۃ**۔ اور بعض نمازیوں کے ساتھ ان کا وجوب خاص ہوتا ہے جیسے نفل ہو افقط۔ یا فرض ہو افقط۔ یا جہر ہو افقط۔ یا خفیہ ہو افقط۔ **وھی**۔ اور یہ خاص جو ہیں۔**اربعۃ عشر**۔ چودہ (۱۴) ہیں۔**اما العام**۔ وہ واجبات جو ساری نمازوں اور سارے نمازیوں کے لئے عام ہے۔

فلفظ التکبیر التحریمۃ۔ نماز میں۔**اللہ اکبر**۔ سے شروع کرنا واجب ہے **خاصۃ**۔ اور ہر اسم خداوندی کے سات تکبیر اولیٰ کا فرض ادا ہوتا ہے اور واجب اللہ اکبر کے ساتھ ادا ہوتا ہے کیونکہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ **تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم**۔ تو اگر سلام کو مؤخر کیا یا سہواً اللہ اکبر ترک کیا تو اس پر سجدہ سہوہ واجب ہوا۔**فان قیل**۔ کہ فرائض کے باب سے مخالفت لازم ہوئی کیونکہ فرائض کے باب میں کہا گیا ہے۔**والتکبیر الاولیٰ فرض**۔ اور یہاں کہا ہے۔**فلفظ التکبیر التحریمۃ واجب**۔**قلنا**۔ کہ فرض مطلق اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اگر اللہ اکبر ہو یا کہ اسم آخر ہو اور واجب اللہ اکبر ہے۔

فان قیل۔ کہ گونگے اور اُمی یعنی ان پڑھ پر اللہ اکبر واجب نہیں ہے تو تکبیر خاص قبیلے سے ہونی چاہیئے نہ کہ قبیل عام سے۔**قلنا**۔ کہ گونگا اور اُمی نادر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام عام اور اغلب (زیادہ غالب) پر بناء ہوتے ہیں نہ کہ شاذ اور نادر پر تو اللہ تعالیٰ کا مطلق اسم فرض، اللہ اکبر واجب، ہاتھوں کا اٹھانا سنت اور کانوں کی لو تک پہنچانا مستحب ہے۔

---

[671] قولہ الباب الثانی الخ۔ اس لئے کہ واجب فرض کی تکمیل کیلئے ھے مکمل بالکسر اور مکمل بالفتح کے درمیان اتصال شرط ھے یا اسوجہ سے کہ واجب کی قوت فرض کی قوت کے بعد سب مشروعات سے زیادہ ھے اس لئے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرائض کے بعد واجبات کا باب شروع کیا ھے۔

[672] واجب کی تعریف یہ ھے کہ واجب وہ عمل ھے جو غیر قطعی دلیل سے ثابت ھو (یعنی ایسی دلیل جن کے قطعی ھونے میں شبہ ھو) چنانچہ واجب کو فرض عملی کھتے ھیں یعنی ایسا کام جس پر عمل کرنا ایسا ھی ضروری ھو جیسے فرض پر عمل کرنا لھذا اسے ترک کرنے سے گناہ ھوتا ھے۔ اور اس میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا اور اس کی قضاء کرنا واجب ھے۔ اس کی مثال نماز وتر ھے کہ مذھب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عملاً فرض ھے عقیدتاً فرض نھیں ھے۔ پس اس کا تارک گناھگار ھو گا لیکن اس کی فرضیت کا منکر کافر نہ ھو گا بخلاف نماز پنجگانہ کے کہ وہ عملاً اور اعتقاداً ھر دو اعتبار سے فرض ھے چنانچہ اس کا تارک گناھگار اور منکر کافر ھوتا ھے۔ واجب کا ترک کرنے والا مذھب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا گناھگار نھیں ھوتا جیسا کہ فرض کا تارک۔ لھذا واجب کا تارک اھل تحقیق کے نزدیک عذاب دوزخ کا مستوجب نہ ھو گا البتہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم رھے گا۔

والقعدة الاولیٰ ۔اور قعدہ اولی واجب ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے قعدہ اولی کو ترک کیے بغیر اس پر ساری عمر مداومت یعنی ہمیشگی اختیار کی ہے۔

برابر بات ہے کہ اگر چار رکعت نماز ہو یا کہ تین رکعت نماز ہو اور فرائض ہوں یا کہ نوافل ہوں چار رکعت فرض نماز پر قیاس بر مذہب شیخین رحمہا اللہ تعالیٰ اور بر مذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں قعدہ اولیٰ فرض ہے نوافل میں قیاس دو رکعت نفل پر ہے کیونکہ ہر دو رکعت نفل علیحدہ نماز ہے۔

قدر التشهد۔بقدر تشہد تو اگر قعدہ اولیٰ میں قدر تشہد پر زیادت کی یعنی تشہد سے زیادہ پڑھ لیا۔**اللهم صل على محمد وعلى آل محمد**۔ تک تو اس پر سجدہ سہوہ اتفاق کے ساتھ واجب ہوا۔ شرعاً اور اگر **اللهم**۔ کی زیادت کی تو سجدہ سہوہ واجب ہوا بناءً اور ایک قول پر احتیاط۔

والتشهد في القعدتين۔ اور مذہب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ میں دونوں قعدوں پر تشہد واجب ہے اور مذہب صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ میں قعدہ اولی سنت ہے اور مذہب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ میں دونوں قعدوں پر تشہد فرض ہے۔ صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ سنت واجب کی مکمل ہے تو جب قعدہ اولیٰ واجب ہو تو تشہد سنت ہوئی اور جب قعدہ اخیرہ فرض ہوا تو تشہد واجب ہوئی کیونکہ واجب فرض کا مکمل کرنے والا ہے اور حضور ﷺ نے قعدہ اولیٰ میں تشہد کو سنت کے ساتھ مسمیٰ کیا ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے تشہد کو ترک کیے بغیر ساری عمر اس پر مداومت کی ہے اور مداومت بلا ترک فرض کی دلیل ہوتی ہے۔

قلنا۔ کہ حضور اکرم ﷺ نے اعرابی کو فرمایا تھا: **اذا رفعت رأسک من السجدة الاخيرة وقعدت قدر التشهد فقد تمت صلوتک** تو اتمام مجرد قعدے کے ساتھ ثابت کیا ہے، اور تشہد فرض ہوتا تو اتمام مجردِ قعدے کے ساتھ بغیر تشہد کے ثابت نہ کیا ہوتا اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں تشہد سنت کے زمرے میں ثابت ہے۔

(**والطمانية في الركوع والسجود**) رکوع اور سجدے میں طمانیت ایک تسبیح کے برابر واجب ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أسوَأُ النّاسِ سَرقةً الّذي يَسرِقُ مِن صلاتِه، لا يُتمُّ ركوعَها ولا سُجودَها، ولا خُشوعَها۔[673]

عن أبي قتادة الحارث بن ربعي: أسوأُ النّاسِ سرِقةً الّذي يَسرِقُ مِن صَلاتِه. قالوا: يا رَسولَ اللهِ كيفَ يَسرِقُ من صلاتِه؟ قال: لا يُتِمُّ رُكوعَها ولا سُجودَها (أو قال: لا يُقِيمُ صُلْبَه في الرُّكوعِ والسُّجودِ۔[674]

اور قومہ وجلسے میں طمانیت اتفاق کے ساتھ سنت ہے اس لئے طمانیت کے وجوب کو رکوع وسجود کے لئے لازم قرار دیا۔

---

[673] (السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ١٠٣٤ • صحيح • شرح رواية أخرى)

[674] (الألباني (١٤٢٠هـ)، صحيح الترغيب ٥٢٤ • صحيح لغيره • أخرجه أحمد (٢٢٦٩٥) واللفظ له، والدارمي (١٣٢٨) باختلاف يسير • شرح رواية أخرى)

(**واتیان کل فرض فی موضعه**) اور ہر فرض کو اس کے مقام پر ادا کرنا واجب ہے یعنی بعد والے رکن کو پہلے رکن کے ساتھ بغیر تاخیر کے متصل ادا کرنا واجب ہے اور مثال کے طور پر اگر قرأت کے بعد سہوا خاموش ہو جائے اور اس پر کچھ دیر گزار دے تو رکوع میں اس تاخیر کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔

فان قیل۔ فرائض کے باب میں کہا گیا ہے: **والترتیب فیما اتحدت شرعیته فی کل رکعة فرض**۔ اور واجبات کے اس باب میں کہا گیا ہے: **واتیان کل فرض فی موضعه واجب** اور یہ تناقص ایک دوسرے کی ضد ہے۔

قلنا۔ فرائض کے باب میں تاخیر یا ترک رکن کی وجہ سے ترکِ ترتیب مراد ہے اور واجبات کے اس باب میں ترتیب کی بقا کے ساتھ تاخیر ہے اور اول مذہب حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ میں بناء ہے اور دوم مذہبِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں بناء ہے۔

(**وکل واجب کذلک**) تو اسی طرح ہر واجب کو اپنی جگہ پر ادا کرنا واجب ہے تو اگر **الحمد** کا پڑھنا رہ جائے یا سورۃ کا پیوست کرنا، یا وتر میں دعائے قنوت کا پڑھنا، یا قعدہ اولیٰ یا تشہد، یا تکبیرات عیدین بھولے سے رہ جائیں تو ان پر ترکِ واجب کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو گا۔ اور اگر قیام کو واپس ہوا اور سورۃ پڑھ لی تو تاخیرِ واجب اور تکرارِ رکنِ رکوع کی وجہ سے سجدہ سہو کرے گا۔ یا فاتحہ پڑھنے کے بعد بقدرِ رکن سہوا ساکت کھڑا رہا اور پھر سورۃ پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔

(**والخروج بلفظ السلام**) اور نمازی کا لفظِ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے تو لفظِ سلام ایک بار واجب ہے اور دونوں طرف سلام پھیرنا بر مذہبِ علماء ثلاثہ ہمارے مذہب کے سنت ہے اور مذہبِ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں فرض ہے۔

فان قیل۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: **مفتاح الصلوة التطهیر وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم**۔ اور سلام تحریم کا مقابل ہے جب تحریمہ فرض ہوئی تو تسلیم بھی فرض ہوئی۔

قلنا۔ کہ حضور رسول کریم ﷺ نے اعرابی کو نماز کے افعال کی تعلیم دیتے وقت سلام کا ذکر نہیں کیا تھا اگر سلام فرض ہوتا تو حضور ﷺ نے اعرابی کو سلام پر بھی عالم کیا ہوتا اور سلام کی کیفیت **السلام علیکم ورحمة اللہ** ہے۔ تو جب السلام علیکم محلل ہوا تو فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی امام کے پیچھے السلام علیکم سے پہلے اقتداء کی تو یہ (شخص) اس امام کا مقتدی ہوا **کذا فی البدایه**۔

(**واما الخاص**) اور وہ واجبِ نماز جو بعض نمازیوں اور بعض نمازوں کے لئے خاص ہیں۔

(**فتعیین الاولیین للقراءة**) تو تعیین یعنی تین رکعتی اور چار رکعتی نمازوں میں پہلے دو رکعتوں کو مطلق قرأت کے لئے مقرر کرنا۔ فاتحہ ہو یا کہ غیر اور یا کہ ایک آیت ہو یا تین آیات فرض ہے اور پہلے دو رکعتوں میں واجب ہے اور پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ احتراز کیا وتر، سنت اور نفل رباعیہ سے کہ قرأت وتر، سنت اور نفل کی ساری رکعتوں میں فرض ہے اور فرض کی اولین رکعتوں میں واجب

ہے اور رکعتین میں لا علی التعیین مطلقاً فرض ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے بغیر ترک کے پوری عمر رکعتین الاولین میں قرأت کے ساتھ ہمیشگی کی ہے اور ہمیشگی بغیر ترک کے طریقۂ عبادت کے ساتھ وجوب کی دلیل ہوتی ہے۔

(وتعیین الفاتحة لهما) اور تعیینِ فاتحہ فرض میں سے پہلی دو رکعتوں کے لئے واجب ہے اور مذہبِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں ذکرِ فاتحہ میں کل فاتحہ کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اور مذہبِ صاحبین رحمۃ اللہ علیہم میں اکثر فاتحہ واجب ہے۔ سجدہ سہو کے وجوب میں فائدہ اختلاف کا ظاہر ہوتا ہے۔ مذہبِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں آدھی یا اس سے کم فاتحہ کے ترک کے ساتھ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ثابت ہے اور سجدہ سہو کا وجوب کلا اور کثیرا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے مذہب کے علماء ثلاثہ سے اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاتحہ اور ضمِ سورۃ فرض ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: **لا صلوۃ الا بفاتحة الکتاب وضم السورۃ۔**

قلنا۔ کہ یہ خبرِ واحد ہے اور جب خبرِ واحد کتاب اللہ کے ساتھ معارض ہو جائے اور دونوں پر بغیر تغیر احدھما کے حکم میں عمل کا امکان نہ ہو تو خبرِ واحد کے حکم میں تغیر کیا جاتا ہے نہ کہ کتاب اللہ کے حکم میں۔ تو ہم نے فاتحہ اور ضمِ سورت میں خبرِ واحد کے حکم میں فرضیت سے وجوب کو تغیر کیا۔

(واقتصارها علی مرة) اور فاتحہ کو (ایک رکعت میں) ایک دفعہ پڑھنا واجب ہے نہ کہ ایک دفعہ سے زیادہ۔ اور وتر، سنت، اور نفل کی ساری رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں سورت سے پہلے فاتحہ کے سہوا تکرار سے نماز پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر سورت کے بعد فاتحہ کو قرأت میں زیادتی کی وجہ سے دوبارہ پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اور حضور نبی کریم ﷺ نے ساری عمر ہر رکعت میں فاتحہ کو ایک دفعہ پڑھنے پر ہمیشگی کی ہے اور یہ ہمیشگی وجوب پر دلیل ہے۔

(وضم سورة) اور فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کو ضم کرنا یعنی ملانا واجب ہے۔

(او ثلث اٰیات قصار) یا تین چھوٹی آیات ملانا واجب ہے۔

(او اٰیة طویلة معها) یا فاتحہ کے ساتھ ایک لمبی آیت کا ملانا واجب ہے۔ یہ وجوب فرض نماز کی پہلی دو رکعات اور سنت، وتر اور نفل کی ساری رکعات کے لئے ہے۔ اور اگر فرض کی پہلی دو رکعتوں میں یا وتر، سنت اور نفل کی ساری رکعات میں فاتحہ کے بعد سورت کو ملانا ترک ہو جائے تو نماز پر واجب ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو گا، **بمثل ترک اقتصارِ فاتحہ علیٰ مرۃ۔**

(وتقدیم الفاتحة) اور فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا واجب ہے، فرض کی پہلی دو رکعات میں اور وتر، سنت، اور نفل کی ساری رکعات میں۔

(**علیھا**)سورۃ پر یا قائم مقام سورت پر کیونکہ آنحضرت ﷺ نے الحمد کو سورۃ سے مقدم کرنے پر ہمیشگی کی ہے اور یہ ہمیشگی وجوب کی دلیل ہے۔ تو جب سورت پر الحمد کو مقدم کرنا سہواً ترک ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے، برابر بات ہے کہ تقدیم تام سورت کی ہو یا بعض سورت کی ہو اور یا حرفِ واحدہ ہو فاتحہ پر چاہے سورت کے بعد الحمد کا اعادہ کرے یا نہ کرے۔

(**وھذہ**)اور یہ واجباتِ خمسہ مذکورہ جو ہیں (**علی من علیہ القراءۃ**)اس پر واجب ہیں کہ جس پر قرأت کا پڑھنا ہو جیسے امام اور منفرد ہوا۔ اُمی اور گونگے پر نہیں ہے۔ احتراز کیا مقتدی، اُمی اور گونگے سے کیونکہ یہ واجباتِ خمسہ ان تینوں پر نہیں ہیں اس لئے کہ یہ تو بعض نمازیوں کے خواص میں سے ہیں۔

(**والقنوت فی الوتر**)اور دعائے قنوت وتر میں واجب ہے نہ کہ فجر کی نماز میں۔ برابر بات ہے کہ امام ہو یا منفرد اور یا کہ مقتدی ہو ماسوائے گونگے اور اُمی کے۔ ہمیشہ وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے تکبیر کے بعد دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک اٹھائے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے **اخذ ید الحسن وعلمہ القنوت وقال لہ اجعل ھذا فی وترک**۔ اور قنوت لُغت میں مطلق اطاعت کو کہا جاتا ہے جیسا کہ اس قولِ خداوندی میں حضور ﷺ کی ازواج کے حق میں آیا کہ: **ومن یقنت منکن ای یطعن**۔ اور شرع میں دعاء مقدر کے لئے اسم ہے **انا نستعین** سے **بالکفار ملحق** تک۔ یہ حکم اس شخص کے حق میں ہے کہ جو حافظِ قنوت ہو اور اگر حافظِ قنوت نہ ہو تو تین دفعہ **یارب** پڑھ لے۔ فتاویٰ سمرقندی میں اس پر فتویٰ ہے اور شرح طحاوی میں فرمایا ہے کہ تین دفعہ **اللھم** پڑھ لے اور یہ قول مختار اور ابو اللیث کا ہے اور مختار ہمارے مشائخ کا **اللھم ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار** ہے۔

(**والجھر فی موضعہ**)اور امام پر جہری نماز میں جہر کے ساتھ قرأت واجب ہے۔ جیسے نمازِ فجر، مغرب، عشاء، جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوئیں۔

(**جماعۃ**)جماعت میں اداء قضاء اور جماعت دو اشخاص پر حاصل ہوتی ہے جمعہ اور عیدین کے بغیر۔ اگر دونوں میں سے ایک چھوٹا عاقل ہو کیونکہ جمع اجتماع سے مشتق ہے اور اجتماع دونوں میں متحقق ہوتا ہے **بمثلِ مافوق** اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے **الاثنان فما فوقھا جماعۃ**۔ اور جہر کا واجب ہونا کتاب اللہ، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ ثبوتِ کتاب اللہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: **ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذالک سبیلا**۔ ثبوتِ سنت سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ابتداء اسلام میں ساری نمازوں میں جہر فرماتے تھے اور کفار انہیں ضرر پہنچاتے تھے تو یہ آیت مذکورہ اس آیت کے نزول کے بعد نازل ہوئی ہے حضور اکرم ﷺ فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں قرأتِ فاتحہ کے ساتھ جہر فرماتے تھے۔ ظہر، عصر اور دن کے نوافل میں اخفاء فرماتے تھے۔ نمازِ جمعہ و عیدین غلبۂ اسلام کے بعد واجب ہوئیں اس وقت کفار میں ضرر رسائی کی قوت ختم ہو چکی تھی۔

اوراجماع سے ثبوت یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ کی امت آپ ﷺ کے زمانہ ہی سے فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں فاتحہ وسورت کے وجوبِ جہر پر جمع ہوئی ہے اورآج تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔اور جماعت کی قید سے حالت انفرادی سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ منفرد اداء نماز میں مخیر ہے چاہے جہر کرے یا اخفاء۔لیکن جہر، اخفاء سے افضل ہے کیونکہ منفرد اپنے نفس کا امام ہے اس لئے اس کی اداء ہیئت جمع کے ساتھ واقع ہوگی اور ہدایہ کی روایت صحیحہ کے مطابق منفرد پر قضاء نماز میں اخفاءواجب ہے۔اور ظہیری، ذخیرہ، خزانۃ الروایات اور کافی میں کہا گیا کہ قضاء جہری میں منفرد کیلئے اخفاء سے جہر افضل ہے اور یہ روایت اصح یعنی بہت درست ہے اور صحیح روایت متفق علیہ ہوتی ہے جب کہ اصح مختلف فیہ ہوتی ہے اور مختلف فیہ پر عمل کے مقابلے میں متفق علیہ روایت پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔اوراگر امام نے جہری نماز میں سہواً اخفاء کیا اور بعد میں یاد آیا تو اگر فاتحہ میں تھا تو جہر کے ساتھ فاتحہ کا اعادہ کرے تاکہ ایک رکعت میں جہر اوراخفا دونوں پر عمل نہ ہو جائے جیسا کہ منفرد کہ اس کے پیچھے کسی دوسرے شخص نے اقتداء کی اور یہ فاتحہ میں تھا تو فاتحہ کو نئے سرے سے جہر کے ساتھ دوبارہ پڑھے گا تاکہ یہ ایک رکعت میں جہر اوراخفا دونوں کو جمع نہ کردے اوراگر اقتداء نہ کرنے والے نے منفرد کے پیچھے فاتحہ کے بعد اقتداء کی تو آخری دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت کو جہر سے پڑھے جیسا کہ اگر پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت رہ جائے تو آخری دو رکعتوں میں جہر کے ساتھ قضا لائی جاتی ہے۔

(**والمخافۃ کذلک**) اوراسی طرح اپنی جگہ میں اخفا کے ساتھ قراءت واجب ہے امام ہو یا منفرد۔جیسے نماز ظہر اور عصر میں ہے چاہے اداہو یا قضاء اور جیسے دن کے نفل ہیں چاہے یہ نمازیں باجماعت ہوں یا اکیلی۔اوراخفا کی تعریف میں اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک بغیر سماع کے اپنے مخارج میں حروف کی تصحیح ہے اور بعض کے مذہب کے مطابق اپنے آپ کو قرأت سنانے کو اخفا کہا جاتا ہے اور یہ تعریف پہلی تعریف سے صحیح ہے۔کیونکہ اپنے مخارج میں حروف کی تصحیح بغیر اپنے آپ کو سنانے کے مجمجہ ہے۔اور مجمجہ بغیر قرأت کے زبان کو ہلانا ہے۔اوراخفا کے اپنے مقام میں وجوب میں منفرد سے احتراز ہے۔کیونکہ منفرد پر اخفا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔اس لئے اگر منفرد نے خفی نماز میں جہر کی تو ظاہری روایت کے مطابق اس پر سجدہ سہو واجب نہیں۔جہر اور خفی کی مقدار کے بارے میں صلوۃ مسعودی میں کہا گیا ہے کہ خفی میں دو آدمیوں کو سنانا جہر میں شمار نہیں ہوتا اور دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ صورتِ خفی میں دس(۱۰) آدمیوں کو سنانا جہر میں شمار نہیں ہوتا اور صورتِ جہری میں ایک آدمی کو سنانا بھی جہر پر مسمیٰ کیا جاسکتا ہے۔

(**وانصات المقتدی وقت قراءۃ الامام**) اور امام کی قرأت کے وقت مقتدیوں کا خاموش رہنا واجب ہے، مطلقاً یعنی مقتدی چاہے مدرک ہو یا لاحق ہو، چاہے مسبوق ہو یا بایق چاہے خفی نماز ہو یا جہری ہو اور امام کی قرأت کے وقت مقتدی کا خاموش رہنا اس لئے واجب ہے۔

﴿**قرأت کے وقت مقتدیوں کا خاموش رہنا**﴾ اِس مسئلہ میں چونکہ مخالفین نے کافی اعتراضات اور بحث و تمحیص سے کام لیا ہے اس لئے یہاں بھی دلائل کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے: اِرشاد باری ہے: ﴿**وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ**﴾ ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(الأعراف:204، آسان ترجمہ

قرآن)"إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلَاتَنَا. فَقَالَ:إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذْ قَالَ{غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّالِّينَ}،فَقُولُوا:آمِينَ،يُجِبْكُمُ اللهُ.....وَفِي حَدِيثِ جَرِيرٍ،عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ قَتَادَةَ مِنَ الزِّيَادَةِ«وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا "۔ترجمہ:حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب کرتے ہوئے ہمارے لئے سنّت کے اُمور کو واضح فرمایااور ہمیں ہماری نماز (باجماعت) کا طریقہ بتلایااور یہ فرمایا کہ: جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو درست کرلو، پھر تم میں سے کوئی شخص تمہاری اِمامت کرے، اور جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو تم "آمِینَ" کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء قبول فرمائیں گے۔حضرت سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت قتادہ سے (مذکورہ حدیث میں) یہ زیادتی نقل کرتے ہیں کہ: جب اِمام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔[675]

وضاحت: مذکورہ حدیث میں جماعت کے ساتھ ہونے والی نماز میں اِمام اور مقتدی کی ذمّہ داریوں کو واضح کیا گیا ہے، یعنی: جب اِمام "اللہ أکبر" کہے تو تم بھی "اللہ أکبر" کہو، جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ فاتحہ ختم کرے تو تم "آمین" کہو۔اگر سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا مقتدی کیلئے لازم ہوتا تو جیسے تکبیر میں کہا گیا ہے کہ اِمام کے تکبیر کہنے پر تم بھی تکبیر کہو اِسی طرح قراءت کے موقع پر بھی یہ کہا جاتا کہ جب اِمام قراءت کرے تو تم بھی قراءت کرو، لیکن اِس کے بالکل برعکس یہ کہا گیا ہے کہ:"وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا"یعنی جب اِمام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

نوٹ: واضح رہے کہ حضرت سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ بخاری اور مسلم کے مشہور راوی ہیں اور بالاتفاق ثقہ اور مُتقن ہیں لہٰذا مذکورہ بالا حدیث میں ان کی ذکر کردہ یہ زیادتی بالکل مقبول ہے، یہی وجہ ہے اِمام مُسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ زیادتی ذکر کرکے اُسے صحیح قرار دیا ہے۔علاوہ ازیں یہ زیادتی نقل کرنے میں حضرت سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ متفرّد بھی نہیں کہ ان پر تفرّد کا اِلزام لگایا جاسکے، بلکہ اور بھی کئی راویوں نے دوسری روایات میں اِسی زیادتی کو نقل کیا ہے، چنانچہ حضرت ابوعُبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت دیکھئے۔[676]

حضرت عمر ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سعید بن ابی عَروبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت دیکھئے۔[677]

"عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ۔هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ"۔[678]

---

[675](مسلم:404)

[676](مستخرج ابی عوانہ:1698)

[677](دار قطنی:1249)

[678](ترمذی:313)

ترجمہ: حضرت ابو نُعیم وہب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ یہ فرمارہے تھے: جس نے نماز پڑھی اور اُس میں سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اُس نے نماز ہی نہیں پڑھی، ہاں! مگر یہ کہ وہ اِمام کے پیچھے ہو (تو نماز ہو جائے گی)۔ یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔ وضاحت: حدیثِ مذکور جس کو اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بھی قرار دیا ہے اس میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ اِس حقیقت کو ذکر کیا گیا ہے کہ نماز سورۃ الفاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی شخص اِمام کے پیچھے جماعت میں شریک ہو تو اُس کی نماز ہو جائے گی، اِس لئے کہ حدیث کے مطابق اِمام کی قراءت کرنے سے مقتدی کی بھی قراءت ہو جاتی ہے، لہٰذا سورۃ الفاتحہ نہ پڑھنے کے باوجود بھی حکمی طور پر اُس کا پڑھنا معتبر ہو جاتا ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا۔ [679] ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اُس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ تلاوت کرے تو تم خاموش رہو۔

عن ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ [680]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو پس امام کی قرأت ہی اُس کی قرأت ہے۔ عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ إِذَا سُئِلَ: هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ خَلْفَ الإِمَامِ؟ يقول: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الإِمَامِ، وَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ، قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ لاَ يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ۔ [681]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے: جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اُس کے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے، اور جب اکیلے نماز پڑھے تو اُسے قرأت کرنی چاہیے۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اِمام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: «أَتَقْرَءُونَ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ» فَسَكَتُوا فَسَأَلَهُمْ ثَلَاثًا فَقَالُوا إِنَّا لَنَفْعَلُ، قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا۔ [682]

ترجمہ: ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر اپنے رخِ انور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا امام کے پڑھتے ہوئے تم لوگ بھی قراءت کرتے ہو؟ لوگ خاموش رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ یہی سوال کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: جی ہاں! ہم یہ

---

[679] (ابن ماجہ: 846)

[680] (دار قطنی: 1502)

[681] (مؤطاء مالک: 251)

[682] (طحاوی: 1302)

کرتے ہیں، آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ایسا مت کیا کرو۔ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلْيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا۔[683]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے نماز سکھائی اور فرمایا: جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو تم میں سے کسی ایک کو تمہاری امامت کرنی چاہیئے اور جب امام تلاوت کرے تو تم خاموش رہو۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ: أَمَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصْرِ قَالَ: فَقَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَهُ فَغَمَزَهُ الَّذِي يَلِيهِ، فَلَمَّا أَنْ صَلَّى قَالَ: لِمَ غَمَزْتَنِي؟ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُدَّامَكَ، فَكَرِهْتُ أَنْ تَقْرَأَ خَلْفَهُ، فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: من كان لَهُ إِمَامٌ فَإِنَّ قِرَاءَتَهُ لَهُ قِرَاءَةٌ۔[684]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز میں اِمامت کی، ایک شخص نے آپ ﷺ کے پیچھے قراءت کی، اُس کے ساتھ میں کھڑے شخص نے اُس کو (قراءت سے منع کرنے کیلئے) چٹکی نوچی، جب نماز ہو گئی تو اُس شخص نے (چٹکی نوچنے والے سے) کہا: تم نے مجھے چٹکی کیوں نوچی تھی؟ تو اُس نے جواب دیا: نبی کریم ﷺ تمہارے آگے قراءت کر رہے تھے اِس لئے میں نے یہ ناپسند کیا کہ تم حضور ﷺ کے پیچھے قراءت کرو، نبی کریم ﷺ نے یہ گفتگو سنی تو فرمایا: جس شخص کا امام ہو تو اُس امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔

مقتدیوں کے خاموش رہنے کا حکم سری و جہری تمام نمازوں میں ہے:

عن ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَكْفِيكَ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ خَافَتَ أَوْ جَهَرَ۔[685]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں: تمہارے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے، خواہ امام ہلکی آواز میں پڑھے یا بلند آواز میں۔ كَتَبَ عُثْمَانُ إِلَى مُعَاوِيَةَ: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لِلْمُنْصِتِ الَّذِي لَا يَسْمَعُ مِثْلُ أَجْرِ السَّامِعِ الْمُنْصِتِ۔[686]

ترجمہ: حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اس کی طرف کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، آپ اِرشاد فرمارہے تھے: جو شخص خاموش رہے اور اُسے سنائی نہ دے اس کیلئے ایسا ہی اجر ہے جیسا کہ اُس شخص کیلئے اجر ہے جو سنتے ہوئے خاموش رہے۔ **فائدہ:** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بات سے

---

[683] (مسند احمد: 19723)

[684] (مؤطاء امام محمد: 98)

[685] (دار قطنی: 1252)

[686] (القراءۃ خلف الامام للبیہقی: 137)

یہ اِشکال بھی دور ہو گیا جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ جب سری نمازوں میں اِمام کے پیچھے سنائی ہی نہ رے رہا ہو تو خاموش کھڑے رہنے کا کیا فائدہ؟ کیا یہ فائدہ کم ہے کہ اُس کو سننے والے کے اجر ہی کی طرح اجر مل رہا ہے!!

قراءت خلف الاِمام کے مسئلہ میں خلفاءِ راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا عمل: اِمام کے پیچھے قراءت نہ کرنے پر بہت سے صحابہ کرام کا عمل تھا، حتی کہ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم جیسی عظیم اور جلیل القدر شخصیات بھی اِسی پر عمل پیرا تھیں۔ چنانچہ ذیل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور اُن کا عمل ملاحظہ فرمائیں، جس سے مسئلہ کو بہت اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے، اِس لئے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دین شناسی اور حدیث فہمی کا کوئی دَعویدار نہیں ہو سکتا، لہٰذا حضرات صحابہ کرام کا عمل اِس بارے میں مضبوط اور ٹھوس دلیل کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اِرشاداتِ نبویہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ» قَالَ: وَأَخْبَرَنِي أَشْيَاخُنَا أَنَّ عَلِيًّا قَالَ: «مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ» قَالَ: وَأَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، كَانُوا يَنْهَوْنَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ»۔[687]

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن زید اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ راوی حضرت عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ ہمارے بہت سے مشائخ نے مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اِرشاد سنایا ہے کہ جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اُس کی نماز ہی نہیں ہو گی، اور حضرت موسیٰ بن عقبہ نے مجھے خبر دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔

موطّاء امام محمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: "لَيتَ فِي فَمِ الذي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرًا" کاش! کہ اُس شخص کے منہ میں پتھر ڈال دیے جائیں جو امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے۔[688]

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: «تَكْفِيكَ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ»۔[689]

ترجمہ: حضرت عُمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تمہارے لئے اِمام کی قراءت ہی کافی ہے۔ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: لَا يُقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ جَهَرَ أَوْ لَمْ يَجْهَرْ۔[690]

---

[687] (مصنف عبد الرزاق: 2810)

[688] (موطّاء امام محمد: 98)

[689] (ابن ابی شیبہ: 3884)

[690] (القراءۃ خلف الامام للبیہقی: ص 209)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امام کے پیچھے قراءت نہیں کی جائے گی خواہ امام اونچی آواز سے تلاوت کرے یا نہ کرے۔

عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَخْطَأَ الْفِطْرَةَ»۔[691]

ترجمہ: حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے مَروی ہے، وہ فرماتے ہیں: جس نے اِمام کے پیچھے قراءت کی اُس نے فطرت کو کھو دیا۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَنْ قَرَأَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى الْفِطْرَةِ۔[692]

ترجمہ: حضرت مُحمّد بن عجلان فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا: جس نے اِمام کے ساتھ قراءت کی وہ فطرت پر نہیں ہے۔

عن أَبِي وَائِلٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: أَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ؟ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ: «إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا، وَسَيَكْفِيكَ ذَاكَ الْإِمَامُ»۔[693]

ترجمہ: حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور یہ دریافت کیا کہ کیا میں اِمام کے پیچھے قراءت کروں؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُس سے فرمایا: بیشک نماز میں مشغولیت ہوتی ہے اور تمہارے لئے وہی اِمام کافی ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ لا يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ وَفِيمَا يُخَافِتُ فِيهِ فِي الأُولَيَيْنِ، وَلا فِي الأُخْرَيَيْنِ۔[694]

ترجمہ: حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے جہری اور سرّی کسی بھی نماز میں قراءت نہیں کیا کرتے تھے، نہ پہلی رکعتوں میں نہ آخری رکعتوں میں۔ مصنّف عبد الرزاق میں اِمام کے پیچھے قراءت کرنے والے کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اِرشاد نقل کیا گیا ہے: "مُلِئَ فُوهُ تُرَابًا" اُس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔[695]

حضرت ابو اِسحاق فرماتے ہیں: "كَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَقْرَؤُونَ خَلْفَ الْإِمَامِ" حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اَصحاب اِمام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔[696]

---

[691] (مصنف ابن ابی شیبہ: 3781)

[692] (مصنف عبد الرزاق: 2806)

[693] (مصنف ابن ابی شیبہ: 3780)

[694] (مؤطاء امام محمد: 96)

[695] (مصنف عبد الرزاق: 2806)

[696] (مصنف عبد الرزاق: 2806)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ، فَقَالَ: لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ۔[697]

ترجمہ: حضرت عطاء بن یَسار رحمۃ اللہ علیہ سے مَروی ہے کہ اُنہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اِمام کے ساتھ قراءت کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا: اِمام کے ساتھ کسی بھی قسم کی قراءت نہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ" اِمام کے پیچھے قراءت نہیں کی جائے گی۔[698]

حضرت موسیٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں: "مَنْ قَرَأَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ" جو اِمام کے ساتھ قراءت کرے اُس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی۔[699]

عَنِ ابْنِ ذَكْوَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا «كَانَا لَا يَقْرَآنِ خَلْفَ الْإِمَامِ»"۔[700]

ترجمہ: حضرت ابن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں اِمام کے پیچھے قراءت نہیں کیا کرتے تھے۔ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مِقْسَمٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَجَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنهُمْ، فَقَالُوا: «لَا تَقْرَءُوا خَلْفَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ»۔[701]

ترجمہ: حضرت عُبید اللہ بن مِقسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت عبد اللہ بن عُمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے (اِمام کے پیچھے قراءت کرنے کے بارے میں) دریافت کیا، تو اِن سب نے یہی فرمایا: اِمام کے پیچھے کسی بھی نماز میں مت پڑھو۔ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا أَقْرَأُ وَالْإِمَامُ بَيْنَ يَدَيَّ. فَقَالَ: «لَا»۔[702]

ترجمہ: حضرت ابو حمزہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ کیا میں قراءت کر سکتا ہوں جبکہ اِمام میرے سامنے ہو؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں۔ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفِي كُلِّ صَلَاةٍ قِرَاءَةٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ». فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: وَجَبَتْ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَكُنْتُ أَقْرَبَ الْقَوْمِ مِنْهُ فَقَالَ: يَا كَثِيرُ مَا أَرَى الْإِمَامَ إِذَا أَمَّ الْقَوْمَ إِلَّا وَقَدْ كَفَاهُمْ۔[703]

---

[697] (مسلم:577)

[698] (ابن ابی شیبہ:3783)

[699] (مصنف عبد الرزاق:2802)

[700] (مصنف عبد الرزاق:2815)

[701] (شرح معانی الآثار للطحاوی:1312)

[702] (شرح معانی الآثار للطحاوی:1316)

[703] (دار قطنی:1505)

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہر نماز میں قراءت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں !(ہر نماز میں قراءت ضروری ہے)۔ اَنصار میں سے ایک شخص نے کہا: یہ (قراءت) تو واجب ہو گئی۔ حدیث کے راوی حضرت کثیر بن مُرّہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ (اِس حدیث کو سنانے کے بعد) میری جانب متوجّہ ہوئے اور میں لوگوں میں اُن کے سب سے زیادہ قریب تھا، پس اُنہوں نے فرمایا: اے کثیر! میں تو صرف یہی سمجھتا ہوں کہ اِمام جب کسی قوم کی اِمامت کرے تو وہ (قراءت کرنے میں) سب کی طرف سے کافی ہے۔

عن نَافِعٍ وَ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ أَنَّهُمَا حَدَّثَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا أَنَّهُ قَالَ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ: «تَكْفِيكَ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ»۔[704]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما سے مَروی ہے، وہ اِمام کے پیچھے قراءت کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے اِمام کی قراءت ہی کافی ہے۔ **عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا كَانَ إِذَا سُئِلَ: هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ خَلْفَ الإِمَامِ؟ يقول: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الإِمَامِ، وَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ، قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ لاَ يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ۔**[705]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے: جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اُس کے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے، اور جب اکیلے نماز پڑھے تو اُسے قرأت کرنی چاہیے۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اِمام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَ يَنْهَى عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ۔[706]

ترجمہ: حضرت زید بن اَسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما اِمام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: «مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ القُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الإِمَامِ»۔ «هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ»۔[707]

ترجمہ: حضرت ابو نُعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ یہ فرمارہے تھے: جس نے نماز پڑھی اور اُس میں سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اُس نے نماز ہی نہیں پڑھی، ہاں! مگر یہ کہ وہ اِمام کے پیچھے ہو (تو نماز ہو جائے گی)۔

---

[704] (دار قطنی:1503)

[705] (مؤطاء مالک:251)

[706] (مصنف عبد الرزاق:2814)

[707] (ترمذی:313)

عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مِقْسَمٍ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ: أَتَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ شَيْئًا؟ فَقَالَ: «لَا»۔[708]

حضرت عُبید اللہ بن مِقسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ظہر اور عصر کی نماز (یعنی سری نمازوں) میں اِمام کے پیچھے قراءت کرتے ہیں؟ اُنہوں نے فرمایا: نہیں۔ حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَدِدْتُ أَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فُوهُ، قَالَ: أَحْسَبُهُ قَالَ: تُرَابًا أَوْ رَضْفًا" میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ شخص جو اِمام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اُس کا منہ مٹی یا اَنگارہ سے بھر جائے۔[709]

اِمام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أَدْرَكْتُ سَبْعِينَ بَدْرِيًّا كُلُّهُمْ يَمْنَعُونَ الْمُقْتَدِي عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ" میں نے 70 بدری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا ہے کہ وہ سب مقتدی کو اِمام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔[710]

عَنْ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي نِجَادٍ، عَنْ سَعْدٍ قَالَ: «وَدِدْتُ أَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي فِيهِ جَمْرَةٌ»۔[711]

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ شخص جو اِمام کے پیچھے پڑھتا ہے اُس کے منہ میں انگارہ ہو۔

(**ومتابعة الامام علی ای حال وجده**) اور جب مقتدی جماعت میں شامل ہو تو (امام جس حال میں ہو اس حال میں) امام کی متابعت کرنا مقتدی پر واجب ہے۔ چاہے امام قائم ہو یا رکوع میں چاہے سجدے میں ہو یا قعدے میں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قضا اس رکن کی لازم نہیں ہوتی جو مقدم جزء مدرکہ مع الامام میں تکبیر کے بعد قبل الجزء المودی مع الامام ہو۔ (**وان لم یکن محسوبا من الصلوة**) اگرچہ یہ رکن (جو امام کے ساتھ ادا ہو) مقتدی کی نماز میں شمار نہیں ہوتا جیسے جزء محسوبہ میں مقتدی پر امام کی متابعت واجب ہے جیسے قیام اور رکوع کی حالت میں امام کو پالینا۔ اور جزء غیر محسوبہ کی مثال یہ ہے کہ مثلا قومہ، جلسہ، سجدہ اور قعدے میں امام کو پالینا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ **اذا جئتم الی الصلوة ونحن فی السجود فاسجدوا ولا تعدوه شیئا واذا اتی احدکم الی الصلوة والامام علی ای حال فلیصنع کما یصنع الامام۔**

(**وسجدة التلاوة**) اور سجدہ تلاوت واجب ہے اور یہ اس وقت واجب ہے جب آیت سجدہ تلاوت کی جائے یا آیتِ سجدہ کے اکثر حروف تلاوت کئے جائیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز میں جونہی آیت سجدہ تلاوت ہو ایک دم کانوں کو ہاتھ لگائے بغیر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کیا جائے اور سجدہ میں تین مرتبہ **سبحان ربی الاعلی** پڑھا جائے اور پھر تکبیر کہتے ہوئے قیام کو لوٹایا جائے اور سجدہ تلاوت کے ساتھ نہ تو تشہد

---

[708] (مصنف عبدالرزاق: 2819)

[709] (مصنف عبدالرزاق: 2808)

[710] (تفسیر روح المعانی: 142/5)

[711] (مصنف ابن ابی شیبہ: 3782)

ہے نہ ہی سلام۔ اور اس کی شرائط وہی ہیں جو نماز کی ہیں مثلاً کپڑوں کا پاک ہونا، ستر ِ عورت، قبلہ کی طرف منہ کرنا اور جسم کا پاک ہونا وغیرہ۔

(**علی الامام والمنفرد**)(اور یہ سجدۂ تلاوت) امام پر بھی واجب ہے اور منفرد اور مقتدی پر بھی۔ مقتدی پر امام کی متابعت کی وجہ سے اس لئے اگر امام نے سجدۂ تلاوت کیا تو مقتدی بھی کرے گا اور اگر امام نے سجدہ نہ کیا تو مقتدی بھی نہیں کرے گا۔

(**وتکبیرات العیدین**) اور دونوں عیدوں کی زائد تکبیریں واجب ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰاكُمْ۔ کہا گیا ہے۔ کہ اس آیت سے مراد تکبیراتِ عیدین اور نبی کریم ﷺ نے تکبیراتِ عیدین پر ہمیشگی کی ہے اور طریقۂ عبادت کے ساتھ بغیر ترک کے ہمیشگی وجوب کی دلیل ہوتی ہے۔ قیدِ عیدین کے ساتھ تکبیرِ قنوت سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ تکبیرِ قنوت واجب نہیں ہے اور تکبیراتِ عیدین پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور تعوذ و قرأت سے پہلے تین تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد اور رکوع سے پہلے تین تکبیریں ہیں۔ اور جمع عظیمہ میں ہر دو تکبیروں کے درمیان بقدرِ تین تسبیحات کے فاصلہ رکھا جاتا ہے۔ اور جمع متوسط بقدرِ دو تسبیحات کے فاصلہ رکھا جاتا ہے اور اور چھوٹی جمع میں بقدرِ ایک تسبیح کے فاصلہ رکھا جاتا ہے اور یہ ہمارے مذہب کے علماء ثلاثلہ کا مسئلہ ہے۔

جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی رکعت میں چار تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق دونوں رکعات میں پانچ پانچ تکبیریں ہیں اور دوسری روایت کے مطابق پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں سات تکبیریں ہیں۔ اور اصلی تکبیر یعنی تکبیرِ افتتاح پہلی اور دوسری رکعات کے رکوعوں کی تکبیروں کو پہلی روایت کے ساتھ ضم کیا جائے، تو بارہ تکبیریں بنتی ہیں اور اگر دوسری روایت کے ساتھ ضم کیا جائے تو تیرہ (۱۳) تکبیریں بنتی ہیں اور اگر تیسری روایت کے ساتھ ضم کیا جائے تو سولہ تکبیریں بنتی ہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری اور تیسری روایت میں سب کو زوائد میں شمار کرتے ہیں۔

(**وتکبیر رکوعهما**) اور عیدین کے رکوع کی تکبیریں واجب ہیں۔ اور یہ رکوع چار ہیں: دو رکوع ایک عید کی نماز کے اور دو رکوع دوسری عید کی نماز کے اور عیدین کے قید سے دوسری نمازوں کے رکوعات کی تکبیروں اور عیدین کے سجدوں کی تکبیروں سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ یہ باقی تکبیریں یعنی باقی نمازوں کی تکبیر رکوع اور عیدین کی نماز کے سجدوں کی تکبیر نماز کی سنتوں میں شامل ہے نہ کہ واجبات میں۔

(**وسجدة السهو**)(اور اگر نماز میں بھول ہو جائے تو) سجدۂ سہو واجب ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر جماعت میں سجدہ سہو کرنا ہو تو تشہد کے بعد ایک طرف سلام پھیرتے ہوئے دو سجدے کئے جائیں۔ اور اگر منفرد اکیلا پڑھنے والا نمازی سجدہ سہو کرے تو تشہد کے بعد دونوں طرف سلام کہے اور سہو کے دو سجدے کرے اور سجدے سہو کے بعد دوبارہ تشہد اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اور اپنے لئے اور سارے مؤمنوں کے لئے دعا کے بعد سلام کہے۔ اور یہ ہمارے مذہب کے مطابق ہے۔ جب کہ حضرت امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب

کے مطابق سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے کیونکہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن یحیی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ: **ان النبی ﷺ سجد قبل السلام**۔[712] **قلنا**۔ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ **ان النبی ﷺ سجد للسھو بعد السلام**۔[713] تو جب دو روایتوں میں اختلاف پیدا ہوا تو دونوں ساقط ہو گئیں اور نبی کریم ﷺ کے اس قول مبارک پر تمسک کرنے سے معارضہ رفع ہو گیا کہ **لکل سھو سجدتان بعد السلام**۔[714] اور یہ اختلاف سجدے کی اولیت میں ہے نہ کہ جواز اور عدم جواز میں ۔اور اگر سجدہ قبل السلام کیا تو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں جائز ہے اور اگر بعد السلام کیا تو بھی مذہب حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جائز ہے۔

(علی الامام والمنفرد) یہ سجدہ سہو امام(اور مقتدی) اور منفرد پر واجب ہے۔امام پر اصالتاً اور مقتدی پر اس لئے کہ تابع ہوتا ہے اور قیادت امام کی وجہ سے مقتدی کے سہو سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ مقتدی کے سہو سے نہ تو امام پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اور نہ ہی خود مقتدی پر کیونکہ اگر ہم مقتدی کے سہو سے امام پر سہو لازم کریں تو امام تابع ہو جائے گا اور مقتدی متبوع اور شرع کا بدلنا لازم ہو جائے گا جبکہ شرع کا بدلنا جائز نہیں ، اور اگر اگلے مقتدی پر سجدہ سہو واجب کیا جائے تو امام سے مخالفت ہو گی جبکہ امام کی مخالفت جائز نہیں لہذا مقتدی کی سہو معاف ہوئی۔

(بترک الواجب) سجدہ سہو اس وقت واجب ہوتا ہے جب مذکورہ واجبات میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے۔**فی الثمانیة الاول من القسم الاخیر**۔ آخری قسم کے پہلے آٹھ واجبات کے ترک ہونے پر یعنی مذکورہ خاص واجبات میں سے پہلے آٹھ واجبات کے ترک ہونے پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔یعنی **فتعیین الاولیین** سے **والمخافة کذلک** تک۔اور باقی چھ صورتوں کے ترک پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا۔پس سجدہ سہو واجب ہونا مقتدی کے اپنے امام کی عدم متابعت کی وجہ سے ہے ، کیونکہ مقتدی کی سہو امام اور مقتدی دونوں میں سے کسی ایک پر بھی سجدہ سہو واجب نہیں کرتی جبکہ امام کے حق میں اس لئے کہ اس سے شرع بدلنے کا ڈر ہوتا ہے اور مقتدی کے حق میں اس لئے کہ اس سے امام کی متابعت لازم آتی ہے اور سجدہ تلاوت کے ترک کی وجہ سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا کیونکہ سجدہ تلاوت کا ترک خارج نماز میں موجود ہوتا ہے اور سجدہ صلاتیہ نماز سے باہر ادا نہیں کیا جاتا۔کیونکہ سجدہ صلاتیہ کامل واجب ہے اور نماز سے باہر اس کی ادا ناقص ہے اور عیدین کے تکبیروں کے ترک پر بھی سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا کیونکہ جمع عظیمہ کی صورت میں لوگوں کو تشویش میں پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے اور جمع قلیلہ کی صورت میں عیدین کی تکبیرات کے ترک پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اس لئے کہ عیدین کی تکبیرات رکوع کے ترک

---

[712] بتحقیق حضور ﷺ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا۔

[713] بتحقیق حضور ﷺ نے سجدہ سہو سلام کے بعد کیا۔

[714] ہر سہو یعنی بھول کیلئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔

سے لوگوں میں عدم اشتباہ ہوتا ہے اور سجدہ سہو کے ترک ہو جانے پر بھی سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا اور نماز سے خارج ہونے کے بعد سجدہ سہو ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ سجدہ سہو کا محل نماز کے اندر ہے نہ کہ نماز کے باہر۔

(وفی جمیع الصور من القسم الاول) اور واجبات کی اول (عام) اقسام میں ساری صورتوں میں کسی ایک کے ترک ہو جانے پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور یہ قول مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ (الا الطمانیة) مگر طمانیت کے ترک پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا یہ جوابِ سوال ہے اس کی تقدیر یہ ہے کہ فان قیل۔ جب قسم اول کی ساری صورتوں کے ترک پر سجدہ سہو واجب ہے تو طمانیت کے ترک پر بھی سجدہ سہو واجب ہونا چاہئے کیونکہ طمانیت بھی اول قسم میں سے ہے تو مصنف علیہ الرحمہ نے اس قول سے جواب دیا کہ الا الطمانیة کیونکہ سجدہ سہو واجب اصلیہ کے ترک پر واجب ہوتا ہے۔ جبکہ طمانیت واجب اصلیہ نہیں، (فانها واجبة للغیر) یہ (طمانیت) تبع غیر کی وجہ سے واجب ہے یعنی رکوع و سجود کی اکمال کیلئے طمانیت واجب ہے۔ فان قیل۔ سب واجبات و فرائض نماز سے اکمال کے لئے ہیں لہٰذا واجب کے ترک پر سجدہ سہو واجب نہیں ہونا چاہیے۔ قلنا۔ واجبات کی دو اقسام ہیں ایک واجب اصلی اور دوسری واجب تبعی، واجب اصلی کی مثال ایسے ہے جیسے فاتحہ، ضم سورت اور قرأت تشہد اور دعائے قنوت اور واجب تبعی کی مثال یہ ہے کہ جیسے طمانیت اور سجدہ سہو تب واجب ہوتا ہے جب واجب اصلی کا ترک ہو اور اگر واجب تبعی ہو جائے تو سجدہ واجب نہیں ہوتا اور اصلی اسے کہتے ہیں کہ اکمال سے قطع نظر عبادت بالذات ہوتی ہے اور وجوب تبعی من وجہ سنتیت کی دلیل ہے اور سنت کے ترک پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

سولہ سجود سے نماز فجر ادا کرنے کی صورت مسئلہ

سوال: ایک آدمی نے نماز فجر کو سولہ سجود سے ادا کیا اس کی کیا صورت ہے؟ (یعنی صورت مسئلہ کی وضاحت کریں)

الجواب منه الصدق والصواب۔

ایک شخص نماز فجر کیلئے آیا اور اس نے امام کو دوسری رکعت کے سجدہ میں پایا یعنی نماز کی نیت کر کے امام کے ساتھ سجدۂ صلاتیہ ادا کی دو سجدے اور امام پر سجدۂ تلاوت واجب تھا مگر اس کو فراموش کر کے سجدۂ سہو اس پر واجب ہو چکا تھا تو جب سجدۂ سہو دو سجدے کیے تو سجدۂ تلاوت یاد آ گیا تو سجدۂ تلاوت کیا۔ اس لئے کہ سجدۂ سہو نماز کے آخر میں ہوتا ہے تو امام کو سلام کے بعد دو سجدے سہو کے کرنا پڑے یہ کل سات سجدے ہوئے مگر اس مقتدی نے تو ابھی تک ایک رکعت بھی ادا نہیں کی امام کے سلام کے بعد اس نے اپنی نماز کی پہلی رکعت کے دو سجدے ادا کیے۔ دوسری رکعت میں اس کو وہ حالت درپیش ہوئی جو امام کو درپیش ہوئی تھی تو اس نے پہلے دو سجدے صلاتیہ ادا کیے اور دو سجدے سہو کے ادا کیے تو سجدہ تلاوت یاد آیا تو وہ بھی ادا کیے تو اس وجہ سے سجدۂ سہو دوبارہ ادا کرنا پڑا اس طرح کل سات سجدے

ادا کیے اس لئے کل سجود ۷+۷+۲ کل سولہ ہو گئے اور نماز دو رکعت۔یعنی دو رکعت میں سولہ سجود ادا کرنا پڑے تو یہ ایک عجیب عمل ہو گیا۔[715]

سجدۂ سہو کی پہیلیاں

۱۔ کن صورتوں میں سجدۂ سہو دوبارہ کرنے کا حکم ہے؟

۲۔ وہ کون سا واجب ہے کہ جس کے چھوٹنے پر سجدۂ سہو نہیں؟

۳۔ وہ کون سی صورت ہے کہ نماز کا واجب ترک ہوا مگر اس کے باوجود سجدۂ سہو نہیں؟

۴۔ نماز میں قرآن مجید پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اس کی کیا صورت ہے؟

۵۔ نماز میں تشہد پڑھنے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔اس کی صورت کیا ہے؟

۶۔ کس صورت میں رکوع کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

۷۔ ایک رکعت میں دوبار سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔اس کی صورت کیا ہے؟

۸۔ قعدہ میں الحمد شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو نہیں واجب ہوا۔اس کی صورت کیا ہے؟

{جوابات} سجدۂ سہو کی پہیلیاں

۱۔ قعدہ اخیر میں سجدۂ سہو کرنے کے بعد دو رکعت اور ملا دی۔یا مسافر نے سجدۂ سہو کرنے کے بعد ختم نماز سے پہلے اقامت کی نیت کر لی۔یا نماز کا کوئی سجدہ چھوٹ گیا تھا۔یا سجدۂ تلاوت رہ گیا تھا جنہیں سجدۂ سہو کرنے کے بعد ادا کیا تو ان صورتوں میں سجدۂ سہو کے دوبارہ کرنے کا حکم ہے۔در مختار مع رد المحتار جلد اول صفحہ ۵۰۳ میں ہے: إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ) فَرَضًا أَوْ نَفْلًا (وَسَهَا فِيهِمَا فَسَجَدَ لَهُ بَعْدَ السَّلَامِ ثُمَّ شَفَعَ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ الْبِنَاءُ) أَيْ يُكْرَهُ لَهُ تَحْرِيمًا، أَرَادَ بِنَاءً لِئَلَّا يَبْطُلَ سُجُودُهُ بِلَا ضَرُورَةٍ (بِخِلَافِ الْمُسَافِرِ) إذَا نَوَى الْإِقَامَةَ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَبْنِ بَطَلَتْ (وَلَوْ فَعَلَ مَا لَيْسَ لَهُ) مِنْ الْبِنَاءِ (صَحَّ) بِنَاؤُهُ (لِبَقَاءِ التَّحْرِيمَةِ وَيُعِيدُ) هُوَ وَالْمُسَافِرُ (سُجُودَ السَّهْوِ عَلَى الْمُخْتَارِ)۔اور شامی جلد اول صفحہ ۳۱۳ میں ہے: مِثْلُ التِّلَاوِيَّةِ تَذَكُّرُ الصُّلْبِيَّةِ) أَيْ فِي إبْطَالِ الْقَعْدَةِ قَبْلَهَا وَإِعَادَةِ سُجُودِ السَّهْوِ۔

[715] (بنایہ شرح ھدایۃ ج ۲ ص ۸۱۶ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ و نسخہ دیگر ج ۳ ص ۲۳۸ بحث سجدۂ تلاوت اور نفع المفتی و السائل لعبد الحی لکھنؤ ص ۵۹)

۲۔ قرآن مجید کی سورتوں کے پڑھنے میں ترتیب واجب ہے مگر اس کے چھوٹنے پر سجدۂ سہو نہیں اس لئے کہ وہ واجبات تلاوت سے ہے واجبات نماز سے نہیں ہے۔ رد المحتار جلد اول صفحہ ۳۰۷ میں ہے: يَجِبُ التَّرْتِيبُ فِي سُوَرِ الْقُرْآنِ، فَلَوْ قَرَأَ مَنْكُوسًا أَثِمَ لَكِنْ لَا يَلْزَمُهُ سُجُودُ السَّهْوِ لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ وَاجِبَاتِ الْقِرَاءَةِ لَا مِنْ وَاجِبَاتِ الصَّلَاةِ كَمَا ذَكَرَهُ فِي الْبَحْرِ فِي بَابِ السَّهْوِ۔

۳۔ جمعہ اور عیدین کی نماز میں واجب ترک ہوا اور جماعت کثیر ہے تو سجدۂ سہو نہیں اور مقتدی سے بحالت اقتداء سہو واقع ہوا مثلاً قعدہ اولی میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھ دیا تو اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۱۲۰ میں ہے: لَا يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ فِي الْعِيدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ، لِئَلَّا يَقَعَ النَّاسُ فِي فِتْنَةٍ، كَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ نَاقِلًا عَنْ الْمُحِيطِ۔ اور جوہرہ نیزہ جلد اول صفحہ ۷۶ میں ہے: ان سها المؤتم لم يلزم الامام ولا المؤتم السجود۔

۴۔ غیر قیام میں قرآن مجید پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے بہارِ شریعت حصہ چہارم صفحہ ۵۳ میں ہے: "قعدہ رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہے" اور رد المحتار جلد اول صفحہ ۴۹۸ میں ہے: لو قرأ القرآن هنا (اى فى التشهد) او فى الركوع يلزمه السهو۔

۵۔ حالتِ قیام میں تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔[716]

۶۔ بقدر واجب قرأت کرنے سے پہلے رکوع کرنے پر سجدۂ سہو واجب ہو گا اور قرأت پوری کرنے کے بعد اس رکوع کا دوبارہ کرنا فرض ہے اگر نہیں کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۱۹ میں ہے: لَوْ قَدَّمَ الرُّكُوعَ عَلَى الْقِرَاءَةِ لَزِمَهُ السُّجُودُ لَكِنْ لَا يَعْتَدُّ بِالرُّكُوعِ فَيَفْرِضُ إعَادَتَهُ بَعْدَ الْقِرَاءَةِ، كَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ۔

۷۔ الحمد کے بعد سورت پڑھی اس کے بعد پھر الحمد پڑھی تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔ یوں ہی فرض کی پچھلی رکعتوں میں فاتحہ کے تکرار سے مطلقاً سجدۂ سہو واجب نہیں۔[717]

اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۱۸ میں ہے: لَوْ كَرَّرَهَا فِي الْأُولَيَيْنِ يَجِبُ عَلَيْهِ سُجُودُ السَّهْوِ بِخِلَافِ مَا لَوْ أَعَادَهَا بَعْدَ السُّورَةِ أَوْ كَرَّرَهَا فِي الْأُخْرَيَيْنِ، كَذَا فِي التَّبْيِينِ۔

۸۔ اگر قعدہ اخیر میں تشہد پڑھنے کے بعد بھول کر الحمد شریف پڑھ دیا تو اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں واجب ہو گا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اول صفحہ ۱۱۹ میں ہے: وَإِذَا فَرَغَ مِنْ التَّشَهُّدِ وَقَرَأَ الْفَاتِحَةَ سَهْوًا فَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ وَإِذَا قَرَأَ الْفَاتِحَةَ مَكَانَ التَّشَهُّدِ فَعَلَيْهِ السَّهْوُ وَكَذَلِكَ إذَا قَرَأَ الْفَاتِحَةَ ثُمَّ التَّشَهُّدَ كَانَ عَلَيْهِ السَّهْوُ، كَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ -رَحِمَهُ اللَّهُ- فِي الْوَاقِعَاتِ النَّاطِفِيَّةِ۔

---

[716] (رد المحتار جلد اول صفحہ ۴۹۸)

[717] (بہارِ شریعت حصہ چہارم صفحہ ۵۰)

سجدۂ تلاوت کی پہیلیاں

۱۔ نہ آیت سجدہ پڑھی اور نہ سنی مگر سجدہ تلاوت واجب۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۔ حافظ نے تراویح میں پورے قرآن کی تلاوت کی اور کبھی سجدہ تلاوت نہ کیا مگر اس پر ایک بھی سجدہ تلاوت واجب نہ رہا اس کی کیا صورت ہے؟

۳۔ وہ کون سی صورت ہے کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے والے پر سجدہ تلاوت واجب نہیں؟

۴۔ سجدہ تلاوت واجب ہوا مگر ادا نہیں کیا اور گنہگار بھی نہیں۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۵۔ امام سے آیت سجدہ سننے کے باوجود سجدہ تلاوت ادا کرنا واجب نہیں۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۶۔ آیت سجدہ پڑھی پھر مجلس بدل کر اسی آیت کو دوبارہ پڑھی مگر ایک ہی سجدہ واجب ہوا۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۷۔ وہ کون شخص ہے کہ جس نے آیت سجدہ سنی مگر اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوا؟

{جوابات} سجدہ تلاوت کی پہیلیاں

۱۔ امام نے آیت سجدہ پڑھی تو اس صورت میں اگرچہ مقتدی نے آیت سجدہ نہ پڑھی اور نہ سنی مگر امام کے ساتھ اس پر بھی سجدہ تلاوت کرنا واجب ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۴ میں ہے: وَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَ الْمَأْمُومُ مَعَهُ سَوَاءٌ سَمِعَهَا مِنْهُ أَمْ لَا۔

۲۔ اس کی صورت کیا ہے کہ سجدہ کی آیتوں کو پڑھنے کے بعد فورا نماز کا سجدہ کر لیا یعنی آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ نہ پڑھی اور رکوع کر کے سجدہ کیا تو اگرچہ سجدہ تلاوت کی نیت نہ ہو ادا ہو گیا۔ اب اس کے ذمہ سجدہ تلاوت واجب نہیں رہا۔[718] اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۶۵۴ میں ہے: "سجدہ نماز جب فی الفور کیا جائے تو اس سے سجدہ تلاوت خود بخود ادا ہو جاتا ہے اگرچہ نیت نہ ہو فی رد المحتار جلد اول ۵۱۹: لَوْ رَكَعَ وَسَجَدَ لَهَا) أَيْ لِلصَّلَاةِ فَوْرًا نَابَ أَيْ سُجُودُ الْمُقْتَدِي عَنْ سُجُودِ التِّلَاوَةِ بِلَا نِيَّةٍ تَبَعًا لِسُجُودِ إمَامِهِ لِمَا مَرَّ آنِفًا أَنَّهَا تُؤَدَّى بِسُجُودِ الصَّلَاةِ فَوْرًا وَإِنْ لَمْ يَنْوِ۔ بلکہ ہمارے علماء بحالت کثرت جماعت یا اخفاء قرأت اسی طریقہ کو مطلقا افضل ٹھہرتے ہیں کہ آیت سجدہ پڑھ کر فورا نماز کے رکوع و سجود کر لے تاکہ تلاوت کے لئے جدا سجدہ کی حاجت نہ پڑے جس کے باعث جہال کو اکثر التباس ہو

---

[718] (بہارِ شریعت حصہ چہارم ص ۶۹)

جاتا ہے۔ مراقی الفلاح مع طحطاوی صفحہ ۲۶۴ میں ہے: ینبغي ذلک للإمام مع کثرۃ القوم أو حال المخافتۃ حتی لا یؤدي إلی التخلیط۔ اھ ملخصا۔

۳۔ مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو اس صورت میں اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں یہاں تک کہ امام اور ساتھ کے مقتدیوں نے سنا تو ان پر بھی واجب نہیں فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۲۴ میں ہے: وَإِنْ تَلَا الْمَأْمُومُ لَمْ يَلْزَمْ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُودُ لَا فِي الصَّلَاةِ وَلَا بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْهَا، كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ۔ اور در مختار مع شامی جلد اول صفحہ ۵۱۷ میں ہے: لَا تَجِبُ (مِنْ الْمُؤْتَمِّ لَوْ) كَانَ السَّامِعُ (فِي صَلَاتِهِ) أَيْ صَلَاةِ الْمُؤْتَمِّ بِخِلَافِ الْخَارِجِ۔

۴۔ عورت نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور ابھی سجدہ تلاوت نہیں کیا کہ حیض آ گیا تو اس صورت میں سجدہ تلاوت واجب ہوا مگر ادا نہیں کیا اور گنہگار بھی نہیں جیسا کہ شامی جلد اول صفحہ ۵۱۷ میں ہے: إذَا قَرَأَتْ آيَةَ السَّجْدَةِ وَلَمْ تَسْجُدْ لَهَا حَتَّى حَاضَتْ سَقَطَتْ، لِأَنَّ الْحَيْضَ يُنَافِي وُجُوبَهَا ابْتِدَاءً فَكَذَا بَقَاءً۔

۵۔ جب کہ امام سے آیت سجدہ سنی پھر امام کے سجدہ تلاوت کرنے کے بعد اسی رکعت میں جماعت کے اندر شامل ہوا تو اس صورت میں امام سے آیت سجدہ سننے کے باوجود سجدہ تلاوت کرنا واجب نہیں۔ لیکن اگر دوسری رکعت میں شامل ہو گا تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ تلاوت کرے گا۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۲۴ میں ہے: سَمِعَ مِنْ إمَامٍ فَدَخَلَ مَعَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ سَجَدَ مَعَهُ وَإِنْ دَخَلَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ بَعْدَمَا سَجَدَهَا الْإِمَامُ لَا يَسْجُدُهَا وَهَذَا إذَا أَدْرَكَهُ فِي آخِرِ تِلْكَ الرَّكْعَةِ أَمَّا لَوْ أَدْرَكَهُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرَى يَسْجُدُهَا بَعْدَ الْفَرَاغِ، كَذَا فِي الْكَافِي۔ اھ ملخصا۔

۶۔ آیت سجدہ تلاوت کی پھر نماز شروع کی جس سے مجلس بدل گئی اور نماز میں اسی آیت سجدہ کو دوبارہ پڑھی تو مجلس بدلنے کے باوجود اس صورت میں صرف ایک ہی سجدہ واجب ہو گا۔ جیسا کہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص ۱۹۲ میں ہے: تلاھا شرع فی الصلوۃ واعادھا کفتہ سجدۃ لان غیر الصلاتیۃ صارت تبعا للصلاتیۃ وان لم یتھد المجلس۔ اھ ملخصا۔

۷۔ حائضہ نے آیت سجدہ سنی تو اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۳۶ میں ہے: فِي الصُّغْرَى الْحَائِضِ إذَا سَمِعَتْ آيَةَ السَّجْدَةِ لَا سَجْدَةَ عَلَيْهَا. كَذَا فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ۔

جب مصنف علیہ الرحمہ نماز کے واجبات کے بیان سے فارغ ہوا تو نماز کی سنتوں کا بیان کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا کہ۔

الباب الثالث في بیان السنن

آٹھ ابواب میں سے تیسرا باب ہے جو نماز کے سنن مطلقہ کے بارے میں ثابت ہے۔ (وهي سبعة وعشرون) اور نماز کی یہ مطلقہ سنتیں ستائیس ہیں۔ ان سنتوں میں بعض خاص ہیں اور بعض عام ہیں۔ (العام سبعة عشره) یہ عام سنتیں سترہ ہیں۔ (وهي) اور یہ عام سنتیں مندرجہ ذیل ہیں۔ رفع اليدين في التحريمة وفي القنوت وفي تكبيرات العيدين۔ تکبیر تحریمہ، دعائے قنوت اور عیدین کی زائد تکبیروں میں ہاتھوں کو اٹھانا سنت ہے۔[719] اور کانوں کی لو تک۔[720] ہاتھوں کو پہنچانا مستحب ہے ہاتھوں کو اٹھاتے وقت انگلیاں کھلی ہوئی ہوں لیکن زیادہ کھلی نہ ہوں انگلیوں کا اندر والا حصہ اور ہتھیلی کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور انگلیوں کو پھیلانے کے بعد اپنے حال پر چھوڑا جائے اور لفظ اللہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جائے اور اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھا جائے تاکہ ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے نفی کا اشارہ ہو اور ہاتھوں کو رکھتے ہوئے اللہ تعالی کی کبریائی کیلئے اثبات کا اشارہ ہو اور تکبیرات عیدین کے درمیان دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دینا بھی سنت ہے اور ہر سنت کو ترک کرنے کے گناہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک ہر سنت کو ترک کرنا گناہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک ہر سنت کو ترک کرنا گناہ نہیں اور اگر سنت کو ترک کرتے رہنا کسی کی عادت بن جائے تو اول الذکر علماء کے قول پر فتوی ہے یعنی اس کے ترک کرنے پر گناہ لازم ہوتا ہے اور اگر سنت کو ترک کرنا کسی شخص کی عادت تو نہ ہو لیکن یہ ترک کرنا کبھی کبھار ہو تو اس صورت میں مؤخر الذکر علماء کے قول پر فتویٰ ہے کہ اس کے ترک کرنے پر گناہ لازم نہیں ہوتا اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لاترفعُوا الأيدي إلّا في سَبعِ مواطنَ۔[721]

اور ان سات جگہوں میں سے تین جگہیں یہ ہیں جو مذکور ہوئی ہیں۔ فان قيل۔ کہ پانچ نمازوں اور نماز استسقاء کے بعد دعا میں ہاتھوں کے اٹھانے سے سات جگہوں کا حصر (گھیرنا کسی شے کا احاطہ کرنا) باطل ہوا۔ قلنا۔ حدیث کی تقدیر یہ ہے کہ لاترفعُوا الأيدي على وجه

---

[719] مذہب حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سنت کے دو قسمیں ھیں، اول سنت موکدہ، دوم سنت غیر موکدہ، سنت موکدہ مذہب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک واجب کی مانند ھے اس سے واضح ھوا کہ جب ابو حنیفہ یہ کھتے ھیں کہ فلاں کام سنت مؤکدہ ھے تو اس سے ان کی مراد وھی واجب ھے جس کا ذکر اور تعریف واجبات کے باب میں کردی گئی ھے سنت غیر مؤکدہ کو مذہب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مندوب سے تعبیر کرتے ھیں اس کا کرنے والا ثواب پاتا ھے اور تارک پر عذاب نھیں ھے تاھم کسی مسلمان کو زیب نھیں ھے کہ سنت کی بات کو بے حیثیت تصور کرے کیونکہ نماز کا مقصد جناب الھی میں تقرب حاصل کرنا ھے جس کا مقصد عذاب سے دور ھونا اور اللہ تعالی کی نعمتوں سے بھرہ یاب ھونا ھے ایسی صورت میں کوئی عاقل یہ مناسب نہ جانے گا کہ نماز کی سنتوں میں سے کسی سنت کی بے قدری کرے کیوں کہ اس کا ترک ثواب وعمل سے محرومی کا باعث ھے اور یہ بات کسی دانشمند سے مخفی نھیں ھے کہ یہ محرومی ھے (بجائے خود) ایک عذاب ھے ایسا کرنے میں نعیم الھی سے محرومی ھے لھذا مکلف انسان کے لئے یہ امر خاص اھمیت رکھتا ھے کہ شارع علیہ الرحمہ نے جن امور کے بجالانے کا ارشاد فرمایا ھے ان کی بجاآوری کے جانب توجہ کی جائے خواہ وہ امور فرض ھوں یا سنت ھوں رھا یہ سوال کہ آخر اس کا کیا سبب ھے کہ شارع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز کی بعض باتوں کو فرض لازم اور بعض باتوں کو غیر ضروری قرار دیا ھے اس کا جواب یہ ھے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں پر آسانی پسند کرتا ھے اس لیے اس نے بندوں کو بعض اعمال بجالانے کا اختیار دیا ھے تاکہ اس کا ثواب عطا فرمائے اب اگر کوئی شخص ایسی سنت غیر موکدہ چھوڑ دے تو ثواب سے محروم رھے گا لیکن اس پر عذاب نہ ھوگا یہ بھی شریعت اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ھے کہ اس میں شرعی ذمہ داریوں کی دشواری دور کردی گئی ھے اور نہایت خوبی کے ساتھ جزائے خیر حاصل کرنے کی ترغیب ھے۔

[720] مذہب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں مرد کے لیے تکبیر تحریمہ، دعائے قنوت اور عیدین کی زائد تکبیروں میں ھاتھوں کو کانوں تک اٹھانا اور انگلیوں کو منتشر رکھنا سنت ھے یعنی پنجہ کھلا رھے جیسے کہ صفحہ ھذا کے متن میں بیان کیا گیا لونڈی کے لئے بھی یھی حکم ھے لیکن آزاد عورت کے لیے سنت یہ ھے کہ وہ دونوں ھاتھ شانوں یعنی مونڈھوں تک اٹھائے۔ دعائے قنوت اور عیدین کی زائد تکبیروں کا وھی حکم ھے جو تکبیر تحریمہ کا ھے یعنی ان سب تکبیروں میں دونوں ھاتھ اٹھائے جائیں۔

[721] ھاتھوں کو کانوں تک سات جگھوں کے علاوہ مت اٹھاؤ۔

المسنون إلّا في سَبعِ مواطنَ۔[722] پانچ نمازوں اور نماز استسقاء کے بعد ہاتھوں کا اٹھانا استحباب ہے نہ کہ طریقہ مسنونہ۔فان قیل۔ہاتھوں کو اٹھانے سے مدعا یہ ہے کہ بہرے لوگوں کو آگاہی کی جائے تو اگر جماعت میں بہرے لوگ موجود نہ ہوں تو ان تین جگہوں میں ہاتھوں کو اٹھانا جائز نہیں ہونا چاہیے۔قلنا۔ ان تین جگہوں میں ہاتھوں کو اٹھانا بہرے کی آگاہی کیلئے روا ہے نہ کہ افراد کیلئے۔(ونشر الاصابع ثمه) اور انگلیوں کو پھیلانا اس جگہ سنت ہے جہاں ہاتھوں کو اٹھانا مسنون ہو یعنی وہ تین ذکر شدہ جگہیں۔فان قیل۔اس قول کی صاحب شرح وقایہ سے مخالفت ہوئی ہے کیونکہ شرح وقایہ کے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ غیر مفرجا اصابع ولا ضاما بل یترک علی حالها۔

قلنا۔ نشر کے معنی عدم تفریج ہے کیونکہ تفریج رکوع کی سنت ہے نہ کہ ضم کرنا یعنی انگلیوں کا متصل کرنا کیونکہ انگلیوں کو پیوست کرنا سجدے کی سنت ہے بلکہ سجدے میں مٹھی سے انگلیوں کو اس طرح پھیلائیں کہ انگلیوں کا پیٹ یعنی نچلا حصہ اور ہتھیلی قبلہ کی طرف برابر ہو جائیں، جلسہ اور قعدہ میں انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں ان تین مقامات میں عدم رکوع اور سجود کی وجہ سے۔(والثناء) اور تکبیر اولیٰ کے بعد نماز کے ابتدا میں سبحانک اللهم الخ پڑھنا سنت ہے۔فان قیل کہ ثناء کو اعوذ باللہ اور الحمدللہ پر کیوں مقدم کیا گیا ہے۔ہم دو جواب دیتے ہیں۔پہلا یہ کہ اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے اور سبحانک اللهم تقدس ذاتی ہے اور الحمدللہ تقدس صفتی ہے اور ذات صفت پر مقدم ہوتی ہے تو تبع پر بھی مقدم ہوئی۔اس قول خداوندی کی وجہ سے۔وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ حِينَ تَقُومُ (الطور ۴۸) "اور جب آپ کھڑے ہوں تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کریں۔" عن عائشة أم المؤمنين: كان رسول الله ﷺ إذا استفتح الصلاة قال سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالى جدک ولا إله غيرک۔[723] ترجمہ: حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو یہ دعا پڑھتے "اے اللہ! ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور آپ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کا نام بہت برکت والا اور آپ کی بزرگی بہت برتر ہے اور آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔" عن عبدالله بن عمر: عن عمرَ أنه كان إذا كبرَ للصلاةِ قال سُبحانکَ اللهم وبحمدکَ وتبارکَ اسمُکَ وتعالى جَدُّکَ ولا إلهَ غيرکَ۔[724]

حضرت عبدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (لوگوں کو تعلیم کیلئے) ان کلمات "اے اللہ! ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور آپ کا نام بہت برکت والا ہے اور آپ کی بزرگی بہت برتر ہے اور آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

اور اس سے مراد سُبحانکَ اللهم ہے حضرت علی اور حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ وجل ثناؤک نہ کہے کیونکہ یہ مشہور احادیث میں نہیں آیا بلکہ صرف نماز جنازہ کے بارے میں ہے دوسرا یہ کہ ثناء پہلے پڑھنا اور اس کا مقدم

---

[722] سات جگھوں کے علاوہ ھاتھوں کو طریقہ مسنونہ کے ساتھ مت اٹھاؤ۔

[723] أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٧٧٦• أبو داود (٢٧٥هـ)، السنن الكبرى للبيهقي ٣٤/٢• والترمذي (٢٤٣)، وابن ماجه (٨٠٦) الضياء المقدسي (٦٤٣هـ)، السنن والأحكام ٣٩/٢•

[724] الدارقطني (٣٨٥هـ)، سنن الدارقطني ٦٢٨/١• هذا صحيح عن عمر قوله• الدارقطني (٣٨٥هـ)، تنقيح التحقيق ١٤٩/٢• محمد ابن عبد الهادي (٧٤٤هـ)، تنقيح تحقيق التعليق ٣٤٠/١• علاء الدين مغلطاي (٧٦٠هـ)، شرح ابن ماجه ٢٩٤/٣

کرنا نماز کی قبولیت کا سبب ہے کیونکہ جب حضرت آدم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام جنت سے باہر ہوئے توان کی توبہ قبول نہیں ہوتی تھی اور جب انہوں نے سُبحانکَ اللھم آخر تک پڑھاتوان کی توبہ قبول ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے۔فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَبِّہٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ (البقرۃ ۳۷)[725] اگر کسی شخص نے نماز پہلی دوجہری رکعتوں میں امام کے پیچھے ایسی حالت میں ابتداء کی کہ امام قرأت سے شروع کر چکا تھاتو مقتدی ثناء نہیں کہے گا کیونکہ قرآن کا سنناواجب ہے اورواجب کو سنت کیلئے چھوڑنا جائز نہیں ہے۔البتہ سکوت امام میں فاتحہ کے درمیان ثناء پڑھے گانہ کہ سکوت سورت میں اوراگر خفی یاجہری نماز کی آخری دو رکعتوں میں امام کے پیچھے اقتداء کی تو بعض کہتے ہیں کہ ثناء پڑھیں کیونکہ اس(مقتدی) پر قرآن سننا نہیں ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر رکوع کی حالت میں امام کی اقتداء کی تو ثناء چھوڑنا پڑے گی تاکہ رکوع فوت ہونے کی وجہ سے رکعت فوت نہ ہوجائے اوراگر سجدے میں امام کے پیچھے اقتداء کی تو ثناء پڑھے گا پھر امام کے پیچھے سجدے میں چلاجائے گا بعض کے مذہب میں۔اور بعض کہتے ہیں کہ ثناءنہ پڑھے کیونکہ مقتدی پر امام کی متابعت واجب ہے جیسا کہ مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایاہے۔ومتابعۃالامام علی ای حال وجدہ۔[726] اگر امام مسجد کے اندر تھااورایک شخص نے مسجد کے باہر اس(امام) کے پیچھے اقتداء کرلی تواگر مسجد کے اندراورباہر صفیں متصل تھیں تواقتداء جائزہے اوراگر مسجد کے اندراورباہر صفیں متصل نہ تھیں تواقتداء جائز نہیں ۔ (ووضع الیمین[727] علی الشمال) اوردائیں[728] ہاتھ کوبائیں ہاتھ پر رکھناسنت ہے ہراس قیام میں جس میں ذکر مسنون ہو۔تکبیرات عیدین سے احتراز کیاکہ اس میں ہاتھوں کو آویزاں کرناسنت ہے اور مراد مطلق رکھناہے قطع نظر رکھنے کی جگہ سے کہ خاص مستحبات میں مذکورہے یہ ہمارااور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کامذہب ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو آویزاں کرناسنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایاہے۔افضل العبادۃمایشق علی بدنہ۔[729] اورارسال یعنی آویزاں کرنے میں مشقت ہے کیونکہ انگلیوں کے سروں میں خون جمتاہے۔ہمارے اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ہاتھوں کے رکھنے کی جگہ میں اختلاف ہے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کے رکھنے کی جگہ سینہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کاارشادہے۔فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (الکوثر ۲) پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور نحر(ذبح) کرو۔یعنی جب نماز پڑھو تودائیں ہاتھ کوبائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھواور سینے پر ہاتھ رکھنے میں علت یہ ہے کہ سینہ دل کی جگہ ہےاوردل ایمان کی ۔اورسینے پرہاتھ رکھنے میں ایمان کواشارہ ہے۔اورہم کہتے ہیں کہ

---

[725] پس حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمے سیکھ لئے پس اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

[726] آپ نے جس حال میں امام کو پالیا اسی حال میں اس کی متابعت کریں۔

[727] وعن قبیصۃ بن وھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یومنافیاخذشمالہ بیمینہ رواہ الترمذی، وقال حدیث احسن۔یعنی حضرت قبیصہ بن وھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیاھے وہ فرماتے ھیں کہ رسول اللہ ﷺ ھمیں امامت کرواتے تو دائیں ھاتھ کو بائیں ھاتھ پر رکھتے تھے۔رواہ الترمذی اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ھے۔

[728] حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ھیں کہ نماز میں ھاتھ باندھنے کا طریقہ نماز پڑھنے والے کے اعتبار سے جدا جدا ھے اگر وہ مرد ھے تو ناف کے نیچے اپنے دائیں ھاتھ کی ھتھیلی بائیں ھاتھ کی پشت پر رکھے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے بھی یہ بات ثابت ھے اور چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کلائی پر حلقہ بنائے اور اگر (نمازی) عورت ھے تو اسی طرح سینے پر ھاتھ رکھے لیکن حلقہ نہ بنائے۔

[729] بھترین عبادت وہ ھے جس میں بدن کو زیادہ تکلیف ھو۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ عن عبداللہ بن عباس ثلاثٌ من سننِ المرسلینَ تعجیلُ الفطرِ، وتأخیرُ السحورِ، ووضعُ الیمینِ علی الشِّمالِ في الصلاۃِ۔[730] (تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں اول افطاری میں جلدی کرنا، دوم سحری میں تاخیر کرنا، سوم دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر (ناف کے نیچے) رکھنا۔ عن أنس قال: من أخلاقِ النبوۃ تعجیلُ الإفطارِ وتأخیرُ السُّحورِ، ووضع الید الیمنی علی الید الیُسری تحت السرَّۃ في الصلاۃ[731] "حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تین چیزیں نبوت (ﷺ) کے اخلاق میں سے ہیں ۔ ایک ،روزہ جلدی افطار کرنا، دو، سحری تاخیر سے کرنا، تین، نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیر ناف باندھنا۔" اور ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے میں علت ستر عورت ہے اور ارسال میں علت دنیوی امور کو چھوڑنے اور خالق حقیقی کی طرف متوجہ ہونے کی ہے۔ قلنا۔ آیت کے معنی یہ ہیں ۔ فصل لربک ای اذا صلیت صلوۃ النحر والنحر الجزور علی رأس الصدر۔[732] اس آیت کا معنی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھنا نہیں ہے یا اس سے مراد صدر یعنی سینے سے قرب ہے صدر کو۔ اور ناف سے نیچے ہاتھ رکھنا سینے کو قریب ہے اور جو حدیث حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلیل کے طور پر پکڑی ہے وہ منسوخ ہے اس حدیث پر کہ ہاتھوں کو سینے پر رکھیں کیونکہ ہاتھوں کو آویزاں کرنا ابتدائے اسلام میں تھا پھر مندرجہ بالا حدیث کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔

(وتکبیرات الانتقالات[733]) اور تکبیرات کے ساتھ رکن سے منتقل ہونا سنت ہے۔ (حتی القنوت) دعائے قنوت کی تکبیر بھی۔ انتقال کی جمع ہے۔[734] من رکن الی رکن او من رکن الی غیر رکن او من غیر رکن الی رکن۔ کیونکہ قنوت کی تکبیر قرأت سے دعائے قنوت میں منتقل ہونے کی تکبیر ہے کیونکہ جب حضور ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے تھے پھر جب رکوع کو منتقل ہوتے پھر رکوع سے قومہ اور قومے سے سجدے اور سجدے سے جلسے کو اور ہر اٹھنے اور جھکنے میں تکبیر کہتے تھے رکوع سے اٹھنے میں سمع اللہ لمن حمدہ اور قومے میں ربنالک الحمد کہتے تھے۔ برابری کی حالت میں ہمیشہ ایسی نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقی ہو گئے۔ فان قیل۔ انتقال کے وقت قرأت کو بھی تکبیر کہنا سنت ہونی چاہئے کیونکہ یہاں پر بھی دعا صرف قرأت کو نقل ہے۔ قلنا۔ کہ ثناء تکبیر اولیٰ کے تابع ہے تو اس لئے تکبیر اولیٰ کا حکم ہوا۔ پس مقتدی ثناء کے بعد تکبیر نہ کہے۔ (وتسبیح الرکوع ثلثاً) اور رکوع میں تین بار سبحن ربی العظیم کہنا سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ عن عقبۃ بن عامر إذا رَكَعَ أحَدُكُمْ فلْيَقُلْ في رُكُوعِهِ: سبحانَ ربيَ

---

[730] ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، التلخيص الحبير ١/٣٦٦ • من حديث عائشة موقوفا، قال البيهقي: إسناده صحيح، إلا أن محمد بن أبان لا يعرف سماعه من عائشة، قاله البخاري • أخرجه الطيالسي في «مسنده» (٢٧٧٦)، وابن حبان (١٧٧٠)، والطبراني (١١/١٩٩) (١١٤٨٥) بنحوه۔ الشوكاني (١٢٥٥هـ)، نيل الأوطار ٢/٢٠٢•

[731] أحمد شاكر (١٣٧٧هـ)، المحلى ٤/١١٣•

[732] پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھو یعنی جب نحر (قربانی) کی نماز پڑھو تو اونٹ کو سینے کے سر سے نحر کرو یعنی اس کو ذبح کرو۔

[733] عن عبداللہ بن مسعود رأيتُ النبيَ صلى الله عليه وآله وسلم يُكَبِّرُ في كلِّ رفعٍ، وخفضٍ، وقيامٍ، وقعودٍ. (الشوكاني (١٢٥٥هـ)، نيل الأوطار ٢/٣٦٥ • أخرج نحوه البخاري ومسلم • أخرجه الترمذي (٢٥٣)، والنسائي (١١٤٢)، وأحمد (٣٦٦٠) مطولاً•.)

[734] نماز کے ایک رکن سے دوسرے رکن میں منتقل ہونا یا ایک رکن سے غیر رکن میں منتقل ہونا یا غیر رکن سے رکن میں منتقل ہونا۔

العظیمِ ثلاثًا، وذلِکَ أدْناہ۔ای ادنی کمال الجمع لاالجواز فی قول صحیح۔[735]تور کوع کی تسبیح ہمارے علماء ثلاثہ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سنت ہے نہ کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں۔ کیونکہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں یہ رکن ہے تو فائدہ خلاف کا ظاہر ہوتا ہے۔ تسبیحات چھوڑنے یا تین سے کم کرنے میں ہمارے علماء ثلاثہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں نماز کراہیت کے ساتھ جائز ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں نماز باطل ہے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ إذا رَكَعَ أحَدُكُمْ فلْيَقُلْ في رُكُوعِهِ: سبحانَ ربيَ العظيمِ ثلاثًا،[736]

یہ امر ہے اورامر وجوب کیلئے ہوتا ہے دوسرا یہ کہتا ہوں جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیمِ (الواقعہ ۹۶) نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اجعلوھا في رکوعکم۔ یعنی اس (سبحانَ ربيَ العظيمِ) کو رکوع کیلئے خاص کرو۔ یہ بھی امر ہے اورامر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔ قلنا۔ یہ امر سنت پر محمول ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اعرابی کو افعال نماز کی تعلیم دیتے وقت تسبیح کو ذکر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ تسبیح رکوع میں رکن نہیں ہے۔ (واخذ رکبتیه فی الرکوع) اور رکوع میں دونوں گھٹنوں کو پکڑنا سنت ہے دونوں ہاتھوں کے ساتھ تکیہ کرنے والا ہو ہتھیلیوں کے ساتھ گھٹنوں پر لقمے کی طرح ہاتھ میں حال کون گھٹنوں کے یعنی گھٹنے ایسے حال میں ہوں کہ ران اور پنڈلی برابر ہوں اور کمان کی طرح ٹیڑھا نہ ہو اور اخذ کا ذکر کرنا وضع (رکھنا) کے ذکر سے لاپرواہ کرنے والا ہے کیونکہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اخذ ذکر کیا اور وضع ذکر نہیں کیا۔

(وتفریج الاصابع فیه) اور گھٹنوں کو پکڑنے میں انگلیوں کو پھیلانا سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ إذا رَكَعَ أحَدُكُمْ فليضع يديه على ركبتيه ويفرج بين اصابعه۔ کل تفریج کے ساتھ کیونکہ ہر ایک اخذ اور تفریج میں سے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا متحقق کرتا ہے۔ عن أنس بن مالک یابنيَّ إذا رکعتَ، فضعْ کفیکَ علی رکبتیکَ، وافرِجْ بین أصابعِک، وارفع یدیکَ عن جنبیکَ... "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جب تم رکوع کرو تو ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھو اور اپنی انگلیاں کشادہ کرلو اور اپنے بازو پہلوؤں سے جدا رکھو۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا کہ جب تو نماز کیلئے کھڑا ہو اور رکوع کرے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھو اور انگلیاں کشادہ کرلو۔"[737]

"حضرت وکیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رکوع میں انگلیوں کھلا رکھا جائے اور سجدہ میں ملا کر رکھنا چاہیئے۔"[738] "محمد بن مسلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوحمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں

---

[735] ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، الدراية ١/١٤١ • النووي (٦٧٦هـ)، المجموع ٣/٤٣٣ • البخاري (٢٥٦هـ)، تحفة المحتاج ١/٣٠١ • مرسل • أخرجه أبو داود (٨٨٦) واللفظ له، والترمذي (٣٦١)، وابن ماجه (٨٩٠)، من حديث عون عن عبد الله بن مسعود.

[736] حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب آپ میں سے کوئی رکوع کرے تو رکوع میں تین مرتبہ سبحانَ ربيَ العظيمِ پڑھے۔

[737] مصنف عبد الرزاق باب کیف الرکوع والسجود۔

[738] مصنف ابن ابی شیبة باب فی الرجل کیف یضم اصابعه فی السجود۔

رسول اللہ ﷺ کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں بے شک رسول اللہ ﷺ نے جب رکوع فرمایا تو ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا گویا ان کو پکڑے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کو کمان کی طرح سیدھا کیا اور ہاتھوں کو پسلیوں سے علیحدہ کیا"

"حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب رکوع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے اور کہنیوں کو (جسم سے) جدا رکھتے یہاں تک کہ تمام جسم کے اعضاء اپنی جگہ پر آجاتے۔"[739]

محمد بن مسلمہ رحمۃ للہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ بے شک جب رسول اللہ ﷺ نے رکوع فرمایا تو ہاتھ کو گھٹنوں پر رکھا گویا کہ ان کو پکڑے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کو کمان کی تانت کی طرح سیدھا رکھا اور ہاتھوں کو پسلیوں سے علیحدہ رکھا۔

عورت کے رکوع کی مسنون ہیئت اور کیفیت

عورتوں کا طریقۂ رکوع مردوں سے الگ ہے کیونکہ عورتوں کے پردے کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے چنانچہ رکوع میں عورت مرد کی طرح پوری نہ جھکے بلکہ اتنی جھکے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائے اور رکوع میں عورت کو مرد کی طرح پیٹھ کو سیدھا کرنا نہیں چاہیئے بلکہ تھوڑا جھکے اور خوب سمٹ کر رکوع کرے۔ عورت رکوع میں ہاتھوں کی انگلیوں کو گھٹنوں پر ملا کر رکھے۔ چنانچہ اس اثر سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عورت کے طریقۂ نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: عورت خوب سمٹ کر اور سکڑ کر نماز پڑھے۔[740]

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عورت جس قدر ہو سکے، (نماز میں) سمٹ کر رہے جب رکوع کرے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی طرف اٹھائے اور جتنا سمٹ سکتی ہو سمٹ کر رہے۔[741]

(والقومة) اور قومہ میں اعضاء کا بقدرِ تسکین ہونا سنت ہے جو کہ ایک تسبیح کے اندازے پر ہے اور قومہ میں **اللھم ربنا لک الحمد** کہے گا۔ یہ مذہب طرفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان (طرفین) سے مخالف ہیں، یہ کہتے ہیں کہ قومہ نماز کا رکن ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس وقت میں اعرابی کو فرمایا تھا: جس نے رکوع اور سجدہ میں تعدیل ارکان ترک کیا تھا، قومہ اور جلسہ چھوڑ دیا تھا، **قم فصل فانک لم تصل**۔ جب حضور ﷺ نے ترکِ تعدیل اور ترکِ قومہ و جلسہ کے ساتھ اعرابی

---

[739] سنن ابی داود باب صلوۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود۔

[740] (مصنف عبد الرزاق باب المرأۃ بیدیھا و باب جلوس المرأۃ)

[741] (مصنف عبد الرزاق باب تکبیر المرأۃ بیدیھا و قیام المرأۃ ورکوعھا و سجودھا)

کی نماز کی نفی کی تو معلوم ہوا کہ قومہ اور جلسہ نماز میں رکن ہیں۔ اور اگر رکن نہ ہوتا تو پھر حضور ﷺ نے کیوں قومہ اور جلسہ میں تعدیل نہ کرنے پر اعرابی کی نماز کی نفی کی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ خبرِ واحد ہے، مطلق کتاب اللہ کے ساتھ جو کہ **وارکعوا واسجدوا** سے معارض ہوا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب خبرِ واحد کتاب اللہ کے ساتھ ایسے حال میں معارض ہو جائے کہ دونوں پر تغیر و تبدیلی کے بغیر عمل کرنا ایک دوسرے میں ممکن نہ ہو تو اس حالت میں کتاب اللہ کے حکم میں تغیر جائز نہیں تو ہم نے خبرِ واحد کے حکم میں تغیر کیا اور تعدیل کی رکنیت رکوع اور سجدے میں فرضیت سے وجوب کو نقل کر دی کیونکہ واجب اکمالِ فرض کے لئے جائز ہوا ہے اور خبرِ واحد کا حکم رکنیت سے قومہ اور جلسہ میں سنیت کو متغیر ہوا کیونکہ قومہ اور جلسہ میں تعدیلِ محل فرض میں واقع نہیں ہوئے تو قومہ اور جلسہ کا الحاق رکوع اور سجدے کے ساتھ طریقۂ فرضیت سے منع ہوا ہے۔ تو قومہ اور جلسہ میں تعدیل کا الحاق طریقۂ وجوب کے ساتھ ہوا۔

(والجلسة) اور دو سجدوں کے درمیان بقدر ایک تسبیح کے جلسہ کرنا سنت ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ دو سجدوں کے درمیان بقدرِ ایک تسبیح کے جلسہ کرتے تھے اور اعرابی کو بھی فرمایا تھا: **ثم ارفع رأسک حتی تستوی جالسا**۔ پس سر رکوع سے اٹھاؤ یہاں تک کہ قیام کی حالت میں سر پیٹھ کے ساتھ برابر ہو جائے۔

(والسجدة علی سبعة اعضاء) اور سات اعضاء پر سجدہ کرنا سنت ہے کیونکہ تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ نے فرمایا ہے: **امرت ان اسجد علی سبعة اعضاء**۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں، پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کی انگلیوں کے ساتھ اور ناک پیشانی میں داخل ہے کیونکہ ان دونوں کی ہڈی ایک ہے۔

(وتسبیح السجود ثلٰثا) اور تین مرتبہ **سبحان ربی الاعلی** سنت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا ہے اور یہ کمال کا ادنیٰ درجہ ہے۔[742]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی رکوع کرے تو تین مرتبہ تسبیح پڑھے کیونکہ وہ اپنے جسم کے ساتھ تین تسبیح پڑھ رہا ہو گا اور اس کے ساتھ تین سو تینتیس ہڈیاں اور تین سو تینتیس رگیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی ہوں گی۔[743]

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع میں **سبحان ربی العظیم** تین مرتبہ پڑھتے تھے۔[744]

---

[742] (سنن ترمذی باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود)

[743] (سنن دار قطنی باب مایقول المصلی عند رکوعه وسجوده)

[744] (سنن دار قطنی باب مایقول المصلی عند رکوعه وسجوده)

فائدہ: رکوع میں تین بار تسبیحات کہنا کمال کا ادنیٰ درجہ ہے اور پانچ بار تسبیحات کہنا اوسط درجہ ہے اور سات بار کہنا کمال کا اعلیٰ درجہ ہے۔[745]

اور نوافل میں نو اور صلوۃ تسبیح میں دس یا پندرہ ہے۔

(والصلوۃ علی النبی ﷺ وآلہ وسلم) ہمارے مذہب میں حضور ﷺ پر درود پڑھنا سنت ہے اور مذہب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں حضور ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب ۵۶)**

ترجمہ: اے ایمان والوں! درود پڑھو حضور ﷺ پر اور سلام پڑھو ان پر سلام کہہ کر۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حضور ﷺ پر درود پڑھنے پر امر فرمایا ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، قطعاً۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

لا صلاۃ لِمَن لم یصلِّ علیَّ۔ جو شخص نماز میں مجھ پر درود نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں ہوتی۔

قلنا۔ یہ امر ہے اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا اور ہم بھی درود کی فرضیت پر کہ حضور ﷺ پر ساری عمر میں ایک بار پڑھنے کے قائل ہے یا حضور ﷺ کا نام مبارک سننے کے وقت میں۔ **فان قیل۔** کہ ساری عمر میں ایک بار فرض ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا نام مبارک سننے کے وقت میں فرض ہے، احتیاطاً۔ اور اول شرعاً ہے۔ اور حدیث فضیلت کی نفی پر محمول ہے۔ اور جب حضور ﷺ اعرابی کو ارکان نماز کی تعلیم فرماتے تھے تو اس میں درود ذکر نہیں کیا تھا۔ اگر فرض ہوتا تو درود کو بھی ذکر کیا ہوتا۔ تو درود کا ذکر نہ کرنے سے عدمِ فرضیت معلوم ہوئی۔

(بعد التشھد السلام) تشہد اور سلام کے بعد قعدہ اخیرہ میں اور قید سلام کے ساتھ تشہد قعدہ اولیٰ سے اور تشہد قعدہ سہو سے احتراز کیا کیونکہ سلام سے مراد سلام سے نکلنا ہے اور سلام سہو کے ساتھ نکلنا ثابت نہیں ہوتا اور قعدہ اولیٰ میں سلام نہیں ہے۔

(والدعاء بعدہ) اور دعاء حضور ﷺ پر درود پڑھنے کے بعد سنت ہے۔

(لنفسہ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات) اپنے لئے اور سارے مؤمن مردوں اور عورتوں کے لئے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا: **اذا قلت ھذا او فعلت ھذا فقد تمت صلوتک ثم اختر من الدعاء ما الیک اطیبہ واعجبہ بما یشبہ القراٰن والاثار**۔ جب تم تشہد پڑھو یا اس کی مقدار میں بیٹھو تو تمہاری نماز پوری ہو گی، اس کے بعد وہ دعا پسند کرو جو تمہارے لئے نیک ہو اور بہت عجیب ہو اور قرآن وحدیث کے مشابہ ہو۔

ایسی دعا مانگنا جو قراٰن مجید میں مذکور ہو جیسا کہ: **رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران ۸)** یا پھر ایسے: **رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ ۲۰۱)** یا پھر ایسے الفاظ میں دعا مانگنا جو الفاظ

---

[745] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۳۱۵ طبع رشیدیہ)

حدیث سے ملتے ہوں مثلاً یوں کہنا کہ **اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا و انه لا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم**۔ایسی دعا نہ مانگی جائے جو انسان سے گفتگو کے مشابہ ہو مثلا یوں کہنا **اللھم زوجنی فلانة۔یا اعطنی کذا من الذھب والفضة والمنصب**۔اور اگر مقدارِ تشہد بیٹھنے سے پہلے ایسا کیا تو نماز جاتی رہے گی، اور اگر اس کے بعد سلام سے پہلے کیا تو واجب فوت ہو جائے گا اور اگر **اللھم ارزقنی من بقلھا وقثائھا وفومھا**۔اے اللہ ہم کو ترکاری اور ککڑی اور گیہوں عطا فرما۔ کہہ دیا تو نماز باطل نہیں ہوتی اور اگر **اللھم ارزقنی بقلا وقثاء وفوما** کہہ دیا تو اگر قعدہ نہ کیا ہو تو نماز فاسد ہو گی اور اگر قعدہ کیا تھا تو نماز پوری ہو گی۔

(والسلام یمنة ویسرة) دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرنا سنت میں ہے، دائیں اور بائیں جانب سلام اس طرح پھیرنا چاہیئے کہ چہرے کی سفیدی دائیں اور بائیں جانب کے لوگوں کو ظاہر ہو جائے یہ مستحب ہے کیونکہ حضور ﷺ بھی دائیں جانب سلام اس حد تک پھیرتے تھے کہ دائیں جانب والے لوگوں کو چہرۂ مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی اور اس طرح بائیں جانب پھیرتے تھے اور سلام میں حکمت یہ ہے کہ یہ نمازی لوگوں سے غائب تھا اور نماز سے نکلنے کے سبب لوگوں کو رجوع کرتا ہے اور ان پر سلام کہتا ہے اور سلام کا جواب اس وقت واجب ہوتا ہے کہ جواب کا قائم مقام نہ ہو اور یہاں قائم مقام ہے جو کہ مقتدی کا سلام ہے۔(کافی)

لفظِ سلام پر نماز کا اختتام کرنا

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ... وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ»

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز تکبیر سے شروع فرماتے اور سلام پر نماز ختم فرماتے۔[746]

عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ.

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طہارت (وضوء) نماز کی کنجی ہے، اور نماز کی تحریم تکبیرِ تحریمہ کہنا ہے، اور نماز ختم کرنے کا ذریعہ سلام ہے۔[747]

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «كُنْتُ أَرَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ يَسَارِهِ، حَتَّى أَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے یہاں تک کہ میں آپ ﷺ کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھتا۔[748]

---

[746] (صحیح مسلم باب مایجمع صفت الصلوۃ ومایفتح بہ ویختم بہ)

[747] (سنن الترمذی باب ما جاء ان مفتاح الصلوۃ الطھور)

[748] (صحیح مسلم باب السلام التحلیل من الصلوۃ)

عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (نماز ختم فرماتے ہوئے) السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے، حتی کہ آپ ﷺ کے رخساروں کی سفیدی نظر آتی اور آپ ﷺ فرماتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔[749]

فائدہ: چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیس (۲۰) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نام لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: پس یہ بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ نمازی اپنی نماز کے آخر میں دو سلام کہے اور دونوں طرف سلام پھیرے۔[750]

مسئلہ: مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جس وقت آپ ﷺ نے سلام پھیرا ہم نے بھی سلام پھیرا۔[751]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو پسند فرماتے کہ جب امام سلام پھیرے تو مقتدی بھی سلام پھیر دے۔

نمازی کا سلام میں امام اور دوسرے نمازیوں کی نیت کرنا

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم امام پر سلام کریں اور ایک دوسرے پر سلام کریں۔[752]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سلام کا مختصر کرنا سنت ہے، یعنی اس پر مدد نہ کرے۔[753]

---

[749] (سنن ابن ماجہ باب التسلیم)

[750] (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دار لکتب العلمیۃ بیروت)

[751] (سنن النسائی باب التسلیم المأموم حین یسلموا الامام، صحیح بخاری باب من لم یرد السلام علی الامام واکتفی)

[752] (سنن ابن ماجہ باب سلام علی الامام، سنن ابو داؤد باب سلام علی الامام)

[753] (سنن ابو داؤد باب تخفیف فی السلام المستدرک للحاکم رقم الحدیث ۸۴۵)

سلام کے بعد لمبی لمبی دعائیں پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے

بعض علماء فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرتے ہیں اور حالانکہ یہ مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے مسئلہ مذکورہ سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں ایک فرض تو وہ ہے کہ جس کے بعد سنن نہ ہوں اور دوسرا وہ ہے کہ جس کے بعد سنن ہوں مثلاً ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازیں۔ تو قسم اول فرض کے بعد متصل اوراد و تسبیحات اور دعا کرنا ثابت اور مسنون ہے۔

کما فی الاحادیث و الفقہ۔ اور قسم ثانی فرض کے بعد عا کرنا اسی طرح تسبیحات پڑھنا مکروہ ہے اور اس مکروہ عمل کو اکثر مساجد میں کیا جاتا ہے کہ ان فرض نمازوں کے بعد جن کے بعد سنن ہوں لمبی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں (اماموں) نے اپنا مذہب اس مسئلے میں چھوڑا ہے۔ کیونکہ مذہب کی کتابوں میں ہے کہ

"والمختار عند الحنفیۃ ان یشتغل بعد اداء المکتوبۃ بالسنۃ ویکرہ ان یشتغل بالدعاء و التسبیح۔[754]

احناف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھیں دعا اور تسبیحات میں مشغول ہونا مکروہ ہے اسی طرح طحطاوی میں بھی فرض اور سنتوں کے درمیان دعا کی کراہت کے بارے میں لکھا ہے: **وعند الحنفیۃ یکرہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء و الصلوۃ علی النبی ﷺ قبل ان یصلی السنۃ۔ اھ۔**[755]

احناف کے نزدیک سنتوں سے پہلے بیٹھ کر درود شریف میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔

وفی قطب الارشاد ص ۲۵۲ ویستحب فی حق المقتدی و المنفرد وصل السنۃ بالمکتوبۃ الا ان الاستحباب فی حق الامام اشد حتی یؤدی تاخیرہ الی الکراھۃ روی ان جلوس الامام فی مصلاہ بعد الفراغ من الصلٰوۃ مستقبل القبلۃ بدعۃ۔

امام اور منفرد دونوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ فرض سے متصل سنت پڑھیں اور یہ استحباب خاص کر امام کے حق میں زیادہ اشد ہے کہ اس کے لئے تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کو اپنے مصلیٰ (جائے نماز) پر قبلہ رو بیٹھنا مکروہ ہے۔ (بدعت ہے) بلکہ **اللھم انت السلام الخ** پڑھ کر فوراً کھڑا ہونا ہے۔ ترمذی و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب حضور ﷺ سلام پھیرتے تو **اللھم انت السلام الخ** کی مقدار آرام فرماتے یہ نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ ان الفاظ سے دعا فرماتے اور یہ الفاظ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے:

قال الطحطاوی ص ۱۸۶ فی باب الاذکار اللھم انت السلام الخ لیس بدعا بل ثناء۔

---

[754] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۲۷ نقلا عن فتح الباری و القسطلانی ج ۲، ص ۶۳۶ باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم)"

[755] (قسطلانی باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم ۲، ص ۱۳۶ نقال عن فتح الباری بحوالہ اثبات الاغراض ص ۱۴۰)

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ **اللھم انت السلام الخ** دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔ مولانا عبد المتین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد صلوات الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثة بعد الفراغ من السنة۔[756]

احناف نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ فجر اور عصر میں فرض کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنت کے بعد دعا کرے گا اور یہ مستحب طریقہ ہے:

والقیام الی السنة متصلا بالفرض مسنون۔[757]

فرض سے متصل سنت پڑھنا مسنون ہے یعنی **اللھم انت السلام الخ** سے زیادہ وقفہ نہیں کرنا چاہئے۔ بحر الرائق ص ۱۳۷ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے:

عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ۔

ہمارے (احناف) کے نزدیک سنتوں کو اس دعا پر مقدم کرنا ہے جو نماز کے فارغ ہونے کے بعد مانگی جاتی ہے۔ قطب الارشاد ص ۲۵۲، شامی ص ۳۵۶ میں ہے۔ وہ نمازیں جن کے بعد سنتیں ہیں تو اس سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب سنن ادا کی جائے کیونکہ ان اوقات میں سنن موکدہ اور لازم ہیں اور فرض کے ساتھ ملحق ہیں اور فرض کے مکملات ہیں بالاتفاق جیسے کہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ آثار واخبار میں جو فرض کے بعد ادعیہ واذکار منقول ہیں تو وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ یہ فرض کے بعد متصل پڑھی جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سنتوں کے بعد پڑھی جائیں کیونکہ سنن فرض کیلئے مکمل ہیں اور اسی طرح ملحق و تابع ہیں اور یہ پہلے مذکور ہے کہ سنت فرض کے متصل پڑھی جائیں گی۔ **فاسقنا (ذیل المدعا، ص ۱۸) اللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔**

والظاھر ان الدعاء لیس بین السنة والفرض لان الفصل بین السنة والفرض بما زاد علی اللھم انت السلام مکروہ قال العلامة الشامی فی ج ۱، ص ۴۷۷ وکذا لو فصل بقرأة الاوراد لان السنة الفصل بمقدار اللھم انت السلام حتی لو زاد تقع سنته لا فی محلھا المسنون۔[758]

علامہ موصوف آگے فرماتے ہیں:

فعلم من ھذا ان الدعاء بین الفرض والسنة مکروہ۔[759]

---

[756] (الرسائل الستة)

[757] (نور الایضاح) طحطاوی مراقی الفلاح ص ۱۸۶)

[758] (البصائر ص ۱۲۳ لمولانا حمد اللہ دیوبندی)

[759] (البصائر ص ۱۲۳)

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل عتیق صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر دعائیں جو آپ ﷺ سے منقول ہیں اذکار کی شکل میں ہے۔ لیکن فرض نماز کے بعد سنتوں سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا اس کا ثبوت نہ تو آپ ﷺ سے مروی ہے اور نہ صحابہ کرام سے اور نہ فقہ حنفی کی کسی معتمد کتاب میں اس کی مثال موجود ہے۔ اور پھر خاص کر اس پر دوام کرنا تو یہ بدعت ہے۔ ابن تیمیہ نے بھی اس کی بدعت ہونے کے بارے میں یوں فتویٰ دیا:

مسئلة: اذا دعا الامام و الماموم عقیب صلوة الفرض جائز ام لا؟ الجواب: دعاء الامام و المأمومین جمیعا عقیب الصلوة فهو بدعة لم یکن علی عهد النبی ﷺ۔ [760]

عن مجاهد قال قال عمر رضی الله تعالیٰ عنه جلوس الامام بعد التسلیم بدعة۔ [761]

فاما فی صلوة الظهر و المغرب و العشاء یکره له المکث قاعدا لانه مندوب الی التنفل بعد هذه الصلوة و السنن لجبر نقصان ما یمکن فی الفرائض فیشتغل بها و کراهیة القعود فی مکانه مروی عن علی و عمر و ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنهم [762] **قال قال العلامة ملک العلماء علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی و ان کانت صلوة بعدها سنة یکره له المکث قاعدا و کراهیة المکث مرویة عن الصحابة روی عن ابی بکر و عمر و انهما کانا اذا فرغا من الصلوة قاما کانهما علی الرضف۔** [763]

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ فرض کے بعد اللھم انت السلام الخ سے زیادہ بیٹھنا اور سنت موئخر کرنا مکروہ ہے

امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **قلت اریت الامام اذا فرغ من صلوٰة ان یقعد فی مکانه الذی یصلی فیه او یقوم قال اذا کانت صلوٰة الظهر او المغرب او العشاء فانی اکره له ان یقعد فی مقعده حین یسلم احب الی ان یقوم و اما الفجر و العصر ان شاء قام و ان شاء قعد۔** [764]

عبد الرحمن (جزری) فرماتے ہیں: **الحنفیة قالوا یکره تنزیها ان یفصل بین الصلوٰة و السنة الا بمقدار اللهم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔** [765]

صاحب کبیری فرماتے ہیں: **و یکره للمصلی ان یمکث فی مکانه الذی صلی فیه بعد ما سلم فی صلوٰة بعدها سنة کالظهر و الجمعة و المغرب و العشاء الا قدر ما یقول اللهم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔** [766]

---

[760] (زاد المعاد ج ۱، ص ۶۶، الفتاوی الکبری لابن تیمیه ج ۱، ص ۲۱۹، طبع لبنان بیروت، مخزن الدلائل ص ۵۸)

[761] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۵۹، مصنف ابن ابی شیبه ج ۱، ص ۳۰۲، مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۱۳۸)

[762] (مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۳۸، طبع کراتشی)

[763] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۶۰)

[764] (کتاب الاصول المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۱۷)

[765] (الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱، ص ۳۳۰)

[766] (کبیری شرح منیه ص ۳۱۹)

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں: **ویکرہ الدعاء عند الختم بجماعۃ بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔**[767]

علامہ عبد المتین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صاحب فتح القدیر نے قسطلانی ص ۱۳۷ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

واستنبط من مجموع الادلۃ ان الامام لہ احوال لان الصلوۃ اما ان تکون مما یتنفل بعدھا او لا فان کان الاول ھل یشتغل قبل التنفل بالذکر الماثور ثم یتنفل وبذاک اخذ الاکثرون وعند الحنفیۃ یکرہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء والصلوۃ علی النبی ﷺ قبل ان یصلی السنن الخ۔[768]

علامہ سبحان الدین باباجی کوکاروی المعروف مولانا محمد روشن صاحب فرماتے ہیں کہ بحر الرائق ج ۲، ص ۴۹ میں ہے:

القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون وکان النبی ﷺ اذا سلم لم یمکث الا مقدار اللھم انت السلام الخ۔ اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

واما عندنا فلما ورد من اتصال السنن بالفرائض الخ۔[769]

مولوی زکریا لکھتے ہیں: **والسنۃ ماتؤدی متصلا بالمکتوبۃ۔**[770]

صاحب کبیری لکھتے ہیں۔

فان کان بعد المکتوبۃ تطوع یقوم الی التطوع بلا فصل الا مقدار ان یقول اللھم انت السلام الخ ویکرہ تاخیر السنۃ عن حال اداء الفریضۃ باکثر من نحو ذالک المقدار لما روی مسلم عن عائشۃ (کبیری ص ۳۵۵) وقال صاحب الدر المختار ویکرہ تاخیر السنۃ الا مقدار اللھم انت السلام الخ قال صاحب رد المحتار فی ج ۱، ص ۳۹۱ قولہ اللھم انت السلام الخ لما رواہ مسلم والترمذی عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ لا یقعد الا بمقدار ما یقول اللھم انت السلام الخ۔[771]

مفتی اعظم صوبہ سرحد علامہ شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قال فی الاختیار کل صلوۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعدھا والدعاء بل یشتغل بالسنۃ کیلا یفصل بین السنۃ والفرض اھ۔[772]

---

[767] (خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۱۰۵)

[768] (الرسائل الستہ ص ۶۸)

[769] (الکوکب الدری ج ۱، ص ۱۹۳)

[770] (الغابر ج ۱، ص ۱۹۳)

[771] (نفائس مطلوبہ ص ۲۹)

[772] (ثم المراقی اذکار ص ۱۸۷ (اثبات الاغراض ص ۱۴۰)

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے فرمایا:

بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔[773]

قسطلانی فرماتے ہیں:

وعند الحنفیۃ یکرہ لہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء لان القیام الی السنۃ بعد اداء الفریضۃ افضل من الدعاء والتسبیح والصلوٰۃ۔[774]

شیخ الحدیث علامہ غازی محمد الغازی الحنفی دیوبندی لکھتے ہیں فرض وسنت کے درمیان دعاء واذکار پڑھنا مکروہ ہے۔ اور احناف کے نزدیک دلیل حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں:

ان المسنون عدم الفصل بین الفریضۃ والسنن الا قدر مایقول اللھم انت السلام کما فی حدیث عائشۃ عند مسلم والترمذی وھو الذی ذکرہ فی شرح الحاکم الشھید۔[775]

علامہ غازی آگے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس مسئلے پر مزید تحقیق کرنا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کرے۔[776]

علامہ غازی آگے لکھتے ہیں: **وکذا ذکر فی عقائد النسفیۃ والمختار عند الحنفیۃ ان یشتغل بعد اداء المکتوبۃ بالسنۃ ویکرہ ان یشتغل بالدعاء والتسبیح۔**[777] مذکورہ کتاب کے حاشیہ پر علامہ عبد الہادی حقانی دیوبندی لکھتے ہیں: **وعند الحنفیۃ یکرہ المکث قاعدا ان یشتغل بالدعاء لان القیام الی السنۃ بعد اداء الفریضۃ افضل من الدعاء والتسبیح والصلوۃ۔**[778]

علامہ الزمان فرید عصر الحاج شائستہ گل علیہ الرحمہ نے مذکورہ مسئلے پر دو مستقل رسالے تصنیف فرمائے جن میں سے پہلا: **کراھۃ الدعاء بین الفرض والسنۃ۔** اور دوسرا رسالہ بنام "**توضیح المرام فی کراھۃ الدعاء بعد السلام**" ہے، جن میں علامہ موصوف نے مسئلہ مذکورہ پر

---

[773] (خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۹۵)

[774] (ارشاد الساری شرح البخاری، ج ۲، ص ۱۴۴۔ مقالات ص ۲۳)

[775] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۱۳)

[776] (طحطاوی ص ۱۷۰، ص ۱۷۱، شرح الکبیر ص ۳۴۲، لمعات ج ۳، ص ۴۰۹، ھکذا فی الفتاوی الھندیۃ والدر المختار مراقی الفلاح ص ۱۷۱، حاشیۃ الغرغشتوی ج ۱، ص ۹۴، نور الایضاح، الاشباہ والنظائر ص ۸۴، خلاصۃ الفتاوی ج ۱، ص ۹۵، منھاج السنن ج ۲، ص ۱۲۲، ردالمحتار ج ۱، ص ۴۹۴، بحر الرائق ج ۱، ص ۳۰۳)

[777] (معارف السنن، جامع الکمالات، مقالات غازی ص ۱۸، ۱۷)

[778] (ارشاد الساری ج ۲، ص ۱۴۴۔ کمالات الحقانی علی مقالات الغازی ص ۱۷)

دلائل ظاہرہ باہرہ نقل فرمائے ہیں۔ علامہ عبد الجلیل صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: **وقال فی الطحطاوی کل الصلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعدھا والدعاء۔**[779]

حضرت علامہ سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنتوں میں فرض کے بعد تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ مگر **اللھم انت السلام الخ** کی مقدار تک یعنی اس مقدار بیٹھنا مکروہ نہیں ہے۔[780] اسی طرح علامہ موصوف فرماتے ہیں:

وفی شرح صدر الشھید ان القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون وفی تاتارخانی الاشتغال بالسنۃ بعد اداء الفرائض اولی من الاشتغال بالورد وان اخذ بالدعاء یکرہ۔[781]

اسی طرح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اذا سلم الامام من الظھر او المغرب او العشاء کرھت لہ المکث قاعدا لکنہ یقوم الی التطوع۔[782]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی کے دار العلوم مظہر العلوم سے شائع شدہ کتاب "**السیف المبیر علی اتباع ملا فنجفیر**" میں ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے۔

دلیل والمختار عند الحنفیۃ ان یشتغل بعد اداء المکتوبۃ بالسنۃ ویکرہ ان یشتغل بالدعاء والتسبیح الخ۔[783]

علامہ ظاہر شاہ قادری فرماتے ہیں سنن و فرائض کے درمیان دعا کرنا اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

وکذا لو فصل بقرأۃ الاوراد لان السنۃ الفصل بمقدار اللھم انت السلام حتی لو زاد تقع سنۃ لا فی محلھا المسنون۔[784]

عمدۃ القاری میں ہے: **والنص ان التاخیر مکروہ** ج ۳، ص ۱۲۲۔ فتاوی برہنہ میں ہے: **وبعد از سلام فرض زود برخیز دو درنگ نکند مگر بقدر اللھم انت السلام الخ** زیادہ ازین کراھت ست وبدعت۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

---

[779] (تنبیہ الاخوان ص ۴)

[780] (اعلام المؤمنین ص ۳۴)

[781] (شرح الیاس ص ۱۶۹، وایضا فی فتح القدیر ص ۴۱۶ وحموی ص ۱۲۹، الجوھرۃ النیرۃ ص ۷۲، قسطلانی ج ۲، ص ۱۳۶، عینی البخاری ج ۳، ص ۱۸۹، کشف الغمہ ص ۹۰، عقائد سنیہ ص ۳۸، تنویر الایمان ص ۱۹۹)

[782] (فتح القدیر ج ۲، ص ۳۱۴، تنویر الایمان ص ۱۷۹)

[783] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۳۷ نقلا عن فتح الباری والقسطلانی ج ۲، ص ۶۳۶؛ السیف المبیر ص ۷۰)

[784] (شامی ج ۱، ص ۱۷۰)

وفی الحجة الامام اذا فرغ من الظهر و المغرب و العشاء یشرع فی السنة و لا یشغل بادعیة طویلة کذا فی التاتار خانیه (هندیه ج ۱، ص ۷۷) لان الاوراد تکون بعد السنة لانها بین الفرض و السنة مکروه۔[785]

علامہ ظاہر شاہ نے اپنی کتاب کے آخر میں مختلف (چند) فتاویٰ ذکر کئے ہیں۔ مفتی فضل سبحان قادری نے فتوی دے کر فرمایا نیز امام ابن ہمام وبقالی و دیگر علماء کرام حنفیہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن رواتب ہو اور ان فرائض کے بعد صرف **اللهم انت السلام الخ فصل بین الفرائض و السنن** کرنا چاہئے اور اس تقریبی اندازہ سے زیادہ فصل خلاف اولیٰ ہے۔[786]

حضرت علامہ مفتی ابو عیسیٰ محمد جمال الدین حلیمی صاحب نے فتوی دیتے ہوئے فرمایا: نماز فرض و سنت کے درمیان تو دعا نہیں بلکہ ایک ثناء ہے **اللهم انت السلام الخ** اس سے زیادہ دعا و اوراد مکروہ ہیں۔[787]

مفتی حاجی محمد انور قادری فرماتے ہیں فرض کے بعد سوائے **اللهم انت السلام الخ** کے تاخیر کرنا ساتھ اوراد و دعاؤں کے مکروہ ہے۔ چونکہ سنت بعد الفرض تکمیل نماز ہے اس لئے فرض اور سنت کے درمیان فصل کرنا مکروہ ہے سوائے **اللهم انت السلام** کے۔ فرض نماز جس کے بعد سنت ادا کرنا ہو تو فرض اور سنتوں کے درمیان بیٹھنا یا اوراد و دعائیں کرنا یا ذکر میں مشغول ہونا سب مکروہ ہے۔ شامی، مراقی الفلاح، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ فرائض اور سنن کے درمیان تاخیر کرنا مکروہ ہے۔[788]

علامہ مفتی غریب اللہ صاحب فتوی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال صاحب خلاصة الفتاوی بعد الفریضة الاشتغال بالسنة اولی من الاشتغال بالدعاء ج ۱، ص ۹۵۔ وفی الاشباه و النظائر و الاشتغال بالسنة عقب الفرض افضل من الدعاء ص ۱۲۷۔ (فتوی مدرسہ مجددیہ مانکی تحصیل صوابی)

حضرت شیخ المشائخ علامہ مفتی عبد السبحان قادری نور اللہ مرقدہ و جعل الجنة مثواہ بحرمة سید الانبیاء و المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی هو عقب الفراغ اھ۔[789]

---

[785] (اطفاء الفتن ص ۷)۔ (دعا بعد السنن و النوافل ص ۱۴، ۱۳)

[786] (فتوی دار العلوم قادریہ، مردان ۳۱ جنوری، ۱۹۸۱ء)

[787] (شامی ج ۱، ص ۴۷۷، مراقی ص ۱۷۰، فتاوی برهنه وغیره) (فتوی مرکزی دار العلوم جامعہ چشتیہ کرانی شریف کوئٹہ بلوچستان)

[788] (فتوی مکتبہ اسلامیہ دار العلوم ربانیہ شیدو)

[789] (بحر الرائق صفة الصلوة ج ۱، ص ۲۲۱۔ (فتوی دار العلوم قادریہ سبحانیہ، کراچی) (دعا بعد السنن و النوافل ظاہر شاہ میاں قادری)

قولہ لیس بدعاء الخ۔ یعنی فرض کے بعد جو **اللھم انت السلام الخ** پڑھا جاتا ہے یہ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔ علامہ مفتی اعظم صوبہ سرحد مولانا شائستہ گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتبر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ: **اللھم انت السلام الخ لیس بدعاء بل ثناء وقولہ حَیِّنَا الخ لا اصل لہ بل مختلق بعض الناس۔**[790]

اسی وجہ سے مسلم و ترمذی و مشکوٰۃ وغیرھا نے اس حدیث کو باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں نقل کئے ہیں لہٰذا **اللھم انت السلام** کے پڑھنے کے ساتھ دعا بمعنی سوال کا طرز عمل (ہاتھ اٹھانا) غلط حرکت ہے اور حدیث مذکور میں دعا بمعنی سوال نہیں ہے۔[791]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی فرماتے ہیں:

قال الفقھاء ان اللھم انت السلام کما ھو وارد فی الاحادیث لیس بدعاء بل ذکر کما قال العلامۃ الطحطاوی فی شرح المراقی ص ۱۷۱ قولہ والدعاء ھذا لا ینافی الاتیان باللھم انت السلام اھ لانہ لیس بالدعاء بل ثناء۔

آگے فرماتے ہیں: **فعلم من ھذا الکلام ان انت السلام کما ھو الماثور فی الروایات لیس بدعاء۔**[792]

علامہ محمد فاضل عتیق فرماتے ہیں کہ آج کل جو حضرات فرض نماز کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر **اللھم انت السلام الخ** پڑھتے ہیں اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں: **ان ھم الا یخرصون۔** کیونکہ مذکورہ کلمات دعا نہیں: **کقولہ لانہ لیس بدعاء بل ثناء، طحطاوی ص ۱۷۱۔**

انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

ان ادعیۃ النبی ﷺ قد اخذت مأخذ الاذکار ولیس فی الاذکار رفع الایدی۔[793]

مولوی یوسف بنوری لکھتے ہیں:

ھو فی تعلیقاتہ علی الآثار واکثر ما جاءت الادعیۃ بعد المکتوبۃ فھی علی شان الاذکار لا سوالات الحاجات۔[794]

---

[790] (القصاص) شرح المشکوٰۃ ثم طحطاوی ص ۱۸۶، شرح القاری لمسند الامام اعظم ص ۲۰۶، واشعۃ اللمعات باب الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۴۴۸ وفتح القدیر نوافل ج ۱، ص ۱۸۶ وغیرھا)

[791] (کراھۃ الدعاء بین الفرض والسنۃ ص ۶)

[792] (البصائر ص ۱۲۲)

[793] (فیض الباری ج ۲، ص ۴۳۱)

[794] (معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۴)۔ (مخزن الدلائل ص ۸۵، ۸۴)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہما فرماتے ہیں: نماز کے بعد جو اذکار طویلہ احادیث میں وارد ہیں وہ ظہر و مغرب و عشاء میں سنتوں کے بعد پڑھے جائیں قبل سنت مختصر دعا پر قناعت چاہئے ورنہ سنتوں کا ثواب کم ہو جائے گا۔[795]

تنبیہ احادیث میں کسی دعا کی نسبت جو تعداد وارد ہے اس سے کم زیادہ نہ کریں کہ جو فضائل ان اذکار کیلئے ہیں وہ اسی عدد کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں کم وزیادہ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی قفل (تالا) کسی خاص قسم کی کنجی سے کھلتا ہے اب اگر کنجی میں دندانے کم یا زیادہ کر دیں تو اس سے نہ کھلے۔

مذکورہ تنبیہ سے صاف ظاہر ہوا کہ جو اوراد و وظائف جیسے اور جتنی تعداد میں منقول ہیں اسی طرح ادا کیا جائے تو فرض نماز جس کے بعد سنن ہو اس کے بعد جتنی قدر ثناء منقول ہے وہی پڑھنا چاہئے کما مر۔ اسی طرح فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنت ہیں ان کے بعد لمبی دعا کرنا مکروہ ہے۔[796]

حضرت علامہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ مفتی دار العلوم امجدیہ وقار الفتاویٰ میں فرماتے ہیں جن فرضوں کے بعد سنت موکدہ ہیں ان کے بعد صرف **اللھم انت السلام تا یا ذا الجلال والاکرام** یا اس کے برابر کوئی اور دعا مانگے اس سے زیادہ لمبی دعا نہیں کرنی چاہئے۔ اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد جتنی چاہے لمبی دعا مانگیں مگر اتنا طول نہ دیں کہ نمازیوں پر شاق گزرے۔[797]

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد مختصر دعا کرنی چاہئے۔ لہٰذا جو حضرات مفتی وقار الدین قدس سرہ کے معتقدین ہیں، انہیں چاہئے کہ طویل دعا کرنا چھوڑ دیں اور مختصر دعا مانگیں۔

سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے

بعض علماء سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ مطلق اجتماعی دعا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: **کقولہ تعالٰی: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط الآیۃ۔**[798]

---

[795] (ردالمحتار، بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)

[796] (فتاوی دار العلوم دیوبند)

[797] (وقار الفتاوی، ص ۱۲۲، ج ۲)

[798] (سورۃ مومن، پ ۲۴، آیت ۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ آیت کریمہ میں غور کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرنے کا امر فرمایا ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں ادعوا اور دو مقام پر کم ضمیر جمع کا ذکر فرمایا ہے۔ اور کبیری ص ۳۸۹، شامی ۳۵۶، مراقی الفلاح ص ۱۸۷، اور فتح القدیر میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ سنت فرض کے مکمل تابع اور لواحق ہیں نہ کہ اس کا غیر اور اجنبی، تو دعا بعد السنن جائز ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ الاٰیۃ۔ جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش کرو۔[799]

حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی تفصیل میں فرمایا: فاذا فرغت من الصلوۃ فاجتھد فی الدعاء۔[800] یہ آیت مطلق ہے جو دعا بعد السنن کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ۔[801] بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ (کنز الایمان) اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ گرامر کے لحاظ سے تمام صیغے اور خطاب جمع کے ہیں۔ مثلاً یقولون اور چار مقامات پر صیغہ متکلم مع الغیر کا استعمال ہوا ہے، جو اجتماعی دعا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت کریمہ سے بھی اجتماعی دعا کرنے پر دلیل معلوم ہوتی ہے: کقولہ تعالی: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الخ الآیۃ (سورۃ الحشر)۔ ان تمام آیتوں سے مطلق اجتماعی دعا کرنے کا جواز اور ثبوت معلوم ہوا۔ اب بغیر کسی تقیید کے مطلق دعا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ الاٰیۃ۔[802] اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی بغیر کسی قید زمانی و مکانی کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تو سنتوں کے بعد دعا کرنا بھی مطلق دعا کا ایک فرد ہے تو اس کا جواز بھی معلوم ہوا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے جو دعا نہیں کرتے: قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ الخ الاٰیۃ۔[803] تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے پاس اگر تم اسے نہ پکارو یعنی دعا نہ کرو۔ علماء دیوبند کے استاذ العلماء حضرت مولانا شیخ القرآن عبد الہادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوٰۃ میں ص ۱۳۴ پر فرماتے ہیں: فاعلموا ایھا الاخوان ان الدعاء بالجمع بعد السنۃ مستحب عند العلماء۔ دوسری جگہ فرمایا ہے: فمن قال ان الدعاء بعد السنۃ بدعۃ

---

[799] (الانشراح، پ ۳۰، آیت ۷)

[800] (تفسیر مدارک، خازن ص ۲۲۰، معالم التنزیل)

[801] (پ ۱۸، المومنون، آیت ۱۰۹)

[802] (البقرۃ پ ۲، آیت ۱۸۶)

[803] (الفرقان پ ۱۹، آیت ۷۷)

فھو ضال مضل اجتنبه ص ۱۵ ۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب مبارک فرماتے ہیں: **ان الدعاء بعد السنن و النوافل مستحب صرح به فقهائنا و من انکره فهو ضال مضل۔**[804]

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ "**لا یجتمع قوم فیدعوا بعضهم و یؤمن بعضهم الا اجابهم الله**"[805] جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض کہیں آمین تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا ہے: **اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المسجد۔**[806] متقدمین ومتأخرین علماء نے اس پر اجماع فرمایا ہے کہ مسجد میں اجتماعی ذکر کرنا مستحب ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس طرح کوئی دلیل پیش کریں کہ "**اجمع العلماء سلفا و خلفا علی عدم استحباب ذکر الجماعة فی المسجد**" نور الایضاح اور مراقی الفلاح جو مذہب حنفی کی معتبر کتب ہیں، میں ہے "**ویستحب ان یستقبل بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم تکن بعده نافلة الناس ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین بالادعیة الماثورة الجامعة رافعی ایدیهم حذاء الصدر وبطونهما مما یلی الوجه بخشوع وسکون ثم یختمون بقوله تعالٰی سبحان ربک رب العزة عما یصفون الاٰیة ثم یمسحون بها ای بایدیهم وجوههم فی اٰخره واقره الطحطاوی**" مستحب یہ ہے کہ امام سنتوں کے بعد یا اس فرض کے بعد جس کے بعد سنت نہ ہوں لوگوں کی طرف منہ کرے اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے ایسی دعا کے ساتھ جو جامع اور مسنون ہو اور اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر اونچا کرے اور ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں اور سکون وعاجزی کے ساتھ دعا کرے پھر آیت کریمہ **سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ الخ** کے ساتھ دعا کو ختم کرے اور آخر میں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔ طحطاوی نے اس مسئلے کی تقریر فرمائی ہے۔ احناف کی ان تینوں کتابوں سے دعا بعد السنن ثابت ہوئی جو مستحب ہے۔ استاذ المحدثین ولی کامل مولانا نصیر الدین غورغشتوی دیوبندی کا فتویٰ "**دعا بعد السنن بهیئة اجتماعیة**" ارشادات نصیری میں موجود ہے۔ دیوبندیوں کے معتبر اور جید عالم علامہ شمس الحق صاحب شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے معدن السرور فتویٰ بہاولپور ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے جیسے کہ نور الایضاح میں ہے۔ مفتی رشید احمد بن مفتی فرید احمد صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ "**مسئلة التوسل والدعاء**" میں لکھتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا افضل ہے اور اس پر کثیر دلائل ذکر کئے اور پھر لکھا ہے کہ دعا پر دوام کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو مثلاً تہجد پر دوام مستحب ہے پس سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے۔ (ص ۶۱) مولانا عبد الحیٔ لکھنوی نے السعایہ میں لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔[807] اسی کتاب میں علمائے دیوبند کے بزرگ اور استاذ مولانا عبد الہادی شاہ منصوری لکھتے ہیں: "**الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب**" (**تسهیل الترمذی**) **وفی الهدایة والسنة**

---

[804] (دعا بعد از سنن و نوافل ص ۳۷)

[805] (کنز العمال ج ۱، ص ۱۷۷)

[806] (ج ۲، ص ۴۸۸، مطلب فی احکام المسجد)

[807] (بحوالہ تسهیل الترمذی، ص ۳۱۵)

فی الادعیة تاخیرھا عن الصلوۃ الخ۔[808] یعنی دعا میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد کی جائے۔ دوسری جگہ لکھا ہے **"الاجابة فی الجمع ارجی"** (ج۲، ص۱۴۴) کہ اجتماعی دعا میں قبولیت کی امید ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: **"الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمین"**[809] دعا بعد السنن کا جواز واثبات یعنی استحباب مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے، جن میں سے بعض کی عبارات نقل کر دی گئیں اور بعض کے صرف حوالے ذکر کئے جاتے ہیں۔[810]

یہ مذکورہ مسئلہ یعنی دعا بعد السنن تقریبا باون کتابوں میں موجود ہے۔ اگر حوالہ جات دیکھنا چاہتے ہیں تو میرا رسالہ "عقائد المسلمین" کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر تحقیق چاہتے ہیں تو "**اطفاء الفتن فی مسئلة الدعابعدالسنن**" جو میری تصنیف ہے کا مطالعہ کریں۔ **فالحاصل الدعابعدالسنن والنوافل بھیئة الاجتماع مستحب والفاعل ماجور عنداللہ تعالی والمانع محروم عن اللہ تعالی من الاجر العظیم۔**

الدعاء فی اللغة حاجت خواستن وفی الاصطلاح ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی علی خضوع وقال الامام الرازی وحقیقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله العنایة واستمداده ایاه المعونة[811] **قال العلامة غلام محمد الحقانی فاعلم ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی بالخضوع وھذا ھو المراد بقولھم الدعاء حاجت خواستن**[812] **والدعاء اظھار العبودیة والذلة والانکسار والرجوع الی اللہ تعالی**[813] **وفی روح البیان والمقصود من الدعاء انما ھو اظھار العبودیة والافتقار الی رحمتک والاستعجال لنیل ایادیک**[814] **وفی قسطلانی مع مافی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظھار الافتقار الی اللہ تعالی**[815] **وفی فتح الباری ولما فی ذالک ای فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظھار الافتقار**[816] **وفی طحطاوی ویکون فی الدعاء بالاستغفار اظھار الافتقار الی اللہ تعالی**

---

[808] (ھدایة کسوف ص ۲۲۵)

[809] (خزینة الاسرار، ص ۱۴۰)

[810] نور الایضاح، ص ۸۰۔ بحر الرائق، ص ۴۳۔ تفسیر ابن عباس ص ۳۵۵۔ طحطاوی، ص ۱۸۷۔ فتاویٰ نور الھدای، ص ۵۴۔ کبیری، ص ۲۳۱۔ مظھر الحق، ص ۹۔ البصائر، ص ۱۲۱، لمولانا حمد اللہ مردان صوابی۔ تسھیل المشکوٰۃ، ص ۱۵۔ الذخائر، ص ۲۷، لمولانا حافظ کفایت اللہ صوابی۔ الحجج البینات لمولانا شائستہ گل علیہ الرحمہ۔ المسائل المنتخبہ، ص ۲۸۔ قاضی حبیب الحق پرمولی مردان۔ تنویر الایمان، ص ۱۶۲، لمفتی سید احمد شاہ اخون کلی سوات المعروف بہ قاضی بابا قدس سرہ۔ الرسائل السته، ص ۶۷۔ بحر العلوم علامہ عبد المتین علیہ الرحمہ شموزی سوات۔

[811] (تفسیر کبیر، ج۵، ص ۱۰۶)

[812] (منھاج الحقائق، ص ۳)

[813] (کبیر ص ۱۳۶، ج۲)

[814] (روح البیان ص ۴۳، ج۲)

[815] (قسطلانی ص ۱۵۸، ج۹)

[816] (فتح الباری ج ۱۱، ص ۳۴)

[817] وفی تفسیر الخازن الدعاء ھو السوال وھو نوع من انواع العبادۃ[818] اللہ تعالی نے دعا کو عبادت فرمایا ہے کقولہ تعالی إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ[819] قال الرازی فمن ابطل الدعاء فقد انکر القرآن[820] قال السدی یستکبرون عن عبادتی ای دعائی[821] وقال الصاوی الدعاء فی الاصل السوال والتضرع الی اللہ تعالی فی الحوائج الدنیویۃ والاخرویۃ الجلیلۃ والحقیرۃ (صاوی) وقولہ تعالی عن عبادتی الخ قال علیہ السلام الدعاء ھو العبادۃ وقرء ھذہ الاٰیۃ ﷺ (مدارک) وفی تفسیر کبیر اعلم ان لفظ الدعاء یحتمل وجوھا کثیرۃ ان یکون المراد من الدعاء العبادۃ قال علیہ السلام الدعاء ھو العبادۃ ومما یدل علیہ قولہ تعالی وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون الخ۔[822]

مولوی محمد حسین صدیقی دیوبندی استاذ جامعہ بنوریہ لکھتے ہیں مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ترجمہ میں کہ "جو لوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر اور بڑائی کرتے ہیں الخ۔[823]

احادیث نبوی پر نظر کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دعا کو عین عبادت فرمایا ہے۔ "کقولہ علیہ السلام: عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الدعاء ھو العبادۃ"[824]

قال القرطبی فدل ھذا ان الدعاء ھو العبادۃ۔[825]

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الدعاء مخ العبادۃ۔[826]

وقال الرازی لاجرم کان الدعاء اعظم انواع العبادۃ۔[827]

---

[817] (طحطاوی ص ۱۷۳، تنویر الایمان، ص ۱۵۵)

[818] (خازن ج ۲، ص ۱۰۳)

[819] (سورۃ مومن، پ ۲۴، اٰیت ۶۰)

[820] (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۱۰۹)

[821] (تفسیر ابن جریر، ج ۲۴، ص ۵۲، نزھۃ المجالس، ج ۱، ص ۶۷، ابن کثیر، ج ۴، ص ۸۶)

[822] (کبیر، ج ۲، ص ۱۳۷)

[823] (روضۃ الطالبین ص ۳۳)

[824] (تفسیر خازن، ج ۴، ص ۵۶) ترمذی، تفسیر قرطبی، ج ۱۵، ص ۳۲۶، ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۰۸، تفسیر ابن جریر، ج ۲۴، ص ۵۱، ابن کثیر، ج ۴، ص ۸۵، مشکوۃ، ج ۱، ص ۲۱۱، کتاب الدعوۃ)

[825] (قرطبی، ج ۱۵، ص ۳۲۶)

[826] (ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۵، مشکوۃ، ج ۱، ص ۲۱۱، البصائر، ص ۱۲۲، روضۃ الطالبین مع زاد الطالبین، ص ۳۳، نفائس مطلوبہ، ص ۱۴)

[827] (کبیر، ج ۴، ص ۲۳۶) (نفائس مطلوبہ لمولانا محمد روشن)

ملا علی قاری فرماتے ہیں: فان السنة تابعة للفرض ومكملة لها وقت العرض [828] قال عبد الرحمن جزائری ان السنن من لواحق الفرائض فليست باجنبية عنها۔ [829]

ان مذکورہ اقوال کا استدلال اور ماخذ یہ حدیث ہے: عن تميم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ اول ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلوة فان كان اكملها كتبت له كاملة وان لم يكن اكملها قال للملائكة انظروا اهل تجدون لعبدی من تطوع فاكملوا بها ما ضيع من فريضة ثم الزكوة ثم توخذ الاعمال بحسب ذالک۔ [830] وفی رد المحتار ان السنن من لواحق الفريضة وتوابعها ومكملاتها فلم تكن اجنبية عنها فما يفعل بعدها يطلق عليه انه عقيب الفريضة [831] وايضا فی الكبيری، ص ۳۵۵) وهذا هو السند علی كون الدعاء عبادة وهذا النص مطلق من ان يكون بعد الصلوة او لا وان يكون بالانفراد او الاجتماع فان المطلق يجری علی اطلاقه فی الصفات ويراد منه الفرد الكامل فی الذوات فحصل التوفيق بين الاصلين۔ [832]

فان قيل! قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی تفسيره فاذا فرغت فانصب من الصلوة المكتوبة لا من الصلوة المطلقة قلنا قال ابن عباس فی تفسيره بصيغة الاطلاق ای قال ابن عباس وقتادة فاذا فرغت من صلوتک۔ [833]

اگر لفظ فرغت پر نظر فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ فراغت اس کو کہتے ہیں کہ جب تمام کام کو پورا کر لیا جائے۔ لغت کی کتابیں اس پر دال ہیں۔ مثلاً صراح میں فراغ کا معنی پرداختن از کاری، صراح ص ۳۸۸، فرہنگ۔ فراغ، فارغ شدن، کاری را تمام کردن وازاں آسودہ شدن، ج ۲، ص ۱۵۲۱، فیروز اللغات۔ فرصت، آرام، اطمینان ص ۴۶۳، منجد کام پورا کر کے خالی ہونا، تمام کرنا (ص ۷۴۲) ان معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب فرض اور سنت سے فراغت حاصل ہو یعنی ان سب کو پڑھ لے۔ (مخزن الدلائل ص ۷۷) مذکورہ دلائل سے نفس دعاء اجتماعی دعا اور اس بات پر ثبوت پیش کیا گیا کہ سنن فرائض کے مکملات اور تابع ہیں۔ اب حدیث شریف سے سنت و نفل کے بعد عا کرنے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے سنت و نفل کے بعد اجتماعی دعا فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض بے علم اور بعض منکرین مع العلم یہ اعترض کرتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے سنت کے بعد اجتماعی دعا نہیں کی لیکن یہ معاندین علم سمیت اس طرف خیال نہیں کرتے کہ ادلہ شرعیہ جو چار ہیں، جس میں سے پہلا قرآن (کتاب اللہ) ہے پھر سنت نبوی، اجماع اور قیاس ہیں اور اسی ترتیب سے کسی مسئلے کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[828] (مرقات، ج ۲، ص ۱۱۹، طبع ملتان)

[829] (الفقه علی المذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۳۳۰)

[830] (مسند احمد، ج ۴، ص ۱۰۳، مصنف ابن ابی شيبة، ج ۱۱، ص ۴۱)

[831] (رد المحتار، ص ۳۹۱)

[832] (البصائر، ص ۱۲۲ لمولانا حمد اللہ دیوبندی مظاهری)

[833] (تفسير قرطبی، ج ۲۰، ص ۱۰۸، درمنثور، ج ۶، ص ۳۶۵، مظهری، ج ۱۰، ص ۲۹۴، ابن جرير، ج ۳۰، ص ۱۵۱، روح المعانی، ج ۳۰، ص ۱۹۸، بيضاوی، ج ۲، ص ۵۶۵، جلالين، ص ۵۶۵، مدارک، ص ۳۹۰)

کی حدیث میں ہے جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا کما لا یخفی علی من یعلم الخ تو جب کتاب اللہ میں دعا کرنے پر اور مطلق دعا اور اجتماعی دعا کرنے پر دلائل کی کثرت ہے۔ تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن یہ سب سراسر اپنے مذہب سے لاعلمی یا تعصب وعناد وحسد نے اس مخالفت پر مجبور کیا ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری شیخ الحدیث بنوری ٹاؤن کراچی نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی ہے: **قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بھیئۃ اجماعیۃ رافعین ایدیھم بعد الصلوۃ المکتوبۃ ولم یثبت ذالک فی عھدہ ﷺ ولا اخص بالمواظبۃ۔ نعم ثبتت ادعیۃ کثیرۃ بالتواتر بعد المکتوبۃ ولکنھا من غیر رفع الایدی ومن غیر ھیئۃ اجتماعیۃ۔ نعم ثبت دعاءہ ﷺ برفع الیدین باجتماع بعد النافلۃ فی واقعتین احدھما واقعۃ بیت ام سلیم حین صلی فیہ السبحۃ ودعا لانس رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔**[834]

دوسری جگہ لکھتے ہیں: **ثم ان الدعاء بعد الصلوۃ بھیئۃ اجتماعیۃ برفع الایدی لم یثبت الا بعد النافلۃ فی اللاستسقاء وفی قصۃ الصلوۃ فی بیت ام سلیم۔**[835]

شاہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: **اذا لم نفز بالاذکار فینبغی لنا ان لا نحرم من الادعیۃ ونرفع لھا الایدی لثبوتہ عن عقیب النافلۃ وان لم یثبت بعد المکتوبۃ فاذا ثبت جنسہ لم تکن بدعۃ اصلا**[836] **وھذا امر مسلم ان الصلوۃ لاستسقاء سنۃ فمتی احتاج الناس الی الماء فانہ یسن ان یصلوا صلوۃ الاستسقاء**[837] **وقال محمد بن الحسن اری ان یصلی الامام فی الاستسقاء**[838] **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج یوما رسول اللہ ﷺ یستسقی فصلی بنا رکعتین بلا اذان واقامۃ ثم خطبنا ودعا۔**[839] مندرجہ بالا احادیث وفقہاء کے قول سے استسقاء کی نماز کی سنیت اور اس کے بعد دعا کرنا ثابت ہوئی اب وہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نوافل کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی: "**عن انس قال دخل النبی ﷺ وما ھو الا انا وامی وام حرام خالتی فقال قوموا فاصلی لکم فی غیر وقت صلوۃ فصلی بنا فقال رجل لثابت این جعل انسا منہ قال جعلہ علی یمینہ ثم دعا لنا اھل البیت بکل خیر من الدنیا والاٰخرۃ فقال امی یا رسول اللہ ﷺ خویدمک ادع اللہ لہ قال فدعا لی بکل خیر وکان فی اٰخر ما دعا لی بہ اللھم اکثر مالہ وولدہ وبارک لہ فیہ**[840] **قال العلامۃ عبد الھادی الشاہ منصوری فی کتابہ عن عبد اللہ بن زید قال خرج رسول اللہ ﷺ بالناس الی المصلی یستسقی فصلی بھم رکعتین وجھر فیھما بالقراءۃ واستقبل القبلۃ یدعو ورفع یدیہ وحول رداءہ حین استقبل القبلۃ انتھی فثبت ان النبی ﷺ دعا بالجمع مع**

---

[834] (معارف السنن، ج۳، ص ۴۰۹)

[835] (معارف السنن، ج۴، ص ۴۲)

[836] (فیض الباری، ج۲، ص ۴۳۱، طبع بیروت، ج۴، ص ۴۱۷، طبع)

[837] (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ج ۱، ص ۶۳۱)

[838] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۴۴۸)

[839] (ابن ماجہ، ص ۹۱)

[840] (مسلم، ج ۱، ص ۲۳۴، ج ۲، ص ۲۹۸، دلائل النبوۃ بیہقی، ج ۶، ص ۱۹۵)

المسلمین و کذا رواہ ابن ماجۃ[841] قال العلامۃ سبحان الدین کو کاروی فی کتابہ فی اثبات الدعاء بعد النوافل من النبی ﷺ "وعن سعد ان رسول اللہ ﷺ مر بمسجد بنی معویۃ دخل فرکع فیہ رکعتین و صلینا معہ و دعا ربہ طویلا الخ[842] وقال عبد الرحمن الجزری ویستحب ان یستغفر بعد السنن ثلاثا ویقرأ اٰیۃ الکرسی و المعوذتین ویسبح ویحمد ویکبر فی کل ثلاثا و ثلاثین ویھلل تمام المأۃ بان یقول لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ثم یقول اللھم لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما منعت و لا ینفع ذا الجد منک الجد ویدعوا ویختم بقولہ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون[843] وقال ابن نجیم (صاحب البحر) لاکن عندنا السنۃ مقدمۃ علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ[844] وفی شرح شرعۃ الاسلام ویختم الدعاء بعد المکتوبۃ قبل السنۃ علی ما روی عن البقالی (المعتزلی فی الاصول و الحنفی فی الفروع) من انہ قال الافضل ان یشتغل بالدعاء ثم بالسنۃ و بعد السنن و الاوراد علی ما روی عن غرہ وھو المشھور المعمول فی زماننا فانہ مستجاب بالحدیث[845] وقال الحسن الشرنبلالی فی کتابہ وان یستقبل بعدہ الناس ویستغفرون اللہ ویقرؤن اٰیۃ الکرسی و المعوذتین ویسبحون اللہ ثلاثا و ثلاثین ویحمدونہ کذالک ویکبرونہ کذالک ثم یقولون لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسھم و للمسلمین رافعی ایدیھم ثم یمسحوا وجوھھم فی اٰخرہ۔[846]

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نور الایضاح کی عبارت میں بعدہ سے مراد فرض نماز کے بعد دعا کرنا مراد ہے نہ کہ سنتوں کے بعد تو جواب یوں ہو گا کہ عبارت بعدہ میں ضمیر مذکر کی ہے جو تطوع کی طرف راجع ہے نہ کہ فریضۃ کی طرف یعنی عبارت یوں ہو گی کہ: بعدہ ای بعد التطوع بعد الفریضۃ۔ کیونکہ اگر ضمیر کا مرجع فریضۃ مراد لیا جائے تو راجع و مرجع میں مطابقت نہیں ہو گی کیونکہ ضمیر مذکر کی ہے اور فریضۃ مؤنث ہے۔ اسی کی طرف علامہ طحطاوی نے اشارہ فرمایا: کقولہ بعدہ ای بعد التطوع وعقیب الفرض اذا لم یکن بعدہ نافلۃ[847] وفی مراقی الفلاح، ص ۱۷۱ ویستحب ان یشتغل بعدہ ای بعد التطوع الخ[848] وفی منیر الایضاح شرح نور الایضاح ویستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع ای بعد السنن الخ[849] وایضا فی ذریعۃ النجاح حاشیۃ نور الایضاح ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ الخ[850] وفی سنن الھدی و الجمھور علی ان الاولی الاشتغال بالسنۃ ثم بالدعاء

---

[841] (تسہیل الترمذی، ص ۳۱۴)

[842] (مشکوۃ، ج ۲، ص ۵۰۴، باب فضائل سید المرسلین) (نفائس مطلوبہ، ص ۳۵)

[843] (الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، ج ۱، ص ۳۳۰، درمختار، ج ۱، ص ۵۱)

[844] (بحر، ج ۱، ص ۳۰۴)

[845] (تعلیق الکوکب الدری، ج ۲، ص ۲۹۱، مقالات مفتی محمد فرید دیوبندی، ص ۲۰، مخزن الدلائل، ص ۹۵)

[846] (نور الایضاح، ص ۸۰)

[847] (طحطاوی، ص ۱۷۱)

[848] (البصائر، ص ۱۲۳ مولانا حمد اللہ دیوبندی)

[849] (منیر الایضاح، ص ۹۴ پشتو لمولانا قمر الحق دیوبندی)

[850] (ص ۷۹ لمولانا عبد الرزاق بتھرالوی)

وعلیه عمل اهل الحرمین وسائر دیار العرب [851] وقال اشرف علی التهانوی واما نص الاحناف ففی شرح نور الایضاح للشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی مع المتن یستحب للامام بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعده نافلة ان یستقبل الناس الخ [852] وقال ایضا فتحصل من هذا کله ان الدعاء دبر الصلوات مسنون ومشروع فی المذاهب الاربعة لم ینکر الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل هواه ووسوس له الشیطان فاغواه [853] قال العلامة حمد الله الدیوبندی السهارنفوری وعلم من الادلة المذکورة ان الدعاء بعد العبادات قاعدة متقررة فی الشرع ونجعلها کبری ونضم معها الصغری سهلة الحصول۔ الصلوة عبادة وکل عبادة فالدعاء بعدها مستحب ینتج بعد اسقاط الاوسط الصلوة فالدعاء بعدها مستحب اما الصغری فظاهر لان الصلوة اهم العبادات واربح البضاعات واما الکبری فلانها من الاصول الموضوعة المسلمة عند الفقهاء المستنبطة من النصوص علا انه ورد الامر بالدعاء بعد الصلوة علی طریق الخصوص قال الله تعالی فاذا فرغت فانصب قال المحقق البغدادی، ج ۳۰، ص ۱۷۲، وغیره من المفسرین ای اذا فرغت من الصلوة فاتعب فی الدعاء روی هذا التفسیر عن قتادة وضحاک وغیرهما وکذا ذکر الامام البخاری باب الدعاء بعد الصلوة، ج ۲، ص ۹۳۷ [854]

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد الصلوة الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثة بعد الفراغ من السنة الخ۔ [855]

علمائے احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر وعصر میں فرض نماز کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنتوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے: وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ ما اجتمع ثلاثة بدعوة قط الا کان حقا علی اللہ ان لا یرد ایدیهم۔ [856]

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہ تھا جو اب رائج ہے کہ نماز باجماعت کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ اس بناء پر بعض علماء نے اس طریقے کو بدعت ٹھہرایا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر اس کو لازم نہ سمجھ لیا جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے اور اگر کبھی کبھی قصداً اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو پھر اسے بدعت قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ خدا سے دعا مانگنا بجائے خود تو کسی حال میں برا فعل نہیں ہو سکتا۔ [857]

---

[851] (سنن الهدی، ص ۴۸، بحواله دعا بعد السنن والنوافل، ص ۱۶ لمولانا میاں ظاهر شاه قادری)

[852] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۰، مسائل المنثوره لمولوی تهانوی دیوبندی)

[853] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۱ اشرف علی تهانوی دیوبندی)

[854] (البصائر، ص ۱۲۲، ۱۲۳)

[855] (الرسائل السته، ص ۶۹)

[856] (حلیة الاولیاء، مقالات فریدی، ص ۱۷)

[857] (رسائل ومسائل، ص ۱۷۱، حصه اول، ترجمان القرآن مارچ جون ۴۵ء)

تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان:

تکرار الدعاء: مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ تکرار الدعاء یعنی دعا کو بار بار کرنا ہے جیسے کہ ہمارے اہلسنت وجماعت کی مساجد میں بالخصوص صوبہ سرحد میں سنتوں کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ منکرین دعا اس مسئلے پر بھی اختلاف کرتے ہیں اور اسے بدعت بتاتے ہیں۔ حالانکہ امام بخاری نے تکرار دعا کے بارے میں باقاعدہ باب ذکر فرمایا ہے: **کقولہ باب تکریر الدعاء۔**[858]

علامہ عینی فرماتے ہیں: **"ھذا باب فی بیان تکریر الدعاء وھو ان یدعو بہ مرۃ بعد اخری لان فی تکررہ اظھار الموضع الفقر والحاجۃ الی اللہ عز وجل والتذلل والخضوع لہ وقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ کان یعجبہ ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا واخرجہ ابن حبان فی صحیحہ۔**[859]

اسی طرح اگر کسی چیز کو تین دفعہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے تین دفعہ پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرماتا ہے: **کقولہ علیہ السلام "عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما سأل رجل مسلم عن اللہ عز وجل الجنۃ ثلاثا الا قالت الجنۃ اللھم ادخلہ الجنۃ ولا استجار مستجیر من النار ثلاث مرات الا قالت النار اللھم اجرہ من النار**[860] **عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا۔**[861]

مولانا یوسف بنوری دیوبندی شارح ترمذی تکرار الدعاء کے بارے میں یوں لکھتے ہیں: **"وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین ومن حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا**[862] **قال النووی فی شرحہ فیہ استحباب اطالۃ الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین**[863] **وقال الامام الغزالی الثامن ان یلح فی الدعاء ویکررہ ثلاثا۔**[864]

علامہ سبحان الدین کوکاروی فاضل وفاق المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ تکرار الدعاء کا ثبوت آپ ﷺ سے منقول ہے: **عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سأل سأل ثلاثا وقال النووی فیہ استحباب تکریر الدعاء ثلاثا۔**[865]

---

[858] (بخاری شریف، ج ۲، ص ۹۴۵)

[859] (عینی حاشیہ بخاری، ج ۲، ص ۹۴۵)

[860] (مسند احمد، ج ۳، ۱۵۵)

[861] (التعلیق علی الترغیب الترھیب، ج ۲، ص ۴۸۴ لعلامہ مصطفی عمارہ، مخزن الدلائل، ص ۵۵، مشکوۃ، ص ۶۲۳)

[862] (معارف السنن شرح ترمذی، ج ۳، ص ۱۲۲، مسلم، ج ۱، ص ۳۱۳)

[863] (شرح مسلم للنووی، ج ۷، ص ۴۷ دار المعرفۃ بیروت، الفتح الرباني لترتیب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیباني ج ۸ ص ۱۷۴ کتاب الجنائز، الکوکب الوھّاج والرَّوض البَھّاج في شرح صحیح مسلم بن الحجاج ص ۲۷۵ ج ۱۱ دار المنھاج - دار طوق النجاۃ)

[864] (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۲۱۱، مخزن الدلائل ص ۵۷)

[865] مسلم (ج ۲، ص ۱۰۸)

اس کے بعد علمی تحقیق فرماتے ہیں کہ جب کان صدر کلام میں واقع ہو تو اس سے دوام اور استمرار پر دلالت ہوتی ہے عند الجمہور جیسے کہ شیخ دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں حدیث: "**کان النبی ﷺ اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنہ**۔[866] کے تحت فرمایا: "در لفظ کان محدثان راسخن است مقرر و مشہور میان جمہور آن ست کہ افادۂ دوام واستمرار میکند یعنی چون گویند کہ بود آنحضرت ﷺ کہ این کار میکرد مراد آن بود کہ دوام میکرد وعادت شریف این بود الخ[867] **وقال الرازی فی تفسیرہ فقال بعض الجھال الدعاء شیء عدیم الفائدۃ واحتجوا علیہ من وجوہ وقال جمھور من العقلاء ان الدعاء اھم مقامات العبودیۃ ویدل علیہ وجوہ من العقل والنقل الخ**[868] **وقال العلامۃ الشیخ السید احمد شاہ فی کتابہ ومنھا ای من آداب الدعاء تکرار الدعاء ثلاثا کما فی مسلم شریف فرفع رسول اللہ ﷺ یدیہ ثم قال اللھم اغثنا اللھم اغثنا اللھم اغثنا قال الامام النووی ھکذا ھو مکرر ففیہ استحباب تکرار الدعاء ثلاثا۔**[869]

علامہ شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی آداب دعا میں معجم طبرانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تین بار دعا کرے۔[870]

علامہ میاں ظاہر شاہ قادری تین دفعہ دعا کے بارے میں فرماتے ہیں: **وفی کنز العباد وادنی الالحاح ان یکررہ ثلاثا والاوسط خمسا والاکمل سبعا۔**[871]

علامہ مفتی اعظم شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **ومن آداب الدعاء ان یکررہ ثلاثا۔**[872]

شیخ الاسلام حضرت علامہ نقی علی خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں: "دعا میں تکرار چاہئے۔[873]

اعلی حضرت مجدد وقت الشاہ احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "**قال الرضا** تکرار سوال صدق طلب پر دلیل ہے اور یہ اس کریم حقیقی کی شان ہے کہ تکرار سوال سے ملال نہیں فرماتا بلکہ نہ مانگنے پر غضب فرماتا ہے: **من لم یسئل اللہ یغضب علیہ**"۔

بخلاف بنی آدم کہ کیسا ہی کریم ہو کثرت سوال وشدت تکرار وہجوم سائلاں سے کسی نہ کسی وقت دل تنگ ہوتا ہے۔[874]

---

[866] (مشکوۃ ص ۳۳)

[867] (اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۶۷، نفائس مطلوبہ ص ۴۵)

[868] (کبیر ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹، نفائس مطلوبہ ص ۴۷)

[869] (ج ۱، ص ۲۹۳) (تنویر الایمان ص ۲۱۴)

[870] (شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۴۳۷)

[871] (کنز العباد ص ۲۴، دعا بعد السنن والنوافل، ص ۲۹)

[872] (حصن حصین ص ۱۴ وشرحہ ص ۲ ثم طحطاوی ص ۱۸۹، خزینۃ الاسرار، ص ۱۴۳، احیاء العلوم) (اثبات الاغراض، ص ۱۴۳)

[873] (احسن الوعاء لآداب الدعاء ص ۲۲)

[874] (ذیل المدعا لاحسن الوعاء ص ۲۳، ۲۲)

حضرت علامہ عبد الجلیل دیوبندی سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا وقال فی الھدایۃ ومن ضرورۃ التعمیم التکرار۔**[875]

مولانا قمر الحق دیوبندی تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں: **قال العلامۃ الشیخ احمد طحطاوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا**[876] **وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین من حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا واخرج الطبرانی عن ابی ھبیرۃ عن حبیب ابن مسلمۃ الفھری وکان مستجابا انہ امر علی جیش فدرب الدروب فلما لقی العدو قال للناس سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یجتمع ملأ فیدعو بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ تعالی وھو دلیل للدعاء بھیئۃ اجتماعیۃ۔**[877]

شیخ الحدیث غازی محمد الحنفی لکھتے ہیں: ”بعض لوگ تین مرتبہ دعا کرنے کو بدعت بتاتے ہیں اور پھر خاص کر دعا میں رفع الیدین کو حالانکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب ذکر فرمایا ہے: **اور تکرار الدعاء من حیث الالفاظ** بھی ثابت ہے اور **من حیث رفع الیدین** بھی ثابت ہے۔[879] اس کی شرح میں مولانا عبد الہادی حقانی دیوبندی فاضل دار العلوم حقانیہ لکھتے ہیں: **وذکر فی الحصین وان یکرر الدعاء واقلھا التثلیث ولا ینکر من اثبات الدعاء ثلاثا الا الجاھل بالسنۃ النبویۃ والتفصیل فی کتاب الشیخ غازی محمد الغازی المسمی بہ جامع الکمالات وھو المحقق**[880] **قال العلامۃ الشیخ سید احمد شاہ فی کتابہ ”وفی قطب الارشاد ویکرر الدعاء واقلہ التثلیث ویلح فیہ بالمداومۃ والمواظبۃ فی الحالات ولا یکفی بمرۃ ویتحقق الاضطرار والاحتیاج والافتقار۔** تکرار عبارت ہے افعال متماثلہ کو اوقات متعددہ میں واقع کرنے سے جیسے کہ تلویح میں ہے: ”**وتکرارہ ای الفعل وقوعہ مرۃ بعد اخری وذالک بایقاع افعال متماثلۃ فی اوقات متعددۃ**“[881] **قال العلامۃ الشیخ حمد اللہ الدیوبندی السھارنفوری الداجوی ”ومن اٰداب الدعاء تکرار الدعاء لان الامام البخاری ذکر باب تکرار الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵) وفی الحصن الحصین وان یکرر الدعاء واقلہ التثلیث۔** آگے فرماتے ہیں: **وذکر الامام مسلم (ج ۱، ص ۳۱۳) فی واقعۃ بقیع الغرقد انہ علیہ السلام رفع یدیہ ثلاثا قال الامام النووی فیہ استحباب اطالۃ**

---

[875] (الھدایۃ ج ۲، ص ۳۶۶) (تنبیہ الاخوان، ص ۳)

[876] (طحطاوی، ص ۱۷۳)

[877] (معارف السنن لبنوری، ج ۳، ص ۱۲۲) کنز العمال، ج ۲، ص ۱۰۷، حیاۃ الصحابۃ، ج ۳، ص ۳۳۵) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ص ۳۰۹ بحوالہ منیر الایضاح شرح نور الایضاح ص ۹۵، لقمر الحق دیوبندی۔

[878] صحیح البخاری ”باب تکریر الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵)“

[879] (مقالات غازی ص ۱۶)

[880] (کمالات حقانی علی مقالات غازی ص ۱۶)

[881] تلویح ص ۱۵۷ (اعلام المؤمنین، ص ۳۷)

الدعاء وتکرر رفع الیدین[882] **قال العلامة عبد الرزاق بتھر الوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرة بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکرر۔**[883]مفتی محمد فرید شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ دعا کے آداب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ الفاظ دعا کو تین دفعہ مکرر کرنا **لحدیث مسلم وابی داؤد ان رسول اللہ ﷺ کان یعجبہ ان یدعو ثلاثا**[884]مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں: **ویلح الداعی فی الدعاء ویکررہ ثلاثا لانہ نوع من الالحاح۔**[885]بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی قدس سرہ تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں: **وفی کنز العباد ان یلح فی الدعاء والالحاح ان یکررہ ثلاثا مع تکرار رفع الیدین ثلاثا وھو ادناہ واوسطہ خمسا واکملہ سبعا لما دعی النبی ﷺ فی حق انس عشر مراۃ وفی حق احمس عشر مراۃ رواہ ابو داؤد ص ۸۰۔**[886]

مناظر اعظم علامہ محمد عمر اچھروی قدس سرہ فرماتے ہیں: **عن عبد اللہ یعنی ابن مسعود قال کان احب الدعاء الی رسول اللہ ﷺ ان یدعو ثلاثا رواہ الطبرانی فی الاوسط۔**[887]

دعا کے آداب: دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ جس کو مفتی محمد فرید دیوبندی نے ذکر کیا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا: **کما فی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔**[888]مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں: **الجزء التاسع فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء ان رفع الیدین فی الدعاء ای دعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیرھا دلت علیہ الاحادیث منھا ما قال سلمان قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل الیہ یدیہ ان یردھما صفرا خائبتین۔ وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ رحیم کریم یستحیی من عبد ان یرفع الیہ یدیہ ثم لا یضع فیھما خیرا۔**[889]

---

[882](البصائر ص ۱۲۴)

[883](ذریعۃ النجاح حاشیہ نور الایضاح ص ۷۹)

[884](مقالات ص ۱۶)

[885](امداد الفتاوی مسائل المنثورہ ص ۵۷۰، جلد اول)

[886](الرسائل الستہ ص ۷۲)

[887]کتاب الاذکار ص ۱۷۷، للنووی، مجمع الزوائد ص ۱۰) مسند امام احمد حنبل ج ۱، ص ۳۹۷، ج ۱، ص ۳۹۴، ج ۱، ص ۳۹۷، مسلم شریف ج ۱، ص ۳۱۳، ج ۱، ص ۲۹۳، مقیاس الصلوۃ، ص ۳۴۳ تا ۳۴۵)۔

[888](مقالات فریدی ص ۱۵)

[889](امداد الفتاوی ج ۱، ص ۵۷۲)

حضرت علامہ نقی علی خان افغانی قدس سرہ فرماتے ہیں: بہ کمال ادب ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر سینے یا شانوں یا چہرے کے مقابل لائے یا پورے اٹھائے۔ یہاں تک کہ بغل کی سپیدی ظاہر ہو۔[890] شیخ الحدیث غازی محمد الغازی دیوبندی لکھتے ہیں: دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا: **کما فی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔**[891]

علامہ حمد اللہ دیوبندی سہارنپوری لکھتے ہیں: **ثم الدعاء لھا آداب رفع الایدی عند الدعاء ولذا ذکر الامام البخاری باب رفع الایدی فی الدعاء (ج ۲، ص ۹۳۸) وایضا ذکر فی نور الایضاح ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین رافعی ایدیھم وذکر الشارح فی تلک الصفحۃ فی اثباتہ قولہ علیہ السلام اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیک ولا تدع بظھورھما فاذا فرغت فامسح بھما وجھک اھ ص ۱۷۳۔**[892]

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل صاحب آداب دعا کے بارے میں لکھتے ہیں: **عن ابن عباس قال المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک الخ۔**[893]

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔[894]

عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ الفجر فلما سلم انحرف رفع یدیہ ودعا۔[895]

علامہ میاں ظاہر شاہ فرماتے ہیں: **ان مسح الیدین علی الوجہ عقیب الدعاء سنۃ۔**[896]

ابن ماجہ نے باب رفع الیدین فی الدعاء لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔[897]

علامہ مولانا سبحان الدین کوکاروی فرماتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے فیض الباری ج ۲، ص ۳۸۰ میں لکھا ہے کہ: **وقد اخرج النووی نحوا من ثلاثین حدیثا علی ثبوت الرفع عند الدعاء۔**[898]

---

[890] (احسن الدعاء لآداب الدعاء ص ۱۹)

[891] (مقالات غازی ص ۱۴)

[892] (البصائر ص ۱۲۴)

[893] ابو داؤد، ص ۲۰۹، مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۱۳،

[894] (مشکوٰۃ ج ۱، ص ۲۱۲، ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۶، مستدرک ج ۱، ص ۵۳۶)

[895] (معارف السنن، ج ۱، ص ۱۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ مخزن الدلائل، ص ۱۳ تا ۱۶)

[896] (روح البیان، ج ۳، ص ۴۶۱)

[897] (دعا بعد السنن والنوافل، ص ۳۲)

[898] (نفائس مطلوبہ، ص ۴۲)

علامہ شمس الحق افغانی دیوبندی لکھتے ہیں: **وکذا رفع الیدین ومسح الوجه بعد الفراغ کذا فی منهج العمال والعقائد السنیة کذا فی التحفة المرغوبة۔** آگے لکھتے ہیں کہ جب دعا ثابت ہوئی تو رفع الیدین بھی ثابت ہوئی: **لما فی حصن حصین ان من آداب الدعاء رفع الیدین ولما فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعا المسئلة ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوهما وفی السعایة لما ندب فی مطلق الدعاء استحبه العلماء فی هذا الدعاء ایضا۔**[899]

فضیلۃ الشیخ علامہ سید احمد شاہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: آداب دعا میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا نہ کہ اس سے زیادہ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

ان رفعکم ایدیکم بدعة ما زاد رسول اللہ ﷺ علی هذا یعنی الی الصدر رواه احمد مشکوٰة ص ۱۸۸، المسئلة ای ادب السؤال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادة فیمن طلب شیئا ان یبسط یدیه ای الاکف الی المدعو له او لا ثم یسئل۔

صاحب نزہۃ المجالس ص ۵۰ پر فرماتے ہیں: **فالمؤمن یرفع یدیه الی ربه خمسین مرة مثلا اتراه تردهما خائبتین الخ۔**[900]

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: دعا کے آداب یہ ہیں کہ ہتھیلیوں کے باطن کی جانب سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے (ترمذی، ابوداؤد) پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اس کے بعد دعا کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے (معجم طبرانی) علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں: **ومنها ای من آداب الدعاء تقدیم الحمد والصلوٰة علی الدعاء والصلوة والثناء علی اللہ اولا واخرا۔**[901]

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: **ویبدأ الدعاء بالحمد للہ والثناء علیه ویختم به ویصلی علی النبی ﷺ اوله واخره ووسطه۔**[902]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں: دعا کیلئے اول وآخر حمد الٰہی بجالائے اور اول وآخر نبی ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر درود بھیجے کہ درود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔[903] اس کی شرح میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں: بیہقی وابو الشیخ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی ہیں حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: **الدعاء محجوب عن اللہ حتی یصلی علی محمد واهل**

---

[899] (صحیح مسلک ص ۳۱، ۳۰)

[900] (اعلام المؤمنین ص ۳۹، تنویر الایمان، ص ۲۱۳)

[901] (البصائر ص ۱۲۴)

[902] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۶۹)

[903] (احسن الوعاء ص ۱۵)

بیتہ۔[904] مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ دعا سے پہلے حمد وصلوٰۃ پڑھنا لحدیث ابی داؤد اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ وصل علی ثم ادعہ۔[905]

علامہ سید احمد شاہ لکھتے ہیں: منھا ای من آداب الدعاء البدایۃ بالثناء ثم بالصلوۃ سنۃ الدعاء ھدایہ ص ۱۶۳، وقال النبی ﷺ اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ والثناء علیہ ثم لیصل علی النبی ﷺ ثم لیدع بعد ما شاء ھذا حدیث حسن صحیح ترمذی ص ۱۸۶۔[906]

آگے لکھتے ہیں کہ: ولان الثناء والصلوۃ یقدمان علی الدعاء تقریبا الی الاجابۃ کما فی غیرہ من الدعوات والرفع سنۃ الدعاء ای رفع الایدی طریقۃ حسنۃ فی الدعاء،[907]

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں: ومن آداب الدعاء التوسل الی اللہ بعباد اللہ الصلحین۔[908]

قطب الارشاد میں ہے: ویتوسل الیہ تعالی بانبیائہ والصالحین من عبادہ من العلماء والشھداء والاولیاء۔[909]

وینبغی ان یتوسل الی اللہ تعالی بانبیائہ والاولیاء الصالحین۔[910]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی کتابوں خصوصًا قرآن اور ملائکہ وانبیاء کرام بالخصوص حضور سید انام علیہم السلام اور ان کے اولیاء واصفیاء بالتخصیص حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل اور انہیں اپنے انجاح حاجات کا ذریعہ کرے کہ محبوبانِ خدا کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔[911]

---

[904] (ذیل المدعا ص ۱۶)

[905] (مقالات ص ۱۶)

[906] (تنویر الایمان، ص ۲۱۲)

[907] (ھدایہ ص ۲۲۲، ھکذا فی المستخلص ص ۴۳۲، اعلام المؤمنین، ص ۴۱)

[908] (البصائر ص ۱۲۴)

[909] (قطب الارشاد، ص ۲۴)

[910] (روح البیان، ج ۱، ص ۲۹۸، دعا بعد السنن والنوافل، ص ۲۱)

[911] (احسن الوعاء، ص ۱۸)

اعلیٰ حضرت مندرجہ بالاعبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں: **قال اللہ تعالی و ابتغوا الیہ الوسیلۃ وقال تعالی یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ و ایضا فی الحدیث اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی و ایضا فی البخاری انا نتوسل الیک بعم نبینا ﷺ فاسقنا۔**[912]

(و الخاص عشرۃ) (اور نماز کی سنتوں میں) جو خاص ہیں وہ دس ہیں، یعنی یہ بعض نمازوں اور بعض نمازیوں کے لئے ہے۔

(جھر الامام بالتکبیرات)

تکبیروں کو جہر سے پڑھنا امام کے لئے سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ تکبیروں کو جہر سے پڑھتے تھے اور اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا اور آج تک یہ طریقہ جاری ہے اور امام کی تخصیص کی وجہ سے منفرد اور مقتدی سے احتراز ہوا۔ **فان قیل۔** تکبیرات کی جہر سے نابینا کو آگاہی دینا مقصود ہے اگر جماعت میں نابینا نہ ہو تو پھر یہ جہر جائز نہیں ہونا چاہیئے۔ **قلنا۔** اعتبار جنس کے لئے ہے نہ کہ افراد کے لئے۔ جہر جنسِ اعمیٰ یعنی اندھے کے لئے درست ہے۔[913]

(و مقارنۃ المقتدی بتکبیر الامام) اور امام کی تکبیر کے ساتھ مقتدی کی تکبیر کا ملا ہوا ہونا سنت ہے یعنی مقتدی کی تکبیر کا شروع امام کی تکبیر کے اتمام کے ساتھ ہو اور یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق مبتدی کی تکبیر امام کی تکبیر سے موٴخر ہونی چاہیئے اور اقتداء تکبیر کے بعد ہونی چاہیئے تاکہ امام کے پیچھے اقتداء کی نیت ہو جائے۔ احتیاط: تو مذکور متن نفسِ جواز میں محمول ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول احتیاط پر محمول ہے۔

(و متابعۃ الامام) اور مقتدی کے لئے امام کی متابعت کرنا سنت ہے۔ **(فی سائر افعالہ)** امام کے باقی افعال میں، امام کو حالتِ امامت میں پائے بغیر کیونکہ امام کی متابعت حالتِ امامت میں پانے پر واجب ہے۔ اور یہ واجبات کے باب میں مذکور ہے۔

(و التعوذ و اخفاؤہ) اور **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی، شیطان مردود سے) آہستہ کہنا سنت ہے۔

---

[912] (ذیل المدعا، ص ۱۸)

[913] قولہ جھر الامام اہ لان علیا رضی اللہ عنہ امر الصحابۃ رضی اللہ عنھم بذلک و جھر بتکبیرات و ما روی عن عائشۃ رضی اللہ عنھا و ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان یجھر بالتکبیر فجوابہ ان عائشۃ رضی اللہ عنھا کانت فی صف النساء فلم تسمع و ابن عمر رضی اللہ عنہ کان صبیا فی اٰخر صفوف فلم یسمع،

ترجمہ: کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تکبیرات جہر کے ساتھ پڑھنے پر حکم فرمایا ھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود بھی تکبیرات پر جہر فرمایا ھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد جو حضور ﷺ سے منتقل ھوا ھے آپ ﷺ تکبیرات پر جہر نھیں فرماتے تھے تو اس کا جواب یہ ھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا عورتوں کی صف میں ھوتی تھیں اور وہ یہ (تکبیرات) سن نھیں سکتی تھیں، ابن عمر رضی اللہ عنہ بچوں کی آخری صف میں ھوتے تھے تو وہ بھی تکبیرات نھیں سن نھیں سکتے تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ھیں کہ امام کا تکبیر میں اتنا ھی آواز بلند کرنا جتنا ضروری ھو سنت ھے۔ ضرورت سے بھت زیادہ اونچی آواز نکالنا مکروہ ھے۔ اس میں تکبیر تحریمہ اور دوسری تکبیروں کے درمیان کوئی فرق نھیں ھے۔)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ (سورۃ النحل آیت ۹۸)

ترجمہ: جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی مانگ لیا کرو۔

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان یقول قبل القرأت اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔[914]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ قرأت سے پہلے "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے" پڑھتے۔

عن جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل فی الصلوۃ قال۔۔۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔[915]

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے جب نماز شروع فرمائی تو "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے" پڑھی۔

عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان یتعوذ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔[916]

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ پناہ حاصل کرنے کے لئے "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے" پڑھتے تھے۔

عن الاسود بن یزید قال سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتتح الصلوۃ و کبر فقال سبحنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک ثم یتعوذ۔[917]

حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثنا کے بعد "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے" پڑھتے تھے۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے پہلی رکعت میں تعوذ منقول ہے، باقی رکعات میں نہیں۔[918]

---

[914] (مصنف عبد الرزاق، باب متیٰ یستعیذ)

[915] (سنن ابن ماجہ باب الاستعاذۃ فی الصلوۃ)

[916] (تلخیص الجبیر لابن حجر، ص ۴۱۷، طبع بیروت)

[917] (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی التعویذ کیف ھو)

[918] (تلخیص ابن جبیر لابن حجر، ص ۴۱۸، طبع بیروت)

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **ان التعوذ سنۃ القراءۃ فیأتی بہ کل قاری للقرآن۔۔۔لا یأتی بہ المبتدی۔**[919]

بے شک تعوذ قرأت کی سنت میں سے ہے لہذا قرآن پڑھنے والا ہر شخص اسے پڑھے گا، البتہ مقتدی نہیں پڑھے گا۔

استعاذہ کی شرعی حیثیت

جمہور علماء کے نزدیک نماز کے علاوہ تلاوت قرآن سے پہلے استعاذہ مستحب ہے۔امام خازن رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے سنت لکھا ہے، بلکہ بعض کے نزدیک قرآنی حکم "**فاستعذ**" اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔امام ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ اسقاط وجوب کے لیے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ کا تعوذ کافی سمجھتے ہیں۔حقیقت حال یہ ہے کہ قرآنی امر اس کی فرضیت اور وجوب کے لیے نہیں بلکہ ندب اور استحباب کے لئے وارد ہوا ہے۔اس کا ترک شرعاً گناہ نہیں ہے۔بخاری، سنن اربعہ اور مسند امام احمد میں نماز، تلاوت اور اس کے علاوہ بھی تعوذ کا معمول آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔

بعض علماء جن میں ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ، داؤد ظاہری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم شامل ہیں، نے متذکرہ بالا آیت کی ظاہر عبارت سے یہ استنباط کیا ہے کہ استعاذہ کا حکم تلاوت کے بعد کیلئے ہے۔یہ قول مذہب مختار سے مطابقت نہیں رکھتا۔دراصل اس آیت کی ترکیب لفظی درج ذیل آیت کے مماثل ہے۔جس میں نماز سے پہلے وضو کا حکم صادر کیا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے۔**إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ۔(المائدۃ ٦)** جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منھ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ۔"

اگر یہاں بھی صرف ظاہر عبارت کا مفہوم لیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ "جب نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ تو اپنا منہ دھوؤ" حالانکہ وضو قیام صلاۃ کے بعد نہیں بلکہ پہلے شرط ہے۔چنانچہ اس امر کے پیش نظر تمام مفسرین بالاتفاق **إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ** کا معنی **إِذَا اردتم القیام** (جب تم قیام کا ارادہ کرو) کرتے ہیں۔یہی اصول "آیت استعاذہ" میں بھی کارفرما ہے۔لہذا **إِذَا قرأت القرآن** کا معنی **إِذَا اردت القرأۃِ** (یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے) ہو گا۔احادیث نبوی ﷺ کے ذریعے بھی یہی مفہوم متعین ہوتا ہے۔چنانچہ محض ظاہر عبارت سے اس قول کا استدلال درست نہیں ہے۔بنابریں استعاذہ تلاوت سے قبل ہی مستحب ہے نہ کہ بعد میں۔

تعوذ کیلئے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ، امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ "**اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم**"[920] کے الفاظ پسند کیے ہیں لیکن امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور دیگر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے صرف "**اعوذ باللہ من**

---

[919] (البحر الرائق باب صفت الصلوۃ)

[920] مسند احمد بن حنبل ج۳ ص ۵۰، ج۵ ص ۲۶۔

الشیطان الرجیم" کے الفاظ ہی کو مختار قرار دیا ہے۔ دونوں اقوال میں کوئی تضاد یا تناقض ہر گز نہیں ۔ جس طرح بھی پڑھ لیا جائے درست ہے کیونکہ قرآن کریم میں ایک مقام پر اس طرح مذکور ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (فصلت ۳۶) تو اللہ کی پناہ مانگ بیشک وہی سنتا جانتا ہے۔" ان دو آیات کے علاوہ بھی قرآن حکیم میں کئی مقامات پر استعاذہ کی تلقین کی گئی ہے، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (الاعراف ۲۰۰) اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔" ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ (۹۷) وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ (المومنون ۹۸) اور تم عرض کرو کہ اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں ۔" امام احمد بن حنبل، طبرانی، ابن ماجہ اور مسند ابی یعلی میں آنحضرت ﷺ سے تعوذ کے الفاظ اس طرح منقول ہیں ۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، مِنْ هَمْزِهِ، وَنَفْخِهِ، وَنَفْثِهِ۔[921] اے اللہ بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں شیطان مردود سے اس کی سرکشی اور اس کے وسوسوں سے۔

استعاذہ کا معنی و مفہوم

استعاذہ کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے تین الفاظ کے معانی پر غور کرنا ضروری ہے۔ اعوذ، الشیطان، اور الرجیم۔

(۱) اعوذ۔ عاذ یعوذ سے متکلم کا صیغہ ہے۔ یہ "عوذ" سے مشتق ہے۔ جس کا معنی کسی سے التجا کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ "عاذ فلان بفلان" فلاں نے فلاں سے التجا کی ہے۔" متنبی کہتا ہے۔

یامن الوذ بہ فیما اومله ومن اعوذ بہ ممن احاذرہ

حافظ ابن کثیر نے استعاذہ کا معنی یوں بیان کیا ہے۔ "ھی الالتجاء الی اللہ تعالیٰ والالتصاق بجنابہ من شر کل ذی شر۔[922]

استعاذہ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنے اور ہر صاحب شر کے شر سے پناہ حاصل کرنے کیلئے اس کی بارگاہ سے وابستہ و منسلک ہو جانے کو کہتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں ۔ العوذ، الالتجاء الی الغیر والتعلق بہ۔[923] عوذ کسی دوسرے سے التجاء کرنے اور اس سے منسلک رہنے کو کہتے ہیں ۔" مختصر یہ کہ استعاذہ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے التجاء واستدعا اور اس کے دامن رحمت سے "تعلق و وابستگی"، کسی سے التجاء واستدعا کے بعد وابستگی اس ذات سے رشتہ امید جوڑ لینے کو ہی کہتے ہیں ۔ صاف ظاہر ہے کہ التجاء واستدعا ہمیشہ کسی نہ کسی غرض اور مقصد کیلئے ہوتی ہے۔ جب کوئی متدعی کسی شخص سے اپنی التجاء بیان کرتا ہے تو اس کے بعد دو ہی صورتیں باقی رہ سکتی ہیں ۔ ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اپنی التجاء کے مقصد و مدعا کے پورا ہونے کی امید قائم رہے اور کامیابی ہو، دوسری یہ

---

[921] سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۶۵، مسند ابن الجعد ج ۱ ص ۳۲، مسند ابن أبي شيبة ج ۱ ص ۱۴۰۔

[922] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۵۔

[923] المفردات ص ۳۵۲۔

کہ ناکامی ہو یعنی اس ذات سے آرزو کے پورا ہونے کی امید باقی نہ رہے۔ پہلی صورت میں ملتجی کا تعلق ملتجی الیہ سے قائم ودائم رہتا ہے کیونکہ تکمیل مدعا کی امید رشتے کو بحال رکھتی ہے اور دوسری صورت میں جب کہ ملتجی کی کوئی امید باقی نہ رہے اور تکمیل مدعا کی آرزو پوری نہ ہو سکے تو وہ تعلق جو التجاء واستدعا سے قائم ہوا تھا ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ التجاء کے بعد تعلق ووابستگی کا قائم رہنا تکمیل آرزو کی امید کی دلیل ہے۔ لہذا **تعوذ**، یا **استعاذہ** التجاء اور امید تکمیل دونوں کا نام ہے کیونکہ **تعوذ** ذات حق سے پناہ مانگنا اور پناہ مل جانے کی کامل امید رکھنا دونوں کو شامل ہے" اس لئے **اعوذ** کی معنوی وسعت پکار پکار کر بندگان خدا سے کہہ رہی ہے کہ ہر فتنہ وشر سے پناہ کی التجاء اللہ تعالیٰ سے کرو اور پھر اس کے دامن رحمت سے پر امید ہو کر وابستہ رہو، تمہیں ہر حال میں پناہ مل کر رہے گی۔ کیونکہ سوال وعطا دونوں کا مرجع ومرکز رب ذوالجلال ہے۔ "**اعوذ**" میں بارگاہ صمدیت کی کس قدر عظمت پنہاں ہے۔ آپ جتنے انہماک سے اس لفظ کی معنوی وسعت میں گم ہوں گے۔ بارگاہ الوہیت کے لطف وانعام کے اتنے ہی نظارے نصیب ہوں گے۔

(۲) **الشیطان**۔ دوسرا لفظ "**الشیطان**" ہے جس کے مادے کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک "**الشیطان**" یہ **شطن** لفظ سے مشتق ہے اور دوسرا یہ "**شاط**" سے مشتق ہے۔ دونوں قول درج ذیل ہیں۔ (۱) امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "**الشیطان النون فیه اصلیة وھو من شطن ای: تباعد**"[924] "لفظ شیطان میں نون اصلیہ ہے اور وہ شطن سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وہ دور ہوا۔

لغت عرب میں کہا جاتا ہے۔ "**غربة شطون**" (دور کی مسافری) امیہ بن ابی الصلت، نابغہ ذبیانی اور سیبویہ نے یہ مادہ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ "**تشیطن فلان**" (فلاں نے شیطانی فعل کیا) حافظ ابن کثیر کا کہنا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ شیطان "بعد" کا معنی رکھتا ہے اور اسی پر کلام عرب کی بھی دلالت ہے۔ (۲) امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوسرا قول بھی بیان کیا ہے۔ **قیل بل النون فیه زائدة من شاط یشیط احترق غضبا، فالشیطان مخلوق من النار کمادل علیه (وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ (الرحمن ۱۵)** اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے لوکے سے)[925]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ شیطان میں نون زائدہ ہے اور یہ **شاط یشیط** سے مشتق ہے۔ جس کا معنی "غصے میں جلنا" ہے کیونکہ شیطان آگ کی مخلوق ہے جیسا کہ اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

اس معنی کے لحاظ سے شیطان حسد، بغض، عناد سے عبارت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پہلے مادہ اشتقاق کی بناء پر شیطان رحمت حق اور نیکی سے دوری پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے مادہ اشتقاق کی بناء پر شیطان غصہ وحسد، بغض وعناد اور تکبر ونخوت کی آگ پر دلالت کرتا ہے۔

---

[924] المفردات ص ۲۶۱۔

[925] المفردات ص ۲۶۱۔

(۳)الرجیم: تیسرا لفظ "الرجیم" ہے جس کا مادہ رجم ہے۔ الرجام پتھر کو کہا جاتا ہے۔ بنابریں الرجم۔ الرمی بالرجام (پتھر سے مارنا) کے معنوں میں مستعمل ہے۔ جس پر پتھراؤ کیا گیا ہو اسے "مرجوم" کہتے ہیں ۔ قرآن میں مذکور ہے کہ قوم نوح نے تبلیغ حق کا انکار کرتے ہوئے کہا۔ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَانُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ (الشعراء ۱۱۶) "بولے اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے۔" اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (الملک ۵) اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے مار کیا اور ان کے لئے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار فرمایا۔" "الرجیم "دراصل فعیل کے وزن پر مفعول ہے جو "مرجوم" یعنی مطرود عن الخیر (خیر اور نیکی سے بھگایا ہوا یا محروم کیا ہوا) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ "الرجیم" کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل کے طور پر راجم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر کرتے ہیں ۔ لانه یرجم الناس بالوساوس۔[926] کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔" قرآن حکیم میں مذکور ہے: الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ (۵) مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (الناس ۶) وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں جن اور آدمی۔" لہذا "الرجیم "کے دونوں معنی میں خیر اور نیکی سے دور بھگایا ہوا اور وسوسہ اندازی کرنے والا قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔[927]

ابلیس جس کو شیطان کہا جاتا ہے، یہ فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا جو آگ سے پیدا ہوا تھا لیکن یہ فرشتوں کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا اور دربارِ خداوندی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے بلند درجات و مراتب سے سرفراز تھا۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ابلیس چالیس ہزار برس تک جنت کا خزانچی رہا اور اسی ہزار برس تک ملائکہ کا ساتھی رہا اور بیس ہزار برس تک ملائکہ کو وعظ سناتا رہا اور تیس ہزار برس تک مقربین کا سردار رہا اور ایک ہزار برس تک روحانیین کی سرداری کے منصب پر رہا اور چودہ ہزار برس تک عرش کا طواف کرتا رہا اور پہلے آسمان میں اس کا نام عابد، اور دوسرے آسمان پر زاہد، اور تیسرے آسمان میں عارف، اور چوتھے آسمان میں ولی، اور پانچویں آسمان میں تقی، اور چھٹے آسمان میں خازن، اور ساتویں آسمان میں عزازیل تھا اور لوح محفوظ میں اس کا نام ابلیس لکھا ہوا تھا اور یہ اپنے انجام سے غافل اور خاتمہ سے بے خبر تھا۔[928]

ابلیس کے باپ کا نام خبلیث تھا جس کی شکل شیر کی مانند تھی۔ ابلیس کی ماں کا نام نبلیت تھا جس کی شکل بھیڑیئے کی مانند تھی۔ عزازیل اپنے باپ کی وجہ سے طعنوں کا شکار ہوتا تھا۔ عزازیل کا حال اور اس کا انجام اس طرح ہوا کہ اس جن زادہ کو فرشتے قید کر

---

[926] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۔

[927] بسم اللہ کے فضائل و برکات ص ۳۳۔ مصنف مولانا روح اللہ نقشبندی۔

[928] (صاوی ج ۱، ص ۲۲، جمل، ج ۱ ص ۴۱، غرائب القرآن ص ۲۰)

کے آسمان پر لے گئے اور اس نے وہیں آسمانوں پر نشو و نما پائی اور دن بدن ترقی کے مدارج طے کرتا رہا یہاں تک کہ اس منصب پر فائز ہوا جو اسکی حیثیت سے بہت بلند تھا، یہ ملائکہ کی تعلیم و تربیت کا تھا۔[929]

(والتسمية بعده واخفاؤها) اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کے بعد آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ , قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَقْرَأُ: {بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} الفاتحة: 1 فِي صَلَاتِهِ[930]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ نبی کریم ﷺ اپنی نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے تھے۔

عن عبداللہ بن عباس: کان النبیُّ صلّی اللہُ علیہ و سلّم یَفتَتِحُ صلاتَہ ببسمِ اللہِ الرحمنِ الرحیمِ۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ نماز شروع فرماتے تھے۔[931]

عن عبداللہ بن عمر أنَّ النَّبيَّ صلّی اللہُ علیہِ و سلّمَ کان یفتتحُ القراءۃَ بِبسمِ اللہِ الرَّحمنِ الرحیمِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرأت کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے۔[932]

عن جابر بن عبداللہ کیفَ تَقرَأُ إذا قُمتَ إلی الصلاۃِ؟ قلتُ: أَقرَأُ: الحمدُ للہِ ربِّ العالمَینَ، فقال: قُلْ بسمِ اللہِ الرحمنِ الرحیمِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ جب نماز پڑھتے ہو تو قرأت کیسے کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا میں "الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہوں" تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم بسم اللہ الرحمن الرحیم" بھی پڑھا کرو۔[933]

عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَرَأَ: {بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} الفاتحة: 1، ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ حَتَّى إِذَا بَلَغَ {غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ} الفاتحة: 7 فَقَالَ: «آمِينَ». فَقَالَ النَّاسُ: آمِينَ وَيَقُولُ: كُلَّمَا سَجَدَ «اللَّهُ أَكْبَرُ»، وَإِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الِاثْنَتَيْنِ قَالَ: «اللَّهُ أَكْبَرُ»، وَإِذَا سَلَّمَ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

---

[929] (معارج النبوۃ فی مدارج الفتوت، مصنفہ ملّا معین الواعظ الھروی، ص ۳۷۰)

[930] (سنن الدار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم ج ۲ ص ۶۵)

[931] (سنن الدار قطنی باب وجوب القراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوۃ)

[932] (مسند أحمد رقم الحدیث ۱۲۹۷۴)

[933] (سنن الدار قطنی باب وجوب القراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوۃ) الشوکاني (۱۲۵۵ھ)، الفتح الرباني ۶/۳۶۹۱• نیل الأوطار ۲/۲۲۰•

حضرت نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھی پھر سورہ فاتحہ تلاوت فرمائی۔ جس وقت وہ "**غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**" پر پہنچے تو انہوں نے آمین کہی تو لوگوں نے بھی آمین کہی اور سجدہ میں جاتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب دو رکعت پڑھ کے اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے پھر جب سلام پھیرا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میری نماز تم لوگوں سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہے۔"[934]

حضرت عمر بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے شروع فرماتے تھے۔[935]

تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے جیسے متن میں ہے۔ حضور ﷺ کا عمل تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھنے کا تھا اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا عمل تھا۔ تعوذ اور تسمیہ چونکہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں لہذا جہری نمازوں میں امام الحمد للہ سے جہر کرے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتے (یعنی دو مقام پر خاموش رہنا) یاد رکھے ہیں۔ جب نماز شروع فرماتے (ثناء، تسمیہ و تعوذ پڑھنے کے لئے) اور جب قرأت سے فارغ ہوتے۔ پھر بعد میں فرمایا جب "**ولا الضالین**" پڑھتے۔[936]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی لیکن کسی کو بھی **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اونچی آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔[937]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** آہستہ پڑھتے تھے۔[938]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** آہستہ پڑھا کرتے تھے۔[939]

---

[934] (سنن النسائی، باب القراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم)

[935] (مصنف عبد الرزاق باب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم)

[936] (سنن ابی داؤد، باب السکتۃ عند الافتتاح)

[937] (سنن الترمذی، باب افتتاح القراءۃ بالحمد للہ رب العٰلمین)

[938] (مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، ج ۲ ص ۱۱۶، طبع مکتبۃ الرشید الریاض)

[939] (جامع المسانید للخوارزمی، ج ۱ ص ۴۴۷، طبع بیروت، لبنان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم "**الحمد للہ رب العالمین**" سے قرأت شروع فرماتے تھے، "**بسم اللہ الرحمن الرحیم**" نہ قرأت کے شروع میں ذکر کرتے تھے نہ قرأت کے آخر میں۔[940]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز تکبیر سے شروع فرماتے اور قرأت "**الحمد للہ رب العالمین**" سے شروع فرماتے۔[941]

استدلال: آپ ﷺ الحمد للہ شروع کرنے سے پہلے تعوذ و تسمیہ آہستہ آواز میں پڑھ کر اونچی آواز سے قرأت یعنی **الحمد للہ رب العالمین** شروع فرماتے تھے اگر تعوذ اور تسمیہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے تو اس حدیث میں اس کا بھی ضرور ذکر کیا جاتا۔

حضرت ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما **بسم اللہ الرحمن الرحیم**، تعوذ اور آمین اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے۔[942]

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اونچی آواز سے پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ یہ تو گنواروں کا عمل ہے۔[943]

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے: تسمیہ، ثناء، اعوذ باللہ اور آمین۔[944]

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور فقہاء (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) امت کا مسلک

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ تعوذ اور تسمیہ آہستہ کہنا سنت ہے جن میں خلفاء راشدین اور دیگر حضرات، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

علامہ ابن قیم کا بصیرت آموز بیان

---

[940] (صحیح مسلم باب حجۃ من قال لا یجھر بسملہ)

[941] (مصنف عبد الرزاق، باب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم)

[942] (سنن طحاوی باب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلاۃ)

[943] (مجمع الزوائد باب فی بسم اللہ الرحمن الرحیم)

[944] (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم)

وَبِهَذَا الطَّرِيقِ عَلِمْنَا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ هَدْيُهُ الْجَهْرَ بِالْبَسْمَلَةِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ دَائِمًا مُسْتَمِرًّا ثُمَّ يُضِيعُ أَكْثَرُ الْأُمَّةِ ذَلِكَ وَيَخْفَى عَلَيْهَا، وَهَذَا مِنْ أَمْحَلِ الْمُحَالِ۔[945]

ترجمہ: اور اسی طریقے سے ہم نے معلوم کر لیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھنے کا نہیں تھا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ شب و روز میں پانچ مرتبہ دوام و استمرار کے سات اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہوں، جب ان کے بعد اکثر امت اس کو ضائع کر دے اور یہ بات ان پر مخفی رہے؟

پس اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم میں معرفتِ صفت، وقت، قائل اور کیفیت سے لابدی یعنی لاچاری ہے۔ پس صفت جو ہے تو وہ اعوذ باللہ الخ ہے، اور عام علماء کے مذہب پر یہ سنت ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ جب حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا "تعوذ باللہ من الشیطان الرجیم الانس و الجن" اور اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ کی نماز کی نقل کی ہے کہ آپ ﷺ اعوذ باللہ الخ ثناء کے بعد قرأت سے پہلے پڑھتے تھے اور وقت جو ہے تو یہ بعد الثناء اور قبل القرأت ہے۔ اور قائل جو ہے تو وہ امام اور منفرد ہے اور کیفیت جو ہے تو وہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے، قرأت کی ابتداء اول رکعت میں اتفاق روایات کے ساتھ اور دوسری رکعات میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایات ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ پڑھے گا، یہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ تسمیہ فاتحہ سے ہے اور یا کہ نہیں اور فاتحہ ہر رکعت میں پڑھنا ہے تو تسمیہ بھی پڑھے کہ شبہ خلاف سے خارج ہو جائے اور دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ دوسری رکعات میں بسم اللہ نہ پڑھے، اور اعوذ باللہ پہلی رکعت کے علاوہ باقی رکعات میں اتفاق کے ساتھ نہ پڑھے۔

(وھذہ الاربعۃ للامام والمنفرد) اور یہ چاروں (تعوذ اور اخفاء اور تسمیہ اور اخفاء) اخفاء کی حالت میں امام اور منفرد کے حق میں سنت ہے، مطلقاً مذہب حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں مقتدی تعوذ اور تسمیہ نہیں کہے گا، اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تعوذ اور تسمیہ مقتدی کے حق میں بھی امام اور منفرد کی طرح مسنون ہے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کے قول پر فتویٰ ہے کہ مقتدی تعوذ اور تسمیہ نہیں کہے گا، اور مسبوق قضاء ما سبق میں دونوں کو پڑھے گا۔ کیونکہ یہ قضاء ما سبق میں منفرد کی طرح ہے۔ طرفین (رحمۃ اللہ علیہم) کے مذہب میں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

(والتأمین) امام، منفرد اور مقتدی پر جہری نماز میں آمین کہنا سنت ہے اور اس طرف خفی نماز میں ولا الضالین سننے کے وقت اور فقہاء کے نزدیک امام کے لئے بغیر تشدید سے مد کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے۔ اہل لغات کے نزدیک قصر کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے اور تشدیدِ مد کے ساتھ خطا ہے۔ فاحشاً مفسداً۔ علماء کے حق میں، نہ کہ عوام کے حق میں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا اذا امن الامام فامنوا فان الملائکۃ یؤمنون

---

[945] (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۱، ص ۲۶۳، طبع بیروت)

فمن وافق تامينه تامين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر۔ ا مین۔ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ "میں نے جو کچھ کہا ہے، ایسے ہو جائے" (سراً) (آمین) آہستہ کہنا سنت ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اربع یخفیھن الامام الثناء والتعوذ والتسمیة وآمین۔ پس اخفاء، ثناء اور تعوذ جو ہے، یہ اتفاق کے ساتھ ہے اور اخفاء تسمیہ و آمین جو ہے یہ ہمارے مذہب میں ہے۔ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں تسمیہ اور تأمین جہر کے ساتھ ہے کیونکہ حضور ﷺ نماز میں تسمیہ کے ساتھ جہر فرماتے تھے وعلق تأمین القوم بتأمین الامام۔ اور تعلق امام کی آمین کے ساتھ جہر کرنے پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اگر مسموع نہ ہو جائے تو تعلق کا فائدہ باقی نہیں رہتا۔ قلنا۔ (ہم کہتے ہیں) کہ حضور ﷺ کا جہر کے ساتھ پڑھنا ابتداء اسلام پر محمول تھا پھر بعد میں اس قولِ خداوندی کی وجہ سے یہ عمل منسوخ ہو گیا: ادعوا ربکم تضرعا وخفیة اور یا تعلیم پر محمول ہے کیونکہ ان چاروں میں سے ایک دعاء ہے اور ان پر جہر منسوخ ہے۔

(لھما) امام اور منفرد کے لئے مطلق نماز میں جہر ہو کہ خفی آمین کا آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

(وللمقتدی فی الجھریة) اور مقتدی کے لئے جہری نماز میں آمین کہنا سنت ہے۔

(ایضا والتسمیع للامام) اور امام کے لئے بغیر اشباع کے وقف کے ساتھ سمع اللہ لمن حمدہ کہنا سنت ہے۔

(وللمقتدی التحمید) اور مقتدی کے لئے "اللھم ربنا ولک الحمد" کہنا سنت ہے۔ ای قبل اللہ حمد من حمد۔ یہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام تسمیح اور تحمید کو جمع کرے کیونکہ اس (امام) نے غیر کی تحریض کی لہذا اپنے آپ کو نہ بھلائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدة قولوا اللھم ربنا ولک الحمد۔ حضور ﷺ نے تقسیم فرمائی ہے اور تقسیم شرکت کے لئے منافی ہے اور امام اپنے نفس کو بھلانے والا نہیں ہے کیونکہ اس نے حمد پر دلالت کی ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: الدال بالخیر کفاعلہ والدال بالشر کفاعلہ۔ اور حمد کی کیفیت ربنا لک الحمد, اللھم ربنالک الحمد ربنا و لک الحمد اور اللھم ربنا ولک الحمد۔ ان چاروں میں سے آخری اللھم ربنا ولک الحمد بہتر ہے اور یہ چاروں حضور ﷺ سے منقول ہیں۔ (وللمنفرد الجمع) اور منفرد کیلئے تسمیع اور تحمید کو جمع کرنا سنت ہے اٹھتے وقت تسمیع کہے تو تسمیع کی ابتداء اٹھنے کی ابتداء ہی میں ہو گی اور تسمیع کی انتہاء اٹھنے کی انتہاء میں ہو گی اور تحمید کو قومہ میں پڑھیں گے۔ (فی ای صلوة) اور مفرد کیلئے ہر نماز میں چاہے وہ فرض نماز یا کہ نفلی، وقتی نماز ہو یا کہ قضاء تسمیع اور تحمید کو جمع کرنا سنت ہے کیونکہ منفرد اپنے نفس کا امام ہے تو تسمیع پڑھے کیونکہ اس کے پیچھے تحمید کہنے والا کوئی نہیں لہذا تحمید بھی خود ہی پڑھے گا اتفاق کے ساتھ کیونکہ آنحضرت ﷺ تنہائی کی حالت میں ان دونوں کو نماز میں پڑھا کرتے تھے۔

(وافتراش رجلہ الیسریٰ) بائیں پاوں کو بچھانا سنت ہے۔ (علی الارض) زمین پر۔ (للجلوس علیھا) اس (بائیں پاوں پر) بیٹھنے کے لئے۔ (مع نصب الیمنیٰ) دائیں پاوں کو کھڑا کرے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے من سنة الصلوة ینصب القدم

الیمنی ویستقبل الصابعها الی القبلة ویجلس علی الیسریٰ۔ (**فی القعدة للرجال**) قعدہ اول اور آخر میں مردوں کے لئے اور دو سجدوں کے درمیان یعنی جلسہ میں بھی ہمارے مذہب میں اس کیفیت یعنی اس طریقے سے بیٹھنا سنت ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں قعدوں میں تورک یعنی سُرین زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف آخری قعدے میں تورک سنت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے صرف دوسرے قعدے میں تورک فرمایا تھا۔ **قلنا۔** (ہم کہتے ہیں) جب حضور ﷺ دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور آپ ﷺ نے قعدہ میں تورک کرنے سے منع فرمایا ہے اور حضور ﷺ کا آخری عمر میں تورک کرنا حالتِ ضعف پر محمول ہے۔

(**وللنساء التورک**) اور عورتوں کے لئے تورک سنت ہے کیونکہ عورت ہر حال میں ستر میں ہے اور تورک کے ساتھ ستر اچھے طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا شرعی حکم امام جب مسجد کے اندر ہو یعنی محراب کے قریب ہو تو اس وقت حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت مبارک، تابعین کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مستحب ہیں۔ اور اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک بالاتفاق مکروہ ہیں ۔ترتیب وار دلائل حاضر ہیں۔

اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک ہے

امام عبد الرزاق بن ہمام صغانی روایت کرتے ہیں۔

عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت عن علقمة عن أمه عن أم حبیبة ان رسول اللہ ﷺ کان فی بیتها فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلوة نهض رسول اللہ ﷺ الی الصلوة۔

ترجمہ: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرماتے تھے اور مؤذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب مؤذن نے حی علی الصلوۃ کہا تو آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[946]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی روایت کرتے ہیں۔

حدثنا اسحاق بن ابراهیم الدبری عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت یعنی ابن دینار عن علقمه عن أمه عن أم حبیبة ان رسول اللہ ﷺ کان فی بیتها فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلوة نهض رسول اللہ ﷺ الی الصلوة۔

---

[946] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۸۱ رقم الحدیث ۱۸۵۱ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

ترجمہ: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرماتھے اور مؤذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب مؤذن نے حی علی الصلوۃ کہا تو آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[947]

امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق عتیکی بزار روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا محمد بن المثنی قال اخبرنا الحجاج بن فروخ عن العوام بن حوشب عن عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان بلال اذا قال قدقامت الصلوۃ نھض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر۔ ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ "**قدقامت الصلوۃ**" کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ تکبیر کے ساتھ کھڑے ہوتے۔[948]

دیوبند مسلک کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں۔

٦ . . . عن عبداللہ ابن ابی اوفی قال کان بلال اذا قال قدقامت الصلوۃ نھض رسول اللہ ﷺ۔[949]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب **قدقامت الصلوۃ** کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تھے۔[950]

نیز محمد شفیع دیوبندی اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"چھٹی حدیث سے ایک خاص صورت یہ بھی معلوم ہوئی کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نماز سے پہلے ہی مسجد میں تشریف فرماہوتے تھے تو آپ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن **قد قامت الصلوۃ** پر پہنچتا تھا اس سے ظاہر یہ ہے کہ عام صحابہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اسی وقت کھڑے ہوتے ہوں گے۔[951]

ظفر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں۔

---

[947] (المعجم الکبیر طبرانی ج ۲۳ ص ۲۴۴ رقم الحدیث ۴۸۵ مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی عراق)، (کنز العمال ج ۸ ص ۳۶۲ رقم الحدیث ۲۳۲۷۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)، (فتح الرحمن فی اثبات مذھب النعمان ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ بک لینڈ اردو بازار لاھور)

[948] (البحر الزخار، المعروف بمسند البزار ج ۸ ص ۲۹۸ رقم الحدیث ۳۳۷۱ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۲ ص ۶۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السنن الکبری بیھقی ج ۲ ص ۳۵ رقم الحدیث ۲۲۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[949] (ذکرہ فی مجمع الزوائد عن مسند عبد الرزاق)

[950] (جواھر الفقہ ج ۱ ص ۳۱۳ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

[951] (جواھر الفقہ ج ۱ ص ۳۱۵ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

عن عبداللہ بن ابی اوفی قال اذا قال بلال قد قامت الصلوۃ نھض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر (أی متلبسابہ ۱۲ منہ) رواہ البزار و فیہ الحجاج بن فروخ و ھو ضعیف (مجمع الزوائد) قلت ذکرہ ابن حبان فی الثقات کما فی اللسان (۲:۱۷۹) فھو حسن الحدیث۔

ترجمہ: نعیم احمد دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں "عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ جب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قد قامت الصلوۃ** کہتے تو رسول اللہ ﷺ تکبیر کے ساتھ کھڑے ہو جاتے (یعنی مصلی پر کھڑے ہو کر تکبیر کہتے)۔ اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں حجاج بن فروخ ہے جو ضعیف ہے (مجمع الزوائد)۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے پس حدیث حسن ہے۔[952]

حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل مبارک

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی روایت کرتے ہیں۔

وروینا عن انس بن مالک انہ اذا قیل قد قامت الصلوۃ وثب فقام وعن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھما انہ کان یفعل ذلک وھو قول عطاء والحسن۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب **قد قامت الصلوۃ** کہا جاتا تو وہ جلدی سے کھڑے ہو جاتے اور حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے اور یہی عطاء اور حسن بصری کا قول ہے۔[953]

حافظ ابو عمر و ابن عبد البر مالکی کہتے ہیں۔

حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ قال حدثنا ابن المبارک عن ابی یعلی قال رأیت انس بن مالک اذا قیل قد قامت الصلوۃ قام فوثب۔

ترجمہ: حضرت ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ جب **قد قامت الصلوۃ** کہا گیا تو جلدی سے کھڑے ہو گئے۔[954]

تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک

امام عبد الرزاق بن ہمام صغانی لکھتے ہیں۔

عبد الرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء انہ یقال اذا قال المؤذن قد قامت الصلوۃ فلیقم الناس حینئذ؟ قال نعم۔

---

[952] (اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)، (احیاء السنن ترجمہ اعلاء السنن ج ۱ ص ۶۳۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[953] (السنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[954] (التمہید ابن عبد البر ج ۴ ص ۱۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (اکمال المعلم بفوائد مسلم شرح مسلم قاضی عیاض ج ۲ ص ۵۵۷ مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

ترجمہ: ابن جریج فرماتے ہیں میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مؤذن قدقامت الصلوۃ کہے تو لوگ اس وقت کھڑے ہو جائیں ؟ تو فرمایا ہاں۔[955]

عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابن علیة عن خالد عن ابی معشر عن ابراھیم قال: کان اذا قال المؤذن حی علی الصلوۃ قام فاذا قال قدقامت الصلوۃ کبر۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن (اقامت میں) حی علی الصلوۃ کہتا تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور مؤذن جب قدقامت الصلوۃ کہتا تو تکبیر کہتے۔[956]

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا، عبداللہ، حدثنا، عبدالحمید، حدثنا، الخضر، حدثنا ابو بکر قال حدثنا سفیان بن عیینة عن ابن عجلان عن ابی عبید قال سمعته یقول سمعت عمر بن عبدالعزیز بحناصرة یقول حین یقول المؤذن قدقامت الصلوۃ قوموا قدقامت الصلوۃ۔

ترجمہ: ابو عبید سے ابن عجلان بیان کرتے ہیں کہ ابو عبید نے کہا میں نے عمر بن عبد العزیز کو مقام حناصرۃ میں یہ فرماتے سنا ہے کہ جب مؤذن قدقامت الصلوۃ کہے تو اس وقت کھڑے ہوا کرو۔[957]

تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے کہ جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو اور مؤذن حی علی الفلاح کہے تو سب لوگ صف میں کھڑے ہو جائیں۔ اور اسی پر تمام فقہاء احناف کا فتوی ہیں۔ چند حوالا جات ملاحظہ فرمائیں:

امام ابو یوسف یعوب بن ابراہیم لکھتے ہیں۔

عن ابیه عن ابی حنیفة عن طلحة عن ابراھیم النخعی انه قال اذا قال المؤذن حی علی الفلاح قام القوم فی الصف۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو قوم صف میں کھڑی ہو۔[958]

---

[955] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۰۵ رقم الحدیث ۱۹۳۶ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

[956] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۴۲ رقم الحدیث ۴۰۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[957] (التمہید ج ۴ ص ۷۳ ۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[958] (کتاب الاثار امام ابو یوسف ص ۱۹ مطبوعہ المعارف النعمانیہ قاہرہ)

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں۔

محمد قال اخبرنا ابو حنیفة قال حدّثنا طلحة بن مصرف عن ابراهیم قال اذا قال المؤذن "حی علی الفلاح" فانه ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا فاذا قال المؤذن "قدقامت الصلوة" کبر الامام قال محمد رحمة اللہ تعالی علیه و به نأخذ و هو قول أبی حنیفة رحمة اللہ تعالی علیه۔ [959]

ابو الفتح محمد صغیر الدین دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

طلحہ سے روایت ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ جب مؤذن **حی علی الفلاح** کہے تو لوگوں کو لائق ہے کہ اٹھ کھڑے ہوں اور صفیں باندھیں اور جب مؤذن **قد قامت الصلوۃ** کہے تو اس وقت امام تکبیر تحریمہ کہے امام محمد نے کہا کہ اس کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔ [960]

استاد الفقیہہ الشیخ ابو الوفا افغانی اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

قلت و الحدیث اخرجه الامام ابو یوسف فی آثار ص (۱۹) و فی کتاب الاصل للامام محمد قلت فمتی یجب علی القوم ان یقوموا فی الصف قال اذا کان الامام معهم فی المسجد فانی احب لهم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح فاذا قال قد قامت الصلوة کبر الامام و کبر القوم معه۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کو امام ابو یوسف نے آثار ص (۱۹) میں اور امام محمد نے کتاب الاصل میں روایت کی میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں **حی علی الفلاح** کے وقت کھڑے ہوں اور جب مؤذن **قد قامت الصلوۃ** کہے تو امام اور قوم تکبیر کہیں۔ [961]

یہی امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں۔

قلت فمتی یجب علی القوم ان یقوموا فی الصف؟ قال اذا کان الامام معهم فی المسجد فانی احب لهم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔

---

[959] (کتاب الاثار امام محمد ص ۲۱ برقم ۶۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[960] (کتاب الاثار مترجم ص ۳۵۔۳۶ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

[961] (حاشیہ کتاب الاثار ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ المعارف الشرقیۃ چھتہ بازار حیدرآباد دکن ہند)

ترجمہ: میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں۔[962]

یہی امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تیسری کتاب میں لکھتے ہیں۔

قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوۃ فیصفوا و یسووا الصفوف و یحاذوا بین المناکب۔[963]

دیوبندیوں کے استاد حدیث محمد حسن صدیقی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لوگوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب موذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اور اپنی صفیں سیدھی کریں اور اپنے کندھوں کو کندھوں سے ملائیں۔[964]

علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی لکھتے ہیں۔

قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی "الاصل" اذا کان الامام مع القوم فی المسجد فانہ یقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ۔

ترجمہ: فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاصل میں کہ امام جب مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو کھڑے ہوں امام اور قوم حی علی الفلاح کے وقت۔ ہمارے تینوں علماء کے نزدیک۔[965]

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں۔

(و القیام) امام و مؤتم (حین قیل حی علی الفلاح)[966]

احسن نانوتوی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

---

[962] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط ج ۱ ص ۱۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی)

[963] (مؤطا امام محمد ص ۸۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[964] (مؤطا امام محمد مترجم ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ حسّان کراچی)

[965] (فتاوی تاتارخانیہ ج ۱ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[966] (الدر المختار ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور مستحب ہے کھڑا ہونا امام اور مقتدی کو جب کہ تکبیر میں حی علی الفلاح کہا جائے۔[967]

علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین الشامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قوله حين قيل حي على الفلاح كذافي الكنز و نور الايضاح و الاصلاح و الظهيرية و البدائع و غيرها و الذى في الدرر متنا و شرحا عند الحيعله الاولى يعنى حين يقال حي على الصلوة و عزاه الشيخ اسماعيل في شرحه الى عيون المذاهب و الفيض و الوقايه و النقايه و الحاوى و المختار اهقلت و اعتمده في متن الملتقى و حكى الاول بقيل لكن نقل ابن الكمال تصحيح الاول و نص عبارته قال في الذخيره يقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة۔

ترجمہ: امام اور مقتدیوں کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس کو کنز، نور الایضاح، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور درر کی متن اور شرح میں ہے کہ حی علی الصلوۃ پر قیام کریں۔ شیخ اسماعیل نے اپنی شرح عیون المذاہب اور فیض اور وقایہ اور نقایہ اور حاوی اور مختار میں نقل کیا میں کہتا ہوں کہ ملتقی کے متن میں اسی کو بیان کیا گیا ہے اور ابن کمال نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا اور ذخیرہ میں کہا گیا ہے کہ امام اور مقتدی حضرات جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ علمائے ثلاثہ (یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نزدیک۔[968]

ملا نظام الدین لکھتے ہیں۔

ان كان المؤذن غير الامام و كان القوم مع الامام في المسجد فانه يقوم الامام و القوم اذا قال حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة و هو الصحيح۔[969]

سیّد امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

اگر مؤذن امام کے سوا کوئی اور ہو اور نمازی مع امام کے مسجد کے اندر ہوں تو مؤذن جس وقت اقامت میں حی علی الفلاح کہے اس وقت ہمارے تینوں علماء کے نزدیک امام اور مقتدی کھڑے ہو جاویں۔ یہی صحیح ہے۔[970]

---

[967] (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[968] (فتاوی شامی ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[969] (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳۔۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[970] (فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحب ہیں۔ اس لئے اس کے بعد کسی حنفی کو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے کا حق نہیں۔ فقیہ اعظم مفتی امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

"یہ مسئلہ حاضرہ ایسا ہے کہ خود امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالی کے اقوال اس کے متعلق موجود ہیں۔ ائمہ ثلاثہ بالاتفاق فرمارہے ہیں کہ امام و مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کہے۔ شروع سے کھڑے ہو جانا نہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا قول۔ پس حنفی کو چون و چرا ان کی اصلاً گنجائش نہیں۔[971]

اقامت کے شروع میں کھڑا ہونا مکروہ ہے

اب رہا اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کا مسئلہ تو اس کو بھی تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

امام عبد الرزاق بن ہمام صغانی روایت کرتے ہیں۔

عبدالرزاق عن التیمی، عن ابی عامر، عن معایۃ ابن قرۃ قالوا: کانوا یکرھون ان ینھض الرجل الی الصلوۃ حین یاخذ المؤذن فی اقامتہ۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن قرہ (تابعی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ و تابعین) اس کو مکروہ جانتے تھے کہ نماز میں مؤذن کے اقامت شروع کرتے ہی اٹھ کھڑا ہو۔[972]

امام عبد الرزاق بن ہمام صغانی روایت کرتے ہیں۔

عن عطیۃ قال کنا جلوسا عند ابن عمر فلما اخذ المؤذن فی الاقامۃ قمنا فقال ابن عمر اجلسوا فاذا قال قد قامت الصلوۃ فقوموا۔

ترجمہ: عطیہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اقامت کہنا شروع کر دی تو ہم کھڑے ہو گئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ جب وہ قد قامت الصلوۃ کہے تو کھڑے ہونا۔[973]

---

[971] (فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

[972] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۸۱۔۴۸۲ رقم الحدیث ۱۸۵۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

[973] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۵۰۶ رقم الحدیث ۱۹۴۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)، (جامع الاحادیث الکبیر للسیوطی ج ۲۰ ص ۳۹۱ رقم الحدیث ۱۷۳۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان مبارک

عن الحسن انه کره ان یقوم الامام حتی یقول المؤذن قدقامت الصلوۃ۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالی سے روایت ہے کہ آپ مکروہ سمجھتے تھے کہ امام مؤذن کے **قدقامت الصلوۃ** کہنے سے پہلے کھڑا ہو۔[974]

امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں۔

و کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول لا تقوموا للصلوۃ حتی یقول المؤذن قدقامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مؤذن جب تک قد قامت الصلوۃ نہ کہے نماز کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔[975]

امام بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں۔

کره هشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتی یقول المؤذن قدقامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت ہشام ابن عروہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن **قدقامت الصلوۃ** کہے۔[976]

امام شمس الدین بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

و فی الکلام ایماء الی انه لو دخل المسجد احد عند الاقامة یقعد لکراهة القیام و الانتظار کما فی المضمرات۔

ترجمہ: اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کے دوران مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔[977]

علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

و یکره له الانتظار قائما و لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ: آدمی کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن **حی علی الفلاح** پر پہنچے تو کھڑا ہو جائے۔[978]

---

[974] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۴۳ رقم الحدیث ۴۰۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[975] (کشف الغمہ امام شعرانی ص ۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[976] (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[977] (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[978] (رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۲۹۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ملا نظام الدین لکھتے ہیں۔

اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما و لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح کذا فی المضمرات۔[979]

مولوی امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔ جب کوئی شخص اقامت کے وقت (مسجد میں) داخل ہو جائے تو اس کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح تک پہنچے تو پھر کھڑا ہو جائے۔[980]

علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفی لکھتے ہیں۔

و اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ و دخل رجل المسجد فانہ یقعد و لا ینتظر قائما فانہ مکروہ کما فی المضمرات قھستانی و یفھم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ و الناس عنہ غافلون۔

ترجمہ: جب مؤذن اقامت شروع کرے اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو جائے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ اس سے اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہونے کا مکروہ ہونا ثابت ہوا حالانکہ لوگ اس (مسئلے) سے غافل ہیں۔[981]

ان دلائل سے اظہر من الشمس کی طرح واضح ہوا کہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کسی چیز سے منع کرے اور فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس منع کرے اور اس کو مطلق مکروہ کہے تو اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔

جب مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز کی سنتوں کے بیان سے فارغ ہوا تو نماز کے مستحبات کے بیان کو شروع کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا۔

الباب الرابع فی بیان المستحبات

نماز کے آٹھ بابوں میں سے یہ چوتھا باب ہے جو نماز کے مستحبات کے بیان میں ہے۔[982] (**وھی ثلثۃ وعشرون**) اور یہ (مستحبات) مطلقاً تیئس (۲۳) ہیں۔ (**العام**) (ان میں سے) جو عام ہے (**اربعۃ عشر**) چودہ ہیں۔ (**ترک الالتفات**) آنکھوں کے گوشوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے کو

---

[979] (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[980] (فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

[981] (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۲۵ مطبوعہ مکتبہ انصاریہ کابل افغانستان)

[982] (مستحب وہ عمل ھے جس پر آنحضرت ﷺ نے سری عمر میں بطریقۂ عبادت ایک دفعہ عمل کیا ھو یا اسے قول فرمایا ھو اور دوسری دفعہ اس قول یا فعل کو ترک کر دیا ھو یا پھر ساری عمر ترک کئے بغیر بطریقۂ عادت کیا ھو، یا پھر ساری عمر میں بطریقۂ عبادت کیا ھو مگر تین دفعہ اسے ترک کیا ھو اور اس فعل کو بھی مستحب کھا جاتا ھے جسے آنحضرت ﷺ کے اسلاف نے محبوب سمجھا ھو اور اس مستحب کا حکم یہ ھے کہ اس کے ادا کرنے پر ثواب ھے اور اسے (مستحب) کو ترک کرنے پر عتاب (ملامتی) نھیں۔ مندرجہ بالا تشریح میں اسلاف

ترک کرنا مستحب ہے اور تھوڑا سا چہرہ پھیرتے ہوئے اِدھر اُدھر نظر کرنے میں سنتِ موکدہ کا ترک ہے، اس لئے یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ اور پورا چہرہ پھیرتے ہوئے نظر کرنا واجب کا ترک ہے اس لئے یہ حرام ہے اور سینہ کو پھیرتے ہوئے نظر کرنا فرض کا ترک ہے اس لئے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مستحب یہ ہے کہ قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر ہو، اور رکوع میں قدموں کی پیٹھ پر نظر ہو، سجدے میں ناک کے نرمے پر اور دونوں قعدوں میں سینے اور دونوں ہاتھوں کی درمیانی جگہ پر، اور سلام پھیرنے کے وقت کندھوں کے سروں پر نظر ہو کیونکہ ان جگہوں پر نظر کرنا خشوع و خضوع کی دلیل ہے کیونکہ خاشع (خشوع کرنے والا) اغیار سے منقطع اور خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ (**یمینا وشمالا**) دائیں اور بائیں جانب یعنی مستحب یہ ہے کہ دائیں اور بائیں طرف دیکھنے کو ترک کرے۔ اور یہ ترک کرنا مستحب ہے۔ کما قیل۔ (جیسا کہ کہا گیا ہے)[983] **ای کما قال العلماء وینظر الی ظهر القدم فی الرکوع والی موضع سجوده فی قیام یا کما قیل**۔ سے مراد یہ ہے کہ[984] **کما رخص رسول اللہ ﷺ فی التفات یمنة ویسرة بموق عینه** یہ مباح ہے اور اس کا ترک مستحب ہے اور التفات چاہے تھوڑے چہرے کے ساتھ ہو یا سارا چہرہ پھیرتے ہوئے یہ حرام ہے اور اس کا ترک کرنا واجب ہے۔ **فان قیل**۔ التفات کو ترک کرنا مستحب نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ حضور ﷺ اپنی آنکھوں کے گوشوں سے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ملاحظہ فرماتے تھے اور نبی کریم ﷺ کا ہر فعل ہمیشہ بہتر ہوتا تھا۔ **قلنا**۔ حضور ﷺ کا التفات غرضِ صحیحہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا امتحان تھا یا امت کو رخصت کی تعلیم دینا تھا تو اگر حضور ﷺ نے یہ التفات نہ کرتے تو یہ التفات حرام ہو جاتا تو اس پر حرمت رفع ہوئی۔ **فان قیل**۔ کہ ہمارا التفات غرضِ صحیحہ سے خالی ہے تو التفات کا ترک کرنا واجب ہو جانا چاہیئے۔ **قلنا**۔ کہ جب نمازی نے اپنی آنکھوں کے گوشوں کے ساتھ نظر کی تو اس میں غرضِ صحیحہ کا احتمال ہے اور یہ احتمال التفات کے عبث سے نکلنے کے لئے کافی ہے اور مستحب نہیں کیونکہ اس میں خشوع کا ترک ہے۔ (**وتغطیة الفم**) اور قیام کی حالت میں دائیں ہتھیلی کے پیٹ سے منہ کو چھپانا یعنی بند کرنا مستحب ہے اور دوسرے حالات میں بائیں ہتھیلی کے پیٹ پر جیسا کہ "زاہدی" میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔[985] **اذا تثاءب احدکم فی الصلوة فلیکظم فاه ما استطاع فان الشیطان یدخل فی فمه**۔ اور اگر ہونٹوں کے بند کرنے پر قادر تھا اور ہونٹ بند نہ کئے مطلقاً یعنی نماز میں یا نماز سے باہر تو یہ ہونٹوں کا بند نہ کرنا مکروہ ہے اور اگر منہ کو ہاتھ کے ساتھ چھپائے تو ایک ہاتھ سے چھپالے۔ (**عند غلبة التثاؤب**) غلبۂ جمائی کے وقت ایک

کا ذکر آیا ھے۔ یہاں اسلاف اور اس کے علاوہ علماء متقدمین خ ﷺ ف اور علماء متأخرین کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ھوں کہ ان میں کون لوگ شامل ھیں۔ اسلاف و علماء و متقدمین: (صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، تابعین تا محمد بن ال حسن الشیبانی رحمھم اللہ اجمعین) خلف: (محمد بن حسن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے شمس الأمۃ و الحافظ البخاری ﷺ) علماء متأخرین: (محمد بن الحسن الشیبانی ﷺ تا حضرت شیخ عبد القادر جیلای رحمۃ اللہ علیہ و حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الی ۵۰۰ء۔

[983] یعنی جیسے کہ علماء نے فرمایا ھے کہ رکوع میں اپنے پاؤں کی انگلیوں کو دیکھو اور قیام میں سجدے کی جگہ کو دیکھو۔

[984] جس طرح کہ آنحضرت ﷺ کو آنکھوں کے دائیں اور بائیں گوشوں سے دیکھنے کی رخصت دی گئی ھے۔

[985] آنحضرت ﷺ نے فرمایا ھے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اپنی طاقت کے مطابق اپنے منہ کو بند کرے اس لئے کہ اس کے منہ میں شیطان داخل ھو جاتا ھے۔" رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۳ میں جمائی کو دفع کرنے کے لئے ایک مجرب طریقہ بیان کیا گیا ھے اور وہ یہ ھے کہ جب نماز گزار کو جمائی آئے تو یہ تصور کرے کہ تمام انبیاء کرام علیھم الصلوۃ والسلام میں سے کسی ایک نے بھی جمائی نہیں لی، تو میں کیوں کروں، یہ تصور کرنے سے نماز میں کبھی جمائی نہیں آئے گی۔ "قدوری" میں بھی لکھا ھے کہ ھم نے بھی یہ طریقہ کئی دفعہ تجربہ کیا ھے اور یہ صادق طریقہ ھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ھے کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اپنا ھاتھ منہ پر رکھے۔

ہاتھ کے ساتھ اچھی طرح کوشش کرنے کے بعد ہونٹوں کو بند کرنا مستحب ہے تو جب ہونٹوں کو چھپانے سے عاجز ہو جائے تو قیام کی حالت میں منہ پر دائیں ہاتھ کا پیٹ رکھ دے کیونکہ دائیں ہاتھ کا فعل بائیں ہاتھ کے فعل سے قوی ہے بقدرِ امکان عملِ کثیرہ سے احتراز کی وجہ سے اور یہ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اذا تثاءب احدکم فی الصلوۃ فلیضع یدہ علی فمہ و دفع السعال ما استطاع**۔ اور کھانسی کا دفع کرنا مستحب ہے جہاں تک اسے بغیر ضرر اور بغیر اشتعالِ دل کے دفع کرنے کی استطاعت ہو اور اگر بغیر ضرر اور بغیر اشتعالِ دل کے کھانسی کو دفع کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو یعنی نہ ہو تو کھانسی کو دفع نہ کرنا بہتر ہے اس قولِ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کی وجہ سے "کہ کھانسی کو دفع کرنے پر استطاعت رکھنے کے باوجود کھانسی کرنا مکروہ ہے۔ **عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مَعَ التَّثَاؤُبِ"**[986] **عن أبي هريرة: العُطاسُ من اللهِ، والتَّثاؤُبُ من الشيطانِ، فإذا تثاءب أحدُكم فلْيَضَعْ يدَه على فِيهِ وإذا قال: آهْ آهْ، فإن الشيطانَ يَضْحَكُ من جَوْفِهِ، وإن اللهَ يُحِبُّ العُطاسَ ويَكْرَهُ التثاؤُبَ، فإذا قال الرجلُ: آهْ، آهْ، إذا تثاءب، فإن الشيطانَ يَضْحَكُ من جَوْفِهِ**۔[987] **(کما فی التحقیق)** (**وزیادۃ القراءۃ علی ثلث ایات قصار**) اور تین چھوٹی آیات سے قرأت کو زیادہ کرنا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مستحب ہے یا تین لمبی آیتوں سے صاحبین علیہ الرحمۃ کے نزدیک فاتحہ اور ضمِ سورۃ کے بعد۔ اور عام بات یہ ہے کہ امام اور منفرد دونوں کے لئے مستحب ہے اور مقتدی پر قرأت نہ ہونے کی وجہ سے خاص ہے۔ **فان قیل**۔ مصنف علیہ الرحمۃ کے اس قول کے مخالفت ہو گی کہ[988] **والقراءۃ علی القدر المروی**۔ **قلنا**۔ ثلثہ خاص ہے اور مروی عام ثلثہ اور مافوق کے لئے شامل ہے یا لفظ ثلثہ عام کے قبیلے سے ہے اور مروی خاص کے قبیلے سے۔ **فان قیل**۔ مروی خاص کے قبیلے سے کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ مروی جس طرح امام کے لئے ہے اس طرح منفرد کے لئے بھی۔ اس لئے اس کو عام کے قبیلے سے ہونا چاہیئے۔ **قلنا**۔ مسلمان کے حال کے مناسب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ نہ کہ اکیلے اس وجہ سے مروی کو خاص قسم میں ذکر کیا۔ (**والترتیل فی القراءۃ**) اور قرآن عظیم الشان، اذکار اور نماز کے ارکان میں ترتیل کرنا مستحب ہے۔ ترتیل کی دو اقسام ہیں ایک فقہاء کے مذہب کے ساتھ خاص ہے اور دوسری قراء کے مذہب کے ساتھ۔ اول قسم حروف، کلمات اور آیات کو ترتیب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر ادا کرنا ہے اور دوسری ترتیل یہ ہے کہ حروف کو ان کی صفات اور اخفاء و اظہار، تشدید و تخفیف اور وقوف و تنوین کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے مخارج سے ادا کیا جائے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترتیل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ **اداء الحروف بوقوفھا و صفاتھا**۔ یعنی حروف کو وقوف اور صفات کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرنا ترتیل کہلاتا ہے۔ **فان قیل**۔

---

[986] مسند احمد ج ۱۷ ص ۴۲۵ ناشر مؤسسة الرسالة۔

[987] الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٢٧٤٦ • حسن صحيح • أخرجه أبو داود (٥٠٢٨) باختلاف يسير، والترمذي (٢٧٤٦) واللفظ له • وأخرجه البخاري (3289)، ومسلم (2994)، وابن ماجه (968)، وأحمد (10706)

[988] قرأت اتنی مقدار میں مستحب ھے جو احادیث میں مذکور ھے جیسے صبح کی نماز میں مفصل یعنی لمبی سورت کا پڑھنا۔

(اگر سوال کیا جائے) ترتیل[989] نص کی وجہ سے مامور بہ ہے اور مامور بہ واجب ہوتا ہے اس لئے ترتیل کس طرح مستحب ہو گی۔ **قلنا۔ ترتیل** کی دو اقسام ہیں ایک لفظی جیسے تحقیق ہے اور دوسری معنوی جیسے[990] تحدیر ہے۔ تحقیق میں مشقت ہے لہذا یہ مستحب ہوئی اور یہاں یہی مراد ہے جبکہ معنوی فرض ہے۔ (**تسویة الرأس مع الظهر فی الرکوع**) اور رکوع میں سر کو پیٹھ کے ساتھ برابر کرنا مستحب ہے۔ اس طرح کہ اگر پانی کا بھرا ہوا برتن نمازی کی کمر پر رکھ دیا جائے اور یہ قرار پا جائے اور اس کی کمر پر رکھے ہوئے اس برتن سے پانی نہ گرے کیونکہ حضور ﷺ بھی رکوع میں اس طرح کمر کو برابر رکھتے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے: **من رکع مرفوع الراس القی فی النار مرفوعا ومن رکع منکوس الراس القی فی النار منکوسا۔**[991] (**ووضع رکبتیه قبل یدیه**) اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنا مستحب ہے کیونکہ حضور ﷺ جب سجدہ فرماتے تھے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھتے تھے اور جب سجدے سے اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے پھر فرمایا: **الا علی للاعلی الاسفل للاسفل کذا فی الشمونی۔**[992] (**ویدیه قبل الانف**) اور ہاتھوں کو ناک سے پہلے رکھنا مستحب ہے۔ (**والانف قبل الجبهة**) اور ناک کو پیشانی سے پہلے رکھنا مستحب ہے۔ (**علی الارض**) زمین پر (**للسجود**) سجدے کے لئے۔ تو جو اندام زمین کو قریب ہوں وہ رکھنے کو بھی قریب ہوتے ہیں۔ "**خزانة الروایات**" میں کہا ہے کہ اگر ایک آدمی نے موزے پہن رکھے ہوں اور ہاتھوں کو پہلے رکھے بغیر سجدے پر قادر نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں یہ عذر کی وجہ سے ہاتھوں کو پہلے رکھ سکتا ہے۔ پہلے دایاں ہاتھ رکھے اور پھر بایاں ہاتھ۔ (**وعلی عکس ذلک الرفع للقیام**) اور برعکس اس کے قیام کو کھڑا ہونے (کے لئے قدموں کو اٹھانا ہے) یعنی پہلے پیشانی پھر ناک پھر دونوں ہاتھوں کو اور پھر دونوں گھٹنوں کو قدموں کے سینے سے اٹھانا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے **الاعلی للاعلی والاسفل للاسفل**۔ اور حضور ﷺ قدموں کے سینے پر اٹھتے تھے نہ ہاتھوں کو زمین پر لگاتے اور نہ ہی بیٹھتے تھے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خفیفہ جلسہ کرے پھر اٹھے اور ہاتھوں کو زمین پر لگائے کیونکہ حضور ﷺ جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تھے تو ہلکا سا جلسہ کرتے تھے کہ اس جلسے کا نام جلسۂ استراحت تھا پھر ہاتھوں کو زمین پر لگا کر اٹھ جاتے۔ **قلنا۔** کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ جب پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو قدموں کے سینے پر اٹھتے تھے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت حالتِ ضعف پر محمول ہے۔ (**والسجود بین الیدین**) اور پیشانی کو دونوں سجدوں میں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے درمیان رکھنا مستحب ہے اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کے بڑے انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں یہ اس لئے کہ اگر کانوں سے

---

[989] یعنی ورتل القرآن ترتیلا۔

[990] کلمات کے درمیان وقفہ نہ لانا بلکہ اسے کلامِ واحد کی طرح پڑھنا اور "تحدیر" اپنی آواز کو اذان کی آواز سے آھستہ کرنا کلمات اور اذان کے درمیان جو ترتیب ھے اس کو شرع کے مطابق پڑھنا۔

[991] جس نے رکوع کیا اور رکوع میں اس کا سر پیٹھ سے اونچا تھا تو وہ اسی طرح سر اونچا کئے ہوئے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جس کا سر رکوع میں پیٹھ سے نیچے ہوا تو اس کو اسی طرح سر نیچے کئے ہوئے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ تو اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سر کو نہ اونچا کیا جائے اور نہ ھی نیچے کیا جائے بلکہ برابر ہونا چاھیئے۔

[992] اوپر والے اوپر کے لئے اور نیچے والے نیچے کے لئے۔

کچھ پلیدی نکلے تو بڑے انگوٹھوں پر پڑے گی یا ہاتھوں کی کمر پر پڑے گی، اس کی دلیل حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ پیشانی مبارک کو دونوں ہاتھوں کے درمیان کانوں کی لو کے برابر رکھتے تھے اور وہ حدیث حالتِ عذر یا مرض کی زیادتی یا سردی پر محمول ہے جس میں نبی کریم ﷺ سے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھنا منقول ہے۔(**وتوجه اصابع یدیه ورجلیه نحو القبلة**)ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو بقدرِ طاقت قبلہ کی طرف متوجہ کرنا مستحب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: **اذا سجد العبد المؤمن سجد معه کل عضو منه فلیتوجه اعضائه نحو القبلة ما استطاع**۔[993] اور ہاتھوں کی انگلیوں کا متوجہ کرنا سنتِ زوائد میں سے ہے اور یہ تحقیق نہیں سوائے اس کے کہ بعض کو بعض کے ساتھ پیوست کیا جائے اور پاؤں کی انگلیوں کو متوجہ کرنا اس وقت متحقق ہوتا ہے جب قدموں کے سینے اور انگلیوں کے پیٹ کو سجدے میں بقدرِ امکان زمین پر رکھا جائے اس لئے اگر پاؤں کی چھوٹی انگلی زمین پر نہ پہنچتی ہو تو عذر کی وجہ سے کراہیت لازم نہیں ہوتی۔(**وترک مسح الجبهة من التراب والعرق**)اور پیشانی کو مٹی اور پسینے سے صاف نہ کرنا مستحب ہے اور پسینہ جلد کے گیلے ہونے کو کہتے ہیں۔**قبل السلام**۔ اس وقت تک جب تک سلام نہ پھیر لے برابر بات ہے چاہے مٹی اور پسینے کو تشہد میں صاف کیا جائے، چاہے تشہد سے پہلے یا بعد میں سلام تک کیونکہ سلام سے پہلے تک پیشانی پر مٹی کا پیشانی پر موجود ہونا فراق اور پریشانی کی علامت ہے جبکہ حال یہ ہے کہ عابد اور اللہ تعالیٰ کے درمیان فراق نہیں ہوتا اور حضور ﷺ بھی سلام کے بعد اپنی پیشانی مبارک پر دائیں ہاتھ سے مسح کرتے تھے۔ (**والفصل بین القدمین قدر اربعة اصابع من الید فی القیام**)اور قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کی مقدار کا فاصلہ ہونا مستحب ہے چاہے قیام میں ہو، رکوع میں ہو، یا قومہ میں۔ اور یہ فاصلہ تمکن ہے اور خشوع کے قریب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں خشوع کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے کہ[994] قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (١) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ٢)(**ووضع یدیه علی فخذیه فی القعدة**)اور قعدے میں ہاتھوں کو رانوں پر اس طرح رکھنا مستحب ہے کہ انگلیاں درمیانی حالت میں کشادہ ہوں پہلے قعدے میں ہو یا دوسرے قعدے میں اور یا کہ جلسہ میں ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ[995] **علی ماتؤمون بایدیکم کانها اذناب خیل شمس وانما یکفی احدکم ان یضع یده علی فخذه ثم یسلم علی اخیه من علی یمینه وشماله**۔ اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت ﷺ کا نماز میں بیٹھنے کا طریقہ بیان کیا ہے یعنی دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھنا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر اس طرح کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں پر ہوں اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے نہ پکڑے اور نہ ہی رانوں کو پیوست کرے۔ یہ مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے اور عورت کا دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ہاتھوں کو رانوں کے درمیان نہیں رکھنا چاہیئے۔

---

[993] آنحضرت ﷺ نے فرمایا ھے کہ جب مؤمن سجدہ کرتا ھے تو اس کا ھر عضو اس کے ساتھ سجدہ کرتا ھے پس لازم ھے کہ اس کا ھر عضو قبلہ کی طرف ھو۔

[994] بتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع یعنی عاجزی کرنے والے ھیں۔

[995] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ھیں کہ جب ھم حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو نماز کے اختتام پر دائیں اور بائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کھتے ھوئے ھاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے یہ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا تم لوگ اپنے ھاتھ اس طرح اشارہ کرتے ھو جیسے شریر گھوڑوں کی دمیں ھلتی ھیں، تمھیں یھی کافی ھے کہ تم قعدے میں اپنی رانوں پر ھاتھ رکھے ھوئے دائیں اور بائیں منہ موڑ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کھا کرو۔ (رواہ مسلم ج ا ص ١٨١)

(وتحویل الوجه یمنة ویسرة عند السلام) اور سلام کے وقت چہرے کا دائیں اور بائیں طرف پھیرنا مستحب ہے اس طرح کہ دائیں رخسار کی سفیدی دائیں جانب کے لوگوں کو ظاہر ہو جائے اور بائیں رخسار کی سفیدی بائیں جانب والوں کو ظاہر ہو جائے کیونکہ حضور ﷺ بھی اس طرح سلام پھیرتے تھے کہ دائیں جانب کے لوگوں کو دائیں چہرے کی سفیدی ظاہر ہو جاتی اور بائیں جانب کے لوگوں کو بائیں رخسار کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

(والخاص تسعة) اور ان تیئس مستحباتِ نماز میں سے جو خاص ہیں وہ نو ہیں۔ (رفع الیدین فی ماسن فیه) ہاتھوں کا اٹھانا اس جگہ میں مستحب ہے کہ جن جگہوں میں ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے جیسے تکبیر تحریمہ، تکبیراتِ عیدین، تکبیراتِ قنوت اور حجر اسود کا چومنا ہوا۔

(حذاء شحمتی اذنیه) کانوں کے لو کے برابری پر کہ کانوں کی نرمی یعنی لو کو ہاتھوں کے بڑے انگوٹھوں کے ساتھ مسح کرنے والا ہو جائے۔ (غیر مفرج) کہ نہ انگلیوں کو کشادہ کرنے والا ہو اور نہ ہی ملانے والا بلکہ اپنی انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں کو کندھوں کی برابر تک اٹھائے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں کو سر تک اٹھائے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت حُمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ[996] **عن ابی حُمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کان النبی ﷺ اذا کبر رفع یدیه الیٰ منکبیه (رواه البخاری)**۔ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو سر کی برابر تک اٹھاتے تھے اور ہماری دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ہے۔[997] **عن وائل ابن حجر والبراء وانس رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی ﷺ کان اذا کبر رفع یدیه حذاء اذنیه (رواه مسلم)**۔ **عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ أَبْصَرَ «النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذَى بِإِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ كَبَّرَ**۔[998]

ترجمہ: حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے کندھوں کے برابر ہو گئے اور جب کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کے برابر آ گئے پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی۔ کیونکہ نماز کے شروع میں ہاتھوں کا اٹھانا بہرے کی آگاہی کے لئے روا ہوا ہے اور یہ آگاہی اتنی مقدار پر حاصل ہوتی ہے جتنی کہ ہم نے کہی ہے۔ اور وہ حدیث جو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلیل کے طور پر پیش کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے تو یہ حدیث حالتِ ضعف اور سردی پر محمول ہے اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھائیں اس میں سب دلائل پر عمل ہوتا ہے کہ انگلیوں کے سرے سر کے ساتھ برابر ہو جائیں گے اور انگلیوں کے اوپر سے نیچے کی

---

[996] حضرت ابی حُمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب آنحضرت ﷺ تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے (رواہ البخاری)

[997] حضرت وائل بن حجر والبرا وانس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو کانوں کے نرموں تک اٹھاتے۔

[998] (سنن ابی داؤد، باب رفع یدین فی الصلوۃ، ج ۱ ص ۱۹۲)

طرف کا آخری حصہ یعنی جہاں انگلیوں اور ہتھیلی کا جوڑ ہے کانوں کے ساتھ برابر ہو جائیں گے اور اصلی ہتھیلی کندھوں کے ساتھ برابر ہو جائے گی اس کے علاوہ یہ حدیث شریف جس میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ[999] خیرُ الأمورِ أوسَطُها. تو حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمہ اللہ نے بھی درمیانی بات (کانوں کی لو تک ہاتھوں کو اٹھانا) اختیار کیا ہے۔ فان قیل۔ جب ہاتھوں کا اٹھانا بہرے کی آگاہی کے لئے روا ہے تو اگر بہرا نہ ہو پھر ہاتھوں کا اٹھانا جائز نہیں ہونا چاہیئے۔ قلنا۔ اعتبارِ جنس کے لئے ہے نہ کہ افراد کے لئے۔ فان قیل۔ کہ اکیلے نمازی کے لئے جائز نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ تو منفرد ہے بہرا نہیں ہے۔ قلنا۔ اصل نماز کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے نہ کہ اکیلا اور اعتبار اصل کے لئے ہے نہ کہ عارض کے لئے۔ فان قیل۔ مقتدی کے لئے ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہونا چاہیئے اس لئے کہ اسے دوسروں کی آگاہی کا احتیاج نہیں۔ قلنا۔ یہ بات احتمال رکھتی ہے کہ صفوں کے آخر میں بہرا ہو تو مقتدی اعلام یعنی دوسروں کو آگاہی دینے کا محتاج ہوا۔ کذا فی الشاھان۔ (للرجال) مردوں کے لئے کیونکہ آنحضرت ﷺ جب تکبیرِ اولیٰ کہتے تھے تو ہاتھ مبارک کو کانوں کی لو کے برابری میں اٹھاتے تھے اور ہاتھوں کو کندھوں کی برابری پر اٹھانے میں نبی کریم ﷺ کا قول عورتوں کے بارے میں ہے مطلقاً برابر بات ہے کہ یہ عورتیں آزاد ہوں یا لونڈیاں اور عورتوں کا کندھوں تک ہاتھوں کو اٹھانا مناسب ہے کیونکہ عورت ہر حال میں ستر میں ہے اور اس طریقے سے ستر اچھی طرح حاصل ہوتا ہے اور ہاتھوں کو اٹھانے میں حکمت ماسوا اللہ کو دائیں اور بائیں طرف پھینکنا ہے تو نمازی دائیں ہاتھ سے آخرت کے پھینکنے کو اشارہ کرتا ہے اور بائیں ہاتھ سے دنیا کے پھینکنے کا اشارہ کرتا ہے۔ تو مطلق اٹھانا سنت ہوا اور کانوں کی لو تک برابر کرنا مستحب ہوا اور مراد صاحبِ منظوم کی کہ ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا سنت ہے سنت زوائد ہے اور ظاہر روایت میں ہاتھوں کا کانوں کی لو تک برابر کرنا مستحب ہے اور کانوں سے تجاوز کرنا مکروہ ہے اور کانوں کا مسح ہاتھوں کے اٹھانے میں کانوں تک مختصر الوقایہ اور شروح میں مذکور ہے۔ عَنْ مَالِکِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وفی روایة حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب تکبیر (تحریمہ) کہتے تو دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ انہیں دونوں کانوں کے بالمقابل لے آتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہاتھوں کو کانوں کے لو کے برابر لے آتے۔[1000]

عن سالم عن ابیه (ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما) قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاۃ ورفع یدیه حتی یحاذی منکبیه۔[1001]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر لے جاتے۔ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال رأیت رسول اللہ ﷺ کبر فحاذی بابهامیه أذنیه۔[1002]

---

[999] کاموں میں سے بہترین کام وہ ہے جو میانہ ہو۔ العراقي (۸۰۶ھ)، تخریج الإحیاء ۳/۲۰۹ • مرسل۔

[1000] (صحیح مسلم، باب استحباب رفع الیدین، ج ۱ ص ۲۹۳)

[1001] (مختصر خلافیات للبیهقی، ج ۲ ص ۳۱، طبع مکتبة الرشید الریاض)

[1002] (المستدرک للحاکم، باب التأمین رقم الحدیث ۹۳۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ تکبیر کہتے ہوئے اپنے انگوٹھوں کو دونوں کانوں کے برابر لے جاتے۔ اس کے بارے میں بہت احادیث مبارکہ وارد ہیں۔ احناف کا مسلک مجموعہ احادیث پر عمل کرنا ہے۔ وَذَكَرَ الطِّيبِيُّ أَنَّ الشَّافِعِيَّ حِينَ دَخَلَ مِصْرَ سُئِلَ عَنْ كَيْفِيَّةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ؟ قَالَ: يَرْفَعُ الْمُصَلِّي يَدَيْهِ بِحَيْثُ يَكُونُ كَفَّاهُ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِبْهَامُهُ حِذَاءَ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ، وَأَطْرَافُ أَصَابِعِهِ حِذَاءَ فَرْعِ أُذُنَيْهِ، لِأَنَّهُ جَاءَ فِي رِوَايَةٍ: يَرْفَعُ الْيَدَيْنِ إِلَى الْمَنْكِبَيْنِ، وَفِي رِوَايَةٍ إِلَى الْأُذُنَيْنِ، وَفِي رِوَايَةٍ إِلَى فُرُوعِ الْأُذُنَيْنِ، فَعَمِلَ الشَّافِعِيُّ بِمَا ذَكَرْنَا فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ جَمْعًا بَيْنَ الرِّوَايَاتِ الثَّلَاثِ.[1003]

ترجمہ: علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مصر تشریف لائے تو آپ سے سوال کیا گیا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کیسے اٹھائے جائیں؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ اس کے دونوں ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہو جائیں اور انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائیں اور انگلیوں کے پورے کانوں کے اوپر کے حصے کے برابر ہو جائیں کیونکہ ایک روایت میں ہاتھ کندھوں تک اٹھانے کا ذکر ہے، دوسرے میں کانوں تک اٹھانے کا ذکر ہے اور تیسرے میں کانوں کے اوپر کے حصے تک اٹھانے کا ذکر ہے۔ پس امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تینوں روایات پر عمل کرنے کے لئے تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت رفع الیدین میں ہمارے مذکور طریقہ کے مطابق عمل کیا۔ (وحذاء المنكبين للنساء) اور عورتوں کے لئے کندھوں کے برابری تک ہاتھوں کا اٹھانا مستحب ہے کیونکہ عورت ہر حالت میں ستر میں ہے حتی الامکان۔ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ: ... فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا وَائِلُ بْنَ حُجْرٍ، إِذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْكَ حِذَاءَ أُذُنَيْكَ، وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلُ يَدَيْهَا حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا۔[1004]

ترجمہ: حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے وائل بن حُجر جب تم نماز پڑھا کرو تو ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنی چھاتی تک ہاتھ اٹھائے۔

(ووضع اليدين تحت السرة) اور ہر اس قیام میں ہاتھوں کو ناف سے نیچے رکھنا مستحب ہے جس میں لمبا ذکر ہو۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرأت کی حالت میں رکھے نہ کہ ثناء اور قنوت کی حالت میں کیونکہ ہاتھوں کا رکھنا اس خوف سے ہوتا ہے کہ انگلیوں کے سروں میں خون نہ جم جائے اور یہ خوف لمبی قرأت میں ہوتا ہے۔ قلنا۔ ہاتھوں کے رکھنے میں مقصد خشوع ہے اور یہ نماز کی ہر حالت کے ساتھ مناسب ہے اور اس میں حضور ﷺ سے ذکر مسنون اور منقول ہے اگرچہ ثناء اور قنوت میں ذکر مسنون نہیں ہے لیکن ان دونوں میں ہاتھ رکھنا حضور ﷺ سے منقول ہے۔ (للرجال) مردوں کے لئے دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے اور ناف سے نیچے رکھنا مستحب ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے لئے سینے پر ہاتھ رکھنے میں خلاف ثابت ہے کیونکہ ان کے نزدیک سینے پر ہاتھ رکھنا تواضع کو قریب اور تکبر سے دور ہے اور ان دونوں مذاہب کا بیان سنت کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ (وعلى الصدر للنساء) اور عورتوں کے لئے خواہ آزاد ہوں یا

[1003] (مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۲۵۴، طبع مکتبہ رشیدیہ)

[1004] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۲۲، ص ۱۹، رقم الحدیث ۱۹۶۴۵)

لونڈیاں سینے پر ہاتھ رکھنا مستحب ہے مطلقا۔(**واخراج الکفین عن الکمین**)اور ہتھیلیوں کو آستینوں سے نکالنا مستحب ہے ذکر کفین یعنی ہتھیلی اور اس سے مراد یدین یعنی ہاتھ ہے یہ جواب سوال سے ہے تقدیر اس کی یہ ہے۔**فان قیل۔** تخصیصِ روایات میں حکم کی نفی کے ساتھ[1005] ماعدا میں دلالت کرتا ہے تو کفین کا اخراج یعنی نکالنا مستحب ہو گا فقط نہ کہ ہتھیلیوں اور باقی ہاتھ کا ظاہر کرنا۔ تو جواب یہ ہے کہ ذکرِ کفین سے مراد سارے ہاتھ کو کلائی تک نکالنا ہے۔(**عند التحریمة**) تکبیرِ اولیٰ کے وقت نہ تکبیر کے بعد۔ کہ اٹھانے کے ساتھ متصل ہو جائے۔(**للرجال**)مردوں کے لئے نہ کہ عورتوں کے لئے اور مردوں کے حق میں ہاتھوں کو آستین سے باہر نہ نکالنا بدعت ہے اور عورتوں کے لئے ہاتھوں کو آستین سے نہ نکالنا مستحب ہے کیونکہ عورتیں ہر حال میں ستر میں ہوتی ہیں۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تھا کہ[1006] **رفع یدیه حین دخل فی الصلوة و کبر ثم التحف بثوبه ثم وضع یده الیمنی علی الیسرے** اور قنیه میں کہا ہے۔[1007] **رفع الیدین خارج الکمین و فیهما علی السواء لکن الاولی خارج الکمین۔**(**والقراءة علی القدر المروی للامام والمنفرد**) اور نماز میں امام اور منفرد کے لئے اتنی قرأت کرنا مستحب ہے جتنی مقدار نبی کریم ﷺ سے روایت ہے یعنی صبح کی نماز میں سست قسم کے لوگوں کے لئے چالیس(۴۰) آیات مستحب ہیں اور یہ کام کاج کے دنوں کے لئے ہے اور درمیانی حالت کے لوگوں کے لئے پچاس(۵۰) یا ساٹھ (۶۰) آیات کی تلاوت کرنا مستحب ہے اور راغبین کے لئے سو(۱۰۰) آیات مستحب ہیں اور یہ سردیوں کی راتوں کے لئے مناسب ہے۔ چالیس آیات طویل ہوں،(پچاس یا)ساٹھ آیات اوسط ہوں، اور سو آیات چھوٹی ہوں۔ اوسط سورتیں نمازِ ظہر، عصر اور عشاء کے لئے ہیں جبکہ چھوٹی سورتیں مغرب کے لئے اور اکیلا آدمی جتنی چاہے قرأت لمبی کر سکتا ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ[1008] **اذا صلی احدکم بالناس فلیصل بهم صلوة اضعفهم فان فیهم المریض و الضعیف و الکبیر و ذالحاجة و اذا صلی احدکم لنفسه فلیطول ما شاء** اور قرأت کی مقدار میں امام اور منفرد کے لئے برابری بہتر ہے یہ حالت گھر، امن اور قرار کی حالت کے لئے ہے اور ضرورت کی حالت میں بقدرِ ضرورت قرأت جائز ہے۔(**وزیادة التسبیحاتِ علی الثلث وترا**) اور تسبیحات کو تین دفعہ سے زیادہ پڑھنا مستحب ہے اور زیادہ ہونے میں شرط یہ ہے کہ تسبیحات وتر یعنی طاق ہوں جیسے فرض نمازوں میں پانچ، نفل میں نو اور صلوۃ التسبیح میں گیارہ یا پندرہ۔ تین تسبیحات ادنی کمالِ سنت کی ہے اور

[1005] اس کے علاوہ۔

[1006] حضرات وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ھے وہ فرماتے ھیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا جب آپ ﷺ نماز میں داخل ھوتے تو اپنے دونوں ھاتھوں کو اٹھالیتے اور تکبیر فرماتے پھر اپنی کلائی پر کپڑے (آستین) کے نیچے دائیں ھاتھ کو بائیں ھاتھ پر رکھ لیتے یعنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کلائی پر حلقہ بنالیتے۔

[1007] مرد اور عورت دونوں کے لئے ھاتھوں کو آستین سے باھر نکال کر اوپر کرنا ھے لیکن بھتر یہ ھے کہ ھاتھ آستین سے باھر رھیں۔

[1008] حضور ﷺ نے فرمایا ھے کہ جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے یعنی امام ھو تو وہ ان کے ساتھ ضعیف شخص کی نماز پڑھے اس لئے کہ ان (مقتدیوں) میں مریض بھی ھوتے ھیں اور ضعیف، بوڑھے اور حاجت والے بھی اور جب کوئی تنھا نماز پڑھے تو جتنا اس کا جی چاھے اتنا نماز کو لمبا کرے۔

ادنیٰ میں زیادتی کرنا مستحب ہے اور وتر یعنی طاق ہونا نبی کریم ﷺ کے اس قول سے ثابت ہے۔[1009] إنَّ اللهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الوِتْرَ۔ (**للمنفرد**)(اور تسبیحات میں زیادتی کا حکم) تنہا گزار کے لئے ہے اور امام سست قسم کے لوگوں کے ساتھ جماعت میں تین تسبیحات سے زیادتی نہ کرے تاکہ تین دفعہ سے زیادتی قوم کی نفرت کا سبب نہ بنے، میانہ حال لوگوں کے ساتھ چار دفعہ سے زیادہ تسبیحات نہ پڑھے اور راغبین کے ساتھ پانچ دفعہ سے زیادہ تسبیحات نہ پڑھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ[1010] **من ام قوما فليصل صلوة اضعفهم** ۔(**الحديث**)(**وابعاد الضبعين من البطن**)اور(سجدے میں) کہنیوں کو پیٹ(اور زمین)سے دور رکھنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ[1011] **اذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك عن جنبيك**۔(**والبطن من الفخذ والفخذ من الساق والساق من الارض**)اور پیٹ کو ران سے دور رکھنا اور ران کو پنڈلی سے دور رکھنا اور پنڈلی کو زمین سے دور رکھنا مستحب ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کا فعل ہے آپ ﷺ جب سجدہ فرماتے تو پیٹ کو ران سے دور اور ران کو پنڈلی سے دور اور پنڈلی کو زمین سے دور رکھتے تھے یہاں تک اگر نماز کی حالت میں بکری کا چھوٹا بچہ آپ ﷺ کے سینے مبارک کے نیچے سے گزرنے ارادہ کرتا تو گزر سکتا تھا یہ حکم اکیلے نمازی کے لئے ہے اور اگر جماعت میں ہو تو اپنے اعضاء دور نہ کرے تاکہ ساتھ والے نمازی کو تکلیف نہ ہو۔(**في الركوع والسجود للرجال**)(مندرجہ بالا عمل)مردوں کے لئے رکوع اور سجدے میں مستحب ہے رکوع میں صرف کہنیوں کو پیٹ اور پیٹ کو رانوں سے دور رکھا جاسکتا ہے جبکہ سجدے میں سب اعضاء کو ایک دوسرے سے دور رکھا جاسکتا ہے، اور جبکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع اور سجدے میں اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے دور رکھ سکتا ہے۔

(**وبالكعبين للنساء**)اور عورتوں کے لئے اس عمل کے الٹ کرنا مستحب ہے یعنی عورتیں اپنے اندامو ں کو سمیٹ کر رکوع اور سجود کریں اور جب عورت بیٹھ کر نماز پڑھے تو سُرین کو زمین سے نہ اٹھائے کیونکہ یہ عورتوں کے لئے مکروہ ہے اور مردوں کے لئے نہ اٹھانا مکروہ تنزیہی ہے اور اٹھانا مستحب۔(**وقراءة الفاتحة بعد الاولين للمفترض**)اور فرض نماز کی آخری دو رکعات میں فاتحہ کی قرأت کرنا مستحب ہے چاہے یہ ایک رکعت ہو یا دو رکعتیں جیسا کہ مغرب کی نماز ہوئی کیونکہ آنحضرت ﷺ آخری دو رکعتوں میں قرأت فرماتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے نمازی(فرض نماز کی) آخری دو رکعتوں میں اختیار رکھتا ہے اگر چاہے تو قرأت کرے اور چاہے تو قرأت کی جگہ تسبیح پڑھ لے اور چاہے تو خاموش رہے اور اگر پہلی دو رکعات میں قرأت کر چکا ہو تو آخری دو رکعات میں قرأت کرنا بہتر ہے اور اگر پہلی دو رکعات میں قرأت نہ کی ہو تو آخری دو رکعات میں قرأت کرنا فرض نماز پڑھنے والے کے لئے لازمی ہے اور قطعی طور پر واجب ہے۔

[1009] بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔الترمذي (٢٧٩ هـ)، سنن الترمذي ٤٥٣ •حسن •المنذري (٦٥٦ هـ)، الترغيب والترهيب ٢٧٧/١] •إسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما •شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨ هـ)، تخريج رياض الصالحين ١١٣٢ •حسن •أخرجه أبو داود (١٤١٦)، والنسائي (١٦٧٦) مختصراً، والترمذي (٤٥٣)، وابن ماجه (١١٦٩)، وأحمد (١٣٦٢)

[1010] جو شخص لوگوں کی امامت کرے تو اس کو چاہیئے کہ ان میں سے ضعیف کی نماز پڑھائے۔

[1011] جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیوں کو رکھو اور اپنی کہنیوں کو پہلوؤں سے جدا کرو۔

(فی المشھور) یہ روایت حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے مشہور طریقے سے مروی ہے اور فرض نماز کے علاوہ واجب، سنت اور نفل کی ہر رکعت میں فاتحہ کی قرأت کرنا واجب ہے اس لئے کہ نفل نماز کی ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے اور نماز کی ہر دو رکعت میں قرأت کرنا فرض ہے اور حسن ابن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت نے قولِ مشہور سے احتراز کرتے ہوئے حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح روایت کی ہے کہ آخری دو رکعتوں میں بھی الحمد شریف پڑھنا واجب ہے اس لئے اگر آخری دو رکعتوں میں الحمد شریف کو قصداً چھوڑ دیا گیا تو گنہگار ہے اور اس پر نماز کا اعادہ لازم ہے اور اگر سہواً رہ گئی تو سجدہ سہو واجب ہے۔(والتسمیۃ قبل الفاتحۃ) اور پہلی رکعت کے علاوہ باقی ہر رکعت میں الحمد سے پہلے بسم اللہ الخ پڑھنا مستحب ہے جبکہ پہلی رکعت میں بسم اللہ الخ سنت ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک الحمد سے پہلے تسمیہ پڑھنا واجب ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سورت سے پہلے تسمیہ پڑھنے کو بھی سورت کی طرح واجب قرار دیتے ہیں۔ اور مذہبِ حنفی اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے درمیان اس مسئلے پر فرعی اختلاف ہے یعنی وہ تسمیہ کو الحمد سے بھی اور سورت سے پہلے بھی اس لئے واجب شمار کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک تسمیہ الحمد اور سورت میں حساب ہوتی ہے اور ہمارے مذہب میں اس طرح نہیں۔

(فی کل رکعۃ) ہر رکعت میں تسمیہ قبل از فاتحہ ہے کیونکہ حضور ﷺ ہر رکعت کے شروع میں تسمیہ پڑھا کرتے تھے کیونکہ تسمیہ قرأت کے شروع کے لئے ہے اور ہر رکعت میں قرأت اصل ہے تو سورت سے پہلے تسمیہ کے ساتھ ابتداء کرے اور سورت سے پہلے تسمیہ الحمد اور سورت کے درمیان فصل یعنی جدائی لازم کرتی ہے اور سورت کو الحمد کے ساتھ پیوست کرنا واجب ہے تو یہاں واجب کا ترک آجائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ سورتوں کے درمیان علیحدگی نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام بسم اللہ الرحمن الرحیم لے کر آتے تو ایک سورت دوسری سورت سے جدا ہو جاتی۔ فان قیل۔ کہ بسم اللہ سے نماز جائز ہونی چاہیئے۔ قلنا۔ بسم اللہ سے نماز کا جائز نہ ہونا احادیث کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور یہ اختلافِ علماء بسم اللہ کے پوری آیت ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔(لمن سن) جس کے حق میں بسم اللہ سنت ہو چکی ہو چاہے وہ امام ہو یا منفرد نہ کہ مقتدی اور مسبوق۔ فان قیل۔ کہ پہلی رکعت کے بغیر ساری رکعتوں میں الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول لمن سن کس طرح صحیح ہو گا۔ قلنا۔ لمن سن کے معنی یہ ہیں ای احب کیونکہ بسم اللہ ہر رکعت میں استحباب کے باب سے ہے نہ کہ واجبات اور سنتوں کے باب میں سے اور مستحب وہ شخص ادا کرتا ہے جسے یہ بہتر نظر آتا ہے بخلاف واجب اور سنت کے۔ کیونکہ اپنے آپ کو دنیا و آخرت میں عذاب سے بچانے کے لئے واجب اور سنت دونوں کا بجالانا لازمی ہے اور تسمیہ کی تخصیص احب کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے ہے پس بسم اللہ کے بارے میں تین روایات ہیں۔ اول پہلی رکعت میں الحمد سے پہلے۔ دوم ہر رکعت میں الحمد سے پہلے۔ سوم ہر رکعت میں الحمد سے پہلے اور الحمد کے بعد جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

(**وانتظار المسبوق**) اور مسبوق کے لئے انتظار کرنا مستحب ہے یعنی قضاء ما سبق کے لئے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے نہ اٹھے۔ اس صورت جب یہ پہلی صف میں ہو اور اتفاقِ اقوال سے نماز کا وقت باقی ہو اور اگر دوسری صف میں ہو اور نماز کا وقت کم ہو اور امام کے سلام تک انتظار کرنے میں کا وقت خارج ہوتا ہو تو پھر انتظار نہ کرے بلکہ امام کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد اٹھ جائے تاکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کے سامنے سے کوئی گزر نہ جائے یا اس خوف سے کہ باقی رکعتیں ادا کرتے کرتے نماز کا وقت ختم ہو جائے گا۔ اور اگر قضاء ما سبق کے لئے امام کے سلام اور تشہد سے پہلے اٹھ گیا تو اس مسئلے سے بہت سی صورتیں ہیں۔ اول ایک رکعت کا مسبوق ہو گا، دوم دو رکعات کا مسبوق ہو گا، سوم تین رکعات کا مسبوق ہو گا، چہارم چار رکعات کا مسبوق ہو گا۔ اگر ایک کا مسبوق ہو اور امام کے تشہد پڑھنے کے بعد اتنی قرأت کر چکا ہو جس سے نماز ہو جاتی ہے تو اس کی نماز جائز ہوئی اور اگر اتنی مقدار کی قرأت نہ کی ہو نماز جائز نہیں ہوتی اور دو رکعات کے مسبوق کا بھی یہی حکم ہے اور اگر تین یا چار رکعات کا مسبوق ہو تو اس پر ایک رکعت میں دو چیزیں فرض ہیں، ایک کھڑا ہونا اور دوسرا قرأت کرنا۔ اس لئے اگر امام کے تشہد کے بعد ادنی درجہ کا قیام اور قرأت آخری رکعات میں واقع ہوئی تو نماز جائز ہو گئی۔ اور اگر امام کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے اس نے رکوع کیا اور اسی رکوع پر اکتفا کیا اور پھر امام کے تشہد کے بعد اس رکوع کا اعادہ نہ کیا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو گئی۔ (**الی فراغ الامام**) امام کے فراغ ہونے تک یا مثلِ سلام تک جیسے باتیں اور فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا انتظار کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ چپ چاپ انتظار کرے، کسی نے کہا ہے کہ تشہد آہستہ پڑھے اور یہ قول صحیح ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ وہ دعا پڑھے جو اسے یاد ہو اور "**جامع الصغیر خانی**" میں کہا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ مسبوق بمثلِ امام دعا پڑھے اور کسی نے کہا ہے کہ مسبوقیت کی حفاظت کے لئے تشہد کو بار بار پڑھے اور امام کے سلام کے بعد جلدی نہ اٹھے بلکہ اس وقت اٹھے جب اسے یقین ہو جائے کہ امام نماز کی ضد کے ساتھ فارغ ہو گیا ہے، جیسے فرض نماز کے بعد سنت پڑھنا۔ یا محراب سے تکیہ لگانا یا مسجد سے باہر نکلنا وغیرہ۔

مسئلہ مستحبات پر دوام کرنے کا بیان

بعض علماء کہتے ہیں کہ مستحبات پر دوام کرنا بدعت اور ناجائز ہے، حالانکہ کسی مستحب کام پر مواظبت (ہمیشگی) کرنا درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو واجب سمجھ کر نہ کرے۔ اور یہ اندیشہ بھی نہ ہو کہ لوگ اسے واجب سمجھ لیں گے۔ جیسا کہ مردے کو سفید رنگ کا کپڑا پہنانا مستحب ہے۔ شامی میں ہے: **ویستحب البیاض** (اور سفید کفن مستحب ہے)۔[1012]

مگر فی زمانہ کفن میں سفید رنگ پر مواظبت ہے۔ ہر مسلمان کو سفید رنگ کا کفن ہی دیا جاتا ہے۔ اور کوئی اسے بدعت یا ناجائز اور غلط نہیں کہتا۔

[1012] (شامی ج۳ ص ۱۰۰)

اسی طرح فجر کی اذان میں **الصلوۃ خیر من النوم** کہنا مستحب ہے جیسا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کے وقت یہ الفاظ کہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِجْعَلْهُ فِیْ اَذَانِکَ (ان الفاظ کو اپنی اذان کا حصہ بنالو)۔

اس کے تحت بحر الرائق میں ہے "**وھو للندب**" یعنی اور یہ فرمانا استحباب کے لئے ہے۔[1013]

اور بہار شریعت میں ہے "صبح کی اذان میں فلاح کے بعد **الصلوۃ خیر من النوم** کے الفاظ کہنا مستحب ہے۔[1014]

مگر آج کوئی اذان فجر اس سے خالی نہیں ہوتی اور سب اسے صحیح و درست سمجھتے ہیں۔ جب ان مستحب اعمال پر ہمیشگی منع نہیں ہے تو پھر سبز عمامے پر بھی منع نہیں۔

قیام اللیل یعنی رات کے نوافل مستحب ہیں مگر پابندی کرنے والے کو ترک کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قال لی رسول اللہ ﷺ لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: اے عبد اللہ! تو فلاں کی طرح نہ ہونا کہ رات میں اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔[1015]

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا:

احب الاعمال الی اللہ تعالی ادومھا، وان قَلَّ (یعنی اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہو)۔[1016]

اس حدیث پاک کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے ان کے بارے میں ما قبل راوی کہتے ہیں: **وکانت عائشۃ اذا عملت العمل لزمتہ** یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی عمل کو اپناتیں تو اس کو اپنے اوپر لازم کر لیتیں یعنی پابندی کے ساتھ کرتیں۔[1017]

مستحبات کو قبیح جاننا کفر ہے

مستحبات پر عمل نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، لیکن ان اعمال کو قبیح جاننا، یہ کفر ہے۔

[1013] (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1014] (بہار شریعت ج ۱ حصہ ۳ صفحہ ۴۷۰)

[1015] (صحیح البخاری، باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ، ج ۲ ص ۵۴، دار طق النجاۃ)

[1016] (صحیح مسلم، باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ، ج ۱ ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

[1017] (صحیح مسلم، باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ، ج ۱ ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا: **واستقباح ماجعل اللہ مندوباً ایضاً کفر**۔ یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[1018]

مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں۔

کہ ضروریات دین میں بہت سے امور شرعاً مستحب اور مباح بھی ہوتے ہیں (ظاہر ہے کہ ان پر عمل کرنا فرض نہیں ہو سکتا) مگر ان کے مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخل ایمان ہے اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجب کفر ہے۔[1019]

مستحبات کی برکات:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے مستحبات بھی ضروری ہیں اور تعلیم ان کی بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے برکات و ثمرات بیشمار ہیں۔

مثلاً ایک برکت تو یہ ہے کہ بعض اوقات مستحبات، معصیت سے مانع ہو جاتے ہیں، کیونکہ جو شخص تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کا پابند ہو گا وہ بہ نسبت اس شخص کے معاصی سے زیادہ بچے گا جو محض پانچ وقت کے فرائض کا پابند ہو گا اور علاوہ اس خاصیت کے ایک طبعی راز یہ بھی ہے کہ مستحبات کی پابندی سے یہ شخص تہجد گزار، دیندار مشہور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے گناہوں کے ارتکاب سے وہ خود بھی شرمانے لگتا ہے۔ دوسری برکت یہ ہے کہ بعض وقت کوئی فعلِ مستحب حق تعالیٰ کو ایسا پسند آجاتا ہے کہ وہی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

سیبویہ کی حکایت: چنانچہ سیبویہ نحوی کو جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلہ تھا، مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا، پوچھا کس بات پر؟ کہا کہ ایک نحو کے مسئلے پر، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں علماء نحو نے اختلاف کیا ہے کہ ضمائر کے اندر اعرف المعارف کون سی ضمیر ہے؟ کسی نے متکلم کی ضمیر کو اور کسی نے مخاطب کی ضمیر کو بتلایا، اور میں نے لفظِ اللہ کو اعرف المعارف کہا کہ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ نہیں، کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذاتِ حق کے کسی اور چیز کا احتمال ہی نہیں، بس حق تعالیٰ کو یہ بات پسند آگئی، اور فرمایا تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی، جاؤ تم کو بخش دیا۔ دیکھئے اس نحوی عالم کی مغفرت ایسے عمل پر ہو گئی جو اس نے ثواب کی نیت سے بھی نہ کیا تھا، صرف مسئلہ کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہو گیا۔

ایک اور حکایت: اسی طرح ایک بزرگ جاڑے کی رات میں چلے جا رہے تھے، راستے میں ایک بلی کے بچے کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہے۔ ان کو اس پر رحم آگیا اور اسے اٹھا کر گھر لے آئے اور لحاف میں چھپا لیا۔ جب ان بزرگ کا انتقال ہو گیا تو ان سے سوال ہوا کہ

[1018] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

[1019] (اکفار الملحدین ص ۶۴ مکتبہ لدھیانوی)

بتلاؤ ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ انہوں نے سوچا کہ اعمال تو میرے کسی قابل نہیں ہیں، کہ ان کو پیش کر دوں، لیکن الحمد للہ مجھے ایمان کی دولت حاصل ہے، اس میں ریاء وغیرہ بھی کچھ نہیں ہو سکتا، ایمان کو پیش کرنا چاہیئے۔ اس لئے عرض کیا کہ "میں توحید لایا ہوں"۔ اس پر ارشاد ہوا: أتذکر لیلة اللبن۔ کیا دودھ والی رات بھی یاد ہے؟ تم نے ایک دن دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو جانے پر کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کر دیا۔ کیا یہی توحید ہے؟ کہ درد کے فعل کو اس کی طرف منسوب کیا، ہم کو چھوڑ کر دودھ کو موثر قرار دیا۔ حالانکہ موثر حقیقی تو ہم ہیں۔ اب تو یہ بیچارے تھرّا اُٹھے، ارشاد ہوا تم نے اپنے دعوے کی حقیقت تو دیکھ لی، اب ہم تم کو ایسے عمل پر بخشتے ہیں جس کے متعلق تمہیں یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ موجبِ نجات ہو جائے گا۔ تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے پر جو سردی میں ٹھٹھر رہا تھا، رحم کھا کر اپنے لحاف میں سلایا تھا، تم نے ہماری مخلوق پر رحم کیا، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم پر رحم کریں، جاؤ ہم نے تمہیں بخش دیا۔ سبحان اللہ! یہ ہیں مستحبات کی عنایات و برکات۔[1020]

الباب الخامس فی بیان المحرمات

آٹھ بابوں میں سے یہ پانچواں باب ہے (فی بیان المحرمات) جو نماز کے محرمات[1021] کے بیان میں ثابت ہے (وھی اربعة عشر) اور یہ محرمات چودہ (۱۴) ہیں۔ (فی العموم علی المصلین) عام نمازیوں کیلئے جیسے امام، مقتدی، منفرد، مرد اور عورتیں ہیں اور عام نمازوں میں جیسے فرض، نفل، جہری اور خفی نمازیں ہیں۔ (الجھر بالتسمیة) بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہر کے ساتھ پڑھنا حرام یعنی مکروہ تحریمی ہے۔[1022] فان قیل۔ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم تو مقتدی کے حق میں نہیں ہے تو عموم تسمیہ کس طرح ثابت ہو گا۔ قلنا۔ جہر کا حرام ہونا ان

[1020] (قرۃ العینین فی تفریج القدمین مصنفہ استاذ العلماء مفتی اہلسنت سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی)

[1021] حرام لغت میں حرمت سے مشتق ھے اور حرمت کسی چیز کے منع کو کھا جاتا ھے جیسا کہ فقہاء کے اس قول میں آتا ھے۔ حرم القاتل عن میراث المقتول ای عن میراثہ۔ (قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کیا گیا یعنی میراث سے منع کیا گیا ھے۔) اور شرع میں حرام وہ فعل ھے جو شارع کی طرف سے نہیں (منع) کے ساتھ ثابت ھے۔ اس حرام میں دلیل حل و حرمت کا تعارض نہیں جیسے لحم سباع البھائم۔ (چیر پھاڑ کرنے والے جانوروں کا گوشت) شراب، خنزیر یا سور اور یتیم کا مال کھانا اور حرام کا حکم یہ ھے کہ (قدرت کے ہوتے ہوئے حرام کو) ترک کرنے پر ثواب ھے اور اگر قدرت شرط نہ ہو زیادہ ثواب کے مستحق ہوں گے اور امر ایسے نہیں ھے یعنی حرام کا ترک کرنا صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جس کا حکم آسمانوں اور زمین میں غالب ھے اور جو سارے موجودات سے اعظم و علی ھے اور بغیر شرعی عذر کے حرام پر عمل کرنے سے عذاب ہوتا ھے اور حرام کو حلال جاننے پر کفر ھے اور اس کفر پر علمائے حق کا اتفاق ھے۔ جیسا کہ زنا، شراب اور سود کو حلال سمجھا جائے تو اس کو حلال سمجھنے پر انسان کافر ہو جاتا ھے کیونکہ ان امور کی حرمت علماء کے اتفاق سے ثابت ھے۔ نعوذ باللہ منھا۔ قید متفق کے ساتھ حرام اتفاقیہ سے احتراز ہوا جیسا کہ مذھب حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس جانور کا پیشاب پینا حرام ھے جس کا گوشت کھایا جاتا ھو اور حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ایسے جانوروں کا پیشاب بطور دوا پینا جائز ھے۔ جبکہ حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے پیشاب کو مطلق حلال کھتے ھیں تو اس طرح کے اختلافی حرام کو حلال جاننا کفر نہیں اور ڈھول اور سرنا پیشاب کی مثل ھے۔ ان کو سمجھنے والا فاسق ہوتا ھے نہ کہ کافر۔ (مضمرات تمھید ابو شکور السلمی)

[1022] الحنفیة قالوا الکراھة تنقسم الی قسمین: کراھة التنزیھیة و کراھة تحریمیة۔ فالمکروہ تحریما ما کان الی الحرام اقرب ویمکن توضیحہ بانہ ترک واجب من الواجبات التی ھی اقل من الفرض، ویقال لھا: سنة مؤکدة عندھم، اما المکروہ تنزیھا، فھو ما لا یعاقب علی فعلہ ویثاب علی ترکہ ثوابا یسیراً، ویقال المندوب او المستحب او نحو ذلک من السنن غیر المؤکدة۔ (حنفیہ کھتے ھیں کہ کراھیت کی دو قسمیں ھیں۔ کراھیت تنزیھی اور کراھیت تحریمی۔ اور مکروہ تحریمی وہ امر ھے جو حرام کے بہت قریب ہوتا ھے اس کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی

لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کو پڑھنا ہو اور مقتدی اس قسم میں سے نہیں تو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت اس طرح ہو جائے گی۔ **الجھر بالتسمیۃ**[1023]۔ اور دوسری بات یہ کہتا ہوں کہ عموم امور اضافیہ میں سے ہے اور تسمیہ کے عموم جہر کی نسبت امام اور منفرد کے ساتھ ہے۔ **فان قیل** کہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اور آمین میں اخفاء سنت ہے تو دونوں کا جہر مکروہ ہونا چاہیئے۔ **قلنا**۔ حرام عموم مجاز کے معنی میں ہے کہ حرامِ قطعی کی منع ایک فرد کیلئے ہو اور مکروہ دوسرا فرد ہو اور مراد مکروہ ہو نہ کہ حرام۔

(والجھر بالتامین) اور آمین کو جہر کے ساتھ پڑھنا حرام ہے اور اس بات میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام جہری نماز میں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اور آمین کو جہر کے ساتھ پڑھے کیونکہ حضور ﷺ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اور آمین کو جہر سے پڑھتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ[1024] **اربع یخفیھن الامام والمنفرد الثناء والتعوذ والتسمیۃ والتامین۔ عن عُمرَ بنِ الخَطّابِ أنَّه قال: يُخفي الإمامُ أربعًا: التعوُّذَ، وبِسمِ اللهِ الرَّحمنِ الرَّحيمِ، وآمين، وربَّنا ولك الحمدُ۔**[1025] اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی ان چار چیزوں پر جہر نہیں کیا اور ان پر جہر کی روایت جو حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ ابتدائے اسلام سے متعلق ہے۔

﴿آمین آہستہ کہنا﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿**اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ**﴾ ترجمہ: تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"[1026]

وضاحت: مذکورہ آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آہستہ دُعاء کرنے کا حکم دیا ہے اور آمین کہنا بھی ایک دُعاء ہے، چنانچہ:

(1) حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آمین کہنا دُعاء ہے۔[1027]

ھے کہ (مکروہ تحریمی) ایسا ھے جیسے کسی امر واجب کا، جو فرض سے کم ھے ترک کرنا حنفیہ سنت مؤکدۃ کو واجب قرار دیتے ھیں۔ مکروہ تنزیھی وہ امر ھے جس کے کرنے سے عذاب نھیں ھے لیکن اس کو ترک دینے سے ثواب ھے جو مندوب اور مستحب وغیرہ غیر مؤکدہ سنتوں کے بجالانے کے مترادف ھے۔)

[1023] **بسم اللہ** پڑھنا اس شخص کیلئے حرام ھے جس پر **بسم اللہ** پڑھنی ھو یعنی ان جگھوں پر **بسم اللہ** جھاں پڑھی جاتی ھے۔

[1024] اور چار چیزیں ھیں جن کو امام اور منفرد آھستہ پڑھیں گے اول سبحانک اللھمھدوم اعوذ باللھسوم بسم اللہ چھارم آمین۔

[1025] ابن عبد البر (٤٦٤ھ)، الإنصاف بين علماء المسلمين ٢٤٧•

[1026] (الأعراف: 55، آسان ترجمہ قرآن)

[1027] (بخاری: 156/1)

(2)حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعاء پر جو آمین کہا تھا اُس کو بھی قرآن کریم میں "دُعاء" قرار دیا گیا ہے۔[1028]

(3) آمین کا معنی ہی دُعاء کے ہیں، چنانچہ اس کے معنی "اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ" کے ہیں، یعنی اے اللہ! سن لیجئے اور قبول فرمالیجئے۔ لہٰذا مذکورہ بالا وجوہات کی بنیاد پر آمین بھی قرآن کریم کے مطابق آہستہ اور خفیہ کہنا چاہیئے تاکہ دُعاء کے اَدب کا لحاظ اور اُس کی رِعایت کی جاسکے۔ لفظِ آمین کو اللہ کے ناموں میں سے ایک نام بھی کہا گیا ہے، چنانچہ کئی روایات میں ہے: "آمِينَ: اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ" یعنی آمین اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔[1029]

پس گویا آمین کہنے والا اللہ کا ذکر کرتا ہے اور ذکر میں اصل "اِخفاء" یعنی خاموشی سے ذکر کرنا ہے، چنانچہ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے آہستہ ذکر کرنے کا حکم دیا ہے، پس اِس سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا چاہیئے تاکہ ذکر کے اَدب کا لحاظ اور اُس کی رِعایت کی جاسکے۔ علّامہ فخر الدّین رازی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ شافعی المسلک ہیں، اُنہوں نے آمین کے بارے میں اِسی مذکورہ بالا تحقیق کو بڑے اچھے اور عُمدہ انداز میں پیش کیا ہے، جو اُن ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں: "فِي قَوْلِهِ: «آمِينَ» وَجْهَانِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّهُ دُعَاءٌ. وَالثَّانِي: أَنَّهُ مِنْ أسماء اللهِ، فَإِنْ كَانَ دُعَاءً وَجَبَ إِخْفَاؤُهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً وَإِنْ كَانَ اسْمًا مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى وَجَبَ إِخْفَاؤُهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً﴾ فَإِنْ لَمْ يَثْبُتِ الْوُجُوبُ فَلَا أَقَلَّ مِنَ النَّدْبِيَّةِ وَنَحْنُ بِهَذَا الْقَوْلِ نَقُولُ"۔[1030]

ترجمہ: آمین کے بارے میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ دُعاء ہے اور دوسرا یہ کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پس اگر یہ دُعاء ہے تو اس کو ہلکی آواز میں پڑھنا واجب ہے اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: "تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو" اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے تب بھی اس کو ہلکی آواز میں پڑھنا واجب ہے، اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یاد کرتے رہو"۔ پس اگر (آمین کو آہستہ کہنے کا) وجوب ثابت نہ بھی ہو تب بھی یہ مستحب ہونے سے کم تو نہیں ہوگا، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَرَأَ: {غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ} قَالَ: "آمِينَ" وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ۔[1031]

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور جب سورہ فاتحہ ختم کی تو آہستہ آواز میں آمین کہی۔

[1028](یونس:89)(تفسیر بغوی)

[1029](مصنّف ابن ابی شیبہ:7971)

[1030](تفسیر کبیر للرازی:282/14)

[1031](مسند احمد:18854)

عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا لَا يَجْهَرَانِ بِ{بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ}وَلَا بِالتَّعَوُّذِ,وَلَا بِالتَّأْمِينِ۔[1032]

ترجمہ:حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما تسمیہ ، تعوذ اور آمین بلند آواز میں نہیں کہا کرتے تھے ۔خَمْسٌ يُخْفِيَنَّ:سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ,وَالتَّعَوُّذُ,وَبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ,وَآمِينَ,وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔[1033]

ترجمہ:مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:پانچ چیزیں آہستہ آواز میں کہیں گے:ثناء، تعوذ،تسمیہ، آمین اور تحمید۔

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ,قَالَ:أَخْبَرَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ,قَالَ:سَمِعْتُ حُجْرًا أَبَا الْعَنْبَسِ قَالَ:سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ, يُحَدِّثُ عَنْ وَائِلٍ, وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنْ وَائِلٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَرَأَ{غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ}قَالَ:«آمِينَ»خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ۔[1034]

ترجمہ:حضرت شُعبہ سے مَروی ہے کہ سلمہ بن کُہیل فرماتے ہیں کہ میں نے حُجر ابو العنبَس سے سنا ہے وہ فرمارہے تھے کہ میں نے علقمہ بن وائل سے سنا،وہ(اپنے والد)حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جبکہ(حضرت حُجر ابو العنبَس کے قول کے مطابق)میں نے خود بھی حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ اُنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی،جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے(سورۃ الفاتحہ کے اختتام پر)﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾پڑھاتو آہستہ آواز میں آمین کہا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا تعارض:

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت حدیث کی کئی معتبر کتابوں میں موجود ہے، اِس کو حضرت سُفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اوراِمام شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ دونوں ہی نے نقل کیا ہے،حضرت شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آمین آہستہ کہنے کا تذکرہ ہے جبکہ حضرت سُفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ زور سے آمین کہنا نقل کرتے ہیں،اور دونوں ہی کی روایت کردہ حدیث صحیح ہے،اس میں صحت وضعف کا کوئی فرق نہیں،لہٰذا روایات کے اِس تعارض کو دور کرنے کیلئے ترجیح کے طریقے پر عمل کیا گیا ہے،آمین بالجہر کے قائلین نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو ترجیح دی ہے جبکہ آمین بالسّر کے مسلک کو اختیار کرنے والے اِمام شُعبہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

﴿آمین بالسّر کی روایت کے راجح ہونے کی وجوہات﴾حضرت شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جس میں آمین کا سراً ہونا مذکور ہے،اُس کے راجح ہونے کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:(1)آمین کے آہستہ کہنے کی روایت اَوفَق بالقرآن یعنی قرآن کریم کے زیادہ مطابق ہے،اِس لئے

[1032](شرح معانی الآثار:1208)

[1033](مصنف عبدالرزاق:2597)

[1034](مسند ابو داؤد الطیالسی:1117)

کہ "آمین" بالاتفاق ایک دُعائیہ کلمہ ہے اور دُعاء کے بارے میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے کہ اُسے آہستہ مانگنا چاہیئے، پس اِسی لئے آمین کا کلمہ بھی آہستہ ہی کہنا چاہیئے۔

(2) آمین کے آہستہ کہنے پر بہت سے صحابہ کرام حتیٰ کہ خلفاء راشدین اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور تابعین کا بھی عمل ہے جو خود ایک بہت بڑی وجہ ترجیح ہے جس سے حضرت شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی آمین بالسّر کی روایت کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے۔(3) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زور سے آمین کہنا تعلیم و تلقین کیلئے یعنی سکھانے کیلئے تھا، مستقل عادتِ شریفہ نہیں تھی، چنانچہ خود صحابیِ رسول حضرت ابووائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "فَقَالَ: «آمِينَ» يَمُدُّ بِهَا صَوْتَهُ مَا أَرَاهُ إِلَّا يُعَلِّمُنَا" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورۃ الفاتحہ کے بعد) بلند آواز سے آمین کہا، جس کے بارے میں میرا خیال یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھانے کیلئے زور سے آمین کہا تھا۔[1035]

اِسی طرح حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے: "فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ: «آمِينَ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ" کے الفاظ مَروی ہیں، یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الفاتحہ سے فارغ ہوئے تو تین مرتبہ آمین کہا۔[1036]

غور کیجئے! مذکورہ روایت کا اِس کے علاوہ کوئی مطلب نہیں کہ یہ تین مرتبہ آمین کہنا لوگوں کو تعلیم دینے اور اُنہیں سکھانے کیلئے تھا، پس جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلافِ معمول ایک سے زائد مرتبہ آمین کہنا لوگوں کو سکھانے کیلئے تھا اِسی طرح خلافِ معمول آواز سے آمین کہنا بھی تعلیم و تلقین کیلئے تھا، کوئی مستقل عادتِ شریفہ نہیں تھی، ورنہ ان روایاتِ جہریہ کے ہوتے ہوئے حضرت عُمر، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کے سراً آمین کہنے کا کیا مطلب ہوگا۔

(4) آمین کے زور سے کہنے کا مطلب بہت زیادہ اونچی آواز کے ساتھ آمین کہنا نہیں بلکہ اس سے "جہرِ خفیف" یعنی ہلکی آواز سے آمین کہنا مراد ہے جو سراً آمین کہنے کے خلاف نہیں، اور اس کی تائید کئی روایات سے ہوتی ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آمین کہنے کی کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے: "حَتَّى يَسْمَعَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الفاتحہ کے اختتام پر اتنی آواز سے آمین کہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل پہلی صف کے کچھ لوگوں نے سنا۔[1037]

روایتِ مذکورہ میں "مِنْ" تبعیضیہ یعنی بعضیت کو بیان کرنے کیلئے ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ "پہلی صف کے کچھ لوگوں نے سنا" پوری صف کے لوگوں کا سننا مراد نہیں، کیونکہ اگر یہ تبعیض کیلئے نہ ہو اور مطلب یہ لیا جائے کہ پہلی صف کے تمام لوگوں نے سن لیا تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ یہ کیسے مُمکن ہو سکتا ہے کہ پہلی صف میں دور تک دائیں بائیں جانب کے تمام لوگوں نے تو سن لیا ہو لیکن اِمام کے بالکل پیچھے قریب

[1035] (الکنیٰ والاسماء للدولابی: 1090)

[1036] (طبرانی کبیر: 22/22)

[1037] (ابوداؤد: 934)

کے دوسری صف میں کھڑے ہوئے لوگوں تک بھی آواز نہ پہنچی ہو۔اِسی طرح ایک روایت میں ہے:"حَتَّى يُسْمِعَ مَنْ يَلِيهِ"یعنی آپ ﷺ اِتنی آواز سے آمین کہتے کہ اپنے سے متصل لوگوں کو سنادیا کرتے تھے۔[1038]

پس اِن روایات کی روشنی میں روایاتِ جہریہ کا مطلب بھی "جہرِ خفیف" ہی لیا جائے گا اور یہ نبی کریم ﷺ کا یہ عمل بھی لوگوں کو تعلیم دینے اور سکھانے کیلئے تھا۔پس اِس طرح روایات کا باہمی تضاد بھی باقی نہ رہے گا، حضرات صحابہ کرام کے عمل کی اتباع بھی ہو جائے گی اور دُعاء کا جو اصل ادب ہے اُس کی رعایت بھی ہو سکے گی۔

فان قیل۔کہ آمین یا تو **الحمد** سے مربوط ہے یا پھر **الحمد** سے مربوط نہیں ۔ اگر **الحمد** سے مربوط ہو تو آمین کا جہر واجب ہونا چاہیئے اور اگر یہ **الحمد** سے مربوط نہیں تو آمین کہنے سے سجدہ سہو واجب ہونا چاہیئے کیونکہ **الحمد** کے ساتھ سورت کو ضم کرنا واجب ہے جبکہ آمین، **الحمد** اور سورت کے درمیان فاصل یعنی فاصلہ پیدا کرنے والی ہوئی۔ **قلنا**۔آمین معنی فاتحہ سے مربوط ہے اس لئے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اور فصل یعنی فرق بھی لازم نہ ہوا اور لفظاً فاتحہ سے نہیں اس لئے کہ دونوں شبہوں پر عمل کی وجہ سے اس کا جہر واجب نہ ہوا اور آمین معنی الحمد سے اس لئے ہے کہ یہ الحمد کے معنی کی تاکید کرتی ہے کہ معنی یہ ہے کہ اے اللہ جس طرح میں نے الحمد میں عرض کی ہے اس طرح کر دے۔**من الصفات و الثناء و السوال من الغضب و الاضلال**۔اور وہ صفت ہو یا ثناء یا سوال ہو غضب اور گمراہی سے کہ اے اللہ اس سے مجھ کو بچائے۔ **(و الالتفات یمینا و شمالا۔)** دائیں اور بائیں جانب نظر پھیرنا حرام یعنی مکروہ تحریمی ہے۔**(بتحویل بعض الوجہ۔)** تھوڑا سا چہرہ پھیرتے ہوئے اور پورا چہرہ پھیرتے ہوئے نظر کرنا ظناً حرام ہے اور سینہ پھیرتے ہوئے نظر کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور چہرے کو قبلے کی طرف متوجہ کرنا فرض ہے جو ساقط ہو گیا اس لئے نماز فاسد ہوئی۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے التفات نماز کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔إنَّما هو اختلاسٌ يختلِسه **الشَّيطانُ** مِن صلاةِ العبدِ۔[1039] یہ ایک موقع ہے کہ شیطان بندے کی نماز سے چوری کر لیتا ہے۔" اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔**لا يزالُ اللهُ مُقبلاً على العبدِ في صلاتِهِ مالم يلتفت فإذا صرفَ وجْهَهُ انصرفَ عنْهُ**۔[1040]"اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس وقت تک دیکھتا ہے جب تک بندہ نماز میں ہو اور اس وقت تک دیکھتا ہے جب تک بندہ کسی دوسری طرف نہ دیکھے اور جب وہ

[1038] (مصنف عبدالرزاق:2632)

[1039] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري ٣٢٩١ • أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٩١٠ • ابن حبان (٣٥٤هـ)، صحيح ابن حبان ٢٢٨٧ • العقيلي (٣٢٢هـ)، لسان الميزان ٥/٥٨ • ابن عبد البر (٤٦٤هـ)، التمهيد ١٧/٣٩١ • موفق الدين ابن قدامة (٦٢٠هـ)، المغني ٢/٣٩١ • الألباني (١٤٢٠هـ)، صحيح الجامع ٧٠٤٧ • صحيح الترمذي ٥٩٠ • والنسائي (١١٩٦)، وأحمد (٢٤٤١٢)

[1040] ابن حزم (٤٥٦هـ)، المحلى ٣/٧٧ • المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٢٥٤ • المزي (٧٤٢هـ)، تهذيب الكمال ٢١/١٣ • الزيلعي (٧٦٢هـ)، نصب الراية ٢/٨٩ • ابن رجب (٧٩٥هـ)، فتح الباري لابن رجب ٤/٣٩٩ • الرباعي (١٢٧٦هـ)، فتح الغفار ١/٤٠٧ • الألباني (١٤٢٠هـ)، صفة الصلاة ٩٠ • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج رياض الصالحين ١/٤٨٧ • أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٩٠٩ • البغوي (٥١٦هـ)، شرح السنة ٢/٣١٦ • العراقي (٨٠٦هـ)، المستخرج على المستدرك ٨٥ • ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، تخريج مشكاة المصابيح ١/٤٤٥ • الكمال بن الهمام (٨٦١هـ)، شرح فتح القدير ١/٤٢١ • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج مشكل الآثار ١٤٢٨ •

دوسری طرف دیکھتاہے تواللہ تعالیٰ اس سے نظر پھیرلیتاہے۔یہ حدیث جواس باب میں بیان کی گئی ہے نہ کہ حرمت ۔اورآنکھوں کے گوشوں سے دائیں بائیں دیکھنے کومباح کہا گیاہے کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کا فعل موجود نہیں۔

(والنظرالی السماء) اور(سر کوچہرے کے ساتھ برابر رکھتے ہوئے)آسمان کی طرف نظر کرناحرام ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔[1041] **مابالُ أقوامٍ يرفعونَ أبصارَهم إلى السَّماءِ حتّى اشتدَّ قولُهُ في ذلِكَ لَينتَهِنَّ عن ذلِكَ أو ليخطفَنَّ اللهُ أبصارَهم**۔[1042] کیونکہ نماز میں آنکھوں کا آسمان کی طرف اٹھانا بھی التفات ہے اورالتفات حرام ہے اور مطلوب الفقہ میں ذکر ہے کہ آسمان کی طرف نہ دیکھنا ادب ہے اور شیخ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے زواجر میں ذکر کیاہے کہ نماز کی حالت میں آسمان کی طرف نظر کرنا کبائر میں سے ہے۔

(والاتکاءعلی الاسطوانة) اور نماز میں ستون کے ساتھ تکیہ لگاناحرام ہے۔(اوالیدین) یادونوں ہاتھوں کے ساتھ البتہ ایک ہاتھ سے تکیہ لگانامکروہ ہے نہ کہ حرام۔(ونحوهمابلاعذر) یاکسی دوسری چیز کے ساتھ تکیہ لگاناجیسے دیوار،لاٹھی،درخت اورپتھر وغیرہ بغیر عذر کے یعنی عذر کی وجہ سے تکیہ لگانامکروہ نہیں بلکہ مباح ہے جیسے مرض یابڑھاپے کی وجہ سے۔اور عذر کی وجہ سے تکیہ لگانانماز فرض، واجب اور سنتوں میں مباح ہے جبکہ نفل نماز میں اتفاق کے ساتھ بغیر عذر کے بھی تکیہ لگاناجائز ہے۔

فان قیل۔اول۔تکیہ کوعمومات حرام نماز میں شمار کرنا صحیح نہیں کیونکہ نوافل میں مکروہ نہیں ۔دوم۔اس بات میں مکروہات کے باب سے مخالف ہوئی کیونکہ مکروہات کے باب میں کہاہے کہ [1043] **والاعتمادعلی الاستوانةمکروہ فی غیر نوافل**۔ہم اول کاجواب دیتے ہیں کہ عموم اموراضافیہ میں سے ہے توتکیہ کاعموم فرض،واجب اور سنت کاہے۔اوردوم کاجواب یہ ہے کہ تکیہ اوراعتماد کے درمیان لغۃً فرق ہے یعنی تکیہ قیام،رکوع،سجدہ اور قعدہ کی حالت میں جسم کے ساتھ ہوتاہے اوراعتماد سجدہ سے اٹھنے کی حالت میں ہاتھوں کے ساتھ خاص ہے جیساکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب نمازی پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائے توجلسہ خفیفہ کرے پھر قیام کیلئے اٹھے اوراٹھنے میں دونوں ہاتھوں سے تکیہ کرتے ہوئے اٹھے۔

(ورفع الیدین فی غیر ماشرع) اورہاتھوں کوان جگہوں کے علاوہ اٹھاناحرام ہے جہاں پرہاتھوں کواٹھاناجائز ہے اوروہ جگہیں ہمارے مذہب کے مطابق سات ہیں۔تین نماز میں کہ وہ تکبیر اولیٰ،تکبیر قنوت اور تکبیرات عیدین ہیں اور چارحج کے موقع پر۔اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نمازی تکبیر رکوع سے پہلے اور تکبیر رکوع سے اٹھنے کے بعد بھی ہاتھ اٹھائے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ

[1041] کیسے ھیں وہ لوگ جونماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھالیتے ھیں حضور ﷺ نے بھت شدت کے ساتھ یہ بات ظاھر کی یھاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس دیکھنے سے ان کی بصارت جاتی رھے گی یاآنکھ چندھی ھو جائے گی۔

[1042] الألباني(١٤٢٠هـ)، صحيح ابن ماجه٨٦٣ •صحيح •أخرجه البخاري(٧٥٠)، وأبو داود(٩١٣)، والنسائي(١١٩٣)، وابن ماجه(١٠٤٤) واللفظ له، وأحمد(١٢٠٦٥) •شرح رواية أخرى۔

[1043] اور دیوار یاستون کے ساتھ تکیہ لگانامکروہ ھے بغیر نفل نماز کے یعنی نفلوں میں تکیہ لگاناجائز ھے۔

عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ تکبیر افتتاح، تکبیر رکوع اور تکبیر رکوع سے اٹھنے میں بھی ہاتھ اٹھاتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ صرف تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھاتے تھے اوراس کے بعد تکبیرات نماز میں سے کسی تکبیر میں بھی ہاتھ نہ اٹھاتے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کی مذکورہ حدیث ابتدائے اسلام کے متعلق ہے جو حضرت امام اعظم صوفی کوفی رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت سے منسوخ ہو چکی ہے۔

﴿رکوع میں جاتے اور اٹھتے ہوئے رفع یدین نہ کرنا﴾

اِس مسئلہ میں بھی بعض لوگ بڑی شدّت اور غُلو سے کام لیتے ہیں اور رفعِ یدین نہ کرنے والوں کی نماز کو فاسد اور ناقص قرار دیتے ہیں، اِس لئے اِس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا جارہا ہے تاکہ حقیقت کو اچھی طرح سمجھا جاسکے: نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے ہوئے یا رکوع سے اُٹھتے ہوئے ہاتھوں کو کانوں تک نہیں اُٹھایا جاتا اور اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ قَالَ: أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً۔[1044]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے سفر و حضر کے ساتھی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ لوگوں سے فرمانے لگے: میں تمہیں نبی کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ نہ بتاؤں؟ اُس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ تکبیر میں ہاتھوں کو اٹھایا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ»۔[1045]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، انہوں نے سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں بھی اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ لَا يَعُودُ۔[1046]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مَروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں قریب تک اُٹھاتے پھر اُس کے بعد (رکوع میں جاتے ہوئے یا رکوع سے اُٹھتے ہوئے) دوبارہ نہیں اُٹھاتے تھے۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتَّى انْصَرَفَ۔[1047]

[1044] (نسائی:1058)(ابو داؤد:748)

[1045] (مسند ابو یعلیٰ موصلی:5039)

[1046] (ابو داؤد:748)

[1047] (ابو داؤد:752)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ نے نماز کے شروع میں اپنے ہاتھ اُٹھائے پھر فارغ ہونے تک دوبارہ نہیں اُٹھائے۔ حضرت براء بن عازب اور عباد بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں بھی نبی کریم اکا یہی عمل منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھایا اور اُس کے بعد نماز سے فارغ ہونے تک دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھائے۔

عَن عباد بن الزبير رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانَ إِذا افْتتح الصَّلَاة رفع يَدَيْهِ فِي أول الصَّلَاة ثمَّ لم يرفعهما فِي شَيْء حَتَّى يفرغ۔[1048]

ترجمہ: حضرت عباد بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مَروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو نماز کے شروع میں اپنے ہاتھ اُٹھاتے پھر (نماز سے) فارغ ہونے تک کسی بھی رکن میں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ»۔[1049]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس (حجرہ سے) نکل کر تشریف لائے اور فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں تم لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ نماز میں اپنے ہاتھوں کو ایسے اُٹھا رہے ہو جیسے وہ بدکے ہوئے گھوڑے کی دُمیں ہیں (ایسا نہ کیا کرو) نماز میں سکون سے رہا کرو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ حِينَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ وَحِينَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَيَنْظُرُ إِلَى الْبَيْتِ، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الصَّفَا، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الْمَرْوَةِ، وَحِينَ يَقِفُ مَعَ النَّاسِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ وَبِجَمْعٍ، وَالْمَقَامَيْنِ حِينَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ»۔[1050]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں: ہاتھوں کو صرف سات مقامات پر اُٹھایا جائے گا: نماز شروع کرتے ہوئے، جب مسجدِ حرام میں داخل ہو کر بیت اللہ پر نگاہ پڑے، جب صفاء کی پہاڑی پر چڑھے، جب مَروہ کی پہاڑی پر چڑھے، جب عرفہ کی شام لوگوں کے ساتھ وقوف کرے، اور مزدلفہ میں (وقوفِ مزدلفہ کے وقت) دونوں مقام پر جبکہ جمرہ کی رمی کرے۔

ترکِ رفعِ یدین کے مسئلہ میں خلفاءِ راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا عمل:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[1048] (الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ:152/1)

[1049] (مسلم:430)

[1050] (طبرانی کبیر:12072)

"صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ"

میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، انہوں نے سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں بھی اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔[1051]

حضرت اسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ إِلَّا حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ" میں نے سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، اُنہوں نے نماز کے شروع میں تکبیر کے علاوہ کسی اور جگہ ہاتھ نہیں اُٹھایا۔[1052]

حضرت عاصم بن کلیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں: "أَنَّ عَلِيًّا، كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، ثُمَّ لَا يَعُودُ" حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر (آخر تک) دوبارہ نہیں اُٹھاتے۔[1053]

اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت نُعیم مُجمر اور ابو جعفر قاری رحمۃ اللہ علیہما نے خبر دی ہے: "أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُصلّي بِهِم فَكَبَّر كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اُنہیں نماز پڑھاتے تھے تو ہر اُٹھتے اور جھکتے ہوئے تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہتے تھے۔

حضرت ابو جعفر قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَكَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِيْنَ يُكَبِّرُ وَيَفْتَحُ الصَّلٰوةِ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے۔[1054]

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: "كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَا يَسْتَفْتِحُ، ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا" یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کے شروع میں (تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے) ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر (آخر تک) نہیں اُٹھاتے۔[1055]

حضرت مُجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مَا رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَا يَفْتَتِحُ" میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دیکھا۔[1056]

[1051] (مسند ابو یعلیٰ موصلی: 5039)

[1052] (مُصنّف ابن ابی شیبہ: 2454)

[1053] (مصنّف ابن ابی شیبہ: 2442)

[1054] (مؤطا امام محمد: 88)

[1055] (مصنّف ابن ابی شیبہ: 2443)

[1056] (مصنّف ابن ابی شیبۃ: 2452)

حضرت مُجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ" میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی، اُنہوں نے نماز کی صرف تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اُٹھایا۔[1057]

ترکِ رفعِ یدین کے مسئلہ میں کبار تابعین کا عمل:

حضرت اسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، ثُمَّ لَا يَعُودُ، قَالَ: وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ، وَالشَّعْبِيَّ يَفْعَلَانِ ذَلِكَ" میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پہلی تکبیر (تکبیرِ تحریمہ) میں اپنے ہاتھ اُٹھاتے پھر دوبارہ (آخر تک) نہیں اُٹھاتے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہما کو بھی دیکھا کہ وہ بھی اِسی طرح کرتے تھے۔[1058]

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے: "أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرِ، ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا" وہ صرف پہلی تکبیر (یعنی تکبیرِ تحریمہ) میں ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر (آخر تک) نہیں اُٹھاتے۔[1059]

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لَا تَرْفَعْ يَدَيْكَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ إِلَّا فِي الِافْتِتَاحَةِ الْأُولَى" نماز کے شروع میں (تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے) ہاتھ اُٹھاؤ اور اس کے علاوہ نماز کے کسی بھی رکن میں مت اُٹھایا کرو۔[1060]

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "إِذَا كَبَّرْتَ فِي فَاتِحَةِ الصَّلَاةِ فَارْفَعْ يَدَيْكَ، ثُمَّ لَا تَرْفَعْهُمَا فِيمَا بَقِيَ" جب تم نماز کے شروع میں تکبیر کہو تو اپنے ہاتھوں کو اُٹھاؤ پھر بقیہ پوری نماز میں ہاتھوں کو نہ اُٹھاؤ۔[1061]

حضرت اسود اور حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں آتا ہے: "كَانَا يَرْفَعَانِ أَيْدِيَهُمَا إِذَا افْتَتَحَا ثُمَّ لَا يَعُودَانِ" وہ دونوں نماز کے شروع میں ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے پھر دوبارہ نہیں اُٹھاتے۔[1062]

[1057] (طحاوی:1357)

[1058] (طحاوی:1364)

[1059] (مصنف ابن ابی شیبہ:2444)

[1060] (مصنف ابن ابی شیبہ:2447)

[1061] (مصنف ابن ابی شیبہ:2445)

[1062] (مصنف ابن ابی شیبہ:2453)

حضرت ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ وَأَصْحَابُ عَلِيٍّ لَا يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ، قَالَ وَكِيعٌ: ثُمَّ لَا يَعُودُونَ" حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے شاگرد صرف نماز کے شروع میں (تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے) ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے۔ حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ دوبارہ نماز کے آخر تک دوبارہ ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔[1063]

اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لَا أَعْرِفُ رَفْعَ الْيَدَيْنِ فِي شَيْءٍ مِنْ تَكْبِيرِ الصَّلَاةِ لَا فِي خَفْضٍ وَلَا فِي رَفْعٍ" کہ میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ (نماز کے اندر) کسی چیز میں رفعِ یدین نہیں جانتا، نہ ہی جھکنے میں اور نہ اُٹھنے میں۔ اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت عبد الرحمان بن قاسم فرماتے ہیں: "كَانَ رَفْعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ مَالِكٍ ضَعِيفًا إِلَّا فِي تَكْبِيرَةِ الْإِحْرَامِ" تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفعِ یدین کرنا اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضعیف مسلک تھا۔[1064]

اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ترکِ رفعِ یدین کا مسلک اِس لئے اختیار کیا کیونکہ اُن کے نزدیک اہلِ مدینہ کا عمل ایک حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ علّامہ ابن قیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مِنْ أُصُولِ مَالِكٍ اتِّبَاعُ عَمَلِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَإِنْ خَالَفَ الْحَدِيثَ" یعنی اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اُصول میں سے ہے کہ وہ اہلِ مدینہ کے عمل کی اتباع کرتے ہیں اگرچہ وہ حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔[1065]

پس اِس سے معلوم ہوا کہ مدینہ منوّرہ جو کہ اہلِ علم اور عالَمِ اِسلام کا عظیم مرکز ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جائے سکونت ہے، وہاں کے رہنے والے بھی تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ کہیں رفعِ یدین نہیں کیا کرتے تھے، نیز اِسی سے یہ بھی واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل "ترکِ رفعِ یدین" کا تھا، اِسی وجہ سے خلفاء راشدین صحابہ کرام اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے اِسی کو اختیار کیا ہے۔ علم و عمل کا عظیم مَرکز جسے دنیا "کوفہ" کے نام سے جانتی ہے، اور جہاں حضرات صحابہ کرام و تابعین کی ایک بڑی جماعت رہی ہے، وہاں کے رہنے والوں کا بھی مسلک "ترکِ رفعِ یدین" ہی کا تھا، چنانچہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ" یعنی بے شمار اہلِ علم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اسی کے قائل ہیں اور یہی حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ کوفہ کا قول ہے۔ (یعنی نماز میں صرف تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفعِ یدین کیا جائے گا)۔[1066]

فقہِ حنفی کے سب سے بڑے ناقل حضرت اِمام محمّد رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "مؤطاءِ اِمام محمد" میں لکھتے ہیں:

[1063] (مصنّف ابن ابی شیبہ: 2446)

[1064] (المدوّنۃ الکبریٰ: 165/1)

[1065] (بدائع الفوائد للجوزی: 32/4)

[1066] (ترمذی، رقم الحدیث: 257)

"فَأَمَّا رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ فَإِنَّهُ يَرْفَعُ الْيَدَيْنِ حَذْوَ الْأُذُنَيْنِ فِي ابْتِدَاءِ الصَّلٰوةِ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِي شَيْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَهٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ" اور بہر حال نماز میں رفعِ یدین کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک مرتبہ نماز کی اِبتداء میں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھائے، پھر اس کے بعد نماز میں کسی بھی جگہ ہاتھ نہ اُٹھائے۔ اور یہ سب حضرت اِمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔[1067]

رفعِ یدین کی روایات قابلِ عمل کیوں نہیں:

ائمّہ اربعہ میں دو بڑے اور مشہور اِمام یعنی اِمام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے کھڑے ہوتے ہوئے رفعِ یدین کے قائل نہیں، اور اُنہوں نے رفعِ یدین کی روایات کو اِس لئے ترجیح نہیں دی کیونکہ وہ احادیث متن کے اعتبار سے مضطرب (مختلف) ہونے کی وجہ سے قابلِ اِستدلال نہیں، چنانچہ رفعِ یدین کی "اَصح مافی الباب" یعنی سب سے زیادہ صحیح روایت جس کو رفعِ یدین کے بارے میں سب سے مضبوط اور ٹھوس دلیل قرار دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اُسے "حجۃ اللہ علی الخلق" کا درجہ دیا گیا ہے، وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے، جسے اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے: "عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا یہ طریقہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں تکبیر کہتے ہوئے، رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اُٹھا کر رفعِ یدین کیا کرتے تھے۔[1068]

لیکن یہ حدیث متن کے اعتبار سے مضطرب (یعنی مختلف) ہے، یعنی اِس کے الفاظ کے اندر بڑی کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے یہ حدیث قابلِ اِستدلال نہیں، اور اِس کے اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں بکثرت یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ نماز میں رفعِ یدین یعنی ہاتھوں کے اُٹھانے کا عمل کتنی مرتبہ اور کہاں کہاں کیا جائے گا، چنانچہ: ☆... ایک روایت میں صرف رکوع سے اُٹھ کر رفعِ یدین کا ذکر ہے۔[1069] ☆... ایک روایت میں دو رکعتوں کے بعد تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے بعد بھی رفعِ یدین کا ذکر ہے۔[1070] ☆... صرف سجدہ میں جاتے ہوئے بھی رفعِ یدین کا ذکر ہے۔[1071] ☆... ایک اور روایت میں ہر خفض و رفع یعنی نماز میں ہر اونچ نیچ کے وقت رفعِ یدین کا ذکر ہے۔[1072] ☆... ایک روایت میں صرف نماز کے شروع میں تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے رفعِ

[1067] (مؤطا اِمام محمّد: 90، 91، میزان)

[1068] (بخاری: 735)

[1069] (مؤطا مالک: 210)

[1070] (بخاری: 739)

[1071] (طبرانی اوسط: 16)

[1072] (شرح مشکل الآثار: 5831)

یدین کا ذکر ہے۔[1073] مذکورہ بالا تمام احادیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مَروی ہیں، اور ان سب میں دیکھ لیجئے کہ کس قدر شدید متن کا اختلاف و اضطراب پایا جاتا ہے، نیز خود حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو کہ اِس "أصح مافی الباب" روایت کے راوی ہیں، خود اُن کا عمل بھی رفعِ یدین کا نہیں تھا، چنانچہ مشہور اور جلیل القدر تابعی حضرت مُجاہد رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ایک طویل زمانہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گزارا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دیکھا۔[1074]

جبکہ ترکِ رفعِ یدین کی روایات غیر مضطرب ہیں جن میں سند اور متن کا کوئی اختلاف اور اضطراب بھی نہیں پایا جاتا، اور نہ ہی اُن کے راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہے پس ایسے میں اُنہیں کیوں اختیار نہ کیا جائے اور وہ کیوں قابلِ ترجیح نہ ہوں۔ اور پھر اُس پر مزید یہ کہ وہ روایات قرآن کریم کے مُوافق اور تعاملِ صحابہ کے مطابق بھی ہیں، چنانچہ قرآن کریم کی آیات: ﴿قُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ اور ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ سے اِسی کی تائید ہوتی ہے، نیز خلفاء راشدین سمیت کئی صحابہ کرام اور تابعین کا عمل بھی اِسی کے مطابق رہا ہے اور اِسی وجہ سے اہلِ علم کے دو بڑے مرکز مدینہ منوّرہ اور کوفہ کے فقہاء کرام نے اِسی کو اختیار کیا تھا۔

(ورفع الاصابع فی الرکوع والسجودعن الارض) اور رکوع وسجدے کی حالت میں زمین سے پاؤں کی انگلیوں کو اٹھانا حرام ہے چاہے ایک پاؤں کی ہوں یا دونوں کی اور سجدے میں دونوں پاؤں کی انگلیاں اٹھانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسا کہ "کبیری" اور بعض "شروح" میں کہا گیا ہے کہ سجدے میں انگلیوں کے اٹھانے سے مراد سر کو سجدے میں رکھنے کے بعد انگلیاں اٹھانا ہے اس صورت میں فرضیت سجدہ ادا ہو گیا اور اگر پیشانی کو زمین سے پہلے سب انگلیاں اٹھ گئیں یا پیشانی رکھی اور پھر پاؤں کی انگلیوں کو اٹھالیا تو سجدے کا فرض فوت ہونے کی وجہ سے نماز فاسد ہو گیا اور "سراجیہ" میں کہا گیا ہے کہ سجدے میں دونوں پاؤں کو زمین پر رکھنا فرض ہے اس لئے اگر قدموں کی اٹھی ہوئی حالت میں سجدہ کیا تو نماز فاسد ہوئی اور "بعض علماء" کہتے ہیں کہ اس طرح مکروہ تحریمی ہے اور "زاہدی" نے دو روایات نقل کی ہیں کہ سجدے میں پاؤں کا اٹھانا نماز کیلئے فساد ہے جیسا کہ "قنیہ" میں کہا گیا ہے اور یہ پیشانی کے رکھنے کی ابتداء سے پیشانی کو اٹھانے تک قدموں کے اٹھانے پر محمول ہے یا پیشانی کے رکھنے کی حالت میں یا پیشانی کے رکھنے اور اٹھانے کی درمیانی حالت میں۔ ان حالتوں میں سے ایک حالت میں بھی پاؤں کا اٹھانا حرام ہے اور "قاضی خان" کے قول کے مطابق ایک یا دونوں پاؤں کا اٹھانا مکروہ تحریمی ہے اور پیشانی کو رکھنے کی حالت میں قدموں کو اٹھانا یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر لگے ہوں اور قدم زمین سے اوپر۔

(والجلوس علی عقبیه للتشهد) اور تشہد کی حالت میں ایڑیوں پر بیٹھنا حرام ہے اور قید تشہد کی وجہ سے جلسہ سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ جلسہ میں ایڑیوں پر بیٹھنا مکروہ ہے جبکہ تشہد میں حرام کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ

[1073] (نصب الرایة:404/1)(مستخرج ابی عوانه:1572)

[1074] (مصنف ابن ابی شیبة:2452)(طحاوی:1357)

یاعلی انی احب لک ما احب لنفسی و اکرہ لک ما اکرہ لنفسی الا لا تقعد بین سجدتین علی عقبیک۔[1075]

فان قیل۔ مکروہات کے باب سے مخالفت ہوئی کیونکہ مکروہات کے باب میں کہا گیا ہے کہ **الاقعاء** اور اس باب میں کہا ہے کہ **والجلوس علی عقبیہ۔**[1076] **قلنا۔ والجلوس علی عقبیہ** اور **اقعاء** کے درمیان فرق ہے **جلوس علی عقبیہ** اس کو کہا جاتا ہے کہ قدموں کھڑا کیا جائے اور ایڑیوں پر بیٹھا جائے اور اس فعل میں قعدہ مسنونہ کا ترک ہے اور **اقعاء الکلب** اس کو کہا جاتا ہے کہ سرین کو زمین پر رکھ دیا جائے اور گھٹنوں کو کھڑا کر دیا جائے جیسے کتا بیٹھتا ہے تو یہ فعل جلسہ اور قیام میں مکروہ ہوئے اور تشہد کی حالت میں حرام۔

(والعبث بثوبہ) اور نماز کی حالت میں کپڑوں کے ساتھ کھیلنا حرام ہے۔ **او بدنہ دون الثلث۔** یا بدن کے ساتھ تین دفعہ سے کم یعنی کھیل کود کپڑوں کے ساتھ ہو یا بدن کے ساتھ۔ دونوں صورتوں میں حرام ہے اور اگر نماز میں عبث تین دفعہ ہو جائے تو بعض علماء کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے حضور ﷺ سے فقہاء روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ **عن یحیی بن أبي کثیر: إن اللہَ کرِہ لکم ثلاثًا العبثَ في الصلاۃِ و الرفثَ في الصیامِ و الضحکَ في المقابرِ**[1077]۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزیں بری سمجھتا ہے۔ اول رمضان المبارک میں بری باتیں کرنا۔ دوم۔ نماز میں عبث کرنا۔ سوم۔ قبرستان میں ہنسنا۔) اور عبث اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو اور عبث نماز میں حرام ہے جبکہ نماز سے باہر مکروہ ہے۔

(والاشارۃ بالسبابۃ کاھل الحدیث) اہل حدیث لوگوں کی طرح نماز میں شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا حرام ہے۔

اشارہ بسبابہ تشہد میں تحقیق

جاننا چاہئے کہ ہمارے ملک کے علماء کرام اس مسئلہ "اشارہ" میں مختلف ہیں بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اشارہ سنت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اس وجہ سے دونوں میں افراط و تفریط ہوئی ہے وہ ایسا ہے کہ اشارہ شہادت کی انگلی سے بہت سی احادیث اور بے شمار روایات میں مختلف کیفیات کے ساتھ وارد ہے تو اس وجہ سے مذاہب ثلاثہ کے علماء اس کی سنت کی طرف گئے ہیں لیکن امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی سنت اشارہ منقول نہیں نہ قولاً اور نہ فعلاً یا ان احادیث کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یا بوجہ اختلاف جو کہ متن میں واقع ہے جو موجب ہوا اضطراب کا جو توقف کو واجب بناتا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ منسوخ ہو چکی ہیں تو کتب ستہ (للامام محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ) جو مسمی ہیں ظاہر المذہب اور ظاہر الروایۃ کے ساتھ تو یہ اشارہ شہادت کی انگلی کے ساتھ تعرض سے خالی ہیں اور متون جو وضع کئے گئے ہیں مذہب کے

[1075] آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو فرمایا اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی چیز تمہارے لئے پسند کرتا ہوں جو چیز اپنے لئے بری سمجھتا ہوں وہ تمہارے لئے بری سمجھتا ہوں خبردار رہو کہ دو سجدوں کے درمیان ایڑیوں پر مت بیٹھو۔

[1076] اور ایڑیوں پر بیٹھنا۔

[1077] الزیلعي (٧٦٢ھ)، نصب الرایۃ ٢/٨٦ • مرسل۔ ابن حجر العسقلاني (٨٥٢ھ)، الدرایۃ ١/١٨١ • الذھبي (٧٤٨ھ)، میزان الاعتدال ١/٢٤٢ • شعیب الأرنؤوط (١٤٣٨ھ)، تخریج سیر أعلام النبلاء ٨/٣٣٣ •

نقل کرنے میں وہ سبھی خالی ہیں اور اس بات سے کہ اشارہ سنت ہے۔ یہ کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کہ ظاہر الروایت کی کتابیں جب ساکت ہیں اشارہ شہادت کی انگلی سے تو یہ نفی اشارہ کے لئے دلیل کس طرح ہو سکتی ہیں ؟ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ علماء اصول فقہ نے اقسام بیانات میں ذکر کیا ہے کہ حاجت کی جگہ سکوت بیان کے لئے بیان ہے۔ جیسا کہ شفیع کا ساکت ہونا علم البیع کے وقت شفع کی طلب سے تو یہ دلیل تسلیم کی ہے اور صاحب شرع کا ساکت ہونا جس وقت وہ دیکھے اور اس کی طاقت اس کے منع پر بھی ہو اور یا حکم بھی دے سکتا ہو تو یہ دلیل ہے کہ وہ کام جائز ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ثبوت اشارہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول نہیں ہے لیکن ثابت ہوا صاحب اشارہ سے تو مؤمن کے لئے جائز ہے کہ وہ اعتراض کرے **عما ثبت عن رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم** سے تو یہ کام مجتہد کا ہے اور ہمیں اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے استخراج کی طرف ان کی طرح اور مجتہد کی دلیل کتاب و سنت اجماع صحابہ اور قیاس ہے۔ اور جو مقلد ہے دلیل اس کی مجتہد کا قول ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ ایک حدیث حضور معلم و مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام محمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے جس سے اشارہ تشہد میں ثابت ہوتا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ فرمایا ہے۔

وبصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ناخذ ھذا قولی وقول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم حضور ﷺ کے کرنے سے اس پر عمل کرتے ہیں یہ میرا اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے لیکن یہ روایت ظاہر الروایت میں مندرج نہیں ہے تو انکی کتب کا مقابلہ ظاہر الروایات کے ساتھ روایت مع المذھب کا ہے پس لازم ہے مفتی مقلد پر کہ وہ مذہب پر فتویٰ دے نہ کہ روایت پر۔

محقق ابن عابدین شامی نے فرمایا ہے "**کل ما یخالف ظاھر الروایۃ فھو دلیل رجوع الامام عنہ فلا ینبغی ان یفتی بہ وان العمل والافتاء بالاقوال الضعیفۃ والروایات المرجوحۃ جھل وخرق الاجماع۔**

جو روایت ظاہر الروایت کی مخالف ہو تو وہ امام کے اس سے رجوع کی دلیل ہے تو اس کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ اس پر فتویٰ دے کیونکہ عمل اور افتاء دینا اقوال ضعیفہ اور مرجوحہ روایات پر اجماع کو توڑنا ہے تو احناف کے معمولات میں سے یہ ہے کہ وہ عدم اشارہ پر فتویٰ دے کیونکہ مقلدین کی کتب مختلف ہیں اشارہ کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں لیکن اشارہ کی ممانعت کا فتویٰ مضبوط کے ساتھ پیوست ہے۔

دیکھو فتاویٰ عالمگیری وہ لکھتے ہیں "**نقلاً عن الخلاصۃ وعلیہ الفتویٰ کذا فی المضمرات ناقلاً عن الکبریٰ وکثیر من المشائخ لا یرون الاشارہ (ص ۷۴ ج ۱) وقال فی در المختار "الاعتماد علی ما علیہ الجم الغفیر المختار انہ لا یشیر وھو المختار"**[1078]

[1078] (خلاصۃ ص ۵۵ در المختار، ص ۸۰ ج ۲)

خلاصۃ الفتاوی سے نقل کرتے ہیں اور اس پر فتویٰ ہے ایسا ہی مضمرات میں ہے وہ کبریٰ سے نقل کرتے ہیں اور زیادہ مشائخ اشارہ نہیں کرتے تھے اور شامی میں ہے کہ جم غفیر کا اعتماد اس پر ہے کہ وہ اشارہ نہیں کرتے تھے اور یہ بات انہوں نے پسند کی ہے۔

اور ایسا ہی فتویٰ غوثیہ میں اشارہ کے نہ کرنے کو مختار کہا ہے۔ وہ کتابیں جن میں اشارہ سبابہ (انگلی) سے منع لکھا ہے وہ یہ ہیں شرح الیاس ص۱۲۸، ج۱۔

فتاویٰ قاضی خان سراجیہ ص۱۱ نے مکروہ کہا ہے اور شیخ بدر الدین سرہندی نے اس کو مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حرام اور منع لکھا ہے۔

اگر ان دونوں روایتوں کو برابر تسلیم کیا جائے تو بھی اشارہ کا ترک کرنا بہتر ہے۔[1079] کے اس قول کے مطابق **اذا تردد الحکم بین السنة والبدعة کان ترک السنة اولیٰ**۔ جب کسی حکم میں سنت اور بدعت کے درمیان تردد واقع ہو جائے تو اس سنت کو ترک کرنا بہتر ہے اور بہتر بیان مجدد الف ثانی امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔[1080]

(نوٹ) حدیث اشارہ خبر واحد ہے اور خبر واحد علماء اصول کے نزدیک مشروط ہے دس شرائط پر پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عام حادثہ کے مخالف نہ ہو گی اور اشارہ کے اثبات والی حدیث عام حادثہ کے مخالف ہے پانچ وقت نماز کے لئے ہر وقت حاضر ہونا ضروری ہے اور دوسرے ساتھی بھی حاضر ہوتے ہیں تو وہ کچھ نہیں کہتے اور صرف ایک صاحب کہتا ہے یہی بات شرح العقائد نے لکھی ہے۔ (ص۴۴، ۸۱) اور اشارہ اس لئے نہیں کرنا چاہئے کہ تمام احادیث اشارہ کے اثبات والی وہ تمام کی تمام مضطرب ہیں بغیر امکان توفیق کے اور مضطرب کے متعلق حکم یہ ہے کہ یہ احادیث موقوف العمل ہیں تو ایسا ہوا کہ اس دنیا میں یہ احادیث موجود نہیں ہیں۔ "**وان وقع فی الاسناد او المتن اختلاف من الرواة بتقدیم وتاخیر او زیادة ونقصان او ابدال راوٍ مکان راوٍ آخر او متن مکان متن او تصحیف فی اسماء السندا واجزاء المتن او باختصار او حذف ومثل ذالک فالحدیث مضطرب الخ**"

مقدمة المشکوة لشیخ عبدالحق الدهلوی (ص ۲) فان امکن الجمع فبها والا فالتوقف (مقدمة الشیخ المذکور۔)

(ترجمہ) اگر اسناد یا متن میں راویوں کا اختلاف ہو یا اس کی تقدیم یا تاخیر یا زیادت و کمی یا ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی یا متن کی جگہ متن یا اسماء السند میں تصحیف یا متن کے اجزاء میں یا اختصار و حذف میں یا ان جیسا تو یہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے مقدمہ مشکوٰۃ میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے یہی بات لکھی ہے اور اگر دونوں کا اکٹھا ہونا مناسب ہو تو ٹھیک ہے اگر دونوں کو اکٹھا کرنا مناسب نہ ہو تو پھر اس میں توقف ہے۔

[1079] (در المختار ج ۱ ص ۴۵۰)

[1080] (ج ۲ ص ۲۱۶ مکتوبات)

اضطراب کی وجوہات

پہلی وجہ: قبض اصابعه کلها (الحدیث) تمام انگلیوں کو بند رکھے۔[1081]

دوسری وجہ: و قبض ثنتین وحلقہ (الحدیث) ابو داؤد، دارمی ثم مشکوٰۃ ص ۷۷) یعنی دو انگلیوں کو بند رکھے اور باقی انگلیوں سے حلقہ بنائے۔

تیسری وجہ: ترپین (۵۳) کا عقد بنائے۔[1082]

چوتھی وجہ: تیئس (۲۳) کا عقد بنائے۔[1083]

پانچویں وجہ: مد کف الایمن علی فخذہ الیمنیٰ۔ دائیں کف کو کھینچے دائیں ران پر۔[1084]

وضع کفه الیمنیٰ علی فخذہ الیمنیٰ۔ دائیں کف کو دائیں ران پر رکھنا۔[1085]

چھٹی وجہ یہ ہے وضع ابهامه علی اصبعه الوسطی۔[1086]

انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھنا۔

[1081] (حدیث ابن عمر موطاء امام مالک ص ۹۶ و موطاء محمد ص ۱۰۸)

[1082] (حدیث ابن عمر و مسلم ثم المشکوٰۃ ص ۷۷)

[1083] (حدیث ابن زبیر مسلم ثم المشکوٰۃ ص ۷۷)

[1084] (الحدیث حدیث وائل بن حجر ابو داؤد، دارمی، مشکوٰۃ ص ۷۷)

[1085] (موطاء امام مالک ص ۹۶ و موطاء امام محمد ص ۱۰۸)

[1086] (حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابن ماجہ و المشکوٰۃ ص ۷۷)

ساتویں وجہ یہ ہے **یحر کھا**۔ کہ اس سبابہ انگلی کو ہلائے۔[1087] اس میں اثبات دوام تجدد ی حرکت ہے۔ **لا یحر کھا** کہ اس انگلی کو نہ ہلائے ۔[1088] اس حدیث میں نفی دوام تجدد ی حرکت ہے اور ان وجوہات کی بنا پر ان روایات کی موافقت ممکن نہیں ہے۔ مجدد الف ثانی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکم کیا ہے کہ اشارہ بسبابہ کی تمام احادیث مضطرب ہیں۔[1089]

مولانا بحر العلوم عبد الجلیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تنبیہہ الاخوان میں لکھا ہے کہ اشارہ کے بارے میں احادیث تشہد میں مشکوٰۃ شریف ص ۸۵ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور وائل بن حجر اور پھر عبد اللہ بن زبیر فصل ثانی اور نافع سے مختلف روایات ذکر ہیں اور کیفیت اس کی پانچ یا سات طور ہیں تو تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱ میں فرمایا گیا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں "**قال الحمیدی قولہ و انما یو خذ بالآخر فالا خر من فعل النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ھذا لفظ البخاری و کذا فی البخاری** (ص ۹۶) حمیدی نے فرمایا اس کا قول کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری فعل سے اخذ کیا جاتا ہے اور وہ آخری فعل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو یہ بخاری کے الفاظ ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ "**ان الذی یجب بہ العمل ھو ما استقر علیہ آخر الامر من النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و ما کان قبلہ من ذالک مرفوع الحکم و ھو الذی ذھب الیہ ابو حنیفہ و الشافعی و الثوری و جمھور السلف رحمۃ اللہ علیھم اجمعین**[1090] **و کذا قال اشعۃ اللمعات**۔[1091]

"و عمل کردہ نمی شود مگر بہ آخر پس از فعل پیغمبر کہ ناسخ فعل اول است"

و کذا ص ۲۱۹ عمدۃ القاری للعینی رحمۃ اللہ علیہ الجزء الخامس "وہ جس پر عمل واجب ہے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری حکم ہے اور اس سے جو پہلا حکم ہو اس کا حکم اٹھایا جاتا ہے اور اس بات کی طرف امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام ثوری اور جمہور سلف گئے ہیں اور اشعۃ اللمعات میں بھی ایسا ہی فرمایا گیا ہے کہ عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری فعل پر ہو گا اور وہ فعل اول کا ناسخ ہے ایسا ہی عمدۃ القاری میں ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری فعل سے اشارہ کے متعلق معلومات کسی کو حاصل نہیں ہیں تو اس وجہ سے فقہاء اور اکابرین کے درمیان اشارہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض اس کو مکروہ کہتے اور بعض اس کو حرام کہتے ہیں جیسا کہ ظہیری اور خلاصۃ الفتاویٰ اور عتابیہ وبزازیہ و تار تار خانیہ و جامع المضمرات وغیرہ میں ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری ص ۵۸ میں ذکر کیا گیا ہے۔ "**و المختار انہ لا یشیر و علیہ الفتویٰ و کثیر من المشائخ لا یرون الاشارۃ و کرھھا کذا فی التبیین**"

[1087] (حدیث وائل بن حجر ابو داؤد دارمی مشکوٰۃ)

[1088] (ابن زبیر ابو داؤد، نسائی مشکوٰۃ ص ۷۷)

[1089] (مکتوبات ص ۳۱۲)

[1090] (بخاری شریف، ج ۱ ص ۶۶ حاشیہ ص ۲)

[1091] (ترجمہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۸۸)

مختار یہ ہے کہ اشارہ نہیں کرنا چاہئے اور اسی پر فتویٰ ہے اور بہت سے مشائخ اشارہ کو سنت نہیں جانتے تھے اور اس کو مکروہ جانتے تھے ایسا ہی تبیین میں لکھا ہے تو یہ اختلاف کیفیت اشارہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ہے اور ایسا ہی اختلاف اکابر علماء سے کیفیت کے بارے میں ہے تو تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ اشارہ نہ کرے اس لئے کہ صلوۃ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عام ہے اور حادثہ بھی عام ہے اور ہر صحابی کی روایت میں کیفیت کی خصوصیت نہیں ہے مگر یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

قال فی فصول الشاشی "ومن صور مخالفته الظاهر عدم اشتهار الخبر فیما یعم به البلوىٰ فی الصدور الاول والثانی فاذا لم یشتهر الخبر مع شهرة الحاجة وعموم البلوىٰ کان ذالک علامة عدم صحة (ص ۷۷) فصول الشاشی وهو مختار ابی حسن الکرخی من اصحابنا المتقدمین وهو مختار المتاخرین منهم۔[1092]

فصول شاشی میں ہے ظاہر کی مخالفت کی شکل یہ ہے کہ جہاں عام بلویٰ ہو اور خبر کی شہرت نہ ہو پہلے اور دوسرے زمانوں میں اور جب سخت حاجت اور بلویٰ کے ساتھ بھی خبر کی شہرت نہ ہو تو یہ عدم صحت کی علامت ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے کہ یہ ابی الحسن کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کی متقدمین میں سے مختار روایت ہے۔ اور متاخرین میں سے بھی یہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور ایسا ہی مولوی علی الحسامی ص ۲۹۱ نے لکھا ہے "**حتی لو کان ورودہ فیما یعم به البلوی یعنی ورود الخبر الواحد لا یقبل لان خبر النبی صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم فیما به البلوىٰ لو یقتصر علی مخاطبة الاحاد بل یلقیه الی عددٍ قد یحمل به التواتر فی الشیاعة یشتهر علم انه سهو او منسوخ**"[1093]

یہاں تک کہ عموم بلویٰ میں وہ وارد ہو یعنی خبر واحد کا ورود ہو تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث اس معاملہ میں جہاں بلویٰ ہو تو خبر واحد پر اقتصار نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ کئی ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ جن کے شائع ہونے میں تواتر حاصل ہو اور انکا جاننا مشہور ہو تو وہ یا سہو میں سے ہو گا یا منسوخ ہو گا۔

اختلاف صحابہ اشارہ کی کیفیت کے بارے میں ثبوت ہوا خبر واحد کے لئے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے اگر بعض صاحبان یہ کہیں کہ تعدد خبر واحد میں نقل کے طریقہ سے یہ شہرت پیدا کر دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ خبر واحد میں تعدد خبر کو مشہور بنا دیتا ہے لیکن جب کیفیت واحدہ میں ہو اور جب کیفیت مختلف ہو اور وہ احادیث مذکورہ کیفیت میں مختلف ہو تو ہر ایک کیفیت اپنے ہاں الگ الگ خبر واحد بنا اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے تو ثابت ہوا اشارہ کا ترک ہونا۔

تو مجدد الف ثانی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکتوبات حصہ اول میں لکھا ہے "**بحث الاشارة فعلی المنکرین ان یطالعها**" اشارہ سبابہ انگلی سے مذہب حنفی میں حرام ہے جیسا کہ قول خلاصہ کیدانی ہوا "**والاشارة بالسبابة ای حرام**" یعنی سبابہ انگلی سے اشارہ کرنا حرام ہے۔

[1092] (فصول الشاشی ص ۲۷۲)

[1093] (مولوی شرح حسامی ص ۲۹۰ حاشیہ ۱، وکذا ص ۹۱)

"کاھل الحدیث الذین لا یفرقون بین الناسخ والمنسوخ والراجح والمرجوح ویغفلون من المعنی الفقھی فیقع لھم الغلط کثیرا"۔

یعنی اہل حدیث وہ ہیں جو فرق نہیں کرتے ناسخ اور منسوخ کے درمیان یعنی اشارہ کی احادیث منسوخ ہیں یا مرجوح ہیں اور عمل مرجوح یا منسوخ پر حرام ہے جیسا کہ علامہ شامی نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے۔ اور دوسرا معنیٰ اہل حدیث کا یہ ہے کہ وہ فقہ کے معنیٰ سے غافل ہیں یعنی علت کو نہیں جانتے اور اشارہ کی علت ابتداء اسلام میں یہ تھی کہ اعتقاد کے ساتھ اور زبان سے اور اعضاء سے توحید کی طرف اشارہ کیا جائے اب اسلام مضبوط ہے تو اس کی حاجت نہیں اور ابتداء اسلام میں نماز کے اندر سلام اور کلام جائز تھا تو اشارہ بھی ثابت تھا اب سلام کلام منسوخ ہے تو اشارہ بھی منسوخ ہے تو ضد سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ہم حق کو دیکھیں گے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ملا علی قاری نے خلاصہ کیدانی پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ صاحب خلاصہ کیدانی نے اپنی کتاب میں ایک بات ذکر کی ہے جیسا کہ ڈھول میں آواز پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل کو حرام کہنا ناجائز ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صاحب خلاصہ کیدانی کی بے ادبی ہے اگر خلاصہ کیدانی معتمد کتاب نہ ہوتی تو میر سید السند الجرجانی اس پر شرح کیوں لکھ دیتے اور دوسری کتاب یعنی شرح علامہ تفتازانی کی نہ ہوتی اس لئے کہ وہ بھی بہت بڑے عالم ہیں اور اس نے خلاصہ کیدانی کی شرح لکھی ہے کہ اس کا نام سعدیہ شرح خلاصہ کیدانی ہے اور ان دونوں علماء نے اس مسئلہ کا رد نہیں لکھا ہے اور دوسری بات حضور معلم کائنات ﷺ کے فعل کو حرام کہنا نسخ کے بعد ہے اور یا ترجیح کے بعد ہے نہ کہ مطلق اگر آیت منسوخ ہو جائے تو اس پر بھی عمل کرنا حرام ہے اور فقہ کی بہت سی کتابوں میں مکروہ اور حرام بھی کہا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کیا ہے **"قیل یشیر وقیل لایشیر والمختار لایشیر"** کسی نے کہا ہے کہ اشارہ کیا جائے اور کسی نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے لیکن مختار یہ ہے کہ اشارہ سبابہ انگلی سے نہ کیا جائے۔ اور فتاویٰ عالمگیری چار سو علماء نے اتفاق سے مرتب کیا ہے اور آٹھ سال میں مرتب ہوئی اور اس وقت اس پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

اور بہت سے فقہاء نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اشارہ نہ کرے جیسا کہ صاحب تنویر الابصار نے لکھا ہے **"ولا یشیر بالسبابۃ عند التشھد وعلیہ الفتویٰ"**[1094]

تشہد کے وقت سبابہ انگلی سے اشارہ نہ کریں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جامع الرموز میں بھی لکھا ہے کہ "اشارہ نہیں کرنا چاہئے اسی پر فتویٰ ہے۔"

صاحب واقعات نے لکھا ہے: **"ان الاشارۃ حرام"** بے شک اشارہ حرام ہے۔ وعلیہ الفتویٰ اسی پر فتویٰ ہے۔

صاحب غرائب نے بھی لکھا ہے **"والصحیح ان الاشارۃ حرام"** کہ صحیح یہ ہے کہ بے شک اشارہ حرام ہے۔

[1094] (تنویر الابصار والدر المختار ج ا ص ۲۴۲ ھندیہ ج ا ص ۱۵۰، بحر الرائق ج ا ص ۳۲۴، شبلی ج ا ص ۱۲۱)

"محیط میں بھی لکھا ہے کہ "اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ" خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے "**المختار انه لا یشیر**" مختار یہ ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے۔

فتاویٰ غیاثیہ میں بھی لکھا ہے "**ولا یشیر بالسبابة عند التشهد وهو المختار وعليه الفتوىٰ**" تشہد میں سبابہ انگلی سے اشارہ نہ کرے یہ قول مختار ہے۔

تار تار خانیہ میں لکھا ہے کہ "اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے"۔

زاھدی میں لکھا ہے "**لا یشیر وعليه الفتوىٰ**"

مفاتیح الجنان میں بھی لکھا ہے "**لا یشیر وعليه الفتوىٰ**"

منظومہ نامی کتاب میں لکھا ہے "**ولا شک فی تحریمه**" کہ اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں۔

تو معلوم ہوا کہ اشارہ کرنا نماز میں منع ہے مذہب حنفی میں اب اگر کوئی امام صاحب کا مذہب چھوڑ دے تو امام صاحب قیامت کے دن اس کو گلے سے پکڑیں گے کہ تم نے میرا مسلک کیوں چھوڑ دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "**من اشار بالسبابة فهو مِن الخاطئين**" جس نے سبابہ انگلی سے اشارہ کیا تو وہ خطاکاروں میں سے ہے[1095]۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔

ان مقدس حضرات سے بھی اشارہ منقول نہیں ہے کہ ان حضرات نے بھی اشارہ کیا ہے اگر یہ زیادہ ضروری ہوتا تو یہ حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ قریب تھے اور دوست تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اشارہ نہیں فرمایا ہے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ شیطان اس پر خفا ہوتا ہے تو شیطان منسوخ کام کے چھوڑنے پر خفا ہوتا ہے نہ کہ منسوخ کام کے کرنے پر اور شیطان کو اس پر بھی خفا کیجئے کہ اشارہ کو ترک کر دو اور تہجد سے بھی اس کو خفا کیا جائے نماز اشراق پر نماز ضحیٰ پر اور کم کھانے پر بھی خفا کرو اور سنت کے بعد دعاء پر بھی اس کو خفا کرو۔ اس طرح نماز جنازہ کے بعد دعاء اور عمامہ پر اس کو خفا کرو تو ان میں سے کوئی بھی کام نہ کریں گے اور منکر کے

[1095] (بحوالہ مفتاح القلوب فی بیان السلوک ص ۳۴)

زعم میں کہ شیطان اس کے کرنے پر خفا ہوتا ہے یہ پہلے کی بات ہے کہ ابتدا اسلام میں وہ خفا ہوتا تھا لیکن جب اشارہ منسوخ ہوا تو اب اس کے کرنے پر خوش ہوتا ہے۔

تو میرے بھائی جب امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوئی کام نہیں کیا ہو اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی چھوڑ دیا ہو تو اگر یہ اشارہ سنت ہوتا تو یہ حضرات کرتے اور یہ بھی کسی کو گمان نہیں کرنا چاہئے کہ میں مانکی خیل ہوں یا مانکی شریف کے ماننے والوں میں سے نہیں ہوں ہم تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے مقلد ہیں اس مسئلہ میں میں نے بہت تحقیق کی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اشارہ منع ہے۔ اس کے علاوہ مولانا نظام الدین بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اشارہ کرنے کے بارے میں کئی دلائل نقل کئے ہیں۔[1096]

فقہ شریف کی کتابوں میں درج ہے کہ تمام اعضاء کعبہ شریف کی طرف کرنے چاہئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲) ای ساکنون بالجوارح خائفون بالقلب**"[1097]

تحقیق کامیاب ہیں مومنین جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں۔ تفسیر مدارک میں اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ اعضاء کو آرام سے رکھتے ہیں اور دل سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے دوستوں نے اشارہ نہیں کیا ہے اور نہ پسند کیا ہے جیسا کہ یہ قول ہے "**کثیر من المشائخ لا یرون الاشارۃ الخ**"[1098] بہت سے مشائخ نے اشارہ کو پسند نہیں فرمایا ہے۔[1099] "**فان اختلفوا یؤخذ بقول الاکثرین الخ**"[1100]

اگر وہ اختلاف کریں تو اکثر علماء کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ نے مخزن الاسلام میں باب الحرمات میں فرمایا ہے کہ "اشارہ سبابہ سے یہ مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہے اور یہ فعل حنفیوں پر حرام ہے"۔

فوائد شریعت ص۹۶ میں ہے کہ "**اشھد ان لا الہ الا اللہ** کے وقت اشارہ کرنا سبابہ انگلی سے حرام ہے اور یہ مذھب امام شافعی کا ہے" تو میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں بہت بسط اور تفصیل کی ضرورت ہے لیکن میں اس کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ **خیر الکلام ما قل و دل و لم یمل** اشارہ کی حرمت کے بارے میں صرف خلاصہ کیدانی نے اکیلے نہیں لکھا ہے بلکہ

[1096] (جامع الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۱۳ حصہ چہارم المعروف انوار شریعت)

[1097] (تفسیر مدارک)

[1098] (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴)

[1099] (زیلعی ج ۱ ص ۱۲۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۹ شبلی ج ۱ ص ۱۲۰ رسالہ فتح التردد ص ۱۲۱، ص ۱۲۴ ص ۱۲۵، ص ۱۴۲)

[1100] (شامی ج ۱ ص ۴۸ ص ۴۹ و مکتوبات مجدد الف ثانی ص ۲۱۲)

تقریباً ایکسو بیس ۱۲۰ کتابوں میں حرمت و کراہت کا بیان موجود ہے اور جن کتابوں میں مستحب لکھا ہے تو انہوں نے روایت کو لیا ہے اور روایت میں مستحب لکھا ہے اور جو حرام کہتے ہیں تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے اس لئے کہ مذہب حنفی میں نہیں ہے۔

شرح وقایہ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے "**ومثل هذا جاء عن علماءنا ايضا عند الشافعي الخ**" عن روایت کے لئے آتا ہے اور عند مذہب کے لئے آتا ہے تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ موطاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہے جو اس نے ذکر کی ہے "**وهو قول ابي حنيفة**" اس لئے کہ قول اور روایت مذہب کے مقابل ہے۔

خلاصہ کیدانی میں لکھا ہے۔ "**والاشارة بالسبابة كاهل الحديث**" یعنی کاف علت کے لئے ہے معنیٰ یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے اس لئے کہ اہلحدیث اس منسوخ روایت پر عمل کرتے ہیں اور کاف تشبیہی نہیں اور یہ معنیٰ خلاصہ کیدانی کی شروح جیسا کہ بدریہ اور میر سید السند سے معلوم ہوتا ہے یہ حضرات اہل حدیث کی تشریح کرتے ہیں۔ "**الذين يعملون بظاهر الحديث ولا يفرقون بين الناسخ والمنسوخ فيقع لهم الغلط كثيراً**" تو اس قول کی بنا پر جو اشارہ کرتے ہیں۔

کیونکہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور مجتہد کی طرف نہیں جاتے۔

مولانا شیخ القرآن حمد اللہ صاحب نے البصائر میں ذکر کیا ہے "**الاخذ بظواهر الكتب والسنة من اصول الكفر**"[1101] کتاب اور سنت کے ظاہر سے مسائل اخذ کرنا اصول کفر سے ہے۔ تو جب احادیث اشارے کی منسوخ یا مرجوح ہو گئیں بنابر قول میر سید السند تو منسوخ یا مرجوح پر عمل کرنا حرام ہے تو اس لئے صاحب خلاصہ کیدانی نے حرام کہا ہے۔

اب اگر کوئی اپنے آپ کو حنفی کہے اور اشارہ کرے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ محض بغض اور حسد ہے۔ (**نعوذ بالله**)

ابو داؤد شریف میں یہ حدیث ہے: "**من اشار اشارة في الصلوة تفهم منها فليعدها**۔"

جس نے نماز میں اشارہ کیا جس سے کوئی معنی سمجھ میں آجائے تو اس نماز کو وہ دوبارہ پڑھے اور اس میں شک نہیں کہ اشارہ میں نفی، اثبات کی طرف اشارہ ہے یعنی انگلیوں کے اٹھانے میں نفی کی طرف اشارہ ہے کہ "**لا اله**" ہے اور نیچے کرنے میں اثبات کی طرف اشارہ ہے جو "**الا الله**" ہے تو یہ معنیٰ سمجھ میں آسکتا ہے تو پھر اعادہ کرنا چاہئے تو اس لئے حرام ہے۔

[1101] (البصائر ص ۵۲، صاوی تنویر الایمان)

دوسری بات یہ ہے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں ذکر کیا ہے کہ تیرہ قسم کی کیفیات کا احادیث میں ذکر ہے اور ترجیح ایک کی دوسرے پر نہیں تو حدیث مضطرب ہوئی تو اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور ہدایہ میں بھی اشارہ نہیں ہے اور ہدایہ معتمد کتاب ہے اب ہم چند کتابیں بطور حوالہ ذکر کرتے ہیں جن میں اشارہ کو حرام یا مکروہ کہا ہے۔[1102]، مولانا شیخ القرآن والحدیث مفتی اعظم پاکستان شائستہ گل صاحب نوراللہ مرقدہ اپنی کتاب الحجۃ المنذرہ فی الاسئلۃ المبتدرہ میں ص ۲ تا ۵ کہ اشارہ کرنا نماز میں شرعاً منع ہے بہت سی وجوہات کی بناپر،

پہلی وجہ یہ ہے کہ معتبر کتابوں کے متون میں اشارہ کو منع کہا گیا ہے صراحتاً جیسا کہ خلاصہ کیدانی، تنویر الابصار یا تبادراً جیسا کہ کنز کا قول اور ہدایہ، قدوری و مختصر والوقایہ وغیرہ کا "**وبسط اصابعه الخ**" انگلیوں کو کھولنا "**والمتبادر منها انه يبسط اصابعه من اول التشهد الى آخره بدون عقد و اشارة عند التلفظ بالشهادة الخ**"[1103] **ونهر ثم رساله رفع التردد ص ۱۲۵ المشهور فی المذهب بسط الاصابع بدون اشارة الخ**"[1104] **والمذهب ما فی المتون لانه ظاهر الرواية الخ**۔[1105] "**فالاشارة خلاف المتون فيكون خلاف المذهب فظهر ان البسط حقيقة فيه لان التبادر الى الفهم من اقوىٰ امارة الحقيقة الخ**"[1106] "**فلا يجوز العدول منه**"۔ متبادران میں سے یہ ہے کہ وہ تشہد کے ابتداء سے آخر تک انگلیوں کو کھلا رکھے اور اشارہ شہادت کے لفظ کے وقت کرنا چاہئے۔ یہی بات رفع التردد اور جامع الرموز و نھر میں نقل ہے۔

پھر رسالہ رفع التردد میں لکھا ہے مذہب میں یہ مشہور ہے کہ اشارہ کے بغیر انگلیوں کو کھلا رکھے۔

شامی ولباب القدوری میں بھی اسی طرح نقل ہے مذہب وہ ہے جو متون میں ہو کیونکہ وہ ظاہر الروایۃ ہوتا ہے۔ (شامی بحث ستر العورۃ) تو اشارہ متون کے خلاف ہے جو خلاف مذہب ہوا تو ظاہر ہوا کہ حقیقت میں بسط ہے کیونکہ تبادر فہم امارات حقیقت کے جاننے کے لئے بہت قوی ذریعہ ہے۔ تو عدول اس سے جائز نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا لفظ "**لا يشير بالسبابة عند الشهادة وعليه الفتوىٰ**"[1107]

[1102] (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۴) برجندی ج ۱ ص ۱۰۹، فتاویٰ سراجیہ ج ۱ ص ۵۸، زیلعی ج ۱ ص ۱۲۱، فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۹، شبلی ص ۱۲۰، رسالہ رفع التردد ص ۱۲۱، ص ۱۲۴، ص ۱۲۵، ص ۳۴۲، بحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۴، مجموعہ خانی ص ۶۵، تنویر الابصار ص ۲۴۲، مکتوبات شریف مکتوب ص ۳۱۲، شامی ج ۱ ص ۳۴۲، ولباب القدوری ص ۵۴، فتویٰ مالا بدمنہ ص ۴۶، خلاصہ کیدانی حرام کی بحث میں، خلاصہ مذیل الشبہات فی تبطیل الاشارات ص ۲، فتاویٰ برھنہ ص ۷۱ تنبیہ الضمائر علے رد الذخائر ص ۸)

[1103] (رسالۃ رفع التردد ص ۱۲۰ جامع الرموز ج ۱ ص ۷۱)

[1104] (شامی ج ۱ ص ۳۴۲ ولباب القدوری ج ۱ ص ۵۴)

[1105] (رد المحتار ج ۱، بحث ستر العورۃ)

[1106] (مختصر المعانی۔ بحث الام ص ۲۳۴)

[1107] (تنویر الابصار و مضمرات وفتاوی کبریٰ ثم عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۵ والمنیہ والواقعات ثم شبلی ج ۱ ص ۱۲۱ والوالجیہ ثم جامع الرموز وابو المکارم ج ۱ ص ۶۱ مجموعہ سلطانی ص ۵۶ مجموعہ خانی ص ۶۵ رسالہ رفع التردد ص ۱۲۰ ص ۱۲۴ ص ۱۲۵ وغیرھا)

لفظ المتون اکد من جمیع علامات الفتویٰ الخ اذا ذیلت روایته بلفظ علیه الفتویٰ لم یفت بمخالفه الخ۔[1108]

تیسری وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ لایشیر کے لفظ سے ہے وہ ظاہر الروایت ہے۔[1109]

چوتھی وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ "لا یشیر" ہے۔ "**وھو ظاھر اصول اصحابنا الخ**"[1110] وہ ہمارے اصحاب یعنی حنفیوں کے ظاہری اصول ہیں۔ **ثم رسالہ رفع التردد ص ۱۲۴ "ھذا اللفظ مرادف بلفظ ظاھر الروایة فثبتھما یکون واحداً۔ فی البحر باب المصرف اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاھر الروایة والرجوع الیھا الخ۔**[1111]

پانچویں وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا لفظ مشہور **فی المذھب فی بسط الاصابع بدون اشارة الخ۔**[1112]

اقول فالاشارة خلاف المذھب الذی ھو ظاھر الروایة وخرج عن ظاھر الروایة فھو مرجوع عنه والمرجوع عنه لیس قولاً له وفیه من التوشیح ان ما رجع عنه المجتھد لا یجوز الاخذ به الخ"[1113]

چھٹی وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ لایشیر سے ہے اور وھو المختار وہ مختار قول ہے۔[1114] **واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوه وصححوه الخ"**[1115]

ساتویں وجہ یہ ہے کہ اشارہ کی ممانعت ثابت ہے۔ **لفظ کثیر من المشائخ لا یرون الاشارة الخ۔** سے کہ بہت سے مشائخ اشارہ کو سنت خیال نہیں کرتے تھے۔[1116] "**فان اختلفوا یوخذ بقول الاکثیرین الخ**" اگر اختلاف دونوں اقوال میں موجود ہو تو اکثر علما کے قول پر عمل کیا جائے۔[1117]

[1108] (درمختار ج ۱ رسم المفتی ص ۵۰ وشرح رسم المفتی ص ۳۸)

[1109] (لباب القدوری ص ۵۴ وذخیرہ ثم کاکی ثم شبلی ج ۱ ص ۱۲۱ معراج الدرایہ ثم رسالہ رفع التردد ص ۳۳ ص ۱۲۷ وعینی الھدایہ وشرح سفر السعادت وکفایہ ومکتوبات المجدد الف ثانی وغیرہ)

[1110] (جامع الرموز ج ۱ ص ۷۱)

[1111] (شامی جلد ۱ ص ۴۹)

[1112] (شامی ج ۱ ص ۳۴۲ ولباب القدوری ص ۵۴ وفتاویٰ مالا بد منه ص ۴۶)

[1113] (بحر ثم شامی ج ۱، ص ۴۶ وشرح رسم المفتی)

[1114] (خلاصہ ج ۱ ص ۵۹، عالمگیری ص ۱۰۴، برجندی ج ۱ ص ۱۰۹، ابو الکلام فصل المکروہ ص ۵۸)

[1115] (درمختار وشامی جلد ۱ رسم المفتی ص ۵۲)

[1116] (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴ تبیین ج ۱ ص ۱۲۱، ثم رسالہ رفع التردد ص ۱۲۱ ص ۱۲۴، ص ۱۲۵)

[1117] (شامی ج ۱، رسم المفتی ص ۴۸، ص ۴۹ ورسالہ رسم المفتی ص ۴۳)

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ: "منع الاشارۃ و کرھھا فی منیتہ المفتی کذا فی التبیین "منیتہ المفتی میں اشارہ کو مکروہ لکھا ہے ایسا ہی تبیین میں ہے۔[1118] مکروہ کو ترک کرنا سنت فعل پر مقدم ہے یعنی جب بعض علماء نے کسی چیز کو مکروہ کہا ہو اور بعض نے اس کو سنت کہا ہو تو عمل اس پر کرنا چاہئے کہ جنہوں نے مکروہ کہا ہو یہ اس پر مقدم ہے جنہوں نے اسکو سنت کہا ہو۔

نویں وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا سبب حکم نسخ الاشارۃ الخ الامام کرخی مبسوط، محیط، قاعدی و الکرمانی و سراج الھدایۃ ثم دلائل الانارۃ ص ۱۲ و مکتوبات المجدد الف ثانی و مولوی عبد الحکیم فی شرح المراح و صاحب کل کتاب حکم بحرمۃ الاشارۃ او کراھتھا و المراد بالمنسوخیۃ عدم المعمولیۃ و لا یصح الحکم بالحرمۃ و الکراھۃ مع معمولیۃ تلک الاحادیث و من المعلومات ان العمل بالمنسوخ حرام" ہر اس کتاب میں جس میں اشارہ کی حرمت یا کراھت کا حکم دیا گیا ہے تو ان کی مراد اشارہ والی احادیث کی منسوخیت ہے اور ان پر عمل نہیں کیا جاتا کیونکہ معمولیت کی وجہ سے ان احادیث پر حرمت یا کراھت کا حکم صحیح نہیں اور یہ معلومات سے ہے کہ منسوخ پر عمل حرام ہے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ "منع الاشارۃ لفظ کان القول بعدمھا الاقویٰ من حیث النقل عن اھل المذھب الخ"[1119] کہ عدم والا قول قوی ہے اہل مذاھب کی نقل سے۔

"و لا یشیر بسبابۃ عند الشھادۃ و علیہ الفتویٰ کما فی الولوالجیۃ و التجنیس و عمدۃ المفتی و عامۃ الفتویٰ الخ" سبابہ انگلی سے شہادۃ کے وقت اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے۔[1120] و لا یخفیٰ ان مسائل ھٰذا الکتاب (ای تنویر الابصار) مذکورۃ علی الوجہ الحق و ثابتۃ بدلائلھا عند المجتھد و لا یلزم من اثبات الشیٔ بدلیلہ ان یکتب دلیلہ معہ حتی یرد انہ لم یذکر فی المتن الادلۃ الخ"[1121]

فانی ارویہ عن شیخنا عبد النبی الخلیلی عن المصنف عن ابن نجیم المصری بسندہ الی صاحب المذھب ابی حنیفۃ بسندہ الی النبی ﷺ عن جبرئیل عن اللہ الواحد القھار کما ھو مبسوط فی اجازاتنا بطرق عدیدۃ الخ۔[1122]

اقول فلما ثبت ان منع الاشارۃ حدیث و مذھب فلا مفر منہ فلا یجوز للمقلد خلافہ لان منع الاشارۃ متعین للمقلد الحنفی۔

[1118] (ثم عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴، و معراج الدرایہ ثم رسالہ رفع التردد ص ۱۲۳، ص ۱۲۴، فتاوی سراجیہ فصل المکروہ ص ۵۸، بحر الرائق، نہر فائق، ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ اھ در مختار باب ادراک الفریضۃ ص ۴۸۱)

[1119] (رسالہ رفع التردد ص ۱۲۸)

[1120] (تنویر الابصار و در مختار ج ۱ ص ۳۴۱)

[1121] (شامی ج ۱ ص ۱۳۱)

[1122] (در مختار ج ۱ ص ۱۴)

کسی پر پوشیدہ نہیں کہ اس کتاب (تنویر الابصار) میں جو مسائل مذکور ہیں وہ حق ہیں مجتہدین کے نزدیک وہ دلائل سے ثابت ہیں کسی چیز کے اثبات کے لئے یہ ضروری نہیں کہ شے کے اثبات کے دلائل بھی اس کے ساتھ لکھے جائیں اور جاننا چاہئے کہ متن میں دلائل کا ذکر نہیں ہے (شامی) تو میں نے روایت کی ہے اپنے استاد عبد الغنی خلیلی سے اس نے مصنف سے اس نے ابن نجیم مصری سے اپنی سند سے صاحب مسلک ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس نے اپنی سند سے حضور معلم کائنات ﷺ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے انہوں نے اللہ تعالیٰ واحد قہار سے یہ ہماری اجازتوں میں بسط سے مختلف طریقوں سے نقل ہے۔[1123]

میں کہتا ہوں کہ جب ثابت ہوا کہ اشارہ منع حدیث و مذہب سے تو اس سے بھاگنا نہیں چاہئے اور مقلد کے لئے اس کے خلاف جائز نہیں کیونکہ اشارہ کی ممانعت مقلد حنفی کے لئے متعین ہے۔

کچھ فتویٰ کے بارے میں

فتویٰ کا لغوی معنی: فتویٰ و افتاء کا مادہ قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ عربی لغت میں لفظ فتویٰ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

ا۔ الفَتویٰ بفتح الفاء۔ ۲۔ الفُتویٰ بضم الفاء۔ لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے، اس کا استعمال واؤ کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور یاء کے ساتھ بھی یعنی فتویٰ اور فتیا دونوں طرح مستعمل ہے مصباح میں ہے۔ **ان الفتیاء بالیاء لایکون الامضمومة وان الفتویٰ بالواو لاتکون الامفتوحة۔**[1124]

یعنی فتویٰ کا استعمال جب یاء کے ساتھ ہو تو مضمومۃ الفاء (فتیا ہو گا) اور جب واؤ کے ساتھ ہو تو مفتوح الفاء (فتویٰ) ہو گا۔ عربی زبان میں لفظ فتیا، فتویٰ کی نسبت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے۔ **الفتوی و الفتیا اسمان یوضعان من موضع الافتاء الا ان اللفظة الفتیا اکثر استعمالا فی کلام العرب من لفظة الفتویٰ۔**[1125] فتویٰ اور فتیا دو اسم ہیں جو افتاء کیلئے وضع کیے گئے ہیں مگر لفظ فتیاء کلام عرب میں لفظ فتویٰ کی نسبت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔" بعض حضرات کے نزدیک فتویٰ الفُتوّۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنی کرم، سخاوت اور زور آوری (طاقت) ہے۔[1126]

[1123] (درمختار ج ا ص ۱۴)

[1124] المصباح ج ا ص ۱۵۔

[1125] لسان العرب ص ۳۰ ج ۵۔

[1126] مقدمۃ رد المختار ص ۱۵۴۔

فتویٰ کو بھی فتویٰ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مفتی اپنی سخاوت اور عالمانہ قوت سے کام لے کر کسی دینی مسئلہ کو حل کرتا ہے جبکہ بعض کے نزدیک فتویٰ الفتی سے ماخوذ ہے جس کا معنی الثابت القوی ایک مفتی مسائل کو چونکہ اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے۔ گویا فتویٰ مدلل ثبوت والا جواب ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ردالمحتار کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں۔ **الفتویٰ مشتقة من الفتی وھو الشاب القوی وسمیت به لان المفتی یقوی السائل بجواب حادثة۔**[1127]

فتوی فتی سے مشتق ہے اور فتی شاب قوی ہوتا ہے۔ فتویٰ کا نام فتویٰ اس لئے رکھا گیا کیونکہ مفتی سائل کو حادثہ کے جواب کے ساتھ قوی کر دیتا ہے۔ اس سے افتاء ہے فتویٰ کی جمع الفتاوِی اور الفتاویٰ آتی ہے۔ صاحب مصباح المنیر نے الفتاوِی (بکسر الواو) کو اصل قرار دیا ہے اور فتاویٰ (بفتح الواو) کو صرف تخفیف کیلئے جائز کہا ہے یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا نام الحاوی للفتاوِی رکھا ہے۔ آج کل عموماً الفتاویٰ (بفتح الواو) استعمال ہوتا ہے۔

افتاء کا لغوی معنی:

ھو الجواب لای سوال کان سواء کان متعلق بالاحکام الشرعیة او بغیرھا من المعاملات الاخری الدنیویة المحضة۔[1128]

یعنی افتاء سوال کا جواب دینے کو کہا جاتا ہے سوال چاہے احکام شریعت کے متعلق ہو یا دنیاوی معاملات میں سے کسی کے بارے میں ہو۔

افتاء کی اصطلاحی تعریف

ھو بیان حکم اللہ تعالیٰ بمقتضی الادلة الشرعیة علی جھة العموم والشمول۔[1129] ادلۃ شرعیۃ کے تقاضوں کے مطابق عموم وشمول کی جہت پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو بیان کرنے کا نام افتاء ہے۔" گویا فتاویٰ ان حوادثات وواقعات کے حل کا مجموعہ ہے جو مختلف حالات وازمنہ میں علماء امت کے سامنے پیش ہوئے اور انہوں نے ادلۃ شرعیہ کی روشنی میں ان مسائل کا حل تلاش کر کے امت کے سامنے پیش کیا۔ اس حل کو فتویٰ، مجموعہ کو فتاویٰ، حل کرنے والے کو مفتی اور حل طلب کرنے والے کو مستفتی کہا جاتا ہے جبکہ اس عمل کو افتاء کہا جاتا ہے۔

مرجوح قول پر نہ فتویٰ دینا جائز ہے نہ عمل کرنا:

[1127] مقدمۃ ردالمختار ص ۱۷۲۔ مطبوعۃ مکتبۃ حنفیۃ

[1128] المصباح ج ۱ ص ۱۵۔

[1129] الاساس الشرعی والقانونی ص ۱۲۸۔ فتاویٰ فریدیۃ ص ۱۰۱۔

تَرْجِيحُهُ عَنْ أَهْلِهِ قَدْ عُلِمَا

جان لیجیے کہ اس کی پیروی واجب ہے۔ جس کی ترجیح اصحابِ ترجیح کی طرف سے جانی گئی ہو۔

أَوْ كَانَ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ وَلَمْ يُرَجِّحُوْا خِلَافَ ذَالِكَ فَاعْلَمْ

یا وہ قول ظاہرِ روایت ہو، اور نہیں ترجیح دی ہو اصحابِ ترجیح نے اس کے علاوہ قول کو، پس یہ بات اچھی طرح جان لیجیے۔

مذکورہ اشعار کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص خود عمل کرنا چاہے یا دوسرے کو فتویٰ دینا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قول اختیار کرے جس کو علمائے مذہب نے ترجیح دی ہے۔ کیوں کہ مرجوح قول پر نہ تو عمل کرنا جائز ہے نہ فتویٰ دینا۔ البتہ بعض مخصوص حالات میں مرجوح قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ شعر نمبر ۷۰ اور ۷۱ میں آرہا ہے۔

فتویٰ دینے سے پہلے تحقیق ضروری ہے: علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ کے آخر میں ایک فتویٰ کے ضمن میں لکھا ہے کہ: ''مختلف فیہ مسائل میں راجح مرجوح کو پہچاننا اور قوی وضعیف کو جاننا علمِ فقہ کی تحصیل میں پائینچے چڑھانے والوں کی آخری آرزو ہے۔ مفتی اور قاضی کے لیے فرض ہے کہ تحقیق کے بعد جواب دیں۔ اٹکل پچو نہ ہانک دیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے سے ڈریں، اور اتباعِ ہویٰ، خواہشات کی پیروی اور مال کی طرف میلان حرام ہے۔ یہ مال تو بڑی آفت اور مصیبتِ کبریٰ ہے۔ غرض فتویٰ دینا نہایت اہم کام ہے، اس معاملے میں بے باک، بدبخت و جاہل ہی ہو سکتا ہے۔''[1130]

طبقاتِ فقہا میں نے نویں شعر کے دوسرے مصرعے میں اہلِ ترجیح کی تصحیح کی قید لگائی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کسی بھی عالم کی ترجیح کا اعتبار نہیں (بلکہ جن فقہا میں ترجیح کی اہلیت ہے انہی کی ترجیح معتبر ہے) علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان نے جن کی شہرت ابنِ کمال پاشا کے نام سے ہے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ: ''مقلد مفتی کے لیے اس شخص کا حال جاننا ضروری ہے جس کے قول پر وہ فتویٰ دے رہا ہے۔ حال جاننے کا مطلب محض نام و نسب اور وطنی نسبت جاننا نہیں ہے کہ محض اتنی بات بالکل بے فائدہ ہے، بلکہ یہ جاننا ضروری ہے کہ مسائل روایت کرنے میں اس کا کیا مقام ہے، اور مسائل کے دلائل سمجھنے میں اس کا کیا مرتبہ ہے۔ اور طبقات فقہا میں سے وہ کس طبقے کا ہے۔ یہ باتیں جاننے سے مفتی کو کامل بصیرت حاصل ہو گی اور وہ مختلف رائیں رکھنے والے فقہا کے درمیان امتیاز کر سکے گا، اور متعارض اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے پر اس کو کافی قدرت حاصل ہو گی۔ اس لیے ذیل میں ہم فقہا کے طبقات بیان کرتے ہیں۔ فقہا کے سات طبقات (درجات) ہیں۔

[1130] (فتاویٰ خیریہ ج ۲، ص: ۱۳۱)

پہلا طبقہ: مجتہدین مطلق کا ہے، جنھوں نے شریعت میں اجتہاد کیا ہے، مثلاً ائمہ اربعہ اور وہ مجتہدین جو ان کی روش پر چلے ہیں جنھوں نے اصولِ فقہ کے قواعد کی بنیاد رکھی ہے، اور اصول و فروغ میں کسی کی تقلید کیے بغیر ادلہ اربعہ، (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع اور (۴) قیاس سے فروعی احکام مستنبط کیے ہیں۔

دوسرا طبقہ: مجتہدین في المذہب کا ہے، جیسے امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے تلامذہ جو اپنے استاد کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کی روشنی میں ادلہ اربعہ سے احکام مستنبط کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ان حضرات نے اگرچہ بعض جزئیات میں اپنے استاذ کی مخالفت کی ہے، مگر اصول میں وہ اپنے استاذ کی پیروی کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ: مجتہدین في المسائل کا ہے۔ جن جزئیات میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے تلامذہ سے کوئی روایت منقول نہیں یہ حضرات اپنے اجتہاد سے ان کے احکام بیان کرتے ہیں۔ مثلاً: خصاف، طحاوی، کرخی، حلوانی، سرخسی، بزدوی، اور قاضی خان وغیرہ۔ یہ حضرات امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں اور نہ فروع میں۔ البتہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجویز کردہ اصول و ضوابط کو پیشِ نظر رکھ کر ان جزئیات کے احکام مستنبط کر سکتے ہیں جن کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی قول مروی نہیں ہے۔

چوتھا طبقہ: اصحابِ تخریج کا ہے۔ یہ حضرات مقلد ہوتے ہیں۔ مثلاً جصاص رازی اور ان کے ہم رتبہ حضرات۔ ان حضرات میں اجتہاد کی صلاحیت مطلق نہیں ہوتی، مگر چوں کہ یہ حضرات اصول کو اچھی طرح محفوظ کیے ہوئے ہوتے ہیں، اور ان اصول کے مآخذ سے بھی واقف ہوتے ہیں اس لیے صاحبِ مذہب سے یا ان کے کسی مجتہد شاگرد سے منقول کسی ایسے قول کی جو مجمل اور ذو وجہین ہوتا ہے، یا کسی ایسے حکم کی جس میں دو احتمال ہوتے ہیں، اپنی خداداد صلاحیت سے اور اپنے امام کے اصول پیشِ نظر رکھ کر اور نظائر و امثال پر قیاس کر کے تفصیل و تعیین کر سکتے ہیں۔ ہدایہ میں جو کہیں کہیں آتا ہے کہ **كذا في تخريج الكرخي** اور **كذا في تخريج الرازي**، اس کا یہی مطلب ہے، یعنی امام کرخی اور امام جصاص رازی نے ان مسائل کی تفصیل کی ہے۔

پانچواں طبقہ: اصحابِ ترجیح کا ہے۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں۔ ان میں بھی اجتہاد کی مطلق صلاحیت نہیں ہوتی۔ جیسے قدوری، صاحبِ ہدایہ اور انہی جیسے دوسرے حضرات۔ ان فقہا کا کام مختلف روایتوں میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا ہے۔ جس کے لیے عام طور پر یہ تعبیر اختیار کی جاتی ہے۔ **هذا أولى** (یہ بہتر ہے)، **هذا أصح رواية** (اس کی روایت زیادہ صحیح ہے)، **هذا أوضح** (یہ دلائل کے اعتبار سے زیادہ واضح ہے)، **هذا أوفق للقياس** (یہ قیاس سے زیادہ ہم آہنگ ہے) **هذا أوفق للناس** (اس میں لوگوں کے لیے زیادہ سہولت ہے)

چھٹا طبقہ: اصحابِ تمیز کا ہے۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں، مگر اقویٰ، قوی اور ضعیف کے درمیان امتیاز کرسکتے ہیں۔ نیز ظاہرِ روایت، ظاہرِ مذہب اور روایتِ نادرہ کے درمیان فرق کرسکتے ہیں۔ مثلاً متونِ معتبرہ کنز، مختار، وقایہ اور مجمع کے مصنفین۔ ان حضرات کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں مردود اقوال اور ضعیف روایتیں نقل نہ کریں۔

ساتواں طبقہ: ان فقہاء کا ہے جو مقلد محض ہوتے ہیں، اور جو مختلف اقوال میں تمیز بھی نہیں کرسکتے ہیں، نہ کار آمد اور نکمے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں، نہ دائیں بائیں میں فرق کرسکتے ہیں، بلکہ جو کچھ مل جاتا ہے سب اپنی کتابوں میں جمع کرلیتے ہیں۔ ان کا حال رات میں لکڑیاں چننے والے جیسا ہے، اور ان لوگوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو ان کی تقلید کرتے ہیں (ابنِ کمال پاشا کی عبارت پوری ہوئی، درمیان سے کچھ عبارت چھوڑ بھی دی گئی ہے اور سلسلے میں مزید گفتگو آگے آئے گی)۔ فائدہ: علامہ ابنِ کمال پاشا نے فقہا کی جو درجہ بندی کی ہے اس کو تو علمانے بہ نظرِ استحسان دیکھا ہے۔ مگر ہر طبقے کی جو مثالیں دی ہیں اس میں مناقشہ کیا ہے۔ مثلاً: صاحبین کو طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔ حالاں کہ یہ دونوں حضرات مجتہدِ مطلق کے درجے کی صلاحیتیں رکھتے تھے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے شرح وقایہ کے حاشیے عمدۃ الرعایۃ کے مقدمے میں اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ: ''حق یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات مجتہدِ مطلق تھے۔ دونوں نے اجتہادِ مطلق کا رتبہ حاصل کرلیا تھا، مگر استاذ کی تعظیم کرتے ہوئے اور غایتِ ادب سے انھوں نے استاذ ہی کے اصولوں کو اپنا لیا، اور انہی کی روش اختیار کی۔ اور ان کے مذہب کی نشر واشاعت اور تائید ونصرت میں لگ گئے، اور اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کردیا، اس لئے ان کو مجتہدِ مطلق کے بجائے مجتہد فی المذہب شمار کیا گیا ہے۔'' امام خصاف، امام طحاوی اور امام کرخی رحمہم اللہ تعالیٰ کو تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے، حالاں کہ ان حضرات کا درجہ اس سے بلند ہے۔ کیوں کہ انھوں نے بہت سے مسائل میں امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے اختلاف کیا ہے، جیسا کہ کتبِ فقہ اور کتبِ خلافیات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

محض مطالعہ سے فتویٰ دینا جائز نہیں: علامہ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاوی میں میری نظر سے گزرا ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، اس نے کسی استاذ سے علمِ فقہ حاصل نہیں کیا، اور اپنے مطالعے کے زور پر فتویٰ دیتا ہے تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اس شخص کے لیے فتویٰ دینا کسی بھی طرح درست نہیں، کیوں کہ وہ عامی جاہل ہے، اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، بلکہ جو شخص معتبر استاذ سے علمِ فقہ حاصل کرتا ہے اس کے لیے بھی ایک دو کتابوں کو دیکھ کر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ دس بیس کتابیں دیکھ کر بھی فتویٰ دینا جائز نہیں کیوں کہ اتنے آدمی بھی کبھی ایسے قول پر اعتماد کرلیتے ہیں جو مذہب میں ضعیف ہوتا ہے، اور ضعیف قول میں تقلید جائز نہیں۔

فتویٰ دینے کے لیے کیا صلاحیتیں ضروری ہیں؟ ہاں جو شخص فقہ کا ماہر ہے۔ جس نے معتبر اساتذہ سے علمِ فقہ حاصل کیا ہے، اور اس میں فقہ کا فطری ذوق بھی ہے، اور اس کو فقہ کا ملکہ حاصل ہوگیا ہے تو ایسا شخص صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کرسکتا ہے۔ اور مسائل اور ان کے

متعلقات کو قابلِ اعتماد طریقے پر جان سکتا ہے۔ غرض ایسا شخص لوگوں کو فتویٰ دے سکتا ہے، یہ شخص اس قابل ہے کہ لوگوں کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بنے۔

نااہل مفتی کی سزا: اور جو شخص ایسا نہیں ہو گا، وہ اگر اس منصب شریف پر چڑھنے (حاصل کرنے) کی کوشش کرے تو اس کو ایسی عبرت ناک سزا دینی چاہیے، اور اس کو ایسی سخت سرزنش کرنی چاہیے کہ وہ سزا دوسروں کو ایسی حرکت کرنے سے باز رکھے۔ کیوں کہ ایسے شخص کے مفتی بننے میں بے شمار مفاسد ہیں۔ واللہ اعلم (ابن حجر کا فتویٰ پورا ہوا)

فتویٰ ظاہرِ روایت پر دینا چاہیے: دسویں شعر میں کہا گیا تھا کہ ظاہرِ روایت کی پیروی واجب ہے، بشرطیکہ اربابِ ترجیح نے اس کے خلاف دوسرے قول کو ترجیح نہ دی ہو۔ اس کا مطلب یہ کہ جو مسائل امام محمّد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور کتابوں میں مروی ہیں ان پر فتویٰ دینا چاہیے۔ اگرچہ کسی امام نے صراحتاً ان کی تصحیح نہ کی ہو، کیوں کہ ان کا ظاہرِ روایت ہونا ہی ان کی صحت کی بڑی دلیل ہے۔ ہاں اگر ائمہ کسی ایسی روایت کی تصحیح کریں جو کتبِ ظاہرِ روایت کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے تو پھر ان کی تصحیح کی پیروی کی جائے گی۔ علامہ طرسوسی رحمہ اللہ تعالیٰ أنفع الوسائل میں ما به کفالة کے بیان میں لکھتے ہیں کہ: "مقلد قاضی کے لیے ظاہر روایت کے مطابق ہی فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ شاذ روایت پر قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا، اِلاَّ یہ کہ ائمہ نے صراحت کی ہو کہ فتویٰ شاذ روایت پر ہے اھ۔ وَ کُتُبُ ظَاهِرِ الرِّوَایَاتِ أَتَتْ سِتًّا وَبِالْأُصُوْلِ أَیْضًا سُمِّیَتْ اور ظاہرِ روایت کی کتابیں آئی ہیں (تعداد میں) چھ، اور وہ اصول بھی کہلاتی ہیں۔

غیر مجتہد مفتی صرف ناقلِ فتاویٰ ہوتا ہے:

رملی کا ابنِ نجیم پر رد: میں (علامہ شامی) کہتا ہوں کہ ابنِ نجیم کے اس کلام میں جو بے ربطی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ اسی وجہ سے خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر کے حاشیے مظہر الحقائق میں اس عبارت پر اعتراض کیا ہے کہ ابنِ نجیم کا یہ فرمانا کہ "ہمارے لیے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا واجب ہے اگرچہ ہم نہ جانتے ہوں کہ امام صاحب نے وہ قول کہاں سے کیا ہے" یہ بات امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کے خلاف ہے کہ "کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کس دلیل سے بات کہی ہے۔" کیوں کہ امام صاحب کا یہ قول صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ غیر مجتہد کے لیے فتویٰ دینا ہی جائز نہیں۔ پھر اس قول سے اس بات پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ امام اعظم کے قول پر فتویٰ دینا واجب ہے؟ (اور اگر کوئی شبہ کرے کہ آج کل تو مجتہد مفتی کا وجود نہیں تو کیا اب فتویٰ دینا ہی جائز نہیں؟ رملی اس کا جواب دیتے ہیں:) "تو میں کہتا ہوں کہ غیر مجتہد جو فتویٰ دیتا ہے وہ درحقیقت فتویٰ ہی نہیں، وہ تو صرف مجتہد کی بات نقل کرتا ہے، اس نے یہ فرمایا ہے (اور محض نقل کے لیے دلیل کا جاننا ضروری نہیں) اور اس اعتبار سے امام صاحب کے علاوہ دوسرے کا قول نقل کرنا بھی جائز ہے۔ پھر ہمارے ذمے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا گو کہ مشائخ نے آپ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہو کیسے واجب ہو گیا؟ جب کہ ہم ان مشائخ کے فتاویٰ کے صرف ناقل ہیں (رملی کی عبارت پوری ہوئی)

مشائخ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلائل سے بخوبی واقف تھے:

رملی کے رد کی وضاحت اور مزید رد: اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ مشائخ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل سے واقف تھے، اور وہ جانتے تھے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہاں سے قول لیا ہے۔ نیز وہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ کے اقوال کے دلائل سے بھی واقف تھے، پھر وہ تلامذہ کی دلیلوں کو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں، اور مشائخ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول سے عدول اس وجہ سے کیا ہے کہ ان کو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی دلیل معلوم نہیں تھی، کیوں کہ ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے دلائل قائم کر کے کتابیں بھر دی ہیں، پھر وہ کہتے ہیں کہ فتویٰ مثال کے طور پر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ اور ہم میں جب دلائل میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اور ہم تفریع و تاصیل کی شرائط حاصل کرنے میں مشائخ کے درجے تک نہیں پہنچ سکے ہیں تو ہمارے ذمے ان مشائخ کے اقوال کو نقل کرنا ہے، کیوں کہ وہی حضرات مذہبِ حنفی کے وہ پیروکار ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مذہب کو مدلل کرنے کے لیے اور اپنے اجتہاد سے اس کو سنوارنے کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

علامہ مولانا شیخ القرآن والحدیث محمد روشن صدیقی حسینی کوکاروی حفظہ اللہ تعالیٰ سابقہ صدر مدرس گورنمنٹ دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف نے اشارہ سبابہ کے مسئلے پر ایک مکمل رسالہ "فتح الباب لسد ابواب الارتیاب" تحریر کیا ہے۔

جب حضرت علامہ حلوانی صاحب رحمہ اللہ سے مسئلہ اشارہ حالت تشہد میں اختلاف کی بنیاد پڑھکر روز بروز ترقی کرتے ہوئے مذہب احناف کو تار تار کر کے علماء کرام احناف کے ہاں ان میں کئی آراء منظر عام پر آئیں۔ نورالانوار میں ہے کہ **الساکۃ عن الحق شیطان اخرس۔** حق کے بیان کرنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔[1131]

ایضاً: وروی ان عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان امیراً علی سریۃ وأصبتہ جنابۃ فتیمم وصلی بھم الفجر۔ وعلم النبی ﷺ علی ذلک ولم یأمرہ بالاعادۃ وھذا استصواب منہ ﷺ لان السکوت عن الحق حرام قال ﷺ: الساکۃ عن الحق شیطان اخرس: المستصفی للامام عبداللہ بن احمد النسفی کتاب الصلوٰۃ۔[1132]

(ایضاً قال) لان السکوت عن الحق حرام بقولہ علیہ السلام: الساکۃ عن الحق شیطان اخرس۔[1133]

[1131] (نورالانوار ص۲۱۹)

[1132] (نورالانوار ج۱ ص۵۰۸)

[1133] (نورالانوار ج ۱ ص۳۵۷، صحیح مسلم ج ۱ ص۵۰ باب الحث علی اکرام الجار، سنگین فتنہ ص۹۱۸، اصول تکفیر ص ۱۷۱ بحوالہ تفیر الکاشف ج۵ ص۳۲، تلویح ص۵۲۳، تذکرۃ الابرار والاشرار ص۴، الرسالۃ القشیریۃ ج ۱ ص ۱۵۰، شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۰، شذرات الذھب ج۳ ص۳۲۴ دار الکتب العلمیہ)

عمروبن العاص رضی اللہ عنہ ایک سریہ پر امیر تھے ان پر غسل لازم ہو گیا تو انہوں نے تیمم کر کے نماز فجر پڑھی اور رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا لیکن آپ ﷺ نے ان کو نماز کے اعادہ کا حکم نہ فرمایا کیونکہ آپ ﷺ ان کو حق پر سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ حق سے خاموشی حرام ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حق کے بیان سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے لہذا اس گناہ سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کیلئے میں نے اپنے علم کے مطابق اس مسئلہ کو پورا پورا حق دینے والوں کا ظاہر کرنا لازمی سمجھا اور اس کو بیان کرنے کیلئے قلم اٹھایا۔ **واسئل اللہ التوفیق وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم وعلیہ التکلان۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علامہ محدث عظیم الشان مفسر قرآن عظیم شیخنا و شیخ المشائخ غوث الثقلین محبوب سبحانی سید محی الدین عبد القادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اور محی السنۃ ممیت البدعت ننگ اسلاف لوالسنۃ کا علم بردار فخر الاولیاء پیر پیران صاحب کمالات ظاہریہ وباطنیہ مقتدائے اولیائے نقشبندیہ رئیس المجددین مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمھم اللہ تعالیٰ کے مقدسہ نامہائے مبارکہ: **والحمدللہ علی ذلک**: کو منسوب مسئلہ اشارہ کہ نماز میں عدم جواز پر ایک معرکۃ الآراء تحریر پیش خدمت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللہ الذی جعلنامسلمین الموحدین عالمین باالقرآن والسنۃ ومقلدین لامام الاعظم امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وعاملین بحکمہ المتین وجعلنامن المحققین التابعین للحق وحفظنامن تقلید العمیان واتباع الھواءواھل الھواءوارسل الینارسول الثقلین سیدالمرسلین وعلی اٰلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

امابعدفیقول العبدالضعیف خادم العلم والعلماءوالاتقیاءالمولوی محمدروشن ولد قاضی عنوان الدین الصدیقی الحسینی الکوکاروی السواتی بتوفیق اللہ تعالیٰ ووفقہ اللہ تعالیٰ لمایحب ویرضیٰ: اعلم ایھاالذکی أنی فی ھذہ الایام قداحاطت بی عوائق وموانع منزلیۃ وخارجیۃ فکادت تحول بینی وبین الافکار الجمیلۃ البھجۃ التی اریدہ۔

اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ کئی سالوں سے نماز میں قعدہ کی حالت میں مسبحہ سے غیر اللہ کی نفی اور وحدانیت کے اثبات کیلئے اشارہ کرنے کے بارے میں مثبتین اور نافین کی جانب سے رسالے لکھ چکے ہیں مثبتین اسے مستحب وسنت کہتے ہیں اور نافین اسے نہ کرنا بہتر ومکروہ اور حرام بتاتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ مثبتین نافین پر سخت تنقید کرتے ہیں اگرچہ مذاہب حقہ میں اس کیلئے امثال موجود ہے مثلاً علماء کرام تحریر فرماہیں کہ ہمارے احناف کے نزدیک متروک التسمیہ عمداً کھانا حرام ہے اور شوافع کے نزدیک حرام نہیں جس طرح اس مسئلے کا بیان کرنے والا مجرم اور قابل عتاب نہیں اس طرح مسئلہ اشارہ کے بیان کرنے والے کو موجب تنقید بنانا درست نہیں مگر تحقیق کرنا چاہیئے کہ اصل مسئلہ کس طرح ہے۔ اسلئے میں نے مجبوراً اپنی استعداد کے مطابق کچھ لکھنا ضروری سمجھا تا کہ اس وعید سے بچوں کہ حضور علیہ السلام سے نورالانوار ص ۲۱۹ پر منقول ہے۔

الساکۃ عن الحق شیطان اخرس۔ کہ حق بیان کرنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔ اور ناظرین کرام کی خدمت میں عرض بلب ادب یہ ہے کہ **خذ ما صفا و دع ما کدر** یعنی صحیح بات کو لے لیں اور غیر صحیح بات کو چھوڑ دیں۔ اور غلطی کو اس پر محمول کریں کہ مجتہد کبھی حق کو پہنچتا ہے اور کبھی غلطی کا شکار ہوتا ہے تو پھر ہم جیسے کم علم پندرھویں صدی والے اگر غلطی کا شکار ہو جائیں تو کوئی عجیب بات نہیں۔

طریقہ کام:

عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَهُ: "كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عُرِضَ عَلَيْكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ: أَقْضِي بِمَا فِي كِتَابِ اللهِ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ قَالَ: بِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ؟ قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِي لَا آلُو، قَالَ: فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ" وَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يَرْضَى رَسُولُ اللهِ۔

ترمذی وابوداود ودارمی نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجنا چاہا فرمایا کہ جب تمھارے سامنے کوئی معاملہ پیش آئے گا تو کس طرح فیصلہ کروگے عرض کی کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو کیا کروگے عرض کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ فیصلہ کروں گا فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ پاؤ تو کیا کروگے عرض کی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اجتہاد کرنے میں کمی نہ کروں گا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور یہ کہا کہ حمد ہے اللہ (عزوجل) کے لیے جس نے رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے فرستادہ کو اُس چیز کی توفیق دی جس سے رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) راضی ہے۔[1134]

حدیث مذکورہ کے مطابق پہلے آیات قرآنی:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲)

بیشک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔

۲۔ خشوع کا اصطلاحی معنیٰ: علامہ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری المتوفیٰ ۴۶۵ھ لکھتے ہیں کہ خشوع کا معنیٰ ہے حق کی اطاعت کرنا۔

محمد بن علی الترمذی نے کہا کہ خاشع وہ شخص ہے جس کی شہوت کی آگ بجھ گئی ہو اور اس کے سینے میں غضب کا دھواں ٹھنڈا ہو چکا ہو اس کے دل میں اللہ کی تعظیم کا نور روشن ہو اور اس کے اعضاء سے تواضع ظاہر ہو۔[1135]

1134 (مشکوٰۃ ص ۳۲۴ باب العمل فی القضاء الفصل الثانی)

1135 (تبیان ج ۷ ص ۱۴۳)

علماء نے اختلاف کیا کہ خشوع افعال قلوب میں سے ہے یا افعال جوارح یعنی اعضائے ظاہری میں سے ہے اور لغت میں خشوع کے معنیٰ سکون وتواضع وتذلل کے ہیں اور ابن کثیر نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خشوع رکھنے والے یعنی خوف وسکون رکھنے والے ہیں [1136]۔

۳۔ نماز میں خشوع:

اصطلاح میں خشوع یہ ہے کہ دل میں بھی سکون ہو اور اندا موں میں بھی سکون ہو۔[1137]

۴۔ خشوع: بالتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت) میں فلاح پائی جو (تصحیح عقائد کے ساتھ صفات ذیل کے ساتھ بھی موصوف ہیں یعنی وہ) اپنی نماز میں (خواہ فرض ہو یا غیر فرض) خشوع (خضوع) کرنے والے ہیں۔

فائدہ اول: خشوع کی تحقیق ہے سکون یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو بھی قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے۔ اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے۔[1138]

۵۔ وبإسناده عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله تَعَالَى {قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ} يَقُول قد فَازَ وَنَجَا وَسعد الموحدون بتوحيد الله أُولَئِكَ هم الوارثون الْجنَّة دون الْكفَّار وَيُقَال قد فَازَ وَنَجَا الْمُؤْمِنُونَ المصدقون بإيمَانهمْ والفلاح على وَجْهَيْن نجاح ثمَّ ذكر نعت الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ {الَّذين هُمْ فِي صَلاَتِهِمْ خَاشِعُونَ} مخبتون متواضعون لَا يلتفتون يَمِينا وَلَا شمالاً وَلَا يرفعون أَيْديهم فِي الصَّلَاة۔[1139]

یعنی موحدین بتوحید اللہ تعالیٰ تحقیق کامیاب ہوئے اور نجات والے اور سعادت مند ہوئے اور جنت کے وارثین یہی لوگ ہیں کافر نہیں ۔اور کہا جاتا ہے یقیناً کہ مؤمنون تصدیق کرنے والوں نے نجات پائی۔ کامیابی دو طرح کی ہے کامیابی اور بقا۔ پھر مؤمنون کی صفت بیان کی (الَّذين هُمْ فِي صَلاَتِهِمْ خَاشِعُونَ (مخبتون متواضعون کہ جانب راست وچپ کو نہیں دیکھتے اور نمازوں میں اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

٦۔ وقال مجاهد والزهري: الخشوع: سكون الأطراف في الصلاة۔

وعن ابن عباس: خاشعون"، خائفون ساكنون۔

1136 (تفسیر مواھب الرحمٰن ج٦ ص٣)

1137 (معارف القرآن پشتو ج٦ ص١٠ مؤلفہ مفتی مولانا محمد شفیع)

1138 (تفسیر بیان القرآن مؤلفہ اشرف علی تھانوی)

1139 (تفسیر ابن عباس ص ٢١٢-٢١١ فاروقی ملتان)

یعنی مجاہد اورزہری فرماتے ہیں کہ خشوع نماز میں اطراف کاسکون ہی ہے اورابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خاشعون خوف کرنے والے اور سکون کرنے والے۔[1140]

۷۔ جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب وہ اس کے سامنے جائے تو سر جھک جائے اعضاءڈھیلے پڑجائیں ، نگاہ پست ہوجائے آوازدب جائے اور ہیبت زدگی کے وہ سارے آثاراس پر طاری ہوجائیں جواس حالت میں فطرتاًطاری ہوجایاکرتے ہیں جبکہ آدمی کسی زبردست باجبروت ہستی کے حضور پیش ہو۔

نماز میں خشوع سے مراددل اور جسم کی یہی کیفیت ہے اور یہی نماز کی اصل روح ہے۔حدیث میں آتاہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہاہے اور ساتھ داڑھی کے بالوں سے کھیلتاجاتاہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایااگراس کے دل میں خشوع ہوتاتواس کے جسم پر بھی خشوع طاری ہوتا۔ آگے لکھتاہے حکم یہ ہے کہ نماز کاہر فعل پوری طرح سکون اوراطمینان سے اداکیاجائے۔[1141]

۸۔ابن جریروابن المنذروابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت کیاکہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲)سے مرادہے کہ وہ ڈرنے والے اور (نماز میں)پرسکون ہوتے ہیں۔عبدالرزاق وعبدبن حمیدوابن جریروابن ابی حاتم نے زہری سے دریافت کیاکہ۔۔۔یعنی نماز میں خشوع سے مرادآدمی کااپنی نماز میں پرسکون رہناہے۔[1142]

۹۔والخشوع في الصلاة: هو حضور القلب بين يدي الله تعالى، مستحضرا لقربه، فيسكن لذلك قلبه، وتطمئن نفسه، وتسكن حركاته، یعنی نماز میں خشوع اللہ تعالیٰ کے سامنے دل کاحضورہے آپ کے قرب کوحاضرہواس لئے اس کے دل ساکن اوراس کانفس مطمئن ہواوراس کے حرکات ساکن ہوں۔[1143]

۱۰۔عبارة الكرخي قوله (اى به جلالين)قاله مقاتل أو خاضعون بالقلب ساكنون بالجوارح۔ تواضع کرنے والے ہوتے ہیں اس کومقاتل نے کہایادل میں خوف کرنے والے اور جوارح میں سکون کرنے والے ہوتے ہیں۔[1144]

1140 (الهداية إلى بلوغ النهاية في علم معاني القرآن وتفسيره، وأحكامه، وجمل من فنون علومه ج۵ ص ۷۴ أبو محمد مكي بن أبي طالب حَمّوش بن محمد بن مختار القيسي القيرواني ثم الأندلسي القرطبي المالكي (المتوفى: 437هـ) دار العلميه بيروت)

1141 (تفسیر تفہیم القرآن ج۳ص ۲۶۱ مؤلفہ مودودی ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

1142 (تفسیر در منثور لجلال الدین السیوطی رحمہ اللہ دارالاشاعت اردوبازار کراچی ج۶ ص ۹۷-۹۶)

1143 (تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، عبد الرحمن بن ناصر بن عبد الله السعدي (المتوفى: 1376هـ)، الناشر: دار ابن حزم بيروت ص ۵۲۰)

1144 (حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج۳ص ۱۸۳ مؤلفہ سیمان الجمل رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۰۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

۱۱۔عن اسماء بنت ابی بکر عن أم رومان والدة عائشة قالت رانی أبو بکر الصدیق أتمیل في صلاتی فزجرنی زجرة کدت انصرف من صلاتی قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول إذا قام أحدکم في الصلاة فلیسکن أطرافه لا یتمیل تمیل الیهود فان سکون الأطراف في الصّلوة من تمام الصّلوة-ازالة الخفا منه رح-

عمرو بن دینار رحمہ اللہ نے کہا کہ خشوع سکون ہے اور ہیئت حسنہ ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے نماز میں تمایل کرتے ہوئے دیکھا تو ایسے سختی سے منع کیا اور جھڑکا کہ قریب تھا کہ میں نماز چھوڑ دوں فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ جب تم نماز ادا کرتے ہو تو اپنے اندامو ں کو ساکن رکھو اور یہودیوں کی طرح تمایل نہ کرو اس لئے کہ نماز میں اطراف کو ساکن کرنا نماز مکمل کرنا ہے۔[1145]

۱۲۔ الخشوع التذلل مع خوف وسکون للجوارح، ولذا قال ابن عباس فیما رواه عنه ابن جریر وغیره خاشعون خائفون ساکنون۔ یعنی خشوع تابعداری کے ساتھ ڈرنا اور سکون جوارح واطراف ہے اسلئے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جس کو ابن جریر وغیرہ نے روایت کیا کہ خاشعون کا معنی ڈرنے والے اور سکون کرنے والے ہوتے ہیں۔[1146]

۱۳۔لَا یرفعون أَیدیهم فِي الصَّلَاة۔ یعنی نماز میں ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے۔[1147]

۱۴۔والخشوع التطامُنُ، وسکونُ الأعضاءِ، والوقارُ، وهذا إنَّما یظهر في الأعضاء مِمَّنْ في قلبه خوف واستکانة لأَنَّه إذا خشع قلبُه خشعت جوارِحُه۔ یعنی خشوع اعضاء کا وقار اور سکون کے ساتھ تھامنا ہے یہ کیفیت ان لوگوں میں ظاہر ہوتی ہے جن کے دل میں خوف اور تابعداری ہو اسلئے کہ جب اس کے دل میں خشوع ہو تو جوارح میں خشوع ہو گا۔[1148]

۱۵۔{خَاشِعُونَ} خائفون، أو خاضعون، أو ساکنون۔ یعنی ڈرنے والے یا خضوع کرنے والے یا سکون کرنے والے۔[1149]

۱۶۔حَقِیقَتُهُ السُّکُونُ: قَالَ مُجَاهِدٌ: کَانَ ابْنُ الزُّبَیْرِ إِذَا قَامَ یُصَلِّي کَأَنَّهُ عُودٌ مِنَ الْخُشُوعِ. یعني خشوع کی حقیقت سکون ہے مجاہد نے فرمایا کہ ابن زبیر رحمہ اللہ کا یہ حال تھا کہ جب نماز پڑھتے ہوئے کھڑے ہوتے تو خشوع کی وجہ سے لکڑی معلوم ہوتا۔[1150]

1145 (التفسیر المظهري المظهري، ص۳۶۳-۳۶۲ قاضی محمد ثناء اللہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۲۵ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

1146 (روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني شهاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسیني الآلوسي (المتوفی:1270ھ-) ص۵ ج۱۸ المکتبہ الحقانیہ ملتان)

1147 (ص۲۱۲ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس لعبد اللہ بن عباس-رضي اللہ عنهما-(المتوفی:68ھ-) فاروقی کتب خانہ ملتان)

1148 (ص۱۷۴ ج۱۲ الجواهر الحسان في تفسیر القرآن، أبو زید عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف الثعالبي (المتوفی:875ھ-) دار لکتب العلمیہ-بیروت)

1149 (تفسیر القرآن (وهو اختصار لتفسیر الماوردي) أبو محمد عزالدین عبد العزیز بن عبد السلام بن أبي القاسم بن الحسن السلمي الدمشقي، الملقب بسلطان العلماء (المتوفی:660ھ-) دار لکتب العلمیہ-بیروت)

1150 (ج۳ ص۳۱۲ أحکام القرآن القاضي محمد بن عبد اللہ أبو بکر بن العربي المعافري الاشبیلي المالکي (المتوفی:543ھ-)

۱۷۔عمرو بن دینار: لیس الخشوع الرکوع والسجود ولکنّه السکون۔[1151]

۱۸۔خاشِعُونَ مخبتون متضرعون متحننون نحو الحق عن ظهر القلب وجميع الجوارح والأركان بلاتلعثم وعثور۔

عاجزی کرنے والے زاری کرنے والے حقیقت کی طرف مائل ہونے والے دل کی گہرائی سے اسی طرح تمام اندام اورارکان بغیر سستی وکوتاہی کے ادا کرنے والے اوران کے ظواھر اللہ تعالیٰ کیلئے عاجزی کرنے والے ہوں اور بعض نے کہا کہ اس کے اندام ساکن ہوں۔[1152]

۱۹۔وَأخرج عبد الرَّزَّاق وَعبد بن حميد وَابْن جرير وَابْن أبي حَاتِم عَن الزُّهْرِيّ {الَّذين هم فِي صلَاتهم خاشعون} قَالَ: هُوَ سُكُون الْمَرْء فِي صلَاته۔

وَأخرج ابْن جرير وان الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله {الَّذين هم فِي صلَاتهم خاشعون} قَالَ: خائفون ساكنون۔

یعنی زھری سے منقول ہے کہ خشوع آدمی کا اپنی نماز میں سکون کرنا ہے۔اورابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ڈرنے والے اندامو ں کو ساکن کرنے والے۔[1153]

۲۰۔قَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: هو السكون وحسن الهيئة۔[1154]

۲۱۔قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: {خَاشِعُونَ}: خَائِفُونَ سَاكِنُونَ. وَكَذَا رُوِيَ عَنْ مُجَاهِدٍ، وَالْحَسَنِ، وَقَتَادَةَ، وَالزُّهْرِيِّ.

(ج۳ص۳۱۷تفسير القرآن العظيم (ابن كثير أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774هـ)دار اليقين)

۲۲۔الَّذِينَ هُمْ فِي صَلاتِهِمْ خاشِعُونَ أي خائفون ساكنون، والخشوع: خشوع القلب، وهو الخضوع والتذلل مع الخوف وسكون الجوارح. يعني خاشعون معنی ڈرنے والے سکون اندام کرنے کو کہتے ہیں خشوع اصل میں دل کا خشوع ہے اوروہ عاجزی کرنے والے زاری کرنے والے ڈرنے کے ساتھ اوراندامو ں کو ساکن کرنے کو کہتے ہیں۔[1155]

[1151] (ص۳۱۶ج۴الكشف والبيان عن تفسير القرآن أحمد بن محمد بن إبراهيم الثعلبي، أبو إسحاق (المتوفى: 427هـ) دار لكتب العلميه - بيروت)

[1152] (ص۲۴۹-۲۴۸ج۳محبوب سبحانی سیدنا سید الاولیاء عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۷۱ھ) دار لکتب العلمیہ - بیروت)

[1153] (ج۵ص۱۵الدر المنثور عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911هـ) دار العلميه - بيروت)

[1154] (ج۳ص۲۵۵معالم التنزيل في تفسير القرآن = تفسير البغوي محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (المتوفى: 510هـ) دار العلميه - بيروت)

[1155] (ص۳۳۰ج۱۶التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج دوهبة بن مصطفى الزحيلي مكتبہ رشید کوئٹہ)

۲۳۔وَاخْتَلَفُوا فِي الْخُشُوعِ فَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ كَالْخَوْفِ وَالرَّهْبَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ مِنْ أَفْعَالِ الْجَوَارِحِ كَالسُّكُونِ وَتَرْكِ الِالْتِفَاتِ، وَمِنْهُمْ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ وَهُوَ الْأَوْلَى....وَمِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالْجَوَارِحِ أَنْ يَكُونَ سَاكِنًا...الی ان قال وَلَكِنَّ الْخُشُوعَ الَّذِي يُرَى عَلَى الْإِنْسَانِ لَيْسَ إِلَّا مَا يَتَعَلَّقُ بِالْجَوَارِحِ فَإِنَّ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْقَلْبِ لَا يُرَى...الخ

خشوع میں اختلاف ہے علماء میں سے ایک فریق اس کو دل کے افعال سے شمار کرتے ہیں جیسے ڈرنا اور گھبراہٹ اور دوسرا فریق سکون جوارح کے افعال میں گرادیتے ہیں جیسے سکون اور نہ دیکھنا اوران میں سے ایک جماعت خشوع کو دونوں سے بتاتے ہیں اور یہ بہتر ہے اور وہ جو اندامو ں میں سے ہے وہ یہ ہے کہ ساکن ہو یہاں تک کہ کہا) مگر وہ خشوع جس کو انسان دیکھتا ہے صرف وہ ہے جو اندامو ں سے متعلق ہو اس لئے کہ دل سے تعلق رکھنے کو نہیں دیکھ سکتے ہیں۔[1156]

۲۴۔ حَدَّثَنِي عَلِيٌّ، قَالَ: ثنا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: ثني مُعَاوِيَةُ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ: " {الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ} [المؤمنون:2] يَقُولُ: خَائِفُونَ سَاكِنُونَ.

مذکورہ حدیث میں بیان شدہ آیت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں: ڈرنے والے سکون کرنے والے۔[1157]

۲۵۔وَرُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَمُجَاهِدٍ وَالزُّهْرِيِّ: "الْخُشُوعُ السُّكُونُ" قَالَ أَبُو بَكْرٍ: الْخُشُوعُ يَنْتَظِمُ هَذِهِ الْمَعَانِيَ كُلَّهَا مِنَ السُّكُونِ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّذَلُّلِ وَتَرْكِ الِالْتِفَاتِ وَالْحَرَكَةِ وَالْخَوْفِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ فِي الصَّلَاةِ"

یعنی ابراہیم اور مجاہد اور زھری سے مروی ہے کہ خشوع سکون کو کہتے ہیں۔ابو بکر رحمہ اللہ تعالیٰنے فرمایا کہ خشوع ان سب معانی کو شامل ہے یعنی نماز میں سکون، عاجزی ادھر ادھر نہ دیکھنا اور حرکت نہ کرنا اور خوف کرنا اللہ تعالیٰ سے اور یقیناً رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اور حکم فرمایا کہ نماز میں سکون اختیار کرو اور نماز میں ہاتھوں کو حرکت نہ دو۔[1158]

۲۶۔لا بد من الجمع بين أفعال القلب والجوارح وهو الأولى۔

اندامو ں اور دل کے افعال کا جمع ضروری ہے اور یہ بہتر ہے۔[1159]

1156 (ص۷۷ج۲۳ مفاتيح الغيب = التفسير الكبير أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى:606هـ) مطبوعة الاميرية)

1157 (ص۱۹۸ج۹ تفسير الطبري = جامع البيان عن تأويل آي القرآن محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى:310هـ) دار الكتب العلمية بيروت)

1158 (ج۳ص۳۲۹ أحكام القرآن أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (المتوفى:370هـ) دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

1159 (ص۲۶۷ج۳ لباب التأويل في معاني التنزيل علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن، المعروف بالخازن (المتوفى: 741هـ) دار المعرفة - بيروت)

خائفون بالقلب ساكنون بالجوارح۔

دل میں ڈرنے والے اور اندا موں کو ساکن کرنے والے۔[1160]

۲۷۔ تفسیر فتح القدیر میں اس طرح ہے صحیح جمع ہے اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن حاتم عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ڈرنے والے اور اندا موں کو ساکن کرنے والے ہو۔[1161]

۲۸۔عن ابی هريرة ان النبي صلى الله عليه وسلم راى رجلا يعبث بلحيته في الصّلوة فقال لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه- رواه الحكيم الترمذي في نوادر الأصول بسند ضعيف۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نماز میں داڑھی میں عبث کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جوارح اندام بھی خاشع ہوتے۔[1162]

۲۹۔واختلفوا في الخشوع هل هو من فرائض الصلاة او من فضائلها على قولين والصحيح الاول۔

خشوع میں دو قول ہیں کہ نماز میں فرائض سے ہے یا کہ فضائل سے صحیح قول اول ہے کہ فرائض میں سے ہے۔[1163]

۳۰۔ وَالْخُشُوعُ مَحَلُّهُ الْقَلْبُ، فَإِذَا خَشَعَ خَشَعَتِ الْجَوَارِحُ كُلُّهَا لِخُشُوعِهِ۔ اور **يعبث بلحيته** والی حدیث کو بیان کیا۔یعنی خشوع کا مقام دل ہے جب دل خاشع ہو جائے تو سارے اندام خاشع ہو جاتے ہیں دل کے خشوع کی وجہ سے اور مظہری میں بیان کردہ حدیث کو بیان کی۔[1164]

۳۱۔خاشِعُونَ أي متواضعين وقال الزهري الذين لا يرفعون أيديهم في الصلاة إلا في التكبيرة الأولى، وروي عن علي رضي الله عنه أنه قال: لخشوع في الصلاة، أن لا تلتفت في صلاتك يميناً ولا شمالاً. الخ۔

1160 (ج۳ص۳۰۰تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل) أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (المتوفى:710ھ-) دار المعرفة- بيروت)

1161 (فتح القدیر ج۳ملاحظہ ۵۱۰،۵۰۸،۵۰۷ مؤلفہ لشوکانی دارالاحیاء بیروت)

1162 (ص۳۶۳ج۶التفسير المظهري، محمد ثناء الله مكتبة الرشدية-الباكستان)

1163 (جواهر الفرقان الاخند زادہ ولی محمد الحنفی (جامعہ جواهر الفرقان))

1164 (ج۱۲ص۱۰۳الجامع لأحكام القرآن=تفسير القرطبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى:671))

ترجمہ:خاشعون یعنی عاجزی کرنے والے اورزہری نے فرمایاوہ لوگ جو نماز میں اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے صرف پہلی تکبیر میں اٹھاتے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے آپ کرم اللہ وجہہ نے فرمایاکہ نماز میں خشوع یہ ہے کہ دائیں اوربائیں طرف نہیں دیکھتے۔[1165]

۳۲۔خشوع شریعت میں دل میں خوف اللہ تعالیٰ سے ہے تواس کے آثاراندامو ں پر ظاہر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والوں اور بہت زیادہ ثواب دینے والوں کی صفات میں خشوع کو بھی شمار کیاہے۔[1166]

۳۳۔فيه خمسة أوجه: أحدها: خائفون، وهو قول الحسن، وقتادة. والثاني: خاضعون، وهو قول ابن عيسى. والثالث: تائبون، وهو قول إبراهيم. والرابع: أنه غض البصر، وخفض الجناح، قاله مجاهد. الخامس: هو أن ينظر إلى موضع سجوده من الأرض، ولا يجوز بصره مُصَلاَّهُ، الخ۔

ترجمہ:خاشعون میں پانچ وجوہات ہیں:ایک ہے ڈرنے والے یہ حسن اور قتادہ کا قول ہے دوسری ہے عاجزی کرنے والے یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے تیسری ہے توبہ کرنے والے اور یہ ابراہیم کا قول ہے چوتھی ہے آنکھیں نیچے کرنے والے اورہاتھوں کو نیچے کرنے والے اس کو مجاہد نے فرمایاپانچویں ہے سجدہ کی جگہ کو دیکھنازمین سے اس سجدہ کی جگہ کو دیکھیں کہ اپنے مصلاسے نظر آگے نہ بڑھائے۔[1167]

۳۴۔خاشعون هم الذين قاموا لله بالله بنعت الهيبة في مشاهدة عظمة الله في مقام المناجاة الله۔یعنی خشوع کرنے والے وہ لوگ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہیبت کی صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت کامشاہدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے مقام میں کڑی ہو۔

۳۵۔اختلفوا في الخشوع فمنهم من جعله من أفعال القلوب كالخوف والرهبة، ومنهم من جعله من أفعال الجوارح كالسكون وترك الالتفات ومنهم من جمع بين الأمرين، وهو الأولى.

یعنی خشوع کے مصداق میں اختلاف ان میں سے بعض اس کو افعال قلوب سے اور بعض نے افعال جوارح اندامو ں (جسمانی ظاہری اعضاء)سے اور بعض نے دونوں سے مراد کی ہے کہ اس سے دل کااوراندامو ں دونوں کاخشوع مراد ہے اور یہ بہتر ہے۔

(اللباب في علوم الكتاب، ج۱۴، ص ۱۶۶، أبو حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (المتوفى: 775هـ) دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان)

1165 (ص۴۰۸ج۲بحر العلوم أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي (المتوفى: 373هـ) بيروت)

1166 (اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن تالیف الشیخ محمد الامین بن محمد المختار الجکنی الشنیطی ج۵ص۵۱۳دار الکتب العلمیہ بیروت)

1167 (ج۴ص۴۶تفسير الماوردي = النكت والعيون أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (المتوفى: 450هـ) دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان)

۳۶۔خشوع :خاضعون متذللون متواضعون مرعبون مشاهدهم یلزمون أبصارهم مساجدهم وقدصح انه علیه السلام کان یصلی رافعابصره الی السماءفلمانزلت رمی بصره نحو مسجده ای علی وجه الحیاءورأی رجلایعبث بلحیته فقال لو خشع قلب هذاالخشعت جوارحه وتحت الخط اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه۔

خاشعون معنی زاری کرنے والے عاجزی کرنے والے تواضع کرنے والے اپنے اندا موں کو مد نظر رکھنے والے اوراپنے سجدہ کی جگہ پر نظر بند کرنے والے کو کہتے ہیں۔یقیناً صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے جب یہ آیت نازل ہوئی توحیا کی وجہ سے اپنے سجدہ کی جگہ کو دیکھتے اورایک آدمی کو نماز کی حالت میں داڑھی کے ساتھ عبث کرتے ہوئے دیکھاتو فرمایا کہ اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتاتوضرور (لازمی طور پر)اس کے جوارح ساکن ہوتے اس کو ابن شیبہ اپنی مصنف میں لائے ہیں۔[1168]

۳۷۔وَالْخُشُوعُ لُغَةً الْخُضُوعُ وَالتَّذَلُّلُ، وَلِلْمُفَسِّرِينَ فِيهِ هُنَا أَقْوَالٌ: قَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: هُوَ السُّكُونُ وَحُسْنُ الْهَيْئَةِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: غَضُّ الْبَصَرِ وَخَفْضُ الْجَنَاحِ. وَقَالَ مُسْلِمُ بْنُ يَسَارٍ وَقَتَادَةُ: تَنْكِيسُ الرَّأْسِ. وَقَالَ الْحَسَنُ: الْخَوْفُ. وَقَالَ الضَّحَّاكُ: وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ. وَعَنْ عَلِيٍّ: تَرْكُ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ. وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ: إِعْظَامُ الْمَقَامِ وَإِخْلَاصُ الْمَقَالِ وَالْيَقِينُ التَّامُّ وَجَمْعُ الِاهْتِمَامِ. وَفِي الْحَدِيثِ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي رَافِعًا بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَلَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ رَمَى بِبَصَرِهِ نَحْوَ مَسْجِدِهِ، وَمِنَ الْخُشُوعِ أَنْ تُسْتَعْمَلَ الْآدَابُ فَيَتَوَقَّى كَفَّ الثَّوْبِ وَالْعَبَثَ بِجَسَدِهِ وَثِيَابِهِ وَالِالْتِفَاتَ وَالتَّمَطِّيَ وَالتَّثَاؤُبَ وَالتَّغْمِيضَ وَتَغْطِيَةَ الْفَمِ وَالسَّدْلَ وَالْفَرْقَعَةَ وَالتَّشْبِيكَ وَالِاخْتِصَارَ وتقليب الحصى. وفي التَّحْرِيرِ: اخْتُلِفَ فِي الْخُشُوعِ، هَلْ هُوَ مِنْ فَرَائِضِ الصَّلَاةِ أَوْ مِنْ فَضَائِلِهَا وَمُكَمِّلَاتِهَا عَلَى قَوْلَيْنِ، وَالصَّحِيحُ الْأَوَّلُ۔

لغوی معنی خشوع کاعاجزی اور تضرع ہے اور مفسرین کی یہاں بہت باتیں ہیں، عمروبن دینار رحمہ اللہ نے کہا کہ مراد سکون ہے اوراچھی ہیئت اور شکل ہے۔مجاھد کہتے ہیں کہ آنکھیں بند کرنایعنی نیچے کرنااورہاتھوں کو نیچے رکھنا ہے۔مسلم بن یساراور قتادہ نے کہا کہ سر کو نیچے کرنا ہے اور حسن کہاہے کہ ڈر کو کہتے ہیں اور ضحاک کے ہاں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھنا چاہیئے اورابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تعظیم سے کھڑا ہونا گفتاراخلاص کے ساتھ اور مکمل اہتمام اوریقین کو خشوع کہاجاتاہے اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نماز میں الخ۔

خشوع ادب سے کام کرنا کہ لباس لپیٹنے سے پرہیز کریں اور بدن اور لباس سے عبث نہ کریں۔ادھر ادھر نہ دیکھیں جمائی نہ کریں اورآنکھیں بند نہ کریں اور منہ کو بند نہ کریں کپڑے نہ لٹکائیں اورانگلیوں سے کڑاکے نہ نکالیں اورانگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالیں اور پہلو پر ہاتھ نہ رکھیں

1168 (تفسیر الملا علی القاری مسمیٰ بہ انوارالقرآن واسرارالفرقان ص۴۰۹-۴۰۸ج۳دارالکتب بیروت)

اور کنکریوں سے نہ کھیلنے کو خشوع کہتے ہیں۔اور تحریر میں ہے کہ خشوع میں اختلاف ہے کہ یہ نماز میں فرض ہے یا مستحب مگر صحیح اول یعنی فرض ہے۔[1169]

۳۸۔وفي المراد بالخشوع في الصلاة أربعة أقوال: أحدها: أنه النظر إلى موضع السجود. روى أبو هريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلّم إذا صلى رفع بصره إلى السماء، فنزلت: الذين هم في صلاتهم خاشعون» فنكس رأسه. وإلى هذا المعنى ذهب مسلم بن يسار، وقتادة. والثاني: أنه ترك الالتفات في الصلاة، وأن تُلين كنفك للرجل المسلم، قاله عليّ بن أبي طالب. والثالث: أنه السكون في الصلاة، قاله مجاهد، وإبراهيم، والزهري. والرابع: أنه الخوف، قاله الحسن۔

ترجمہ:ابن جوزی نے فرمایا کہ نماز میں خشوع سے مراد چار اقوال:ایک یہ کہ سجدہ کی جگہ کو دیکھنا ہے۔حضرت سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ فلاح والے لوگ اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں تو حضور علیہ السلام نے سر مبارک نیچے فرمالیا۔مسلم بن یسار اور قتادہ نے یہی معنیٰ نقل کیے ہیں ۔دوسرا یہ کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے اجتناب کرنا اور مسلمان کیلئے پہلو نرم کرنے کو خشوع کہتے ہیں اس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔تیسرا معنی یہ کہ خشوع نماز میں سکون کرنا ہے اس کو مجاہد نے فرمایا اور ابراہیم اور زہری نے۔چوتھا یہ کہ خشوع ڈرنا ہے اس کو حسن نے فرمایا۔[1170]

۳۸۔{الَّذين هم فِي صلَاتهم خاشعون} أَي: خاضعون خائفون، يُقَال: الْخُشُوع خوف الْقلب، وَحَقِيقَته هُوَ الإقبال فِي الصَّلَاة على معبوده، والتذلل بَين يَدَيْهِ، وَيُقَال: هُوَ جمع الهمة، وَدفع الْعَوَارِض عَن الصَّلَاة، وتدبر مَا يجْرِي على لِسَانه من الْقِرَاءَة وَالتَّسْبِيح والتهليل وَالتَّكْبِير، وَعَن عَليّ -رَضِي الله عَنهُ- قَالَ: الْخُشُوع أَن لَا يلْتَفت عَن يَمِينه وَلَا عَن شِمَاله فِي الصَّلَاة.

وَعَن أبي هُرَيْرَة قَالَ: كَانَ أَصْحَاب رَسُول الله يرفعون أَبْصَارهم إِلَى السَّمَاء فِي الصَّلَاة، فَلَمَّا نزل قَوْله تَعَالَى: {قد أَفْلح الْمُؤْمِنُونَ الَّذين هم فِي صلَاتهم خاشعون} رموا بِأَبْصَارِهِمْ إِلَى مَوَاضِع السُّجُود، وَعَن إِبْرَاهِيم النَّخعِيّ قَالَ: هُوَ السكن فِي الصَّلَاة.

ترجمہ:خاشعون عاجزی کرنے والے ڈرنے والے کہا جاتا ہے کہ خشوع دل میں ڈرنا ہے۔اس کی حقیقت نماز میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہونا ہے اور تذلل اختیار کرنا ہے... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ خشوع نماز میں دائیں بائیں جانب نہ دیکھنا ہے اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے تو جب اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول

1169 (البحر المحيط في التفسير ص ٣٦٦، ج ٦، أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف بن حيان أثير الدين الأندلسي (المتوفى: 745هـ) دار الكتب العلمية - بيروت)

1170 (زاد المسير في علم التفسير ج ٣ ص ٢٥٥ جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي (المتوفى: 597هـ) دار الكتاب العربي - بيروت)

نازل فرمایا کہ وہ مومنین کامیاب اور کامل فلاح والے ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں تو انہوں نے اپنی نظروں کو اپنے سجدوں کی جگہ پر کر دیا۔ ابراھیم نخعی سے روایت ہے کہ فرمایا خشوع سکون ہی ہے نماز میں۔[1171]

۳۹۔اختلفوا في الخشوع فمنهم من جعله من أفعال القلوب كالخوف والرهبة، ومنهم من جعله من أفعال الجوارح كالسكون وترك الالتفات ومنهم من جمع بين الأمرين، وهو الأولى. الى ان قال: وقال عطاء: هو أن تعبث بشيء من جسدك، لأن النبي - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم - أبصر رجلاً يعبث بلحيته في الصلاة، فقال: و خشع قلب هذا لخشعت جوارحه وقال ابن الخطيب: وهو عندنا واجب۔اھ۔[1172]

۴۰۔خاشعون وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کی جگہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہیں صفت الٰہیہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد پر اللہ اللہ کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔[1173]

۴۱۔حدثناعبدالرزاق قال انامعمر الزهری فی قوله تعالیٰ فی صلاتهم خاشعون قال هو سکون المرء فی صلاته قال معمر وقال الحسن خائفون۔

حدثناعبدالرزاق قال اخبرنامعمر قال قتادة الخشوع فی القلب۔

یعنی زھری فرماتے ہیں کہ خشوع نماز میں سکون ہی ہے کہ نمازی اپنی نماز میں سکون سے ہو اس کو معمر نے فرمایا حسن نے فرمایا کہ ڈرنے والے ہوں اور قتادہ نے فرمایا کہ خشوع دل میں ہوتا ہے۔[1174]

۴۲۔یشیر الی ان الفلاح الحقیقی لایحصل بمطلق الایمان بل بالایمان الحقیقی المقیدبجمیع الشرائط التی هی مذکورة فی الآیة خاشعون بالظاهر والباطن اماالظاهر فخشوع الرأس بانتکاسه وخشوع العین بانغماضهاعن الالتفات وخشوع الاذن بالتذلل للاستماع وخشوع اللسان للقرءة بالحضور، خشوع الیدین وضع الیمین علی الشمال بالتعظیم کالعبیدوخشوع الظهرانحناءه فی الرکوع مستویاوخشوع الفرج بنفی الخواطرالشهوانیة وخشوع القدمین بثاتهماعلی الموضع وسکونهمامن الحرکة۔واماالباطن فخشوع النفس سکونهاعن الخواطروالهواجس وخشوع القلب بملازمة الذکرودوام الحضوروخشوع السربالمراقبة فی ترک اللحظات الی المکونات وخشوع الروح استغراقه فی بحرالمحبة وذوبانه عندتجلی الجلال والجمال۔

[1171] (تفسير القرآن ص ۴۰ أبو المظفر، منصور بن محمد بن عبد الجبار ابن أحمد المروزی السمعاني التميمي الحنفي ثم الشافعي (المتوفى: 489هـ))

[1172] (اللباب في علوم الكتاب ص ۱۶۶ ج ۱۴ أبو حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (المتوفى: 775هـ) دار الكتب العلمية - بيروت/لبنان)

[1173] (تفسیر عرائس البیان فی حقائق القرآن ج ۲ ص ۵۴۹ لابی محمد صدر الدین روزبهان بن ابی نصر البقلی المتوفی ۶۰۶ھ دار العلمیہ بیروت)

[1174] (تفسیر عبد الرزاق ج ۲ ص ۴۱۲ متوفی ۲۱۱ھ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں کہ اشارہ کرتا ہے کہ مطلق ایمان سے آخرت کی کامیابی حاصل نہیں ہوتی بلکہ حقیقی ایمان ان شرائط کے ساتھ مقید ہے اس سے حاصل ہوتا ہے کہ ظاہر اور باطن خشوع کرنے والے ہوں جو کہ ظاہر ہے تو کانوں کا خشوع سننے کیلئے تابع کرنا اور زبان کا خشوع پڑھنے کیلئے زور سے اور ہاتھوں کا خشوع دائیں کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ادب کے ساتھ تعظیم سے اور پیٹھ کا خشوع رکوع میں برابر جھکنا ہے اور فرج کا خشوع شہوات کے خیالات کی نفی کرنا ہے اور پاؤں کا خشوع اپنی جگہ پر قائم رہنا اور حرکت سے ساکت کرنا ہے اور خشوع باطن کا یہ ہے کہ نفس کو خواطر اور ھواجس تصورات سے ساکن کرنا ہے اور دل کا خشوع دوام ذکر اور ہمیشہ حضور قائم کرنا ہے اور سر کا خشوع مراقبہ سے اشیاء ماکونہ ملحوظ نہ کرنا اور روح کا خشوع اس کو محبت کے دریا میں ڈبونا ہے اور تجلی جلال وجمال کا محکوم رہنا ہے۔[1175]

۴۳۔خاضعون بالقلب ساکنون بالجوارح۔

ترجمہ: دل میں عاجزی کرنے والے اور سارے اندامو کو ساکن رکھنے والے۔[1176]

۴۴۔عن ابراھیم النخعی قال ھو السکون فی الصلاۃ۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خشوع نماز میں سکون ہی ہے۔[1177]

۴۵۔وفی المراد بالخشوع فی الصلاۃ اربعۃ اقوال :احدھا مخبطون متواضعون لایلتفتون یمینا ولا شمالا ولا یرفعون ایدیھم فی الصلاۃ یجمعون الھمۃ ویعرضون عما سوا اللہ بقلوبھم ویتدبرون فی مایجری علی السنتھم من القرآن والذکر الخ۔

نماز میں خشوع کرنے سے مراد میں چار اقوال ہیں پہلا حال عاجزی کرنے والے زاری کرنے والے دائیں بائیں نہ دیکھنے والے اور نماز میں دائیں بائیں ہاتھ نہ اٹھانے والے مکمل ہمت کرتے ہوئے اپنے دلوں میں ماسوا اللہ سے اعراض کرنے والے اور جو کچھ ان کی زبانوں پر جاری ہوتا ہے۔(تفصیل کیلئے اصل کی طرف رجوع کریں۔)[1178]

۴۶۔خاشعون خائفون متذللون لہ یلزمون ابصارھم مساجدھم ۔قولہ (روی انہ علیہ السلام کان یصلی رافعا الی السماء فلما نزلت رمی ببصرہ نحو مسجدہ وانہ رأی رجلا یعبث فقال لو خشع قلب ھذا لخشعت جوارحہ) وخشوع الجوارح کنایۃ عن سکونھا۔اھ۔

1175 (التاویلات نجمیہ فی الاشاری الصوفی تالیف الشیخ الامام احمد بن عمر نجم الدین الکبریٰ المتوفی ۶۱۸ھ)

1176 (البحر المديد في تفسير القرآن المجيد ج ۵ ص ۴، أبو العباس أحمد بن محمد بن المهدي بن عجيبة الحسني الأنجري الفاسي الصوفي (المتوفى: 1224هـ) المحقق: أحمد عبد الله القرشي رسلان، دار الكتب العلميه بيروت)

1177 (تفسیر السمعانی لامام ابی مظفر منصور بن محمد المروزی متوفی ۴۸۹ھ)

1178 (الجواھر فی تفسیر القرآن الکریم المسمی تفسیر طنطاوی جوھری تالیف الحکیم الشیخ طنطاوی جوھری مصری، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ڈرنے والے عاجزی کرنے والے اللہ تعالیٰ کیلئے جائے سجدہ کو نگاہ کرتے ہوئے اس کا یہ قول۔ مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھتے ہوئے آسمان کی دیکھتے تو مذکورہ آیت نازل ہوئی تو اپنی نظر کو جائے سجدہ پر کیا اور آپ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ بے فائدہ کام کرتا ہے تو فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو ضرور اس کے اعضاء میں یعنی ہاتھ اور انگلیوں میں بھی خشوع ہوتا اور اندا موں کا خشوع عبادت ہے اس کو ساکن کرنے اور نہ ہلانے اور اٹھانے سے جملہ اسمیہ کے ابلغیت کی وجہ اس کی دلالت کرتی ہے دوام ہمیشہ والی پر۔[1179]

۴۷۔خاشعون: خاضعون بالقلب ساکنون بالجوارح۔

ترجمہ: خاشعون دل میں عاجزی کرنے والے اور اندا موں یعنی ہاتھ ،پاؤں ،انگلیاں ساکن کرنے والے اور نہ اٹھانے والے اور حرکت نہ کرنے والے۔[1180]

۴۸۔فمنهم من جعله من افعال القلوب كالخوف والرهبة ومنهم من جعله من افعال الجوارح كالسكون۔

ترجمہ: کچھ مفسرین نے خشوع کو افعال قلب سے بتایا ہے جیسے ڈرنا، عاجزی کرنا اور کچھ نے اندا موں کے افعال سے بتایا جیسے سکون اور عدم حرکت۔[1181]

۴۹۔والخشوع التطامن وسكون الاعضاء والوقار۔

خشوع عبارت ہے اطمینان کرنے، اندا موں کے ساکن ہونے اور وقار سے۔[1182]

۵۰۔ومنهم من جعله من أفعال الجوارح كالسكون وترك الالتفات۔

ترجمہ: ان میں کچھ علماء و مفسرین نے خشوع کو اندا موں کے افعال سے بتایا ہے جیسے اندا موں کے ساکن ہونا اور ادھر ادھر نہ دیکھنا۔[1183]

نوٹ: ناظرین عظام کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کی حالت میں مؤمنین کاملین کی صفت کامیابی نماز میں سکون اندام بیان فرمایا اور آپ ﷺ سمیت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز میں خشوع کو ترجیح دیتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھنے کے عمل کو چھوڑ کر سکون کی طرف مائل ہوتے ہوئے اپنی آنکھیں نیچے جھکایا کرتے تاکہ خشوع قائم رہے تو انگلی اٹھانا اور اشارہ کرنا کیسے

[1179] (ج۱۳ ص ۱۳۶ حاشیہ قونوی علی تفسیر البیضاوی عصام الدین اسماعیل محمد الحنفی المتوفی ۸۸۰ھ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1180] (در الاسرار فی تفسیر القرآن ج۳ ص ۹۳ تالیف لمفتی لدیار الشامیۃ محمد بن محمد الحسینی الحمزاوی الحنفی المتوفی ۱۳۰۵ھ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1181] (غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج۵ ص ۱۰۸ ،نظام الدين الحسن بن محمد بن حسين القمي النيسابوري (المتوفى: 850هـ) دار الكتب العلمية - بيروت)

[1182] (المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز ج۴ ص ۱۳۶ ،أبو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطية الأندلسي المحاربي (المتوفى: 542هـ) دار الكتب العلمية - بيروت)

[1183] (تفسیر القاضی حاشیہ علی البیضاوی، ج۶ ص ۱۴۵ شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ دار الکتب بیروت)

ثابت ہو سکتا ہے؟ اول تو ذخیرہ احادیث میں ایسی حدیث شریف جس میں صراحتاً مذکور ہو خواہ قولی ہو یا فعلی کہ مسبحہ اٹھانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی نفی اور اثبات وحدانیت کیلئے ہے موجود نہیں جو منسوخ نہ ہو اور قرآنی آیات کا مخالف نہ ہو اور جو احادیث فعلیہ دعاء اخلاص اور دعاء استغفار بارے میں ہے ان کو نفی اثبات پر محمول کرنا ایک توجیہ الکلام بما لا یرضیٰ بہ قائلہ یعنی کلام کا وہ معنی کرنا کہ بولنے والا اس پر راضی نہیں ہے دوسرا او اتو لکل ذی حق حقہ۔ (الحدیث) کہ ہر حقدار کو اس کا حق دو کے خلاف تیسرا وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (الاسراء ۳۶) ترجمہ: اور تو اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہ ہو کی خلاف ورزی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ چوتھا یہ کہ خبر واحد یعنی حدیث پر نسخ قرآن جائز نہیں۔

عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ کلامی لا ینسخ کلام اللہ و کلام اللہ ینسخ کلامی و کلام اللہ ینسخ بعضہ بعضا۔[1184]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کلام میرا نہیں نسخ کرتا کلام اللہ کو اور کلام اللہ نسخ کرتا ہے میرے کلام کو اور کلام اللہ نسخ کرتا ہے بعض اس کے بعض کو۔ اہ۔ اسی طرح منسوخ ناسخ نہیں نسخ نہیں کر سکتا۔

احادیث کی طرف چلئے۔

(۱) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَاهُنَا، وَاللَّهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلاَ خُشُوعُكُمْ، وَإِنِّي لأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي۔[1185]

(۲) حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيدِ يَعْنِي ابْنَ كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: يَا فُلَانُ، أَلَا تُحْسِنُ صَلَاتَكَ؟ أَلَا يَنْظُرُ الْمُصَلِّي إِذَا صَلَّى كَيْفَ يُصَلِّي؟ فَإِنَّمَا يُصَلِّي لِنَفْسِهِ، إِنِّي وَاللهِ لَأُبْصِرُ مِنْ وَرَائِي كَمَا أُبْصِرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی پھر پھرے تو فرمایا کہ اے فلان تم اپنی نماز کو کیوں اچھی طرح نہیں پڑھتے نماز پڑھنے والا نہیں دیکھتا ہے کہ کس طرح نماز پڑھتا ہے کیونکہ یہ تو نماز اپنے لئے پڑھتے ہو اللہ کی قسم میں پیچھے سے ضرور اسی طرح دیکھتا ہوں جیسا کہ آگے سے دیکھتا ہوں۔[1186]

(۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَاهُنَا؟ فَوَاللهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ، وَلَا سُجُودُكُمْ إِنِّي لَأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي۔

[1184] رواہ الدارمی شرح مشکوۃ ص ۳۲ قبیل کتاب العلم۔

[1185] (الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه = ج ۱ ص ۱۰۲ صحيح البخاري، باب الخشوع في الصلاة، محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي، قديمی کتب خانہ کراتشی باکستان)

[1186] (صحيح مسلم ج ۱ ص ۱۸۰، بَابُ الْأَمْرِ بِتَحْسِينِ الصَّلَاةِ وَإِتْمَامِهَا وَالْخُشُوعِ فِيهَا، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261هـ) قديمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ میرا قبلہ اس طرف ہے اللہ کی قسم ہے کہ آپ کا رکوع اور خشوع مجھ سے پوشیدہ نہیں اور میں ضرور آپ کو اپنی پیٹھ کی طرف سے دیکھتا ہوں۔[1187]

یہ بھی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا آپ دیکھتے ہیں کہ میرا منہ اس طرف ہے (یعنی آگے کی طرف) مگر اللہ کی قسم مجھ سے آپ کا رکوع اور سجدہ مخفی نہیں۔ میں ضرور اپنی پیٹھ کی طرف سے آپ کو دیکھتا ہوں۔

وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ﴿بقرة ۲۳۸﴾ اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔ یعنی نماز میں خاموش رہنا لازم ہے۔

سعید بن منصور، عبد بن حمید نے محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ نماز میں اپنی ضروریات کے بارے میں (ایک دوسرے سے) بات کر لیا کرتے تھے جیسے اہل کتاب اپنی ضروریات کے بارے میں بات کر لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ﴿بقرة ۲۳۸﴾ تو انہوں نے نماز میں بات کرنا چھوڑ دیا۔[1188]

(۴) وَأخرج وَكِيع وَأحمد وَسَعِيد بن مَنْصُور وَعبد بن حميد وَالْبُخَارِيّ وَمُسلم وَأَبُو دَاوُد وَالتِّرْمِذِيّ وَالنَّسَائِيّ وَابْن جرير وَابْن خُزَيْمَة والطَّحَاوِي وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم وَابْن حبَان وَالطَّبَرَانِيّ وَالْبَيْهَقِيّ عَن زيد بن أسلم قَالَ: كُنَّا نتكلم على عهد رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي الصَّلَاة يكلم الرجل منا صَاحبه وَهُوَ إِلَى جنبه فِي الصَّلَاة حَتَّى نزلت {وَقومُوا لله قَانِتِينَ} فَأمرنَا بِالسُّكُوتِ ونهينا عَن الْكَلَام۔

ترجمہ: وکیع، احمد، سعید بن منصور، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی، ابن جریر، ابن خزیمہ، طحاوی، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، طبرانی، بیہقی رحمہم اللہ نے زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نماز میں بات کر لیا کرتے تھے ہم میں سے کوئی آدمی اپنے پہلو والے ساتھی سے نماز میں بات کر لیا کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ﴿بقرة ۲۳۸﴾ (اس کے بعد) ہم کو (نماز میں) خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا۔

(۵) وَأخرج الطَّبَرَانِيّ عَن ابْن عَبَّاس فِي قَول الله {وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ﴿بقرة ۲۳۸﴾} قَالَ: كَانُوا يَتَكَلَّمُونَ فِي الصَّلَاة يَجِيء الرجل إِلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاة فيكلمه بحاجته فنهوا عَن الْكَلَام۔

1187 (صحیح مسلم ج ا ص ۱۸۰، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261ھ) قدیمی کتب خانہ کراچی)

1188 (تفسیر در منثور اردو دار الاشاعت کراچی ص ۷۶ ج ا)

ترجمہ: طبرانی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول {وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿بقرة ۲۳۸﴾} کے بارے میں فرمایا کہ لوگ نماز میں بات کیا کرتے تھے۔ ایک آدمی کا خادم اس کے پاس (کسی کام کی غرض سے) آتا اور وہ آدمی نماز میں ہوتا تو وہ اپنے خادم کو اپنا کام بتا دیتا تھا۔ اب کلام کرنے سے روک دیا گیا۔[1189]

(٦) وَأخرج عبد بن حميد وَابْن جرير عَن عَطِيَّة قَالَ: كَانَ يأمرون فِي الصَّلَاة بحوائجهم حَتَّى أنزلت {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} فتركوا الْكَلَام فِي الصَّلَاة۔

ترجمہ: عبد بن حمید، ابن جریر نے عطیہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ لوگ نماز میں (آپس میں) اپنی اپنی ضروریات کا حکم دیا کرتے تھے یہاں تک کہ (یہ آیت) {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} نازل ہوئی تو لوگوں نے نماز میں بات کرنا چھوڑ دیا۔[1190]

(٧) وَأخرج عبد الرَّزَّاق فِي الْمُصَنّف وَعبد بن حميد وَابْن جرير وَابْن الْمُنْذر عَن مُجَاهِد قَالَ: كَانُوا يَتَكَلَّمُونَ فِي الصَّلَاة وَكَانَ الرجل يَأْمر أَخَاهُ بِالْحَاجةِ فَأَنْزل الله {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} فَقطعُوا الْكَلَام فالقنوت السُّكُوت والقنوت الطَّاعَة.

ترجمہ: عبد الرزاق نے المصنف میں عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر رحمہم اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ لوگ نماز میں (آپس میں) باتیں کر لیا کرتے تھے اور ایک آدمی اپنے بھائی کو اپنی ضرورت کا حکم کر لیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} تو پھر لوگوں نے بات کرنا چھوڑ دی۔ سو قنوت سے مراد ہے سکوت یعنی خاموشی اور قنوت سے مراد ہے اطاعت۔[1191]

(٨) وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق السّديّ عَن مرّة عَن ابْن مَسْعُود قَالَ كُنَّا نقوم فِي الصَّلَاة فنتكلم ويسارر الرجل صَاحبه ويخبره ويردون عَلَيْهِ إِذا سلم حَتَّى أتيت أَنا فَسلمت فَلم يردوا عَليّ السَّلَام فَاشْتَدَّ ذَلِك عليّ فَلَمَّا قضى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم صلَاته قَالَ: إِنَّه لم يَمْنعنِي أَن أرد عَلَيْك السَّلَام إِلَّا أَن أمرنَا أَن نقوم قَانِتِينَ لَا نتكلم فِي الصَّلَاة والقنوت السُّكُوت.

ترجمہ: ابن جریر سدی کے طریق سے انہوں نے ابن مرہ سے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ (جب) ہم نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو (نماز میں) بات کر لیتے تھے اور ایک آدمی اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتا تھا جب کوئی سلام کرتا تھا تو لوگ اس کا جواب دیتے تھے (نماز میں ہوتے ہوئے) یہاں تک کہ میں آیا اور میں نے بھی (حسب معمول نمازی کو) سلام کیا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہ بات مجھ پر گراں گزری۔ جب نبی اکرم ﷺ نے اپنی نماز مکمل فرمائی تو (مجھ سے) فرمایا تیرے سلام

[1189] (الدر المنثور، ص۵۴۳ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1190] (الدر المنثور، ص ۵۴۳ ج ۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1191] (الدر المنثور، ص۵۴۳ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

کاجواب دینے میں مجھے کسی بات نے نہیں روکا مگر یہ ہم کو(اب) یہ حکم دیا گیاہے کہ ہم نماز میں خاموش رہیں کوئی بات نہ کریں اور قنوت کا معنی ہے خاموش رہنا۔[1192]

(۹)وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق زر عَن ابْن مَسْعُود قَالَ كُنَّا نتكلم فِي الصَّلَاة فَسلمت على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَلم يرد عَليّ فَلَمَّا انْصَرف قَالَ: قد أحدث الله أَن لَا تتكلموا فِي الصَّلَاة وَنزلت هَذِه الْآيَة {وَقومُوا الله قَانِتِينَ}۔

ترجمہ: ابن جریر نے زر کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم نماز میں بات کر لیا کرتے تھے۔(ایک دن)میں نے(نماز میں)نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے مجھے جواب نہ دیا جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا(اب)اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ ہم نماز میں بات نہ کریں یہ آیت نازل ہوئی۔{وَقومُوا الله قَانِتِينَ}[1193]

(۱۰)وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق كُلْثُوم بن المصطلق عَن ابْن مَسْعُود قَالَ: إِن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ عوّدني أَن يرد عليّ السَّلَام فِي الصَّلَاة فَأَتَيْته ذَات يَوْم فَسلمت فَلم يرد عَليّ وَقَالَ: إِن الله يحدث من أمره مَا شَاءَ وَإِنَّهُ قد أحدث لكم فِي الصَّلَاة أَن لَا يتَكَلَّم أحد إِلَّا بِذكر الله وَمَا يَنْبَغِي من تَسْبِيح وتمجيد {وَقومُوا الله قَانِتِينَ}

ترجمہ: ابن جریر نے کلثوم بن المطلق کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا نبی کریم ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ وہ نماز میں میرے سلام کا جواب عنایت فرمایا کرتے تھے ایک دن میں آیا اور(حسب معمول)میں نے(نماز میں)سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب نہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور اب تمہارے لیے یہ حکم فرمایا ہے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ نماز میں کوئی(دوسری)بات نہ کرے اور اس کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی حمد ہونی چاہیئے۔وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴿بقرة ۲۳۸﴾اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔[1194]

(۱۱)وَأخرج عبد بن حميد وَأَبُو يعلى من طَرِيق الْمسيب عَن ابْن مَسْعُود قَالَ: كُنَّا يسلم بَعْضنَا على بعض فِي الصَّلَاة فمررت برَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَسلمت عَلَيْهِ فَلم يرد عَليّ فَوَقع فِي نَفسِي أَنه نزل فيّ شَيْء فَلَمَّا قضى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم صلَاته قَالَ وَعَلَيْك السَّلَام أَيهَا الْمُسلم وَرَحْمَة الله إِن الله يحدث فِي أمره مَا يَشَاء فَإِذا كُنْتُم فِي الصَّلَاة فاقنتوا وَلَا تتكلموا۔

ترجمہ: عبد بن حمید، ابو یعلی نے المسیب کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم میں سے بعض، بعض کو نماز میں سلام کر لیتے تھے۔میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا(آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے)میں نے(حسب معمول)آپ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ نے مجھے جواب نہ دیا۔میرے دل میں یہ بات آئی کہ میرے بارے میں کوئی چیز ناز ہو گئی ہے۔جب نبی اکرم

[1192] (الدر المنثور، ص۵۴۳ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1193] (الدر المنثور، ص۵۴۳ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1194] (الدر المنثور، ص۵۴۴۔۵۴۳ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

ﷺ اپنی نماز پوری کر چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا"وعلیک السلام ایھاالمسلم ورحمة الله "اللہ تعالیٰ اپنے کام میں جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے (اب) جب تم نماز میں ہو تو خاموش رہو اور کوئی بات نہ کرو۔[1195]

(۱۲)وَأخرج ابْن أبي حَاتِم عَن ابْن مَسْعُود قَالَ: القانت الَّذِي يطع الله وَرَسُوله۔

ترجمہ: ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ قانت وہ شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔[1196]

(۱۳)وَأخرج ابْن أبي حَاتِم عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} قَالَ: مصلين۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ "وَقومُوا الله قَانِتِينَ" سے مراد نمازیں پڑھنے والے ہیں۔[1197]

(۱۴)وَأخرج ابْن جرير عَن ابْن عَبَّاس فِي الْآيَة قَالَ: كل أهل دين يقومُونَ فِيهَا عاصين فَقومُوا أَنْتُم لله مُطِيعِينَ۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ ہر دین والے اس (نماز) میں کھڑے ہوتے ہیں نافرمان بن کر، اور تم کھڑے ہو جاؤ اللہ کیلئے فرمانبردار بن کر۔[1198]

(۱۵)وَأخرج ابْن أبي شيبَة فِي المصّنف عَن الضَّحَّاك فِي قَوْله {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} قَالَ: مُطِيعِينَ لله فِي الْوضُوء۔

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} سے مراد ہے وضو میں اللہ تعالیٰ کیلئے فرمانبرداری کرنے والے۔[1199]

(۱۶)وَأخرج ابْن جرير عَن ابْن زيد فِي الْآيَة قَالَ: إِذا قُمْتُم فِي الصَّلَاة فاسكتوا وَلَا تكلمُوا أحدا حَتَّى تفرغوا مِنْهَا وَالْقَانِت الْمُصَلِّي الَّذِي لَا يتَكَلَّم۔

[1195] (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱ (نسخہ دیگر ۳۰۶)، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1196] (الدر المنثور، ص۵۴۳ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1197] (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1198] (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱، دیگر ۳۰۶، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1199] (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱، دیگر ۳۰۶، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

ترجمہ: ابن جریر نے ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ جب تم نماز میں کھڑے ہو جاؤ تو خاموش رہو کسی سے بات نہ کرو یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو جاؤ اور قانت وہ نماز پڑھنے والا ہے جو بات نہیں کرتا۔[1200]

(۱۷) وَأخرج سعيد بن مَنْصُور وَعبد بن حميد وَابْن جرير وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم والأصبهاني فِي التَّرْغِيب وَالْبَيْهَقِيّ فِي شعب الإِيمان عَن مُجَاهِد فِي قَوْله {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} قَالَ: من الْقُنُوت الرُّكُوع والخشوع وَطول الرُّكُوع يَعْنِي طول الْقيام وغض الْبَصَر وخفض الْجنَاح والرهبة لله كَانَ الْفُقَهَاء من أَصْحَاب مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِذا قَامَ أحدهم فِي الصَّلَاة يهاب الرَّحْمَن سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَن يلْتَفت أَو يقلب الْحَصَى أَو يشد بَصَره أَو يعبث بِشَيْء أَو يحدث نَفسه بِشَيْء من أَمر الدُّنْيَا إِلَّا نَاسِيا حَتَّى ينْصَرف.

ترجمہ: سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، اصبہانی نے ترغیب میں، بیہقی نے شعب الایمان میں مجاہد رحمہ اللہ سے {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} کے بارے میں روایت کیا کہ قنوت میں سے ہے لمبا رکوع کرنا یعنی لمبا قیام کرنا، نگاہ کو پست کرنا، پہلوؤں کو پست کرنا اور خوف کا طاری ہونا، اصحاب محمد ﷺ کے فقہاء میں سے جب کوئی نماز میں کھڑا ہوتا تھا تو وہ رحمٰن سبحانہٗ وتعالیٰ سے ڈرتا تھا ادھر ادھر توجہ کرنے سے یا کنکریوں کو الٹ پلٹ کرنے سے یا اپنی آنکھوں سے کسی چیز کو تاڑنے سے یا کسی چیز سے کھیلنے سے یا دنیا کے کاموں میں سے کسی کام کے بارے میں سوچنے سے مگر بھول کر یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتا۔[1201]

(۱۷) وَأخرج الْأَصْبَهَانِيّ فِي التَّرْغِيب عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} قَالَ: كَانُوا يَتَكَلَّمُونَ فِي الصَّلَاة ويأمرون بِالْحَاجةِ فنهوا عَن الْكَلَام والالتفات فِي الصَّلَاة وَأمرُوا أَن يخشعوا إِذا قَامُوا فِي الصَّلَاة قَانِتِينَ خاشعين غير ساهين وَلَا لاهين۔

ترجمہ: اصبہانی نے ترغیب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} کے بارے میں روایت کیا کہ لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے اور اپنی حاجت کا حکم کر لیا کرتے تھے اب ان کو نماز میں باتیں کرنے اور ادھر ادھر متوجہ ہونے سے روک دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ جب نماز میں کھڑے ہوں تو خشوع اختیار کریں غافل اور لاپرواہ ہو کر کھڑے نہ ہوں۔[1202]

(۱۸) وَأخرج ابْن أبي شيبَة وَمُسلم وَالتِّرْمِذِيّ وَابْن ماجة عَن جَابر قَالَ: قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أفضل الصَّلَاة طول الْقُنُوت۔

[1200] (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱، دیگر ۳۰۶، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1201] (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱، دیگر ۳۰۶، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

[1202] (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱، دیگر ۳۰۶، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

ترجمہ:ابن ابی شیبہ ،مسلم،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ افضل نماز وہ ہے جس کی قنوت لمبی ہو(قیام لمبا ہو)۔مطلب یہ ہے کہ نماز میں پہلے سلام ،کلام اور جواب سلام دونوں ہاتھوں سے اور انگلی سے۔یہ سب کام جائز تھے جو کہ بعد میں منسوخ ہوئے اس لئے ناسخ اور منسوخ جاننا چاہیئے۔[1203]

(۱۹)وَأخرج البُخَارِيّ وَمُسلم وَأَبُو دَاوُد وَابْن ماجة عَن ابْن مَسْعُود قَالَ كُنَّا نسلم على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَهُوَ فِي الصَّلَاة فَيرد علينا فَلَمَّا رَجعْنَا من عِنْد النَّجَاشِيّ سلَّمنا عَلَيْهِ فَلم يرد علينا فَقُلْنَا يَا رَسُول الله كُنَّا نسلم عَلَيْك فِي الصَّلَاة فترد علينا فَقَالَ:إِن فِي الصَّلَاة شغلاً۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ ہم کو جواب عنایت فرمایا کرتے تھے۔جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا(نماز کی حالت میں)مگر آپ ﷺ نے جواب عنایت نہ فرمایا(نماز کے بعد)ہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔یارسول اللہ ﷺ!ہم نماز میں کو آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے اور آپ ﷺ اس کا جواب عنایت فرمایا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا بے شک نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔(اللہ کے ذکر سے)[1204]

(۲۰){وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ}فَأَمَرَ فِيهَا بِالدَّوَامِ عَلَى الْخُشُوعِ وَالسُّكُونِ وَالْقِيَامِ۔

ترجمہ:توامر کیا گیا اس آیت مبارکہ میں{وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ}خشوع اور سکون اور قیام کے دوام پر۔[1205]

(۲۱)وقوموا الله في صلاتكم خاشعين، خافضي الأجنحة۔

ترجمہ:اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے اور پہلوؤں کو پست کرنے کی حالت میں کھڑے ہو جاؤ۔[1206]

(۲۲){وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ}أَيْ: خَاشِعِينَ ذَلِيلِينَ مُسْتَكِينِينَ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع کرنے والے عاجزی کرنے والے کھڑے ہو جاؤ۔[1207]

(۲۳)وقيل خاشعين۔

1203 (الدر المنثور، ص۵۴۴ج۱، دیگر۳۰۶،عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي(المتوفى:911ھ))

1204 (الدر المنثور، ص۵۴۴ج۱، دیگر۳۰۶،عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي(المتوفى:911ھ))

1205 (أحكام القرآن للجصاص ج۱ص۵۴۴، دار الكتب العلمية بيروت-لبنان)

1206 (جامع البيان في تأويل القرآن-تفسير طبری، محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري(المتوفى:310ھ))

1207 (تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر ج۱ص۲۹۵، دار الفکر)

ترجمہ: اور کہا گیا کہ خشوع کرنے والے۔[1208]

(۲۴) ایضاً شیخ زادہ۔[1209]

(۲۵) قولہ قانتین۔ وقال مجاھد خاشعین۔[1210]

قانتین ذاکرین اللہ تعالیٰ فی القیام مداومین علی الفراعۃ والخشوع یعنی قانتین معنی ذکر کرنے والے اللہ تعالی کا قیام میں اور ہمیشہ کرنے والے ہوں عاجزی اور خشوع کا یعنی نماز میں سکون کرنے والے۔[1211]

قانتین: قیل ھو الخشوع۔ قالہ ابن عمر و مجاھد۔

ابن عمر اور مجاہد نے فرمایا کہ یہ نماز میں ہمیشہ خشوع یعنی سکون اور عدم حرکت اختیار کرو۔[1212]

القول الرابع: وھو قول مجاھد: القنوت عبارۃ عن الخشوع وخفض الجناح وسکون الاطراف وترک الالتفات من ھیبۃ اللہ تعالیٰ الخ۔

ترجمہ: چوتھا مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قنوت خشوع پہلو کو جھکانا پست کرنا اور اندا موں کو ساکن کرنا یعنی نہ ہلانا ادھر ادھر نہ دیکھنا اللہ تعالیٰ کی ہیبت کی وجہ سے۔[1213]

(۲۶) ومن القنوت أیضا طول الرکوع والسجود وغض البصر والھدوء في الصلاۃ وخفض الجناح والخشوع فیھا وکان العلماء إذا قام أحدھم یصلي یھاب الرحمن أن یلتفت أو یقلب الحصی أو یعبث بشيء أو یحدث نفسہ بشيء من أمور الدنیا إلّا ناسیا.

ترجمہ: قنوت کا ایک معنی اس طرح کیا گیا ہے سجدہ اور رکوع کو لمبا کرنا اور نگاہ کو پست کرنا اور نماز میں ساکن رہنا اور دونوں پہلوؤں کو پست کرنا اور خشوع (نماز میں) اختیار کرنا (نماز میں حرکت نہ کرنا) اور علماء جب ان میں سے کوئی ایک نماز کیلئے کھڑا ہوتا تو اس پر خوف خدا طاری

1208 (تفسیر أبي السعود = إرشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم، ج ۱ ص ۲۳۵، أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفی (المتوفی: 982ھ) دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

1209 (شیخ زادہ ج ۲ ص ۵۸۸ دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

1210 (تفسیر بغوی ج ۱ ص ۱۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۱۴ بیروت میں بھی مجاہد سے یہی معنی نقل کیے ہیں جیسا کہ ذکر ہوا)

1211 (تفسیر منیر ج ۱ ص ۷۶۳ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

1212 (تفسیر فتح القدیر لشوکانی ج ۱)

1213 (تفسیر کبیر لفخر الدین الرازی ج ۲ ص ۳۸۸ مکتبہ علوم اسلامیہ لاھور)

ہو جاتا تھا (اوراس خوف خدا کی وجہ سے وہ ادھر ادھر تو کرنے سے یا کنکریوں کو الٹ پلٹ کرنے سے یا کسی چیز سے کھیلنے سے یا دنیا کے کاموں کے میں سے کسی کام کے بارے میں سوچنے سے یعنی باتیں کرنے سے) مگر بھول کر۔[1214]

(۲۷)اسی طرح میں بھی بیان ہے۔[1215]

(۲۸)میں مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ قانتین بمعنی خاشعین ہے۔(یعنی اندا موں کو نماز میں ساکن رکھنا).[1216]

(۲۹)[1217]میں ہے اور کہا گیا کہ قانتین بمعنی خاشعین ہے یعنی سکون اختیار کرنے والے۔

(۳۰)[1218] میں ہے کہ (قانتین) ذاکرین ومطیعین أوخاضعین خاشعین۔"یعنی ذکر کرنے والے تابعداری کرنے والے اور عاجزی کرنے والے اوراندا موں کو ساکن کرنے والے۔

(۳۱)[1219]میں ہے کہ والثالث :خاشعین نهیاعن العبث والتفلت وهوقول مجاهد،والربیع ابن انس۔یعنی تیسرا معنیٰ مجاہد اور ربیع بن انس نے فرمایا خشوع کرنے والا اور عبث اور ادھر ادھر دیکھنے سے منع کو کہتے ہیں۔

(۳۲)[1220]کی عبارات اور تفسیر درالمنثور کی عبارت تقریباً ایک جیسی ہے جو نمبر ۱۵ میں مذکور ہوا ہے۔

(۳۳)قالوا:ان فی القنوت معنی المداومة علی الضراعة والخشوع،أی قوموا ملتزمین لخشیة اللہ تعالیٰ واستشعار هیبة وعظمته۔

ترجمہ:علماء نے کہا تحقیق کے ساتھ قنوت میں خشوع اور عاجزی پر ہمیشگی کا معنی پایا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں کھڑے رہو اوراس کی عظمت اوراس کی ہیبت سے باخبر رہو۔[1221]

1214 (تفسیر خازن ج ا ص ۱۸۱ دار الکتب العربیہ پشاور)

1215 (تفسیر اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۲۳۵ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1216 (تفسیر البحر المحیط ج ۲ ص ۲۵۱ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1217 (تفسیر بیضاوی ص ۱۵۷ امیر کتب خانہ کراچی)

1218 (تفسیر ملا علی قاری ج ا ص ۲۱۱ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1219 (تفسیر روائع التفاسیر الکف والعیون تفسیر الماوردی ج ا ص ۳۱۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1220 (تفسیر الوسیط ج ا ص ۳۵۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1221 تفسیر القرآن الحکیم الشھیر بالتفسیر المنار ج ۲ ص ۳۰۳ دار الفکر بیروت

(۳۴)عبارت اور تفسیر در منثور کی عبارت جو کہ ۱۵ نمبر میں موجود ہے تقریباً دونوں ایک جیسی ہیں۔[1222]

(۳۵)اور کہا گیا ہے کہ قانتین بمعنی خاشعین ہیں۔[1223]

(۳۶){وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ}مطیعین امرنا بالسکوت فی صلاتھم خاضعین خاشعین۔

ترجمہ:یعنی اطاعت کرنے والے اور ہمیں امر کیا گیا ہے نماز میں خشوع،عاجزی اور ساکت رہنے کا۔[1224]

(۳۷)[1225]کی عبارت اور تفسیر در منثور کی عبارت جو کہ پہلے ۱۵ نمبر پر مذکور ہوئی ہے تقریباً دونوں ایک جیسی ہیں۔

(۳۸)[1226] فامرنا بالسکوت وقال مجاھدمعنی قانتین خاشعین۔یعنی جب{وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ}نازل ہوئی تو ہمیں ساکت رہنے کا حکم ہوا اور مجاہد نے فرمایا کہ قانتین کا معنیٰ خاشعین یعنی ساکن رہنے کا ہے۔

(۳۹)[1227]مجاہد نے فرمایا کہ قانتین کا معنیٰ خاشعین ہے۔

(۴۰)[1228]چوتھا معنیٰ قنوت کا خشوع ہے یعنی اندا موں کو ساکن رہنے کا ہے۔

(۴۱)[1229]کی عبارت اور تفسیر در منثور کی عبارت جو کہ پہلے ۱۵ نمبر پر مذکور ہے دونوں تقریباً ایک جیسی ہیں۔

(۴۲)[1230]کی اور تفسیر در منثور کی عبارت جو کہ پہلے ۱۵ نمبر پر مذکور ہے دونوں تقریباً ایک جیسی ہیں۔

1222 (تفسیر ابن ابی حاتم الرازی المسمی التفسیر بالماثور ج ا ص ۳۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1223 (تفسیر حاشیۃ القونوی آرا تفسیر البیضاوی جلد 5 صفحہ ص ۳۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1224 (تفسیر تاویلات اھل السنۃ- تفسیر الماتریدی ج ۲ ص ۲۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1225 (تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ا ص ۶۵۶ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1226 (تفسیر المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ج ا ص ۳۲۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1227 (تفسیر الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن ج ا ص ۱۸۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1228 (تفسیر احکام القرآن لابن عربی ج ا ص ۳۲۱۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1229 (تفسیر الکشف والبیان فی تفسیر القرآن المعروف بتفسیر الثعلبی ج ا ص ۳۸۷ دار الکتب العلمیہ بیروت)

1230 (تفسیر روح المعانی ج ا ص ۱۵۷ دار الفکر بیروت)

(۴۲)[1231] کی اور تفسیر در منثور کی عبارت جو کہ پہلے ۱۵ نمبر پر مذکور ہے دونوں تقریباً ایک جیسی ہیں۔

(۴۳)[1232] کی اور تفسیر در منثور کی عبارت جو کہ پہلے ۱۵ نمبر پر مذکور ہے دونوں تقریباً ایک جیسی ہیں۔

(۴۴)**{وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ} أي استحضروا وجودكم كله عند الصلاة، وأدوها قياما في خشوع، وخضوع، وسكون!**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کھڑے رہو اللہ کیلئے اس حال میں کہ قانتین ہو بھی اپنے وجود (جسم) کو نماز کے ادا کرنے کے حالت میں سب کے سب حاضر کرو اور اس کو ادا کرو سکون، عاجزی، خشوع اور قیام کے حالت میں۔[1233]

(۴۵) تفسیر روح البیان کی عبارت بھی تفسیر در منثور کی عبارت سے ملتی جلتی ہے جو کہ نمبر ۱۵ میں ذکر ہوا ہے۔[1234]

(۴۶)[1235] میں ہے یعنی اللہ کیلئے خشوع کرتے ہوئے نماز ادا کرو۔

(۴۷)[1236] میں ہے یعنی اللہ کیلئے خاشعین وذاکرین کھڑے رہو نماز کی حالت میں۔

(۴۸)[1237] میں ہے۔**{وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ} أي: ذليلين خاشعين، ففيه الأمر بالقيام والقنوت والنهي عن الكلام، والأمر بالخشوع، هذا مع الأمن والطمأنينة.**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کیلئے نماز میں حقیر ذلیل اور خشوع کرنے والے کی حالت میں کھڑے ہو۔ اس میں حکم ہے قیام اور عاجزی کا اور منع ہے باتیں کرنے سے اور سکون کا حکم ہے امن اور اطمینان کے ساتھ۔

(۴۹)[1238] میں ہے یعنی نماز میں رکوع اور خشوع ہے۔

1231 (تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۱۵۷ دار الفکر بیروت)

1232 (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۳۷ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

1233 (تفسیر القرآنی للقرآن ج ۲ ص ۲۸۶ دار الفکر عربی بیروت)

1234 (تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۳۷۳ دار الاحیاء بیروت)

1235 (تفسیر القرآن العظیم المسمیٰ اولیٰ ما قیل فی آیات التنزیل، ج ۲ ص ۳۴۴ مطبوعۃ اروقۃ اردن)

1236 (تفسیر القرآن العظیم المسمیٰ بتفسیر الرحمٰن وتیسیر المنان، ج ۱ ص ۸۶ مطبوعۃ بولاق مصر)

1237 (تفسیر تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر الکلام المنان، ج ۱ ص ۸۹ مطبوعۃ دار ابن حزم بیروت)

1238 (الھدایۃ الی بلوغ النھایۃ فی علم معانی القرآن دار الکتب العلمیہ بیروت، ج ۱ ص ۶۰۱)

(۵۰)[1239] میں بھی اسی طرح مذکور جیسا کہ اس سے پہلے الھدایۃ إلی بلوغ النھایۃ فی علم معانی القرآن میں مذکور ہے۔

آیت نمبر ۳اور ۴:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ﴿بقرۃ ۱۴۴﴾

ترجمہ: اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ﴿بقرۃ ۱۵۰﴾

ترجمہ: اور اے محبوب تم جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو۔

اخرج الطبرانی عن معاذبن جبل قال رسول اللہ ﷺ بعدان قدم المدینۃ إلی بیت المقدس سبعۃ عشر اشھر اثم انزل اللہ انہ امرہ فیھا بالتحول الی الکعبۃ فقال: قدنری تقلب وجھک فی السماء الخ الایۃ۔ (سبعۃ عشر شھر اثم انزل اللہ انہ امرہ فیھا)

ترجمہ: امام طبرانی نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور ان کو کعبہ کی طرف پھر جانے کا حکم فرمایا قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ﴿بقرۃ ۱۴۴﴾[1240]

والمراد باطراف رجلیہ رؤوس أھما بعدھا وأراد بذکرہ ھنا مشروعیۃ الاستقبال بجمیع مایمکن من الاعضاء۔[1241]

قَالَ مُجَاهِدٌ وَغَيْرُهُ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ بَنِي سَلَمَةَ وَقَدْ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَكْعَتَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ، فَتَحَوَّلَ فِي الصَّلَاةِ وَاسْتَقْبَلَ الْمِيزَابَ وَحَوَّلَ الرِّجَالُ مَكَانَ النِّسَاءِ، وَالنِّسَاءُ مَكَانَ الرِّجَالِ، فَسُمِّيَ ذَلِكَ الْمَسْجِدُ مَسْجِدَ الْقِبْلَتَيْنِ.

ترجمہ: مجاہد وغیرہ نے فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ مسجد بن سلمۃ میں تھے اور تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ نے اصحاب کیلئے نماز ظہر سے دو رکعت ادا فرما چکے تھے تو نماز ہی میں حضور ﷺ پھرے اور قبلہ کی طرف چہرہ کر دیا اور عورتیں مردوں کی جگہ اور مرد عورتوں کی جگہ کو چل دیئے اور اس مسجد کا نام مسجد ذو قبلتین رکھ دیا گیا۔[1242]

1239 (ذخیرۃ الدارین علی تفسیر جلالین ج ا ص ۴۲۱ مکتبہ عربیہ کوئٹہ)

1240 (باب فضل استقبال القبلۃ یستقبل باطراف رجلیہ القبلۃ قالہ ابو حمید عن النبی ﷺ بخاری ج ا ص ۵۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

1241 (فتح الباری ج ا ص ۶۴۳ دار السلام الریاض اور حاشیہ بخاری ج ا حاشیہ نمبر ۴ جیسے کہ آپ ﷺ نے یہ حکم دیا)

1242 (معالم التنزیل فی تفسیر القرآن = تفسیر البغوی ج ا ص ۸۵ دار الکتب علمیہ بیروت

رُوي عن البراء بن عازبٍ أن نبي الله صلى الله عليه وسلم قدِم المدينةَ فصلّى نحوَ بيت المقدس ستة عشرة شهراً ثم وُجِّه إلى الكعبة.اھ۔

ترجمہ: براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو بیت المقدس کی طرف سولہ مہینے نماز پڑھی۔اس کے بعد کعبہ شریفہ کو منہ پھیر دیا۔[1243]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ، وَالْمَسْجِدُ قِبْلَةٌ لِأَهْلِ الْحَرَمِ، وَالْحَرَمُ قِبْلَةٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ فِي مَشَارِقِهَا وَمَغَارِبِهَا مِنْ أُمَّتِي۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل مسجد کا قبلہ بیت اللہ ہے اور اہل حرم کا قبلہ مسجد ہے اور حرم کے باشندوں کیلئے حرم قبلہ ہے خواہ وہ مشرق کی طرف ہو یا کہ مغرب کی طرف میری امت میں سے۔[1244]

فَوَلِّ وَجْهَكَ تولية الوجه المكان: جعله قبالته وأمامه، والمراد بالوجه: جملة البدن، أي استقبل بوجهك في الصلاة نحو الكعبة. شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرامِ وجهته أو ناحيته۔

ترجمہ: چہرہ مبارک کو پھیر دو، چہرہ پھیرنا مکان کی طرف اور اس کے آگے اور سامنے کر دو اور چہرے سے مراد تمام کے تمام بدن یعنی اپنے چہرے کو پھیر دو نماز میں کعبہ کی طرف۔[1245]

أطلق الوجه، وأريد به الذات، من قبيل المجاز المرسل، من باب إطلاق الجزء وإرادة الكل۔

ترجمہ: آیت مبارکہ میں چہرے کا ذکر ہے اور اس سے مراد ذات یعنی کل بدن ہے یہ مجاز مرسل کے قبیلے میں سے جزء ذکر کر کے اس سے کل مراد کرنے کے باب سے ہے۔ **ففهم۔**[1246]

وفي صحيح البخاري من حديث البراء بن عازب انه صلى الله عليه وسلم صلى أول صلوة صلاها الى الكعبة صلوة العصر وصلى معه قوم فخرج رجل ممن صلى معه فمر على اهل مسجد وهم راكعون فقال اشهد بالله لقد صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم قبل مكة فداروا كما هم قبل مكة - فمحمول على ان البراء لم يعلم صلاته صلى الله عليه وسلم في مسجد بني سلمة الظهر - او المراد انه أول صلوة صلاها كاملا الى الكعبة - او أول صلوة صلى في مسجده صلى الله عليه وسلم هو العصر۔

1243 (تفسیر أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم ج ا ص ۱۷۴ دار الاحیاء بیروت)

1244 (تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر ج ا ص ۱۹۴-۱۹۳ دار الفکر بیروت)

1245 (التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج ج ا ص ۳۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

1246 (التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج ج ا ص ۳۷۹ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ترجمہ: صحیح بخاری میں براء بن عازب سے ایک حدیث شریف مروی ہے کہ آپ ﷺ نے کعبہ کی طرف جو پہلی نماز ادا فرمائی وہ عصر کی تھی اور قوم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا فرمائی تو نماز پڑھنے والوں میں ایک آدمی جو ان کے ساتھ تھا نکلا اور وہ گزرا مسجد والوں پر اس حال میں کہ وہ رکوع میں تھے تو اس شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا اللہ کے ساتھ کہ نبی ﷺ کے ساتھ قبلے کی طرف نماز پڑھی تو اہل مسجد والے اسی حالت میں قبلہ کی طرف مڑے اور اس سے مراد اول جو آپ ﷺ نے کامل نماز پڑھی کعبہ کی طرف تھی اور پہلی نماز جو مسجد نبوی ﷺ میں ادا فرمائی وہ نماز عصر ہے۔[1247]

الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى: الْمُرَادُ مِنَ الْوَجْهِ هَاهُنَا جُمْلَةُ بَدَنِ الْإِنْسَانِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْإِنْسَانِ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِجُمْلَتِهِ لَا بِوَجْهِهِ فَقَطْ وَالْوَجْهُ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ نَفْسُ الشَّيْءِ لِأَنَّ الْوَجْهَ أَشْرَفُ الْأَعْضَاءِ وَلِأَنَّ بِالْوَجْهِ تُمَيَّزُ بَعْضُ النَّاسِ عَنْ بَعْضٍ، فَلِهَذَا السَّبَبِ قَدْ يُعَبَّرُ عَنْ كُلِّ الذَّاتِ بِالْوَجْهِ۔

ترجمہ: پہلا مسئلہ یہاں چہرے سے مراد انسان کا سارا بدن ہے۔ اسلئے کہ انسان پر واجب ہے کہ قبلے کی طرف بجملہ رخ کرے (یعنی سارے بدن سے) نہ کہ صرف چہرہ سے اور چہرہ ذکر کر تمام بدن یعنی نفس شئ مراد لیا جاتا ہے کیونکہ چہرہ اعضاء میں سب سے زیادہ مشرف ہے اس لئے کہ چہرے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اسی سبب کی وجہ سے چہرے کے ذریعے تمام ذات سے تعبیر کی جاتی ہے۔[1248]

الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى: الْمُرَادُ مِنَ الْوَجْهِ هَاهُنَا جُمْلَةُ بَدَنِ الْإِنْسَانِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْإِنْسَانِ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِجُمْلَتِهِ لَا بِوَجْهِهِ فَقَطْ وَالْوَجْهُ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ نَفْسُ الشَّيْءِ لِأَنَّ الْوَجْهَ أَشْرَفُ الْأَعْضَاءِ وَلِأَنَّ بِالْوَجْهِ تُمَيَّزُ بَعْضُ النَّاسِ عَنْ بَعْضٍ، فَلِهَذَا السَّبَبِ قَدْ يُعَبَّرُ عَنْ كُلِّ الذَّاتِ بِالْوَجْهِ۔

ترجمہ: پہلا مسئلہ یہاں چہرے سے مراد انسان کا سارا بدن ہے۔ اسلئے کہ انسان پر واجب ہے کہ قبلے کی طرف بجملہ رخ کرے (یعنی سارے بدن سے) نہ کہ صرف چہرہ سے اور چہرہ ذکر کر تمام بدن یعنی نفس شئ مراد لیا جاتا ہے کیونکہ چہرہ اعضاء میں سب سے زیادہ مشرف ہے اس لئے کہ چہرے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اسی سبب کی وجہ سے چہرے کے ذریعے تمام ذات سے تعبیر کی جاتی ہے۔[1249]

عن البراء بن عازب أن النبي صلّى الله عليه وسلّم كان أول ما قدم المدينة نزل على أجداده، أو قال أخواله من الأنصار وأنه صلّى قبل بيت المقدس ستة عشر أو سبعة عشر شهرا، وكان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت وأنه صلّى أول صلاة صلاها صلاة العصر،

1247 (التفسیر المظھری ج ا ص ۱۴۴ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

1248 (مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر ج ۲ ص ۹۷ مکتبہ علوم الاسلام لاہور)

1249 (مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر ج ۲ ص ۹۷ مکتبہ علوم الاسلام لاہور)

وصلّى معه قوم فخرج رجل ممن صلّى معه، فمر على أهل مسجد قباء وهم راكعون فقال أشهد بالله لقد صليت مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قبل الكعبة فداروا كما هم قبل البيت۔

ترجمہ: براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ پہلے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اپنے اجداد کے ہاں اترے اور یہاں یہ کہا کہ انصار میں سے ماموں والوں کے ہاں تشریف فرما ہوئے اور بیت المقدس کی سولہ (۱۶) یا سترہ (۱۷) مہینے نماز پڑھی اور یہ پسند کرتے تھے کہ ہمارا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو جائے آپ ﷺ نے پہلی نماز جو ادا فرمائی وہ نماز عصر تھی اور آپ ﷺ کے ساتھ قوم نے بھی نماز پڑھی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک شخص نکلا اور اہل قباء والوں کے ہاں آیا اور حال یہ ہے کہ وہ رکوع کرتے تھے تو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قبلہ کی طرف نماز پڑھی تو وہ اسی (نماز کی) حالت میں مڑ کر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے باقی نماز پوری کی۔[1250]

(۱۰) وَأَقُولُ: فِي قَوْلِهِ: فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ فِي الصَّلَاةِ، لِأَنَّ الْقِبْلَةَ هِيَ الَّتِي يُتَوَجَّهُ إِلَيْهَا فِي الصَّلَاةِ. وَأَرَادَ بِالْوَجْهِ: جُمْلَةَ الْبَدَنِ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ اسْتِقْبَالُهَا بِجُمْلَةِ الْبَدَنِ. وَكَنَّى بِالْوَجْهِ عَنِ الْجُمْلَةِ، لِأَنَّهُ أَشْرَفُ الْأَعْضَاءِ، وَبِهِ يَتَمَيَّزُ بَعْضُ النَّاسِ عَنْ بَعْضٍ. وَقَدْ يُطْلَقُ وَيُرَادُ بِهِ نَفْسُ الشَّيْءِ،

ترجمہ: اور میں کہتا ہوں کہ اس قول میں فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا قبلہ کی طرف رخ کرنا جو کہ دلالت کرتا ہے کہ نماز میں یہی مقصود ہے۔ اس لئے کہ قبلہ وہی ہے جس کی طرف نماز میں منہ کیا جاتا ہے اور چہرے سے مراد تمام بدن ہے کیونکہ چہرے کو قبلے کی طرف کرنا تمام بدن کے ساتھ واجب ہے اور چہرے کو کیوں یہ کہا سارے بدن سے اس لئے کہ یہ اشراف الاعضاء (یعنی تمام اعضاء میں اشراف) ہے لوگوں کی پہچان ایک دوسرے سے چہرے کے ذریعے ہوتی ہے اور تحقیق کے ساتھ چہرے کے اطلاق سے تمام بدن مراد لیا جائے گا۔[1251]

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

خشوع کے متعلق تفاسیر سے تقریباً ۵۳ حوالے مذکور ہیں آیت ۱ کے متعلق۔ آیت ۲ قانتین کا معنی خشوع اور سکون کے تقریباً پینتیس ۳۵ تفاسیر دوسرے معنی کے علاوہ خشوع اور سکون سے کی ہے۔

آیت نمبر تین اور چار میں سارے بدن کو حتی المقدور قبلہ کی طرف کرنا مذکور ہے اور آیت نمبر ۵ ص ۴۱ نماز میں ہاتھوں کو بند رکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے کیا۔

1250 (لباب التأويل في معاني التنزيل یعنی تفسیر خازن ج ۱ ص ۹۹ دار الکتب عربیہ پشاور)

1251 (البحر المحيط في التفسير ج ۱ ص ۶۰۳ أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف بن حيان أثير الدين الأندلسي (المتوفى: 745ھ) دار العلمیہ - بیروت)

لہذا ڈاکٹر مولا بخش سکندری کو چاہیئے کہ یہ رسالہ غور سے مطالعہ کر کے اپنے عمل سے توبہ کرے۔ یہ رسالہ ایک مختصر بیان پر مشتمل ہے۔ القلیل یدل علی الکثیر والجرعۃ تنبئ عن البحر الصغیر۔ یعنی تھوڑا بہت پر دلالت کرتا ہے اور قطرہ بڑے سمندر کی خبر دیتا ہے۔

سالے کہ نکوست از بہارش پیدا است

ان شاء اللہ تعالیٰ مفصل رسالہ تحریر کیا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب انتظار کریں اگر حق کا اتباع کیا تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿الاحزاب ۷۱﴾ اس نے بڑی کامیابی پائی. وبدونہ خرط القتاد۔ ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ خبردار جو آل محمد ﷺ کے بغض میں فوت ہوا قیامت کے دن اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یہ لکھا ہو گا کہ یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے اور جو آل محمد ﷺ کے بغض میں فوت ہوا تو کافر فوت ہوا۔ خبردار جو بغض آل محمد ﷺ میں فوت ہوا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔[1252]

تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (النساء ۷۷) یعنی کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو۔ قدذکر ابن القصار أن فی ذلک (ای رفع ایدی فی الصلوٰۃ) نزلت تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (النساء ۷۷)[1253]

علامہ بدرالدین العینی رحمہ اللہ نمازوں میں ہاتھ نہ اٹھانے کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یقیناً ابن قصار نے یہ بات بتائی ہے کہ اَلَمْ تَرَ اِلَى أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (النساء ۷۷) نماز میں ہاتھ نہ اٹھانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(۱) دلت الآیۃ علی أن ایجاب الصلاۃ والزکاۃ کان مقدما علی ایجاب الجهاد۔[1254]

(۲) أمرهم اللہ تعالیٰ باحترام الدماء وکف الایدی عن الاعتداء وباقامۃ الصلوۃ وبالخشوع والعبودیۃ للہ الخ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان خون کے احترام کرنے اور تعدی اور زیادتی سے ہاتھ روکنے اور نماز ادا کرنے اور سکون عدم حرکت اور اللہ کیلئے عبادت کرنے کا حکم دیا۔ (کچھ تفصیل بعد میں)[1255]

1252 (تفسیر کشاف ج۴ ص ۲۲۰ تفسیر کبیر امام رازی مطبعۃ القاھرۃ ۱۳۲۴ھ ج ۷ ص ۳۹۰)

1253 (نخب الافکار لبدرالدین العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ ج ۹ ص ۱۵۱، لکن العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب = المستصفی لعبد اللہ نسفی ج ۱ ص ۴۶۷ یعنی خصوص السبب کیلئے اعتبار نہیں بلکہ عموم لفظ معتبر ہے)

1254 (تفسیر بحر المحیط ج ۳ ص ۳۰۹ دار الکتب العلمیہ بیروت مؤلفہ ابی حیان الاندلسی المتوفی ۷۴۵ یعنی اس آیت نے اس پر دلالت کی نماز اور زکوۃ جہاد کے واجب ہونے سے پہلے واجب ہوئے ہیں۔)

1255 (تفسیر المنار لمحمد رشید رضا ج ۵ ص ۱۸۹ دار الفکر بیروت)

فصل الواجب علی المجتهد: جیسے کہ صفحہ ۲ پر حضرت معاذ بن جبل کی حدیث گزری ہے۔ علماء علم نے اصول تحریر فرمایا ہے۔ **الواجب علی المجتهدطلب حکم الحادثة من کتاب الله ثم من سنة رسول الله ﷺ الخ** ۔یعنی پہلے مجتہد پر کوئی حادثیہ کا حکم طلب کرنا قرآن کریم سے واجب اور لازم ہے اگر اس میں دستیاب نہ ہو تو پھر حدیث نبوی ﷺ سے الخ۔[1256]

مولوی محمد فیض الحسن دیوبندی گنگوہی نے شاشی کے حواشی پر لکھا ہے۔**ان الواجب علی المجتهداذاوقعت حادثةطلب الحادثة من القرآن العظیم فتمنی وجدفیه لایطلب عن غیره ولو وجدفیه کان المعلوم من الکتاب مقدماعلی غیره لانه اقوی الدلائل ولکونه قطعیاکلامار بانیامقدم علی الظنی وهذاهوالذی عمله علماءالحنیفةفجاءسببالمطاعن السفهاءالجهلاءالحمقاءعلیهم انهم ترکواوخالفواالاحادیث الصحاح وغیرهااذلم ینظرواالی مایفهم من القرآن ولقلة فهمهم اولم یتفکروافیمافیه حق التفکرواویشیرالیه اشارة اودلالة اواقتصاءاواطلاقااوعمومابل قدوجدناظاهریة زماننا وهی طائفة قلیلة یقال لهاغیرالمقلدین والموحدین وهم فی الحقیقة الملحدون الذین یطعنون علی السلف والخلف لسوءعقولهم اولئک کالانعام بل هم اضل سبیلاانه یلوح من قولهم وعملهم انهم یقدمون احادیث البخاری والمشکوٰة بل الدارقطنی والبیهقی ایضاًعلی الآی القرآنیةوکثیرامن آیاته ینسخونهاباحادیث الصحیحین ولواحادافالحذرالحذرمن اقوالهم وافعالهم ثم بعد القرآن یطلب الحکم عندنامن السنةالمشهورةثم من الاحادالخ۔ایضاً۔**

ترجمہ:جب بھی کوئی حادثہ پیش آجائے تو مجتہد پر اس حادثہ کا حکم قرآن عظیم الشان سے طلب کرنا واجب ہے۔ پس جب حادثہ کا حکم قرآن کریم سے مل جائے تو اس کے غیر سے حکم کو طلب نہ کرے جب کتاب اللہ سے اس کا حکم معلوم ہو جائے اور پایا جائے تو کتاب کو غیر پر مقدم کیا جائے گا اس لئے کہ یہ دلائل میں سب سے قوی تر ہے کیونکہ یہ قطعی ہے اور کلام ربانی ہے اس لئے ظنی پر مقدم ہے اور علماء احناف کا عمل اور طرز و طریقہ یہ ہے اور ان کا یہ عمل اور طرز و طریقہ بے عقل اور جہلاء اور بے وقوفوں کا ان پر سبب طعن بنا کہ احناف نے احادیث صحاح کی مخالفت کر کے ان کو چھوڑ دیا و غیرھا ان کی قلت فہم کی وجہ سے قرآن پاک کے مفہوم تک نظر نہیں پہنچتی ہے اور کماحقہ اس میں فکر نہیں کرتے۔ جس کی طرف قرآن پاک نے اشارہ کیا ہو اشارۃ النص کے ساتھ اور دلالۃ النص کے ساتھ اور اقتضاء النص کے ساتھ یا مطلق یا عموم ہو بلکہ ہم نے تحقیقا اس زمانہ کے کچھ اہل ظواہر کو پایا اور یہ ایک چھوٹا گروہ ہے جسے غیر مقلدین اور موحدین کہا جاتا ہے اور در حقیقت یہ لوگ موحدین نہیں بلکہ ملحدین ہیں (ای مائل حق سے) وہ لوگ ہیں جو سلف صالحین اور خلف پر اپنی بری عقلوں کی وجہ سے طعن کرتے ہیں اور یہی لوگ جانوروں کی طرح بے عقل ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں ان کے قول و عمل سے (یعنی ملحدین کے) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بخاری اور مشکوۃ بلکہ دار قطنی اور بیہقی کو بھی آیات قرآنی پر مقدم کرتے ہیں اور بہت کو بخاری اور مسلم کی احادیث سے منسوخ کرتے ہیں اگرچہ وہ احاد ہی کیوں نہ ہو تو ان کے اقوال اور افعال سے بچے رہو بچے رہو۔ قرآن کریم کے بعد ہمارے احناف کے نزدیک اس

[1256] (شاشی ص ۸۱ قدیمی کتب خانہ کراتشی)

حادثے کے حکم کو طلب کرنا حدیث مشہورہ سے واجب ہے پھر حدیث مشہورہ کے بعد تیسری مرتبہ میں احاد سے طلب کرنا واجب ہے۔الخ۔[1257]

فصل: یہاں تک پانچ آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں ایک دوسرے سے ضروری بات، سلام اور جواب سلام منہ سے یا انگلی سے اور نماز کے اخیر میں دعا کے وقت انگلی اٹھانا یہ سب کے سب نماز میں ممنوع اور منسوخ ہوئے۔وسیأتی۔اب ہم اس فصل میں ان احادیث میں سے کچھ بیان کریں گے جو نماز میں مذکورہ کاموں کو منع کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔نماز میں صرف پوشیدہ دعا کرنا باقی رہا۔جیسا کہ نماز کے اخیر میں کیا جاتا ہے۔باقی تین قسم ممنوع ہوئے۔امام بخاری رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ سے۔قَالَ كُنَّا نسلم على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَهُوَ فِي الصَّلَاة فَيرد علينا فَلَمَّا رَجعْنَا من عِنْد النَّجَاشِيّ سلَّمنا عَلَيْهِ فَلم يرد علينا فَقُلْنَا يَا رَسُول الله كُنَّا نسلم عَلَيْك فِي الصَّلَاة فترد علينا فَقَالَ: إِن فِي الصَّلَاة شغلاً۔إِن فِي الصَّلَاة شغلاً۔[1258]

میں تین روایتوں سے منقول ہے اور سنن نسائی ج ا ص ۱۹۴ باب موضع الدین عندالسلام۔ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ ہم کو جواب عنایت فرمایا کرتے تھے۔جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا (نماز کی حالت میں) مگر آپ ﷺ نے جواب عنایت نہ فرمایا (نماز کے بعد) ہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔یارسول اللہ ﷺ! ہم نماز میں کو آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے اور آپ ﷺ اس کا جواب عنایت فرمایا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا بے شک نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔(اللہ کے ذکر سے) اور ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کیوں آپ کو نماز ہی میں بدخو گھوڑوں کی طرح ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں نماسکون سے پڑھو اعضاء کو حرکت نہ دو۔نسائی کبریٰ میں ہے کہ نماز میں شغل ہے اور حدیث كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ بھی سنن نسائی مجتبیٰ میں مذکور ہے اور سکون والی حدیث سنن نسائی کبریٰ ج ا ص ۱۹۷ پر حدیث نمبر ۵۵۲ بروایت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کی۔دارالکتب العلمیہ بیروت اور حدیث ۱۲۴۱ ج ا ص ۳۹۲ اور حدیث ۱۲۴۹ ج ا۔[1259]

اور امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ صحیح مسلم میں جابر بن سمرۃ سے روایت کی ہے۔

1257 (احسن الحواشی علی اصول الشاشی ص ۸۱ حاشیہ ۶ قدیمی کتب خانہ کراتشی لمحمد برکت اللہ المتوفی ۱۱۰۳ھ)

1258 (سنن نسائی کبریٰ، ج ا ص ۱۹۴ دارالعلمیہ بیروت)

1259 (ابوداود ج ا ص ۱۳۳ باب العمل فی الصلاۃ، میر کتب خانہ کراچی)

قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَالِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ؟ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ۔[1260]

اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں سلام کرتے جب آپ ﷺ نماز میں ہوتے اور آپ ﷺ سلام کا جواب عطا فرماتے تھے جب ہم (ہجرت حبشہ سے) واپس آئے تو میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے سلام کا جواب عطا نہیں فرمایا۔ (جب نماز سے فارغ ہوئے) فرمایا کہ یقیناً نماز میں ضرور شغل ہے۔[1261]

اس طرح ملاحظہ ہو: **الباعث علی انکار البدع والحوادث فصل فی مخالفة۔**[1262]

نماز میں سکون کرو ہاتھوں کو مت اٹھانا۔

عن ابی الدرداء: أن النبی ﷺ قال: أول شیئ یرفع من هذه الامة الخشوع حتی لا ترفیها خاشعاً۔

ترجمہ: اس امت میں سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا یہاں تک کہ ان میں کوئی خشوع کرنے دیکھ نہیں پاؤں گا۔[1263]

وعن شداد بن أوس: أن رسول اللہ ﷺ قال: أول ما یرفع من الناس الخشوع۔

ترجمہ: لوگوں میں سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا۔[1264]

مسند الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ہم آپ کو نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے ایسی حالت میں دیکھتا ہوں جیسے بدخو گھوڑے (یعنی شریر و مست گھوڑے)۔[1265]

حدیث میں منقول ہے کہ **لو خشع قلبه خشعت جوارحه۔**

1260 (صحیح مسلم ج ا ص ۱۸۱ مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261ھ))

1261 (صحیح البخاری ج ا ص ۱۶۲)

1262 (الرغائب الشرع ج ا ص ۵۹ اور نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار لشوکانی ج ۲ ص ۴۲۷، المکتبة التوقیفیة، مسند ابی داود الطیالسی ج ۱۸۲۳ ص ۴۲۲ دار الکتب العلمیه بیروت)

1263 (بقیة الرائد فی تحقیق مجمع الزوائد مشهور به مسند البزاز ج ۲ ص ۳۲۶ حدیث ۲۸۱۳)

1264 (بقیة الرائد فی تحقیق مجمع الزوائد مشهور به مسند البزاز ج ۲ ص ۳۲۶ حدیث ۲۸۱۳ دار الفکر بیروت)

1265 (مسند الامام احمد بن حنبل وبهامشه منتخب کنز العمال ج ۵ ص ۸۸، ۱۰۱، ۹۳، ۸۶ دار الفکر بیروت)

یعنی اگر اس نمازی کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جوارح ساکن ہوتے۔(یعنی اندا موں کو حرکت میں مصروف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خشوع نہیں ہے۔)[1266]

حدیث إِن فِي الصَّلَاة شغلاً کو حافظ ابی نعیم الاصبھانی متوفی ۴۲۰ھ نے المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ج ۲ ص ۱۳۸ دار الکتب العلمیہ میں ذکر کیا ہے۔

قال مجاھد: السکون (فیھا) یعنی خشوع نماز میں سکون ہے۔(ص ۲۵۹)

نمبر ۲: وحدث أن ابابکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنه کان کذلک وکان یقال ذلک الخشوع فی الصلاۃ کمافی الفتح۔ولیراجع لتفصیل اقوال السلف فی الخشوع والعمدۃ ج۳ص ۱۶ وغیرہ معارف السنن ج۳ص ۴۷۳ وبالجملة فالشریعة تأمر بالوقار والسکون فی الصلاۃ کما دأب السلف الصالحین فی صلاتھم وروی البیھقی باسناد صحیح عن مجاھد قال کان ابن زبیر إذا قام فی الصلاۃ کأنه عود، وحدث أن أبابکر الصدیق لتفصیل أقوال السلف فی الخشوع،، شرح التقریب،،[1267]

عن الفضل بن العباس۔قال قال رسول اللہ الصلاۃ مثنی مثنی، تشھد فی کل رکعتین وتضرع وتخشع ولمسکن الحدیث۔

ترجمہ: مجاہد نے فرمایا کہ خشوع سکون (عدم حرکت) ہے یعنی نماز میں (خشوع) سکون ہے۔

فضل بن عباس سے روایت ہے کہ نماز دو دو رکعت ہے ہر دو رکعت پر تشہد ہے۔

(تخشع) التخشع: السکون والتذلل۔ اور اللہ تعالیٰ کو تذلل کرنا اور سوال میں مبالغہ کرنا۔[1268]

وتمسکن مفعیل من السکون۔[1269]

وحدیث مالی أراکم رافعی ایدیکم کانھا اذاجه خیل شمس اسکنوا فی الصلوۃ۔ کو مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۳۷۰ مکتبہ امدادیہ ملتان یعنی اللہ تعالیٰ نے نماز میں خشوع اور سکون کی جس طرح فضیلت بیان کر کے نماز میں خاموشی سے پڑھنے اور سکون سے پڑھنے کی تعلیم کی ہے اس طرح حضور علیہ السلام نے ہاتھ اٹھانے کو منع فرما کر سکون کا حکم دیا ہے۔ قرآن کو خبر واحد سے منسوخ کرنا بھی خلاف قاعدہ

[1266] (مصنف عبد الرزاق باب العبث فی الصلاۃ رقم حدیث ۳۳۰۸،۳۳۰۹ تحت الخط قال روینا ہ عن ابن المسیب ج ۲ ص ۱۲۸۵ المجلس العلمی کراچی)

[1267] للعراقی (۳۷۳-۳۷۲ ج ۲) والعمدۃ (۳-۱۶)

[1268] (شرح السنۃ للامام البغوی ص ۲۶۰ ج ۳ باب الخشوع فی الصلاۃ، مشکوۃ بحوالہ ترمذی ص ۷۷ قبیل مایقرأ بعد التکبیر، مرقاۃ ج ۲ ص ۵۲۳، قال ابن حجر وسندہ حسن وترمذی ج ۱ ص ۸۷ باب ماجاء فی التخشع فی الصلوۃ)

[1269] (مرقاۃ ج ۲ ص ۵۲۲-۵۲۱)

ہے۔اس لئے اس بارے میں سکون پر عمل کرتے ہوئے خلاف سکون قولی اور فعلی احادیث کو منسوخ تصور کیا جائے گا کیونکہ تعارض کی حالت میں بنابر مذہب احناف اول نسخ ہے۔

قاعدہ:جب ایک مسئلہ میں احادیث مختلفہ آجائے تو قاعدہ کیا ہے؟

عندالشوافع رحمهم الله :قال أشياخنا رحمهم الله اجمعين :اذاوردت الاحاديث المختلفة فى المسئلة فيأخذ الشافعى رحمه الله بأصح مافى الباب مرفوعاًعندالمالكى رحمهم الله :ويأخذ مالک رحمه الله بتعامل اهل المدينة وان خالفه حديث مرفوع۔

احناف :ويأخذ ابو حنيفة رحمه الله بكل المرفوعات بالحمل على محمل واحد وربمايأخذ بالقوى ويخرج المحامل فى الوقائع المخالفة له۔

قاعدة عندالحنابلة :ويأخذ احمدبن حنبل رحمه الله بالكل مع لحاظ أقوال الصحابة والتابعين رضوان الله عليهم ۔ولناتجدعنه روايات فى مسألة۔واذاتعارض الحديثان ففى كتب الشافعية يعمل بالتطبيق ثم بالترجيح ثم بالترجيح ثم بالتطبيق ثم التساقط۔

والمقدم عندناهو النسخ الثابت بالنقل وأماالنسخ الاجتهادى فمرتبة بعد الترجيح وقبل التطبيق وأماتقدم الترجيح قيل التطبيق فهو مقتضى القريحة المسليمة فان فى الترجيح عملابالعلم وفى التطبيق عملابعدمه والعلم مقدم على عدمه ۔العرف الشذى شرح الترمذى لعلامة شيخ الحديث محمدانور شاه ديوبندى کے ساتھ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۷۴

ترجمہ :ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ اجمعین نے فرمایا کہ جب ایک مسئلہ میں مختلف احادیث ہوں توامام شافعی رحمہ اللہ اس باب اصح الاحادیث مرفوعہ لیتے ہیں اورامام مالک رحمہ اللہ اہل مدینہ کے عمل کو لیتے ہیں اگرچہ اس کے مخالف احادیث بھی موجود ہوں اورامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سب مرفوع احادیث ایک محمل پر حمل کرتے ہوئے عمل کرتے ہیں اور حدیث قولی کو بہت زیادہ لیتے ہیں اور مختلف حادثات میں ان کیلئے حمل کرنے کی جگہ نکالتے ہیں ۔اورامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ صحابہ کرام اور تابعین رحمھم اللہ کے اقوال کالحاظ کرتے ہوئے سب کو لیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک مسئلہ میں مختلف روایات پاتے ہیں۔کتب شوافع میں پہلے تطبیق ہے کہ دونوں حدیث ایک محمل پر حمل ہو پھر اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو ترجیح پر عمل کرتے ہیں راجح پر عمل کرتے ہوئے مرجوح چھوڑتے ہیں اوراگر ترجیح بھی نہ ہوسکے تو پھر نسخ پر عمل کرتے ہیں اوراگر نسخ نہ ہوسکے تو پھر تساقط کرتے ہیں یعنی دونوں روایتوں کو غیر معمول بہا کرتے ہیں اور ہماری کتابوں میں (یعنی مذہب حنفی) پہلے نسخ پھر ترجیح پھر تطبیق اور پھر تساقط کرنے پر عمل پیرا ہے۔ہمارے ہاں وہ نسخ مقدم ہے جو نقل سے ثابت ہو اور جو فسخ اجتہادی ہے اس کا مرتبہ ترجیح کے بعد ہے اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو دونوں کو ساقط کرتے ہیں اور تطبیق سے نسخ اجتہادی کا مرتبہ مقدم ہے۔پہلے ترجیح پر عمل کرنا اس لئے ہے کہ تطبیق پر مقدم کیا جائے۔یہ قصد سلیمہ کا تقاضا ہی ہے اس لئے کہ ترجیح میں علم پر عمل کرنا ہے اور تطبیق میں عدم علم پر عمل ہے اور علم عدم علم سے پہلے ہے۔

مندرجہ بالا تحقیق سے آپ کو یہ بات روزروشن کی طرح معلوم ہوئی کہ چاروں مذاہب مقبولہ مروجہ میں سے کسی بھی میں نہیں کبھی ایک پر عمل کریں اور کبھی دوسرے پر یا کوئی ایک پر عمل کرے اور کوئی دوسرے پر یا جس نے ان میں سے کسی پر عمل کیا تو اس نے صحیح کام کیا اور سنت یا مطلوبہ عمل ادا کیا الغرض موجودہ دور میں جو ایسا کرتا ہے در حقیقت وہ مذاہب اربعہ حقہ سے خارج اور ہوا پرست ہے۔

فصل: جب ثابت ہوا کہ نماز میں ہاتھ اٹھانا ممنوع اور منسوخ ہے اور نسخ ثابت ہے نقل سے اس لئے نسخ مقدم ہے اور وہ تین قسمیں جسمیں ہاتھ اٹھانا یا ہاتھ کے قائم مقام انگلی اٹھانا ہے منسوخ ہے صرف اور صرف پوشیدہ دعا کرنا باقی ہے نماز میں۔

اقسام دعا: وعن محمدبن الحنيفة رضى الله تعالىٰ عنه قال الدعاء أربعة دعاء رغبة و دعاءرهبة و دعاءتضرع و دعاءخفية ففى دعاءالرغبةيجعل بطون كفيه نحو السماءوفى دعاءالرهبةيجعل ظهر كفيه الى وجهه كالمستغيث من الشيئ وفى دعاءالتضرع يعقدالخنصر والبنصر ويحلق بالابهام والوسطى ويشير بالسبابة ودعاءالخفية مايفعله المرءفى نفسه وعلى هذاقال ابويوسف رحمه الله فى الاملاء يستقبل بباطن كفيه القبلة عندافتتاح الصلاة واستلام الحجروقنوت الوتروتكبيرات العيدين ويستقبل بباطن كفيه السماء عندرفع الايدى على الصفاوالمروة وبعرفات وبجمع وعندالجمرتين لانه يدعوفى هذه المواقف بدعاءالرغبةالخ۔

بعض حضرات نے اس سے تعبیر باشارہ مروجہ سے کی ہے جو بالکل غلط ہی ہے۔[1270] مذکورہ سب کتب اس بات پر دلالت کرتی ہیں بلکہ سب نے تصریح کی ہے کہ دعاء تضرع کا طریقہ یہ ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلیاں بند کر کے درمیانی اور بڑی انگلی کو حلقہ کر کے اور مسبحہ پر اشارہ کرے یہ عمل نماز کے اخیر میں دعا کرنے کے وقت میں تھا اب منسوخ ہو کر بغیر مسبحہ کے اٹھانے کے دعا کی جاتی ہے۔ اس پر دلیل امام ترمذی رحمہ اللہ کا ابواب الدعوات ص۱۹۹ ج۲ قدیمی کتب خانہ کراچی کی یہ حدیث شریف ہے۔

عاصم بن كليب عن ابيه عن جده قال دخلت على النبى ﷺ وهو يصلى وقد وضع يده اليسرى على فخذه اليسرى ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى وقبض اصابعه وبسط السبابة وهو يقول يامقلب القلوب ثبت قلبى على دينك هذاحديث غريب من هذاالوجه۔

یعنی عاصم بن کلیب کا جد امجد کہتا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہاں آیا اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور تحقیق آپ ﷺ نے دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور مسبحہ کے بغیر سب انگلیوں کو بند کر کے مسبحہ کو پھیلایا اور آپ ﷺ یہ دعا کرتے تھے

[1270] (۱۔مبسوط لسرخسی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۶۶ دارالفکر، ۲۔بحرالرائق ج۲ ص۴۳ باب الوتروالنوافل ایچ ایم سعید کراچی ترمایفعله المرءفى نفسه فقط، ۳۔وبحرالرائق ج۸ص۲۰۷، ۴۔درمختار ج ۱ ص۷۷، ۵۔کشف الاستارعلی درمختار ج ۱ ص۷۷، ۶۔حاشیہ الطحطاوی علی درالمختار ج ۱ ص ۲۲۴، ۷۔شامی ج ۱ ص ۳۷۵ مکتبہ حقانیہ پشاور، ۸۔فتح القدیر ج ۱ ص ۳۷۸، ۹۔فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۳۴۵، ۱۰۔عرف شذی شرح ترمذی ص ۳۳۷ دارالکتب بیروت، ۱۱۔ترمذی ج ۱ ص ۴۱ حاشیہ میں فاروقی کتب خانہ ملتان، ۱۲۔الفتاویٰ تاتارخانیہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج ۱۸ ص ۵۳، ۱۳۔عالمگیری ج۵ ص ۳۱۸ اور اس میں یہ عبارت بھی موجود ہے کذافی مجموع الفتاویٰ ناقلاعن شرح السرخسی لمختصر الحاکم الشهيدفى باب قيام الفريضه، ۱۴۔کبیری مع بہامش صغیری مطبع لاہور ص ۲۸۸، ۱۵۔غنیۃ فی شرح عنیۃ المصلی ص ۳۲۷ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۶۔مراقی الفلاح ص ۲۰۶، ۱۷۔حاشیہ طحطاوی ذیل مراقی ص ۲۰۶، ۱۸۔فتاویٰ سلطانیہ ص ۵۳۵ وغیرہ)

یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک. اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ اس مقام پر کوئی مخصوص دعا منقول نہیں جو چاہے کرے۔ اس دعا کو دعائے اخلاص، دعائے تضرع اور دعائے استغفار کہا جاتا ہے۔

۱۹۔ سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ اپنی کتاب کتاب الدعاء میں تحریر فرماہیں۔

حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ النَّوْفَلِيُّ الْمَدِينِيُّ، ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأُوَيْسِيُّ، ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَكَذَا الْإِخْلَاصُ - يُشِيرُ بِأُصْبُعِهِ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ - وَهَذَا الدُّعَاءُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْنِ، وَهَذَا الِابْتِهَالُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا. [1271]

۲۰۔ حدثنا العباس بن الفضل الاسفاطی، ثنا ابو ثابت محمد بن عبیداللہ مدنی، ثنا عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، ثنا العباس بن عبداللہ بن معبد عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن النبی ﷺ قال الاخلاص ھکذا ورفع اصبعا واحدۃ من الیدالیمنیٰ والابتھال ھکذا ومدیدیہ وجعل بطن الکف ممایلی الأرض، والدعاء ھکذا وجعل یدیہ بطونھما ممایلی السماء۔

ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اخلاص اس طرح ہے اور دائیں ہاتھ کی ایک انگلی اٹھائی اور دعا میں انتہائی عاجزی کا اظہار اس طرح ہے اور ہاتھوں کو دراز کر کے ہتھیلیوں کو زمین کی طرف کر دیا اور دعا اس طرح ہے اور ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کر دیا۔[1272] تحت محقق نے لکھا کہ اس کا اسناد حسن ہے اور اس سے مستدرک میں (۷۹۰۳) وسنن البیہقی الکبریٰ (۲۶۲۳) ص ۹۰

اس کی اسناد حسن ہے اور اس سے سنن ابی داؤد (۱۴۹۱) کتاب الدعاء ص ۹۰

۲۱۔ اور کتاب الدعوات الکبیر للبیہقی متوفی ۴۵۸ھ (القسم الثانی) منشورات کویت باب من آداب الدعاء حدیث نمبر ۲۶۳ ص ۳۴

۲۲۔ اور السنن الکبریٰ للبیہقی حدیث نمبر ۲۷۹۴ میں ہے کہ

عن العیزان سئل ابن عباس عن الرجل یدعو یشیر باصبعہ؟ فقال ابن عباس رضی اللہ عنھما ھو الاخلاص۔

ابن عباس رضی اللہ عنھما سے پوچھا گیا کہ ایک شخص دعا کرتا رہتا ہے اپنی انگلی سے اشارہ کرتا رہتا ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا کہ یہ اخلاص ہی ہے (یہ ہے عیزان سے منقول) اس طرح اربدۃ ابن عباس رضی اللہ عنھما میں ہے کہ یہ اخلاص ہے اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تضرع ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ اس دعا کو اخلاص اور تضرع اور استغفار کہا جاتا ہے یعنی اس دعا کو احادیث میں تین

[1271] (الدعاء للطبرانی ص ۹۰ دار الکتب العلمیۃ - بیروت)

[1272] (باب رفع الیدین علی المنبر فی الاستسقاء حدیث نمبر ۲۱۷۸ ص ۶۶۶-۶۶۵ دار الحدیث قاھرہ)

ناموں سے موسوم کیا گیا ہے اس لئے فقہاء نے اس کو دعائے تضرع سے ذکر کیا ہے اور عثمان نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ شیطان کیلئے مقمع ہے یعنی ذلیل کرنے کا آلہ ہے۔)

(۲)۲۲۔اور حدیث ۲۷۹۵ عن التمیمی و ھو اربدۃ عن ابن عباس: ھو الاخلاص و عن ابان بن ابی عیاش عن أنس بن مالک قال: التضرع و عن عثمان عن مجاھد قال: مقمعۃ للشیطان اور حدیث ۲۷۹۶ عبداللہ بن عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال، ھکذا الاخلاص یشیر باصبعہ التی تلی الابھام، و ھذا الدعاء فرفع یدیہ عذو منکبیہ و ھذا الابتھال فرفع یدیہ مداً۔ [1273]

۲۳۔عن عکرمۃ عن ابن عباس قال المسئلۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحو ھما و الاستغفار ان تشیر باصبع واحدۃ و الابتھال ان تمدیدیک جمیعا و فی روایۃ قال و الابتھال ھکذا و رفع یدیہ و جعل ظھور ھما ممایلی وجھہ رواہ ابو داؤد و مشکوٰۃ ۱۹۶ اصح المطابع دھلی۔

۲۴۔ابو داؤد میر محمد کتب خانہ کراچی ج ص ۲۰۸

۲۵۔ذکر العلۃ التی من اجلھا کان یشیر المصطفیٰ ﷺ بالسباۃ فی الموضع الذی وصفناہ۔

حدیث نمبر ۱۹۴۱ ص ۱۵۸ صحیح ابن حبان دار الفکر بیروت۔۔۔و وضع مرفقہ الایمن علی فخذہ ایمنی علی فخزہ ایمنی و قیض خنصرہ و التی تیلھا و جمع بین ابھامہ و الوسطی و رفع التی تلیھا یدعو ابھا۔ یعنی اشارہ جواب سلام اور دعاء اخلاص کے لیے تھا نہ کہ برائے توحید۔ کیوں کہ علامہ عینی نے شرح ابو داؤد ج ۳ ص ۱۰۹ پر تحریر فرماہیں۔ **وقال ابو حنیفۃ و اصحابہ لا یودہ نطقاً و ہ اشارۃ بکل حال دار الکتب بیروت۔** اور علامہ عینی شرح ابی داؤد ج ۲ ص ۴۰۹ پر تحریر فرماہیں کہ **وقد ذکرنا ان احادیث الرفع فی غیر تکبیرۃ الاحرام منسوخۃ۔** طبع بیروت اور علامہ حصکفی در مختار میں تحریر فرماہیں: علی صدر رد المختار ج ۲ ص ۵۱۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ: **و ما ورد نسخ بحدیث۔ ان فی الصلاۃ لشغلاً** و در مختار ایچ ایم سعید کراچی ج ۱ ص ۹۳: علامہ شامی تحریر فرماہے۔ **ان ما فی المتون مقدم علی ما فی الشروح و ما فی الشروح مقدم علی ما فی الفتاویٰ** شامی ج ۱ ص ۵۳ اور بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۲۱ میں ہے۔ **و لم یبطل ما ادیٰ بالاجتھاد الاول لان ما اصضیبا لاجتھاد لا نیقض باجتھاد مثلہ ۱۵ و فی شرح المجلہ تسلیم رستم باز ص ۱۲ الاجتھاد لا ینقض بمثلہ ۱۲** مطلب یہ کہ پہلے اجتہاد اس سے بعد اجتہاد کے وجہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔

ترجمہ از صفحہ نمبر ۵۰: محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دعاء کی اقسام چار ہیں۔ (۱) رغبت کی دعا (۲) رہبت کی دعا (۳) تضرع کی دعا (۴) پوشید دعا۔

(۱) دعاء رغبت میں ہتھیلیوں کا باطن آسمان کی طرف کیا جاتا ہے۔

[1273] (سنن کبریٰ لبیھقی ج باب مانیوی المشیر باشارتہ فی التشھد صفحہ ۱۹۱ دار الکتب علمیہ بیروت۔)

(۲)اور دعاء رہبت میں ہتھیلیوں کی الٹی طرف اپنے منہ کی طرف کی جاتی ہے جیسے کہ کسی سے کوئی چیز مانگتا ہے۔

(۳)اور دعا تضرع میں چھنگلی اور ساتھ والی انگلی کو بند کریں (ملالیں) انگوٹھا اور درمیانی انگلی سے حلقہ بنالیں اور مسبحہ سے اشارہ کریں۔

(۴) دعاء خفیہ جو انسان اپنے دل میں ہی دعا کریں۔ بنابر اس بات امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی املاء میں منقول ہے کہ تکبیرات عیدین کے وقت اور قنوت وتر (یعنی وتر میں دعا قنوت پڑھتے وقت) اور حجر اسود کے استلام کے وقت اور افتتاح نماز کے وقت ہتھیلیوں کے باطن طرف قبلے کے طرف متوجہ کریں۔ اور جمرات کو مارنے کے وقت اور صفا و مروہ میں اور مزدلفہ میں بھی ایسا کرے کیوں کہ ان مقامات میں دعاء رغبت ہی کرتے ہیں ۔(امام یوسف صاحب کا یہ مطلب ہے کہ جس کو آپ نے املاء میں ذکر کیا ہے نہ وہ جس کو بعد میں آنے والے علماء نے بغیر سوچ نقل کیا ہے اور اس کو اشارات برائے نفی اثبات در تشہد پر محمول کیا) اور صفحہ نمبر ۵۱ اور ۵۲ پر حدیث کا ترجمہ: عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتا ہے فرمایا میں آپ ﷺ کے پاس آیا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو بند کر دیا اور مسبحہ کو پھیلایا اور وہ یہ دعا کر رہے تھے اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھیں۔

حدیث نمبر ۱۹: امام طبرانی اپنے کتاب کتاب الدعا میں نقل فرمایا ہے: کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔ دعاء اخلاص اس طرح ہے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ اور یہ دعا ہے اور ہاتھوں کو کاندھوں کے طرف اٹھایا اور یہ دعا ابتھال ہے اور ہاتھوں کو لمبا کر کے اٹھایا حدیث نمبر (۲۰) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دائیں ہاتھ کی ایک انگلی اٹھایا کر دعاء اخلاص اس طرح ہے۔ اور ہاتھوں کو لمبا کر کے ہاتھوں کے ہتھیلیوں کو زمین کی طرف کر دیا اور فرمایا یہ دعا ابتھال ہے اور ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کر کے اٹھایا اور فرمایا کہ یہ دعا ہی ہے اور صفحہ نمبر ۵۴ پر حدیث نمبر ۲۲ کا ترجمہ: عیزان سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی دعا کرتے وقت ایک انگلی سے اشارہ کرنے والے کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواباً فرمایا کہ یہ اخلاص ہے صفحہ نمبر (۲) ۵۴ حدیث نمبر ۲۲، و نمبر ۲۷۹۵: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ اخلاص ہی ہے۔ اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ تضرع ہی ہے اور عثمان مجاہد سے ناقل ہے آپ نے فرمایا کہ اس میں شیطان کی ذلت اور اہانت ہے۔

حدیث نمبر ۳/۲۲ نمبر ۲۷۹۶: عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یقیناً رسول ﷺ نے فرمایا انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی (مسبحہ) سے اشارہ کرے یہ اخلاص ہی ہے اور دونوں ہاتھ کو کندھوں کے برابر اٹھایا اور کہا کہ یہ دعا ہی ہے اور دونوں ہاتھوں کو لمبا کر کے اٹھایا اور فرمایا یہ ابتھال ہی ہے۔

۲۳۔ حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا (۵۳ صفحہ پر اصل مذکورہ ہے)۔

کہ سوال کرنے کا ادب و طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے مونڈھوں کے برابر یا ان کے قریب تک اٹھاؤ استغفار کا ادب یہ ہے کہ تم اپنی ایک انگلی کے ذریعہ اشارہ کرو اور دعا میں انتہائی عجز و مبالغہ اختیار کرنا یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اکٹھے دراز کرو یعنی اتنے اٹھاؤ کہ مونڈھوں کے قریب ہو جائے (ابو داؤد ج ا ص ۲۰۹) ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے کہا دعا میں انتہائی عاجزی کا اظہار اس طرح ہے اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان کی پشت کو اپنے منہ کے قریب کیا۔ ابو داؤد و مشکوٰۃ ص ۱۹۶۔

صحیح ابن حبان میں ہے: جس علت کے وجہ رسول ﷺ اشارہ فرماتے تھے مسبحہ انگلی سے جس جگہ میں کہ ہم نے بیان کی ہے اس کا بیان کرنا (پھر اپنی سند سے حدیث بیان کی جس میں ہے) کہ حضور علیہ السلام نے اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھ دیا اپنی چھنگلی اور ساتھ والی انگلیاں بند کر کے اور درمیانی اور انگوٹھے ملا کر اور مسبحہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اٹھا کر اس پر دعا کرتے تھے۔ علامہ عینی نے شرح ابو داؤد میں لکھا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اصحاب یعنی (امام محمد اور ابو یوسف) کے ہاں جواب سلام نہ زبان سے اور نہ اشارہ سے ہر حال میں نہ دے اور رفع یعنی ہاتھ اٹھانے والی احادیث حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے نماز میں شغل تکبیر تحریمہ کے علاوہ سب منسوخ ہے (اس طرح مالی ارکم رافعی ایدیکم۔۔۔۔ اسکنوا) کے ساتھ اور یہ قاعدہ ہے متون شروح سے مقدم ہے اور شروح فتاویٰ سے مقدم ہے۔ اور ایک اجتہاد دوسرے اس طرح اجتہاد سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ کما یاتی۔

ویجاب بانہ مخصوص بمالیس فی الصلاۃ للاجماع علی انہ لا رفع فی دعاء التشھد انتھی۔ فتح القدیر ج ا ص ۳۷۵ لا بن الھمام طبع النوریہ سکھر اور نور الایضاح طبع امدادیہ ملتان کی شرح مراقی الفلاح نسخہ دیگر ص ۸۷ مکتبہ امدادیہ ملتان یعنی دعا میں ہاتھ اٹھانا خاص ہے اس دعا کے ساتھ کے نماز میں نہ ہو کیوں کہ حالت تشھد دعا کرنے میں ہاتھ اٹھانا نہیں اس لئے کہ اس پر اجماع ہے۔

نوٹ: اگر کہا جائے کہ حدیث میں ہے کیا وجہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں بد خو گھوڑوں کی دم کی طرح تم ہاتھوں کو اٹھاتے ہو نماز میں سکون کرو یعنی ہاتھ مت اُٹھاؤ۔ امام طحاوی شرح معانی الآثار میں تحریر کرتے ہیں کہ یقینا رسول اللہ ﷺ نے اندامو ں کے ساکن کرنے کا حکم دیا ہے اور اشارہ سے سلام کا رد کرنا جواب دینا اس میں اس حکم نبوی سے نکلنا ہے اس لیے کہ اس میں ہاتھوں کو اٹھانا اور انگلیوں کو ہلانا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ ہاتھ نہ اٹھانے سے اور جواب سلام اشارہ سے نہ کرنے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کے اس حکم پر عمل ہوا جو نماز میں اندامو ں اور انگلیوں کو ساکن کرنا ہے۔ اور یہ قول جو ہم نے بیان کیا اس باب میں یہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد رحمھم اللہ تعالیٰ کے قول ہے۔ شرح معانی الاثار ج ا ص ۱۹۸ مکتبہ حقانیہ ملتان۔ عرض ہے کہ مندرجہ بالا میں ہاتھ نہ اٹھانے کو نماز میں کہا گیا ہے نہ کہ انگلی نہ اٹھانے کا۔ بلب ادب عرض ہے کہ یہ اعتراض علمی ذوق نہ رکھنے سے پیدا ہوا ہے۔ اس لیے یہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ

(۱) ضرورت انتفاء الکل بانتفاء الجزء: شرح المقاصد فی علم الکلام باب المقصد الثانی جزء الاول بیروت ص ۲۹۹۔

(۲) لان انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل: المواقف ج ۲ ص ۳۲۵۔

(۳) وعمدۃ القاری شرح بخاری ج ۲ ص ۱۲۲ دار الاحیاء بیروت

(۴) ان انتفاء بعضها ایّ بعض کان یستلزم انتفاء الکل: مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۷ فصل اول مصنفہ ابو الحسن مبارک پوری۔

(۵) انتفاء الجزء یوجب انتفاء الکل: بیان المختصر شرح مختصر ابن حاجب ج ۱ باب تعلق الامر بالمعدوم۔

(۶) ضرورۃ انتفاء الکل بانتفاء جزءہ: شرح مختصر ابن حاجب ج ۳ ص ۴۰ باب ھل النقص قادِح فی العلۃ۔

(۷) وانتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل: الابھاج فی شرح المنھاج جلد ۲ ص ۱۵۹ باب المسئلۃ اولیٰ متی یوجد المشروط۔

(۷) ضرورۃ انتفاء الکل بانتفاء الجزء: شرح التلویح علی التوضیح ج ۱ ص ۱۴۴ فصل انواع علاقات المجاز۔

(۸) ضرورتۃ انتفاء الکل بانتفاء جزء واحد منہ: فتح القدیر ج ۹ ص ۲۰ کتاب الھبۃ۔

(۹) وانتفاء الجزیوجب انتفاء الکل: التحبیر شرح تحریر ج ۱ ص ۱۴۴ باب قولہ فصل۔ ضرورۃ انتفاء الکل بانتفاء الجزء ج ۲ ص ۱۲۹ تیسر الحریر۔

(۱۰) اور عنایہ ج ۱ ص ۱۰۰ فصل بیئر:

(۱۱) عنایہ شرح ھدایہ باب قضاء الفوائت ج ۱ ص ۴۹۶۔

(۱۲) البنایہ شرح اھدایۃ ج ۱ ص ۴۴۰ حکم وقوع النجاست فی البئیر و انتفاء الجزء یستدعی انتفاء الکل۔ کل بارہ حوالہ جات مذکور ہوئے۔ مندرجہ بالا سے ثابت ہوا کہ یہ ایک لازمی وجہ ہے کہ ایک جزء یعنی بعض جو بھی ہو ضروری طور پر اس کے انتفاء کے وجہ سے کل ختم ہو جاتا ہے اور وہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اور جز کے انتفاء کل سے منتفی آئندہ اوراق میں آئے گا۔

تبصرہ: یہی وجہ ہے کہ اگر ایک انگلی بھی متحرک کرے تو حکم سکون کو نہ مانا پھر ایک ہاتھ پانچ انگلیوں کو متحرک کرنے والا اور اشارہ کرنے والا کس طرح حضور علیہ السلام کا حکم ماننے اور اس پر عمل کرنے والا بن سکتا ہے؟ اور ساتھ ساتھ حکم نبوی ﷺ کی پانچ آیاتِ قرآنی مذکورہ بھی پامال کر دی اور اجماع کی بھی مخالفت کر دی۔

دوسرا جواب یہ ہے: کہ ایک انگلی اٹھانا قائم مقام دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کے ہے یعنی ایسا ہے کہ اس نے دونوں ہاتھوں کو اٹھا رکھا ہے (ملاحظہ ہو درجہ ذیل) الشیخ محمد انور شاہ کشمیری ثم الدیوبندی تحریر فرماہے: والطریق معروف فی الدعاء الآن رفع الأیدی کلتیھما ثم تتبعت لذلک ان الدعاء ھل یکون برفع الاصبع ففی الدر المختار عن القنیۃ فی باب صفۃ الصلاۃ: والاشارۃ لعذر کبر یکفی فجوز بالاشارۃ عند العذر کانہ اختصار من رفع الایدی ج ۲ ص ۳۴۵ باب رفع الیدین بالخطبۃ فیض الباری آگے جا کر لکھتا ہے: وفی البحر فی باب الوتر عن مولی ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ انہ کان یرفع یدیہ فی القنوت للدعاء وتارۃ یکتفی بالاصبع ایضاً و نسب ذلک الی امامنا ایضاً ج ۲ ص ۳۴۵ فیض الباری شرح بخاری۔

ترجمہ: آج کل دعا کا معلوم و معروف طریقہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے۔ پھر میں نے تلاش و تتبع کی کہ کیا ایک انگلی اٹھانے سے ہوتا ہے تو در مختار میں قنیہ سے نقل ہے باب صفۃ الصلاۃ میں پایا کہ عذر کے وجہ سے جیسے سردی ہو انگلی اٹھانا کافی ہے تو عذر کے وقت اشارہ کو جائز کیا گیا۔ گویا کہ یہ دونوں ہاتھوں کے اٹھانے سے مختصر طریقہ ہے۔ در مختار ج ا ص ۷۷ بحر میں مولی ابو یوسف سے منقول ہے کہ آپ دعا کے لیے قنوت وتر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور اس طرح کبھی ایک انگلی اٹھانے پر اکتفا کرتے تھے اور اس کی نسبت ہمارے امام صاحب کو بھی کرتے۔ وقنیہ، فیض الباری، در مختار، بحر، کل یہ چار کتب ہیں۔

سابقہ ۲۵ کتابوں میں سے گزر چکا ہے کہ اس کو دعاء اخلاص اور دعاء تضرع کہا جاتا ہے، نیز دعاء استغفار بھی۔

(۵) عمدۃ القاری شرح بخاری لعلامہ بدر الدین عینی میں ہے: **کان قتادۃ یشیر باصبعہ و لا یرفع یدیہ ص ۴۶۶ ج ۲۲ باب ۲۳۔**

یعنی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ عادت تھی کہ ہاتھوں کو نہ اٹھاتے صرف انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔

(۶) بدائع صنائع لکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ ج ا ص ۲۸۴ ایچ ایم سعید کراچی۔

(۷) شامی مصری ج ا ص ۳۷۵۔

(۸) فتاوی سلطانیہ مولانا محمد سلطان ص ۵۳۵

(۹) **فتاوی تاتار خانیہ عن ابو یوسف: ان اشاء اشار باصبعہ فی الدعا و ان شاء رفع یدیہ**

(۱۰) **فی التحفۃ: ان رفع یدیہ نحو السماء فحسن و ان ترک ذلک و اشار الی السماء باصبعہ فحسن تاتار خانیہ رشید کوئٹہ ج ۲ ص ۶۶۴۔**

(۱۱) **فان کان وقت عذر أو برد شدید فاشار بالمسبحۃ قام مقام بسط کفیہ: فتاوی عالمگیری ج ۵ ص ۳۱۸۔**

ترجمہ نمبر ۹: تاتار خانیہ میں ابی یوسف سے روایت نقل کرتا ہے کہ دعا والے کا اختیار ہے کہ دعا میں انگلی سے اشارہ کرتا ہے یا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتا ہے یہ دعاء کرنے والے کی رائے پر موقوف ہے۔ اور تحفہ میں ہے اگر دعا میں آسمان کی طرف اٹھایا دونوں ہاتھوں کو تو بہتر ہے اور اگر یہ چھوڑ کر اور آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو بہتر ہے۔ اور فتاوی ہندیہ والا لکھتا ہے: کہ اگر عذر کا وقت تھا یا سخت سردی تھی تو مسبحہ سے اشارہ کیا یہ دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے قائم مقام ہے۔

(۱۲) **عن ابی قتادۃ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس رسول اللہ ﷺ قال بعث رسول اللہ ﷺ جیش الأمراء باب غزوۃ مؤتۃ۔۔۔۔ثم رفع رسول اللہ ﷺ اصبعہ فقال۔ اللھم انہ سیف من سیوفک فانصرہ: مجمع الزوائد و منبع الفوائد ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۰۷ھ ج ۶ ص ۲۲۹ اور**

(۱۳) **تاریخ دمشق الکبیر جلد نمبر ۶ جز نمبر ۱۲ صفحہ نمبر ۴۰ دار الحیاء التراث العربی۔**

یعنی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جیش الأمراء میں جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیادت و قیادت سنبھال لی تو رسول ﷺ نے انگلی اٹھا کر فرمایا۔ کہ آپ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے تو اس کی مدد فرما۔

فصل: من آنچہ شرط بلاغ، است باتو میگویم؟ تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

سوال: دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ یا انگلی اٹھانا کیوں مشروع اور سنت ہے۔

الجواب: ارشاد ربانی ہے: وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (البقرة ۱۴۸): اور سب آدمی اور ہر گروہ اور ملک اور ہر ولایت کے لیے جہت ہے کہ اس کی طرف وہ متوجہ ہوتے ہیں۔ ولکل وجهة کے معنی اکثر مفسرین یہ لکھتے ہیں کہ قبلہ مقربین عرش ہے اور قبلہ روحانیین کرسی ہے اور قبلہ کروبیین بیت المعمور ہے اور قبلہ دعا آسمان ہے اور قبلہ ملائکہ زمین کا بدن آدم علیہ السلام کا ہے اور قبلہ انبیاء بنی اسرائیل کا بیت المقدس ہے اور قبلہ آدم علیہ السلام و حضرت نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور محمد رسول ﷺ کعبہ ہے۔ اور قبلہ ارواح کا سدرۃ المنتہٰی ہے۔ تفسیر عزیزی اردو ترجمہ ایچ ایم سعید کراچی مؤلفہ مولانا شاہ عبدالعزیز ہے۔ اور حکم خداوندی ہے کہ منہ قبلہ کی طرف کرو اس لیے دعا میں آسمان کی طرف انگلی یا ہاتھ اُٹھایا جاتا ہے۔[1274]

(۲) علمائے دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی تفسیر بیان القرآن میں رسالہ رفع البناء فی نفع السماء میں دسواں فائدہ آسمان کا یہ لکھتا ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے قبیل صفحہ نمبر ۱۰۱ و قبیل سورۃ آل عمران تاج کمپنی لاہور۔

(۳) مجموعۃ الرسائل امام الغزالی ج ا ص ۱۸ امدادیہ کوئٹہ۔

(۴) شرح مسلم لنووی ج ا ص ۱۸۱ ان السماء قبلہ الدعاء کما ان الکعبة قبلة الصلوٰة۔ و فی السماء رزقکم و ماتوعدون: یعنی نماز کے لیے قبلہ کعبہ ہے اس طرح دعا کا قبلہ آسمان ہے۔

(۵) انہ تعالیٰ جعل السماء قبلة الدعاء فالایدی ترفع الیها: تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۲۱۵ بحث فضائل السماء مطبع الحسینیة المصر۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آسمان کو دعا کا قبلہ بنایا ہے تو ہاتھ اس کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

(۶) حکمة الرفع الی السماء انها قبلة الدعاء و مهبط الرزق و الوحی و الرحمة و البرکة: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵ اور صفحہ ۴۳ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

[1274] تفسیر عزیزی لمحدث دہلوی ج ۲ ص ۸۶۶

ترجمہ: دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ یا انگلی اٹھانے میں حکمت یہ ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے اور رزق اور وحی اور رحمت اور برکت اس سے اتر کر آتی ہے۔

(۷)نحو السماء لانها قبلة الدعاء: در مختار جلد ۱ صفحہ ۷۷

(۸)قوله: قبلة الدعاء ای کا القبلة للصلوٰة: کشف الاستار جلد ۱ صفحہ ۷۷ علی در مختار۔

(۹)ایضاً شامی جلد ۱ صفحہ ۳۷۵: یعنی آسمان دعا کا قبلہ ہے اس لیے دعا میں اس کے طرف ہاتھ یا انگلی اٹھائی جاتی ہے۔ شامی میں یہ اضافہ بھی ہے تو وہم نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ اُوپر طرف ہے (تو اشارہ برائے توحید باطل ہے)

(۱۰)اور حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ شامی کی طرح رشیدیہ کوئٹہ۔

(۱۱) تفسیر البحر المحیط لابی حیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ جلد ۱ صفحہ ۶۰۲ دار الکتب علمیہ بیروت۔

(۱۲)روح البیان جلد ۶ صفحہ ۶۷ دار الاحیاء بیروت۔

(۱۳)روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۸ دار الفکر۔

(۱۴)روح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۷۸ بیروت۔

(۱۵)روح البیان جلد ۳ صفحہ ۵۰۹۔

(۱۶) کان السماء قبلة الدعاء کما ان الکعبة قبلة الصلاة: عمدہ القاری جلد ۵ صفحہ ۳۰۸ بیروت۔

(۱۷)سندھی علی النسائی جلد ۱ صفحہ ۱۷۷۔

(۱۸)وفتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۳۰۲۔

(۱۹)رشید احمد دیوبندی نے اپنے احسن الفتاوی ج ۳ صفحہ ۵۷ و ۵۸ پر بھی آسمان کو دعا کا قبلہ تسلیم کیا ہے۔

(۲۰)باب رفع البصر الی السماء فی الصلاة: دار السلام الریاض و احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۱۲۸۔

اگر کوئی کہے کہ یہ باطل ہے اس وجہ سے کہ سلف میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے۔ اور نہ اس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ دعاء کا قبلہ وہ قبلہ نماز ہی کا ہے۔ یقیناً علماء نے تصریح کی ہے کہ دعا کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ قبلہ کے طرف منہ کرے وغیرہ وغیرہ۔ میں جواباً عرض کرتا ہوں کہ اس کا تفصیلاً جوابات دوسرے رسالہ میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مگر اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ سب دعوے بلا دلیل ہے اور دعویٰ بلا دلیل عقلاً و شرعاً قبول نہیں دوسری بات یہ ہے کہ یہاں تو ہم نے صرف ۲۰

حوالے نقل کیے ہیں۔ مگر در حقیقت ایک سو پچیس سے زیادہ کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ گزشتہ کے مطالعہ سے دلائل بھی علم میں آئیں گے اس کے لیے قرآن و سنت اور فعل سلف سے دلائل موجود ہیں۔ **وان جبال العلم قد صرحوا به علی انف الجاهل المتقول**۔ تیسری بات یہ ہے کہ نفی کے دعوے ہیں سابقہ مثبتین کے مقابلہ میں مقبول نہیں کیوں کہ علماء لکھتے ہیں کہ مثبت منفی سے مقدم ہے۔ صرف ایک مثال لکھتا ہوں کہ امام بخاری صحیح بخاری میں لے آئے ہیں کہ فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ میں دعائیں کی مگر نماز نہیں پڑھا اور حضرت بلال صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے تو سب نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو لیا ہے کیوں کہ وہ مثبت ہے اور فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو کسی نے بھی قبول نہیں کیا۔ تفصیل معترضین کے اعتراضات کے جوابات دوسرے رسالہ میں آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اور کچھ بعد کے اوراق میں بھی۔

فصل: جب ایک مسلمان موحد نماز میں گزشتہ آیاتِ قرآنی اور حضور علیہ السلام کے واضح حکم **اسکنوا فی الصلوٰۃ** اور نماز میں شغل کے خلاف نماز میں پھر بھی اشارہ کرے تو حضور علیہ السلام ایسے شخص کے بارے میں حکم دیا کہ نماز کو دوبارہ پڑھیں۔

حدثنا عبداللہ بن سعید نا یونس بن بکیر عن محمد بن اسحق عن یعقوب بن علیة بن الاخنس عن ابی غطفان عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ التسبیح للرجال یعنی فی الصلوٰۃ و التصفیق للنساء من اشار فی صلاۃ اشارة تفهم عنه فلیعد لها یعنی الصلوٰۃ قال ابو داؤد هذا الحدیث وهم۔ ابو داؤد جلد ۱ صفحه ۱۳۶ باب الاشارة فی الصلوٰۃ، طبع میر کتب خانه کراچی، علامه عینی **نخب الافکار شرح معانی الاثار** میں تحریر فرماہے۔ **قال صاحب التنقیح: ابو غطفان هو ابن طریف ویقال ابن مالک المزنی قال عباس الدودی سمعت ابن معین یقول فیه: ثقة و قال النسائی فی الکنی: ابو غطفان ثقة قیل اسمه سعد و ذکره ابن حبان فی الثقات، و اخرج له مسلم فی صحیحه یکون اسناده الحدیث صحیحاً و ابو دأود لم یبین کیفیة الوهم فلا یبنی علیه شئی۔۔۔**

و تعلیل ابن الجوزی بابن اسحاق لیس بشئی لان ابن اسحاق من الثقات الکبار عند الجمهور۔ نخب الافکار جلد ۴ صفحه ۱۲۳ طبع دار السیر بیروت و قدیمی کراچی جلد ۴ صفحه ۴۰۲ اور حافظ ابی حفص عمر بن احمد بن عثمان معروف **بابن شاهین المتوفی ۳۸۵ھ الناسخ و المنسوخ** میں تحریر فرماہے: **حدثنا یوسف بن یعقوب بن خالد النیسابوری قال (نا) اسماعیل بن حفص قال (نا) یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق عن یعقوب بن عقبة عن ابی غطفان عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: من اشار فی الصلوٰۃ اشارةً تفقه او تفهم فقد قطع الصلوٰۃ صفحه ۱۳۷ طبع مرکز اهل السنة هند۔**

اور شرح سنن الدار قطنی جلد ۲ صفحه ۸۳/۸۴ التعلیق مغنی: غطفان: قال العراقی: قلت و لیس بمجهول فقد روی عنه جماعة و ثقه النسائی و ابن صبان (باب الاشارة فی اصلاۃ) اور مسند بزار جلد ۱۵ صفحه ۱۱۶: حدیث نمبر ۸۴۱۶۔ حدثنا اسماعیل بن حفص قال نا یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق عن یعقوب بن عتبة عن ابی غطفان عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: من اشار فی صلاته اشارة تفهم عنه فلیعد صلاته۔ او قد فسدت، الحدیث مطبوعه دار الکتب علمیه بیروت۔ اور امام طحطاوی نے بغیر جرح قبول کر کے شرح معانی الآثار جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ بیان کی ہے۔

ترجمہ: حضرت ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز میں مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کے لیے تالی بجانا ہے اور جس نے نماز میں اس طرح اشارہ کیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس نے اشارہ کیا ہے تو اپنے نماز کو دوبارہ ادا کرے امام ابی داؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث وھم ہے۔ مگر وہم کا وجہ مذکور نہیں، لہٰذا جرح مقبول نہیں۔

علامہ بدرالدین عینی نے فرمایا کہ صاحب تنقیح نے فرمایا کہ ابو غطفان مجھول نہیں وہ طریف کا بیٹا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مالک مزنی کا بیٹا ہے ابن معین نے کہا ہے کہ غطفان ثقہ ہے اور نسائی نے کنی سے فرمایا کہ ثقہ ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا نام سعد ہے۔

آپ کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں اس کی روایت نقل کی یعنی آپ رجال مسلم ہی سے ہیں۔ تو اس کا اسناد صحیح ہے، اور ابن جوزی کے بیان کئے ہوئے علت کا کوئی اعتبار نہیں یہ کوئی چیز نہیں اس لیے کہ ابن اسحاق جمہور کے ہاں بڑی ثقات میں سے ہے۔ اور ابن شاہین نے ناسخ منسوخ میں یہ حدیث نقل کی بغیر کوئی جرح کے جس نے نماز میں اشارہ کیا اس طرح کہ اس سے فہم کیا گیا تو نماز کو یقینی طور پر ختم کیا یعنی نماز ادا نہ ہوئی۔ اور تعلیق مغنی علی دار قطنی میں بھی ہے۔ کہ عراقی نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ مجھول نہیں کیوں کہ محدثین کی ایک جماعت نے آپ سے حدیثیں نقل کی ہیں اور نسائی اور ابن حبان نے آپ کی توثیق کی ہے اور مسند بزار میں بھی یہ حدیث منقول ہے جس کے آخر میں ہے کہ اپنے نماز کو دوبارہ پڑھیں یا یہ کہ اس کی نماز یقینا فاسد ہوئی۔ اور صاحب نخب الافکار لکھتا ہے۔ ابو داؤد ہم یبین کیفیۃ الوھم فلایبنی علیہ شئ۔ کہ ابو داؤد نے وھم کا کیفیت بیان نہیں کی لہٰذا اس پر کسی چیز کا بنا نہیں ہو سکتا۔ جلد ۹ صفحہ ۱۲۳۔ اور علماء علم اصول فقہ فرماتے ہیں۔ **والطعن المبھم لا یوجب جرحاً فی الراوی کما لا یوجبہ فی الشاھد و لا یمنع العمل بہ۔**

ای الطعن المبھم من ائمۃ الحدیث بان یقول ھذا الحدیث مجروح او منکر و لا یمنع العمل بہ ای الحدیث اھ حسامی مع النامی صفحہ ۱۵۴ امدادیہ ملتان یعنی مشکوک اور گول مول طعن کے وجہ سے راوی حدیث کا مجروح نہیں ہو سکتا جیسا کہ گواہ اس وجہ سے لازمی طور پر مجروح نہیں ہو سکتا اور جرح مشکوک اور گول مول کے وجہ سے حدیث پر عمل کرنا منع نہیں ہے۔ آئمہ حدیث سے مشکوک جرح کہ حدیث مجروح ہے۔ یا منکر ہے یہ حدیث پر عمل منع نہیں کرتا۔

قولہ: اسکنوا: أمر من سکن یسکن ای اثبتوا و لا تتحرکوا و لا تحرکوا أطرافکم بل لازموا السکون و القرار لانکم بین یدی ربکم جلت قدرتہ۔

و یستفاد منہ احکام: الاول: أن فیہ دلالۃ علی أن رد السلام بالاشارۃ فی الصلاۃ مکروہ لانہ مأمور باالسکون و ھو عدم الحرکۃ فاذا أشار احتاج الی رفع الیدو تحریک الأصابع کما ذکرنا۔ نخب الافکار شرح معانی الاثار جلد ۹ صفحہ ۱۵۰ اور صفحہ ۱۵۱ پر لکھتا ہے۔ **و قد ذکر ابن القصار أن ھذا الحدیث حجۃ فی النھی عن رفع الایدی فی الصلاۃ و ذکر أن فی ذلک نزلت: الم تر الی الذین قیل لھم کفوا أیدیکم و اقیموا الصلوٰۃ:**

رسول مقبول ﷺ کا یہ اَمر: اسکنوا: یہ امر سکن یسکن سے ہے مستقل ہو کر حرکت مت کرو اور اپنے ہاتھ پاؤں کو مت ہلاؤ بلکہ سکون کو لازم کرو کیوں کہ تم اللہ جل جلالہ کے سامنے کھڑے ہو۔

اس سے کئی احکام نکلتے ہیں اول یہ کہ اس میں سلام کا جواب اور رد اشارہ سے نماز میں مکروہ ہے اس لیے کہ نمازی کو سکون کا حکم ہے اور سکون عبادت ہے عدم حرکت سے تو جب اشارہ کرتا ہے تو ہاتھ اٹھانے اور انگلیوں کو حرکت دینے کا محتاج ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اگر چہ حدیث منقول ابو داؤد وغیرہ کے وجہ سے احناف کے ہاں فاسد نہیں مکروہ ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا یہ حکم استحباباً ہے جیسا کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اٹھو نماز پڑھو جبکہ اس نے پہلے نماز پڑھ لی تھی مگر نماز کچھ کراہت آنے کے وجہ سے اس کو دوبارہ پڑھنے کا امر فرمایا اس طرح یہاں بھی اگر چہ یہ فعل قلیل ہے نماز فاسد نہیں ہوئی مگر کراہت کے آنے کے وجہ سے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم ہوا تا کہ مکمل بغیر کوئی کراہت ادا کر کے پورا ثواب مل جائے اور کتب فقہ میں یہ تفصیل موجود ہے کہ نماز میں فرض نہ ہونے کی وجہ سے دوبارہ نماز فرض ہے اور واجب رہنے کے وجہ سے اعادہ نماز واجب ہے سنت سے سنت اور مستحب سے مستحب ہے۔

صفحہ نمبر ۵۸ اور ۵۹ پر گزرا کہ امام طحاوی نے شرح معانی الاثار میں یہ بات کہ نماز میں اندامو ں کو ساکن رکھنا یہ امام ابو حنیفۃ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور شاہ انور شاہ کشمیری دیوبندی نے عرف شذی میں تحریر کیا ہے والطحاوی اعلم بمذہب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفحہ ۶۲ باب الاستنجاء بالحجارۃ دار الکتب علمیہ بیروت: یعنی امام طحاوی، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہکے مذہب کا بہت زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اور **باب ماجاء فی اتخشع فی الصلوٰۃ** میں لکھتے ہیں **وتأمر الشریعة بالسکون فی الصلاة کما هو عادة السلف الصالحین:** عرف شذی صفحہ ۴۳۳ دار الکتب علمیہ بیروت۔

ترجمہ: شریعت مطہرہ نماز میں سکون عدم حرکت کا حکم کرتی ہے جیسا کہ یہ ہمارے سلف صالحین کی عادت ہے۔ اس طرح مولانا الشیخ محمد انور شاہ الکشمیری الدیوبندی لکھتا ہے۔ **وبالجملة فالشریعة تأمر بالوقار والسکون فی الصلاة کما هو دأب السلف الصالحین فی صلاتهم وروی البیهقی باسناد صحیح عن مجاهد قال: کان ابن الزبیر اذا قام فی الصلاة کانه عود وحدث أن أبابکر الصدیق کان کذلک وکان یقال ذلک الخشوع فی الصلاة، کما فی الفتح، والیراجع لتفصیل أقوال السلف فی الخشوع، شرح التقریب، للعراقی (۲، ۳۷۲، ۳۷۳ والعمدة (۳۔ ۱۶) معارف السنن جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۷۳ طبع ایچ ایم سعید کراچی شرح جامع الترمذی۔**

وفتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ قدیمی کراچی اور عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۲۸۰ دار الاحیا التراث العربی بیروت۔

حدیث نمبر ۱۱۳ محمد قال اخبرنا ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ قال حدثنا معن بن عبدالرحمن عن القاسم بن عبدالرحمان عن ابیه عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ قال وقروا الصلاة یعنی السکون فیها قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه اور ابو الوفاء الافغانی اس کے شرح میں تحریر فرماہیں۔ **وفی المجلد الثالث من مجمع البحار الانوار جلد ۱ صفحه ۱۳۱ ومنه قاروا الصلاة ای اسکنوا فیها ولا تحرکو ولا تعبثوا۔ معجم الکبیر ج ۴ صفحه ۵۷۱، مصنف عبدالرزاق ج ۲ صفحه ۲۶۵ سنن بیهقی کبریٰ جلد ۲ صفحه ۴۹۸ حدیث نمبر ۹۲۴۱: مسند ابی العباس السراج صفحه ۱۸۸ کاذناب خیل**

حدیث نمبر ۷۲۸۔ قلت و اخرجه الامام ابو یوسف فی آثاره ص ۵۰۔ عنه قال بلغنی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال توقروا فی الصلاۃ و اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود قال قاروا الصلاۃ یقول اسکنوا اطمعنوا و رجاله رجال الصحیح۔ کتاب الاثار جلد ۱ صفحه ۳۰۰ اور ۳۰۱ دار الکتب العلمیه بیروت امام محمد رحمه اللہ تعالیٰ

شرح کتاب الاثار میں افغانی صاحب آگے جا کر لکھتے ہیں۔ **جابر بن سمره قال خرج علینا رسول ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاۃ الحدیث (ج ۱ ص ۱۸۱) قال النووی و فیه الأمر بالسکون فی الصلاۃ و الخشوع فیها و الاقبال علیها۔ شرح کتاب الاثار محمد رضی اللہ تعالیٰ عنه صفحه ۳۰۱ و صفحه ۳۰۲** اس لیے امام سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاشیہ نسائی میں رقم طراز ہیں۔ **قلت کان من علل ترک الاشارۃ الی التوحید فی التشهد بانها تنافی السکون اخذ ذلک من هذا الروایۃ اعنی لفظ اسکنوا فی الصلاۃ و اللہ تعالیٰ اعلم سندهی علی النسائی جلد ۱ صفحه ۱۷۶ قدیمی کراچی۔**

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے:۔ کہ شریعت مطہرہ نے نماز میں سکون اور وقار حکم کا دیا ہے جیسا کہ یہ سلف صالحین کا طریقہ اور عمل ہے کہ اپنی نمازوں میں۔ امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی کہ ابن زبیر جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ایسا لگتا جیسا لکڑی ہوتی ہے اور حدیث بیان کی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ نماز میں خشوع ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ خشوع کی تفصیل اور سلف کے اقوال معلوم کرنے کے لیے شرح تقریب عراقی، عمدۃ القاری کی طرف رجوع فرمائیں۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! ہمیں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں۔ ہمیں معن بن عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاسم بن عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز میں وقار کا خیال رکھو یعنی سکون سے پڑھو حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

ابو الوفا الافغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الآثار کی شرح میں لکھتے ہیں کہ مجمع بحار الانوار کی جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۳۱ پر ہے کہ نماز میں وقار کرو یعنی اس میں سکون کرو اور حرکت مت کرو اور عبث مت کرو۔ آگے جا کر لکھتے ہیں کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم پر رسول ﷺ نے خروج کیا فرمایا کیوں کہ میں آپ کو ایسے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں جیسے بد خو گھوڑوں کی دم، نماز میں سکون کرو یعنی سکون سے پڑھو۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز میں سکون اور خشوع کا اور اس کے طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے اور امام سندی حاشیہ نسائی پر لکھتے ہیں کہ تشہد کی حالت توحید کے لیے اشارہ نہ کرنے کی علت یہ ہے کہ اشارہ کرنا سکون کے خلاف ہے یہ حکم اس مذکورہ حدیث سے لیا گیا ہے۔ میری مراد اس سے **اسکنوا فی الصلوٰۃ** یعنی نماز میں ساکن رہو یعنی سکون سے ادا کرو۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں ذکر کرتے ہیں کہ فقہ حنفی کا بنا مسند ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آثار محمد رحمہ اللہ تعالیٰ پر ہے (یعنی دونوں کتابیں ایسے ہیں کہ جس پر مذہب حنفی کا دارومدار ہے)۔ کتاب الآثار مترجم صفحہ ۱۹ ایچ ایم سعید کراچی۔ ابوالوفا رحمہ اللہ تعالیٰ آگے جاکر تحریر کرتے ہیں: **قال ولا یتشاغل بشئی غیر صلاتہ من عبث بثیابہ او بلحیہ۔ لقولہ الصلاۃ والسلام۔ کفوا ایدیکم فی الصلوٰۃ:**

فرمایا اپنی نماز کے علاوہ کسی چیز میں مشغول نہ ہو اپنے لباس میں عبث کرتے ہوئے اور داڑھی اپنی سے (رسول مقبول ﷺ کے اس فرمان علیشان سے ثابت ہوا کہ نماز میں لباس اور داڑھی وغیرہ پر ہاتھ پھیرنا یا سیدھا کرنا منع ہے۔ بلکہ نماز میں ہاتھوں کو بند رکھنا ہے)۔ کتاب الاثار پر ابوالوفاء افغانی حیدر آباد دکن (بالھند) جلد ا صفحہ ۳۰۲ دارالکتب علمیہ بیروت۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قال ثم یبسط کفیہ علی رکبتیہ وینشر أصابعہ ولا یشیر بشئی منھا و ذلک لما فی حدیث وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ لما جلس افترش رِجلہ الیسریٰ، و وضع یدہ الیسریٰ علی فخذہ الیسریٰ، ویدہ الیمنیٰ علی فخذہ الیمنٰی۔**

ترجمہ: ابو جعفر نے فرمایا پھر گھٹنوں پر اپنے ہاتھ پھیلائے اور اپنی انگلیوں کو منتشر کرے اور ان میں سے کسی چیز سے اشارہ نہ کرے۔ یہ وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث منقولہ کے وجہ سے تحقیق ہے جب نبی کریم ﷺ بیٹھ گئے تو بائیں پاؤں کو پھیلایا اور اپنے بائیں ہاتھ بائیں ران پر رکھ دیے اور اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر۔ (اس میں اشارہ کا ذکر نہیں) اور علامہ جصاص مجتہد مفسر محدث شرح مختصر الحاوی فتاوی فی الفقہ الحنفی میں تحریر فرماہیں۔ **وینشر اصابعہ کما ینشرھا فی السجود والرکوع ولا یشیر شئی منھا لقولہ ﷺ کفوا ایدیکم فی الصلاۃ اسکنوا فی الصلاۃ۔ شرح مختصر الطحاوی فی الفقہ الحنفی الجصاص متوفی ۳۷۰ھ جلد نمبر ا صفحہ ۳۲۸ اور ۳۲۹ دارالسراج المدینہ منورہ و وضع یدیہ علی فخذیہ وبسط اصابعہ و تشھد یروی ذلک فی حدیث وائل ولا ن فیہ توجیہ اصابع یدیہ الی القبلۃ۔ ھدایہ جلد ا صفحہ ۱۱۱۔ شرکۃ علمیہ ملتان شیخ الاسلام برھان الدین المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ۔**

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے فرمایا: دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھ دے اور انگلیوں کو پھیلائیں اور تشھد پڑھیں اس بارے میں وائل کی حدیث روایت کرتی ہے اور اس میں ہاتھوں کی انگلیوں کا روبقبلہ کرنا ہے (اس میں امر قرآنی پر عمل کرنا ہے) امام ترمذی کی گواہی: **حدثنا ابو کریب نا عبد اللہ بن ادریس عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر قال قدمت المدینۃ قلت لا نظرن الی صلوٰۃ رسول ﷺ فلما جلس یعنی للتشھد افترش رجلہ الیسری و وضع یدہ الیسری یعنی علی فخذہ الیسری و نصب رجلہ الیمنی قال ابو عیسی ھذا حدیث حسن صحیح والعمل علیہ عند اکثر اھل العلم و ھو قول سفیان الثوری و ابن المبارک و اھل الکوفۃ۔ ترمذی جلد ا صفحہ ۳۸ و ۳۹ باب کیف الجلوس فی التشھد فاروقی کتب خانہ ملتان۔**

ترجمہ: علامہ جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی انگلیوں کو اس طرح پھیلائیں جیسے کہ پھیلاتے ہیں سجدہ اور رکوع میں اور اس میں کسی چیز پر اشارہ نہ کرے رسول ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ نماز میں اپنے ہاتھوں کو بند رکھو اور نماز میں سکون عدم حرکت کرو۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماہیں کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں رانو پر رکھ کر اور اپنی انگلیوں کو پھیلائے یہ وائل کی حدیث مرویہ سے ثابت ہے۔ اور اس میں قبلہ کی طرف انگلیوں کا کرنا ہے۔

امام ترمذی حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کرکے وہ یہ ترجمہ کہ میں مدینہ منورہ کو آئے اور میں نے کہا کہ ضرور میں حضور علیہ السلام کی نماز کو دیکھوں گا تو آپ علیہ السلام تشہد کے لیے بیٹھ گئے تو بائیں پاؤں کو پھیلایا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ دیا اور دایاں پاؤں کھڑا کیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے اور یہ سفیان ثوری اور ابن المبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما اور اہل کوفہ کا قول ہے۔ (یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ احناف کے مذہب میں اشارہ نہیں) اور امام ترمذی باب ماجاء فی الاشارۃ میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث نقل فرماتے ہیں۔ **اذا جلس فی الصلاۃ وضع یدہ الیمنی علی رکبتہ ورفع اصبعہ التی تلی الابھام یدعو بھا ویدہ الیسری علی رکبتہ باسطھا علیہ: قال ابو عیسی حدیث ابن عمر حدیث حسن غریب لا نعرفہ من حدیث عبید اللہ بن عمر الا من ھذا الوجہ والعمل علیہ عند بعض اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین یختارون الاشارۃ فی التشھد وھو قول اصحابنا۔ جلد ۱ صفحہ ۳۹۔**

یعنی آپ ﷺ بیٹھ گئے نماز میں تو دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر رکھ دیا اور انگوٹھے کے قریب والی انگلی کو اٹھایا اس پر دعا کرتے تھے (اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ اشارہ دعاء کے لیے تھا نہ کہ نفی اثبات کے لیے) اور بائیں ہاتھ کو اپنے گھٹنے پر پھیلایا ہوا رکھ دیا امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث حسن غریب ہے۔ ہم عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث صرف اس وجہ سے پہچانتے ہیں اور اس پر بعض اصحاب اور تابعین عمل پیرا ہیں کہ تشہد کی حالت میں اشارہ کرتے ہیں اور یہ ہمارے اصحاب کا قول ہے حضرت علامہ شیخ القرآن والحدیث غوث الزمان شیخنا و شیخ المشائخ العرب والعجم کہ مراد اصحابنا سے اہل حدیث ہے آگے جاکر تحریر فرماہیں۔ **فالمحصول ان الفقھاء من اصحابنا ظاھر الروایۃ وعلماء المتون لا یعملون بحدیث الاشارۃ والذالم یذکروا ھا فی السنن والآداب لان وضع الیدین علی الفخذین مبسطوتتین سنۃ والسکون مامور بہ و فی الاشارۃ ترکھا فترکوہ وایضاً قالوا نعمل بحدیث صلوا کما رئیتمونی اصلی انتھی ولیس فی تلک الصلوٰۃ ذکر الاشارۃ فالصلوٰۃ بدون الاشارۃ مامور بہ فلذا رجحوا فعل عدم الاشارۃ علی الاشارۃ۔ تسھیل الترمذی منظور عام پریس پشاور ۱۳۹۵ھ ص ۵۹**

ترجمہ: نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مذہب ظاہر الروایۃ کے فقہاء اور متون والے اشارہ کے حدیث پر عمل نہیں کرتے اس لیے انہوں نے اشارہ کو سنتوں اور مستحبات میں ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر بچھائے ہوئے رکھ دینا سنت ہے اور نماز میں سکون مامور بہ ہے اس پر امر نبوی ﷺ اور اشارہ کرنے میں اس حکم نبوی ﷺ کو ترک کرنا ہے اس لیے انہوں نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور اس طرح یہ بھی کہا کہ ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جیسا میں نماز پڑھتا ہوں اس طرح آپ لوگ بھی نماز پڑھ لیں اور اس نماز میں اشارے کا ذکر نہیں تو نماز بغیر اشارہ کرنے مامور بہ ہے اس لیے فقہاء نے ہمارے مذہب والوں کو ترجیح دی اشارہ نہ کرنے کو بمقابلہ اشارہ کرنے پر (کیوں کہ قولی فعلی پر مقدم ہوتا ہے)۔

نوٹ: یہ بات سب کو معلوم و منظور ہے کہ امام محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی چھ کتابیں ہیں ان میں سے ظاہر روایت میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت منقول نہیں۔ اس طرح متون فقہ جو اصل مذہب کو نقل کرتے ہیں ان میں اشارہ کا وجود نہیں مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں ہے کہ ہمارے مذہب کے پہلے طبقہ کے مسائل جو کہ مسائل کی اصول ہیں اور ظاہر الروایۃ کے مسائل ہیں۔ صفحہ ۹ و **اعلم انهم ذكروا ان ما في المتون مقدم على ما في الشروح الخ۔ صفحہ ۱۰ اور وقاية الرواية متن شرح وقايه ہے فالحكم بما في المتون كما لا يخفى لانها صارت متواترة شامی جلد ۱ صفحہ ۵۳ میں ہے۔ واضعا يديه على فخذيه مواجها اصابعه نحو القبلة مبسوطة۔**

عبید اللہ بن مسعود شرح وقایہ الروایۃ میں فرماتا ہے **وفيه خلاف الشافعي رحمہ اللہ فان عنده يعقد الخنصر والبنصر و يحلق الوسطى والابهام و يشير بالسبابة عند التلفظ بالشهادتين و مثل هذا جاء عن علمائنا ايضاً۔ امام نووی روضة الطالبين جلد ۱ صفحہ ۲۶۲: يستحب ان يرفع مسبحته في كلمة الشهادا اذا بلغ همزة الا الله۔ ولنا وجه شاذ أنه يشير بها في جميع التشهد۔ انتهى امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مسوّی میں لکھا ہے قلت اكثر اهل العلم على استحباب الاشارة: اس طرح مصفی میں تحریر فرماہیں۔ موضع اشارة قول الا الله است بحديث مسلم۔ مسویٰ مصفی جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ میر محمد کراچی وغیرہ۔**

علماء نے ذکر کیا ہے کہ متون کے مسائل شروح سے پہلے ہیں عمدۃ الرعایہ۔ جو متون میں ہے وہ حکم ہی ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اس لیے کہ متون کے مسائل متواتر ہوتے ہیں۔ شامی شرح وقایہ کے متن وقایۃ الروایت میں ہے کہ تشہد کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں رانوں پر رکھتے ہوئے اور اپنی انگلیوں کو بچھائے قبلہ کی طرف متوجہ رکھیں شارح عبید اللہ صاحب نے ذکر کیا کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلاف ہے کیوں کہ ان کے ہاں چھوٹی انگلی اور ساتھ والی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور مسبحہ سے اشارہ کرے شہادتین پڑھنے کے وقت اور ہمارے مذہب کے علماء میں سے بھی ایسا منقول ہے۔ (حسب قاعدہ مذکور شرح کا قول مقبول عند الاحناف بمقابلہ متن کے نہیں ہے) امام نووی فرماتے ہیں کہ جب کلمہ میں شہادۃ میں ہمزہ الا اللہ کو پہنچے تو اشارہ کرے اور ہمارے شوافع میں ایک شاذ روایت یہ ہے کہ سب تشہد میں اشارہ کرے یعنی ابتداء سے آخر تک شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اکثر علماء کے ہاں اشارہ مستحب ہے اور مصفیٰ میں تحریر کرتے ہیں کہ الا اللہ کے پڑھنے کے وقت انگلی اٹھائے۔ (یعنی شاہ صاحب شوافع کے ساتھ ہیں۔)

امام طحاوی کا مختصر تذکرہ:

نام: احمد بن محمد کنیۃ ابو جعفر الطحاوی الایزدی۔ امام جلیل القدر مشہور فی الآفاق ذکرہ الجمیل مملوئی بطون الاوراق ولہ ۲۲۹ھ قیل ۲۳۰ھ توفی ۳۲۱ھ **كان اماما ثقة فقيهاً عاقلاً لم يخلف مثله و ذكر السيوطي قال كان ثقة ثبتاً فقيها لم يخلف بعده مثله انتهت اليه رياسة الحنفية بمصر انتهى۔**

عبد البر نے فرمایا کو فی المذہب عالماً بجمیع مذاہب العلماء انتہی: ماخوذ از فوائد بھیہ یعنی امام طحاوی اطراف عالم مشہور ہیں اور ان کے ذکر جمیل سے اوراق بھرپور ہیں۔ معتمد امام تھے عقل والے فقیہ تھے ان جیسے بعد میں نہیں آئے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

معتمد علیہ تھے اس کے بعد ان جیسے عالم نہیں آئے مصر میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو حنفیہ کی سیادت ان کو منتھی ہوئی عبد البر نے فرمایا کہ حنفی مذہب والے اور سب علماء کے مذاہب کے عالم تھے۔ ایضاً اس میں ہے۔ اتقانی نے غایۃ البیان میں لکھا: **انه مؤتمن لا متهم مع غزارة علمه و اجتهاده و ورعه و تقدمه فی معرفة المذاهب و غیرها:** یعنی امام طحاوی اس امت کے لیے امانت دار تھے اپنے کثرت علم کے باوجود اور اپنے اجتہاد اور تقویٰ پرہیز گاری مذاہب کے علم میں سب سے آگے تھے (آپ کا متن فقہہ میں معتبر فقہہ جس میں نفی اشارہ ہے) امام جصاص احمد بن علی ابو بکر الرازی الجصاص کان امام الحنفیۃ فی عصرہ۔ ولد ۳۰۵ھ توفی ۳۲۰ھ ہو اصحاب ابی حنیفۃ فی وقتہ وکان مشہوراً بالذھر امام جصاص اپنے زمانہ میں احناف کے امام تھے پاکدامنی میں مشہور تھے۔ (رتبہ اجتہاد تھے) صاحب ہدایہ: **علی بن ابی بکر المرغینانی: کان اماما فقیها حافظاً محدثا مفسراً جامع العلوم ضابطه للفنون متقنا نظاراً مرققا زاهداً ورعا بارعاً فاضلاً ماهراً اصولیا أدیبا شاعر لم تر العیون مثله فی العلم و الادب و له الید الباسط فی الخلاف و الباع الممتد فی المذهب۔** فوائد بھیہ اور طبقات السنیہ میں ہے۔ **وعده من المجتهدین فی المذهب:** فوائد بھیہ صفحہ ۱۴۱ اور فتح القدیر کے صفحہ اول پر کشف الظنون کے حوالہ سے لکھتے ہیں: **ان الهدایة کالقرآن قد نسخت ما صنفو اقبلها فی الشرع من کتب۔ فاحفظ قواعدها و اسلک مسالکها یسلم مقالک من زیغ و من کذب و قال بعضهم۔**

برهان الدین الله حارس شرعه: ام الکرامة مقتدی علمائه علی لواء العلم حتی أصبحت و علماء دین الله تحت لوائه۔ یعنی صاحب هدایه مرغینانی رحمه الله تعالیٰ: امام فقیہہ تھے حافظ تھے محدث، مفسر تھے۔ جامع علوم، فنون علم کے حاکم تھے آنکھ ملانے والا تہمت سے بری تھا عبادت کے لیے دنیا کو چھوڑا تھا پرہیز گار علم میں کامل فاضل اور ماہر تھے۔ اصولی، ادیب، شاعر تھے۔ آپ جیسا آنکھوں نے نہیں دیکھا علم اور ادب میں خلاف میں لمبی ہاتھ رکھتے تھے اور مذہب میں پھیلے ہوئے ہاتھ رکھتے تھے۔ اور مجتہدین فی المذہب کا مرتبہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے سابقہ آسمانی کتابوں کو منسوخ کیا اس طرح ہدایہ نے سابقہ شرع میں لکھی ہوئی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔ اس کے قواعد کو یاد کرو اور اس کے مسئلہ پر چلتے رہو آپ کی بات کجی سے درست ہو کر جھوٹ سے محفوظ رہے گی۔ اور بعض علماء نے کہا۔

برہان الدین اللہ تعالیٰ کی شریعت کے چوکیدار ہیں۔ کرامتوں کی اصل ہیں اور شریعت کے علماء کا پیش رو ہیں۔ علم کے جھنڈے کو ایسا بلند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے علماء آپ کے جھنڈے کے تحت ہوئے۔ ''مختصراً ذکر کیا''

فصل: حضرت علامہ امام محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے موطا میں اشارہ کی حدیث نقل کر کے لکھ دیا۔ **قال محمد و بقنیع رسول الله ﷺ نأخذ و هو قول ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه:** امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صاف ستھرا بنائے ہوئے طریقہ پر ہم عمل کرتے ہیں وہی امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے پھر ہم کیسے یہ کہتے ہیں کہ مذہب حنفی میں اشارہ کرنا نماز میں تشہد کی حالت نہیں اس طرح امالی ابی یوسف میں ذکر اشارہ کرنے کا ہے۔

الجواب: بہ حیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ حقیقت معلوم کر کے حق کا اتباع کرے موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا کتب نوادر میں سے ہے۔ یہ بات گزر چکی کہ فتویٰ ظاہر الروایات پر ہوتا ہے اور متون شروع اور فتاویٰ سے مقدم ہے۔ اس طرح امالی کہ نوادر میں سے ہے علامہ عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں لکھتے ہیں۔ **لو وجد بعض انسخ النوادر فی زماننا لا یحل عزو مافیھا الی محمد ولا الیٰ ابی یوسف لا نھالم تشتھر فی زماننا فی دیارنا ولم تداول۔** ترجمہ: اگر ہمارے زمانے میں نوادر کے بعض نسخے پائے جائیں تو ان کے مسائل کی نسبت کرنا امام محمد اور نہ امام ابوسف کو جائز ہے کہ یہ ان کا مذہب ہے اور انہوں نے ذکر کیا۔ اس لیے یہ ہمارے ملک اور زمانہ متداول نہیں ہوئے ہیں۔

ملا علی قاری تذکرۃ الموضوعات کے حوالہ سے تحریر فرماہیں۔ **ان النقل الاحادیث النبویۃ والمسائل الفقھیۃ والتفاسیر القرآنیۃ لا یجوز الامن الکتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علی غیرھا من وضع الزنادقۃ والحاق الملاحدۃ الخ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ جلد ا صفحہ نمبر ا ا امدادیہ ملتان۔**

رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور فقہی مسائل اور تفاسیر قرآنی کا نقل کرنا جائز نہیں مگر صرف متداول کتابوں سے۔ نہ کہ نوادر سے۔

اس بنا پر اشارے کے مسئلے کو امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ تعالیٰ کو منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے: آیئے اور موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطالعہ کریں مگر غور سے کہ حدیث اشارہ کو آپ نے کون سے باب میں ذکر کیا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ محدثین کی اصطلاح اور قاعدے کے مطابق کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ موطا میں باب منعقد کرتے ہیں وہ یہ **باب العبث بالحصی فی الصلوٰۃ و مایکرہ من تسویتہ۔**

نماز میں بے فائدہ کام کرنا کنکریوں سے۔ اور وہ کام جو کنکری برابر کرنے سے مکروہ ہے۔ آپ نے اس باب میں پہلا ابو جعفر القاریٔ سے منقول حدیث نقل کی کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو کنکری برابر کرتے۔ ہلکی تسویہ سے اور ابو جعفر نے فرمایا کہ ایک دن میں نماز پڑھ رہا تھا اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میرے پیچھے تھے تو آپ نے اپنا ہاتھ میری گردن پر رکھ کر مجھے دبایا۔

دوسری مطلوبہ حدیث بیان کرتے ہیں۔ **اخبرنا مالک اخبرنا مسلم بن ابی مریم عن علی ابن عبدالرحمن المعاوی انہ قال رانی عبداللہ بن عمر وانا اعبث بالحصی فی الصلوٰۃ فلما انصرفت نھانی وقال اصنع کما کان رسول اللہ ﷺ یصنع فقلت کیف کان رسول اللہ ﷺ یصنع قال کان رسول اللہ ﷺ اذا جلس فی الصلوٰۃ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی قبض اصابعہ کلھا واشار باصبعہ التی تلی الا بھام ووضع کفہ الیسری علی فخذہ الیسری قال محمد بصنیع رسول اللہ ﷺ نأخذ وھو قول ابی**

حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاما تسویة الحصیٰ فلا بأس بتسویته مرة واحدة و ترکھا افضل و ھو قول ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: [1275]

ترجمہ: علی ابن عبد الرحمن معاوی سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں نماز میں سنگریزوں سے بے فائدہ عبث کرتا تھا، عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مجھے دیکھا تو جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھے اس عبث کام سے منع کیا اور فرمایا کہ ایسا کرتے رہو جیسے رسول اللہ ﷺ کرتے رہے تو میں نے عرض کی کہ رسول اللہ ﷺ کیسا کرتے تھے تو فرمایا کہ جب نماز میں رسول اللہ ﷺ قعدہ پر بیٹھتے تو اپنا دائیاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھ دیتے اور اپنی ساری انگلیوں کو بند کرتے یعنی سب کے سب بند کرتے اور اپنے انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی سے اشارہ کیا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ دیا۔

ناظرین کرام کو عرض ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نماز میں سنگریزوں سے عبث کرتے ہوئے فعل بیان کر رہے ہیں۔ کیوں کہ عنوان یہی قائم کیا۔ علماء کرام کو محدثین کا طرز عمل معلوم ہے کہ وہ جو حکم کرتے ہیں اور مسئلہ بیان کرتے ہیں تو ترجمۃ الباب سے ثابت کرنے کا حکم اور فیصلہ بیان کرتے ہیں نہ کہ اس حدیث میں جو اور مسائل ہوں اس کا حکم دیتے ہیں اگرچہ ترجمۃ الباب میں ان کو اشارہ نہ ہو۔ توضیح ممثل کے لیے ایک مثال سن لیجئے۔ سلسلہ کتب حدیث میں اصح الکتب صحیح البخاری ملاحظہ ہو۔ وہ یہ کہ **باب سکر الانھار: حدثنا عبداللہ بن یوسف ثنا اللیث ثنی ابن شھاب عن عروة عن عبداللہ بن الزبیر انه حدثه ان رجلا من الانصار خاصم الزبیر عند النبی ﷺ فی شراج الحرة التی یسقون بھا النخل فقال الانصاری سرح الماء یمر فابیٰ علیه فاختصما عند النبی ﷺ قال رسول اللہ ﷺ للزبیر اسق یا زبیر اسق یا زبیر ثم ارسل لماء الی جارک فغضب الانصاری فقال ان کان ابن عمتک فتلون وجه رسول اللہ ﷺ ثم قال اسق یا زبیر ثم احبس الماء حتی یرجع الی الجدر فقال الزبیر واللہ انی لاحسب ھذه الایة نزکت فی ذلک فلا وربک لا یومنؤن حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم قال محمد بن عباس قال ابو عبداللہ لیس یذکر عن عروة عن عبداللہ الا اللیث فقط بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۱۷۔**

ترجمہ: روایت ہے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ اُنہوں نے حدیث بیان کی کہ انصاری کے ہاں اس کا فیصلہ مقام حرۃ کے نالے کی بابت دربار رسالت ﷺ میں آئے۔ وہ نالہ جس سے کھجور کے درخت کو سیراب کیا جاتا ہے تو انصاری نے کہا کہ پانی چھوڑو بہنے دو تو زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات سے انکار کیا تو دونوں نے حضور علیہ السلام کے ہاں فیصلہ لے آئے۔ رسول ﷺ نے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا باغ سیراب کر کے پھر پانی چھوڑ دو اپنے پڑوسی کو تو وہ انصاری غصہ ہوا کہ یہ آپ کے کزن (چچا کا بیٹا) ہے اس لیے آپ ﷺ نے ایسا فیصلہ کیا تو رسول اللہ ﷺ سخت غصہ ہوئے جس کی وجہ سے رنگ مبارک متغیر ہوا۔

[1275] موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۱۰۸ و صفحہ نمبر ۱۰۹ قدیمی آرام باغ کراچی۔

پھر فرمایا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اپنے درختوں کو پانی دینے کے بعد اس وقت تک روکے رکھو جب تک کہ وہ کھیت منڈیروں سے بہنے لگے۔ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قسم بہ خدا یقیناً میں ضرور جانتا ہوں یہ آیت مبارکہ اس بارہ میں نازل ہوئی ہے کہ ایسا کام نہیں جیسے ان کا گمان ہے۔ جب یہ لوگ اپنے اختلافات میں آپ کو حکم نہ کریں مؤمن نہیں ہو سکتے ص۹۹۔ (فی ھذہ الایۃ) اربعۃ اقوال احدھا و ھو قول ابن جریر ان لا الاولی رد الکلام تقدمھا تقدیرہ فلا یفعلون اذ لیس امر کمایزعمون من انھم آمنوا بما انزل الیک ثم استأنف فعلی ھذا یکون الوقف علی لاتاماً: الثانی ان الاولی قدمت علی القسم اھتما ما بالنفی ثم کررت توکید او کان یصح اسقاط الاولی و یبقی معنی النفی و لکن تفوت دلالۃ علی الاھتمام المذکور و کان یصح اسقاط الثانیۃ و یبقی معنی الاھتمام و لکن تفوت الدلالۃ علی النفی فجمع بینھما لذلک: الثالث: ان الثانیۃ زائدۃ و القسم معترض بین حرف النفی و المنفی و کان التقدیر فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ: الرابع: ان الاولی زائدۃ و الثانیۃ غیر زائدۃ و ھو ا اختیار الزمخشری فانہ قال لا مزیدۃ لتاکید معنی القسم کما زیدت فی لئلا یعلم لتاکید وجوب العلم و لا یؤمنون جواب القسم کذا فی السمین۔

(جمل بر حاشیہ جلالین صفحہ ۸۰ حاشیہ ۱۰ ایچ ایم سعید کراچی و جمل جلد ۱ صفحہ ۳۹۷ قدیمی کراچی۔ الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون المعروف باسمین الحلبی جلد ۲ صفحہ ۳۸۴ و صفحہ ۳۸۵ سورۃ النساء علی آیت نمبر ۶۵)

ترجمہ: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ: میں تکرار لا میں چار قول ہیں۔ (۱) وہ ابن جریر کا قول ہے: لام اول پہلے کلام کا رد ہے اس کی تقدیر یہ ہے تو وہ نہیں کرتے ہیں اس لیے کہ ایسا نہیں جیسے یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے جو تم پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لایا ہے تو استناف کیا اس وجہ سے لام پر وقف تام ہو گا۔ (۲) پہلا لام قسم پر مقدم کیا گیا ہے برائے اہتمام نفی پھر تاکید کے لیے مکرر ہوا ہے اور لام اولیٰ کا ساقط کرنا صحیح ہے اور پھر بھی نفی کا معنی باقی رہتا ہے مگر اہتمام مذکور پر دلالت کا نفی ہوتا ہے اور دوسرے لام کو ساقط کرنا بھی صحیح تھا اور اہتمام کا معنی پھر بھی باقی رہتا ہے مگر نفی پر دلالت ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے دونوں لاموں کو جمع کیا گیا۔ (۳) دوسرا لام زائد ہے اور قسم حرف نفی اور منفی میں معترضہ ہے اور تقدیر عبارت ایسا تھا۔ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُونَ۔ میں ایمان نہیں لا رہے ہیں قسم ہے آپ کے رب پر (۴) پہلا لام زائد ہے اور دوسرا زائد نہیں ہے اور یہ توجیہ علامہ زمخشری نے اختیار کیا ہے کیوں کہ انہوں نے کہا کہ لا زائد شدہ ہے برائے تاکید معنی القسم جیسا کہ لئلا یعلم میں زائد کیا گیا ہے برائے تاکید وجوب علم اور لَا یُؤْمِنُونَ جواب القسم ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرا باب یہ قائم کیا ہے: باب شرب الاعلیٰ قبل الاسفل بالا نیچی والے سے پہلے اپنا باغ سیراب کرے اور اس باب پھر وہ حدیث نقل کرتا ہے حدثنا عبدان انا عبداللہ انا معمر عن الذھری عن عروۃ قال خاصم الزبیر رجلاً من الانصار فقال النبی ﷺ یا زبیر اسق ثم ارسل فقال الانصاری انہ ابن عمتک فقال اسق یا زبیر حتی یبلغ الجدر ثم امسک فقال الزبیر فاحسب ھذہ الایۃ نزلت فی ذلک: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ۔

ترجمہ: عروہ نے بیان کیا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک انصار کے آدمی سے جھگڑا ہوا نبی ﷺ نے فرمایا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم اپنے باغ کو سیراب کرو پھر اس کے طرف پانی چھوڑ دو اس انصاری نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کے پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم اپنے باغ کو سیراب کرو پھر جب پانی باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے تو پانی کو روک لینا حضرت

زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میرا گمان ہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اے رسول مکرم ﷺ آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ یہ ہر باہمی جھگڑے میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں۔[1276]

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تیسرا باب منعقد کیا ہے۔ باب شرب الاعلی الی الکعبین اوپر والوں کا اپنے باغ کو ٹخنوں تک پانی سے سیراب کرنا۔

حدثنا محمد انا مخلد ابن یزید الحرانی انا ابن جریج ثنی ابن شهاب عن عروة بن الزبیر انه حدثه، ان رجلا من الانصار خاصم الزبیر فی شراج من الحرة یسقی بها النخل فقال رسول الله ﷺ اسق یا زبیر فامره باالمعروف ثم ارسل الی جارک قال الانصاری ان کان زبیر ابن عمتک فتلون وجه رسول الله ﷺ ثم قال اسق ثم احبس حتی یرجع المآء الی الجدر واستوعی له حقه فقال الزبیر والله ان هذا الایة انزلت فی ذالک فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ فقال لی ابن شهاب فقدرت الانصار والناس قول النبی ﷺ اسق ثم احبس حتی یرجع المأء الی الجدر فکان ذالک الی الکعبین۔ ان الجدر هو الاصل ۱۲

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ از عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انہوں نے ان کو حدیث بیان کی کہ انصار کے ایک آدمی نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیاہ پتھریلی زمین کی وادی کے پانی سے کھجور کے درختوں کو پانی دینے کے بارے میں جھگڑا کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم اپنے باغ کو سیراب کرو آپ ﷺ نے آپ کو یہ حکم دستور اور رواج کے مطابق دیا تھا پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو تب انصاری نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کے پھوپھی کے بیٹے ہیں ناپس رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ سے متغیر ہوا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہتم اپنے باغ میں پانی دو پھر پانی کو روک لو حتیٰ کہ پانی باغ کی دیواروں کی طرف لوٹ جائے اور آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا پورا حق دیا پس حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ کے قسم یہ آیت اس قضیہ میں نازل ہوئی۔ رسول مکرم ﷺ آپ ﷺ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ یہ ہر باہمی جھگڑے میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مانیں مجھ سے ابن شہاب نے کہا نبی کریم ﷺ نے جو فرمایا تھا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم باغ کو سیراب کرو حتیٰ کہ پانی باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے اس ارشاد سے انصار اور دوسرے لوگوں نے یہ اندازہ کیا کہ پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے حدیث میں جو الجدر کا لفظ ہے اس سے مراد جڑ ہے۔

علامہ بدرالدین عمدۃ القاری میں تحریر کرتے ہیں۔ یعنی رجوع الماء الی الجدر ووصوله الی الکعبین وهو موضع الترجمة: حاشیہ ۶ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ یہ حدیث اسی لیے یہاں روایت کی ہے کہ اس میں ٹخنوں تک باغ کو پانی سیراب کرنے کا ذکر ہے۔ (یعنی یہاں صرف اسی بات کو امام بخاریؒ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ فقط آیئے دوسری مثال بھی صحیح بخاری سے سن لیجیے۔

[1276] (بخاری جلد ا صفحہ ۳۱۸۔)

باب الزکاۃ علی الاقارب و قال النبی ﷺ لہ اجران القرابۃ و الصدقۃ:

(۱) حدثنا عبداللہ بن یوسف قال حدثنا مالک عن اسحٰق بن عبداللہ ابن ابی طلحۃ انہ سمع انس بن مالک یقول کانَ أبو طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصارِيٍّ بالمَدِينَةِ مالًا مِن نَخْلٍ، أحَبُّ مالِهِ إلَيْهِ بَيْرُ حاءَ، مُسْتَقْبِلَةَ المَسْجِدِ وكانَ النبيُّ ﷺ يَدْخُلُها ويَشْرَبُ مِن ماءٍ فيها طَيِّبٍ، قالَ أنَسٌ: فَلَمّا نَزَلَتْ: {لَنْ تَنالُوا البِرَّ حتّى تُنْفِقُوا ممّا تُحِبُّونَ} [آل عمران: ۹۲]، قامَ أبو طَلْحَةَ فقالَ: يا رَسولَ اللَّهِ، إنَّ اللَّهَ يقولُ: {لَنْ تَنالُوا البِرَّ حتّى تُنْفِقُوا ممّا تُحِبُّونَ} [آل عمران: ۹۲] وإنَّ أحَبَّ أمْوالِي إلَيَّ بَيْرُ حاءَ، وإنَّها صَدَقَةٌ لِلَّهِ أرْجُو بِرَّها وذُخْرَها عِنْدَ اللَّهِ، فَضَعْها حَيْثُ أراكَ اللَّهُ، فقالَ: بَخٍ، ذلكَ مالٌ رابِحٌ أوْ رايِحٌ - شَكَّ ابنُ مَسْلَمَةَ - وقَدْ سَمِعْتُ ما قُلْتَ، وإنِّي أرى أنْ تَجْعَلَها في الأقْرَبِينَ، قالَ أبو طَلْحَةَ: أفْعَلُ ذلكَ يا رَسولَ اللَّهِ، فَقَسَمَها أبو طَلْحَةَ في أقارِبِهِ، وفي بَنِي عَمِّهِ. قال إسماعیل و عبد اللہ بن یوسف ویحیی بن یحیی: عن مالک: (رایح)۔[1277]

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں اپنے سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار میں سب سے زیادہ کھجوروں کے باغ کے لحاظ سے مال دار تھے۔ اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ باغ بیر حاء باغ تھا اور وہ مسجد (نبوی) کے سامنے تھا رسول ﷺ اس میں داخل ہوتے تھے اور اس کا میٹھا پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی ترجمہ: اس وقت تک ہر گز نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو (آل عمران ۹۲) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: تم اس وقت تک ہر گز نیکی کو نہیں پاسکتے۔ جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو اور میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیر حاء باغ ہے اور یہ اللہ کے لیے صدقہ ہے میں اس کی نیکی اور اللہ کے نزدیک اس کے ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں، پس یارسول اللہ! ﷺ اس کو وہاں خرچ کیجئے جہاں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بتائے تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑو! یہ نفع آور مال ہے یہ نفع آور باغ و مال ہے (آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا) اور تم نے جو کہا وہ میں نے سن لیا اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ باغ اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرو۔ پس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں ایسا ہی کروں گا، پھر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں میں اور اپنے چچازادوں میں تقسیم کر دیا۔ عبد اللہ بن یوسف کی متابعت روح نے کی ہے اور یحییٰ بن یحییٰ اور اسماعیل نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رایح کی روایت کی ہے۔

نخ کا مصداق: تقال عند المدح و الرضاء بالشئی: مجمع البحار الانوار جلد ۱ صفحہ نمبر ۱۵۴ دار الایمان سعودی کسی چیز سے راضی ہونے اور اس کے صفت کرنے کے وقت کہا جاتا ہے:۔

(۲) باب من تصدق الی وکیلہ ثم رد الوکیل الیہ و قال اسمٰعیل اخبرنی عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ عن اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحۃ لا اعلمہ الا عن انس قال لما نزلت لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون جآء ابو طلحۃ الی رسول اللہ ﷺ فقال

[1277] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۹۷۔

ای رسول اللہ یقول اللہ فی کتابہ (لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا بما تحبون) و ان اُحب اموالی الی بیئر حٰے قال و کانت حدیقۃ کان رسول اللہ ﷺ یدخلھا و یستظل فیھا و یشرب من مائھا قال فھی الی اللہ و الی رسولہ ارجو برہ و ذخرہ فضعھا ای رسول اللہ ﷺ حیث اراک اللہ فقال رسول اللہ ﷺ بخ یا ابا طلحۃ ذلک مال رابح قد قبلناہ منک (ھو محل ترجمۃ خیر جاری) و ردد ناہ علیک فاجعلہ فی الاقربین فتصدق بہ ابو طلحۃ علی ذوی رحمہ قال و کان منھم ابی و حسان قال فباع حسان حصتہ منہ من معاویۃ فقیل لہ تبیع صدقۃ ابی طلحۃ فقال الا ابیع صاعاً من تمر بصاع من دراھم قال و کانت تلک الحدیقۃ فی موضع قصر بنی حدیلۃ التی بناہ معاویۃ:[1278]

ترجمہ: امام بخاری اپنی سند سے اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ سے روایت کی (انہوں نے کہا) مجھے اس حدیث کا علم صرف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا ہے انہوں نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "تم اس وقت تک ہر گز نیکی نہ پاسکو گے جب تک کہ اس چیز سے نہ خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو" (آل عمران ۹۲) تو رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ! اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے "تم اس وقت تک ہر گز نیکی نہ پاسکو گے جب تک کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو" (آل عمران ۹۲) اور میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیر حاء ہے اور وہ ایک باغ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاتے تھے اور اس کے سایہ میں آرام فرماتے تھے اور اس کا پانی نوش فرماتے تھے، سو اب وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ ﷺ (کی راہ میں صدقہ ہے) میں اس کی نیکی اور اس کے ذخیرہ آخرت ہونے کی اُمید رکھتا ہوں۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ کو اللہ عزوجل جہاں بتائے آپ اس کو وہاں خرچ کیجئے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوڑو! اے ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ تو بہت نفع آور مال ہے۔ ہم نے اس کو تم سے قبول کر لیا اور ہم نے اس کو تمہیں واپس کر دیا۔ تم یہ اپنے قرابت داروں کو دے دو، تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ اپنے ذوالارحام (ماں کی طرف سے قربت داروں) کو دے دیا، اور ان میں حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فروخت کر دیا، ان سے کہا گیا: تم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقہ فروخت کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: کیا میں ایک صاع کھجوروں کو ایک صاع دراہم کے عوض فروخت نہ کروں اور یہ باغ بنو حدیلہ کے اس محل کی جگہ تھا جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنایا تھا۔ پہلے باب میں اقارب پر صدقہ اور دوسرے باب میں وکیل کو صدقہ دیکر وکیل اس کو واپس کرنے کے لیے ذکر کیا۔

نوٹ: اور خیر جاری نے ذکر کیا ہے "**قد قبلناہ منک و رددناہ علیک**" یعنی یقیناً ہم نے آپ سے قبول کر کے اور آپ کو واپس کر دیا۔ یہ محل ترجمہ ہے۔ یعنی حدیث اس لیے بیان کی گئی ہے۔

(۳) باب اذا وقف ارضاً و لم یبین الحدود فھو جائز و کذالک الصدقۃ "حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ عن مالک عن اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحۃ انہ سمع انس بن مالک یقول کان ابو طلحۃ اکثر انصاری بالمدینۃ مالاً من نخل و کان احب مالہ الیہ

[1278] بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۸۶

بیر حاء مستقبلة المسجد و کان رسول اللہ ﷺ یدخلها و یشرب من ماء فیها طیب قال انس فلما نزلت لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون قام ابو طلحة فقال یا رسول اللہ ﷺ ان اللہ یقول لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون و ان احب اموالی الی بیر حاء و انها صدقة اللہ ارجو برها و ذخرها عند اللہ فضعها حیث اراک اللہ تعالیٰ فقال بخ ذالک مال رابح او رائح شک ابن مسلمة و قد سمعت ما قلت و انی اریٰ اَن تجعلها فی الاقربین قال ابو طلحة افعل یا رسول اللہ ﷺ فقسمها ابو طلحة فی اقاربه و فی بنی عمه و قال اسمٰعیل و عبداللہ بن یوسف و یحییٰ بن یحییٰ عن مالک رایح۔

ترجمہ: اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کسی شخص نے زمین وقف کی اور اس کی حدود بیان نہیں کیں تو یہ جائز ہے اور یہ مطلق نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ زمین ہے جو مشہور ہو اور اس کی حدود کو بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اگر وہ زمین مشہور نہ ہو تو پھر اس کی حدود کو بیان کرنا ضروری ہے تاکہ التباس نہ ہو۔ اسی طرح جس وقف کو لفظ صدقہ کے ساتھ بیان کیا جائے اسکا بھی یہی حکم ہے۔

"امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انصار میں سب سے زیادہ کھجور کے باغات تھے اور ان کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیر حاء (کا باغ) تھا جو مسجد کے بالمقابل تھا، نبی ﷺ اس میں داخل ہوتے تھے اور اس کا میٹھا پانی پیتے تھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی "تم ہر گز نیکی کو نہیں پاؤ گے جب تک تم ان چیزوں سے خرچ نہ کرو جن کو تم پسند کرتے ہو" (ال عمران ۹۲) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا، یا رسول اللہ ﷺ! بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم ہر گز نیکی کو نہیں پاؤ گے جب تک کہ تم ان چیزوں سے خرچ نہ کرو جن کو تم پسند کرتے ہو۔ (آل عمران ۹۲) اور میرے نزدیک میرا سب سے پسندیدہ مال بیر حاء ہے اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، میں اسکی نیکی اور اللہ کے پاس اس کے ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں، پس جہاں آپ کو اللہ بتائے آپ اس کو وہاں خرچ کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو رہنے دو یہ نفع آور مال ہے۔ یا فرمایا یہ نفع آور ہے۔ اس میں راوی ابن مسلمہ کو شک ہے (آپ ﷺ نے فرمایا) تم نے جو کہا ہے وہ میں نے سن لیا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ باغ اپنے رشتہ داروں کو دے دو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں یہی کروں گا پس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ باغ اپنے رشتہ داروں میں اور اپنے چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اسماعیل نے کہا اور عبد اللہ بن یوسف اور یحییٰ بن یحییٰ نے از امام مالک کہا "رایح"

رایح کا معنی ہے اَی یروح علیک نفعه و ثوابه یعنی قرب وصوله الیه: مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۹۲: یعنی یہ ایسا مال ہے جس کا ثواب اور نفع آپ کو جلد از جلد پہنچ جائے گا۔

تبصرہ: مذکورہ احادیث مبارکہ کی مثالوں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ محدثین عظام جو باب منعقد کریں اور اس باب میں جو حدیث بیان کریں اس سے ان کا مطلب صرف وہ چیز ثابت کرنا ہوتا ہے۔ جس کو اس نے ترجمۃ الباب میں بیان کی ہو اور اس کے متعلق حکم کرنا مقصود ہوتا ہے نہ اس حدیث میں دیگر بیان شدہ اشیاء کا۔ لہٰذا جب امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب یہ منعقد کیا **باب العبث بالحصی فی**

الصلوٰۃ و مایکرہ من تسویتہ: اور اس باب علی بن عبد الرحمن کا منقولہ حدیث بیان (جو کہ کئی دوسرے محدثین نے بھی اپنے کتابوں میں بیان کیں) اور حدیث شریف عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے علی عبد الرحمن کو نماز سنگریزوں سے عبث کرنے سے منع کرتے ہوئے آپ نے اپنی انگلیاں بند کر دیں یعنی **قبض اصابعہ** یہ محل ترجمہ ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ نماز میں انگلیوں کو بند رکھنا اس پر کہ یہ حضور علیہ السلام کا فعل ہے ہم عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ پھر بھی اگر ایک بار کنکریوں کو برابر کیا تو کوئی حرج نہیں مگر نہ کرنا بہتر ہے اور یہی امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ یہ وہ توجیہ ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں ان الفاظ سے تصدیق کی ہے کہ آپ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے فرمایا: **قال و قروا الصلوٰۃ یعنی السکون فیھا قال محمد و بہ نأخذ و ھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرح کتاب الآثار لابو وفاء الافغانی جلد ۱ صفحہ ۳۰۰ حدیث نمبر ۱۳** اور **المعجم الکبیر** لطبرانی جلد ۴ حدیث نمبر ۹۲۴۱ صفحہ ۵۷۱ دار الکتب علمیہ بیروت اور مصنف عبد الرزاق جلد ۲ حدیث نمبر ۳۳۰۵ صفحہ نمبر ۲۶۵ اور اس میں **تحت الخط: اخرجہ (ھق) من طریق حسین۔ و اخرجہ (ش) من طریق ابی معاویۃ عن لاعمش صفحہ ۴۵۳ وغیرہ:** عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نماز میں وقار کا خیال رکھو یعنی سکون سے پڑھو حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

اس کی تصدیق حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی شرح معانی الآثار جلد ۱ صفحہ ۲۹۸ مکتبہ الحقانیہ ملتان (کہ رسول مقبول ﷺ نے نماز میں جسم کے اعضاء کو ساکن رکھنے کا حکم دیا۔ اور اس باب میں جس قول کو بیان کیا یہ امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابی یوسف اور محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول ہیں) میں کی ہے۔

مؤطاء امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیث منقولہ میں از علی ابن عبد الرحمن المعاوی میں ہے: قبض اصابغہ کلھا صفحہ ۱۰۸ یہ جملہ یہ ثابت کرتا ہے کہ بیس قسم اقسام حدیث میں سے یہ قسم مفسر سے ہے: کیوں کہ اصول فقہ کے علماء کرام مفسر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **اما المفسر فھو ما ظھر المراد بہ من اللفظ ببیان من قبل المتکلم بحیث لا یبقی معہ احتمال التاویل و التخصیص مثالہ فی قولہ تعالیٰ، فسجد الملئکۃ کلھم فاسم الملئکۃ ظاھر فی العموم الا ان احتمال التخصیص قائم فالسدباب التخصیص بقولہ کلھم اھ شاشی صفحہ ۲۳ قدیمی کراچی اور فصول الحواشی لاصول الشاشی میں ھے۔ فی العموم یعنی جمیع افراد الملئکۃ علی ماھو مقتضی صیغۃ الجمع ظاھر و ان کان لایتناولھا قطعا و یقینا (کلھم) لان کلمۃ للاحاطۃ و الشمول فیتاکد بہ عموم الجمع فانقطع احتمال التخصیص القول صفحہ ۱۵۳ حقانیہ پشاور۔**

ترجمہ: مفسر وہ ہے جس کی مراد لفظ سے متکلم کے بیان سے ظاہر ہو اس طور سے کہ اس کے ساتھ تاویل اور تخصیص کا احتمال باقی نہ رہے اس کی مثال باری تعالیٰ کے قول **فسجد الملئکۃ کلھم اھ** میں ہے پس لفظ ملائکۃ عموم میں ظاہر ہے مگر تخصیص کا احتمال موجود ہے پس کلھم کے ذریعے تخصیص کا دروازہ بند ہو گیا۔ فصول میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لفظ (**ملئکۃ ظاھر فی العموم**) ملائکہ کا اسم

اپنے عموم میں ظاہر ہے یعنی تمام افراد کو شامل ہے۔ جو کہ ظاہر طور پر صیغہ جمع کا مقتضی ہے اگر چہ قطعی اور یقینی طور پر نہیں ہے (**قوله كلهم**) اس لیے کہ کلہ کُل احاطہ اور شمولیت کے لیے ہے۔ تو اس پر جمع کا عام ہونا مضبوط ہو جاتا ہے۔ تو احتمال تخصیص ختم ہوا۔

اس طرح قبض اصابعہ کہ اپنی انگلیوں کو بند کر دیا لفظ انگلیوں میں عموم ظاہر ہے کہ سب بند کر دی مگر تخصیص کا احتمال موجود تھا تو جب آپ نے کلھا بڑھا دیا تو اس سے تخصیص کا دروازہ بند ہو گیا۔ کوئی انگلی بھی کھلی نہیں رہی بلکہ سب کی سب بند کر دیں جس سے اشارے کا احتمال سرے سے ختم ہوا۔ اور مکمل طور پر سکون ثابت ہوا جو کہ مطلوب تھا تو ایک عظیم الشان عالم امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی دونوں کتابوں میں متضاد ہونے کا ثبوت نہ رہا۔ اس کے باوجود حال یہ ہے کہ کتاب الآثار امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جس کے بارے میں گزرا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فقہ حنفی کی بنیادی کتاب گردانا ہے اور **قرة العينين فی تفضيل الشخين** میں تحریر فرماہیں کہ مسند امام اعظم اور کتاب الآثار محمد رحمہا اللہ تعالیٰ پر فقہ حنفی کا دارومدار ہے اور فقہ حنفی کے بنیاد اس پر ہے۔ **ماتمس اليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجة** میں ہے: کہ کتاب الآثار وہ صحیح احادیث جمع کرنے میں اول تصنیف ہوئی ہے اور معروف ترتیب فقہی پر یہ مرتب کی گئی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی موطاء میں اس کی اتباع اختیار کی ہے صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ ہو۔ آگے جا کر لکھتا ہے: **قلت: لاشک ان الموطا امثل من سنن ابن ماجة بل و من الكتب الخمسة بكثير فانه ام الصحيحين و كذلک كتاب الآثار و هو ام الام على رغم اعراض من اعرض عنه صفحه ۳۶ مع سنن ابن ماجة طبع قديمی کراچی۔**

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ابن ماجۃ سے بہت زیادہ صحیح کتاب ہے بلکہ پانچ کتابوں سے زیادہ صحیح ہے کیوں کہ یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا اُم ہے اور اس طرح کتاب الآثار بھی ہے کہ سب سے زیادہ صحیح ہے کیوں کہ یہ ام الام ہے یعنی اصل کا اصل ہے تو جب ظاہر الروایت کے مقابلہ میں نوادر کا مسئلہ قابل قبول نہیں تو ام الام کے مقابلہ میں نوادر کا مسئلہ کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے اور اس پر ام الام کا مسئلہ مسترد کیا جا سکتا ہے۔

مبسوط سرخسی میں کتاب الآثار کا تذکرہ جابجا ہمیں ملتا ہے مثلاً (۱) **مبسوط جلد ۲ صفحه ۱۸۸ باب زكاة البقر** (۲) اور **جلد ۱۶ صفحه ۵۵ و ۱۶ باب اجارة الرقيق فی الخدمت و غيرها** (۳) (**شرح كتاب الآثار**) **فقد ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ فی شرح الاثار مبسوط جلد ۱ صفحه ۸۰ تخليل اللحية قال حافظ ابن حجر العسقلانی فی تعجيل المنيفة (صفحه ۲) و الموجود من حديث ابی حنيفة مفردا انما هو كتاب الاثار التی رواها محمد بن الحسن عنه و يوجد فی تصانيف محمد بن حسن، ماتمس اليه الحاجة صفحه ۱۰** ابن ماجہ کے ساتھ ہے۔

یعنی ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ اکیلے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث وہ صرف کتاب الآثار ہی ہے جس کو امام محمد بن حسن رحمہا اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے محمد بن حسن کے تصانیف میں اس کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس وجہ سے **مقدمه عمدة الرعاية مسائل الفقهية لايجوز الامن الكتب المتداولة لعدم الاعتماد على غيرها من وضع الزنادقة و الحاق الملاحدة بخلاف الكتب المحفوظة الخ۔**

کتب متداولہ کے علاوہ دیگر کتب پر اعتماد نہیں اس لیے ان سے مسائل فقہیہ لینا جائز نہیں اس لیے کہ زنادقہ اور ملاحدۃ نے ان میں مسائل رکھے ہیں۔ اس طرح موطا امام محمد کتب متداولہ میں نہیں اور ام الام کے خلاف اس کتاب میں یہ کہ "**بصنیع رسول اللہ ﷺ تأخذو هو قول ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه**" اس کے بعد لکھتا ہے **فاما تسویة الحصی فلا بأس بتسویته مرة واحدة و ترکها افضل و هو قول حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه**۔ اصل عبارت ایسے معلوم ہوتی ہے کہ **قال محمد اما تسویة الحصٰی الخ** اور اس کا درمیانی جملہ کسی کا اضافہ شدہ ہے کہ ائمہ احناف کو بدنام کرنا چاہتے ہیں کہ کتاب موطا میں کہتا ہے **اشارہ تشہد** میں ہمارا مذہب ہے اور کتاب الآثار میں لکھتا ہے سکون عدم حرکت مذہب احناف ہے۔ اس طرح کتاب الحجۃ میں اپنا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول عدم اشارہ پر نقل کیا ہے۔ دیکھو مذہب احناف اور اسکے ائمہ۔ اس پر دلیل موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا طرز عمل ہی ہے آیئے اور موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بار بار مطالعہ کریں تو سارے موطا میں آپ کو یہ طرز عمل انوکھا ثابت ہو جائے گا۔

ایقاض الغافلین:

حدیث جبریلی علیہ السلام صحیحہ مرویہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلم میں و ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متفق علیہ میں ہے۔ **قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک الحدیث، مشکوٰۃ صفحہ ۱۱ قدیمی** کراچی۔ شرح الطیبی میں ہے۔ **والعبادة للہ الذی لا تنبغی العبادة الا له علی نعت الهیبة والتعظیم، حتی کانه ینظر علی اللہ خوفا منه و حیاء و خضوعا له: ایضا فیه: ای کن عالما متیقظاً لا ساهیا غافلا، مجداً فی مواقف العبودیة مخلصاً فی نیتک، آخذاً أهبة الحذر الی مالا یحصی فان من علم أن له حافظا رقیباً شاهداً بحرکاته و سکناته، لا سیما ربه و مالک أمره فلا یسئی الأدب طرفة عین، و لا فلتة خاطر اه۔**[1279]

و فی المرقاة: ای حال کونک مشبها بمن ینظر الی اللہ خوفا منه و حیاء و خضوعاً و خشوعا و ادبا و صفاء و وفاء و هذا من جوامع الکلم:[1280]

ترجمہ: اس آدمی کے حال سے مشابہت رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو خوف، حیاء، خضوع، خشوع، ادب، صفاء اور وفا کے ساتھ اور یہ جوامع الکلم میں سے ہے۔

و ذکر شیخ عبدالحق رحمه اللہ تعالیٰ : بین رسول اللہ ﷺ الاحسان فی العبادة علی و جهین احدهما: لمن بلغ غایة مرتبته بحیث کانه یری معبوده و یعاینه سبحانه و هو مقام المشاهدة، و تلزمه غایة الهیبة و التعظیم و الا جلال و الخضوع و الخشوع و الحیاء و المحبة و الانجذاب و الشوق و الذوق و الا جتماع بظاهر و باطنه و ثانیهما: یغلب علیه ان الحق سبحانه

[1279] طیبی جلد ۱ صفحہ ۱۰۳ کراچی۔

[1280] مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ امدادیہ ملتان۔

مطلع علیه ورقیب علی احواله۔۔۔ هذا ایضاً یورث الخوف والخشیة والا جتماع فی الحرکات والسکنات و ضبط الافعال ورعایة الادب فی جمیع الحالات وعدم الالتفات یمیناً و شمالاً الخ۔[1281]

ترجمہ: پھر پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اگر یہ استحضار ممکن نہ ہو تو اتنا دھیان کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ (طیبی) اللہ کے لیے وہ عبادت مناسب ہے (ضروری طور پر) جو ہیبت اور تعظیم کی صفت پر ہو یہاں تک کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اس حال میں کہ خوف حیاء اور خضوع کے ساتھ ہو۔ یعنی بیدار عالم بن کر کہ نہ غافل اور نہ ساہی ہو۔ عبادت کے موافق سے مکرم ہو کر اپنی نیت میں اخلاص کے ساتھ اس قدر خوف کی استعداد رکھتے ہوئے جس کی کوئی حد نہ ہو۔ تو جو یہ علم رکھتا ہو کہ اس کے لیے حفاظت کرنے والا نگہبانی کرنے والا اور اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنے والا ہے پھر خاص کر اس کا رب اور حکم کرنے والا مالک تو آنکھ جھپکنے کے برابر بھی بے ادبی نہ کرے اور نہ دل میں کوئی فکر آئے۔

(لمعات) آپ ﷺ نے احسان فی العبادۃ کو دو جملوں میں بیان فرمایا: ایک ان میں جو اپنے مرتبہ انتہاء کو پہنچا ہو اس حیثیت کے ساتھ گویا وہ اپنے معبود کو دیکھ رہا ہو اور اس کا معبود اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ مقام مشاہدہ ہے اور اس مقام میں اس پر لازم ہے نہایت ہی ڈرنا، تعظیم کرنا اور اللہ تعالیٰ کو بڑا جاننا اور خضوع کرنا اور خشوع کرنا اور حیاء اور محبت کرنا جذبہ شوق اور ذوق کا ہونا اور ظاہر اور باطن ایک جیسا کرنا۔

دوسرا قسم: جو اس حالت تک نہیں پہنچا ہو لیکن غالب اس پر کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس پر خبر رکھنے والا ہے اور اس کے احوال کا نگہبانی کرنے والا ہے۔ یہ بھی ڈرنا اور خشیت اور اجتماع فی الحرکات و سکنات اور تمام کام کا ضبط اور تمام حالات میں آداب کا لحاظ رکھنا اور سیدھا اور بائیں طرف نہ دیکھنا پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ کوئی کھڑا ہو جبار قہار بادشاہ کے حضور میں اور اس کے احوال کی نگہبانی کرتا ہے اور اس کے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو اس حالت میں اس بندے پر بے ادبی اور غفلت کے دروازے تنگ ہو جاتے ہیں۔

ناظرین کرام! جب حضور مقبول ﷺ نے سائل (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کے جواب میں یہ فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہو اگر تم اسے نہ دیکھ رہے ہو مگر وہ تمہیں دیکھتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا احسان ہے۔

مذکورہ شارحین وغیرہ کی تحقیق سے خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ جل وعلیٰ شانہ کی عبادت نہایت عاجزی خشوع اور خضوع، سکون اور اطمینان اور آداب کے ساتھ ادا کی جائے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا اگر کوئی ادنیٰ ملازم یا عام آدمی بڑے سے بڑے حاکم مثلاً گورنر یا وزیر اعظم وغیرہ کے سامنے بات کر رہا ہو اور باتوں میں انگلی سے اس کے طرف اشارہ کر رہا ہو کہ تو ایسا ہے ویسا ہے اگرچہ اس کا صفت بیان کر رہا ہے مگر وہ گورنر اور وزیر اعظم اس کی ان حرکات کو ناپسند کرتے ہوئے اس کو اپنی شان کے مناسب سزا ضرور دے گا۔ تو جو مسلمان نماز میں اگرچہ وہ اللہ کو نہیں دیکھتا ہے مگر اللہ پاک اسے دیکھ رہا ہے اس کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ فعل بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں تو خدا جانتا ہے کہ

[1281] لمعات التنقیح جلد ۱ صفحہ ۲۰۸ و ۲۰۹ ملتقطاً۔ علوم اسلامیہ لاہور۔

اس اہم عبادت میں وہ اللہ کو نشانہ بناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کتنا ناراض ہو جائے گا۔ نماز میں قرآن و سنت کے ذریعے اسکو سکون کا حکم ہے اور یہ ایسی حرکت کرتا ہے۔ اس وجہ سے ہر مسلمان نمازی کو چاہئے کہ جیسا قیام کی حالت میں دست بدستہ عاجزی کے ساتھ کھڑا رہتا ہے اسی طرح حالت تشہد میں بھی عاجزی اور سکون کے ساتھ ہاتھوں کو رانوں پر رکھ کر قعدہ ادا کرے۔

دعوت الی الحق

عرض یہ کہ موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یا اور کتب حدیث کی کتابوں میں یہ ہو کہ حدیث غیر منسوخہ ناسخ لایات القرآنی اور احادیث نبوی کے نسخ کے لیے آیا ہے یا کہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہے یا کیا ہے یہ کہ اشارہ تشہد میں برائے اثبات وحدانیت کرو کہ حضور علیہ السلام نے اثبات وحدانیت کے لیے اشارہ مسبحہ انگلی سے کیا ہے۔ تصریحاً ہو تو بتایئے موطا امام محمد اور امالی امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا جواب۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن الھمام رحمہم اللہ تعالیٰ سے سن لیجئے مگر اس سے قبل درایت اور روایت کا معنی و مصداق بھی سن لیں۔

قال فی شرح المنیة و لا ینبغی أن یعدل عن الدرایة أی الدلیل اذا وافقها روایة علی ما تقدم عن فتاویٰ قاضی خان شامی۔ قوله الدرایة المراد بالدرایة بالدال المهملة فی أولها العلم الحاصل من أحد النصوص الشرعیة الصحیحة و منه علی بیاض۔[1282]

ترجمہ: شرح منیہ میں ہے کہ جب دلیل کے ساتھ روایت موافق ہو جائے تو اس سے عدول (یعنی اسکو ترک کرنا) نہیں چاہئے۔ بنابہ اس کے جو فتاویٰ قاضی خان میں گزرا ہے۔ شامی (صاحب شامی نے منہ میں ذکر کیا ہے) درایۃ دال بے نقطہ جس کو دال مہملہ کہتے ہیں یہاں یہی دال مراد ہے جو پہلے واقع ہے۔

نصوص شرعیہ صحیحہ میں سے کسی ایک نص سے ثابت شدہ علم کو درایت کہتے ہیں۔ شامی جلد ا صفحہ ۳۴۳ کتاب الصلوٰۃ۔

امالی: و الامالی جمع املاء و هو أن یقعد العالم و حوله تلامیذه بالمحابر و القراطیس فیتکلم العالم بما فتحه الله تعالیٰ علیه من ظهور قلبه فی العلم و تکتبه التلامذة ثم یجمعون ما یکتبونه فیصیر کتابا فیسمونه الاملاء و الأمالی و شرح عقود رسم المفتی صفحه ۳۴ یعنی امالی املاء کی جمع ہے وہ یہ کہ طلباء اپنے استاد کے ارد گرد بیٹھے قلم دوات اور کاغذ ساتھ ہو تو عالم کو جو علم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو بطور املاء بیان کرتے ہیں اور طلباء لکھتے ہیں پھر تو جو کچھ انہوں نے لکھا ہو گا اس کو جمع کریں تو وہ کتاب بن جائے گی تو اس کو املاء اور امالی کہا جاتا ہے۔

[1282] الشامی جلد ا صفحہ ۳۴۳:

نمبر 1: اہل حدیث: شیخ محمد دق بن عبد الغفور فرماتے ہیں۔ ذکر فی الملل و النحل وغیرہ:۔

ان اهل الحديث و اصحابه اهل الحجاز و هم و مالک رحمه الله تعالیٰ ابن انس و محمد بن ادريس الشافعی علیہ الرحمۃ و سفيان الثوری رحمه الله تعالیٰ و احمدبن حنبل رحمه الله تعالیٰ و داود بن علی الاصبهانی رحمه الله تعالیٰ و اصحابهم۔ ان کو اہل حدیث کہنے کا وجہ۔

وانما سموا بذلک لان عنايتهم بتحصيل الاحاديث و نقل الاخبار وبناء الاحکام علی النصوص ولا يرجعون الی القياس الجلی والخفی ماوجدوا خبرا او اثرا و اصحابهم لاسيما الشافعی علیہ الرحمۃ لا يصدر عن استنباطاتهم توجيها۔

نمبر 2: اهل الرائی: واما اهل الرائی وارباب فاهل العراق وهم ابو حنيفة رحمه الله تعالیٰ و اصحابه: ان کو اہل رائی کیوں کہا جاتا ہے۔

و انما سمو بهذا لان اهتمامهم بتحصيل او جه من القياس والايتان بترجيح بعض الاحاديث علی بعض: والقاصرون يزعمون انها قياسات فی مقابلة النصوص و اصحابه ربما يزيدون علی اجتهاده و اجتهاداً و يخافونه فی الحکم الاجتهاد۔

عن عبدالله بن مبارک انه قال النقل قد عرف و ان احتيج الی الرائی فرای مالک و سفيان علیہ الرحمۃ و ابو حنيفة رحمه الله تعالیٰ احسنهم رايا و ادقهم فطنة و اغوصهم علی الفقه و هو افقه الثلاثة:[1283] یعنی مجتہدین ائمہ میں سے دو قسم ہیں۔ (۱) اصحاب حدیث (۲) **اصحاب الرأی۔** اہل حدیث اور ان کے اصحاب وہ اہل حجاز والے ہیں اور وہ مالک بن انس کے اصحاب اور محمد بن ادریس الشافعی کا اصحاب اور سفیان ثوری کے اصحاب اور احمد بن حنبل کے اصحاب اور داود بن علی بن محمد اصفہانی رحمہم اللہ تعالی کے اصحاب ہیں۔

یہ جماعت اس لیے اصحاب حدیث (اہل حدیث) پر مسمی کی گئی کہ انکا مد نظر احادیث حاصل کرنا اور اخبار نقل کرنا ہوتا ہے اور نصوص پر احکام بنا کرنا ہوتا ہے اور قیاس جلی یا خفی کو رجوع نہیں کرتے جب تک کہ خبر یا اثر ان کو نہ ملے اور اس کے اہل پھر خاص کر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے استنباطات سے توجیہ صادر نہیں ہوتی۔ ماخوذ از رسالہ۔

اہل رائے اہل عراق ہیں اور وہ امام ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالی ہیں۔

یہ جماعت اہل رائے پر اس وجہ سے مسمی کی گئی کہ قیاس کی وجوہات حاصل کرنا اور بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دینا ہے کم علم یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ نصوص کے مقابلہ میں قیاسات ہیں اور آپ کے اصحاب آپ کے اجتہاد پر اجتہاد زیادہ کرتے ہوئے مسائل اجتہادی میں اور حکم اجتہادی میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں: ماخوذ از رسالہ۔

[1283] فتح الرحمان مطبع فخر الدین لاہور ۱۳۱۶ھ الملل والنحل جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت صفحہ ۲ الملل النحل جلد ۱ صفحہ ۲۱۹ العلمیہ بیروت

عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا نقل تو یقیناً معروف ہے اور اگر رائے کو ضرورت پیش ہو تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور سفیانؒ کی رائے بہتر ہے اور ان میں بہتر رائے والا اور سب سے زیادہ باریک رائے سمجھنے اور معانی کی تہہ کو پہنچنے والے فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ان تینوں میں بہت زیادہ۔

فقیہ: امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سب نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمیت اور فقاہت کا اقرار کیا ہے۔

عود بسوئے مطلوب

صفحہ (۹۹) سے مربوط ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماہیں۔

ووجهه عموم دليل الرفع للدعاء ويجاب بانه مخصوص بما ليس فى الصلاة للاجماع على أن لا رفع فى دعاء التشهد جلد ا صفحه ۳۷۵

دعاء قنوت میں رفع یدین کی وجہ دعاء کے لیے دلیل کا عام ہونا ہے۔ اور اس سے جواب دیا جاتا ہے کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا اجماع کی وجہ سے خاص ہوا ہے اس دعاء کے لیے جو کہ نماز میں نہ ہو کہ دعاء تشہد میں ہاتھوں کو اٹھانا نہیں۔[1284]

مطبوعہ سکھر: اس طرح لکھا ہے: **عن ابى يوسف رحمه الله ان شاء رفع يديه فى الدعاء وان شاء اشار باصبعه (بحواله مبسوط ومحيط)** امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے۔ اگر چاہے تو دونوں ہاتھ دعاء میں (**خارج الصلاة**) اٹھائے اور اگر چاہے تو انگلی سے اشارہ کرے: اس سے بعض نے یہ فہم کیا ہے کہ امالی میں قاضی ابو یوسف صاحب سے اشارہ منقول ہے اس وجہ سے آپ نے فرمایا: **وهو المروى عن محمد فى كيفية الاشارة قال يقبض خنصره والتى تليها ويحلق الوسطى والابهام ويقيم المسبحة وكذا عن ابى ايوسف رحمه الله تعالىٰ فى الامالى وهذا فرع تصحيح الاشارة وعن كثير من المشائخ لا يشير أصلا وهو خلاف الدراية والرواية فعن محمد ان ما ذكرناه فى كيفية الاشارة مما قلناه قول ابى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه ويكره ان يشير بمسبحتيه وعن الحلوانى يقيم الاصبع عند لا اله ويضعها عند الا الله ليكون الرفع للنفى والوضع للاثبات وينبغى ان يكون اطراف الاصابع على حرف الركبة لا مباعدة عنها۔**

ترجمہ: اشارہ کے طریقہ: یہ محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ اپنی چھنگلی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو جمادے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنالیں اور مسبحہ انگلی کو کھڑا کر دے اور اس طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے امالی میں منقول ہے۔ اور یہ اشارہ صحیح ہونے کی فرع ہے (اول تو اشارہ کا قول صحیح نہیں اور اگر صحیح ہو جائے تو بہت مشائخ کہتے ہیں کہ بالکل اشارہ نہ کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اشارہ کو ثابت ماننا خلاف درایت اور روایت ہے (درایت کے سلسلے پہلے گزرے ہوئے مشائخ نے قرآنی آیات کے علاوہ دلائل

[1284] جلد ا صفحہ ۳۷۵ ملاحظہ مراقی الفلاح ص ۸۷ مکتبہ امتیازیہ ملتان۔

ابن حجر سے منقول حدیث اور شغل والی حدیث اور اسکنوا والی حدیث ذکر کی ہے اور روایت شرح معانی الآثار اور کتاب الآثار لامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں مذکورہ یہ سکون نماز میں اور حرکت کسی عضوہ کو نہ دینے کو امام ابو حنیفۃ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذکور گزرا ہے) لہٰذا ابن الھمام نے کہا کہ مذکورہ نوادر کا فیصلہ اور حکم خلاف درایت اور روایت ہے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جو کچھ ہم نے اشارہ کی کیفیت کے بارے ذکر کیا اس میں سے جو ہم نے کہا ہے یعنی (ان ماذکرناہ فی کیفیۃ الاشارۃ مما قلنا) سرے سے موطا میں ہے ہی نہیں۔ آگے امام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رائے بیان کی کہ مسبحہ سے اشارہ کرنا مکروہ ہے۔

حلوانی سے روایت ہے کہ لاالہ کہنے کے وقت مسبحہ اٹھالیں اور الاللہ کہنے کے وقت رکھ دے تاکہ اٹھانا نفی غیر اللہ کے لیے ہو جائے اور رکھنا اثبات توحید کے لیے ہو جائے (یعنی مذہب حنفی میں ایسا نہیں) اور انگلیوں کے اطراف (سروں) کو زانوں (گھٹنوں) کے ساتھ ہونا مناسب ہے نہ کہ اس سے دور ہو (اس سے ابن الھمام نے حلوانی کی بات کو رد کر دیا۔ اسی طرح شاہ محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی تحریر فرماہے۔ و قال صاحب القاموس فی سفر السعادۃ، ان الاحادیث تبلغ عدداً کثیراً، و اقول ان الاحادیث ثلاثۃ نعم طرقھا کثیرۃ۔

واما موضع الاشارۃ: فقال الشافعیۃ: یرفعھا علی کلمۃ اشھد، ویضع علی الاثبات ویضم الأصابع من ابتداء تشھدو یقول الحلوانی: یضم حین الرفع وھو علی کلمۃ لا النفی ویخفضھا علی الاثبات ثم لا یبسط الاصابع لعدم ثبوتہ کما قال الملا علی قاری فی بعض رسائلہ، واما المرفوع فی موضع الرفع و وضعہ فلم اجدہ و لا الموقوف و لعل لعمل اھل المذھبین سکۃ واما ھذا الموضع المذکور منافقول الحلوانی ولیس من الائمۃ اھ۔ عرف شذی شرح ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۳۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ویشیر عند قولہ الا اللہ و ھو الصحیح من مذھب ابی حنیفۃ ذکرہ محمد فی الموطأ۔ مسویٰ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ و موضع اشارہ قول الا اللہ است بحدیث مسلم اھ مصفے شرح مسویٰ کلاھما شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

اور روضۃ الطالبین و عمدۃ المفتین میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہے۔ یستحب أن یرفع مسبحتہ فی کلمۃ الشھادۃ، از ابلغ ھمزۃ الا اللہ و ھل یحرکھا عنہ الرفع رجھان، الأصح لا یحرکھا و لنا وجہ شاذ: انہ یشیر بھا فی جمیع التشھد الخ جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ مکتب الاسلامی بیروت۔

کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ کے تحقیق میں دکتور عبد الحمید ہنداوی لکھتے ہیں۔ تحت الخط: قال الشیخ الالبانی: حدیث مروی خرجہ مسلم: والظاھر من الحدیث ان الاشارۃ والرفع عقب الجلوس، و مایقال ان الرفع انما ھو عند قولہ، لا الہ و فی المذھب الآخر عند قولہ الا اللہ فکلہ رأی لا دلیل علیہ من السنۃ، و قول ابن حجر الفقیہ کما نقلہ فی المرقاۃ و یسن۔ أن یخصص الرفع بکونہ مع الا اللہ لما فی روایۃ مسلم، فوھم محض فانہ لا اصل لذلک، لا فی مسلم و لا فی غیرہ من کتب السنۃ لا باسناد صحیح و لا ضعیف بل و لا موضوع و مثلہ وضع الاصبع بعد الرفع لا اصل لہ بل ظاھر الروایۃ الاخری و غیرھا استمرار تحریکھا

الی السلام کما ھو مذھب مالک انظر صفۃ صلاۃ النبی ﷺ صفحہ ۱۱۸۔ ۱۱۹ قلت: و لکن الصواب عدم التحریک لان الحدیث الذی استدل بہ الشیخ و سیأتی قریباً، زیادۃ التحریک فیہ شاذۃ کما سبنینہ فی موضعہ انتھی۔[1285]

اشارے کا مقام یہ ہے: تو شوافع نے کہا کہ اشہد کے کلمہ پر انگلی اُٹھائے گا اور اثبات پر رکھے گا۔ اور انگلیوں کو ابتداء تشہد سے بند کرے گا۔ اور حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ انگلی اٹھانے کے وقت انگلیوں کو بند کرے گا۔ اور یہ نفی کے کلمہ لا کے وقت اور اثبات پر پھر رکھے گا۔ پھر انگلیوں کو عدم ثبوت کی وجہ سے نہیں پھیلائیں۔ جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے۔ اور ہر چہ حدیث مرفوع ہے۔ انگلی اٹھانے یعنی بلند کرنے اور پھر رکھنے اس کے بارے میں نے حدیث مرفوع کو نہیں پایا۔ اور نہ حدیث موقوف کو پایا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں مذہب والے اعراض کرتے ہوں میں نے جو یہاں بیان کیا یہ حلوانی کا قول ہے اور آئمہ مجتہدین میں سے نہیں ہے اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے قول کے وقت جو الا اللہ کہتے وقت اشارہ کرے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں صحیح ہے کہ اس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطا میں بیان کیا ہے اور الا اللہ کہنے کے وقت اشارہ ہی ہے مسلم کی حدیث کی وجہ سے۔

اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے: آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہمزہ الا اللہ کو پہنچے کلمہ شہادۃ میں تو انگلی کھڑی کرنا مستحب ہے کہ اس کو اٹھائے۔ اور کہا اٹھانے کے وقت ہلانے میں دو قول ہیں اصح قول یہ ہے کہ نہیں ہلائے گا۔ اور ہمارے مذہب میں ایک شاذ وجہ یہ ہے کہ سارے تشہد میں اس انگلی سے اشارہ کرے گا۔

شیخ البانی (صحیح احادیث کو ضعیف اور موضوع کہنے والا غیر مقلد) ذیل میسر یہ نقل محقق نے کی ہے۔ کہ البانی کے ہاں حدیث سے ظاہر یہ ہے کہ اشارہ اور انگلی اٹھانا بیٹھنے کے بعد ہے۔ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ لا الہ اور دوسرے مذہب میں الا اللہ کے وقت انگلی اشارہ کے لیے اٹھانا ہے یہ سب ان لوگوں کی رائے ہی ہے سنت میں سے اس کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ اور مرقاۃ ابن حجر فقیہ کا جو قول لیا گیا ہے کہ یہ سنت ہے۔ کہ رفع انگلی کو الا اللہ کے ساتھ خاص کیا جائے صحیح مسلم کے روایت کے وجہ سے تو یہ خالص وہم ہی ہے (یعنی ان کے دل کا خیال ہے) اس لیے کہ اس کے لیے کوئی دلیل ہی نہیں یعنی اس کے لیے کوئی بنیاد نہیں نہ صحیح مسلم میں اور نہ سنت کی کتابوں میں سے کسی اور کتاب میں نہ صحیح سند کے ساتھ اور نہ ضعیف کے ساتھ بلکہ موضوع سند کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ اور اس طرح انگلی اٹھانے کے بعد اس کو نیچے رکھنے کے لیے نہ کوئی ثبوت ہے کہ اٹھانے کے بعد پھر رکھ دیں بلکہ آخری ظاہر الروایت وغیرہ اس کے سلام تک انگلی کا ہلانا ہے۔ جیسا کہ یہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے (تحقیق والا عبد الحمید کہتا ہے) میں کہتا ہوں کہ صحیح رائے نہ ہلانا ہے اس لیے کہ جس حدیث پر شیخ نے دلیل پکڑی ہے نزدیک آنے والی ہے۔ اس میں زیادہ ہلانا شاذ ہے جیسا کہ ہم اسے اپنی جگہ پر جلد ہی بیان کریں گے۔

[1285] کتاب لمیسر جلد ا صفحہ ۲۵۱ طبعہ مکتبۃ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمہ۔ الریاض

حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعارف:

عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح شمس الأئمة الحوانی متوفی سنة ثمان او تسع و اربعین و اربع مائة۔ و ذکرہ ابو محمد عبدالعزیز بن محمد النخشی الحافظ فی معجم شیوخه فقال و منهم شمس الائمة ابو محمد الحلوانی شیخ عالم بانواع العلوم معظم للحدیث و اهله و لم اشک انه صاحب حدیث فی الباطن ان شاء اللہ تعالیٰ من تعظیمه للحدیث غیر انه یفتی علی مذهب الکوفین اھ۔[1286]

ترجمہ: حلوانی کا نام عبد العزیز بن احمد بن نصر بن صالح شمس الائمۃ الحلوانی متوفی ۴۴۸ یا ۴۴۹ھ اس کا ذکر ابو محمد عبد العزیز بن محمد النخشی حافظ نے اپنی معجم شیوخ میں ذکر کیا ہے تو فرمایا اور ان میں سے شمس الائمۃ ابو محمد الحلوانی ہیں اقسام علوم کے عالم اور شیخ تھے حدیث اور اہل حدیث کے تعظیم کرتے تھے مجھے اس میں شک نہیں کہ یہ اہل حدیث (یعنی غیر مقلد) باطن میں ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کہ حدیث کے تعظیم کرتے تھے اس کے علاوہ اہل کوفہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۱۱۷۶ھ۔

مقدمہ مرقاۃ میں اس کی تفصیلی حالت اور سیرت بیان کی گئی ہے ہم یہاں صرف مختصراً چند فقرے ان میں سے بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

مع جلالة قدرہ و علو کعبه فی العلوم و المعارف کان له شذوذ و ذلات و اجب التحرز عنها۔

ترجمہ: آپ کے بلند مرتبہ علوم اور معارف میں وسعت علم کے باوجود آپ کے شاذ اقوال ہیں اور حق سے پھسلنا زیادہ ہے۔ اس سے اپنے آپ کو اسے بچا کر رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ مقدمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۳۴ طبع امدادیہ ملتان اس مقدمہ کے ساتھ ساتھ رسائل کوثری مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی اور رسائل کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ دار الفتح صفحہ ۲۴۲ ملاحظہ ہو۔

الملا علی القاری: کے لیے بھی مقدمہ مرقاۃ ملاحظہ ہو۔

محمد عبد الحی لکھنوی تعلیق ممجد کے مقدمہ کے صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں۔ **و لو لا ما فی بعضها من رائحة التعصب المذهبی صفحه ۳۴ مقدمه مرقاة۔**

ان القاری الحنفی حاله عجیب جدا یورد و ینقل الروایات الموافقة و المخالفة رطباً و یابساً صحاحاً و ضعافاً و لا ینقح الاحادیث و لا یمیز بینهما و لا یرفع التدافع و التعارض و لا یحملها علی محامل صحیحة لا علی مقتضی مذهبه و لا علی غیرہ مع تصلبه فی مذهب الحنفیة۔ اھ۔[1287]

[1286] از فوائد البهیة صفحه ۹۶، ۹۵ ملتقطاً۔

[1287] مقدمه مرقاه صفحه ۳۴ امدادیه ملتان، تنبسیق النظام فی مسند الامام لعلامه الشیخ المحدیث الفقیه محمد حسن السنبلی المتوفی ۱۳۰۵ھ مسند الامام اعظم صفحه ۲۴ حاشیه نمبر ۶ مکتبه رحمانیه لاهور۔

ترجمہ حضرت علامہ عبدالحئی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملا علی قاری میں تعصب مذہبی ہے اور علامہ محمد حسن سنبلی نے فرمایا کہ ملا علی قاری مذہب حنفی میں سخت ہونے کے باوجود آپ کا حال نہایت تعجب خیز ہے موافق اور مخالف روایات نقل کرتے ہیں اس طرح رطب یابس صحیح اور ضعیف نقل کرتے ہیں اوراحادیث کی درستگی نہیں کرتے ہیں اور ان میں تمیز نہیں کرتے اور ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتے اور تدافع اور تعارض کو ختم نہیں کرتے اور صحیح محامل پر ان کو حمل نہیں کرتے نہ اپنے مذہب کے تقاضے کے مطابق اور نہ دوسروں کے مذہب کے مطابق عرف شذی: **قال مولانا المرحوم الگنگوھی لا یضعھا کل الوضع ونھاک حدیث یخبر الراوی فیه بانه علیه السلام امال شیئاً۔**[1288]

یعنی علامہ گنگوہی نے کہا کہ انگلی کو مکمل نہیں رکھے گا اس میں حدیث شریف ہے اس میں راوی نے خبر دی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے تھوڑا سا مائل کیا تھا۔

تبصرہ:(۱) حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر آج تک جتنے بڑے بڑے علماء نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے وہ قابل اعتبار اور شرعاً قابل قبول نہیں۔

کبیری نے بحث سنۃ العشاء: میں لکھا ہے۔ **فدار الامر فی الرواۃ علی اجتھاد العلماء ص ۳۳۵ مطبع العزیزی لاھور لا عبرۃ بغیر الفقھاء: شامی جلد ۳ صفحہ ۳۲۱ لاعبرۃ بغیر الفقھا شامی جلد ۳ صفحہ ۳۳۹ طبع دار الکتب العربیۃ الکبری مصر اور فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۸۹ فیہ فدار الامر فی الرواۃ علی اجتھاد العلماء اھ۔ لم تنقل عن الفقھاء أی المجتھدین بحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۳۵۰** یعنی فقہاء سے مراد مجتہدین ہیں۔ **ولا عبرۃ بغیر المجتھدین بحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۳۵۰**۔ یعنی عالم غیر مجتہد کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے یعنی اس کے قیاس معتبر، حجت اور دلیل نہیں ہے۔[1289]

کچھ تفصیل اس میں یہ ہے کہ: **قال فی فتح القدیر من باب البغاۃ الذی صح عن المجتھدین فی الخوارج عدم تکفیر ھم ویقع فی کلام أھل المذھب تکفیر کثیر لکن لیس من کلام الفقھاء الذین ھم المجتھدون بل من غیر ھم و لا عبرۃ بغیر الفقھاء البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۲۰: لا اعلم احداً وافق اھل الحدیث اھ۔ ایضاً یقع فی کلام أھل المذھب تکفیر کثیر لکن لیس من کلام الفقھاء الذین ھم المجتھدون بل من غیر ھم ولا عبرۃ بغیر الفقھاء:**[1290]

[1288] عرف شذی صفحہ ۱۴۰ مکتبہ رحیمیہ دیوبند۔

[1289] البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۲۰ اور صفحہ ۱۴۰ جلد ۶ صفحہ ۲۶۴ اور کنز بر حاشیہ بحر الرائق اور کنز جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ کتاب القضاء اور النہر الفائق جلد ۳ صفحہ ۶۰۰ اور ۶۰۱ اور تبیین الحقائق جلد ۵ صفحہ ۸۳ اور معیار الحقائق جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ و مستخلص وغیرہ۔

[1290] البحر الرائق جلد ۵ صحہ ۱۴۰ اور فتح القدیر جلد ۵ صفحہ ۳۳۴۔

یعنی ابن نجیم اورابن الھمام رحمہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہمیں کوئی معلوم نہیں کہ اس نے اہل حدیث کا موافقت کی ہو۔ خوراج کے بارے میں مجتہدین سے بات صحیح ہو چکی ہے کہ خوارج کافر نہیں اور اہل مذہب کے کلام میں ان کو کافر کرنا زیادہ واقع ہوتا ہے مگر وہ فقہاء اور مجتہدین کے کلام میں نہیں بلکہ غیر مجتہدین ہے اور غیر مجتہدین کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نتیجہ:

جب کتاب الآثار مسند امام اعظم اور علامہ طحاوی اور جصاص سے ثابت ہوا کہ تشہد کی حالت میں اشارہ نہیں تو جو اہل مذہب علماء نے مذہب شافعی کا اتباع کرتے ہوئے اور حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلدین بن کر اشارہ برائے وحدانیت ثابت کیا تو ان مجتہدین کا امام ابو حنیفۃ ،امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ابن الھمام نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب روایت کو دو طرح رد کر دیا کہ اشارہ برائے توحید صحیح نہیں جیسا کہ مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں گزرا ہے۔ وہ یہ: **لو وجد بعض نسخ النوادر فی زماننا لا یحل عزو ما فیھا الی محمد ولا الی ابی یوسف لانھا لم تشتھر فی زماننا فی دیارنا ولم تداول نعم اذا وجد النقل عن النوادر فی کتاب مشھور کا لھدایۃ والمبسوط کان ذلک تعویلا علی ذلک الکتاب اھ۔**[1291] دوسرا یہ کہ کثیر مشائخ سے مروی ہے کہ بالکل اشارہ نہ کرے اور مقدمہ شامی میں ہے۔ **یؤخذ بقول الاکثرین۔**[1292]

اگر نوادر کی بعض کتب ہمارے زمانے میں موجود ہوئیں تو ان کے مسائل کی نسبت امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ تعالیٰ کو جائز نہیں اس لیے کہ یہ کتب ہمارے زمانے میں ہمارے ممالک میں مشہور نہیں ہوئی ہیں اور متداول نہیں ہیں۔ ہاں جب نوادر میں سے نقل مشہور کتابوں مثل ہدایہ اور مبسوط میں پایا گیا تو یہ ان کتابوں پر اعتماد ہو گا نہ کہ نوادر پر ایضاً بحر الرائق جلد ۶ صفحہ ۲۶۵ ملاحظہ ہو۔

تو عرض یہ ہے کہ جب نوادر کے مسائل کا امام محمد اور امام ابی یوسف رحمہا اللہ تعالیٰ کو صحیح اور جائز نہیں تو پھر ان کو مذہب حنفی کہنا بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں ہے تو جب خصم نے یہ تسلیم کی کہ ظاہر الروایات کی کتب اور متون میں اشارہ کا ذکر نہیں تو پھر اشارہ برائے توحید کو کس منہ سے مذہب حنفی بتاتے ہیں۔ **ووضع یدیہ علی فخذیہ وبسط اصابعہ کنز جلد ۱ صفحہ ۸۴ مطبع احمدی دھلی اور قدری جلد ۱ صفحہ ۲۰ مکتبہ عباسیہ تیمر گرہ۔**

[1291] مقدمہ عمدۃ الرعایۃ صفحہ ۱۱ اور بحر الرائق جلد ۶ صفحہ ۲۶۵ فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶۰ ردالمحتار مصری ج ۴ ص ۳۲۹ دراسات فی اصول حدیث علی منہج الحنفیہ ص ۵۰۰ اور مدخل لاصول حدیث ص ۲۵۰ النہر الفائق ج ۳ ص ۶۰۲

[1292] شامی مصری جلد ۱ صفحہ ۵۳ اور مقدمہ متانۃ صفحہ ۸۶۔

واضعایدیہ علی فخذیہ موجھا اصابعہ نحو القبلۃ مبسوطۃ۔ وقایۃ الروایۃ شرح وقایہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۹ مطبع مجتبائی دھلی اور بدایۃ المبتدی متن ہدایہ اور اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ **ویروی ذلک فی حدیث وائل ولان فیہ توجیہ اصابع یدیہ الی القبلۃ ھدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۲** جس میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے ان تین حکموں پر عمل کرنا ہے۔ دیکھو سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۴ اور آیت ۱۴۹ اور آیت ۱۵۰۔ اس لیے اشارہ کرنا خلاف ظاہر الروایات اور متون ہی ہے اس لیے اس کا فتویٰ دینا کہ اشارہ کرے فتویٰ خلاف کتب ظاہر الروایات اور متون ہی ہے اگر کوئی نہ جانے تو نہ جانے یہ اس کی کم علمی یا بے علمی کی دلیل ہے۔ ایسے اشخاص کی تقلید کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں تقلید مجتہد کی ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پندرہویں صدی کے ہوا پرست مبتدعین کے اس قاعدہ کہ جب ظاہر الروایت کے کتب میں ایک مسئلہ نہ ہو اور نوادر میں ہو تو اس پر عمل کرنا ہے یہ در حقیقت مذہب حنفی کو اساس سے ختم کرنے ہی کی کوشش ہے کوئی ذی عقل شخص ان کی تابعداری اور تقلید نہیں کر سکتا ہے۔

لیس لمفتی الافتاء بالروایۃ الضعیفۃ یعنی مفتی کے لیے روایت ضعیفہ پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔[1293]

والعمل علی ما فی المتون لانہ اذا تعارض ما فی المتون والفتاوی فالمعتمد ما فی المتون۔[1294] یعنی جو مسئلہ متون میں ہو اس پر عمل ہے اس لیے کہ جب متون اور فتاویٰ کے مسائل میں تعارض آجائے تو جو متون ہے اس پر اعتماد ہے۔

معلوم ان المتون موضوعۃ لنقل ما ھو مذھب فلا یعدل عما فیھا اھ۔[1295] یعنی متون نقل مذہب کے لیے رکھی گئی ہیں۔ تو اس میں جو ہے اس سے عدول نہیں کیا جا سکتا۔

و مافی المتون و الشروح مقدم علی ما فی الفتاوی کما مر مراراً در مختار لان مسائل المتون ھی المنقولۃ عن ائمتنا الثلاثۃ او بعضھم الخ۔[1296]

یعنی فتاویٰ سے متون اور شروح پہلے ہیں ان پر عمل کرنا مقدم ہے اس لیے کہ متون کے مسائل ہمارے تینوں ائمہ یعنی امام ابو حنیفۃ اور امام ابی یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کی گئی ہیں یا ان میں سے ایک سے نقل ہوتا ہے۔

[1293] شامی جلد ۲ صفحہ ۵۳۹ مصری۔

[1294] شامی جلد ۴ صفحہ ۳۵۲ مصری۔

[1295] شامی جلد ۳ صفحہ ۳۰۱ مصری۔

[1296] شامی جلد ۵ صفحہ ۱۷۲ مصری۔

قال فی الخیریة فالحاصل انه مخالف لما فی المتون الموضوعة لنقل المذهب فلا یجوز العمل و الفتوی به۔[1297]

صاحب خیریہ نے فرمایا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ یہ متون کے مسئلہ کے مخالف ہے جو کہ نقل مذہب کے لیے بنائے گئے ہیں تو اس پر عمل اور فتویٰ دینا جائز نہیں۔

توجب کہ نوادر کے علاوہ شروح اور فتاویٰ کا یہ حال ہے تو نوادر پر عمل اور فتویٰ دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

ان ما فی المتون مقدم علی ما فی الفتاوی شر نبلالیة۔ یعنی فتاویٰ شر نبلالیہ میں ہے کہ اختلاف کی صورت میں متون کا مسئلہ فتاووں سے مقدم ہے یعنی اس مسئلہ پر عمل ہو گا جو متون میں ہے۔[1298]

و لنا أن الآثار لما اختلفت فی فعل رسول اللہ ﷺ یتحاکم الی قوله و هو الحدیث المشهور ان النبی ﷺ قال لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن عند افتتاح الصلاة و فی العیدین و القنوت فی الوتر و ذکر اربعة فی کتاب المناسک و حین رأی بعض الصحابة رضوان اللہ علیهم یرفعون ایدیهم فی بعض أحوال الصلاة کره ذلک فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا و فی روایة قاروا فی الصلاة۔[1299]

امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ہمارے لیے دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے فعل کے بارے آثار مختلف ہوئے تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کے قول یعنی حکم کی طرف فیصلہ لینا ہے اور وہ مشہور حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات جگہوں کے علاوہ دوسرے مقامات میں رفع یدین مت کرو نماز شروع کرتے وقت اور عیدین میں اور وتر میں دعاء قنوت پڑھنے کے وقت اور تین کو کتاب المناسک یعنی حج میں ذکر کی اور جب آپ ﷺ نے بعض اصحاب کو دیکھا رضوان اللہ علیہم کہ نماز کے بعض حالات میں رفع یدین کرتے تھے تو اس کو ناپسند کیا تو فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو اور ایک روایت میں ہے کہ نماز کی تعظیم کرو یعنی سکون سے ادا کرو۔

ملاحظہ ہو صحیح مسلم باب نمبر ۱۲۵ حدیث صفحہ ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴ یہ احادیث ناسخ ہے رفع یدین کے لیے اور رفع انگلی قائم مقام رفع یدین ہے اس لیے نماز میں منسوخ ہے۔ اشارہ میں ہاتھ کی سب انگلیاں متحرک ہوتی ہیں اگر ایک انگلی بھی متحرک ہوئی تو ایسا ہے جیسا کہ ہاتھوں کا متحرک کرنا جیسا کہ پہلے گزرا ہے کہ انتفاء کل سے انتفاء جز لازم ہے کہ جب ہاتھ اٹھانا منع ہوا تو انگلی اٹھانا بھی منع ہو اب اس

[1297] شامی جلد ۵ صفحہ ۲۴۷۔

[1298] قرۃ عیون الاخیار لسید محمد علاء الدین جلد ۲ صفحہ ۷۷ مصری۔

[1299] مبسوط سرخسی جلد ۱ صفحہ ۱۴ دار المعرفۃ بیروت۔

کے بر عکس اگر نمازی نے ایک انگلی اٹھایا تو ایسا ہے کہ انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھایا۔ الدر المنتقی فی شرح الملتقی میں ہے۔ ان استعمال الجزء کالکل۔[1300]

(۲) وانتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل عنایہ شرح ھدایہ بر فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۸۸ مکتبہ نوریہ سکھر (۳) انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل فی نفس الامر ضرورتا لان ای الجزء کان متی زال لم یبق الکل من حیث ھو کل۔ حاشیۃ العطار علی شرح الجلال المحلی باب المجاز جلد ۱ صفحہ ۴۱۸ (۴) انتفاء الجزء یو جب انتفاء الکل: التحبیر شرح التحریر جلد ۱ صفحہ ۴۴۱ (۵) بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب باب کون اللفظ قبل استعمال حقیقتاً او مجازاً جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ (۶) الابھاج فی شرح المنھاج باب المسئلۃ الاولی متی یو جد المشروط (۷) دستور العلماء جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون جلد ۳ صفحہ ۱۰۲۔

امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آپ نے ملاحظہ فرمایا: کہ اشارہ کی احادیث متعارضہ ہونے کی وجہ سے ہم نے فیصلہ احادیث قولی کو لے کر تحکیم کے لیے اور احادیث قولی نے بصراحت فیصلہ کر دیا کہ نماز میں ہاتھ مت اٹھاؤ اور نماز سکون سے ادا کرو۔ اور اس بات میں کوئی اختلاف معلوم نہیں وہ یہ کہ: واعلم أن کتب مسائل الاصول کتاب الکافی للحاکم الشھید و ھو کتاب معتمد فی نقل المذھب شرحہ جماعۃ من المشائخ منھم الامام شمس الائمۃ السرخسی و ھو المشھور مبسوط السرخسی قال العلامۃ الطرسوسی مبسوط السرخسی لا یعمل بما یخالفہ و لا یرکن الا الیہ و لا یفتی و لا یعول الا علیہ اھ[1301]

یہ بات کہ مسائل اصول کی کتابوں میں سے کتاب کافی ہے جو کہ حاکم شہید کی کتاب ہے اور مذہب کے نقل میں معتمد کتاب ہے مشائخ میں سے ایک جماعت نے اس کی شرح لکھ دی ہے ان میں سے ایک شمس الائمۃ سرخسی ہی ہیں۔ وہ مبسوط سرخسی سے مشہور ہیں علامہ طرسوسی نے فرمایا کہ مبسوط سرخسی کے مخالف پر عمل نہیں کیا سکتا اور میلان صرف اس کو کیا جاتا ہے نہ کہ اور کتاب کو اور فتویٰ نہیں دیا جاسکتا اور اعتماد نہیں جاسکتا مگر صرف اس پر۔

نتیجہ: ثابت ہوا کہ ظاہر الروایات میں احناف کا فیصلہ عدم اشارہ کرنا ہے اور نماز میں سکون یعنی عدم حرکت اعضاء ہی مطلوب شرعاً اور مذہب حنفی ہی ہے۔ نوادراۃ میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عدم اشارہ لتوحید فی الصلاۃ ہے۔ نہ کہ اشارہ کرنا آیئے اور آپ کا فیصلہ سنئے۔ فرماتے ہیں۔ قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی الرجل یسلم علیہ و ھو یصلی انہ لا یرد علیہ السلام فی صلاتہ و ما احب لہ ان یشیر (بیدہ) فان فی الصلاۃ شغلاً ص ۱۴۶۔

و قال اھل المدینۃ فی الرجل یسلم علی الرجل فی الصلاۃ لا یتکلم و یشیر بیدہ و قال محمد بن الحسن۔ ما احب لہ ان یزید فی صلاتہ شیئا لیس منھا من اشارۃ و لا غیرھا و لکن اذا قضی صلاتہ فلیرد علیہ السلام فان من الخشوع فی الصلاۃ ترک الا

[1300] جلد ۴ فصل فی اللبس قبیل فصل فی النظر ۱۹۸ مجمع الانھر مکتبہ غفاریہ کوئٹہ۔

[1301] شامی جلد ۱ صفحہ ۵۱، ۵۲ مصری۔

اشارۃ کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ للامام الحافظ المجتھد الربانی ابی عبداللہ بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۸۹ھ ص نمبر ۱۴۷۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اشارہ سے جواب سلام نہ دیا مگر سلام کے بعد اپنا عذر یہ بیان کیا: **ان فی الصلاۃ لشغلا فترک۔ ۲۴۸ جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ للامام الحافظ المجتھد الربانی ابی عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۸۹ ھ رتب اصولہ و صححہ و علق علیہ العلامہ المحقق المحدث الفقیہ المفتی السید مھدی حسن الگیلانی القادری رحمہ اللہ تعالیٰ المفتی بدار العلوم دیوبند المتوفی ۱۳۹۶ ھ (شائع کردہ) دار المعارف النعمانیۃ الجامعۃ المدینۃ کریم پارک لاھور پاکستان۔**

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا کہ اس نے سلام کیا اس شخص پر جو نماز میں تھا تو وہ اپنی نماز میں اس کے سلام کا جواب نہ دے گا اور میں یہ پسند نہیں کرتا ہوں اس کے لیے کہ وہ ہاتھ سے اشارہ کرے اس لیے کہ نماز میں شغل ہے۔ اور اہل مدینہ یعنی مالکی صاحبان نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ نماز ادا کرتے ہوئے اس شخص کو سلام کرے کہ باتیں نہ کرے اور اس کو اپنے ہاتھ سے جواب سلام کے لیے اشارہ کرے۔

اور امام محمد بن حسن نے فرمایا کہ نمازی کے لیے میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنے نماز میں کوئی چیز زیادہ کرے جو نماز سے نہ ہو نہ اشارہ اور نہ کوئی اور عمل مگر جب نماز ادا کرے تو اس کو جواب سلام دے کیوں کہ نماز میں خشوع اشارہ نہ کرنا ہے۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے اشارہ سے جواب سلام نماز میں نہیں فرمایا مگر سلام کے بعد اپنا عذر یہ بیان کیا۔ تحقیق نماز میں البتہ شغل ہے تو چھوڑ دیا۔ اس سے اہل حدیث اور اہل الرائے کا اختلاف معلوم ہوا کہ کون اشارہ میں ہے جس کو صاحب خلاصہ نے حرام لکھا ہے اور مسند امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے۔ **ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن ابی وائل عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قدم من ارض الحبشۃ سلم علی رسول اللہ علیہ وسلم ھو یصلی و لم ارد علیہ السلام فلما انصرف رسول اللہ ﷺ قال ابن مسعود اعوذ باللہ من سخط نعمۃ اللہ قال النبی ﷺ و ما ذاک قال سملت علیک فلم تردعلی قال ان فی الصلوٰۃ لشغلاً قال فلم نرد السلام علی احد من یومئذ مسند امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۹۳ اصح المطابع کراچی۔**

و قولہ ان فی الصلوٰۃ لشغلاً رواہ الشیخان و ابو داؤد و ابن ماجۃ عن ابن مسعود۔ کتاب الحجہ کے شارح نے یہ احادیث ذکر کی ہیں اور اس مفتی دیوبند نے توثیق کی مگر کوئی جواب نہیں لکھا۔

ترجمہ: امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی حماد سے اور حماد ابراہیم سے اور ابراہیم ابی وائل (ثقیق) وہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے حضور ﷺ نماز ادا فرمارہے تھے۔ آپ نے حضور علیہ السلام کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب سلام نہ دیا جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی نعمت کے غصہ سے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ استعاذے کا سبب کیا ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے ہم کو جواب نہ دیا تو رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً نماز میں ضرور شغل ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس روز سے ہم کسی کو سلام کا جواب نماز میں نہیں دیتے ہیں۔

حدیث مروی ابوہریرۃ بحوالہ ابو داؤ، اور ناسخ منسوخ ابن شاہین اور طحاوی اور مسند بزار اور سنن دار قطنی شرح کے ساتھ صفحہ ۶۵ و ۶۶ پر گزرا ہے جس میں ہے **من اشار فی صلاتہ اشارۃ تفھم عنہ فلیعد لھا یعنی الصلوٰۃ۔** ابو داؤد اور مسند بزار میں یہ اضافہ ہے **او قد فسدت۔**

کہ جب کوئی شخص نماز میں ایسا اشارہ کرے جو مقصد کو ظاہر کرتا ہے وہ نماز کا اعادہ کرے یا یقیناً نماز فاسد ہوئی۔(۱) اہل ظواہر کے ہاں نماز کے دوران سلام اور دیگر امور کے لیے اشارہ جس سے مخاطب کو مقصد سمجھ آجائے یہ کلام کے حکم میں ہے اور مفسد نماز ہے۔(۲) ائمہ اربعہ کے ہاں مفسد نماز تو نہیں ہے البتہ مکروہ ضرور ہے۔ شرح معانی الآثار جلد ا صفحہ ۳۰۶ اس لیے اپنی نماز کو کراہت سے خالی کرنے کے لیے اور صاف بے غبار نماز کے لیے مناسب ہے کہ نماز کا اعادہ کریں اگرچہ سابقہ نماز فاسد نہیں ہوئی۔ اس طرح حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل ہو گی۔ اور وہ مہمل نہ رہے گی کیوں کہ دلائل میں اصل چیز یہ ہے کہ عمل میں لائے جائیں نہ کہ مہمل و ترک کریں جب کے منسوخ نہ ہو۔ جیسا اشارہ مذہب حنفی کے آئمہ ثلاثہ سے ثابت ہوا کہ ان کے ہاں نہ کتب ظاہر الروایت میں اور نہ کتب نوادر میں نماز میں اشارے کا ثبوت ہے بلکہ ظاہر الروایت اور کتب نوادر سب میں مذہب احناف میں سکون اور وقار سے نماز پڑھنا ہے۔ اس لیے اعلم بالمذاہب خصوصاً مذہب حنفی علامہ ابی جعفر احمد بن محمد الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں تحریر کیا کہ جناب رسول مقبول ﷺ مسجد میں تشریف لائے آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھا رکھے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے نماز میں بد خو گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھوں کو اٹھانے والے ہو نماز میں سکون اختیار کرو تخریج مسلم فی الصلوٰۃ نمبر ۱۱۹۔

حاصل روایات: جب نماز میں تسکین اطراف کا حکم ہے تو اشارے سے جواب سلام کرنا اس سے نکلنا ہے کیوں کہ اس میں ہاتھ بلند ہوتا ہے اور انگلیاں ہلتی ہیں اس سے ثابت ہوا کہ یہ بھی اس روایت کے تحت داخل ہے۔ یہ قول ہمارے ائمہ ابو حنیفۃ، ابو یوسف، محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے ۳۰۹ جلد ا۔

مطلب:

مطلب یہ ہے کہ اگر نوادر میں ان سے اشارہ کا ثبوت ہوتا اور نوادر قابل عمل ہوتا تو یہ مفسر اور محدث عظیم ہر گز ہر گز ایسا فیصلہ اور حکم نہ دیتے اس کے علاوہ امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ اور مفسر عظیم مجتہد فی المذہب امام ابی الرازی الجصاص متوفی ۳۷۰ھ شرح مختصر الطحاوی فتاوی فی الفقہ الحنفی میں تحریر فرماہیں جو کہ معتمد متن ہے۔ فتویٰ امام طحاوی

قال ابو جعفر: (ویستقبل باصابع رجله الیمنی القبلة، کما یفعل فی السجود، ثم یبسط کفیه علی رکبتیه وینشر أصابعه، ولا یشیر بشئی منها) و ذالک لما فی حدیث وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنه، أن النبی ﷺ لما جلس افترش رجله الیسریٰ، و وضع یده الیسریٰ علی فخذه الیسریٰ ویده الیمنی علی فخذه الیمنی۔ (بغیر کسی اضافہ کے۔)

علامہ جصاص کا فتویٰ: وینشر أصابعه کما ینشرها فی السجود والرکوع ولا یشیر بشئی منها، لقوله ﷺ: کفوا ایدیکم فی الصلاة، واسکنوا فی الصلاة جلد نمبر ۱ صفحہ ۶۲۸ و صفحہ ۶۲۹ مولوی محمد روشن خاک پائی علماء اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا بھی یہی حکم ہے ملاحظہ ہو **أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ** (النساء ۷۷) جو کہ خبر احاد پر منسوخ نہیں کیا جاسکتا جلد ۱ صفحہ نمبر ۴۲ پر اس کے متعلق کچھ بیان گزرا ہے۔

ترجمہ: (امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ) ابو جعفر نے کہا کہ دائیں پاؤں کی انگلیاں روبہ قبلہ کریں جیسا کہ سجدہ میں کیا جاتا ہے پھر دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں پر انگلیوں کو بکھیرے ہوئے رکھ دیں اور ان میں کسی پر اشارہ نہ کریں۔ یہ اس وجہ سے کہ حدیث وائل بن حجر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو پھیلاتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر رکھتے۔ اس کی شرح میں علامہ جصاص (مجتہد اور مفسر) نے فرمایا: اور اپنی انگلیوں کو ایسے پھیلائیں جیسے سجدہ میں پھیلاتے ہیں اور رکوع میں اور ان میں سے کسی چیز سے اشارہ نہ کریں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے کہ اپنے ہاتھوں کو روک دو بند کرو اور مت ہلاؤ نماز میں اور نماز میں سکون کرو۔

اللہ تعالیٰ کا بھی سورۃ النساء میں یہی امر ہے کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو۔ بدائع الصنائع میں ہے۔ کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: **کان اعلم الناس بمذاهب ابی حنیفة جلد ۱ صفحہ ۲۱۳** اور حالات مصنفین درسِ نظامی میں ہے: **اعلم الناس بمذهب ابی حنیفة صفحہ ۱۳۳** اور علامہ عبدالحئی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فوائد بھیۃ میں لکھا ہے: **له تصانیف جلیلة معتبرة فمنها ۔۔۔ المختصر صفحہ ۳۲** (اس طرح علامہ عبدالحئی نے مقدمہ عمدۃ الرائے میں اس کو متن معتبر مانا ہے) **عن ابن عبدالبر انه قال کان الطحاوی کوفی المذهب عالماً بجمیع مذاهب العلماء انتهی بهیة صفحہ ۳۴۔**

یعنی امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سلف کے مذاہب پر سب سے زیادہ عالم تھے۔ اور مذہب امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ آپ کی بڑی معتبر تصانیف ہیں ان میں سے مختصر ہے۔ اور ابن عبدالبر سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ طحاوی حنفی مذہب والے تھے سب علماء کے مذاہب پر عالم تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

نتیجہ:

امام طحاوی اور جصاص رحمہما اللہ تعالیٰ کی شہادت سے ثابت ہوا کہ مذہب حنفی میں اشارہ تشہد میں بالکل نہیں نہ ظاہر الروایات میں اور نہ نوادر میں بلکہ بعض غیر حنفی العقیدہ نے مذہب حنفی کو بدنام کرنے اور علماء حنفی کو غیر معتبر کرنے کے لیے یہ جراثیم فقہ حنفی میں ڈال دیا ہے کہ علماء احناف کو بدنام کریں کہ ایسے فقہاء ہیں کہ ایک جگہ ایک بات دوسرے جگہ دوسری بات کرتے ہیں اس لیے ان کے کلام کا کوئی

اعتبار نہیں جیسے حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے احناف کو کئی آراء پر منقسم کیا۔ اگر ہم گزرے ہوئے اختلاف کہ کوئی کہتا ہے بیٹھنے ہی سے انگلی اٹھائے اور کوئی کہتا ہے ان لا الہ کے لام پر اٹھائے کوئی کہتا ہے الا اللہ کے الف پر اٹھائے کہتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ سے اس کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں اس لیے ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پر بات کی ہے۔ جب کہ محمود بن صدر الشریعۃ نے وقایۃ الروایات میں اصل مذہب حنفی ان الفاظ میں بیان کی: **واضعایدیہ علی فخذیہ موجھا اصابعہ نحو القبلۃ مبسوطۃ** (اس میں تین آیات اور پانچ امر الٰہی پر عمل کرنا ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۴ دو دفعہ اور آیت ۱۴۹ اور ۱۵۰ میں دو امر اور باقی آیات کریمہ گزرے ہوئے صفحات میں ملاحظہ ہوں) تو صاحب شرح وقایہ عبید اللہ بن مسعود نے شرح وقایہ میں لکھا: **و فیہ خلاف الشافعی فان عندہ یعقد الخنصر و البنصر و یحلق الوسطے و الابھام و یشیر بالسبابۃ عند التلفظ بالشھادتین و مثل ھذا جاء عن علمائنا ایضاً صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰ مجتبائی دھلی۔**

کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر انگلی روبہ قبلہ کھلے رکھیں۔ اور اس میں شوافع نے خلاف کیا کیوں کہ ان کے ہاں خنصرہ اور بنصرہ کو بند کر کے درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر سجدہ پر شہادتیں کہنے کے وقت اشارہ کریں۔ یہ فقرہ کتاب الام میں نہیں ہے اس کو بار بار ملاحظہ کریں اشارہ کریں اور اس جیسے ہمارے مذہب کے علماء سے بھی منقول ہے۔

افسوس صد افسوس ان علماء احناف پر کہ انہوں نے تحقیقی اور ثابت بقرآن وحدیث محقق مذہب چھوڑ کر شوافع کے تابع ہوئے۔

آیئے اس میں شوافع کا حال بھی ملاحظہ کریں۔ کتاب الام طبع دار الحدیث القاہرۃ جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ پر ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار المرادی نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ **و اذا اراد الجلسوس فی مثنی جلس علی رجلہ الیسری مثنیۃ یماس ظھرھا الارض و نصب رجلہ الیمنی ثانیا اطراف أصابعھا و بسط یدہ الیسریٰ علی فخذہ الیسریٰ و قبض اصابع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی الا المسبحۃ و الابھام و اشار بالمسبحۃ انتھی۔**

ترجمہ: کہ جب دو رکعت پر نمازی بیٹھنے کا ارادہ کرے تو بائیں پاؤں پر بیٹھ کر اس کو دوہرا کرے کہ پیٹھ زمین سے لگی ہوئی ہو۔ اور دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا کرے کہ انگلیوں کے اطراف دوہرے کئے ہوں اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر پھیلائے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو مسبحہ اور انگوٹھے کے علاوہ بند کرے اور پھر اشارہ کرے۔

ابو العباس محمد بن یعقوب نیسابوری نے ربیع بن سلیمان سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول بیان کیا نہ اس میں اشارہ کے لیے مسبحہ اٹھانے کا کوئی مخصوص وقت کا ذکر ہے اور نہ اشارہ کا تعین کہ یہ اشارہ کس مقصد کے لیے ہے۔ اور نہ بیان اس میں ہے کہ مسبحہ اٹھانے کے بعد کس وقت رکھ دے۔

یہی وجہ ہے کہ شوافع حضرات بھی ہر ایک اپنے اپنے صواب دید کا بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو **تحفۃ الحبیب شرح الخطیب: حاشیہ البجیرمی علی الخطیب خاتمۃ المحققین الشیخ سلیمان البجیرمی جلد ۲ صفحہ ۶۴ اور الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع لشیخ محمد الشربینی الخطیب الموجود بالھامش شرکۃ مکتبۃ بمصر۔**

اور بیٹھ کر اس کو دوہرا کرے کہ اس کا پیٹ زمین کو لگے ہوئے ہو اور دائیں پاؤں کو ایسے کھڑا کرے کہ اپنی انگلیوں کے اطراف دوہرے کئے ہوں۔ اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر پھیلائے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو مسبحہ اور انگوٹھے کے علاوہ بند کرے اور مسبحہ پر اشارہ کرے۔ ابو العباس محمد بن یعقوب نیسابوری نے ربیع بن سلیمان سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول بیان کیا کہ اس میں مسبحہ کو اشارہ کے لیے اٹھانے کا کوئی مخصوص وقت کا بیان موجود نہیں اور نہ اس اشارہ کا تعین منقول ہے۔ یہ اشارہ کس وقت اور کس کے لیے کرے اور انگلی کو کب اٹھائے اور کس وقت رکھ دے اس لیے شوافع میں بھی ہر ایک اپنے اپنے صواب دید کا بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ **تحفة الحبيب شرح الخطيب: حاشيه البجيرمي على الخطيب لخاتمة المحققين الشيخ سليمان البجيرمي جلد ۲ صفحه ۶۴ اور الاقناع في حل الفاظ ابي شجاع لشيخ محمد الشربيني الخطيب الموجود بالهامش شركه مكتبة بمصر۔**

الثانية عشرة (وضع) رؤوس اصابع (الفخذين في الجلوس) بين السجدتين ناشرا أصابعه مضمومة للقبلة كما في السجود وفي التشهد الاول وفي الآخير (يبسط) يده (اليسرىٰ) مع ضم أصابعها في تشهده الى جهة القبلة بأن يفرج بينها لتتوجه كلها الى القبلة (ويقبض) أصابع يده (اليمنى) كلها (الا المسبحة) وهي بكسر الباء التي بين الابهام والوسطى (فانه) يرسلها و (يشير بها) اى يرفعها مع امالتها قليلا حال كونه (متشهدا) عند قوله الا الله للاتباع ويديم رفعها ويقصد من ابتدائه بهمزة الا الله أن المعبود واحد فيجمع في توحيده بين اعتقاده وقوله وفعله ولا يحركها للاتباع فلو حركها كره ولم تبطل صلاته والافضل قبض الابهام بجنبها بأن يضمها تحتها على طرف راحته للاتباع فلو ارسلها معها أو قبضها فوق الوسطى او حلق بينهما او وضع الملة الوسطى بين عقدتي الابهام أتى بالسنة لكن ماذكر أفضل انتهى عبارة الاقناع قوله رؤوس اصابع الخ لا حاجة لاخراج المتن عن ظاهره فان المتن يفيد وضع اليدين نفسها ـــــ ان المطلوب وضع اليدين على فخذين بحيث تسامت رؤوسهما أطراف الركبتين فتأمل: (قوله في الجلوس بين السجدتين) مثله جلسة الاستراحة والجلوس للتشهدين لكن كيفية الوضع مختلفة ففي الاولين اليدين مبسوطتان وفي الأخيرين بينها المنن بقوله يبسط اليسرى ويقبض اليمنى ولا يضر ادامة وضعهما على الارض الى السجدة الثانية اتفاقا خلافا لمن وهم فيه اه ابن حجر أى فقال ان ادامتهما على الارض تبطل الصلاة اه ع ش على م ر۔

(قوله مضمومة للقبلة) انظر هذا مع ما تقدم في الركوع من انه يفرق فتنزله الرحمة على بدنه فلم يطلب التفريق هنا قياسا عليه ولذلك قيل به هنا فليحرر الا أن يقال ان قوله ناشرا أصابعه مضمومة وقوله مع اصابعها اى مع تفريق يسير بحيث تكون متوجهة للقبلة ولا يضر انعطاف رؤوسها على الركبتين سم في شرحه (قوله في تشهده) شمل الاول والآخر وهو كذلك والقبض يكون بعد وضع اليد منشورة لا معه ولا قبله على المعتمد كما قاله سلطان وقيل مع الوضع اه ـ ق ل ويدل له قوله المنهج ويضع يمناه قابضا أصابعها والاصل في الحال المقارنة (قوله الا المسبحة) سميت بذلك لانه يشار بها الى التوحيد وتسمى السبابة لانه يشار بها عند السب ق ل ولو تعددت المسبحة فالعبرة بالاصلية فلو كانتا أصليتين فالعبرة بما جاور الابهام فلو قطعت هل تقوم الأخرى مقامها أو لا محل نظر والظاهر أنها تقوم مقامها ولا يشير بالسبابة اليسرى وان فقدت اليمنى ولو عجز عن التشهد وقعد بقدره سن حقه ان يرفع مسبحته كما ان من عجز عن القنوت سن في حقه أن يقف بقدره وأن يرفع يديه زى وفي م ر ولو قطعت يمناه أو سبابتها كرهت اشارته بيسراه لفوات سنة بسطها لأن فيه ترك سنة في محلها لاجل سنة في غير محلها كمن ترك الرمل في الاشواط الثلاثة ويأتي في الأخيرة ـ اه۔

(قوله ويديم رفعها) اى الى القيام او السلام۔ فان قلت المعنى الذى رفعت لا جله قد انقضى فكيف بقى رفعها۔ قلت لا نسلم انقضاءه لأن الأواخر و الغايات هى التى عليها المدار فمن ثم طلب منه ادامة استحضارى ذلك التوحيد و الاخلاص فيه حتى يقارن آخر صلاته لتكون خاتمتها على أتم الاحوال و اكملها۔ و الحكمة فى اختصاص المسبحة بذلك أن لها اتصالاً بنياط القلب أى عرقه فكانها سبب لحضوره و اما الوسطى فقيل ان لها اتصالا بنياط الذكر فلذا تابى النفوس الزكية الاشارة بها۔

(قوله و لا يحركها) فان قلت قد ورد التحريك أيضا فى احاديث فلم قدم النافى، قلت انما قدم النافى هنا على المثبت عكس القاعدة لما قام عندهم فى ذلك و هو أن المطلوب فى الصلاة عدم الحركة فقد قيل انه اذا حرك عامدا عالما بطلب صلاته فيكره التحريك عندنا خلافا للمالكية و عبارة سم و لا يحركها عند رفعها للاتباع رواه ابو داؤد بل يكره تحريكها و لا تبطل به الصلاة و قيل يحرم و تبطل به و قيل يسن للاتباع رواه البيهقى و صححه قال و يحتمل أن يكون المراد بتحريكها فى خبره رفعها لا تكرر تحريكها اھ و يؤيده أن فيه جمعا بين الخبرين و أن عدم التحريك أنسب بالصلاة المطلوب فيها سكون الاعضاء و الخشوع الذى قد يذهبه او يضعفه التحريك۔ و اعلم ان كون رفع مسبحة اليمنى خاصا بهذا المحل تعبدى فلا يقاس به غيره فما يفعل بعد الوضوء و عند رؤية الجنازة لا اصل له قرره شيخنا عن فتاوى ابن حجر اھ رحمانى (قوله فلو حركها) و لو ثلاثا لأنها ليست عضوا و لأنه فعل خفيف و الكلام فى مالم يحرك الكف و الا بطلت بثلاثة افعال متوالية عامدا عالما كتحريك الزند المقطوع الكف سم رحمانى۔ و الحاصل أن فى تحريكها ثلاثة اقوال قول بالكراهة و قولان آخران أحدهما بالحرمة و تبطل به الصلاة و الآخر بالندب (قوله و لم تبطل صلاته) صرح به للرد على من يقول بالبطلان كما علمت ع ش (قوله أو حلق بينهما) اى أوقع التحليق بينهما أى بين الوسطى و الابهام أى جعلهما حلقة فالظاهر أن بين زائدة لانه لا يظهر هامعنى اھ شيخنا (قوله لكن ما ذكر) اى اولا و هو قوله و الافضل الخ: حاشیہ بجیرمی تحفۃ الحبیب جلد ۲ صفحہ ۶۴ و صفحہ ۶۵ مطبوعہ بمصر ۱۹۵۱م ۱۳۷۰ھ

اور علامہ ابن حجر المکی الھیتمی اپنے فتاوی: الفتاویٰ الکبری الفقھیہ میں تحریر فرماھے: (وسئل) نفع اللہ بہ عمالو رفع المسبحة فى التشهد عند الا الله فهل يستحب رفعها الى تمام الصلاة اولا و قد نقل الشيخ زكريا فى شرح الروض المقدسى انه اذا رفع المسبحة فى التشهد عند الا الله يقيمها و لا يضعها و قال الجرجرى فى شرح الارشاد انه يعيدها الى ما كانت عليه و ليس فى المسئلة تصريح فهل الاولى بالعمل قول نصر المقدسى او لا؟ (فأجاب) بقوله المعتمد ما قاله الشيخ نصر رحمه الله تعالىٰ و عبارة شرح العباب قال الشيخ نصر المقدسى فى كافية انه يقيمها و لا يضعها و لا يحركها اھ و هو ظاهر فى بقائها مرفوعة الى السلام و قول جمع متأخرين لم نر فيه نقلا و الظاهر انه يعيدها بحث مخالف للمنقول كما علمت و ان تبعهم المصنف بقوله و فيه نظر انتهت جلد ۱ صفحہ ۱۴۶ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ۔

بارھواں صفحہ نمبر ۱۳۵ (رکھنا) انگلیوں کے سروں کو دونوں سجدوں کے درمیان (بیٹھنے میں رانوں پر ہوں) سجدہ اور تشہد اول اور ثانی یعنی پہلے قعدہ اور دوسرے میں انگلیوں کو پھیلائے ہوئے قبلہ کی طرف کئے ہوئے ہوں اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو تشہد میں قبلہ کی طرف پھیلاتے ہوئے رکھ دیں۔ اس طرح کہ انگلیوں کو مکمل ضم کئے ہوئے نہ ہونا کہ سارے انگلیاں بہ طرف قبلہ ہو جائیں اور دائیں ہاتھ کی مسبحہ کے علاوہ ساری انگلیاں بند کریں (قبض کریں) جو کہ انگوٹھے اور درمیان انگلی کے درمیان میں ہے تو اس کو کھلا رکھیں اور اس پر اشارہ کرتے رہیں یعنی تھوڑا سا مائل کرتے ہوئے اس کو الا اللہ کہنے کے وقت اٹھائیں اس حالت میں کہ تشہد پڑھ رہے ہوں تابعداری کرنے کے

لیے اور اس کو اٹھا ہوا دائم کریں۔ الا اللہ کے ہمزہ کہنے کے وقت سے اس کی ابتداء کرے کہ معبود ایک ہی ہے اپنے عقیدہ اور قول اور فعل کو جمع کرتے ہوئے اور تابعداری کرنے کی وجہ سے اس کو ہلاتے نہیں اور اگر ہلایا تو مکروہ ہے۔ اور اس کی نماز باطل نہیں ہوئی۔ اور بہتر یہ ہے کہ انگوٹھے کو درمیانی انگلی کی جانب پر بند کر دیں تابعداری کے لیے۔ تو اگر اس کو اس کے ساتھ پھیلایا اور درمیانی کے ساتھ بند کر دیا اور دونوں سے حلقہ بنایا اور یا درمیانی انگلی کے پور کو رکھ دیا انگوٹھے عقد تین کے درمیان تو سنت کو ادا کیا مگر جو پہلے ذکر کیا وہ بہتر ہے۔ (اقناع کی عبارت یہاں پر ختم ہوئی) (اس کا یہ قول کہ انگلیوں کے سرے الخ) متن کو ظاہر سے خارج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ متن دونوں ہاتھوں کو خود رکھنے پر مقید کرتا ہے۔۔۔۔ یقیناً رانوں پر ہاتھوں کو اس طرح رکھنا مطلوب ہے کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں کی طرف متوجہ ہوں تو فکر کرو (اس کا یہ قول دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں ہے) اس کی مثال جلسہ استراحت اور دونوں تشہد کے لیے بیٹھنا ہے مگر رکھنے کا طریقہ مختلف ہے تو پہلے دونوں میں دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور دونوں قعدوں میں آخر میں ان کا درمیان ہو گا المنن یعنی مقصود اس کا اس قول سے کہ بائیں کو پھیلائے اور دائیں کو بند کرے اس کو زمین پر دائم رکھنے میں کوئی حرج نہیں کہ دوسرے سجدہ تک رکھے رہیں اتفاقاً جنہوں نے اس میں وھم کیا ہے ان کے خلاف۔ اہ۔

ابن حجر نے فرمایا کہ اس کو زمین پر دائم رکھنا نماز کو باطل کرتا ہے اہ۔ ع ش علی م ر۔

(اس کا یہ قول کہ قبلہ کو ضم کئے ہوئے) پہلے گزرا کہ انگلیوں کو رکوع میں منشر کریں تو اس کے بدن پر رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے یہ اس کے ساتھ ملاحظہ کریں۔ تو یہاں تفریق کو طلب نہیں کیا اس پر قیاس کرتے ہوئے اس لیے اس پر یہاں قول کیا تو اس کو تحریر کریں مگر کہا جائے کہ آپ کا یہ قول کہ اپنی انگلیوں کو پھیلائے ہوئے ضم کئے ہوئے اور اس کا یہ قول کہ اپنے انگلیوں کے ساتھ یعنی تھوڑے، کم تفریق کے ساتھ اس طور کہ قبلہ کو متوجہ ہو اور اس کے سرے گھٹنوں پر پڑنا کوئی نقصان نہیں کرتا۔ سم فی شرحہ (اس کا یہ کہنا کہ اپنے تشہد میں) پہلے اور آخری قعدہ دونوں کو شامل ہے اور وہ اس طرح ہے۔ اور قبض اصابع ہاتھ کی انگلیوں پھیلائے ہوئے رکھنے کے بعد ہے نہ ان کے ساتھ اور اس سے پہلے بنابہ قول معتمد علیہ جیسا کہ اس کو سلطان نے کہا ہے۔ اور کہا گیا ہے یہ رکھنے کے ساتھ ہی ہے۔ اہ۔ ق ل اور اس کے لیے منع کا قول دلالت کرتا رہتا ہے۔ اپنا دایاں ہاتھ انگلی بند کرتے ہوئے رکھ دے اور اصل حال مقارنہ میں ہے (اس کا یہ قول کہ بغیر مسبحہ کے) اس کو مسبحہ اس لیے کہا گیا کہ اس پر توحید کے لیے اشارہ کیا جاتا ہے اور سبابہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ گالیوں کے وقت اس پر اشارہ کیا جاتا ہے ق ل اور اگر مسبحہ متعدد ہوں تو اعتبار اصلی مسبحہ کا ہے وہ معتبر ہے اور دونوں مسبحہ اصلی ہوں تو وہ مسبحہ معتبر ہے جو کہ انگوٹھے کے ساتھ ہے۔ اور اگر مسبحہ کٹا ہوا ہو تو آیا دوسری انگلی اس کی قائم مقام ہو سکتی ہے یا نہیں نظر محل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اس کا قائم مقام ہو سکتا ہے مگر بائیں ہاتھ کے مسبحہ سے اشارہ نہ کرے اگرچہ دایاں ہاتھ نہ ہو اور اگر تشہد پڑھنے سے عاجز ہو اور اس کی مقدار بیٹھ گیا تو اس کے بارے میں مسبحہ اٹھانا سنت ہے۔ جیسا کہ دعاء قنوت سے عاجز کے لیے اس کی مقدار کھڑا ہونا سنت ہے کہ اس کی مقدار قیام کرے گا یہ اس کے بارے میں سنت ہے اور اپنے ہاتھ کو اٹھائے۔ اور م ر میں ہے۔ اگر اس کا دایاں ہاتھ قطع کیا گیا ہو یا اس کی مسبحہ انگلی تو بائیں پر اشارہ کرنا

مکروہ ہے کراہت کی وجہ اس کی سنت کا فوت ہونا ہے۔ اس لیے کہ اس میں اپنے محل میں سنت ترک کرتا ہے برائے غیر محل میں سنت ادا کرنے کے لیے۔ جیسا کہ حاجی پہلے تین چکروں میں رمل چھوڑ کر آخری چکروں رمل کریں اہ۔ (اس کا یہ قول کہ اس کا اٹھانا دائم رکھے) یعنی قیام یا سلام پھیرنے تک اگر کہے کہ جس مقصد کے لیے انگلی اٹھائی گئی تھی وہ یقیناً گزرا تو اس کا اٹھانا کس طرح باقی رہا۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ میں اس کا ختم ہونا نہیں مانتا کیوں کہ اواخر اور غایات پر دارو مدار ہی ہے اس وجہ سے اس سے اس کا حاضر رہنا مطلوب ہوا کہ وہ توحید اور اخلاص اس میں باقی ہو یہاں تک کہ اس کی نماز کے آخر کے ساتھ متصل رہے کہ اس کا خاتمہ مکمل حالات پر ہو جائے۔ اور مسبحہ کو اشارہ کے لیے مختص ہونے کی حکمت یہ ہے کہ دل کار گوں کے ساتھ اس کا متصل ہونا ہے تو گویا کہ یہ اس کے حضور کا سبب ہے۔ اور درمیانی انگلی جو ہے تو کہا گیا ہے کہ اس کا ذکر کے رگوں کے ساتھ متصل ہونا ہے اس لیے پاک نفوس اس پر اشارہ کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ (اس کا یہ کہنا کہ اس کو متحرک نہ رکھیں) تو اگر آپ کہیں کہ اس کو متحرک رکھنا بھی حدیث شریف میں آیا ہے) تو کس وجہ سے آپ نے منفی حدیث کو مثبت سے مقدم کیا اور مثبت پر عمل نہیں کیا اور قاعدہ کو نہیں مانا۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ خلاف قاعدہ حدیث نافی کو اس وجہ سے مقدم کر کے معمول کیا گیا اور مثبت پر عمل نہیں کیا گیا کہ ان کے ہاں ثابت ہوا تھا اس بارے میں کہ نماز میں مطلوب عدم حرکت ہے تو یقیناً کہا گیا ہے کہ جب اس کو قصداً اس کے باوجود کہ اپنے نماز مطلب سے عالم تھا تو ہلانا مکروہ ہے ہمارے مذہب میں اور مالکیہ اس میں خلاف کرتے ہیں اور سم کی عبارت میں ہے کہ اٹھانے کے وقت اس کو تحریک نہ دے تابعداری کرنے کے لیے اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے بلکہ اس کی تحریک مکروہ ہے اور اس پر نماز باطل نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تحریک حرام ہے اور اس پر نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تابعداری کی وجہ سے سنت ہے اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے فرمایا کہ احتمال یہ ہے کہ تحریک سے مراد اس کی خبر میں انگلی اٹھانا ہے نہ کہ تکرار تحریک اہ۔ اس کی تائید کرتے ہیں کہ اس میں دونوں احادیث کو جمع کرنا ہے یہ اس کی تائید کرتا ہے۔ نماز میں اعضاء کا سکون اور خشوع مطلوب ہونے کے وجہ عدم تحریک نماز کے ساتھ زیادہ مناسب ہے جس کی تحریک یقیناً ختم کرتا ہے یا کمزور کرتا ہے۔

اور یہ بات جان لو کہ انگشت مسبحہ اٹھانا اس جگہ کے ساتھ خاص ہے اس پر اس کے علاوہ قیاس نہیں کیا جا سکتا تو جو وضو کے بعد یا جنازہ دیکھنے کے وقت کرتا ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ اس کو ہمارے شیخ نے حضرت ابن حجر کے فتاویٰ سے ثابت کیا ہے اہ۔ رحمانی (اس کا یہ قول کہ اگر اس کو گھمایا) اگرچہ تین بار ہو اس لیے کہ یہ اندام نہیں اور اس لیے کہ خفیف فعل ہے اور بات اس میں ہے کہ ہتھیلی کو حرکت نہ دی ہو ورنہ تین دفعہ مسلسل قصداً علم کے باوجود تحریک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جیسے ہاتھ کے گٹے کو ہتھیلی کی انگلیوں سمیت قطع ہوئے ہلالے۔ سم رحمانی:

حاصل کلام یہ ہے کہ انگلی ہلانے میں تین اقوال ہیں ایک قول کراہت کے ساتھ ہے اور دو قول اور ہیں ان میں سے ایک حرمت کے ساتھ جس سے نماز بھی باطل ہو جاتی ہے اور تیسرا قول ندب کے ساتھ ہے۔ (حسب قاعدہ ترجیح حرمت کے لیے ہے) (اسکا یہ قول یا ان دونوں سے حلقہ بنائیں) یعنی ان دونوں کے درمیان میں حلقہ واقع ہو جائے یعنی درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان یعنی ان دونوں کو حلقہ

کریں تو ظاہر یہ ہے کہ لفظ زائد ہے اس لیے کہ اس کا کوئی معنی ظاہر نہیں ہوتا۔ اہ۔ شیخنا (اس کا یہ قول لیکن جو ذکر ہوا) یعنی پہلے اور اس کا یہ قول کہ الافضل الخ حاشیہ بجیرمی تحفۃ الحبیب جلد ۲ صفحہ ۶۴ و ۶۵ مطبوعہ مصر: ۱۹۵۰م ۱۳۷۰ھ اور علامہ ابن حجر المکی الہیتمی اپنے فتاوی الفتاویٰ الکبریٰ الفقھیۃ میں تحریر فرماہیں (اور سوال کیا گیا) اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے فائدہ عطا فرمائے اس سے کہ اگر تشہد میں الا اللہ کہنے کے وقت مسبحہ اٹھایا جائے تو آیا یہ اٹھانا نماز کے اختتام تک مستحب ہو گا؟ یا نہیں اور یقیناً شیخ زکریا سے منقول ہے کہ آپ نے شرح روض المقدسی میں ذکر کیا ہے کہ جب تشہد میں الا اللہ کہنے کے وقت مسبحہ اٹھایا تو اٹھایا ہوا رہنے دے اور نیچے نہ رکھے۔ اور جرجری نے شرح ارشاد میں فرمایا کہ اس حالت کو واپس کرے جس پر تھا اور مسئلہ میں تصریح موجود نہیں کہ عمل کے لیے مقدسی کا قول بہتر ہے یا نہیں (تو جواب دیا) اپنے اس قول سے کہ نصر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول معتمد علیہ ہے اور شرح عباب کی عبارت اس طرح ہے کہ شیخ نصر مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کافیہ میں فرمایا کہ یہ اس کو کھڑا ہوا رہنے دے اور نیچے نہ رکھے اور اسکو حرکت نہ دے یعنی نہ کرے۔ اہ۔

اور یہ سلام تک اٹھا ہوا باقی رہنا ظاہر ہے اور یہ متاخرین میں سے ایک جماعت کا قول ہے ہم نے اس بارے میں نقل نہیں دیکھا اور ظاہر یہ ہے کہ اس کو واپس کرے یہ منقول سے مخالف بحث ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا۔ اگرچہ مصنف اس کے پیچھے اپنے اس بات پر درپے ہوا۔ اور اس میں نظر ہے انتہت جلد ا صفحہ ۱۴۶ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ (تا صفحہ ۱۲۹ کے آخر تک)

کتاب الام کا 59 پر عبارت بار بار ملاحظہ کریں محدث ابو العباس محمد بن یعقوب النیسابوری متوفی سن ۳۴۶ھ نے فرمایا اخبرنا الربیع بن سلیمان المتوفی سن ۲۷۰ھ نے فرمایا اخبرنا الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: کتاب الام دارالحدیث قاھرہ ص ۳۸۴ پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول منقولہ میں ہے **و قبض اصابع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی الا المسبحۃ و الابھام و اشار بالمسبحۃ** (مجھے یہ پسند ہے) کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں بغیر مسبحہ اور انگوٹھے بند کرے اور مسبحہ پر اشارہ کرے۔ موجودہ عبارت میں نہ انگلی کا اٹھانا مذکور ہے اور نہ اٹھانے کا مقام کا ذکر ہے اور نہ یہ کہ اٹھانا جاری رکھیں یا نہ رکھیں اور نہ یہ تصریح ہے کہ یہ اشارہ کسی کے سلام کے جواب کے لیے کرے نہ کہ یہ اشارہ وحدانیت کے لیے ہے اور نہ یہ کہ یہ دعاء تضرع والا اشارہ ہے جو کہ پہلے نماز کی آخری دعا کے وقت ہوتا تھا پھر نماز میں منسوخ ہوا اور نماز کے بغیر اب بھی وہ ایک مسنون طریقہ ہے اور دعا میں نماز کے آخر میں یہ رفع امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جامع جلد ۲ میں ذکر کیا ہے تو جب یہ احتمال ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد دعاء تضرع کے لیے اشارہ کرنا ہے تو **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** جب یہ احتمال موجود ہے اس لیے اس پر اشارہ توحید کے لیے استدلال باطل ہوا۔

باقی آپ کو خطیب، شرح خطیب اور حاشیہ خطیب اور فتاویٰ کبریٰ ابن حجر سے معلوم ہو گیا کہ جس طرح احناف قائل اشارہ کی آراء مختلف ہیں اس طرح شوافع بھی دونوں فریق کا قول پانچ بار اس حکم خداوندی کہ پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیجئے اور اپنے چہروں کو اس کی طرف کیا کرو۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۴۴ و آیت نمبر ۱۴۹ اور آیت نمبر ۱۵۰ ملاحظہ ہو اس طرح آیت نمبر ۲۳۸ بقرۃ اور سورۃ النساء آیت نمبر ۷۷ اور سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۱ و ۲ جس کی مختصر تحقیق گزری ہے اور اس طرح احادیث قولی جس میں اسکنوا اور خشوع کے

بارے میں کتب احادیث سے مذکور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشارہ برائے توحید کے لیے کوئی دلیل قرآن اور حدیث میں واضح طور پر مذکور نہیں جس سے مذکورہ آیات اور احادیث قولی منسوخ ہو مثبتین اشارہ برائے توحید احناف اور شوافع کی آراء مختلف ہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔

قیاس دو قسم پر ہے ایک یہ کہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ یا اجماع امت سے مستنبط ہو یعنی مثبت دلائل یہ تین دلائل ہیں اور قیاس مظہر ہے مگر مثبت نہیں کمافی کتب فقہ واصول فقہ۔

دوسرا وہ قیاس جو ان اصولوں سے مستنبط نہ ہو یا اس کے مقابل ہو وہ حجت شرعی نہیں اس کے لیے ملاحظہ سنن ابن ماجہ جلد ا صفحہ ٦ مطبع نور محمد کراچی باب اجتناب الرای والقیاس اور اس کا شرح انجاح الحاجۃ شیخ عبد الغنی المجددی الدھلوی المدنی المتوفی ۱۲۹۵ھ۔

ارشاد ربانی ہے: (وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ) پارہ نمبر ۱۸ سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۷۱ معارف القرآن میں خلاصہ و تفسیر ہے اور (بغرض محال) اگر (ایسا امر واقع ہو جاتا) اور دین حق اُن کے خیالات کے تابع اور موافق ہو جاتا تو (تمام عالم میں کفر و شرک پھیل جاتا اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ حق تعالیٰ کا غضب تمام عالم پر متوجہ ہو جاتا اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ) تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں سب تباہ ہو جاتے۔ بلکہ (اس سے بڑھ کر دوسرا عیب اور بھی ہے کہ حق کا اتباع جو انہیں کے نفع کا سامان ہے اُس سے دور بھاگتے ہیں بس) ہم نے اُن کے پاس اُن کی نصیحت (اور نفع) کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ معارف القرآن جلد ٦ صفحہ نمبر ۳۲۰ و ۳۲۱ خاتمۃ المحققین و عمدۃ الائمۃ المدققین الشیخ سلیمان البجیرمی نے جلد ۲ صفحہ ٦۴ مثبت کے برعکس نافی پر عمل کرنے کے لیے لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ مثبت کے مقابلہ نافی مقدم عکس قاعدہ اس لیے کیا ہے کہ اس بارے میں ان کے ہاں دلیل قائم اور موجود ہے اور وہ یہ کہ مطلوب نماز میں عدم حرکت ہے۔ آگے جا کر لکھتا ہے کہ عدم تحریک نماز سے زیادہ مناسب ہے مطلوب نماز میں سکون الاعضاء اور خشوع ہے تحریک اس (خشوع و سکون) کو ختم کرتا ہے یا کمزور کرتا ہے۔

یہ قاعدہ کہ مثبت نافی پر مقدم ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں مقبول ہے اس طرح احناف وغیرہ کے ہاں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۴۹ حاشیہ ۷ قدیمی کراچی بحوالہ قسطلانی بخاری جلد ا صفحہ ۲۱۸ حاشیہ ۵ بحوالہ قسطلانی قدیمی کراچی و عینی جلد ا صفحہ ۳۲۰ باب اذا شہد شاہد او شھود الخ بمعہ حاشیہ ۲ اور فرمایا کہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے بغیر اس کے جو شاذ ہو بحوالہ فتح الباری۔ اور تبنسیق النظام فی مسند الامام لعلامۃ المتاخرین الشیخ المحدث الفقیہ محمد حسن السنبلی المتوفی ۱۳۰۵ھ مقدمہ صفحہ ۱۱ مسند صفحہ ۳۴ حاشیہ ۵ و صفحہ ۵۳ و صفحہ ۹۹ حاشیہ نمبر ۲ اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۲۷۸ امدادیہ ملتان اور ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ اور نور الانوار صفحہ ۱۹۷ بحث التعارض، تفسیر بیان القرآن صفحہ ٦۰۱ تاج کمپنی لاہور کبیری ۵۰۵ جس کے حاشیہ پر صغیری ہے اور عرف شذی مکتبہ رحیمیہ دیوبند ۴۳ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۲۳ صفحہ ۲۹٦ اور فتاویٰ شامی جلد ا صفحہ ۴۸ اور فیض الباری شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۱ شامی جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ اور تفسیر روح المعانی جلد ا صفحہ ۱۴۵ اور جلد ۷ صفحہ ۱۵۹ اور جلد ۱۳ صفحہ ۱۵٦ اور ہدایہ جلد ا صفحہ ۱۵۹ بحر الرائق جلد ا صفحہ ۱۱۹ فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۸۹ وغیرہ اس قاعدے کو چھوڑ کر

آپ نے جب حدیث یحرکہا پر عمل کے بجائے اس حدیث کو لے لیا جس میں ہے لایحرکہا۔ پھر بھی جب آپ نے مسبحہ کو اٹھایا تو نماز میں مطلوب عدم حرکت اور سکون اعضاء اور خشوع ہے تو اس سے بھی وہ ختم یا کمزور ضرور ہوا۔ اور اپنے پاؤں کو اپنے کلہاڑے سے مارا۔ کیوں کہ در حقیقت اشارہ میں دائیں ہاتھ کی ساری انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور اگر صرف ایک انگلی بھی آپ اٹھائیں گے تو سکون اعضاء اور خشوع اور نماز میں شغل والی ساری احادیث کا خلاف قرآنی مذکورہ آیاتوں کے ساتھ آپ سے صادر ہوا۔

صاحب مشکوٰۃ نے بروایت وائل بن حجر بحوالہ ابو داؤد والدارمی یہ حدیث بیان کی ہے جس میں ہے ثم رفع اصبعہ فرایتہ یحرکھا یدعو بھا اور ساتھ ہی بروایت عبد اللہ بن زبیر بحوالہ ابو داؤد والنسائی یہ حدیث بیان کی ہے جس میں ہے یشیر باصبعہ اذا دعا ولایحرکہا الفصل الثانی صفحہ ۸۵ صاحب کتاب نے جو طرز بیان کی ہے اس کے لیے کوئی قاعدہ اپنے مذہب کا بیان نہیں کیا۔

اور تعارض کے وقت کتب شافعیہ میں جو قاعدہ مذکور ہے کہ تعارض کی صورت میں پہلا تطبیق ہے اور تطبیق تو یہاں ممکن نظر نہیں آتا پھر ترجیح ہے اس کے لیے بھی کوئی وجہ موجود نہیں پھر نسخ ہے تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ ایک کی بھی منسوخ ہونے کی دلیل نہیں پھر تساقط ہے تو صاحب حاشیہ نے اس قاعدہ کا بھی خلاف کیا۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لیے مانا جائے کہ اس طرح اشارہ میں صرف ایک انگلی ساکن نہ رہی تو پھر بھی اس سے لازم آیا کہ دونوں ہاتھ ساکن نہ رہے جیسا کہ گزرا ہے اس طرح یہ معلوم مشہور بات اور ذی علم پر مخفی نہیں کہ انتفاء الکل بانتفاء الجزء کہ جزء کے انتفاء سے کل منتفی ہوتا ہے بلا خلاف اہل علم میں ملاحظہ ہو درر المنتقی جلد ۴ صفحہ ۱۹۸ ذیل مجمع الانہر مکتبہ غفاریہ کوئٹہ

لان استعمال الجزء کالکل فصل فی اللبس قبیل فصل فی بیان احکام النظر فی ذیل مجمع الانہر۔ یعنی جزء کا استعمال ایسا ہے جیسے کل کا استعمال۔

اور عنایہ شرح ہدایہ بر فتح القدیر مطبع نوریہ سکھر جلد ا صفحہ ۱۸۸ **انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل۔** یعنی جب جزء ساکن نہ ہوا تو کل ساکن نہ ہوا۔ **لان انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل فی نفس الامر ضرورتاً لان ای جزء کان متی زال لم یبق الکل من حیث ھو کل اھ حاشیۃ العطار علی شرح الجلال المحلی باب المجاز جلد ا صفحہ ۴۱۸ اور انتفاء الجزء یوجب انتفاء الکل: بیان المختصر شرح مختصر ابن حاجب باب کون اللفظ قبل الاستعمال حقیقتاً او مجازاً جلد ا صفحہ ۲۰۰ اور الابھاج فی شرح المنھاج باب المسئلۃ الاولیٰ متی یوجد المشروط جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ اور دستور العلماء جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون جلد ۳ صفحہ ۱۰۲ اور التحبیر شرح التحریر جلد ا صفحہ ۴۴۱ وغیرہ وغیرہ۔**

نہایت حیران کن بات ہے کہ قرآنی ارشادات کو نظر انداز کر کے قولی احادیث ناسخہ نظر انداز کر کے اور فعلی حالت نماز میں منسوخ شدہ احادیث اس کے باوجود کہ اثبات توحید کے لیے نہیں بلکہ در حقیقت دعاء کا ایک قسم ہے ان کے اصل سے غیر جانب جا کر ان سے اشارہ توحید ثابت کرنا بعید از عقل و نقل ہے حدیث نمبر ا میں یہ الفاظ **یحرکھا یدعو بھا** اور دوسرے میں **یشیر باصبعہ اذا دعا۔**

یعنی نسخ سے پہلے تشہد میں دعا کے وقت انگلی اٹھانا۔ جو بعد میں منسوخ ہوا نماز میں۔

ناظرین کرام کو عرض ہے کہ آیئے مدعی اشارۂ توحید سے اس کا جواب سنئے۔

ایک اہم اور ضروری بات:

وعن ابن عمر قال قلت لبلال کیف کان النبی ﷺ یرد علیهم حین کانوا یسلمون علیه وهو فی الصلوٰة قال کان یشیر بیده رواه الترمذی وفی روایت النسائی نحوه وعوض بلال صحیب: مشکوٰة صفحه ۹۱ فصل الثانی اور مرقاة شرح مشکوٰة جلد ۳ صفحه ۱۱ امدادیه ملتان۔

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ جب سرور کونین ﷺ حالت نماز میں ہوتے تھے اور اس وقت کوئی آپ ﷺ کو سلام کرتا تھا تو آپ ﷺ جواب کس طرح دیتے تھے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کرتے تھے (ترمذی)۔ اور نسائی میں ایک روایت بجائے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اچھی طرح منقول ہے۔ (یعنی ترمذی کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سوال کیا اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا تھا۔)

علامہ ملا علی قاری نوراللہ مرقدہ کی گواہی: فی الخلاصة أن فی الرد بالرأس اولید تفسد صلاته (کما فی بزازی مربیانه) کذا نقله البرجندی وفی شرح منیه یکره أن یرد المصلی السلام بالاشارة بیده أو رأسه فتعین حمل الحدیث علی ما قبل نسخ الکلام فان الاشارة فی معناه: مرقاة جلد ۳ صفحه ۱۱۔

یعنی خلاصہ اور برجندی نے ذکر کیا ہے کہ ہاتھ یا سر کے اشارہ سے نماز فاسد ہوتی ہے اور منیہ کی شرح میں ہے کہ نمازی کے لیے نماز میں سلام کا رد ہاتھ یا سر سے مکروہ ہے۔ اس لیے حدیث کو اس پر حمل کرنا کہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ نماز میں کلام منسوخ نہیں ہوا تھا یعنی نسخ کلام نماز میں سے پہلی حالت پر محمول کرنا لازمی ہے کیوں کہ اشارہ کرنا بھی کلام ہی کے معنی میں ہے۔ مظاہر الحق میں محمد قطب الدین محمد محی الدین احراری دیوبندی لکھتے ہیں اور خلاصے میں ہے کہ سر یا ہاتھ سے اگر جواب سلام دے تو نماز فاسد ہوتی ہے اور شرح منیہ میں ہے کہ مکروہ ہے یہ کہ جواب سلام کا دے مصلی ساتھ اشارے ہاتھ کے یا سر کے پس اس حدیث کو حمل اس پر کریں گے کہ یہ اشارے سے جواب دینا پہلے نسخ ہونے کلام سے نماز میں تھا جب کلام کرنا نماز میں منسوخ ہوا تو جواب دینا زبان سے اور اشارے سے بھی منع ہوا اس لیے کہ اشارہ بھی بیچ معنی کلام کے ہے۔ مظاہر الحق جلد ا صفحہ ۳۳۱ سعید کمپنی کراچی مظاہر حق جدید میں مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند) تحریر نے لکھا ہے:

خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سر یا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دے گا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی (اس کے برعکس مرقاۃ اور اصل مظاہر الحق کی عبارت آپ کے سامنے ہے کہ نماز اس کی فاسد ہوتی ہے) **خلاصة الفتاوی لعلامه فقيه الامجد احمد بن عبدالرشيد البخاری المجتهد جلد ۱ صفحه ۱۱۹ مطبوعه منشی نور لکشور لکھنو** کا عبارت ملاحظہ ہو۔ **و فی الفتاوی و لو سلم علی انسان اورد السلام تفسد صلاته**۔ یعنی نمازی نے اگر سلام کیا یا جواب سلام دیا دونوں صورتوں میں اس کی نماز فاسد ہوتی ہے۔ آگے مظاہر الحق جدید صاحب تحریر فرماہیں صحیح اور مفتی بہ قول جو شرح منیہ اور شامی وغیرہ میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ نمازی کو کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ تنزیہی ہے لہٰذا اب اس حدیث کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ آنحضرت ﷺ حالت نماز میں سلام کا جواب ہاتھ کے اشارہ سے اس وقت دیا کرتے تھے جب نماز میں بات چیت ممنوع نہیں قرار دی گئی تھی جب نماز میں کسی قسم کی کوئی بھی گفتگو ممنوع قرار دے دی گئی تو سلام کا جواب بھی زبان یا اشارہ سے دینا منسوخ ہو گیا کیوں کہ اشارہ کرنا بھی ایک طرح کلام ہی کے معنی میں ہے انتہی مظاہر الحق جدید جلد ۱ صفحہ ۶۴۰ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی۔ اور مولانا عبداللہ جاوید کا بحوالہ شرح منیہ کہ سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں شرح منیہ صغیری اور کبیری دونوں کی عبارت میں تنزیہی کی قید مذکور نہیں بلکہ اصل عبارت ایسی ہے **ویکره ایضاً ان یرد المصلی السلام بالاشارة بیده او رأسه لانه جواب معنی کبیری مع صغیری طبع فی العزیزی لاهور ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۸م** (قاعدہ مسلمہ عند الفقہاء یہ ہے کہ اس طرح عبارت سے مکروہ تحریمی مراد ہوتی ہے۔) اور شامی مصری میں ہے: **و لا یرد بالاشارة فانه مفسد کذا فی الحلیة لابن أمیر حاج الحلبی: شامی جلد ۱ صفحه ۴۵۵ مصری**۔

و کره رد السلام بیده ملتقی الابحر صفحه ۶۵ و فی شرحه مجمع الانهر ۱۸۶ و فی المجمع خلافه لانه قال: اورد السلام بلسانه او یده فسدت۔ و فی در المنتقی تحت الخط (یکره رد السلام بیده) او برأسه جلد ۱ صفحه ۱۸۶ اور نور الایضاح میں ہے: **یکره للمصلی سبعة و سبعون شیاء (وعدمنه) ورد السلام بالاشارة** اور اس کے شرح میں ہے **(ورد السلام بالاشارة) لانه سلام معنی مراقی الفلاح صفحه ۷۱ میر محمد کراچی اور هدایة و لا اعتبار لاتباع الحلوانی رحمه الله تعالیٰ**۔

تبصره مختصراً:

یہاں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ بابت اشارہ نماز میں خود ہی اس کا کھلے اور صاف الفاظ میں تردید کرتے ہوئے صاحب خلاصہ کیدانی کی تصدیق کر دی فارسی میں مقولہ ہے کہ از ماست کہ بر ماست قاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی کلہاڑے سے اپنے پاؤں کاٹ دیئے۔

اس مسئلہ میں قاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرنے والے خود سوچ لیں کہ وہ مذہب حنفی چھوڑ کر کدھر گئے۔ **الحمدالله حمداً کثیرا بعدد معلومات الله تعالیٰ دائماً بدوام ملک الله تعالیٰ**۔ کہ مخالفت کرنے والے کے قلم سے بھی مذہب حنفی کی تائید ہوئی مقولہ ہے کہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ حضرات شوافع کا مختصر حال آپ نے دیکھا کہ اپنے ہی امام سے مخالفت کرتے ہوئے التحیات میں اشارہ برائے توحید کے قائل ہوئے جس کی تصریح ان کو اپنے امام ہی سے بھی نہیں ملی ہے صرف اور صرف اپنے قیاسات کے

تابع ہوئے ہیں۔ اور قیاس بھی قیاس شرعی مستنبط از قرآن پاک یا حدیث پاک یا اجماع سے نہیں جس کا حکم ابن ماجہ جلد ا صفحہ ٦ پر ملاحظہ ہو اور قیاس شرعی بھی مظہر ہے مگر مثبت نہیں۔ جیسا کہ یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں۔ اس کے بر عکس جیسا کہ گزرا مذہب حنفی پانچ آیات قرآنی سات الٰہی حکموں پر مشتمل اور احادیث صحیحہ قولی ناسخہ جس میں **حکم اسکنوا** موجود ہے اور احادیث خشوع اور **احادیث فی الصلوٰۃ** شغل کو چھوڑ کر بعض شوافع کے مقلد ہوئے جو کہ وہ احادیث فعلیہ منسوخہ جو در حقیقت اس اشارہ کے متعلق نہیں بلکہ رد سلام اور دعاء اخلاص کے بارے میں ہے یہ نہایت تعجب کی بات ہے اور بعض حضرات نافین اشارہ کو شوافع کے دلائل ان کے کتب سے پیش کرتے ہیں۔

یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں کہ مذہب حنفی اور مذہب شافعی میں کئی مسائل ہیں جن میں دونوں مذاہب کا اختلاف ہے مثال کے طور پر مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ میں متروک تسمیہ عمداً مذبوحہ حلال ہے اور مذہب حنفی میں قصداً متروک التسمیہ مذبوحہ حرام ہے تو جو شخص احناف کو شوافع کے دلائل اس مسئلہ کے بیان کرے گا تو یہ دلیل ہے کہ یہ شخص دعویٰ حنفیت میں صادق نہیں اور مذہب حنفی اس کی نظر میں صحیح نہیں۔ بلکہ جس چیز اور عمل سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار منع کیا ہے اور اس کی مذمت بیان کی آج کل عوام تو عوام ہے مگر خواص نے بھی وہ طریقہ اپنایا ہے۔ ارشاد ربانی جل واعلیٰ ہے۔

(۱) فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۵ پارہ نمبر ۵۔

ترجمہ: تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

(۲) وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ۔ سورۃ انعام پارہ ۸ آیت نمبر ۱۱۹

ترجمہ: اور بہت لوگ بہکاتے ہیں اپنے خیالات پر بغیر تحقیق، تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو۔

(۳) وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ۔ سورۃ ص آیت نمبر ۲٦

ترجمہ: اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکا دے گی بے شک وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے۔

(۴) أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا۔ سورۃ الفرقان آیت نمبر ۴۳ پارہ ۱۹

ترجمہ: کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لو گے۔

(۵) أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا۔ سورۃ الفرقان پارہ ۱۹ آیت نمبر ۴۴

ترجمہ: یا یہ سمجھتے ہو کہ ان میں بہت کچھ سنتے یا سمجھتے ہیں وہ تو نہیں مگر جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ۔

(۶) فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ پارہ نمبر ۲۰ القصص آیت نمبر ۵۰

ترجمہ: پھر اگر وہ تمہارا فرمان قبول نہ کریں تو جان لو کہ بس وہ اپنی خواہشوں ہی کے پیچھے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی ہدایت سے جدا بے شک اللہ ہدایت نہیں فرماتا ظالم لوگوں کو۔

(۷) بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ۔ پارہ ۲۱ روم آیت نمبر ۲۹

ترجمہ: بلکہ ظالم اپنی خواہشوں کے پیچھے ہو لئے بے جانے تو اسے کون ہدایت کرے جسے خدا نے گمراہ کیا اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

ہوا پرست ظاہراً سنتے ہیں مگر دل سے نہیں:

(۸) أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ۔ پارہ نمبر ۲۶ سورۃ محمد آیت نمبر ۱۶

ترجمہ: یہ ہیں وہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی اور اپنی خواہشوں کے تابع ہوئے۔

(۹) ہوا پرست آیتوں سے اعراض کرنے اور اپنے ہوائے نفسانی کے تابع ہیں۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ۔ پارہ ۲۷ القمر آیت نمبر ۳

ترجمہ: اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے اور ہر کام قرار پا چکا ہے۔

اہل ہویٰ گمراہ ہے:

(۱۰) أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔ پارہ ۲۵ الجاثیہ آیت نمبر ۲۳

ترجمہ: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں رکھتے۔

مذمت متبعین ہوا:

(۱۱) أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ۔ پارہ ۲۶ محمد آیت نمبر ۱۴

ترجمہ: توکیاجواپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پراس جیساہوگاجس کے برے عمل اسے بھلے دکھائے گئےاوروہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔

اہل ہواء کے تابعداری جائز نہیں:-

(۱۲) ثُمَّ جَعَلْنَاکَ عَلَی شَرِیعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِینَ لَا یَعْلَمُونَ۔ پارہ ۲۵ الجاثیة آیت نمبر ۱۸

ترجمہ: پھر ہم نے اس کام عمدہ راستہ پر تمہیں کیاتو اسی راہ پر چلو اور نادانوں کی خواہش کا ساتھ نہ دو۔

اپنی آپ کو ہوائے نفسانی سے منع کرنے والوں کا مقام و مرتبہ:

(۱۳) وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوَی (40) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَی۔ پارہ نمبر ۱۰ النزعت پارہ ۳۰ آیت نمبر ۴۰ و ۴۱

ترجمہ: اوروہ جواپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرااور نفس کو خواہشوں سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔

اہل ہویٰ کی متابعت سے پرہیز کرو:

(۱۴) وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَکَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا۔ پارہ ۱۵ سورۃ الکھف آیت نمبر ۲۸

ترجمہ: اوراس کا کہانہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیااوروہ اپنی خواہش کے پیچھے چلااوراس کا کام حد سے گزر گیا۔

اہل ہوا کی تابعداری ہلاکت کا باعث ہے:

(۱۵) فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنْهَا مَنْ لَا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَی۔ پارہ نمبر ۱۶ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۶

ترجمہ: توہرگز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے جو اس پر ایمان نہیں لاتااوراپنی خواہش کے پیچھے چلاتو ہلاک ہو جائے۔

گمراہ پرستوں کے اہویٰ کا تابع نہ ہونا:

(۱۶) وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا کَثِیرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِیلِ۔ پارہ ۶ المائدہ آیت نمبر ۷۷

ترجمہ: اورایسے لوگوں کی خواہش پر نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ اور سیدھے راہ سے بہک گئے۔

اہل تکذیب کی ہویٰ کا تابع نہ ہونا:

(۱۷) وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِینَ کَذَّبُوا بِآیَاتِنَا۔ پارہ ۸ الانعام آیت نمبر ۱۵۰

ترجمہ: اوران کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں۔

اہل ہویٰ کی متابعت سبب ضلالت:

(۱۸) قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ۔ پارہ نمبر ۷ الانعام آیت نمبر ۵۶۔

ترجمہ: تم فرماؤ میں تمہاری خواہشوں پر نہیں چلتا ہوں یوں تو میں بہک جاؤں اور راہ پر نہ رہوں۔

اہل ہویٰ کی تابعداری ممنوع شرعاً اور مضر فی نفسہ ہے:

(۱۹) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ۔ پارہ ۱ البقرۃ آیت نمبر ۱۲۰

ترجمہ: اور اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا اس کے بعد کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہو گا نہ مددگار۔

اہل ہوا کی تابعداری انسان کو ظالم بناتی ہے:

(۲۰) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ۔ پارہ ۲ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۵

ترجمہ: اور اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا تو اس وقت تو ضرور ستم گر ہو گا۔ اور تفسیر مظہری سے تبصرہ سن لیجئے۔

والمقصود من الاية نهى الامة وتهديدهم عن اتباع الأهواء على خلاف العلم الذي جاء من الله تعالى بأبلغ الوجوه حيث أورد الله سبحانه الشرط مؤكدا بالقسم المقدر واللام الموطئة وتعليق الفعل بكلمة ان فانه يدل على انه اىّ جزء يوجد من الاتباع فهو ظلم- والخطاب الى النبي صلى الله عليه وسلم مع كونه حبيبا لله تعالى فغيره اولى بالتهديد- والتفصيل بعد الإجمال في قوله ما جاءك من العلم- وتعظيم العلم بذكره معرفا باللام والجزاء بانّ المؤكدة- واللام في خبرها- والجملة الاسمية- والتعبير بإذن- وكلمة من فان قولك زيد من العلماء ابلغ من قولك زيد عالم- وتعريف الظالم المستلزم لنسبة كمال الظلم اليه لان المطلق محمول على الكامل- وتعميم الظلم حيث حذف متعلقة.[1302]

ترجمہ: اس آیت سے امت کو تہدید اور تادیب مقصود ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے خلاف اہل کتاب کی خواہشوں کا اتباع کریں اور تہدید بھی نہایت مبالغہ کی اور مبالغہ بھی بہت سی وجوہ سے چناں چہ اول قسم مقدر سے اس مضمون کو موکد فرمایا دوسرے لام تمہید قسم کا لائے، تیسرے فعل کو ان (اگر) کے ساتھ معلق کیا کیوں کہ یہ تعلق اس پر صاف دال ہے کہ اگر کچھ بھی اتباع پایا جائے گا تو یہ بھی ظلم ہی شمار ہو گا۔ چوتھے رسول ﷺ کو باوجود حبیب ہونے کے یہ خطاب فرمایا تو اس سے اوروں کو نہایت بلیغ دھمکی ہو گئی (جیسے کوئی حاکم اپنی رعایا

[1302] تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۴۵۔

کے سنانے کے لیے کسی اپنے مطیع و فرماں بردار سے کہے کہ دیکھو اگر تم بھی ایسا کرو گے تو سزا پاؤ گے) پانچویں مِنۡ بَعۡدِ مَا جَاءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ سے اس کی تفصیل اجمال ہے کہ اول ماموصولہ سے علم کو مجمل ذکر فرمایا مِنَ الۡعِلۡمِ سے اس کی تفصیل فرمادی ظاہر ہے کہ تفصیل بعد اجمال میں زور ہی ہوتا ہے۔ چھٹے علم کو معرف باللام ذکر فرمایا۔ ساتواں جزا کو ان اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ سے موکد کیا (یہ در حقیقت نو ہوئے) آٹھواں کلمہ اذا (اس وقت) کہ یہ بھی مفید مبالغہ کو ہے لائے۔ نوواں من تبعیضیا لائے کہ اس سے نہایت ہی مبالغہ ہو گیا کیوں کہ جملہ زید علماء میں سے ہے یہ بہ نسبت زید عالم ہے کہ زیادہ بلیغ ہے دسویں الظلمین کو معرفہ باللام لائے کہ کمال ظلم کو مقتضی ہے گیارھویں ظلم کو کسی قید سے مقید نہیں کیا اس سے فائدہ تعمیم کا ہوا اس وجہ سے کہ متعلقہ کو حذف کیا۔ ترجمہ از تفسیر مظہری مترجم از مولانا سید عبد الدام الجلالی مطبع دارالاشاعت کراچی (گیارہ جمع دو کل تیرہ وجوہات بنتی ہیں)۔

اہل ہوا کی تابعداری حق سے پھیرنا ہے:

(۲۱) وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَاءَهُمۡ عَمَّا جَاءَکَ مِنَ الۡحَقِّ۔ پارہ ۶ المائدہ آیت نمبر ۴۸

ترجمہ: اور اے سننے والے ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر۔

(۲۲) وَأَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ بِمَا أَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَاءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ أَنۡ یَفۡتِنُوکَ عَنۡ بَعۡضِ مَا أَنۡزَلَ اللّٰهُ إِلَیۡکَ۔ الخ پارہ ۶ المائدۃ آیت نمبر ۴۹

ترجمہ: اور یہ کہ اے مسلمان! اللہ کے اتارے پر حکم کر اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور ان سے بچتا رہ کہ کہیں تجھے لغزش نہ دے دیں کسی حکم میں جو تیری طرف اترا۔

اہل ہویٰ کی تابعداری کرنے والا عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکے گا:

(۲۳) وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ أَهۡوَاءَهُمۡ بَعۡدَ مَا جَاءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَلِیٍّ وَلَا وَاقٍ۔ پارہ ۱۳ الرعد آیت نمبر ۳۷۔

ترجمہ: اے سننے والے! اگر تو ان کی خواہشوں پر چلے گا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ کے آگے نہ تیرا کوئی حمایتی ہو گا نہ بچانے والا۔

اہل ہوا کے بجائے حکم الٰہی کی متابعت ضروری اور لازمی ہے:

(۲۴) وَاسۡتَقِمۡ کَمَا أُمِرۡتَ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَاءَهُمۡ وَقُلۡ آمَنۡتُ بِمَا أَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ کِتَابٍ۔ پارہ ۲۵ الشوریٰ آیت نمبر ۱۵

ترجمہ: اور ثابت قدم رہو جیسا تمہیں حکم ہوا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلو اور کہو کہ میں ایمان لایا جو کوئی کتاب اللہ نے اتاری۔

اس پر حضرت علامہ قاری صاحب کا اقرار اور شہادت بھی ملاحظہ ہو: وَمَا ضَلَّ مَنْ ضَلَّ مِنَ الْكَفَرَةِ وَالْحُكَمَاءِ وَالْمُبْتَدَعَةِ وَأَهْلِ الْأَهْوَاءِ إِلَّا بِمُتَابَعَةِ الْعَقْلِ الخ یعنی کفار، حکماء، مبتدعین اور اہل ہواء جو صرف عقل کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ مرقاۃ ج ۲ صفحہ ۸۵ قبیل باب التیمم امدادیہ ملتان۔

وہ یہ کہ جس اور جتنی احادیث کتب نے یہ احادیث نقل کی ہیں جس میں ہے قال (علیہ السلام) ان فی الصلوٰۃ لشغلاً۔ اور اس طرح وہ احادیث مبارکہ جس میں ہے فقال (ای رسول اللہ ﷺ) مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ صحیح بخاری وغیرہ اور اس طرح: باب ماجاء تحریم الکلام فی الصلوٰۃ و نسخ ما کان من اباحتہ (ثم قال ھذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیھا شئی من کلام الناس اہ مسلم وغیرہ باب الخشوع فی الصلوٰۃ ابن ماجہ وغیرہ اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری وغیرہ۔

اس کیلئے ناسخ بیان کرے تاکہ ہمارے علم میں اضافہ ہو جائے۔

سوال: اگر کوئی اس حدیث شریف کہ مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ کے جواب بطور انکار یا مذاق کہے کہ پھر رکوع اور سجدہ وغیرہ افعال نماز کو بغیر تحریک یدین کیسے ادا کریں گے تو اس شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) اس سے یہ شخص اسلام سے خارج ہوا پھر جب کلمہ پڑھا تو مسلمان ہوا مگر تجدید نکاح اس کے لیے ضروری ہے ورنہ تادم حیات زناکار رہے گا۔

(۲) اگر بہ طور انکار اور یا مذاق نہ کہے تو پھر جواب وہ حدیث شریف ہے جس کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے۔ باب جاء فی الوتر بر کعۃ میں حدیث نمبر ۲ اور اس پر حاشیہ نمبر ۵ میں ہے جب ابی مجلز نے حدیث منقولہ میں کہا۔ قلت أرایت انہ غلبتنی عینی أرایت ان نمت قال اجعل أرایت عند النجم الخ۔ انجاح نے اس پر لکھا ہے۔ کان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم یکرھون معارضۃ الحدیث حتے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے ترک الکلام مع ابنہ بلالہ الخ لما فی حدث ابو ھریرۃ بقولہ ﷺ الوضوء مما غیرت النار و قالہ ابن عباس انتوضاء من الحمیم فقال ابو ھریرۃ یا ابن اخی اذا سمعت الحدیث من رسول اللہ ﷺ فلا تضرب لہ مثلاً و کذلک عمران بن حصین وغیرھم من الصحابۃ الخ جلد ۱ صفحہ ۸۲ ابن ماجہ نور محمد کراچی و حدیث ابی ھریرۃ ذکرہ ابن ماجہ باب الضوء مما غیرت النار میں جلد ۱ ابن ماجۃ صفحہ ۳۷۔ اور حادیث صفحہ ۴۴ سے صفحہ ۴۸ تک مذکور ہے۔ اور یہ کہ انگلی اٹھانا اور دونوں ہاتھ اٹھانا ایک ہے یہ صفحہ ۵۹ سے ۶۱ تک مذکور ہے۔

(۳) وہ حرکتیں تو نماز میں فرائض ادا کرنے کے لیے اور یہ آپ بتائیے کہ تشہد میں یہ حرکت کون سے فرض ادا کرنے کے لیے ہے کہ اس کے بغیر وہ فرض ادا نہیں ہوتا؟ کیوں کہ نماز مرکب ہے مقاصد اور وسائل سے اور اشارہ نماز میں نہ مقاصد سے ہے اور نہ وسائل سے ہے۔

یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وتر کی حدیث بیان کی تو ابی مجلز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بتایئے اگر مجھ پر نیند غالب ہوئی اور میں سو گیا تو تیسری رکعت کیسے ادا کروں گا تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ آپ اپنی یہ رائے آسمان کے ستارے میں رکھدیں یعنی حدیث شریف سے آپکی رائے اتنی بعید اور دور ہے جتنا ستارہ، آپ کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں حدیث کے مقابلہ میں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ ایک عام قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ مقابلہ مکروہ جانتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس پر باتیں بند کر دیں اور تا وفات ان کے ساتھ باتیں نہ کی۔ اور حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرمایا کہ اے بھتیجے! جب آپ حدیث سن لیں تو اس کے توڑ کے لیے مثالیں بیان نہ کریں اس طرح عمران بن حصین وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

شیخ محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی نے لکھا ہے:

اعلم ان فی تاریخ۔ دیابکر۔ أن رفع الیدین سنة ابراھیمیة۔ و جرہ الشافعیة الی مذھبھم و حملہ الحنفیة علی التحریمة و ھو عندی خارج عن موضع النزاع، لان ما ذکرہ من رفع یدیہ ھو الرفع فی الدعاء فنقلوہ الی الصلاۃ من عجلة تعتری المرء عند الظفر بالمقصود۔ فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۳۳ آگے جا کر باب الشاۃ التی سمت الخ میں تحریر کیا ہے۔ فکان یشیر عند دعائہ الی تجرید أیضاً و اعلم مر فی ھذا الحدیث ص ۳۴۵ جلد ۲ رفع یدیہ او اصبعہ۔۔۔ و فیہ فائدة مھمة ینبغی الاعتناء بھا، و ھی ان فیہ اشارة الی أن رفع الاصبع أیضا من صور الدعاء و لذا عدہ الشیخ ابن الھمام صورة من صورھا فجوزہ فی شدة البرد و عند الترمذی فی باب ما جاء فی کراھیة رفع الأیدی علی المنبر فی الدعاء أن بشر ابن مروان خطب۔ فرفع یدیہ فی الدعاء فقال عمارة قبح اللہ ھاتین الیدین القصیرتین، لقد رأیت رسول اللہ ﷺ و ما یزید علی أن یقول ھکذا و اشار ھیثم بالسبابة اھ و حملہ بعضھم علی أن الرفع کان للتفھیم علی ماعرفوہ من عادة الخطباء، و ذلک لعدم علمھم بکونہ صورة من صور الدعاء ایضاً لفقدان العمل، و انقطاع التعامل و الصواب عندی أنہ کان للدعاء کما بوب بہ الترمذی و کذلک عند البیھقی کیف! و فی الحدیث تصریح بأن الرفع کان للدعاء و لیحفظ قول الترمذی فان فیہ تصریحاً بذلک اھ فیض الباری شرح بخاری ۴ جلد ۱۴۳

ترجمہ: جان لو کہ تاریخ دیار بکر میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا سنت ابراہیمی ہے اس کو شافعیہ حضرات نے اپنی طرف یعنی اپنے مذہب کی طرف کھینچا ہے اور احناف نے کہا کہ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا ہے اور یہ میرے نزدیک نزاع کے مقام و محل سے باہر ہے اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لیے کہ مذکورہ تاریخ نے جو ذکر کیا ہے ہاتھ اٹھانے کے بارے میں وہ صرف دعا میں ہاتھ اٹھانا ہے تو انہوں نے نماز میں منتقل کیا ہے کہ انسان اپنی مراد پانے میں اور گھیر لینے میں جلدی کرتے ہیں۔

تو اپنی دعاء کے وقت اشارہ کرتے تھے اس میں تجرید کے قاعدے کی طرف گئے ہیں جان لو کہ اس حدیث میں جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ گزر گیا ہے کہ ہاتھ اٹھایا یا انگلی اور اس میں فائدہ مند مشن ہے اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انگلی اٹھانا بھی دعا کی صورتوں میں سے ہے یعنی یہ بھی دعا کی شکل ہے اس طرح علامہ ابن الھمام نے اس کو دعا کی اقسام میں شمار کیا

ہے۔ کہ دعا کے اقسام میں سے ایک قسم ہے سردی کی زیادت کے وقت اس کو جائز قرار دیا ہے اور ترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ رفع الأیدی علی المنبر فی الدعاء یعنی منبر پر دعا کرنے کے وقت ہاتھ اٹھانے کی کراہیت میں ذکر کیا کہ بشر ابن مروان نے یقینا خطبہ دیا اور دعا میں ہاتھ اٹھایا تو عمارہ نے فرمایا کہ اللہ پاک ان کو تاہ ہاتھوں کو مونڈا کرے میں نے یقینا حضور ﷺ کو دیکھا ہے اس پر اضافہ نہیں کہ اشارہ کریں اس طرح اور ہیثم نے مسبحہ پر اشارہ کیا۔ اور بعض نے اس کو تفہیم پر حمل کیا ہے کہ رفع سمجھانے کے لیے کیا تھا اس بنا پر کہ انہوں نے خطباء کی عادت کے مطابق یہ کہا اور یہ ان کے بے علمی کے وجہ سے ہے کہ ان کو یہ علم نہ تھا کہ یہ دعا کی اقسام میں سے ایک قسم بھی ہے عمل کے فقدان اور تعامل کے ختم ہونے کے وجہ سے اور میرے نزدیک صحیح اور حق یہ ہے کہ یہ دعا کے لیے تھا اور امام ترمذی نے اس کے لیے باب رکھ دیا ہے اور اس طرح بیہقی نے بھی۔ کیوں ایسا نہ ہو اور حدیث شریف میں اس پر تصریح موجود ہے کہ رفع ایدی دعا ہی کے لیے تھا۔ اور ترمذی کا لفظ یاد رکھو کیوں کہ اس میں اس کی تصریح موجود ہے اھ۔

مطلب: جس طرح شاہ صاحب نے تصریح کی اور مدلل وضاحت کی کہ یہ رفع دعا ہی کے لیے تھا جس طرح صحیح ابن حبان سے بھی یہ تصریح گزری ہے۔ اور **جوھر النقی فی ذیل سنن کبریٰ للبیھقی فی روایۃ لہ و اشار بالسبابۃ یدعو افذکر الدعا دلیل علی انہ ذلک کان فی آخر الصلوٰۃ فرد تاویل البیھقی بانہ وارد فی التشھد اھ** اور ابن الھمام سے فتح القدیر میں اور مراقی الفلاح میں سے گزرا ہے کہ یہ نماز ہی میں منسوخ ہوا ہے۔

توضیح السنن میں عبد الحق حقانی نے ذکر کیا کہ امام طحاوی کا رجحان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ کے نسخ کے ساتھ رد سلام بالاشارہ بھی منسوخ ہو گیا۔ توضیح السنن صفحہ ۲۶۵ مطبوع القاسم اکیڈمی یہی وجہ ہے کہ محققین احناف اس کو نماز میں حرام بتاتے ہیں۔

توجہ الی القبلۃ: جس طرح کئی آیات میں حکم الٰہی نماز میں **توجہ الی القبلۃ** مذکورہ ہوا ہے یہ آیت مبارکہ بھی اس پر دال ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ الخ الاعراف پارہ ۸ آیت نمبر ۲۹۔

قال غیر واحد المعنی توجھوا الی الجھۃ التی أمرکم اللہ تعالیٰ بالتوجہ الیھا فی صلاتکم و ھی جھۃ الکعبۃ، و الأمر علی القولین للوجوب اھ۔

پہلا قول یہ ہے: **ای فی وقت کل سجود کما قال الجبائی او مکانہ کما قال غیرہ فعند بمعنی فی و المسجد اسم زمان او مکان بالمعنی اللغوی الاروح المعانی جلد ۸ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ امدادیہ ملتان۔**

یعنی اول قول کے مطابق جبائی معتزلی نے کہا کہ عند لفظ فی کے معنی پر ہے اور مسجد اسم زمان یعنی ہر سجدہ کے وقت۔ لفظ کل مضاف ہے مسجد نکرہ کو اور جب کل کی اضافت نکرہ کو ہو تو افراد کا احاطہ واجب کرتا ہے۔ (**غایۃ التحقیق وغیرہ**) اور دیگر علماء نے فرمایا کہ مسجد اسم مکان ہے یعنی ہر جگہ نماز میں رو بہ قبلہ ہو۔ مگر بہت سے علماء نے فرمایا کہ معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرف کو منہ

کریں جس طرف اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز میں توجہ کا حکم دیا ہے جو کہ کعبہ شریفہ ہے۔ اور دونوں اقوال کی بنا پر حکم الٰہی وجوب کے لیے ہے۔ یہ تو مخالفین بتائیں کہ نماز میں خلاف واجب کام کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

دوسری وجہ یہ ہے: اگرچہ اس میں بظاہر چار انگلیاں قبلہ سے پھیر دینا ہے مگر حقیقتاً و حکماً یہ سارا بدن قبلہ سے پھیرنے کے حکم میں ہے۔ عنایہ بر فتح القدیر میں ہے۔ **انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل** جب جزء قبلہ سے پھیر دیا اور وہ روبہ قبلہ نہ ہوا تو اس سے یہ لازم ہوا کہ سارا جسم روبہ قبلہ نہ ہوا۔ اس کی تفصیل وجگہ سابقہ اوراق میں گزری ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ جلد ا صفحہ ۸۸ عنایہ۔

ضروری وضاحت: حضور ﷺ کے زمانۂ نبوت ۲۳ سالہ دور میں سے ثابت کرو کہ جب کوئی اسلام لاتا تو تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے ساتھ ساتھ اشارہ انگلیوں سے بھی کرتے تھے۔

مفسرین، محدثین، فقہاء اور علماء علم عقائد نے اس اہم مسئلے کو کہاں ذکر کیا۔ نہ ایمان مفصل میں مذکور ہے اور نہ ایمان مجمل میں کیوں کہ ایمان مجمل ہے: **اقرار باللسان و تصدیق بالقلب** آیا ہے۔

زبان سے اقرار کرتا ہوں اور دل سے تصدیق کرتا ہوں۔ ایمان مفصل اور ایمان مجمل دونوں میں **اشیر بالبنان** نہیں ہے کہ انگلی سے اشارہ کرتا ہوں تو نماز جس کا دارومدار سکون اور وقار پر ہے اس میں یہ اضافہ کہاں سے آیا اور جس سے نماز کا سکون اور وقار پاش پاش ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ اس میں یعنی اشارہ سے نماز میں خلاف وعدہ کام کرنا ہے۔ جب نماز کے علاوہ شرعاً وعدہ خلافی ممنوع ہے تو نماز میں کس طرح جائز ہوگی۔

اس میں یعنی اشارہ کرنے میں ایمان مفصل کی بھی تکذیب ہے اور ایمان مجمل کی بھی۔ **فافھم**۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں متعدد آیات میں اگر ایک طرف ہوا پرستی سے ہمیں منع کیا ہے تو دوسری طرف کئی آیات میں ہمیں ہوا پرستوں کی تابعداری سے بھی منع کیا ہے۔ جیسا کہ گزرا ہے۔ **النبی ﷺ و اصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کانوا یقنعون من المؤمن بکلمۃ الشھادۃ و یحکمون بایمانہ**۔ یعنی نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ طریقہ اور عادت تھی کہ مومن سے کلمہ شہادۃ پڑھنے پر خوش اور قانع ہوتے اور اس کے ایمان کا حکم دیتے تھے۔ شرح عقائد صفحہ ۹۱ جلد ا مطبع شوکۃ الاسلام لکھنوء اور نبراس صفحہ ۳۹۷ و بیان الواعظ فی حل شرح العقائد ص ۱۵۱-۱۴۹ و شرح مقاصد ج ۳ ص ۴۲۲ پر ایک قابل توجہ نکتہ ہے بے توجہی پر افسوس۔ **و نحن قاطعون بان النبی ﷺ و من بعدہ الخ**۔

شیخ الاجل الامام فرید الدھر وحید العصر الفقیہ الامجد طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری کے بارے میں علامہ عبد الحی الکھنوی نے تحریر کیا ہے: **کان عدیم النظیر فی زمانہ فرید أئمۃ الدھر شیخ الحنفیۃ بما وراء النھر من اعلام المجتھدین فی المسائل المتوفی**

۵۴۲ ھ وھو (اے کتاب خلاصۃ الفتاوی) کتاب معتبر عندالعلماء معتمد عند الفقھاء ماخوذ من فوائد البھیۃ صفحہ ۸۴ نور محمد کراچی۔

یعنی بڑا کامل شیخ یکتائے دھر وزمان بڑا فقیہ اپنے زمانہ میں مثل نہ رکھنے والا اپنے وقت کے ائمہ میں یکتا ماء وراء النھر کے علماء احناف کے شیخ، مجتہدین مسائل میں بڑا شخص، اس کی تصنیف خلاصۃ الفتاوی علماء کے ہاں معتبر اور فقہاء کے نزدیک با اعتماد کتاب ہے۔

آپ نے اپنے اس فتاویٰ میں تحریر کیا ہے۔ **روی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا ینبغی للجاھل ان یتکلم عندالعالم او یشیر بیدہ۔ خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ صفحہ ۳۲۷۔ مطبع منشی نور لکشور لکھنو۔ در ۱۳۲۹ ھ بہ مطابق ۱۹۱۱ م**

و ایضاً فیہ:۔ و فی الشافی التقدم علی العلماء معصیۃ کبیرۃ کما جاء فی الحدیث من تقدم علی العلماء فھو ملعون ھکذا فی الفتاوی۔ خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ صفحہ ۳۲۷

یرضیٰ بھا کل من کانت سریرتہ۔ تقویٰ الالٰہ و کل الخیر مصطنع۔

صاحب خلاصہ کی یہ عبارت "**لا ینبغی**" یہاں بمعنی یحرم ہے جس پر دلیل اس کا متصل یہ بیان کرنا ہے کہ علماء پر تقدم گناہ کبیرہ ہے۔ اس لیے معنی یہ ہے کہ عالم کے روبرو غیر عالم کی باتیں کرنا اور یا اس کو ہاتھ سے اشارہ کرنا حرام ہے۔

شافی میں ہے کہ عالم سے تقدم گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے علماء سے تقدم کیا تو وہ ملعون ہے اس طرح خلاصہ میں ہے۔

نتیجہ: تو جب ایک عالم کو ہاتھ سے اشارہ کرنا حرام ہے اس لیے کہ یہ اس کی توہین ہے تو پھر اللہ جل و علیٰ کو اشارہ کرنا پھر نماز میں جس کا دارومدار سکون اور وقار پر ہے کس بنا پر اللہ کو اشارہ جائز ہو سکتا ہے؟

تفسیر معارف القرآن اس آیت: **لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ الایۃ** کے تحت رقمطراز ہیں: بعض علماء نے فرمایا ہے کہ علماء و مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیوں کہ وہ وارث انبیاء علیہم السلام ہیں اور دلیل اس کی یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے الخ (از روح البیان از کشف الاسرار) معارف جلد ۸ صفحہ ۱۰۰

اس طرح **لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** کے تحت لکھا ہے:

مسئلہ: جس طرح تقدم علی النبی کی ممانعت میں علمائے دین بہ حیثیت وارث انبیاء ہونے کی داخل ہیں اسی طرح رفع صوت کا بھی یہی حکم ہے کہ اکابر علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے اُن کی آواز دب جائے۔[1303]

آگے جاکر لکھتے ہیں: تقدم اور رفع صوت اگر چہ بقصد ایذا نہ ہو پھر بھی اُن سے ایذاء کا احتمال ہے اسی لیے اُن کو مطلقاً ممنوع اور معصیت قرار دیا ہے۔ تقدم علی النبی اور رفع الصوت ایسی معصیت ٹھہریں کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہو جائے اور یہ خذلان آخر کار کفر تک پہنچادے جس سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں اور کرنے والے نے چوں کہ قصداً ایذا نہ کیا تھا اس لیے اس کو اس کی خبر نہ ہو گی کہ اس ابتلاء کفر اور حبط اعمال کا سبب کیا تھا۔ الخ۔[1304]

حکم الٰہی کا ٹھٹھا کرنا:

اگر کسی کو کہا گیا کہ حکم الٰہی ہے کہ نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کیا کریں تو اس نے کہا کہ سجدہ میں ناک کے ساتھ کیا کروگے۔ یہ حکم الٰہی قرآن کریم میں چھ بار مذکور ہے اور اس لیے اس کا ٹھٹھا کر دیا تو اگر چہ اس نے تجدید اسلام تو کیا ہو گا مگر اس کے لیے لازمی ہے کہ تجدید اسلام کے ساتھ ساتھ تجدید نکاح بھی کرے اور حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بعد میں آئے گا۔

صاحب شامی اقسام علم میں تحریر فرماہیں: **وعلم الالفاظ المحرمة أو المكفرة ولعمری هذا من اهم المهمات فی هذا الزمان لانک تسمع کثیرا من العوام یتکلمون بما یکفرو هم عنها غافلون والا حتیاط أن یجدد الجاهل ایمانه کل یوم ویجدد نکاح امرأته عند شاهدین فی کل شهر مرة او مرتین اذا الخطاء وان لم یصدر من الرجل فهو من النساء کثیر: ردالمختار جلد ا صفحه ۳۲ مصری۔**

یعنی حرام کرنے والے اور کافر کرنے والے الفاظ کا علم حاصل کرے اس ذات پر قسم جس نے مجھے عمر دی ہے اس زمانہ میں اہم اور ضروری سے ضروری کاموں میں سے ہے کیوں کہ آپ بہت سے عوام الناس سے سنتے ہیں ان الفاظ پر باتیں کرتے ہیں جس سے وہ کافر ہوتے رہتے ہیں اور وہ اس سے غافل ہی ہیں۔

احتیاط اس میں ہے کہ مذکورہ علم سے ناواقف ہر روز اپنا ایمان کا تجدید کریں اور ہر مہینے میں ایک یا دو بار اپنے بیوی سے دو گواہوں کے موجودگی میں نکاح کا تجدید کرے۔ کیوں کہ خطا اگر مرد سے نہیں تو عورتوں سے بہت صادر ہوتی ہے۔

استھزاء اور ٹھٹھا کرنا: اللہ جل مجدہ نے ہمیں سورۃ انعام آیت نمبر ۶۸ میں فرمایا ہے: جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

1303 (قرطبی) معارف جلد ۸ صفحہ ۱۰۱

1304 معارف جلد ۸ صفحہ ۱۰۲

ترجمہ: اور اے سننے والے جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منھ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

طعن تَشنیع اِستِھزاء کے ساتھ۔

اور ان کی ہم نشینی ترک کر۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی جس مجلس میں دین کا احترام نہ کیا جاتا ہو مسلمان کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں، اس سے ثابت ہو گیا کہ کُفّار اور بے دینوں کے جلسے جن میں وہ دین کے خلاف تقریریں کرتے ہیں ان میں جانا، سننے کے لئے شرکت کرنا جائز نہیں اور رد و جواب کے لئے جانا مُجالَست نہیں بلکہ اظہارِ حق ہے ممنوع نہیں جیسا کہ اگلی آیت سے ظاہر ہے۔[1305]

تنبیہ بطرز دیگر:

مذکورہ مذاقی کو معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ رکوع مختلف صیغہ سے تیرہ (۱۳) جگہ قرآن کریم میں آیا ہے ملاحظہ ہو۔ (۱، ۲) وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ: بقرۃ آیت نمبر ۴۳۔ وَارْكَعُوا: فعل امر مبنی علی حرف النون۔ الراکعین مضاف الیہ مجرور جمع راکع و ھو اسم فاعل۔

(۳) وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ: بقرۃ آیت نمبر ۱۲۵۔ الرکع جمع راکع اسم فاعل من رکع یرکع باب فتح۔

(۴، ۵) وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ: آل عمران آیت نمبر ۴۳

ارکعی فعل امر علی حذف النون والیاء راکعین جمع راکع و ھو اسم فاعل۔

(۶) وَهُمْ رَاكِعُونَ: المائدۃ آیت نمبر ۵۵

راکعون: جمع راکع و ھو اسم فاعل۔

(۷) الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ: التوبہ آیت نمبر ۱۱۲

اراکعون جمع راکع و ھو اسم فاعل

(۸) وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ: الحج آیت نمبر ۲۶

الرکع: جمع راکع اسم فاعل کمامر۔

[1305] (کنزالایمان تفسیر خزائن العرفان)

(۹)ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا: الحج آیت نمبر ۷۷۔ ارکعوا۔ فعل امر

(۱۰)وَخَرَّ رَاكِعًا: ص آیت نمبر ۲۴: راکع۔ اسم فاعل

(۱۱)رُكَّعًا سُجَّدًا: فتح آیت نمبر ۲۹

رکعا حال من مفعول تراھم۔ اسم فاعل

(۱۲)وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ: المرسلات آیت نمبر ۴۸

ارکعوا۔ فعل امر

(۱۳)لا یرکعون: یرکعون جمع یرکع مضارع۔

اس میں صرف چار بار امر کے لیے آیا ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا یعنی اللہ جل مجدہ نے قرآن کریم چار بار ہمیں رکوع کرنے کا حکم دیا۔

لفظ سجدہ: لفظ سجدہ مختلف صیغوں سے کئے بار قرآن میں مذکور ہے۔ ۵۵ دفعہ ہم ان میں سے صیغۂ امر سے آنے کا انتخاب کرتے ہیں۔

۱۔ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا: بقرۃ آیت ۳۴۔ اسجدوا فعل امر ہے۔

۲۔ وَاسْجُدِي: آل عمران آیت نمبر ۴۳ فعل امر۔

۳۔ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا: الاعراف آیت نمبر ۱۱ فعل امر ہے۔

۴۔ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ: الحجر آیت نمبر ۹۸ فعل امر ہے۔

۵۔ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا: سورۃ الکھف آیت نمبر ۵۰۔ اسجدوا امر ہے۔

۶۔ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا: طٰہٰ آیت نمبر ۱۱۶۔ اسجدوا امر ہے۔

۷۔ ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا: الحج آیت نمبر ۷۷ اسجدوا امر ہے۔

۸۔ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا: الاسراء آیت نمبر ۶۱ اسجدوا امر ہے۔

۹۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ: الفرقان آیت نمبر ۶۰ اسجدوا امر ہے۔

۱۰۔ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ: حٰمٓ السجدہ (فصلت) آیت نمبر ۳۷ امر ہے۔

۱۱۔ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ: سورۃ الانسان (الدھر) آیت نمبر ۲۶ فاسجد امر ہے۔

۱۲۔وَاسْجُدْوَاقْتَرِبْ: العلق آیت نمبر ۱۹ وَاسْجُدْ امر ہے۔

حاصل کلام: یعنی سجدہ کرنے کا امر تیرہ بار آیا ہے۔

باقی رہا قیام: نماز میں قیام:

وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ البقرۃ آیت نمبر ۲۳۸ پارہ ۲

قوموا: صیغۂ جمع امر حاضر ہے اور قانتین کا مختلف معانی مفسرین نے بیان کی ہے۔ وَقُومُوا لِلّٰهِ قَنِتِينَ، فأمروا بالسكوت: والمعنى وقوموا في الصلوٰة: تفسیر البحر المحیط جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

(۲) فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ: النساء نمبر ۱۰۲ پارہ ۵

الفاظ رابطة لجواب اذا (اللام) لام الأمر تقم مضارع مجزوم بلام الأمر، الجدول فی اعراب القرآن و صرفه و بیانه جلد ۲ صفحہ ۱۵۰۔

(۳) وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ آیت نمبر ۲۹ پارہ ۸ الاعراف والامر۔۔۔ للوجوب: روح المعانی جلد ۸ صفحہ ۱۰۷

(اقیموا) فعل أمر مبنی علی حذف النون۔ الجدول فی اعراف القرآن و صرفه و بیانه جلد ۴ صفحہ ۳۸۹۔

نتیجہ: مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ رکوع کا امر ہمیں قرآن کریم میں چار دفعہ ہوا ہے اور سجدہ کا امر تیرہ دفعہ اور قیام کا تین بار مذکور ہوا۔

(۴) تین دفعہ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ مذکور ہیں۔ یونس آیت نمبر ۱۰۵ اور روم آیت ۳۰ اور صفحہ ۴۳۔

مقاصد: نماز میں قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ مقصودی امور میں سے ہیں نہ کہ وسائل سے۔ اور نماز مقاصد اور وسائل سے مرکب ہے۔ کما فی الکتب المعبترۃ ایک اعتبار سے قیام اور رکوع وسائل میں سے ہیں اور سجدہ مقاصد میں سے ہے اور دوسرے اعتبار سے قیام اور رکوع مقاصد ہیں اور اس کیلئے جو حرکات وغیرہ وہ وسائل سے ہیں اسی طرح قعدہ وسائل سے ہے سلام کیلئے اور سلام مقاصد میں سے ہے توجہ الی القبلہ کی طرح مذکورہ مقاصد بغیر عذر شرعی ساقط نہیں ہوتے۔ قیام میں بدن کا اہم جزء یعنی دل روبہ قبلہ ہوتا ہے باقی تابع ہیں اور رکوع میں بدن کے دونوں اعضاء دل و دماغ روبہ قبلہ ہوتا ہے۔ سجدہ میں بھی دل و دماغ دونوں روبہ قبلہ ہوتے ہیں اور قعدہ میں دل روبہ قبلہ ہوتا ہے۔ اور باقی اعضاء اس کے تابع ہیں اور یہ خصم بتائیں گے کہ قعدہ کی حالت میں اشارہ وسائل سے ہے یا مقاصد سے؟ منافقین کے عمل سے پرہیز۔

منافقین کے عمل سے پرہیز:

کہ اگر ایک حکم شرعی کے ساتھ استہزاء کرے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ الایۃ الخ۔

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔

شانِ نُزول: غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے منافقین کے تین نفروں میں سے دو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت تمسخُراً کہتے تھے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ روم پر غالب آجائیں گے، کتنا بعید خیال ہے اور ایک نفر بولتا تو نہ تھا مگر ان باتوں کو سن کر ہنستا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا ہم راستہ کاٹنے کے لئے ہنسی کھیل کے طور پر دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازِل ہوئی اور ان کا یہ عذر و حیلہ قبول نہ کیا گیا اور ان کے لئے یہ فرمایا گیا جو آگے ارشاد ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ جب ایک حکم شرعی سن لیں اور اس کے خلاف حکم شرعی ہمیں معلوم نہ ہو تو اپنے ہوائے نفسی سے اس کو رد کرنے سے پرہیز کریں۔

فصل:

اس فصل میں محققین محدثین کا خشوع اور سکون کے بارے میں مختصر بیان کرنا ہے: **السکون ھو طریق ما اجمع علی طلبہ فی الصلاۃ اعنی الخشوع۔** آگے جا کر لکھتا ہے۔ **ان المطلوب من الشرع عدم الحرکۃ فی الصلاۃ و مبناھا السکون و الخشوع کما ھو شاکلۃ الخدام و العبید و الغلمان بین ایدی ساداتھم بالاستکانۃ و القرار بلا حرکۃ علی حسب عادتھم اعلاء السنن لعلامہ ظفر احمد العثمانی التھانوی جلد ۲ ص ۸۵۰۔**

سکون سے مراد خشوع ہے یہ وہ طریقہ ہے کہ نماز میں اس کے کرنے پر اجماع ہے۔ شریعت سے مطلوب نماز حرکت نہ کرنا ہے جس کا دارومدار سکون اور خشوع ہی پر ہے جیسا کہ یہ خدمت کرنے، غلاموں اور لڑکوں کی روش و طریقہ ہے اپنے سرداروں کے آگے اپنی عادت کے مطابق عاجزی، انکساری بغیر حرکت کے کرتے ہیں۔

السکون الذی ھو طریق ما أجمع علی طلبہ فی الصلوٰۃ أعنی الخشوع اھ صفحہ ۲۳۷ کما فی القرآن (قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (۲)) سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۱ و ۲۔ و الخشوع المطلوب فی الصلاۃ ھو السکون الذی امر بہ النبی ﷺ بقولہ: اسکنوا فی الصلاۃ۔

قال الحافظ فی الفتح: و الخشوع تارۃ یکون من فعل القلب: کالخشیۃ و تارۃ من فعل البدن کالسکون۔ و قیل: لا بد من اعتبارھما حکاہ الفخر الرازی رحمہ اللہ فی تفسیرہ و قال غیرہ ھو معنی یقوم بالنفس، یظھر عنہ سکون فی الاطراف، یلائم مقصدو

العبادة ويدل على أنه من عمل القلب حديث علي رضي الله تعالىٰ عنه الخشوع في القلب أخرجه الحاكم وأما حديث: لو خشع هذا خشعت جوارحه ففيه اشارة الى ان الظاهر عنوان الباطن، اهو روى البيهقي باسناد صحيح عن مجاهد قال: كان ابن الزبير اذا قام في الصلاة كانه عودا وحدث ان ابابكر الصديق كان كذلك قال و كان يقال ذاك الخشوع في الصلاة اهـ۔۔ فزينة الصلاة الترك الذي هو السكون لا الرفع فبهذا يترجح ما ذهب اليه الاحناف رحمهم الله تعالىٰ۔ موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم بن الحجاج القشيري علیہ الرحمۃ تاليف الشيخ، شبير احمد العثماني رحمه الله تعالىٰ تعليقات العلامة المفتي محمد رفيع العثماني جلد ۳ صفحه ۲۳۷ اور اس سے قبل تحریر کیا ہے: أن المقصود الاصلي في الصلاة السكون والحركة انما تقع لضرورة، والضرورات تقدر بقدرها صفحه ۲۳۶

وقدمر أن الخشوع هو المطلوب الأصلي في جمع أجزاء الصلاة جلد ۳ صفحه ۳۴۱۔

والمفهوم من معاني الآثار أنه عليه السلام كان يشير لرد السلام ثم صار منسوخاً مشمولاً بنسخ الكلام وقول الطحاوي هذا ليس۔ بيعيد لان الكلام في الصلاة، والاشارة كانت جائزة فيها ثم نسخ الكلام فلعله فسحب على الاشارة ايضاً اهالى ان قال: و قال في آخره: فلما أمر رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالسكون في الصلاة و كان رد السلام بالاشارة فيه خروج من ذلك لأن فيه رفع اليدو تحريك الأصابع ثبت بذلك أنه قد دخل في ما أمر به رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من تسكين الأطراف في الصلوٰة، والله أعلم جلد ۳ صفحه ۳۷۱-۳۷۰ ونسخه اخرى ج ۳ ص ۲۴۶۔ أما التقدم على الامام في الخفض للركوع والسجود فقيل يلتق به من باب الأولى، لان الاعتدال والجلوس بين السجدتين من الوسائل والركوع والسجود من المقاصد و اذا دل الدليل على وجوب الموافقة فيما هو وسيلة فأولى أن يجب فيما هو مقصد اهـ جلد ۳ صفحه ۳۷۵ فتح الملهم: دار الاحياء والتراث العربي بيروت۔

ترجمہ: عبارت اعلاء السنن ہو چکی ہے۔

اب فتح الملهم کے عبارت کا ترجمہ: میری مراد سکون سے وہ خشوع ہے۔ جس کے طلب پر نماز میں اجماع ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ مؤمنین کامیاب ہیں جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ نماز میں خشوع مطلوبہ وہ سکون ہے جس کا حکم حضور علیہ السلام نے اپنے اس قول میں فرمایا ہے کہ نماز میں سکون اختیار کرو۔

حافظ نے فتح میں فرمایا: خشوع کبھی دل کا عمل ہوتا ہے جیسا ڈرنا اور کبھی بدن کا عمل ہوتا ہے: جیسے سکون وعدم حرکت اور کہا گیا ہے دونوں کے معتبر ہونے سے مخلص نہیں اس کو فخر رازی نے اپنے تفسیر میں بیان کیا اور اوروں نے کہا کہ یہ وہ اثر ہے جو نفس سے قائم ہوتا ہے جس سے اطراف میں سکون ظاہر ہوتا ہے (اس کو حضور علیہ السلام نے حدیث میں اشارہ فرمایا کہ بدن میں ایک ٹکڑا ہے جس کی اصلاح فساد سے سارے بدن کا اصلاح اور فساد ہے) جو عبادت کے مقصود کو پہنچتے ہے۔ حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ خشوع دل میں ہوتا ہے۔ اس کو حاکم نے نقل کیا ہے۔

اور یہ حدیث کہ اگر اس میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء خاشع ہوتے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ظاہر باطن کا سرنامہ ہے۔

بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے: ابن زبیر جب نماز پر کھڑے ہوتے تو گویا وہ لکڑی ہوتے اور حدیث بیان کی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسے ہوتے۔ فرمایا: وہ کہتے تھے کہ نماز میں خشوع ہے اھ۔۔۔۔ نماز کی زینت اس کا یعنی حرکت کا ترک ہے جو کہ خلاف سکون ہو نہ کہ اٹھانا اس سے مذھب حنفی اور احناف کو ترجیح حاصل ہے۔ جلد ۳ صفحہ نمبر ۲۳۷

پہلے بیان ہو چکا کہ نماز میں اصلی مقصد سکون ہے اور حرکت صرف ضرورت کے وجہ سے آتی ہے اور ضروریات ضرورت کی مقدار میں کی جاسکتی ہے صفحہ نمبر ۲۳۶۔ اور یہ گزرا ہے کہ مقصد اصلی سارے اجزائے نماز میں خشوع ہی مطلوب ہے۔ ج ۳ ص ۳۴۱۔

معانی الآثار میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جواب سلام کے لیے اشارہ فرماتے تھے نہ کہ توحید کیلئے پھر منسوخ ہوا۔ باتیں کرنے کا نسخ اس کو شامل ہوا اور ساتھ منسوخ ہوا۔ (معانی الآثار اور دیگر کتب معتبرہ سے یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ اختلاف رد سلام کے لیے اشارہ میں ہے اور نفی اثبات کے لیے اشارہ کرنا مجتہدین اربعہ میں سے کسی سے ثابت نہیں اور نہ قرآن وحدیث میں اس کی کوئی اصل موجود ہے) امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام حق سے بعید نہیں۔ کیوں کہ نماز میں باتیں کرنا اور اشارہ کرنا جائز تھا پھر نماز میں باتیں کرنا منسوخ ہوا تو اشارہ پر بھی جاری ہوا یعنی منسوخ ہوا۔ جب رسول مقبول ﷺ نے نماز میں سکون کا حکم دیا اور سلام کا رد اشارہ سے نماز میں تھا اس میں اس سے نکلنا ہے اس لیے کہ اس میں ہاتھ اٹھانا اور انگلیوں کو حرکت دینا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس چیز کا رسول مقبول ﷺ نے حکم دیا تھا اس میں داخل ہوا وہ نماز میں تسکین اطراف ہے۔ جلد ۳ صفحہ ۳۷۰۔ ۳۷۱ (یہ قول جو ہم نے اس باب میں بیان کیا یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ شرح معانی الآثار جلد ا صفحہ ۳۰۹ ایچ ایم سعید کراچی قبیل باب المرور بین یدی المصلی) اس طرح کتاب الآثار مترجم صفحہ ۷۶ و غیر مترجم ۲۷۔۲۸ رکوع اور سجدہ جانے میں امام سے تقدم تو کہا گیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بہ طریق اولیٰ ملحق ہوتا ہے کیوں کہ اعتدال اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا وسائل میں سے اور رکوع اور سجدہ مقاصد میں سے ہیں۔ تو جب وسائل میں دلیل نے موافقت ثابت کر دی تو مقاصد بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا۔ جلد ۳ ص ۳۷۵ فتح الملھم۔

شیخ ابو الوفا الافغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ:

ان المعلوم من تدرج الأحكام الشرعية انه قد كان في مبادي الاسلام و اوائله تخفيفات كمية و كيفية ثم زادت الأحكام و ترقت يوماً فيوما لا سيما في الصلاة من التشديدات من سدباب الكلام و الحركة و المشي و قلة الركعات و الافعال الكثيرة ورد السلام وغير ذلک ثم نسخت و تشدت و أحكمت الأحكام و أكمل الدين اه شرح كتاب الآثار لمحمد شيخ المذكور دار الكتب العلمية بيروت صفحه نمبر ۲۴۳۔۲۴۴ شيخ ابو الوفاء الافغاني۔ واخرج الترمذي عن عبدالله بن ادريس عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل قال قدمت المدينة قلت لأنظرن الى صلاة رسول الله ﷺ فلما جلس يعني للتشهد افترش رجله اليسرى و وضع يده اليسرى يعني على فخذه اليسرى و نصب رجله اليمنى (ثم قال) هذا حديث حسن صحيح و العمل عليه عند اكثر اهل العلم و هو قول سفيان الثوري و ابن المبارک و أهل الكوفة: (كتاب مذكور صفحه ۲۷۳۔ يقول الكاتب لقد اثبت الترمذي عدم الاشارة في مذهب الاحناف و اكثر اهل العلم و الاشارة قول البعض و بذلک الحديث استدل امام الطحاوي

وغیرھم من الاکابر فافھم۔ ۱۱۳ ۔محمد قال اخبرنا ابو حنیفۃ قال حدثنا معن بن عبدالرحمن عن القاسم بن عبدالرحمن عن ابیہ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: وقروا الصلاۃ یعنی السکون فیھا قال محمد و بہ نأخذ وھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وفی مجمع بحار الانوار فیہ لم یفضلکم ابو بکر بکثرۃ صوم ولا صلاۃ ولکن شئی وقر فی القلب ای سکن فیہ وثبت من الوقار الحلم والرزانۃ وقر یوقر وقارا اھ وفی تلخیص الیسوطی وقر فی القلب سکن فیہ وثبتا۔ وقال الراغب والوقار السکون والحلم الخ من مجمع بحار الانوار (جلد ۱ صفحہ نمبر ۱۳۱) ومنہ قاروا الصلاۃ ای اسکنو فیھا ولا تحرکو ولا تعبثو، اھ کتاب الآثار قلت واخرجہ الامام ابو یوسف فی آثارہ (ص ۵۰) عنہ قد بلغنی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال توقروا فی الصلاۃ واخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود قال قاروا الصلاۃ یقول سکنوا اطمئنوا ورجالہ رجال الصحیح (قلت و ھو عند البیھقی فی سننہ (جلد ۲ صفحہ ۲۸۰) عن الأعمش عن ابی الضحی عن مسروق قال قال عبداللہ) قاروا فی الصلاۃ وفی نسخہ للصلاۃ الخ کتاب الاثار مع تعلیق ابو الوفاء رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۳۰۱ وروی مسلم من طریق تمیم بن طرفۃ عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاۃ الخ الحدیث (ج ۱ ص ۱۸۱) قال النووی وفیہ الامر بالسکون فی الصلاۃ والخشوع فیھا والاقبال علیھا وروی الترمذی من طریق ابن المبارک عن اللیث عن الفضل بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ الصلاۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعھا الی ربک مستقبلا ببطونھما وجھک وتقول یارب یارب ومن لم یفعل ذلک فھو کذا وکذا قال ابو عیسیٰ وقال غیر ابن المبارک فی ھذا الحدیث من لم یفعل ذلک فھو خداج اھ (ص ۸۲) الخ (الیٰ ان قال) قال ابو الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ (ینبغی للرجل اذا دخل فی صلاۃ ان یخشع فیھا فان اللہ تعالیٰ مدح الخاشعین فی صلاتھم فیکون منتھی بصرہ الی موضع سجودہ۔۔۔ اما الخشوع لقولہ تعالیٰ "الذین ھم فی صلاتھم خاشعون وروی ان النبی ﷺ رأی رجلا یعبث بلحیتہ فی صلاتہ فقال لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ الخ کتاب الآثار مع تعلیق ابو الوفا الافغانی صفحہ ۳۳۰، ۳۰۱ و ۳۰۲

ملتقطاً وقول الحلوانی رحمۃ اللہ علیہ: منفردات الحلوانی مثل قولہ فی تسمیۃ الذبح بسم اللہ اللہ اکبر ولا یقول واللہ اکبر لانہ یقطع الفور مردودۃ علیہ لانہ اجتھاد فی مقابلۃ النص او مقابلۃ امامہ وکذا اقوال غیرہ من علماء المذھب خلاف صاحب المذھب واصحابہ مردودۃ علیھم لا یصغی الیھا ولیست بحجۃ علی مقلد امام خاص ولا یلزمہ الأخذ بہ وکذلک قول بعض معاصرین فی بعض مؤلفاتہ (الیٰ ان قال) ولو سلم انہ مجتھد فقولہ لا یکون حجۃ لنا صفحہ ۲۶۶ ۔اھ (آگے جاکر تحریر فرماہے) وکذالک لا حاجۃ الی تطبیق قول الحلوانی مع قول الامام وتأویلہ لأن ظاھر قولہ یرد قول الامام وللمقلد ان یقلد امامہ ولا یلتفت الی قول من سواہ ولا یکون قول الغیر حجۃ علیہ حتیٰ یحتاج الی تأویلہ اھ صفحہ ۲۷۱ (وایضاً قال) ومنفردات الحلوانی فی مقابلۃ قول امامہ معروفۃ کتب الفقھہ لا یخفی علی من دارس الفقہ ۔اھ صفحہ ۲۷۱ و ۲۷۲ کتاب الآثار لامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بتعلیق ابو الوفاء فالحق ان اقوال من سواہ من مقلدیہ بقولہ تترک بقولہ وجہ لا یبالی باقوالھم۔ الافغانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: یہ بات معلوم ہے کہ احکام شرعیہ اسلام کے ابتداء اور شروع میں مقدار اور طور طریقے کے لحاظ سے ہلکے تھے۔ پھر یوماً فیوماً (دن بدن) ترقی کرتے ہوئے زیادہ اور کثیر ہوئے۔ خاص کر نماز میں سخت باتیں کرنا حرکت کرنا چلنا اور رکعات کی کم اور زیادہ افعال اور جواب ورد سلام وغیرہ کا دروازہ بند ہوا اور یہ امور نماز میں منسوخ ہوئے اور احکام کو محکم کرکے تشدد ہوا اور دین کو مکمل کیا صفحہ ۲۴۳،

۲۴۴: ترمذی نے وائل سے حدیث نقل کی ہے فرمایا میں مدینہ منورہ آیا میں نے کہا کہ میں ضرور رسول مقبول ﷺ کا نماز دیکھوں گا۔ جب تشہد کے لیے بیٹھا تو بائیں پاؤں پھیلایا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ دیا اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر دیا (پھر کہا) کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے اور یہ سفیان ثوری و ابن المبارک اور اہل کوفہ کا قول ہے۔ (جس میں اشارے کا ثبوت نہیں) یعنی امام ترمذی نے ثابت کر دیا کہ مذہب احناف میں اشارہ کرنا نہیں) صفحہ ۲۷۳ کتاب مذکور اور اس حدیث پر امام طحاوی وغیرہ نے عدم اشارہ پر دلیل پکڑی ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نماز کی تعظیم کرو۔ یعنی سکون سے ادا کرو (اس طرح مجمع بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۱۰۱) امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول (یہ واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ مذہب حنفی میں اشارہ نہیں) مجمع بحارالانوار میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزوں کی زیادتی اور نماز کی کثرت کے وجہ سے یہ فضیلت حاصل نہیں کی مگر آپ کے دل میں تعظیم یعنی سکون تھا اور وقار بردباری اور سنجیدگی تھی اس سے ثابت ہوا۔ وقر ماضی یوقر مضارع وقارا مصدر امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تلخیص میں ہے وقر فی القلب دل میں سکون اختیار کیا اور اس میں ساکن ہوا اور جما رہا۔ راغب نے فرمایا کہ وقار سکون اور بردباری ہے الخ مجمع الانوار جلد ا صفحہ ۱۳۱ میں ہے قاروا الصلوٰۃ یعنی اس میں ساکن رہو اور حرکت مت کرو اور عبث کام مت کرو۔ اھ۔ میں کہتا ہوں اس کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب الآثار میں نقل کیا ہے ص ۵۰ (و نسخہ دیگر صفحہ ۱۲۸) اخرجہ عبد الرزاق ۳۳۰۵۔ ابن ابی شیبہ ۷۳۱۶۔ ۷۳۲۰۔ ۷۳۲۱۔ **قال قاروا الصلاۃ یقول اسکنوا اطمئنوا تحت الخط عنہ**۔ یہ مجھے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچا ہے کہا کہ نماز کی تعظیم کرو فرمایا سکون اور اطمینان سے نماز ادا کرو سند والے صحیح بخاری کی سند کے رجال ہیں اور میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے سنن میں جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ پر بیان کی ہے۔

اعمش سے انہوں نے ابی الضحیٰ سے انہوں نے مسروق سے روایت کی کہا کہ عبد اللہ نماز کی تعظیم کرو اور ایک نسخہ میں کہا کہ نماز کے لیے تعظیم کرو۔ ابو الوفاء صفحہ ۳۰۱ مسلم نے تمیم بن طرفۃ و جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہوں نے کہا کہ ہم پر رسول مقبول ﷺ ایک دن تشریف لائے اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو۔ الحدیث جلد ا صفحہ ۱۸۱ نووی نے فرمایا اس میں نماز میں سکون اور خشوع کا حکم ہے اور اس کے طرف اقبال ہے اور ترمذی نے ابن المبارک سے اور اس نے لیث سے اس نے فضل بن عباس سے روایت کی فرمایا رسول مقبول ﷺ نے، نفل نماز دو دو رکعت ہے ہر دو رکعت میں تشہد ہے خشوع کرنا عاجزی کرنا اور سکون ہے اور ہاتھوں کو اٹھاؤ اپنے رب کیلئے کہ ہتھیلیاں منہ کی طرف ہوں اور کہتے ہوئے اے رب اے رب جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ایسا ہے اور ایک روایت میں مبارک کے علاوہ کہ اس کی نماز ناقص ہے صفحہ ۸۲ ترمذی الخ (یہاں تک کہ فرمایا) ابو الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (جب آدمی نماز شروع کرے تو اس کو چاہئے کہ اس میں خشوع کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں خشوع کرنے والوں کی صفت فرمائی ہے اس کی نظر کی انتہاء سجدہ کی جگہ پر ہو آسمان کو نہ دیکھے نہ سر بلند کرے اور نہ نیچے کرے) خشوع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے وہ لوگ جو اپنے نماز میں خشوع کرتے ہیں (کامیاب ہیں) اور روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی میں عبث کر رہا تھا یعنی ہلا کر خلط ملط کر رہا تھا تو فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء ضرور خشوع کرتے الخ صفحہ ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲ ملتقطاً۔

منفردات حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے منفردات میں سے کچھ یہ ہے۔ مثلاً آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جانور ذبح کرنے پر بسم اللہ اللہ اکبر کہے اور بسم اللہ واللہ اکبر نہ کہے اس لیے کہ یہ عجلت ختم کرتا ہے یہ حکم اس پر رد ہے اس لیے کہ یہ نص قرآنی کا مقابلہ ہے اور یا نص کا مقابلہ ہے یا اپنے امام کا مقابلہ ہے۔ اس طرح دوسرے مذہبی علماء کے اقوال جو کہ صاحب مذہب اور آپ کے اصحاب کے خلاف ہو ان کو واپس کیا جاتا ہے۔ اس کو کان لگا کر نہیں سنایا جاتا ہے یعنی قبول نہیں کیا جاتا اور ایک خاص مذہب کے مقلد پر حجت نہیں اور مقلد کو ضرور نہیں کہ وہ اس کو قبول کرے اور اس طرح ہمارے ہم عصر بعض علماء اپنے بعض مولفات میں درج کردہ مسائل بھی ایسے ہی ہیں۔ (یہاں تک کہ فرمایا) اور اگر یہ مانا جائے کہ یہ مجتہدین ہے تو ان کا قول ہمارے لیے دلیل نہیں صفحہ ۲۶۶ کتاب مذکور (آگے جا کر لکھا ہے) اور اسی امام حلوانی کے قول کا امام صاحب کے قول کے ساتھ اور یا تاویل کی بھی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا ظاہر قول امام صاحب کے قول کی تردید کرتا ہے مقلد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے امام کی تقلید کرے (تاکہ غیر مقلد نہ بنے) اور اپنے امام کے قول کے خلاف کسی کے قول کو التفات نہیں کرے گا۔ اور نہ ان کا قول اس پر حجت ہے تاکہ تاویل کو محتاج ہو۔ اھ۔ صفحہ ۲۷۱ (وایضاً فرمایا) کتب فقہ میں امام حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تفردات اپنے امام کے خلاف معلوم ہے۔ جس نے فقہ پڑھا ہو تو حق یہ ہے کہ اپنے امام کے علاوہ آپ کے مقلدین اپنے امام کے قول پر ان کا قول چھوڑ دیں اور ان کو اپنے امام کے قول پر چھوڑ دیں اور ان کے اقوال کی کوئی پرواہ نہ کریں یعنی خاطر میں نہ لائیں۔ صفحہ ۲۷۲۔ ۲۷۱ کتاب مذکور۔

ابو الوفا الافغانی نے کتاب الآثار کی تعلیق میں ذکر کیا۔ **روی الامام ابو یوسف فی آثارہ (ص ۲۱) عن الامام عن طلحة ابن مصرف عن ابراهیم قال ترفع الأیدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوٰة و افتتاح القنوت فی الوتر و فی العیدین و عند استلام الحجر و علی الصفا و المروة و عرفات و جمع و عند الجمرتین اھ (و نسخه اخری صفحه ۶۷)**

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آثار میں ابراہیم سے نقل کی سات جگہوں میں ہاتھ اٹھایا جاتا ہے نماز کے شروع میں وتر میں قنوت کے شروع میں عیدین میں حجر اسود کے استلام کے وقت وصفا مروۃ میں اور عرفات میں اور مزدلفہ میں اور جمرتین کے ساتھ۔[1306]

1306 (مطبوعہ دار الکتب صدف پلازہ پشاور ص ۶۷ حدیث نمبر ۱۰۱ و حدیث نمبر ۱۰۰ میں فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ارفع یدیک فی التکبیر الاولیٰ فی افتتاح الصلوٰۃ ولا ترفع یدیک فیما سواھا) فرمایا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آثار کے ص ۷۳ میں)

ورواہ الامام الطحاوی فی شرح الآثار جلد ۱ صفحہ ۳۹۱ وقد روی فی ذلک عن ابراھیم النخعی ماحدثنا سلیمان بن شعیب بن سلیمان عن ابیہ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ عن طلحۃ بن مصرف عن ابراھیم النخعی قال ترفع الأیدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلاۃ و بجمع و عرفات و عند المقامین عند الجمرتین ۵۸۲ و کان الحسن لا یرفع یدیہ فی القنوت ویؤمی باصبعہ ثم ذکر عن سعید ابن المسیب والا وزاعی نحوہ صفحہ ۵۸۳ ۔و اما الایماء باصبعہ المراد منہ الاشارۃ بالمسبحۃ مع عقد باقی الاصابع کما فی التشھد عند بعض الأئمۃ لانھا للدعاء مثل رفع الیدین صفحہ ۵۸۳ و لأن ھذا انتقال من حال الی حال یخالفھا فالسنۃ فیھا التکبیر کالانتقال فی سائر الارکان وانما یرفع یدیہ لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام لا ترفع الایدی الافی سبع مواطن الخ ۵۸۴ وروی فرج مولیٰ ابی یوسف انہ کان یشیر بیدہ فی دعاء القنوت لنا قولہ علیہ السلام کفوا ایدیکم فی الصلاۃ ۵۸۴ لان الدعاء الموضوع فی الصلاۃ لا یسن فیہ بسط الید کالتشھد وجہ قول ابی یوسف (ای الروایۃ عنہ) ان بسط الیدمن سنۃ الدعاء بدلالۃ ماروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما رأیت رسول اللہ ﷺ بعرفات باسطایدیہ کالمستطعم المسکین وأمارواۃ الحسن فی الاشارۃ بالاصبع فقد ذکر الحسن فی روایۃ انہ یشیر فی حال التشھد ایضاً وروی عن محمد بن الحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الاشارۃ فی دعاء الرغبۃ ان یجعل بطن راحتہ الی السماء والرھبۃ ان یجعل ظھر کفہ الی وجھہ کالمستغیث والمسألۃ ان یشیر بسبابتہ اھ ۵۸۴ اما قولہ روایۃ الحسن انہ یشیر فی حال التشھد ایضا خلاف ظاھر الروایۃ کما ھو خلاف ظاھر المذھب فی قنوت الوتر قال الامام الطحاوی فی مختصرہ (ص ۲۷) فاذا قعد للتشھد قعد علی رجلہ الیسری مفترشالھا و نصب رجلہ الیمنی واستقبل باصابعھا القبلۃ ثم یبسط کفیہ علی رکبتیہ وینشر اصابعہ ولم یشر بشئی منھا اھ وقال الامام ابو بکر الرازی الجصاص فی شرحہ لہ ولا یشیر بشئی منھا لقولہ ﷺ کفوا ایدیکم فی الصلاۃ واسکنوا فی الصلاۃ اھ وکفی بھما قدوۃ ومعرفۃ للمذھب ۵۸۵ ابو الوفاء الافغانی۔

ترجمہ: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ نے طلحہ بن مصرف رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہ ہاتھ سات جگہوں میں اٹھایا جاتا ہے نماز کے شروع کرنے کے وقت اور مزدلفہ میں اور عرفات وعند المقامین اور دونوں جمرات کے ہاں ۵۸۲ یقیناً حسن دعاء قنوت میں ہاتھ نہ اٹھاتے انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔ پھر سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ اور اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نحوہ۔ صفحہ ۵۸۳ انگلی سے اشارہ سے مراد مسبحہ پر باقی انگلیاں بند کرکے اشارہ جیسا کہ بعض ائمہ کے ہاں ہے مراد ہے یہ رفع یدین کی طرح دعا کے لیے ہے ۵۸۳ کتاب الآثار تعلیق ابوالوفاء الافغانی۔

وجہ یہ ہے کہ یہ ایک حال سے مخالف دوسرے حال کو انتقال ہے تو تکبیر دوسرے انتقالات کی طرح اس میں سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے وجہ سے کہ فرمایا سات مقامات کے علاوہ دوسرے جگہ ہاتھ نہ اُٹھائے الخ ۵۸۴ کتاب مذکور مولیٰ ابی یوسف فرج رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے کہ آپ دعاء قنوت میں ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔

ہمارے لیے دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے۔ نماز میں ہاتھوں کو بند رکھو یعنی اٹھاؤ مت صفحہ ۵۸۴۔ نماز میں جو دعا رکھی گئی ہے تشہد کی طرح اس میں ہاتھ پھیلانا سنت نہیں ہے وجہ ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول (یعنی اس سے روایت) کہ ہاتھ پھیلانا دعا میں سنت

ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مروی روایت کی وجہ سے کہ میں نے رسول ﷺ ہاتھ کو پھیلائے ہوئے دیکھا مسکین کے مستطعم کی طرح جو روایت حسن نے کی ہے انگلی سے اشارہ کی بابت تو حسن نے اپنے روایت میں ذکر کی کہ وہ حالت تشہد میں بھی اشارہ کرتے اور محمد بن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دعاء رغبت میں اشارہ اس طرح ہے کہ ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے اور دعا رہبت ہتھیلیوں کی پشت اپنے منہ کی طرف کرے مستغیث کی طرح اور سوال کرنا ایسا ہے کہ اپنے مسبحہ سے اشارہ کرے ص ۵۸۴ باقی رہا اس کا یہ فرمان کہ روایت ہے کہ حسن حالت تشہد میں بھی اشارہ کرتا یہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے (اس لیے حجت نہیں) جیسا کہ یہ ظاہر مذہب کے بھی خلاف ہے (یعنی اصل مذہب میں اشارہ نہیں) وتر کی قنوت میں امام طحاوی (عالم کامل بر مذاہب) نے اپنے مختصر ۲۷ پر تحریر فرماہے جب تشہد کے لیے بیٹھ جائے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے کہ اس کو پھیلائے ہوئے ہوتے۔ اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے اس کی انگلیوں کو روبہ قبلہ کرے پھر اپنے رانوں پر دونوں ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے رکھ دے اور اپنی انگلیوں کو پھیلائے اور ان میں سے کسی پر بھی اشارہ نہ کرے اھ اور علامہ ابو بکر الرازی الجصاص (مجتہد) نے اس کی اپنی شرح میں فرمایا کہ اس میں سے کسی پر بھی اشارہ نہ کرے رسول اللہ ﷺ کے اس امر کی وجہ سے کہ نماز میں اپنے ہاتھوں کو بند رکھو اور نماز میں سکون کرو۔ اھ۔ یہ دونوں پیشوا و مقتدا ہونے کے لیے اور مذہب حنفی کو پہچاننے کے لیے کافی ہے۔ ص ۵۸۵ لابو الوفاء افغانی تعلیق لکتاب الآثار شبانی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

وضاحت: حدیث شریف: **لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن** سات جگہوں کے علاوہ ہاتھوں کو مت اٹھاؤ۔ فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے کتابوں میں بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً: ہدایہ باب صلوٰۃ الوتر صفحہ ۱۲۸ اور عنایہ علی فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۸ سکھر۔ اور **بدائع الصنائع ترتیب الشرائع لعلامہ کاسانی ملک العلماء المتوفی سنۃ ۵۸۷ھ ایچ ایم سعید کراچی جلد ۱ صفحہ ۲۷۳ ولنا ماروینا من الحدیث المشھور الخ** صفحہ ۲۷۷ ہمارے لیے دلیل حدیث مشہور ہے جس کو ہم نے بیان کیا۔ اھ۔

محیط برحانی جلد ۲ صفحہ ۲۱ اور البنایۃ فی شرح الھدایۃ جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ اور صفحہ ۲۹۱ تحت الخط فی تعلیقہ کذا فی الاصل۔ اور کتاب الاصل بتعلیق ابو الوفا الافغانی جلد ۱ صفحہ ۱۶۴ قلت و فی کم مواطن ترفع الأیدی؟ قال فی سبع مواطن الخ یہ کتاب الاصل میں امام محمد شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح ہے کہ حالت تشہد میں رفع الایدی نہیں یعنی اشارہ کے لیے رفع اصباع نہیں اور شامی جلد ۱ صفحہ ۴۹۲ مصری اور جلد ۱ صفحہ ۳۷۴ شامی مصری اور در مختار جلد ۱ صفحہ ۷۶ اور حاشیہ طحطاوی علی در مختار جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ اور اخراج حدیث الطبرانی اس میں اور نصب الرایۃ جلد ۱ صفحہ ۴۶۹ الحدیث الثامن والثلاثون اور تحقیق احمد شمس الدین تحت الخط مجمع الزوائد (ج ۲۔ ۱۰۲ و مجمع الزوائد (ج ۳۔ ۲۳۸) و اخرجہ عن البزار ج ۱ ص ۳۹۱ اور مصنف ابی شیبۃ اور حاکم (ای المستدرک ۱۔ ۳۲۷) تحت الخط واز سنن الکبری (۵/ ۱۱۷ حدیث نمبر ۹۲۱۰) تحت الخط اور رفع الیدین کے بجائے اشارہ بالمسبحہ کو کافی بتاتے ہیں۔

اشارہ بالمسبحہ برائے اثبات توحید و نفی شرک۔ بوقت التشہد ان لا الہ الخ نہ مذہب حنفی ہے اور نہ اس کا ثبوت امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہے دراصل اختلاف اشارہ برائے رد سلام میں ہے کہ مذہب حنفی میں نہیں اور باقی آئمہ ثلاثہ کے

ہاں ہے علامہ ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں تحریر فرماہیں۔ جلد ۱ صفحہ ۲۷۲ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی و قبض أصابعہ کلھا و اشار الخ و لا شک أن وضع الکف مع قبض الاصابع لا یتحقق۔۔۔۔ و ھو المروی عن محمد فی کیفیۃ الاشارۃ۔۔۔۔ و کذا عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فی الامالی و ھذا فرع تصحیح الاشارۃ (یعنی اشارۃ برائے نفی و اثبات) آپ ﷺ نے اپنی داہنی ہتھیلی اپنی داہنی ران پر رکھ دی اور ساری کی ساری انگلیاں بند کر دیں اور اشارہ کیا الخ۔ امام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگلیاں بند ہونے کے ساتھ ہتھیلی رکھنا متحقق نہیں اور ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجیہ کار آمد نہیں (اپنے امام کے مقابلہ میں۔ آگے لکھتا ہے) یہ اشارہ کی کیفیت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت شدہ ہے۔۔۔ اور اس طرح امالی میں ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ فرع ہے تصحیح اشارۃ کی یعنی اصل میں اشارہ برائے نفی و اثبات نہیں۔ جس کا نوادرات کے بارے میں عمدۃ الرعایہ کی تحقیق گزری ہے۔ اور اس طرح صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے۔ و طریق نقلہ لذلک عن المجتھد أحد أمرین اما أن یکون لہ سند فیہ أو یأخذہ من کتاب معروف تداولتہ الایدی نحو کتب محمد بن حسن و نحوھا من التصانیف المشھورۃ للمجتھدین لانہ بمنزلۃ الخبر المتواتر أو المشھور ھکذا ذکر الرازی فعلی ھذا لو وجد بعض نسخ النوادر فی زماننا لا یحل عزو ما فیھا الی محمد و لا الی أبی یوسف لانھا لم تشتھر فی عصر نا فی دیار نا و لم تتداول اھ جلد ۶ صفحہ ۲۶۵ و مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۱، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶۰، شامی مصری ج ۴ ص ۳۲۹، دراسات فی اصول الحدیث علی منھج الحنفیہ ص ۵۰۰، مدخل لاصول الحدیث ص ۲۵۰، النھر الفائق ج ۳ ص ۶۰۲، بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۰۷، تبنسیق النظام علی مسند الامام ص ۲۴ حاشیہ ۶ میں ہے و النادر ملحق بالعدم اور شرح زیادات ج ۱ ص ۱۰۱ میں ہے۔ انھم لم یشرحوا النوادر لانھم لیس لھم بدلائل النوادر و اصولھا۔ یعنی علماء میں سے کسی نے نوادر کی شرح نہیں لکھی ہے اس لئے کہ انہیں نوادر کے دلائل اور اصول کا علم نہیں۔

یعنی مفتی غیر مجتہد سے نقل کرنے کا دو طریقوں میں سے ایک یہ ہے یا تو اس کے لیے اس مسئلہ کا مجتہد سے سند ہو یا معروف کتاب متداول سے نقل کرنا ہے جیسے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور اس طرح مشہور تصانیف مجتہدین کی کیوں کہ یہ متواتر یا مشہور حدیث کے مرتبہ میں ہیں اس طرح امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اس وجہ سے اگر نوادر کا بعض نسخے پائے جائیں ہمارے زمانہ میں تو اس میں جو مسئلے ذکر کئے گئے ہوں اس کی نسبت نہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو اور نہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کو صحیح ہے۔ کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اور امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اس لیے یہ کتب ہمارے بستیوں میں ہمارے زمانہ میں مشہور نہیں ہوئیں اور نہ متداول ہوئیں۔ (تو وہ مذہب کیسے بنے۔ یعنی وہ کبھی بھی مذہب حنفی ہے ہی نہیں) تو جب نوادر کے مسئلہ کا ان اماموں کو منسوب کرنا صحیح نہیں کہ یہ ان کا قول ہے تو پھر یہ مذہب حنفی بدرجہ اولیٰ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ مذہب حنفی کے ساتھ مذاق ہے کہ اس کو جب نمازی سجدہ میں گھٹنے زمین پر نہ رکھ دے تو امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ یہ جائز ہے فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الفتاوی میں ذکر کیا ہے یہ یہی شاذ روایت ہے ہم اس پر عمل نہیں کرتے جلد ۱ صفحہ ۹۸ کتب علمیہ بیروت۔

جب نوادر کے نہ دلائل معلوم اور نہ اصول معلوم تو پھر وہ حجت کیسے بنے اور مذہب کیسے بنے۔

اس طرح مذکورہ حدیث میں ایسا کوئی نکتہ نہیں جس سے یہ مسئلہ ثابت ہو جائے۔ بلکہ امام مالک اور امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ رد سلام کے لیے تھا اور مذہب حنفی میں یہ منسوخ ہے اس لیے رد سلام اور دعا کے لیے انگلی سے اشارہ نہ کرے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبث بالحصیٰ کے لیے نقل کی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں مستحقین صدقات کے بارے میں ہے۔ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ التوبۃ آیت نمبر ۶۰ زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے (۱۳۷) محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھوڑانے میں اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

جب منافقین نے تقسیمِ صدقات میں سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کیا تو اللہ عزوجل نے اس آیت میں بیان فرمادیا کہ صدقات کے مستحق صرف یہی آٹھ قسم کے لوگ ہیں۔ انہیں پر صدقات صَرف کئے جائیں گے، ان کے سوا اور کوئی مستحق نہیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اموالِ صدقہ سے کوئی واسطہ ہی نہیں، آپ پر اور آپ کی اولاد پر صدقات حرام ہیں تو طعن کرنے والوں کو اعتراض کا کیا موقع۔ صدقہ سے اس آیت میں زکوٰۃ مراد ہے۔

مسئلہ: زکوٰۃ کے مستحق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے مولّفۃ القلوب باجماعِ صحابہ ساقط ہو گئے کیونکہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو اب اس کی حاجت نہ رہی۔ یہ اجماع زمانۂ صدیق میں منعقد ہوا۔

مسئلہ: فقیر وہ ہے جس کے پاس ادنیٰ چیز ہو اور جب تک اس کے پاس ایک وقت کے لئے کچھ ہو اس کو سوال حلال نہیں۔

مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ سوال کر سکتا ہے۔

عاملین وہ لوگ ہیں جن کو امام نے صدقے تحصیل کرنے پر مقرر کیا ہو، انہیں امام اتنا دے جو ان کے اور ان کے متعلقین کے لئے کافی ہو۔

مسئلہ: اگر عامل غنی ہو تو بھی اس کو لینا جائز ہے۔

مسئلہ: عامل سید یا ہاشمی ہو تو وہ زکوٰۃ میں سے نہ لے۔ گردنیں چھوڑانے سے مراد یہ ہے کہ جن غلاموں کو ان کے مالکوں نے مکاتَب کر دیا ہو اور ایک مقدار مال کی مقرر کر دی ہو کہ اس قدر وہ ادا کر دیں تو آزاد ہیں، وہ بھی مستحق ہیں، ان کو آزاد کرانے کے لئے مالِ زکوٰۃ دیا جائے۔ قرضدار جو بغیر کسی گناہ کے مبتلائے قرض ہوئے ہوں اور اتنا مال نہ رکھتے ہوں جس سے قرض ادا کریں انہیں ادائے قرض میں مالِ زکوٰۃ سے مدد دی جائے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بے سامان مجاہدین اور نادار حاجیوں پر صَرف کرنا مراد ہے۔ ابنِ سبیل سے وہ مسافر مراد ہیں جس کے پاس مال نہ ہو۔

مسئلہ: زکوٰۃ دینے والے کو یہ بھی جائز ہے کہ وہ ان تمام اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ دے اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک ہی قسم کو دے۔

مسئلہ: زکوٰۃ انہیں لوگوں کے ساتھ خاص کی گئی تو ان کے علاوہ اور دوسرے مصرف میں خرچ نہ کی جائے گی، نہ مسجد کی تعمیر میں، نہ مردے کے کفن میں، نہ اس کے قرض کی ادا میں۔

مسئلہ: زکوٰۃ بنی ہاشم اور غنی اور ان کے غلاموں کو نہ دی جائے اور نہ آدمی اپنی بی بی اور اولاد اور غلاموں کو دے۔ (تفسیر احمدی و مدارک)

ف: یہ کل آٹھ مصارف ہیں ان کے متعلق یہ مسائل ہیں۔

مسئلہ: مؤلفۃ القلوب کو جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں زکوٰۃ دی جاتی تھی گو وہ مسلمان نہ ہوں مگر ان کے مسلمان ہونے کی امید ہو یا محض ان کے شر وفتنہ سے بچنے کے لیے اور یا مسلمان ہوں مگر غریب نہ ہوں محض ان کو اسلام سے محبت پیدا کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت میں اجماع ہو گیا ان کے عدم استحقاق پر، جو علامت ہے حکم سابق کے منسوخ ہو جانے کی اخرجه ابن ابی شبیة و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابو الشیخ و البخاری فی تاریخه عن ابن جبیر و الشعبی و عبیدة اسلمانی رضی اللہ عنہ کذا فی الدر المنثور۔ البتہ اگر مسلمان اور غریب ہو تو دوسرے اصناف میں داخل ہو جائیں گے۔ اھ۔ ترجمہ کنز الایمان (و اقول ایضاً فیه) و قبض أصابعه کلها۔ المناط فیه السکون۔ (و هو الذی) لا یمکن أن ینقطع حتیٰ ینقطع أصل التکلیف و ذلک عند قیام الساعة۔ فافهم) اگر کوئی غیر حنفی نہ مانے تو نہ مانے۔

مثال دوم: سورة البقرة آیت نمبر ۲۸۲ - ۲۸۳ ابن ماجة ابواب الشهادات باب الاشهاد علی الدین: عن ابی سعید الخدری تلا هذه الاٰیة یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ إِلَی أَجَلٍ مُسَمًّی فَاکْتُبُوهُ وَلْیَکْتُبْ بَیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا یَأْبَ کَاتِبٌ أَنْ یَکْتُبَ کَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْیَکْتُبْ وَلْیُمْلِلِ الَّذِي عَلَیْهِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْئًا فَإِنْ کَانَ الَّذِي عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیهًا أَوْ ضَعِیفًا أَوْ لَا یَسْتَطِیعُ أَنْ یُمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِیدَیْنِ مِنْ رِجَالِکُمْ فَإِنْ لَمْ یَکُونَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَکِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَی وَلَا یَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَکْتُبُوهُ صَغِیرًا أَوْ کَبِیرًا إِلَی أَجَلِهِ ذَلِکُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَی أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَکُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیرُونَهَا بَیْنَکُمْ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَکْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَایَعْتُمْ وَلَا یُضَارَّ کَاتِبٌ وَلَا شَهِیدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِکُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیمٌ (۲۸۲) وَإِنْ کُنْتُمْ عَلَی سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا کَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْیَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَکْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ یَکْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِیمٌ (۲۸۳)۔۔۔ حتے بلغ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا فقال هٰذه نسخت ما قبلها۔ انحاج الحاجة حاشیه نمبر ۳ پر لکھتے هے فانسخ ههنا بمعنی التخصیص الخ ابن ماجه صفحه ۱۷۱ یہاں تک پہنچا: (اور اگر ایسے وقت میں بھی) ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو (اور اس لیے رہن کی ضرورت نہ سمجھے تو) تو فرمایا ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کردہ حدیث میں کہ اس نے ماقبل کو منسوخ کر دیا ہے۔ مجدد عبد الغنی دہلوی نے شرح میں ذکر کیا کہ نسخ سے مراد نسخ اصطلاحی نہیں بلکہ یہاں نسخ تخصیص

کے معنی پر ہے (میں کہتا ہوں کہ تخصیص بھی اقسام نسخ سے ہے جیسا کہ اپنے محل پر مذکور ہے اس حدیث مذکورہ کا حصہ اشارہ نماز میں منسوخ ہے اور قلب الحصی کا حصہ غیر منسوخ۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں **العمل فی الجلوس فی الصلوٰۃ صفحہ ۷۰، ۷۱** پر ذکر کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام جلد ا صفحہ ۳۸۴، ۳۸۵ پر حدیث نمبر ۲۰۰ پر بیان کی ہے اور مسند الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مترجم ۱۸۲ اور صحیح مسلم جلد ا ص ۲۱۶ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں **باب العبث بالحصی فی الصلوٰۃ و مایکرہ من تسویتہ میں صفحہ ۱۰۶** پر لے آئے ہیں۔

عرض یہ ہے کہ اس روایت میں یہ تمام انگلیاں بند کر لیتے تھے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کے ذریعے اشارہ کرتے تھے۔ جس کی تفصیل گزری ہے انگلیاں بند کر لیتے تھے یعنی انگلیاں ساکن ہوتیں اور اشارہ کرتے تھے یہ دلیل ہے کہ ساکن نہ ہوتے بلکہ حرکت کرتے اسلئے ہر عالم یہ محسوس کرے گا کہ اس میں ایک لفظی اور دوسرا معنوی اضطراب ہے اور مضطرب حدیث سے احتجاج نہیں ہو سکتا دوسری بات یہ ہے کہ اس میں تصریح نہیں ہے کہ اشارہ نفی اثبات کیلئے تھا یا کسی اور مقصد کے لئے تھا نہ کتاب الام کوئی میں وضاحت منقول ہے اور نہ دیگر کتابوں میں، اعلاء السنن میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کشف رکبتیہ کی حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں۔

بانہ حدیث مضطرب لایقوم بمثلہ حجۃ یعنی مضطرب حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔ ج ۲ ص ۶۴۷، قلت و بالامکان لایرتفع الاضطراب الالم یبق فی الدنیا حدیث مضطرب فافھم۔ اعلاء السنن ج ۲ ص ۸۷۱، (ھیئۃ جلسۃ التشھد و الاشارۃ) یعنی امکان پر اضطراب ختم نہیں ہو سکتا اگر ایسا نہ ہو تو پھر دنیا میں حدیث مضطرب باقی نہیں رہتی اس کو پہچان لو۔ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ اعلاء السنن ج ۲ ص ۵۷۵ و ص ۶۴۹۔** یعنی جب کسی روایت میں احتمال آجائے تو اس پر دلیل پکڑنا باطل ہو جاتا ہے۔ مضطرب حدیث کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ مقدمہ مشکوۃ ص ۴ و مقدمہ ابن الصلاح اور اس کی شرح التقیید والایضاح ص ۱۲۴ کے ساتھ۔ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ اور **مقدمہ ابن الصلاح النوع التاسع عشر معرفۃ المضطرب ص ۴۲، النکت علی مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۲۳ اور الشذا لضیاح من علوم الابن الصلاح ص ۱۳۷۔**

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نفی اشارہ کیلئے دلیل یہ بیان کی۔ **وعن کثیر من المشائخ لایشیر اصلاً** یعنی جمہور علماء احناف کے ہاں بالکل اشارہ نہ کرے لہذا ان کے مقابلہ میں بعض شاذ علماء کا قول حجت نہیں اور جب عدم اشارہ یا اشارہ نہ کرنا روایت و درایت سے ثابت ہے اس لئے ابن الہمام نے تحریر کیا۔ **ھو خلاف الدرایۃ و الروایۃ۔** کہ درایت اور روایت سے اشارہ کرنا خلاف ہے اس لئے اشارہ مذہب حنفی میں نہیں یعنی اشارہ کرنا درایت و روایت کے خلاف ہے اس لئے اشارہ نہ کرے اور دیگر دلیل عدم اشارہ کیلئے یہ ذکر کی۔ **وعن الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ نقیم الاصبع عند لا الہ وضعھا عند الا اللہ لیکون الرفع لنفی و لوضع للاثبات۔** یعنی حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ **لا الہ** کہنے کے وقت انگلی اٹھائے اور **الا اللہ** کہنے کے وقت اسے رکھ دے تاکہ اٹھانا نفی کیلئے ہو اور رکھنا اثبات کیلئے ہو جائے۔

شاہ انور شاہ کشمیری نے بھی عرف شذی میں تحریر کیا ہے کہ یہ حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے (اوراس کی رائے جیسا کہ گزری ہے کہ مجتہد نہیں، دلیل نہیں اوراگر مجتہد بھی ہو تو امام صاحب کے مقابلہ میں متروک ہے۔) فتح القدیر ج ا ص ۲۷۲۔ پھر آگے جاکر تحریر کیا ہے۔ **فرج مولا ابی یوسف قال رایت مولای ابایوسف اذا دخل فی القنوت للوتر رفع یدیه فی الدعاء قال ابن عمران کان فرج ثقة انتهیٰ و وجهه عموم دلیل الرفع للدعاء ویجاب بانه مخصوص بمالیس فی الصلاة للاجماع علی ان لا رفع فی الدعاء التشهد۔ فتح القدیر ج ا ص ۳۷۵ مطبوعه سکهر۔** یعنی ابویوسف کے مولا فرج نے کہا کہ میں نے اپنے مولا ابویوسف کو دیکھا کہ جب وہ وتر میں دعائے قنوت شروع کرتے تو دعا میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (ابن ابی عمران نے کہا کہ فرج ثقہ تھا۔ انتہیٰ۔) اوراس کی وجہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کی دلیل عام کی عموم ہے۔ اور جواب دیا جاتا ہے کہ یہ اس دعا کے ساتھ خاص ہے جو نماز میں نہیں ہو بلکہ خارج از نماز ہو اجماع کی وجہ سے کہ تشہد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا نہیں۔

الشیخ محمد انور شاہ کشمیری ثم الدیوبندی نے تحریر فرمایا ہے: **واعلم انه مرفی هذا الحدیث صفحه ۳۴۵ جلد ۲ رفع یده أو اصبعه ثم قال فی الرفیق الأعلی۔**

وفیه فائدة مهمة ینبغی الاعتناء بها۔ وهی أن فیه اشارة الی ان الرفع الاصبع أیضاً من صور الدعاء۔ ولهذا عده الشیخ ابن الهمام صورة من صورها فجوزه فی شدة البرد و عند الترمذی فی باب ماجاء فی کراهیة رفع الایدی علی المنبر فی الدعاء [عن حصین بن عبدالرحمن السلمي:] سَمِعتُ عِمارةَ بنَ رُوَیبةَ وبِشْرُ بنُ مَرْوانَ یَخطُبُ، فرَفعَ یَدیْه في الدُّعاءِ، فَقال عِمارةُ: قَبَّح اللهُ هاتَینِ الیَدیْنِ القَصیرَتینِ! لَقد رَأیتُ رَسولَ اللهِ ﷺ، وَما یَزیدُ علی أنْ یَقولَ هَکذا، وأَشارَ هُشَیمٌ بِالسَّبّابةِ. اه (الترمذی ج ا ص ۶۸ فاروقی کتب خانه ملتان)۔ و حمله بعضهم علی ان الرفع کان للتفهیم علی ما عرفوه من عادة الخطباء، و ذلک لعدم علمهم بکونه صورة من صور الدعاء ایضاً و فقدان العمل، وانقطاع التعامل، والصواب عندی انه کان للدعاء کما بوب به الترمذی و کذلک عند البیهقی کیف: و فی الحدیث تصریح بان الرفع کان للدعاء والیحفظ لفظ الترمذی فان فیه تصریحاً بذلک اه فیض الباری علیٰ صحیح البخاری جلد نمبر ۴ صفحه ۱۴۳ کتاب المغازی۔ و لقد مر من اعلاء السنن: أن المطلوب من الشرع عدم الحرکة فی الصلاة و مبناها السکون والخشوع و ایضاً قال السکون الذی هو طریق ما اجمع علی طلبه فی الصلاة أعنی الخشوع جلد ۲ صفحه ۸۵۰

علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا کہ یہ حدیث گزری ہے۔ ہاتھ یا انگلی کو اٹھایا پھر فرمایا کہ رفیق الاعلیٰ سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس میں بہت اہم فائدہ ہے۔ اس طرف توجہ کرنا چاہئے۔ یقینا انگلی اٹھانا بھی دعا کے طریقوں میں سے ہے۔ اس وجہ سے شیخ ابن الھمام نے اس کو دعا کے طریقوں میں سے ایک طریقہ شمار کیا۔ (جس کا تذکرہ مختلف کتابوں میں سے گزرا ہے) تو سختی کے حالت میں اس کو جائز کیا۔ ترمذی میں باب ہے اس کے بیان میں جو منبر پر دعا کرنے میں ہاتھ اٹھانے کی کراہیت کے بارے میں آئے ہیں کہ بشر بن مروان نے تقریر میں خطبہ دیتے ہوئے ہاتھ اٹھایا تو عمارۃ نے فرمایا، بددعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان چھوٹے ہاتھوں کو برباد کرے۔ یقینا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اس طرح اشارہ سے زیادتی نہیں کی اور ہشیم نے مسبحہ پر اشارہ کیا اہ۔ اور بعض نے اس کو تفہیم پر محمول کیا ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے خطباء کے عادۃ

یہی پہچانی۔ اور یہ اس وجہ سے کہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ایک شکل ہے دعا کے طریقوں میں سے بھی اس پر عمل کے کمی کے وجہ سے اور تعامل ختم ہونے کے وجہ سے اور میرے ہاں حق یہ ہے کہ یہ اٹھانا دعا کے لیے تھا۔ جیسا کہ ترمذی نے اس پر باب منعقد کی اور اس طرح بیہقی کے ہاں بھی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ کہ حدیث شریف میں اس کا وضاحت موجود ہے کہ انگلی اٹھانا دعا کے لیے تھا۔ ترمذی کا لفظ یاد رکھو اس لیے کہ اس میں اس کا تصریح موجود ہے (اعلاء السنن سے گزرا ہے کہ شریعت میں نماز میں حرکت نہ کرنا مطلوب ہے۔ اور نماز کا بنا سکون اور خشوع پر ہے اور ایضاً فرمایا کہ نماز میں سکون وہ طریقہ ہے جس کے طلب پر نماز میں اجماع ہے میرا مراد خشوع یعنی دل میں باطل خیالات بالقصد حاضر نہ کرنا اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرنے ہے۔

نتیجہ:

تحقیق مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مذاہب اربعہ کے اماموں یعنی امام ابو حنیفۃ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی بھی تشہد میں نفی اور اثبات کے لیے اشارہ کا قائل نہیں نہ ان سے کوئی تصریح موجود ہے اور اشارہ برائے رد سلام کا ائمہ ثلاثہ قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں دعا کے وقت نماز کے اخر میں انگلی اٹھانا تھا جیسا اجماعاً متروک ہے اس طرح رد سلام کے لیے نماز میں انگلی اٹھانا نہیں ہے۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیری نے فرمایا انگلی سے دعا جس کا تفصیل گزرے ہوئے اوراق میں کئے کتب سے بیان ہوا ہے ناپید ہونے کے وجہ سے علماء اپنے اپنے صواب دید پر کسی نے اشارہ برائے رد سلام پر محمول کیا اور کسی نے نفی اثبات پر۔

شاہ صاحب کی تائید کے لیے مسند طیالسی کا نقل کردہ حدیث ملاحظہ کرو: **حدیث نمبر ۱۱۱۳ (بحث) وحدثنا ابو دأود قال حدثنا سلام بن سلیم قال حدثنا عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل الحضرمی قال صلیت الی ان قال: ثم وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی، ویدہ الیسری علی فخذہ الیسری وجعل یدعوا ھکذا یعنی بالسبابۃ یشیر بھا اھ مکتبہ: دار الکتب علمیہ بیروت جلد ۱ ص ۵۷۵ سلیمان بن داؤد متوفی ۲۰۴ھ**

یعنی کلیب وائل حضرمی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا میں نے نماز کی الیٰ ان قال پر اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ران پر رکھ دے اور اس طرح دعا شروع کی یعنی مسبحہ پر دعا کرتے ہوئے اس پر اشارہ کرتے تھے۔ وائل بن الحضرمی کا حدیث ترمذی کے حوالہ سے پہلے بیان ہوا ہے۔

مولوی حسین علی النقشبندی تحریرات حدیث علی اصول التحقیق میں تحریر کرتا ہے: **وعند الشافعیۃ یستحب عند قولہ: الا اللہ فھذا لا ندری ماخذہ صفحہ ۱۶۱ واما الرفع عند الوضع عنہ الا اللہ لم نریٰ فی حدیث تابی ھذا اشدا باء صفحہ ۱۶۱** (شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح موطا میں بھی شافعیہ کے قول کا اتباع کی ہے) **واما الاشارۃ عند النفی والوضع عند الاثبات فلا شبۃ انہ لیس بشئی صفحہ ۱۴۵**

شوافع کے ہاں الا اللہ پڑھتے وقت مسبحہ اٹھانا مستحب ہے۔ اس کا ماخذ کہ کس حدیث سے ثابت ہے ہمیں معلوم نہیں۔

اور ران پر ہاتھ رکھ کر الا اللہ پڑھتے وقت انگلی اٹھانا کسی حدیث میں ہم نے نہیں دیکھا ہے یہ سخت انکار کرتا ہے۔

جو نفی کے وقت اشارہ کرنا اور اثبات کے وقت انگلی رکھنا اس میں کوئی شک ہے نہیں کہ یہ کوئی چیز ہے نہیں۔

تحریرات حدیث ابھی ابھی دستیاب ہوئیں ان شاء اللہ تعالیٰ اس رسالہ کے اخر میں اس کو یعنی حصہ اشارہ کو باترجمہ منسلک ہذا کروں گا۔

قابل توجہ نکتہ: امام ابو داؤد طیالسی نام و نسب سلیمان، ابو داؤد کنیت اور سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیاسی۔

عظمت: الف: موصوف کا تعلق خیر القرون سے ہے اور تبع تابعین میں شمار ہے۔ مصنف کی حیثیت سے موصوف کا شمار صف اول کے مصنفین میں کیا جاتا ہے۔ محدثین نے مسند ابی داؤد الطیاسی کی وایات کو کتاب السنن میں نقل کیا ہے۔ آپ کو فن جرح و تعدیل میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ ماخوذ از النور الطرابلسی فی تبویب المسند لابی داؤد الطیالسی مترجم مولانا ابو احمد محمد دلپذیر صاحب کے مقدمہ مولانا محمد عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند: تفصیل کے لیے اس کے طرف رجوع فرمادیں۔

اظہار حقیقت: (مالا بدمنه) باب موضع النظر فی الصلاة:

صاحب اعلاء السنن نے اس باب میں ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابن سرین رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت سیدنا أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے احادیث بیان کی ہے اور تحت الخط تحریر کرتا ہے۔ **وحدیث أبی دأود ظاهر ایدل علی أن یکون نظره فی حال القعود الی حجره کما قاله الشیخ و فی الدر المختار لها (ای للصلاة) آداب الیٰ ان قال: نظره الی موضع سجوده حال قیامه۔۔۔ والی حجره حال قعوده۔۔۔ لتحصیل الخشوع اھ جلد ۳ صفحه ۶۷۷ کتاب مذکوره۔**

ابو داؤد کا حدیث شریف ظاہر طور پر اس پر دلالت کرتا ہے کہ قعدہ کے حالت میں نمازی اپنے گود کی طرف دیکھیں۔ جیسا کہ شیخ نے کہا ہے اور در مختار میں ہے کہ نماز کے لیے اداب ہیں یہاں تک کہ فرمایا قیام کے وقت اس کا نظر سجدہ کے جگہ پر ہو۔ اور التحیات میں اپنے گود کو دیکھیں خشوع کے حصول کے لیے۔ یعنی نماز خشوع کے ساتھ ادا ہو۔ علاؤ الدین الحصکفی کا فتویٰ: آداب نماز بیان کرتے ہوئے فرمایا: **نظره الی موضع سجوده حال قیامه والی ظهر قدیمه حال رکوعه والی ارنبة انفه حال سجوده والی حجره حال قعوده وال متکبه الایمعاو الایسر عند التسلیمة اولالیٰ والثانیة لتحصیل الخشوع انتهی۔ در مختار جلد ۱ صفحه ۷۳۔**

ترجمہ: مستحب ہے۔ کہ حالت قیام مین نظر سجدہ کی جگہ رکوع میں پشت قدم پر سجدہ میں ناک پر اور بیٹھنے کی حالت میں گود پر اور پہلے سلام کے وقت دائیں کندھے پر اور بائیں سلام کے وقت بائیں کندے پر نظر رکھنا چاہئے۔ اور علامہ ابن عابدین حاشیۂ شامی میں جلد ۱ صفحہ ۳۵۳ پر ذکر کیا ہے۔ **(قوله والیٰ أرنبة أنفه) أی طرفه قاموس (قوله والیٰ حجره) بکسر الحاء والجیم والراء المهملة ما بین یدیک**

من ثوبک قاموس (قوله لتحصیل الخشوع) علة للجمع لان المقصوء الخشوع وترک التکلف الخ یعنی سجدہ میں ناک کے طرف کو اور حجر سے گود مراد ہے یہ حجر کا اردو ترجمہ ہے اور اس کا یہ قول کے لتحصیل الخشوع ہے یہ سب کے لیے علت اس لیے کہ مقصود خشوع اور تکلف نہ کرنا ہے۔ ردالمختار مصری۔

اور حاشیۃ الطحاوی علے الدر المختار جلد ا صفحہ ۲۱۴ اور بحر الرائق جلد ا صفحہ ۳۰۴ اور بدائع الصنائع جلد ا صفحہ ۲۱۵ لان هذا کله تعظیم و خشوع۔ یعنی سب تعظیم اور خشوع ہے۔ اور مختصر الطحاوی مع شرعہ: شرح مختصر الطحاوی میں ہے۔ قال ابو جعفر: (والاصل للمصلی أن یکون نظره فی قیامه الی موضع سجوده وفی رکوعه الی قدیمه، وفی سجوده ألی انفه وفی قعوده الی حجره) قال ابو بکر أحمد: الاصل فیه قول الله (تعالیٰ) عزوجل: (الذین هم فی صلاتهم خشعون قیل فی معنی الخشوع أنه السکون (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۲۵۲) ویدل علیه قول النبی ﷺ فی حدیث جابر بن سمرة رضی الله تعالیٰ عنه (أسکنوا فی الصلاة) وظاهر الآیة والخبر یقتضی منع تکلف النظر الیٰ غیر الموضع الذی یقع بصره علیه فی هذا الاحوال من غیر کلفة۔ ومعلوم أن القائم متی لم یتکلف النظر الیٰ غیر الموضع الذی یقع بصره علیه کان منتهیٰ بصره الیٰ موضع سجوده، وفی رکوعه یقع بصره الیٰ قدیمه، وفی سجوده الیٰ انفه، وفی قعوده الی حجره۔ هذا اذا خلی نفسه وسوم طبیعته (معناه: ای خلی نفسه علی طبیعته العادیة بدون تکلف) و لا یقع بصره فی هذا الأحوال الیٰ غیر هذه المواضع الا بالتکلف فلا ینبغی أن یفعل ذلک: لانه ینافی الخشوع والسکون۔

شرح مختصر الطحاوی جلد نمبر ا صفحہ ۶۴۸ و ۶۴۹ امام طحاوی نے فرمایا: نماز کرنے والوں کے لیے اصل یہ ہے کہ قیام کے حالت میں اس کا نظر سجدہ کے جگہ کو ہو اور اس کے رکوع میں میں پاؤں کو اور اس کے سجدہ میں ناک کو اور اس کے بیٹھنے کے وقت گود کو ہو۔ اور ابو جعفر جصاص نے فرمایا: اس کے لیے دلیل اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد ہے (کامیاب) وہ لوگ ہیں جو اپنے نمازوں میں خشوع کرے خشوع کے معنی میں کہا گیا ہے کہ یہ سکون ہے اس پر حضور مقبول ﷺ کا یہ قول بھی ہے جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حدیث میں نماز میں سکون کرو آیا ہے۔

ظاہر آیت اور حدیث اس پر دلیل ہے کہ جس جگہ بغیر تکلف کرنے اس کا نظر نماز میں پڑھتا ہے تکلف سے اور جگہ کو دیکھنا منع ہے۔ اس حالت میں اور کھڑا شخص جب تکلف نہیں کرتا تو یہ معلوم بات ہے کہ جس جگہ پر تکلف نہ کرتے نظر پڑھتا ہے تو اس کے نظر کا انتہا سجدہ کرنے کا جگہ ہے اور اس کے رکوع میں اس کا نظر قدموں پر پڑھتا ہے اور اس کے سجدہ میں ناک پر اور اس کے قعدہ کے حال میں اس کے گود کو ہوتا ہے۔ یہ جب ہے کہ اس کا نفس طبیعت کے مطابق تکلف ہو۔ اور اس حالت میں اس کا نظر اسی جگہوں کے علاوہ بغیر تکلف دوسرے جگہ پر واقع نہیں ہوتا۔ مگر تکلف سے دوسرے جگہ پر واقع ہوتا ہے۔ تو اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے اس لیے کہ یہ خشوع اور سکون کے منافی ہے۔ جس جگہ ہاتھ یا انگلی ہاتھ کے جگہ نماز میں آیا ہے تو وہ وسیلہ ضرورت کے وجہ سے ہے جیسا کہ گزرا ہے اور کتاب ظاہر روایت زیادۃ الزیادات میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہے: (الثابت بالضرورت یقدر بقدره) یعنی جو ضرورت کے وجہ سے ثابت اور جائز ہو جائے وہ ضرورت کے مقدار پر ہوتا ہے اس سے زائد نہیں ہوتا۔ اور قعدہ میں یہ عمل نہ مقاصد صلاۃ سے ہے اور نہ از قبیلہ وسائل ہے لہٰذا

اس کو ان وسائل پر قیاس نہیں کیا جاتا اور تبیین الحقائق میں ہے۔ (ان المقصود الخشوع و ترک التکلف فاذا ترکه وقع نظره فی هذه المواضع قصداً أو لم یقصد جلد ۱ صفحه ۲۸۳ یعنی امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ نے شرح کنز تبیین میں ذکر کیا کہ مذکورہ بالا مواضع کو نماز میں دیکھنا اس لیے مطلوب ہے کہ مقصد خشوع اور ترک تکلف ہے تو اگر اہل نماز اس کو چھوڑ بھی دیں پھر بھی اگر وہ ارادہ کرے یا نہ کرے مگر اس کا نظر ان جگہوں پر پڑتا ہے۔ اور تبیین کے حاشیہ میں شیخ شلبی نے بھی فرمایا کہ اپنے قعدہ میں اپنے گود کو نظر کرے اور شیخ عبد الحق نے لمعات التنقیح جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ میں اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا حدیث انس کے وجہ عمل شافعیہ یہ ہے کہ تمام نماز میں سجدہ کے جگہ کو دیکھیں اس لیے بیضاوی کا کلام اپنی تفسیر الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲)۔ اس پر دلیل ہے۔ لیکن طیبی شافعی مذہب والے نے فرمایا ہے کہ قیام میں جائے سجدہ کو اور رکوع میں پشت پاؤں کو اور سجدہ میں ناک کو اور تشہد میں گود کو یہ اس کے موافق ہے جیسے علماء احناف نے فرمایا ہے جلد ۱ صفحہ ۴۶۶ اور مستخلص شرح کنز نے جلد ۱ صفحہ ۱۸۶ پر ذکر کیا اور فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں خشوع کرنے والوں کی مدح فرمائی۔ اپنے اس ارشاد سے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲) کہ یقیناً وہ مؤمنین کامیاب ہوئے جو اپنے نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ اور تاتارخانیہ نے جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ مذکورہ جگہوں کو دیکھنا بیان کی ہے اور آگے جا کر ۱۸۷ پر تحریر فرمایا ہے۔ (ینبغی أن یکون فی الصلوٰۃ حاضر القلب خاشعا بنفسه و قلبه فیکون منتهی بصره فی القیام الیٰ موضع سجوده و فی الرکوع الی قدمیه) الی آخر مامر: یہ مستحب ہے کہ نماز میں اس کا دل حاضر ہو نفس اور دل دونوں پر خشوع کرنے والا ہو تو حالت قیام میں اس کی نظر کی انتہا سجدہ کے جگہ تک ہو اور رکوع میں پاؤں کو گزرے ہوئے بیان کردہ کے آخر تک اور مجمع الانھر جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ اور در المنتقی فی شرح الملتقی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ نور الایضاح صفحہ ۷۲ اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح تحریر کرتا ہے۔ (و) منها (نظر المصلی) سواء کان رجلا او امرأة (الی موضع سجوده قائما) حفظاله عن النظر الی ما یشغله عن الخشوع (و) منها نظره (الی ظاهر القدم رکعا و الی أرنبه أنفه ساجداً و الی حجره جالسا) ملاحظا قوله ﷺ ان تعبدالله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک فلا یشتغل بسواه الخ۔ ترجمہ: اور اس میں سے نماز کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت ہو قیام کے حالت سجدہ کے جگہ کو نظر کرنا مستحب ہے کہ حفاظت کرنے والا ہو اس چیز سے کہ آپ کو خشوع میں مشغول کرتا ہے اور اس میں سے اس کا نظر کرنا ہے پاؤں کے پشت کو رکوع کے حالت میں اور سجدہ کے حالت ناک نظر کرنے والا اور جلسہ کی حالت میں اپنے گود پر نظر کرے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو ملاحظہ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اللہ پاک کو دیکھتے ہو اگر تم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتے ہو تو وہ تمہیں کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہ ہو۔ اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: بنابر اصل مذہب اگر آپ کعبہ شریفہ کا مشاہدہ کرتے ہو تو بھی ایسا کرو اور آخر میں فرمایا کہ اس کو شرح اربعین میں سعد نے ذکر کیا ہے۔[1307]

و عن أنس، ان النبی ﷺ قال یا انس! اجعل بصرک حیث تسجد، رواه (البیهقی (فی سننه فی الکبریٰ من طریق الحسن عن أنس یرفعه) قوله: اجعل بصرک حیث تسجد (رمظ) یستحب للمصلی أن ینظر فی القیام الی موضع سجوده، و فی

1307 طحطاوی صفحہ ۲۲۴ مصری۔ اور النھر الفائق لابن نجیم الحنفی جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۳ اور فتاوی برھنہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۵۔

الرکوع الی ظھر قدمیہ وفی السجود الی انفہ وفی التشھد الی حجرہ۔ طیبی شرح مشکوٰۃ باب ما لا یجوز من العمل فی الصلاۃ وما یباح منہ: الفصل الثانی رقم حدیث ۹۹۶ جلد ۲ صفحہ ۴۰۴۔

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں تم اپنی نگاہ وہاں رکھو جہاں سجدہ کرتے ہو اس روایت کو بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہ طریق حسن نقل کیا ہے۔ جس کو جزری نے مرفوع کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے چنانچہ شوافع کا عمل اسی پر ہے مگر علامہ طیبی نے فرمایا (جیسا کہ گزرا) کہ مستحب یہ ہے کہ حالت قیام میں نظر سجدہ کی جگہ، رکوع میں پشت قدم پر سجدہ میں ناک کی طرف اور بیٹھنے کی حالت میں گود پر رکھنا مستحب ہے۔ یہی مسلک حنفیہ کا بھی اتنے اضافہ کے ساتھ ہے کہ سلام کے وقت نظر کاندھوں پر رکھنی چاہئے۔[1308]

(و ینبغی للمصلی أن یخشع فی صلاتہ) لقولہ تعالیٰ (قد أفلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون کتاب الاختیار لتعلیل المختار جلد ۱ صفحہ ۶۵، ۶۶۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ اپنے نماز میں خشوع کرنے والے یقیناً کامیاب ہے نمازی کے لیے اپنے نماز میں خشوع اختیار کرنا چاہئے۔ مولوی محمد ادریس الکاندھلوی تحریر فرماہیں۔ **اشتراط الخشوع فی الصلاۃ:** عنوان قائم کرکے تفصیل سے بات کی اور اس میں ہے۔ **عن سفیان الثوری انہ قال من لم یخشع فسدت صلاتہ وروی عن الحسن انہ قال (کل صلاۃ لا یحضر فیھا القلب فھی الی العقوبۃ أسرع:** سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس نے خشوع نہیں کی اس کا نماز فاسد ہوا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: **کل صلاۃ:** اس میں اضافت ہے کل کا صلاۃ نکرہ کو اس لیے کہ یہ احاطہ افراد لازم کرتا ہے۔ نماز میں اگر ہر فرد کہ جس میں دل کا حضور نہ ہو (دل میں خشوع نہ ہو) تو اس سے بہت جلد عذاب واقع ہوتا ہے۔[1309]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

مفتی صاحب تحریر فرماہیں کہ روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نگاہ سجدہ کے جگہ پر رکھو۔[1310]

1308 مظاہر حق جلد ۱ صفحہ ۳۳۳ و جدید صفحہ ۶۴۲

1309 التعلیق الصبیح علی مشکاۃ جلد ۱ صفحہ ۳۷۳۔

1310 (تخریج السنن الکبری ۲/ ۲۸۴)

تشریح امام طیبی فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ قیام میں نظر سجدہ گاہ پر ہو، رکوع میں پاؤں کی پشت پر، سجدہ میں ناک کے بانسے پر، التحیات میں گود پر، ہر نماز کا یہی حکم ہے۔ہاں حرم شریف میں نمازی قیام میں کعبۃ اللہ کو دیکھے الخ۔[1311]

حضرت ڈاکٹر مولا بخش سکندری صاحب کو سیدھا راہ دکھانے کے لیے یہ مختصر سا بیان لکھ دیا اگر اللہ پاک نے توفیق دی تو ان شاء اللہ تفصیل کے لیے مفصل تحریر عمل میں لایا جائے گا۔(یہ ہے مشت نمونہ خروار)۔

محترم ڈاکٹر مولا بخش صاحب اب دل کے کانوں سے سن لیں کہ جب علماء محدثین اور فقہاء کرام سب کے سب یہ بیان کرتے ہیں کہ التحیات میں گود پر نظر رکھیں اور مثبتین اشارہ جس حدیث کو پیش کرتے ہیں حدیث عبد اللہ بن الزبیر عن ابیہ میں ہے لا یجاوز بصرہ اشارتہ ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۴۲ وغیرہ یہ نماز میں منسوخ ہے جیسا کہ مراقی الفلاح اور فتح القدیر صفحہ ۷۸ و ۳۷۵ جیسا کہ اس کی تفصیل گزری ہے کہ یہ اجماع کی وجہ سے خاص اس دعا کے ساتھ ہے جو خارج از نماز ہے۔جناب ڈاکٹر صاحب وغیرہ مثبتین مقلدین شمش الائمۃ حلوانی نور اللہ مرقدہ کے ہاں ائمہ مجتہدین اربعہ کو ان کے نزدیک یہ حدیث معلوم نہ تھی۔یہ ان ائمہ مجتہدین اربعہ کی توہین محض ہے اس لیے کہ انہوں نے ان احادیث میں سے کسی حدیث پر استدلال نہیں کیا ہے۔ومن ادعا فعلیہ البیان۔بلکہ مذکورہ تحقیق یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوئی کہ مذہب حنفی کے ائمہ ثلاثہ کے ہاں کسی قسم کا اشارہ نماز میں نہیں ہے۔مذکورہ کتابوں میں کوئی استثنا ہے ہی نہیں اس طرح متون اور شرح مختصر الطحاوی اور شرح معانی الآثار اور کتاب الآثار لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سب دلیل ہے کہ اصل مذہب حنفی میں نہ اشارہ رد سلام کیلئے ہے اور نہ اشارہ برائے دعا۔اور اشارہ برائے نفی اثبات کا کوئی سوال ہے ہی نہیں۔اس لیے گود پر نظر کرنے کے قائل ہیں۔

(۲)امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الاصل میں تحریر فرماہیں۔**قلت و فی کم مواطن ترفع الأیدی قال فی سبع مواطن، فی افتتاح الصلاۃ و فی القنوت فی الوتر و فی العیدین و عند استلام الحجر و علی الصفا و المروۃ و بعرفات و بجمع، و عند المقام و عند الجمرتین**۔میں نے کہا کہ کتنے مواضع میں ہاتھ اٹھانا ہے؟ فرمایا: سات جگہوں میں اور مذکورہ مقامات ذکر کی کتاب الاصل ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی جلد ا صفحہ ۱۶۴۔مذکورہ عبارت پر بار بار نظر ڈالئے تشہد اور قعدہ کا ذکر آپ اس میں نہیں پائیں گے۔کتاب الآثار کے بعد کتاب الاصل مبسوط سے بھی ثابت ہے کہ تشہد سے نہ نفی اور اثبات کے لیے اور نہ رد سلام کے لیے اور نہ دعا کے لیے انگلی اٹھانا ہے۔امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الحجۃ ذکر کی ہے۔**و قال محمد بن الحسن ما احب لہ ان یزید فی صلاتہ شیئا لیس منھا من اشارۃ و لا غیرھا و لکن اذا قضی صلاتہ فلیرد علیہ السلام فان من الخشوع فی الصلوٰۃ ترک الاشارۃ**۔امام محمد بن حسن نے فرمایا کہ میں نماز میں کوئی چیز جو نماز میں سے نہ ہو زیادتی پسند نہیں کرتا خواہ وہ اشارہ ہو یا اور کوئی چیز مگر جب اپنا نماز ختم کرے تو اس کو جواب سلام دے اس لیے کہ نماز میں خشوع میں سے اشارہ نہ کرنا ہے۔

[1311] مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد ۲ صفحہ ۱۱۴۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اشارہ کی نسبت امام محمد اور امام ابو حنفیہ رحمہما اللہ تعالیٰ کو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ و حدیث سبع مواطن اخرجه صاحب الهداية و فتح القدير و عنايه: فتح القدير جلد ۱ صفحه ۲۶۹ و ۳۷۵ بقوله عليه الصلاة و السلام لا ترفع الايدى الا فى سبع مواطن تكبير الافتتاح، و تكبيرة القنوت و تكبيرات العيدين و ذكر الاربع فى الحج، والذى يروى (اى الشافعية) من الرفع محمول على الابتداء (ثم نسخ) و قال فى نصب الراية۔ بحواله معجم الطبرانى عن ابن عباس عن النبى ﷺ قال لا ترفع الأيدى الا فى سبعة مواضع الخ (مجمع الزوائد ج ۲ صفحه ۱۰۲) ايضاً عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما (۲) و ذكر البخارى الاول معلقاً فى كتابه، المفرد فى رفع اليدين الخ صفحه ۴۶۰ و قال البزار فى مسنده عن بن عمر عن النبى ﷺ قال: ترفع الايدى فى سبع مواطن الخ۔ و رواه موقوفاً ابن ابى شيبة فى مصنفه الخ۔ رواه الحاكم فى المستدرک ج ۱ ص ۳۲۷ ثم بيهقى و نصب الراية جلد ۱ صفحه ۴۶۹ و ۴۷۰ و التفصيل فيه اور علامہ ابن ہمام نے اعتراضات واردہ کا دندان شکن جوابات اپنے تصنیف فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ و ۲۷۰ میں دیا۔ یہاں تک کہ فرمایا! قد علم بانه كانت اقوال مباحة فى الصلاة و أفعال من جنس هذا الرفع و قد علم نسخها فلا يبعد أن يكون هو ايضاً مشمولا بالنسخ خصوصاً و قد ثبت ما يعارضه ثبوتاً لا مرد له بخلاف عدمه فانه لا يترک اليه احتمال عدم الشرعيه لانه ليس من جنس ما عهد فيه ذلک بل جنس السكون الذى هو طريق ما أجمع على طلبه فى الصلاة أعنى الخشوع و كذا بافضلية الرواة عن رسول الله ﷺ كما قاله ابو حنيفة للاوزاعى الخ صفحه ۲۷۰ اور تبيين و حاشية الامام الشيخ شبلى جلد ۱ صفحه ۳۰۹ و ۳۱۰ و ۳۱۱ اور شامى جلد ۱ صفحه ۳۹۲ مصرى۔ لا يسن رفع اليدين الا فى سبع مواضع اه ايضاً ردالمحتار مع درمختار جلد ۱ صفحه ۳۷۴ مصرى۔ اور البنایۃ فی شرح الھدایۃ جلد ۲ ص ۲۸۹-۳۰۲ اور بذل المجہود جلد ۲ ص ۱-۱۰ ما ترله الانسخا و هذا هو الموافق للاصل فان الاصل فى الصلاة السكون لقوله عليه السلام اسكنوا فى الصلاة اه صفحه ۱۰ اور عمدہ القاری میں تفصیلاً بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ و عند ابى حنيفة و اصحابه لا يرفع يديه الا فى التكبيرة الاولىٰ جلد ۵ صفحه ۳۹۸ اور فتح الملهم جلد ۲ صفحه ۱۱ میں ہے۔ قال ابو حنفية و اصحابه و جماعة من اهل الكوفة لا يستحب فى غير تكبيرة الاحرام و هو اشهر الروايات عن مالک اه اور نیل الفرقدین لمحمد انور شاہ صاحب الکشمیری صفحہ ۱۱۸ سے تا آخر بحث۔

خلاصۂ تحقیق: اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ ظاہر روایات اور غیر ظاہر روایات میں مذہب حنفی امام ابو حنیفۃ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں سات مذکورہ مقامات سے اور کوئی جگہ نماز میں ہاتھ اٹھانا نہیں ہے اور حالت تشہد ان سات مقامات میں سے نہیں لہٰذا اس میں ہاتھ اٹھانا یا قائم مقام انگلی اٹھانا نہیں کہ یہ اصل نماز جو خشوع اور سکون کے خلاف ہے۔ اور روایت شاذ امام محمد سے یا امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کو نقل کرتے ہیں ان کے لیے کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ اگر کسی نے نماز میں سجدہ کے حالت میں گھٹنے زمین پر نہ رکھے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے لیے یہ جائز ہے فقیہ ابی اللیث اسمر قندی نے الفتاوی میں ذکر کیا ہے کہ یہ روایت شاذ ہے ہم اس پر عمل نہیں کرتے بلکہ یہ جائز نہیں کہ ہم اس پر عمل کرتے ہیں ملاحظہ ہو الفتاوی جلد ۱ صفحہ ۹۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ اصل مذہب حنفی میں تینوں اماموں کے ہاں اشارہ نہیں۔ فافهم و لا تكن من المتعصبين۔

امام شمس الدین السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے:-ولنا أن الآثار لما اختلف فی فعل رسول اللہ ﷺ یتحاکم الی قولہ وھو الحدیث المشھور ان النبی ﷺ قال لا ترفع الأیدی الا فی سبع مواطن عند افتتاح الصلاۃ وفی العیدین والقنوت فی الوتر وذکر أربعۃ فی کتاب المناسک (جیسا کہ صاحب ہدایہ نے بھی ایسا لکھا ہے اور ابن الھمام بھی نے اس کی توثیق کی جس کا بیان گزرا ہے۔) وحین رأی بعض الصحابۃ رضوان اللہ علیھم یرفعون أیدیھم فی بعض أحوال الصلاۃ کرہ ذلک فقال مالی أراکم رافعی ایدیکم کانھا أذناب خیل شمس اسکنوا وفی روایۃ قار وافی الصلاۃ: مبسوط جلد ۱ صفحہ ۱۴

ترجمہ: ہمارے احناف کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے فعل کے بارے میں آثار مختلف ہو جائیں تو فیصلہ آپ کے قول پر کیا جائے۔ (یہ نہیں کہ کبھی ایک پر عمل اور کبھی دوسری پر یہ مذہب باطلہ ہے) اور مشہور حدیث ہے کہ سات جگہوں کے علاوہ ہاتھوں کو مت اٹھانا تکبیر تحریمہ کے حالت میں (یہ نماز سے خارج عمل ہے) اور دونوں عید میں اور وتر کے دعا قنوت میں اور جگہوں کو حج کے احکام میں ذکر کیا۔ اور جب رسول مقبول ﷺ نے بعض اصحاب کو نماز میں بعض احوال میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ان کے اس فعل کو مکروہ جانا کیوں میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دم اٹھاتے ہلاتے ہوئے دیکھتا ہوں نماز میں سکون کرو اور دوسرے روایت میں آیا ہے کہ سکون سے نماز ادا کرو۔ (جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کا تفصیل گزری ہے) ثابت ہوا کہ اصل مذہب میں حالت تشہد میں اللہ تعالیٰ کے وحدانیت کی شہادت کے ساتھ ساتھ یا اس کی جگہ اشارہ کرنا نہ ہمیں اسکا ثبوت قرآن میں ملتا ہے اور نہ احادیث اور نہ اجماع امت سے اور علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نیل الفرقدین مع حاشیۃ بسط الیدین فی مسئلۃ رفع الیدین میں تحریر فرماہیں۔ عن احمد والذی یقع أن الرفع اشارۃ للاقبال علی اللہ والتوجہ لحضرتہ والاشارۃ الی مکانتہ لانہ مقدس عن الجھۃ والمکان وعلیہ وصل التوجیہ بالاستفتاح الخ۔

والمطلوب اذا کان غائبا لم یشر الیہ فی الشاھد أصلا کان عبادۃ عقلیۃ محضۃ ولیس من سنن الانبیاء ولا شاھد علیھا فی الشاھد الخ۔ صفحہ ۹۸ مجموعۃ الرسائل الکشمیری جلد ۱ کراچی علوم اسلامیہ نیل الفرقدین یعنی احمد بن حنبل سے روایت ہے اور جو یہ واقع ہوتا ہے کہ رفع میں اللہ تعالیٰ کے لیے متوجہ ہونا اور آپ کے حضور کو منہ کرنا اور آپ کے مرتبہ کو اشارہ کرنا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک ہے اور استفتاح سے توجہ حاصل ہوئی ہے۔ اور مطلوب جب غائب ہو تو حاضر میں اس کے طرف اشارہ نہ کیا بلکل یہ عبادت عقلی خالص ہے اور اشارہ سنن انبیاء علیہم السلام سے نہیں اور نہ اس پر حاضر میں گواہی کی ہے۔ اور فیض الباری کے مصنف محمد انور شاہ الکشمیری ثم الدیوبندی المتوفی ۱۳۸۲ھ نے فیض الباری کی توثیق علامہ شبیر احمد العثمانی ۲۸ جمادی الاولی سنۃ ۱۳۵۷ھ کا بیان جلد دوم اور چہارم پہلے صفحات میں گزرا ہے وہ نیل الفرقدین ۱۳۵۰ھ مطبع حیدر برقی پریس دھلی اس سے قبل معلوم ہوتا ہے مجموعۃ رسائل الکشمیری جلد ۱ رسالہ کشف الستر صفحہ ۱۳۹ وص ۴۷۳ فصل فی رفع الیدین فی الدعاء میں رقم طراز ہیں: المسئلۃ أن ترفع یدیک حذو منکبیک والاستغفار أن تشیر باصبع واحدۃ والابتھال أن تمد یدیک جمیعاً (د) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ص ۶۸ وھو فی ص ۲: ۷۲ ھکذا عن عکرمۃ قال: قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما (وقد رفعہ أیضاً) الابتھال ھکذا وبسط یدیہ وظھورھما الی وجھہ والدعاء ھکذا ووضع یدیہ تحت لحییہ والاخلاص ھکذا یشیر بأصبعہ (عب) صفحہ ۱۳۹ / ۴۷۳ وصفحہ ۱۴۰ /

۴۷۴ و عند الطحاوی عن وائل بن حجر قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ۔۔۔۔ و جعل حلقة بالابهام و الوسطی، ثم جعل یدعو بالأخری و نحوه عند الترمذی عن ابن عمر قال: و رفع اصبعه التی تلی الابهام یدعو بها۔ و عند أبی دأود من حدیث عبداللہ بن الزبیر أن النبی ﷺ کان یشیر باصبعه اذا دعا و لا یحرکها و عن عامر عن أبیه أنه رأی النبی ﷺ یدعو کذلک۔ و عند النسائی من حدیث وائل: و نصب اصبعه للدعاء، و فی لفظ: و أشار بالسبابة یدعو بها، و فی لفظ کلفظ أبی دأود و فی لفظ فرأیته یحرکها یدعو بها و عن عامر بن عبداللہ بن الزبیر کان یشیر باصبعه اذا دعا و لا یحرکها و عن أبیه أنه رأ النبی ﷺ یدعو کذلک و نمیر الخزاعی أنه رأی رسول اللہ ﷺ رافعا اصبعه السبابة قد أحنا ها شیئا و هو یدعو۔ و عند مسلم عن ابن عمر: رفع اصبعه التی تلی الابهام فدعا بها۔ و عند ابن ماجة من حدیث وائل: یدعو بها فی التشهد و غیره و غیره صفحه ۱۴۲ لهٰذا قال فی فیض الباری و الصواب عندی انه کان للدعاء کما بوب به الترمذی (ج ۱ ص ۶۸) و کذلک عند البیهقی: کیف و فی الحدیث تصریح بان الرفع کان للدعاء اھ جلد ۴ صفحه ۱۴۳ کما مر مفصلاً۔

یعنی سوال کرنا یہ ہے کہ آپ کندھوں کی طرف دونوں ہاتھ اٹھائیں اور استغفار یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرے اور ابتہال یہ ہے کہ آپ دونوں ہاتھوں کو اکٹھے اٹھائیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے اور اس طرح عکرمہ سے روایت ہے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے (اس طرح اس کو مرفوع کیا ہے) ابتہال یہ ہے کہ ہاتھوں کو اس طرح اٹھائیں کہ ہاتھوں کی الٹی طرف منہ کی طرف ہو۔ اور دعا اس طرح ہے کہ دونوں ہاتھوں کو جبڑوں کے نیچے کر دیا اور ایک انگلی سے اشارہ کیا فرمایا کہ یہ اخلاص ہے۔ اور طحاوی کے ذکر کردہ حدیث میں وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنایا پھر دوسری انگلی سے دعا کی اس جیسے کہ ترمذی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کی ہے اس میں ہے کہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اٹھایا اس سے دعا کرتا تھا۔ اور ابو داؤد کے ہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب دعا کرتے تھے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ اس کو حرکت نہ دیتے تھے۔ اور عامر نے اپنے باپ سے روایت ہے کہ اس نے رسول مقبول ﷺ کو دیکھا کہ اس طرح دعا کرتے تھے۔ انگوٹھے کو حرکت نہ دیتے تھے۔ اور عامر اپنے باپ سے راوی ہیں کہ اس نے رسول مقبول ﷺ کو دیکھا کہ اس طرح دعا کرتے تھے اور انگلی کو نہیں ہلاتے تھے اور نسائی کے ہاں حدیث وائل میں ہے کہ دعا ہی کے لیے انگلی اٹھائی اور ایک لفظ یہ ہے کہ مسبحہ سے اشارہ کیا اس پر دعا کرتے تھے۔ اور ایک لفظ ابو داؤد کے لفظ کی طرح پر ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ انگلی ہلاتے ہوئے اس پر دعا کرتے تھے اور عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب دعا کرتے تھے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اس کو ہلاتے نہ تھے اور اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ اس طور پر دعا کرتے تھے۔ اور نمیر خزاعی نے رسول اللہ ﷺ کو اس طور پر دیکھا کہ اپنے مسبحہ کو اٹھایا ہوا کچھ تھوڑا سا ٹیڑھا کر دیا تھا اور آپ ﷺ اس پر دعا کرتے تھے۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مسلم نے روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اٹھا کر اس پر دعا کی اور حدیث وائل کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ اس پر تشہد میں دعا کرتے تھے اس لیے شاہ صاحب نے فیض الباری میں فرمایا کہ میرے نزدیک حق اور صحیح یہ ہے کہ انگلی اٹھانا دعا ہی کے لیے تھا جیسا کہ ترمذی نے اس پر باب منعقد کی

ہے اور اس طرح بیہقی کے ہاں بھی ہے۔ کیوں ایسا نہ ہو کیوں کہ حدیث شریف میں تصریح ہے انگلی اٹھانا دعا ہی کے لیے تھا (جس کی تفصیل گزری ہے) اور یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ نفی اثبات کیلئے تھا۔

اس کی صحت پر دلیل وہ حدیث ہے کہ جس کو ہم نے ابو داؤد الطیاسی سے نقل کیا ہے جس میں ہے وجعل یدعو ہکذا یعنی بالسبابۃ یشیر بھا صفحہ ۱۲۶ مترجم اردو اور پھر اس طرح دعائیں کرنے لگے یعنی شہادت انگلی سے اشارہ کیا صفحہ ۱۳۷ متوفی ۲۰۴ھ واللہ اعلم۔ مولانا محمد عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند سے فارغ (پی ایچ ڈی) نے مقدمہ میں لکھا ہے۔

۱۵۷ھ میں حدیثیں لکھنا۔ اس سن میں محدث وفقیہ عبد الرحمن کوفی المتوفی ۱۶۰ھ سے حدیثیں لکھتے تھے۔ صفحہ ۳۹ میں اس دور کے آئمہ فن ونامور حفاظ حدیث نے ابو داؤد طیالسی کو نہایت شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کی الخ ۵۷ جن آئمہ فن نے موصوف کی مرویات سے اعتناء کیا اور اپنی کتابوں کو ان سے زینت بخشی ان میں ارباب صحاح میں سے امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کا نام سر فہرست ہے الخ صفحہ ۸۹۔

کاتب الحروف خادم العلماء والاولیاء مولانا محمد روشن فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ سے حدیث نقل کی یعنی صحاح ستہ سب نے طیالسی سے حدیث نقل کی۔ ملاحظہ ہو۔ **صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۹۱ باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ حدثنا عمر بن حفص بن غیاث** آخر میں تحریر فرما ہے۔ **رواہ ابو داؤد عن شعبۃ عن الاعمش بعضہ الخ۔**

سوال: دعا میں ہاتھوں یا انگلی کو کیوں آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

جواب: اس لیے کہ آسمان دعا کے لیے قبلہ ہے۔ **ان السماء قبلۃ الدعاء فتح الملھم جلد ۳ صفحہ ۳۷۷ و جلد ۶ صفحہ ۶۷ روح البیان اور تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ فضائل السماء طبع مصر نووی جلد ۱ صفحہ ۱۸۱، لان السماء قبلۃ الدعاء کما ان الکعبۃ قبلہ الصلوٰۃ۔** اور **در مختار علی الشامی صفحہ ۳۷۵ قولہ لانھا قبلۃ الدعاء ای کالقبلۃ للصلاۃ فلا تیوھم أن مدعو جل و علا فی جھۃ العلو:** اور اس طرح طحاوی حاشیہ در مختار میں بھی ہے **(قولہ لانھا قبلۃ الدعاء) کالقبلۃ للصلاۃ فلا یتوھم أن مدعو جل و علا فی جھۃ العلو اھ** یعنی اسمان دعا کے لیے ایسا قبلہ ہے جیسا کہ نماز کے لیے کعبہ ہے اور یہ وہم نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ جل وعلا اوپر کی طرف ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں گزرے ہوئے صفحات۔

اب ہم مثبتین اشارہ سے جو فریق کہتے ہیں کہ **یرفع المسبحۃ عند قولہ: لا الہ، ویضعھا عند قولہ الا اللہ لمناسبۃ الرفع للنفی والوضع للاثبات** اور جو کہتے ہیں کہ **موضع الاشارۃ قول الا اللہ** ہے اس وجہ سے کہ غرض اشارہ سے توحید ہے تاکہ قول اور فعل بیک وقت مشابہ واقع ہو جائے اور جو کہتے ہیں کہ قعدہ میں بیٹھنے پر اٹھایا رکھیں بلب ادب بصد احترام پوچھتے ہیں کہ آپ کے ہاں نفی اور اثبات کے لیے قبلہ کونسا ہے اور کس کتاب میں مجتہدین سے منقول ہے۔ تمہید ابی شکور السالمی اینیہ پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہے۔ جھمیہ کی ایک قسم

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں موجود ہے اور یہ کفر ہے اور جھمیہ کا ایک فریقہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور آپ اور عرش کے درمیان ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسد ہے اور جسد کا معنی بیان نہیں کرتے یہ کفر ہے۔ اور کرامیہ میں سے متقشفہ کہتے ہیں کہ اللہ استقر علی العرش یہ ہے فرقہ باطلہ کے عقائد ملاحظہ ہو تمہید صفحہ ۳۸: اور حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے سوال ہوا کہ عرش کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواباً کہا کہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اور مکان نہیں تھا وہ اب ایسا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ تو کیا تینوں فریق مجسمہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ یا کیا کہتے ہیں۔

اصول الشرع: حسامی میں ہے کہ شرع کے تین اصول ہیں: **الکتاب و السنۃ و اجماع الامۃ** اور چہارم اصل: **القیاس المستنبط من ھذا الاصول حسامی مع نامی صفحہ ۴** اور **بحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد ۱ صفحہ ۷ قبیل کتاب الطھارت**: اور یہ بھی فقہ اور اصول فقہ کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ قیاس مظہر ہے مگر مثبت نہیں اور قیاس غیر مستنبط اس اصول سے قیاس شرعی نہیں ہے۔ اس سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

شان نبی ﷺ :

(۱) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (۳) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (۴)۔ النجم۔

ترجمہ: اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔ ہوی مختلف صیغہا سے کل: ۳۷ جگہ ہے۔

حق کسی کی نفسانی خواہشات کے تابع نہیں: ارشاد ربانی ہے۔

(۲) وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ۔ المؤمنون آیت نمبر ۷۱

ترجمہ: اور اگر (دین) حق کہیں ان لوگوں کی خواہشوں کا تابع ہو جاتا تو آسمان و زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں (سب) تباہ ہو جاتے بلکہ ہم نے تو ان کی نصیحت ہی کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔

(۳) خواہشات کے تابع والوں کے لیے مثال:

قرآن مجید میں ہے: **أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ الاعراف ۱۷۶**

ترجمہ: وہ زمین کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے (جب بھی) ہانپے اُسے چھوڑے (جب بھی) ہانپے یہ مثال ہے ان (سب) لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو سو آپ بیان کیجئے (یہ حالات) شائد کہ لوگ سوچیں۔ یہاں یہ صاف کر دیا کہ مقصود کسی فرد متعین کی تاریخ یا سیرت سنانا نہیں بلکہ کل مفکرین مکذبین مرتدین کی حالت پر آگاہ کرنا اور اس سے عبرت دلانا ہے۔ اے ہو مثل جمع الکفار (قرطبی) یعنی یہ مثال سب کفار کا ہے تفسیر۔

اہل ہویٰ سب سے زیادہ گمراہ ہے:۔

اگرچہ لفظ ھوا کا مادہ کل ۳۷ بار قرآن کریم میں ۳۶ سورتوں میں آیا ہے بارہ صیغہ و لفظ کے ساتھ مگر باقی پہلے گزر چکی ہیں۔

ایک ضروری وضاحت: تحفۃ نصائح ص ۸۵ حاشیہ پر ہے ان الساکت عن الحق شیطان اخرس حق بیان کرنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔ مکتبہ قادریہ لاہور: اس لیے وضاحت کرنے سے لابدی (کوئی چارہ نہیں) ہے۔

والامر عند اللہ سبحانہ: اور اصل حقیقت کو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ **ان اشدا لناس عذاباً یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ:** تحقیق لوگوں میں سے زیادہ عذاب کا مستحق قیامت کے دن وہ عالم ہے جس کو اپنے علم سے کچھ نفع حاصل نہ ہوا۔[1312]

اس وجہ سے مولوی محمد روشن تحریر کرتا ہے کہ ایک فریق کہتا ہے کہ حالت تشہد میں **اشھد ان لا الہ** پر مسبحہ اٹھایا جائے اور **الا اللہ** پر رکھ دیا جائے تاکہ نفی اثبات پر دلیل ہو جائے دوسرا فریق کہتا ہے کہ **الا اللہ** پر مسبحہ اٹھایا جائے اور تیسرا فریق کہتا ہے کہ قعدہ کے لیے بیٹھتے ہی سے مسبحہ تا آخر اٹھائے رکھیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تینوں اقوال قابل عمل اور حجت نہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ اس کا حکم قرآن کریم اور حدیث قولی و فعلی اور تقریری میں موجود نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس بارہ میں ائمہ اربعہ میں سے کوئی تصریح نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ائمہ احناف ثلاثہ میں سے کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور دعویٰ بلا دلیل مقبول نہیں ہوتا۔ **ھاتو برھانکم ان کنتم صٰدقین۔** اپنا دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو پانچویں وجہ یہ ہے کہ یہ دعاوی خلاف دلیل ہے۔ جو قرآنی آیات اور کچھ احادیث بیان ہوئی ہیں باقی تفصیلات دوسرے رسالہ میں آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (مثبتین انتظار کریں قول اور فعل میں تضاد)۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ نمازی کے قول کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔ نماز کی نیت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے اپنا منہ قبلہ کی طرف کیا پھر نماز ہی میں وعدہ خلافی کرتے ہوئے دائیں ہاتھ کے انگلیوں کو قبلہ سے پھیر دیتے ہیں تو اس آیت کے مصداق بن جاتے ہیں۔ **یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (۲) کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ۔** اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ الصف آیات نمبر ۲ و ۳

[1312] مکتوبات جلد ا صفحہ ۸۵ مترجم۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ فليوجه من اعضائه القبلة ما استطاع۔ جہاں تک ہو سکے اپنے اعضاء کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔ (روی عن النبی ﷺ أنه قال اذا سجد المؤمن سجد كل عضو منه فليوجه من اعضائه القبلة ما ستطاع۔ نصب الرایہ مکتبہ حقانیہ پشاور جلد ۱ صفحہ ۱۶۶ اور نسخہ دیگر شاملہ والا جلد ۱ صفحہ ۳۸۷ اور ہدایۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۰ کلام کمپنی کراچی۔ مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۷۲۰ و مبسوط ج ا ص ۲۳ والدرایۃ علی الہدایۃ ص ۱۱۰ ج۔

المحفوظ ذلک من فعل النبی ﷺ اور الدراية فی تخريخ احاديث الهداية على الهداية کہ صفحہ ۱۱۲ مطبع کلام کمپنی کراچی۔ و نسخہ دیگر صفحہ ۷۴۱ دارالمعرفۃ بیروت و طحطاوی حاشیہ مراقی ص ۱۹۴ میر کتب خانہ کراچی اور بنایۃ فی شرح الہدایۃ۔ مؤلفہ علامہ العینی جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ مکتبۃ التجاریۃ مکہ المکرمۃ۔

وفی التجنيس ويكره أن يميل اصابع يديه ورجليه عن القبلة لانه مامور بتوجهما قال عليه السلام فيلوجه من اعضائه الى القبلة ما استطاع۔ اه بحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۲۲ مايكره فی الصلاة ايچ ايم سعيد كراچی۔ لقوله عليه الصلاة والسلام: فليوجه من اعضائه القبلة ما استطاع۔ مجمع الانهر جلد ۲ صفحہ ۹۶ دار الاشاعت كوئٹه وروی عن النبی ﷺ أنه قال اذا سجد العبد سجد كل عضو منه فليوجه من اعضائه الى القبلة ما استطاع۔ الموسوعة الفقهيه تاليف هيئة كبار علماء الاسلام مكتبه علوم اسلاميه تاج مير خال روڈ چمن بلوچستان جلد ۲۴ صفحہ ۲۰۳۔

فقد قال عليه الصلاة والسلام اذا سجد أحدكم فليوجه من اعضائه الى القبلة ما استطاع اھ۔[1313]

مکتوباب امام ربانی اردو جلد ا صفحہ ۷۲۰:

ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب آیت مبارکہ اور حدیث نبوی خبر واحد میں ظاہراً تعارض آجائے تو عمل آیت پر ہوتا ہے نہ کہ حدیث مبارکہ پر اور جب حدیث قولی اور فعلی میں تعارض ہو تو عمل حدیث قولی پر ہوتا ہے گزشتہ اوراق میں یہ وضاحت گزرا ہے کہ ابتدا میں نماز میں ضرورت کے مطابق باتیں ہوتی تھیں سلام کا جواب دیا جاتا نماز کے آخر میں دعا کے وقت مسبحہ کو اٹھایا جاتا تھا مگر یہ سب افعال نماز سے بالآخر ختم کیے گئے تو وہ کونسی آیت ہے کہ سابقہ آیات کو اور سورہ یونس کی آیت ۱۰۵ اس سے منسوخ ہوئی ہیں اور وہ کونسی حدیث ہے جس نے مذکورہ احادیث سکون پر دال کو منسوخ کیا ہے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ کرسی پر نماز کے فتویٰ میں لکھتے ہیں نماز کی ادائیگی میں خشوع و خضوع وہ بنیادی صفات ہیں جن سے نماز کی اصل روح قائم ہو کر اللہ کے دربار میں اعلیٰ شرف قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی التھانوی تحریر فرماہیں اس حدیث شریف کی تشریح میں۔ مالی اراکم رافعی ايديكم كانها اذناب خيل شمس اسكنوا فی الصلاة۔ فانه يدل على وجوب السكون۔ و أن الرفع الأيدی فی الصلاة ينافيه جلد ۲ صفحہ ۸۲۳ ان رفع اليد عند السلام لا يقال لفاعله اسكن فی الصلاة فانه بهذا الصنع (سلام پھیرنا) يخرج عن الصلاة۔ فافهم صفحہ ۸۲۴ اعلاء السنن جلد

[1313] وعلى حاشية تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق لعلامة شيخ الشبلی على هذا الشرح الجليل جلد ۱ صفحہ ۱۱۴)

۲ السکون الذی ھو طریق ما اجمع علی طلبہ فی الصلاۃ اعنی الخشوع۔ آگے لکھتا ہے ان المطلوب من الشرع عدم الحرکۃ فی الصلاۃ و مبناھا السکون و الخشوع۔[1314] و اعلم أن الحنیفۃ احتجو الترک الرفع عند الرکوع و الرفع منہ ایضاً بحدیث ابن عباس رحمہ اللہ تعالیٰ لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن الحدیث ۱ ۸۵ اعلاء السنن جلد ۲ ۔ أن احادیث الرفع منسوخۃ بحدیثین رواہ ۱ أحدھما عن ابن عباس رضی اللہ عنہ و الثانی رواہ عن ابن الزبیر ۵ ۸۵ اعلاء السنن (و التفصیل فیہ) اعلاء السنن جلد ۲ کوئٹہ۔

موسوعۃ فتح الملھم میں ہے: السکون الذی ھو طریق ما اجمع علی طلبہ فی الصلاۃ أعنی الخشوع اھ۔ کما فی القرآن قد أفلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون سورۃ المؤمنون آیۃ نمبر ۱ و ۲ و الخشوع المطلوب فی الصلاۃ ھو السکون الذی أمر بہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقولہ "اسکنوا فی الصلاۃ" جلد ۳ فتح الملھم صفحہ ۲۳۷ و قد مر أن الخشوع ھو المطلوب الاصلی فی جمع أجزاء الصلاۃ جلد ۳ صفحہ ۳۴۱، المراد الخشوع فی جمع أرکان الصلاۃ صفحہ ۳۷۲، انہ علیہ السلام کان یشیر لرد السلام ثم صار منسوخاً مشمولاً بنسخ الکلام فتح الملھم جلد ۳ صفحہ ۳۷۰ أمر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من تسکین الأطراف فی الصلاۃ: فتح الملھم جلد ۳ صفحہ ۳۷۱

و وجھہ عموم دلیل الرفع للدعاء و یجاب بانہ مخصوص بما لیس فی الصلاۃ للاجماع علی ان لا رفع فی دعاء التشھد اھ۔ فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۵ لا یرفع الایدی الا فی سبع مواطن جلد ۱ صفحہ ۳۷۸ وغیرہ وغیرہ۔

ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو بدخو گھوڑوں کی دم کی طرح ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں نماز سکون سے ادا کرو یہ نماز میں سکون کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور نماز میں ہاتھ اٹھانا اس کے منافی ہے۔ اور سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے والے کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نماز میں سکون کرو۔ کیوں کہ اس فعل سے (نمازی) نماز سے خارج ہو جاتا ہے اس کو سیکھ لو۔ وہ سکون جس کے نماز میں مطالبہ پر اجماع ہے وہ خشوع ہے۔ شرع کو مطلوب نماز میں عدم حرکت کرنا ہے اور اس کا دار و مدار سکون اور خشوع پر ہی ہے۔

جان لو کہ احناف نے رکوع کو جانے اور اس سے اٹھنے کے وقت ہاتھ نہ اٹھانے کے لیے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پر کہ سات مواضع کے علاوہ ہاتھ نہ اٹھانے پر دلیل کو پکڑا ہے۔ (حالت تشہد ان سات مواضع سے نہیں لہٰذا اس میں رفع انگلی کہ دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کے لیے کیا جاتا ہے جیسا کہ گزرا ہے اس حالت میں سے نہیں ہے) بے شک رفع کی احادیث دو حدیثوں پر منسوخ ہوئی ہے ایک ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور دوسری ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ وہ سکون جس کا نماز میں مطلوب اجماعی ہے خشوع ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ یقیناً وہ مؤمنین کامیاب ہوئے جو کہ نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ سورۃ مؤمنون آیت نمبر ۱ و ۲ نماز میں مطلوب خشوع وہ سکون ہے جس کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس حکم سے کیا ہے کہ اسکنوا فی الصلاۃ۔ نماز میں ساکن رہو اور یہ گزرا ہے کہ مطلوب اصلی خشوع نماز کے سارے اجزاء میں ہے۔ نماز کے کل ارکان میں خشوع مراد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواب سلام کے لیے اشارہ کرتے تھے پھر وہ منسوخ ہوا کلام کے نسخ سے یکجا منسوخ ہوا ہے۔

[1314] (۸۵۰ اعلاء السنن جلد ۲)

نبی کریم ﷺ نے نماز میں اطراف کے سکون کا حکم دیا ہے۔

ابن ہمام صاحب ہاتھ اٹھانے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا میں ہاتھوں کے اٹھانے کا عموم ہے مگر جواب یہ ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا اس دعا کے ساتھ خاص ہے جو کہ نماز میں نہ ہو اس لیے کہ اس پر اجماع ہے کہ حالت تشہد میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا نہیں ہے۔ اور سات مواضع کے علاوہ اور جگہ ہاتھ اٹھانا نماز میں نہیں ہے۔

نماز میں آٹھویں وجہ: آٹھویں وجہ یہ ہے کہ خارج از نماز ہاتھ اٹھانا یا اس کے جگہ ایک انگلی اٹھانا اس لیے ہے کہ جیسا نماز کے لیے کعبہ شریفہ قبلہ ہے اس طرح دعا کے لیے آسمان قبلہ ہے۔ **ان السماء قبلة الدعاء كما أن الكعبة قبلة الصلاة**: یعنی جیسا کہ کعبہ شریف نماز کے لیے قبلہ ہے اس طرح آسمان دعا کے لیے قبلہ ہے۔ موسوعۃ فتح الملھم جلد ۳ صفحہ ۳۷۷ اور روح البیان جلد ۶ صفحہ ۲۷ دارالاحیاء بیروت اور مرقات جلد ۵ صفحہ ۴۳ مکتبہ امدادیہ ملتان تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں اس رسالہ کے گزشتہ صفحات۔

مدعیان اشارہ برائے نفی و اثبات بتائے کہ نفی اور اثبات کے لیے قبلہ کس کتاب میں ہے کہ کونسا ہے؟ اس لیے کہ مدعی پر بیان لازم ہوتا ہے۔

نوویں وجہ: وجہ نہم یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کتاب الاصل اور کتاب الآثار لمحمد اور کتاب الحجۃ میں ثابت ہوا ہے کہ نماز میں سکون ہے اشارہ کرنا نہیں موطا میں حدیث نقل کرنا صرف اس لیے ہے کہ نماز میں کنکری الٹ کرنا ایک بار کے علاوہ جائز نہیں اس پر دلیل اس کا ترجمۃ الباب ہی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے **باب من كبر في نواحي الكعبة** میں **ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما** سے روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف کو داخل ہوئے تو نواحی بیت اللہ میں تکبیر کہی اور نماز نہیں پڑھی۔ جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ صحیح بخاری۔

اگرچہ اس حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے بیت اللہ شریف میں نماز نہیں کی مگر امام بخاری کا اس حدیث سے صرف بیت اللہ کے نواحی میں تکبیر ثابت کرنا مراد ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہے **من كبر في نواحي الكعبة** اور اس بات سے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ساقط ہے کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب العشر میں حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول ﷺ نے بیت اللہ میں نماز ادا نہیں کی اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یقینا نماز ادا کی تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو سب نے قبول کیا اور اس پر عمل کیا اور فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو چھوڑ دیا گیا بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ شہادت دینے والے قول پر عمل ہوگا حمیدی نے فرمایا یہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ بے شک نبی ﷺ نے کعبہ میں نماز ادا کی اور فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نماز ادا نہیں کی تو لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہادۃ پر عمل کیا

نہ کہ فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر۔ اس طرح بخاری جلد ا صفحہ ۳۶۰ پر بھی فرمایا کہ لوگوں نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول لیا نہ کہ فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔

دسویں وجہ: دسویں وجہ یہ ہے کہ اس پر اگر کسی نے بھی عمل کر لیا (اشارہ کیا) تو نماز کو لوٹانا پڑے گا۔ کیوں کہ حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ جس نے اپنی نماز میں اشارہ کیا اور اس سے فہم کیا گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی نماز کو دوبارہ ادا کرے۔ ابو داؤد جلد ا صفحہ ۳۶ اور ابو داؤد کی یہ بات کہ یہ حدیث وھم ہے مگر وھم کی کوئی وجہ بیان نہیں کی لہٰذا حدیث مجروح نہیں دوسری بات یہ ہے کہ اس کی توثیق بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ اسطرح اس کو ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث جید کہا ہے ج ا ص ۳۵۸۔

جیسا کہ گزرا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کو شرح سنن دارمی نے جلد ۲ صفحہ ۸۳ التعلیق المغنی نے نقل کیا ہے اور اس میں ابو غطفان کی توثیق بھی گزرے صفحات میں بیان ہوئی ہے۔ ضروری چھوٹی بات یہ ہے کہ جرح مبھم مقبول نہیں جیسا کہ کتب اصول فقہ میں ہے اور موسوعۃ فتح الملھم جلد ۳ صفحہ ۶۶۵ اور مسند بزار جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ حدیث نمبر ۸۴۱۶ جس میں فلیعد صلواتہ او قد فسدت ہے مطبوعہ دارالکتب بیروت کے صفحہ ۶۵ پر مذکور ہے جس کا منع آیات مذکورہ میں ہے ورنہ مذکورہ آیات قرآنی اور الٰہی احکامات کے خلاف ورزی کے زمرے میں پھنس جائے گا۔

ایک شبہ کا ازالہ: بعض متاخرین علماء کا یہ قول اگرچہ کتب ظاہر الروایات میں اشارہ کا ثبوت نہیں مگر نوادرات میں ہے۔

علامہ عبدالحی صاحب نے علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۱ میں نقل کیا جیسا کہ گزرا ہے وہ یہ کہ احادیث نبوی اور مسائل فقہیہ کی نقل بغیر کتب متداولہ سے جائز نہیں۔ کیوں کہ غیر متداولہ پر اعتماد نہیں۔ اس میں زنادقہ اور ملاحدہ نے الحاق کی ہے آگے لکھتا ہے بحر جلد ۶ صفحہ ۲۶۵ پر بھی ہے کہ اگر ہمارے زمانہ میں نوادر کی بعض کتب موجود ہو جائیں ان کے مسائل کی نسبت نہ امام محمد اور نہ امام ابی یوسف کو روا ہے الخ جیسا کہ اس کی تفصیل گزری ہے تو پھر اس کو مذہب بنانا کس طرح جائز ہو گا بلکہ کتاب الاصل سے اور شرح معانی الآثار سے اور کتاب الآثار لامام محمد اور کتاب الحجۃ سے تشہد میں عدم اشارہ مذکور ہے امام طحاوی تفصیل کے بعد تحریر فرماہیں کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اعضائِ بدن کی تسکین کا حکم دیا اور یہ قول کہ ہم نے بیان کیا اس باب میں یہ امام ابو حنیفۃ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور کتاب الآثار کہ امہات الکتب میں سے اس میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا کہ فرمایا نماز کی تعظیم کرو یعنی سکون سے ادا کرو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے۔ وقار کا معنی سکون ہے۔ مجمع بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۱۰۱ و صفحہ ۱۰۲ پر مذکور ہے۔ اور کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ جلد ا صفحہ ۱۴۶ قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ ہاتھ سے اشارہ کرے اس لیے کہ نماز میں شغل ہے اور صفحہ ۱۴۷ پر لکھتا ہے کہ محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اپنے نماز میں نمازی کے لیے اچھا نہیں

کہ نماز میں کسی چیز کا اضافہ کرے جو نماز سے نہیں وہ اشارہ وغیرہ ہے۔ اس لیے کہ خشوع نماز میں سے ترک اشارہ ہے یعنی اشارہ نہ کرنا ہے۔ صفحہ ۱۴۷ صاحب بحر الرائق تحریر فرماہیں: **ماخرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه لما قرروه الاصول من عدم امكان صدور قولين مختلفين متساويين من مجتهد و المرجوع عنه لم يبق قوله كما ذكروه جلد ٦ صفحه ٢٧٠۔**

ترجمہ: جو ظاہر روایت سے خارج ہو تو اس سے رجوع کیا گیا ہے اس وجہ سے کہ علماء نے اصول میں ثابت کیا ہے کہ مجتہد سے دو قول مختلف مساوی ایک جیسے ممکن نہیں اور جس قول سے رجوع ہوا ہو وہ اس مجتہد کا قول نہیں رہا جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا ہے۔

علامہ امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تضرع کی دعا میں چھوٹی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور مسبحہ سے اشارہ کرکے اور دعا کرے پھر دعا خفیہ کے ذکر کے بعد فرمایا کہ اس وجہ سے املاء میں امام ابو یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز کے شروع کے وقت اور حجر اسود کے استلام کے وقت اور وتر میں قنوت کے وقت اور عیدین کے تکبیرات کے وقت ہتھیلی انگلیوں سمیت قبلہ کی طرف ہو اور صفا و مروہ اور عرفات اور مزدلفہ اور جمرتین کے ہاں ہتھیلی انگلیوں سمیت ہاتھ اٹھانے کے وقت آسمان کی طرف ہو۔ اس لیے اس مقامات میں دعاء رغبت کرتے ہیں۔ اھ مبسوط لسرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ جلد ا صفحہ ۱۶۶ تو بعد میں بعض نے غلطی سے اس سے تعبیر مروجہ اشارہ سے کیا جو کہ سراسر غلط اور قرآن و سنت اور مذہب حنفی کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر مولا بخش سکندری کے مفروضے کا ابطال:

یہ مسکین علم مولانا سکندری تحریر کرتا ہے کہ عام متاخرین نے اشارہ سبابہ کے سنت ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ دعویٰ بے دلیل ہے جو کہ کسی وجہ سے مقبول نہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مذکورہ آیات قرآنی اور حادیث قولی کا مخالف ہے جس کو کوئی موحد مسلمان قبول نہیں کرے گا۔ آیئے تفسیر مظہری کا مطالعہ کریں۔

مسئله: اذا افتى المجتهد و ظهر ان فتوىٰ مخالف للكتاب او السنة وجب علينا اتباع الكتاب و السنة روى البيهقى فى المدخل باسناد صحيح الى عبدالله بن المبارك قال سمعت ابا حنيفة يقول اذا جاء عن النبى ﷺ فعلى الرأس و العين و ذكر عن الروضة العلماء عن ابى حنيفة قال اتركوا قولى بخبر الرسول ﷺ و قول الصحابة رضى الله عنهم و نقل عنه انه قال اذا صحيح الحديث فهو مذهبى اھ۔ مظهرى جلد ٢ پاره ٥ صفحه ١٥٥ بلوچستان بک ڈپو کوئٹه۔

ترجمہ: جب ایک مجتہد فتویٰ دے اور ظاہر ہو جائے کہ اس کا فتویٰ قرآن یا سنت کے خلاف ہے ہم پر واجب ہے کہ ہم قرآن و سنت کی اتباع کریں مدخل میں صحیح سند کے ساتھ بیہقی میں ہے کہ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے جب حضور علیہ السلام کا قول آئے ہمیں سر و چشم سے قبول ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روضۃ العلماء میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خبر کی وجہ سے میرا قول چھوڑ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول کی وجہ سے بھی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہ میرا مذہب ہی ہے اور مدخل الکبیر اردو میں ہے۔ ربیع بن

سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے سنا جب تم میری کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف کوئی بات پاؤ تو سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق عمل کرو اور جو کچھ میں نے کہا ہے اسے چھوڑ دو۔ خطیب نے والمتفقہ (۱/۱۵۹) ابو نعیم فی الحلیہ (۹/۱۰۷) اور بیہقی کے مناقب (۱/۷۲۔۴۵۳) میں اس کی تخریج کی صفحہ ۱۸۴ پر معارف اسلامیہ منصورہ۔

ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کسی کے لیے ہمارے قول پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے یہ بات کہاں سے کی ہے۔ قاضی ابو یوسف صاحب وامام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدخل ۱۸۸ اص حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے کہا اے عبد اللہ! اس آیت کے بارے میں کچھ بتائے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ الایۃ التوبۃ ۳۱۔ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ ان کی عرفی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال سمجھتے تھے لیکن جب اللہ کی حلال کی ہوئی شے ان کی طرف سے حرام گردانی جاتی تو یہ بھی اسے حرام جانتے تھے۔ پس وہ اس طرح ان کے ارباب ہو گئے۔

ایک اور طریق سے یہ روایت یوں آئی ہے۔ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اتخذوا الایۃ کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے ہاں جب وہ کوئی شے حلال کر دیتے تو اسے استعمال کرتے اور جب حرام کر دیتے تو اسے حرام سمجھ لیتے (بیہقی نے سنن (۱۰/۱۱۶) ابن جریر نے (۱۰/۸۱) ابن عبد البر نے (۲/۱۰۹) میں اس کی تحریر کی ہے۔

اور یہی روایت عدی بن حاتم نے رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً بیان کی ہے۔ عدی ابن حاتم کہتے ہیں۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے کہا یا عدی! یہ بت اپنی گردن سے نکال دو۔ عدی کہتے ہیں میں نے اسے نکال دیا اور آپ ﷺ کے قریب آیا تو آپ ﷺ سورۃ توبہ کی تلاوت کر رہے تھے چنانچہ یہ آیت پڑھی۔ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا الیس یحرمون ما احل اللہ فیحرمونہ ویحلون ما حرم اللہ فیستعملونہ۔ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! ﷺ یہ تو ہے! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا پس یہی ان کی عبادت ہے اس کی تخریج بیہقی نے السنن میں، ترمذی نے باب التفسیر میں اور طبرانی نے الکبیر میں اپنے اپنے طریق پر اس کی تخریج کی ہے۔ مدخل کبیر اردو صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸ اور تفسیر مظہری عربی بلوچستان بک ڈپو جلد ۴ پارہ ۱۰ صفحہ ۱۹۴۔

تیسری وجہ: علامہ سکندری صاحب کہتا ہے: روایات عدم اشارہ روایات اصول اور نوادر سے نہیں بلکہ واقعات اور فتاویٰ اور نوازسے ہے جسے کا مرتبہ نوادر سے کم ہے ناظرین سے التماس ہے کہ یہ بھی دعویٰ بلا دلیل ہے اور مردود ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ کا مصنف طاہر بن أحمد مسائل میں أعلام المجتہدین میں سے ہیں اس نے اسے واقعات اور خزانہ سے مختصر کی ہے یہ علماء کے ہاں معتبر کتاب اور فقہاء کے ہاں معتمد ہے۔ فوائد البھیہ صفحہ ۸۴ نور محمد کراچی۔

احمد بن محمد الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: جلیل القدر امام ہیں مختصر الطحاوی اس کے مجتہد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ **عالم بجمیع المذاھب العلماء یعنی** علماء کے سارے مذاہب پر عالم تھے۔ فوائد بھیئہ جلد ا صفحہ ۳۳و۳۴ وحالات مصنفین درس نظامی ۱۲۹-۱۳۷ تک ملاحظہ ہو۔

ابو بکر الراضی الجصاص مفسر مجتہد کا حال ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یہ ہے سکندری کی ایمانداری تفصیل ان شاء اللہ دوسری رسالہ میں اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی قلمبند کر دی جائے گی یہ بھی تعجب کی بات ہے اشارہ برائے رد سلام اور اشارہ برائے دعا کی احادیث منسوخہ کو نماز میں اشارہ مروجہ پر حمل کر کے اہل حق کی تردید کی۔

ایک اہم تحقیق: ان کان المفتی غیر مجتہد: اگر مفتی مجتہد نہ تھا تو اٹکل سے جواب نہ دے گا تاکہ اللہ تعالیٰ پر افتراء واقع نہ ہو جائے۔ قاضی خان صفحہ ۳۔

أما غیر المجتھد ممن یحفظ اقوال المجتھد فلیس بمفت والواجب علیه اذا سئل ان یذکر قول المجتھد کابی حنیفة علی جھة الحکایة۔اھ۔عمدة الرعایه مقدمه صفحه ۱۱۔

وہ مفتی جس نے صرف مجتہد کے اقوال یاد کیے ہوں اور مجتہد نہیں ہو تو اس پر واجب ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے کہ مجتہد کے قول بیان کریں جیسے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطور حکایت اس لیے کہ یہ شرعاً مفتی نہیں مگر سکندری صاحب نے اس کے سنت ہونے کے لیے کسی مجتہد کا نام نہیں لیا لہٰذا یہ سعی لاحاصل ہے اور مذہب کے خلاف مقبول نہیں۔

چوتھی وجہ: مسائل شرعیہ کے ثبوت کے لیے دلائل شرعیہ قرآن اور سنت اور اجماع ہے اور وہ قیاس مجتہد جو ان تین دلائل سے مستنبط ہو نہ کہ خواہشات مفتیان ہوں ان کا یہ منصب نہیں۔ فرض فرض ہے واجب واجب ہے سنت سنت ہے مستحب مستحب ہے یہ کسی مفتی کے فتویٰ کی وجہ سے تبدیل نہیں ہو سکتا نہ فرض کسی فتویٰ سے واجب یا سنت یا مستحب بن سکتا ہے اور نہ مستحب سنت یا واجب یا فرض کسی کے فتویٰ سے بنتا ہے وغیرہ وغیرہ تو یہ سکندری صاحب کی واضح جہالت ہے کہ بعض متاخرین مفتیوں کے فتویٰ سے اشارہ سنت ثابت کرتا ہے۔

اس لئے کہ یہ قول مشرکین سے مشابہت رکھتا ہے جس کا بیان سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۶و۳۷ میں ہے۔ اشرف علی تھانوی بیان قرآن میں تحریر کرتا ہے۔

عود بذکر بعض جہالات کفریہ مشرکین: اس جہالت کا حاصل تبدیل احکام متعلقہ زمان تھا۔اھ۔ تعریف سنت: **ان السنة ما واظب علیه النبی** ﷺ۔ یعنی سنت وہ ہے جس پر نبی ﷺ نے ہمیشہ گیری کی ہو۔ شامی جلد ا صفحہ ۴۹۰ مصری۔

اعلم ان المشروعات اربعة أقسام فرض و واجب و سنة و نفل فما کان فعله اولی من ترکته مع منع الترک ان ثبت بدلیل قطعی ففرض أو ظنی فواجب و بلا منع الترک ان کان مما واظب علیه الرسول الله ﷺ **او الخلفاء الراشدون من بعده فسنة**

والافمندوب ونفل الخ۔ یعنی چار قسم مشروعات ہیں فرض اور واجب اور سنت اور نفل۔ تو جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہو اور نہ کرنے سے منع آیا ہو اگر دلیل قطعی سے ثابت ہو تو یہ فرض ہے۔ اور اگر دلیل ظنی پر ثابت ہو تو یہ واجب ہے۔ اور ترک کرنے سے منع نہ ہو اگر اس پر نبی کریم ﷺ نے ہمیش گیری کی ہو یعنی ہمیشہ کیا ہو یا آپ ﷺ کے بعد خلفاء الراشدین نے اس پر مواظبت کی ہو تو یہ سنت ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو مندوب اور نفل ہے۔ شامی جلد ا صفحہ ۷۶ مصری۔ **ان التفاوت فی الاحکام انمایکون بتفاوۃ الخطاب دون العقل تمھیدابی شکور سالمی ص ۱۱۔** یعنی احکام میں تفاوت عقل سے نہیں بلکہ خطاب کے تفاوت کی وجہ سے ہے۔

وجہ پنجم: سکندری صاحب کا اقرار کہ عام متأخرین نے اشارہ بالسبابہ کے سنت ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ سکندری صاحب نے بالواسطہ طور پر شاہ صاحب کی تصدیق کی ہے کہ اصل مذہب اور متقدمین کے ہاں یہ اشارہ نہیں ہے پھر ان کا ان متأخرین کی اتباع نصوص قرآن کی صریح خلاف ورزی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

(۱) اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (۶) صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔یعنی ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔ فاتحہ آیت ۵و۶۔

تفسیر: صراطِ مستقیم سے مراد اسلام یا قرآن یا خُلقِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضور کے آل واصحاب ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم طریقِ اہلِ سنت ہے جو اہلِ بیت واصحاب اور سنّت و قرآن و سوادِ اعظم سب کو مانتے ہیں۔

"**صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ**" جملہ اُولیٰ کی تفسیر ہے کہ صراطِ مستقیم سے طریقِ مسلمین مراد ہے، اس سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں کہ جن امور پر بزرگانِ دین کا عمل رہا ہو وہ صراطِ مستقیم میں داخل ہے۔

(۲) يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ النساء آیت نمبر ۲۶

اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لئے صاف بیان کر دے اور تمہیں اگلوں کی روشیں بتادے (انبیاء وصالحین کی) اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ: أی مناهج من تقدمكم من الانبياء والصالحين لتفتقوا أثرهم وتتبعوا سيرهم۔ روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۱۳ امدادیہ ملتان۔

یعنی آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء علیہم السلام اور نیک بندوں رحمہم اللہ تعالیٰ کے راستے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بتائے تاکہ آپ ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے سیرتوں کا اتباع کریں (نہ کہ ان کے خلاف فتویٰ جاری کریں) مجلہ میں ہے: **الاصل بقاء ما کان علی ما کان صفحہ ۸۷، ۷۶ ۴ مادہ و صفحہ ۵ ملاحظہ ہو۔ شرح مجلہ سلیم رستم باز صفحہ ۲۰ وغیرہ اور شرح مجلہ محمد خالد الاتاسی جلد ا صفحہ ۲۰ اور درر الحکام شرح مجلہ تالیف علی حیدر جلد ا صفحہ ۲۳۔**

مادہ: القدیم یترک علی قدمہ: مجلہ صفحہ ۸۷ مادہ نمبر ۶ اور شرح مجلہ رستم باز صفحہ ۱۲۱ اور الاتاسی جلد ۱ صفحہ ۲۳ اور درر الحکام جلد ۱ صفحہ ۲۴ یعنی پرانا اپنے حال پر چھوڑا جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ انہیں نماز کے درمیان وضو ٹوٹنے کا شک لاحق ہوتا رہتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک نماز نہ توڑو جب تک کہ تمہیں بدبو محسوس نہ ہو جائے یا تم (ریح کی) آواز نہ سن لو۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اس حدیث میں اسلام کے اصول اور قواعد میں سے ایک عظیم اصل اور قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اشیاء کو ان کی اصل پر باقی رکھنے کا حکم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے خلاف یقین دہانی ہو جائے الخ۔ مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۵۸ حدیث نمبر ۷۰۸ و ۷۰۹

لا مساغ للاجتہاد فی مورد النص مادہ نمبر ۱۴ صفحہ ۸۸ وغیرہ۔ الاجتہاد لا ینقض بمثلہ مادہ نمبر ۱۲ صفحہ ۸۸ مجلہ نمبر ۸۸ اور شرح مجلہ رستم باز صفحہ ۲۵، ۲۶ اور شرح اتاسی جلد ۱ صفحہ ۴۰ و صفحہ ۴۵ اور درر الحکام جلد ۱ صفحہ ۳۲ و ۳۴ نص کے باوجود اجتہاد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور ایک اجتہاد اپنے جیسے اجتہاد سے ٹوٹ نہیں جاتا۔ اس وجہ سکندری صاحب کا نقل کردہ اور بیان کردہ فتویٰ سے کوئی کام نہیں بن سکتا ہے۔ باقی رہا سکندری کا یہ حکم کہ عدم اشارہ روایات اصول میں سے نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں قرآن و سنت اصول میں سے نہیں جو کہ ہم نے مختصراً بیان کیا۔ اس لیے ان کو اپنا حکم خود سوچنا چاہئے۔ اور تفسیر مظہری میں ہے پیچھے خلاف پہلے اجماع کو ختم نہیں کرتا مظہر جلد ۳ صفحہ ۳۴۳ پارہ ۸ اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر کرتے ہیں۔

لا یجوز تقلید من لا سلف لہ: رسائل ابن عابدین جلد ۱ صفحہ ۱۳۳۵ اصل عبارت اس طرح ہے: **لا یجوز لنا تقلید البزازیہ و من تبعہ فی ذلک حیث لم نر لھم سلفا و مستنداً بل راینا صریح النقول فی المذھب و غیرہ مخالفۃ لکلامھم۔**

یعنی ہمیں بزازی اور اس کے متعین کا تقلید کرنا جائز نہیں ہے اس بارے میں پہلے مذکور ہے۔ اس وجہ سے کہ ہم ان کے لیے سلف اور مستند نہیں دیکھے ہیں بلکہ ہم مذہب میں صریح نقول ان کے کلام کے مخالف دیکھتے ہیں۔

قابل غور بات: مندرجہ بالا وجوہات اور گزشتہ آیات قرآن بابت خواہشات ایک مبین دلیل ہے کہ سکندری صاحب کا منقولہ فتویٰ ایک موحد مسلمان کے لیے کبھی بھی قابل تسلیم اور قابل عمل نہیں دعا ہے کہ اللہ جل مجدہ سکندری صاحب کی تقلید سے سارے مسلمانوں کو محفوظ اور مامون رکھے۔ محترم سکندری صاحب کی ایک اور بات ملاحظہ ہو۔

وہ یہ کہ لکھتا ہے کہ عدم روایات اصول اور نوادر سے نہیں بلکہ واقعات کی روایات سے ہے: جواباً عرض ہے کہ مقولہ ہے۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ کیا ہدایہ واقعات سے ہے؟ جس کا مرتبہ بیان ہوا ہے گزشتہ اوراق میں کیا کتاب الاصل واقعات میں سے ہے؟ جس کا حوالہ گزرا ہے۔ کیا کتاب الآثار واقعات سے؟ جس کا مقام بیان ہوا ہے۔

کیار قایۃ الروایات واقعات میں سے ؟ جس کا مقام مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو کیا متون میں سے متن لابی جعفر الطحاوی واقعات میں سے ہے ؟ علامہ عبدالحی لکھنوی مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۰ پر لکھتا ہے۔

المراد بالمتون فی قولهم ما فی المتون مقدم۔۔۔ التی الفها حذاق الائمة و کبار الفقهاء المعروفین بالعلم و الزهد و الفقه و الثقة کابی جعفر الطحاوی اھ:

یعنی مراد متون میں سے وہ متون ہے جن کی تالیف عقل مند، ہوشیار ماہرین ائمہ اور بڑے فقہاء کا جو کہ علم اور پاکیزگی اور فقہ میں ثقہ ہونے میں مشہور ہے جیسے امام ابو جعفر طحاوی۔ اھ۔ مقدمہ نمبر ۱۰۔

ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انگلیوں کو بکھرے ہوئے کرے: **ولا یشیر بشئی منها** اور ان میں سے کسی پر اشارہ نہ کرے اور دلیل میں ہدایۃ کی طرح وائل بن حجر کی منقول حدیث بیان کی اور شارح علامہ جصاص نے بھی شرح مختصر الطحاوی میں اس کی تاکید کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اپنی انگلیوں کو بکھرے ہوئے کرے اور ان میں سے کسی پر اشارہ نہ کرے کیوں کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں اپنے ہاتھوں کو بند رکھ دو اور نماز میں سکون کرو۔ شرح مختصر الطحاوی جلد ا صفحہ ۶۲۸ و ۶۲۹ کریمیہ کوئٹہ یعنی عدم اشارہ نماز میں روایتاً ثابت ہے۔ اسی طرح قرآن میں بھی ہے جیسا کہ گزرا ہے کہ **کفوا ایدیکم الخ**۔

اس سے ناظرین علامہ سکندری صاحب کی ایمانداری دیانتداری، سچائی ودھوکہ دہی معلوم کریں کہ وہ کتنا دشمن حق ہو کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ **العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ**۔ اس جیسے اشخاص نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کو غلط نسبت کی ہے کہ انہوں نے نوادر اور املا میں یہ کہا ہے اور یہ کہا ہے تاکہ مذہب حنفی کی جڑ کمزور کر کے لوگوں کے ذہن میں یہ راسخ کرے کہ ائمہ احناف اتنے بے علم ہیں کہ ان کی بات ایک نہیں ایک جگہ ایسا لکھا ہے اور دوسرے جگہ میں یوں لکھا لہٰذا مذہب حنفی بااعتماد مذہب نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حنفی کتابوں کو بھی حتی المقدور ردوبدل کرتے رہتے ہیں اس لیے ان کو یعنی احناف کو ان لوگوں کی باتوں سے ہوشیار رہنا ضروری ہے تاکہ لامذہب نہ ہو جائیں۔ یہ بات ذہن نشین کریں۔

نچوڑ

یہاں تک کہ بطریق اختصار جو بیان ہوا یہ بطریق حوالہ جات ہے نہ کہ اپنی خواہشات سے اور ناقل پر تصحیح نقل ہوتی ہے نہ کہ اس سے بڑھ کر جواب دہی سابقہ اوراق میں ذکر ہوئی کہ احادیث فعلی مثبتین اشارہ برائے نفی واثبات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ احادیث قولی پر دارومدار شریعت کا ہے اس لیے قولی حدیث پر عمل ہوتا ہے نہ کہ فعلی پر۔

۲۔ ان کی پیش کردہ احادیث میں اضطراب ہے اس لیے اس پر دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ اس سے نسخ آیات قرآنی لازم آتا ہے اور احادیث اُحاد پر نسخ آیاتِ قرآنی شیوہ ملحدین ہے۔

۴۔ان احادیث اشارہ برائے دعااور رد سلام کے لیے ہے نہ کہ اثبات توحید کے لیے۔

۵۔توحید کے لیے اقرار لسانی اور تصدیق قلبی کافی ہے۔

۶۔ اقرار لسانی اور تصدیق قلبی کے ساتھ اشارہ بالجوارح کا ثبوت نہ قرآن کریم میں ہے نہ احادیث رسول مقبول ﷺ کے ارشادات میں اور نہ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین سے منقول ہے۔

۷۔یہ بھی گزرا یہ احادیث فعلی ارشاد رسول مقبول ﷺ کہ **اسکنوا فی الصلوٰۃ** اور نماز میں شغل ہے وغیرہ مذکور شدہ۔

۸۔حق کسی کی خواہشات کے تابع نہیں۔

۹۔خواہشات تابعداری موجب ضلالت ہے۔

۱۰۔کسی کی خواہش کی تابعداری آیات قرآنی مذکورہ سے ممنوع اور موجب ضلالت ہے۔

۱۱۔نماز میں اشارہ کرنے والے کو حضور علیہ السلام نے حکم اعادہ نماز کا کیا ہے۔

۱۲۔اس میں رسول مقبول ﷺ کے اس قول کی صریح خلاف ورزی ہے جس کو ابوالوفاء افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار کی تشریح میں ذکر کیا ہے۔وہ یہ: **کفوا ایدیکم فی الصلاۃ**۔ نماز میں اپنے ہاتھوں کو بند رکھو۔

۱۳۔اس میں حضور اکرم ﷺ کے اس حکم، امر کا توڑ ہے۔ جس کو امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ مکتوبات مترجم اردو جلد ۱ صفحہ ۷۲۰ اور مبسوط السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جلد ۱ صفحہ ۲۳ میں ذکر کیا وہ یہ کہ فرمایا اور حکم کیا: **فلیوجہ من اعضائہ القبلۃ ما استطاع**۔ جہاں تک ہو سکے اپنے اعضاء کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔

۱۴۔اس میں ارشاد نبوی ﷺ کی بھی کھلی مخالفت کرنا ہے کہ فرمایا۔ **الحدیث المشھور۔ ان النبی ﷺ قال لاترفع الایدی الرفع فی سبع مواطن الخ مبسوط جلد ۱ صفحہ ۱۴** وغیرہ جو گزرے ہیں اور فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ و صفحہ ۲۷۱ کے ساتھ کفایۃ یعنی یہ مشہور حدیث شریف ہے کہ سات مواضع کے علاوہ اور جگہ نماز میں ہاتھ مت اٹھاؤ۔

۱۵۔ان میں سند کے اضطراب کے علاوہ لفظی اضطراب بھی ہے۔

۱۶۔اور یہ قاعدہ ہے۔ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال: اعلاء السنن جلد ۲ صفحہ ۵۷۵، ۶۱۰، ۶۴۹ مکتبہ امدادیہ کوئٹہ۔**

۱۷۔ الرفع للدعاء مخصوص بما لیس فی الصلاۃ للاجماع علی انہ لا رفع فی دعاء التشھد مراقی الفلاح، میر محمد کتب خانہ کراچی صفحہ ۷۸ اور فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۷۵۔

یعنی اس پر اجماع ہے کہ تشہد میں دعا کے وقت رفع ایدی نہیں یہ اس دعاء کے ساتھ خاص ہے جو نماز سے خارج ہو۔

۱۸۔ والصواب عندی انہ کان للدعاء۔۔۔ و فی الحدیث تصریح بان الرفع کان للدعاء فیض الباری شرح صحیح البخاری لمولانا محمد انور شاہ الکشمیری الدیوبندی جلد ۴ صفحہ ۱۴۳ اور تحریرات حدیث علی اُصول التحقیق۔ مولوی حسین علی صفحہ ۱۴۷ اور تعلیق ابوالوفاء الافغانی کتاب الآثار لامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۵۸۳ وغیرہ اور الجوہر النقی ذیل السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ اشرفیہ ملتان۔

للعلامہ علاء الدین ابن لترکمانی۔ وغیرہ یعنی رفع مسبحہ برائے دعاء اخر نماز میں تھا اب نماز میں اس کا رفع منسوخ ہے اور خارج از نماز باقی ہے اپنے حال پر۔

۱۹۔ یہ اس آیت قرآنی کا خلاف کرنا ہے۔ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ۲) تفصیل گزری ہے۔

۲۰۔ یہ آیت الٰہی: وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (البقرۃ ۲۳۸) کے خلاف ہے۔ تفصیل گزری ہے۔

۲۱۔ اس طرح فَوَلِّ وَجْهَكَ اور فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ چار دفعہ تفصیل گزری ہے ملاحظہ ہو۔ اس میں ذکر ہے جزء کا اور اس سے مراد کل بدن ہے جس کی تفسیر منیر سے تفصیل گزری ہے۔ اس پر دلیل حدیث مرویہ امام بخاری کی ہے وغیرہ اور تفسیر کبیر سے تفصیل گزری ہے اور تفسیر خازن بھی کا عبارت بھی اس صفحہ پر ہے اور تفسیر بحر المحیط کا عبارت تفصیل گزری ہے۔

۲۲۔ اس طرح كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ سورۃ النساء تفصیل گزری ہے۔

یعنی حکم خداوندی اور فرمان رسول اللہ ﷺ سے نماز میں خشوع اور سکون اور انگلی یا ہاتھ نہ اٹھانا نماز میں مامور بہ ہے تو کس طرح یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ہم نماز میں اشارہ کریں۔

ان کی اطاعت سبب رحمت الٰہی:

۱۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ آل عمران آیت نمبر ۱۳۲

ترجمہ: اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول کا امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔

۲۔ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ النساء آیت نمبر ۱۳

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو ایسی بہشتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

۳۔ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔ الاحزاب آیت نمبر ۷۱

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

۴۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ المجادلة آیت نمبر ۱۳

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار رہو اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

۵۔ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ۔ ال عمران نمبر ۱۷۲

ترجمہ: وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ اُنہیں زخم پہنچ چکا تھا ان کے نکوکاروں اور پرہیز گاروں کے لئے بڑا ثواب ہے۔

(۲۳) مذکورہ پانچ بار حکم الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کا خلاف ورزی اور ان آیات میں بیان شدہ اجر سے اشارہ کرنے سے محروم ہونا ہے۔

یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے سبقت ممنوع ہے۔

۶۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ الحجرات نمبر ۱

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو (یعنی تمہیں لازم ہے کہ اصلا تم سے تقدیم واقع نہ ہو، نہ قول میں، نہ فعل میں کہ تقدیم کرنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب واحترام کے خلاف ہے بارگاہِ رسالت میں نیاز مندی و آداب لازم ہیں۔

شانِ نزول: چند شخصوں نے عیدِ اضحیٰ کے دن سیّدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ بعضے لوگ رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے، ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی سے تقدم نہ کرو۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)) اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے ۔

مخالفت کرنے والوں کا ثمرہ:

۷۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ۔ المجادلة نمبر ۵

ترجمہ: بیشک وہ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی ذلیل کئے گئے جیسے ان سے اگلوں کو ذلّت دی گئی (رسولوں کی مخالفت کرنے کے سبب) اور بیشک ہم نے روشن آیتیں اتاریں (رسولوں کے صدق پر دلالت کرنے والی) اور کافروں کے لئے خواری کا عذاب ہے۔

۸۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ۔ المجادلة ۵۔

ترجمہ: بیشک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

خدا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے پہلو تہی کرنا:

۹۔ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ۔ النور نمبر ۴۸

ترجمہ: اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کردیں تو ان میں سے ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے۔

اور حکم الٰہی ہے:

۱۰۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ النساء نمبر ۵۹

ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ ہم نے اس فیصلے کو حکم ربی سے لے لیا ہے اور فیصلہ اس میں ہماری طرف پر کیا گیا ہے وہ یہ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ الاحزاب آیت نمبر ۲۱

جواب: عرض یہ ہے کہ مذکورہ آیت مثبتین کے لیے کسی طرح بھی دلیل نہیں پہلے ترجمہ آیت کا: بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔ اول یہ کچھ تفصیل سے ذکر کیا گیا کہ مذکورہ احادیث فعلیہ برائے اشارہ نفی واثبات کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد دعا ہے۔ اور اس طرح پیر طریقت رہبر شریعت غوث الزمان شیخ القرآن و شیخ الحدیث اور شیخ الشیوخ حضرت علامہ عبد الہادی صاحب شاہ منصوری قدس اللہ سرہ تسہیل الترمذی میں رقم طراز ہے۔ ذکر امام الربانی منعها و اجاب عن الاحادیث الواردة بثبوتها جواباً شافیا فی کتاب المسمی بالمکتوبات فعند اصحاب المتون و الشراح کلهم ممنوعة ای الاشارة المصطلحه برفع السبابة فی النفی و الوضع فی الاثبات لانهم یقولون ماوجد فیها حدیث صحیح کما هو مفصل فی المکتوبات نعم منعها ثابت بحدیث النسائی فی صفحه ۱۷۶۔ اسکنوا فی الصلوة انتهی و فی الحاشیة (کان هذا من

علل ترک الاشارۃ الی التوحید فی التشھد انتھی تسھیل صفحہ ۵۸۔ باانھا تنافی السکون اخذ ذلک من ھذہ الروایۃ) اعنی لفظ اسکنوا فی الصلوٰۃ اھ سندھی علی النسائی صفحہ ۱۷۶ ایضاً: قال طحاوی صفحہ ۱۵۳ فی حدیث عیسیٰ یشیر فی الدعاء باصبع واحد۔ انتھی و فی جوھرۃ النقی فی الرد علی البیھقی فی حدیث وائل مرفوعاً اشار بالسبابۃ یدعوا دلیل علیٰ ان ذلک کان فی اخر الصلوۃ انتھی۔ فثبت بما ذکرہ رفع السبابۃ للدعاء فی آخر الصلوۃ لا فی القعدۃ الاولیٰ اذ لا دعاء فیھا (فالصلوۃ بدون الاشارۃ مامور بہ و فی الاشارۃ ترک مامور بہ۔ اھ۔[1315]

یعنی: امام ربانی نے اشارہ کا منع اپنے کتاب مکتوبات میں ذکر کیا ہے اور اس کے ثبوت احادیث واردہ کا جوابات دیا ہے تو اشارہ مصطلحہ مسبحہ اٹھانے سے نفی پر اور رکھنے سے اثبات پر سب اہل متون اور شروح کے ہاں ممنوع ہے اس لیے کہ کہتے ہیں کہ اس بارے کوئی حدیث صحیح نہیں پائی گئی۔ جیسا کہ مکتوبات میں تفصیل سے ذکر ہے۔ اس سے منع نسائی شریف کے حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں سکون کرو اور نسائی کے حاشیہ پر علامہ سندھی نے ذکر کیا ہے کہ تشہد میں اشارہ نہ کرنے کا یہ اس کے علتوں میں سے ہے اس لیے کہ یہ سکون سے مخالف ہے یہ اس روایت سے لیا گیا ہے میرا مطلب لفظ **اسکنو فی الصلوٰۃ** کہ نماز میں سکون کرو۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیث میں آیا ہے کہ وہ دعا میں ایک انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ اور جوہرۃ النقی میں امام بیہقی پر رد کرنے میں مرفوع حدیث وائل میں ہے کہ مسبحہ پر اشارہ سے دعا کرتے تھے اس پر دلیل ہے کہ یہ نماز کے آخر میں تھی تو اس کے بیان کردہ تحقیق سے ثابت ہوا کہ مسبحہ اٹھانا دعاء کے لیے تھا نماز کے آخر میں نہ پہلے قعدہ میں اس لیے کہ اس میں دعا کرنا نہیں ہے تو بغیر اشارہ کے مامور بہ ہے یعنی نماز کا امر بغیر اشارہ کے ہے اور اشارہ کرنے میں جس کا امر ہوا ہے وہ چھوڑ دینا ہے۔ انتھی۔

جواب آخر: امام حجۃ الاسلام علامہ الرازی الجصاص الحنفی المجتہد المفسر نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں ذکر کیا ہے۔ **یقتضی ظاھرہ الندب دون الاجاب لقولہ تعالیٰ (لکم) مثل قول القائل لک ان تصلی و لک ان تصدق لا دلالۃ فیہ علی الوجوب بل یدل ظاھرہ علی ان لہ فعلہ و ترکہ الخ۔**

ترجمہ: اس آیت کا ظاہر دلیل ندب ہے واجب کرنے کا نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے لکم فرمایا جیسا کہ کوئی کہے آپ کے لیے نماز کرنا ہے اور آپ کے لیے تصدق کرنا ہے تو اس میں واجب ہونے کے لیے کوئی دلیل نہیں بلکہ ظاہر طور پر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے لیے اس کا کرنا اور نہ کرنے کا اختیار ہے۔

خدا اور رسول کے حکم میں مؤمن اور مؤمنہ کے لیے اختیار نہیں

۱۱۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا۔ الاحزاب نمبر ۳۶

[1315] تسھیل الترمذی صفحہ ۵۹۔

ترجمہ: اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ ورسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے عدم اطاعت سے اعمال برباد ہوتے ہیں:

۱۲۔یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللَّهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَکُمْ۔محمد نمبر ۳۳

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔

ماننے والا جنتی ہے اور نہ ماننے والا دوزخی ہے:

۱۳۔وَمَنْ یُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ یُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ یَتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِیمًا۔الفتح آیت نمبر ۱۷

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اللہ اسے باغوں میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں اور جو پھر جائے گا اسے دردناک عذاب فرمائے گا۔

مخالفت کرنے والوں کا انجام:

۱۴۔یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ یَقُولُونَ یَالَیْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا۔الاحزاب نمبر ۶۶

ترجمہ: جس دن ان کے منھ اُلٹ اُلٹ کر آگ میں تلے جائیں کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔ آگے آیت نمبر ۶۷ کا ترجمہ بھی سن لیجئے: اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا۔

مخالفت اللہ ورسول کا انجام:

۱۵۔وَمَنْ یَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِینَ فِیهَا أَبَدًا۔الجن۔آیت نمبر ۲۳

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کے لئے جہنّم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔

۱۶۔أَلَمْ یَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ یُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیهَا ذَلِکَ الْخِزْيُ الْعَظِیمُ۔التوبۃ آیت نمبر ۶۳

ترجمہ: کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے۔

۱۷۔وَیَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلَّی فَرِیقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِکَ وَمَا أُولَئِکَ بِالْمُؤْمِنِینَ۔النور نمبر ۴۷

ترجمہ: اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا پھر کچھ ان میں کے اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور وہ مسلمان نہیں۔

مخالفت رسول اللہ ﷺ ممنوع ہے:

۱۸۔ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ النساء نمبر ۱۱۵

ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

۱۹۔ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ۔ النساء نمبر ۱۴

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اسکی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اُسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے خواری کا عذاب ہے۔

حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے پہلو تہی کرنا مضر ہے اور کام منافق ہے۔

۲۰۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا۔ النسآء نمبر ۶۱

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔

وعید پہلو تہی پر:

۲۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ۔ ال عمران نمبر ۳۲

ترجمہ: تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

۲۲۔ فرمان الٰہی ہے: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ المائدہ آیت نمبر ۹۲

ترجمہ: اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمّہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔

۲۳۔ حکم ربی ہے: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ انفال نمبر ۱

ترجمہ: اور اللہ ورسول کا حکم مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔

۲۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ۔ الانفال نمبر ۲۰

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اسے نہ پھرو۔

۲۵۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ الانفال نمبر ۴۶

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کروگے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو بیشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

۲۶۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ التغابن نمبر ۱۲

ترجمہ: اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو پھر اگر تم منھ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔

۲۷۔ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ النور نمبر ۵۶

ترجمہ: اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔

۲۸۔ قرآنی حکم ہے:۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ النساء نمبر ۶۴

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔

اطاعت رسول اطاعت خداوندی ہی ہے:

۲۹۔ فرمان خداوندی ہے: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا۔ النساء نمبر ۸۰

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منھ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا۔

۳۰۔ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ النور نمبر ۵۴

ترجمہ: تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول کے ذمّہ وہی ہے جس اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی فرمانبرداری کروگے راہ پاؤگے اور رسول کے ذمّہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا۔

اطاعت رسول ﷺ کا ثمرہ:

۳۱۔وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔الحجرات نمبر ۱۴

ترجمہ: اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کروگے تو تمہارے کسی عمل کا تمہیں نقصان نہ دے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مخالفت کا نتیجہ:

۳۲۔وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔انفال نمبر ۱۳

ترجمہ: اور جو اللہ اور اسکے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اطاعت کا ثمرہ:

۳۳۔ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا۔النساء نمبر ۶۹

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔النساء نمبر ۶۹

قابل توجہ نکتہ:

اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اطاعت کرنے والوں کے لیے وعد اور ثواب عظیم اور پہلو تہی کرنے والوں کے لیے وعید شدید مذکورہ کو مد نظر رکھ کر علماء ربانین نے ایک مسلمہ قاعدہ مقرر کیا کہ جب حدیث قولی اور فعلی کا تعارض بہ ظاہر واقع ہو جائے تو عمل حدیث قولی پر ہو گا نہ کہ فعلی پر۔اور حدیث فعلی حسب موقع منسوخ یا یہ کہ یہ عمل خاص ہے رسول اللہ ﷺ کیلئے یا برائے بیان جواز ہے یا ایک ضرورت کے وجہ سے ہوا ہے مگر عام شریعت قولی کی طرح نہیں۔اور اگر فعل رسول مقبول ﷺ بغیر تعارض ہو تو وہ ہماری نسبت کے اعتبار سے چار قسم ہیں۔مباح، مستحب، واجب اور فرض ہے۔کذافی کتب الاصول الفقہ۔اور مستحب سے مراد یہ ہے کہ جانب کرنا راجح ہو اور ترک پر عقاب نہ ہو یعنی مستحب نفل اور سنت دونوں کو شامل ہے۔

مطلب: یہ کہ اگر بالفرض کوئی حدیث فعلی ثابت بھی ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے جو کہ بیان ہوا یعنی اس سے کوئی نص قرآنی اور قول رسول ﷺ دونوں ساقط نہیں ہو سکتے۔

آمدم بر سر مقصد:

۳۴۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ط الاية۔ المجادلة نمبر ۲۲

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کُنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔

مقصد: یہ کہ منسوخ شدہ اور خلاف مذہب پھر بھی وہ رد سلام کے لیے یا نماز کے آخر میں دعاء کے لیے احادیث غیر مراد منہ ہم معمول نہ بنائیں۔ اللہ ہمیں قرآن اور سنت پر صحیح طور پر عامل بنادے۔

تسہیل ترمذی سے گزرا ہے کہ اشارہ اصاحب متون اور شراح سب کے ہاں ممنوع ہے تسہیل صفحہ ۵۸ اس طرح ۵۹ پر رقم طراز ہے کہ ظاہر روایات کے علماء اور اصحاب متون اور شروح فقہاء کے ہاں اشارہ نہیں آپ جیسے مفتی اعظم خیبر پختونخوا شیخ الشیوخ مولانا الحاج شائستہ گل رحمہ اللہ تعالیٰ الاجوبۃ المنیفۃ نے تحریر کیا ہے کہ متون معتبرہ نے اشارہ کو ممنوع قرار دیا صراحۃً جیسے خلاصہ کیدانی اور تنویر وغیرہ بعض نے اشارہ کو دلالۃً جو کہ اقویٰ ہے ممنوع قرار دیا ہے جیسے صاحب کنز کے قول اور ہدایہ اور قدوری اور وقایۃ الروایات اور مختصر الوقایۃ اور ملتقے وغیرہ صفحہ ۴ منظور عام پریس پشاور اور علامۃ عبدالحی لکھنوی نے مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں متون معتبرہ مقدم میں سے مختصر لابی جعفر الطحاوی کو شمار کیا ہے اور ابی جعفر الطحاوی والکرخی والحاکم الشہید والقدوری کو **حذاق الائمۃ و کبار الفقہاء المعرفین بالعلم و الزھد و الفقہ و الثقۃ فی الروایات** گردانا ہے اس طرح مختصر الطحاوی کی شرح مصنفہ الجصاص الفقیہ مفسر مجتہد میں واضح الفاظ میں مدلل طور پر اشارہ کا منع ذکر کیا جیسا کہ گزرا ہے۔

مندرجہ بالا مفصل وجوہات مذکورہ کے وجہ سے مندرجہ ذیل کتب میں اشارہ کو حرام قرار دیا ہے۔

ا۔ متن معتبرہ خلاصہ کیدانی اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نمبر ۳ خلاصۃ مزیل الشبہات (۴) اور احل المشکلات (۵) احل المشکلات بحوالہ قریشیۃ (۶) شرح قریشیہ (۷) بحوالہ مجموعہ خانی فی احل المشکلات صفحہ ۷۴ اور (۸) خلاصہ کیدانی کی توثیق حضرت علامہ میاں ظاہر شاہ حنفی القادری ایم اے اسلامیات قادری نے تشریحات ظاہریہ میں کی ہے اور آپ کے فتویٰ کو درست مانا ہے (۹) میر شرح خلاصہ ۱۰ ص (۱۰) فتاوی الغرائب (۱۱) فتح الرحمات فی عدم الاشارۃ علی مذھب استعمال (۱۲) انوار التحقیق (۱۳) مولوی عبدالحکیم علی

مراح الارواح(۱۴) و اما عدمو لانا لطف اللہ ابن عبداللہ النفسی الکیدانی وغیرہ کصاحب الغرائب الاشارۃ حرام فمبنی علی انھا منسوخۃ و العمل بالمنسوخ حرام کما فی الاشباہ و النظائر معزیاالی مناقب الکردری مع انھا مفوتۃ للخشوع (خشوع نماز میں فرض ہے اس طرح غرائب القرآن ج۵ ص۱۰۸ دارالکتب بیروت جس نے خشوع نہ کیاتواس کی نماز فاسد ہوئی۔) و توجیہ الاصابع الی القبلۃ و النظر الی الحجر التی نطق بھا الکتاب و السنۃ اہ فتح الرحمان صفحہ ۱۹ لعالم الکبیر الشیخ محمد فاروق بن عبدالغفور بن عبدالعلی مورخہ ۱۱۲۳ھ مولوی عبدالحکیم صاحب نے بھی وجہ نسخ حدیث بیان کی۔

ترجمہ: مولوی محمد فاروق نے فرمایا: مولانا لطف اللہ الکیدانی اور صاحب غرائب نے اشارۃ کرنا نماز میں حرام شمار کیا ہے فرمایا کہ اشارہ حرام ہے تو اس پر بنا ہے کہ حدیث اشارہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے جیسا کہ صاحب اشباہ والنظائر نے علامہ الکردری کو منسوب کر کے بیان کیا۔ اس کے باوجود کہ اس سے خشوع اور قبلہ کی طرف انگلیوں کا کرنا اور اپنے سینہ کو دیکھنا فوت ہو جاتا ہے جس پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نے گفتگو کی ہے اور بیان کیا ہے صاحب تسہیل الترمذی نے فرمایا اشارہ کرنے سے مذکورہ سنت اعمال فوت ہو جاتے ہیں اور سنت کے خلاف کرنا تو بدعت ہوتا ہے جس سے اشارہ کرنا واضح طور پر حرام ہوتا ہے اور بنا اس بات پر کہ کہا گیا ہے قرآن کی بعض بعض آخر کا تفسیر کرتا ہے اور اس طرح احادیث نبوی ﷺ ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ اس لیے موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیث مذکورہ کی تفسیر یہ حدیث کرتی ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب الدعاء اور بعض نسخ میں باب الاشارۃ فی الدعاء میں ذکر کی ہے۔ اخبرنا مالک اخبرنی عبداللہ بن دینار و قال رانی ابن عمر و انا ادعو فاشیر باصبعی اصبع من کل ید فنھانی۔ یعنی عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں دو انگلیوں پر دعا کرتا تھا ہر ایک ہاتھ سے ایک انگلی پر تو مجھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا تو مجھے منع فرمایا۔ قال محمد و بقول ابن عمر نأخذ ینبغی ان یشیر باصبع واحدۃ و ھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: امام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر عمل کرتے ہیں کہ دعا کے لیے ایک انگلی پر اشارہ کرے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ص۳۸۶ قدیمی کراچی۔ صاحب تسہیل نے ذکر کیا ہے کہ احناف ایک انگلی پر دعا کے حدیث پر (نماز میں) عمل نہیں کرتے بلکہ ایک انگلی پر دعا کو مکروہ کرتے ہیں تو ایک انگلی سے حدیث اشارہ پر کس طرح عمل کریں گے اس کے باوجود کہ اس کی حدیث میں تردد ہے اور جانب الدعاء ترمذی کی حدیث سے ثابت ہے تو جب نماز کے آخر میں دعا کرتے ہوئے انگلی اٹھانا نہیں تو قبل اس سے بدرجہ اولیٰ نہیں اور اشارہ کو برائے نفی اثبات کو کسی نے بھی کسی دلیل سے صراحتاً ذکر نہیں کی اور اشارہ مطلقاً نماز میں حرام کہنے والا کیدانی رحمہ اللہ تعالیٰ نہیں مگر آپ نے دیکھا کہ کئی محققین علماء نے اپنی اپنی تصانیف میں حرام قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے خواہشات کی تابعداری نہیں کی بلکہ ان کے ہاں دلیل حرمت موجود تھی ہماری کم علمی ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جیسا کہ علامہ کیدانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ورفع الیدین فی غیر ما شرع فیہ رفع الیدین۔ یعنی مشروع شدہ مواضع کے علاوہ نماز میں رفع یدین حرام ہے۔ اس پر کسی نے جرح نہیں کی اس طرح آپ نے مطلق اشارہ کا ذکر کیا ہے کسی کو یہ حق نہیں کہ اس پر جرح کریں۔ مصنفہ ابن ابی شیبہ میں کئی احادیث سے ثابت ہے کہ

یہ اشارہ نماز کے آخر میں دعا کے وقت تھا۔ (۱) عن سعید بن عبد الرحمان (۲) سلیمان بن ابی یحییٰ (۳) مجاہد (۴) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۵) عن وائل بن حجر۔ اہ۔ اب اجماعاً یہ متروک ہے جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔

اس کے علاوہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایمان کے دو (۲) ارکان ہیں اجماعاً ایک ہے تصدیق قلبی اور دوسرا اقرار ہے زبان سے جیسا کہ ایمان مجمل میں اس الفاظ سے مذکور ہے۔ اقرار باللسانِ و تصدیق بالقلب۔ جس کو صاحب شرح وقایۃ الروایات نے کتاب الزکوٰۃ میں ۲۸۲ مجتبائی دھلی ذکر کیا ہے اور نبراس صفحہ ۳۹۱ و صفحہ ۳۹۳، التصدیق والا قرار رکنان للایمان اور شعب ایمان کو ارکان کہنا یہ ان علماء کی اجتہادی غلطی ہے لہٰذا اس میں ان کی تقلید جائز نہیں صاحب نبراس نے حدیث شریف **الایمان بضع و سبعون شعبۃ** تو وہ ارکان نہیں ہے نبراس صفحہ ۴۱۷ تو اشارہ انگلی سے زائد کرنا خلاف اجماع ہے اور خرق اجماع۔ **فافھم فقط تمت**۔

اظہار حقیقت:

کتاب ہٰذا کی نمایاں خصوصیات:

صوبہ خیبر پختونخواہ اور اس طرح باقی صوبہ ہائے پاکستان میں زمانہ قدیم سے علماء و مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان مسئلہ اشارہ کے سلسلہ میں کافی اختلاف چلا آرہا ہے اور یقیناً یہ آیا ہے کہ **الساکت عن الحق شیطان اخرس**۔ کہ حق سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔[1316]

(۳) بریقۃ المحمدیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد ۴ صفحہ ۶۰ سالدرہ کوئٹہ۔

(۴) نورالانوار بحث اجماع صفحہ ۲۱۹ اور قمر الاقمار بر حاشیہ ۹ کذا اور دہ القاری۔

(۵) الاسرار المستصلی للامام عبد اللہ بن احمد نسفی کتاب الصلوٰۃ جلد ا صفحہ ۵۰۸ اور صفحہ ۳۵۷ وغیرہ اس لیے اس وعید سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے یہ مختصر تحریر کی ہے۔ اس لیے کہ اس حوالہ سے اہل اسلام کو ایک ایسی جامع تحریر کی ضرورت تھی جو سب مسلمانوں کے لیے اطمینان کا سامان فراہم کرے۔ قرآن اور سنت کی روشنی کے ساتھ ساتھ مقتضائے عقل بھی ہو گی جسے محسوس کرتے ہوئے دائرہ اسلام کے اندر رہتے ہوئے علماء اور مشائخ کی اس بے چینی کو دور کرنے کے لیے خادم العلماء اور مشائخ و خاکپائے اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی استعداد کے مطابق اس مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کو اللہ پاک قبول فرما کر نجات دارین کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

[1316] ۔ طریقہ محمدیہ جلد ۲ صفحہ ۸۶ اور حدیقۃ الندیۃ جلد ۲ صفحہ ۵۵ (بحث) التاسع والاربعون المداہنۃ۔

برائے تقریظ آخر میں مولوی حسین علی النقشبندی کے تالیف تحریرات حدیث علی اُصول التحقیق سے رسالہ فی رفع السبابہ باترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں کہ موجب سند برائے ہم اور تسلی اور تشفی برائے اہل اسلام اور موحدین اسلام بن جائے۔ **وماتوفیقی (الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ فقط تمت** بروز پیر مورخہ ۲۷۔ جنوری ۲۰۲۰ء۔

مولوی حسین علی تحریرات حدیث علیٰ اصول تحقیق میں اشارہ کی تحقیق میں رقم کی ہوئی بیان ناظرین کو پیش کرتے ہیں۔ درج ذیل ملاحظہ ہو۔

باب جواب السلام بالاشارۃ فی الصلاۃ: فی المسانید ابو حنیفۃ عن حمادٍ عن ابی وائلٍ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ لما قدم من ارض الحبشۃ علی رسول اللہ ﷺ وھو یصلی فلم یرد علیہ فلما انصرف النبی ﷺ قال ابن مسعودٍ اعوذ باللہ من سخطہ قال النبی ﷺ وما ذلک؟

قال سلمت علیک ولم ترد علی سلام قال ان فی الصلاۃ شغلاً من رد سلام فلم یرد منذ انتھی واما ما جاء من الاشارۃ لا قال الطحاوی فھو اشارۃ نھی لا رد سلام فقط تحریرات حدیث صفحہ ۱۳۳-۱۳۲

نماز میں اشارہ سے رد سلام

مسانید میں آیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ابی وائیل سے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ سے واپس مدینہ منورہ آئے رسول مقبول ﷺ نماز پڑھ رہے تھے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ پر سلام عرض کیا تو حضور ﷺ نے سلام کا رد نہیں کیا۔ جب رسول مقبول ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں پناہ مانگتا ہوں حضور ﷺ کے غصہ سے: حضور ﷺ نے فرمایا یہ کس لیے؟

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے آپ پر سلام کیا تو آپ نے رد سلام نہیں فرمایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رد سلام سے نماز میں مشغول ہونا ہے اس وقت سے نماز میں نمازی رد سلام نہیں کرتے اور جو اشارہ کے بارے میں آیا ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ منع اشارہ کا ہے نہ کہ رد سلام کا:

تبصرہ:۔

یعنی ابتداء میں نماز ہی میں رد سلام اشارہ سے کیا جاتا تھا جیسے دعاء کے لیے اشارہ ہوتا تھا یہ سب قسم اشارے نماز میں منسوخ ہو کر مذہب احناف میں ممنوع ہوئے: جیسا کہ علماء دین ماہرین پر مخفی نہیں۔

اب ہم اس شیخ المشائخ کا رسالہ (**الرسالۃ فی رفع السبابۃ**) کو قارئین کے خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

حمد صلوۃ کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

باب الاشارة بالسبابة عند الدعاء فی الصلاة او فی غیرها: ص ۱۳۵

روی ابن ابی شیبة فی مصنفه و مسلم فی صحیحه عن عامر بن عبدالله بن الزبیر عن ابیه قال کان رسول ﷺ اذا قعد یدعو وضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی ویده الیسری علی فخده الیسری و اشار باصبعه السبابة وضع ابهامه علی اصبعه وسطی ویلقم کفه الیسری رکبته وروی ابن ابی شبیة فی مصنفه: عن وائل بن حجر قال رأیت رسول الله ﷺ واضعا احدیٰ مرفقه الایمن علی فخذه الیمنی و حلق بالابهام والوسطی و رفع التی تلی الابهام یدعو بها وروی هو عن هشام بن عروه ان اباه کان یشیر باصبعه فی الدعاء و لا یحرکها وروی عن قیس بن سعد قال کان لا یزاد عن هکذا و اشار باصبعه وروی هو عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت ان الله یحب ان یدعی هکذا و اشارت باصبع واحدة وروی هو عن مجاهد انه قال: الدعاء هکذا و اشار باصبع واحدة مقمحة الشیطان۔

وروی هو عن ابن سیرین قال کانوا اذا راوا انسانا یدعو باصبعیه باصبع من کل یدضربوا احدهما و قالوا انما هو اله واحد۔

وروی هو عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: هو الاخلاص یعنی الدعاء بالاصبع اقول قد جاءت روایات فی رفع الاصبع للدعاء و عند السفر حین الدعاء باللهم انت الصاحب فی السفر و انت الخلیفة فی الاهل و المال:

ورواه الترمذی و النسائی و جاء رفع الاصبع للدعاء خارج الصلاة من غیر سفر ای فی الخطبة و غیرها و ذکر فی بعض روایات حدیث وائل انه علیه الصلاة و السلام رفع اصبعه للدعاء فی آخر الصلاة حین قال یا مقلب القلوب:

رواه الترمذی فی الادعیة و قال الطحاوی فی قول وائل: ثم جعل یدعو بالاخری دلیل علی انه کان فی آخر الصلاة و قال الطحاوی فی حدیث ابی حمید ثم یشیر فی الدعاء باصبع واحد وروی ابن ابی شیبة فی مصنفه۔

عن سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی قال: کان ﷺ اذا جلس فی الصلاة وضع یده علی فخذه یشیر باصبعه فی الدعاء تحریرات حدیث صفحه ۱۳۵ و ۱۳۶ رسالة اشارة السبابة فی الصلوة۔

فی مجمع الزوائد عن معاذ بن جبل رضی الله عنه: فان رسول ﷺ اذا جلس فی آخر صلاته یشیر باصبعه اذا دعا فی مجمع الزوائد عن صفاف بن ایمان عن رخصة الغفاری کان رسول ﷺ اذا جلس فی آخر صلاته یشیر باصبعه رواه الطبرانی فی الکبیر و رجاله ثقات انتهی عبارة المجمع۔

و فی مجمع الزوائد عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال قال رسول الله ﷺ اذا کان احدکم فی المسجد فلا یسمع احد صوته ویشیر باصبعه الی ربه تبارک و تعالیٰ رواه الطبرانی فی الاوسط فیه عمر ضعیف و قالوا ان رفع السبابة للدعاء خارج الصلاة مجمع علیه۔ روی الترمذی و ابوداود و النسائی و بین الفاظهم فرق یسیر رأی عمارة بن رویبة۔

بشر بن مروان وهو یدعوا فی یوم جمعة و یرفع یدیه فقال عمارة: قبح الله هاتین الیدین لقد رأیت رسول الله ﷺ و هو علی المنبر لا یزید علٰی هذه یعنی السبابة التی تلی الابهام وروی ابو دأود فی باب الجمعة عن سهل بن سعد ما رأیت رسول الله ﷺ مشاهرا یدیه قط یدعوا علی المنبر و لا غیره و لکن رایته یقول هکذا و اشار بالسبابة و عقد الوسطی بالابهام وروی الحاکم فی ص ۴۳۷۔

کان ای رسول اللہ ﷺ یجعل اصبعیہ بحذاء منکبیہ و یدعو اھذا صحیح الاسناد و لم یخرجاہ قال محمد فی المؤطا (ص ۱۷۷) باب الاشارۃ فی الدعاء اخبرنا مالک اخبرنا عبداللہ بن دینار رأنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما و انا ادعوا باصبعی اصبع من کل یدفنھانی، قال محمد و بقول ابن عمر ناخذ ینبعی ان یشیر باصبع واحدۃ: اخبرنا مالک اخبرنا یحیی بن سعید انہ سمع سعید بن المسیب یقول الرجل لیرفع بدعاء ولدہ من بعدہ و قال بیدہ فرفعھا الی السماء انتھی عبارۃ الموطا:

روی الترمذی فی الدعوات و النسائی فی آخر الجلد الثانی: کان رسول اللہ ﷺ اذا سافر رکب راحلتہ قال باصبعہ و مدشعبۃ باصبعہ قال: اللھم انت الصاحب فی السفر و الخلیفۃ فی الاھل و المال: اللھم انی اعوذبک من عثاء السفر و کابۃ المنقلب: فرفع السبابۃ الی السماء للدعاء ای للتوحید ای انی ادعو ذلک الواحد ثابت خارج الصلاۃ کما فی شروع السفر و خطبۃ الجمعۃ وغیرھما فمن فعل فقد احسن و من لا فلا حرج فکذلک فی آخر الصلاۃ عند ھؤلاء العلماء فی وقت الدعاء بعد التشھد و الصلاۃ علی النبی ﷺ۔

روی ابن ابی شیبۃ عن جریر عن ابراھیم: اذا اشار الرجل باصبعہ فھو حسن و ھو التوحید لکن لا یشیر باصبعیہ انہ یکرہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت ان اللہ یحب ان یدعی ھکذا و اشارت باصبع واحدۃ وروی ھو عن مجاھد انہ قال: الدعاء ھکذا و اشار باصبع واحدۃ مقمحۃ الشیطان۔

روی ابن ابی شیبۃ و روی عن ابن سیرین قال کانوا اذا راوا انسانا یدعو باصبعیہ باصبع من کل یدضربوا احدھما و قالوا انما ھو الہ واحد روی ابو داؤد و عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما: المسئلۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوھما و الا استغفار ان تشیر باصبع واحدۃ و الابتھال ان تمد یدیک جمیعاً و فی روایۃ اخری رفعہ، فقالوا کما ان رفع السبابۃ للدعاء خارج الصلاۃ مروی و ثابت کذلک رفع السبابۃ فی الصلاۃ: انما ھو للدعا لو ثبت فیفعل فی آخر الصلاۃ عند الدعاء فی العینی للبخاری فی المجلد الثالث ص ۱۷۰۔

قولہ: ثم عقد اصابعہ و جعل حلقۃ بالابھام و الوسطی: ثم جعل یدعو بالاخری و ھی القعدۃ الاخری الصلاۃ انتھی کلام العینی۔

و فی الطحاوی: و فی قول وائل یدعو ادلیل علی انہ کان فی آخر الصلاۃ: و قال الطحاوی (ص ۱۵۳) فی حدیث عیسیٰ ثم یشیر فی الدعاء باصبع واحدۃ و فی الجوھر النقی فی الرد علی البیھقی فی حدیث وائل مرفوعا: اشار بالسبابۃ یدعو افذکر الدعاء دلیل علی ان ذلک کان فی آخر الصلاۃ فرد تاویلہ بانہ وارد فی التشھد الاول، و البیھقی ایضاً ذکر الدعاء بھا فی حدیث وائل فیما بعد فی باب کیفیۃ الاشارۃ بالمسبحۃ و فی الباب الذی بعد فکان فی روایۃ مایرو تاویلہ ھذا و ذکر الدعاء بھا فی حدیث وائل فی کتاب المعرفۃ و اولہ بالاشارۃ بھا عند الشھادۃ، و ھذا تاویل بعید مخالف للحقیقۃ من غیر ضرورۃ انتھی عبارۃ الجوھر النقی فرفع السبابۃ للدعاء فی آخر الصلاۃ حسن عندھم کما فی وقت الرکوب و خطبۃ الجمعۃ وغیرھما و لیس بضروری و قال الزرقانی علی المؤطا ص ۱۹۵۔

فی حدیث مسلم بن ابی مریم قال سفیان بن عینیۃ ھی مذبۃ الشیطان، لا یسھو احدکم مادام یشیر باصبعہ قال الباجی: فیہ ان معنی الاشارۃ رفع السھو قمع الشیطان الذی یوسوس قال النووی: اما الاشارۃ بالمسبحۃ فمستحبۃ عندنا، قال اصحابنا یشیر عند قولہ الا اللہ انتھی فبعض العلماء منع الاشارۃ فی التشھد روی النسائی (ص ۱۸۶) حدیث اسکنوا فی الصلاۃ و استدل الطحاوی ص ۲۶۵ بھذا الحدیث علی کراھیۃ السلام بالاشارۃ الثابت بالاحادیث قال السندی من علل ترک الاشارۃ فی التشھد بانھا تنافی

السکون اخذ من هذا الروایة و عن ابن مسعود لیفرش کفیه علی فخذیه نسائی (ص ۱۵۸) قال السندی ای لیضعها علی فخذیه فی التشهد و قال المانعون فی ثبوت الرفع شبهة و قال بعضهم ان یرفع الی

السماء فی الدعاء فی آخر الصلاة حسن لا نمنعه و عند الشافعیة یستحب عند قوله الا الله فهذا لا ندری مأخذه و اما تاویل البیهقی لفظ الدعاء بالتشهد قد رده صاحب الجوهر النقی: و اما الرفع عند الوضع عند الا الله لم نر فی حدیث تابی هذا اشد اباء و متون الحنفیة تشیر الی عدم الاشارة حیث صرحوا السنة وضع الکفین مبسوط و النظر عند القعود الی الحجر لا الی السبابة و لم یذکر اهل المتون الناقلة لظاهر الروایات الاشارة من السنن و لا من الادب بل قال فی التنویر و لا یشیر بالسبابة و علیه الفتویٰ قال فی الدر: کما فی الولواجیة و التجنیس و عمدة المفتی و عامة الفتاویٰ انتهی۔

نعم صرح الشراح و المتاخرون ان یشیر و نسبوه الی الامام و محمد و لم ینقلوا عنهما موضع الرفع و العینی و الطحاوی و العلاء الدین الشهیر بابن الترکمانی صاحب الجوهر اعلم بالمذهب فی البدائع نقل المشائخ المنع۔ و قال نقل محمد فی المسبحة جواز الفعل عن الامام و اما ما فی مؤطا محمد فالموؤلون لما الؤوا و الاشارة فقول محمد و به ناخذ لا یدل علی الاشارة المعروفة و لیس تصریحا فی الاشارة معروفة عندهم نعم صرح فی المسبحة فهی روایة عنه و اما ما فی روایة مؤطا اشار باصبعه قالوا معناه رفع و بسط اصبعه یاخذ الرکبة بالاصبع الاخری روی مسلم ان النبی ﷺ استسقی فاشار بظهر کفیه الی السماء۔

ای رفع و فی ابی داؤد کان ابن الزبیر یشیر ای یرفع الیدین عند التکبیرات فالملخص ان ما یفعله اکثر اهل زماننا من الرفع عند لا و الوضع عند الا الله فما لا نفهمه و ما هو مقتضی الاحادیث عند الطحاوی و صاحب الجوهر و العینی و نسب صاحب البدائع با حادیث الاشارة رفع الیدین عند التکبیرات و ثبت من هؤلاء الرواة الرفع ای رفع وقت الرکوب و فی وقت الخطبة و رایتهم قد ترکوا العمل فترک هذا المستحب بشئی لم یشیر الیه حدیث ما فضلا عن التصریح و الی الله المشتکی سند حدیث الحاکم فهو فی المستدرک فی ص ۴۳۷ ثنا ابو بکر بن اسحاق الفقیة انبانا ابو المثنیٰ ثنا اسماعیل علیة عن عبدالرحمٰن بن معاویة عن ابن ابی زباب عن سهل بن سعد قال ما رأیت النبی ﷺ شاهرا یدیه یدعوا علی منبره و لا غیره کان یجعل اصبعه بحذأ منکبه و یدعو هذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاه انتهیٰ عبارته حدثنا محمد بن معمر بن ربعی القیسی قال حدثنا ابو هشام المخزومی عن عبدالواحد و هو ابن زیاد قال ناعثمان بن حکیم قال حدثنی عامر بن عبدالله بن الزبیر عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ اذا قعد فی الصلاة جعل قدمه الیسریٰ بین فخذه الیمنی و اشار باصبعه فی النووی ص ۲۱۶ قوله و فرش قدمه الیمنی مشکل لان السنة فی القدم الیمنی ان تکون منصوبة باتفاق العلماء و قد تظاهرت الاحادیث الصحیحة علی ذلک فی البخاری و غیره الخ و اما حدیث ابن عمر بروایة عبدالرزاق قال الترمذی غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه اقول هو المعروف عن ابن عمر مرفوعا اشار لرد السلام انتهی۔ رسالة اشارة السبابة فی الصلاة: سبحانک اللهم و بحمدک اشهد ان لا اله الا انت استغفرک و اتوب الیک و صلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله و اصحابه و ساداتنا کلهم و معنا اجمعین آمین یا رب العلمین و یرحم الله عبدا قال آمین حررت هذه الرسالة فی جلسة واحدة بالتعجیل یرم ترون المعصام لطلبه فقط فاما سند حدیث الحاکم فهو هذا فی المستدرک فی (ص ۴۳۷) حدثنا ابو بکر بن اسحق الفقیه ابنانا ابو المثنی ثنا مسدد ثنا اسماعیل علیه عن عبدالرحمٰن بن الخ۔

باب فی الاشارة عند التشهد حدثنا عقبة بن مکرم نا سعید بن سفیان الجحدری نا عبدالله بن معدان قال اخبرنی عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیه عن جده قال دخلت علی النبی ﷺ و هو یصلی و قد وضع الیسری علی فخذه الیسری و وضع یده الیمنی علی فخذه الیمنیٰ و قبض اصابعه و بسط السبابة و هو یقول یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک هذا حدیث غریب من هذا الوجه

رواه الترمذی ص ۱۸۱ ج ۲ فی باب الادعیة حدثنا احمد بن عبدة الضبی نا حماد بن زید عن عاصم الاحول، عن عبداللہ بن سرجس قال کان النبی ﷺ، اذا سافر یقول: اللھم انت الصاحب فی السفر و الخلیفة فی الاھل، اللھم اصحبنا فی سفرنا و اخلفنا فی اھلنا اللھم انی اعوذبک من عثاء السفر و کابته المنقلب و من الحور بعد الکور ھذا حسن صحیح حدثنا محمد بن عمر بن علی المقدمی: نا ابن ابی عدی عن شعبة عن عبداللہ بشر الخثعمی عن ابی زرعة عن ابی ھریرة قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سافر فرکب راحلته قال باصبعه و مد شعبة اصبعه قال اللھم انت الصاحب فی السفر و الخلیفة فی الاھل اللھم اصبحنا بنصحک و اقلبنا بذمته اللھم ازدلنا الارض و ھون علینا السفر اللھم انی اعوذبک من عثاء السفر و کابة المنقلب رواه الترمذی فرفع السبابة للدعاء وارد فی ادعیة السفر و ترکه ایضاً، فمن فعل فقد احسن و من لا فقد احسن ایضا، و جاء رفع السبابة فی دعاء الصلاة کما رأیت فیما سبق و قال الطحاوی فی حدیث وائل مرفوعا: فلما قعد للتشھد وضع کفه الایمن علی فخذه الیمنی ثم عقد اصابعه و جعل حلقة بالابھام و الوسطی ثم جعل یدعوا بالاخری۔ و فی روایة النسائی: و نصب اصبعه للدعا قال ابو جعفر الطحاوی و فی قول وائل: یدعوا دلیل علی انه کان فی آخر الصلاة: و قال الطحاوی فی حدیث عیسی عن محمد بن عمرو عن ابن عباس و عن ابی حمید ثم یشیر فی الدعاء باصبع واحدة: فیعلم فی ھذه الاحادیث رفع السبابة عند الدعاء و فی آخر القعدة بعد قراءة التشھد و الصلاة علی النبی ﷺ و جاء ترکه ایضا فی روایة ابی داؤد (ص ۱۵۵) امایکفی احدکم او احدھم ان یضع یده علی فخذه ثم یسلم علی اخیه عن یمینه و من عن شماله و روی الترمذی عن عبدالرزاق عن عبداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان اذا جلس فی الصلاة وضع یده الیمنی علی رکبتیه و رفع اصبعه التی تلی الابھام یدعوا بھا، قال ابو عیسی غریب لا نعرفه عن عبداللہ بن عمر الا من ھذا الوجه، و العمل علیه عند بعض اھل العلم: اقول: و المعروف عن نافع عن ابن عمر اشارة جواب السلام و قد تکلم فی عبدالرزاق فغریب لیس بما یقوم به الحجة فاما رد السلام بالاشارة قال الطحاوی قال علیه السلام اسکنو فی الصلاة فلما امر رسول اللہ ﷺ بالسکون فی الصلاة و کان رد السلام بالاشارة فیه خروج من ذلک لان فیه رفع الید و تحریک الاصابع ثبت بذلک انه قد دخل فیما امر به رسول اللہ ﷺ من تسکین الاطراف فی الصلاة فترک الحنفیة رد السلام بالاشارة مع ثبوته باحادیث و قد ترکوا رفع الید عند الدعاء و قد ثبت فی حدیث امامة ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه و قد جاء فی حدیث ابی داؤد (ص ۹۱) فرأی رسول اللہ ﷺ یصلون رافعی ایدیھم الی السماء فقال لینتھین رجال یشغلون ابصارھم الی السماء فی الصلاة اولا ترجع الیھم ابصارھم و لم یعتقد و اسنیة رفع السبابة عندا الدعاء فی السفر فترک رفع السبابة لیس باشد من ھذه الامور و روی النسائی عن مسلم بن ابی مریم عن علی بن عبدالرحمن عن ابن عمر انه رأی رجل یحرک الحصی قال عبداللہ لا تحرک الحصی و انت فی الصلاة و لکن اصنع کما کان یعنی رسول اللہ ﷺ یصنع قلت و کیف کان یصنع؟ قال فوضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی۔

و فی روایة عبدالرزاق علی رکبته و اشار باصبعه۔ و فی بعض الروایات نقلوه الفصل بالقول یحتمل احتمالا ضعیفا ان ابن عمر کان لا یحمله رجلاه کما فی الطحاوی: توضع یده الیمنی علی رکبته الیمنی و تورک و من خوف السقوط یعد المرفق الایمن و یقبض الرکبته یبصر السبابة فظنه الراوی اشارة و اللہ اعلم بالصواب و قد بین الصحابة الکثیرة التشھد و الادعیة و لم یحکو الاشارة فا قول فی ثبوت الاشارة عند الدعاء فی الصلاة نوع شبھة و وھم و اما الاشارة عند النفی و الوضع عند الاثبات فلا شبھة انه لیس بشئی روی مسلم ان النبی ﷺ استسقی فاشار بظھر کفیه الی السماء فھکذا معنی ماجاء فی اشارة السبابة او المراد الرفع الی السماء ۔تمت بالخیر۔

نماز میں دعاء کے وقت مسبحہ سے اشارہ کرنے کے بیان میں وغیرھا

ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنفہ اور مسلم نے اپنے صحیح میں ابن زبیر سے روایت کی ہے کہ فرمایا جب رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر دعاء کرتے تھے اپنا دائیں ہاتھ اپنے دائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ کر اور مسبحہ سے اشارہ کیا اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھ دیا اور بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے تھے: مصنفہ ابن ابی شیبہ میں وائل بن حجر سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی حالت میں دیکھا کہ اپنے دائیں کہنی کو اپنی دائیں ران پر رکھتے ہوئے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کو حلقہ کر کے مسبحہ کو اُٹھا کر اس پر دعاء کرتے تھے۔ اور اس نے ہشام بن عروہ سے روایت کی کہ ان کے باپ دعاء میں انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور گھوماتے نہ تھے: یعنی جنبش نہ دیتے تھے۔

قیس بن سعد سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا انگلی پر اشارہ کرتے اور اس سے زیادتی نہیں کرتے تھے اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی فرمایا اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اس پر دعاء کرنا اور ایک انگلی سے اشارہ کیا اور اُس نے مجاہد سے روایت کیا اس نے فرمایا دعاء اس طرح ہے اور ایک انگلی پر اشارہ کرنا شیطان کو ذلیل کرتا ہے اور اُس نے ابن سیرین سے روایت کی فرمایا جب وہ کوئی آدمی دیکھتے کہ دو انگلی پر دعاء کرتا تو ان سے اعراض کرتے اور انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ تو ایک ہے اور اس نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی فرمایا کہ یہ اخلاص ہے یعنی ایک انگلی پر دعا کرنا (اس پر مفصل تفصیل گزری تحقیق میں ملاحظہ فرمائیں)

مصنف نے فرمایا کہ دعاء کے لیے انگلی اُٹھانے کی روایات بے شک آئی ہیں اور سفر میں دعاء کے وقت یہ دعاء کرتے کہ حالت سفر میں آپ ہمارے ساتھی اور اہل اور مال میں آپ خلیفہ ہیں۔ اور اس کو ترمذی ونسائی نے روایت کیا سفر کی علاوہ خارج نماز دعاء کے لیے انگلی اُٹھانا آیا ہے یعنی خطبہ وغیرہ میں اور بعض روایات میں ذکر ہے حدیث وائیل میں ہے کہ

رسول مقبول ﷺ نے نماز کے آخر میں دعاء کے لیے انگلی اُٹھائی جب کہا یا مقلب القلوب الخ اس کو ترمذی نے باب الادعیۃ میں روایت کیا: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وائیل کے قول کے بارے میں فرمایا کہ پھر دوسرے پر دعاء کیا۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ رفع نماز کے آخر کی دعاء میں تھا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث ابی حمید کے بارے میں فرمایا کہ پھر دعاء میں ایک انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنفہ میں سعید بن عبد الرحمان بن ابزی سے روایت کی فرمایا کہ جب رسول مقبول ﷺ نماز میں قعدہ کرتے تو اپنے ہاتھ کو اپنی ران پر رکھتے اور اپنی انگلی سے دعاء میں اشارہ کرتے (مصنف نے آگے جا کر اس عنوان سے رسالہ لکھا ہے) نماز میں مسبحہ سے اشارہ کا رسالہ۔

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مجمع الزوائد میں نقول ہے جب رسول اللہ ﷺ نماز کے آخر میں بیٹھتے تھے تو جب دعاء کرتے تھے تو اپنے انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ مجمع الزوائد میں حفاف بن یمان سے رفعہ بن غفاری سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کے آخر میں بیٹھتے تھے تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ اس کو طبرانی کبیر میں روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند الرجال ثقات ہیں انتھی۔

مجمع کے عبارت

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مجمع الزوائد میں روایت ہے کہ فرمایا جب آپ میں سے کوئی مسجد میں ہو تو کوئی اس کی آواز نہیں سنتا اور اپنے رب جل جلالہ کو اشارہ کرتے اور اس کی سند میں عمر ضعیف ہے اور اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ اور علماء نے فرمایا کہ نماز سے خارج مسبحہ دعا کے لیے اُٹھانا اتفاقی ہے۔

روایت کی ہے ترمذی اور ابو داؤد اور نسائی نے اور ان کے الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو دیکھا اور وہ جمعہ کے دن (منبر پر) ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دعاء کرتے تھے تو عمارہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کو برباد کرے یقیناً میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا اور وہ منبر پر تھے اس سے زیادتی نہ کرتے کہ مسبحہ جو انگوٹھے کے ساتھ ہے اس کو اُٹھاتے۔

ابو داؤد نے سھل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باب الجمعہ میں روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہاتھوں کو کھینچتے ہوئے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ منبر وغیرہ پر دعاء کرتے لیکن میں نے اس طرح اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اور مسبحہ سے اشارہ کیا اور درمیانی اُنگلی اور انگوٹھے کو ملایا۔

اور ص ۴۳۷ پر حاکم نے اس طرح روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا اپنی اُنگلیوں کو کندھے کے برابر کرتے ہوئے دعاء فرماتے تھے۔ یہ صحیح الاسناد حدیث ہے بخاری و مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی:۔امام محمد نے مؤطا باب الاشارہ فی الدعاء ص ۱۷۷ میں ذکر کیا ہے۔ عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں دو انگلیوں پر ہر ایک ہاتھ سے ایک اُنگلی پر دعا کرتا تھا تو مجھے منع کیا محمد نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر ہم عمل کرتے ہیں چاہئے کہ (دعاء) کے لیے ایک اُنگلی پر اشارہ کریں۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ آدمی کے اس کے بعد اس کے بیٹے کی دعاء پر درجے بلند کیے جاتے ہیں اور آسمان کی طرف اُٹھا کر ہاتھ سے اشارہ کیا موطا کی عبارت ختم ہوئی۔ ترمذی نے دعوات میں اور نسائی نے جلد ثانی کے آخر میں روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر فرماتے تھے تو اپنے اُونٹ پر سوار ہو کر اپنی اُنگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔ شعبہ نے اپنے انگلی کو کھینچا فرمایا یا اللہ آپ سفر میں ساتھی ہو اور اہل و مال میں خلیفہ ہو اے اللہ میں سفر کی سختی سے پناہ مانگتا ہوں اور واپسی کے رنج و غم سے۔ تو مسبحہ کو دعاء کے لیے آسمان کی طرف اُٹھایا (اور لفظ توحید اندراج ہے) اور جیسے سفر کے شروع میں اور خطبہ جمعہ میں وغیرھا:

جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں اس طرح ان علماء کے ہاں نماز کے آخر میں دعاء کے وقت تشہد اور نبی کریم ﷺ پر درود کے بعد۔

ابن ابی شیبہ نے جریر سے اس نے ابراھیم سے روایت کی ہے کہ فرمایا جب آدمی ایک انگلی سے اشارہ کرے تو یہ اچھا ہے اور یہ توحید ہے مگر دو انگلیوں سے اشارہ نہ کرے یہ مکروہ ہے ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے فرماتی ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ دعاء کو پسند کرتا ہے اور ایک اُنگلی سے اشارہ کیا۔ اور ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے روایت کی آپ نے فرمایا دعاء اس طرح ہے اور ایک اُنگلی سے اشارہ کیا یہ شیطان کو ذلیل کرنا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابن سیرین سے روایت کی فرمایا جب کوئی انسان دیکھتا کہ دو انگلیوں سے دعا جب کوئی انسان دیکھتا دو اُنگلیوں سے دعاء کرنے والا ہر ایک ہاتھ سے ایک اُنگلی پر ان میں سے ایک سے اعراض کرتے اور فرماتے کہ بے شک وہ اللہ ایک ہے ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ سوال اس طرح ہے کندھوں تک ہاتھ اُٹھائے یا اس کے قریب اور ایک اُنگلی سے اشارہ کرنا یہ استغفار ہے اور دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا ابتھال ہے اور دوسری روایت میں ہے اور اس سے بلند کرتے تو اُنہوں نے فرمایا جسے دعاء کے لیے خارج از نماز مسبحہ اُٹھانا مروی ہے اور اس طرح نماز میں سبابہ اُٹھانا ہے یہ صرف دعاء کے لیے نماز کے آخر میں ہے۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الدعاء طبرانی ص ۲۲۳ وغیرہ۔

اگر ثابت ہو جائے تو یہ نماز کے آخر میں دعاء کے لیے کرے اور عینی للبخاری جلد ۳ ص ۱۷۰ پر ہے کہ اس کا یہ قول کہ پھر اُنگلیوں کو بند کریں اور انگوٹھا اور درمیانی اُنگلی حلقہ کریں پھر دوسری انگلی سے دعاء کریں یہ آخری قعدہ میں ہے اگر آپ کہیں کہ یہ کس سے معلوم ہوا کہ مراد آخری قعدہ ہے؟ میں جواباً کہتا ہوں کہ اس کے اس قول سے کہ یدعو ہے دعاء نہیں ہوتی مگر نماز کے آخر میں۔ عینی کا کلام ختم ہوا۔

طحاوی میں وائیل کے قول میں ہے یدعو یہ دلیل ہے کہ نماز کے آخر میں تھی اور طحاوی ص ۱۵۳ میں ہے کہ عیسیٰ کی حدیث میں ہے کہ دعاء میں ایک اُنگلی سے پھر اشارہ کریں۔ جوہر النقی میں امام بیہقی نے وائیل کی حدیث مرفوعہ کے رد میں فرمایا یہ کہ اشارہ بالسبابۃ کیا یدعو تو دعاء کا ذکر کرنا یہ دلیل ہے۔ کہ یہ نماز کی آخر میں تھی تو امام بیہقی کی یہ تاویل رد کی کہ یہ پہلے تشہد میں وارد ہے اور بیہقی نے بھی یہ ذکر کیا وائیل کی حدیث میں یہ بیان کیا کہ مراد اس پر دعاء ہے مسبحہ پر طریقہ اشارہ کے باب کے بعد ذکر کیا۔ اس کے بعد والے باب میں ہے تو اس کی روایت کردہ روایت میں یہ اس کی تاویل ہے اور اس پر دعاء کا ذکر کیا کتاب المعرفۃ کی حدیث میں اور شہادت کے وقت اس پر اشارہ سے تاویل کی یہ دور کی تاویل ہے اور حقیقت سے مخالف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں جوہر نقی کی عبارت ختم ہوئی۔ تو نماز کے آخر میں مسبحہ اُٹھانا ان کے ہاں بہتر ہے جیسے کہ سوار ہونے کے وقت اور جمعہ کے خطبہ کے وقت اور ان دونوں کے علاوہ اور جگہ ضروری نہیں۔ زرقانی نے شرح مؤطا میں سفیان بن عیینہ کی حدیث میں فرمایا یہ شیطان کو ذلیل کرنا ہے جب تک آپ میں سے کوئی اُنگلی سے اشارہ کرتا ہے تو سہو نہیں ہوتا۔ باجی نے فرمایا اس میں یہ ہے کہ اشارہ سے مقصد سہو کا رفع کرنا اور شیطان کو ذلیل کرنا ہے جو وسوسے کرتا ہے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسبحہ سے اشارہ کرنا ہمارے ہاں مستحب ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا کہ الا اللہ کے وقت اشارہ کریں انتھی بعض علماء نے تشہد میں اشارہ کرنے سے منع فرمایا۔ نسائی نے ص ۱۸۶ پر حدیث نماز میں سکون کرو۔ کی تخریج کی ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر دلیل پکڑی کہ اشارہ سے سلام کرنا جو حدیث سے ثابت ہے یہ مکروہ ہے امام سندی نے فرمایا جس نے تشہد میں اشارہ نہ کرنے کی علت یہ بتائی ہے کہ

یہ سکون کے منافی ہے یہ اس روایت سے ماخوذ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہاتھوں کو رانوں پر پھیلائے رکھیں (نسائی ص۱۵۸) سندی نے لکھا یعنی تشہد میں اس کو رانوں پر رکھ دیں منع کرنے والوں نے فرمایا کہ اُٹھانے کے ثبوت میں شبہ ہے اور ان میں سے بعض نے فرمایا کہ نماز کے آخر میں آسمان کی طرف دعاء میں ہاتھ اُٹھانا بہتر ہے ہم اس کو منع نہیں کرتے۔

شوافع کے ہاں ہے کہ الا اللہ پڑھنے کے وقت مستحب ہے اس کا ماخذ۔ ہمیں معلوم نہیں اور بیھقی کی تاویل لفظ دعاء کا تشہد سے صاحب جوہر نقی نے یقیناً رد کیا۔

الا اللہ کے پڑھنے کے وقت اُنگلی اُٹھانا کسی حدیث میں ہم نے نہیں دیکھا یہ سخت ترین انکار ہے اور احناف کی کتب متون عدم اشارہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس کی انہوں نے تصریح کی ہے کہ کھلی ہتھیلی رکھنا سنت ہے۔ اور قعدہ کی حالت میں چھاتی کو دیکھنا سنت ہے نہ کہ مسبحہ کو اہل متون نے جو ظاہر الروایات کے ناقل ہیں اشارہ کو نہ سنن میں ذکر کیا اور نہ آداب میں بلکہ تنویر میں فرمایا کہ مسبحہ سے اشارہ نہ کریں اس پر فتویٰ ہے جیسے کہ در میں ہے۔ اور جسے ولولواجیہ اور تجنیس اور عمدۃ المفتی اور عام فتاویٰ میں ہے انتھی۔

جی ہاں اشارہ کرنے پر شارحین اور متاخرین علماء نے تصریح کی ہے کہ اس کی نسبت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو کی ہے اور اُٹھانے کی جگہ نقل نہیں کی اور عینی اور طحاوی اور علاء الدین الشہیر بابن الترکمانی رحمہم اللہ تعالیٰ صاحب الجوہر مذہب کا سب سے زیادہ 'عالم' ہے بدائع میں مشائخ نے منع نقل کی ہے اور فرمایا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسبحہ میں فعل کا جواز امام سے نقل کیا ہے۔ اور جو مؤطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے جب تاویل کرنے والوں نے اشارہ کی تاویل کی تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اس پر ہم عمل کرتے ہیں اشارہ معروفہ معلومہ پر دلالت نہیں کرتا اور یہ اشارہ معروفہ میں ان کے ہاں تصریح نہیں ہاں مسبحہ میں تصریح کی ایک روایت ہے۔ (یعنی مذہب نہیں) اور مؤطا میں یہ روایت کہ اپنے انگلی پر اشارہ کیا اس کا معنی یہ ہے کہ اٹھایا اور اپنی انگلی کو پھیلایا دوسری انگلی کے ساتھ گھٹنے پکڑنے کیلئے مسلم نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے استسقٰی میں ہتھیلیوں کی پیٹھ کو آسمان کی طرف اُٹھایا اور ابوداؤد میں ہے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اشارہ کرتے تھے یعنی تکبیروں کے وقت ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے تو خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے اکثر لوگ اُنگلی لا کے ساتھ اُٹھاتے ہیں اور الا اللہ کے وقت رکھتے ہیں۔ تو ہم اس کو نہیں جانتے اور جو حدیث کا تقاضا ہے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحب جوہر رحمہ اللہ تعالیٰ اور عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور صاحب بدائع رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث اشارہ کے ساتھ نسبت کی ہے ہاتھ اُٹھانے کو تکبیروں کے وقت اور ان راویوں سے اُٹھانا ثابت ہے۔ یعنی سوار ہونے کے وقت خطبہ کے وقت میں اور تم ان کو دیکھتے ہو یقیناً انہوں نے یہ عمل چھوڑ دیا ہے تو یہ مستحب عمل چھوڑ کر کسی چیز پر اس کی طرف اشارہ کیا کہ حدیث میں نہیں تصریح تو ہے نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے اور شکایت کرنا ہے اور جو حاکم کے حدیث کا سند ہے تو وہ مستدرک میں یہ ہے (ص۴۳۷)

ثنا ابو بکر بن اسحاق الفقیہ انبانا ابو المثنی ثنا اسماعیل علیۃ عن عبد الرحمن بن اسحاق عن عبد الرحمن بن معاویۃ عن ابن ابی زباب عن سھل بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ قال مارأیت النبی ﷺ الخ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر اور نہ دوسری جگہ دعاء کرتے ہوئے ہاتھوں کو

اُٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا وہ کندھے کے برابر اُنگلی اُٹھا کر دعاء کرتے تھے اس حدیث کا سند صحیح ہے بخاری و مسلم نے اس کی عبارت کی تخریج نہیں کی: انتھیٰ اس کی عبارت۔

حدثنا محمد بن معمر بن ربعی القیسی قال ثنا ابوہشام المخزومی عن عبد الواحد وھو ابن زیاد قال نا عثمان بن حکیم قال حدثنی عامر بن عبد اللہ بن زبیر عن ابیہ فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نماز میں بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں کو دائیں ران کے درمیان کرتے اور اشارہ اُنگلی سے کرتے تھے نووی (ص ۲۱۶) پر اس کا یہ قول کہ دائیں کو پھیلانا مشکل ہے اس لیے دائیں پاؤں میں سنت یہ ہے کہ علماء کے اتفاق کے ساتھ یہ کھڑا ہونا ہے اور احادیث صحیحہ نے اس پر ایک دوسرے کی تائید کی ہے بخاری وغیرہ میں الخ۔

اور جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے عبد الرزاق کی روایت پر امام ترمذی نے فرمایا یہ غریب ہے ہم اس کو بغیر اس وجہ سے نہیں پہچانتے میں کہتا ہوں کہ وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع معروف ہے سلام کے رد کیلئے اشارہ۔ انتہیٰ۔

نماز میں مسبحہ سے اشارے کا رسالہ۔ اے اللہ! آپ کیلئے پاکی اور حمد ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں آپ سے مغفرت چاہتا ہوں آپ کی طرف توبہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا درود ہو اس کی بہترین مخلوق پر محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل واصحاب پر اور ہمارے سب سادات پر اور ہمارے ساتھ سب کے سب پر۔ اے اللہ! ہماری یہ دعاء قبول فرما۔ اے مخلوقات کے رب رحم کرے اپنے بندوں پر۔ آمین۔ میں نے اس رسالہ کو تلوار کی طرح یعنی جلدی سے ایک مجلس میں لکھا۔ حاکم کی سند کی جو حدیث ہے وہ مستدرک (ص ۴۳۷) پر یہ ہے۔

(حدیث اور ترجمہ گزر چکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔)

تشہد میں اشارہ

عاصم بن کلیب نے اپنے دادا سے مجھے خبر دی فرمایا کہ میں رسول اکرم ﷺ کے پاس اس حالت میں آیا کہ وہ نماز پڑھتے تھے تو بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا تھا اور آپ نے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا تھا اور اپنی اُنگلیوں کو بند کیا ہوا تھا اور مسبحہ کو پھیلایا ہوا تھا اور وہ پڑھتے تھے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ یہ اس وجہ سے غریب حدیث ہے ترمذی نے باب الاضحیہ میں لائی ہے عبد اللہ بن سرجیس نے فرمایا کہ رسول مقبول ﷺ جب سفر کرتے تو آپ ﷺ کی یہ عبادت مستمرہ تھی کہ یہ دعا فرماتے اے اللہ! تو سفر میں ساتھی اور اہل میں خلیفہ ہو اے اللہ! ہمیں اپنے سفر میں تندرست رکھ اور ہمارے اہل میں خلیفہ ہو اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سفر کی شدت اور مشقت سے۔ واپسی کی حالت میں غم اور حزن سے اور زیادتی کے بعد نقصان سے اور اصلاح کے بعد فساد سے۔ یہ

حدیث حسن صحیح ہے۔(صاحب تحفہ الاحوذی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی ابو داؤد اور نسائی اور حاکم نے اپنی مستدرک میں تخریج کی ہے)[1317]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول مقبول ﷺ کی سفر کرتے وقت یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب اپنی سواری پر سوار ہوتے تو اپنے اُنگلی سے اشارہ کرتے۔ شعبہ نے اپنے اُنگلی کو کھینچا آپ ﷺ نے فرمایا آپ سفر میں ساتھی ہو یعنی سفر میں ہماری حفاظت فرما اور اہل میں خلیفہ ہو یعنی میرے غائب ہونے کے وقت میری اہل کی حفاظت فرما اور اپنی حفاظت سے سفر میں میری حفاظت فرما اور ہمیں پنی امان کے ساتھ واپس فرما، اے اللہ تعالیٰ! ہمارے لئے زمین کے سفر کو ہم پر آسان فرما۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے سفر کی شدت و مشقت سے پناہ مانگتا ہوں اور واپسی میں ہم و خزن کی شدت سے: روایت کیا اس کو ترمذی نے سفر کے دعاؤں میں دعاء کے لیے سبابہ اُٹھانا بھی اور اس کو نہ اُٹھانا بھی جس نے کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہ کیا تو یقیناً اچھا کیا بھی اس طرح۔ اور نماز میں دعاء کے لیے مسبحہ اُٹھانا آیا ہے جیسا کہ آپ نے گزشتہ بیان میں دیکھا امام طحاوی نے وائل کے حدیث مرفوعہ میں فرمایا کہ جب وہ تشہد میں بیٹھے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ران پر رکھا اور پھر اپنی اُنگلیوں کو بند کر دیا اور انگوٹھے اور درمیانی اُنگلی سے حلقہ بنایا پھر دوسری اُنگلی پر دعاء شروع کی اور نسائی کی روایت میں ہے کہ دعاء کے لیے اپنی اُنگلی کو بلند کیا۔ ابو جعفر طحاوی نے وائل کے قول کے بارے میں فرمایا لفظ ید عو دلیل ہے اس پر کہ یہ نماز کے آخر میں ہوتا تھا۔ امام طحاوی نے حدیث عیسی محمد بن عمر سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابی حمید سے فرمایا پھر ایک اُنگلی سے دعاء میں اشارہ کرتا تھا ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسبحۃ اٹھانا دعا کے وقت تھا(نہ کہ نفی اثبات کیلئے ائمہ مجتہدین اربعہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں)

اور یہ قعدہ کے آخر میں اور تشہد پڑھنے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے کے بعد تھا اس کو ترک کرنا بھی آیا ہے روایت کی ابو داود نے ص ۱۵۵ پر آیا تم میں سے ایک کے لیے کافی نہیں ہوتا یا ان میں سے ایک کے لیے اپنی ران پر اپنے ہاتھ کو رکھے پھر اپنے بائیں پر سلام پھیر دیں جو اس کے دائیں جانب ہو اور جو اس کے بائیں جانب ہو۔ امام ترمذی نے اپنی سند سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے جب رسول مقبول ﷺ نماز میں قعدہ کرتے تو آپ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ اپنا دائیں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی اُنگلی کو اُٹھاتے اور اس پر دعاء کرتے تھے۔ ابو عیسیٰ نے فرمایا کہ ہم اس کو عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صرف اس وجہ سے پہچانتے ہیں اور بعض اہل علم کے ہاں اس پر عمل ہے۔

[1317] تحفۃ الاحوذی ج۹ ص ۲۸۱ نسخہ دیگر ص ۳۷۰ رقم ۳۴۳۹۔

میں کہتا ہوں نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اشارہ جواب سلام کے لیے معروف ہے اور یقیناً عبد الرزاق کے بارے میں بات کی ہے تو غریب ہے اس مرتبہ میں نہیں جس سے دلیل قائم ہوتی ہے اور اشارہ سے رد سلام کی بابت امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں سکون کرو۔

تو جب رسول مقبول ﷺ نے نماز میں سکون کا حکم دیا اور سلام کے لئے اشارہ کرنے سے نکلنا اس لیے کیوں کہ اس میں انگلیوں کو حرکت دینا اور ہاتھ اُٹھانا ہے تو اس وجہ سے ثابت ہوا کہ یہ اس میں داخل ہوا جس کا حکم رسول مقبول ﷺ نے دیا ہے وہ نماز میں اطراف اساکن کرنا ہے تو احناف نے رد سلام اشارہ سے چھوڑ دیا اس کے باوجود کہ احادیث سے ثابت ہے اور یقیناً انہوں نے دعاء کے وقت ہاتھ اُٹھانا چھوڑ دیا اور یقیناً امامہ وابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ثابت ہے ابو داؤد کی حدیث میں حقیقتاً آیا ہے ص ۹۱

رسول پاک ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے تو آپ ﷺ فرمایا کہ نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے سے لوگ منع ہو جائیں اور یا ان کی آنکھیں ان کی طرف واپس نہ ہوں اور حالت سفر میں دعاء کے وقت مسبحہ اُٹھانے کی سنت ہونے کا اعتقاد نہیں کیا۔ تو مسبحہ نہ اُٹھانا ان کاموں سے زیادہ سخت نہیں۔ نسائی نے اپنی سند سے روایت کیا آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ سنگریزوں کو حرکت دیتے تھے تو عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نماز کے حالت میں سنگریزوں کو ہلانا نہیں بلکہ جس طرح رسول مقبول ﷺ کرتے تھے اس طرح کرو تو میں نے کہا کہ وہ کس طرح کرتے تھے فرمایا تو اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھ دیا اور اور عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ آپ نے گھٹنے پر رکھ دیا اور اپنی اُنگلی سے اشارہ کیا اور بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے فعل کو قول سے نقل کیا ہے۔ ضعیف احتمال رکھتا ہے۔ کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے پاؤں برداشت نہیں کرتے تھے جیسے کہ طحاوی میں آیا ہے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے دائیں گھٹنے پر رکھ کر تورک کیا اور گرنے کے ڈر سے اپنے دائیں بازو کو پھیلایا (یعنی کھینچا تھا) اور اپنے گھٹنے کو پکڑتے تھے اور مسبحہ کو دور کرتے تو راوی نے اس پر اشارہ کا گمان کیا۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یقیناً تشہد اور ادعیہ کو بیان کیا ہے اور اشارہ کا بیان نہیں کیا تو اس لیے میں کہتا ہوں کہ نماز میں دعا کے وقت اشارہ کرنے میں شبہ اور وہم ہے اور جو اشارہ نفی کے وقت ہے اور اُنگلی رکھنے کے اثبات کے وقت ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن یہ کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے استسقیٰ کیا اور اپنے ہتھیلوں کے پشت پر اشارہ کیا (یعنی ہاتھوں کو اُلٹا اُٹھایا)

تو جو احادیث مسبحہ پر اشارہ کرنے کی بابت آئے ہیں تو اس کا معنٰی بھی اس طرح ہے۔ اور یا مراد آسمان کی طرف اُٹھانا ہے۔

اشارے کے بارے میں صاحب کتاب شیخ التفسیر مولوی حسین علی صاحب کا بیان من تحریرات حدیث علی اصول التحقیق سن طباعت سنہ ۱۴۳۲ھ یہاں ختم ہو گیا۔ **تمت باالخیر۔**

ان شاء اللہ مصباح التحقیق پر الف سے یاء تک تبصرہ قلمبند کیا جائے گا۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

(وقصر السلام علی جانب واحد) اور سلام کو صرف ایک طرف پھیرنا حرام ہے اور ایک طرف سلام کہنا حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ہے وہ کہتے ہیں کہ نمازی قبلہ کی طرف ایک سلام پھیر لے اور ہمارے مذہب کی دلیل یہ ہے کہ قصر سلام میں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت کا ترک ہے اور جب نمازی ایک طرف سلام کہے گا تو دوسری طرف کے نمازیوں کو سلام سے محروم رکھے گا اور یہ اصفیاء کیلئے حرام ہے اور ازکیاء کے نزدیک جواب دینا رحمت ہے اور جب یہ دوسری طرف سلام نہیں کہے گا تو گویا اس نے دوسری طرف کے نمازیوں کے ساتھ بخل کیا جبکہ بخل تو دشمنوں کے ساتھ بھی حرام ہے تو دوستوں کے ساتھ تو بطریق اولیٰ حرام ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں۔

(والقنوت فی غیر الوتر) اور دعائے قنوت کو وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں پڑھنا حرام ہے اور یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتر کے بارے میں صبح کی نماز میں اختلاف کرتے ہیں کیونکہ وہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں اور ان کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ ہمیشہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے ہماری دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ صبح کی نماز میں بعض مشرکین سے نجات کیلئے دعائے قنوت پڑھی تھی اس کے علاوہ آپ ﷺ نے صبح کی نماز میں نہ پہلے دعائے قنوت پڑھی اور نہ بعد میں ،اور حضرت عاصم ابن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔عن أنس بن مالک إنَّ قومًا يَزعُمونَ أنَّ النبيَّ ﷺ لم يَزَلْ يَقنُتُ في الفجرِ فقال كذَبوا إنما قنَت شهرًا واحدًا يَدعو على حيٍّ من أحياءِ المُشرِكينَ۔ بتحقیق ہم سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک قوم یہ گمان کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہے پھر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ حضور ﷺ نے ایک ماہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت اس لئے پڑھی کہ مشرکین کے ایک قبیلے کے خلاف دعائے ضرر فرمائی تھی۔[1318] اور وہ حدیث جس سے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال کیا ہے وہ اس حدیث سے متعرض ہوئی لہذا معارض سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا محرم کے لئے صبح پر ترجیح کی وجہ سے حرام ہے، یا قنوت سے مراد قیام کو طویل کرنا بھی ہے کیونکہ کلامِ عرب میں قنوت کا اطلاق طولِ قیام پر بھی ہوتا ہے۔

(وزیادۃ فی التکبیرات) اور تکبیرات میں زیادتی کرنا حرام ہے جیسے اللہ اکبر الاعظم یا اللہ اکبر الاعلیٰ۔

(والثناء) اور ثناء یعنی سبحانک اللھم میں زیادتی کرنا حرام ہے، جیسے وتعالیٰ جدک وکبریائک وعظمتک وتقدس اسمائک ولا الہ غیر ذلک۔(والتسبیحات) اور تسبیحات رکوع وسجود میں زیادتی کرنا حرام ہے جیسے رکوع میں سبحان ربی العظیم الکریم یا سجدہ

[1318] ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، التلخيص الحبير ١/٤٠٠؛ ملا علي قاري (١٠١٤هـ)، شرح مسند أبي حنيفة ١٠٦؛

میں سبحان ربی الاعلیٰ الوھاب یا رکوع اور سجود کی تسبیحات کے تکرار میں زیادتی کرنا حرام ہے، یعنی فرائض میں سات بار سے زیادہ، نوافل میں نو بار سے زیادہ اور صلوۃ التسبیح میں دس یا پندرہ بار سے زیادہ تسبیحات کہنا حرام ہے۔ فان قیل۔ باب مستحبات سے مخالفت ہوئی کیونکہ باب مستحبات میں کہا گیا ہے کہ وزیادۃ التسبیحات علی ثلث مرات اور بابِ محرمات میں کہا گیا ہے وزیادۃ التسبیحات حرام۔ قلنا۔ باب مستحبات میں قدرِ مروی تک زیادہ کرنا مستحب کہا گیا ہے اور بابِ محرمات میں زیادتی چاہے تکرار میں ہو یا کلمات میں، ایک ہی بات ہے۔

(والتشھد) اور تشہد میں زیادتی الفاظ حرام ہیں جیسے التحیات للہ والصلوۃ والطیبات الزاکیات والنامیات یا قعدہ اولیٰ میں تشہد سے زیادتی کرنا حرام ہے جیسے اللھم صلی علی محمد۔

(علی السنۃ) سنت کے مطابق یعنی جس انداز سے حضور ﷺ سے تسبیحات یا تشہد کی مقدار مروی ہے اتنی ہی مقدار مستحب ہے۔ اس سے زیادہ حرام ہے اور یہ ماتقرر فی المذاھب ہو جیسا کہ تکبیر میں اللہ اکبر اور ثناء میں سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک فقط اور رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی اور تشہد میں التحیات للہ والصلوۃ والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ ہوا۔

(وترک الواجب) اور واجب کو ترک کرنا حرام ہے۔

(مما سبق) ان واجبات کا ترک کرنا حرام ہے جو واجبات کے باب میں گزر چکے ہیں۔

(عمداً) واجب کو قصداً ترک کرنا حرام ہے، چاہے ان واجبات کا ترک ہو جن کے رہ جانے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ جیسے خاص واجبات کا ترک ہو جن کے رہ جانے سے سجدہ ہو واجب نہیں ہوتا۔ جیسے خاص واجبات میں مابعد اخفا ہوا یا عام واجبات میں سے طمانیت ہوئی۔ اور قیدِ عمداً کی وجہ سے سہو سے احتراز کیا گیا ہے یعنی اگر واجب سہواً ترک ہو جائے تو یہ ترک حرام نہیں اور خواصِ واجبات میں طمانیت کے علاوہ اور مابعد اخفاء کے علاوہ واجبات کے ترک سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

(وفی المحیط ذکر المحرمات فی المکروھات) اور محیط میں حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے محرمات کو مکروہات کے باب میں ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے مذہب میں محرمات، مکروہات میں داخل ہیں۔ فان قیل۔ کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے محیط سے کیوں اختلاف کیا جب کہ محیط میں محرمات کو مکروہات میں داخل کیا گیا ہے۔ اور مصنف علیہ الرحمۃ نے داخل نہیں کیا۔ قلنا۔ محیط حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کی تصنیف ہے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کے مذہب میں محرمات اور مکروہات کے درمیان کوئی فرق نہیں لیکن حرام کا مکروہات پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا اور سب منہیات کو ایک جنس قرار دیا اور صاحبِ "ھدایہ" نے کہا ہے کہ[1319] نص محمد ان کل مکروہ حرام۔ فان قیل۔ حضرت امام محمد

[1319] حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے۔

علیہ الرحمۃ نے مکروہ پر حرام کا اطلاق کیوں نہیں کیا تو "صاحب ہدایہ" نے جواب دیا کہ مکروہ پر حرام کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ مکروہ کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت نہیں جب کہ حرام کی حرمت ثابت ہے اور مکروہ کی نسبت حرام کے ساتھ ایسی ہے جیسے واجب کی نسبت فرض کے ساتھ ہے کہ فرض کا منکر کافر ہے لیکن واجب کا منکر کافر نہیں اسی طرح حرام کو حلال جاننے والا کافر ہو جاتا ہے لیکن مکروہ کو حلال جاننے والا کافر نہیں ہوتا اور صاحبِ خلاصہ کیدانی حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک حرام اور مکروہ میں فرق ہے اس وجہ سے مصنف علیہ الرحمۃ نے حرام کا باب مکروہات کے باب سے علیحدہ رکھا۔ پس حرام کی دو اقسام ہیں ایک حرام فساد کو مستلزم ہے جیسے فرض کا ترک فساد کو مستلزم ہے اور دوسرا حرام فساد کو مستلزم نہیں جیسے واجب کا ترک ہے۔ اسی طرح مکروہ کی بھی دو اقسام ہیں ایک مکروہ تحریمی اور دوسرا مکروہِ تنزیہی۔ سنتِ موکدہ کے ترک سے مکروہِ تحریمی کا لزوم ہوتا ہے جبکہ مستحب کے ترک سے مکروہِ تنزیہی وجود میں آتا ہے۔ حرام کی پہلی قسم کو حلال جاننے والا دلیلِ قطعی کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے جبکہ دوسری قسم کو حلال سمجھنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ فاسق ہوتا ہے اور مکروہِ تحریمی کو حلال سمجھنے والا مبتدع (بدعت کرنے والا) ہے اور مکروہ تنزیہی کو حلال سمجھنے والا غیر معاتب ہے۔

الباب السادس فی بیان المکروھات اور مکروہ جو ہے **المکروہ ضد المحبوب ماخوذ من الکراھة ضد المحبة والرضا وحدہ، مایکون ترکہ اولی من تحصیلہ وقیل مایکون الاولی ان لا یفعل وفی حاشیة الھدایة من البدائع المکروہ لغة من الکراھة وھی الشدة فی الطرب**۔ یعنی مکروہ محبوب کی ضد ہے اور کراہیت سے ماخوذ ہے جو محبت اور رضا کی ضد ہے اور مکروہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا چھوڑنا ادا کرنے سے بہتر ہے اور ہدایہ شریف کے حاشیہ میں ہے کہ مکروہ لغت میں کراہیت کو کہا جاتا ہے اور مکروہ طبیعت میں شدت پیدا کرتا ہے، مکروہ لغت میں اس قول و فعل کو کہا جاتا ہے **کرہ الشارع** یعنی جس سے شارع نے منع فرمایا ہو کیونکہ مکروہ **کرہ** سے مشتق ہے اور **کرہ** منع کرنے کو کہا جاتا ہے اور شرع میں مکروہ وہ قول و فعل ہے جو نہی سے ثابت ہو (جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے تو ایسے حکم کو امر کہا جاتا ہے جب کسی کام سے منع کیا جائے تو اس حکم کو نہی کہا جاتا ہے اور اس میں حل و حرمت یا طہارت و نجاست کی دلیل کا تعارض ہو جیسے بلی کا جھوٹا یعنی بچا ہوا کھانا اس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ **انہ قال الھرة من السبع**۔ یعنی بتحقیق حضور ﷺ نے فرمایا کہ بلی درندوں میں سے ہے۔ یہ حدیث بلی کے جھوٹے اور گوشت کی نجاست پر دلالت کرتی ہے اور یہ دوسری حدیث جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے۔ **عن أبي قتادة وعائشة: إنَّها ليستْ بنجَسٍ، إنَّها مِن الطَّوّافينَ عليكم والطَّوّافاتِ يعني الهرَّةَ**۔[1320]

[1320] (الطحاوي (٣٦١هـ)، شرح مشكل الآثار ٧/٧٣ • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج مشكل الآثار ٣٦٥٣ • أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٧٦ • البيهقي (٤٥٨هـ)، الخلافيات ١٠٠/٣ • ابن الملقن (٧٥٠هـ)، خلاصة البدر المنير ١/١٩ • ابن الملقن (٧٥٠هـ)، تحفة المحتاج ١/١٤٥ • ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، التلخيص الحبير ١/٦٢ • ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، المطالب العالية ١/٥٩ • الرباعي (١٢٧٦هـ)، فتح الغفار ١/١٨ • الألباني (١٤٢٠هـ)، صحيح أبي داود ٧٦ • الألباني (١٤٢٠هـ)، صحيح الجامع ٢٤٣٧ • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج سنن أبي داود ٧٦ • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج زاد المعاد ٥/٦٨٥ • الإمام مالك (١٧٩هـ)، تنقيح التحقيق ١/٩٢ • البخاري (٢٥٦هـ)، السنن الكبرى للبيهقي ١/٢٤٥ • أخرجه أبو داود (٧٥)، والترمذي (٩٢)، والنسائي (٦٨)، وابن ماجه (٣٦٧)، وأحمد (٢٢٥٨٠) باختلاف يسير، والبيهقي (١٢٠٣) ابن حبان (٣٥٤هـ)، صحيح ابن حبان ١٢٩٩ • الدارقطني (٣٨٥هـ)، المحرر ٣٨ • ابن حزم (٤٥٦هـ)، المحلى ١/١١٧ • البيهقي (٤٥٨هـ)،

آٹھ ابواب میں سے یہ چھٹا باب ہے جس میں نماز کے مکروہات کو بیان کیا گیا ہے یہ مکروہات[1321] گاہے گاہے نماز میں شامل ہو جاتے ہیں، ایک مکروہ تحریمی جس سے اعادہ لازم آتا ہے اور دوسرا مکروہ تنزیہی جس میں اعادہ مستحب ہے۔(وھی تسعة وخمسون)اور یہ (مکروہات)انسٹھ ہیں مطلقاً۔ مردوں کے لئے یا عورتوں کے لئے فرائض میں ہوں چاہے نوافل میں۔(العام اثنان واربعون)ان میں سے جو عام مکروہات ہیں، وہ بیالیس ہیں۔(تکرار التکبیر)نماز میں تکبیر کا تکرار مکروہ ہے۔فان قیل۔ محرمات کے باب سے مخالفت ہو گی کیونکہ محرمات کے باب میں ذکر کیا گیا ہے کہ تکبیر میں زیادتی حرام ہے او یہاں کہا گیا ہے کہ تکبیر میں زیادتی مکروہ ہے۔قلنا۔ مخالفت نہیں ہوئی کیونکہ حرام کے باب میں مذکور قصد پر محمول ہے اور یہاں مذکور سہو پر محمول ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مکروہات میں تکرار کا ذکر ہے اور تکرار ایک کلمہ میں ہوتی ہے اور محرمات کے باب میں الفاظ میں زیادتی کا ذکر ہے جو کہ ایک کلمہ میں نہیں ہوتی، زیادتی کی مثال یہ ہے جیسے اللہ اکبر الاعظم۔

(والعد بالید للای)اور حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمہ اللہ کے مذہب میں دورانِ نماز آیات کو ہاتھوں کے ساتھ گننا مکروہ ہے اور آی مد ہمزہ کے ساتھ آیت کا جمع ہے اور گننے (شمار کرنے) سے مراد طریقہ عقد ہے اور اگر انگلیوں کے سروں سے یا دل کے ساتھ شمار کیا تو اتفاق کے ساتھ مکروہ نہیں ہے اور زبان کے ساتھ شمار کرنا اتفاق کے ساتھ نماز کا مفسد ہے۔(ونحوھا)اور اسی طرح دوسری چیزوں کو شمار کرنا بھی مکروہ ہے جیسے تسبیحات، سورتیں اور اذکار ہیں۔ یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ شمار کرنا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے اور یہ نمازی کو قیام، رکوع، سجود اور قعدے کی حالت میں وضع مسنونہ سے منع کرتا ہے جبکہ صاحبین (حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے مذہب میں شمار کرنا مکروہ نہیں، کیونکہ نمازی قرأت کو یاد رکھنے کے لئے گنتی کا محتاج ہوتا ہے جیسے صلوۃ التسبیح میں تسبیح کی مقدار ہے۔ یہ نماز انتہائی مبارک اور مفید ہے، لہذا ضرورت کی وجہ سے شمار کرنا مکروہ نہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ بقدرِ قرأت مسنونہ کے گننے کے رعایت کا امکان نماز سے باہر ہے لہذا نماز کے اندر انگلیوں کے سروں یا دل میں شمار کرنے کی حاجت باقی نہ رہی۔(والتخصر)اور ایک یا دونوں ہاتھوں کو تیہگاہ یعنی کوکھ پر رکھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہاتھوں کو کوکھ پر رکھنے سے منع فرمایا ہے اس لئے کہ یہ دوزخیوں کا فعل ہے اور ہاتھوں کو کوکھ پر پریشانی کی حالت میں رکھا جاتا ہے اور یہ وضع مسنونہ کا ترک ہے۔ اور جب شیطان لعین کو جنت سے نکالا گیا تو اس نے ہاتھوں کو کوکھ پر رکھا تھا۔ اس لئے یہ فعل شیطان مردود سے تشبیہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(وماھو من اخلاق الجبابرة)اور وہ کام مکروہ ہے جو متکبرین کی بری عادتوں میں سے ہو جیسے کہ کندھوں پر کپڑوں کا لٹکانا ہے کیونکہ حالِ نماز کی بناء عاجزی اور حضورِ دل کے ساتھ ہے لہذا متکبرین کا ہر وہ فعل جو نماز میں خشوع کو فوت کرتا ہو نماز میں اس کا ترک کرنا سنت ہے تاکہ

السنن الكبرى للبيهقي ١/٢٤٥•ابن عبد البر (٤٦٤هـ)، الاستذكار ١/٢٠٢ عبد الحق الإشبيلي (٥٨١هـ)، الأحكام الصغرى ١٤٨•ابن الأثير (٦٠٦هـ)، شرح مسند الشافعي ١/٨٩•النووي (٦٧٦هـ)، المجموع ١/١١٧•)

تواضع اور تضرع کی جگہ میں اپنے آپ کو متکبرین کے ساتھ تشبیہ سے بچایا جائے، جب کہ اقوالِ صحیح کے مطابق تربع یعنی چار زانو بیٹھنا مطلقاً افعالِ متکبرین میں سے نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ بھی بعض حالات میں بیٹھنے میں تربع فرماتے تھے، اور عام طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسجد میں بیٹھنا تربع ہوتا تھا۔ دوزانو بیٹھنا بہتر ہے کیونکہ یہ تواضع کے زیادہ قریب ہے لہذا عدمِ عذر کی حالت میں تربع مکروہ ہے اور عذر کی حالت میں تربع میں کراہیت نہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو تربع سے منع کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تربع کرتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس وجہ سے تربع کرتا ہوں کہ میں ضعیف العمر ہوں اور حضور نبی کریم ﷺ کا تربع فرمانا بھی حالتِ ضعف کی وجہ سے تھا۔

(**والتنحنح بلاعذر ولو بغیر حروف**) اور بغیر عذر کے کھنکارنا مکروہ ہے۔ اس شرط پر کہ بغیر حروف کے ہو اور اگر حروف ظاہر ہو جائیں جیسے اُح تو ایسی صورت میں نماز فاسد ہے اور اگر عذر کی وجہ سے ہو جیسے گلے میں تھوک جمع ہو جائے تو ایسی صورت میں کھنکارنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور بقولِ "**کافی**" کے جمائی کی بھی یہی تفصیل ہے اور "**خلاصۃ الفتاویٰ**" میں بھی بغیر ضرورت کے تقید کے عفو قرار دیا گیا ہے ۔**فان قیل**۔ "**کنز الدقائق**" سے مخالفت ہوئی کیونکہ "**کنز الدقائق**" میں **تنحنح** سے فسادِ نماز کا ذکر ہے۔ یہاں پر کراہیت کا ذکر ہے، نہ کہ فساد کا۔ **قلنا**۔ "**کنز الدقائق**" میں **تنحنح** بمع حروف کا ذکر ہے اور یہاں پر بغیر حروف کا لہذا حروف میں "**کنز الدقائق**" کے قول پر فتویٰ ہے اور بغیر حروف میں "**خلاصۃ**" کے قول پر۔

(**والتنخم**) اور عملِ قلیل کے ساتھ ناک صاف کرنا مکروہ ہے (**والتنفخ غیر المسموع**) اور ایسی پھونک جو سنی نہ جاتی ہو اور نہ ہی اس کے حروف ہوں جیسے اُف، تُف، وغیرہ مکروہ ہے۔ اور وہ پھونک جس کی آواز سنی جاسکتی ہو یا جس میں حروف ظاہر ہو جائیں تو ایسی پھونک طرفین علیہ الرحمہ کے مذہب کے مطابق نماز کو فاسد کر دیتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب سے گزرے تو وہ نماز میں پھونک رہے تھے تو حضور ﷺ نے حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے رباح! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس نے نماز میں پھونک ماری تو گویا اس نے نماز میں باتیں کیں اور نماز میں باتیں کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ نماز میں پھونکنا بھی نماز کا مفسد ہے۔ اور پھونک کے نہ سننے میں ہمسائے کے نہ سننے کا اعتبار ہے کہ ہمسایہ نہ سنے اور اپنی پھونک کو خود سن لے تو یہ مکروہ نہیں اگر حروف نہ ہوں، اور اگر حروف ظاہر ہوں تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چاہے حروف ظاہر ہوں یا نہ ہوں، پھونک نماز کو فاسد کرنے والی ہے اور صحیح قول پہلا ہے۔ **قال النبی ﷺ اربع من الجفاء التنفخ فی الصلوۃ**، حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ چار چیزیں جفاء میں سے ہیں جن میں سے ایک نماز میں پھونکیں مارنا ہے۔

(**وامساک الدراھم ونحوہ فی الفم بحیث لا یمنع القراءۃ**) اور منہ میں روپے یعنی سکہ یا اس طرح کی دوسری چیز اس طرح رکھنا مکروہ ہے کہ وہ قرأت میں رکاوٹ نہ بنے بلکہ ترتیلِ قرأت سے منع کرے۔ اور الدراہم میں الف اور لام جمعیت کے معنی باطل کرتا ہے تو جنس مضروب مراد ہوئی اور منہ میں روپوں یعنی سکوں کے رکھنے میں قرأت کے مسنون طریقے کا ترک ہے اور یہ بلا فائدہ اشتغال ہے اور اگر یہ

نفسِ قرأت میں رکاوٹ بنے تو پھر باعتبار ترکِ فرائض (مثلا قرأت میں) اس کا رکھنا مفسدِ نماز ہے کیونکہ حروف کا تغیر معنی کے تغیر کو مستلزم ہے اور اگر اس کا رکھنا ترتیلِ قرأت میں رکاوٹ پیدا نہ کرے تو یہ مکروہ نہیں بلکہ مباح ہے۔

(واعلاء الرأس فی الرکوع) اور رکوع میں سُرین سے سر کا اونچا رکھنا مکروہ ہے۔

لقوله له علیه الصلوة والسلام من رکع مرفوع الرأس القی فی النار مرفوع الرأس کالابل۔

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا ہے: جس نے رکوع میں اس طرح کیا کہ اس کا سر کمر سے بلند تھا تو اللہ تعالیٰ اسے اونٹ کی طرح سر بلند کیے ہوئے دوزخ میں ڈالے گا۔

رکوع سے اٹھنے کے بعد قومہ کے حالت میں اور سجدے سے اٹھنے کے بعد جلسے کی حالت میں سر کو اوپر آسمان کی طرف اٹھانا مکروہ ہے اگرچہ تھوڑا ہی ہو جیسے کہ جہلاء اور عوام کی عادت ہے، کہ اپنے چہروں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اس لئے مکروہ ہے کہ یہ متکبرین کی عادت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (١) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ٢)**

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنے نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔

اور خشوع سجدے کی جگہ پر نظر کرنے کو کہا جاتا ہے، نہ کہ سر اٹھانے کو۔ **فان قیل**۔ جب سر اٹھانا متکبرین کے اخلاق میں سے ہوا تو تکرار لازم ہوا کیونکہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ **وما هو من اخلاق الجبابرة**۔ اور تکرار اچھی چیز نہیں۔ **قلنا**۔ اخلاق الجبابرۃ طریقہ اجمال کے ساتھ عام تھے اور یہ قول کہ واعلاء الرأس طریقہ تفصیل کے ساتھ تمثیل ہوئی۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ تکبیر کے ارادے کے ساتھ سر کا اٹھانا جبابرہ کے اخلاق میں سے ہوتا ہے اور قصدِ تکبیر کے بغیر اخلاقِ جبابرہ سے نہیں ہوتا۔ رکوع اور سجود کے وقت امام سے پہلے سر کا اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ یہ سارے احوال نماز میں مأمور بہ سے مخالفت ہے۔ کیونکہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لاتُبادِرُوا الإمامَ إذا کبّرَ فکبِّرُوا، وإذا قال ولا الضّالِّینَ: فقولوا: آمینَ، وإذا رکعَ فارکَعوا، وإذا قالَ سمِعَ اللهُ لمَن حمدَه، فقولوا: اللّٰهمَّ ربّنا لکَ الحمدُ۔

اور دوسرے اس حدیث سے کہ وہ بھی حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

أمايخشى أحدُكم إذا رفع رأسَه قبل الإمامِ أن يُحوِّلَ رأسَه رأسَ الحمارِ۔[1322]

(وابتلاع مابين الاسنان)اور نمازی کے لئے اس چیز کا نگلنا جو اس کے دانتوں کے درمیان ہو، مکروہ ہے۔

(لو کان قلیلا)اس شرط کے ساتھ کہ وہ چیز تھوڑی ہو جیسا کہ چنے کے دانے کی مقدار سے کم طعام ہو یا کوئی دوسری چیز، اور مقید کیا مابین الاسنان کے ساتھ تاکہ تل کے لینے سے احتراز آجائے یعنی تل منہ میں ڈالے اور نگل لے اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے، اور قید قلیل کا احتراز ہے کثیر سے، جیسا کہ چنے کے دانے کی مقدار، یا چنے کے دانے سے زیادہ یہ نماز کو فاسد کرتا ہے۔

(وترک سنة)اور نماز کی سنتوں کا ترک مکروہ ہے(من السنن)سنتوں کے باب میں سنتِ مذکورہ سے جیسا کہ ترکِ واجب حرمتِ ظنی کے ساتھ حرام ہے اور ترک مستحب کراہیت تنزیہی کے ساتھ مکروہ ہے۔

(واتمام القراءة فی الرکوع)اور رکوع میں قرأت کا پورا کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے بغیر حالتِ قیام کے قرأت سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ رکوع یقینا محلِ قرأت نہیں ہے اور اس میں دو مکروہ ہیں۔ ایک اپنے محل سے ترکِ قرأت ہے، دوسرا دوسرے محل میں اداء قرأت ہے چاہے ایک حرف ہو یا کہ سورت کا ایک کلمہ ہو۔

(وتحصیل الاذکار فی الانتقالات)اور اذکار کا ادا کرنا طریقۂ مسنونہ کے ترک کرنے کے ساتھ حالاتِ انتقال میں مکروہ ہے۔ جیسا کہ سمع اللہ لمن حمدہ اٹھنے کی حالت میں اور ربنا ولک الحمد برابری کی حالت میں۔ امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے، اور مقتدی کے لئے ربنا ولک الحمد کہنا اٹھنے کی حالت میں اور تکبیر جھکنے کی حالت میں جاتے وقت کہنا کہ ابتداء اللہ کے لفظ پر قومے سے ہو اور فراغ اللہ کے لفظ سے انتقال میں ہو اور لفظ اکبر تک سجدے کو پہنچے اور سجدے میں تین، پانچ یا سات بار تسبیح کہنا اور منتقل ہونے میں شروع لفظ اللہ سے ہو اور لفظِ اکبر پر جلسے کی حالت میں فارغ ہو اور اسی طرح دوسرے سجدے میں۔ اور دوسرے سجدے سے اٹھنے میں ابتداء لفظ اللہ پر ہو اور اٹھنے سے فارغ ہونا لفظ اکبر پر ہو، اور رکوع کی تسبیح فقط حالتِ رکوع میں ہو اور تشہد قعدے میں ہو۔ یہ مذکورہ کیفیت ساری نماز کے لئے ہے اور اذکار کا اپنے محل کے بغیر دوسری جگہ ادا کرنا دو مکروہات کو مستلزم ہے۔ ایک اپنی جگہ سے ترک کرنے کی کراہیت ہے اور دوسری کراہیت یہ ہے کہ اذکار کو دوسرے محل میں ادا کرے۔ اور قرأت کا انتقال کے اندر بمثلِ تحصیل اذکار میں تعمیم بعد التخصیص کو ذکر کرنا ہے کیونکہ قرأت کو رکوع میں تمام کرنا خاص ہے اور اذکار کی تحصیل انتقال میں عام ہے۔

(ووضع یدیه قبل رکبته علی الارض للسجود بلا عذر)اور سجدے کو جاتے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھنا بلا عذر مکروہ ہے اور اگر عذر ہو جیسے بڑھاپا، ضعیف ہونا، بیمار ہونا، یا پاؤں سے اپاہج ہونا تو ایسی حالت میں مکروہ نہیں (ورفعهما بعد رکبتیه للقیام

[1322] (صحيح • أخرجه البخاري (٦٩١)، ومسلم (٤٢٧) باختلاف يسير)

کذلک)اور اس طرح قیام کے لئے کھڑے ہونے میں ہاتھ کو گھٹنوں کے بعد اٹھانا بلا عذر مکروہ ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے اونٹ کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اونٹ جب زمین پر بیٹھتا ہے تو پہلے دونوں ہاتھ زمین پر لگاتا ہے اور پھر بعد میں دونوں پاوں لگاتا ہے، اور اٹھتے وقت پہلے پاوں اٹھاتا ہے اور بعد میں ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اور حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تھے تو گھٹنوں کو رکھتے پھر ہاتھوں کو اور جب اٹھتے تھے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے اور کیفیتِ مذکورہ اٹھنے اور رکھنے کی حالت عذر میں مکروہ نہیں، اور حضور ﷺ کا اٹھنے کے وقت ہاتھوں کو زمین پر لگانا اور ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھنا اور گھٹنوں کو ہاتھ سے پہلے اٹھانا حالتِ ضعف پر محمول ہے۔

(**والاقعاء کاقعاء الکلب**)اور کتے کی بیٹھنے کی طرح بیٹھنا مکروہ ہے چاہے جلسہ میں ہو یا دوسری رکعت اور چوتھی رکعت میں اٹھنے کی حالت میں ہو، اور **اقعاء القلب** اسکو کہا جاتا ہے کہ سُرین کو زمین پر رکھے اور ہاتھوں کو سامنے کی طرف کھڑا کر دے چاہے رانوں کو کھڑا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یا سرین کو ایڑھیوں پر رکھا ہو یا نہ ہو۔ یا ہاتھوں کو زمین پر رکھا ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ تفسیر اقعاء میں اس پر ہر ایک کیفیتِ مذکورہ میں مسنون طریقے سے بیٹھنے کا ترک ہے۔ اور یہ تفسیر اقعاء حقیقی کی ہے اور دوسرا تیسرا اور چوتھا کراہیت میں اقعاء کی طرح ہے۔

(**وتعطیة الفم**)اور منہ کو ڈھانپنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بغیر ضرورت کے ہاتھوں کو رکھنا ہے اور منہ کی طرح ناک کو چھپانا مکروہ ہے (**بلا غلبة التثاؤب**)غلبۂ جمائی کے بغیر۔ تثاءب الف کے بعد ہمزہ کے ساتھ ہے اور واو غلط ہے اور غلبہ اس کو کہا جاتا ہے کہ انسان ہونٹوں کو یک جا کرنے پر قادر نہ ہو اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سر پر چادر ڈالنا بغیر آویزاں کرنے کے اندیشہ نہیں رکھتا کہ منہ چھپا ہوا نہ ہو اور نماز پڑھتا ہو۔ اور منہ کا چھپانا قیاس کے تقاضے کے ساتھ مستحب ہے اور جمائی لینے کے ساتھ مکروہ نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی جمائی کرتا ہے تو منہ کو چھپائے کیونکہ شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے، اور دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔

عَنِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ۔[1323]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ممکن ہو سکے منہ کو بند رکھے کیونکہ شیطان داخل ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " التَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ۔[1324]

[1323](صحیح مسلم باب تشیت العاطس ولکراھیة التثاوب)

[1324](سنن الکبری للبیھقی، ج ۲ ص ۴۱۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو جماہیآئے تو جہاں تک ممکن ہو سکے اس کو روکے کیونکہ جماہی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

(وغمض العینین) اور نماز میں آنکھوں کو بند کرنا مکروہ ہے اگرچہ آنکھوں کے بند کرنے میں حضورِ دل یعنی دل کا حاضر ہونا زیادہ ہوتا ہے لیکن حضور ﷺ نے نماز میں آنکھیں بند کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دوسرا یہ کہتا ہوں کہ آنکھیں بند کرنے میں یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔ تیسرا یہ کہ سجدے کی جگہ کو دیکھنا آنکھوں کا سجدہ ہے تو سجدے کی جگہ کو نہ دیکھنا جائز نہ ہوا اگرچہ آنکھوں کا بند کرنا حضورِ دل کی زیادت کا سبب ہے لیکن جب یہ طریقہ یہود کا ہے تو اس کا ترک کرنا بہتر ہے اور ہر وہ فعل جو خشوع کو ترک کرتا ہے وہ مکروہ ہے کیونکہ جب یہ حکمِ خداوندی نازل ہوا کہ **قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون**۔[1325] تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خشوع کیا چیز ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا سجدے کی جگہ کو دیکھنا اور آنکھوں کے بند کرنے میں سجدے کی جگہ و نہیں دیکھا جا سکتا۔

(وقلب الحصی الا ان لا یمکنه السجود) اور نماز میں سجدے کی جگہ سے کنکریاں ہٹانا مکروہ ہے مگر جب سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر کنکریاں ہٹانا مکروہ نہیں ہے۔

(فاتیٰ به مرة او مرتین) تو (سجدے کی جگہ) کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ برابر کر دے اگر ایک مرتبہ برابر نہ ہو تو دوسری مرتبہ برابر کر دے مگر ایک رکن میں دو دفعہ سے زیادتی نہ کرے تاکہ نماز فاسد نہ ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا:

یا اباذر سویه مرة او مرتین والا فذر۔ (اے ابوذر! ایک یا دو دفعہ (سجدہ کی جگہ کو) برابر کرو اور پھر چھوڑ دو۔) اور ان دو دفعہ سے زیادتی نہ کرے کیونکہ اس مقدار میں نماز کی اصلاح ہے اور اس سے زیادہ عمل کثیر ہے جو کہ نماز کو فاسد کرتا ہے۔

(ومسح الجبهة من التراب والعرق قبل الفراغ من الصلوة) نمازی کا نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی پیشانی کو مٹی، پسینہ اور گھاس سے صاف کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ مٹی اور پسینہ پیشانی پر رحمت کی علامت ہے اور رحمت کی علامت کو پیشانی سے ہٹانا مکروہ ہے۔ اگر نمازی کو اس میں ضرر نہ ہو تو نماز کے بعد مسح کرے کیونکہ پھر اس طرح پسینے اور مٹی کو پیشانی پر باقی چھوڑنا عارف اور حبیب کے درمیان علیحدگی کی علامت ہے اور عارف و حبیب کے درمیان جدائی نہیں ہوتی اور اگر پسینہ ضرر پہنچاتا تھا مثلاً پسینہ آنکھوں میں داخل ہوتا تھا تو پھر نماز میں مسح کرنا ضرر کو دفعہ کرنے کی وجہ سے مکروہ نہیں۔

[1325] (بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں)

عن أنس بن مالک کانَ رسولُ اللهِ ﷺ إذا قضی صلاتَهُ مسحَ جَبهتَهُ بیدِهِ الیُمنی ثمَّ قالَ: أشهَدُ أن لا إلَهَ إلّا اللهُ الرَّحمنُ الرَّحیمُ اللّٰهمَّ اذهب عنّي الهَمَّ والحزَنَ۔[1326]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نماز ادا فرما لیتے تو آپ ﷺ دائیں ہاتھ مبارک سے اپنی پیشانی مبارک صاف فرما لیتے اور یہ فرماتے: **أشهَدُ أن لا إلَهَ إلّا اللهُ الرَّحمنُ الرَّحیمُ اللّٰهمَّ اذهب عنّي الهَمَّ والحزَنَ ۔**

(**ولف الثوب**) اور (قیام سے رکوع کی طرف جاتے وقت) کپڑوں کو سامنے کی طرف سے سمیٹنا (یا رکوع سے سجدے کی طرف جاتے وقت) کپڑوں کو پیچھے کی طرف سمیٹنا مکروہ ہے کیونکہ کپڑوں کے سمیٹنے میں انکار سجدہ سے مشابہت ہے اور حقیقت انکار کفر ہے اور تشبیہ اس کی مکروہ ہے۔ مزید تحقیق کیلئے رسالہ مسمیٰ بہ "**اصدق المقال فی کف الازار والاکمام والاذیال وجزاء الاسبال**" ملاحظہ کریں۔

مسلمان کی کامل نجات دو چیزوں پر موقوف ہے:

(۱) امتثالِ اوامر (یعنی اوامر فرائض، واجبات اور سنن موکدہ کو بجالانا)۔

(۲) اجتناب عن النواهی (یعنی منکرات و معاصی سے پرہیز کرنا)۔

پھر منکرات اور گناہوں کی دو قسمیں ہیں، ظاہری گناہ اور باطنی و مخفی گناہ، اور دونوں کا چھوڑنا نجات کے لئے ضروری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ** (پارہ ۸، سورۃ الانعام، آیت ۱۲۰) یعنی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو چھوڑ دو۔ البتہ بعض وجوہ کے اعتبار سے ظاہری گناہ بہ نسبت باطنی گناہ کے زیادہ خطرناک ہیں، اس لئے ان کے چھوڑنے میں پہلے خوب اپنی ہمت استعمال کرنی چاہیئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: **کل امتی معافی الا المجاهرین۔**

یعنی میری پوری امت لائقِ عفو ہے مگر وہ جو ظاہری گناہ کرتے ہیں۔[1327]

وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کو معاف کر دیا جائے۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری گناہ مخفی گناہ کی نسبت زیادہ شدید ہے۔

حضراتِ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بھی رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر جہراً کھانے پینے والے کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: ولو أکل عمداً شهرةً بلا عذر یقتل وتمامه فی شرح الوهبانیة۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: قوله: وتمامه فی شرح الوهبانیة) قال فی الوهبانیة:

[1326] (ابن حجر العسقلاني (۸۵۲هـ)، الفتوحات الربانية ۳/۵۷)

[1327] (بخاری ۲:۸۹۶)

ولو أكل الانسان عمداً وشهرة ولا عذر فيه قيل بالقتل يؤمر

قال الشرنبلالی رحمه الله تعالیٰ: صورتها: تعمد من لا عذر له الأكل جهاراً يقتل لانه مستهزئ بالدّين او منكر لماثبت منه بالضرورة، ولا خلاف فی حلّ قتله والامر به فتعبير المؤلّف بقيل ليس بلازم الضعف اهـ[1328]

اس سے بھی پتہ چلا کہ جہری گناہ بہت سنگین گناہ ہے، گویا بزبانِ حال یہ شخص اعلانیہ دین کا مذاق اڑاتا ہے یا دین کے مسئلہ کا انکار کر رہا ہے۔

قارئین کرام: ان سنگین اور جہری گناہوں میں سے جس طرح رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر کھلے عام کھانا پینا اور ڈاڑھی منڈوانا اور مٹھی سے کم کاٹنا وغیرہ ہیں اسی طرح "مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا" بھی ایک جہری اور سنگین گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ (القصص ٧٦)

ترجمہ: بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا اِتراؤ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (سورۃ القصص، ٧٦)

قوله تعالی: (فَبَغَى عَلَيْهِمْ) بغيه أنه زاد فی طول ثوبه شبرا، قاله شهر بن حوشب وفی الحديث: "لا ينظر الله إلى من جر إزاره بطرا"

فَبَغَى عَلَيْهِمْ۔ اس (قارون) کی بغاوت یہ تھی کہ اس نے اپنے کپڑے کی لمبائی ایک بالشت زیادہ رکھی ہوئی تھی، یہ حضرت شہر بن حوشب کا فرمان ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے: جس آدمی نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[1329]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۴) ترجمہ: اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ (سورۃ المدثر: ۴)

وَمَنْ ذَهَبَ إِلَى الْقَوْلِ الثَّامِنِ قَالَ: إِنَّ الْمُرَادَ بِهَا الثِّيَابُ الْمَلْبُوسَاتُ، فَلَهُمْ فِي تَأْوِيلِهِ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ: أَحَدُهَا - مَعْنَاهُ وَثِيَابَكَ فَأَنْقِ، وَمِنْهُ قَوْلُ امْرِئِ الْقَيْسِ: ثياب بني عوف طهارى نقية۔

الثَّانِي - وَثِيَابَكَ فَشَمِّرْ وَقَصِّرْ، فَإِنَّ تَقْصِيرَ الثِّيَابِ أَبْعَدُ مِنَ النَّجَاسَةِ، فَإِذَا انْجَرَّتْ عَلَى الْأَرْضِ لَمْ يُؤْمَنْ أَنْ يُصِيبَهَا مَا يُنَجِّسُهَا، قَالَهُ الزَّجَّاجُ وَطَاوُسٌ. الثَّالِثُ - وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ مِنَ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ، قَالَهُ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ وَابْنُ زَيْدٍ وَالْفُقَهَاءُ. الرَّابِعُ - لَا تَلْبَسْ ثِيَابَكَ إِلَّا مِنْ كَسْبٍ حَلَالٍ لِتَكُونَ مُطَهَّرَةً مِنَ الْحَرَامِ. وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: لَا تَكُنْ ثِيَابُكَ الَّتِي تَلْبَسُ مِنْ مَكْسَبٍ غَيْرِ طَاهِرٍ. ابْنُ الْعَرَبِيِّ وَذَكَرَ بَعْضَ مَا ذَكَرْنَاهُ: لَيْسَ بِمُمْتَنِعٍ أَنْ تُحْمَلَ الْآيَةُ عَلَى عُمُومِ الْمُرَادِ فِيهَا بِالْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ، وَإِذَا حَمَلْنَاهَا عَلَى الثِّيَابِ الْمَعْلُومَةِ الطَّاهِرَةِ فَهِيَ تَتَنَاوَلُ مَعْنَيَيْنِ: أَحَدُهُمَا - تَقْصِيرُ الْأَذْيَالِ، لِأَنَّهَا إِذَا أُرْسِلَتْ تَدَنَّسَتْ، وَلِهَذَا قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِغُلَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَقَدْ رَأَى ذَيْلَهُ مُسْتَرْخِيًا: ارْفَعْ إِزَارَكَ فَإِنَّهُ أَتْقَى وأنقى وأبقى. وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، وَمَا كَانَ أَسْفَلَ

[1328] (الشامية ۳/ ۴۴۹، ط، رشيديه كوئٹه)

[1329] (تفسير القرطبی، القصص، تحت الاية: ٧٦، ج، ١٣، ص، ٢٠٥، دار الكتب العلميه، بيروت)

مِنْ ذَلِکَ فَفِي النَّارِ فَقَدْ جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَايَةَ فِي لِبَاسِ الْإِزَارِ الْكَعْبَ وَتَوَعَّدَ مَا تَحْتَهُ بِالنَّارِ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يُرْسِلُونَ أَذْيَالَهُمْ، وَيُطِيلُونَ ثِيَابَهُمْ، ثُمَّ يَتَكَلَّفُونَ رَفْعَهَا بِأَيْدِيهِمْ، وَهَذِهِ حَالَةُ الْكِبْرِ، وَقَائِدَةُ الْعُجْبِ، وَأَشَدُّ مَا فِي الْأَمْرِ أَنَّهُمْ يَعْصُونَ وَيَنْجُسُونَ وَيُلْحِقُونَ أَنْفُسَهُمْ بِمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللهُ مَعَهُ غَيْرَهُ وَلَا أَلْحَقَ بِهِ سِوَاهُ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ وَلَفْظُ الصَّحِيحِ: "مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ إِزَارِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذَلِكَ مِنْهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ) فَعَمَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّهْيِ، وَاسْتَثْنَى الصِّدِّيقَ، فَأَرَادَ الْأَذْنِيَاءُ إِلْحَاقَ أَنْفُسِهِمْ بِالرُّفَعَاءِ، وَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُمْ.

جو آٹھویں قول کی طرف گیا ہے تو اس نے کہا: یہاں ثیاب سے مراد ملبوسات ہیں، ان کے نزدیک اس معنی کی چار وجوہ ہیں

(۱) اس کا معنی ہے اپنے کپڑوں کو پاک رکھو: اسی معنی میں امراء القیس کا شعر ہے: ثياب بني عوف طهارى نقية۔

(۲) اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھ، کیونکہ کپڑوں کو سمیٹ کر رکھنا نجاست سے دوری کا باعث ہوتا ہے جب کپڑے زمین پر گھسیٹیں گے تو وہ نجاست لگنے سے محفوظ نہیں ہوتے؛ زجاج اور طاؤس نے یہی بات کہی ہے۔

(۳) اپنے کپڑوں کو پانی کیساتھ پاک کرلو؛ یہ محمد بن سیرین ابن زید اور فقہاء (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کا نقطہ نظر ہے۔

(۴) حلال کمائی سے ہی کپڑا پہنو تاکہ وہ حرام سے پاکیزہ ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: جو تو لباس پہنتا ہے وہ حرام کمائی کا نہ ہو علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کچھ کہا جس کا ہم نے ذکر کیا یہ ممتنع نہیں کہ آیت کو عموم مراد پر محمول کیا جائے وہ حقیقت ہو یا مجاز ہو ۔جب ہم اسے پاکیزہ، معروف کپڑوں پر محمول کریں گے تو یہ دونوں معنوں کو شامل ہو گا۔

(۱) دامنوں کو سمیٹنا کیونکہ جب انھیں ڈھیلا چھوڑا جائے تو وہ آلودہ ہو جاتے ہیں؛ اس وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے انصار کے ایک نوجوان کو فرمایا جب انہوں نے اس کا دامن ڈھیلا دیکھا: اپنا تہبند اونچا کرلو کیونکہ یہ زیادہ تقوی، زیادہ پاکیزگی اور زیادہ عرصہ باقی رہنے کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مومن کا تہبند اس کی نصف پنڈلی تک ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے بھی نیچے ہو وہ آگ میں ہے“ نبی کریم ﷺ نے تہبند کی انتہا ٹخنہ معین کی ہے اور جو اس سے بھی نیچے ہو اس پر وعید سنائی ہے ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے دامنوں کو نیچے چھوڑے رکھتے ہیں، اپنے کپڑوں کو لمبا کرتے ہیں پھر اپنے ہاتھوں سے انہیں اوپر اٹھاتے ہیں یہ تکبر کی حالت ہے اور عجب (اپنے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا) کا طریقہ ہے (اس معاملہ میں سب سے شدید معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں، کپڑوں کو ناپاک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ جاملاتے ہیں) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے غیر کو نہیں ملایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو لاحق کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا“ صحیح کے الفاظ یہ ہیں: جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا“۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میرے تہبند کا ایک پہلو ڈھیلا رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ میں اس کا خیال رکھوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا: تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نہی کو عام رکھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا تو کمینے لوگوں نے اپنے آپکو بلند مرتبہ لوگوں کیساتھ ملانے کا قصد کیا۔ یہ ان کے لئے جائز نہیں۔[1330]

(وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) جميع ثوب من اللباس أى فطهرها مما ليس بطاهر بحفظها و صيانتها عن النجاسات و غسلها بالماء الطاهر بعد تلطخها فإنه قبيح بالمؤمن الطيب أن يحمل خبيثاً سواء كان فى حال الصلاة أو فى غيرها و بتقصيرها أيضاً فإن طولها يؤدى إلى جر الذيول على القاذورات فيكون التطهير كناية عن التقصير لأنه من لوازمه و معنى التقصير أن تكون إلى إنصاف الساقين أو الى الكعب فإنه عليه السلام جعل اية طول لإزار إلى الكعب و توعد على ما تحته بالنار. و حضرت مرتضى رضى الله تعالىٰ عنه كفت كوتاه كن جامهارا. فإنه أتقى و أنقى و أبقى و هو أول ما أمر به عليه السلام من رفض العادات المذمومة فإن المشركين ما كانوا يصونون ثيابهم عن النجاسات۔

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

ترجمہ: اپنے کپڑے پاک رکھو۔ ثیاب، ثوب کی جمع ہے یعنی لباس، کپڑوں کو اس سے پاک رکھیں جو پاک نہیں ہے اسے نجاسات سے محفوظ اور بچائے رکھیں اور جب میلے ہو جائیں تو پاک پانی سے دھوئیں کیونکہ پاک مومن کے لیے یہ کام قبیح ہے کہ وہ خبیث (ناپاک) اشیاء کا حامل (اٹھانے والا) ہو، نماز کی حالت میں ہو یا غیر نماز میں ہو اور اسے لمبا بھی نہ رکھے کیوں کہ لمبے کپڑے کا دامن پلیدیوں پر گھسیٹا جائے گا اور نجاست آلود ہو جائے گا۔ تطہیر (پاک کرنے) تقصیر (لمبانہ کرنے) سے کنایہ ہے کیونکہ یہ اس کے لوازم سے ہے۔ اور تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک یا ٹخنوں تک اونچا ہونا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تہبند کی لمبائی کی انتہاء ٹخنے تک بیان فرمائی، اور اس سے جو نیچے ہو اس پر آگ کی وعید بیان فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اپنے تہبند کو لمبانہ کر کیونکہ اس میں تقویٰ زیادہ ہے اور طہارت و نفاست زیادہ ہے، اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ یہی وہ پہلا امر ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ہوا کہ مذمومہ عادات کا چھوڑنا لازم ہے اس لیے کہ مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے۔[1331]

قال عبد الرحمن بن زيد بن أسلم كان المشركون ما كانوا يصونون ثيابهم عن النجاسات فأمره الله تعالى بأن يصون ثيابه عن النجاسات۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نجاسات سے اپنے کپڑے بچانے کا حکم فرمایا۔[1332]

أن المراد من قوله فَطَهِّرْ أى فقصر و ذلك لأن العرب كانوا يطولون ثيابهم و يجرون أذيالهم فكانت ثيابهم تتنجس و لأن تطويل الذيل إنما يفعل للخيلاء و الكبر فنهى الرسول (ﷺ) عن ذلك۔

[1330] (تفسیر القرطبی، المدثر، تحت الایۃ: ۴، ج، ۱۹، ص، ۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[1331] (تفسیر روح البیان، المدثر، تحت الایۃ ۴، ج، ۱۰، ص، ۲۲۸، ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[1332] (تفسیر کبیر، المدثر، تحت الایۃ: ۴، ج، ۳۰، ص، ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَطَهِّرْ سے مراد یہ ہے کہ اپنے کپڑے زیادہ لمبے نہ کر۔ کیونکہ عربی لوگ اپنے کپڑے لمبے رکھتے تھے اور اپنے دامنوں کو گھسیٹتے تھے، تو ان کے کپڑے نجاست آلود ہو جاتے تھے، کیونکہ دامن کا لمبا کرنا فخر و تکبر ہی کے لیے کیا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔[1333]

(وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) بالماء من النجاسة لأن الصلاة لا تصح إلا بها وهي الأولى في غير الصلاة، أو فقصر مخالفة للعرب في تطويلهم الثياب وجرّهم الذيول إذ لا يؤمن معه إصابة النجاسة، أو طهر نفسك مما يستقذر من الافعال۔

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

ترجمہ: اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں۔ یعنی پانی کے ساتھ اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک کریں کیونکہ نماز اس کے بغیر درست نہیں ہوتی ہے اور نماز کے علاوہ میں پاک رکھنا اولیٰ ہے، یا اپنے کپڑوں کو زیادہ لمبا نہ کرو۔ عرب والوں کی اس عادت کی مخالفت کرتے ہوئے، کہ وہ اپنے کپڑوں کو لمبا رکھتے ہیں اور چادروں کے دامن کو زمین پر گھسیٹتے ہیں اس لیے کہ ایسی حالت میں نجاست سے حفاظت نہیں رہ سکتی۔[1334]

وقال طاوس رضی اللہ عنہ: ثیابک فقصر لأن تقصیر الثوب طهارة لها۔

ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اپنے کپڑوں کو لمبا نہ کرو کیونکہ کپڑوں کا لمبا نہ ہونا ان کی پاکی (کا سبب) ہے۔[1335]

وقال بعضهم: ای قصر ثیابک، ولا تطول لها، فتبلغ اطرافها الارض، فتصیبها النجاسة۔

ترجمہ: اور بعض نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ زیادہ لمبے کپڑے نہ پہنیں، مبادا ان کپڑوں کے کنارے زمین تک پہنچیں، تو ان کو نجاست لگ جائے۔[1336]

احتمال دویم آنکہ جامۂ طاہر را از نجاسات معنوی پاک دارد نجاست معنوی جامہ آنست کہ از کسے بغصب نگرفتہ باشد و بہ دزدی و خیانت و دیگر وجوہ حرام کسب نکردہ و آنچہ استعمال آن حرام ست مثل ریشمین باف برائے مرد باستعمال نیارند و در قطع و دوخت آن اسراف و امور نامشروعہ را مرتکب نشوند مثل دراز کردن دامن از شالنگ۔

[1333] (تفسیر کبیر، المدثر، تحت الایة: ۴، ج، ۳۰، ص، ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[1334] (تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل، المدثر، تحت الایة: ج ۴، ۳ص، ۴۸۳)

[1335] (تفسیر مظهری المدثر تحت الایة: ۴ ج ۷ ص ۲۸۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1336] (تفسیر تاویلات اهل سنت، المدثر، تحت الایة: ۴، ج ۵ ص، ۳۱۱، مکتبہ معروفیہ، کوئٹہ)

ترجمہ: دوسرا احتمال یہ ہے کہ کپڑے کو معنوی نجاست سے پاک رکھیں اور کپڑے کی معنوی نجاست یہ ہے کہ کسی سے چھینا ہوا نہ ہو اور چوری، خیانت اور دوسرے حرام طریقوں سے کمایا ہوا نہ ہو، اور وہ جس کا استعمال حرام ہے جیسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا استعمال میں نہیں لاتے اور اس کے کاٹنے سینے میں اسراف اور غیر شرعی امور کے مرتکب نہ ہوں جیسے دامن کو ٹخنے سے لمبا کرنا۔[1337]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ۔[1338]

عَن قَتَادَة (وَإِذا قيل لَهُم ارْكَعُوا) قَالَ: عَلَيْكُم بِإِحْسَان الرُّكُوع فَإِن الصَّلَاة من الله بمَكَان قَالَ: وَذكر لنا أَن حُذَيْفَة رأى رجلا يُصَلِّي وَلَا يرْكَع كَأَنَّهُ بعير نافر قَالَ: لَو مَاتَ هَذَا مَا مَاتَ على شَيْء من سنة الإِسلام قَالَ: وَحدثنَا أَن ابْن مَسْعُود رأى رجلا يُصَلِّي وَلَا يرْكَع وَآخر يجر إِزَاره فَضَحِك قَالُوا: مَا يضحكك يَا ابْن مَسْعُود قَالَ: أضحكني رجلَانِ أَحدهمَا لَا ينظر الله إِلَيْهِ وَالْآخر لَا يقبل الله صلَاته۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان إِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ کی تفسیر میں فرمایا: تم پر اچھے طریقے سے رکوع کرنا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نماز میں ایک خاص مرتبہ اور درجہ ہے۔ فرمایا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ رکوع نہیں کرتا، گویا کہ وہ بدکنے والا اونٹ ہے تو فرمایا: اگر یہ آدمی اسی حالت میں فوت ہو گیا تو یہ اسلام کے طریقوں میں سے کسی پر نہیں مرے گا۔ فرمایا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع نہیں کرتا اور دوسرا اپنے تہبند کو گھسیٹ رہا ہے، تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ ہنس پڑے۔ لوگوں نے کہا: اے ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کون سی چیز آپ کو ہنسا رہی ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: مجھے دو آدمیوں نے ہنسایا ہے، ان میں سے ایک وہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور دوسرا وہ جس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔[1339]

الْأُولى - قَوْلُهُ تَعَالَى: (وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً) هَذَا نَهْيٌ عَنِ الْخُيَلَاءِ وَأَمْرٌ بِالتَّوَاضُعِ. وَالْمَرَحُ: شِدَّةُ الْفَرَحِ. وَقِيلَ: التَّكَبُّرُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ: تَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ. وَقَالَ قَتَادَةُ: هُوَ الْخُيَلَاءُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ: هُوَ الْبَطَرُ وَالْأَشَرُ. وَقِيلَ: هُوَ النَّشَاطُ وَهَذِهِ الْأَقْوَالُ مُتَقَارِبَةٌ وَلَكِنَّهَا مُنْقَسِمَةٌ قِسْمَيْنِ: أَحَدُهُمَا مَذْمُومٌ وَالْآخَرُ مَحْمُودٌ، فَالتَّكَبُّرُ وَالْبَطَرُ وَالْخُيَلَاءُ وَتَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ مَذْمُومٌ وَالْفَرَحُ وَالنَّشَاطُ مَحْمُودٌ. وَقَدْ وَصَفَ اللَّهُ تَعَالَى نَفْسَهُ بِأَحَدِهِمَا، ففي الحديث الصحيح لله أفرح بتوبة العبد من رجل ... الحديث. والكسل مَذْمُومٌ شَرْعًا وَالنَّشَاطُ ضِدُّهُ. وَقَدْ يَكُونُ التَّكَبُّرُ وَمَا فِي مَعْنَاهُ مَحْمُودًا، وَذَلِكَ عَلَى أَعْدَاءِ اللَّهِ وَالظَّلَمَةِ. أَسْنَدَ أَبُو حَاتِمِ بْنُ حِبَّانٍ عَنِ ابْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُبْغِضُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللَّهُ، عَزَّ وَجَلَّ وَمِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُحِبُّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللَّهُ فَأَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي الدِّينِ وَالْغَيْرَةُ الَّتِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ دِينِهِ وَالْخُيَلَاءُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ اخْتِيَالُ الرَّجُلِ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَعِنْدَ الصَّدَقَةِ وَالِاخْتِيَالُ الَّذِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْخُيَلَاءُ فِي الْبَاطِلِ وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي مُصَنَّفِهِ وَغَيْرِهِ. وَأَنْشَدُوا:

[1337] (تفسیر عزیزی مسمیٰ بہ فتح العزیز المدثر تحت الایۃ ۴ ج ۲ ص ۲۵۵ مکتبہ حقانیہ کوئٹہ)

[1338] (سورۃ المرسلات: ۴۸)

[1339] (وأخرج عبد بن حميد وتفسير طبری ابن جرير ج ۲۹ ص ۲۹۰ دار احياء التراث العربی بيروت وابن المنذر الدر المنثور المرسلات تحت الاية: ۴۸ ج ۶ ص ۵۳۲ مكتبة الرحاب القاهره)

وَلَاتَمْشِ فَوْقَ الأَرض إلا تواضعا　　فكم تحتها قوم همو امِنْکَ أَرْفَعُ

وَإِنْ كُنْتَ فِي عِزٍّ وَحِرْزٍ ومنعة　　فكم مات من قوم همو امِنْکَ أَمْنَعُ

مسئلہ نمبر ۱:۔قولہ تعالیٰ: وَلاتَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً۔ یہ غرور اور تکبر سے نہی ہے اور تواضع اور انکساری کا حکم ہے۔ المرح: کا معنی ہے بہت زیادہ خوشی اور فرحت کا اظہار کرنا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی چلنے میں تکبر کا اظہار کرنا (یعنی اکڑ کر چلنا) ہے۔ بعض نے کہا ہے: انسان کا اپنی قدر اور مقام سے تجاوز کر جانا ہے۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے: اس سے مراد چال چلن میں غرور اور خود پسندی کا اظہار کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی کسی نعمت پر اترانا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا ہے۔ اور اکڑنا ہے۔ بعض نے کہا ہے: اس سے مراد نشاط اور چستی کا اظہار کرنا ہے۔ یہ تمام اقوال معنوی اعتبار سے قریب قریب ہیں لیکن یہ دو قسموں میں منقسم ہیں: ان میں سے ایک قسم مذموم (قابل مذمت) ہے اور دوسری محمود (قابل تعریف) ہے، پس تکبر کرنا، اترانا، غرور کرنا، اور انسان کا اپنی قدر سے تجاوز کرنا یہ سب مذموم ہے اور فرحت وانبساط اور نشاط وچستی کا اظہار کرنا محمود اور اچھا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان دو میں سے ایک کے ساتھ (یعنی فرحت اور نشاط) اپنے آپ کو متصف فرمایا ہے، پس صحیح حدیث میں ہے: **اللہ افرح بتوبۃ العبد من رجل۔۔۔۔الحدیث۔** اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس آدمی کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے۔[1340]

اور سستی شرعاً مذموم ہے اور نشاط اس کی ضد ہے۔ اور کبھی تکبر اور جو چیزیں اس کے معنی میں ہیں محمود اور اچھی ہوتی ہیں، اور وہ یہ کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور ظالموں کے خلاف ہوں۔ حضرت ابو حاتم محمد بن حبان نے ابن جابر بن عتیک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مسند روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "غیرت میں سے وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ مبغوض اور ناپسند جانتا ہے اور وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور غرور اور تکبر میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ عزوجل پسند فرماتا ہے اور اس میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ مبغوض قرار دیتا ہے، پس وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے بارے میں ہو اور وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے معاملہ میں نہ ہو اور وہ رعونت و تکبر جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ آدمی کا جنگ کے وقت اور صدقہ دیتے وقت اپنے نفس کے ساتھ اظہار فخر کرنا ہے اور وہ تکبر و غرور جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ باطل اور غلط کاموں میں اس کا غرور اور تکبر کرنا ہے"۔[1341]

اسے ابو داؤد نے اپنی مصنف وغیرہ میں نقل کیا ہے۔

اور انہوں نے یہ اشعار بھی کہے ہیں:

ولا تمش فوق الارض الا تواضعا　　فکم تحتها قوم همو منک ارفع

ترجمہ: تو زمین کے اوپر تواضع اور انکساری کے بغیر نہ چل پس اس کے نیچے کتنی قومیں ہیں جو تجھ سے بلند اور ارفع تھیں۔

[1340] (مجمع الزوائد کتاب التوبۃ باب الحث علی التوبۃ جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲ حدیث ۱۷۴۹۸)

[1341] (مجمع الزوائد کتاب التوبۃ باب الحث علی التوبۃ جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲ حدیث ۱۷۴۹۸)

وان کنت فی عز و حرز و منعة　　فکم مات من قوم هم منک امنع

ترجمہ: اور اگر تو عزت، حفاظت اور قوت میں ہے تو قوم میں سے کتنے مر گئے جو تجھ سے زیادہ محفوظ اور طاقتور تھے۔[1342]

انسان کو تکبر نہیں کرنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ انسان کے تکبر کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا۔

ترجمہ: اور زمین میں اترا تا نہ چل بیشک تو ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا۔[1343]

اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو ایک حقیر بوند سے پیدا کیا، جو اگر کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا نجس ہو جاتا ہے، وہ مسکین تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دے کر سر بلند کیا اور وہ مغرور ہو گیا، اس نے گمان کیا کہ وہ تمام مخلوقات سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو علم سے ایک قطرہ عطا کیا تو اس نے گمان کیا کہ وہ سب سے بڑا عالم ہے، حالانکہ قرآن مجید میں وہ پڑھتا ہے:

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔

ترجمہ: اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔[1344]

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔

ترجمہ: اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔[1345] انسان یہ بھول گیا کہ وہ جمادات اور اجرامِ فلکیہ کے مقابلہ میں ایک ذرہ سے بھی کم تر ہے اور اپنے جہل اور غرور کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب وہ زمین پر چلے گا تو اپنے قدموں سے زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور اپنا سر اس طرح بلند کرتا ہے گویا کہ وہ پہاڑوں سے بھی سر بلند ہے، اگر انسان اپنی ابتدأ اور انتہاء پر غور کر لیتا کہ اس کی ابتدأ بھی مٹی ہے اور انتہاء بھی مٹی میں مل جانا ہے تو وہ اپنے کپڑوں کو نہ گھسیٹتا اور اپنے قد سے بڑے کپڑے نہ سلواتا۔[1346]

يَنْهَاهُ عَنِ التَّبَخْتُرِ فِي الْمِشْيَةِ عَلَى وَجْهِ الْعَظَمَةِ وَالْفَخْرِ عَلَى النَّاس كَمَا قَالَ تَعَالَى: (وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا) الإسراء: (٣٧) يَعْنِي لَسْتَ بِسُرْعَةِ مَشْيِكَ تَقْطَعُ الْبِلَادَ فِي مشيتك هذه، ولست بدقك الأرض برجلك تخرق الْأَرْضَ بِوَطْئِكَ عَلَيْهَا، وَلَسْتَ بِتَشَامُخِكَ وَتَعَاظُمِكَ وَتَرَفُّعِكَ تَبْلُغُ الْجِبَالَ طُولًا، فَاتَّئِدْ عَلَى نَفْسِكَ فَلَسْتَ تَعْدُو قَدْرَكَ. وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي بُرْدَيْهِ يَتَبَخْتَرُ فِيهِمَا، إِذْ خسف الله به الأرض فهو يتجلل فيها إلى يوم القيامة وَفِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ: إِيَّاكَ

[1342] (تفسیر القرطبی، ج، ۱۰، ص، ۱۷۰، ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[1343] (سورۃ بنی اسرائیل: ۳۷)

[1344] (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۵)

[1345] (سورۃ یوسف: ۷۶)

[1346] (فتح المنعم، ج۸، ص ۳۳۹، دار الشرق، القاہرہ ۱۴۲۹ھ) (نعم الباری، ج، ۱۲، ص، ۲۵۲)

وَإِسْبَالُ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا من المخيلة لَا يُحِبُّهَا اللهَ (كَمَا قَالَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: (إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) وَلَمَّا نَهَاهُ عَنِ الِاخْتِيَالِ فِي الْمَشْيِ أَمَرَهُ بالقصد فيه، فإنه لا بد لَهُ أَنْ يَمْشِيَ فَنَهَاهُ عَنِ الشَّرِّ وَأَمَرَهُ بالخير، فقال: (واقصد في مشيك) أَيْ لَا تَتَبَاطَأْ مُفْرِطًا وَلَا تُسْرِعْ إِسْرَاعًا مُفْرِطًا وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا كَمَا قَالَ تَعَالَى: (وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً) (الفرقان:٦٣)۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو تکبر کرنے سے بھی منع کیا۔ اسی طرح زمین پر اکڑ کر چلنے سے بھی منع کیا ہے، زمین پر اکڑ کر چلنے سے کوئی انسان اپنی رفتار کو اتنی تیز نہیں کر سکتا کہ اس سے شہروں کے فاصلے مٹ سکیں اور نہ ہی زمین پر چلنے سے وہ پھٹ سکتی ہے۔ اسی طرح انسان بڑائی اور عظمت کی وجہ سے پہاڑ کی بلندیوں کو بھی نہیں چھو سکتا، لہٰذا آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص دو چادر اوڑھ کر ناز و نخرے سے چل رہا تھا کہ اتنے میں اللہ کے حکم سے زمین پھٹ پڑی اور وہ اندر دھنسنے لگا اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔[1347]

دوسری حدیث شریف میں جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ازار لٹکانے سے پرہیز کرو، یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔[1348]

قرآن کریم میں بھی اس کو فرمایا گیا "إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿لقمان ١٨﴾ کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ تکبر اور اترانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ میانہ روی اختیار کی جائے، اس لئے آگے چال چلن میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور پھر فرمایا کہ اللہ جل و علی شانہ کے بندے زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اور ناواقف لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان سے سلامتی سے بات کرتے ہیں۔[1349]

حدیث شریف ہے: ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔

یعنی ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند میں ڈھکا رہے گا وہ جہنم میں ہو گا۔[1350]

اس حدیث میں اس گناہ پر جہنم کی وعید آئی ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس گناہ پر جہنم کی وعید ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے لہٰذا کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں اوپر سے آنے والے کپڑے (مثلاً شلوار، پتلون، تہبند، جبہ وغیرہ) سے مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا گناہِ کبیرہ اور حرام ہے۔

[1347] (صحیح البخاری، فی احادیث الانبیاء، باب ۵۴، وصحیح مسلم فی اللباس والزینۃ رقم: ۳، ومسند احمد، ج، ۲، ص، ۳۱۵)

[1348] (سنن ابو داؤد، فی اللباس، باب، ۲۸، مسند احمد، ج، ۵، ص، ۶۳)

[1349] (البدایۃ والنہایۃ، ج، ۲، ص، ۱۳۶، ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[1350] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري ٥٧٨٧ • صحيح۔ ومعناه أن الذي دون الكعبين من القدم يعذب عقوبة له فهو من تسمية الشيء باسم ما جاوره أو حل فيه ومن بيانية ويحتمل أنها سببية والمراد الشخص نفسه أو المعنى ما أسفل من الكعبين من الذي سامت الإزار في النار أو تقديره لابس ما أسفل الكعبين إلخ أو معناه أن فعله ذلك في النار فذكر الفعل وأراد فاعله فعليه ما مصدرية ومن الإزار بيان لمحذوف يعني إسباله من الكعبين شيئا من الإزار في النار أو فيه تقديم وتأخير وأصله ما أسفل من الإزار من الكعبين في النار واعلم أن لفظ رواية البخاري في النار ولفظ رواية النسائي ففي النار بزيادة الفاء قال ابن حجر: فكأنها دخلت لتضمين ما معنى الشرط أي ما دون الكعبين من قدم صاحب الإزار المسبل فهو في النار عقوبة له۔ (فیض القدیر ج ۵ ص ۴۲۰ رقم الحدیث ۷۸۱۴)

قلت قال میرک ظاهر بعض الاحادیث تحریم الاسبال یقتضی ان تحریم اسبال الازار مخصوص بالجر لاجل الخیلاء وقال بعض العلماء یعلم من بعض الاخبار تحریم الاسبال لغیر الخیلاء ایضاً لحدیث ابی هریرة فی البخاری ما سفل من الکعبین فی النار و کحدیث لایقبل الله صلاة رجل مسبل ازاره و کحدیث فان جر الثوب من المخلیة ان الثوب مطلقاً ممنوع وان کان فی المخیلة اشد کراهة۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ میرک نے کہا بعض احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اسبال کی حرمت تکبر کی بناء پر ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ بعض دیگر احادیث سے معلوم ہوتا کہ مطلق اسبال حرام ہے خواہ تکبر سے ہو یا نہ ہو جیسے بخاری کی حدیث ابوہریرہ میں ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہوں وہ آگ میں ہے اور حدیث ہے "بے شک ازار لٹکانے والے کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا" اور حدیث شریف ہے کہ ازار کا کھینچنا تکبر سے ہے۔ پس کپڑے کا لمبا کرنا (ٹخنوں سے نیچے ہو جانا) مطلقاً ممنوع ہوا اگرچہ تکبر کی وجہ سے زیادہ سخت کراہت ہے۔[1351]

باب ما أسفل من الکعبین فهو في النار اي هذا باب یذکر فیه ما أسفل من الکعبین فهو في النار و یذکر معناه في الحدیث لأن قوله ما أسفل من الکعبین من لفظ الحدیث و قوله فهو في النار لیس لفظ الحدیث هکذا بل هو ما أسفل من الکعبین من الإزار ففي النار و اقتصر في الترجمة في الجزء الثاني و أطلقها و لم یقیدها بلفظ الإزار قصدا للتعمیم في الإزار و القیمص و نحو ذلک۔

(**باب ما أسفل من الکعبین فهو في النار**) یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ (جس کا) جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ میں ہے۔ اور حدیث میں اس طرح نہیں ہے بلکہ حدیث میں اس طرح سے ہے: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ، میں ہے اور امام بخاری نے عنوان میں صرف جز ثانی پر اقتصار کیا ہے اور اس کو مطلق رکھا ہے اور تہبند کیساتھ مقید نہیں کیا تاکہ عموم رہے، خواہ قمیص ٹخنوں کے نیچے ہو یا تہبند ٹخنوں کے نیچے ہو یا کوئی اور کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو۔[1352]

في هذا الحدیث ما أسفل من الکعبین ففي النار من الثیاب ذلک قال و ما ذنب الثیاب؟ و قال الخطابي یرید أن الموضع الذي یناله الإزار من أسفل الکعبین من رجله في النار کنی بالثوب عن بدن لابسه۔ و هذا مطلق یجب حمله علی المقید و هو ما کان للخیلاء قوله ففي النار۔

ترجمہ: اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہے وہ دوزخ میں ہو گا تو کپڑے کا کیا گناہ ہے؟ (اس کا جواب یہ کہ) حضرت خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ میں وہ جگہ ہو گی جو اس کے پاؤں کے ٹخنوں کے نیچے والے حصہ کو شامل ہو گا۔ کپڑے سے مراد کپڑا پہننے والا ہے اور کپڑے کو پہننے والے کے بدن سے کنایہ کیا ہے۔ اور یہ مطلق ہے اس کو مقید پر محمول کرنا (قید لگانا) ضروری ہے، اور وہ جس نے تکبر کی نیت سے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا، وہ دوزخ میں ہو گا۔[1353]

أَيْ فَهُوَ أَيْ صَاحِبُهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ بِسَبَبِ الْإِسْبَالِ النَّاشِئِ عَنِ التَّكَبُّرِ وَالِاخْتِيَالِ. قَالَ الْأَشْرَفُ: مَا مَوْصُولَةٌ وَصِلَتُهُ مَحْذُوفَةٌ وَهُوَ كَانَ، وَأَسْفَلَ مَنْصُوبٌ خَبَرًا لِكَانَ، وَيَجُوزُ أَنْ يُرْفَعَ أَسْفَلَ أَيِ الَّذِي هُوَ أَسْفَلُ، وَعَلَى التَّقْدِيرِ هُوَ أَفْعَلُ، وَيَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ فِعْلًا وَهُوَ مَعَ فَاعِلِهِ صِلَتُهُ أَيِ الَّذِي سَفَلَ مِنَ الْإِزَارِ مِنَ الْكَعْبَيْنِ. وَقَالَ السُّيُوطِيُّ: وَيَجُوزُ كَوْنُ مَا شَرْطِيَّةً وَأَسْفَلَ فِعْلُ مَاضٍ اهـ، وَهُوَ الْأَظْهَرُ، وَفِي غَيْرِهِ تَكَلُّفٌ مُسْتَغْنًى عَنْهُ،

[1351] (کشف المغطا عن وجه الموطا حاشیہ مؤطا امام مالک، فی اسبال الرجل ثوبہ، ص، ۵۶۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

[1352] (عمدۃ القاری، ج ۲۱، ص ۴۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[1353] (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وَيُؤَيِّدُهُ رِوَايَتُهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِلَفْظِ: (فَفِي النَّارِ) قَالَ الْخَطَّابِيُّ: يَتَنَاوَلُ هَذَا عَلَى وَجْهَيْنِ، أَحَدُهُمَا: أَنَّ مَا دُونَ الْكَعْبَيْنِ مِنْ قَدَمِ صَاحِبِهِ فِي النَّارِ عُقُوبَةً لَهُ عَلَى فِعْلِهِ، وَالْآخَرُ: أَنَّ فِعْلَهُ ذَلِكَ فِي النَّارِ أَيْ هُوَ مَعْدُودٌ وَمَحْسُوبٌ مِنْ أَفْعَالِ أَهْلِ النَّارِ، قَالَ النَّوَوِيُّ: الْإِسْبَالُ يَكُونُ فِي الْإِزَارِ وَالْقَمِيصِ وَالْعِمَامَةِ، وَلَا يَجُوزُ الْإِسْبَالُ تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ إِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ، وَقَدْ نَصَّ الشَّافِعِيُّ عَلَى أَنَّ التَّحْرِيمَ مَخْصُوصٌ بِالْخُيَلَاءِ لِدَلَالَةِ ظَوَاهِرِ الْأَحَادِيثِ عَلَيْهَا، فَإِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ فَهُوَ مَمْنُوعٌ مَنْعَ تَحْرِيمٍ، وَإِلَّا فَمَنْعُ تَنْزِيهٍ، وَأَجْمَعُوا عَلَى جَوَازِ الْإِسْبَالِ لِلنِّسَاءِ، وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَهُنَّ فِي إِرْخَاءِ ذُيُولِهِنَّ، وَأَمَّا الْقَدْرُ الْمُسْتَحَبُّ فِيمَا يَنْزِلُ إِلَيْهِ طَرَفُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ فَنِصْفُ السَّاقَيْنِ، وَالْجَائِزُ بِلَا كَرَاهَةٍ مَا تَحْتَهُ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَبِالْجُمْلَةِ يُكْرَهُ مَا زَادَ عَلَى الْحَاجَةِ، وَالْمُعْتَادُ فِي اللِّبَاسِ مِنَ الطُّولِ وَالسِّعَةِ اهـ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمُعْتَادُ الشَّرْعِيُّ لَا الْمُعْتَادُ الْعُرْفِيُّ۔

ترجمہ: یعنی اس قسم کی ازار پہننے والا شخص جہنم کی آگ میں ہو گا اس اسبال کی وجہ سے جو تکبر اور اختیال سے پیدا ہوا ہے۔ "من الازار" یہ "ما" کے لئے بیان ہے۔ ای من ازار الرجل اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ "ما" موصول ہے اور اس کا صلہ محذوف ہے اور وہ "کان" ہے اور "اسفل" منصوب ہے کیونکہ "کان" کی خبر ہے۔ اسفل کا مرفوع ہونا بھی جائز ہے۔ ای "الذی ھو اسفل" اور دونوں تقدیروں کی بنا پر یہ "افعل" (اسم تفضیل) ہو گا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو فعل بنایا جائے اور یہ اپنے فاعل کے ساتھ مل کر صلہ ہو گا۔ ای "الذی سفل من الکعبین" امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ "ما" کا شرطیہ ہونا اور "اسفل" کا فعل ماضی ہونا درست ہے۔ اھ۔ اور یہی بات زیادہ واضح ہے اور اس کے علاوہ ترکیب میں تکلف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس کی تائید "جامع الصغیر" کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں "ففی النار" کے الفاظ ہیں۔ امام خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں دو توجیہات ہیں: ایک توجیہ یہ کہ "مادون الکعبین من قدم صاحبہ فی النار" پاؤں کا ٹخنے سے نیچے والا حصہ آگ میں ہو گا۔ اس کے فعل پر سزا اور عقوبت کی وجہ سے۔ دوسری توجیہہ یہ کہ اس کا یہ فعل آگ میں ہو گا۔

ای "ھو معدود و محسوب من افعال اھل النار"۔

یعنی مادون الکعبین کو شمار کیا گیا ہے جہنمیوں کے افعال میں سے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ 'اسبال" ازار، قمیص اور عمامہ سب میں ہوتا ہے اور اگر اسبال کی وجہ سے ہو اور تحت الکعبین ہو تو ناجائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صراحت کی کی ہے کہ یہ تحریم "خیلاء" کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ احادیث کا ظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے اگر اسبال "خیلاء" کے طور پر ہو تو ممنوع ہے، ممنوع تحریمی ہے ورنہ تو ممنوع تنزیہی ہو گا۔ عورتوں کے لئے اسبال کے جواز پر اجماع ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح طور پر ثابت ہے: "لَهُنَّ فِي إِرْخَاءِ ذُيُولِهِنَّ" البتہ قمیص اور ازار کے اطراف میں قدر مستحب یہ ہے کہ یہ نصف ساقین تک ہو اور کعبین تک جائز بلا کراہت ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو زائد از حاجت ہو اور لمبائی و چوڑائی میں زائد ہو، معتاد طریقے سے وہ پہننا مکروہ ہے انتھی۔ ظاہر یہ ہے کہ معتاد میں اعتبار معتاد شرعی کا ہے نہ کہ معتاد عرفی کا۔[1354]

قولہ: (المسبل) ھذا ھو محل الشاھد، وھو مطلق یدل علی تحریم الإسبال مطلقاً، ولکن إذا کان بقصد خیلاء صار أشد وأعظم، وإذا کان بدون خیلاء فھو شدید وعظیم۔

[1354] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس ج۸ ص ۱۹۸، المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

ترجمہ: حدیث شریف میں المسبل کپڑا لٹکانے والا، یہ جگہ اس پر شاہد ہے، اور یہ مطلق طور پر کپڑا لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اور لیکن جب تکبر کے ارادہ سے ہو تو زیادہ سخت اور زیادہ عظیم گناہ ہے، اور جب بغیر تکبر کے ہو تو شدید اور عظیم گناہ ہے۔[1355]

(ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار)، فهذا يدلنا على تحريم الإسبال، وهو محرم في الصلاة وفي غير الصلاة، ولكنه إذا كان في الصلاة يكون الأمر أخطر۔

ترجمہ: **ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار** یہ تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اور یہ نماز اور غیر نماز میں حرام ہے اور لیکن نماز میں زیادہ خطرناک معاملہ ہے۔ [1356]

رہی یہ بات کہ کف ثوب، لف ثوب اور اسبال کا مسئلہ جو پاک و ہند میں بہت ہی وسیع پیمانے پر مشہور کر دیا گیا ہے اور کہا جاتا رہا ہے کہ اگر کوئی کف ثوب کی حالت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہو گی، اور کف ثوب کی تعریف یہ کر دی گئی ہے کہ "کوئی اس حال میں نماز پڑھے کہ اس نے لمبی شلوار یا پینٹ کے پائنچے موڑے ہوئے ہوں یا اس کو نیفہ سے اڑس (سمیٹ) لیا ہو۔" اور اس طرح لف ثوب کے معنی بھی یہی کرتے ہیں۔ اور خاص کر یہ مسئلہ علماء اہلسنت کے مابین زبان زد عام و خاص ہے۔ یہ مسئلہ تحقیق طلب تھا اور اب بھی ہے کیونکہ تحقیق کا دروازہ کھلا ہے اور ہر شخص کا حق ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے پر جانبین کی حیثیت کو مد نظر رکھ کر اظہار حق کے لئے تحقیق کر سکتا ہے۔

کف ثوب، لف الثوب اور اسبال کی وضاحت اور احادیث مبارکہ میں یا فقہ حنفی میں جن امور کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اور جس سے آپ ﷺ کو منع فرمایا گیا ہے وہ کیا ہے اور اس کی کیا کیفیت ہے؟ اس سے پہلے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ علماء کے مابین اس مسئلہ میں **مابه النزاع** کیا ہے؟ یعنی وہ کیا وجوہات ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ نوبت آ پہنچی کہ لوگوں کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ قرار دی جاتی ہے۔

اسبال

سب سے پہلے ہم اسبال کی تعریف، اسبال سے متعلق احادیث اور اسبال کا حکم بیان کریں گے۔

اسبال کا معنی: قصداً اپنے اختیار سے اوپر سے آنے والے کپڑے کے ساتھ کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں ٹخنے ڈھانکنے کو اسبال کہتے ہیں۔

اسبال سے متعلق احادیث:

اسبال سے متعلق کتب احادیث میں چار قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

پہلی قسم: وہ احادیثِ مبارکہ جن میں تکبر کی قید ذکر کئے بغیر مطلقاً اسبال کو ناجائز اور حرام کہا گیا ہے۔

[1355] (شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج ۴۵۸، ص ۱۴)

[1356] (شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج ۴، ص ۱۴۷)

وعنه (ای عن أبی هریرة) عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔ [1357]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند کے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ جہنم کی وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً ٹخنے ڈھانکنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، نیز اس میں تکبر کا ذکر بھی نہیں۔

(۲) عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حدثہ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما رجل یجرّ ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمة۔ [1358]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص اپنے تہہ بند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا پس وہ (سخت تکلیف کے ساتھ) قیامت تک زمین میں مسلسل دھنستا جائے گا۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی یہ نہیں ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے ٹخنے ڈھانک کر چل رہا تھا بلکہ اس شخص کو مطلقاً ٹخنے ڈھانپنے پر قیامت تک سخت ترین عذاب میں گرفتار کر دیا گیا۔

محترم قارئین! سوچنے کا مقام ہے کہ اتنی سخت وعید کے بعد بھی کیا یہ کہنا درست ہے کہ تکبر کے بغیر قصداً ٹخنے ڈھانپنا محض مکروہ تنزیہی ہے؟

(۳) عن ابی ذر عن النبی ﷺ انہ قال ثلثة لا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیامة ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم قال من ھم یا رسول اللہ فقد خابوا وخسروا فاعادھا ثلثا من ھم یا رسول اللہ خابوا وخسروا قال المسبل والمنان والمنفق سلعة بالحلف الکاذب او الفاجر۔ [1359]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر نظر رحمت بھی نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ (ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ وہ تو ذلیل و رسوا ہو گئے اور خسارے میں چلے گئے، تین مرتبہ (یہ کلمہ) دہرایا۔ میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ وہ تو رسوا ہوئے اور خسارے میں چلے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک اپنی شلوار تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، دوسرا احسان جتلانے والا، تیسرا اپنا سامان جھوٹی قسم سے فروخت کرنے والا یا فاجر۔

[1357] (بخاری شریف ۲/۸۶۱)

[1358] (بخاری شریف، ۲/۸۶۱)

[1359] (مسلم، حدیث ۳۰۶، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن بالعطیة الخ، واللفظ لہ، ورواہ ابو داؤد باب ماجاء فی اسبال الازار، سنن نسائی حدیث ۲۵۶۲، ابن ماجہ حدیث ۲۱۹۹، مسند أحمد حدیث ۲۱۳۱۸، مصنف ابی شیبة، باب فی جر الازار، سنن دارمی حدیث ۲۶۶۰، شعب الایمان للبیھقی، حدیث ۴۵۱۰، صحیح ابن حبان حدیث ۴۹۰۷، مسند بزار حدیث ۴۰۲۴)

اس حدیث مبارکہ میں تکبر وغیرہ کی قید کے بغیر اس عمل پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ان لوگوں سے بات نہ کرنے، ان کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمانے، ان کو پاک نہ کرنے اور "**عذابِ الیم**" اور ناکامی اور خسارہ میں پڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں آئی ہیں، اور ظاہر ہے کہ اتنی سخت وعیدیں کسی بڑے گناہ پر ہی ہو سکتی ہیں۔

اور اولاً تو مرد حضرات کے ٹخنے سے نیچے لباس لٹکانے کی اصل وجہ تکبر ہی ہوتی ہے، کہ اس غرض سے وہ ایسا کرتے ہیں، گویا کہ یہ عمل تکبر سے ہی ناشی اور پیدا ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے مرد حضرات کا ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا خود تکبر کے قائم مقام ہے (احادیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے) اور اگر اس کے ساتھ کسی کی مستقل تکبر کی نیت بھی ہو تو پھر یہ دوہرا گناہ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس حدیث میں "لٹکانے" کا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ گناہ اس صورت میں ہے جبکہ کپڑا اوپر سے نیچے کی طرف کو لٹکا ہوا ہو، جیسا کہ شلوار، پائجامہ، تہبند وغیرہ ہوتا ہے، اور موزہ کیونکہ اوپر سے نیچے کی طرف لٹکا ہوا نہیں ہوتا، اس لئے اس میں ممانعت نہیں۔

دوسری قسم: وہ احادیث مبارکہ کہ جن میں تکبر کی قید ہے:

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ الی من جر ثوبہ خیلاء۔[1360]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمائے گا جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا۔

(۲) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطراً۔[1361]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا جس نے اپنا تہہ بند تکبر کی وجہ سے نیچے لٹکایا۔

(۳) عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابو بکر الصدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یا رسول اللہ ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الی ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعہ خیلاء۔[1362]

حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد محترم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) گھسیٹا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا (یہ فرمان سنتے ہی) حضرت

[1360] (بخاری شریف ۲/۸۶۰، قدیمی کراچی)

[1361] (بخاری، ۲/۸۶۱)

[1362] (بخاری شریف ۲/۸۶۰)

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے تہہ بند کا ایک حصہ نیچے لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ میں اس کا خیال رکھتا ہوں تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: آپ ان میں سے نہیں ہیں جو تکبر کی وجہ سے لٹکاتے ہیں۔

(۴) عن عطیة عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ: من جرّ ازارہ من الخیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامة۔ قال: فلقیت ابن عمر بالبلاط فذکرت لہ حدیث ابی سعید عن النبی ﷺ فقال و اشار الی أذنیہ: سمعتہ اذنای و وعاہ قلبی۔[1363]

حضرت عطیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنا تہہ بند تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ حضرت عطیہ کہتے ہیں کہ میں مقام بلاط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملا اور میں نے ان کے سامنے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی حدیث ذکر کی تو انہوں نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میرے کانوں نے اس کو (رسول اللہ ﷺ سے) سنا ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ کیا ہے۔

(۵) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا صلی فلم یتم صلاتہ خشوعھا و لا رکوعھا و اکثر الالتفات لم تقبل منہ ، و من جرّ ثوبہ خیلاً لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامة و ان کان علی اللہ تعالی کریماً"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس کے خشوع (خضوع) اور رکوع (و سجود) کو مکمل نہیں کرتا بلکہ اِدھر اُدھر توجہ کرتا ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور جو شخص نماز میں اپنے کپڑے (تہبند ،شلوار وغیرہ) کو تکبر کی وجہ سے (لٹکاتا ہوا) گھسیٹتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائیں گے، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر مرتبے والا ہو۔[1364]

وَيُكْرَهُ إِسْبَالُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ وَالسَّرَاوِيلِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَمَرَ بِرَفْعِ الْإِزَارِ. فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ الْخُيَلَاءِ حَرُمَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: «مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرْ اللَّهُ إلَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَرَوَى أَبُو دَاوُد عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: مَنْ أَسْبَلَ إزَارَهُ فِي صَلَاتِهِ خُيَلَاءَ فَلَيْسَ مِنْ اللَّهِ جَلَّ ذِكْرُهُ فِي حِلٍّ وَلَا حَرَامٍ۔

قمیص اور تہبند اور شلوار کو تکبر سے لٹکانا مکروہ ہے، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔[1365] اور امام ابو داؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے نماز میں کپڑا لٹکایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حلال میں ہے اور نہ حرام میں ہے۔[1366]

[1363] (سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس مطبوعہ بیروت ۵۱۴)

[1364] (طبرانی فی الکبیر و الترغیب و الترھیب ج ۱ ص ۲۰۴ کنز العمال رقم ۱۹۹۶۹ ج ۷ ص ۲۰۴ دار الکتب العلمیہ بیروت و الترغیب و الترھیب ج ۳ ص ۶۷، مکتبہ روضۃ القرآن، پشاور)

[1365] (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

[1366] (المغنی ج ۱ ص ۳۴۱ دار الفکر، بیروت)

المعنى: فليس عند الله في شيء، وقد شاع بَيْنَ العَرب ضربُ المثل بقولهم فلان لا ينفع للحلال ولا للحرام، ويُريدون به أنه سَاقط من الأعْين، لا يُلْتفتُ إليه، ولا يُعبا به وبأفْعاله، وكذلك معنى الحديث: من أسْبل إزاره في صلاته خُيلاء فليس هو عند الله في شيء، ولا يَعْبا الله به ولا بصلاته، ثم إسبالُ الثوْب خارج الصلاة إن كان لأجل الاختيال يكره - أيضاً - وإن لم يكن للاختيال لا يكره، وكرهه البعض مطلقا في الصلاة وغَيْرها للاختيال وغيرها۔

مطلب یہ ہے کہ اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے، عرب میں ضرب المثل مشہور ہے، وہ کہتے ہیں: **فلان لا ينفع للحلال ولا للحرام،،** (فلاں کو نہ حلال سے نفع ہے اور نہ حرام سے نفع ہے) اور اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ نظروں سے گر گیا ہے، اور نہ اس کی طرف توجہ کی جائے گی اور نہ اس کی پرواہ کی جائے گی، اور نہ اس کے کاموں کی پرواہ کی جائے گی، اور اسی طرح اس حدیث کا مطلب ہے: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنے تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نہ اس کی پرواہ کرے گا اور نہ اس کی نماز کی پرواہ کرے گا، پھر خارج نماز کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے، اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، اور بعض نے مطلق طور پر نماز میں اور نماز کے علاوہ میں، اور تکبر کی وجہ سے اور بغیر تکبر کے مکروہ قرار دیا ہے۔[1367]

عبد المحسن العباد لکھتے ہیں:

(من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه)، وهو حرام مطلقاً في الصلاة وفي غير الصلاة۔

ترجمہ: **(من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه)** اور یہ مطلقاً حرام ہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ میں ہو۔[1368]

إسبال الإزار بغير قصد الخيلاء من الكبائر؛ لأن النهي عنه جاء مطلقاً يشمل ما كان بخيلاء وما كان بغير خيلاء، والكبائر تتفاوت، فليست على حد سواء؛ والاحاديث في تحريم الإسبال وردت على سبيل الإطلاق، فلا يقال: إنه يحمل على الخيلاء فقط، وإنه يجوز في غير الخيلاء، وإنما الراجح أن الإسبال يحرم وهو من الكبائر وإن انضاف إليه قصد الخيلاء فهو أعظم إثماً۔

ترجمہ: بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ ممانعت مطلق طور پر آئی ہے تکبر کے ساتھ ہو یا بغیر تکبر کے ہو کو شامل ہو گی، اور کبیرہ گناہوں میں تفاوت ہوتا ہے، تو حد میں برابر نہیں ہیں، اور لٹکانے کی تحریم میں احادیث مطلق طور پر وارد ہوئی ہیں، تو نہیں کہا جائے گا کہ وہ صرف تکبر پر محمول ہیں، اور بغیر تکبر جائز ہے، اور بے شک راجح لٹکانا حرام ہو گا اور وہ کبیرہ گناہ ہے اور اگر تکبر کے قصد کی اضافت اس کی طرف کر دی جائے تو وہ اعظم گناہ ہے۔[1369]

قوله: ((وجر الإزار)). يعني: إسبال الثياب، وهذا من الأمور المحرمة، وسواء كان مع قصد الخيلاء أو بدون قصد الخيلاء، ما دام الإنسان قد جر ثوبه فهو آثم، ولكنه إذا كان مع قصد الخيلاء يكون شراً إلى شر۔

[1367] (شرح ابی داود للعینی ج ۲ ص ۳۰۰ دار الکتب العلمیہ)

[1368] (شرح سنن ابی داود عبد المحسن العباد ج ۴ ص ۱۴۷)

[1369] (شرح سنن ابی داود، عبد المحسن العباد، ج ۲۳، ص ۱۰۵)

قولہ: (وجر الازار) یعنی کپڑوں کالٹکانا، اور یہ حرام کیے ہوئے کاموں میں سے ہے، برابر ہے کہ تکبر کے قصد کے ساتھ ہو یا تکبر کے قصد کے بغیر ہو، جب تک انسان اپنے کپڑے کو گھسیٹتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور لیکن جب تکبر کے قصد کے ساتھ ہوتا ہے تو برے سے بھی برا ہو گا۔[1370]

تیسری قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو تکبر کی علامت اور نتیجہ کہا گیا ہے۔

(۱) عن جابر بن سلیم (فی حدیث طویل) قال قال النبی ﷺ ایاک واسبال الازار فانها من المخیلة وان الله لا یحب المخیلة۔[1371]

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی) فرمایا: تہہ بند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

(۲) عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما مرفوعا وایاک وجر الازار فان جرّ الازار من المخیلة۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ تہبند کو لٹکانا تکبر کے سبب سے ہوتا ہے۔[1372]

واسبال الازار والقمیص بدعة، ای تطویلهما، وهو من أعلام الکبر والخیلاء، ولبس السراویل سنة، وهو من أستر الثیاب للرجال والنساء واول من لبسه خلیل الله علیه السلام۔

ترجمہ: اور قمیص اور تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانا بدعت ہے، یعنی ان کو لمبا رکھنا، اور یہ تکبر اور اترانے کی علامات میں سے ہے، اور شلوار پہننا سنت ہے، اور یہ مردوں اور اس میں عورتوں کے لیے زیادہ پردہ ہے، اس کو سب سے پہلے حضرت خلیل ابراہیم علیہ السلام نے پہنا۔[1373]

اور بعض احادیث میں حضور ﷺ کا ارشاد مبارک اس طرح مروی ہے: **اتق الله ولا تحقرن من المعروف او الخیر شیئا، وایاک واسبال الازار فانه من المخیلة، وان الله لا یحب المختال۔ فقال رجل یا رسول الله ذکرت اسبال الازار، وقد یکون بساق الرّجل القرح او الشئ یستحیی منه۔ فقال لا بأس الیٰ نصف الساق، او الی الکعبین، انّ رجلا ممن کان قبلکم لبس بردة فتبختر فیها فنظر الله من فوق عرشه فمقته فأمر الأرض فاخذته فهو یتجلل بین الأرض۔ فاحذروا وقائع الله عزّ وجل۔**[1374]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور نیکی یا خیر کے کسی بھی کام کو حقیر نہ سمجھو، اور اپنے آپ کو ازار لٹکانے سے بچاؤ، کیونکہ وہ تکبر میں سے ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اس کے جواب میں اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ازار لٹکانے کا تذکرہ فرمایا؛ جب کہ کبھی کبھی ایک آدمی کی پنڈلی میں زخم ہوتا ہے یا کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کے اظہار سے وہ شرماتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب

[1370] (شرح سنن ابی داود عبد المحسن العباد ج ۲۳ ص ۳۹۹)

[1371] (ابو داؤد ۲/۵۶۴)

[1372] (فتح الباری ۱۰/۳۲۳، قدیمی کتب خانہ)

[1373] (شرعة الاسلام اسبال الازار والقمیص ص ۱۴۱ دار ابشائر السلامیة بیروت بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة السادس والثلاثون الوقحة قلة الحیاء ج ۳ ص ۷۵ مکتبة العلوم الدینیة کانسی روڈ کوئٹہ)

[1374] (معرفة الصحابة لابی نعیم اصبهانی، حدیث ۱۵۳۲، جلد ۲ صفحہ ۵۴۷، واللفظ لہ، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۲۶۲)

میں فرمایا کہ: آدھی پنڈلی تک یا ٹخنوں تک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بلاشبہ تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص نے چادر (لنگی وغیرہ) پہنی، پھر اس میں اترایا (یعنی ٹخنوں سے نیچے اسے لٹکایا) تو اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر سے اس کی طرف نظر کی اور اس پر ناراضگی فرمائی اور زمین کو حکم دیا۔ زمین نے اس کو دبوچ لیا پس وہ زمین کے درمیان دھنسا جارہا ہے، پس اللہ عزوجلّ کی پکڑ اور مؤاخذہ سے بچو اور ڈرو۔"

مسند أبی جری جابر بن سلیم الهجیمی التمیمی رضی الله تعالیٰ عنه عن أبی تمیمة الهجیمی قال: قال أبو جری جابر: رکبت قعودا لی فأتیت مکة فی طلب النبی ﷺ، فإذا هو جالس، فقلت السلام علیک یا رسول الله، قال: وعلیک، قلت إنا معشر أهل البادیة، قوم فینا الجفاء، فعلمنی کلاما ینفعنی الله به، قال: اتق الله، ولا تحقرن من المعروف أو الخیر شیئا، وإیاک وإسبال الإزار، فإنه من المخیلة، وإن الله لا یحب المختال فقال رجل: یا رسول الله ذکرت إسبال الإزار، وقد یکون بساق الرجل القرح أو الشیء یستحی منه؟ فقال: لا بأس إلی نصف الساق أو إلی الکعبین، إن رجلا کان ممن قبلکم لبس بردة فتبختر فیها، فنظر الله إلیه، من فوق عرشه، فمقته، فأمر الأرض فأخذته، فهو یتجلجل بین الأرض فاحذروا وقائع الله۔

(**مسند ابی جری جابر بن سلیم هجیمی تمیمی رضی الله تعالیٰ عنه**) ابو تمیمۃ ھجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو جری جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنی سواری پر سوار ہو کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طلب میں مکہ آیا، دیکھا تو آپ تشریف فرما ہیں، میں نے کہا: السلام علیک یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا **علیک**، میں نے عرض کیا ہم دیہاتی لوگوں میں سخت مزاجی ہوتی ہے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی بات سکھا دیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرا کر اور کسی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھنا، اور ازار (شلوار) لٹکانے سے بچنا، کیونکہ یہ تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی متکبر کو پسند نہیں کرتا، اتنے میں ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ آپ نے ازار لٹکانے کا ذکر کیا، بعض دفعہ کسی انسان کی پنڈلی پر کوئی دانہ، پھوڑہ یا کوئی قابل حیا چیز ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدھی پنڈلی اور ٹخنوں تک کوئی حرج نہیں تم سے پہلے کسی شخص نے ایک چادر اوڑھی اور اس میں اترانے لگا اللہ تعالیٰ نے عرش سے اس کی طرف دیکھا، اور اس سے ناراض ہو کر زمین کو حکم دیا (کہ اسے نگل) تو زمین نے اسے پکڑ لیا سو وہ زمین کے درمیان حرکت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کے (عذاب کے) واقعات سے بچو۔[1375]

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

هذا باب فی بیان حکم من جر إزاره من غیر قصد التخییل فإنه لا بأس به من غیر کراهة وکذلک یجوز لدفع ضرر یحصل له کأن یکون تحت کعبیه جراح أو حکة أو نحو ذلک إن لم یغطها تؤذیه الهوام کالذباب ونحوه بالجلوس علیها ولا یجد ما یسترها به إلا إزاره أو ردائه أو قمیصه وهذا کما یجوز کشف العورة للتداوی وغیر ذلک من الأسباب المبیحة للترخص وقال شیخنا زین الدین، وأما جوازه لغیر ضرورة لا لقصد الخیلاء فقال النووی إنه مکروه ولیس بحرام، وحکی عن نص الشافعی رضی الله تعالی عنه، التفرقة بین وجود الخیلاء وعدمه۔

ترجمہ: جس شخص نے بغیر قصد تکبر تہبند ٹخنوں کے نیچے رکھا اس میں کوئی کراہت نہیں ہے نہ کوئی حرج ہے، اسی طرح کسی ضرر کو دور کرنے کے لیے بھی لباس لٹکانا جائز ہے مثلاً اس کے ٹخنوں کے نیچے کوئی زخم ہو یا خارش ہو، یا اگر وہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپے تو اس پر مکھیاں اور دیگر حشرات الارض کے بیٹھنے کا

[1375] (ابو نعیم، کنز العمال، رقم: ۸۸۷۰، ج۳، ص، ۳۳۲، ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

خطرہ ہو، اور لمبی قمیص یا لمبے تہبند کے علاوہ کوئی چیز ڈھانپنے کے لیے میسر نہ ہو، یہ ایسا ہے جیسا کہ علاج کے لیے شرمگاہ کو کھولنا جائز ہے، ہمارے شیخ زین الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر کوئی عذر نہ ہو اور نہ ہی تکبر کا قصد ہو تو پھر علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ تکبر کی نیت سے اور بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانے میں فرق ہے۔[1376]

شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی آں پارہ از قدم زیر شتالنگ کہ بروی از ار مسبل ست و بعضے گویند معنی آنست کہ این فعل مذموم ست و از افعال نار ست کذا قال الطیبی۔ رواہ البخاری تنبیہ بدانکہ جر و اسبال اکثر در ازار در و دیافتہ و وعید شدید در آن آمدہ تا آنکہ فرمود سبل از ارا کہ کہ نماز میگزارد باعادہ نماز و وضو چنانکہ در اوائل کتاب گزشت و در احادیث آمدہ کہ در شب نصف شعبان ہمہ آمرزیدہ شوند الا عاق و مدمن خمر و مسبل ازار و تحقیق آنست کہ اسبال در جمیع ثیاب رود ہر چہ کہ زیادہ بر قدر حاجت و وفق سنت بود اسبال ست و باعث تخصیص باز از بجہت کغرت وقوع است و چہ لباس اکثر مردم در عہد نبوت روا و ازار بود و در فصل ثانی از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، آمدہ کہ آنحضرت فرمود ﷺ الاسبال فی الازار و القمیص و العمامۃ من جر منہا شیئاً خیلاء الحدیث۔ و در حدیث اول از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ پیش ازین حدیث مذکور شد جر ثوبہ مطلق شدہ و عزیمت در ازار تا نصف ساق ست و ازار آنحضرت ﷺ این چنین بودی و فرمود ازار مومن تا نصف ساق ست و رخصت تا بالامی شتالنگ و حکم و امان قبا و پیراہن نیز ہمین ست و سنت در آستینہا تا بند دست ہست و اسبال در عمامہ بار سال عذبہ زیادت بر عادت تعدد او و غایت آن تا نصف ظہر ست و زیادہ بر ان بدعت و داخل اسبال محرم و این توسیع و تطویل کہ در بعضے از دیار عرب متعارف شدہ است خلاف سنت و ہر چہ از ان بطریق خیلاء ست حرام و انچہ بطریق عرف و عادت شائع شدہ و شعار قومی گشتہ لا باس بہ است اگر چہ افراط خالی از کراہت نیست و اسبال مرزنان را نیز حرام است، و در حق ایشان زیادتی بر مردان بقدر شبر و بقدر ذراع کہ در شبر ست نیز رخصت ست بلکہ مستحب ست بقصد تستر۔

یعنی قدم کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہے اور اس پر تہبند بطور فخر لٹکایا ہوا ہے۔ بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل مذموم ہے اور اہل نار کے افعال میں سے ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔

تنبیہ:۔ خیال رہے کہ اکثر طور پر گھسیٹنے اور لٹکانے کی مذمت تہبند کے بارے میں واقع ہوئی ہے اور اس پر شدید وعید واقع ہوئی ہے یہاں تک کہ تہبند لٹکانے والے کو اس حال میں ادا کی گئی نماز اور وضو کے لوٹانے کا حکم دیا۔ جیسے کہ مشکوٰۃ شریف کے ابتدائی حصے میں گزرا۔ احادیث میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات میں سب بخش دیئے جاتے ہیں سوائے والدین کے نافرمان، عادی شرابی، اور چادر لٹکانے والے کے، اور تحقیق یہ ہے کہ لٹکانا تمام کپڑوں میں پایا جاتا ہے، جو کپڑا سنت کی موافقت اور حاجت سے زیادہ ہو وہ اسبال (لٹکانے) میں داخل ہے، تہبند کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ عمل عموماً زیادہ واقع ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اکثر لوگوں کا لباس تہبند اور اوپر لینے والی چادر تھا۔ دوسری فصل میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں پایا جاتا ہے، جس نے ان میں سے کسی چیز کو بطور تکبر لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، اس حدیث سے پہلے مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں مطلق کپڑے کے گھسیٹنے کا ذکر ہے۔ تہبند میں اصل یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام

[1376] (عمدۃ القاری کتاب اللباس ج ۲۱ ص ۴۳۸، ۴۳۷ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کا تہبند اسی طرح ہوتا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ مومن کا تہبند آدھی پنڈلی تک ہے اور ٹخنے سے اوپر تک رخصت ہے، قبا اور پیراہن کے دامن کا بھی یہی حکم ہے۔

آستین میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کے جوڑ تک ہو، عمامہ میں لٹکانا یہ ہے کہ شملہ لمبائی میں عام عادت سے زیادہ ہو۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ نصف پشت تک ہو۔ اس سے زیادہ بدعت ہے اور حرام لٹکانے میں داخل ہے۔ عرب کے بعض علاقوں میں جو لمبائی اور چوڑائی میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ خلاف سنت ہے۔ اور اگر بطور تکبر ہو تو حرام ہے اور جو عرف اور عادت اور کسی قوم کی علامت کے طور پر ہو جائے تو اس میں حرج نہیں ہے، اگرچہ زیادتی کراہت سے خالی نہیں ہے، کپڑے کا حاجت سے زیادہ لٹکانا عورتوں کے لئے بھی حرام ہے۔ مردوں کی نسبت ان کے لئے ایک بالشت اور وہ کافی نہ ہو تو ایک ہاتھ کی زیادتی کی رخصت ہے بلکہ مستحب ہے تاکہ ستر کا مقصد پوری طرح حاصل ہو۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔[1377]

چوتھی قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو دیکھ کر اصلاح کی گئی ہے۔

(۱) عن الاشعث بن سلیم قال سمعت عمّتی فحدثت عن عمها قال بینما انا امشی بالمدینة اذا انسان خلفی یقول ارفع ازارک فانه اتقی و ابقی فالتفت فاذا هو رسول اللہ ﷺ فقلت یا رسول اللہ انما هی بردة ملحاء قال امالک فی اسوة؟ فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقیه۔

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور (تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ ﷺ تھے، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔[1378]

(۲) عن ابی هریرة ص قال بینما رجل یصلی مسبلاً ازاره فقال له رسول اللہ ﷺ اذهب فتوضا فذهب فتوضا ثم جاء فقال اذهب فتوضا فقال له رجل یا رسول اللہ مالک امرته ان یتوضا ثم سکت عنه ثم قال انه کان یصلی و هو مسبلّ ازاره و ان اللہ لا یقبل صلوٰة رجل مسبل۔[1379]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنا تہبند (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: جاؤ وضو کر آؤ، وہ چلا گیا پھر وضو کیا، پھر آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ وضو کر کے آؤ، تو ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس کو وضو کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ پھر وہ خاموش ہو گئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں کہ اس نے اپنا ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہوا تھا اور بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس نے ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہو۔"

[1377] (اشعة اللمعات، کتاب اللباس، ج۳، ص۵۷۵، ۵۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1378] (شمائل ترمذی ۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

[1379] (ابو داؤد ۵۶۵/۲، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

فائدہ: آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تکبر کی وجہ سے لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی، بلکہ مطلق ارشاد فرمایا۔

اس طرح گزری ہوئی حدیث میں حضرت عبید اللہ بن خالد سے بھی یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے تکبر کی وجہ سے لٹکایا ہے بلکہ مطلق کپڑا لٹکا ہوا دیکھ کر ان کو منع فرمایا۔

قال الهيثمي: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح۔[1380]

بعض حضرات نے اس حدیث کو ابو جعفر انصاری مدنی راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ مقبول درجے کے راوی ہیں، ان سے امام بخاری نے ادب المفرد اور افعال العباد میں اور نسائی نے الیوم واللیلہ میں اور امام ابو داؤد، امام ترمذی وغیرہ نے سوائے مسلم کے روایات لی ہیں۔

اور علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو مقبول قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور بعض نے جو ان کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مجہول قرار دیا ہے، یا ان کا نام محمد بن علی قرار دیا ہے، یہ درست نہیں، کیونکہ ان کا پورا نام ابو جعفر محمد بن ابراہیم موذن انصاری مدنی ہے۔

روى له البخاري في الأدب وفي أفعال العباد والنسائي في اليوم الليلة والباقون سوى مسلم۔ روى له النسائي حديث النزول، وروى له الباقون حديث: ثلاث دعوات مستجابات لا شك فيهن وقال الترمذي: لا يعرف اسمه۔[1381]

وقال ابن حبان في صحيحه: هو محمد بن علي بن الحسين۔

قلت: وليس هذا بمستقيم لان محمد بن علي لم يكن مؤذنا لان أبا جعفر هذا قد صرح بسماعه من أبي هريرة في عدة أحاديث، وأما محمد بن علي بن الحسين فلم يدرك أبا هريرة فتعين أنه غيره والله تعالىٰ أعلم وفي مصنف ابن أبي شيبة حدثنا أبو معاوية عن الاعمش عن ثابت بن عبيد عن أبي جعفر الانصاري قال دخلت مع المصريين على عثمان فلما ضربوه خرجت اشتد قد ملات فروجي عدوا حتى دخلت المسجد فاذا رجل جالس في نحو عشرة وعليه عمامة سوداء فقال: ويحك ما ورائك؟ قال قلت: والله قد فرغ من الرجل قال فقال تبا لكم آخر الدهر۔ قال فنظرت فاذا هو علي بن أبي طالب۔ وبه عن الاعمش عن ثابت بن عبيد عن أبي جعفر الانصاري/قال: رأيت أبا بكر الصديق ولحيته ورأسه كأنهما جمر العضا وقد فرق أبو أحمد الحاكم بين هذا وبين الراوي عن أبي هريرة وأظن أنه هو وعنه أبو داؤد في الصلاة عن يحيى بن أبي كثير عن أبي جعفر غير منسوب عن عطاء بن يسار عن أبي هريرة وأظنه هذا۔[1382]

أبو جعفر المؤذن الأنصاري المدني مقبول من الثالثة ومن زعم أنه محمد بن علي بن الحسين فقد وهم۔[1383]

[1380] (مجمع الزوائد ج۵ ص ۱۲۵)

[1381] (تهذیب الکمال ج۳۳ س ۱۹۱)

[1382] (تهذیب التهذیب ج ۱۲، ص ۴۸، ۴۹)

[1383] (تقریب التهذیب ج ۲ ص ۳۷۵)

أبو جعفر المؤذن الأنصاری المدنی اسمه محمد بن ابراهیم: عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه و عنه یحیی بن أبی کثیر حسن الترمذی حدیثه۔[1384]

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس مقام پر ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے اس کی عبارت یہ ہے:

قال أبو عیسی هذا حدیث حسن و أبو جعفر الرازی هذا الذی و روی عنه یحیی بن أبی کثیر یقال له أبو جعفر المؤذن و لا نعرف اسمه و قد روی عنه یحیی بن أبی کثیر غیر حدیث۔[1385]

(۳) عن عمرو بن میمون .... و جاء رجل شاب فقال ابشر یا امیر المؤمنین ببشری الله لک من صحبة رسول الله ﷺ و قدم فی الاسلام ما قد علمت ثم ولیت فعدلت ثم شهادة قال و ددت ان ذلک کفافا لا علی و لا لی فلما ادبر اذا ازاره یمس الأرض قال ردّوا علی الغلام قال یا ابن اخی ارفع ثوبک فانه انقی لثوبک و اتقیٰ لربّک۔[1386]

"حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (امیر المؤمنین کے زخمی ہونے کے بعد) ایک نوجوان شخص آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین آپ کو مبارک اور خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے نوازا اور شروع شروع میں اسلام لانے سے نوازا جو کہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکمران بنایا گیا پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدل و انصاف کیا اب شہادت کی موت نصیب ہو رہی ہے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا میں تو چاہتا ہوں کہ یہ (حساب و کتاب میں) نمٹا دیا جائے، نہ میرے اوپر کچھ ہو، نہ میرے لئے کچھ ہو، پھر جب وہ نوجوان واپس جانے لگا تو اس کا تہبند زمین کے ساتھ ٹکرا رہا تھا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس نوجوان کو میرے پاس واپس بلاؤ۔ پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے! اپنے کپڑے کو اوپر اٹھا لو کیونکہ اس میں تیرے کپڑے کی زیادہ صفائی ہے اور تیرے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے زیادہ پرہیز گاری ہے۔"

فائدہ: دیکھئے! امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نوجوان سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا تم نے تکبر کی وجہ سے تہہ بند لٹکا رکھا ہے، بلکہ مطلقاً منع فرمایا۔

(۴) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: و اخرج الطبرانی من حدیث ابی امامة "بینما نحن مع رسول الله ﷺ اذ الحقنا عمرو بن زرارة الانصاری فی حلة ازار و رداء قد اسبل فجعل رسول الله ﷺ یأخذبنا حیة ثوبه یتواضع لله و یقول: عبدک و ابن عبدک و امتک، حتی سمعها عمرو فقال: یا رسول الله انی حمش الساقین، فقال: یا عمرو ان الله قد احسن کل شئ خلقه، یا عمرو ان الله لا یحب المسبل" الحدیث و أخرجه احمد من حدیث عمرو نفسه "عن عمرو بن فلان" و أخرجه الطبرانی ایضاً فقال: "عن عمرو بن زرارة" و فیه "و ضرب رسول الله ﷺ باربع اصابع تحت رکبة عمرو فقال: یا عمرو هذا موضع الازار" الحدیث و رجاله ثقات و ظاهره ان عمروا المذکور لم یقصد باسباله الخیلاء، و قد منعه من ذلک لکونه مظنة۔

[1384] (لسان المیزان، ج۳ص ۲۶۹)

[1385] (ترمذی حدیث نمبر ۳۳۷۰، ابواب الدعوات، باب ماذکر فی دعوة المسافر)

[1386] (بخاری شریف ۱/۵۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (جا رہے) تھے کہ پیچھے عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں آکر ملے، انہوں نے تہہ بند اور چادر پہنی ہوئی تھی اور وہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھی، تو آپ ﷺ نے اسکے کپڑے کے ایک کنارے کو پکڑا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرتے ہوئے فرمایا (یا اللہ! یہ) تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے اور بندی کا بیٹا ہے یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی ان باتوں کو سن لیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں پتلی پنڈلی والا ہوں (اس لئے تہہ بند نیچے لٹکا رکھا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خوبصورت پیدا فرمایا ہے، اے عمرو! اللہ تعالیٰ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والوں کے ساتھ محبت نہیں فرماتا اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھٹنے کے نیچے چار انگلیوں سے مارا اور فرمایا کہ اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تک ازار کی جگہ ہے۔"[1387]

"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: یہ حدیث ظاہراً اس پر دال ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکبر کی وجہ سے ازار نہیں لٹکا رکھی تھی پھر بھی آپ ﷺ نے ان کو منع فرمایا کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔"

(۵) قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرج الطبرانی من حدیث الشرید الثقفی قال: "ابصر النبی رجلاً قد اسبل ازارہ فقال: ارفع ازارک فقال: انی احنف تصطک رکبتای، قال: ارفع ازارک، فکل خلق اللہ حسن" واخرجہ مسدد وابو بکر بن ابی شیبۃ من طرق عن رجل من ثقیف لم یسم۔ وفی آخرہ "ذاک اقبح مما بساقک"[1388]

"حضرت شرید ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا ازار اوپر اٹھالو! اس نے کہا کہ میں ٹیڑھے پاؤں والا ہوں، میرے گھٹنے آپس میں ٹکراتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا تہہ بند اٹھالو، اللہ تعالیٰ کی تمام پیدا کردہ چیزیں خوبصورت ہیں!" اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اس عیب سے زیادہ قبیح ہے جو آپ کی پنڈلی میں ہے۔"

فائدہ: ظاہر ہے کہ یہ صاحب جو محض اپنا عیب چھپانے کے لئے ڈھانپ رہے تھے نہ کہ تکبر کی وجہ سے، پھر بھی آپ ﷺ نے انہیں منع فرمادیا، معلوم ہوا کہ اپنے اختیار سے ٹخنے ڈھانپنا مطلقاً ممنوع ہے۔

(۶) قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرج النسائی وابن ماجۃ وصححہ ابن حبان من حدیث المغیرۃ بن شعبۃ "رأیت رسول اللہ ﷺ اخذ برداء سفیان بن سہیل وھو یقول: یا سفیان لا تسبل، فان اللہ لا یحب المسبلین۔[1389]

"حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ سفیان بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چادر کو پکڑ کر فرما رہے تھے: اے سفیان! (چادر کو) نہ لٹکاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ (ٹخنوں سے نیچے) چادر لٹکانے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔

[1387] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1388] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، مطبوعہ قدیمی کتبخانہ کراچی)

[1389] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

فائدہ: یہ نہیں فرمایا کہ جو تکبر سے لٹکائے اس سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں فرماتا بلکہ مطلق ارشاد فرمایا، معلوم ہوا کہ مطلقاً ممنوع ہے۔

عورتوں کا ازار

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلى الله عَليهِ وسَلم قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلى الله عَليهِ وسَلم عَنْ ذَيْلِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ شِبْرًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ الله إِذًا تَبْدُوَ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَذِرَاعاً لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عورت کے دامن کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا: ایک بالشت (مرد سے) زیادہ کرے، میں عرض کیا یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! پھر تو عورت کے قدم نظر آئیں گے تو ارشاد فرمایا: ایک گز (ہاتھ) زیادہ کرے اور اس سے زیادہ نہ کرے۔[1390]

وَعَن أم سلمة قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ ذَكَرَ الْإِزَارَ: فَالْمَرْأَةُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ. تُرْخِي شِبْرًا فَقَالَتْ: إِذًا تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ: «فَذِرَاعًا لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم فرمایا کہ ازار میں درازی نہ کرنی چاہیے تو میں نے استفسار کیا کہ عورت کو پھر کیا کرنا چاہیے تو آپ ﷺ نے فرمایا عورت اپنی ازار کو ایک بالشت دراز کرے۔ یعنی آدھی پنڈلیوں سے اور لٹکائے اور بعض نے کہا کہ ٹخنوں سے نیچے ایک بالشت تو اس وقت میں نے کہا کہ اگر ایسا بھی کرے تب بھی کھلا رہے گا یعنی بالشت بھر میں بھی ستر کے کھلنے کا احتمال ہے۔ پس اگر پنڈلی کی درازی کی وجہ سے مثلاً فرمایا ستر کھلا رہے تو ایک گز دراز کرے یعنی شرعی گز اور دراز کا معنی یہ ہے کہ پہنچے ایک بالشت یا ایک شرعی گز (ہاتھ) دراز کرے تاکہ یہ مقدار زمین تک پہنچے اور قدم ڈھکے رہیں پھر ممانعت میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت ایک گز سے زیادہ نہ کرے۔[1391]

رسول کریم ﷺ نے اسبال سے جو مباح فرمایا ہے، وہ صرف ضرورت کے تحت اجازت دی ہے کیونکہ دامن ڈھیلا کرنے سے منع کرنے کے بعد جو عورت کو اسبال کا حکم دیا ہے وہ صرف اتنی مقدار کہ جس سے وہ اپنا ستر قائم رکھ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شلوار اور چادر وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا واجب اور نیچے رکھنا حرام ہے۔[1392]

کفِ ثوب

[1390] (سنن الدارمی، باب فی ذیول النساء، ج۲، ص۳۶۱)

[1391] (سنن ابو داؤد، رقم: ۴۱۷، وسنن الترمذی، رقم: ۱۷۳۱، وسنن النسائی، رقم: ۵۳۳۶، وسنن ابن ماجہ، رقم: ۳۵۸۰، وموطا امام مالک، رقم: ۱۳، ومسند احمد، ج۶، ص۳۰۹)

[1392] (حاشیہ مؤطا امام مالک، فی اسبال الرجل ثوبہ، ص۵۶۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

یہ جاننا چاہئیے کہ صورت مسوٴلہ میں جس کف ثوب کا تذکرہ ہے اور جس سے نماز کے مکروہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے یہ بعض علماء اہل سنت کی تحقیق ہے کیونکہ جمہور فقہائے احناف، افغانستان کی اکثریت اور پاکستان کے دیہاتی اور قبائلی علاقہ جات اور دیگر ممالک کے علماء اہل سنت کے ہاں صورت مسوٴلہ میں نماز میں کوئی کراہت نہیں پائی جاتی اور نماز بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح علماء دیوبند بھی اس مسوٴلہ طریقے اور کیفیت پر نماز کے جواز اور عدم کراہت کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک بھی اگر کسی نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس نے شلوار یا پتلون کو نیفے یا پائنچے سے موڑا ہوا ہو تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے کیونکہ ان جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہل سنت کے ہاں کف ثوب کی وہ تعریف نہیں ہے جو بعض علماء اہل سنت کرتے ہیں جس سے نماز مکروہ قرار دی جائے۔

علماء دیوبند کے حکیم الامت لکھتے ہیں: مسئلہ: نماز میں ادھر ادھر سے اپنے کپڑے کو سمیٹنا، سنبھالنا کہ مٹی نہ بھرنے پاوے مکروہ ہے۔[1393]

امامِ اہلسنت مجدد دین وملت حضرت شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز میں آستین چڑھانے کے مسئلے میں مسلم شریف کی دو حدیثیں لکھنے کے بعد فقہائے احناف کے حوالے سے لکھتے ہیں: تمام متون مذہب میں ہے: **کرہ کف ثوبہ** (کپڑوں کو اٹھانا مکروہ ہے.....اور بعض کتابوں میں ہے **کرہ لف ثوبہ**۔

غنیۃ میں ہے: **یکرہ ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود او یدخل فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھو مشمر الکم او الذیل۔** عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے یا بایں طور کہ پیچھے یا آگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا نماز میں کپڑا اٹھائے ہوئے داخل ہونا جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یا دامن چڑھایا ہوا تھا۔[1394]

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: کپڑے یا بدن یا داڑھی کے ساتھ کھیلنا، کپڑا سمیٹنا مثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے اٹھالینا اگرچہ گرد سے بچانے کے لئے ہو اور اگر بلا وجہ ہو تو اور زیادہ مکروہ، کپڑا لٹکانا مثلاً سر یا مونڈھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں طرف کنارے لٹکتے ہوں یہ سب مکروہ تحریمی ہے۔[1395]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب یعنی کپڑا سمیٹنا اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی سجدہ کے لئے جاتا ہے تو وہ اپنے کپڑے کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بغیر کسی وجہ کے اٹھاتا ہے تو یہ مکروہ ہے نہ کہ نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ سے موڑنا۔

یاد رہے کہ بہار شریعت کی تیسری جلد پر امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی تصدیق و تقریظ بھی موجود ہے۔

[1393] (بھشتی زیور، ص ۳۳، حصہ دوم، جو چیزیں نماز میں مکروہ اور منع ھیں ان کا بیان، ایچ ایم سعید)

[1394] (فتاویٰ رضویہ، ج۷ ص ۳۱۰-۱۱، باب مکروھات الصلوۃ، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

[1395] (عامہ کتب) (بھار شریعت حصہ سوم، ص ۱۶۲، مکروھات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

کف ثوب کی یہی تعریف اور کیفیت جمہور فقہائے احناف، امام احمد رضا خان محدث بریلوی سمیت اکثر علماء اہل سنت اور علماء دیوبند نے بیان کی ہے۔ اگرچہ بعض علماء اہلسنت یوں لکھتے ہیں:

پائنچوں کو نیچے سے موڑ لینا یا ازار بند کی جگہ سے اڑس لینا "کف ثوب" ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی کے حکم میں ہے۔

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے حکم کے ساتھ ساتھ "کف ثوب ہونے کی وجہ سے" جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہلسنت، امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی رحمہم اللہ کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور کف ثوب کی ایسی تعریف بیان فرمائی ہے جو ان علماء نے نہیں کی، جس کی وضاحت آرہی ہے۔

اب ہم احادیث مبارکہ اور فقہ حنفی سے کف ثوب اور لف ثوب کی وضاحت کرتے ہیں کہ کف ثوب اور لف ثوب کیا ہے جو مکروہ ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں: **عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعۃ اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبھۃ والیدین والرکبتین والرجلین۔** یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ سات اعضاء یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر سجدہ کریں اور موئے مبارک اور کپڑے کو نہ سمیٹیں۔[1396]

فقہائے احناف کف ثوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱) علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **ای رفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود وقیل ان یجمع ثوبہ ویشدہ فی وسطہ۔۔۔ ولما فیہ من التجبر المنافی لوضع الصلوۃ وھو الخشوع والخضوع۔** کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا۔ ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا (اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ) اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے جو نماز کے مقصد یعنی خشوع و خضوع کے منافی ہے۔[1397]

(۲) علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **(وقیل ان یجمع ثوبہ الخ) لانہ صنیع اھل الکتاب۔۔۔ (قولہ لما فیہ من التجبر) قال فی منیۃ المصلی ویکرہ کل ما کان من اخلاق الجبابرۃ۔** "ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا کیونکہ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے۔۔۔ اس میں ایک قسم کا تکبر ہے، منیۃ المصلی میں ہے کہ متکبرین کا کوئی بھی عمل نماز میں مکروہ ہے۔"[1398]

(۳) شیخ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں: **(وقولہ ولا یکف ثوبہ) والکف ان یرفع الثوب من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود کذا فی المغرب۔** (شارح کا قول کپڑے نہ سمیٹنے) کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائے۔86

[1396] (بخاری ص ۱۱۲ ج ۱ باب السجود علی سبعۃ اعظم نور محمد کراچی)

[1397] (امداد الفتاح، ص ۳۷۹، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، صدیقی پبلشرز کراچی)

[1398] (طحطاوی، ص ۳۵۰، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، قدیمی کراچی)

(۴) ابی محمد محمود بن احمد العینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کف ثوب کی تعریف یوں لکھتے ہیں: **المراد من کف الثوب القبض والضم وأن یرفعه من بین یدیه أو من خلفه اذا أراد السجود۔** یعنی کف ثوب سے مراد ہے کہ کپڑوں کو ضم کرلینا، یا سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لینا۔[1399]

(۵) عبد الرّحمن الجزائری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز کی مکروہات کے بارے میں باب لگاتے ہیں: **{رفع المصلی ثوبه من خلفه أو قدامه وهو یصلّی۔} منها رفع ثوبه بین یدیه أو من خلفه فی الصلاة لقوله ﷺ: "أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم وأن لا أکف شعراً ولا ثوباً" ورواه الشیخان۔** بعض مکروہات میں سے یہ ہے کہ کپڑوں کو نماز میں آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[1400]

(۶) علامہ سید احمد الطحطاوی الحنفی لکھتے ہیں: **(وکره کفه) سواء کان من بین یدیه أو من خلفه عند الانحطاط۔** یعنی کف ثوب مکروہ ہے اور اس کی تعریف یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت کپڑوں کو آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لے۔[1401]

(۷) **البرجندی شرح لمختصر الوقایه** میں ہے: **وکفه ای کف الثوب وهو القبض والضم وان یرفعه بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود۔** یعنی کف ثوب یہ ہے کہ کپڑوں کو ضم کرلینا یا سجدہ میں جاتے وقت آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔[1402]

(۸) **ولا یکف ثوبه وهو ان یرفعه من بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود قال علیه السلام امرت ان اسجد علی سبعة اعظم لا اکف ثوبا ولا اعقص شعرا۔** نمازی کپڑے کو نہ سمیٹے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے لئے جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[1403]

(۹) **(وکفه) ای ضم الثوب ورفعه من بین یدیه او من خلفه عند السجود کما فی الکرمانی۔** (کف ثوب یہ ہے) کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا اور اٹھانا جیسا کہ کرمانی میں ہے۔[1404]

(۱۰) کذلک یکره له ان یکف ثیابه او یرفعها لئلا یتترب لان فیه نوع تجبر ویکره للمصلی ما هو من اخلاق الجبابرة۔

[1399] (البنایہ، ج ۲، ص ۵۳۲)

[1400] (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعة، ج ۱، ص ۲۵۰)

[1401] (حاشیہ طحطاوی ج ۱، ص ۲۷۰)

[1402] (البرجندی شرح لمختصر الوقایہ ج ۱، ص ۱۳۰)

[1403] (الجوهرة النیرة، ص ۷۵، ج ۱، باب صفة الصلوة، قدیمی کراچی)

[1404] (جامع الرموز، ص ۱۹۴، ج ۱، فصل یفسد الصلوة، ایچ ایم سعید)

ترجمہ: اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپڑے سمیٹے یا اٹھائے تاکہ مٹی میں نہ لگے۔ اور اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے اور نمازی کے لئے متکبرین کی روش اختیار کرنا مکروہ ہے۔[1405]

(۱۱) ویکرہ ان یکف ثوبہ لما روی عن النبی ﷺ انہ قال امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم وان لا اکف ثوبا ولا اکف شعرا ولان فیہ ترک سنۃ وضع الید۔ نمازی کے لئے کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑوں کو نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں اور اس میں (ناف پر) ہاتھ رکھنے کے سنت طریقے کا ترک آرہا ہے۔[1406]

(۱۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے: یکرہ للمصلی۔۔۔ ان یکف ثوبہ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود کذا فی معراج الدایۃ۔ اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے یا اٹھائے جیسا کہ معراج الدایہ میں ہے۔[1407]

(۱۳) وکذلک یکرہ لہ ان یکف ثوبہ او یرفعہ لئلا یتترب۔ اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپڑے سمیٹے یا اٹھائے تاکہ مٹی نہ لگے۔

(۱۴) علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: ویکرہ ایضا کف ثوبہ۔۔۔ وھو رفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود۔

کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[1408]

(۱۵) علامہ حصکفی لکھتے ہیں: وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل۔ کپڑا اٹھانا اور چڑھانا مکروہ ہے اگرچہ مٹی سے بچانے کے لئے ہو، جیسا کہ آستین یا دامن کو چڑھانا۔[1409]

(۱۶) علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: (قولہ رفعہ) ای سواء کان من بین یدیہ او من خلفہ عند الانحطاط للسجود۔ بحر۔ ماتن کا قول کپڑے سمیٹنا، خواہ آگے سے ہو یا پیچھے سے، جب سجدہ کے لئے جھکتا ہو۔[1410]

[1405] المحیط البرھانی ج ۱ ص ۳۷۷، الناشر دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ لبنان۔

[1406] (بدائع الصنائع، ص ۲۱۶ ج ۱، فصل واما بیان مایستحب فیھا ومایکرہ، رشیدیہ، کوئٹہ)

[1407] (فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، ص ۱۰۵، باب السابع فیما یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ ومالا یکرہ، رشیدیہ، کوئٹہ)

[1408] (النھر الفائق ص ۲۸۱، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ مایکرہ فیھا، امدادیہ ملتان)

[1409] (الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[1410] (الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

(۱۷)علامہ شلبی لکھتے ہیں: **وھو ان یضم اطرافہ اتقاء التراب ونحوہ۔** کف ثوب یہ ہے کہ کپڑے کے کنارے مٹی سے بچانے کے لئے سمیٹ لئے جائیں۔[1411]

احادیث مبارکہ اور فقہاء کے اقوال میں لفظِ "کف" آیا ہے جس کا مطلب سمیٹنا ہے اسی طرح بعض فقہاء کرام کی عبارات میں لفظ "لف" آیا ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے: **لف الثوب۔۔۔الخ (الباب السادس فی المکروھات)۔** اس کا ترجمہ کف ہی کی طرح ہے، جیسا کہ صاحبِ خلاصہ نے خود اس کی وضاحت کی ہے: **وھو رفع الثوب من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود وھو نوع تجبر۔**

اجلہ حنفی فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب اور لف ثوب اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی سجدہ کے لئے جائے تو اپنے کپڑوں کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بلاوجہ آگے یا پیچھے سے اٹھائے، ان مذکور فقہاء نے وہ تعریف نہیں کی جو بعض علماء اہلسنت نے کی کہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچوں یا نیفے کو موڑ کر لپیٹ لیا جائے، اور ان فقہاء نے (سوائے علامہ شامی کے جس کی وضاحت آرہی ہے) اس کے ساتھ یہ بھی نہیں لکھا کہ اس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کف ثوب کی تعریف یہی ہے جو عبارات فقہ سے معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کف ثوب مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

کیا کف ثوب مکروہ تحریمی ہے؟

بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب (جس کی تعریف فقہاء احناف کی عبارات سے واضح کر دی گئی یعنی سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) کو علامہ شامی کے حوالے سے مکروہ تحریمی قرار دیا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا: **وحرر الخیر الرملی مایفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ۔** علامہ خیر الدین رملی نے لکھا ہے کہ کف ثوب مکروہ تحریمی ہے۔[1412]

علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول جم غفیر فقہائے احناف کے مقابلے میں واجب القبول نہیں ہے یہ ان کی اپنی تحقیق ہے جس کی طرف کسی اور فقیہ نے التفات نہیں فرمایا، اور علامہ رملی (علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ مجتہد نہیں ہیں اور اگر مجتہد مان بھی لیا جائے پھر بھی ان کا قول خلاف مذہب ہونے کی وجہ سے نہیں مانا جائے گا) نے کف ثوب کی کراہت تحریمی کی کوئی علت اور دلیل بھی ذکر نہیں فرمائی حالانکہ علامہ شامی نے مکروہ تحریمی کی تعریف فرماتے ہوئے لکھا ہے: **قلت: وَيُعْرَفُ أَيْضًا بِلَا دَلِيلِ نَهْيٍ خَاصٍ، بِأَنْ تَضَمَّنَ تَرْكَ وَاجِبٍ أَوْ تَرْكَ سُنَّةٍ. فَالْأَوَّلُ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا، وَالثَّانِي تَنْزِيهًا۔** میں[1413] کہتا ہوں کہ مکروہ کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اگرچہ اس میں کسی خاص نہی کی دلیل نہ ہو بایں طور کہ وہ کسی واجب یا سنت کے ترک کو متضمن ہو تو اس صورت میں پہلا (جب واجب ترک ہو جائے تو) مکروہ تحریمی ہے، اور دوسرا (جب سنت ترک ہو جائے تو) مکروہ تنزیہی ہے۔

[1411] (حاشیہ علی تبیین الحقائق، ص ۴۱۰، ج ۱، کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[1412] (شامی ص ۶۴۰، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[1413] (شامی ج ۱ ص ۶۳۹ مطلب فی الْكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِيَّةِ وَالتَّنْزِيهِيَّةِ)

اور یہ معلوم ہوا کہ کف ثوب کے عمل سے کسی ایسے عمل کا ترک لازم نہیں آتا جو نماز کے واجبات میں سے ہو۔ بلکہ علامہ شامی نے خود بحر کے حوالے سے اس کراہت تحریمیہ کا رد فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس بصونہ عن التراب۔ بحر عن المجتبیٰ۔

اگر مٹی سے کپڑوں کو بچانے کے لئے کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (یعنی مکروہ نہیں ہے)۔ [1414]

معلوم ہوا کہ علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول واجب العمل والافتاء نہیں ہے (بلکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ حق وہی ہوتا ہے جو جمہور کہتا ہے۔[1415] کہ جمہور کے مقابلے میں ایک قول کو لے کر کف ثوب پر کراہت تحریمی کا فتویٰ لگا کر لوگوں کی نماز کو واجب الاعادہ قرار دیا جائے۔ (یاد رہے کہ کراہت کا یہ اختلاف اس کف ثوب کے بارے میں ہے جس کی تفصیل اور وضاحت فقہائے احناف کی عبارات میں کر دی گئی ہے، پائنچے موڑنے یا نیفہ سے شلوار کو اڑسنے کو کسی فقیہ نے حتی کہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد امجد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کف ثوب کی تعریف میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ سب حضرات نے حدیث کی روشنی میں کف ثوب کی تعریف یہ کی ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا اور اٹھانا۔)

کف ثوب مکروہ نہیں ہے:

بعض فقہاء احناف نے کف ثوب کو مکروہ بھی قرار نہیں دیا، اور جنہوں نے مکروہ قرار دیا اس کی دو علتیں ذکر فرمادیں، ایک یہ کہ اس میں متکبرین کی نشانی پائی جائے اور دوسرے یہ کہ اس میں اہل کتاب (غیر مسلموں) سے تشبیہ آتی ہے، جیسا کہ عباراتِ فقہاء سے معلوم ہو چکا ہے۔ اب اگر یہ علت بھی نہ ہو تو (حکم) کراہت بھی ختم ہو جائے گی اس لئے بعض علماء نے کف ثوب کو مکروہ قرار نہیں دیا بلکہ کپڑے چڑھا کر نماز ادا کرنا خود رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے اور اگر آپ ﷺ کے اس عمل کو دیکھ کر اگر کوئی اس طریقے پر (کپڑا اسمیٹ کر) نماز پڑھے گا تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب قرار دینا چاہیئے اور یہی محبت رسول اللہ ﷺ کا تقاضا بھی ہے کہ محبوب کی ادا بھی محبوب ہونی چاہیئے نہ کہ مکروہ۔

امام بخاری لکھتے ہیں: **وَعَنِ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَلِكَ الْوَضُوءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ. مُشَمِّرًا صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ.**

[1414] (شامی، ص ۶۴۰، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[1415] (کمافی البدر الساری الی فیض الباری ج ۲ ص ۱۶۴ مکتبہ عزیزیہ فلعمل علی ماعلیہ جمھور العلماء فتح الملھم ج ۲ ص ۴۴۰ وبالجملۃ ان مذھب الامام وھو مذھب المنصور والیہ ذھب الجمھور فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۴)

ابو جحیفہ نے کہا میں نے بلال کو دیکھا کہ نیزہ لا کر زمین میں گاڑ دیا پھر اقامت کہی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حلہ کو چڑھائے (سمیٹے) آئے اور نیزہ کی طرف دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے لوگوں کو اور جانوروں کو آپ ﷺ کے سامنے نیزے کے آگے چلتے دیکھا۔[1416]

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: **رواہ الثوری عن عون بن ابی جحیفة فقال فی حدیثه کأنی انظر الی بریق ساقیة قال الاسماعیلی: وھذا ھو التشمیر، ویؤخذ منه ان النھی عن کف الثوب فی الصلوة محله فی غیر ذیل الازار۔** ثوری نے عون بن ابی جحیفہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی حدیث میں فرمایا: گویا میں رسول اللہ ﷺ کی پنڈلیوں کی چمک کو دیکھ رہا ہوں" اسماعیلی نے کہا یہی تشمیر (کپڑے کو چڑھانا، سمیٹنا) ہے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ نماز میں جس کف ثوب سے منع کیا گیا ہے اس کا محل تہبند (یا شلوار وغیرہ) کے علاوہ کپڑوں کو سمیٹنا اور چڑھانا ہے۔[1417]

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ازار (تہبند) مبارک کو اتنا اونچا کر کے نماز پڑھی کہ آپ ﷺ کی پنڈلی مبارک کی چمک بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیکھ لی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار اوپر چڑھا کر (نیفہ سے یا پائنچوں سے موڑ کر) نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ یہ ممنوع کف ثوب کا مقام نہیں ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: **التشمیر: بالشین المعجمة ازاره اذا رفعه۔۔۔ وفیه التشمیر فی الصلوٰة مباح وعند المھنة والحاجة الیه وھو من التواضع ونفی التکبر والخیلاء۔** ت شمیر شین کے ساتھ شمر ازارہ سے مشتق ہے جب کوئی کپڑے اٹھائے (سمیٹے) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز میں کپڑے سمیٹنا مباح ہے اور کام کاج یا ضرورت کے تحت کپڑے چڑھانا (بھی مباح ہے) اور یہ (کپڑے سمیٹنا) عاجزی کی دلیل ہے اور اس میں تکبر اور خود پسندی کی نفی ہے۔[1418]

علامہ عینی کی تحقیق نے ان حضرات کو لاجواب کر دیا جو عوام الناس سے کہتے رہتے ہیں کہ نماز میں کف ثوب مکروہ ہے اور یہ کہتے ہیں کہ کپڑا اڑسنا یا سمیٹنا تکبر کی نشانی ہے حالانکہ علامہ عینی نے کف ثوب کو غیر مکروہ (مباح) اور عاجزی کی نشانی بتائی اور اسی نیت سے عوام نماز میں کپڑے سمیٹتے ہیں جو احسن طریقہ ہے۔

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں: **وفی الخلاصة انه لا یکرہ قال الحلبی وھو المختار۔** خلاصہ میں ہے کہ کف ثوب (کپڑے سمیٹنا) مکروہ نہیں ہے اور یہی مختار ہے۔[1419]

[1416] (بخاری ص ۵۴ ج ۱ باب فی الثوب الاحمر قدیمی کراچی)

[1417] (فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۳۶۹ ج ۱۲ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب مکتبہ مصطفی البابی مصر) (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، ج ۱۲، ص ۵۰۸، کتاب الباس، باب التشمیر فی الثیاب، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

[1418] (عینی شرح بخاری، ص ۲۹۶ ج ۲۱ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب، بیروت)

[1419] (طحطاوی، ص ۳۵۰، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، قدیمی کراچی)

شمس الدین محمد خراسانی قہستانی لکھتے ہیں: **وقیل لا بأس به لصونه عن التتریب کما فی الزاهدی**۔ کہا گیا کہ مٹی سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1420]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: **وقیل لا بأس بصونه عن التراب کما فی المجتبیٰ**۔ کہا گیا کہ مٹے سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔

معلوم ہوا کہ کپڑوں کو مٹی سے پاک رکھنے کی نیت سے یا بغیر اس نیت کے بلاوجہ کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے عمل کی وجہ سے محبوب ہونا چاہیئے۔

کف ثوب کی کراہت نماز کے اندر ہے نہ کہ باہر:

جیسا کہ احادیث مبارکہ اور فقہائے کرام کی کتب سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً السنن الکبریٰ جلد ثانی صفحہ ۳۴۲ میں ابی بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باب باندھا ہے:

باب کراهیة اسبال الازار فی الصلوة۔ یعنی باب شلوار کو نماز میں ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی کراہیت پر۔ جیسا کہ اس باب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فی ظرفیت کے لئے ہے، اور مظروف ظرف کے اندر ہوتا ہے۔

اسی طرح کتاب کے شروع میں مذکورہ حدیث میں بھی کف ثوب کا جو ذکر ہے وہ نماز کے اندر مکروہ ہے۔ **عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعة اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبهة و الیدین و الرکبتین و الرجلین**۔[1421]

اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے: **أخبرنا حمید بن مسعدة عن یزید قال حدثنا شعبة و روح عن عمرو بن دینار عن طاوسٍ عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال: أمرت أن أسجد علی سبعة و لا أکف شعراً و لا ثوبا**۔[1422]

اسی طرح عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلد ۶، صفحہ ۹۱) میں حدیث کے اس حصے (**و لا یکف شعرا و لا ثوبا**) کی تشریح میں لکھتے ہیں: **وفیه کراهة کف الثوب و الشعر و ظاهر الحدیث النهی عنه فی حال الصلاة و الیه مال الداودی**۔ ظاہرِ حدیث اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے اور داؤدی بھی اس طرف گئے ہیں۔

[1420] (البحر الرائق، ص ۲۴، ج ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا، رشیدیہ کوئٹہ)

[1421] (بخاری، ص ۱۱۲، ج ۱، باب السجود علی سبعۃ اعظم، نور محمد کراچی)

[1422] (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۵، باب النھی عن کف الشعر فی السجود)

معلوم ہوا کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے، خاص طور پر سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑے کو سمیٹ لینا۔ اس ہی بات کی تائید فقہائے کرام نے بھی فرمائی ہے جیسا کہ علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی نے لکھا ہے: **ویکرہ ایضا کف ثوبہ۔۔۔ وھو رفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا ارادالسجود۔** کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[1423]

فقہائے کرام نے باب باندھا ہے: **باب فی کراھیۃ الصلوۃ**۔ یعنی یہ باب نماز کے مکروہات کے بارے میں ہے، اور یہاں پر بھی فی ظرفیت کے لئے آیا ہے۔ اور ان ہی ابواب میں کف ثوب کا مسئلہ بھی مندرج ہے۔ یعنی کف ثوب نماز میں مکروہ ہے، نہ کہ باہر۔

اگرچہ بعض علماء اہل سنت نے علامہ شامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ کف ثوب یعنی مسوٴلہ صورت مطلقا (خواہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے اندر) مکروہ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

جیسے کوئی آستین چڑھا کر یا دامن سمیٹ کر نماز شروع کرے اور مصنف (صاحب در مختار) نے اپنے اس قول کے ذریعے اس جانب اشارہ دیا ہے کہ کراہیت صرف اثناء نماز میں کپڑے اڑسنے پہ ہی موقوف نہیں بلکہ اگر کسی نے نماز سے پہلے بھی ایسا کیا تو اس کی نماز مکروہ ہو گی۔

لیکن فقہائے احناف میں سے بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ کف ثوب یعنی کپڑے اٹھانا سمیٹنا اس وقت مکروہ ہے جب نماز کے اندر ہو جیسا کہ فتاویٰ رضویہ صفحہ ۳۱۰، ج ۷ کے حوالے سے گزر گیا، یعنی نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ موڑنے یا سمیٹنے سے نماز مکروہ نہیں ہو گی۔

شیخ ابراہیم حلبی لکھتے ہیں: **ویکرہ ایضا ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوٰۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین او من خلفہ عند السجود۔** نمازی کے لئے نماز کی حالت میں عمل قلیل کے ساتھ کپڑا چڑھانا مکروہ ہے وہ اس طرح کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے اٹھائے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید لکھتے ہیں:

ویکرہ للمصلی ان یکف ثوبہ او یرفعھا۔ نمازی کے لئے کپڑا سمیٹنا یا اٹھانا مکروہ ہے۔[1424]

فقہاء احناف کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نماز سے پہلے وضو کرنے یا کسی کام کاج (محنت مزدوری) کے لئے آستین چڑھائی اور پھر اسی حالت میں نماز پڑھے تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔

آستین کہنی تک یا آدھی کلائی سے زیادہ چڑھائی ہو تو مکروہ ورنہ نہیں: بعض علماء بریلوی کا شامی کے حوالہ سے لکھنا کہ جس نے آستین چڑھا کر نماز پڑھی تو وہ مکروہ تحریمی ہے، لیکن انہوں نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ کتنی حد تک آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے، اگر مطلق آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے (جیسا کہ ان کے فتوے سے معلوم ہو رہا ہے) تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض فقہائے احناف نے اس کی تحدید آدھی کلائی سے زیادہ کی فرمائی ہے اور امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی صاحب کا فتویٰ بھی ان بعض علماء کے خلاف ہے۔

[1423] (النھر الفائق ص ۲۸۱، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ مایکرہ فیھا، امدادیہ ملتان)

[1424] (خلاصۃ الفتاویٰ، ص ۵۸ ج ۱ مایکرہ فی الصلوۃ، امجد اکیڈمی، لاھور)

علامہ طاہر بن عبد الرشید لکھتے ہیں: **ولو صلی رافعا کمیہ الی المرفقین یکرہ۔** اگر کسی نے اس حال میں نماز پڑھی کہ آستین کہنیوں تک چڑھائی ہو تو مکروہ ہے۔[1425]

علامہ سدید الدین کاشغری لکھتے ہیں: **وان یرفع کمیہ الی المرفقین۔** آستین کو کہنیوں تک چڑھانا مکروہ ہے۔[1426]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: **ویدخل ایضا فی کف الثوب تشمیر کمّین کما فی فتح القدیر وظاہرہ الاطلاق وفی الخلاصۃ ومنیۃ المصلی قید الکراھۃ بان یکون رافعاً کمیہ الی المرفقین وظاہرہ انہ لا یکرہ اذا کان یرفعھا الی مادونھا۔** اور کپڑا موڑنے میں آستینوں کا اڑسنا بھی شامل ہے اسی طرح فتح القدیر میں ہے اور بظاہر مطلق ہے لیکن خلاصہ اور منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر آستینوں کو کہنیوں تک چڑھالیا تو مکروہ ہو گا اور کہنیوں سے کم تک آستین چڑھائی تو مکروہ نہیں ہو گا۔[1427]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: علماء محققین فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔[1428]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی دوسری جگہ لکھتے ہیں: حیلہ میں ہے: **ینبغی ان یکرہ تشمیرھما الی مافوق نصف الساعد لصدق کف الثوب علی ھذا۔** آستینوں کا نصف کلائی کے اوپر تک اٹھانا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس پر بھی کپڑا اٹھانا صادق آرہا ہے۔[1429]

درج بالا عبارات احناف سے معلوم ہوا کہ آستین چڑھائے ہوئے نماز اس وقت مکروہ ہے جب کہنیوں تک ہو اگر کہنیوں سے کم ہو تو نماز مکروہ نہیں ہو گی، اسی لئے تو امام احمد رضا خان محدث بریلوی نے لفظ ''**ینبغی** (چاہیئے)'' والی عبارت نقل فرمائی جو اس بات پر دال ہے کہ حتمی طور پر مکروہ نہیں ہے۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی۔[1430]

معلوم ہوا کہ آدھی کلائی یا اس سے کم آستین چڑھا کر پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو آدھی آستین چڑھانے میں بھی کپڑے کو کئی دفعہ موڑنا اور سمیٹنا ہوتا ہے جبکہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ میں اس قدر موڑنا نہیں آتا یعنی وہ آدھی

[1425] (خلاصۃ الفتاویٰ، ص ۵۸، ج ۱، مایکرہ فی الصلوۃ، امجد اکیڈمی لاہور)

[1426] (منیۃ المصلی، ص ۱۴۲، فصلی فیمایکرہ فی الصلوۃ، مکتبۃ الحرم لاہور)

[1427] (البحر الرائق ص ۲۴، ج ۲ کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، رشیدیہ کوئٹہ)

[1428] (فتاویٰ رضویہ، ص ۳۱۱، ج ۷، باب مکروھات الصلوۃ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[1429] (فتاویٰ رضویہ، ص ۳۱۱، ج ۷، باب مکروھات الصلوۃ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[1430] (بہار شریعت، س ۱۶۲، حصہ سوم، مکروھات کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

پنڈلی تک نہیں موڑے جاتے، معلوم ہوا کہ جس طرح اس سے (آستین کو آدھی کلائی تک چڑھانے میں) نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں تو اس (یعنی شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ موڑنے) سے بھی نماز مکروہ تحریمی نہیں ہونی چاہیئے۔

معلوم ہوا کہ کف ثوب (جس کی تعریف و تشریح اور کیفیت عبارات فقہ سے مبرہن ہوئی، یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) ان دو علتوں کی وجہ سے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی جس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔ مراد وہ کف ثوب نہیں جو دور حاضر یا ماضی قریب کے علماء و مفتیان اہل سنت کی تحقیق ہے کہ شلوار یا پتلون کے پائنچے موڑنا۔ دوسری بات یہ کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے مکروہ تحریمی کے بعد یہ قاعدہ قانون لکھا: جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

جب کہ ان ہی علماء اہل سنت نے ایک اور فتویٰ یوں دیا ہے کہ نماز میں ایک کام کو مکروہ تحریمی قرار دیا مگر بعد میں یہ لکھا کہ اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہے۔

لکھتے ہیں: نماز میں ترتیب سے سورتوں کو پڑھنا واجب ہے یہ احکام قرأت قرآن کے ہیں احکام الصلوۃ کے نہیں، اگر قصداً ترتیب کے خلاف پڑھے تو مکروہ تحریمی ہے مگر اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ الٹا قرآن مجید پڑھنا، کسی واجب کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[1431]

معلوم ہوا کہ ایک کام اگرچہ مکروہ تحریمی ہو گا مگر پھر بھی اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی، ان بعض علماء نے اگرچہ اس کو احکام صلوۃ میں شمار نہیں کیا مگر مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو نماز کے مکروہات تحریمہ میں شمار کیا ہے۔

کن مکروہات سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے؟

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **تعاد الصلوۃ للاحتیاط علی وجہ لیس فیہ کراھۃ وھو الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ کما اذا ترک واجبا من واجبات الصلوۃ انتھی لان الاعادۃ بترک الواجب واجبۃ۔** نماز کو احتیاط کے طور پر اس طرح لوٹا دی جائے کہ جس میں کراہت نہ ہو اور یہ حکم ہر اس نماز کے لئے ہے جو کراہت سمیت ادا کی جائے جیسا کہ کسی نماز میں نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے کیونکہ ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہے۔

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے اس کو دوبارہ پڑھنا جواب ہے، یہ قاعدہ قانون بھی مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ کراہت تحریمی ہے جس کا تعلق احکامِ نماز (یعنی واجبات نماز کے ترک کرنے) سے ہو، اب اگر مکروہ تحریمی کام جس کا تعلق نماز کے ساتھ نہ ہو (یعنی وہ نماز کے واجبات کا ترک کرنا نہ ہو) تو اس کی موجودگی میں نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی جیسا کہ اس کی ایک مثال گزر گئی ہے۔

[1431] (بہار شریعت ص ۱۶۶، حصہ سوم، مکروھات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: کوئی ایسا واجب ترک ہوا جو واجباتِ نماز سے نہیں بلکہ اس کا وجوب امر خارج سے ہو تو سجدہ سہو واجب نہیں مثلاً خلاف ترتیب قرآن مجید پڑھنا ترک واجب ہے مگر موافق ترتیب پڑھنا واجباتِ تلاوت سے ہے واجباتِ نماز سے نہیں لہٰذا سجدہ سہو واجب نہیں۔[1432]

جب یہ معلوم ہوا کہ نماز ان مکروہات تحریمیہ سے واجب الاعادہ ہوتی ہے جس کا تعلق نماز کے واجبات چھوڑنے سے ہوتا ہے اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی حنفی فقیہ نے نماز سے پہلے کپڑے کو نہ موڑنا (نہ سمیٹنا اور نہ اڑسنا) نماز کے لئے واجب قرار نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ کف ثوب کا تعلق نماز کے واجبات اور مکروہات سے نہیں بلکہ خارجی امور میں سے ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔

لوگ نماز شروع کرنے سے پہلے شلوار کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے کیوں اڑستے اور موڑتے ہیں؟

نماز شروع کرنے سے پہلے بعض وہ اہل علم حضرات اور اکثر عوام الناس جن کی شلواریں یا پینٹ عام حالت میں ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہیں (خواص اور اکثر اہل علم حضرات عام حالت میں بھی سنت نبوی ﷺ کے مطابق اپنی شلوار کو ٹخنوں سے اونچی ہی رکھتے ہیں) وہ اپنی شلواروں کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے موڑ کر نماز شروع کرتے ہیں اس کی وجہ ان کے ذہن میں یہ ہے کہ انہوں نے سن رکھا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہوتا ہے وہ جہنم میں ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات خاص کر نماز کی حالت میں اپنے ذہن کے مطابق اس گناہ سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

جبکہ بعض اہل علم (علماء و طلباء، مدرسین و متعلمین) کا اس بات کی طرف کہ وہ عام زندگی میں یا نماز سے پہلے اپنے لباس کو ٹخنوں سے اونچا رکھ کر اس وعید شدید سے بچنے کی کوشش کریں جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کے بارے میں بیان ہوئی ہے، التفات کرنا تو درکنار بلکہ ان لوگوں کو بھی جو لباس کو سنت کے مطابق ٹخنوں کے اوپر رکھنا چاہتے ہیں یہ کہہ کر کہ "شلوار کو اڑسنا اور پتلون کے پائنچے موڑنا مکروہ تحریمی ہے اس سے نماز واجب الاعادہ ہو جاتی ہے" ان کو بھی گناہ اور وعید کا مستحق قرار دیتے ہیں حالانکہ دلائل ظاہرہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس طرح کرنا نہ مکروہ تحریمی ہے اور نہ اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

یہ اہل علم حضرات خواہ جس مکتبہ فکر سے بھی متعلق ہوں ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں لباس کو ٹخنوں سے اونچا نہ کرنے کی دو وجوہات ہیں۔

(ا) لباس کو ٹخنوں سے نیچے کرنا اس وقت گناہ اور ناجائز (حرام اور مکروہ تحریمی) ہے جب تکبر کی نیت ہو، اگر تکبر کی نیت نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آپ اس وعید سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

[1432] (بہار شریعت ص ۴۹، حصہ چہارم، سجدہ سہو کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

(۲) لباس کو ٹخنوں سے اونچا کرنے میں تبلیغی جماعت (دیوبندی، جبریہ، جہمیہ) سے تشبیہ آتی ہے جو اپنے چھوٹے بھائی کی شلوار پہنے گھومتے رہتے ہیں، اور آپ ﷺ نے فرمایا جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو گا۔

مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: آج کل آدھی پنڈلی تک تہبند، منڈا ہوا سر بہت لمبی داڑھی وہابیوں کی نشانی ہے اس لئے ٹخنہ کے اوپر تہبند رکھے یعنی اس جائز کام پر عمل کرے، سر نہ منڈائے، داڑھی صرف ایک مشت رکھے زیادہ نہ رکھے تاکہ ان کی مشابہت سے بچے، **من تشبه بقوم فهو منهم**۔[1433]

معلوم ہوا کہ بعض اہل علم وغیرہ کے نزدیک ان دو وجوہات کی بناء پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا جائز ہے۔ اب ہم ان دونوں وجوہات پر بحث کرتے ہیں کہ ان اہل علم کی بات کس حد تک مقبول اور صحیح ہے۔

لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور گناہ ہے:

اگرچہ بعض احادیث جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی مذمت اور وعید کے لئے علت تکبر کو قرار دیا ہے مگر چند احادیث ایسی بھی ہیں جن میں مطلقاً ٹخنوں کو چھپانے کی وعید ہے اور تکبر کا تذکرہ نہیں ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں: **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الكعبين من الازار ففی النار**۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (یا شلوار) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ دوزخ میں ہے۔[1434]

عن سالم بن عبد الله ان اباه حدثه ان رسول الله ﷺ قال بينما رجل ازاره خسف به فهو يتجلجل فی الارض الی يوم القيمة۔ عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص اپنا تہبند گھسیٹتا چل رہا تھا، کہ اسے دھنسایا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔[1435]

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما مرفوعا كل شیء جاوز الكعبين من الازار فی النار۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع روایت منقول ہے کہ تہبند (شلوار وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے۔[1436]

[1433] (مرأت شرح مشکوۃ، ص ۱۰۱، ج ۶، لباس کا بیان)

[1434] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الکعبین ففی النار، قدیمی کراچی)

[1435] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء، قدیمی کراچی)

[1436] (صحیح البخاری)

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا عن النبی ﷺ: ما تحت الکعبین من الازار ففی النار۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[1437]

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ: ما خلف الکعبین ففی النار۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا: جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[1438]

رہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت جو امام بخاری نے روایت کی، لکھتے ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابو بکر الصدیق یا رسول اللہ ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الا ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعہ خیلاء۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنا کپڑا تکبر سے نیچے رکھے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ اس کا بہت ہی خیال رکھوں، ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ کام تکبراً کریں۔[1439]

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: کپڑے سے مراد تہبند یا پائجامہ ہے اور نیچے سے مراد ٹخنوں کے نیچے ہے تکبراً فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے۔۔۔(ابو بکر نے کہا) یعنی میں تو خود نہیں لٹکاتا خود ہی لٹک جاتا ہے، شکم کسی قدر بھاری ہے اس لئے پیٹ سے سرک جاتا ہے نہ ارادہ ہے نہ غرور۔۔۔(آپ ﷺ نے فرمایا) یعنی ہم نے تکبر و غرور سے تہبند نیچا رکھنے سے ممانعت کی ہے تم کو غرور سے دور کا بھی تعلق نہیں اور پھر قصداً لٹکاتے بھی نہیں لہٰذا تم اس حکم کی زد میں نہیں آتے۔

درج بالا عبارت سے یہ بات **اظھر من الشمس** ہوئی کہ آپ ﷺ نے صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استثناء فرمایا نہ کہ سب لوگوں کا کہ اب ہم میں سے ہر کس و ناکس اپنے لئے یہ دلیل بنائے کہ میں اس لئے ٹخنوں سے نیچے کپڑے رکھتا ہوں کہ میرے دل میں تکبر نہیں ہے حالانکہ اس دور میں ایسا کرنے والے اور اس کے جواز کو ڈھونڈنے والے کے دل میں اتنا تکبر ہوتا ہے کہ وہ اس کو سمجھتا بھی نہیں ہے اور وہ خود اس کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمہارے دل میں تکبر نہیں تو تم نے کب کسی ٹیلر (درزی) سے کہا کہ میری شلوار ٹخنوں سے اوپر تک کی مقدار تک سینا اس سے زیادہ نہیں سینا تاکہ میرے کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہیں۔ اور مفتی نعیمی صاحب کی تحقیق ("تکبراً فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے") سے بھی معلوم ہوا کہ آج کل فیشن کا ایسا دور چل رہا ہے کہ عوام تو عوام خواص (علماء اور طلباء) بھی ہر ٹیلر اور درزی سے کپڑے نہیں سلواتے بلکہ فیشن ایبل لوگوں سے سلواتے ہیں۔ اور ایسا کرنے والوں کے تکبر کی دوسری علامت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی شلوار تکلفاً ٹخنوں

[1437] (اخرجہ احمد)

[1438] (صحیح البخاری)

[1439] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، قدیمی کراچی)

سے نیچے رکھتے ہیں جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تہبند خود بخود (کوشش کے باوجود) سرک جاتا تھا، اتنی صراحت کے باوجود اپنے مکروہ فعل کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہکے فعل پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ ہم تکبر سے نہیں لٹکاتے۔

سنتِ رسول ﷺ پر عمل نہ کرنا تکبر کی نشانی ہے:

تکبر نہ ہونے کی رٹ لگانے والے کے تکبر کی ایک اور بڑی علامت یہ ہے کہ جس کے دل میں تکبر نہیں ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے عمل پر اپنے عمل کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ آپ ﷺ کے عمل کو اپناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ۔ (الاحزاب: ۲۱)**

اور آپ ﷺ نے خود بھی اپنی اتباع کا حکم فرمایا ہے: **فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔**[1440]

دوسری حدیث میں ہے: **فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔** [1441]

لباس کے معاملے میں آپ ﷺ کی عادت مبارکہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپ ﷺ کے لباس کا طریقہ کار کیا ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس بارے میں کیا حکم دیا تھا کہ تہبند کتنی حد تک ہونا چاہیئے۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیه حلة حمراء کأنی انظر الی بریق ساقیه۔**[1442]

امام ابن ماجہ روایت فرماتے ہیں: **عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یلبس قمیصا قصیرا الیدین والطول۔** ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہفرماتے ہیں کہ آپ ﷺ چھوٹی آستینوں اور کم لمبائی والی قمیص زیب تن فرماتے تھے۔[1443]

ملا علی قاری لکھتے ہیں: **وفی روایة ابن عساکر عنه: کان یلبس قمیصا فوق الکعبین مستوی الکمین باطراف اصابعه۔** ابن عساکر کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایسی قمیص زیب تن فرماتے تھے کہ جو ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی اور اس کی آستینیں انگلیوں کے پوروں کے برابر ہوتی تھیں۔[1444]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسي، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

[1440] (حدیث صحیح اخرجه ابو داؤد والترمذی ومشکوۃ ص ۳۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1441] (صحیحین)

[1442] (متفق علیه)

[1443] (ابن ماجه ص ۲۶۴، کتاب اللباس، باب کم القمیص کم یکون)

[1444] (مرقات ص ۱۲۹ ج ۸ کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیه پشاور)

وكانت ثيابه كلها مشمرة فوق الكعبين ويكون الإزار فوق ذلك إلى نصف الساق۔

ترجمہ: اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر چڑھے ہوتے تھے، اور تہبند تو اس سے بھی اوپر یعنی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی۔[1445]

یہ تو آپ ﷺ کا اپنا عمل تھا کہ آپ ﷺ کی قمیص مبارک ہمیشہ ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی تو کیا تکبر لگانے والے سے یہ بھی ثابت کریں گے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں تھا اس لئے ان کا استثناء فرما کر تہبند نیچے ہونے پر کوئی وعید نہیں سنائی اور **(نعوذ باللہ)** آپ ﷺ کے دل میں تکبر تھا اس لئے خود بنفس نفیس اپنے لباس مبارک کو ہمیشہ ٹخنوں سے اونچا رکھا۔ **(العیاذ باللہ)**

معلوم ہوا کہ تکبر کی رٹ لگانے والے چونکہ فیشن ایبل دور میں رہ رہے ہیں اور ان کو اپنا بھرم بھی دکھانا ہے اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس غیر ارادی فعل کو اپنے لئے دلیل بنا کر سنتِ رسول ﷺ سے روگردانی کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں حالانکہ ایک طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر اختیاری فعل ہے جو صرف اور صرف ان کے ساتھ خاص ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ کا عمل مبارک ہے۔

کیا اس دور کے علماء واعظین (مقررین)، مدارس کے طلباء اور پیرزادے اس مرض ووبا (شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے) میں مبتلا نہیں ہیں؟

درج بالا وذیل دلائل کے مابین ناچیز نے اس مکروہ کام کے مرتکب علماء اور خواص کو جابجا متکبرین کے نام سے لکھا تو کیا ایسا نہیں ہے؟ اور کیا عوام کی بنسبت اکثر خواص اس مرض میں مبتلا نہیں ہیں؟ ناچیز (بریلوی مکتبہ فکر کے) ایک عظیم محدث مفتی ہند، اہلسنت محمد شریف الحق امجدی صاحب کی عبارات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مفتی صاحب موصوف **"باب ما اسفل من الكعبين"** کے تحت لکھتے ہیں: بطور عادت اور شوق ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے آج کل کے علماء خصوصاً واعظین اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلاء ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔[1446]

مفتی صاحب موصوف **"باب قول النبی ﷺ لو كنت متخذا خليلا"** میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تہبند والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں: آج کل مقررین و پیرزادگان کی عادت ہو گئی ہے کہ وہ پائجامے اور تہبند ٹخنوں کے نیچے تک لٹکائے رکھتے ہیں اور بہت سے لوگ آج کل علماء جبے بھی زمین پر گھسٹتے رہتے ہیں، ٹوکنے پر کہہ دیتے ہیں ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے (ان کا یہ کہنا درحقیقت اس ارشاد ربانی کی تردید ہے۔ **وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ۔ تَرْكُ الْمُوَاسَاةِ مَعَهُ، وَإِنْ لَمْ تَكُنِ الْمُوَاسَاةُ وَاجِبَةً. وَقَدْ يُذَمُّ الْمَرْءُ بِتَرْكِ النَّوَافِلِ لَا سِيَّمَا إِذَا أُسْنِدَ إِلَى النِّفَاقِ وَعَدَمِ الدِّينِ۔**[1447] یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر داروگیر مناسب نہیں، مگر ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عوام اس کو سخت معیوب مانتے ہیں حتیٰ کہ ان کی اکثریت یہ خیال کئے ہوئے ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں، ان مدعیان رہنمائی کو خبر نہیں کہ

[1445] (احیاء العلوم اخلاقه وآدابه فی اللباس ج ۲ ص ۱۵۲۸ المکتبة التوفیقیة القاهرة)

[1446] (نزهة القاری شرح بخاری، ص ۵۱۸، ج ۵، کتاب اللباس، فرید بکسٹال لاهور)

[1447] (التفسیر الکبیر ج ۳۲ ص ۳۰۲)

حدیث میں فرمایا گیا کہ **اتقوا مواضع التهم**، تہمت کی جگہوں سے بچو اور فرمایا: **ایاکم وما یعتذر منه**۔ ایسے کاموں سے بچو جس کا عذر بیان کرنا پڑے۔[1448]

نزہۃ القاری کی درج بالا عبارات سے تین مسائل کا استخراج ہوتا ہے:

ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے (اور فاسق کی وضع تشبیہ کی وجہ سے ناجائز ہے)۔

دوسرا یہ کہ آج کل کے علماء خصوصاً واعظین، پیرزادگان اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلا ہیں۔

تیسری بات یہ کہ ان علماء کی اس بات کی کوئی حیثیت نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ "ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر دارو گیر مناسب نہیں"، یہ ان کی اپنی من مانی ہے نہ کہ سنت نبوی ﷺ پر عمل کر کے اہل سنت اور سنی بننا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو سُنّی کہلانے والا ہر شخص پابندِ سنتِ مصطفی ﷺ نہیں ہوتا، کبھی کبھی وہ خلافِ سنت پر عمل کر کے بھی سنی کہلانے پر فخر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

بلکہ محسنِ کائنات، مربی عالم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا جن کی شلوار (یا تہبند) ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھیں اور اھل خواص کو تو شریعت کی پابندی اور بھی زیادہ ضروری ہے اسی وجہ سے ہمارے پیر و مرشد قدوۃ الاولیاء والعلماء شیخ المشائخ پیران پیر خواجہ خواجگان حضرت سیدنا و مرشدنا سیف الرحمٰن نوراللہ مرقدہٗ اپنے مریدین پر شریعت کے معاملے میں بہت ہی زیادہ سختی فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ مستحبات کے چھوڑنے پر بھی سرزنش فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ کاملین اولیاء کرام کا طرز و طریقہ ہے۔ جیسا کہ

حضرت علامہ امام عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

ثم لا يخفى عليك يا أخي أن من شأن أهل الله عز و جل كونهم يأخذون العهد على المريد بتركه المباح زيادة على الأمر و النهي طلب الترقية إذ المباح لا ترقي فيه من حيث ذاته وإنما هو أمر برزخي بين الأمر و النهي جعله الله تعالى مرتبة تنفيس للمكلفين يتنفسون به من مشقة التكليف إذ الإقبال على الله تعالى في امتثال الأمر و اجتناب النهي على الدوام ليس من مقدور البشر فأراد أهل الله تعالى للمريد أن يقلل من المباح جهده ويجعل موضعه فعل مأمور و اجتناب منهي أو مرغب في فعله أو تركه لأخذهم بالعزائم دون الترخيصات۔

ترجمہ: پھر اے بھائی تم پر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہنی چاہئے کہ اللہ والے لوگ اپنے مرید کی ترقی کے لئے اللہ کے امر و نہی کے علاوہ ان سے یہ عہد لیا کرتے ہیں کہ وہ صرف جائز ہونے والے کاموں سے رکے رہیں گے کیونکہ صرف جائز ہونے والے کام میں ذاتی طور پر اس کی ترقی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو امر و نہی کے درمیان ایک کام ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تسلی کا سبب بنایا ہوتا ہے جن پر اس کے احکام لاگو ہوتے ہیں چنانچہ ایسے مباح کاموں کی وجہ سے انہیں تسلی ملتی رہتی ہے کیونکہ ہمیشہ اللہ تعالی کے احکام پر عمل کرنے اور منع کی ہوئی باتوں سے رکتے ہوئے اللہ کی طرف توجہ کرنا کسی بندے کی ہمت میں نہیں ہوتا چنانچہ اللہ والے اپنے مرید کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نرے جائز کہلانے والے کاموں کی کوشش کم

[1448] (نزھۃ القاری شرح بخاری، ص ۵۶۹، ج ۴، کتاب المناقب، فرید بکسٹال لاھور)

سے کم کریں البتہ ان کی جگہ وہ کام کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا ان سے بچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہوا ہے یا جن کے کرنے اور چھوڑنے کا شوق دلایا گیا ہے تاکہ ایسے کام کر سکیں جن کا پختہ حکم ہے اور وہ کام نہ کریں جن میں ڈھیل دی گئی ہے۔یعنی عزیمت کو اختیار کریں۔[1449]

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

أن أهل الله عز و جل لا يسامحون المريد بارتكابه شيئا من المكروهات فضلا عن المحرمات الظاهرة أو الباطنة وأن طريقهم محررة على موافقة الكتاب والسنة كتحرير الذهب بخلاف مايظنه من لا علم له بطريقهم۔

ترجمہ: اللہ والے اپنے مرید کو مکروہ کام کرنے پر بھی معاف نہیں کیا کرتے چہ جائیکہ وہ ظاہری یا باطنی طور پر حرام کاموں میں پڑیں اور ان کا طور طریقہ کتاب و سنت کی طرح سنہری حروف میں لکھا ملتا ہے، وہ نہیں جیسے ان کے طریقے سے ناواقف لوگ بتاتے ہیں۔[1450]

جیسے کہ الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں۔

وبلغ من اعتناء الحق تعالىٰ بأحدهم: أنه كان يعاقب أحدهم على خلاف الأولىٰ۔

اور اللہ رب العزت کے فضل سے اولیاء اللہ پر یہ احسان ہے کہ اولیاء اللہ زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ وہ اپنے مریدین کو خلاف اولیٰ کام کرنے پر بھی سرزنش دیتے ہیں۔پس سنن اور مستحبات میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔[1451]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں۔

وكان الجنيد رضى الله تعالى يقول: طريق الفقهاء هى أساس طريقنا التى بنيت عليه ولكن زاد الصوفية على الفقهاء كثرة مراعاة العمل بالشريعة وعدم التساهل فى ترك العمل بشىء منها اى طريقهم ترك الرخص والتاويلات والاخذ بالعزائم والتمسك بالمندوب كالواجب واجتناب المكروه وخلاف الاولى كالحرام۔

ترجمہ: حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ فقہاء کا طریقہ یہی ہمارے طریقہ کی بنیاد ہے اور ہمارا طریقہ اسی بناء پر ہے لیکن صوفیاء فقہاء نے جو فضیلت حاصل کی وہ کثرت سے شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ صوفیاء ان میں سے کسی عمل میں سستی اختیار نہیں کرتے یعنی ان کا طریقہ رخصت کو چھوڑنا اور تاویلات کو ترک کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے اور مندوب کو لازم پکڑنا اور مستحب پر عمل کرنا ان کیلئے واجب کی طرح ہے اور مکروہ اور خلاف اولیٰ سے بچنا ان کے طریقے میں ایسے ہے جیسے کہ حرام سے بچنا۔[1452]

[1449] (لواقح الانوار القدسية فى بيان العهود المحمدية ج ا ص ۷۸، دار التقویٰ)

[1450] (لواقح الانوار القدسية فى بيان العهود المحمدية ج ا ص ۸۲، دار التقویٰ)

[1451] (الاجوبة المرضيه عن ائمة الفقهاء والصوفية ص ۱۴۱)

[1452] (الاجوبة المرضيه عن ائمة الفقهاء والصوفية ص ۱۲۷)

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں۔

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: الحق تعالی یمقت علی ترک الادب وعلی خلاف الاولی فضلاعن المکروہ والحرام۔

ترجمہ: اور سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ناراض ہوتا ہے اور جلال میں آتا ہے ادب کے چھوڑنے پر اور خلاف اولیٰ کام کرنے پر چہ جائیکہ کوئی مکروہ یا حرام کام کرے (یعنی اس پر تو اور بھی جلال میں آتا ہے اور ناراض ہوتا ہے) یعنی مستحب چھوڑنے پر جب قہر فرماتا ہے تو مکروہ اور حرام کے کرنے پر تو بطریق اولیٰ قہر فرماتا ہے۔[1453]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں۔

وسمعت سیدی علی المرصفی رحمہ اللہ تعالی یقول: لایصح لمرید قدم فی الارادۃ حتی یترک المباحات جملۃ ویجعل مکان مباح ترکہ فعل مأمور شرعیٔ من مندوب او اولی حتی یجتنب المباح کانہ خلاف الاولی ویجتنب خلاف الاولی کانہ منھی عنہ کراھۃ تنزیہ وحتی یجتنب الحرام کانہ کفر وحتی یفعل المندوب کانہ واجب ویفعل الاولی کانہ مندوب کل ذالک تعظیما لامر اللہ تعالی ونھیہ۔

ترجمہ: اور میں نے سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مرید کیلئے جب طریقت میں قدم رکھے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام کے تمام مباحات کو چھوڑ دے اور ہر وہ مباح جس کو اس نے چھوڑا ہے اس کی جگہ پر وہ مامور شرعی کام کرے جس کا تعلق مستحب یا اولیٰ سے ہو یہاں تک کہ یہ مباح سے اس طرح سے بچے جیسے کہ خلاف اولیٰ سے بچتا ہے اور خلاف اولیٰ سے اس طرح بچے گویا کہ اس کو اس سے منع کیا گیا ہو کراہت تنزیہی کی طرح اور یہاں تک مکروہ سے اسطرح بچے گویا کہ یہ حرام ہے اور حرام سے اس طرح بچے گویا کہ یہ کفر ہے اور یہاں تک کہ مستحب پر ایسا عمل کرے گویا کہ یہ واجب ہے اور اولیٰ کام کو اس طرح کرے گویا کہ یہ مستحب ہے یہ سب کچھ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تعظیم ہے۔[1454]

شیخ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبداللہ بن المبارک رضی اللہ تعالی عنہ من تھاون بالآداب عوقب بحرمان السنۃ ومن تھاون بالسنۃ عوقب بحرمان الواجبات ومن تھاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تھاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفۃ او کما قال۔

[1453] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ ص ۱۸۸)

[1454] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ ص ۱۹۰)

یعنی فرمایا عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی اسے معرفت خداوندی سے محرومی کی سزا ملے گی۔[1455]

کیا مکروہ تنزیہی کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ متقی پرہیز گار کے لیے بڑی بات ہے۔

حضرتِ عالی مقام امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

پس رعایتِ ادبی و اجتناب از مکروھی اگر چہ تنزیھی باشد فکیف کہ تحریمی بمراتب از ذکر و فکر و مراقبہ و توجہ بھتر باشد آرے این امور باین رعایت و اجتناب اگر جمع کند "فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْماً" و بدو نہ خرط القتاد۔

ترجمہ: لہٰذا ایک مستحب کی رعایت اور مکروہ سے بچنا، اگر چہ تنزیہی ہی ہو اور مکروہ تحریمی تو بطریق اولیٰ کئی مرتبے ذکر فکر اور مراقبہ اور توجہ سے بہتر ہے ہاں ہاں اگر یہ امور اس رعایت اور اس اجتناب کے ساتھ جمع کرے تو عظیم کامیابی حاصل کرلی۔ اس کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔[1456]

چھوٹے بڑے گناہوں کو معمولی نہ جانو

حضرت علامہ امام عبد الوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

(أخذ علينا العهد العام من رسول الله صلى الله عليه و سلم) أن لا نتهاون بارتكاب شيء من صغائر الذنوب فضلا عن كبائرها و لا بارتكاب شيء من مكروهاتها حتى خلاف الأولى منها و لا نصر على ذنب بل نتوب منه على الفور و ذلك لأن ارتكاب المعاصي و ما قاربها مع الإصرار يظلم به القلب حتى يصير لا يحن إلى فعل شيء فيه خير و تتفاوت الناس في مقدار ظلمة القلب بحسب مقاماتهم فربما أن بعض الناس لا يحس بظلمة القلب عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر و ربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الصغائر دون المكروهات و ربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر و ربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الضغائر دون المكروهات و ربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب المكروهات دون خلاف الأولى و لكل مقام رجال فكلما صفا القلب كلما ظهر فيه الظلمة و أدركها بصر صاحبها كالحبر على الورق و كلما تكدر القلب خفي فيه الظلمة و لم يدركها بصر صاحبها كالحبر على الفحم۔

فيحتاج من يريد العمل بهذا العهد إلى السلوك على يد شيخ ناصح يسد عليه جميع المخارس التي يدخل منها الشيطان و يشغله بالطاعات المتوالية حتى تتراكم عليه الأنوار و يخلص من سائر الذنوب و يدخل حضرة الإحسان فهناك لا يتهاون بذنب و لو خلاف الأولى فضلا عن المكروهات فضلا عن الصغائر فضلا عن الكبائر فإن أهل كل حضرة يساعدون بعضهم بعضا بمشاهدة بعضهم أحوال بعض و من هنا شرطوا في إتمام التوبة هجر إخوان السوء لئلا يزلزلوا توبته بمشاهدتهم لمعاصيهم و أمروا التائب أن يخالط أهل الطاعات ليشاهد

[1455] (تفسیر عزیزی، قطب الارشاد صفحہ ۱۴، مکتبہ قاسمیہ عوارف المعارف دار الکتب العلمیہ)

[1456] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب، ۲۹، ص، ۷۶، مکتبہ امدادیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

طاعاتهم وينقل نفسه من المعاصي والطباع تسرق من الجليس الأفعال التي يشاهدها منه من خير وشر ولو على طول فينتقل جميع ما في ذلک الجليس لک يا أخي فالعاقل من أتى البيوت من ابوابها (والله عليم، حكيم)

وقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه مرفوعا (إن العبد المؤمن إذا أخطأ خطيئة نكتت في قلبه نكتة سوداء فإن هو نزع واستغفر صقلت فإن عاد زيد فيها حتى تعلو قلبه فهو الران الذي ذكره الله تعالى بقوله (كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ) (المطففين، ۱۴) والنكتة: هي نقطة تشبه الوسخ في المرآة۔

روى الإمام أحمد والطبراني والبيهقي مرفوعا : إياكم ومحقرات الذنوب[1457] فإنهن يجتمعن على الرجل حتى تهلكه كمثل قوم نزلوا أرض فلاة فحضر صنيع القوم فجعل الرجل ينطلق فيجئ بالعود والرجل يأتي بالعود حتى جمعوا سوادا وأججوا نارا وأنضجوا ما قذف فيها۔

وروى النسائي بإسناد صحيح وابن حبان في صحيحه وغيرهما مرفوعا: إن الرجل ليحرم الرزق بالذنب يصيبه .

روى الطبراني عن ابن مسعود: إني لأحسب الرجل ينسى العلم كما تعلمه بالخطيئة يعملها۔

وروى البخاري وغيره عن انس رضي الله تعالى عنه قال : إنكم لتعملون أعمالا هي أدق في أعينهم من الشعر كنا نعدها على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من الموبقات يعني المهلكات۔

.وروى ابن حبان في صحيحه مرفوعا: لو أن الله يؤاخذني وعيسى بن مريم بذنوبنا لعذبنا ولا يظلمنا وأشار بالسبابة والتي تليها .وفي رواية: لو يؤاخذني الله وعيسى بن مريم بما جنت هاتان يعني الإبهام والتي تليها لعذبنا ثم لم يظلمنا شيئا۔

وروى الإمام أحمد والبيهقي مرفوعا: لو غفر لكم ما تأتون إلى البهائم لغفر لكم كثيرا .وفي رواية انه من كلام ابي الدرداء.وروى الحاكم وقال صحيح الإسناد أن عبد الله بن مسعود قرأ (وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى) ثم قال (كاد الجعل يعذب في جحره بذنب ابن آدم) والجعل بضم الجيم وفتح العين دويبة تكاد تشبه الخنفساء تدحرج الروث بأنفها۔

رسول اکرم ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ کرنے کو بھی معمولی نہ سمجھیں، نہ مکروہ کام کرنے کو معمولی جانیں اور نہ ہی زیادہ بہتر کے مقابلے میں کم درجہ کام کو معمولی بنائیں، یونہی کسی گناہ پر جمے نہ رہیں بلکہ فوراً اس سے توبہ کریں کیونکہ گناہ اور اس کے قریب قریب کام جم کر کرنے سے دل میں اندھیرا چھا جاتا ہے چنانچہ جو شخص کسی بہتر کام کی طرف جھکاؤ نہیں کرتا، پھر لوگوں کے دل ان کے اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق تاریک ہوتے ہیں چنانچہ کسی کو دل کی تاریکی کا پتہ بڑے گناہ کرنے ہی سے چلتا ہے، چھوٹوں پر نہیں، کئی ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اس تاریکی کے بارے میں اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ چھوٹے گناہ کرتے ہیں، مکروہ کاموں پر نہیں چلتا، کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جنہیں مکروہ کام کرنے پر پتہ چلتا ہے، خلاف اولیٰ کرنے پر نہیں کیونکہ بندے ہر طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ جس کا دل صاف ہو تو جب بھی اس میں تاریکی آتی ہے تو دل والے کی آنکھ اسے یوں دیکھتی ہے جیسے کاغذ پر سیاہی لگی ہو اور جب بھی دل پر میل ہو اور تاریکی کم ہو جائے تو اسے دل والے کی آنکھ یوں دیکھتی ہے جیسے کوئلے پر سیاہی لگی ہو چنانچہ جو اس ہدایت پر عمل کرنا چاہتا ہے، اسے ایسے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے جو نیک ہو اور شیطان کے داخل ہونے کے سب راستے بند کر دے اور

[1457] عن حميد ابن هلال ،قال :قال عبادة ابن قرط ''انكم تأتون اشياء هي ادق في اعينكم من الشعر، كنا نعدها على عهد رسول ﷺ ،الموبقات''قال :فذكر واذلک لمحمد، فقال'': صدق ،أرى جر الازار منه''(مسند احمد حديث ۲۰۷۵۰)

مسلسل اسے عبادتوں میں لگائے رکھے تاکہ اس پر انوار کی بارش شروع ہو جائے، وہ سب گناہوں سے پاک ہو جائے اور احسان کے مرتبہ میں چلا جائے، چنانچہ اس مقام پر پہنچ کر وہ خلاف اولیٰ سمیت کسی بھی گناہ کو معمولی نہیں جانے گا، مکروہات بلکہ بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ بھی ہلکے نہیں جانے گا کیونکہ ہر مقام والے ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ دوسروں کے حالات دیکھ رہے ہوتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر علماء نے توبہ کے پورا ہونے میں شرط لگائی ہے کہ برے بھائیوں کو چھوڑ دو تاکہ ان کے گناہ دیکھ کر اپنی توبہ کو خراب نہ کرلیں اور توبہ کرنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ عبادت کرنے والوں میں گھل مل کر رہیں تاکہ وہ ان کی عبادتوں کا مشاہدہ کریں اور اپنے آپ کو گناہوں سے نکال لیں کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ ہے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں سے اچھے برے وہ کام سیکھتا ہے جو ان کو کرتے دیکھتا ہے خواہ دیر ہی سے سیکھے چنانچہ اے بھائی! اس بیٹھنے والے ساتھی سے سب کچھ تمہارے پاس آجاتا ہے لہٰذا عقلمند وہ ہوتا ہے جو اصل راستے سے مقصد تک پہنچے۔ **واللہ علیم حکیم۔**

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے کہ "جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے چنانچہ اگر وہ اسے صاف کرتے ہوئے استغفار کرے تو وہ دھل جاتا ہے، اگر دوبارہ کرے تو زیادہ ہو جاتا ہے اور آخر اس کے دل کو گھیر لیتا ہے، چنانچہ یہ وہی "ران" ہے کہ جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔ "کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے، ان کی کمائیوں نے" اس نکتہ سے مراد وہ نقطہ ہے جو شیشے پر میل جیسا ہوتا ہے۔

امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "اپنے آپ کو حقیر گناہ کرنے سے بچاؤ کیونکہ یہ آدمی میں جمع ہو جاتے ہیں اور آخر کار اسے یوں ہلاک کر دیتے ہیں جیسے کچھ لوگ کہیں جنگل میں ٹھہریں اور کھانے کا وقت ہو جائے چنانچہ ایک شخص جا کر لکڑی لے آئے، دوسرا آدمی ایک اور لکڑی لائے اور یوں وہ گٹھا جمع کرلیں اور آگ جلا کر اس میں ڈالی چیز کو پکالیں۔"

نسائی اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "انسان گناہ کرلینے پر روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔"

امام طبرانی کے مطابق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ "میں اس آدمی کا خیال رکھتا ہوں جو علم سیکھ کر اس لئے بھلا دیتا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہوتا ہے۔"

حضرت امام بخاری کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی باریک ہوتے ہیں لیکن جنہیں ہم رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں تباہ کرنے والے سمجھتے تھے۔

ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "اگر بالفرض اللہ تعالیٰ مجھے اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو ہماری خطا کی وجہ سے پکڑ لے اور تکلیف دے تو اس میں اس کی طرف سے ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہو گا، پھر انگشت شہادت اور ساتھ والی انگلی کو ملا کر بتایا" (کہ اتنا ظلم بھی نہیں ہو گا)

ایک اور روایت میں ہے "اگر مجھے اور عیسیٰ بن مریم کو ان دونوں انگلیوں (انگوٹھا اور ساتھ والی انگلی) کی وجہ سے ہونے والی کوتاہیوں کے بدلے میں پکڑ کر تکلیف پہنچانا چاہے تو اس میں ہم پر ظلم نہیں ہو گا۔"

امام احمد اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے "اگر اللہ تعالیٰ تمہارا وہ گناہ معاف کر دے جو تم جانوروں کے ساتھ برائی کی وجہ سے کرتے ہو تو تمہارے بہت سے گناہ معاف کر دے گا۔"

امام حاکم کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں پڑھا "اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے کئے پر پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا لیکن ایک مقرر میعاد تک انہیں ڈھیل دیتا ہے۔" پھر فرمایا ہو سکتا ہے کہ جعل نامی (گودھا) کیڑے کو حضرت آدم علیہ السلام کی کوتاہی کی بناء پر عذاب دیتا۔[1458]

پھر اصل مقصد کی طرف چلتے ہیں

حافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی لکھتے ہیں: وعن عطاء بن یسار، عن بعض أصحاب النبی ﷺ قال: بینما رجل یصلی وهو مسبل ازاره، اذ قال له رسول الله ﷺ: "اذهب فتوضا" قال: فذهب فتوضا، ثم جاء فقال له رسول الله ﷺ: "اذهب فتوضا" ثم جاء فقال: یارسول الله، مالک أمرته یتوضأ ثم سکت عنه؟ فقال: "انه کان یصلی وهو مسبل ازاره وان الله تبارک و تعالیٰ لا یقبل صلاة عبد مسبل ازاره"۔

عطاء بن یسار بعض اصحابِ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور اور ابو داؤد شریف اور سنن الکبریٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ تو اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاؤ دوبارہ وضو کرو۔ وہ وضو کر کے آیا تو پھر اسے فرمایا جا پھر وضو کر۔ چنانچہ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اسے بار بار وضو کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں، تو تھوڑی دیر خاموشی کے بعد فرمایا کہ یہ شخص اپنا تہبند ٹخنوں کے نیچے کر کے نماز پڑھ رہا تھا، فرمایا اللہ تعالیٰ اسبال والے کی نماز قبول نہیں فرماتا۔"[1459]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

وَإِطَالَةُ الذَّيْلِ مَكْرُوهَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا۔

ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ازار کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔[1460]

اور السنن الکبریٰ میں اس حدیث کے آخر میں ہے:

[1458] (لواقح الانوار القدسیة فی بیان العهود المحمدیة، ج ۲ ص ۴۴۶، دار التقویٰ)

[1459] ("مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" جلد ۵، صفحه ۲۱۸، کتاب الباس) (السنن الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۴۲، باب کراهیة اسبال الازار فی الصلاة)، (ابو داؤد، کتاب الباس، ص ۵۶۵)

[1460] (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الستر، ج ۲، ص ۴۳۵، المکتبه الرشیدیه، سرکی روڈ، کوئٹه)

وفی الاحادیث الثابتة المطلقة فی النهی عن جر الازار دلیل علی کراهیته فی الصلاة وغیرها۔ ان احادیثِ مبارکہ سے ازار کے لٹکانے کی نہی مطلقاً ثابت ہوئی، چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ یعنی نماز کے اندر بھی شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے، اور نماز سے باہر بھی۔[1461]

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فی الفتاوی العتابیة: یکره للرجال لبس السراویل (المخرفة و) هی التی تقع علی ظهر القدمین۔

ترجمہ: فتاویٰ عتابیہ میں ہے مردوں کو ایسی شلوار پہننا جو پاؤں کی پشت تک لٹکتی ہو (یعنی جس کے پائنچے پاؤں کو مس کریں) مکروہ ہے۔[1462]

حضرت علامہ ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تقصیر الثیاب سنة، واسبال الازار والقمیص بدعة، ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق وهذا فی حق الرجال، واما النساء فیرخین ازارهن اسفل من ازار الرجال لیستر ظهر قدمهن۔ اسبال الرجل ازاره اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیه کراهة تنزیه کذا فی الغرائب۔

ترجمہ: لباس میں کپڑے کو کمی کے ساتھ رکھنا سنت ہے اور تہبند اور قمیص کا لٹکانا بدعت ہے، مناسب ہے کہ تہبند ٹخنوں سے اوپر نصف پنڈلی تک ہو۔ مگر یہ حکم مردوں کے لیے ہے اور عورتیں اپنے تہبند کو مردوں سے زیادہ لٹکائے رہیں تاکہ ان کے قدموں کی پیٹھ ڈھکی رہے۔ مرد کا اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر بوجہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ غرائب میں ہے۔[1463]

حضرت علامہ ابو الحسین بن علی بن محمد سغدی، حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

کل لِبَاس یکون علی خلاف السّنة یکون لبسه مَکْرُوها وَهُوَ مثل أَثْوَاب الْکفَّار واثواب الْفسق والفجور وَأهل الاشر والبطر مثل القرطق واسبال الازار وَتَطْوِیل الْکمّ وتوسیعه۔

ترجمہ: ہر خلاف سنت لباس پہننا مکروہ ہوتا ہے اور جیسے کفار کے کپڑے اور فسق و فجور کے کپڑے شریر اور متکبرین کے کپڑے، جیسے قرطق اور تہبند کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، اور آستین کو لمبا اور کھلا رکھنا۔[1464]

حضرت علامہ ابو عبد للہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

[1461] (شعب الایمان ج۵ ص ۱۴۵)

[1462] (فتاوٰی ھندیہ، کتاب الکراھیۃ الباب التاسع، ج۵، ص، ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی، فتاویٰ تاتار خانیہ، کتاب الکراھیۃ، الفصل فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالا یکرہ، ج۱۸، ۱۱۸، مکتبہ فاروقیہ، کوئٹہ، البحر الرئق شرح کنز الدقائق، کتاب الکراھیۃ، ج۸، ص، ۳۴۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، ج۹، ص، ۵۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[1463] (فتاوٰی ھندیہ، کتاب الکراھیۃ الباب التاسع، ج۵، ص، ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1464] (النتف فی الفتاوی، اللباس المکروہ، ج۱، ص، ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ودل الحديث علی ان النهی انما یتعلق خبره لهذاه العلة، فمن استعجل فجرّ ثوبه خلفه او کان ازاره لا یثبت علی کتفیه فلاحرج۔ وکذلک جر خیلاء علی الکفار فی الحرب لان فیه اعزاز الاسلام واحتقار عدوه۔ وروی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه کراهة ذلک فی، کل حال۔

ترجمہ: یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کی ممانعت تکبر کی وجہ سے ہے، سو جو شخص جلدی کی وجہ کپڑا گھسیٹ کر چلا، یا اس کا تہبند قائم نہیں رہتا اور پھسل کر نیچے آجاتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح میدانِ جنگ میں کفار کے سامنے تکبر سے تہبند لٹکانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں اسلام کی عزت اور دشمن اسلام کی تحقیر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہر حال میں کراہت منقول ہے۔[1465]

حضرت علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف سنوسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

معنی ما زاد فی النار اذا زاده خیلاء لانه مطلق فیراد الی المقید وان لم یکن خیلاء فهو مکروه۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کے لباس کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو گا وہ جہنم میں ہو گا، بشرطیکہ وہ تکبر کی بناء پر ہو، کیونکہ یہ حدیث مطلق ہے اس لیے اس کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور تکبر کی بناء پر لباس نہ لٹکایا گیا ہو تو پھر وہ مکروہ (تنزیہی) ہے۔[1466]

حضرت علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ویکره أن یکون ثوب الرجل إلی فوق نصف ساقه وتحت کعبه بلا حاجة۔

ترجمہ: اور بغیر حاجت کے مرد کا کپڑا نصف پنڈلی سے اوپر ہونا اور ٹخنوں سے نیچے ہونا مکروہ ہے۔[1467]

انور شاہ کشمیری، دیوبندی لکھتے ہیں:

وجرُّ الثوب ممنوعٌ عندنا مطلقًا، فهو إذن من أحکام اللباس، وقصرَ الشافعیةُ النهي علی قید المخیلة، فإن کان الجرُّ بدون التکبر، فهو جائز، وإذن لا یکون الحدیث من أحکام اللباس والأقرب ما ذهب إلیه الحنفیة، لأن الخُیَلاء ممنوع في نفسه، ولا اختصاص له، بالجرِّ، وأما قوله صلی الله علیه وسلّم لأبي بکر: «إنک لست ممن یجر إزاره خیلاء»، ففیه تعلیلٌ بأمر مناسب، وإن لم یکن مناطًا فعلة الإباحة فیه عدمُ الاستمساکِ إلا بالتعهد، إلا أنه زاد علیه بأمر یفید الإباحة، ویؤکدها. ولعل المصنف أیضًا یوافقنا، فإنَّه أخرج الحدیث في اللباس، وسؤال أبي بکر أیضًا یؤید ما قلنا، فإنَّه یدلُّ علی أنه حملَ النهي علی العموم، ولو کان عنده قیدُ الخیلاء مناطًا للنهي، لما کان لسؤاله معنًی. والتعلیل بأمر مناسب طریقٌ معهود. ولنا أن نقول أیضًا: إن جرّ الإزار خیلاء ممنوعٌ لمن یتمسک إزاره، فلیس المحطُّ الخیلاء فقط۔

[1465] (اکمال اکمال المعلم، کتاب اللباس والزینة، ج،۷، ص، ۲۳۲، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[1466] (مکمل اکمال اکمال، کتاب اللباس والزینة، ج،۷، ص، ۲۳۳، دار الکتب العلمیه، بیروت) ج،۵، ص، ۳۸۵، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[1467] (الاقناع فی فقه الامام احمد بن حنبل، فصل یکره فی الصلاة السدل، ج، ۱، ص، ۹۱)

ترجمہ: ہمارے نزدیک کپڑے کو گھسیٹنا مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ممانعت کو تکبر کی صورت میں منحصر کیا ہے اور تکبر کے بغیر کپڑا گھسیٹا جائے تو وہ جائز ہے اور اس وقت یہ حدیث احکام لباس سے نہیں ہو گی اور حق کے زیادہ قریب فقہاء احناف کا مذہب ہے، کیونکہ تکبر فی نفسہ ممنوع ہے اور اس کا کپڑا گھسیٹنے کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو فرمایا تھا کہ تم تکبر کی وجہ سے تہبند نہیں گھسیٹتے تو اس میں تکبر کو ایک مناسب علت کے طور پر بیان فرمایا ہے ہر چند کہ تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تہبند گھسیٹنے کے جواز کی علت یہ تھی کہ جب تک وہ خوب احتیاط سے تہبند نہ باندھیں ان کا تہبند پھسل جاتا تھا۔ البتہ عدم تکبر کو آپ نے ایک زائد علت کے طور پر بیان فرمایا جو جواز کیلئے مفید ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس مسئلہ کو پوچھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت بطور عموم تھی۔ (یعنی تکبر ہو یا نہ ہو تہبند گھسیٹنا ممنوع ہے) اور اگر انکے نزدیک یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوتی تو پھر ان کے سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوال کیا تھا: یارسول اللہ ﷺ! میرے تہبند کی ایک جانب پھسل جاتی ہے الا یہ کہ میں اس کو خوب احتیاط سے باندھوں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں۔[1468]

اور کسی مناسب امر کو بطور علت بیان کرنا معروف طریقہ ہے اور ہمارے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ تکبر سے تہبند گھسیٹنا اس شخص کے لئے ممنوع ہے جو مضبوطی سے تہبند باندھ سکتا ہو اس لئے فقط تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے۔[1469]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ٹخنوں سے نیچے پائچے رکھنا مردوں کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔)

الجواب: پائنچوں کا کعبین سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر راہ عجب و تکبر ہے تو قطعاً ممنوع و حرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد۔[1470]

علی الاطلاق وارد ہوا کہ اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بتکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہر گز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں۔ مگر علماء در صورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں۔[1471]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

[1468] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۴)

[1469] (فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج۶، ص۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[1470] (فتاویٰ رضویہ، ج۲۲، ص۱۶۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

[1471] (فتاویٰ رضویہ، ج۲۲، ص۱۶۷، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ نصف ساق (پنڈلی) تک پائچوں کا ہونا بہتر وعزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہیں تک ہوتی تھی۔[1472]

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: از قسم ازار (یعنی پائجامہ وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا، وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ [1473]

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے پیر کے جتنے حصہ پر تہبند وغیرہ لٹکا ہو گا وہ پورا حصہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ یہ عمل یعنی ٹخنے سے نیچے تہبند وغیرہ لٹکانا ایک مذموم عمل ہے اور دوزخیوں کا کام ہے۔ ٹخنے سے نیچے ازار وغیرہ لٹکانے کے مسئلہ میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں ان میں زیادہ تر ازار کے لٹکانے کا ذکر ہے اور ازار لٹکانے والے کے حق میں بہت سخت وعیدیں بھی بیان کی گئی ہے۔

بہر حال عزیمت یعنی اولی درجہ یہ ہے کہ ازار یعنی تہبند و پائجامہ کو نصف پنڈلی تک رکھا جائے کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا تہبند نصف پنڈلی ہی تک رکھتے تھے البتہ رخصت یعنی اجازت و آسانی کا درجہ ٹخنوں تک ہے کہ تہبند و پائجامے کو زیادہ سے زیادہ ٹخنوں تک رکھا جا سکتا ہے، کرتے و قمیص اور عباو شیروانی وغیرہ کے دامن کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح قمیص و کرتے وغیرہ کی آستینوں کی مسنون لمبائی یہ ہے کہ کہ وہ بند دست یعنی ہاتھ کے جوڑ تک ہوں عمامہ کا شملہ زیادہ سے زیادہ اتنا چھوڑا جانا چاہئے جو نصف پشت تک رہے، جو شملہ لمبائی یا چوڑائی میں اس سے زائد ہو گا وہ بدعت اور اس زائد لٹکانے میں شمار ہو گا جو ممنوع ہے، چنانچہ بعض علاقوں اور شہروں کے لوگ اپنے لباس میں جو زائد از ضرورت کپڑا استعمال کرتے ہیں، جیسے ضرورت سے زائد لمبی لمبی آستینوں اور وسیع و عریض دامنوں والے کرتے، کئی کئی گز کے پاجامے اور شلواروں اور بڑے بڑے عمامے اور پگڑی کا رواج بعض جگہ پایا جاتا ہے وہ خلاف سنت ہے بلکہ یہ زائد از ضرورت کپڑے صرف کرنا اگر تکبر و غرور کی نیت سے ہو گا تو اس کو حرام کہیں گے اور اگر لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کسی رواج کے تحت ہو گا تو اس کو مکروہ کہا جائے گا کپڑوں میں ضرورت سے زائد لمبائی چوڑائی رکھنا عورتوں کیلئے بھی ممنوع ہے مگر مردوں کی بہ نسبت ایک بالش یا دو بالش کے بقدر زائد ہونا جائز ہے، بلکہ اتنی زائد مقدار تو مستحب ہے جو پردہ پوشی کے بقدر ہو۔[1474]

اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لباس ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم فرمایا:

اب ہم وہ احادیث ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ مسلمان کے لباس کے لئے حد مقرر فرمائی کہ کپڑے کہاں تک رکھنے چاہیئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اپنے لباس کو آدھی پنڈلی یا اس سے نیچے مگر ٹخنوں سے اوپر تک رکھو۔

[1472] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۱۶۸، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

[1473] (بخاری)

[1474] (مظاہر حق ۴ جدید ص ۱۵۲۔۱۵۳)

مشکوۃ شریف اور السنن الکبریٰ میں ہے: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ مَا أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ» قَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «وَلَا يَنْظُرُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تہبند اس کی آدھی پنڈلیوں تک ہوں اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں جو اس سے نیچے ہو گا وہ آگ میں ہو گا، یہ تین بار فرمایا، اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا جو فخریہ طور پر اپنا تہبند نیچا رکھے گا۔[1475]

نسائی اور ابو داؤد شریف میں ہے: عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال سول اللہ ﷺ ثلاثۃ لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولھم عذاب الیم المنان بما اعطاہ والمسبل ازارہ والمنفق سلعتہ بالحلف الکاذب۔ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین اشخاص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔ (۱) دینے کے بعد احسان جتلانے والا، (۲) اپنی تہبند لٹکانے والا، (۳) جھوٹی قسم سے اپنے مال واسباب کو رواج (شہرت) دینے والا۔[1476]

امام مسلم اور امام ابی بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی روایت کرتے ہیں: عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مررت برسول اللہ ﷺ وفی ازاری استرخاء فقال: یا عبداللہ: ارفع ازارک فرفعتہ ثم قال زد فزدت فمازلت اتحراھا بعد فقال بعض القوم الی این؟ قال الی انصاف الساقین۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا حالانکہ میرے تہبند میں درازی تھی، تو فرمایا اپنا تہبند اونچا کرو، میں نے اونچا کر لیا، فرمایا اور زیادہ اونچا کرو، میں نے اور زیادہ اونچا کر لیا پھر میں اس کا خیال رکھتا رہا تو بعض قوم نے کہا کہ کہاں تک رہے؟ فرمایا کہ آدھی پنڈلیوں تک۔[1477]

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: وروی احمد عن انس مرفوعا: الازار الی نصف الساق او الی الکعبین لا خیر فی اسفل من ذلک۔ حضرت انس نے مرفوع روایت بیان کی کہ تہبند (شلوار وغیرہ) آدھی پنڈلی یا ٹخنوں کے اوپر تک ہونی چاہئے اس سے نیچے کرنے میں کوئی خیر نہیں ہے۔[1478]

[1475] (مشکوٰۃ ص ۳۷۴، کتاب الباس، الفصل الثانی، قدیمی، کراچی، سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۴۶، باب موضع الازار من الرجل)

[1476] نسائی ص ۲۹۴ ج ۲ ابو داؤد ۲۱۰، ج ۲، مسلم رقم الحدیث ۳۰۶ کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن بالعطیۃ الخ واللفظ لہ۔ ورواہ ابو داود، باب ماجآء فی اسبال الازار، سنن نسائی حدیث ۲۵۶۲، ابن ماجہ حدیث ۲۱۹۹، مسند احمد حدیث ۲۱۳۱۸، مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی جر الازار، سنن دارمی حدیث ۲۶۶۰، شعب الایمان للبیھقی حدیث ۴۵۱۰، صحیح ابن حبان حدیث ۴۹۰۷، مسند بزار حدیث ۴۰۲۴، (ثلاثة) من الناس (لا یکلمھم اللہ) تکلیم رضی عنھم أو کلاما یسرھم أو لا یرسل لھم الملائکة بالتحیة وملائکة الرحمة ولما کان لکثرة الجمع مدخل عظیم في مشقة الخزي قال (یوم القیامة) الذي من افتضح في جمعه لم یفز (ولا ینظر إلیھم) نظر رحمة وعطف ولطف (ولا یزکیھم) یطھرھم من الذنوب أو لا یثني علیھم (ولھم عذاب ألیم) مؤلم یعرفون به ما جھلوا من عظمته واجترحوا من مخالفته۔ (فیض القدیر للمناوی ج ۳ ص ۳۲۹ رقم الحدیث ۳۵۳۸)

[1477] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۵، کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب الخ، قدیمی کراچی)

[1478] (مرقات، ج ۸، ص ۱۴۰، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ پشاور)

اور اس حدیث شریف کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفی هذه الأحاديث أن إسبال الإزار للخيلاء كبيرة وأما الإسبال لغير الخيلاء فظاهر الأحاديث تحريمه أيضا لكن استدل بالتقييد فی هذه الأحاديث بالخيلاء على أن الإطلاق فی الزجر الوارد فی ذم الإسبال محمول على المقيد هنا فلا يحرم الجر والاسبال إذا سلم من الخيلاء۔ قال ابن عبد البر مفهومه أن الجر لغير الخيلاء لا يلحقه الوعيد إلا أن جر القميص وغيره من الثياب مذموم على كل حال فأما لغير الخيلاء فيختلف الحال فإن كان الثوب على قدر لابسه لكنه يسدله فهذا لا يظهر فيه تحريم ولا سيما ان كان عن غير قصد كالذی وقع لأبی بكر (رضی الله تعالىٰ عنه) وان كان الثوب زائدا على قدر لابسه فهذا قد يتجه المنع فيه من جهة الإسراف فينتهی إلى التحريم وقد يتجه المنع فيه من جهة التشبه بالنساء وهو أمكن فيه من الأول وقد صحح الحاكم من حديث أبی هريرة أن رسول الله ﷺ لعن الرجل يلبس لبسه المرأة وقد يتجه المنع فيه من جهة أن لابسه لا يأمن من تعلق النجاسة به وإلى ذلک يشير الحديث الذی أخرجه الترمذی فی الشمائل والنسائی من طريق أشعث بن أبی الشعثاء وأسم أبيه سليم المحاربی عن عمته واسمها رهم بضم الراء وسكون الهاء وهی بنت الأسود بن حنظلة عن عمها واسمه عبيد بن خالد قال كنت أمشی وعلی برد أجره، فقال لی رجل أرفع ثوبک فإنه أنقی وأبقی فنظرت فإذا هو النبی صلى الله عليه وسلم فقلت إنما هی بردة ملحاء فقال أما لک فی أسوة قال فنظرت فإذا إزاره إلى أنصاف ساقيه وسنده قبلها جيد وقوله ملحاء بفتح الميم وبمهملة قبلها سكون ممدودة أی فيها خطوط سود وبيض وفی قصة قتل عمر أنه قال للشاب الذی دخل عليه أرفع ثوبک فإنه أنقی لثوبک وأتقی لربک وقد تقدم فی المناقب ويتجه المنع أيضا فی الإسبال من جهة أخرى وهی كونه مظنة الخيلاء وحاصله أن الإسبال يستلزم جر الثوب وجر الثوب يستلزم الخيلاء ولو لم يقصد اللابس الخيلاء ويؤيده ما أخرجه أحمد بن منيع من وجه آخر عن بن عمر فی أثناء حديث رفعه وإياک وجر الإزار فإن جر الإزار من المخيلة۔

ترجمہ: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر سے تہبند لٹکانا گناہ کبیرہ ہے، اور بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا بھی بظاہر احادیث سے حرام ہی معلوم ہوتا ہے لیکن احادیث میں جو تکبر کی قید لگائی گئی ہے اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن احادیث میں تہبند لٹکانے سے مطلقاً منع کیا ہے وہ بھی تکبر سے لٹکانے پر ہی محمول ہیں، لہٰذا بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا حرام نہیں ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے تہبند لٹکانے پر وعید ہے البتہ قمیص اور دیگر کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہر حال میں مذموم ہے۔

اگر کسی شخص کا لباس بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو اس کا حال مختلف ہے اگر وہ کپڑا اس کے ٹخنوں کے نیچے لٹک رہا ہو لیکن وہ کپڑا پہننے والے کے قد اور اس کی قامت کے برابر ہو تو اس سے حرام ہونا ظاہر نہیں ہو گا، خصوصاً جبکہ بلا قصد ایسا ہو (یعنی غیر ارادی طور پر تہبند یا شلوار پیٹ سے پھسل کر ٹخنوں سے نیچے لٹک گئی ہو) جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اس طرح واقع ہوا، اور اگر کپڑا پہننے والے کے قد اور قامت سے زائد ہو تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس کو حرام کہا جائے گا اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے، اور یہ پہلی وجہ سے زیادہ قوی وجہ ہے، کیونکہ امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس کی نوع کا لباس پہنتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس طرح کا لباس پہننے والا اس خدشہ سے محفوظ نہیں ہو گا کہ اس کے لباس پر نجاست لگ جائے (کیونکہ اس کا لباس قدموں کے نیچے گھسٹ رہا ہوتا ہے) اور اس ممانعت کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے جس کو امام ترمذی نے شمائل (رقم: ۱۲۱) میں اور امام نسائی نے سنن کبریٰ (رقم: ۹۶۸۲، ۹۶۸۳) میں حضرت عبید بن خالد

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک تہبند باندھے ہوئے جارہا تھا اور وہ تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا ناگاہ ایک شخص نے فرمایا: اپنا کپڑا اوپر اٹھاؤ اس میں زیادہ صفائی اور زیادہ بقا ہے، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! یہ تو ایک سیاہ اور سفید دھاریوں والا تہبند ہے (یعنی اس معمولی کپڑے میں تکبر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے میری شخصیت میں نمونہ نہیں ہے؟ میں نے دیکھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھی پنڈلیوں تک تہبند باندھا ہوا تھا۔[1479]

اور اس وجہ سے بھی ممنوع ہے کہ کپڑے گھسیٹنے میں تکبر کی بدگمانی ہوتی ہے۔ قامت سے نیچے کپڑا لٹکانا کپڑا گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹا تکبر کو مستلزم ہے خواہ پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت احمد بن منیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم تہبند کو گھسیٹنے سے بچو کیونکہ تہبند گھسیٹنا تکبر سے ہے۔[1480]

أَبِي أُمَامَةَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ لَحِقَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ الْأَنْصَارِيُّ فِي حُلَّةٍ إِزَارٍ وَرِدَاءٍ قَدْ أَسْبَلَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ بِنَاحِيَةِ ثَوْبِهِ وَيَتَوَاضَعُ لِلَّهِ وَيَقُولُ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَأَمَتِكَ حَتَّى سَمِعَهَا عَمْرٌو فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي حَمْشُ السَّاقَيْنِ فَقَالَ يَا عَمْرُو إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ يَا عَمْرُو إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْبِلَ الْحَدِيثَ۔

ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکفہ تحت رکبۃ نفسہ فقال: یا عمرو بن زرارۃ ھذا موضع الإزار ثم رفعھا ثم وضعھا تحت ذلک فقال: یا عمرو بن زرارۃ ھذا موضع الإزار ثم رفعھا ثم وضعھا تحت ذلک فقال: یا عمرو بن زرارۃ ھذا موضع الإزار۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے کہ حضرت عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند اور چادر کے لباس میں ملبوس اس حالت میں حاضر ہوئے کہ تہبند ٹخنوں کے نیچے تھا تو رسول اللہ ﷺ اس کے کپڑے کے کنارے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ دعا فرمانے لگے: اے للہ! تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا اور تیری کنیز کا بیٹا ہے یہاں تک کہ حضرت عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو سنا تو نبی کریم ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں زیادہ باریک پنڈلیوں والا ہوں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی بڑی اچھی تخلیق فرمائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تہبند لٹکانے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ہتھیلی (چار انگلیوں) کو اپنے گھٹنے کے نیچے رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کے نیچے (چار انگلیاں) رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کو اس کے نیچے (چار انگلیاں) رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے۔[1481]

[1479] (مسند احمد، ج۵، ص۳۶۴)

[1480] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵-۳۲۴، دار السلام)

[1481] (المعجم الکبیر رقم ۷۹۰۹ ج۸ ص ۲۳۲ مسند الشامیین ج ۲ ص ۲۲۷ فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وظاهره أن عمرو المذكور لم يقصد بإسباله الخيلاء وقد منعه من ذلك لكونه مظنة۔

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور نے اپنے (کپڑے) لٹکانے میں تکبر کا قصد نہیں کیا اور اس کو لٹکانے سے منع فرمایا کیونکہ اس سے بدگمانی ہوتی ہے۔[1482]

درج ذیل عبارت کئی شارحین نے لکھی:

وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ: لَا يَجُوزُ لِرَجُلٍ أَنْ يُجَاوِزَ بِثَوْبِهِ كَعْبَيْهِ وَيَقُولَ لَا أَتَكَبَّرُ بِهِ؛ لِأَنَّ النَّهْيَ قَدْ يَتَنَاوَلُهُ لَفْظًا، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَنَاوَلَهُ اللَّفْظُ حُكْمًا فَيَقُولُ إِنِّي لَسْتُ مِمَّنْ يُسْبِلُهُ؛ لِأَنَّ تِلْكَ الْعِلَّةَ لَيْسَتْ فِي فَإِنَّهُ مُخَالِفٌ لِلشَّرِيعَةِ وَدَعْوَى لَا تُسَلَّمُ لَهُ بَلْ مِنْ تَكَبُّرِهِ يُطِيلُ ثَوْبَهُ وَإِزَارَهُ فَكَذِبُهُ فِي ذَلِكَ مَعْلُومٌ قَطْعًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "شرح الترمذی" میں فرمایا: مرد کو جائز نہیں کہ اس کا کپڑا اس کے ٹخنوں سے نیچے ہو اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں تکبر کی نیت سے نیچے نہیں رکھتا، کیونکہ الفاظ کے اعتبار سے نہی اس پر مشتمل ہے، اور حکم کے اعتبار سے اس کو لفظ کا شامل ہونا جائز نہیں ہے، اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو اس کو لٹکاتے ہیں، کیونکہ مجھ میں وہ علت نہیں ہے، پس بے شک وہ شریعت کے مخالف ہے اور اس کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا اپنے کپڑے اور تہبند کو لمبا کرنا ہی اس کے متکبر ہونے سے ہے، تو اس کا اس میں جھوٹا ہونا قطعاً معلوم ہے۔

(جہاں لفظ نہی شامل ہو وہاں اس کی تعلیل بیان کرنا دعوی بلا دلیل ہے۔ بلکہ دامن کا لمبا کرنا تکبر پر دلیل ہے)[1483]

محمد ابن الشیخ علامہ علی بن آدم بن موسیٰ ایتوبی ولولوی، مدرس دار الخیر یہ مکہ مکرمہ، لکھتے ہیں:

هذا الذى قاله ابن العربى رحمه الله تعالى هو عين التحقيق، الذى لا يستقيم غيره مع هذه النصوص الظاهرة فى التحريم، وحاصله أن الاسبال يستلزم جر الثوب، وجر الثوب يستلزم الخيلاء، ولو لم يقصد اللابس الخيلاء، فيحرم عليه، كما دلّت على ذلك ظواهر النصوص الواردة فى النهى عن الاسبال۔

[1482] (فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۲۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1483] (طرف التشریب ج ۹ ص ۳۵، ۳۴ فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۶۴، ۲۶۳ تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۴۰۵ داراحیاء التراث العربی بیروت سبل السلام باب الادب ج ۴ ص ۱۵۸ عون المعبود ج ۱۱ ص ۷۶ داراحیاء التراث العربی بیروت نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۲ حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۸۶۱)

ترجمہ: یہ جس کو ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے یہی عینِ تحقیق ہے، جو تحریم ان ظاہری نصوص کے ساتھ ہے اس کے علاوہ درست نہیں ہو سکتا، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے لٹکانا کپڑے کے گھسیٹنے کو مستلزم ہے، اور کپڑے کو گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے، اگرچہ لباس پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، تو اس پر حرام ہو گا، جیسا کہ لٹکانے کے متعلق نہی کے بارے میں نصوصِ واردہ کا ظاہر اس پر دلیل ہے۔[1484]

محمد ابن الشیخ العلامۃ علی بن آدم بن موسی الأیتوبی الوَلّوِیْ، مدرس "دار الخیریّۃ مکۃ المکرمۃ" لکھتے ہیں:

قد تلخّص مما ذُکر من الأدلۃ أن جرّ الازار تحت الکعبین حرام، ولو لم یکن بقصد الخیلاء، لأنہ ﷺ جعلہ من المخیلۃ، وأما بقصد الخیلاء، فھو أشدّ تحریماً، ولہ الوعید المذکور فی حدیث الباب، وأما ماتقدّم من قول النوویؒ: انہ مکروہ تنزیھاً، فلایخفی ضعفہ، فتبصّر۔

ترجمہ: تحقیق جن دلائل کو ذکر کیا گیا ان کی تلخیص یہ ہے کہ بے شک تہبند کو ٹخنوں کے نیچے گھسیٹنا حرام ہے، اگرچہ تکبر کے ارادہ سے نہ ہو، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو تکبر سے بتایا ہے، اگر تکبر کے ارادہ سے ہو، تو زیادہ سخت حرام ہے، اور باب حدیث میں مذکور وعید اس کے لیے ہو گی اور رہا وہ جو امام نووی کے قول میں سے پہلے گزرا وہ مکروہ تنزیہی ہے، پس اس کا ضعیف ہونا مخفی نہیں ہے، فتبصر۔[1485]

محمد ابن الشیخ العلامۃ علی بن آدم بن موسی الأیتوبی الوَلّوِیْ، مدرس "دار الخیریّۃ مکۃ المکرمۃ" لکھتے ہیں:

وخلاصۃ القول فی ھذہ المسألۃ أن الاسبال محرّم مطلقاً، سواء کان خیلاء، وھو أشد تحریما، أم لا۔

اور اس مسئلہ میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ (کپڑا، یا تہبند، شلوار) لٹکانا مطلقاً حرام ہے، باعتبار تکبر ہو یا بغیر تکبر کے ہو۔ باعتبار تکبر ہو تو زیادہ سخت حرام ہے۔[1486]

شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وازار آنحضرت ﷺ از بالائے ناف تا فوق کعبین بودہ و اینقدر سنت و از ناف تا زانو ستر فرض ست و بعضے ناف را در عورت نگرفتہ اند چرا کہ ناف حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنھما را آنحضرت ﷺ بوسیدہ اند وھمبریں قیاس سراویل کہ در عجم متعارفست وآنرا شلوار میگوئند بمقدار ازار آنحضرت ﷺ باید اگر زیر شتالنگ باد وسہ چین واقع شود بدعت و گناہ ست و در حدیث آمدہ کہ گفت رسول علیہ الصلوۃ والسلام: "لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطرا" یعنی نظر نمیکند خدائے تعالی جلشانہ روز قیامت سوئے کسے کہ بکشد ازار خود را و دراز ازار سازد بطریق تکبر و اسراف وطغیان نعمت و ازیں قید معلوم میشود کہ اگر از روئے تکبر نباشد و بجھت عذرے باشد مثل مرض وردقت کردہ بود و نزد فقھا ازار کہ فروتر از شتالنگ باشد حرام است و بدعت ست محض چنانچہ فرمود رسول علیہ الصلوۃ والسلام: "من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ" وقال علیہ الصلوۃ والسلام: "ماأسفل من الکعبین من الازار فھو فی النار"۔

[1484] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینۃ، ج، ۳۹، ص، ۹۲ دار المعراج للنشر الریاض المکۃ العربیۃ السعودیۃ)

[1485] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینۃ، ج، ۳۹، ص، ۹۳، دار المعراج للنشر، الریاض المکۃ العربیۃ السعودیۃ)

[1486] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینۃ، ج، ۳۹، ص، ۹۳، دار المعراج للنشر، الریاض المکۃ العربیۃ السعودیۃ)

ترجمہ: اور آنحضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تہبند مبارک ناف کے اوپر سے ٹخنوں کے اوپر تک ہوتا تھا اور اسی قدر مسنون ہے اور ناف (کے نیچے) سے گھٹنوں (کے نیچے) تک ستر (یعنی ڈھانکنا) فرض ہے، بعض نے ناف کو ستر عورت (یعنی جس کا چھپانا فرض ہے) قرار نہیں دیا کیونکہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ناف کو آنحضرت ﷺ نے بوسہ دیا ہے۔ اسی قیاس پر سراویل (پاجامہ یا شلوار) ہے۔ جو سراویل عجم میں متعارف ہے اسے شلوار کہتے ہیں وہ آنحضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازار کی مقدار کے برابر ہونی چاہئے اگر ٹخنوں سے دو تین شکن نیچے ہو تو بدعت و گناہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خدائے عزوجل بروز قیامت اس شخص کی جانب نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جو ازراہ تکبر، فضول خرچی اور نعمت کی ناشکری کے طور پر اپنی چادر گھسیٹے اور اسے لمبا کرے۔ اس قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر (چادر کا لمبا ہونا) ازروئے تکبر کے نہ ہو بلکہ کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً (چادر کو) مرض اور تکلیف کی وجہ سے لمبا کیا ہو (تو حرج نہیں)۔ اور فقہا کے نزدیک ازار (تہبند) جو ٹخنوں سے نیچے ہو حرام ہے اور محض بدعت ہے چنانچہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''جو شخص بطور تکبر اپنا کپڑا گھسیٹے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظر (عنایت) نہیں فرمائے گا''۔ اور فرمایا: ''تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ کی آگ میں ہے''۔[1487]

عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز لکھتے ہیں:

اسئلة متفرقة والأجوبة عليها حكم إطالة الثوب سواء كان للخيلاء أو بحكم العادة۔

س. ما حكم إطالة الثوب إن كان للخيلاء أو لغير الخيلاء؟ وما الحكم إذا اضطر الإنسان إلى ذلك سواء إجبارا من أهله إن كان صغيرا أو جرت العادة على ذلك؟

الجواب: حكمه التحريم في حق الرجال، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: «ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار» رواه البخاري في صحيحه، وروى مسلم في الصحيح عن أبي ذر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم: المسبل إزاره، والمنان فيما أعطى، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. وهذان الحديثان وما في معناهما يعمان من أسبل ثيابه تكبرا أو لغير ذلك من الأسباب، لأنه صلى الله عليه وسلم عمم وأطلق ولم يقيد، وإذا كان الإسبال من أجل الخيلاء صار الإثم أكبر والوعيد أشد لقوله صلى الله عليه وسلم: «ومن جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة» ولا يجوز أن يظن أن المنع من الإسبال مقيد بقصد الخيلاء، لأن الرسول لم يقيد ذلك عليه الصلاة والسلام في الحديثين المذكورين آنفا، كما أنه لم يقيد ذلك في الحديث الآخر وهو قوله لبعض أصحابه «وإياك والإسبال فإنه من المخيلة، فجعل الإسبال كله من المخيلة، لأنه في الغالب لا يكون إلا كذلك، ومن لم يسبل للخيلاء فعمله وسيلة لذلك، والوسائل لها حكم الغايات، ولأن ذلك إسراف وتعريض لملابسه للنجاسة والوسخ، ولهذا ثبت عن عمر رضي الله عنه أنه لما رأى شابا يمس ثوبه الأرض قال له: ارفع ثوبك فإنه أتقى لربك وأنقى لثوبك. أما قوله لأبي بكر الصديق رضي الله عنه لما قال: «يا رسول الله إن إزاري يسترخي إلا أن أتعاهده فقال له صلى الله عليه وسلم: إنك لست ممن يفعله خيلاء» فمراده صلى الله عليه وسلم أن من يتعاهد ملابسه إذا استرخت حتى يرفعها لا يعد ممن يجر ثيابه خيلاء لكونه لم يسبلها، وإنما قد تسترخي عليه فيرفعها ويتعاهدها ولا شك أن هذا معذور، أما من يتعمد إرخاءها سواء كانت بشتا أو سراويل أو إزارا أو قميصا فهو داخل في الوعيد وليس معذورا في إسباله ملابسه، لأن الأحاديث الصحيحة المانعة من الإسبال تعمه بمنطوقها وبمعناها ومقاصدها فالواجب

[1487] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس، ص، ۴۷، ۴۶، ۴۵، رسالہ ضیاء القلوب فی لباس المحبوب، خلاصۃ الفتاوی، ج، ۳، ص، ۱۵۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

على كل مسلم أن يحذر الإسبال وأن يتقي الله في ذلک، وألا تنزل ملابسه عن كعبه عملا بهذا الحديث الصحيح، وحذرا من غضب الله وعقابه. والله ولي التوفيق۔

سوال: کپڑا دراز یعنی لمبے کپڑے رکھنے کا کیا حکم ہے۔ خواہ یہ تکبر کے طور پر یا بغیر تکبر ہو اور جب انسان اس کام پر مجبور ہو تو پھر کیا حکم ہے۔ خواہ اس کے گھر والے اسے مجبور کرتے ہوں اگر وہ چھوٹا ہو، یا عادت ہی ایسی رائج ہو گئی ہو؟

جواب: مردوں کے لئے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہو گا۔ (بخاری ، مسلم) رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن تین شخصوں سے نہ اللہ کلام کرے گا نہ انکی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔ ایک اپنا تہبند لٹکانے والا، دوسرا دے کر احسان جتلانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔ یہ دونوں حدیثیں اور دوسری حدیثیں جو ان معنوں میں آئی ہیں، ہر طرح کے کپڑے لٹکانے والے کو عام ہیں۔ خواہ وہ تکبر سے لٹکائے یا کسی اور وجہ سے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علی الاطلاق فرمایا ہے اسے مقید نہیں کیا اور جب کپڑا لٹکانا ازراہ تکبر ہو تو یہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے جس کی سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ اور یہ خیال کرنا کہ کپڑا لٹکانا صرف اس صورت میں منع ہے کہ ازراہ تکبر ہو، درست نہیں ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حدیثوں میں اس چیز کی کوئی قید نہیں لگائی ۔ جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گویا آپ نے کسی طرح بھی، لٹکانے کی وجہ تکبر ہی قرار دی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات معاملہ ایسا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کی وجہ سے نہ لٹکائے تو یہ بھی تکبر کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کا حکم غایت کا حکم ہوتا ہے۔ یہ کام اسلئے بھی حرام ہے کہ اس میں اسراف ہے اور اپنے لباس کی نجاست اور میل کچیل پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ جب وہ کسی نوجوان کو دیکھتے کہ اس کا کپڑا زمین کو چھو رہا ہے تو اسے فرماتے: "اپنا کپڑا اونچا کر لے۔ یہ تیرے پروردگار کے لئے تقوی اور تیرے کپڑے کے لئے صفائی والا کام ہے"۔ رہا آپ ﷺ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ارشاد۔ جب انہوں نے کہا: "اے اللہ کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرا تہبند سرک جاتا ہے الا یہ کہ میں اسے باندھتا رہوں"۔ تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: "آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں"۔ اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جب تہبند ڈھیلا ہو جائے تو وہ شخص باندھ لے حتیٰ کہ وہ اونچا ہو جائے، وہ ان میں شمار نہ ہو گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہیں کیونکہ اس نے اسے لٹکایا نہیں اور جس شخص کا کپڑا ڈھیلا ہو جاتا ہو اور پھر وہ اسے اونچا کرتا اور باندھتا رہے، بلاشبہ وہ معذور ہے۔ مگر جو شخص دانستہ اسے لٹکائے خواہ یہ چغہ (عبایا) ہو یا پاجامہ یا تہبند یا قمیص ہو، وہ اس وعید میں داخل ہے اور وہ اپنا لباس لٹکانے میں معذور نہیں ہے کیونکہ جو احادیث صحیحہ کپڑا لٹکانے کی ممانعت میں آئی ہیں، اپنے مفہوم و معنی اور مقاصد کے اعتبار سے عام ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ کپڑا لٹکانے سے بچے اور اس معاملہ میں اپنے پروردگار سے ڈرے اور ان صحیح احادیث پر عمل کرتے ہوئے اپنا لباس ٹخنے سے نیچے نہ لٹکائے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکے عذاب سے ڈرے۔۔۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔[1488]

[1488] (مجموع فتاویٰ ابن باز، اطالۃ الثوب، ج، ٦، ص، ٣٨٣، ٣٨٢)

قال يحرم على الرجل أن يجاوز بثوبه الكعبين ويستحب أن يكون في أنصاف الساق إلى ما فوق الكعبين ففي الصحيح سترة المؤمن إلى أنصاف ساقيه فإن زاد فإلى الكعبين فما زاد ففي النار۔

فرمایا: مرد پر اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور ٹخنوں کے اوپر سے لے کر نصف پنڈلی تک مستحب ہے، پس صحیح (قول) میں مومن کا پردہ نصف پنڈلیوں تک ہے اگر زیادہ کرے تو ٹخنوں تک ہے، پھر جو زیادہ کرے تو وہ حصہ دوزخ میں جائے گا۔ [1489]

ابو مالک کمال بن سید سالم، لکھتے ہیں:

فالحاصل أن إسبال الثوب تحت الكعبين حرام ويستحق فاعله أن يُعذَّب، ما تحت الكعبين في النار -

ترجمہ: پس حاصل کلام یہ ہے کہ کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، اور کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا عذاب کا مستحق ہے، جو ٹخنوں سے نیچے ہے وہ آگ میں ہے۔ [1490]

محمد بن صالح عثیمین لکھتے ہیں:

واختلف العلماء في صحة صلاته، فمنهم من قال: إن صلاته صحيحة لكنه آثم بإسبال ثوبه، ومنهم من قال: إن صلاته غير صحيحة؛ لأنه لبس ثوباً محرماً والراجح أن صلاته صحيحة، لكنه آثم بالإسبال۔

ترجمہ: اور ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، پس بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح ہے لیکن ٹخنوں سے نیچے اپنے کپڑے کو لٹکانے والا گناہ گار ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس نے حرام لباس پہنا ہے، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح ہے، لیکن ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا گناہ گار ہے۔ [1491]

سعید بن علی بن وھف قحطانی، لکھتے ہیں:

وهذه الأحاديث تدل على أن إسبال الثياب والعمائم، والمشالح، والسراويل من كبائر الذنوب. وأن المسبل من الرجال إن كان متكبراً فقد ارتكب كبيرتين: الكبر، والإسبال، وإن لم يكن متكبراً فقد ارتكب كبيرة الإسبال۔

[1489] (الذخرة، باب فرع، ج۱۳، ص۲۶۵)

[1490] (صحیح فقه السنة وادلته وتوضیح مذاهب الائمة، اللباس والزینة للرجال، ج۳، ص۱۲)

[1491] (اللقاء الشهری ج۴ ص۱۵)

ترجمہ: اور یہ (مذکورہ بالا) احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ کپڑے اور عمامے اور شلواریں ٹخنوں سے نیچے لٹکانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ اور بے شک ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا مرد اگر متکبر ہے تو اس نے دو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، اور اگر متکبر نہیں ہے تو اس نے ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہے۔[1492]

محمد بن عبد العزیز بن عبد اللہ المسند، لکھتے ہیں:

س: هل إسبال الملابس لغير الخيلاء محرم أم لا؟

ج: إسبال الملابس للرجال محرم سواء كان الخيلاء أو لغير للخيلاء، ولكن إذا كان للخيلاء فإن عقوبته أشد وأعظم۔

س: کیا بغیر تکبر کے ٹخنوں سے کپڑے کو نیچے لٹکانا حرام ہے یا نہیں؟

ج: مردوں کے لیے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، خواہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو، اور لیکن جب تکبر کے طور پر ہو تو اس کی سزا زیادہ سخت اور زیادہ بڑی ہے۔[1493]

علامہ یحییٰ بن شرف نووی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ان الاسبال يكون فى الازار والقميص والعمامة وأنه لايجوز اسباله تحت الكعبين ان كان للخيلاء فان كان لغيرها فهو مكروه وظواهر الأحاديث فى تقييدها بالجر خيلاء تدل على أن التحريم مخصوص بالخيلاء وهكذا نص الشافعى على الفرق كماذكرنا وأجمع العلماء على جواز الاسبال للنساء وقد صح عن النبى صلى الله عليه وسلم الاذن لهن فى ارخاء ذيولهن ذراعا والله أعلم وأما القدر المستحب فيما ينزل إليه طرف القميص والازار فنصف الساقين كما فى حديث ابن عمر المذكور وفى حديث أبى سعيد ازار المؤمن إلى أنصاف ساقيه لاجناح عليه فيما بينه وبين الكعبين ما أسفل من ذلك فهو فى النار فالمستحب نصف الساقين والجائز بلا كراهة ماتحته إلى الكعبين فما نزل عن الكعبين فهو ممنوع فان كان للخيلاء فهو ممنوع منع تحريم والا فمنع تنزيه وأما الأحاديث المطلقة بأن ماتحت الكعبين فى النار فالمراد بها ما كان للخيلاء لانه مطلق فوجب حمله على المقيد۔

ترجمہ: تہبند، قمیص اور عمامہ ان میں سے ہر ایک کو ٹخنوں کے نیچے تکبر سے لٹکانا منع ہے اور بغیر تکبر کے لٹکانا مکروہ ہے چونکہ احادیث میں کپڑ الٹکانے کی ممانعت کو تکبر کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حرام ہونا تکبر کے ساتھ مخصوص ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فرق کی تصریح کی ہے، اور عورتوں کے لیے کپڑ الٹکانے کی اجازت ہے اس کے جواز کی احادیث میں تصریح ہے اور اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے اور حدیث صحیح میں آپ ﷺ مبارک نے عورتوں کیلئے ایک گز کپڑ الٹکانے کی اجازت دی ہے، حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مومن کا تہبند پنڈلیوں کے نصف سے لے کر ٹخنوں تک نیچے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے، لہٰذا پنڈلیوں کے نصف تک تہبند لٹکانا مستحب ہے، اور ٹخنوں تک نیچے کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور بغیر تکبر

[1492] (الصیام فی الاسلام فی وء الکتاب والسنۃ، ج، ۱، ص، ۶۵۹، صلاۃ العیدین، ج، ۱، ص، ۱۵۰، صلاۃ المومن، ج، ۲، ص، ۹۶۱)

[1493] (فتاوی اسلامیہ، حکم اسبال الملابس لغیر الخیلاء، ج، ۴، ص، ۲۳۸)

کے مکروہ تنزیہی ہے، اور جن احادیث میں مطلقاً آیا ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو تکبر کی وجہ سے لٹکایا گیا ہو، کیونکہ یہ احادیث مطلق ہیں اور مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔[1494]

محمد بن صالح بن محمد عثیمین لکھتے ہیں:

وبهذا نعرف قول النووي رحمه الله بتحريم الإسبال خيلاء وكراهيته لغير الخيلاء والصحيح أنه حرام سواء كان لخيلاء أم لغير خيلاء بل الصحيح أنه من كبائر الذنوب لأن كبائر الذنوب كل ذنب جعل الله عليه عقوبة خاصة به وهذا عليه عقوبة خاصة ففيه الوعيد بالنار إذا كان لغير الخيلاء وفيه وعيد بالعقوبات الأربع إذا كان خيلاء لا يكلمه الله يوم القيامة ولا ينظر إليه ولا يزكيه وله عذاب أليم۔

ترجمہ: اور اس سے ہم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پہچانتے ہیں کہ تکبر کے ارادہ سے کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ ہے، اور صحیح یہ ہے کہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو حرام ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ ہر کبیرہ گناہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے، اور اس (اسبال) پر بھی ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے، پس جب بغیر تکبر کے ہو تو اس پر آگ کی وعید ہے، اور جب تکبر کے ساتھ ہو تو اس پر چار سزاؤں کی وعید ہے:

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا، (۲) اور اس کی طرف نظر رحمت نہیں دیکھے گا، (۳) اور اس کو پاک نہیں فرمائے گا، (۴) اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔[1495]

احمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ شوکانی یمنی لکھتے ہیں:

وَقَدْ جَمَعَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ رِسَالَةً طَوِيلَةً جَزَمَ فِيهَا بِتَحْرِيمِ الْإِسْبَالِ مُطْلَقًا۔

ترجمہ: اور تحقیق بعض متاخرین نے ایک بہت بڑا رسالہ جمع کیا ہے، اس میں جزم کیا ہے کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً حرام ہے۔[1496]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ورأى ابن عمر رجلا يجر إزاره فقال إن للشيطان إخوانا كررها مرتين أو ثلاثا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنا تہبند گھسیٹ رہا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو یا تین بار فرمایا شیطان کے بھی کچھ بھائی ہیں۔[1497]

[1494] (شرح النووی علی مسلم، ج۲، ص۱۹۵، ۱۹۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

[1495] (شرح ریاض الصالحین ج۴ ص۲۸۷)

[1496] (نیل الاوطار کتاب اللباس باب الرخصة فی اللباس الجمیل ج ۱ ص ۶۴۱ دار الکلم الطیب بیروت)

[1497] (إحياء العلوم بيان ذم الاختيال واظهار الكبر فی مشی وجر اللثياب ج۳ ص ۴۶۲، المكتبة التوفيقية، القاهرة)

شیخ المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ملفوظ جسے آپ کے خلیفہ اکبر حضرت سیدنا ہندولی خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع کیا لکھتے ہیں:

ٹخنوں کے نیچے لباس کرنے کے بارے میں آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تہبند، شلوار اور پاجامہ کے پائنچہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا منافقوں کی علامت ہے اور جو شخص تہبند، شلوار کا پائنچہ لمبا کرتا ہے اور پاؤں کے نیچے لٹکاتا ہے تو ایسا شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے پھر فرمایا جو شخص شلوار، پاجامہ، تہبند کے پائنچے کو اس قدر دراز کرے کہ وہ پاؤں کے نیچے تک لٹکے تو ہر قدم پر زمینی اور آسمانی فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے دوزخ میں اس کے لئے ایک مکان تیار ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو لمبا تہبند باندھتا ہے وہ منافق ہوتا ہے اور جو اپنی آستین دراز کرتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے۔

پھر حضرت ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بدن پر کپڑا پہننے میں فضول خرچی نہ کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کپڑے میں اسراف یعنی ضرورت سے زیادہ صرف کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ مردے کے بدن پر کفن کے زیادہ کرنے کو منع فرمایا ہے، کیونکہ دونوں چیزوں کے بدلے عذاب ہوتا ہے، ایک کفن کی فضول خرچی کرنے سے اور دوسری چیز لباس کا ٹخنوں سے نیچے کرنا ہے۔[1498]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

أَنَّ أُزْرَهُمْ إِلَى أَنْصَافِ سُوقِهِمْ. قَالَ الطِّيبِيُّ فِيهِ إِدْمَاجٌ بِمَعْنَى التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ، لِأَنَّ مَنْ شَدَّ إِزَارَهُ إِلَى سَاقِهِ تَشَمَّرَ لِمُزَاوَلَةِ مَا اهْتَمَّ بِشَأْنِهِ، أَوْ يَكُونَ كِنَايَةً عَنِ التَّوَاضُعِ، كَمَا أَنَّ جَرَّ الْإِزَارِ كِنَايَةٌ عَنِ الْكِبْرِ وَالْخُيَلَاءِ۔

ترجمہ: ان کا ازار تہبند نصف ساق تک ہو گا۔ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس میں ادماج ہے اس معنی: **التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ۔**

کیونکہ جو شخص تہبند پنڈلی تک کس لیتا ہے تو اس سے کسی اہم کام کے لئے تیار ہونا سمجھا جاتا ہے، یا یہ کنایہ ہے تواضع سے۔ جیسے ازار کا لٹکانا تکبر سے کنایہ ہوتا ہے۔[1499]

وفی الشمائل عن عبید بن خالد المحاربی قال بینما انا امشی بالمدینة اذ انسان خلفی یقول: ارفع ازارک فانه اتقی وفی روایة انقی۔۔ فالتفت فاذا هو رسول اللہ ﷺ فقلت یا رسول اللہ ﷺ انما هی بردة ملحاء قال امالک فِیَّ اسوة، فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقیه۔۔۔ وعن حذیفة قال اخذ رسول اللہ ﷺ بعضلة ساقی او ساقه فقال: هذا موضع الازار، فان ابیت فاسفل فان ابیت فلا حق للازار فی الکعبین۔

شمائل میں ہے کہ عبید بن خالد محاربی نے کہا کہ میں مدینہ میں جا رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی کہ اپنی تہبند کو اونچا کرو کیونکہ یہ تقویٰ ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس طرح یہ پاک رہے گی، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ بہت قیمتی اور عمدہ

[1498] (انیس الارواح، ہشت بہشت، ص، ۵۳)

[1499] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سید المرسلین ج ۱۰ ص ۴۲ المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

چادر نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے لئے میرے طریقے (سنت) میں کامل نمونہ نہیں ہے؟ پس جب میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک آدھی پنڈلی تک اونچا تھا۔۔۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری یا اپنی پنڈلی کے درمیان سخت گوشت کو پکڑ کر فرمایا: یہ تہبند کی جگہ ہے اور اگر تم یہاں تک نہیں رکھنا چاہتے تو اس سے ذرا نیچے کر لو اور اگر اس سے اور نیچے کرنا چاہتے ہو تو ٹخنوں سے نیچے تہبند کو لٹکانے کا کوئی حق نہیں ہے۔[1500]

اور ابو داؤد شریف میں ابن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **نعم الرجل خریم الاسدی لو لا طول جمته و اسبال ازاره فبلغ ذلک خریما فجعل فاخذ شفرة فقطع بها جمته الی أذنیه و رفع ازاره الی انصاف ساقیه۔** آپ ﷺ نے فرمایا خریم اسدی بہت اچھا شخص ہے اگر اس کے سر کے بال بڑے نہ ہوتے اور تہبند نیچا نہ ہوتا، جب یہ خبر خریم اسدی کو پہنچی تو چھری لے کر بال کاٹ ڈالے اور کانوں تک کر لئے اور تہبند کو آدھی پنڈلی تک اونچا کر لیا۔[1501]

درج بالا روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے صحابی کہ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے خود فرمایا: **نعم الرجل عبد اللہ۔** عبد اللہ بہت ہی اچھا شخص ہے۔[1502]

حضرت خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اپنا تہبند اونچا کرو جو اس وقت ٹخنوں سے نیچے تھا اور اتنا زیادہ اونچا کرا دیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا اور اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ وہ آدھی پنڈلی تک رہتا۔

درج بالا احدیث سے ان باتوں کا استنباط ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان صحابہ کو تہبند اونچا کرنے کا جو حکم دیا تو کیا ان کے دل میں تکبر تھا؟ کیونکہ تہبند نیچے کرنا متکبرین کی نشانی ہے، اور اگر ان کے دل میں تکبر نہیں تھا تو آپ ﷺ نے ان کو تہبند لٹکانے کی رخصت کیوں عطا نہیں فرمائی جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرما کر رخصت دی تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ جب آپ ﷺ نے بار بار عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو تہبند اوپر کرنے کا حکم فرمایا، اگر عام حالت سے اوپر کرنے کے لئے فرمان نبوی ﷺ کے موافق بار بار اوپر چڑھانا (سمیٹنا اور اڑسنا) مکروہ ہے تو پھر تو ان صحابہ نے بھی (نعوذ باللہ!) مکروہ کام کیا کیونکہ اس عمل کو بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب کے حکم میں داخل مان کر مکروہ قرار دیا جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

[1500] (مرقات ج۸ ص ۱۶۹، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ، پشاور)

[1501] (ابو داؤد شریف، کتاب الباس ص ۵۶۵) (المستدرک علی الصحیحین، ج۵ ص ۱۱۹)

[1502] (بخاری، ص ۱۵۱، ج ۱، باب التھجد، نور محمد کراچی)

لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہو گا کہ جب عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس طرح اپنے کپڑے کو سمیٹنا اور اڑسنا مکروہ ہے تو آپ ﷺ کی موجودگی میں مکروہ کام ہو رہا ہے اور آپ ﷺ اس کو منع نہیں فرمارہے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی خلاف شرع کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ کمزور ایمان کی نشانی ہے۔

معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دل میں تکبر نہ تھا پھر بھی آپ ﷺ نے ان کو بار بار کپڑا اٹھانے کا حکم دیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا، اسی طرح ان صحابہ کا اپنے تہبند کو اوپر اٹھانا (اڑسنا، سمیٹنا) بھی مکروہ نہیں تھا ورنہ آپ ﷺ ضرور ان کو اس طرح کرنے سے منع فرماتے۔

درج بالا روایات سے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو اپنے آپ کو سچا عاشق رسول ﷺ کہتے ہیں اور شلوار کو فرمان نبوی ﷺ اور سنت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل کے خلاف ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں اور جمہور صحابہ کے عمل کو پس پشت ڈال کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تخصیصی عمل کو دلیل بنا کر مکروہ کام کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اب ہم ذیل میں وہ روایات نقل کرتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دوسرے کو تہبند (شلوار وغیرہ) ٹخنوں سے اونچا رکھنے کا حکم دیتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی ہستیوں کے بارے میں ہم بدگمانی نہیں کر سکتے کہ ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی تکبر تھا اس لئے ایک دوسرے کو اس کام کا حکم دیتے تھے تاکہ کراہت تحریمی سے (بوجہ خیلاء، تکبر) بچیں۔ **(نعوذ باللہ من ذلک)**

امام بخاری حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ **فلما ادبر اذا ازاره يمس الارض قال ردوا علی الغلام قال يا ابن اخی ارفع ثوبک فانه انقی لثوبک و اتقی لربک۔**

ایک لڑکا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا۔ جب واپس جانے لگا، اس کا ازار زمین کو چھو رہا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو واپس بلاؤ۔ پھر اس سے فرمایا: اے بھائی، اپنا کپڑا (ازار یا شلوار) اوپر کر۔ بے شک یہ تیرے کپڑے کے لئے پاکیزگی اور صفائی ہے اور تیرے ربّ کے لئے تقویٰ ہے۔[1503]

۲۔ **عن جبير بن مطعم أنه كان جالساً مع ابن عمر اذ مر فتى شاب عليه حلة صغانية يجرها مسبل قال: يا فتى هلم قال له الفتى: ما حاجتک يا أبا عبد الرحمٰن قال: ويحک أتحب أن ينظر الله اليک يوم القيامة قال: سبحان الله وما يمنعنى أن لا أحب ذلک قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول لا ينظر الله الى عبد يوم القيامة يجر ازاره خيلاء قال: فلم ير ذلک الشاب الا مشمراً حتى مات بعد ذلک اليوم۔**[1504]

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان صغانی لباس پہنے ازار کو زمین پر گھسیٹے ہوئے گزرا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے نوجوان یہاں آؤ! اس نے کہا: اے ابو عبد الرحمن کیا بات

[1503] (بخاری ص ۵۲۴، ج ۱، کتاب المناقب، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان، نور محمد کراچی)

[1504] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۴)

ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو برباد ہو، کیا تجھے پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے نظر رحمت سے دیکھے؟ اس نوجوان نے کہا: پاک ہے اللہ۔ مجھے کس نے منع کیا ہے کہ میں اسے پسند نہ کروں؟ تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے ازار کو تکبراً گھسیٹتا ہو۔ پھر اس نوجوان کو مرتے دم تک اپنے ازار کو اونچا رکھتے دیکھا گیا۔

عن أبی الحجاج بن سعید الثقفی عن رجل من قومه قال: مر برسول الله ﷺ رجل یجر ازاره فقال رسول الله ﷺ: ارفع ازارک فان الله عز و جل لا یحب المسبلین فقال: ان بساقی حموشة فقال رسول الله ﷺ: ما بازارک أقبح ما بساقک۔[1505]

ترجمہ: حجاج بن سعید ثقفی اپنی قوم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس سے اپنا ازار لٹکائے ہوئے گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنا ازار اونچا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ازار لٹکانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس شخص نے کہا میری پنڈلی میں زخم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو برائی تیرے ازار لٹکانے میں ہے وہ تیرے پنڈلی کے زخم سے زیادہ بری ہے۔

۳۔ **أخبرنا أبو بکر الفارسی أنا أبو اسحاق الأصبهانی ثنا أبو أحمد بن فارس ثنا محمد بن اسماعیل قال: و قال خطاب الحمصی ثنا بقیة عن مسلم بن زیاد قال: رأیت أربعة من أصحاب النبی ﷺ أنس بن مالک و فضالة بن عبید و أبا المنیب و فروخ بن سیار بن فروخ یرخون العمائم من خلفهم و ثیابهم الی الکعبین۔**[1506]

ترجمہ: مسلم بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے چار اصحاب، حضرت انس بن مالک، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت ابو منیب، اور فروخ بن سیار بن فروخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، کو دیکھا کہ وہ اپنے عمامے (کے شملے) اپنی پیٹھ پر ڈالتے اور اپنے ازار کو ٹخنوں تک رکھتے۔

عن الأشعث بن سلیم عن عمته عن عمها قال: بینما أنا أمشی فی سکة من سکک المدینة اذ نادانی انسان من خلفی: ارفع ازارک فانه أتقی و أنقی قال: فنظرت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت: یا رسول الله انما هی بردة کلحاء قال: أما لک فیّ أسوة فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقه۔[1507]

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا "**ارفع ازارک فانه اتقی و ابقی**" اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور (تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ ﷺ تھے، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔

[1505] (شعب الایمان ج۵ ص ۱۴۶)

[1506] (شعب الایمان، ج۵، ص ۱۷۶)

[1507] (شعب الایمان ج۵ ص ۱۵۰)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰعنہ فرماتے ہیں: **دخل شاب علیٰ عمر، فجعل الشاب یثنی علیه، قال: فرآه عمر یجر ازارہٗ، فقال: له: یا ابن أخی، ارفع ازارک، فانّه اتقیٰ لربک وانقیٰ لثوبک، قال: فکان عبد اللہ یقول: یا عجباً لعمر أن رأی حق اللہ علیه، فلم یمنعه ما هو فیه أن تکمل به۔**[1508]

ایک نوجوان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرنا شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اس نے اپنے ازار کو (ٹخنے سے نیچے) لٹکایا ہوا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: اے میرے بھائی کے بیٹے! اپنے ازار کو اوپر کرو، یہ تمہارے رب کے نزدیک تقویٰ میں بہتر اور تمہارے کپڑے کے لئے زیادہ صفائی کا باعث ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی عجیب شخصیت تھی کہ اگر اپنے اوپر اللہ کا حق دیکھتے تھے تو ان کو وہ چیز جو ان کے اندر تھی (یعنی کسی کی تعریف وغیرہ کرنا) اللہ کے حق کی ادائیگی میں کلام کرنے سے مانع نہیں ہوتی تھی ایک اور روایت میں ہے۔

عن خرشة بن الحر قال: رأیت عمر بن الخطاب ومر به فتی قد أسبل إزاره وهو یجره، فدعاه فقال له: أحائض أنت؟ قال: یا أمیر المؤمنین! وهل یحیض الرجل؟ قال: فما بالک قد أسبلت إزارک علی قدمیک، ثم دعا بشفرة ثم جمع طرف إزاره فقطع ما أسفل الکعبین، وقال خرشة: کأنی أنظر إلی الخیوط علی عقبیه۔

ترجمہ: حضرت خرشہ بن الحر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ان کے پاس سے ایک نوجوان گزرا جس کا تہبند گھسٹ رہا تھا اور وہ اسے گھسیٹے جا رہا تھا تو آپ نے اسے بلا کر کہا: کیا (عورتیں کی مخصوص بیماری) حیض سے ہو؟ اس نے کہا: امیر المومنین! کیا مرد کو بھی حیض آتا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو کیا وجہ ہے کہ تم نے اپنا ازار اپنے پیروں پر ڈال رکھا ہے۔ پھر چھری منگوائی اور اس کا ازار مٹھی میں پکڑ کر ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دیا، خرشہ فرماتے ہیں: گویا میں دھاگوں کو اس کی ایڑیوں پر دیکھ رہا ہوں۔[1509]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری لکھتے ہیں:

ان الاسبال یستلزم جر الثوب وجر الثوب یستلزم الخیلاء ولو لم یقصد اللابس الخیلاء ویؤید ما رواه ابن عمر مرفوعا الی النبی ﷺ قوله: وایاک وجر الازار فان جر الازار من المخیلة۔[1510]

[1508] (مصنف ابن ابی شیبة حدیث ۲۵۳۱۲ کتاب اللباس باب فی جز الازار وماجاء فیه، ومکتبة امدادیة ملتان ج ۶ ص ۲۷ رقم ۱۰)

[1509] (جامع الاحادیث، رقم: ۳۰۰۵۸، بیهقی، کنز العمال، رقم: ۴۱۸۸۷، ج، ۱۵، ص، ۲۰۴، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[1510] (فتح الباری، ص ۳۷۷ ج ۱۲ کتاب اللباس، مکتبه مصطفیٰ البابی مصر)

یعنی اسبال کے ساتھ کپڑے لٹکانا لازم ہے اور کپڑے لٹکانے کے ساتھ تکبر لازم ہے اگرچہ کپڑے پہننے والے کی نیت تکبر کی نہ ہو اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ ﷺ سے مرفوع روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کہ یہ تکبر کی علامت اور نشانی ہے۔

حضرت جابر بن سلیم کی روایت کردہ حدیث میں ہے: **قال النبی ﷺ ایاک واسبال الازار فان اسبال الازار من المخیلة ولا یحبها الله**۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری لکھتے ہیں: قال ابن العربی: لا یجوز للرجل ان یجاوز بثوبه کعبه ویقول لا اجرّه خیلاء لان النهی قد تناوله لفظا ولا یجوز لمن تناوله اللفظ حکما ان یقول لا امتثله لان تلک العلة لیست فیّ فانها دعویٰ غیر مسلمة بل اطالته ذیله دالة علی تکبره۔ ابن عربی نے کہا: کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے رکھے اور یہ کہے کہ میں اس کو تکبر کی نیت سے نہیں لٹکاتا کیونکہ ممانعت اس کو بھی لفظاً شامل ہے، اور ہر اس شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ جس کے کسی کام کے ساتھ ممانعت لفظی طور پر شامل ہو کہے کہ میں اس ممنوع کام کا مرتکب نہیں ہوں کیونکہ مجھ میں ممانعت کی وہ علت نہیں پائی جاتی (اس کہنے کے باوجود) اس کا یہ دعویٰ باطل اور غیر تسلیم شدہ ہے بلکہ اس کا اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے سے لٹکانا اس کے تکبر (متکبر ہونے) کی علامت ہے۔

درج بالا دلائل سے معلوم ہوا آپ ﷺ نے تہبند (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو تکبر کی نشانی قرار دیا اگرچہ اس کی نیت تکبر کی نہ ہو اور آپ ﷺ نے اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ قرار دیا اگرچہ متکبرین دعویٰ کریں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے: **عن عمرو بن شرید قال ابعد (ابصره من بعد) رسول الله ﷺ رجلا یجر ازاره فأسرع الیه او هرول فقال: ارفع ازارک واتق الله قال انی احنف تصطک رکبتای، فقال: ارفع ازارک فان کل خلق الله عزوجل حسن فما رؤی ذلک الرجل بعد الا ازاره یصیب انصاف ساقیه او الی انصاف ساقیه۔**[1511]

عمرو بن شرید نے کہا آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دور سے دیکھا جو اپنے ازار (تہبند) کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکائے ہوئے جا رہا تھا آپ ﷺ اس کی طرف دوڑ کر گئے اور فرمایا۔ اپنے تہبند کو اونچا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس نے کہا میرے پاؤں ٹیڑھے (بدصورت) ہیں اس سے میرے گھٹنے چھپ جاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ازار کو اونچا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق (انسان) خوبصورت ہے، اس کے بعد وہ آدمی جب بھی دیکھے گئے تو ان کا ازار آدھی پنڈلی تک ہوا کرتا تھا۔

درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس صحابی سے مخاطب ہو کر یہ نہیں فرمایا: کیا تم تکبر کی نیت سے اس طرح کرتے ہو؟ اگر وہ جواب دیتے کہ ہاں تو آپ ﷺ اس کو منع فرماتے ورنہ رخصت عطا فرماتے کہ جب تکبر نہیں تو ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں،

[1511] (مسند احمد، فتح الباری، ص ۳۷۸ ج ۱۲، کتاب اللباس، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

حالانکہ اس حدیث میں صراحتاً موجود ہے کہ اس صحابی نے تکبر کی نفی فرما کر پاؤں کی بدصورتی کی علت کا تذکرہ کیا مگر پھر بھی آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ اپنے ازار کو ٹخنوں سے اونچا رکھو، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شلوار کو مطلقاً ٹخنوں سے نیچے رکھنا تقویٰ کے منافی اور ممنوع ہے۔

مفتی ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی صحیح بخاری کے باب "من جر ثوبه من الخيلاء" کے تحت لکھتے ہیں: نسائی اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا جو اپنے کپڑے کو براہ تکبر گھسیٹے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، چونکہ حدیث میں لفظ "من" عام تھا جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے تو اس سے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سمجھا کہ عورتیں بھی اس میں داخل ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ عورتیں اپنے دامنوں کے ساتھ کیا کریں؟ فرمایا ایک بالشت لٹکائیں، عرض کیا کہ اتنے سے ان کے قدم کھل جائیں گے؟ فرمایا ایک ہاتھ لٹکائیں اس سے زیادہ نہ کریں۔

یہاں یک بات یہ قابل غور ہے کہ عورتیں اپنے دامن کو تکبراً نہیں لٹکاتی تھیں بلکہ اپنے قدموں کو چھپانے کے لئے لٹکاتی تھیں جو فرض ہے تو اگر ازار کا تکبراً ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ممنوع ہوتا تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس سوال کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی، اس سے سمجھ میں آیا کہ ٹخنوں کے نیچے تہبند لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے اگرچہ براہ تکبر نہ ہو جیسا کہ علامہ نووی نے افادہ فرمایا۔[1512]

اب دور حاضر میں فیشن اور فخر سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے اہل علم و عوام نے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غیر اختیاری فعل کو اپنے لئے دلیل بنالیا ہے یہ بھی ان لوگوں کے تکبر کی ایک بہت بڑی نشانی ہے کیونکہ اگر ان لوگوں کو ثواب کمانا ہوتا اور شریعت پر چلنے میں خوشی محسوس کرتے تو ان تمام دلائل کو مد نظر رکھتے جن میں آپ ﷺ کا عمل اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل اور ایک دوسرے کو تہبند اور شلوار اونچا کرنے کا حکم موجود ہے، اور علامہ مفتی ہند مفتی شریف الحق امجدی صاحب کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے نہ کہ تکبر کی نیت ہے۔

آدھی پنڈلی تک تہبند (شلوار وغیرہ) اونچا کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا فرشتوں کی سنت ہے: دور حاضر میں کپڑے لٹکانے والے حضرات اپنے تکبر کو برقرار رکھنے اور سنت نبوی ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے لئے یہ جواز ڈھونڈتے ہیں کہ شلوار کو آدھی پنڈلی تک اٹھانا اچھا نہیں لگتا اور یہ اس لئے مکروہ ہے کہ جب کوئی اس حال میں دنیاوی اشراف کے پروگراموں میں ان کے سامنے نہیں جا سکتا تو اس لباس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا بھی نامناسب اور مکروہ ہے حالانکہ ان لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جس لباس کو یہ لوگ مکروہ اور بد مذہب سے مشابہ قرار دیتے ہیں عین وہی لباس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے فرشتوں کا لباس ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں: **عن بريدة قال قال رسول الله ﷺ: اتزروا كما رأيت الملائكة تتزر عند رب العالمين، قالوا: كيف تتزر الملائكة عند رب العالمين؟ قال الى انصاف سوقها۔**

[1512] (نزهة قاری ص ۵۱۹، ج۵، کتاب اللباس فرید بک اسٹال لاهور)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح تہبند (شلوار وغیرہ) باندھا کرو جس طرح میں نے فرشتوں کو رب العالمین کی بارگاہ میں باندھے دیکھا ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا فرشتے کیسے ازار باندھے ہوئے تھے؟ فرمایا: آدھی پنڈلی تک۔

عن عبد الله بن عبيد بن عمير قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لأصحابه ارفعوا أزركم ارفعوا ارفعوا قال فرفعوها إلى ركبهم ثم قال اخفضوا اخفضوا اخفضوا فخفضوها إلى أنصاف ساقهم ثم قال إني رايت الملائكة ولباسهم هكذا أو أزرهم هكذا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارشاد فرمایا: اپنے تہبندوں کو اونچا کرو، اونچا کرو، راوی فرماتے ہیں کہ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے گھٹنوں تک اونچے کر لیے، پھر فرمایا: نیچے کرو، نیچے کرو، تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی نصف پنڈلیوں تک کر لیے، پھر فرمایا: میں نے فرشتوں کو اور ان کے لباس کو اسی طرح دیکھا یا ان کے تہبندوں کو اسی طرح دیکھا۔[1513]

متکبرین کے لئے آنسو بہانے کا مقام عبرت: درج بالا حدیث کو دیکھ کر وہ حضرات (علماء وخواص) اپنے کئے اقوال واعمال پر پشیمان ورنجیدہ ہو کر سر بسجود ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں۔ جنہوں نے آج تک سنتِ نبوی ﷺ کی مخالفت بھی کی اور دوسروں کے لئے بھی مانع رہے اور اپنے عمل اور اپنے عمل کے درست ہونے کے دلائل بھی دیئے جو کہ محض باطل ہیں حالانکہ یہی لباس جس کو یہ اہل علم باعث شرم وعار سمجھتے ہیں عین یہی لباس اللہ تعالیٰ کے نورانی ومعصوم فرشتوں کا لباس ہے اور بارگاہ خداندی کے شایان شان بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی لباس نصیب فرمائے۔ آمین۔

سنت لباس

شیخ ابو المحاسن رکن الاسلام مفتی محمد بن ابو بکر حنفی المعروف، امام زادہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ قَمِيصًا كُمَّهُ إِلَى الرُّسْغِ وَيَلْبَسُ قَمِيصًا ذَيْلُهُ فَوْقَ الْكَعْبَيْنِ، مُسْتَوِيَ الْكُمَّيْنِ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ، فَعَلَى هَذَا تَقْصِيرُ الثِّيَابِ سُنَّةٌ۔

ترجمہ: اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی قمیص پہنتے اس کے بازو کلائی تک پہنتے، اور قمیص پہنتے اس کا دامن ٹخنوں کے اوپر ہوتا، بازو اپنی انگلیوں کے کناروں کے برابر رکھتے تھے، اسی وجہ سے کپڑوں کا لمبانہ کرنا سنت ہے۔[1514]

حضرت علامہ قطب العارفین غوث الواصلین ابو سعید خادمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(تَقْصِيرِ الثِّيَابِ) إِذْ السُّنَّةُ جَعْلُهَا لِأَنْصَافِ السَّاقِ، وَهُوَ مُبَاحٌ إِلَى الْكَعْبِ وَمَا جَاوَزَهُ حَرَامٌ مَعَ الْخُيَلَاءِ مَكْرُوهٌ عِنْدَ فَقْدِهَا۔

[1513] (مصنف عبد الرزاق، باب اسبال الازار، رقم: ۲۰۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[1514] (شرعۃ الاسلام، فصل فی سنن اللباس واحبہ، ص، ۱۴۱، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، السادس والثلاثون الوقحۃ قلۃ الحیاء، ج، ۳، ص، ۷۵، مکتبۃ العلوم الدینیۃ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

ترجمہ:(کپڑوں کو لمبانہ کرنا)اس کو جب نصف پنڈلی تک بنانا سنت ہے،اور یہ ٹخنے تک جائز ہے اور تکبر کے ساتھ ٹخنے سے نیچے لٹکانا حرام ہے،بغیر تکبر کے مکروہ ہے[1515]

کیا شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنا وہابیوں کی نشانی ہے؟

دور حاضر کے وہ اہل علم وعوام جو فیشن یا فخر کی وجہ سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتے ہیں،استفسار کے بعد فرماتے ہیں کہ چونکہ اس طرح کرنا وہابیوں،دیوبندیوں کا طرز عمل ہے اس لئے ہم ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں بد مذہبوں کی مشابہت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے،اب ہم اس بات کی ذرا وضاحت کرتے ہیں کہ کسی بد مذہب سے کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع ہے اور کن میں جائز،اور آیا ان متکبرین کا ایسا کہنا کہاں تک درست ہے،اور اس تشبیہ کے علاوہ ان متکبرین میں کوئی اور ایسے اعمال ہیں کہ جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں حالانکہ وہ کسی بد مذہب کی نشانیاں بھی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے: **عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔** یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا:جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ ان ہی میں سے ہو گا۔

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:یعنی جو شخص دنیا میں کفار،فاسق و بدکار کے سے لباس پہنے ان کی سی شکل بنائے کل قیامت میں ان کے ساتھ اٹھے گا،اور جو متقی مسلمانوں کی سی شکل بنائے ان کا لباس پہنے وہ کل قیامت میں ان شاء اللہ متقیوں کے زمرے میں اٹھے گا۔[1516]

کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع اور حرام ہے:

"امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منح الروض میں فرماتے ہیں: **انا ممنوعون من التشبیہ بالکفرۃ و اھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ و لو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ او من افعال الکفر و اھل البدعۃ فالمدار علی الشعار۔**

"ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو اس سے نہیں روکا گیا،خواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یا کفار اور اہل بدعت کے،لہٰذا مدارِ کار شعار ہونے پر ہے۔

[1515](بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ،السادس و الثلاثون الوقحۃ قلۃ الحیاء،ج۳،ص۷۵،مکتبۃ العلوم الدینیۃ،کانسی روڈ،کوئٹہ)

[1516](مرأت شرح مشکوۃ،ج۶ کتاب اللباس،الفصل الثانی،نعیمی،کتب خانہ گجرات)

اس تحقیق سے روشن ہو گیا کہ تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شے ان بد مذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعا کوئی حرج رکھتی ہو بغیر ان صورتوں کے ہر گز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔"[1517]

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

مسئلہ: جو ہیئت، جو لباس کفار کی مذہبی علامت ہے وہ مسلمان کے لئے کفر ہے، جیسے پیشانی پر قشقہ لگانا یا سر پر چوٹی رکھنا یا کان میں جنیوٗ باندھنا یا گلے میں عیسائیوں کی سی صلیب ڈالنا اور جو ہیئت و لباس کفار کی قومی علامت ہے وہ مسلمانوں کے لئے حرام ہے جیسے ہندوانی دھوتی یا عیسائیوں کا ہیٹ و نیکر، اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے۔[1518]

مفتی شاہ محمد اجمل قادری لکھتے ہیں "در مختار اور البحر الرائق میں ہے:

التشبه بهم لا يكره في كل شيء بل في المذموم وما يقصد به التشبه۔ اور شرح فقہ اکبر میں ہے: **فانا ممنوعون من التشبه بالكفرة واهل البدعة المنكرة في شعارهم لا منهيون عن كل بدعة ولو كانت مباحة سواء كانت من افعال اهل السنة او من افعال الكفرة واهل البدعة فالمدار على الشعار۔** لہٰذا کفار کے ساتھ ہر بری بات میں اور جو ان کا شعار ہو اس میں تشبہ بقصد مشابہت ممنوع ہے۔ **فقط، والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔**[1519]

درج بالا علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کی مشابہت اس وقت اور ان چیزوں میں کفر یا حرام ہے جب وہ مشبہ بہ کسی کافر و گمراہ فرقے کی مذہبی یا قومی علامت ہو اور وہ ان کے منشور میں درج ہو، اور اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو کسی اور شخص کو قیاس مع الفارق کر کے کسی پر الزام لگانا بھی کوئی کم جرم نہیں ہے۔

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنا منافقین کی نشانی ہے نہ کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا بد مذہبوں کی نشانی ہے: ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات حدیث "**من تشبه بقوم فهو منهم**" کو سامنے رکھ کر اپنی قیاس آرائیوں کے ذریعے سنتِ نبوی ﷺ اور سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بد مذہبوں کی تشبیہ قرار دے کر اپنے نفس کی غلامی پر خوش ہو رہے ہیں مگر اس حدیث کی طرف التفات تک نہیں فرماتے کہ جس میں شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں: **-علامة المنافق تطويل سراويله فمن طول سراويله حتى يدخل تحت قدميه فقد عصى الله ورسوله، ومن عصى الله ورسوله فله نار جهنم۔** منافق کی نشانی یہ ہے کہ اس کی شلوار لمبی ہو گی، جس نے اپنی شلوار اتنی لمبی سلوائی کہ

[1517] (فتاویٰ رضویہ، ص ۵۳۴-۳، ج ۲۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

[1518] (مرأت شرح مشکوٰۃ، ص ۱۱۰، ج ۵ کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

[1519] (فتاویٰ جمیلیہ ص ۵، کتاب الخطر والاباحۃ، شبیر برادز)

وہ قدموں کے نیچے داخل ہو جاتی ہو تو اس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اور جس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔[1520]

معلوم ہوا کہ آج کل جو خواص و عوام فیشن اور فخر کے لئے جو لمبی لمبی شلواریں سلواتے ہیں تو یہ اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی اور دوزخ میں جانے کا سامان ہے۔

کیا شلوار ٹخنوں سے اونچی رکھنا آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت نہیں؟

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا بظاہر یہ کہنا کہ چونکہ شلوار کو اونچی رکھنے میں وہابیوں سے تشبیہ آتی ہے اس لئے ہم اس سے قاصر ہیں (حالانکہ دل میں فخر اور فیشن کی بات ہوتی ہے جو ان کے طرز عمل سے معلوم ہو رہا ہے) تو کیا ان لوگوں کو اتنی تعداد میں درج بالا دلائل معلوم نہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچی رکھنا کسی بدمذہب قوم کی نشانی یا شعار نہیں بلکہ ہمارے آقا دو جہان محمد عربی ﷺ اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبوب سنت اور حسین ادا ہے، اور یہی عمل ان کی طرف سے مامور بہ بھی ہے جیسا کہ دلائل سے معلوم ہو چکا ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس محبوب سنت کو کسی بدمذہب کی نشانی قرار دیتا ہے تو از روئے شریعت اس کا ایمان ضرور خطرے میں ہے، اور کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے کی وجہ سے مسلمانانِ عالم اسلام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سنت مصطفیٰ ﷺ کو ترک کریں ورنہ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ تو کیا احکامِ خداوندی پر بظاہر بہت سے گمراہ اور بے دین لوگ مسلمانوں سے بڑھ کر عامل ہیں تو کیا ان کی وجہ سے ہم فرائض کو بھی ترک کریں گے؟

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سنت کو کسی ناپسند گروہ یا جماعت کی مخالفت کی نیت سے کار ثواب سمجھ کر ترک کرے گا تو اس کا مرتکب جاہل، بدترین قسم کا بدعتی اور گمراہ ہے، اور اس عمل کے مرتکب علماء و خواص اور عوام سب کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے علی الاعلان مکروہ کام کی وجہ سے توبہ بھی علی الاعلان کریں۔

متکبرین پر ایک الزامی سوال: ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کے اس قول پر کہ ہم دیوبندیوں اور وہابیوں کے ساتھ تشبیہ سے بچنے کے لئے اس مکروہ کام کا ارتکاب کر کے خلاف سنت سنی کہلانے پر فخر تو کرتے ہیں مگر ان کی مشابہت نہیں کریں گے تو ان حضرات سے التماس ہے کہ کتب احادیث و سیرت میں آپ ﷺ کے موئے مبارک کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں (لمہ، جمہ، وفرہ) تو آج کل کے اہل علم حضرات کے جو سر کے بال آپ ﷺ کے موئے مبارک کی تین قسموں سے خارج ہیں تو یہ کس کی سنت اور طریقہ ہے کیونکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موئے مبارک تو ان تین قسموں کے اندر اندر تھے۔ تو کیا اس وقت ان کو حدیث "**من تشبه بقوم فهو منهم**" یاد نہیں رہتی کہ انگریزوں (غیر مسلموں) کے طرز پر بال رکھ کر فرائض و واجبات ادا کرتے ہیں تو کیا اس تشبیہ سے ان کی نمازوں، دیگر اعمال اور عشق مصطفی ﷺ کے دعوؤں میں کوئی کراہت اور نقصان نہیں آتا حالانکہ عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی ہر ادا محب اور عاشق کے لئے تسکین کا سامان ہے۔

[1520] (کنز العمال، ص ۳۱۷، ج ۱۵، الفصل الثانی فی محظورات اللباس، الاکمال، البیروت)

غیر اسلامی (انگریزی) بال رکھنا کفار اور فساق سے تشبیہ کی بناء پر ممنوع وناجائز ہے:

امام احمد رضا خان محدث بریلوی لکھتے ہیں: بالوں کی نسبت شرع مطہر میں دو طریقے آئے ہیں: ایک یہ کہ سارے سر پر رکھیں اور مانگ نکالیں، یہ خاص سنت حضور سید المرسلین ﷺ کی ہے، حج وحجامت یعنی پچھنوں کی ضرورت کے سوا حضور والا ﷺ سے حلق ثابت نہیں، حضور ﷺ نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اس مدت میں صرف تین بار یعنی سال حدیبیہ وعمرہ القضاء وحجۃ الوداع میں حلق، **علی ما نقلہ علیّ القاری فی جمع الوسائل عن بعض شراح المصابیح**، (جیسا کہ ملا علی قاری نے مصابیح کے بعض شارحین سے جمع الوسائل میں نقل کیا ہے) دوسرے یہ کہ سارا سر منڈائیں، یہ حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عادت تھی وہ جناب بخوف کہ مبادا نہانے میں کوئی بال پانی بہنے سے باقی نہ رہ جائے حلق فرمایا کرتے، ان کے سوا جتنے طریقے ہیں سب خلاف سنت، اور یہ نئی نئی تراشیں مثلاً ایک ایک انگل کے بال رکھنا جب اس سے بڑھیں کتروادینا یا آگے سے بڑے پیچھے سے کترے ہوئے۔۔۔۔۔۔ یہ باتیں مخالف سنت وخلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں جن کی مشابہت سے مسلمانوں کو بچنا چاہیئے۔[1521]

مفتی جلال الدین احمد امجدی لکھتے ہیں: انگریزی اور ہپی کٹ بال رکھنا مکروہ وناجائز ہے کہ کافروں اور فاسقوں کا طریقہ ہے، **وھو تعالیٰ اعلم**۔[1522]

درج بالا عبارات اہلسنت بلکہ امام اہلسنت سے معلوم ہوا کہ دیوبندیوں اور وہابیوں سے تشبیہ کی رٹ لگانے والے اہل علم وتصوف کا عمل بالوں کے حوالے سے کس کے مشابہ ہے؟ آیا سید المرسلین ﷺ یا مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یا پھر ان حضرات اور اسلام دشمن کافر اقوام کے؟ کیا ان حضرات کو اس طرح بال رکھتے ہوئے یہ تشبیہ یاد نہیں رہی کہ اس طرح بال رکھنا بقول محدث بریلوی "مخالف سنت وخلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں" جبکہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنے میں کسی کفار کی تشبیہ لازم نہیں آتی بلکہ عین سنت آقا دوجہاں ﷺ اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

محبوبان خدا کی نقل اتارنے والوں کو اللہ تعالیٰ نجات عطاء فرماتا ہے:

دلائل کثیرہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا امام الانبیاء محمد عربی ﷺ اور آپ ﷺ کے محبوب ومحب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے تو اس پر عمل کرنا ہی مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیئے نہ کہ کسی شخص کی وجہ سے اس کی مخالفت کرنا، کیونکہ کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے سے وہ سنت گمراہی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ وہ گمراہ شخص بھی اللہ والوں کی اس ادا پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں آکر ظاہری نجات پالیتا ہے اور کبھی کبھی وہ نجات معنوی کا بھی سبب بن جاتا ہے اگرچہ کہ اس کی نیت اللہ والوں کی نقل اتارنے کی ہو۔

[1521] (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲، ص ۵۷۷، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[1522] (فتاویٰ فیض الرسول، ص ۵۵۶، ج ۲ شبیر برادرز لاہور)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تشبہ والی حدیث کی شرح میں ایک واقعہ لکھا ہے، لکھتے ہیں: **وقد حکی حکایۃ غریبۃ ولطیفۃ عجیبۃ، وھی انہ لما اغرق اللہ سبحانہ فرعون وآلہ و لم یغرق مسخرتہ الذی کان یحاکی سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام فی لبسہ وکلامہ ومقالاتہ فیضحک فرعون وقومہ من حرکاتہ وسکناتہ، فتضرع موسیٰ الی ربہ:**

یا ربّ ھذا کان یؤذینی اکثر من بقیۃ آل فرعون، فقال الرب تعالیٰ: ما اغرقناہ فانہ کان لابسا مثل لباسک، والحبیب لا یعذب من کان علی صورت الحبیب۔

ترجمہ: حکایت: غرق فرعون کے دن سارے فرعونی ڈوب گئے مگر فرعونیوں کا بہروپیا بچ گیا، موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: مولیٰ یہ کیوں بچ گیا؟ فرمایا: اس نے تمہارا روپ بھرا ہوا تھا اور ہم محبوب کی صورت والے کو بھی عذاب نہیں دیتے۔[1523]

یہی واقعہ روح البیان جلد ۴، ص ۱۳۷ پر تفصیلاً مروی ہے۔

مسلمان کو چاہیئے کہ نماز روزے وغیرہ عبادات میں اچھوں خصوصاً اچھوں سے اچھے یعنی محبوب ﷺ کی نقل کرنے کی نیت کرے، دل لگے یا نہ لگے شکل تو حضور کی سی بن جاتی ہے۔[1524]

تکبر اور وہابیوں سے تشبہ کی رٹ لگانے والوں کے لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت:

درج بالا واقعہ لکھنے کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ سے یوں نتیجہ اخذ فرماتے ہیں:

فانظر من کان متشبھا بأھل الحق علی قصد الباطل حصل لہ نجاۃ صوریۃ وربما ادت الی النجاۃ المعنویۃ فکیف بمن یتشبہ بأنبیائہ واولیائہ علی قصد التشرف والتعظیم وغرض المشابھۃ الصوریۃ علی وجہ التکریم۔ یعنی ان لوگوں کو دیکھیں کہ جو اہل حق (اللہ والوں) کی بری نیت سے نقل اتارتے ہیں پھر بھی ان کو ظاہری نجات ملتی ہے، اور کبھی کبھی یہ نجات ظاہری نجات معنوی (ہدایت) کا سبب بن جاتا ہے، تو لوگوں کا کیا حال ہو گا، جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء واولیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نقل ان کی تعظیم اور شرافت کی نیت سے اتارتے ہیں اور انکی یہ ظاہری مشابہت تکریم کے لئے ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا محبوبانِ خدا اور خاص کر محبوبِ خدا ﷺ کا شیوہ اور عمل ہے (اگرچہ کہ اس پر کوئی بھی عمل کرے) اور جو مسلمان ان کی نقل اتارتے ہیں تو وہی لوگ ہدایت پر ہیں اور جو (دل نہ خواہد بہانہ بسیار کے طور پر) اس سنت پر عمل نہیں کرتے تو خود بھی اس سعادت سے محروم اور دوسروں کے سامنے محبوب ﷺ کے محبوب عمل کو مکروہ کی شکل میں پیش کر کے منع کرنے کی حیثیت سے "**مناع اللخیر**" کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

[1523] (مرقاۃ المفاتیح، ص ۱۵۵، ج ۸، کتاب اللباس، الفصل الثانی، حقانیہ پشاور)

[1524] (مرأت شرح مشکوۃ ج ۶، ص ۱۱۰، کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

لہٰذا ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والوں کا یہ کہنا کہ ''ہم اس لئے شلوار کو ٹخنوں سے اونچا نہیں رکھتے ہیں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے اور یہ بد مذہبوں کے ساتھ تشبیہ ہے'' اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ فرض محال اگر تکبر نہ بھی ہو تو پھر بھی شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کو فقہاء اسلام اور علماء اہل سنت نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور یہ وہ تشبیہ نہیں ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے ورنہ یہ لوگ اپنے انگریزی اور فاسقوں کے مشابہ بال کاٹ کر بقول امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقسم شرعی بال (زلفیں رکھنے یا گنجا ہونے) پر عمل کر کے اپنے سنی ہونے کا علمی ثبوت دیں۔

اچھی نیت سے مکروہ کام غیر مکروہ اور مستحسن قرار دیا جاتا ہے: ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا کف ثوب ہے اور یہ نماز کے لئے مکروہ ہے (اگرچہ ہم نے دلائل قاہرہ، باہرہ قویہ سے ان کا رد کر دیا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے یعنی اس طرح کوئی کراہت نہیں آتی جس سے نماز واجب الاعادہ ہو) تو ہم تھوڑی دیر کے لئے ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا مکروہ ہے لیکن ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں اور کوئی بھی معلوم کر سکتا ہے کہ اس طرح عمل کرنے والا یہ کام کیوں کرتا ہے؟ وہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ طرز سادگی کا ہے اور اس میں اس حرام اور مکروہ تحریمی کام (لباس کا ٹخنوں کے نیچے ہونا جو جہنم کے عذاب کا سبب ہے) سے بچنا ہے اور اس سے ان کے دل میں خشوع کی نیت ہوتی ہے، اور یہ بھی فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کام مکروہ ہو تو اس کو اچھی نیت سے کرنے کی وجہ سے وہ کراہت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کام مستحسن بھی قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ ان متکبرین خود بھی ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے کو عدم تکبر کی نیت کی وجہ سے مکروہ تحریمی سے مکروہ تنزیہی تک لے آئے۔

شرح وقایہ میں ہے: **وصلوٰته حاسراً رأسه او للتهاون۔۔۔ لا للتذلل۔** یعنی سُستی اور بے رغبتی سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ عاجزی کے طور پر۔[1525]

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **وتكره الصلاة وهو مكشوف الرأس۔۔۔ لما فيه من ترك الوقار اذ لا يكره للتذل والتضرع لله تعالىٰ ويستحب له ذلك۔** ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں وقار کو ترک کرنا آتا ہے، اور عاجزی اور تواضع کے لئے مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ [1526]

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: برہنہ سر نماز پڑھنا اگر بقصد عجز وانکسار نہ ہو تو مکروہ ہے۔[1527]

درج بالا فقہاء کرام کے علاوہ جم غفیر فقہاء احناف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا اگرچہ مکروہ ہے مگر عاجزی، تواضع اور انکساری کی نیت سے مکروہ نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دفعہ اگر کوئی شخص کسی مکروہ کو اچھی نیت سے کرے تو

[1525] (شرح وقایہ ص ۱۹۷، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، المصباح لاھور)

[1526] (امداد الفتاح، ص ۳۸۸، فصل فیمایکرہ فی الصلوۃ، صدیقی پبلشرز)

[1527] (فتاویٰ امجدیہ ج ۱ ص ۱۹۸ باب مکروھات الصلوٰۃ، مکتبہ رضویہ کراچی)

اس کی کراہت ختم ہو کر اس میں پسندیدگی آجاتی ہے۔(یہ قاعدہ عام نہیں ہے کہ کوئی بھی اس کو کسی ایک مکروہ پر حمل کر دے جو کبھی ممدوح قرار نہیں دیا جاسکتا)۔

خلاصہ کلام:

الحاصل یہ کہ کف ثوب اور لف ثوب نماز کے لئے مکروہ تحریمی نہیں ہے اور نہ ہی علاوہ نماز کے مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ فقہاء احناف کے ہاں کف ثوب کی تعریف میں داخل نہیں اور جس کو مکروہ قرار دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو اٹھایا جائے اور وہ بھی مذکورہ علتوں کی وجہ سے مکروہ ہے اور وہ بھی مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، اور اگر وہ علتیں بھی ختم جائیں تو کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے لہذا اگر کوئی شخص اسی کیفیت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز جائز اور صحیح ہے، مکروہ تحریمی یا واجب الاعادہ نہیں ہے، البتہ تکبر کی وجہ سے یا کسی ناپسندیدہ جماعت یا گروہ کی مخالفت کی وجہ سے شلوار وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اور اس کو کار ثواب اور اچھا عمل سمجھنا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا ضرور ناجائز، گناہ، حرام، بدعت اور گمراہی ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے، لہذا اس عمل سے اجتناب واجب اور لازمی ہے۔

تمام مؤمن مسلمانوں سے گزارش ہے کہ شلوار پہننے میں اس بات کا اہتمام کریں کہ بجائے لمبی شلوار پہن کر اور بعد میں اسے اونچا کرنے کے، درزی سے کہہ کر شلوار چھوٹی سلوائیں تاکہ ٹخنے ہمیشہ کھلے رہیں۔ کیونکہ پاجامے یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے اور وہ دیدارِ خدواندی سے محروم ہو گا۔ اور ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے ٹخنوں کو ننگے رکھنے کا خاص خیال رکھیں۔

(وعقص الشعر) بالوں کو سر کے اوپر باندھے رکھنا ایسی حالت میں نماز مکروہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب مومن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر اندام اس کے ساتھ سجدہ کرتا ہے اور عقص بالوں کیلئے مانعِ سجدہ ہے۔(عقص: سر کے پیچھے بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا، اس کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ چوٹی کے ایک طرف کے سرے کو دوسری چوٹی کی تہہ میں داخل کر دے اور دوسری چوٹی کے سرے کو پہلی چوٹی کی تہہ میں داخل کر دے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تمام بالوں کو کھوپڑی پر اکٹھا کر کے کسی کپڑے یا دھاگے کے ساتھ باندھ دے جیسا کہ آپ نے سکھوں کو دیکھا ہو گا کہ وہ بھی اسی طرح بالوں کو کھوپڑی پر اکٹھا کر کے باندھ دیتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تمام بالوں کو پیچھے گردن پر اکٹھا کر کے کسی کپڑے یا دھاگے کے ساتھ باندھ دے۔ یہ تینوں صورتیں مکروہ) اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

دع شعرک یسجد معک۔[1528]

ترجمہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے بالوں کو چھوڑ دو تا کہ یہ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کریں۔

عن أبي رافع: نَهى رسولُ اللهِ ﷺ أن يُصلِّيَ الرجلُ وشَعَرُه معقوصٌ[1529].

اور آنحضرت ﷺ نے اس بات نہی فرمائی ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھتا ہو اور وہ **معقوص الشعر** ہو۔

(**وسدله**) اور (نماز میں) کپڑے کا لٹکانا مکروہ ہے۔ اور سدل چادر میں اس کو کہا جاتا ہے کہ چادر کو سر یا کندھوں پر ڈالے اور اس کے دونوں پلو لٹکے ہوں اس طرح کہ اس کا پلو دوسرے کندھے پر نہ ہو بلکہ یہ لٹک رہے ہوں۔ اور سدل قمیص، جبہ، شقہ، خرقہ اور کوٹ میں اس کو کہا جاتا ہے کہ (قمیص کو) کندھوں پر ڈال اور ہاتھوں کو آستینوں میں داخل کر دے۔ قمیص کے علاوہ ان اور چیزوں میں صرف آستینوں میں داخل کرنے سے کام نہیں ہوتا بلکہ کمر کو باندھنا ضروری ہے۔ البتہ قمیص میں صرف ہاتھوں کو آستینوں میں داخل کرنے سے سدل دفع ہوتا ہے۔ یہ سدل اس لئے منع ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ متکبرین کے اخلاق کی علامت ہے۔ دوسرا اس میں خشوع کا ترک ہے جب کہ نماز کی بناء خشوع پر ہے۔ اس طرح اضطباع بھی مکروہ ہے یعنی چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لا کر بائیں بازو کے اوپر ڈال لیا جائے اور دوسرے بازو کو کھلا رہنے دیا جائے۔

(**والتثاؤب**) اور نماز میں جمائی لینا مکروہ ہے اس وقت کہ جب انسان جمائی کے روکنے پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ یہ غفلت اور سستی کی علامت ہے۔

(**والتمطی**) اور نماز میں انگڑائی لینا یعنی جسم کا ادھر اُدھر موڑنا اور پھیرنا مکروہ ہے کیونکہ تمطی افعالِ کفار میں سے تکبر کے ساتھ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ يَتَمَطَّى (القيامة ٣٣)

ترجمہ: پھر اپنے گھر کو اکڑتا چلا۔

اور تمطی تکبر سے آہستہ آہستہ چلنے کو کہا جاتا ہے جبکہ نماز کی بناء خشوع پر ہے۔

(**وفرقعة الاصابع**) اور انگلیوں کو چٹخانا یعنی انگلیوں سے پے در پے آواز نکالنا چاہے ہاتھوں کے ہوں یا پاؤں کے، مکروہ ہے۔ اور فرقعۃ آواز کے لئے انگلیوں کو ٹیڑھا کرنے اور کھینچنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا:

[1528] حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ١ ص ٣٥٠۔ مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح ج ١ ص ١٢٨۔

[1529] شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج المسند ٢٧١٨٤ • صحيح لغيره • أخرجه الترمذي (٣٨٤)، وابن ماجه (١٠٤٢) بمعناه، وأحمد (٢٧١٨٤) واللفظ له

رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ «قَالَ لِعَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -: إنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تُفَرْقِعْ أَصَابِعَكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي۔[1530]

ترجمہ: اے علی (رضی اللہ عنہ) میں جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں۔ نماز کی حالت میں انگلیاں نہ چٹخاؤ۔

دوسرے یہ کہ یہ انگلیوں کو چٹخانا حضرت لوط علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی قوم کا عمل تھا۔ اگر انگلیوں کو چٹخانا ایک ہاتھ سے تھا تو نماز مکروہ ہے اور اگر دونوں ہاتھوں سے تھا تو پھر نماز فاسد ہے کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے اور نماز میں عملِ کثیر نماز کو فاسد کرتا ہے۔

(واستراحت من رجل الی رجل) اور (نماز میں) ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر آرام کرنا مکروہ ہے۔ راکسرہ یعنی زیر کے ساتھ ران کے جڑ سے قدم تک کو رِجل کہا جاتا ہے کیونکہ نماز کے دوران ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر آرام کرنا اخلاقِ متکبرین میں سے ہے اور مستلزم حرکت ہے جبکہ نماز کی بناء خشوع اور سکون پر ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول عموم پر ہے اور بعض کتابوں میں نفل نماز کے دوران ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر آرام کرنے کو افضل کہا گیا ہے کیونکہ یہ قیام کو لمبا کرنے کا سبب ہوتا ہے اور بہتر نماز وہ ہے جو لمبے قیام کے ساتھ ہو۔

(وتفریج الاصابع) اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلانا مکروہ ہے کامل پھیلانے کے ساتھ ہر حال میں احوالِ نماز سے۔

(فی غیر الرکوع) حالتِ رکوع کے بغیر کیونکہ پھیلانا تعبیرِ رکوع میں انگلیوں کو طریقۂ مسنونہ کے ساتھ رکھنا ہے، سجدے میں پیوست کرنا ہے، قعدے کی حالت میں اپنے حال پر چھوڑنا ہے اور تکبیرِ تحریمہ میں اٹھانے کے لئے اور قیام میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا ہے اور رکوع میں پھیلانا سنت ہے۔ کیونکہ حالتِ رکوع کے بغیر سارے احوال نماز میں پھیلانا مستحب نہیں ہے اور حالتِ سجدہ کے بغیر دوسرے کسی حال میں پیوست کرنا مستحب نہیں ہے سوائے ان دو حالتوں کے نمازی انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دے گا۔ یعنی نہ ہی پھیلائے اور نہ یکجا کرے گا۔ پھیلانے اور یکجا کرنے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں کرے گا۔

(والتعجیل فی القراءۃ) اور قرأت میں جلدی کرنا مکروہ ہے اس شرط کے ساتھ کہ حروف حذف نہ ہو جائیں۔ یہ تعجیل اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں قرأت کی ترتیل فوت ہو جاتی ہے جبکہ قرأت میں ترتیل سنت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (المزمل ۴)۔ (اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو)۔

(وترک تسویۃ الرأس مع الظهر راکعاً) رکوع کی حالت میں سر کو کمر کے ساتھ برابر نہ کرنا (کہ نیچے ہو یا اوپر) مکروہ ہے کیونکہ سر کو کمر کے ساتھ برابر نہ کرنا رکوع کے مسنونہ طریقے سے مخالف ہے اس لئے کہ جب حضور ﷺ رکوع کرتے تو آپ ﷺ کی کمر سر کے ساتھ بالکل برابر ہوتی تھی۔ اس طرح کہ اگر پانی کا بھرا ہوا پیالہ آپ ﷺ کی کمر پر رکھ دیا جاتا تو وہ نہ گرتا۔ فان قیل۔ کہ مصنف علیہ الرحمہ کے اس قول کے درمیان اور مذکورہ

[1530] حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ا ص ۳۴۶۔ الجوهرة النيرة على مختصر القدوری ج ا ص ۶۳۔ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج ا ص ۱۶۲۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ا ص ۲۱۵۔

قول واعلاء الرأس میں تکرار ہے۔ کیونکہ اعلاء الرأس بغیر ترک تسویۃ سے نہیں ہوتا۔ قلنا۔ اعلاء خاص ہے اور تسویۃ الرأس کو ترک کرنا عام ہے یا یہ کہتا ہوں کہ اعلاء آسمان کی طرف رکوع کے بعد ہے اور تسویۃ کا ترک کرنا جو کہ اٹھنا یا جھکنا ہے، یہ رکوع کی حالت میں ہے۔

(والتخطی) اور سامنے قبلے کی طرف قدم لینا مکروہ ہے کیونکہ قبلے کی طرف نفس پیچھے کرنا نماز کو فاسد کرتا ہے چاہے اس میں قدم لینا ہو یا نہ ہو۔

(ثلثا فصاعدا بلا عذر) تین قدم یا تین سے زیادہ قدم اس شرط کے ساتھ کہ بغیر عذر کے ہو جب کہ عذر کے ساتھ قدم لینا مکروہ نہیں۔ عذر کی مثال جیسا کہ نماز کے دوران وضوء کا ٹوٹنا ہو یا نماز خوف ہوئی۔

(لو وقف بعد کل خطوۃ) اس شرط کے ساتھ کہ اگر ہر قدم کے بعد کھڑا ہوتا تھا یا دو قدموں کے بعد دونوں صورتوں میں نماز مکروہ ہے اور اگر تین قدم ایک دوسرے کے ساتھ متصل اٹھائے تو اس صورت میں نماز فاسد ہو گی کیونکہ نماز میں تین متواتر قدموں کو اٹھانا عمل کثیر ہے تو قیدِ وقوف کے ساتھ عدمِ وقوف سے احتراز کیا اور قید بلا عذر کے ساتھ عذر کی حالت سے احتراز کیا کیونکہ حالتِ عذر میں نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وضوء ٹوٹنے کی صورت اور صلوۃِ خوف کی صورت میں نماز نہیں ٹوٹتی۔ "خلاصۃ الفتاویٰ" میں کہا گیا ہے کہ اگر نماز میں پہلے صف کی طرف گیا تو نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر دوسری یا تیسری صف کی طرف گیا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر پہلی صف کی طرف گیا پھر کھڑا ہو گیا پھر دوسری صف کی طرف گیا اور کھڑا ہو گیا پھر تیسری صف کی طرف گیا اور کھڑا ہو گیا تو نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ مکروہ ہوتی۔ جیسا کہ "محیط" اور "جامع الرموز" میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے نمازی سے کہا کہ آگے آجاؤ اور وہ آگے ہو گیا یا صف میں خالی جگہ دیکھ لی وہاں داخل ہو گیا پھر قدم آگے بڑھائے یا فراخی کی وجہ سے نمازی پر دونوں پاؤں ہلائے تو ایسی صورت میں اس شخص کی نماز ٹوٹ گئی۔ اور اگر قدم آگے بڑھائے یا اپنی سہولت کے لئے دونوں پاؤں ہلائے یا کچھ دیر بعد اپنی مرضی سے حرکت کی تو ایسی صورت میں نماز نہیں ٹوٹتی۔

اور "جواہر" میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی نمازی ایک یا دو قدم دھوپ سے چھاؤں کی طرف گیا اگر گرمی کا موسم تھا تو نماز مکروہ نہیں ہوئی اور اگر سردی کے موسم میں چھاؤں سے دھوپ کی طرف گیا تو نماز مکروہ ہے کیونکہ پہلی صورت میں اپنے آپ سے ضرر کو رفع کرنا ہے اور دوسری صورت میں آرام و راحت کو طلب کرنا ہے۔ ظہیر الدین مرغینانی صاحب نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں نماز مکروہ ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں نقل (ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا) ہے اور یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔

(والتمایل یمینا وشمالا) بغیر نقلِ قدم اور بغیر حرکتِ پاؤں سے (نماز میں) دائیں اور بائیں طرف ہلنا جلنا مکروہ ہے جیسا کہ جاہلوں کی عادت ہے بغیر آرام کے پہلے دائیں پاؤں پر اور پھر بائیں پاؤں پر ہلتے رہتے ہیں کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اذا صلی احدکم فلیسکن اطرافہ ولا یتمایل تمایل الیھود۔

ترجمہ: جب آپ میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے اعضاء کو ساکن رکھے اور حرکت نہ کرے جس طرح یہودی حرکت کرتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ نماز میں ہلنا جلنا عبث یعنی بے فائدہ ہے اور خشوع کے ساتھ منافی یعنی خلاف ہے اور اعضاء کی تسکین نماز کا کمالِ خشوع ہے۔

(وقتل القملة) جوئیں، پسو یا ان دونوں کے مشابہ چیزوں کا نماز میں ایک ہاتھ سے مارنا مکروہ ہے اور دونوں ہاتھوں سے مارنا نماز کو توڑ دیتا ہے کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے۔

(دون الثلث و دفنها كذلك) ایک رکن میں تین دفعہ سے کم۔ ایک رکن میں تین جوئیں مارنے اور دفن کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ تین دفعہ جوئیں مارنا اور تین دفعہ دفن کرنا عملِ کثیر ہے۔

"خلاصۃ الفتاویٰ" میں لکھا ہے کہ ایک رکن میں جوؤں کی کثرت سے متواتر مارنا ارکانِ نماز کو توڑتا ہے بمثل ہر بار ہاتھ اٹھانے کے اور اگر خارش کی حالت میں ہر بار ہاتھ نہ اٹھایا تو ہاتھوں کو مختلف ارکان میں اٹھانے کی طرف پھیرنے کی حالت میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور قبلے کی قید اتفاقی قید ہے احتراز کے لئے نہیں ہے ہے اس میں پسو اور ہر مضر چیز داخل ہے۔

(والقاء البزاق) اور نماز میں تھوکنا اگر بغیر حرف کے ہو جیسا کے تُف۔ مکروہ ہے اور اگر حروف کے ساتھ ہو تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اور مسجد میں نہ اوپر اور نہ ہی نیچے لعاب تھوکے۔ اور مسجد میں نیند اور کھانا بغیر معتکف کے دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ، وَمَجَانِينَكُمْ، وَشِرَاءَكُمْ، وَبَيْعَكُمْ، وَخُصُومَاتِكُمْ، وَرَفْعَ أَصْوَاتِكُمْ، وَإِقَامَةَ حُدُودِكُمْ، وَسَلَّ سُيُوفِكُمْ۔[1531]

ترجمہ: اپنی مسجدوں کی حفاظت کرو اپنے بچوں سے، پاگلوں سے، خرید و فروخت سے، جھگڑوں سے، اقامتِ حدود سے، اور تلوار کھینچنے سے۔[1532]

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وجہ ممانعت بیان فرماتے ہیں:

وَفِي الْحَدِيثِ الثَّانِي: "جَنِّبوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ"، وَذَلِكَ لِأَنَّهُمْ يَلْعَبُونَ فِيهِ وَلَا يُنَاسِبُهُمْ، وَقَدْ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِذَا رَأَى صِبْيَانًا يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ، ضَرَبَهُمْ بالمِخْفَقَة -وَهِيَ الدِّرَّة- وَكَانَ يَعُسّ الْمَسْجِدِ بَعْدَ الْعَشَاءِ، فَلَا يَتْرُكُ فِيهِ أَحَدًا.[1533]

[1531] سنن ابن ماجه برقم (750) وقال البوصيري في الزوائد (265/1): "هذا إسناد ضعيف، أبو سعيد هو محمد بن سعيد المصلوب، قال أحمد: عمدا كان يضع الحديث، ثم قال: والحارث بن نبهان ضعيف"

[1532] منجملہ مکروہات کے مسجد میں ضالہ کے متعلق پوچھ گچھ یا تلاش کرنا ہے ضالہ سے مراد وہ چیز ہے جو گم ہو گئی ہو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: عن أبي هريرة من سمع رجلًا ينشدُ ضالَّةً في المسجدِ فليَقلْ: لا ردَّها اللهُ عليك: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب کسی کو مسجد کے اندر گم شدہ چیز کی بابت پوچھ گچھ کرتے دیکھو تو یوں کہو کہ خدا کرے وہ تجھے نہ ملے اس عمل کے مکروہ ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔ (صحيح الجامع ٦٣٠٢ •صحيح •أخرجه مسلم (٥٦٨) •شرح رواية أخرى) گم شدہ اشیاء کے اعلان کی دو صورتیں ہیں ایک یہ اگر کوئی چیز مسجد کے باہر گم ہو جائے اور اس کا اعلان مسجد میں اکر اس لئے کرے کہ یہاں لوگ جمع ہیں تو یہ بہت قبیح و شنیع (بہت بری چیز) ہے لیکن اگر کوئی چیز مسجد میں گم ہو جائے تو اس کا اعلان جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی شور و غوغا نہ پایا جائے۔ واما انشاد الضالة فله صورتان احدهما ان ضل شئی فی خارج المسجد وینشده فی المسجد لاجتماع الناس فهو اقبح و اشنع و اما لو ضل فی المسجد فیجوز الانشاد بلا شغب۔ (حاشیہ ترمذی ص ١٩٥)

[1533] (تفسیر ابن کثیر، ج ٦ ص ٦٤)

ترجمہ: اور دوسری حدیث جس میں فرمایا گیا کہ اپنے بچوں کو اپنی مساجد سے روکو اور یہ اس لئے کہ بچے مسجد میں بے احتیاطی سے لہو لعب اور کھیل کود کریں گے جو مسجد کی عظمت کے بالکل نامناسب ہے۔ چنانچہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی بچے کو مسجد میں کھیلتے ہوئے دیکھ لیتے، تو اس کو ہلکے درے سے پیٹتے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں عشا کی نماز کے بعد کسی کو نہ رہنے دیتے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اپنی مساجد کو مزین کرو (جو کہ نماز میں مخل ہو) اور اپنے قرآنوں کو ایسے آراستہ کرو (جو حضورِ قلب میں خلل انداز ہو) تو سمجھ لو کہ یہ تمہاری ہلاکت کا وقت ہے۔[1534] جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں وہ اپنی مسجد کو مزین کرتی ہے۔

فائدہ: مسجد کی عمارت کی بلندی اور اس کی کارکردگی کو دیکھیئے اور اس کی آبادی کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہو گا کہ یہ جذبہ کس قدر کھوکھلا ہے۔ ظاہری زینت کا یہ حال اور منشاء اصلی یعنی عبادتِ الٰہی کا ایسا فقدان۔ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے، اس حالت کی طرف خادمِ رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے: مسجد میں لوگ تفاخر کریں گے مگر پھر اس کی آبادی کا خیال کم ہی لوگوں کو ہو گا۔

دوسرا یہ کہ نیند کی حالت میں ریح یعنی ہوا کے نکلنے کا احتمال ہے اور مسجد میں ریح کا نکالنا فرشتوں کو ضرر ہے جیسا کہ ریح سے بنی آدم کو ضرر ہوتا ہے۔

مسئلہ: مسجد میں سونے کا حکم **یکرہ النوم فی المسجد للمقیم عندنا و عند غیرنا و یجوز للمسافر۔**[1535] مسجد میں مقیم آدمی کیلئے سونا مکروہ ہے البتہ مسافر کیلئے سونا جائز ہے۔ **قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لا یتخذوہ مبیتا و مقیلا و ذھب قوم من اھل العلم الی قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔**[1536] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: مسجد میں رات کو سونے یا دن کو سونے کی عادت بنانا جائز نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو ہی اہل علم حضرات نے پسند فرمایا ہے۔ "مسجد میں مقیم آدمی کے سونے کی عادت بنانے میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں حالانکہ ان سے اجتناب ضروری ہے: **یکرہ تحریما اخراج الریح فی المسجد و لعلہ یستثنی منہ المعتکف لکونہ معذورا۔**"[1537] مسجد میں ہوا کا خارج کرنا مکروہ تحریمی ہے یہی وجہ ہے کہ لیٹ کر سونا یا تکیہ اور دیوار وغیرہ سے سہارا لگا کر سونا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ "وضو کے ٹوٹنے کی یہی وجہ ہے کہ مفاصل (جوڑوں) کے ڈھیلے ہونے سے ہوا کے خارج ہونے کا امکان ہوتا ہے مسجد میں سونے کی عادت بنانے میں بھی یقیناً ہوا کا خارج ہونا لازم آئے گا جو کہ مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ

[1534] (قرطبی ج ۱۳، ص ۲۶۷)

[1535] ترمذی باب النوم فی المساجد۔

[1536] ترمذی باب النوم فی المساجد۔

[1537] مسجد اور اس کے احکامات ص ۲۸۔

مقیم شخص مسجد میں سونے کی عادت نہ بنائے۔فان قیل۔عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال کناننام علی عھدرسول اللہ ﷺفی المسجدو نحن شباب قال ابو عیسیٰ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما حدیث حسن صحیح و قدرخص قوم من اھل العلم فی النوم فی المسجد۔اس سے تو واضح ہوا کہ مسجد میں سونا جائز ہے نبی کریم ﷺ کا منع نہ فرمانا جواز کیلئے حدیث تقریری ہے لہذا سونے کی عادت بنانے کی ممانعت کیسے ثابت ہوتی ہے۔قلنا۔امانوم ابن عمر فکان لانہ لم یکن لہ بیت و کان عذباو کذلک ثبت النوم عن بعض الصحابۃ فی شرح مسلم لنووی حملہ علی حالۃ العذر۔"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد میں اس لئے سوتے تھے کہ آپ کا اپنا کوئی مکان نہیں تھا اسلئے بھی کہ آپ جوان تھے لہذا کسی کے گھر میں سونا ممکن نہیں تھا۔اسی طرح اور بھی کئی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی عذر کے پیش نظر مسجد میں سو جایا کرتے تھے۔"واضح ہوا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مسجد میں سونا مجبوری کے پیش نظر تھا۔مسافر کیلئے سونا اب بھی جائز ہے لیکن بغیر مجبوری یا مسافر ہونے کے مسجد میں سونے کی عادت بنانا جائز نہیں۔

عن أبي هريرة: لا يزالُ أحدُكم في صلاةٍ ما دامَ ينتَظِرُها، ولا تَزالُ الملائِكَةُ تصلِّي على أحدِكُم ما دامَ في المسجدِ، اللَّهمَّ اغفِر لَهُ، اللَّهمَّ ارحمهُ، ما لم يُحدِثْ، فقالَ رجلٌ من حَضرمَوتَ: وما الحدَثُ يا أبا هُرَيْرةَ؟ فقالَ: فُساءٌ، أو ضُراطٌ۔[1538]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔تم میں جب کوئی شخص نماز کے انتظار میں ہو وہ درحقیقت نماز میں ہی ہوگا اور جب تک کوئی شخص مسجد میں فرشتے اس کیلئے یہ دعا کرتے ہیں :اے اللہ اس کی مغفرت فرما،اے اللہ اس پر رحم کر،فرشتوں کی یہ دعا اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک اس شخص کو"حدث"لاحق نہ ہو۔""حضرموت"کے ایک شخص وہاں موجود تھے انہوں نے پوچھا کہ اے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدث سے مراد کیا ہے تو انہوں نے فرمایا:حدث سے مراد آہستہ آواز میں یا بلند آواز میں ہوا کو خارج کرنا ہے۔"اس سے واضح ہوا کہ مسجد میں ہوا کا خارج کرنا فرشتوں کی رحمت بھری دعا سے محرومیت کا سبب ہے لہذا مسجد میں سونے کی عادت نہ بنائے۔

مسجد میں سونے کی دوسری خرابی یہ ہے کہ ان الکلام فی المسجد یاکل الحسنات کما یاکل النار الحطب۔بے شک کلام کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔"اس سے واضح ہوا کہ مقیم شخص اگر مسجد میں سونے کی عادت بنائے گا تو مسجد میں کلام کرنا بھی اس کی مجبوری اور اس کا مقصود ہوگا لہذا ضروری ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے لیکن خیال رہے کہ کلام سے مراد دنیاوی کلام ہے دینی کلام شرعی مسائل بیان کرنا سنت اور مستحب ہے۔دنیاوی کلام میں بھی وعید شدید اس صورت میں ہے کہ جس کے بارے میں صاحب بحر الرائق نے فرمایا۔وقال صاحب البحر ھذا اذا دخل المسجد لارادۃ الکلام و لو عرضہ فلا۔"[1539]صاحب بحر الرائق نے یہ بیان کیا ہے کہ دنیاوی کلام نیکیوں کو اس وقت کھا جاتا ہے جب وہ مسجد میں داخل ہی کلام کی نیت ہوا اور اگر وہ مسجد میں

[1538] صحیح الترمذي:٣٣٠ •صحیح •أحمد شاکر (١٣٧٧هـ)، مسند أحمد ١٥/١١ •أخرجه مسلم (٦٤٩)، وأبو داود (٤٧١)

[1539] ترمذی مع حاشیۃ باب النوم فی المساجد۔

عبادت کی غرض سے داخل ہوالیکن بالطبع کوئی کلام بھی کرلے تواس میں کوئی حرج نہیں ۔اگرچہ بہتر ہے کہ دنیاوی کلام سے جتنا ہو سکے اجتناب کرے۔[1540]

وَعَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي يَأْتُونَ الْمَسَاجِدَ يَقْعُدُونَ فِيهَا حِلَقًا ذِكْرُهُمُ الدُّنْيَا وَحُبُّ الدُّنْيَا لَا تُجَالِسُوهُمْ، فَلَيْسَ للهِ بِهِمْ حَاجَةٌ۔ وَفِي الْحَدِيثِ، الْحَدِيثُ فِي الْمَسْجِدِ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ الْبَهِيمَةُ الْحَشِيشَ۔[1541]

نبی ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانے میں میری امت سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو مساجد میں آکر حلقہ بنا کر بیٹھیں گے وہ دنیا کا ذکر کریں گے اور انہیں دنیا سے ہی محبت ہو گی ان کے ساتھ تم نہ بیٹھنا ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی واسطہ نہیں ۔یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے دین سے دور رہنے اور دنیا میں مشغول رہنے کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں کلام نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے چوپایہ گھاس کو کھا جاتا ہے۔"خیال رہے کہ اس کلام سے مراد وہ کلام ہے جس کا تعلق دنیاداری سے ہو لیکن دینی کلام مسائل عقائد پر گفتگو اور ہر وہ کلام جس میں نیک مقصد ہو کسی کی رہنمائی کرنا مقصود ہو وہ جائز ہے۔

(**ونزع الخف**) اور نماز میں موزوں کا نکالنا مکروہ ہے کہ ان (موزوں) پر مسح نہ ہوا ہو اسی طرح تشہد میں اور تشہد کے بعد اور وہ (موزے) جس پر مسح ہوا ہو اس کا نماز کے آخر میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے نکالنا مکروہ ہے۔

(**بعمل یسیر**) عمل قلیل کے ساتھ، عملِ کثیر سے احتراز کیا کیونکہ عملِ کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ان موزوں کو نکالنا جن پر مسح نہ ہوا ہو نماز کے درمیان نماز کو نہیں توڑتا اور اسی طرح تشہد کے بعد سلام سے پہلے نماز کو نہیں توڑتا۔چاہے اس پر مسح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن مکروہ ہے کیونکہ لفظ سلام کے ساتھ نکلنا باقی رہ گیا اور اس موزے کو نماز کے دوران نکالنا جس پر مسح ہوا ہو نماز کو فاسد کرتا ہے کیونکہ موزے کو نکالنے سے موزے کا مسح باطل ہو گیا۔کوئی کہتا: کنزالدقائق سے مخالف لازم ہوئی کیونکہ کنزالدقائق میں کہا گیا ہے۔**ونزع الخف مفسد**۔موزہ نکالنا نماز کو فاسد کرنے والا ہے اور خلاصہ کیدانی میں کہا گیا ہے۔**ونزع الخف مکروہ**۔یعنی موزہ نکالنا نماز کو مکروہ کرنے والا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ خلاصہ کیدانی کا قول صورت غسل پر محمول ہے اور کنزالدقائق کا قول مسح پر محمول ہے۔(**وشم الطیب**) اور نماز میں قصداً خوشبو کا سونگھنا مکروہ ہے چاہے ایک ہاتھ سے لی ہو یا نہ لی ہو اور اگر دونوں ہاتھوں سے لی ہو تو نماز ٹوٹ گئی کیونکہ خوشبو لینا اور سونگھنا اعمال نماز سے نہیں تو سونگھنا عبث ہوا اور عبث تو نماز سے باہر بھی مکروہ ہے تو نماز کے اندر تو اس سے بھی زیادہ مکروہ ہوا اور اگر نہ ہاتھ سے لیا تھا اور نہ ہی سونگھا تھا تو پھر کراہیت نہیں ہے۔(**والتروح بالثوب**) اور کپڑے کے ساتھ ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے ایک ہاتھ کے ساتھ ہوا دینا اپنے آپ کو ہو یا کسی دوسرے شخص کو مکروہ ہے۔(**اوباالمروحة دون الثلث**) یا دستی پنکھے کے ساتھ ایک ہاتھ سے تین دفعہ سے کم۔اور قید کپڑے اور دستی پنکھے کے ساتھ اتفاقی ہے عادت کے طریقے پر ذکر ہوا ہے ورنہ کسی دوسری چیز سے ہوا لینا جیسے کاغذ یا کسی اور چیز سے بھی مکروہ ہے اسی طرح جس طرح کہ کپڑے اور دستی

[1540] رسائل بھترالوی ج ا ص ا ۳۔

[1541] تفسیر الکبیر ج ٦ ا ص ٨ تا ١٠ ا۔

پنکھے سے ہوا لینا مکروہ ہے اور ایک ہاتھ کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے احتراز کیا کیونکہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ پنکھا مارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور تین بار سے کم پر احتراز کیا تین بار سے، کیونکہ ایک رکن میں تین بار کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں ہاتھوں کی طرح فرض ہے عمل کثیر ہے بغیر عذر کے توڑنے والی ہے اور عذر کے ساتھ ساری نمازوں میں مکروہ نہیں۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عراقیین سے مروی ہے تو اس کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ نفل یا بوقت ضرورت میں ہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عراقیین کا قول مفتیٰ بہ ہے اور "فتاویٰ الحجۃ" میں کہا ہے کہ مکھی یا مچھر کا ہاتھ یا آستین سے ہٹانا مکروہ ہے مگر ضرورت کے وقت قلیل عمل کے ساتھ۔ اور حضرت خلف ابن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ سے حکایت ہے کہ وہ نماز سے باہر اپنے چہرے سے مکھیاں نہیں بھگاتے تھے اور کہتے کہ میں اس لئے نماز سے باہر اپنے چہرے سے مکھیاں نہیں بھگاتا تھا تاکہ نماز کے اندر بھی عادت نہ بن جائے۔ (وتعیین السورۃ) اور نماز کیلئے سورت یا آیات کا متعین کرنا مکروہ ہے۔ (لصلوۃ معینۃ) معین نماز کیلئے فاتحہ کے بغیر چاہے فرض میں ہو یا نفل میں۔ (بحیث لا یقرأ غیرھا) اس طرح تعین کرلے کہ نماز میں اس معین سورت کے علاوہ کوئی دوسری سورت نہ پڑھے پس یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ تعین تین قسم پر ہے پہلا تعین یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ معین نماز دوسری سورت کے ساتھ روا نہیں ہوتی تو یہ تعین کفر ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سورت کے علاوہ قرآن کے اور حصے کی قرآنیت کا اعتقاد نہیں رکھتا اور یہ کفر ہے دوسرا تعین یہ ہے کہ اس کا یہ تعین ہو کہ یہ معین سورت اس معین نماز میں بہتر ہے۔ دوسری سورتوں سے گو کہ یہ معین نماز اس سورت کے علاوہ دوسری سورتوں سے روا ہوتی ہے تو یہ تعین مکروہ ہے اور تیسرا تعین ہے بطریقۂ آسانی اور حفظ اور سورت معین ہے غلطیوں کا واقع نہ ہونے کی وجہ سے کہ یہ سورت اس اچھی طرح یاد ہوتی ہے تو یہ تعین مستحب ہے اس وجہ سے کہ اس تعین سے نماز میں فساد واقع نہ ہو جائے جیسے کہ سورۃ الجمعہ جمعہ کی نماز کیلئے ہوئی منع و کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ تعین باقی قرآن کی ہجران یعنی جدائی کیلئے مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (الفرقان ۳۰) اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا" سوائے اس سے کہ حضور ﷺ سے بعض نوافل میں روایت ہوئی ہے۔ (والجمع بین السورتین بترک واحدۃ بینھما فی رکعۃ واحدۃ) اور ایک رکعت میں دو سورتوں کو اس طرح جمع کرنا مکروہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے درمیان ایک سورت ہو (جس کی آیات سات سے کم ہوں) کیونکہ چھوڑنے میں اعراض کرنا ہے اس سے کہ جس میں شروع ہو چکی ہے اور مقروء دوم کی چھوڑی ہوئی سورت پر بہتری کا وہم ہوتا ہے اور دو رکعتوں میں دو سورتوں کو جمع کرنا ایک سورت کے چھوڑنے کے ساتھ دونوں کے درمیان صحیح روایت میں مکروہ نہیں ہے اور دو سورتوں کے چھوڑنے پر علی الاطلاق مکروہ نہیں اور اگر چھوڑنے کا حمل ایک سورت کے صحیح پر اور دو سورتوں کے اطلاق پر نہ ہو تو اطلاق اور صحیح کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے گا۔ "خلاصۃ الفتاویٰ" میں کہا ہے کہ کراہیت فرض میں ہے نہ کہ نفل میں تو یہ حضور ﷺ سے تعین مروی پر محمول ہوا۔

(والانتقال من اٰیۃ الی اٰیۃ ولو کانت بینھما سورۃ) اور ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف جانا مکروہ ہے گو کہ ان دونوں آیتوں کے درمیان سورت ہو۔ یہ جواب سوال ہے اس کی تقدیر یہ ہے کہ کوئی کہتا۔ اگر دو آیتوں کے درمیان ایک سورت سے کم

ہو مثلاً ایک آیت یا دو آیتیں ہوں تو ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف جانا مکروہ ہے اور اگر دو آیتوں کے درمیان پوری سورت ہو تو پھر ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف جانا مکروہ نہیں ہو گا اور حکم ایسے نہیں ہے۔

تو مصنف علیہ الرحمۃ نے اس قول کے ساتھ جواب دیا کہ **ولو کانت بینھما سورۃ**۔(اگرچہ ان دونوں کے درمیان ایک سورت ہو) حاصل جواب یہ ہے کہ ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف جانا۔ان باتوں سے خالی نہیں ہو گا یا تو دو آیتوں کے درمیان ایک سورت ہو گی یا زیادہ سورتیں ہوں گی یا سورت سے کم ہوں گی اور سورت سے کم بھی خالی نہیں ہو گا یا ایک آیت ہو گی یا دو آیتیں اور یا پھر تین آیتیں ہوں گی۔

پس ان صورتوں میں جانا بھی ان باتوں سے خالی نہیں ہو گا یا ایک رکعت میں ہو گا یا دو رکعتوں میں ۔اگر ایک رکعت میں جانا ہو تو مکروہ ہے مطلقاً اگر پڑھی ہوئی آیتوں کے درمیان ایک آیت ہو یا دو آیتیں یا تین آیتیں ہوں ۔اور اگر ایک سورت ہو یا زیادہ سورتیں اتفاق کے ساتھ بمثل ایک رکعت میں ایک سورت کے درمیان دو سورتوں کو جمع نہ کرنے کے ساتھ اور اگر دو رکعتوں میں جانا ہو ایک آیت سے دوسری آیت کو یا ایک سورت سے دوسری سورت کو تو یہ ان باتوں سے خالی نہ ہو گا یا تو اس کے درمیان ایک سورت ہو گی یا دو سورتیں ہوں گی۔

اگر درمیان میں دو سورتیں ہوں تو اتفاق کے ساتھ کراہیت نہیں ہے اور اگر درمیان میں ایک سورت ہو تو بعض کہتے ہیں جانا مکروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے اور یہ مکروہ نہ ہونا صحیح ہے کیونکہ قرآن عظیم الشان کا تالیف کے ساتھ پڑھنا مباح ہے اور مباح کے ترک کرنے میں کراہیت لازم نہیں ہوتی اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ اگر آیتوں کے درمیان سورت سے کم ہو تو مکروہ نہیں ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ **ولو کانت بینھما سورۃ** میں غلط ہے جیسا کہ "السعدی" میں کہا گیا ہے۔

(**وتقدیم السورۃ المتاخرۃ علی المتقدمۃ**) اور قرأت میں قصداً اور اختیار کے ساتھ پہلی سورت سے آخری سورت کو پہلے پڑھنا مکروہ ہے۔چاہے ایک رکعت میں ہو یا دو رکعتوں میں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔**من قراء القرآن معکوسا القی فی النار معکوسا**۔جس شخص نے قرآن مجید کو الٹا پڑھا تو اس شخص کو دوزخ میں الٹا ڈالا جائے گا۔"اور قید قصد کے ساتھ سہو سے احتراز کیا کیونکہ سہو کی حالت میں کراہیت نہیں ہے کراہیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آخری سورت میں مقدم کرنا اس ترتیب کا ترک ہے کہ جس پر حضور ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جمع ہوئے ہیں اور آخری سورت کا مقدم کرنا سورت کے متعین کرنے سے معین نماز میں زیادہ برا ہے۔

(**ولو فی رکعتین**) اگرچہ دو رکعتوں میں ہو۔جواب سوال ہے اس کی تقدیر یہ ہے کہ کوئی کہتا: آخری سورت میں مقدم کرنا اس وقت مکروہ ہو گا کہ ایک رکعت میں ہو اور اگر دونوں رکعتوں میں ہو تو مکروہ نہیں ہو گا اور حکم ایسے نہیں ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے اس قول کے ساتھ جواب دیا۔

ولو فی رکعتین۔اگرچہ یہ تقدیم دو رکعتوں میں ہو لیکن ایک رکعت میں کراہیت دو رکعتوں کی کراہیت سے سخت ہے اگر یہ عمل قصد کے ساتھ تھا اور اگر سہو کے ساتھ ہو تو اس میں کراہیت نہیں اگر ایک نمازی نے بغیر قصد کے سورۃ الناس پڑھ لی تو دوسری رکعت میں بھی سورۃ الناس پڑھے کیونکہ دو رکعتوں میں سورتوں کا تکرار مکروہ نہیں ہے چاہے فرض نماز میں ہو یا نفل نماز میں باعتبار فرض ونوافل میں قرآن عظیم الشان کو غیر معکوس پڑھنے کے۔

(والتسمية قبل كل ركعة) مذہب شیخین (حضرت امام اعظم وحضرت امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ) اور صاحبین (حضرت امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) میں بغیر سورۃ فاتحہ کے جہری اور سری نماز کی ہر رکعت میں سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ تسمیہ نہ سورۃ کا جزو ہے اور نہ الحمد کا جزو ہے اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث کہ وہ جزیت پر دلالت کرے اور نہ ہی خلفائے راشدین کا فاتحہ کی جزیت پر کوئی قول ہے اور حضور ﷺ بھی ہر سورت کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خفی نماز میں سورت کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لیا کریں اور جہری نماز میں نہ پڑھیں اس میں فائدہ یہ ہے کہ اگر اخفاء کی حالت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لی تو سکتہ لازم نہیں ہوتا اور اگر جہری نماز کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لی تو قرأت میں سکتہ لازم ہوا اور ضم سورت فوت ہوگئی اور اس پر سہو کی حالت میں سجدہ سہو واجب ہوگیا اور عمد کی حالت میں اس پر گناہ لازم ہوگیا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ سنتیت میں ہے کیونکہ ہمارے مذہب کے علماء کا اختلاف سورت سے پہلے تسمیہ پڑھنے کی کراہیت میں ہے۔ امام اور منفرد کیلئے فاتحہ سے پہلے تسمیہ پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ مستحبات کے باب میں گزر چکا ہے۔

(فی کل رکعة) مذہب شیخین میں ہر رکعت کے اندر۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں فاتحہ سے پہلے تسمیہ مستحب ہے۔ کہا گیا ہے کہ پہلی رکعت میں مستحب ہے اور باقی رکعتوں میں مکروہ ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ کے اس قول کے ساتھ سورت سے پہلے والی بات کی طرف اشارہ ہے کہ تسمیہ نہ تو سورت سے پہلے والی بات کی طرف اشارہ ہے کہ تسمیہ نہ تو سورت سے ہے اور نہ ہی فاتحہ سے اور یہی قول مختار ہے۔

(وحمل الصبی بلاعذر) نماز میں عذر کے بغیر بچے کو کمر پر اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ بچے کو کمر پر اٹھانا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے اور نماز میں وہ فعل کرنا جو جنس نماز میں سے نہ ہو مکروہ ہے۔ یہ اس وقت مکروہ ہے کہ اگر بچے کو اٹھانا ایک ہاتھ سے ہو یا دونوں ہاتھوں سے ہو ان دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور اگر عذر کے ساتھ ہو جیسا کہ بچے کا آگ میں جل جانے کا ڈر ہو یا پانی میں ڈوب جانے کا یا اونچی جگہ سے گرنے یا درندے کا ڈر ہو تو پھر بچے کو اٹھانا مکروہ نہیں ہے اور وہ روایت جو ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ امامت فرمارہے تھے اور امامہ ابی العاص کی بیٹی آپ ﷺ کی گردن مبارک پر بیٹھی ہوئی تھی تو یہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے کیونکہ اس وقت نماز میں بعض افعال مباح تھے جیسا کہ باتیں کرنا پھر حضور ﷺ کے اس قول سے منسوخ ہوگئے۔ لقوله ﷺ ان صلوتنا هذه لا يصح فيها شئی من كلام الناس وانما هی التسبيح والتهليل وقراءة القرآن وكره الصلوة فی ثياب البذلة۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے بتحقیق ہماری نماز میں لوگوں کے ساتھ باتیں کرنا لازم اور جائز نہیں ہے بلکہ یہ (نماز) تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت ہے اور نماز پرانے، خراب اور میلے کپڑوں میں پڑھنا مکروہ ہے۔" اور پرانے کپڑوں میں نماز مکروہ ہے اور پرانا کپڑا اسے کہا جاتا ہے جنہیں انسان گھر میں پہنتا ہے مگر امیر لوگوں کی محفل تک ان کپڑوں میں نہ جاسکے اس وجہ سے یہ مکروہ ہیں اور پرانے کپڑوں میں نماز پڑھنا نماز کی توہین کرنا ہے۔

(وحسر رأسه) اور سر کا ننگا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں قرآن اور نماز کی تعظیم کا ترک ہے۔ (الا تذللا) اور مگر (سر کو عاجزی کی وجہ سے نماز میں صرف اس وقت ننگا کرسکتا ہے جبکہ رات کے نوافل پڑھ رہا ہو) عاجزی کی وجہ سے سر کا ننگا کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ عاجزی کی حالت میں سر کا ننگا کرنا خشوع ہے اور خشوع نماز میں مقصود ہے۔ (لا الصلوة الی ظهر من لا يصلی) اور بیٹھے ہوئے آدمی کی کمر کی طرف نماز پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ کے ایک اعرابی کو بٹھا کر اس کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی ہے کہ

ایک مرتبہ حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور میں آپ ﷺ کے سامنے لیٹی ہوئی تھی جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو میں اپنے پاؤں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی اور جب آپ ﷺ سجدے سے سر اٹھاتے تو میں پھر اپنے پاؤں کو پھیلا دیتی تھی اور قید ظہر کے ساتھ سامنے یعنی چہرے سے احتراز کیا کیونکہ انسان کے چہرے کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو دوسرے آدمی کے چہرے کی طرف نماز پڑھ رہا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں آدمیوں کو کوڑے مارے اور نمازی سے کہا کہ تم نماز میں صورت یعنی شکل کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھتے ہو اور بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا کہ تم نمازی کے سامنے بیٹھتے ہو؟اور وہ حدیث جس میں حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھتا ہو اور اس کے ساتھ ایک قوم بیٹھی ہوئی ہو اور باتیں کر رہی ہو یا سوئی ہوئی ہو۔یہ آوازیں اٹھانے پر محمول ہے کہ نمازی نماز میں غلط ہو جائے گا اور سوئے ہوئے کی آواز کے ظہور کے حال پر محمول ہے کہ نمازی نماز میں ہنس پڑے گا اور اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

(والخاص سبعة عشر) اور مکروہات جو بعض نمازیوں اور بعض نمازوں کے حق میں خاص ہیں، وہ سترہ (۱۷) ہیں۔

(انتظار الامام قراءة) قرأت اور رکوع کی حالت میں امام کا (لمن سمع خفق نعليه) اس شخص کے لئے انتظار مکروہ ہے جس کے جوتوں کی آواز امام سن لے، اور امام اس بات پر عالم ہو کہ یہ شخص نماز کے لئے آرہا ہے (في الصلوة) نماز کی حالت میں انتظار مکروہ ہے۔اور امام کا اس نیت سے انتظار کرنا مکروہ ہے کہ اگر یہ شخص نماز کا یہ رکن پالے، چاہے قیام ہو یا رکوع اور آنے والا چاہے غنی ہو یا فقیر، امام جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور اگر امام کا انتظار اس لئے ہو کہ آنے والے شخص کی وجہ سے جماعت زیادہ ہو جائے یا آنے والا شخص جماعت میں داخل ہو جائے تو پھر مکروہ نہیں۔اور اگر امام اس وجہ سے انتظار کرے کہ آنے والے شخص سے ڈرتا ہو تو پھر یہ کفر ہے، کیونکہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر کا خوف کفر ہے۔

(وتطويل الركعة الثانية على الاولى) اور پہلی رکعت کی قرأت سے دوسری رکعت کی قرأت کو لمبا کرنا مکروہ ہے۔اس وقت جب دونوں رکعات میں قرأت کی گئی آیات میں برابری ہو یا دوسری رکعت کی قرأت پہلی رکعت میں کی گئی قرأت کی آیات سے ۳ آیات زیادہ ہو جائیں اور اگر تین آیات سے کم آیات دوسری رکعت میں زیادہ پڑھ لے تو معاف ہے۔

(في الفرائض) ایسا کرنا فرائض میں مکروہ ہے۔نوافل و سنن میں ایسا کرنا مکروہ نہیں کیونکہ نوافل کا باب فرائض کے باب سے فراخ ہے بوجہ عدمِ لزوم نفل کے شروع سے پہلے اور فرض کے قبل الشروع لازم ہے اور اصل دونوں رکعات کی قرأت میں برابری ہے کیونکہ فرض کی دونوں رکعات نفسِ استحقاق میں برابر ہے تو بقدرِ قرأت بھی برابر ہوئی۔سوائے صبح کی نماز کے کیونکہ صبح کی نماز میں قرأت کی لمبائی بقدرِ ایک ثلث ۱/۳، یا دو ثلث ۲/۳ مستحب ہے اس لئے کہ صبح کا وقت غفلت اور نیند کا وقت ہے تو پہلی رکعت کا دوسری رکعت پر لمبا کرنا مستحب ہوا تاکہ لوگوں کے ساتھ جمع پالینے میں امداد ہو جائے۔حضرت امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہر نماز میں پہلی رکعت کا دوسری رکعت پر لمبا کرنا بہتر نظر آتا ہے کیونکہ لوگ جماعت کے کام میں سست ہوتے ہیں بلکہ دین کے سارے کاموں میں سست ہوتے ہیں۔

(والتوقف في اية الرحمة) اور رحمت کی آیات کی قرأت کے وقت خاموش ہو جانا مکروہ ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ (الشعراء ۹۰)

ترجمہ: اس روز متقیوں کے لئے جنت نزدیک کر دی جائے گی۔

(او العذاب) یا عذاب کی آیات کی قرأت کے وقت جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ (الشعراء ۹۱)

ترجمہ: کافروں کے لئے دوزخ ظاہر کی جائے گی۔

(للامام و المقتدی مطلقاً) امام اور مقتدی کے لئے مطلقاً، چاہے فرض ہو یا وتر، رمضان المبارک میں تراویح ہو، یا صلوۃ الکسوف۔

(و للمنفرد للفرائض) اور منفرد کے لئے فرائض میں رحمت اور عذاب کی آیات پر ٹھہرنا مکروہ ہے اور نوافل میں مکروہ نہیں ہے کیونکہ منفرد کے لئے نوافل رحمت یا عذاب کی آیات پر ٹھہرنا کوئی باک نہیں رکھتا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتا ہے اور عذاب سے پناہ مانگتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ رات کے وقت تہجد پڑھتے تو نماز شروع کر کے الحمد پڑھ لیتے اور پھر سورہ بقرۃ شروع کر دیتے پس جب آیاتِ رحمت پر گزرتے تو ٹھہرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے تھے اور جب آیات عذاب پر گزرتے تو ٹھہرتے تھے اور عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ اور نہ پڑھتے تھے ایک مثال مگر ٹھہرتے تھے، پس نبی کریم ﷺ کی نفل سے فراغت طلوعِ صبح کے ساتھ ہوتی تھی کیونکہ نوافل کا باب فرائض کے باب سے اوسع ہے بخلافِ اداء نوافل کے جماعت کے ساتھ کہ نفل کی جماعت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، خصوصاً تراویح میں کہ زیادہ کھڑے ہونے کا مقصد قوم کو بھگانے اور تنگ کرنے کا سبب ہوتا ہے۔

(و سجدة علی کور العمامة) اور پگڑی کے گھیرے (پیچ) پر سجدہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تھے تو پگڑی کو پیشانی مبارک سے اوپر کرتے تھے (بلا عذر) عذر کے بغیر اس شرط کے ساتھ کہ پیشانی زمین کے ساتھ سختی محسوس کرتی ہو اور ہمارے مذہب کے نزدیک سختی محسوس نہ کرنے کے وقت پگڑی کو پیشانی سے اوپر کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ پگڑی کے گھیرے پر سجدہ بالکل جائز نہیں چاہے سختی کے ساتھ ہو یا بغیر سختی کے ہو، اور عذر کی حالت میں کراہیت نہیں ہے۔ عذر کی مثال یہ ہے، جیسا کہ سردی، گرمی، یا زمین کا کھردرا یعنی ناہموار ہونا وغیرہ کیونکہ حضور ﷺ اپنے آپ کو زمین کی گرمی سے فالتو کپڑے سے بچاتے تھے اور حضور ﷺ کا پگڑی کے گھیرے پر سجدہ کرنا حالتِ سردی یا گرمی، یا زمین کے کھردرے ہونے پر محمول ہے اور مصنف علیہ الرحمہ کے قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پگڑی کے ساتھ نماز پڑھنا پگڑی کے بغیر نماز پڑھنے سے ستائیس (۲۷) گنا بہتر ہے۔

(۱) عمامہ بکسر العین یعنی عین کے نیچے کسرہ پڑھا جاتا ہے (قاموس، شرح شمائل) اور بعض نے ضمہ بھی پڑھا ہے (قاموس) لیکن اس پر فتح پڑھنا غلط ہے۔[1542]

(۲) عمامہ کی تعریف: لغت میں عمامہ کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو سر پر باندھی جائے، اور اس کو سر پر لپیٹا جائے، خواہ اون کی ہو یا روئی وغیرہ کی خواہ اس کے نیچے ٹوپی ہو یا نہ ہو، لیکن سنت کے لئے اس کپڑے کے ساتھ شرعی گز ہونا ضروری ہے۔ جب مطلق عمامہ بولا جاتا ہے تو متبادر ومتعارف یہ ہوتا ہے۔

(۳) عمامہ کی جمع عمائم ہے جیسا کہ ثبوتِ عمامہ کے ضمن میں یہ حدیث شریف آرہی ہے:

العمائم تیجان العرب۔ (ترجمہ: عمامہ باندھنا عربیوں کا تاج ہے)[1543]

عممت ای کورت العمامة علی الرأس (مصباح)

ترجمہ: عممت کہتے ہیں کہ میں نے عمامہ کو سر پر لپیٹا۔

(۴) وجہ تسمیہ عمامہ: عمامہ کو عمامہ اس لئے کہتے ہیں کہ عام طور پر پورے سر کو ڈھانپ لیتا ہے۔[1544]

(۵) باندھنے کا طریقہ رسول اکرم ﷺ گنبد نما سر کے گرد باندھنے کا طریقہ تھا۔ چنانچہ شرق وغرب کے علماء اس طرح باندھتے ہیں۔[1545]

عن عبد السلام قال سألت ابن عمر کیف کان علیه السلام یعتم قال یدیر کور العمامه علی رأسه ویغرزها من ورائه ویرسل لها ذوابته بین کتفیه اھ۔[1546]

وقال هذا یدل علی انها عشرة اذرع والظاهر انها کانت نحو العشرة او فوقها بیسیر اھ۔[1547]

[1542] (تاج العروس، شرح شمائل، الدعامه)

[1543] (مصباح، صحاح، قاموس)

[1544] (الدعامه، ص ۴)

[1545] (رسالہ آداب سید البشر ﷺ، التحفة الرسولیة، هدایة الابرار ص ۳۶)

[1546] (ابو شیخ، قسطلانی ص ۲۴۸، ج ۸، بیهقی فی شعب)

[1547] (سیوطی، شرح المواهب، شرح شمائل، مناوی ابن سلمان شیخ جسوس، محاضرة الاوائل، دعامه ص ۷۷)

ترجمہ: عبد السلام کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا، کہ رسول اللہ ﷺ کیسے عمامہ باندھتے تھے، تو فرمایا: اپنے سر پر عمامہ کی کور (بل) گول باندھتے اور پیچھے کی طرف اس کا سرا اڑستے، شملہ دو کندھوں کے درمیان چھوڑتے۔ اور فرمایا یہ دس گز ہونے پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ دس گز تھا یا تھوڑا اس سے زائد۔

(۶) عمامہ کی ابتداء سب سے پہلے اپنے سر پر عمامہ باندھنے والے ہمارے آقا و مولا سیدنا آدم علیہ السلام تھے کہ جب جنت سے دنیا میں تشریف لائے تو جبرئیل امین علیہ السلام نے باندھا تھا۔ دوسرے شخص حضرت ذوالقرنین تھے، جب ان کے سر پر قرن نکل آئے تھے تو ان کو چھپانے کے لئے عمامہ باندھا۔[1548]

مقاتل بن حبان نبطی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی جس میں ہے کہ نبی امّی صاحبِ جمل مدرعہ اور صاحب عمامہ کی تصدیق کرو۔ (الحدیث) اس سے صاحبِ عمامہ کی وجہ تسمیہ بھی ماخوذ ہوتی ہے، نیز یہ بھی اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ ظاہر ہوں گے تو عمامہ استعمال کریں گے۔

(۷) عمامہ فرشتوں کی علامت ہے۔ درج ذیل آنے والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمامہ اور کندھوں کے مابین شملہ رکھنا فرشتوں کی علامت ہے جیسا کہ چند احادیث میں یہ مذکور ہے۔[1549]

(۱) عن رکانۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من لبس العمامۃ یعطی بکل کورۃ یدورھا علی رأسہ او قلنسوتہ نوراً۔

ترجمہ: حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے عمامہ باندھا تو اسے عمامہ کے ہر بل کے عوض جو اس نے سر یا ٹوپی پہ لپیٹا، نور عطا کیا جائے۔[1550]

(۲) حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا جس نے عمامہ باندھا تو اسے ہر بل کے عوض نیکی ملے گی اور اس کا ایک گناہ معاف ہو گا۔[1551]

(۳) آئندہ آنے والی وضوء، جمعہ اور نماز وغیرہ کی ترغیب والی احادیث سے عمامہ کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۴) فیہ سکینتہ من ربکم و بقیتہ مما ترک آل موسی و آل ھارون۔ (الآیۃ)

[1548] (اوائل السیوطی، محاضرۃ الاوائل، الدعامہ ص ۵)

[1549] (الدعامہ، ص ۶۸)

[1550] (اخرجہ الماوردی، الدعامہ ص ۷)

[1551] (الدعامہ ص ۷)

ترجمہ: اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور اٰلِ موسیٰ اور اٰلِ ہارون (علیہما السلام) کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں۔"مفسرین اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: وہ برکات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور مصلیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور عمامہ تھے۔[1552]

ثبوت فضائل عمامہ شریف پر احادیث شریفہ:

رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعة بلا عمامة۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بے عمامہ کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں۔[1553]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

صلاة تطوع از فریضة بعمامة تعدل خمساً و عشرین درجة بلا عمامة و جمعة بعمامة تعدل سبعین جمعة بلا عمامة۔[1554]

ترجمہ: ایک فرضی یا نفلی نماز عمامہ کے ساتھ عمامہ کے بغیر نماز سے پچیس درجے بہتر ہے اور عمامہ کے ساتھ ایک نماز جمعہ بغیر عمامہ ستر نماز جمعہ سے۔[1555]

امام ابو شجاع شیرویہ بن شہر دار بن شیرویہ الدیلمی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

عن انس الصَّلَاةِ فِي الْعِمَامَةِ عشرَةُ ألف حَسَنَة۔[1556]

امام ابو شجاع شیرویہ بن شہر دار بن شیرویہ الدیلمی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

عن جابر رکعتان بعمامة افضل من سبعین رکعة بغیر عمامة۔

[1552] (تفسیر خازن، و مدارک)

[1553] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۲۷۳ رقم الحدیث ۴۴۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادة الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۳۰ رقم الحدیث ۶۶۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کنز العمال ج ۱۵ ص ۵۰۶ رقم الحدیث ۴۱۱۳۸ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)، (فیض القدیر ج ۴ ص ۳۷ مطبوعہ المکتبة التجاریة الکبری مصر)

[1554] ابن عساکر عن ابن عمر (صحیح)

[1555] (الفتح الکبیر فی ضم الزیادة الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۸۸ رقم الحدیث ۷۳۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۶ رقم الحدیث ۴۱۱۳۹)، مرقات ج ۴ ص ۴۰۷)، (المقاحسنة ص ۲۷۱)

[1556] (الفردوس بماثور الخطاب ج ۲ ص ۴۰۶ رقم الحدیث ۳۸۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بغیر عمامہ کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں۔[1557]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ابن عساکر بطریق احمد بن محمد بن محمد الرقی ثنا عیسی بن یونس حدثنا العباس بن کثیر و الدیلمی بطریق الحسن بن اسحاق العجلی حدثنا اسحاق بن یعقوب القطان حدثنا سفیان بن زیاد المخری حدثنا العباس بن کثیر القرشی حدثنا یزید بن ابی حبیب عن میمون بن مهران قال دخلت علی سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما فحدثنی ملیا ثم التفت الی فقال یا ابا ایوب الا اخبرک بحدیث تحبه و تحمله عنی و تحدث به قلت بلی قال دخلت علی ابی عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنهما و هو یتعمم فلما فرغ التفت فقال اتحب العمامة قلت بلی قال احبها تکرم و لا یراک الشیطان الا ولی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول صلاة تطوع او فریضة بعمامة تعدل خمسا و عشرین صلاة بلا عمامة و جمعة بعمامة تعدل سبعین جمعة بلا عمامة ای بنی اعتم فان الملئکة یشهدون یوم الجمعة معتمین فیسلمون علی اهل العمائم حتی تغیب الشمس۔[1558]

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ عمامہ شریف باندھ رہے تھے جب آپ عمامہ سے فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم عمامہ کو دوست رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بے شک جی ہاں فرمایا اسے دوست رکھو عزت پاؤ گے اور جب شیطان تمہیں دیکھے گا تو تم سے پیٹھ پھیر لے گا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ عمامہ کے ساتھ ایک نماز خواہ وہ نفل ہو یا فرض بے عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے اور عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ بے عمامہ کے ساتھ ستر جمعوں کے برابر ہے پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے فرزند عمامہ باندھ بے شک فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھے آتے ہیں اور سورج ڈوبنے تک عمامہ باندھے والوں پر سلام بھیجتے ہیں۔

قیامت میں عمامہ کے ہر بل پر نور عطا ہو گا

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

العمامة علی القلنسوة فصل ما بیننا و بین المشرکین یعطی یوم القیامة بکل کورة بدورها علی رأسه نورا۔ الباوردی عن رکانة۔
ترجمہ: عمامہ کو ٹوپی کے اوپر باندھنے سے مشرکین اور ہمارے مابین امتیاز ہو جاتا ہے اور مومن کو قیامت میں عمامہ کے ہر بل پر نور عطا ہو گا۔[1559]

[1557] (الفردوس بماثور الخطاب ج ۲ ص ۲۶۵ رقم الحدیث ۳۲۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (جامع الکبیر للسیوطی ج ۴ ص ۴۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1558] (رواہ ابن عساکر و الدیلمی و ابن النجار) (مرقات ج ۴ ص ۴۲۶۔۴۲۷)

[1559] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف العین ج ۱ ص ۳۵۳ رقم الحدیث ۵۷۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ضعیف احادیث فضائل اعمال میں مقبول ہیں

عمامہ شریف کے فضائل والی اکثر احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف احادیث فضائل اعمال میں مقبول ہیں۔

شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

الاحادیث فی فضائل الاعمال و تفضیل الاصحاب متقبلة محتملة علی کل حال مقاطیعها و مراسیلها لا تعارض و لا ترد کذلک کان السلف یفعلون۔

ترجمہ: یعنی فضائل اعمال و تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں۔ مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ ان کی مخالفت کی جائے گی اور نہ انہیں رد کیا جائے گا آئمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔[1560]

امام یحیٰی بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

انهم قد یروون عنهم احادیث الترغیب و الترهیب و فضائل الاعمال و القصص و احادیث الزهد و مکارم الاخلاق و نحو ذالک ممّا لا تتعلق بالحلال و الحرام و سائر الاحکام و هذا الضرب من الحدیث یجوز عند اهل الحدیث و غیرهم التساهل فیه و روایة ماسوی الموضوع منه و العمل به لان اصول ذالک صحیحة مقررة فی الشرع معروفة عند اهله۔

ترجمہ: حضرات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب، ترہیب، فضائل اعمال، قصہ جات، زہد اور مکارم اخلاق میں احادیث روایت کرتے ہیں لیکن حلال و حرام کے احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث ایسے راویوں سے بالکل روایت نہیں کرتے۔ اس قسم کی احادیث ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور ان پر عمل کرنا محدثین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ یہ اصول شریعت میں صحیح و مقرر اور اہل شریعت کے ہاں معروف ہے۔[1561]

یہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں۔

قال العلمآء من المحدثین و الفقهآء و غیرهم یجوز و یستحب العمل فی الفضائل و الترغیب و الترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا۔

[1560] (قوت القلوب فی معاملة المحبوب ج ۱ ص ۱۷۸)

[1561] (شرح مسلم نووی ص ۲۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: محدثین، فقہاء اور دیگر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال، ترغیب اور ترہیب کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز و مستحب ہے جبکہ وہ حدیث موضوع نہ ہو۔[1562]

امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

الذی اطبق علیه ائمتنا الفقهاء و الاصولیون و الحفاظ ان الحدیث الضعیف حجة فی المناقب کما انه ثم باجماع من یعتدبه حجة فی فضائل الاعمال۔

ترجمہ: ہمارے ائمہ فقہاء اصولیین اور حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ مناقب میں بھی حدیث ضعیف حجت ہوتی ہے جس طرح قابل شمار علماء کا اس پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف حجت ہوتی ہے۔[1563]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

و یجوز عند اهل الحدیث و غیرهم التساهل فی الاسانید الضعیفة و روایة ماسوی الموضوع من الضعیف و العمل به۔

ترجمہ: اور محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سوا ہر قسم حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔[1564]

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

الذی یصلح للتعویل علیه ان یقال اذا وجد حیث فی فضیلة عمل من الاعمال لا یحتمل الحرمة و الکراهیة یجوز العمل به و یستحب لانه مامون الخطر و مرجوّ النفع۔

ترجمہ: یعنی اعتماد کے قابل یہ بات ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت میں کوئی حدیث پائی جائے اور وہ حرمت و کراہت کے قابل نہ ہو تو اس حدیث پر عمل جائز و مستحب ہے کہ اندیشہ سے امان ہے اور نفع کی امید۔[1565]

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

فی فضائل الاعمال یجوز العمل بالحدیث الضعیف۔

[1562] (الاذکار ص ۷ ناشر مکتبہ سیفیۃ پشاور)

[1563] (تطهیر الجنان و اللسان ص ۱۳ مطبوعہ مکتبۃ القاهرہ)

[1564] (تدریب الروی ص ۲۹۸ مطبوعہ مکتبۃ الریاض الحدیثۃ۔ الریاض)

[1565] (نسیم الریاض شرح شفا)

ترجمہ: فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔[1566]

شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ان الحدیث الضعیف معتبر فی فضائل اعمال۔

ترجمہ: بے شک حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے۔[1567]

فقہاء و محدثین کے اقوال

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

قال ولبس العمائم فی الحرب وغیرھا حسن من امر المسلمین فان العمائم تیجان العرب وقال تعمموا تزدادوا حلماً ودخل رسول اللہ ﷺ مکۃ یوم الفتح وعلیہ عمامۃ سوداء فعرفنا ان ذلک حسن وذکر عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال دعا رسول اللہ ﷺ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال تجھز فانی یا عنک فی السریۃ الحدیث الی ان قال وعلی عبدالرحمن عمامۃ دلفھا علی راسہ فدعاہ النبی ﷺ فاقعدہ بین یدیہ ونقض عمامتہ بیدہ ثم عممہ بعمامۃ سوداء فارخی بین کتفیہ منھا ثم قال ھکذا فاعتم یا ابن عوف وانما فعل ذلک اکراما لہ خصہ بھذہ الکرامۃ من بین الصحابۃ۔[1568]

امام ابو الحسن علی بن خلف العربی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

قال مالک العمۃ والاحتباء والانتعال من عمل العرب ولیس ذلک فی العجم وکانت العمۃ فی اول الاسلام ثم لم تزل حتی کان ھؤلاء القوم قال ابن وھب وحدثنی مالک انہ لم یدرک احدا من اھل الفضل یحیی بن سعید وربیعۃ وابن ھرمز الا وھم یعتمون ولقد کنت فی مجلس ربیعۃ وفیہ احد وثلاثون رجلا ما منھم رجل الا وھو معتم وانا منھم۔

ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عمامہ باندھنا گوٹ لگانا اور جوتے پہننا عرب کے عمل میں سے ہے یہ عجم میں نہیں تھا اور عمامہ باندھنا ابتداءً اسلام میں تھا پھر یہ مسلسل رہا تا آنکہ ابناء زمانہ بھی اسی پر قائم ہیں ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ انہوں نے ارباب فضل یحییٰ بن سعید ربیعہ اور ابن ہرمز رحمہم اللہ میں سے ہر ایک کو عمامہ باندھے ہوئے پایا اور میں ربیعہ کی مجلس میں تھا اس میں اکتیس شرکاء مجلس تھے ان میں سے ہر ایک عمامہ باندھے ہوئے تھا اور میں بھی ان میں سے تھا۔[1569]

[1566] (شامی ج ۱ ص ۲۸۳ باب الاذان مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1567] (مقدمہ لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ مکتبہ المعارف العلمیہ شیش محل لاھور)، (مقدمۃ مشکوۃ ص ۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

[1568] (شرح السیر الکبیر باب العمائم فی الحرب ج ۱ ص ۶۷ مطبوعہ بمطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ بحیدر آباد دکن ھند)

[1569] (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۹ ص ۸۹)

علامہ عبد الرؤف مناوی مصری شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔

والعمامة سنة لاسيما للصلاة وبقصد التجمل لاخبار كثيرة فيها واشتداد ضعف كثير منها يجبره كثرة طرقها وزعم وضع اكثرها تساهل وتحصل السنة بكونها على الرأس او القلنسوة تحتها۔

ترجمہ: عمامہ شریف سنت ہے خاص طور سے نماز کے لئے اور تجمل کے ارادے سے اس لئے کہ اس میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور بہت سی احادیث جو بہت ضعیف ہیں ان کا ضعف کثرت طرق سے دفع ہو جاتا ہے اور اکثر کو موضوع سمجھنا تساہل ہے۔[1570]

امام محمد بن عبد اللہ بن محمد المعروف بابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

العمامة سنة الراس وعادة الانبياء والسادة۔[1571]

امام شمس الدین محمد الخراسانی القھستانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ونص عبارته تنبغي ان يصلي مع العمامة في الحديث الصلاة مع العمامة خير من سبعين صلاة بغير عمامة كما في المنية۔[1572]

ترجمہ: اور اس کی عبارت پر نص یہ ہے کہ عمامہ کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہئے کیونکہ حدیث میں ہے عمامہ والی نماز بغیر عمامہ والی نماز سے ستر گنا افضل ہے۔ اسی طرح منیہ میں ہے۔

پیر شریعت پیر طریقت شیخ الاسلام عبد اللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

واعلم ان السوم هو ارسال العلاقة من تحت العمامة مما يلي القضاء من جانب الايسر ومن قوله تعالى ويمددكم ربكم بخمسة الآف من الملائكة مسومين وهو من النبي عليه الصلوة والسلام من سنة الهدى ومن فضله قال عليه الصلوة والسلام ركعتان معها افضل من سبعين ركعة بدونها وانه عليه السلام ارسلها في جميع الاحوال الى حالة السير وهي ثلثة انواع قبضة وقبضتين وقبضات حتى الصدر۔[1573]

مولوی عبد البصیر نعمانی دیوبندی حضرت اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اخون درویزہ بابا د خپل وخت عالم عابد زاھد متقی مجاھد د کشف و کرامت خاوند د علم و عرفان ځلاندہ ستورے وو۔

[1570] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۱ ص ۲۰۳ مطبوعہ ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان)

[1571] (عارضة الاحوذی شرح جامع الترمذی باب ماجاء فی لبس الصوف ج ۷ ص ۲۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (فیض القدیر شرح جامع الصغیر ج ۴ ص ۴۲۹ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)

[1572] (جامع الرموز فصل مایفسد الصلوۃ ج ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[1573] (ارشاد الطالبین ص ۱۳۲ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

ترجمہ: اخون درویزہ بابا اپنے وقت کے عالم، عابد، زاہد، متقی، مجاہد، صاحب کشف و کرامت اور علم و عرفان کے روشن ستارے تھے۔[1574]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ثم اعلم انہ ثبت فی الاخبار و الاثار انہ تعمم بالعمامۃ مما کاد ان یکون متواتراً فی المعنی و کذا ورد تحریضہ ﷺ علی التعمم فی احادیث کثیرۃ و لو من طرق ضعیفۃ یحصل من مجموعھا قوۃ ترقیھا الی مرتبۃ الحسن بل الصحۃ و تفید استحباب العمامۃ۔

ترجمہ: یعنی جان لو اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے عمامہ شریف کو استعمال فرمایا یہاں تک کہ احادیث و اخبار سے تواتر بالمعنے کا حکم ثابت ہوا بلکہ آپ ﷺ نے عمامہ شریف کے استعمال پر بہت بڑے فضائل بیان فرمائے۔[1575]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کھتے ہیں۔

بدانکہ پوشیدن عمامہ سنت ست واحادیث بسیار در فضل آن وارد شدہ و آمدہ است کہ دو رکعت بعمامہ بہتر ست از ہفتاد رکعت بی عمامہ۔

ترجمہ: یاد رہے کہ عمامہ باندھنا سنت ہے اور بہت سی حدیثیں اس کی فضیلت میں وارد ہیں حدیث میں آیا ہے کہ عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھنا عمامہ کے بغیر ستر رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔[1576]

محدث دیوبند انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں۔

اعلم ان لبس العمامۃ سنۃ ورد فی فضلھا اخبار کثیرۃ حتی ورد ان الرکعتین مع العمامۃ افضل من سبعین رکعۃ۔[1577]

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور امام سخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات کے جوابات میں لکھتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ حدیث موضوع نہیں۔ اس کی سند میں نہ کوئی وضاع ہے نہ متہم بالوضع نہ کوئی کذاب ہے نہ کوئی متہم بالکذاب لاجرم اسے امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی نے جامع صغیر میں ذکر فرمایا جس کے خطبہ میں فرماتے ہیں۔

ترکت القشر و اخذت اللباب و صنتہ عما تفرد بہ وضاع او کذاب۔

میں نے اس کتاب میں پوست چھوڑ کر خالص مغز لیا ہے اور ایسی حدیث سے بچایا ہے جسے تنہا کسی وضاع یا کذاب نے روایت کیا ہے۔

[1574] (خزینۃ الاولیاء ص ۱۱۳ مطبوعہ مکتبہ حنفیۃ مینکورہ سوات)

[1575] (المقالۃ العذبۃ فی العمامۃ و العذبۃ ص ۸ مطبوعہ دار الاخلاص لاھور)

[1576] (اشعتہ اللمعات فارسی کتاب اللباس ج ۳ ص ۵۸۳ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[1577] (العرف الشذی ھامش علی الشمائل للترمذی مع جامع الترمذی ص ۸ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

اما ابن النجار فاخرجه من طریق محمد بن مهدی المروزی انبانا ابو بشر بن سیار الرقی حدثنا العباس بن کثیر الرقی عن یزید بن ابی حبیب قال قال لی مهدی بن میمون دخلت علی سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهم وهو یعتم فقال لی یا ابا ایوب الا احدثک بحدیث تحبه وتحمله وترویه فذکر مثله وقال لا یزالون یصلون علی اصحاب العمائم حتی تغیب الشمس قال الحافظ فی اللسان هذا حدیث منکر بل موضوع ولم ار للعباس بن کثیر ذکر فی الغرباء لابن یونس ولا فی ذیله لابن الطحان واما ابو بشر بن سیار فلم یذکره ابو احمد الحاکم فی الکنی وما عرفت محمد بن مهدی المروزی ولا مهدی بن میمون الراوی لهذا الحدیث من سالم ولیس هو البصری المخرج فی الصحیحین وذاک یکنی ایا یحیی ولا ادری ممن الافة۔

ترجمہ: ابن نجار نے اس کی تخریج اس سند سے کی ہے کہ محمد بن مہدی مروزی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابو بشر بن سیار رقی نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں عباس بن کثیر رقی نے یزید بن ابی حبیب کے حوالے سے حدیث بیان کی کہا مجھے مہدی بن میمون نے بتایا کہ ایک دفعہ میں سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ کے پاس گیا تو وہ عمامہ باندھ رہے تھے انہوں نے مجھے فرمایا اے ابو ایوب میں تجھے ایک حدیث نہ بیان کروں جسے تو محبوب رکھے حاصل کرنے کے بعد اسے بیان کرے پھر انہوں نے اسی طرح کی حدیث بیان کی اور فرمایا کہ فرشتے عمامہ باندھنے والوں پر غروب آفتاب تک صلوۃ بھیجتے رہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں فرمایا کہ یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے اور میں نے عباس بن کثیر کا ذکر ابن یونس کی غرباء میں اور اس کے حاشیہ لابن طحان میں نہیں پایا اور ابو بشر بن سیار کا تذکرہ ابو احمد حاکم نے الکنی میں نہیں کیا اور نہ ہی میں محمد بن مہدی مروزی اور اس حدیث کے راوی مہدی بن میمون کو جانتا ہوں اور وہ بصری بھی نہیں جو مسلم و بخاری کے راوی ہیں ان کی کنیت ابو یحییٰ ہے اور نہ میں اس کی آفت سے آگاہ ہوں۔

اقول: اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر پر رحم فرمائے انہوں نے اس حدیث کو موضوع کیسے قرار دیا جب کہ اس روایت میں نہ کوئی ایسی چیز ہے جسے عقل و شرع محال جانے اور نہ ہی اس کی سند میں کوئی وضاع کذاب اور متہم ہے۔ محض راوی کے مجہول ہونے سے اس حدیث کو چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ فضائل میں قابل استدلال ہی نہ رہے۔ موضوع کہنا تو بہت بڑی بات ہے اس طرح کی روایات کے بارے میں خود حافظ ابن حجر عسقلانی نے القول المسدد میں بحث کی ہے۔

حافظ ابو الفرج ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا کہ۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے عشاء کے بعد شعر کا ایک بیت پڑھا اس کی اس رات کی نماز قبول نہ ہو گی وجہ یہ بتائی کہ اس حدیث کی سند میں راوی قرعہ بن سوید کے بارے میں امام احمد نے کہا یہ مضطرب الحدیث ہے ابن حبان نے کہا یہ کثیر الخطا اور فاحش الوہم ہے آخر میں ابن جوزی نے کہا جب اس کی روایت میں علتیں اس قدر کثیر ہو گئیں تو اس کی روایت سے استدلال ساقط ہو گیا۔[1578]

[1578] (کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۲۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس پر علامہ حافظ ابن حجر نے فرمایا یہاں پر کوئی ایسی چیز نہیں جو اس حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کرتی ہو۔ نیز ابن جوزی نے موضوعات میں یہ حدیث بھی ذکر کی کہ:

حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا عسقلان ان خوش نصیب شہروں میں سے ایک ہے جن سے روز قیامت ستر ہزار ایسے افراد اٹھائے جائیں گے جن کا حساب نہیں ہو گا اور اس میں پچاس ہزار شہداء اٹھائے جائیں گے جو وفد کی صورت میں صف بستہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے حالانکہ ان کے سر کٹے ہوئے ہاتھوں میں ہوں گے اور ان کی اس رگ سے خون بہہ رہا ہو گا جو بوقت ذبح کاٹی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمیں وہ چیز عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ فرمایا ہے ہمیں روز قیامت ذلت سے محفوظ فرما۔ بلاشبہ تو وعدہ کا خلاف نہیں کرتا اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میرے بندوں نے سچ کہا ان کو سفید نہر میں غسل دو تو وہ اس نہر سے صاف شفاف اور چمکدار ہو کر نکلیں گے اور جنت میں حسب خواہش چلے جائیں گے اور وہاں کی نعمتوں سے مستفید ہوں گے۔

اور ابن جوزی نے اس کے موضوع ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ اس کی تمام سندوں کا مرکز ابو عقال ہے جس کا نام ہلال بن زید بن یسار ہے۔ ابن حبان نے کہا یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی روایات موضوعہ نقل کرتا ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالکل بیان نہیں کی۔ امام ذہبی نے میزان میں کہا یہ باطل ہے۔

اس پر علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا یہ روایات فضائل اعمال سے متعلق ہیں۔ اس میں اللہ کی راہ میں جہاد کی ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے اس میں ایسی کوئی بات نہیں جسے عقل و شرع محال قرار دیتی ہو۔ لہٰذا محض اس لئے اسے باطل قرار دینا کہ اس کا راوی ابو عقال ہے قابل حجت نہیں اور امام احمد احادیث احکام میں تو نہیں البتہ احادیث فضائل میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ معروف و مشہور ہے۔[1579]

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیصلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ یہ ہی طریقہ علامہ ابن حجر نے عمامہ والی حدیث میں کیوں نہیں اختیار فرمایا حالانکہ یہ حدیث بھی فضائل اعمال سے متعلق ہے اور اس سے بارگاہ الٰہی کے ادب پر شوق دلایا گیا ہے اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جسے شرع و عقل محال قرار دیتی ہو بلکہ اس میں کوئی راوی بھی ایسا نہیں جسے ابو عقال کی طرح موضوعات کا راوی قرار دیا گیا ہو تو اس روایت پر بطلان بلکہ موضوع ہونے کا حکم محض اس بنا پر کہ بعض روایات کا ایسے راویوں سے ہونا جن کو حافظ ابن حجر نہیں جانتے یا فلاں فلاں نے ان کو ذکر نہیں کیا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں میرے نزدیک ابن النجار کے بعض رواۃ میں سے مہدی بن میمون کے بارے میں وہم ہے یہاں راوی میمون ابن مہران ہیں سند اس طرح ہے۔

[1579] (القول المسدد لابن حجر عسقلانی ص ۳۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن ہند)

ابو نعیم کے نزدیک عیسیٰ بن یونس اور دیلمی کے نزدیک سفیان بن زیاد دونوں نے عباس سے انہوں نے یزید سے انہوں نے میمون ابن مہران سے روایت کیا ہے اور میمون سے مراد ابو ایوب جزری الرقی ہیں جو نہایت ثقہ اور فقیہ ہیں مسلم اور چاروں سنن کے رجال سے ہیں جیسا کہ حافظ نے خود تقریب میں کہا۔

یہ ہی وجہ ہے کہ خاتم الحفاظ علامہ سیوطی نے اس روایت کو جامع صغیر میں نقل فرمایا جس میں انہوں نے وعدہ کیا کہ کوئی موضوع حدیث بیان نہیں کروں گا۔

اور علامہ ابن حجر کے شاگرد خاص امام سخاوی کا اس عمامہ والی حدیث ابن عمر کو موضوع کہنا صرف اپنے استاذ کے قول کی بنا پر ہے کیونکہ انہوں نے موضوع ہونے کی کوئی علیحدہ سے وجہ نہیں بیان فرمائی اور حدیث انس میں صرف ابان راوی متروک ہیں اور ایک راوی کا متروک ہونا حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ نہیں دے سکتا یہ تفصیلی گفتگو ہم نے الھاد الکاف فی حکم الضعاف میں کی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔[1580]

حضور ﷺ کے عمامہ شریف کی تفصیل

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

اخبرنا ابو البرکات الانماطی انا ابو طاھر احمد بن الحسن بن احمد الباقلانی نا ابو علی بن شاذان انا ابو سھل احمد بن محمد بن عبداللہ بن زیاد القطان نا صالح بن مقاتل بن صالح حدثنی ابی حفص بن مسلم بسمرقند نا ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ ان النبی ﷺ کانت عمامتہ سوداء تسمی العقاب ولواؤہ اسود۔[1581]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

وطریق عمامہ بستن آنحضرت ﷺ گرد بود گنبد نما چنانچہ علماء وشرفاء عرب بآں دستوری بندند۔

ترجمہ: حضور ﷺ کا عمامہ باندھنا گول حلقہ ہوتا گنبد نما (یعنی عمامہ کی شکل گنبد نما ہوتی) چنانچہ علماء شرفاء عرب عمامہ اسی طریقہ پر باندھتے ہیں۔[1582]

علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

[1580] (فتاویٰ رضویہ ملخصاً ج ۳ ص ۷۹۔ ۸۰ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی)

[1581] (السیرۃ النبویۃ لابن عساکر ج ۴ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1582] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس فارسی اردو ص ۱۷ مطبوعہ دار احیاء العلوم کراچی)

عن ابی کبشۃ الانماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت عمامۃ رسول اللہ ﷺ بطحۃ یعنی لاطئۃ۔[1583]

امام ابی العباس احمد بن احمد الخطیب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔

وترک رسول اللہ یوم مات من الثیاب اربعۃ ازر وقمیصا وجبۃ وکساء وملحفۃ وقمیصا وعمامۃ وبردۃ حمراء وقلانس۔[1584]

امام حسن بن عمر بن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ملابس النبی ﷺ

کان لہ برد نجرانی غلیظ الحاشیۃ وکمۃ بیضاء وقلانس لاطیۃ وعمامۃ سوداء صعد بھا علی المنبر ولبسھا عند دخول مکۃ یوم الفتح الاکبر وقمیص من القطن قصیر الطول والیدین وجبۃ من الصوف وجبۃ شامیۃ صفیقۃ الکمین وبرد من حبرۃ لہ حاشیتان ورداء حضرمی وازار من نسج عمان وحلۃ حمراء یلبسھا فی الجمعۃ والعیدین وکان یکثر القناع ویلبس الجرموقین والنعلین۔

واذا اعتم سدل عمامتہ بین کتفیہ وارخاھا واذا توضا او سجد رفعھا عن جبینہ ونحاھا وکان یصبغ ثیابہ بالزعفران ویظھر للناس وعلیہ بردان اخضران۔[1585]

حضور ﷺ کے عمامہ شریف کا نام سحاب تھا

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر الاصفھانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

حدثنی محمد بن احمد بن سعید الواسطی نا محمد الوزیر نا مسعدۃ بن الیسع عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ قال کسا رسول اللہ علیا عمامۃ یقال لھا السحاب فاقبل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھی علیہ فقال ھذا علی قد اقبل فی السحاب فحرفوھا ھؤلاء فقالوا علی فی السحاب۔[1586]

محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

کانت لہ عمامۃ تسمی السحاب کساھا علیا وکان یلبسھا ویلبس تحتھا القلنسوۃ وکان یلبس القلنسوۃ بغیر عمامۃ ویلبس العمامۃ بغیر قلنسوۃ وکان اذا اعتم ارخی عمامتہ بین کتفیہ کما رواہ مسلم فی صحیحہ عن عمرو بن حریث قال رایت رسول اللہ

[1583] (جامع الاصول فی احادیث الرسول ج ۱۰ ص ۶۲۳ رقم الحدیث ۸۲۴۲ مطبوعہ بمطبعۃ السنۃ المحمدیۃ بالقاھرۃ)

[1584] (وسیلۃ الاسلام بالنبی ﷺ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)

[1585] (المقتفی من سیرۃ المصطفی ص ۹۵۔۹۶ مطبوعہ دار الحدیث القاھرۃ مصر)

[1586] (اخلاق النبی ﷺ وآدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۹۷ رقم الحدیث ۳۰۷ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

ﷺعلی المنبر وعلیہ عمامۃ سوداء قدارخی طرفیھا بین کتفیہ۔ وفی مسلم ایضا عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہﷺ دخل مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضور ﷺ کے پاس ایک عمامہ تھا جسے سحاب کہا جاتا تھا جو بعد میں آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا تھا آپ اس کو باندھتے تھے اور اس کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی حضور ﷺ بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ بھی زیب تن فرماتے تھے۔[1587]

علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

وکانت لہ عمامۃ تسمی السحاب فوھبھا من علی فربما طلع علی فیھا فیقول اتاکم علی فی السحاب۔

ترجمہ: آپ ﷺ کا عمامہ سحاب تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ھبہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سحاب میں آپ کے پاس آئے۔[1588]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

یقال لھا السحاب فکساھا علی ابن ابی طالب فکان ربما طلع علی فیقول اتاکم علی فی السحاب یعنی عمامتہ التی وھب لہ۔

ترجمہ: اس عمامے کو سحاب کہا جاتا حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنایا گیا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے تو حضور ﷺ فرماتے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہارے پاس سحاب ہے یعنی اس عمامے مبارک میں آئے جو ان کو ھبہ کیا گیا تھا۔[1589]

امام محمد باقی زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

وقد کان لہ علیہ الصلوۃ والسلام عمامۃ تسمی السحاب ویلبس تحتھا القلانس اللاطئۃ۔

ترجمہ: حضور ﷺ کا ایک عمامہ تھا جس کو سحاب کہا جاتا تھا حضور ﷺ اس عمامہ کے نیچے سر پر مڑی ہوئی ٹوپی پہنتے تھے۔[1590]

حضور ﷺ کے عمامہ شریف باندھنے کا طریقہ

[1587] (زادالمعاد فصل فی ملابسہ ج ۱ ص ۱۳۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1588] (اتحاف سادۃ المتقین کتاب آداب المعیشۃ واخلاق النبوۃ ج ۸ ص ۲۵۴۔۲۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1589] (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1590] (زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

ابو عبدالسلام سال بن عمر کیف کان النبی ﷺ یعتم قال کان یدیرھا علی راسہ ثم یغرزھا خلفہ ویرخی طرفھا بین کتفیہ۔[1591]

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر الاصفھانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا زکریا الساجی و ابن رستۃ قالا حدثنا ابو کامل نا ابو معشر نا خالد الحذاء حدثنی ابو عبدالسلام قال قلت لابن عمر کیف رسول اللہ یعتم قال یدیر کور العمامۃ علی رأسہ ویغرسھا من ورائہ ویرخی لھا ذوابۃ بین کتفیہ قال نافع و کان ابن عمر یفعل ذلک۔[1592]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

حدثنی ابو عبدالسلام قال سالت ابن عمر کیف کان النبی ﷺ یعتم؟ قال کان یدیر العمامۃ علی راسہ ویغرزھا من ورائہ ویرسل لھا ذؤابۃ بین کتفیہ۔

ترجمہ: ابو عبد السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ حضور ﷺ عمامہ کیسے باندھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ عمامے کو سر کے اوپر بل دینے کے لئے گھماتے جاتے تھے اور پیچھے کی طرف اس کے سرے کو بل کے اندر دیتے تھے اور اس کے اوپر کے سروں کو دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا لیتے تھے۔[1593]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

کان یدیر العمامۃ علی رأسہ ویغرزھا من ورائہ ویرسل لھا ذوابۃ بین کتفیہ۔[1594]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں۔

رواہ الطبرانی فی الاوسط و رجالہ رجال الصحیح۔ خلا ابا عبدالسلام وھو ثقۃ۔[1595]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

[1591] (الکنی للبخاری ص ۵۲ رقم الحدیث ۴۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1592] (اخلاق النبی ﷺ وآدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۹۵ رقم الحدیث ۳۰۶ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[1593] (شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۴ رقم الحدیث ۶۲۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (الآداب للبیھقی ج ۲ ص ۱۹۷ رقم الحدیث ۵۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1594] (السیرۃ النبویۃ لابن عساکر ج ۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1595] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

رواہ الطبرانی والبیھقی وابو موسی المدنی واسنادہ علی شرط الصحیح الا اباعبدالسلام وھو ثقۃ۔[1596]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر واسنادہ علی شرط الصحیح الا اباعبدالسلام وھو ثقۃ۔[1597]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

عن عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ اذا اعتم سدل عمامتہ بین کتفیہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عمامہ باندھتے تھے تو عمامے کے سرے کو دونوں کندھوں کے مابین لٹکاتے تھے۔[1598]

الجامع لشعب الایمان کے محقق غیر مقلد مختار احمد الندوی اس کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اسنادہ لاباس بہ والحدیث حسن لشواھدہ ومتابعاتہ۔[1599]

صحیح روایات سے عمامہ شریف کی کوئی خاص مقدار ثابت نہیں۔

صحیح روایات سے حضور ﷺ کے عمامہ شریف کی کوئی خاص مقدار ثابت نہیں۔ البتہ بعض علماء نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ حاضر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

واما مقدار العمامۃ الشریفۃ فلم یثبت فی حدیث وقد روی البیھقی فی شعب الایمان عن ابی عبدالسلام قال سالت ابن عمر کیف کان النبی ﷺ یعتم؟ قال کان یدیر العمامۃ علی راسہ ویغرزھا من ورائہ ویرسل لھا ذؤابۃ بین کتفیہ وھذا یدل علی انھا عدۃ اذرع والظاھر انھا کانت نحو العشرۃ او فوقھا بیسیر انتھی۔

[1596] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1597] (المقالۃ العذبۃ فی العمامۃ والعذبۃ ص ۲۵ مطبوعہ دار الاخلاص لاھور)

[1598] (شعب الایمان للبیھقی ج۵ ص ۱۷۳ رقم الحدیث ۶۲۵۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن الترمذی ج۴ ص ۲۲۵ رقم الحدیث ۱۷۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1599] (الجامع لشعب الایمان ج۸ ص ۲۸۸ رقم الحدیث ۵۸۳۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: عمامہ کی مقدار حدیث سے ثابت نہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ شعب الایمان میں روایت کرتے ہیں کہ ابو عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا حضور ﷺ کیسے عمامہ شریف باندھتے تھے فرمایا کہ عمامہ سر پر ہوتا پیچھے سے اڑستے شملہ کاندھوں کے درمیان ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ چند گز تھا ظاہر دس گز یا اس سے کچھ زیادہ تھا۔[1600]

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

انه قال فی تصحیح المصابیح قد تتبعت الکتب و تطلبت من السیر و التواریخ لاقف علی قدر عمامة النبی ﷺ فلم اقف علی شئ حتی اخبرنی من اثق به انه وقف علی شئ من کلام النووی ذکر فیه انه کان له ﷺ عمامة قصیرة و عمامة طویلة و ان القصیرة کانت سبعة اذرع و الطویلة اثنی عشر ذراعاً انتهی۔

ترجمہ: شیخ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح المصابیح میں لکھا کہ میں نے کتابوں کو تلاش کیا سیرت و تاریخ کی کتابیں بھی دیکھیں کہ کہیں مجھے رسول اللہ ﷺ کے عمامہ کی مقدار مل جائے لیکن مجھے کچھ نہیں ملا تا آنکہ مجھے ایک ایسا شخص ملا جس پر مجھے اعتماد ہے اس نے بتایا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو عمامہ تھے ایک چھوٹا دوسرا بڑا چھوٹے کی مقدار سات ذراع اور بڑے کی مقدار بارہ ذراع تھی۔[1601]

شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

اما طول عمامة النبی ﷺ و عرضها فلم یثبت فیها شئ و من ثم قال جماعة من الحفاظ الجامعین بین فنی الحدیث و غیره لم یتحرر لنا فی ذلک شئ و من ثم لما سئل عنه الحافظ عبد الغنی لم یبد فیه شیئا۔[1602]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ظاهر کلام المدخل ان عمامته کانت سبعة اذرع مطلقاً من غیر تقیید بالقصیر و الطویل۔

ترجمہ: یعنی حاصل کلام یہ کہ حضور ﷺ کا عمامہ مبارک مطلقاً سات ہاتھ ہوتا تھا بغیر لمبائی اور چوڑائی کی قید کے۔[1603]

امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد المشہور ابن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

[1600] (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1601] (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۱۴۷۔۱۴۸ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)، (شرح زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[1602] (الفتاویٰ الحدیثیۃ مطلب فی طول عمامۃ النبی ﷺ و عرضہ ص ۱۲۔۱۳ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

[1603] (مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب اللباس الفصل الثانی حکم العمامۃ و القلنسوۃ ج ۸ ص ۲۵۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

مانصه وردت السنة بالرداء والعمامة والعذبة لكن الرداء كان اربعة اذرع ونصفاً ونحوها والعمامة سبعة اذرع ونحوها يخرجون منها التلحية والعذبة والباقي عمامة۔[1604]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

كانت عمامته ﷺ في البيت سبعة او ثمانية اذرع وفي وقت الصلوات الخمس اثنا عشر ذراعاً وفي الجمعة اربعة عشر ذراعاً وفي الحروب خمسة عشر ذراعاً كذا قيل انتهى معرباً۔[1605]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

پنجگانہ نمازوں کے وقت بارہ گز اور عید کے روز چودہ گز اور جنگ وحرب کے وقت پندرہ گز اور متاخرین علمائے کرام نے فرمایا کہ وقار ومرتبہ اور بزرگی کی وجہ سے بادشاہ قاضی مفتی فقیہ مشائخ اور غازی کو اکتیس گز (یعنی ہاتھ) تک عمامہ باندھنا جائز ہے۔ عمامہ باندھنے میں سنت یہ ہے کہ عمامہ لمبا ہو نہ کہ چوڑا اور عمامہ کا عرض آدھا ہاتھ ہو یا تھوڑا کم یا زیادہ اس کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں اور اس کی کم سے کم لمبائی سات گز ہو ایسے گز سے جو چوبیس انگل کا ہوتا ہے کہ مٹھیاں بنتی ہیں اور یہ کہ عمامہ باطہارت باندھے اور قبلہ رو کھڑا ہو کر باندھے اور جب بھی کھولے تو پیچ پیچ کر کے کھولے یکبارگی نہ اتارے جیسے باندھنے میں پیچ پر پیچ دیا تھا اس طریقے سے کھولے عمامہ باندھنے کے بعد آئینہ یا پانی یا اس کی مثل کسی (عکس دار) چیز میں دیکھ کر اس کو درست کرے اور عمامہ شملہ کے ساتھ باندھے۔[1606]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

قال العلماء رحمهم الله تعالٰى لم تكن عمامة النبي ﷺ بالكبيرة التي تو ذى صاحبها وتضعفه وتجعله عرضة للآفات كما يشاهد من حال اصحابنا ولا بالصغيرة التي تقصر عن وقاية الراس من الحر والبرد بل وسطا بين ذلك۔

ترجمہ: علماء فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا عمامہ نہ اتنا طویل تھا کہ اٹھانے میں تکلیف ہو نہ اتنا مختصر تھا کہ سر کو سردی گرمی سے نہ بچا سکے بلکہ درمیانہ درجہ کا تھا۔[1607]

محدث دیوبند انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں۔ **مانصه كانت عمامته عليه السلام في اكثر الاحيان ثلاثة اذرع شرعية وفي الصلوات الخمس سبعة اذرع وفي الجمع والاعياد اثنا عشر ذراعاً انتهى۔**

[1604] (المدخل لابن الحاج ج ۱ ص ۱۴۰ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1605] (آداب اللباس للشیخ محدث دھلوی ص ۳ مطبوعہ ھند)، (المقالۃ العذبۃ فی العمامۃ والعذبۃ للقاری ص ۱۴ مطبوعہ دار الاخلاص لاھور)

[1606] (آداب اللباس للشیخ محدث دھلوی ص ۳ مطبوعہ ھند)، (المقالۃ العذبۃ فی العمامۃ والعذبۃ للقاری ص ۱۴ مطبوعہ دار الاخلاص لاھور)

[1607] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (شرح زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ترجمہ: حضور ﷺ کا عمامہ اکثر اوقات میں تین شرعی ذراع کا تھا پانچوں نمازوں کے لئے سات ذراع کا تھا اور جمعہ و عیدین میں بارہ ذراع کا تھا۔[1608]

محمد زکریا دیوبندی لکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کا بے اصل ہونا ذکر کیا ہے علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی۔ البتہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے دو عمامے تھے ایک چھوٹا چھ ہاتھ کا مناوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق اور سات ہاتھ کا ملا علی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ایک بڑا بارہ ہاتھ کا۔ صاحب مدخل نے حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار سات ہی ہاتھ بتائی ہے دوسرا نہیں بتایا۔[1609]

شملہ کا بیان

عمامہ کا شملہ کم سے کم چار انگلی کے برابر اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ تک ہونا چاہیے۔ حضور ﷺ سے شملہ کے مختلف طریقے ثابت ہیں۔ حضور ﷺ کے عمامہ کے تذکرے میں دو شملے اور ایک شملہ دونوں کا احادیث سے ثبوت ملتا ہے لہٰذا عمامہ شریف میں ایک شملہ رکھنا بھی درست اور سنت ہے اور دو شملے رکھنا بھی درست اور سنت ہے۔ جو ان شاء اللہ آگے تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ عمامہ کا شملہ پیٹھ کی جانب دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑنا افضل اور مستحب ہے اور دائیں طرف رکھنا بھی جائز ہے البتہ بائیں طرف رکھنے اور نہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور بغیر شملہ کے بھی بعض علماء نے جائز کہا ہے لیکن درست یہ ہے کہ عمامہ بغیر شملہ کے مکروہ یعنی مکروہ تنزیہی ہے اگرچہ بعض علماء نے اس کو مباح قرار دیا ہے مگر یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے اس لئے ہمارے مطالعہ میں کوئی ایک صحیح یا ضعیف حدیث نہیں جس میں یہ ہو کہ حضور ﷺ نے بغیر شملہ کے عمامہ مبارک پہنا ہو نہ کسی صحابی کا فرمان نہ کسی تابعی کے فرمان سے ثابت ہے۔

اور بعض علماء نے جو اس کو بھی سنت کہا ہے وہ ہمارے نزدیک درست نہیں اور کسی روایت میں شملہ کے بغیر عمامہ ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں کہ حضور ﷺ نے شملہ کے بغیر عمامہ باندھا ہو اس لئے ابن قیم کا زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ج ا ص ۱۳۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت طبع سنہ ۱۴۰۵ء میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے (جن میں شملہ کا ذکر نہیں) استدلال درست نہیں۔ جیسا کہ مشہور قاعدہ **عدم الذکر لا یستلزم عدم الوجود** اور یہ روایت بھی مختصر ہے جن سے ابن قیم نے استدلال کیا ہے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے **عمرو بن حریث یحدث**

[1608] (العرف الشذی علی جامع الترمذی ج ا ص ۳۰۴)

[1609] (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی ﷺ ص ۸۸ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

عن ابیہ کی سند سے فتح مکہ کی یہ روایت جس میں حضور ﷺ کے عمامہ شریف کا ذکر ہے تفصیلاً روایت کیا ہے جس میں شملہ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوا کہ ابن قیم کا یہ استدلال درست نہیں۔ وہ روایت یہ ہیں:

اخبرنا الفقیہ ابو بکر محمد بن بکر الطوسی رحمۃ اللہ قال انبانا ابو بشر محمد بن احمد بن حاضر قال حدثنا ابو العباس السراج قال حدثنا ابو معمر قال حدثنا ابو اسامۃ عن مساور الوراق قال سمعت جعفر بن عمرو بن حریث یحدث عن ابیہ قال کانی انظر الی رسول اللہ ﷺ یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء حرقانیۃ قد ارخی طرفھا بین کتفیہ۔[1610]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

من العلم ان العذبۃ سنۃ وترکھا استنکافاً عنھا اثم او غیر مستنکف فلا۔

ترجمہ: جو شملہ کو سنت نہ کہے اور تکبر سے لٹکائے تو وہ گنہگار ہے ورنہ نہیں۔[1611]

امام محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

قال السیوطی من علم ان العذبۃ سنۃ وترکھا استنکافا اثم وغیر مستنکف فلا۔[1612]

امام محدث کبیر بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

قال شیخنا زین الدین رحمہ اللہ ما المراد بسدل عمامتہ بین کتفیہ؟ ھل المراد سدل الطرف الاسفل حتی تکون عذبۃ؟ او المراد سدل الطرف الاعلی بحیث یغرزھا ویرسل منھا شیئاً خلفہ؟ یحتمل کلاً من الامرین ولم ار التصریح یکون المرخی من العمامۃ عذبۃ الا فی حدیث عبد الاعلی بن عدی رواہ ابو نعیم فی معرفۃ الصحابۃ من روایۃ اسماعیل بن عیاش عن عبداللہ بن بشر عن عبد الرحمن بن عدی البھرانی عن اخیہ عبد الاعلی بن عدی ان رسول اللہ ﷺ دعا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم غدیر خم فعممہ وارخی عذبۃ العمامۃ من خلفہ ثم قال ھکذا فاعتموا فان العمائم سیماء الاسلام وھی الحاجز بین المسلمین والمشرکین قال وقال الشیخ مع ان العذبۃ الطرف کعذبۃ السوط وکعذبۃ اللسان ای طرفہ فالطرف الاعلی یسمی عذبۃ من حیث اللغۃ وان کان مخالفاً للاصطلاح العرفی الآن وفی بعض طرق حدیث ابن عمر ما یقتضی ان الذی کان یرسلہ بین کتفیہ من الطرف الاعلی رواہ ابو الشیخ وغیرہ من روایۃ ابی عبد السلام عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قلت لابن عمر کیف کان رسول اللہ ﷺ یعتم؟ قال کان یدیر کور العمامۃ علی راسہ ویغرزھا من ورائہ ویرخی لھا ذؤابۃ بین کتفیہ انتھی۔[1613]

[1610] (دلائل النبوۃ للبیھقی ج ۵ ص ۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1611] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1612] (شرح زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[1613] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۵ ص ۲۲۔۲۳ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)

امام الشیخ ابراہیم البیجوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وقد استفید من الحدیث ان العذبۃ سنۃ وکان حکمۃ سنیتھا ما فیھا من تحسین الھیئۃ وارسالھا بین الکتفین افضل واذا وقع ارسالھا بین الیدین کما یفعلہ الصوفیۃ وبعض اھل العلم فھل الافضل ارسالھا من الجانب الایمن لشرفہ او من الجانب الایسر کما ھو المعتاد؟ وفی حدیث ابی امامۃ عند الطبرانی ما یدل علی تعیین الایمن لکنہ ضعیف واستحسن الصوفیۃ ارسالھا من الجانب الایسر لکونہ جانب القلب فیتذکر تفریغہ مما سوی ربہ قال قال بعض الشافعیۃ ولو خاف من ارسالھا نحو خیلاء لم یؤمر بترکھا بل یفعلھا ویجاھد نفسہ۔[1614]

علامہ عبد الرؤف مناوی مصری شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

واعلم انہ قد جاء فی العذبۃ احادیث کثیرۃ ما بین صحیح وحسن ناصۃ علی فعل المصطفی لھا لنفسہ ولجماعۃ من صحبہ وعلی امرہ بھا فمنھا ما ذکرہ المصنف یعنی الترمذی ومنھا ما رواہ ابن حبان عن ابن عمر انہ قیل لہ کیف کان یعتم رسول اللہ ﷺ فقال یدیر کور العمامۃ علی راسہ ویغرزھا من ورائہ ویرخی لھا ذؤابۃ بین کتفیہ ولا یعارضھا ما روی ابن ابی شیبۃ عن علی انہ عممہ وسدل طرفیھا علی منکبیہ وابو داود انہ عمم ابن عوف وسدلھا بین یدیہ ومن خلفہ لان السنۃ تحصل بالکل والافضل کونہ بین الکتفین۔[1615]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

اخبرنی عثمان بن عطاء الخراسانی عن ابیہ ان رجلا اتی ابن عمر وھو فی مسجد منی فسالہ عن ارخاء طرف العمامۃ فقال لہ عبد اللہ ان رسول اللہ ﷺ بعث سریۃ وامر علیھا عبد الرحمن بن عوف وعقد لہ لواء فذکر الحدیث الی ان قال وعلی عبد الرحمن بن عوف عمامۃ من کرابیس مصبوغۃ بسواد فدعاہ رسول اللہ ﷺ فحل عمامتہ ثم عممہ بیدہ وافضل عمامتہ موضع اربع اصابع او نحو ذلک فقال ھکذا فاعتم فانہ احسن واجمل۔

ترجمہ: عطاء خراسانی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی آیا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس وہ منیٰ کی مسجد میں لیٹے ہوئے تھے اس نے ان سے عمامے کے کناروں اور سروں کو لٹکانے کے بارے میں دریافت کیا حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جواب دیا کہ حضور ﷺ نے ایک جہادی وفد بھیجا تھا اور ان پر حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا تھا اور جھنڈا باندھ کر دیا تھا اور پھر اس نے حدیث کو ذکر کیا یہاں تک کہ کہا کہ اس وقت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر سوتی کپڑے کا عمامہ تھا جس کو کالے رنگ سے رنگا گیا تھا حضور ﷺ نے انہیں بلایا اور بلا کر ان کا عمامہ اتار دیا پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ

[1614] (المواھب الدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ ص ۶۷ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

[1615] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل وبھامش شرح الشمائل للمناوی ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

عنہ کو عمامہ باندھا تھا اور اس کے عمامے سے چار انگشت کے برابر بڑھا دیا تھا یعنی سرے کو یا اس کے قریب قریب اور فرمایا اسی طرح عمامہ باندھا جاتا ہے بے شک یہ بہت اچھا بھی ہے اور خوبصورت بھی۔[1616]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **وعن عبداللہ بن عمر قال کنت عاشر عشرۃ فی مسجد رسول اللہ ﷺ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وابن مسعود وابن جبل وحذیفۃ وابن عوف وانا وابو سعید فجاء فتی من ثم جلس فذکر الحدیث الی ان قال ثم امر ابن عوف فتجھز لسریۃ بعثہ علیھا فاصبح وقد اعتم بعمامۃ کرابیس سوداء فاتاہ النبی ﷺ ثم نقضھا فعممہ فارسل من خلفہ اربع اصابع او نحوھا ثم قال ھکذا یا ابن عوف فاعتم فانہ اعرب واحسن ثم امر بلالاً فدفع الیہ اللواء فحمداللہ وصلی علی النبی ﷺ ثم قال خذیا ابن عوف فاغزوا جمیعا فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ ولا تغدروا ولا تمثلوا فھذا عھداللہ وسنۃ قلت روی ابن ماجہ طرفا منہ رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ حسن۔**[1617]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عمر رضی اللہ عنھما انہ جاءہ رجل من اھل البصرۃ فسالہ عن ارسال العمامۃ خلفہ؟ فقال ابن عمر ساخبرک ذلک حتی تعلم کنت عاشر عشرۃ فی مسجد رسول اللہ ﷺ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وابن مسعود ومعاذ وحذیفۃ وعبدالرحمن بن عوف وابو سعید وابن عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنھم **فامر رسول اللہ ﷺ ابن عوف ان یتجھز بسریۃ یبعثہ علیھا فاصبح وقد اعتم بعمامۃ کرابیس سود فادناہ النبی ﷺ ثم نقضھا فعممہ فارسل من خلفہ اربع اصابع او نحو ذلک ثم قال ھکذا یا ابن عوف فاعتم فانھا اعرب واحسن ثم امر بلالاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان یدفع الیہ اللواء فحمداللہ واثنی علیہ وصلی علی النبی ﷺ ثم قال خذیا ابن عوف فاغز فی سبیل اللہ وقاتل من کفر باللہ لا تغلوا ولا تعدروا ولا تقتلوا ولیداً فھذا عھداللہ وسنۃ نبیہ فیکم۔**[1618]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **وروی ابو یعلی والبزار برجال ثقات وابن ابی الدنیا والطبرانی والبیھقی فی الزھد وحسن اسنادہ ابو الحسن الھیثمی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما ان رسول اللہ ﷺ امر عبدالرحمن بن عوف ان یتجھز لسریۃ یبعثہ علیھا فاصبح عبدالرحمن وقد اعتم بعمامۃ کرادبیس سوداء فنقضھا رسول اللہ ﷺ وعممہ وارخی لہ اربع اصابع او قریباً من شبر ثم قال ھکذا فاعتم یا ابن عوف فانہ اعرب واحسن۔**[1619]

اس روایت کی سند حسن ہے

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

[1616] (شعب الایمان للبیھقی ج۵ ص ۱۷۴ رقم الحدیث ۶۲۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن الکبری للبیھقی ج ۶ ص ۳۶۳ رقم الحدیث ۱۲۸۴۴ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[1617] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[1618] (جامع الاحادیث الکبیر ج ۲۰ ص ۳۸۰۔ ۳۸۱ رقم الحدیث ۱۷۳۰۱ و ص ۳۸۳ رقم الحدیث ۱۷۳۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1619] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (تھذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۹۱)

رواہ الطبرانی فی الاوسط و اسنادہ حسن۔

ترجمہ: اس حدیث مبارکہ کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔[1620]

غیر مقلد محمد عبد الرحمن ابن عبد الرحیم مبارک پوری لکھتے ہیں۔

فائدۃ قد اخرج الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر ان النبی ﷺ عمم عبد الرحمن بن عوف فارسل من خلفہ اربع اصابع او نحوھا ثم قال ھکذا فاعتم فانہ اعرب و احسن۔ قال السیوطی اسنادہ حسن۔

ترجمہ: امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔[1621]

غیر مقلد علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔

قال السیوطی اسنادہ حسن۔

ترجمہ: محدث کبیر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے۔[1622]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

قال اخبرنا ینعقد بن عیسی قال حدثنی خالد بن ابی بکر قال رایت علی سالم قلنسوۃ بیضاء و رایت علیہ عمامۃ بیضاء یسدل خلفہ منھا اکثر من شبر۔

ترجمہ: خالد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سالم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر سفید ٹوپی دیکھی اور میں نے ان کے سر پر سفید عمامہ دیکھا جس کا بالشت سے زیادہ حصہ وہ اپنے پیچھے لٹکاتے تھے۔[1623]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

قال اخبرنا ینعقد بن عیسی قال حدثنی خالد بن ابی بکر قال رایت علی عبید اللہ بن عبد اللہ قلنسوۃ بیضاء و رایت علیہ عمامۃ یسدل خلفہ منھا اکثر من شبر۔

[1620] (المقالۃ العذبۃ فی العمامۃ والعذبۃ ص ۲۴ مطبوعہ دار الاخلاص لاھور)

[1621] (تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۳۳۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (عون المعبود شرح ابو داؤد ج ۱۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1622] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۷ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1623] (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۷ مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: خالد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن عبد اللہ کے سر پر سفید ٹوپی دیکھی اور میں نے ان کے سر پر عمامہ دیکھا جس کا بالشت سے زیادہ حصہ وہ اپنے پیچھے لٹکاتے تھے۔[1624]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **وعن عائشة قالت عمم رسول الله ﷺ عبدالرحمن بن عوف وارخى له اربع اصابع وقال انى لما صعدت الى السماء رايت اكثر الملائكة معتمين۔**[1625]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں۔ **وقد اخرج ابن ابى شيبة ان عبدالله بن الزبير كان يعتم بعمامة سوداء قد ارخاها من خلفه نحوا من زراع۔**[1626]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں۔ **ولا ادرى ما هذا الظاهر الذى زعمه فان كان الظهور من هذا الحديث الذى ساقه باعتبار ما فيه من ذكر الادارة والتكوير وارسال الذؤابة فهذه الاوصاف تحصل فى عمامة دون ثلاثة اذرع۔**

وان كان من غيره فما هو بعد اقراره بعدم ثبوت مقدارها فى حديث۔[1627]

احادیث مبارکہ وآثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے شملہ چھوڑنے کے طریقے

احادیث مبارکہ وآثار صحابہ میں شملہ چھوڑنے سے متعلق جو طریقے ثابت ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) ایک شملہ پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا۔ (۲) ایک شملہ چھوڑ کر دائیں طرف لٹکانا۔ (۳) ایک شملہ چھوڑ کر بائیں طرف لٹکانا (۴) دو شملے چھوڑ کر ایک سامنے اور ایک پیچھے کندھوں کے درمیان۔ (۵) دو شملے چھوڑ کر سامنے لٹکانا۔ (۶) شملہ سامنے چھوڑ کر داڑھی کے نیچے لے جانا۔

اب ترتیب وار ان کے دلائل حاضر ہیں:

(۱) ایک شملہ پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا

[1624] (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۵ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1625] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1626] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۷ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1627] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۷۔۱۰۸ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **ذکرھما الترمذی فی الشمائل ولہ من حدیث الدراوردی عن عبداللہ عن نافع عن ابن عمر قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا اعتم سدلھا بین کتفیہ۔**[1628]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **اخبرنا عتاب بن زیاد قال اخبرنا عبداللہ بن المبارک قال اخبرنا ابو شیبۃ الواسطی عن طریف بن شھاب عن الحسن قال کان رسول اللہ ﷺ یعتم ویرخی عمامۃ بین کتفیہ۔**

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اسے دونوں شانوں کے درمیان لٹکاتے۔

اخبرنا محمد بن سلیم العبدی حدثنی الدراوری اخبرنا عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان اذا اعتم سدل عمامتہ بین کتفیہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اسے دونوں شانوں کے درمیان لٹکاتے۔[1629]

امام احمد بن عمرو بن الضحاک ابو بکر الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **حدثنا ھشام بن عمار نا ابو الخطاب معروف الخیاط قال رایت واثلۃ الاسقع یصفر لحیتہ ورایت علیہ عمامۃ سوداء قدارخی لھا عذبۃ بن خلف۔**[1630]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **اخبرنا ابو صالح منصور بن عبدالوھاب البزار قال: اخبرنا بو عمرو بن ابی جعفر قال: اخبرنا الحسن بن سفیان قال: حدثنا عبیداللہ بن عمر القواریری قال: حدثنا عبدالرحمن بن مھدی عن عبداللہ بن عمر عن اخیہ عبیداللہ عن القاسم بن محمد عن عائشۃ ان رجلاً اتی النبی ﷺ علی برزون وعلیہ عمامۃ طرفھا بین کتفیہ فسالت النبی ﷺ فقال: رأیتیہ ذاک جبریل علیہ السلام۔**[1631]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **کان اذا اعتم سدل عمامتہ بین کتفیہ۔**[1632]

[1628] (السیرۃ النبویۃ ج۴ ص ۵۹۰۔۵۹۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[1629] (طبقات الکبری ابن سعد ج ۱ ص ۴۵۵۔۴۵۶ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (اخلاق النبی و آدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۱۳۰۸ الاسناد حسن مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[1630] الذهبي (۷٤۸هـ)، میزان الاعتدال ٤/١٤٥•

[1631] (دلائل النبوۃ باب ما جاء فی رؤیۃ من رای جبریل علیہ السلام یوم بنی قریظۃ ج ۶ ص ۶۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (ابن سعد ج ۸ ص ۴۴)

[1632] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ ص ۴۰۹ رقم الحدیث ۶۵۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۳۲۶ رقم الحدیث ۸۹۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (شرح السنہ ج ۶ ص ۱۷۱ رقم الحدیث ۳۰۰۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (السیرۃ النبویۃ لابن عساکر ج ۴ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **قال اخبرنا عبید بن نسطاس قال رأیت سعید بن المسیب یعتم وعلیه بعمامة سوداء ثم یرسلها خلفه۔**

ترجمہ: حضرت عبید بن نسطاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ سیاہ عمامہ باندھے تھے اور اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے تھے۔[1633]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **عن ابی عبیدة الحمصی قال بعث رسول اللہ ﷺ علی بن ابی طالب علی بعث فعممه بعمامة سوداء ثم ارسلها من ورائه او قال علی کتفه....**

عن علی قال عممنی رسول اللہ ﷺ یوم غدیر خم بعمامة سوداء طرفها علی منکبی۔[1634]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **عن سلمة بن وردان قال رأیت علی انس عمامة سوداء قلنسوة قدار خاها من خلفه۔**

ترجمہ: سلمہ بن وردان رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر سیاہ عمامہ دیکھا جس کے نیچے ٹوپی نہ تھی اور اس کا شملہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیچھے لٹکا رکھا تھا۔[1635]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **حدثنا الحسین بن اسحاق التستری ثنا اسماعیل بن بهرام الکوفی ثنا عبدالعزیز بن محمد الدراوردی عن عبیداللہ ابن عمر عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یسدل عمامته بین کتفیه۔**[1636]

امام محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **اخبرنا احمد بن علی بن المثنی حدثنا مصعب بن عبداللہ الزبیری حدثنا عبدالعزیز بن محمد عن عبداللہ بن عمر عن نافع عن بن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یسدل عمامته بین کتفیه وان بن عمر کان یفعل ذلک قال عبیداللہ بن عمر ورایت القاسم وسالما یفعلان ذلک۔**[1637]

[1633] (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1634] (الاصابة فی تمیز الصحابة ذکر عبداللہ بن بشر ص ج ۴ ص ۲۵ برقم ۴۵۶۹ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج ۴ ص ۱۴۹۰)

[1635] (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1636] (طبرانی کبیر ج ۱۲ ص ۳۷۹ رقم الحدیث ۱۳۴۰۵ مطبوعہ مکتبة العلوم والحکم الموصل)

[1637] (صحیح ابن حبان ذکر وصف ا ج ۱۴ ص ۳۰۷ رقم الحدیث ۶۳۹۷ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)، (غایة الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۲۲ رقم الحدیث ۵۱۹۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الترمذی قال ابو عیسی هذا حدیث حسن غریب ج ۴ ص ۲۲۵ رقم الحدیث ۱۷۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔عن جابر قال کان لرسول اللہ ﷺ عمامة سوداء یلبسها فی العیدین ویرخیها من خلفه۔[1638]

امام احمد بن عمرو بن الضحاک ابو بکر الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة نا ابو اسامة و وکیع عن مساور الوراق حدثنی جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیه قال کأنی انظر رسول اللہ علیه عمامة سوداء قد ارخی طرفیها بین کتفیه الا ان وکیعا لم یقل بین کتفیه۔[1639]

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ حدثنا وکیع قال حدثنا سلمة بن وردان قال رایت علی انس عمامة سوداء علی غیر قلنسوة وقد ارخاها من خلفه نحوا من ذراع۔[1640]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔اخبرنا ابو کر الفارسی اخبرنا ابو اسحاق الاصبهانی حدثنا ابو احمد بن فارس حدثنا محمد بن اسماعیل قال وقال خطاب الحمصی حدثنا بقیة عن مسلم بن زیاد قال رایت اربعة من اصحاب النبی ﷺ انس بن مالک فضالة بن عبید وابا المنیب وروح بن سیار او سیار بن روح یرخون العمائم من خلفهم وثیابهم الی الکعبین۔

ترجمہ: مسلم بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول ﷺ میں سے چار شخصوں کو دیکھا حضرت انس بن مالک حضرت فضالہ بن عبید اور ابو المنیب اور روح بن سیار یا سیار بن روح کہ وہ اپنے عمامے اپنے پیچھے کی طرف لٹکاتے تھے اور ان کے کپڑے۔(یعنی قمیص ٹخنوں تک ہوتی تھیں)۔[1641]

وندب لبس السواد وارسال ذنب العمامة بین الکتفین وتمامه فی الزیلعی۔[1642]

منصور بن یونس بن ادریس البھوتی حنبلی لکھتے ہیں۔وان ارخی طرفها بین کتفیه فحسن۔

قال الآجری وارخاها ابن الزبیر من خلفه قدر ذراع وعن انس نحوه۔[1643]

[1638] (میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج ٦ ص ٢٤٨ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ١ ص ١٩٦ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1639] (الآحاد والمثانی ج ٢ ص ٣٩ رقم الحدیث ٧١٨ مطبوعہ دار الرایة الریاض)

[1640] (مصنف ابن ابی شیبة ج ٥ ص ١٧٨ رقم الحدیث ٢٤٩٤٦ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

[1641] (شعب الایمان للبیهقی ج ٥ ص ١٧٦ رقم الحدیث ٦٢٦٤ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[1642] (رد المحتار ج ٦ ص ٧٥٥)

[1643] (کشاف القناع عن متن الاقناع ج ١ ص ٢٨٦ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ (وفیه) دلیل علی ان المستحب ارخاء ذنب العمامة بین الکتفین کما فعله رسول اللہ ﷺ منهم من قدر ذلک یشیر و منهم من قال الی وسط الظهر و منهم من قال الی موضع الجلوس۔[1644]

امام برہان الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ وان المستحب ارسال ذنب العمامة بین الکتفین و اختلفوا فی مقدار ما ینبغی ان یکون من ذنب العمامة منهم من قدره بشبر و منهم من قال الی وسط الظهر و منهم من قال الی موضع الجلوس۔[1645]

امام فخر الدین عثمان بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ زین الدین بن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ وان المستحب ارسال ذنب العمامة بین الکتفین و اختلفوا فی مقدار الذنب قیل شبر و قیل الی وسط الظهر و قیل الی موضع الجلوس۔[1646]

ملا نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ و اختلفوا فی مقدار ما ینبغی من ذنب العمامة منهم من قدر بشبر و منهم من قال الی وسط الظهر و منهم من قال الی موضع الجلوس کذا فی الذخیرة۔[1647]

محدث کبیر سید محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ قال ابن حجر فی شرح الشمائل بعد ما ذکر فیه اختلاف الروایات فی محل ارخائها کما ذکرنا ما نصه و لا تنافی لان السنة تحصل بکل لکن الافضل ان یکون بین الکتفین لانه الذی صح من فعله ﷺ لنفسه۔[1648]

محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ و کان شیخنا ابو العباس ابن تیمیة قدس اللہ روحه فی الجنة یذکر فی سبب الذوابة شیئاً بدیعاً و هو ان النبی ﷺ انما۔

الفقیہ المحقق عبد اللہ بن الشیخ محمد بن سلیمان داماد آفندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ و السنة ارخاء طرف العمامة بین کتفیه هکذا فعله النبی علیه الصلاة و السلام۔ ترجمہ: سنت یہ ہے کہ شملہ کاندھوں کے درمیان ہو۔ اسی طرح حضور ﷺ کرتے تھے۔[1649]

اس کے حاشیہ بدر المتقی فی شرح الملتقی میں ہے۔ و السنة ارخاء طرف العمامة بین کتفیه قدر شبر هکذا فعله النبی علیه الصلاة و السلام۔ ترجمہ: سنت یہ ہے کہ شملہ ایک بالشت کاندھوں کے درمیان ہو۔ اسی طرح حضور ﷺ کرتے تھے۔[1650]

[1644] (شرح السیر الکبیر باب العمائم فی الحرب ج ۱ ص ۶۷ مطبوعه بمطبعة دائرة المعارف النظامیة بحیدر آباد دکن هند)

[1645] (المحیط البرهانی کتاب الاستحسان و الکراهیة الفصل العاشر فی اللبس ما یکره من ذلک و ما لا یکره ج ۶ جز ۱۱ ص ۷۴ مطبوعه مطبوعه المکتبة الغفاریة کانسی روڈ کوئٹه)

[1646] (تبین الحقائق شرح کنز الدقائق مسائل شتیٰ ج ۶ ص ۲۲۸۔ ۲۲۹ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)، (البحر الرائق ج ۸ ص ۴۸۷ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

[1647] (فتاوی عالمگیری کتاب الکراهیة باب اللبس ما یکره من ذلک الباب التاسع فی اللبس ما یکره من ذلک و ما لا یکره ج ۵ ص ۴۰۸ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

[1648] (الدعامة لمعرفة احکام سنة العمامة ص ۵۴۔ ۵۵ مطبوعه مکتبة العلم الاسلامی شام الطبعة الاولی ۱۳۴۲ھ)

[1649] (مجمع النهر فی ملتقی الابحر کتاب الکراهیة ج ۲ ص ۵۳۲ مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1650] (بدر المتقی فی شرح الملتقی کتاب الکراهیة ج ۲ ص ۵۳۲ مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت)

اتخذها صبیحة المنام الذی رآہ فی المدینة لما رای رب العزة تبارک وتعالی فقال یا محمد فیم یختصم الملا الاعلی؟ قلت لا ادری فوضع یدہ بین کتفی فعلمت ما بین السماء ولارض الحدیث وھو فی الترمذی وسئل عنه البخاری فقال صحیح قال..فمن تلک الحال ارخی الذوابة بین کتفیه انتھی۔[1651]

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنه قال احتبس عنا رسول اللہ ﷺ ذات عذاة عن صلاة الصبح حتی کدنا نتراءی عین الشمس فخرج سریعاً فثوب بالصلاة فصلی رسول اللہ ﷺ وتجوز فی صلاته فلما سلم دعا بصوتہ قال لنا علی مصافکم کما انتم ثم انفتل الینا ثم قال اما انی ساحدثکم ما حبسنی عنکم العداة انی قمت من اللیل فتوضات وصلیت ما قدر لی فنعست فی صلاتی حتی استثقلت فاذا انا بربی تبارک وتعالی فی احسن صورة فقال یا محمد قلت لبیک رب قال فیم یختصم الملاء الاعلی؟ قلت لا ادری قالھا ثلاثاً قال فرأیته وضع کفه بین کتفی حتی وجدت برد انامله بین ثدیی فتجلی لی کل شئ وعرفت۔**

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے وقت حضور ﷺ کو دیر ہو گئی اور ہم لوگوں نے آپ ﷺ کا انتظار اس حد تک کیا کہ قریب تھا کہ آفتاب کی شعاع نظر آنے لگے اتنے میں حضور ﷺ تیزی سے تشریف لائے چنانچہ تکبیر کہی گئی اور آپ ﷺ نے اختصار سے نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے با آواز بلند فرمایا جس طرح تم بیٹھے ہو اسی طرح صف بندی کیے ہوئے بیٹھے رہو پھر فرمایا میں اپنی تاخیر کا واقعہ تم کو سناتا ہوں پھر واقعہ سنایا (واقعہ یہ ہے) رات کے وقت وضو کر کے جس قدر نماز میرے لیے مقدور تھی میں نے پڑھی اس کے بعد مجھے نیند آگئی اور میں نماز میں ہی سو گیا۔ یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے رب کے حضور میں ہوں اور میں نے اپنے رب کو (اس کی شان کے لائق) نہایت اچھی شکل میں دیکھا (مجھ سے) ارشاد ہوا اے محمد ﷺ میں نے عرض کی لبیک اے میرے پروردگار میں حاضر ہوں فرمایا اس وقت ملائکہ آسمانی کیا گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی مجھے معلوم نہیں تین مرتبہ یہی ارشاد ہوا حضور ﷺ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی پس ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔[1652]

نیز اس حدیث مبارکہ سے حضور ﷺ کا علم غیب بھی ثابت ہوا۔

[1651] (زاد المعاد فصل فی ملابسہ ج ۱ ص ۱۳۶۔۱۳۷ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)، (زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۱۱۔۱۲ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[1652] (جامع سنن الترمذی کتاب التفسیر من سورة ص ج ۵ ص ۳۶۸۔۳۶۹ رقم الحدیث ۳۲۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الدارمی رقم الحدیث ۲۱۵۳۔ طبرانی کبیر ج ۲۰ رقم الحدیث ۲۱۶۔ الکامل ابن عدی ج ۶ ص ۲۳۴۴۔ مسند البزار رقم الحدیث ۲۶۶۸۔ مستدرک ج ۱ ص ۵۲۱۔

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔**فوضع کفه بین کتفی حتی وجدت برد انامله بین صدری فتجلی لی کل شیٔ وعرفت**۔ ترجمہ: پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی پس ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی۔[1653]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔**فوضع کفه بین کتفی فوجدت برد انامله بین ثدیی فتجلی لی کل شیٔ وعرفته**۔

ترجمہ: پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی پس ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی۔[1654]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے:**فعلمت ما فی السموات والارض**۔

ترجمہ: پس میں نے آسمانوں اور زمین کی ہر شے کو جان لیا۔[1655]

یہی یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:**فعلمت ما بین المشرق والمغرب**۔

ترجمہ: میں نے مشرق و مغرب کے درمیان ہر شے کو جان لیا۔[1656]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فعلمت بسبب وصول ذلک الفیض ما فی السموت والارض یعنی اعلمه الله ما فیها من الملائکة والاشجار وغیرها وهو عبارة عن سعة علمه الذی فتح الله وقال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السموت بل وما فوقها کما یستفاد من قصة المعراج والارض هی بمعنی الجنس وجمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتها کما افاده اخباره عن الثور والحوت الذی علیهما الارضون۔

ترجمہ: اس فیض ربانی کی بدولت میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جان لیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے اندر پائے جانے والے فرشتوں درختوں اور دیگر چیزوں کا علم عطا فرمادیا۔ یہ حدیث آپ ﷺ کی اس وسعت علم سے عبارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔

[1653] (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1654] (الدر المنثور فی التفسیر الماثور سورہ ص آیت نمبر ۶۹ ج ۵ ص ۵۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1655] (جامع سنن الترمذی کتاب التفسیر من سورۃ ص ج ۵ ص ۳۶۸۔۳۶۹ رقم الحدیث ۳۲۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، تفسیر عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۶۹۔ مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸۔ السنة لابن ابی عاصم رقم الحدیث ۴۶۹۔ جامع المسانید والسنن لابن کثیر مسند ابن عباس رقم الحدیث ۱۳۵۱)

[1656] (جامع سنن الترمذی کتاب التفسیر من سورۃ ص ج ۲ ص ۱۵۶ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، السنة لابن ابی عاصم رقم الحدیث ۴۶۹۔ جامع المسانید والسنن لابن کثیر مسند ابن عباس رقم الحدیث ۱۳۵۱)، سند ابو یعلی رقم الحدیث ۲۶۰۸)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے آسمانوں کی بلکہ ان سے بھی اوپر کی تمام مخلوقات کو جان لیا جیسا کہ حدیث معراج سے ثابت ہے اور زمین جنس کے معنی میں ہے یعنی آپ ﷺ نے سات زمینوں کی بلکہ ان سے بھی نیچے کی تمام چیزوں کو جان لیا جیسا کہ قرآن اور احادیث ﷺ نے بیل اور مچھلی کی خبر دی جن پر زمینیں قائم ہیں۔[1657]

شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمینہا بود عبارت ست از حصول تمامہ علوم جزئی و کلی و احاطہ آہ۔

ترجمہ: میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا اس حدیث میں تمام علوم جزی و کلی کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کرنے کا بیان ہے۔[1658]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

وعن ابی امامۃ قال کان رسول اللہ ﷺ لا یولی والیا حتی یعممہ ویرخی لہا من جانب الایمن نحو الاذان۔

ترجمہ: ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب بھی کوئی حاکم گورنر مقرر کرتے تو اس کے لئے عمامہ باندھتے اور شملہ اس کا دائیں طرف کان کے قریب لٹکاتے۔[1659]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ **قال الامام مالک رحمہ اللہ تعالی انہ لم یر احداً ممن ادرکہ یرخیہا بین کتفیہ الا بین یدیہ ونقلہ ابن الحاج فی المدخل وھذا یدل علی ان عمل التابعین علی ارسال العذبۃ من بین ایدیہم۔**[1660]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں۔ **واخرج ابن سعد عن مولی یقال لہ ھرمز قال رایت علیا علیہ عمامۃ سوداء قد ارخاھا من بین یدیہ ومن خلفہ قال ابن رسلان فی شرح السنن ثم ذکر حدیث عبد الرحمن وھی التی صارت شعار الصالحین المتمسکین بالسنۃ یعنی ارسال یباع علی الصدر۔**[1661]

[1657] (مرقاۃ شرح المشکوۃ ج ۲ ص ۲۱۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[1658] (اشعۃ اللمعات فارسی الفصل الثانی باب المساجد ج ۱ ص ۳۵۷ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[1659] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (الدعامۃ لمعرفۃ احکام سنۃ العمامۃ ص ۴۸ مطبوعہ مکتبۃ العلم الاسلامی شام الطبعۃ الاولی ۱۳۴۲ھ)

[1660] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1661] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۶ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **رواہ الطبرانی بسند حسن والضیاء المقدسی رحمہ اللہ تعالی فی صحیحہ عن عبداللہ بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعث رسول اللہ ﷺ علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی خیبر فعممہ بعمامۃ سوداء ثم ارسلھا من ورائہ او قال علی کتفیہ الیسری لکن روایہ تردد وما جزم بالثانی۔**

ترجمہ: عبداللہ بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خیبر کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو کالا عمامہ باندھا اور پیچھے اور بائیں مونڈھے کی طرف لٹکایا۔[1662]

غیر مقلد محمد عبد الرحمن ابن عبد الرحیم مبارک پوری لکھتے ہیں۔ **وحدیث عبداللہ بن بشر قال بعث رسول اللہ ﷺ علی بن ابی طالب الی خیبر فعممہ بعمامۃ سوداء ثم ارسلھا من ورائہ او قال علی کتفہ الیسری اخرج الطبرانی وحسنہ السیوطی۔**

ترجمہ: عبداللہ بن بشر بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو سیاہ عمامہ باندھا اور پیچھے اور بائیں مونڈھے کی طرف سے لٹکایا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن کہا ہے۔[1663]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **حدثنا احمد بن رشدین قال حدثنا الحسن بن سلیمان بن قبیطۃ قال حدثنا الحجاج بن رشدین بن سعد قال حدثنا معاویۃ بن صالح عن ابی عقبۃ عن ثوبان مولی رسول اللہ ان النبی کان اذا اعتم ارخی عمامتہ بین یدیہ ومن خلفہ۔**

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب عمامہ باندھتے تو عمامہ کو آگے اور پیچھے لٹکاتے۔[1664]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **وعن ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ ان النبی ﷺ کان اذا اعتم ارخی عمامتہ بین یدیہ ومن خلفہ رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ الحجاج بن رشدین وھو ضعیف۔**

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب عمامہ باندھتے تو عمامہ کو آگے اور پیچھے لٹکاتے۔

طبرانی نے اس کو معجم اوسط میں روایت کیا اس میں حجاج بن رشدین راوی ضعیف ہیں۔[1665]

[1662] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۵ ص ۲۶۷۔۲۶۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر عسقلانی ج ۴ ص ۲۵ برقم ۴۵۶۹ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1663] (تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۳۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1664] (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۱۱۰ رقم الحدیث ۳۴۲ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1665] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **حدثنا سلیمان بن خربوذ حدثنا شیخ من اهل المدینة قال سمعت عبدالرحمن بن عوف یقول عممنی رسول اللہ ﷺ فسدلها بین یدی و من خلفی۔**

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے عمامہ بندھوایا تھا اور اس کا سر الٹکایا تھا آگے بھی اور میرے پیچھے بھی۔[1666]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **حدثنا محمد بن اسماعیل مولی بنی هاشم ثنا عثمان بن عثمان الغطفانی ثنا سلیمان بن خربوذ حدثنی شیخ من اهل المدینة قال سمعت عبدالرحمن بن عوف یقول ثم عممنی رسول اللہ ﷺ فسدلها بین یدی و من خلفی۔** ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے عمامہ بندھوایا تھا اور اس کا سر الٹکایا تھا آگے بھی اور میرے پیچھے بھی۔[1667]

محدث کبیر سید محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وروی مما ذکره المناوی فی شرح نظم السیرة العراقیة و الزرقانی فی شرح المواهب ان المصطفی ﷺ لما بعث علیاً الی الیمن سنة عشر عقد له لوائه و عممه بیده عمامة ثلاثة اکوار و جعل له ذراعاً بین یدیه و شبراً من ورائه۔[1668]

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا الحسن بن صالح عن جابر قال اخبرنی من رای علیا قد اعتم بعمامة سوداء قد ارخاها من بین یدیه و من خلفه۔**

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ دیکھا اس کے کنارے کو آگے اور پیچھے لٹکائے ہوئے تھے۔[1669]

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **حدثنا ابو بکر قال حدثنا شریک عن محمد بن قیس قال رایت ابن عمر معتماً قد ارخی بین یدیه و من خلفه و لا ادری ایهما اطول۔**

[1666] (شعب الایمان للبیهقی ج ۵ ص ۱۷۴ رقم الحدیث ۶۲۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (الآداب للبیهقی ج ۲ ص ۱۹۸ رقم الحدیث ۵۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[1667] (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۵۵ رقم الحدیث ۴۰۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند ابو یعلی ج ۲ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۸۵۰ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)، (غایة الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۲۳ رقم الحدیث ۵۱۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنہ ج ۶ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (السیرة النبویة لابن عساکر ج ۴ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1668] (الدعامة لمعرفة احکام سنة العمامة ص ۴۶۔۴۷ مطبوعہ مکتبة العلم الاسلامی شام الطبعة الاولی ۱۳۴۲ھ)

[1669] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۹ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)، (سبل الهدی و الرشاد ج ۷ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

ترجمہ: حضرت محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمامہ باندھتے ہوئے دیکھا اس کے کنارے کو آگے اور پیچھے لٹکائے ہوئے تھے۔[1670]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **وروی ابن سعد بسند ضعیف من طریق ابی اسد بن کریب عن ابیہ قال رایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یعتم فیرخی من عمامتہ شبراً بین کتفیہ و من بین یدیہ۔**[1671]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں۔ **واخرج الطبرانی من حدیث عبداللہ بن بشر قال بعث رسول اللہ ﷺ علی بن ابی طالب علیہ السلام الی خیبر فعممہ بعمامۃ سوداء ثم ارسلھا من ورائہ او قال علی کتفہ الیسری و حسنہ السیوطی۔**

ترجمہ: عبداللہ بن بشر بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو سیاہ عمامہ باندھا اور پیچھے اور بائیں مونڈھے کی طرف سے لٹکایا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن کہا ہے۔[1672]

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ **حدثنا ابو بکر قال حدثنا عبیدۃ عن ھشام قال رایت ابن الزبیر معتما قد ارخی طرفی یباع بین یدیہ۔**

ترجمہ: ہشام رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اور شملے آگے کی طرف لٹکائے ہوئے تھے۔[1673]

شملہ سامنے چھوڑ کر داڑھی کے نیچے لے جانا

مسئلہ تحنیک عمامے کو گردن سے گھما کر باندھنا یعنی عمامے کو ٹھوڑی کے نیچے گھما کر باندھنا یہ بھی مستحب ہے مگر اس مسئلہ میں ہمارے مطالعہ میں کوئی حدیث مبارکہ نہیں البتہ تابعین کرام رحمہم اللہ کے فعل سے یہ ثابت ہے اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ مالکی اور حنبلی مذہب میں تحنیک کے بغیر عمامہ جسے اقتعاط کہتے ہیں (یعنی شملہ کو ٹھوڑی کے نیچے نہ گزارنا جیسے کہ آج کل عام علماء عمامہ باندھتے ہیں) مکروہ ہے لیکن احناف و شوافع کے نزدیک یہ مکروہ نہیں۔

مالکیوں اور حنبلیوں کے پاس چند آثار کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں اور ایک حدیث جو ہے:

[1670] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۰ رقم الحدیث ۲۴۹۸۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1671] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1672] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۶ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1673] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۰ رقم الحدیث ۲۴۹۷۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ان النبی ﷺ امر بالتلحی و نھی عن الاقتعاط۔

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ نے تلحی کا حکم دیا ہے اور اقتعاط سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل و سند نہیں۔[1674]

محدث کبیر سید محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

قلت قد یبحث فی قولہ ینھی مخصوص بان النھی الخاص فیہ موجود وھو ما تقدم عن ابی بکر الصولی من النبی ﷺ نھی عن الاقتعاط وھو ترک التلحی ھذا انما کرہ اصحاب غریب وھو یوردون فی کتبھم احادیث غریبۃ لاتوجد فی کتب المحدثین وھو یوقف لھا علی اسناد فلا یحتج بما انفردوا بذکرہ ومما یوید ھذا ان الشیخ مرتضی فی شرح القاموس فی مادۃ قعط بعد ما فسر الاقتعاط قال ما نصہ وقد نھی عنہ فی الحدیث الذی رواہ ابو عبید القاسم بن سلام مرفوعاً قال الصاغانی ولم اظفر باسنادہ ولا باسم من رواہ من رواہ من صحابی او تابعی ارسلہ فالنھی عنہ اذا لیس بثابت۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ان کے قول میں بحث ہو سکتی ہے کہ نہی مخصوص ہے کہ نہی کا خاص ہونا اس میں موجود ہے کہ ابو بکر الصولی کے حوالے سے گزرا کہ حضور ﷺ نے اقتعاط سے منع فرمایا اور مذکورہ تلحی کو اصحاب کا ترک کرنا غریب ہے۔ کہ انہوں نے اپنی کتب میں وہ غریب احادیث درج کر دی ہیں جن کا تذکرہ محدثین کی کتب میں نہیں ملتا اور موقوف اسناد پر ہوتا ہے اور اس کو دلیل نہیں بنایا جائے گا جس میں وہ منفرد ہوں ذکر کرنے میں۔ اور یہی اس کی تائید کرتا ہے جو شیخ مرتضیٰ نے شرح قاموس میں (قعط) کے مادہ کے بیان کے دوران (الاقتعاط) کی وضاحت فرماتے ہوئے کہا اور جو نص وارد ہوئی اور منع فرمایا حدیث میں جس کو روایت فرمایا ابو عبد اللہ القاسم بن سلام نے مرفوع الصاغانی نے کہا میں اس کی اسناد کو نہیں پاتا اور نہ ہی راوی کا نام کہ جس نے اسے روایت کیا اس سے جس نے صحابی سے روایت کیا یا تابعی سے ارسال کیا ہے بہر حال یہ نہی ثابت نہیں۔[1675]

معلوم ہوا کہ یہ ثابت نہیں اور نہ اس کی کوئی سند ہے:

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الاسناد سلاح المومن فاذا لم یکن معہ سلاح فبای شئ یقاتل۔

ترجمہ: سند مومن کا ہتھیار ہے جب کسی کے پاس اسلحہ نہ ہو بھلا وہ کیسے جنگ جیت سکتا ہے۔[1676]

[1674] (تاج العروس)، (لسان العرب ج۷ ص ۳۸۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1675] (الدعامۃ لمعرفۃ احکام سنۃ العمامۃ ص ۷۱ مطبوعہ مکتبۃ العلم الاسلامی شام الطبعۃ الاولی ۱۳۴۲ھ)، (تاج العروس ج۵ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1676] (فتح المغیث ج۳ ص ۵ مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ المدینۃ المنورۃ)

امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **الاسناد من الدین و لو لا الاسناد لقال من شاء ماشاء و لکن اذا قیل لہ من حدثک بقی۔**

ترجمہ: اسناد حدیث ہی دین ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو پھر ہر کوئی جو چاہتا وہی کہہ دیتا لیکن جب اس سے سند کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔[1677]

البتہ بعض سیرت کی کتابوں میں اس کو سنت کہا ہے۔[1678]

ان کے علاوہ جو آثار ہے وہ یہ ہیں:

اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ اخبرنا ابو عبداللہ الصغانی حدثنا اسحاق بن ابراھیم اخبرنا عبدالرزاق عن معمر عن لیث عن طاوس قال فی الذی یلوی العمامۃ علی راسہ و لا یجعلھا تحت ذقنہ فان تلک عمۃ الشیطان۔

ترجمہ: طاؤس بیان کرتے ہیں کہ اس نے کہا اس شخص کے بارے میں جو اپنے سر پر عمامہ لپیٹتا ہے اور اس کو ٹھوڑی کے نیچے نہیں کرتا کہ یہ پگڑی باندھنے کی صورت شیطان کی ہے۔[1679]

یہ روایت سنداً بھی ضعیف ہے اس لئے کہ اس روایت کی سند میں لیث بن ابی مسلم ہے جو سخت ضعیف ہے:

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **لیث بن ابی سلیم ضعیف کوفی۔**[1680]

امام ابی الفرج عبد الرحمن علی بن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **ضعفہ ابن عیینۃ و النسائی و قال احمد مضطرب الحدیث۔**

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **حدثنا ابو بکر قال حدثنا شبابۃ عن سلیمان بن المغیرۃ قال رایت ابا نضرۃ یعتم بعمامۃ سوداء قد ارخھا تحت عنقہ۔**[1681]

[1677] (صحیح مسلم مقدمہ ج ۱ ص ۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1678] سبل الھدی و الرشاد ج ۷ ص ۲۸۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

[1679] (شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۶ رقم الحدیث ۶۲۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۸۰ رقم الحدیث ۱۹۹۷۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

[1680] (الضعفاء و المتروکین للنسائی ص ۹۰ برقم ۵۱۱ مطبوعہ دار وعی حلب)

[1681] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۰ رقم الحدیث ۲۴۹۸۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

محدث کبیر امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ وسئل مالک عن الذی یعتم بالعمامۃ ولا یجعلھا من تحت حلقہ فانکرھا وقال ذلک من عمل النبط ولیست من عمۃ الناس الا ان تکون قصیرۃ لا تبلغ او یفعل ذلک فی بیتہ او فی مرضہ فلا باس بہ۔[1682]

ولکن قد حدث عنہ الناس وقال السعدی یضعف حدیثہ وقال ابو حاتم الرازی وابو زرعۃ لا یشتغل بہ وھو مضطرب الحدیث وقال ابن حبان اختلط فی آخر عمرہ فکان یقلب الاسانید ویرفع المراسیل ویاتی عن الثقات بما لیس من حدیثھم ترکہ یحیی القطان ویحیی بن معین وابن مھدی واحمد۔

ترجمہ: ابن عیینہ اور نسائی اس کی تضعیف کرتے ہیں اور احمد مضطرب الحدیث کہتے ہیں اور سعدی اس کی حدیث کی تضعیف کرتے ہیں اور ابوحاتم اور ابوزرعہ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث پر مشغول نہیں ہونا چاہئے اور یہ مضطرب الحدیث ہے اور ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہوا تھا اور یہ احادیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سخت الفاظ مروی ہونے کی وجہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جو سخت الفاظ مروی ہیں اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ شملہ کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تک نہیں پہنچی ہو اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں تابعین کرام رحمہم اللہ کا یہ عمل تھا اس لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف عمامہ باندھنے کو مکروہ کہا ہے۔

علامہ محمد بن راشد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ وسئل عن العمامۃ اترخی بین الکتفین منھا شیأ؟۔

ردوبدل کرتے تھے اور مراسیل کو مرفوع ذکر کرتے تھے اور ثقات سے ایسی حدیثیں ذکر کرتے کہ وہ ان کی نہیں تھیں اور اس کو یحییٰ قطان اور یحییٰ بن معین اور ابن مہدی اور احمد نے چھوڑا ہے۔[1683]

امام محمد بن سعد البصری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ کان رجلا صالحا عابدا وکان ضعیفا فی الحدیث۔

ترجمہ: یہ نیک عابد تھے اور حدیث میں ضعیف تھے۔[1684]

وھل یسدل بین یدیہ؟

فقال لم ار احداً ممن ادرکت وھو یرخی بین کتفیہ منھا شیئاً وھو یسدل بین یدیہ وقد کنت البسھا فاسدلھا بین یدی وادخل الذی یکون من طیھا خلفی احشو بہ العمامۃ ولم اترکھا الا منذ ذم علینا ولاۃ بنی ھاشم فترکناھا خوفاً من خلافھم لانھم لا یلبسونھا وقد کان من قبلھم لا یدعونھا حتی ان الامام لیخطب بھا فی کل جمعۃ فی الشتاء والصیف وھی لباس العرب لیست تلبسھا الا عاجم

[1682] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۲۱ ص ۳۰۷ مطبوعہ بیروت)

[1683] (الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج ۳ ص ۲۹ برقم ۲۸۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1684] (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۴۹ مطبوعہ دار صادر بیروت)

وقد رایت ربیعة وابن ھرمز یعتمان ولم یکن واحد منھما یرخی بین کتفیه منھا شیئا ورایتھما یسدلانھا بین ایدیھما ولست اکرہ ارخاءھا من خلفه لانه حرام ولکن ھذا اجمل ولم ار احداً ممن ادرکت یرخی بین کتفیه منھا شیئا الا عامر بن عبداللہ بن الزبیر فانی رایته یرخی بین کتفیه من عمامته وقد بلغنی ان رسول اللہ ﷺ حین انصرف من الخندق وضع عنه السلاح ولا ادری اغتسل ام لا فاتاہ جبریل فقال یا محمد اتضعون اللامة قبل ان تخرجوا الی قریظة فصاح رسول اللہ ﷺ فی الناس ان لا یصلی احد الا فی بنی قریظة وذلک صلاة العصر فصلی بعض الناس بعد فوات الوقت ولم یصل بعضھم حتی لحقوا بنی قریظة اتباعا لقول رسول اللہ ﷺ فرای یومئذ جبریل فی صورة دحیة معتما قد ارسلھا بین کتفیه۔

قال مالک وقال ربیعة انی لاجد العمة تزید العقل فانتھوہ وزجرہ واشتد علیه وقال تدع العمة!

قال محمد بن راشد قد روی عن النبی ﷺ من روایة عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما انه کان اذا اعتم یسدل عمامته بین کتفیه۔ قال عبیداللہ ورایت القاسم وسالماً یفعلان ذلک فلا وجه لکراھة ذلک الا ما ذکرہ مالک من ان ذلک اجمل۔ وقول ربیعة انی لاحد العمة تزید فی العقل لیس علی ظاھرہ بانھا تزید فی العقل حقیقة والمعنی فی ذلک ان لابسھا یسلک من اجل لباسه ایاھا مسسک العقلاء وذلک انھا لما کانت من ھیئة العلاء والخیار واھل السمت والوقار فالتزم من ذلک فرق ما کان یلتزمه قبل۔

ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شملہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کندھوں کے درمیان چھوڑا جائے یا سامنے چھوڑا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے جس کو بھی پایا ہے ان میں سے کوئی بھی شملہ کندھوں کے درمیان نہیں لٹکاتا تھا بلکہ شملہ سامنے لٹکاتا تھا میں بھی عمامہ پہنتا ہوں تو شملہ سامنے لٹکاتا ہوں اور عمامہ کے ایک کنارہ کو پیچھے کے حصہ میں داخل کر کے عمامہ کو پھیر دیتا ہوں... میں نے ربیعہ اور ابن ہرمز کو بھی دیکھا ہے وہ دونوں بھی شملہ کو دونوں کندھوں کے درمیان نہیں لٹکاتے تھے بلکہ سامنے لٹکاتے تھے اور میں جو کندھوں کے درمیان شملہ لٹکانے کو اچھا نہیں سمجھتا تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس طرح کرنا حرام ہے لیکن وجہ یہ ہے کہ خوبصورت یہ ہے کہ سامنے لٹکا کر ٹھوڑی کے نیچے لے جایا جائے میں نے صرف عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہم کو دیکھا ہے جو کندھوں کے درمیان شملہ لٹکاتے تھے اور صرف مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ غزوہ خندق سے لوٹے ہتھیار رکھے غسل کیا یا نہیں یہ معلوم نہیں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اس موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام نے عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔

اس کے بعد امام محمد بن راشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی معمول یہ تھا تو اس کے بعد کراہت کی کوئی اور وجہ نہیں سوائے اس کے جو امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کی ہے کہ خوبصورت دوسرا طریقہ ہے۔[1685]

[1685] (البیان والتحصیل لابن راشد القرطبی فی ھیئة العمامة ج ۱۸ ص ۴۴۶ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس عمامہ کے شملہ کے بارے میں وہ روایات نہیں پہنچی ہیں جن میں تحنیک کے بغیر عمامہ باندھنے کا ذکر ہے اور تحنیک تو تحنیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ احادیث بھی نہیں پہنچی جن میں کندھوں کے درمیان شملہ لٹکانے کا ذکر ہے حالانکہ احادیث میں دونوں کندھوں کے درمیان شملہ لٹکانے کے بارے میں سب سے زیادہ اور صحیح احادیث مروی ہے۔ صرف حضرت جبریل علیہ السلام اور ایک تابعی عامر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی ہے لہٰذا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے تابعین کے عمل کی بنا پر تحنیک کو مستحب قرار دیا ہے۔ اس لئے ان ہی تک محدود رہے گا۔ اب ہم وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جس میں بغیر تحنیک کے عمامہ کا ذکر ہیں:

بغیر تحنیک کے عمامہ حضور ﷺ کی سنت مبارک ہے

بغیر تحنیک کے آج کل جس طریقہ پر عمامہ باندھنا مشہور ہے یہ حضور ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت مبارکہ ہے اور یہی طریقہ صحیح احادیث و آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **حدثنا علی بن حکیم الاودی اخبرنا شریک عن عمار الدھنی عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ ان النبی ﷺ دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔** ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکے میں اس طرح داخل ہوئے کہ سر پر سیاہ عمامہ تھا۔[1686]

یہ مشہور اور صحیح حدیث ہے اس حدیث مبارکہ میں جو عمامہ کا ذکر ہے وہ بغیر تحنیک کے عمامہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام محمد بن اسحاق بن العباس الفاکھی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ **حدثنی احمد بن عبید عن عاصم بن مضرس الانصاری قال اخبرنی ابوبکر عمرو الضبی عن المغیرۃ عن ابرھیم قال کان النبی ﷺ یوم فتح مکۃ معتجرا بعمامۃ سوداء۔**[1687]

امام محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ **قال ﷺ بشریا ابابکر ھذا جبریل متعجر بعمامۃ۔** ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا خوشخبری ہو اے ابو بکر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جبریل علیہ السلام ہے جو بغیر تحنیک کے عمامہ باندھے ہوئے ہیں۔[1688]

[1686] (صحیح مسلم باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام ج ۲ ص ۹۹۰ رقم الحدیث ۱۳۵۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1687] (اخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ ذکر ما کان یلبس النبی اعلی رأسہ حین دخل مکۃ ج ۵ ص ۲۱۵۔۲۱۶ رقم الحدیث ۱۷۳۔۱۷۴۔۱۷۵ مطبوعہ دار خضر بیروت)

[1688] (الثقات ج ۱ ص ۱۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابو عمر وابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔قال و بلغنی ان جبریل علیہ السلام نزل فی جنازتہ معتجراً بعمامۃ من استبرق۔[1689]

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔قال رسول اللہ ﷺ بشریا ابا بکر ھذا جبریل معتجر بعمامۃ صفراء۔ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا خوشخبری ہو اے ابو بکر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جبریل علیہ السلام ہے جو بغیر تحنیک کے زرد رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے ہیں۔[1690]

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بغیر تحنیک کا عمامہ

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

عن حمزۃ بن عبداللہ قال کان علی الزبیر یوم بدر عمامۃ صفراء معتجرا بھا و کانت علی الملائکۃ یومئذ عمائم صفر۔

ترجمہ: حمزہ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بغیر تحنیک کے زرد رنگ کا عمامہ تھا جس کو وہ پہنے ہوئے تھے اس روز ملائکہ کے سروں پر بھی زرد عمامے تھے۔[1691]

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن ھشام بن عروۃ عن رجل من ولد الزبیر یقال لہ عباد بن حمزۃ ان الزبیر بن العوام کانت علیہ عمامۃ صفراء معتجرا بھا فنزلت الملائکۃ و علیھم عمائم صفر۔[1692]

امام ابو عثمان سعید بن منصور الخراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔حدثنا سعید قال نا عبداللہ بن المبارک عن ھشام بن عروۃ عن عباد بن حمزۃ بن الزبیر قال کان علی الزبیر یوم بدر ریطۃ صفراء قد اعتجر بھا و نزلت الملائکۃ و علیھم عمائم صفر۔[1693]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔حدثنا ابو یزید القراطیسی ثنا اسد بن موسی ثنا حماد بن سلمۃ عن ھشام بن عروۃ قال ثم نزل جبریل یوم بدر علی سیماء الزبیر بن العوام و ھو معتجر بعمامۃ صفراء۔[1694]

[1689] (الاستیعاب ذکر سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۲ ص ۶۰۴ برقم ۹۵۸ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1690] (البدایۃ والنہایۃ غزوۃ بدر العظمی ج ۳ ص ۲۸۰ و ص ۲۸۴ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

[1691] (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۰۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1692] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۴۷۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1693] (کتاب السنن باب ماجاء فی الالویۃ والعمایم ج ۲ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۲۵۳۰ مطبوعہ الدار السلفیۃ الھند)

[1694] (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۲۰ رقم الحدیث ۲۳۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ عن ھشام عن ابیہ قال کانت علی الزبیر عمامۃ صفراء معتجرا بھا یوم بدر فقال النبی ﷺ ان الملائکۃ نزلت علی سیماء الزبیر۔[1695]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ وروی ابن ابی شیبۃ وابن جریر وابن مردویہ عن عبداللہ بن الزبیر ان الزبیر کان علیہ یوم بدر عمامۃ صفراء معتجراً بھا فنزلت الملائکۃ علیھم عمائم صفر۔[1696]

امام علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ وما جاء کان علی الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ببدر عمامۃ صفراء معتجرا بھا فقال ابی عبداللہ یعنی الزبیر لجواز ان یکون اکثرھم کان بعمائم صفر۔[1697]

امام علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ اتی جبریل علیہ السلام النبی ﷺ معتجرا بعمامۃ ای سوداء من استبرق وھو نوع من الدیباج مرخیا منھا بین کتفیہ وفی روایۃ علیہ لامتہ ولا معارضۃ لانہ یجوز ان یکون الاعتجار بالعمامۃ علی تلک اللامۃ وھو علی بغلۃ ای شھباء علیھا قطیفۃ وھی کساء لہ وبر من دیباج ای احمر۔[1698]

محدث کبیر سید محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ فالنھی عنہ (الاقتعاط) لیس بثابت سیما وقد تقدم عن السیوطی انہ ﷺ لبس العمامۃ بالعذبۃ وبغیرھا بالتحنیک وبغیرہ وعنہ ایضا نقلاً عن البارزی فی توثیق عری الایمان انہ علیہ الصلاۃ والسلام کان یعتم بالعمائم الحرقانیۃ والسود فی اسفارہ ویعتجر اعتجار الحروب والاعتجار ھو ترک التلحی وفی السیرۃ الحلبیۃ فی الکلام علی غزوۃ بدر الکبری انہ جاء انہ کان علی سیدنا الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ببدر عمامۃ صفراء معتجراً بھا فقال النبی انزلت الملائکۃ علی بسیماء ابی عبداللہ یعنی الزبیر وفی شرح القاموس للشیخ مرتضی فی مادۃ عجر بعد ما فسر الاعتجار بانہ لی الثوبی علی الراس من غیر ادارۃ تحت الحنک او تقول ھو لف العمامۃ دون التلحی ما نصہ وروی عن النبی ﷺ انہ دخل مکۃ یوم الفتح معتجراً بعمامۃ سوداء المعنی انہ لفھا علی راسہ ولم یلتح بھا۔[1699]

ان احادیث و آثار صحابہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو معتجر عمامہ باندھے ہوئے تھے اور جبریل علیہ السلام اور اسی طرح زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر کے دن معتجر عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ اعتجار کے کئی معنی ہیں اور وہ مسئلہ اعتجار میں آگے ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کئے جائیں گے۔ یہاں اعتجار سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ جبریل علیہ السلام اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر تحنیک کے عمامہ باندھا ہے جو آج کل عام علماء اور عوام باندھتے ہیں اس لئے یہاں اعتجار کا یہی معنی ہے۔

[1695] (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ زبیر بن عوام صج ۲ ص ۵۵۵ برقم ۲۷۹۱ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1696] (سبل الھدی والرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1697] (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیہ باب غزوۃ بدر الکبری ج ۲ ص ۴۲۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[1698] (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیہ باب غزوۃ بنی قریظۃ ج ۲ ص ۶۵۷۔۶۵۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[1699] (الدعامۃ لمعرفۃ احکام سنۃ العمامۃ ص ۷۱۔۷۲ مطبوعہ مکتبۃ العلم الاسلامی شام الطبعۃ الاولی ۱۳۴۲ھ)

امام محمد بن مکرم بن منظور الافریقی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔الاعتجار وھو لف الثوب علی الراس من غیر ادارۃ تحت الحنک۔

ترجمہ: یعنی کپڑے کو سر پر اس طرح لپیٹنا کہ ٹھوڑی کے نیچے سے اس کا کوئی بل نہ گزرے اعتجار کہلاتا ہے۔[1700]

یہی امام محمد بن مکرم بن منظور الافریقی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔الاعتجار لف العمامۃ دون التلحی وروی عن النبی انہ دخل مکۃ یوم الفتح معتجرا بعمامۃ سوداء المعنی انہ لفھا علی راسہ ولم یتلح بھا۔

ترجمہ: عمامہ کو سر پر اس طرح لپیٹنا کہ اس کا کوئی بل ٹھوڑی کے نیچے سے نہ گزرے۔[1701]

نیز لکھتے ہیں۔الاعتجار بالعمامۃ ھو ان یلفھا علی راسہ ویرد طرفھا علی وجھہ ولا یعمل منھا شیئا تحت ذقنہ۔

ترجمہ: یعنی اعتجار بالعمامۃ یہ ہے کہ آدمی عمامہ کو سر پر لپیٹ لے اور اس کے کنارہ کو چہرہ پر ڈال لے اور ٹھوڑی کے نیچے سے اس کا کوئی حصہ یا بل نہ گزارے۔[1702]

حضور ﷺ جبریل علیہ السلام اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو احادیث میں عمامہ باندھنے کا ذکر ہے۔ان سے معلوم ہوا کہ عمامہ اس طرح باندھنا کے ایک بل بھی ٹھوڑی کے نیچے سے نہ گزرے جیسے کہ ہم باندھتے ہیں یہ نہ مکروہ ہے نہ شیطان کا طریقہ ہے اور نہ یہ قوم لوط کا عمامہ ہے۔بلکہ حضور ﷺ جبریل علیہ السلام اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت مبارک اور مستحب ہے۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔حدثنا ابو بکر قال حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا جریر بن حازم عن یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ادرکت المھاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود وبیض وحمر وخضر وصفر یضع احدھم علی راسہ ویضع القلنسوۃ فوقھا ثم یدیر ھکذا یعنی علی کورہ لا یخرجھا من تحت ذقنہ۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مہاجرین اولین کو دیکھا ہے کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز یا زرد رنگ کے کھردرے کپڑوں کے عمامے باندھتے تھے ان میں سے کوئی عمامہ اپنے سر پر رکھتا اور اس کے اوپر ٹوپی رکھتا ٹوپی کے گرد اس طرح عمامہ کو لپیٹ دیتے تھے۔اور ٹھوڑی کے نیچے سے نہیں گھماتے تھے۔[1703]

امام اسحاق بن ابراہیم راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

[1700] (لسان العرب ج۴ ص ۵۴۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1701] (لسان العرب ج۴ ص ۵۴۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1702] (لسان العرب ج۴ ص ۵۴۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1703] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۲۴۹۸۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

اخبرنا وھب بن جریر حدثنی ابی عن یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ثم ادرکت المھاجرین یعتمون بعمائم کرابیس حمر و سود و خضر و صفر یضع احدھم طرف یباع علی راسہ ثم یضع القلنسوۃ علیھا ثم یدیرونھا علی رؤوسھم ولا یدخلونھا تحت اذقانھم قال اسحاق قال النضر و ذکر حدیث الزبیر انہ کان معمما یوم بدر بعمامۃ صفراء فنزلت الملائکۃ وعلیھم عمائم بنو قال النضر لا یعرف الاعتجاز الا ان یلف بھا علی راسہ ولا یدخلھا تحت ذقنہ۔

ترجمہ: امام نضر فرماتے ہیں اعتجار اس کو کہتے ہیں کہ عمامہ باندھ کر ٹھوڑی کے نیچے پیچ نہ لائے۔[1704]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہاجرین اولین عمامہ اس طرح باندھتے تھے کہ گردن کے نیچے سے بل نہیں گھماتے تھے یہاں سے معلوم ہوا کہ عمامہ اس طرح باندھنا کے ایک بل نیچے سے نہ گزرے جیسے کہ ہم باندھتے ہیں یہ نہ مکروہ ہے نہ ناجائز ہے بلکہ مہاجرین اولین کی سنت مبارک ہے اور مہاجرین اولین میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل جس طرح ہم عمامہ شریف باندھتے ہیں یہ طریقہ خلفاء راشدین کا طریقہ ہے۔

خلفاء راشدین کی سنت جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عن عرباض بن سارية . . . فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهدين عضوا عليها بالنواجذ وايا كم والامور المحدثات فان كل بدعة ضلالة۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل روایت میں ہے... پس تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین المھدین کی سنت کو پکڑ لینا لازم ہے اور ان کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لینا اور بدعات سے بچنا کیونکہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔[1705]

تحنیک حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مکروہ ہے

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔

حدثنا ابو بكر قال حدثنا ابو اسامة عن سفيان عن معمر عن ابن طاوس عن اسامة كان يكره ان يعتم ان يجعل تحت لحيته و حلقه من يباع۔

[1704] (مسند اسحاق بن راھویہ ج ۳ ص ۸۸۲۔۸۸۳ رقم الحدیث ۱۵۵۶ مطبوعہ مکتبۃ الایمان المدینۃ المنورۃ)

[1705] (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۵۔۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ برقم ۴۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۴۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامہ باندھتے تو اس صورت کو مکروہ سمجھتے تھے کہ داڑھی اور حلق کے نیچے اس کو کریں۔[1706]

احناف وشوافع کے نزدیک تحنیک سنت نہیں

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

ولا یسن تحنیک العمامۃ عند الحنفیۃ والشافعیۃ وتسن العذبۃ لا غیر۔

ترجمہ: احناف وشوافع کے نزدیک تحنیک سنت نہیں سنت صرف شملہ لٹکانا ہے۔[1707]

جمع الوسائل للمناوی میں علامہ عبد الرؤف مناوی مصری شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ولا یسن تحنیک العمامۃ عند الشافعیۃ۔

ترجمہ: شوافع کے نزدیک عمامہ میں تحنیک سنت نہیں۔[1708]

امام الشیخ سلیمان بن عمر شافعی المعروف بالجمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

لا یسن تحنیک العمامۃ عند الشافعیۃ۔

ترجمہ: شوافع کے نزدیک عمامہ میں تحنیک سنت نہیں۔[1709]

امام الشیخ ابراہیم البیجوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

لا یسن تحنیک العمامۃ عند الشافعیۃ۔

ترجمہ: شوافع کے نزدیک عمامہ میں تحنیک سنت نہیں۔[1710]

[1706] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۲۴۹۸۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1707] (الموسوعۃ الفقہیۃ ج ۱۰ ص ۲۷۷)

[1708] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل وبہامش شرح الشمائل للمناوی ج ۱ ص ۲۰۹ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

[1709] (المواہب المحمدیۃ الشمائل الترمذیۃ ج ۱ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1710] (المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ للبیجوری ص ۹۹ فاروقی کتب خانہ ملتان)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بغیر تحنیک کے عمامہ جائز اور سنت رسول ﷺ ہے آخر میں چند اور احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں شملہ کا ذکر ہے مگر تحنیک کا ذکر نہیں اور یہ احادیث پہلے اپنے مواضع میں بیان ہو چکی ہیں یہاں پر مختصر حاضر ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوتی سیاہ عمامہ پہنایا اور سامنے کا حصہ اس طرح لٹکتا چھوڑ دیا۔

قال یدیر کور العمامة علی رأسه ویغرزها ومن ورائه ویرخی له ذوابه بین کتفیه۔

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ عمامے کے پیچ اپنے سر پر باندھتے تھے۔

قال کانی انظر الی رسول اللہ ﷺ علی المنبر وعلیه عمامة سوداء قد ارخی طرفیها بین کتفیه ولم یقل ابو بکر علی المنبر۔

ترجمہ: جعفر بن عمرو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میری نظروں کے سامنے اب بھی یہ منظر ہے کہ حضور ﷺ سیاہ عمامہ باندھے منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ نے اس کا شملہ دو کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔

عن حسن بن علی قال رایت النبی ﷺ علی المنبر وعلیه عمامة سوداء قد ارخی طرفها بین کتفیه۔

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا آپ کے سر مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا اس کے کنارے کو آپ نے دونوں شانوں کے درمیان لٹکایا تھا۔

ثم نقضها فعممه بعمامة بیضاء وارسل من خلفه اربع اصابع او نحوها ثم قال هکذا یا بن عوف فاعتم فانه اعرب واحسن الخ۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے ان کو اپنے قریب کیا ان کا عمامہ کھولا اور سفید رنگ کا عمامہ باندھا اور پیچھے چار انگل یا اس کے قریب لٹکایا اور فرمایا ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح عمامہ باندھا کرو یہ واضح اور بہتر ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تحنیک واجب نہیں اگر واجب ہوئی تو ان احادیث میں تحنیک کا ذکر ہوتا جس سے ثابت ہوا کہ بغیر تحنیک کے عمامہ باندھنا حضور ﷺ کی سنت اور صحیح احادیث پر عمل کرنا ہے۔

شملہ میں اسبال کا مسئلہ

شملہ کی کم از کم مقدار چار انگشت ہے اور عموماً ایک ہاتھ ہوتا ہے نصف پشت سے زیادہ لمبا رکھنا اسبال میں شامل ہے۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا هناد بن السری ثنا حسین الجعفی عن عبد العزیز بن ابی رواد عن سالم بن عبد اللہ عن ابیه عن النبی ﷺ قال الاسبال فی الازار والقمیص والعمامة من جر منها شیئا خیلاء لم ینظر اللہ الیه یوم القیامة۔

ترجمہ: سالم بن عبد اللہ نے اپنے والد ماجد سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ازار قمیص اور عمامہ کا لٹکانا ہے جس نے ان میں سے کوئی چیز ازراہِ تکبر لٹکائی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نگاہ لطف و کرم نہیں فرمائے گا"[1711]

علامہ عبد الرؤف مناوی مصری شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

قال الحافظ زین الدین العراقی رحمه الله تعالی وقد ورد فی حدیث رواه ابو داود النهی عن اسبال العمامة والتوعید علیه قال والظاهر ان المراد منه المبالغة فی تطویلها بحیث تخرج عن العادة لا جرها علی الارض فانه غیر معتاد والاسبال فی کل شئ بجنسه۔[1712]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

واسبال در عمامة بارسال عذبة زیادت بر عادت عدداً و طولاً وغایت آن تا نصف ظهر ست وزیاده بر ان بدعت و داخل اسبال محرم۔

ترجمہ: عمامہ کا شملہ عادت کے طور پر عدد اور لمبائی پر ہو جو آدھی کمر ہے اس سے زیادہ بدعت اور لٹکانا حرام میں داخل ہے۔[1713]

امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

وکان اینهی عن الاسبال فی العمامة وهو اطالة العذبة۔

ترجمہ: حضور ﷺ عمامہ میں عمامہ کے اسبال سے منع فرماتے یعنی لمبا شملہ ممنوع ہے۔[1714]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں۔

قال ابن بطال واسبال یباع المراد به ارسال العذبة زائدا علی ما جرت به العادة انتهی۔

[1711] (سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی قدر موضع الازار ج ۴ ص ۶۰ رقم الحدیث ۴۰۹۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی ج ۸ ص ۲۰۸ رقم الحدیث ۵۳۳۴ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیة حلب)، (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1712] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل وبهامش شرح الشمائل للمناوی ج ۱ ص ۲۰۳ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

[1713] (اشعة اللمعات فارسی ج ۳ ص ۵۷۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[1714] (کشف الغمة عن جمیع الامة ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)

ترجمہ: ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمامہ میں اسبال سے مراد شملہ لٹکانا ہے عادت سے زیادہ۔[1715]

عمامہ کے رنگوں کی تحقیق

سفید، سیاہ، سبز رنگ کا عمامہ پہننا مستحب ہے۔ گہرا سرخ اور زرد رنگ کے عمامہ میں اختلاف ہے اور ہماری تحقیق کے مطابق سرخ اور زرد رنگ کا عمامہ پہننا بھی جائز و سنت ہے اس کے علاوہ ہر رنگ کا عمامہ پہننا مباح ہے۔

سیاہ رنگ کا عمامہ شریف

ہمارے مطالعہ میں عمامہ شریف کی جتنی روایات ہیں ان میں سب سے زیادہ اور صحیح احادیث سیاہ عمامہ شریف کی ہے احادیث مبارکہ میں سیاہ عمامہ شریف پر صحیح اور سب سے زیادہ روایات وارد ہیں۔ بعض لوگ سیاہ لباس اور سیاہ عمامہ کو بری نظر سے دیکھتے ہیں لیکن یہ جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ سیاہ لباس پہننا سنت ہے اور امام المسلمین امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اس کو مسلمان کی علامت میں شمار کیا ہے:

سیاہ لباس مسلمان کی علامت ہے

امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

وقال ابو حنیفة لو ان قوما من المسلمین وجدوا موتی فیهم کافر او کافران لا یعرف الکافر من المسلم غسلوا و کفنوا وصلی علیهم ونوی المصلون بالصلاة والدعاء المسلمین منهم دون الکافرین وصلی علیهم جماعة وان کانوا کفارا فیهم المسلم والمسلمان لم یصل علی احدمنهم ویغسلون ویکفنون ویدفنون ولا یصلی علی احدمنهم وکذلک قول ابی یوسف وقول محمد ویدفنون فی قول محمد فی مقابر المشرکین فاما الاولون الذین اکثرهم المسلمون فانهم یدفنون فی مقابر المسلمین وان کانوا نصفین من الکافرین والمسلمین لم یصل علی احدمنهم حتی یکون الاکثر من المسلمین وهذا ایضا یدلک علی الوجه الاول فان کان باحدهما علامة من علامات المسلمین او کان باحدهما علامة من علامات المشرکین ومن علامات المسلمین الختان والخضاب ولبس السواد بما یعرف به المسلم من الکافر۔[1716]

استاذ الفقیہ علامہ ابو الوفاء افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

الختان والخضاب ولبس السواد ونحو ذلک فمن کان علیهم علامة المسلمین۔

ترجمہ: ختنہ خضاب اور سیاہ کپڑے پہننا وغیرہ جن پر یہ ہو تو یہ مسلمان کی علامت ہے۔[1717]

[1715] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1716] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط کتاب التحری ج ۳ ص ۲۲۔۲۳ مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

[1717] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط کتاب التحری ج ۳ ص ۲۲ مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

نیز لکھتے ہیں۔

ومن العلامة للمسلمین الختان والخضاب ولبس السواد۔ثم شرح الختان والخضب والسواد۔[1718]

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

العلامة للمسلمین الختان والخضاب ولبس السواد۔۔۔[1719]

امام برہان الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ذکر محمد رحمہ اللہ فی السیر فی باب العمائم حدیثاً یدل علی ان لبس السواد مستحب۔

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر الکبیر باب العمائم میں حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں یہ حدیث مبارکہ سیاہ لباس کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔[1720]

امام فخر الدین عثمان بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ زین الدین بن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

قال رحمہ اللہ ویسن لبس السواد وارسال ذنب العمامة بین الکتفین الی وسط الظھر۔

لان محمد رحمہ اللہ ذکر فی السیر الکبیر فی باب الغنائم حدثنا یدل علی ان لبس السواد مستحب۔

ترجمہ: سیاہ لباس اور آدھی کمر تک شملہ لٹکانا مستحب ہے کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر الکبیر میں فرمایا کہ سیاہ لباس مستحب ہے۔[1721]

فتاویٰ عالمگیری میں ملا نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ندب لبس السواد وارسال ذنب العمامة بین الکتفین الی وسط الظھر کذا فی الکنز۔

ترجمہ: سیاہ کپڑے مستحب ہے اور عمامہ کا شملہ کاندھوں کے درمیان آدھی کمر تک مستحب ہے۔ جیسا کہ کنز میں ہے۔[1722]

[1718] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط کتاب التحری ج ۳ ص ۲۳ مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

[1719] (المبسوط للسرخسی کتاب التحری ج ۱۰ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت وفی نسخۃ ج ۵ جز ۱۰ ص ۲۰۵۔۲۰۶ مطبوعہ مکتبۃ الغفاریہ کوئٹہ)

[1720] (المحیط البرھانی کتاب الاستحسان والکراھیۃ الفصل العاشر فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالا یکرہ ج ۶ جز ۱۱ ص ۷۴ مطبوعہ مطبوعہ المکتبۃ الغفاریۃ کانسی روڑ کوئٹہ)

[1721] (تبین الحقائق شرح کنز الدقائق مسائل شتیٰ ج ۶ ص ۲۲۸۔۲۲۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)، (البحر الرائق ج ۸ ص ۴۸۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1722] (فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیۃ باب اللبس مایکرہ من ذلک الباب التاسع فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالا یکرہ ج ۵ ص ۴۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ سیاہ لباس پہننا مستحب ہے لیکن جس جگہ اس کے متعلق شیعہ ہونے کی بدگمانی کی جائے گی تو اس جگہ سیاہ لباس پہننے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اور شیعوں کا ان دلائل سے استدلال بالکل بیکار ہیں اس لئے یہ اہل سنت و جماعت کی کتب ہیں جو شیعوں کے نزدیک معتبر نہیں اور شیعوں کی اپنی کتب میں سیاہ لباس کو پہننے سے سخت ممانعت موجود ہیں۔ اس کی تفصیل دیکھنے کے لئے مناظرِ اعظم حضرت علامہ محمد عمر اچروی کی کتاب "مقیاس الخلافت" ملاحظہ فرمائیں۔ **من تشبہ بقوم فھو منھم۔**

سنن ابو داؤد شریف میں ہے۔ **عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔**

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی قوم سے ہو گا۔[1723]

فتح مکہ دن حضور ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا علی بن حکیم الاودی اخبرنا شریک عن عمار الدھنی عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ ان النبی ﷺ دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔[1724]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا احمد بن طاھر بن حرملۃ بن یحیی التجیبی المعسری حدثنا جدی حرملۃ بن یحیی حدثنا عبدالرحمن بن زیاد الرصاصی حدثنا شعبۃ عن حماد بن سلمۃ عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ادخل مکۃ یوم الفتح وعلی رأسہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔[1725]

[1723] (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۰۳ مطبوعہ لاھور پاکستان)، (مسند احمد ج ۲ ص ۵۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

[1724] (صحیح مسلم باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام ج ۲ ص ۹۹۰ رقم الحدیث ۱۳۵۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مسند ابویعلی ج ۴ ص ۱۱۰ رقم الحدیث ۲۱۴۶ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)

[1725] (طبرانی صغیر باب من اسمہ احمد ج ۱ ص ۲۲ و باب العین من اسمہ عبداللہ ص ۲۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (اخلاق النبی ا وآدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۹۰ رقم الحدیث ۱۳۰۳ الاسناد صحیح مطبوعہ دار المسلم الریاض)، (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ترجمہ الاحوص بن حکیم ج ۲ ص ۲۶۴ برقم ۴۴۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

عن جابر ان رسول اللہ دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔[1726]

نیز دوسری کتاب میں حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

وقال احمد حدثنا عفان حدثنا حماد حدثنا ابو الزبیر عن جابر ان رسول اللہ ﷺ دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔[1727]

امام محب الدین ابی جعفر احمد بن عبد اللہ الطبری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل رسول اللہ ﷺ عام الفتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء اخرجہ مسلم والثلاثۃ وابو حاتم وقال ھذا یرد قول من کرہ لبس الاسود۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ میں سیاہ لباس کو مکروہ کہنے والوں کا رد ہے۔[1728]

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ حدثنا عبید اللہ انبانا موسی بن عبیدۃ عن عبد اللہ ابن دینار عن ابن عمر ان النبی ﷺ دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے روز سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔[1729]

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

[1726] (البدایۃ والنہایۃ صفۃ دخولہ مکۃ ج۴ ص ۲۹۲ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

[1727] (السیرۃ النبویۃ صفۃ دخول علیہ الصلوۃ والسلام مکۃ ج۳ ص ۵۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[1728] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج۳ ص ۱۰۳ رقم الحدیث ۵۱۰۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1729] (سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب العمامۃ السوداء ص ۲۵۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حدثنا یحیی بن یحیی و اسحاق بن ابراھیم قالا اخبرنا وکیع عن مساور الوراق عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ ان رسول اللہ ﷺ خطب الناس و علیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: عمرو بن حریث اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ دیا۔[1730]

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر الاصفھانی روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابراھیم بن محمد بن الحارث نا سھل بن عثمان نا وکیع عن مساور الوراق عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ یخطب و علیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: عمرو بن حریث اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ دیا۔[1731]

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

و حدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ و الحسن الحلوانی قالا حدثنا ابو اسامۃ عن مساور الوراق قال حدثنی و فی روایۃ الحلوانی قال سمعت جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ قال کانی انظر الی رسول اللہ ﷺ علی المنبر و علیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ و لم یقل ابو بکر علی المنبر۔

ترجمہ: جعفر بن عمرو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میری نظروں کے سامنے اب بھی یہ منظر ہے کہ حضور ﷺ سیاہ عمامہ باندھے منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ نے اس کا شملہ دو کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔[1732]

امام عمر بن علی بن الملقن الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

حدیث انہ ﷺ کان یتعمم یوم الجمعۃ رواہ مسلم من روایۃ عمرو بن حریث لکن لفظہ خطب رسول اللہ ﷺ و علیہ عمامۃ سوداء۔[1733]

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

[1730] (صحیح مسلم باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام ج ۲ ص ۹۹۰ رقم الحدیث ۱۳۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابی داؤد باب فی العمائم ج ۴ ص ۵۴ رقم الحدیث ۴۰۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۳ رقم الحدیث ۶۲۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۷ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

[1731] (اخلاق النبی او آدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۸۷ رقم الحدیث ۳۰۱ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[1732] (صحیح مسلم باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام ج ۲ ص ۹۹۰ رقم الحدیث ۱۳۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی ج ۸ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۵۳۴۶ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۴۲ رقم الحدیث ۲۸۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (شرح السنۃ ج ۶ ص ۱۵۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1733] (خلاصۃ البدر المنیر ج ۱ ص ۲۲۱ رقم الحدیث ۷۷۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

اخبرنا محمد بن ابان قال حدثنا ابو اسامة علی مساور الوراق عن جعفر بن عمرو بن امیة عن ابیه قال کانی انظر الساعة الی رسول اللہ ﷺ علی المنبر و علیه عمامة سوداء قدارخی طرفها بین کتفیه۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ گویا میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے منبر پر دیکھ رہا ہوں اور اس کا شملہ مبارک آپ ﷺ کے دو کندھوں کے درمیان لٹک رہا ہے۔[1734]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

وروی النسائی عن عمرو بن امیة الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کانی انظر الساعة الی رسول اللہ ﷺ علی المنبر و علیه عمامة السوداء قدارخی طرفها بین کتفیه۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ گویا میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے منبر پر دیکھ رہا ہوں اور اس کا شملہ مبارک آپ ﷺ کے دو کندھوں کے درمیان لٹک رہا ہے۔[1735]

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

وعند مسلم من حدیث ابی الزبیر عن جابر ان رسول اللہ ﷺ دخل یوم الفتح و علیه عمامة سوداء۔

وقال وکیع عن مساور الورق عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیه قال خطب رسول اللہ ﷺ الناس و علیه عمامة دسماء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔

ترجمہ: عمرو بن حریث اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خطبہ دیا۔[1736]

غیر مقلد محمد عبد الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

قوله و علیه عمامة سوداء فیه دلیل علی مشروعیة یباع السوداء۔

[1734] (سنن النسائی (مجلد) کتاب الزینة باب ارخاء طرف العمامة بین الکتفین ص ۸۸۸ رقم الحدیث ۵۳۶۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت الطبعة الاولی ۲۰۰۱ء)

[1735] (سبل الهدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[1736] (السیرة النبویة ج۴ ص ۵۹۰۔ ۵۹۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: فرماتے ہیں حضور ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اس حدیث مبارکہ میں دلیل ہے کہ سیاہ عمامہ جائز (سنت) ہے۔[1737]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ خطب الناس و علیہ عصابۃ دسمآء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیا اور اس وقت آپ ﷺ پر سیاہ عمامہ تھا۔[1738]

قال ابن عباس خرج النبی او علیہ عصابۃ دسماء۔

و عن انس ان النبی اعصب علی راسہ حاشیۃ برد و اراد بالعصابۃ العمامۃ قولہ دسماء ای سوداء۔[1739]

و روی الامام احمد و الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطب رسول اللہ ﷺ الناس و علیہ عمامۃ دسمۃ۔

ترجمہ: حضرت امام احمد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خطبہ دیا اور اس وقت آپ ﷺ پر سیاہ عمامہ تھا۔[1740]

و روی البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال دخلت علی رسول اللہ ﷺ و علیہ عصابۃ دسماء۔[1741]

و قال الکرمانی و دسماء قیل المراد بھا سوداء و یقال ثوب دسم ای وسخ و جزم ابن الاثیر ان دسماء سوداء۔[1742]

و عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ خطب علیہ عمامۃ دسماء اخرجہ الترمذی و اراد بالدسماء السوداء لم یرد الملطخۃ بالدسم و ھو الودک لانہ لا یلیق بحالہ و نظافتہ ﷺ۔[1743]

روی الخطابی و ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال رایت رسول اللہ ﷺ معتما بعمامۃ سوداء قد ارخی طرفھا بین یدیہ۔[1744]

[1737] (تحفۃ الاحوذی باب ماجاء فی بیاع السوداء ج ۵ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1738] (الشمائل المحمدیۃ و الخصائل المصطفویۃ مع تحفۃ الاحوذی باب ۱۶ ماجآء فی عمامۃ النبیا ج ۱۰ ص ۵۰۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی و دار احیاء التراث العربی بیروت بتحقیق علی محمد معوض و عادل احمد عبد الموجود)

[1739] (شرح السنۃ ج ۶ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1740] (سبل الھدی و الرشاد ج ۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1741] (سبل الھدی و الرشاد ج ۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1742] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۲۱ ص ۳۰۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1743] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۳ رقم الحدیث ۵۱۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1744] (سبل الھدی و الرشاد ج ۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اخبرنا الفضل بن دکین اخبرنا عبدالعزیز بن ابی سلمة اخبرنی عمی الماجشون قال جاء جبریل علیه السلام الی رسول اللہ ﷺ یوم الاحزاب علی فرس علیه عمامة سوداء قدارخاها بین کتفیه الخ۔

ترجمہ: حضرت الماجشون سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام یوم احزاب (غزوہ خندق) میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک گھوڑے پر آئے جو ایک سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اپنے دونوں شانوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔[1745]

اخبرنا ابو سعید بن ابی عمرو اخبرنا ابو عبداللہ الصفار حدثنا ابو سعید الحسن بن علی بن بحر البری حدثنا ابی حدثنا حکام بن سلم الرازی حدثنا سعید بن سابق عن سفیان عن عمار بن ابی معاویة عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ قال کانت عمامة رسول اللہ ﷺ سوداء یوم ثنیة الحنظل و ذلک یوم الخندق۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ثنیہ الحنظل والے دن یعنی جنگ خندق والے دن رسول اللہ ﷺ کا عمامہ مبارک سیاہ تھا۔[1746]

وعن ابی موسی ان جبریل نزل علی النبی ﷺ وعلیه عمامة سوداء قدارخی ذوائبه من ورائه۔

ترجمہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور اس پر سیاہ عمامہ تھا۔[1747]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا جریر عن یعقوب عن جعفر عن سعید بن جبیر قال کانت عمامة جبریل یوم غرق فرعون سوداء۔

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام جب فرعون کو غرق کرنے کے لئے آئے تھے تو ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[1748]

عن انس بن مالک انه رای رسول اللہ ﷺ یعتم بعمامة سوداء۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے دیکھا۔[1749]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا سفیان ابن ابی الفضل عن الحسن قال کانت عمامة النبی ﷺ سوداء۔

[1745] (طبقات الکبری ابن سعد غزوۃ بنی قریظۃ ج ۲ ص ۷۶ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1746] (شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۷۳ رقم الحدیث ۶۲۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1747] (مجمع الزوائد و منبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[1748] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۶۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1749] (طبرانی الاوسط ج ۳ ص ۳۵۳ رقم الحدیث ۳۳۸۵ مطبوعہ دار الحرمین القاہرۃ)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج ۶ ص ۲۳۲۸)

ترجمہ: امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا عمامہ سیاہ تھا۔[1750]

اخبرنا وکیع بن الجراح وعفان بن مسلم عن حماد بن سلمة عن ابی الزبیر ان النبی ﷺ دخل مکة وعلیه عمامة سوداء۔

ترجمہ: حضرت ابی الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکے میں اس طرح داخل ہوئے کہ سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

اخبرنا وکیع بن الجراح عن مساور الوراق عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیه ان النبی ﷺ خطب الناس وعلیه عمامة سوداء۔

ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے اس طرح خطبہ ارشاد فرمایا کہ سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

اخبرنا عتاب بن زیاد اخبرنا عبداللہ بن المبارک اخبرنا سفیان عن سمع الحسن یقول کانت رایة رسول اللہ ﷺ سوداء تسمی العقاب وعمامته سوداء۔

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک جھنڈا تھا جس کا نام عقاب تھا اور آپ ﷺ کا عمامہ بھی سیاہ تھا۔[1751]

وروی ابن سعد عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کانت عمامة رسول اللہ ﷺ سوداء۔

ترجمہ: امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا عمامہ سیاہ تھا۔[1752]

وروی ابن سعد عمن سمع الحسن یقول کانت رایة رسول اللہ ﷺ سوداء تسمی العقاب وعمامته سوداء۔

وروی ابن عدی عن جابر قال کان للنبی ﷺ عمامة سوداء یلبسها فی العیدین۔

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک جھنڈا تھا جس کا نام عقاب تھا اور آپ ﷺ کا عمامہ بھی سیاہ تھا۔

[1750] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1751] (طبقات الکبری ابن سعد ج ۱ ص ۴۵۵۔۴۵۶ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (اخلاق النبی وآدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۳۰۸ الاسناد حسن مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[1752] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: امام ابن عدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ کا ایک سیاہ عمامہ تھا جو حضور ﷺ عیدین میں پہنتے تھے۔[1753]

عن ابی الزبیر عن جابر کان للنبی ﷺ عمامة سوداء یلبسها فی العیدین ویرخیها من خلفه۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا ایک سیاہ عمامہ تھا جو حضور ﷺ عیدین میں پہنتے تھے۔[1754]

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ ان سے معاذ بن رفاعہ زرقی اور ان کی قوم کے دوسرے اکثر لوگوں نے بیان کیا کہ جس رات کو سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی اسی رات جبرائیل علیہ السلام جن کے سر پر ابرق کی طرح چمکتا ہوا (سیاہ) عمامہ تھا۔[1755]

اتی جبریل علیه السلام النبی ﷺ معتجرا بعمامة ای سوداء من استبرق وهو نوع من الدیباج مرخیا منها بین کتفیه وفی روایة علیه لامته ولا معارضة لانه یجوز ان یکون الاعتجار بالعمامة علی تلک اللامة وهو علی بغلة ای شهباء علیها قطیفة وهی کساء له وبر من دیباج ای احمر۔[1756]

قال وبلغنی ان جبریل علیه السلام نزل فی جنازته معتجراً بعمامة من استبرق۔[1757]

عن ابی جعفر الانصاری قال رأیت علی علي عمامة سوداء۔

ترجمہ: جعفر الانصاری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔[1758]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا الاعمش عن ثابت بن عبید عن ابی جعفر الانصاری قال رایت علی علی عمامة سوداء یوم قتل عثمان۔

[1753] (سبل الهدی والرشاد ج۷ ص ۳۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[1754] (العلل المتناهیة ج۲ ص ۶۸۳ رقم الحدیث ۱۱۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[1755] (البدایة والنهایة ج۴ مطبوعہ مکتبة المعارف بیروت)

[1756] (انسان العیون فی سیرة الامین المامون المعروفة بالسیرة الحلبیه باب غزوة بنی قریظة ج۲ ص ۶۵۷۔۶۵۸ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)

[1757] (الاستیعاب ذکر سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنه ج۲ ص ۶۰۴ برقم ۹۵۸ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1758] (طبقات ابن سعد ج۳ ص ۲۹ مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: ابو جعفر انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے دیکھا۔[1759]

عن ثابت بن عبید عن ابی جعفر الانصاری قال لما قتل عثمان جئت علیا و هو جالس فی المسجد و علیه عمامة سوداء۔

ترجمہ: جس دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تھے اس دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تھے اور ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[1760]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا ابو العنبس عمرو بن مروان عن ابیه قال رایت علی علی عمامة سوداء قد اخری طرفها من خلفه۔

ترجمہ: عمرو بن مروان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ دیکھا اس کے کنارے کو پیچھے لٹکائے ہوئے تھے۔[1761]

حدثنا عبداللہ قال حدثنی ابی نا وکیع عن شریک عن عاصم عن ابی رزین ثم قال خطبنا الحسن بن علی بعد وفاة علی و علیه عمامة سوداء فقال لقد فارقکم رجل لم یسبقه الاولون بعلم و لا یدرکه الآخرون۔

ترجمہ: ابو رزین رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وفات کے بعد ہمیں خطبہ دیا اور ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[1762]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا دینار ابو عمر قال رایت علی الحسن عمامة سوداء۔

ترجمہ: ابو عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[1763]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا شاذان قال حدثنا شریع عن عاصم عن ابی رزین قال خطبنا الحسین بن علی یوم الجمعة و علیه عمامة سوداء۔

[1759] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1760] (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۹۳ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۵۷۷۵ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[1761] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1762] (فضائل صحابہ لابن حنبل ج ۲ ص ۶۰۰ رقم الحدیث ۱۰۲۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[1763] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: ابورزین بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے ہمیں جمعہ کے دن خطبہ دیا اس حال میں کہ وہ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔[1764]

اخبرنا ابو علی الحسین بن محمد الروذباری ثنا ابو بکر محمد بن احمد بن محمویة العسکری بالبصرة ثنا جعفر بن محمد القلانسی ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا شعبة عن سماک بن حرب قال سمعت ملحان بن ثوبان یقول کان عمار بن یاسر علینا بالکوفة وکان یخطبنا کل جمعة وعلیه عمامة سوداء۔

ترجمہ: ملحان بن ثوبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ ہر جمعہ کو ہمیں خطبہ دیتے اور ان پر سیاہ ہوتا تھا۔[1765]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا عندر عن شعبة عن سماک عن ملحان بن ثروان قال رایت علی عمار عمامة سوداء۔

ترجمہ: ملحان بن ثروان بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[1766]

اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا الحسن بن مکرم ثنا عثمان بن عمر انبا ابو لؤلؤة قال رایت علی ابن عمر عمامة سوداء۔

ترجمہ: ابولولوہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[1767]

عن ابن اسحاق رأیت انس بن مالک علیه عمامة سوداء۔

ترجمہ: حضرت امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی۔ انہوں نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا۔[1768]

رای انس بن مالک وعلیه عمامة سوداء والصبیان خلفه یشتدون ویقولون هذا صاحب رسول اللہ ﷺ۔

ترجمہ: (خطیب احمد بن علی بن ثابت نے اپنی تاریخ میں ابن اسحاق کا ذکر کیا ہے کہ:)

[1764] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۲۴۹۷۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1765] (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۵۷۷۴ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[1766] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1767] (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۷ رقم الحدیث ۵۷۷۶ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[1768] (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی۔ انہوں نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا بچے ان کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے یہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں۔[1769]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا سلمة بن وردان قال رایت علی انس عمامة سوداء قلنسوة وقد اخرها من خلفه نحوا من ذراع۔

ترجمہ: سلمہ بن وردان بیان کرتے ہیں میں نے دیکھا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا بغیر ٹوپی کے پیچھے تقریباً ایک ذراع لٹکائے ہوئے تھے۔[1770]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا عثمان بن ابی هند قال رایت علی ابی عبیدة عمامة سوداء۔

ترجمہ: عثمان بن ابی ہند بیان کرتے ہیں میں نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[1771]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا البکراوی عن ابی عیسی عن ابیه زیاد قال قدم شیخ یقال له سالم قال رایت علی ابی الدرداء عمامة سوداء۔

ترجمہ: سالم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[1772]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ینعقد عن حسین بن یونس قال رایت علی عبدالرحمن بن عوف عمامة سوداء۔

ترجمہ: حسین بن یونس بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[1773]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ینعقد حسین بن یونس قال رایت علی واثلة عمامة سوداء۔

ترجمہ: حسین بن یونس بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[1774]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا الفضل بن دکین عن عبدالواحد بن ایمن قال رایت علی ابن الحنفیة عمامة سوداء۔

[1769] (روض الانف مع سیرۃ النبویۃ لامام ابن ھشام ترجمۃ ابن اسحق ج ۱ ص ۱۹۔۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1770] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1771] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1772] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۲۴۹۶۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1773] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۲۴۹۶۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1774] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۲۴۹۶۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: عبد الواحد بن ایمن بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[1775]

قال عبدالواحد بن ایمن رایت علی ابن الحنفیة عمامة سوداء۔

ترجمہ: عبد الواحد بن ایمن بیان کرتے ہیں میں نے محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[1776]

وکان علی الملائکة یوم بدر عمائم بیض قد ارخوھا الی ظھورھم الا جبریل فانه کان علیه عمامة صفراء ای وقیل حمراء۔ قال بعضھم وکان بعضھم بعمائم خضر و بعضھم بعمائم صفر و بعضھم بعمائم حمر ای و بعضھم بعمائم بیض و بعضھم بعمائم سود فلا منافاة و ذکر ان عمامة جبریل علیه السلام یوم اغرق فرعون کانت سوداء قال فی روایة سیماھم عمائم سود و عند ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه کان سیما الملائکة یوم بدر عمائم قد ارخوھا بین اکتافھم خضر و صفر و حمر اه ای و بیض و سود و فی کلام بعضھم نزلت یوم بدر بعمائم صفر و روایة بیض و سود ضعیفة و فی کلام ابن اسحاق عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما قال کانت سیما الملائکة یوم بدر عمائم بیض قد ارخوھا علی ظھورھم الا جبریل فانه کان علیه عمامة صفراء من نور ای۔ و کانوا یوم احد بعمائم حمر و یوم حنین کذلک فی الجامع الصغیر کانت سیما الملائکة یوم بدر عمائم سود و یوم احد عمائم حمر و ما ذکر لا ینافی ما قیل سیماھم ببدر عمائم صفر قد ارخوھا بین اکتافھم و ما جاء کان علی الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنه ببدر عمامة صفراء معتجر ابھا فقال ابی عبداللہ یعنی الزبیر لجواز ان یکون اکثرھم کان بعمائم ثم صفر۔[1777]

صحة العمامة سوداء و نزول اکثر الملائکة یوم بدر بھا۔

ترجمہ: اکثر فرشتے بدر کے دن سیاہ عمامے سمیت آئے تھے۔[1778]

سفید رنگ کا عمامہ شریف، زندہ اور مردہ کا لباس سفید ہونا چاہیے:

دلیل ۱) حدثنا محمد بن الصباح انباء عبداللہ بن رجاء الملکی عن ابن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ خَيْرَ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضُ فَالْبَسُوْهَا وَ كَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تمہارے کپڑوں سے بہتر کپڑا سفید ہے، سفید کپڑے پہنو اور اپنے مُردوں کو سفید کفن دو۔[1779]

[1775] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۶۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1776] (سیر اعلام النبلاء بقیۃ الطبقۃ الاولی کن کبراء التابعین ابن الحنیفۃ ج ۴ ص ۱۲۶ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[1777] (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیہ باب غزوۃ بدر الکبری ج ۲ ص ۴۲۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[1778] (فیض القدیر ج ۱ ص ۵۵۶ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر)

[1779] (ابن ماجہ ص ۲۵۵، کنز عمال جلد ۵، ص ۳۰۱)

دلیل ۲) حدثنا علی بن محمد ثنا وکیع عن سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قَالَ رسول اللہ ﷺ اَلْبِسُوْ ثِیَابَ الْبَیَاضِ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت پاک اور بہت صاف ہوتے ہیں۔[1780]

دلیل ۳) اخبرنا عادم بن الفضل اخبرنا حماد بن زید و اخبرنا اسحق بن عیسیٰ اخبرنا حماد بن سلمۃ جمیعا عن ایوب بن ابی السختیانی عن ابی قلابۃ عن سمرۃ بن جندب اَنَّ رَسُوْلَ اللہ ﷺ قَالَ عَلَیْکُمْ بِالْبَیَاضِ مِنَ الثِّیَابِ فَیَلْبِسُھَا اَحْیَائُ کُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر سفید کپڑے لازمی ہے۔ تمہارے زندہ سفید کپڑے ہی پہنیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مُردوں کو کفن دو۔[1781]

دلیل ۴) اخبرنا الفضل بن دُکین اخبرنا المسعودی عن الحکم و حبیب بن ابی ثابت و حدثنا سفیان الثوری عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ اَلْبِسُوْ الثِّیَابَ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنو بے شک وہ سفید کپڑا بہت اچھا ہے اور پسندیدہ ہے اور اسی سفید کپڑے میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[1782]

دلیل ۵) اخبرنا عمرو بن علی قال ثنا یحیی بن سعید قال سمعت سعید بن ابی عروبہ یحدث عن ایوب عن ابی قلابۃ عن ابی المھلب عن سمرۃ عن النبیّ صلّی اللہ علیہ و سلّم قال اَلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبِیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ سے آپ نے فرمایا سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت صاف اور پاکیزہ ہیں اور میت کو کفن بھی سفید دو۔[1783]

[1780] (ابن ماجہ ص ۲۵۵)

[1781] (طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۲۱۹)

[1782] (طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۴۴۹)

[1783] (نسائی شریف، جلد ۲، ص ۲۹۷)

دلیل ٦) اخبرنا الفضل بن دکین و یحیی بن عباقالا اخبرنا المسعودی عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ اَلْبِسُوْا الثِّیَابَ الْبِیْضَ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَامَوْتَاکُم۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید کپڑے پہنو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[1784]

دلیل ۷) اخبرنا الفضل بن دکین حدثنا ابو بکر الھذلی عن ابی قلابۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اِنَّ مَنْ اَحَبِّ ثِیَابِکُمْ اِلَی اللہِ الْبَیَاضُ فَصَلُّوْا فِیْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔ ابو قلابہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفید کپڑا زیادہ محبوب ہے سفید کپڑے میں ہی نماز ادا کرو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[1785]

دلیل ۸) حدثنا محمد بن بشار نا عبدالرحمٰن بن مھدی نا سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ ﷺ اَلْبِسُوْا اَلْبَیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔ سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفید لباس پہنو اس لئے کہ وہ بہت پاک اور بہت اچھا ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[1786]

دلیل ۹) حدثنا احمد بن یونس نا زھیر نا عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ اَلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ وَاِنَّ خَیْرَ اَکْحَالِکُمْ اَلْاِثْمِدْ یَجْلُوْا الْبَصَرَ وَ یُنْبِتُ الشَّعْرَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سفید کپڑے پہنو اسلئے کہ وہ تمہارا بہتر لباس ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو اور بے شک تمہارے لئے بہتر سرمہ سرخ ہے آنکھ کو روشن کرتا ہے اور بال اُگاتا ہے۔[1787]

دلیل ۱۰) حدثنا علی بن حمشاذ العدل، ثنا اَبو الجماھر محمد بن عثمان الدمشقی، حدثنی الھیثم بن حمید، اخبرنی ابو معبد حفص بن غیلان، عن عطاء بن اب رباح قال: کنت مع عبداللہ بن عمر فاَتاہ فتًی یسالُہ عن اسدال العمامۃ فقال ابن عمر: ساَخبرک عن ذلک بعلم اِن شآء اللہ تعالٰی قال: کنت عاشِرَ عشرۃٍ فی مسجدِ رسول اللہ ﷺ: ابو بکر، و عمر، و عثمان، و علی، و ابن مسعود، و حذیفہ، و ابن عوف، و ابو سعید الخدری، فجاءَ فتیً من الانصارِ فسلَم علی رسول اللہ ﷺ ثم جلس فقال: یا رسول اللہ، اَیُّ المومنین افضل؟ قال: احسنُھُم خُلقاً، قال: فاَیُّ المومنین اَکیس؟ قال: اکثرھم للموتِ ذکراً، و اَحسنھم لہُ استعداداً قبلَ ان ینزِلَ بھم اُولٰئِکَ من الاکیاس، ثم سکت الفتی و اقبل علیہ النبیّ ﷺ فقال: یا معشر المھاجرین خمس ان ابتُلِیتُم بھنَّ و نزل فیکم، اَعوذ باللہ ان تدرِکُوھُنَّ، لم تَظْھر الفاحشۃ فی قوم قطُّ حتی یعملُوا بھا الا ظھر فیھم الطَّاعُونُ و الاوجاعُ التی لم تکُن مضَت فی اسلافھم، و لم یُنْقِصُوْا المکیالَ و المیزان الا اُخِذوا بالسِّنین و شدَّۃِ المومنۃ و جودِ السّلطان علیھم، و لم یمنعوا الزَّکاۃ ال منعوا القطر من السمائِ، و لولا البَھَائِم لم یمطروا، و لم ینقضوا عھد اللہ و عھد الرَّسولہ الا سلَّط علیھم عدُوَّ ھم من غیرھم، و اخذوا

[1784] (طبقات اب سعد، جلد ۱، ص ۴۵۰)

[1785] (طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۱۹)

[1786] (ترمذی شریف، جلد ۲، ص ۱۰۴)

[1787] (ابو داود، جلد ۲، کتاب اللباس، ص ۵۶۲)

بعض ما کان فی ایدیھم، و مالم یحکم ائمّتھم بکتابِ اللّٰہ الا القی اللّٰہ باسھم بینھم، ثم امر عبد الرّحمٰن بن عوف یتجھزُ لسریّۃِ بعثہُ علیھا، و اصبحَ عبدالرّحمٰن قد اعتمّ بِعمامۃ من کرابیس سوداء، فاَدناہ النبیّ ﷺ ثم نقضہ و عمّمَۃ بعمامۃٍ بیضاء، و ارسل من خھلفہ اربع اصابع او نحو ذلک، و قال: ھکذا یا ابن عوف اعتمّ فانہ اعرب و احسن، ثم امر النبی ﷺ بلال ان یدفع الیہ اللوائَ، فحمداللّٰہ تعالٰی و صلّٰی علی النبیّ ﷺ ثم قال: خذ ابن عوفٍ فاغزوا جمیعاً فی سبیل اللّٰہ، فقاتلوا من کفر باللّٰہ، لا تغلوا، و لا تغدروا، و لا تمثلُوا، و لا تقتلُوا ولیداً، فھذا عھد اللّٰہ و سیرۃ ''النّبیّہُ ﷺ۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاہ۔

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس موجود تھا کہ ایک نوجوان آیا اور آپ سے عمامہ کے شملے لٹکانے کے بارے میں پوچھنے لگا۔ تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ میں تمہیں اس کے بارے میں یقینی خبر دے رہا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں دس آدمیوں میں سے ایک تھا۔ وہ دس آدمی یہ ہیں، ۱) ابو بکر، ۲) عمر، ۳) عثمان، ۴) علی، ۵) ابن مسعود، ۶) حذیفہ، ۷) ابن عوف، ۸) ابو سعید خدری، (نواں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اور دسواں سرور کونین رسول اللہ ﷺ کہ انصار میں سے ایک جوان حاضر خدمت ہوا، اس نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا اور بیٹھ گیا پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول! کونسا مؤمن افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مؤمنوں میں سے اچھا اخلاق والا ہو۔ پھر عرض کیا کہ کون زیادہ عقلمند (ہوشیار) ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور موت کے آنے سے پہلے پہلے موت کیلئے تیاری کرنے والے زیادہ عقلمند لوگ ہیں۔ یہ جوان چپ ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمانا شروع کیا کہ اے مھاجرین کے گروہ! اگر تم لوگ پانچ چیزوں سے آزمائے گئے اور وہ تم میں نازل ہو جائیں تو میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم پانچ چیزوں کو پاؤ گے۔ ۱) قومِ نوح میں بدکاری اس وقت تک ظاہر نہیں ہوئی جب تک کہ انھوں نے بدکاری کا عمل نہیں کیا مگر یہ کہ ان میں طاعون پھیل گیا اور ایسی بیماریاں جو اِن کے اسلاف میں نہیں گزریں تھیں۔ ۲) جب انھوں نے ناپ تول میں کمی کر دی تو قحط سالی، سخت مصیبتوں اور بادشاہ کے ظلم میں گرفتار ہوئے۔ ۳) جب زکوٰۃ دینا چھوڑ دیا تو اُن پر بارش برسنا بند ہو گئی اور اگر جانور نہ ہوتے تو اُن پر بارش کبھی نہیں برستی۔ ۴) جب اللہ و رسول ﷺ کا عہد توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر دوسری قوموں سے دشمن مسلّط کر دیئے اور جو کچھ اُن کے ہاتھوں میں تھا وہ چھین لیا۔ ۵) اور جب ان کے حکمرانوں نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم دیا کہ سریّہ کیلئے تیاری کریں جس کے لئے اُن کہ بھیجا جا رہا تھا۔ عبد الرّحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایسی حالت میں پایا کہ کالے رنگ کے کھردرے کپڑے سے عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کو اپنے قریب کیا اور وہ (کالے رنگ کا) عمامہ اُتار کر سفید رنگ کا عمامہ پہنایا اور پیچھے کی طرف چار انگلیوں یا اس کے اندازے سے شملہ لٹکایا اور فرمایا کو اے ابنِ عوف! (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) عمامہ باندھا کرو کہ یہ عربی ہونا اور خوبصورتی ہے۔ پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اِن کو جھنڈا دیں تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی کریم

ﷺ پر درود بھیجا اور فرمایا اے ابنِ عوف! رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جھنڈا) پکڑو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں کافروں سے لڑتے رہو اور مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو، دھوکہ نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچّوں کو قتل نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور رسول ﷺ کی سیرت ہے۔[1788]

دلیل ۱۱) وَلَبِسَ النَّبِیُّ ﷺ اَلْعِمَامَۃَ الْبَیْضَاءَ وَالسِّوَادَ وَالصَّفْرَاءَ وَالْاَکْثَرَ اَلْبَیْضَاءُ۔ "نبی اکرم ﷺ نے سفید، کالا، زرد عمامہ باندھا اور اکثر سفید عمامہ باندھا"[1789]

دلیل ۱۲) أخبرنا محمد بن عمر، حدّثنا عبد الرحمٰن بن عبد العزیز عن عاصم بن عمر بن قتادہ عن محمود بن لبید عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنهم قال: خرج رسول اللہ ﷺ والناس مستکفون تخبرون عنه، فخرج مشتملاً قد طرح طرفی ثوبه علی عاتقیه عاصبا رأسه بعصابة بیضاء فقام علی المنبر وثاب الناس الیه امتلأ المسجد، قال فشهد رسول اللہ ﷺ حتی اذا فرغ قال: یا أیها الناس ان الأنصار عیبتی ونعلی وکرشی التی آکل فیها فاحفظونی فیهم! اقیلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسیئهم۔[1790]

عین العلم (صفحہ ۲۴۵) میں ہے: **ویختار الثوب الابیض فهو احب الالوان الیه علیه الصلوۃ والسلام۔** اور وہ سفید کپڑے پسند کرے کیونکہ سفید رنگ حضور ﷺ کا پسندیدہ رنگ ہے۔

دلیل ۱۳) وَکَانَ مُحَمَّدٌ رَحْمَۃُ اللّٰہِ یَتَعَمَّمُ بِالْعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَاءِ فَدَخَلَتْ عَلَیْہِ یَوْماً مَسْتُوْرَۃً "فَبَقِیَتْ تَنْظُرُ اِلٰی وَجْهِهٖ وَهِیَ مُتَحَیِّرَۃٌ فَقَالَ لَهَا مَاشَأْنُکِ فَقَالَتْ اَتَعَجَّبُ مِنْ بَیَاضِ وَجْهِکَ تَحْتَ سَوَادِ عِمَامَتِکَ فَوَضَعَهَا عَنْ رَأْسِهٖ وَلَمْ یَتَعَمَّمْ بِالْعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَاءِ بَعْدَ ذٰلِکَ۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کالے رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت آپ کی مجلس میں حاضر ہوئی تو آپ کے چہرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ عورت نے عرض کیا، میں آپ کے کالے عمامہ کے نیچے آپکے چہرے کی سفیدی سے تعجب کر رہی ہوں۔ تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سر سے (کالا عمامہ) اُتار دیا اور اسکے بعد کالا عمامہ نہیں باندھا۔[1791]

دلیل ۱۴) اِنَّ کُلَّ سُنَّۃٍ تَکُوْنُ شِعَارُ اَهْلِ الْبِدْعَۃِ تَرْکُهَا اَوْلٰی۔

ترجمہ: ہر طریقہ جو اہلِ بدعت کی شعار بن جائے، اس کو چھوڑنا اولیٰ ہے۔ تفسیر روح البیان میں الشیخ اسمٰعیل الحقی البروسوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَمِنْ سُنَّۃِ السَّلَفِ الصَّالِحِیْنَ الْاِنْقِطَاعُ عَنْ مَجَالِسِ اَهْلِ اللَّغْوِ وَاللَّهْوِ وَالْمُجَانَبَۃُ عَنْ اِتِّبَاعِ اَهْلِ الْهَوٰی وَالْبِدَعِ۔**

[1788] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیابوری، حدیث ۸۸۰۱، جلد ۵، ص ۲۴۶۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

[1789] (الدعامہ صفحہ ۸۶)

[1790] (الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۷۵)

[1791] ((۱) البحر الرائق جلد ۸، ص ۴۸۷، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ، پاکستان۔ (۲) تبیین الحقائق، جلد ۴ ص ۲۲۹ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

ترجمہ: سلف الصالحین کی سنت یہ ہے کہ وہ اہلِ بدعت اور اہل لغو کی مجالس میں جانا چھوڑ دیتے تھے۔[1792]

وَ رُوِیَ اَنَّ اِبْنَ الْمُبَارَکْ رُئِیَ فِی الْمَنَامِ فَقِیْلَ لَهُ مَا فَعَلَ رَبُّکَ بِکَ فَقَالَ عَاتَبَنِیْ وَ اَوْ قَفَنِیْ ثَلٰثِیْنَ سَنَةً بِسَبَبِ اِنِّی نَظَرْتُ بِاللُّطْفِ یَوْماً اِلٰی مُبْتَدِعٍ فَقَالَ اِنَّکَ لَمْ تُعَادِ عَدُوِیْ فِی الدِّیْنِ۔

ترجمہ: عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے عتاب دیا اور مجھے کھڑا کیا گیا تیس (۳۰) سال تک اس سبب کی وجہ سے کہ ایک دن میں نے اہلِ بدعت والے کے چہرے کو محبت سے دیکھا تو اللہ جلّ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے دشمن کے ساتھ دین میں دشمنی کیوں نہیں رکھتے ہو؟

دلیل ۱۵) امام عبد اللہ محمد بن ابی شیبہ فرماتے ہیں: **عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ادرکت المھاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود و بیض و حمر و خضر و صفر۔**

سلیمان ابن ابی عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (مہاجرین اولین) کو پایا (اور دیکھا) کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز، اور زرد عمامہ استعمال کیا کرتے تھے۔[1793]

دلیل ۱۶) مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔ یہ عمل سفید عمامہ کے ثبوت پر ایک مضبوط دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ابن جوزی سفید عمامہ کی فضیلت میں حدیث نقل کرتے ہیں۔

اخرج ابن الجوزی عن انس بن مالک عن النّبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم ان للہ ملائکة وقوفا بباب المسجد یستغفرون لاصحاب العمائم البیض۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر سفید عمامہ والے کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔[1794]

دلیل ۱۷) اخرج ابوبکر الھیثمی و عزاہ الی الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ ان اللہ و ملائکة یصلّون علی اصحاب العمائم البیض۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سفید عمامہ والے پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔[1795]

[1792] (مرقاۃ جلد ۴، ص ۶۳)

[1793] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۸ جلد ششم)

[1794] (بحوالہ حکم العمامة)

[1795] (مجمع الزوائد للھشی، ج ۲، ص ۱۷۲)

دلیل ۱۸) ابن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فعل سے سفید عمامہ کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **حدثنا الحسن بن صالح عن ابیہ قال رایت علی سعید بن جبیر عمامۃ بیضاء۔** حضرت شعبی اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔[1796]

دلیل ۱۹) وقال الطحاوی فی فتاواہ رایت ما نسب لعائشۃ ان عمامۃ فی السفر بیضاء وفی الحضر سوداء وکل منہا سبعۃ اذرع۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ میں نے وہ روایت دیکھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب ہے کہ آپ ﷺ کا عمامہ شریف سفر میں سفید اور گھر میں سیاہ ہوا کرتا تھا۔[1797]

دلیل ۲۰) ھدایۃ الابرار صفحہ ۴۲ میں ہے کہ: **وفی شرح المشکوٰۃ لعبد الحق ان النبی ﷺ قال البسوا الثیاب البیض فانّھا اطھر و اطیب و کفّنوا فیھا موتاکم احب الالوان البیاض فان الابیض لباس الانبیاء علیھم الصلوٰۃ و السلام و الصلحاء الخ۔**[1798]

رنگوں میں محبوب ترین رنگ سفید ہے کیونکہ سفید رنگ انبیاء اور صلحاء کا لباس ہے۔

دلیل ۲۱) علامہ عینی لکھتے ہیں: **الثیاب البیض ھی من افضل الثیاب و ھی لباس الملائکۃ الذین نصروا رسول اللہ ﷺ یوم احد وغیرہ و کان ﷺ یلبس البیاض و یحض علی لباسہ۔** لباس میں افضل لباس سفید ہے اور سفید لباس ان فرشتوں کا لباس ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی یوم اُحد وغیرہ میں مدد کی تھی، آپ ﷺ خود سفید لباس پہنتے تھے اور اسی کی ترغیب دیتے تھے۔[1799]

غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پسندیدہ لباس

دلیل ۲۲) غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں " **و افضل الوان الثیاب ما کان ابیض لقولہ ﷺ خیر ثیابکم البیاض۔**[1800] کپڑوں میں افضل رنگ سفید ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لباس میں محبوب لباس سفید ہے۔

[1796] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۲ جلد ششم)

[1797] (فتاوی دار العلوم دیوبند، ص ۹۵، جلد چہارم)

[1798] (شرح شرعۃ الاسلام بحوالہ القول الصریح ص ۵۹)

[1799] (عینی علی البخاری ص ۳۶ جلد ۱۵)

[1800] (الغنیہ ص ۲۹ جلد اول)

دلیل ۲۳) مرقاۃ شریف میں ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ بِاَنَّ الَّذِیْ وَ اظَبَ عَلَیْہِ اَلنَّبِی ﷺ وَ الْخُلَفَائِ الرَّاشِدُوْنَ اِنَّمَا ھُوَ الْبَیَاضُ۔[1801]

ترجمہ:۔ حضرت رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہمیشہ سفید عمامہ پہنے۔

مولانا روح اللہ نقشبندی صاحب نے اپنی کتاب عمامہ کے فضائل اور مسائل میں لکھا ہے:

سنتِ نبوی ﷺ اور جدید سائنسی تحقیق

"سفید لباس بہترین سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام ہے، حضور اکرم ﷺ اکثر سفید لباہی پہنا کرتے تھے، اس بارے میں چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ زیادہ صاف ستھرے ہیں اور انہیں میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔"[1802]

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے مسجدوں اور قبروں میں تمہارے لئے سب سے بہترین لباس سفید لباس ہے۔"[1803]

مرد کے لئے سفید کے علاوہ دوسرے رنگ بھی جائز ہیں لیکن سرخ اور زعفرانی رنگ کے کپڑوں کی ممانعت آئی ہے، البتہ عورتوں کو اجازت ہے، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص سرخ کپڑے پہنے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔[1804]

حضرت عبد اللہ بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر زعفرانی رنگ کے دو کپڑے دیکھے تو فرمایا: یہ کفار کا لباس ہے، ان کپڑوں کو مت پہنا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ ان کو دھولیتا ہوں، فرمایا (نہیں) بلکہ ان کو جلا دو۔[1805]

[1801] (مرقاۃ جلد ۳، ص ۲۶۹)

[1802] (شمائل ترمذی)

[1803] (ابن ماجہ)

[1804] (ابو داؤد، ترمذی)

[1805] (مسلم شریف، مشکوۃ شریف)

اس ضمن میں سفید لباس ورنگ کی افادیت پر ہم چند تحقیقات ومشاہدات پیش کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سفید لباس بلحاظ صحت:

شفاخانوں اور ہسپتالوں میں سفید لباس کا عام رواج ہے، اسی طرح بیماریوں کے علاج میں دھوپ کی قدر وقیمت بھی مسلمہ ہے، اس لئے ہر ممکن ذریعہ سے مریض کو موقع دینا چاہیئے کہ وہ دھوپ کے منافع سے اچھی طرح متمتع ہو۔ سفید لباس سے روشنی اچھی طرح نفوذ کرتی ہے، جس کی وجہ سے جسم کو بخوبی نشو ونما کا موقع ملتا ہے، کمزور آدمیوں کو تاریک و تنگ کمروں میں نہ رہنا چاہیئے اور نہ انہیں اس بات کی اجازت دینی چاہیئے کہ وہ سایہ یا معمولی شیشہ والی کھڑکیوں کے نیچے رہیں، ایسے کمرہ میں سکونت رکھنا چاہیئے جہاں معمولی شیشہ میں سے روشنی آتی ہو بنفشی شعاعوں کے نقطہ نظر سے اسی طرح مضر صحت ہے جس طرح کسی اندھیری کوٹھڑی میں رہنا قوائے جسم کو برباد کر دیتا ہے، کیونکہ کھڑکی کے شیشے عام طور پر قوت اور مستعدی کے قیمتی جوہر کو جسم انسانی سے بالکل خارج کر دیتے ہیں، سفید کپڑوں میں ملبوس رہنے کے علاوہ کمزوروں کو دن کے بہت سے گھنٹے کھلے آسمان کے نیچے کھلی ہوا میں بسر کرنے چاہیئں سورج کی بے روک ٹوک سیدھی کرنیں صحت کے حق میں خاص طور پر مفید ہیں لیکن وہ روشنی جو آسمان سے بادلوں میں سے ہو کر پڑتی ہے، وہ بھی کم نفع بخش نہیں۔ اگر درخت یا دوسری سایہ دار جگہ کے نیچے سے آسمان کا کچھ حصہ نظر آتا ہو تو وہ بھی صحت کے حق میں بہت نفع رساں ہے۔ وہ بچے جن کے جسم کی بالیدگی ترقی پذیر ہو تو وہ ضرور ہی سفید پوش پوشاک میں ملبوس ہونے چاہیئں اور اگر ان کا لباس رنگ دار ہو تو وہ رنگ نہایت ہلکا ہونا بہتر رہے گا، جس طرح پودوں کی بالیدگی میں روشنی کی بے حد ضرورت ہے اسی طرح بچے بھی اپنی نشو ونما میں روشنی اور کھلی فضا کے محتاج ہیں، ظاہر ہے کہ جو پودے تاریکی میں نشو ونما پاتے ہیں وہ کمزور اور پست قامت رہتے ہیں اور جراثیم کا آسانی سے شکار بن جاتے ہیں اور انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ جلد ہی موت کے چنگل میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی دو تہائی آبادی شہروں میں سکونت پذیر ہے اور قریب قریب ساری آبادی اسی محرومی میں مبتلا رہتی ہے کہ دھوپ ان کے جسم کو مس نہیں کرتی، معلوم ہوا کہ صرف چہرے اور ہاتھوں پر دھوپ پڑ جانا ہرگز کافی نہیں، چہرے کا رقبہ قد کے لحاظ سے کم وبیش ہوتا ہے، بالغ آدمی کے جسم کا رقبہ اوسطاً پندرہ بیس مربع فیٹ ہے، حالانکہ ہاتھ اور چہرہ کا کل رقبہ جسم کے دسویں حصہ سے بھی کم ہے، اس سے معلوم ہو گا کہ حصول صحت کے لئے صرف دسویں حصہ پر دھوپ پڑ جانا ہرگز کفایت نہیں کرتا۔

ہمارے اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گا کہ وہ لوگ جو وزنی اور سیاہ رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں حقیقت میں بہت کم روشنی ان کے جسم کو مس کرتی ہے اگرچہ وہ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ کھلی ہوا ہی میں کیوں نہ گزاریں، جہاں تک ممکن ہو موسم گرم میں چھوٹے بچوں کو بہت کم لباس پہنانا چاہیئے تاکہ ان کے جسموں کو کافی دھوپ اور ہوا لگ سکے، موسم گرم ہو خواہ سرد، افزائش صحت کے لئے سفید لباس اختیار کرنا ضروریات میں سے ہے۔

سفید رنگ اور جدید سائنسی تحقیقات:

سفید رنگ محبت اور امن کی علامت ہے، فطری ماحول میں یہ رنگ چاند، چاندی، دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء میں نظر آتا ہے، سفید رنگ تمام رنگوں کا مرکب ہے، دواخانوں اور ہسپتالوں میں اکثر یہی رنگ نظر آتا ہے، اس رنگ کی خوبی یہ ہے کہ یہ بہترین پس منظر ثابت ہوتا ہے، سفید رنگ کے پس منظر میں جس رنگ کی چیز بھی ہوگی وہ زیادہ خوب صورت نظر آئے گی، جو لوگ سفید رنگ کو پسند کرتے ہیں وہ پاکیزہ خیالات کے مالک ہوتے ہیں، ان کے مزاج میں دھیما پن اور بردباری پائی جاتی ہے، فطری طور پر اس رنگ کو پسند کرنے والے افراد صلح جو، امن پسند دوسروں کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوتے ہیں، یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ابتدا میں روضۂ اقدس کے گنبد کا رنگ بھی سفید تھا، جس کو بعد میں سلطان محمود نے سبز کرادیا تھا، چنانچہ اب اسی رنگ کی مناسبت سے یہ سبز گنبد یا گنبدِ خضراء کہلاتا ہے۔

رنگ اور روشنی کے ماہرین نے سفید لباس کو کینسر سے بچاؤ کا بہترین تریاق قرار دیا ہے، اس کے علاوہ جلدی گلینڈز کا ورم، پسینے کے مسامات کا بند ہو جانا، پھپھوندی کے امراض جیسی خطرناک بیماریاں نہیں ہوں گی۔ سفید لباس ہر قسم کے موسمی تغیرات کا مقابلہ کرتا ہے، سخت گرمی کے موسم میں سفید لباس گرم نہیں ہوتا، کیونکہ یہ گرمی کو جذب نہیں کرتا بلکہ رادع حرارت ہے، سخت سردی کے موسم میں سردی کی وجہ سے لباس ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

جلدی الرجی، ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کو ہمیشہ سفید لباس پہننا چاہیئے، کروموپیتھی کے اصول کے مطابق سفید لباس دل، دماغ اور جلد کا محافظ ہے۔

فلڈیلفیا کی ایک فیکٹری پر سفید رنگ کا تجربہ:

ذرا اپنے گردوپیش پر نظر ڈالئے، کمرے کی دیواروں اور چھت کی رنگت کیسی ہے، پردوں فرنیچر اور دوسری چیزوں کا رنگ کیا ہے، کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ دلہنوں کو سرخ جوڑا کیوں پہنایا جاتا ہے، کمروں کی دیواروں پر سفیدی کیوں کرتے ہیں یا خوابگاہ میں ہلکا نیلا یا آسمانی رنگ کیوں استعمال کیا جاتا ہے، ہم اندھیرے میں جانا پسند نہیں کرتے، صبح سورج کی کرنیں ہمارے اندر تازگی اور صحت مند جذبات پیدا کرتی ہیں، ہم گرمیوں میں سفید چادر اوڑھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ رنگ ذہن کے ساتھ ساتھ ہمارے جسموں پر بھی گہرے اثرات ڈالتے ہیں، بعض رنگ ہمیں بے چین اور مضطرب کر دیتے ہیں اور بعض سکون، آرام اور خوشی بخشتے ہیں۔ اپنی بات کے ثبوت میں چند دلچسپ تجربات کا ذکر کرنا بے جانہ ہوگا، جو امریکہ میں رنگوں پر تحقیقاتی کام کرنے والی ایک کمیٹی نے بیان کئے ہیں۔

فلاڈیلفیا کی ایک فیکٹری میں لوہے کا سامان تیار ہوتا تھا، جس عمارت میں مزدور کام کرتے تھے اس کی دیواریں دھوئیں کالک اور میل کچیل کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھیں، جن بڑی بڑی میزوں پر کھڑے ہو کر مزدور چھوٹے چھوٹے پرزوں کو جوڑ کر چیزیں تیار کرتے تھے، ان کا رنگ بھی سیاہ تھا، کمیٹی کے مشورے پر انتظامیہ نے دیواروں پر سفیدی کروادی، میزوں پر ہلکا سبز رنگ پھیر دیا، صرف ایک ہفتے میں

انتظامیہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ مزدوروں کی کارکردگی میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہوا ہے اور وہ پہلے کی نسبت زیادہ دیر تک کام کر سکتے ہیں۔ اس سے پیشتر وہ بہت جلد تھک جاتے تھے۔

سفید اور سیاہ رنگ پر ماہرین سے سوال جواب:

سوال: گرمیوں کے موسم میں سفید رنگ کی چھت سیاہ چھت کے مقابلے میں مکان کو زیادہ ٹھنڈا کیوں رکھتی ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ سفید رنگ گرم شعاعوں کو جذب کرنے کے بجائے دھکیل کر پسپا کر دیتا ہے اس لئے سفید رنگ کی چھت نسبتاً کم گرمی جذب کرتی ہے، اس کے برعکس کالی چھت گرم شعاعوں کو جذب کر لیتی ہے اور کہیں اور منعکس نہیں کرتی، یہی وجہ ہے کہ سفید چھت والا مکان گرمیوں میں نسبتاً ٹھنڈا رہتا ہے۔

سفید رنگ کا اثر:

اس بات سے تو سب واقف ہیں کہ جن علاقوں میں بہت زیادہ گرمی پڑتی ہے وہاں مکانات کی چھتوں پر سفید رنگ کرانے کا مشورہ دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ رنگ سورج کی کرنوں کو جذب کرنے کے بجائے منعکس کر دیتا ہے، لیکن سائنس دان یہ معلوم کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ سفید رنگ کس حد تک مکانات کو ٹھنڈا رکھنے میں کام آتا ہے، اس سلسلے میں فلوریڈا سلور انرجی سنٹر (Florida Silver Energy Center) کے صدر والکر (Walker) کہتے ہیں کہ ہم نے تحقیق کے ذریعے یہ معلوم کر لیا ہے کہ مکانات کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے چھت کا روغن بہت اہمیت کا حامل ہے اگرچہ لوگ اسے اہمیت نہیں دیتے، انہوں نے تجربے کے بعد بتایا ہے کہ جن مکانات پر ٹیٹنم ڈائی آکسائیڈ (Dioxide Titanium) کا لچک دار روغن کیا جاتا ہے تو ایئر کنڈیشن کے استعمال میں ۲۱ فیصد کمی آجاتی ہے۔

گرمیوں میں سفید لباس پہننا دانشمندی کیوں ہے؟

سفید لباس حرارت کے معاملے میں بُرا جاذب اور اچھا عکاس ہے، یہ حرارت اور گرمی جذب نہیں کرتا، بلکہ دوسری چیزوں پر ڈال دیتا ہے یا ماحول میں واپس کر دیتا ہے، اس لئے ہمارے جسموں کو نسبتاً ٹھنڈا رکھتا ہے اور ہم رنگین کپڑوں پر سفید لباس کو ترجیح دیتے ہیں۔

گرمیوں میں لوگ سفید کپڑے پہننے کو کیوں ترجیح دیتے ہیں؟

رنگ دار کپڑوں کے برعکس سفید کپڑے گرمی یا حرارت کو جذب نہیں کرتے بلکہ وہ حرارت کو زیادہ مقدار میں منعکس کرتے ہیں یا دفع کرتے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سفید کپڑے پہننے سے بدن کو سکون محسوس ہوتا ہے اور لوگ گرمیوں میں عام طور پر سفید ہی کپڑے پہنتے ہیں، اس کے برعکس سردی میں گہرے رنگ کے کپڑے پہنے جاتے ہیں چونکہ وہ سورج کی شعاعیں جذب کر کے بدن کو گرم رکھتے ہیں۔

اب جاننا چاہیئے کہ عمامہ شریف حضور سیدنا وسید المرسلین ﷺ کی محبوب وپسندیدہ سنت ہے، آپ ﷺ نے عمامہ کو مسلمانوں کا تاج فرمایا ہے اور اس کو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان فرق قرار فرمایا ہے اور اس کے ترک کو ذریعۂ بے عزتی ارشاد فرمایا ہے۔ پس جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ سے سچی محبت کرتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ بھی عمامہ باندھے کیونکہ یہ آپ ﷺ کو محبوب ہے۔ سفید عمامہ پہننا افضل ہے کیونکہ یہ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت ہے، اور سفید رنگ سب رنگوں میں بہترین رنگ ہے

صاحبِ تفسیرِ روح البیان فرماتے ہیں: **فمن ادعی محبة اللہ و خالف سنة نبیه فهو کذاب بنص کتاب اللہ تعالیٰ و انما کان کاذبا فی دعواه لان من احب اٰخر یحب خواصه و المتصلین به من عبیده و غلمانه و بیته و بنیانه و محله و مکانه و جداره و کلبه و حماره و غیره ذٰلک فهذا هو قانون العشق و قاعدة المحبة و الی هذا المعنی اشار المجنون العامری حیث قال:**

امر علی الدیار دیار لیلی — اقبل اذا الجدار و ذا الجدارا

و ما حب الدیار شغفن قلبی — و لکن حب من سکن الدیارا

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے خلاف کرے تو وہ بدلیل نص قطعی جھوٹا ہے اور وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا اس لئے ہے کہ قانوناً جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے محبوب کی جملہ علامات اور متعلقین مثلاً اس کے غلام و بچے، گھر، عمارت، محل، مکان، دیوار، کتے، اور گدھے وغیرہ سب سے محبت کرتا ہے اور یہی عشق کا قانون اور محبت کا قاعدہ ہے اور اسی معنی کی طرف مجنون عامری نے اشارہ کیا ہے، جیسا کہ کہتا ہے: میں لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں تو اس کے گھروں کی دیواروں کو چومتا ہوں، مجھے ان گھروں کی محبت نے بے تاب نہیں کیا ہے بلکہ ان گھروں کے مالک کی محبت نے (بے تاب کیا ہے)[1806]

جب ثابت ہو گیا کہ عمامہ باندھنا سنت ہے اور خاص کر سفید عمامہ فضیلت کا حامل ہے، لہٰذا عمامہ کی سُنیت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا اس پر متفقہ فتویٰ ہے۔

خاتم الفقہاء والمفقہین حضرت علامہ سید ابن العابدین رد المحتار اور منحۃ الخالق علی بحر الرائق میں وجیز کردری سے نقل کر کے لکھتے ہیں: **لو لم یر السنة حقا کفر لانه استخفاف**۔ یعنی اگر کوئی (عمامہ شریف کی) سنت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اس لئے کہ عمامہ شریف کی سنت کا استخفاف واستحقار کفر ہے۔

اور یہ فقہاء امت کا اجماعی فیصلہ ہے۔ **من ترک السنة استخفافا به او لقلة مبالاة یکفر بالاجماع**۔ جس نے سنت کو استخفافا اور قلۃ مبالاۃ کی وجہ سے ترک کیا تو وہ اجماعاً کافر ہو جاتا ہے۔

[1806] (روح البیان (عربی)، صفحہ ۲۳، ج ۲)

اعلی حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں: عمامہ حضور پُر نور سید عالم ﷺ کی سنتِ متواترہ ہے، جس کا تواتر یقیناً حد ضروریاتِ دین تک پہنچتا ہے۔

تو عمامہ کہ سنتِ لازمہ دائمہ ہے، یہاں تک کہ علماء نے خالی ٹوپی پہننے کو مشرکین کی وضع قرار دیا اور حدیث رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر حمل کیا۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا: **لم یرو انه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لبس القلنسوة بغیر العمامة فیتعین ان یکون هذا زی المشرکین۔** "یعنی اصلاً مروی نہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنی ہو، متعین ہوا کہ یہ کافروں کی وضع ہے۔"[1807]

داڑھی رکھنا اور عمامہ باندھنا مردوں کی علامت ہے، جیسا علامہ ابو عمر النسفی اپنی تفسیر میں اس آیتِ کریمہ **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ** (النساء:۳۴) کے تحت لکھتے ہیں: مرد عورت پر حاکم ہے، مردوں کی تعریف ایسے کرتے ہیں: **وهم اصحاب اللحیٰ والعمائم۔** یعنی وہ داڑھی اور عمامہ والا ہو۔[1808]

سبز رنگ کا عمامہ شریف سبز لباس پہننا سنت اور جنتیوں کا لباس ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ** (الکھف ۳۱) ترجمہ: اور سبز کپڑے کریب اور قناویز کے پہنیں گے۔[1809]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ۔** "ان کے بدن پر ہیں کریب کے سبز کپڑے اور قناویز"[1810]

مانصه الثیاب الخضر من لباس اهل الجنة قال تعالی ویلبسون ثیاباً خضراً من سندس واستبرق۔[1811]

ای لباس اهل الجنة۔[1812]

وآن از ثیاب جنت است۔[1813]

[1807] (فتاویٰ رضویہ، ج۶، ص ۲۰۹)

[1808] (مجموعۃ التفاسیر، ج۲ ص ۶۴)

[1809] (تفسیر نور العرفان سورۃ الکھف آیت نمبر ۳۱ ص ۳۵۷ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

[1810] (تفسیر نور العرفان سورۃ الدھر آیت نمبر ۲۱ ص ۶۹۶ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

[1811] (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۹ ص ۱۰۲)

[1812] (تفسیر ابن کثیر ج۴ ص ۴۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1813] (اشعتہ اللمعات فارسی کتاب اللباس ج۳ ص ۵۷۱ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

وخص الاخضر لانه الموافق للبصر لان البیاض یبدد النظر ویولم والسواد یورم والخضرۃ لون بین السواد والبیاض وتلک تجمع الشعاع۔

ترجمہ: سبز رنگ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ بصارت کے لیے موزوں اور اس کے لیے موافق و ساز گار ہے کیونکہ سفید رنگ نظر کو متفرق و منتشر کرنے والا اور تکلیف والم دینے والا ہوتا ہے اور سیاہ رنگ غصہ پیدا کرتا ہے اور سبز رنگ سیاہ اور سفید دونوں رنگوں کی درمیانی اور اعتدالی کیفیت کا حامل رنگ ہے جس پر نظر ٹھہرتی ہے اور انتشار بصر کا موجب نہیں بنتا (اس لیے اس معتدل رنگ کو جنتیوں کے لباس کے لیے خاص کیا گیا ہے)۔[1814]

واللباس الاخضر ھو لباس اھل الجنۃ کما فی جزویدل علیہ قولہ تعالیٰ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا۔[1815]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں۔

ویدل علی استحباب لبس الاخضر لانہ لباس اھل الجنۃ وھو ایضا من انفع الالوان للابصار ومن اجملھا فی اعین الناظرین۔

ترجمہ: یہ سبز لباس کے استحبات پر دلیل ہے کیونکہ یہ جنتیوں کا لباس ہے اور آنکھوں کے لئے مفید رنگ ہے اور لوگوں کی نظر میں خوبصورت رنگ ہے۔[1816]

حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مھدی حدثنا عبیداللہ بن ایاط بن لقیط عن ابیہ عن ابی رمثۃ قال رایت رسول اللہ ﷺ وعلیہ بردان اخضران۔ قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن غریب۔

ترجمہ: حضرت ابو رمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دو سبز چادریں پہنے ہوئے دیکھا۔[1817]

عن ابی رمثۃ قال رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیہ بردان اخضران۔

ترجمہ: حضرت ابی رمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دو سبز چادریں اوڑھے دیکھا۔[1818]

رواہ ابو داود والترمذی باسناد صحیح۔

[1814] (التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ ج ۲ ص ۴۲۸ مطبوعہ سعیدیہ کتب خانہ صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)، (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱۰ ص ۳۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1815] (المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ للبیجوری ص ۵۷ فاروقی کتب خانہ ملتان)

[1816] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۹۵ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1817] (سنن الترمذی باب ماجاء فی الثوب الاخضر ج ۵ ص ۱۱۹ رقم الحدیث ۲۸۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۶۴ رقم الحدیث ۴۲۰۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۲ رقم الحدیث ۵۱۰۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1818] (طبقات الکبری ابن سعد ج ۱ ص ۴۵۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: اس حدیث مبارکہ کو امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[1819]

ویدل علی استحباب لبس الاخضر لانہ لباس اھل الجنۃ وھو ایضاً من انفع الالوان للابصار ومن اجملھا فی اعین الناظرین۔

ترجمہ: یہ سبز لباس کے استحبات پر دلیل ہے کیونکہ یہ جنتیوں کا لباس ہے اور آنکھوں کے لئے مفید رنگ ہے اور لوگوں کی نظر میں خوبصورت رنگ ہے۔[1820]

عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ النظر الی الخضرۃ یزید فی البصر . . .

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سبز رنگ کو دیکھنے سے نظر میں اضافہ ہوتا ہے۔[1821]

اخبرنا مؤمل بن اسماعیل اخبرنا سفیان عن بن جریج عن عطاء او غیرہ عن یعلی عن ابیہ قال رایت النبی ﷺ یطوف بالبیت مضطبعا ببرد اخضر الصوف۔

ترجمہ: حضرت یعلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سبز چادر کو بغل کے نیچے سے اوڑھے ہوئے دیکھا۔[1822]

وروی ابو داود عن یعلی بن امیۃ قال رایت رسول اللہ ﷺ یطوف بالبیت مضطبعا ببرد اخضر۔

ترجمہ: امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو سبز چادر میں طواف کرتے ہوئے دیکھا۔[1823]

وروی النسائی عن ابی راشد قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ وعلیہ ثوبان اخضران

[1819] (المجموع شرح المھذب للنووی ج۴ ص ۳۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1820] (الفتح الربانی مع شرحہ بلوغ الامانی ج۱۷ ص ۲۴۲ مطبوعہ مصر)

[1821] (مسند الشھاب ج ۱ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۲۸۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[1822] (طبقات الکبری ابن سعد ج ۱ ص ۴۵۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (زاد المعاد فصل فی ملابسہ ج ۱ ص ۱۴۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (اخلاق النبی او آدابہ ج ۲ ص ۱۸۴ رقم الحدیث ۲۹۹ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[1823] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۳۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ابو راشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ تشریف لائے آپ پر دو سبز چادریں تھیں۔[1824]

حدثنا موسی بن ھارون ثنا ابراھیم بن المنذر الحزامی نا ینعقد ابن عیسی ثنا سعید بن بشیر عن قتادۃ عن انس قال کان احب الالوان الی رسول اللہ ﷺ الخضرۃ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو سبز رنگ بہت ہی زیادہ پسند تھا۔[1825]

وعن انس ان النبی ﷺ کان یحب الخضرۃ او قال کان احب الالوان الی رسول اللہ ﷺ رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط ورجال الطبرانی ثقات۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو سبز رنگ بہت ہی زیادہ پسند تھا۔

اس حدیث مبارکہ کو امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں روایت کیا ہے اور طبرانی اوسط کے رجال ثقہ ہیں۔[1826]

فقال انس کنا نتحدث ان احب الالوان الی النبی ﷺ الخضرۃ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم لوگ آپس میں باتیں کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو سب سے زیادہ پسندیدہ رنگ سبز رنگ ہوتا تھا۔[1827]

وعن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان النبی ﷺ کان یعجبہ النظر الی الخضرۃ والی الحمام الاحمر اخرجھما ابو نعیم۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ حضور ﷺ سبز رنگ کو دیکھنا اور سرخ کبوتر کو دیکھنا پسند فرماتے تھے۔[1828]

وروی ابن سعد عن عروۃ ان رسول اللہ ﷺ کان لہ ثوب اخضر یلبسہ للوفود۔

[1824] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۳۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1825] (طبرانی الاوسط ج ۸ ص ۸۱ رقم الحدیث ۸۰۲۷ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۲ رقم الحدیث ۵۱۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (السیرۃ النبویۃ لابن عساکر ج ۴ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1826] (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[1827] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۶۳۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1828] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۳ رقم الحدیث ۵۱۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ وفد کے آنے کے وقت سبز کپڑے پہنتے تھے۔[1829]

فاذا کان لیلۃ القدر امر اللہ تعالی جبریل فیھبط فی کبکبۃ من الملائکۃ الی الارض و معہ لواء اخضر فیرکزہ علی ظھر الکعبۃ۔

ترجمہ: لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام سے فرمائے گا تو وہ فرشتوں کی جماعت کے ساتھ زمین پر آئیں گے اور اس کے ساتھ سبز جھنڈا ہو گا جس کو کعبہ کی چھت پر گاڑیں گے۔[1830]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا جریر بن حازم عن یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ادرکت المھاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود و بیض و حمر و خضر و صفر یضع احدھما یباع علی راسہ و یضع القلنسوۃ فوقھا ثم یدیر یباع ھکذا یعنی علی کورہ لا یخرجھا من تحت ذقنہ۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مہاجرین اولین کو دیکھا ہے کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز یا زرد رنگ کے کھردرے کپڑوں کے عمامے باندھتے تھے ان میں سے کوئی عمامہ اپنے سر پر رکھتا اور اس کے اوپر ٹوپی رکھتا ٹوپی کے گرد اس طرح عمامہ کو لپیٹ دیتے تھے۔[1831]

الحافظ الکبیر الحجۃ ابو بکر حدث عنہ احمد بن حنبل و البخاری و ابو القاسم البغوی و الناس و وثقہ الجماعۃ۔

ترجمہ: آپ حافظ کبیر اور حجت ہیں۔ امام بخاری اور احمد بن حنبل کے استاد ہیں اور محدثین کی ایک پوری جماعت نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔[1832]

و قال احمد: صدوق۔ امام احمد نے فرمایا ابو بکر بن ابی شیبہ صدوق ہے یعنی سچا ہے۔ **و قال العجلی: ثقۃ و کان حافظا للحدیث۔** امام عجلی نے کہا آپ ثقہ ہیں اور آپ حدیث کے حافظ ہیں۔ **و قال ابو حاتم و ابن خراش: ثقۃ۔** امام ابو حاتم اور امام ابن خراش نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔

امام ابن معین نے کہا: **ابو بکر عندنا صدوق۔** ترجمہ: کہ ہمارے نزدیک ابو بکر سچے راوی ہیں۔ امام ابن حبان نے آپ کو ثقات میں داخل کیا ہے۔ امام ابن قانع نے کہا آپ ثقہ ثبت ہیں۔ آخر میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے آپ سے تیس حدیثیں روایت کی ہیں جبکہ امام مسلم علیہ الرحمۃ نے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث آپ سے روایت کی ہیں۔[1833]

[1829] (سبل الھدی و الرشاد ج۷ ص ۳۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1830] (جامع الاحادیث الکبیر ج ۲۰ ص ۱۴۹ رقم الحدیث ۱۶۰۴۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1831] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۲۴۹۸۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1832] (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۷۷ برقم ۴۹۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1833] (تھذیب التھذیب ج ۳ ص ۲۵۲۔۲۵۳ برقم ۴۰۴۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وقال یعقوب بن شیبة ثنا سلیمان بن حرب وکان ثقة ثبتا صاحب حفظ وقال النسائی ثقة مامون وقال بن خراش کان ثقة قال البخاری قال سلیمان بن حرب ولدت سنة وقال حنبل بن اسحاق مات سنة اربع وعشرین ومائتین وقال بن سعد کان ثقة کثیر الحدیث۔۔۔

قلت وذکرہ بن حبان فی الثقات وقال بن قانع ثقة مامون وقال صاحب الزھرة روی عنه البخاری مائة وسبعة وعشرین حدیثا وقال بن عدی کان یغسل الموتی وکان خیرا فاضلاً۔[1834]

وقال العجلی بصری ثقة وقال النسائی لیس به باس وقال ابو حاتم صدوق صالح وقال بن عدی وقد حدث عنه ایوب السختیانی واللیث بن سعد وله احادیث کثیرة عن مشائخه وھو مستقیم الحدیث۔[1835]

قال احمد وابن معین وابو زرعة والنسائی ثقة وقال ابو حاتم لا باس به وقال یعقوب بن سفیان مستقیم الحدیث وقال بن خراش کان صدوقاً وذکرہ بن حبان فی الثقات۔[1836]

سلیمان بن ابی عبداللہ ادرک المھاجرین سمع منه یعلی بن حکیم عن ابی ھریرة وسعد۔[1837]

سلیمان بن ابی عبداللہ مقبول من الثالثة۔[1838]

سلیمان بن ابی عبداللہ روی عن سعد وصھیب وابی ھریرة وادرک المھاجرین والانصار روی عنه یعلی بن حکیم سمعت ابی یقول ذلک حدثنا عبدالرحمن قال سئل ابی عن سلیمان بن ابی عبداللہ ھذا فقال لیس بالمشھور فیعتبر بحدیثه۔[1839]

اخبرنا وھب بن جریر حدثنی ابی عن یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ثم ادرکت المھاجرین یعتمون بعمائم کرابیس حمر وسود وخضر وصفر یضع احدھم طرف یباع علی راسه ثم یضع القلنسوة علیھا ثم یدیرونھا علی رؤوسھم ولا یدخلونھا تحت اذقانھم قال اسحاق قال النضر وذکر حدیث الزبیر انه کان معمما یوم بدر بعمامة صفراء فنزلت الملائکة وعلیھم عمائم بنو قال النضر لا یعرف الاعتجاز الا ان یلف بھا علی راسه ولا یدخلھا تحت ذقنه۔[1840]

[1834] (تھذیب التھذیب ج۴ ص ۱۵۸ برقم ۳۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (تقریب التھذیب ص ۲۵۰ برقم ۲۵۴۵ مطبوعہ دار الرشید سوریا)، (التاریخ الکبیر للبخاری ج۴ ص ۸ برقم ۱۷۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1835] (تھذیب التھذیب ج۲ ص ۶۱ برقم ۱۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1836] (تھذیب التھذیب ج۱۱ ص ۳۵۲ برقم ۶۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1837] (التاریخ الکبیر للبخاری ج۴ ص ۲۳ برقم ۱۸۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1838] (تقریب التھذیب ص ۲۵۰ برقم ۲۵۴۵ مطبوعہ دار الرشید سوریا)، (الثقات ج۴ ص ۳۱۴ برقم ۳۰۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1839] (الجرح والتعدیل ج۴ ص ۱۲۷ برقم ۵۴۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1840] (مسند اسحاق بن راھویه ج۳ ص ۸۸۲۔۸۸۳ رقم الحدیث ۱۵۵۶ مطبوعہ مکتبة الایمان المدینة المنورة)

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا یزید بن عبد ربہ قال حدثنی محمد بن حرب قال حدثنی الزبیدی عن الزھری عن عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالک عن کعب بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال یبعث الناس یوم القیامۃ فاکون انا و امتی علی تل ویکسونی ربی تبارک و تعالی حلۃ خضراء ثم یوذن لی فاقول ماشاء اللہ ان اقول فذاک المقام المحمود۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگ اٹھائے جائیں گے مجھے میرا رب سبز جوڑا پہنائے گا پھر مجھے شفاعت کی اجازت ہو گی یہ مقام محمود ہے۔[1841]

قال اعزب ھلم الی قمیصی قال فلبسہ و انہ لاخضر من الاشنان۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یناق بن سلمان) فرمایا کہ جاؤ میرے پاس میرا قمیص لاؤ۔ پھر اسے انہوں نے پہن لیا جو گھاس سے زیادہ سبز تھا۔[1842]

عن ابن عون قال انبئت ان عمر اصیب و علیہ ازار اخضر۔[1843]

حدثنا یعقوب حدثنا ابی عن ابن اسحاق قال حدثنی الحارث بن فضیل الانصاری عن محمود بن لبید الانصاری عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ الشھداء علی بارق نھر بباب الجنۃ فی قبۃ خضراء یخرج علیھم رزقھم من الجنۃ بکرۃ عشیا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا شہداء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ باب جنت پر موجود ایک نہر کے کنارے سبز رنگ کے خیمے میں رہتے ہیں جہاں صبح و شام جنت سے ان کے پاس رزق پہنچتا رہتا ہے۔[1844]

قال اخبرنا عارم بن الفضل قال اخبرنا حماد بن زید عن ایوب قال رایت علی القاسم بن محمد قلنسوۃ من خز خضراء و رداء سابری لہ علم ملون مصبوغ بشیٔ من زعفران۔

ترجمہ: حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ پر سبز خز (ریشم) کی ٹوپی دیکھی اور سابری چادر دیکھی جس پر رنگین دھاریاں تھیں کسی قدر زعفران سے رنگی ہوئی تھیں۔[1845]

عن ایوب قال رایت علی القاسم بن محمد قلنسوۃ من خز اخضر و رداء سابر لہ علم ملون مصبوغ بشیٔ من زعفران۔

[1841] (مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

[1842] (طبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ ص ۳۳۰ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1843] (مناقب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لابن جوزی الباب الثالث فی صفتہ و ھیئتہ ص ۱۵ مطبوعہ مکتبۃ دار العقیدۃ للتراث بتحقیق ابو انس مصری سلفی)

[1844] (مسند احمد (مسند عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ) ج ۴ ص ۲۲۰ رقم الحدیث ۲۳۹۰ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۸ء بتحقیق شعیب الارنووط و فی نسخۃ ج ۱ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۲۳۹۰ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر) (تفسیر طبری ج ۲ ص ۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۵ھ)

[1845] (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: حضرت ایوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر سبز رنگ کی ریشمی ٹوپی اور نشان زدہ سابری چادر جو زعفران میں کسی حد تک رنگی گئی تھی دیکھی۔[1846]

الفقیہ الورع الشفیق الضرع نجل الصدیق ذو الحسب العتیق القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کان لغوامض الاحکام فائقا والی محاسن الاخلاق سابقا۔

ترجمہ: ان میں سے ایک فقیہ، پرہیز گار، شفیق، فروتنی وعاجزی کرنے والے، عمدہ واعلیٰ نسب والے قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ احکام کی باریکیوں پر فائق تھے محاسن اخلاق کی طرف سبقت کرنے والے تھے۔[1847]

اخبرنا ابو زکریا بن ابی اسحاق اخبرنا ابو الحسن الطرائفی حدثنا عثمان بن سعید حدثنا القعنبی فیما قراء علی مالک عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ زوج النبی انھا کست عبداللہ بن الزبیر مطرف خز کانت عائشۃ تلبسہ قال القعنبی رایت علی مالک قلنسوۃ خز خضراء۔

ترجمہ: ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے والد سے اس نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ انہوں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوکھونٹی کی چادر بنائی تھی جو ریشم اور اون سے بنی ہوئی تھی (جس کے چاروں طرف باڈر ہوتا تھا) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کو پہنتی تھیں (واضح رہے کہ یہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے) قعنبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ٹوپی دیکھی جو سبز ریشم کی تھی۔[1848]

وقال معرف بن واصل رایت عمر بن عبد العزیز قدم مکۃ وعلیہ ثوبان اخضران۔

ترجمہ: معرف بن واصل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا جب وہ مکے میں داخل ہوئے ان پر دو سبز کپڑے تھے۔[1849]

اخبرنا عبد الرزاق عن معمر قال اخبرنی الحکم عتیبۃ قال رایت علی شریح مطرفا من خز اخضر۔[1850]

وکان سیماء الملائکۃ عمائم قدارخوھا بین اکتافھم خضر وصفر وحمر من نور۔

[1846] (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ذکر ذکر قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[1847] (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ذکر ذکر قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۸۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[1848] (شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۶۵ رقم الحدیث ۶۲۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1849] (سیر اعلام النبلاء ذکر عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ج ۵ ص ۱۳۵ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[1850] (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۷۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

ترجمہ: ملائکہ کی علامت وہ عمامے تھے جن کے سرے وہ اپنے دونوں شانوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔ اور سبز و سرخ نور کے تھے۔[1851]

امام محمد بن عمر واقد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

معاذ بن رفاعہ بن رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے عماموں کے شملوں کو اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا ان کے عمامے کا رنگ سبز زرد اور سرخ تھا اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھی۔[1852]

قال: ابن سعد و کانت سیما الملائکة یوم بدر عمائم قد ارخوها بین اکتافهم خضر و صفر و حمر من نور و الصفوف من نواصی خیلهم فقال رسول اللہ ﷺ لاصحابه: ان الملائکة قد سومت فسوموا فاعلموا بالصوف فی مغافرهم وقلانسهم و کانت الملائکة علی خیل بلق۔[1853]

فقال ﷺ انشدکم اللہ هل رایتم فی میمنتکم صاحب الفرس الاغر المحجل و العمامة الخضراء بها ذؤابتان مرخاتین علی کتفیه بیده حربة قد حمل بها علی المیمنة فازالها قالوا نعم قال هو جبریل علیه الصلاة و السلام و انه امرنی ان ادفع سهمه لعلی۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے لشکر کے دائیں طرف سفید داغ والے گھوڑا سوار نہیں دیکھا کہ سبز عمامہ باندھے دو شملے کاندھے پر لٹکائے ہوئے ہاتھ میں نیزہ تھا اور کافروں کے میمنہ پر حملہ کیا تو ختم کر دیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہاں دیکھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام تھے اور مجھ سے فرمایا کہ میرا نیزہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیں۔[1854]

و فی بستان فقیه ابی اللیث یستحب البیض و الخضر من الثیاب و فی الشرعة احب الالوان البیاض و النظر الی الخضر یزید فی البصر و قد لبس رسول اللہ ﷺ البرد الاخضر و لبس الاخضر سنة۔

ترجمہ: فقیہ ابو اللیث کی کتاب "بستان" میں ہے کہ سفید اور سبز مستحب ہے اور شرعۃ الاسلام میں ہے رنگوں میں پسندیدہ رنگ سفید ہے اور سبز رنگ بینائی کو زیادہ کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے سبز چادر زیب تن فرمائی ہے اور سبز رنگ پہننا سنت ہے۔[1855]

و فی الشرعة و قد لبس النبی ﷺ عمامة سوداء و یرسل ذنبه بین کتفیه پس در بستن دستار سنت آنست که سفید باشد بے آمیزش رنگ دیگر و دستار مبارک آنحضرت ﷺ اور اکثر اوقات سفید بود و گاهے سیاه و احیاناً سبز۔

[1851] (طبقات الکبری ابن سعد ج ۲ ص ۱۶ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1852] (کتاب المغازی ج ۱ ص ۷۵۔۸۱ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[1853] (سبل الهدی و الرشاد ذکر سیماء الملائکة یوم بدر ج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1854] (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفة بالسیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۱۱۹ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)

[1855] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس فارسی اردو ص ۱۲ مطبوعہ دار احیاء العلوم کراچی)

ترجمہ: شرعۃ الاسلام میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیاہ عمامہ زیب سر فرمایا ہے اور اس کا شملہ اپنے دونوں کندھوں کے درمیان میں لٹکایا پس عمامہ باندھنے میں سنت یہ ہے کہ سفید ہو جس میں دوسرے کسی رنگ کی آمیزش نہ ہو اور حضور ﷺ کی دستار مبارک اکثر اوقات سفید ہوا کرتی اور کبھی سیاہ اور کبھی سبز۔[1856]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گفت پیغمبر ﷺ را بر منبر دیدم کہ خطبہ میکرد و بر دھائے سبز پوشیدہ بود۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے پیغمبر ﷺ کو منبر پر دیکھا کہ آپ خطبہ دے رہے تھے اور سبز رنگ کی چادر آپ کے زیب تن تھی۔[1857]

نیز لکھتے ہیں۔ وایں بیان واقع است نہ آنکہ سبز خالص پوشیدن حرام بود چنانکہ سرخ خالص زیرا کہ بہ تحقیق ثابت شدہ است کہ دوست ترین رنگھا نزد آنحضرت ﷺ بعد از بیاض خضرت بود۔

ترجمہ: یہ بیان واقع ہے یعنی نبی کریم ﷺ نے سبز دھاریوں والی چادر کو استعمال فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں کہ خالص سبز لباس پہننا منع ہے جس طرح کہ سرخ خالص۔ اس لئے کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سفید رنگ کے بعد خالص سبز رنگ بہت زیادہ پسند تھا۔[1858]

(ویستحب) الثوب (الابیض والاسود) لقوله علیه الصلوة والسلام ان الله یحب الثیاب البیض وانه خلق الجنة بیضاء وقد روی علیه السلام لبس الجبة السوداء والعمامة السوداء یوم فتح مکة ولا باس بالازرق وفی الشرعیة ولبس الاخضر سنة۔

ترجمہ: سفید و سیاہ کپڑے مستحب ہے حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سفید کپڑوں کو محبوب رکھتا ہے اور جنت بھی سفید پیدا کی گئی ہے آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن سیاہ جبہ اور عمامہ زیب تن فرمایا تھا اور شرعیہ میں ہے کہ سبز کپڑے سنت ہے۔[1859]

ولبس الاخضر سنة کما فی الشرعیة۔

ترجمہ: سبز کپڑے پہننا سنت ہے جیسا کہ شرعیہ میں ہے۔[1860]

[1856] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس فارسی اردو ص ۱۳ مطبوعہ دار احیاء العلوم کراچی)، (رسالہ ضیآء القلوب فی لباس المحبوب مع خلاصۃ الفتاویٰ للشیخ دھلوی ج ۳ ص ۱۵۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1857] (شرح سفر السعادۃ ص ۴۳۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

[1858] (شرح سفر السعادۃ ص ۴۳۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

[1859] (مجمع النھر فی ملتقی الابحر کتاب الکراھیۃ ج ۲ ص ۵۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1860] (بدر المتقی فی شرح الملتقی کتاب الکراھیۃ ج ۲ ص ۵۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ویستحب الابیض و کذا الاسود لانہ شعار بنی العباس و دخل علیہ الصلوۃ و السلام مکۃ و علی راسہ عمامۃ سوداء و لبس الاخضر سنۃ کما فی الشرعۃ من الملتقی و شرحہ۔

ترجمہ: اور سفید لباس اچھا ہے اسی طرح سیاہ لباس بھی کیونکہ یہ قبیلہ بنو العباس کی علامت ہے اور حضور ﷺ مکہ شریف میں اس حالت میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کے سر پر سیاہ عمامہ شریف تھا اور سبز لباس کا پہننا سنت ہے جیسا کہ کتاب شرعۃ میں ہے۔[1861]

یصبغ ثیابہ کلھا بالزعفران قمیصہ و ردائہ و عمامتہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں ایک روز شاہ خوباں ﷺ ہم غلاموں کے پاس تشریف لائے۔ حضور ﷺ نے اس دن زرد قمیص، زرد چادر اور عمامہ زیب تن فرمایا ہوا تھا۔[1862]

حدثنا عبداللہ بن جعفر بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام بمدینۃ الرسول ﷺ سنۃ ثلاث و ثمانین و مائتین حدثنا جدی مصعب بن عبداللہ حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت علی رسول اللہ ﷺ ثوبین اصفرین۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ جعفر اپنے والد رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دو زرد کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔[1863]

اخبرنا ابو القاسم عبدالواحد بن القاسم بن الفضل الصیدلانی باصبھان ان جعفر بن بن عبدالواحد بن محمد بن محمود الثقفی اخبرھم قراءۃ علیہ ابنا محمد بن عبداللہ بن ریذۃ ابنا سلیمان بن احمد الطبرانی ثنا عبداللہ بن جعفر بن مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام بمدینۃ الرسول ﷺ ثنا جدی مصعب بن عبداللہ قال حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رایت علی رسول اللہ ﷺ ثوبین اصفرین۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دو زرد کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔[1864]

عن انس قال کانت للنبی ملحفۃ مصبوغۃ بالورس و الزعفران ان یدور بھا علی نسائہ . . .

[1861] (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۰۷)

[1862] (ضیاء النبی ﷺ ج ۵ ص ۵۶۸ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

[1863] (طبرانی صغیر ج ۱ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (اخلاق النبی او آدابہ ج ۲ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۸۴ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[1864] (الاحادیث المختارۃ ج ۹ ص ۱۴۷۔۱۴۸ رقم الحدیث ۱۲۵ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ الحدیثہ مکہ مکرمۃ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس ایک کپڑا تھا جو ورس زعفران میں رنگا ہوا تھا اور انہی کپڑوں میں ازواج کے پاس جاتے تھے۔[1865]

وروی الطبرانی من طریق نوفل بن اسماعیل عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت لرسول اللہ ﷺ ملحفة مصبوغة بورس فکان یلبسھا فی بیتہ ویدور فیھا علی نسائہ ویصلی فیھا۔

وروی ابن سعد عن قیس بن سعد بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتانا رسول اللہ ﷺ فوضعنا لہ غسلا فاغتسل ثم اتیناہ بملحفة ورسیة فاشتمل بھا فکانی انظر الی اثر الورس علی عنکہ۔[1866]

وروی ایضاً بسند ضعیف عن اسماعیل بن امیة قال رایت ملحفة رسول اللہ ﷺ مصبوغة بورس۔

وروی ایضاً بسند جید عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رایت رسول اللہ ﷺ وعلیہ رداء وعمامة مصبوغین بالعسیر قال مصعب والعسیر عندنا الزعفران۔[1867]

واخبرنا ابو المجد زاھر بن احمد الثقفی ان الحسین بن عبدالملک الادیب اخبرھم ابنا ابراھیم سبط بحرویہ ابنا ابو بکر محمد بن ابراھیم بن المقری ابنا ابو یعلی احمد بن علی الموصلی ثنا مصعب بن عبداللہ الزبیری قال حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ علیہ ثوبان مصبوغان بالزعفران رداء وعمامة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دو زرد کپڑے اور (زرد) عمامہ پہنے ہوئے دیکھا۔[1868]

اخبرنا ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر الاصبھانی ان فاطمة بنت عبداللہ الجوزدانیة اخبرتھم ابنا محمد بن عبداللہ بن سلیمان بن احمد ثنا محمد بن الحسین الانماطی ثنا مصعب بن عبداللہ بن مصعب الزبیری حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رأیت علی رسول اللہ ﷺ ثوبین مصبوغین بزعفران رداء عمامة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دو زرد کپڑے اور (زرد) عمامہ پہنے ہوئے دیکھا۔[1869]

[1865] (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۶۷۵ مطبوعہ دار الحرمین القاھرة)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[1866] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[1867] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[1868] (الاحادیث المختارة ج ۹ ص ۱۴۸ رقم الحدیث ۱۲۶ مطبوعہ مکتبة النھضة الحدیثہ مکہ مکرمة)

[1869] (الاحادیث المختارة ج ۹ ص ۱۴۸ رقم الحدیث ۱۲۷ مطبوعہ مکتبة النھضة الحدیثہ مکہ مکرمة)، (مستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)، (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ رایت رسول اللہ ﷺ وعلیہ ثوبان مصبوغان بالزعفران رداء وعمامتہ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دو زرد کپڑے اور (زرد) عمامہ پہنے ہوئے دیکھا۔ [1870]

اخبرنا بھلول نا مصعب بن عبداللہ الزبیری قال حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیہ ثوبان مصبوغان بالزعفران رداء وعمامۃ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے زعفران سے رنگے ہوئے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے ایک چادر اور ایک عمامہ۔ [1871]

حدثنا عبد بن حمید اخبرنا عفان بن مسلم الصفار ابو عثمان اخبرنا عبداللہ بن حسان انہ حدثتہ جدتاہ صفیۃ بنت علیبۃ او دحیبۃ بنت علبیۃ حدثتاہ عن قبلۃ بنت مخرمۃ وکانتا ربیبتیھا وقیلۃ جدۃ ابیھا ام امہ انھا قالت قدمنا علی رسول اللہ ﷺ فذکرت الحدیث بطولہ حتی جاء رجل وقد ارتفعت الشمس فقال السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وعلیہ تعنی النبی ﷺ اسمال ملیتین کانتا بزعفران وقد نفضتا ومعہ عسیب نخلۃ۔

قال ابو عیسی حدیث قیلۃ لا نعرفہ الا من حدیث عبداللہ بن حسان۔

ترجمہ: حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بعد طویل حدیث ذکر کی اور آخر میں فرمایا یہاں تک کہ ایک شخص آیا اس وقت سورج بلند ہو چکا تھا اس نے عرض کیا "**السلام علیک یا رسول اللہ** ﷺ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "**وعلیک السلام ورحمۃ اللہ**" آپ ﷺ کے بدن مبارک پر زعفران سے رنگے ہوئے دو پرانے بے سلے کپڑے تھے جن کا رنگ ہلکا پڑ گیا تھا اور حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک میں کھجور کی ایک چھوٹی سی شاخ تھی۔

حدیث قیلہ کو ہم صرف عبد اللہ بن حسان کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ [1872]

اخبرنا الفضل بن دکین اخبرنا ھشام بن سعد عن یحیی بن عبداللہ بن مالک قال کان رسول اللہ ﷺ یصبغ ثیابہ بالزعفران قمیصہ ورداؤہ وعمامتہ۔

[1870] (المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ ج ۲ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۲۱۸۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[1871] (اخلاق النبی ﷺ وآدابہ ج ۲ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۸۳ مطبوعہ دار المسلم الریاض)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1872] (سنن الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی الثوب الاصفر ج ۵ ص ۱۲۰ رقم الحدیث ۲۸۱۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابو داؤد کتاب الخراج والفیء والامارۃ باب فی اقطاع الارضین ج ۲ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۳۰۷۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ترجمہ: یحییٰ بن عبد اللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے کرتہ، چادر اور عمامہ زعفران میں رنگے جاتے تھے۔

اخبرنا مصعب بن عبداللہ بن مصعب الزبیری قال سمعت ابی یخبر عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رأیت علی رسول اللہ ﷺ رداء وعمامۃ۔ قال مصعب والعبیر عندنا زعفران۔

ترجمہ: اسماعیل بن عبد اللہ بن جعفر نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم پر چادر اور عمامہ عبیر یعنی زعفران کا رنگا ہوا دیکھا۔[1873]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن ھشام بن سعد عن یحیی بن عبداللہ بن مالک ان النبی ﷺ کان یصبغ ثیابہ بالزعفران حتی یباع۔

ترجمہ: یحییٰ بن عبد اللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنے کپڑوں کو زعفران کے ساتھ رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ کو بھی رنگتے تھے۔[1874]

اخبرنا خلاد بن یحیی اخبرنا عاصم بن محمد حدثنی ابی عن زید بن اسلم قال کان رسول اللہ ﷺ یصبغ ثیابہ کلھا بالزعفران حتی یباع۔

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی زعفران میں رنگے جاتے تھے۔[1875]

اخبرنا یعقوب بن ابراھیم قال حدثنا الدراوردی عن زید بن اسلم قال ثم رایت ابن عمر یصفر لحیتہ بالخلوق فقیل لہ یا ابا عبدالرحمن انک تصفر لحیتک بالخلوق قال انی رایت رسول اللہ ﷺ یصفر بھا لحیتہ ولم یکن شئ من الصبغ احب الیہ منھا ولقد کان یصبغ بھا ثیابہ کلھا حتی عمامتہ۔

ترجمہ: ابن اسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے حتیٰ کہ ان کے کپڑوں پر بھی زرد رنگ لگ جاتا تھا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ زرد رنگ سے کیوں رنگتے ہیں، انہوں نے کہا میں نے حضور ﷺ کو زرد رنگ سے رنگتے دیکھا ہے

[1873] (طبقات الکبری ابن سعد ذکر لباس رسول اللہ ﷺ وماروی فی البیاض ج ۱ ص ۴۵۲ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ)

[1874] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۴۷۴۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1875] (طبقات الکبری ابن سعد ذکر لباس رسول اللہ ﷺ و ماروی فی البیاض ج ۱ ص ۴۵۲ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور آپ ﷺ کو اس سے زیادہ اور کوئی رنگ محبوب نہیں تھا آپ ﷺ تمام کپڑوں کو اس رنگ میں رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ کو بھی زرد رنگ میں رنگتے تھے۔[1876]

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا اسحاق بن عیسی ثنا عبداللہ بن زید بن اسلم عن ابیہ عن ابن عمر انہ کان یصبغ ثیابہ ویدھن بالزعفران فقیل لہ لم تصبغ ثیابک وتدھن بالزعفران قال لانی رایتہ احب الاصباغ الی رسول اللہ ﷺ یدھن بہ ویصبغ بہ ثیابہ۔[1877]

حدثنی یحیی بن عبدالحمید ثنا سلیمان بن بلال عن زید بن اسلم عن بن عمر انہ کان یستحب الصفرۃ حتی فی یباع وزعم ان النبی ﷺ کان یستحب الصفرۃ۔[1878]

عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان یلبس النعال السبتیۃ ویصفر لحیتہ بالورس والزعفران وکان ابن عمر یفعل ذلک۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ بغیر بالوں کے چمڑے کی جوتی پہنتے تھے اور اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایسا کرتے تھے۔

اس حدیث مبارکہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں کپڑے زعفران میں اس لئے رنگتا ہوں کہ میرے آقا و مولیٰ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ اتباع رسول ﷺ میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مقام بہت بلند تھا۔[1879]

عن ابی جعفر محمد بن علی قال: لم یکن من اصحاب رسول اللہ ﷺ احد اذا سمع من رسول اللہ ﷺ لا یزید ولا ینقص ولا مثل عبداللہ بن عمر۔

ترجمہ: حضرت ابو جعفر محمد بن علی فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابہ میں وہ شخص تھے جو حضور ﷺ سے کچھ سنتے تو نہ کم کرتے نہ زیادہ کرتے۔[1880]

وکان کثیر الاتباع لآثار رسول اللہ ﷺ حتی انہ ینزل منازلہ ویصلی فی کل مکان صلی فیہ وحتی ان النبی ﷺ نزل تحت شجرۃ فکان ابن عمر یتعاھدھا بالماء لئلا تیبس۔

[1876] (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۴۱۷ رقم الحدیث ۹۳۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن ابی داؤد باب فی المصبوغ بالصفرۃ ج ۴ ص ۵۲ رقم الحدیث ۴۰۶۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۱ رقم الحدیث ۵۱۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۲۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (الفتح الربانی مع شرحہ بلوغ الامانی ج ۱۷ ص ۲۴۳ مطبوعہ مصر)، (کشف الغمہ عن جمیع الائمۃ للشعرانی کتاب الصلاۃ ص ۱۹۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1877] (مسند احمد ج ۲ ص ۹۷ رقم الحدیث ۵۷۱۷ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۱ رقم الحدیث ۵۱۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1878] (مسند عبد بن حمید ص ۲۶۵ رقم الحدیث ۸۴۰ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ)

[1879] (سنن ابو داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی خضاب الصفرۃ ج ۴ ص ۸۶ رقم الحدیث ۴۲۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۱ ص ۴۹۱ رقم الحدیث ۱۲۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ ج ۶ ص ۲۰۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سبل الھدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۳۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1880] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۷ جز ۳۳ ص ۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے آثار کے اتباع کرنے والے تھے یہاں تک کہ جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی وہاں آپ نے نماز پڑھی۔ حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے اترے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس درخت کو پانی ڈالتے تاکہ سوکھ نہ جائے۔[1881]

عن نافع، قال: لو نظرت الی ابن عمر اذا اتبع رسول اللہ، لقلت ھذا مجنون۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حضور ﷺ کی اتباع کو دیکھتا تو کہتا کہ یہ مجنون ہے۔[1882]

وروی عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنھما قال دخلت علی رسول اللہ ﷺ فی مرضہ الذی توفی فیہ وعلی راسہ عصابۃ صفراء فسلمت علیہ فقال یا فضل قلت لبیک یا رسول اللہ قال اشدد بھذہ العصابۃ راسی ففعلت ثم قعد فوضع کفہ علی منکبی قام فدخل المسجد الحدیث۔[1883]

عن حمزۃ بن عبداللہ قال کان علی الزبیر یوم بدر عمامۃ صفراء معتجرا بھا وکانت علی الملائکۃ یومئذ عمائم بنو۔

ترجمہ: حمزہ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بدر کے دن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر زرد عمامہ تھا جس کو وہ پہنے ہوئے تھے اس روز ملائکہ کے سروں پر بھی زرد عمامے تھے۔[1884]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن ھشام بن عروۃ عن رجل من ولد الزبیر یقال لہ عباد بن حمزۃ ان الزبیر بن العوام کانت علیہ عمامۃ صفراء معتجرا بھا فنزلت الملائکۃ وعلیھم عمائم بنو۔

ترجمہ: حمزہ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بدر کے دن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر زرد عمامہ تھا جس کو وہ پہنے ہوئے تھے اس روز ملائکہ کے سروں پر بھی زرد عمامے تھے۔[1885]

وروی ابن سعد عن عباد بن حمزہ بن الزبیر قال: نزلت الملائکۃ یوم بدر علیھم عمائم صفر وکان علی الزبیر یوم بدر ریطۃ صفراء قد اعتجر بھا . . .

وروی ابن ابی شیبۃ وابن جریر وابن مردویہ عن عبداللہ بن الزبیر ان الزبیر کان علیہ یوم بدر عمامۃ صفراء معتجراً بھا فنزلت الملائکۃ علیھم عمائم صفر۔

[1881] (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج۳ ص ۳۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (جامع المسانید والسنن ج۲۸ ص ۷۶۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1882] (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج۲۸ ص ۷۶۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج۱۷ جز ۳۳ ص ۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1883] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1884] (طبقات ابن سعد ج۳ ص ۱۰۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[1885] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۴۷۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

وروی الطبرانی بسند صحیح عن عروۃ قال نزل جبریل یوم بدر علی سیما الزبیر وھو معتجر بعمامۃ صفراء۔

وروی ابن اسحاق حدثنی من لا اتھم عن مقسم مولی عبداللہ بن الحارث عن ابن عباس قال: کان سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم بیض قد ارخوھا علی ظھورھم الا جبریل فانہ کانت علیہ عمامۃ صفراء۔[1886]

وشھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدرا و کانت علیہ یومئذ عمامۃ صفراء کان متعجرا بھا فیقال ان الملائکۃ یوم بدر علی سیما الزبیر وشھد الحدیبیۃ والمشاھد کلھا۔[1887]

عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنھما ان الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانت علیہ ملاءۃ صفراء یوم بدر فاعتم بھا فنزلت الملائکۃ معتمین بعمائم صفر۔[1888]

وقال ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال کانت علی الزبیر یوم بدر عمامۃ صفراء فنزل جبریل علی سیماء الزبیر۔[1889]

الزبیر بن بکار عن عقبۃ بن مکرم حدثنا مصعب بن سلام عن سعد ابن طریف عن ابی جعفر الباقر قال کانت علی الزبیر یوم بدر عمامۃ صفراء فنزلت الملائکۃ کذلک۔[1890]

حدثنا ابو یزید القراطیسی ثنا اسد بن موسی ثنا حماد بن سلمۃ عن ھشام بن عروۃ قال ثم نزل جبریل یوم بدر علی سیماء الزبیر بن العوام وھو معتجر بعمامۃ صفراء۔[1891]

حدثنا عبدان بن احمد ثنا ابو کامل الجحدری ثنا یوسف بن خالد السمتی ثنا الصلت بن دینار عن ابی الملیح عن ابیہ قال نزلت الملائکۃ یوم بدر وعلیھا العمائم وکانت علی الزبیر یومئذ عمامۃ صفراء۔[1892]

عن ھشام عن ابیہ قال کانت علی الزبیر عمامۃ صفراء معتجرا بھا یوم بدر فقال النبی ﷺ ان الملائکۃ نزلت علی سیماء الزبیر۔[1893]

[1886] (سبل الھدی والرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1887] (تخریج الدلالات السمعیۃ ص ۵۵۱ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)

[1888] (جامع الاحادیث الکبیر ج ۲۰ ص ۲۳۵ رقم الحدیث ۱۶۵۰۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1889] (سیر اعلام النبلاء ذکر زبیر بن عوام ج ۱ ص ۴۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[1890] (سیر اعلام النبلاء ذکر زبیر بن عوام ج ۱ ص ۴۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[1891] (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۲۰ رقم الحدیث ۲۳۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

[1892] (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۹۵ رقم الحدیث ۵۱۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

[1893] (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ زبیر بن عوام ص ج ۲ ص ۵۵۵ برقم ۲۷۹۱ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

وروی ابو نعیم فی فضائل الصحابة و ابن عساکر عن عباد بن عبداللہ بن الزبیر انه بلغه ان الملائکة نزلت یوم بدر وهم طیر بیض علیهم عمائم صفر و کان علی رأس الزبیر یومئذ عمامة صفراء من بین الناس فقال النبی ﷺ نزلت الملائکة علی سیما ابی عبداللہ و جاء رسول اللہ ﷺ و علیه عمامة صفراء۔[1894]

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ زرد رنگ کا عمامہ پہننا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت مبارکہ ہے جن کے بارے میں سرکار دوعالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال النبی ﷺ ان لکل نبی حواری و ان حواری الزبیر بن العوام۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور بے شک میرا حواری زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔[1895]

دوم اس حدیث مبارکہ کے ان الفاظ "**فقال النبی ﷺ نزلت الملائکة علی سیما ابی عبداللہ و جاء رسول اللہ ﷺ و علیه عمامة صفراء**" سے یہ بھی ثابت ہوا کہ زرد رنگ کا عمامہ شریف پہننا مستحب اور حضور ﷺ کی بھی سنت مبارکہ ہے۔

و ذکر ابن هشام عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه فی سیماهم یوم بدر مثل ما قال ابن عباس الا جبریل فان فی حدیث علی انه کانت علیه عمامة صفراء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے روز فرشتوں کی علامت سفید عمامے تھے جو انہوں نے اپنی پیٹھوں پر لٹکائے ہوئے تھے مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام (کے سر) پر زرد عمامہ تھا۔[1896]

وروی الطبرانی بسند صحیح عن عروة قال نزل جبریل یوم بدر علی سیما الزبیر و هو معتجر بعمامة صفراء۔

وروی ابن اسحاق حدثنی من لا اتهم عن مقسم مولی عبداللہ بن الحارث عن ابن عباس قال: کان سیما الملائکة یوم بدر عمائم بیض قد ارخوها علی ظهورهم الا جبریل فانه کانت علیه عمامة صفراء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے روز فرشتوں کی علامت سفید عمامے تھے جو انہوں نے اپنی پیٹھوں پر لٹکائے ہوئے تھے مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام (کے سر) پر زرد عمامہ تھا۔[1897]

[1894] (سبل الهدی و الرشاد ذکر سیماء الملائکة یوم بدر ج ۴ ص ۴۴ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

[1895] (صحیح البخاری کتاب المناقب ج ۱ ص ۵۲۷ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)، (تخریج الدلالات السمعیة ص ۵۵۱ مطبوعه دار الغرب الاسلامی بیروت)، (تاریخ خلیفة بن خیاط ص ۲۱۵ مطبوعه موسسة الرسالة بیروت)، (الثقات لابن حبان ثم غزر رسول اللہ غزوة الخندق ج ۱ ص ۲۶۸ مطبوعه دار الفکر بیروت)

[1896] (الاکتفاء بما تضمنه من مغازی رسول اللہ و الثلاثة الخلفاء غزوة بدر الکبری ج ۲ ص ۲۹ مطبوعه عالم الکتب بیروت)

[1897] (سبل الهدی و الرشاد ذکر سیماء الملائکة یوم بدر ج ۴ ص ۴۳ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشخبری ہو! یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں جو زرد عمامہ باندھے ہوئے ہیں۔[1898]

قال رسول اللہ ﷺ بشریا ابا بکر ھذا جبریل معتجر بعمامۃ صفراء۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشخبری ہو! یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں جو زرد عمامہ باندھے ہوئے ہیں۔[1899]

حدثنا عبداللہ قثنا ابی قال نا عباد بن عباد عن ھشام عن ابیہ ثم ان الزبیر کانت علیہ عمامۃ صفراء یوم بدر فنزلت الملائکۃ علیھا عمائم بنو۔

ترجمہ: ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک بدر کے روز حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زرد رنگ کا عمامہ تھا پس فرشتے بھی زرد رنگ کے عماموں کے ساتھ نازل ہوئے۔[1900]

عبدالرزاق قال انا معمر عن قتادۃ قال اخبرنی ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال نزلت الملائکۃ یوم بدر علی خیل بلق علیھم عمائم صفر وکان علی الزبیر یومئذ عمامۃ صفراء۔[1901]

حدثنا سعید قال نا عبداللہ بن المبارک عن ھشام بن عروۃ عن عباد بن حمزۃ بن الزبیر قال کان علی الزبیر یوم بدر ریطۃ صفراء قد اعتجر بھا ونزلت الملائکۃ وعلیھم عمائم بنو۔[1902]

شھد الزبیر بدراً وکانت علیہ یومئذ عمامۃ صفراء کان معتجراً بھا فیقال انھا نزلت الملائکۃ یوم بدر علی سیماء الزبیر۔

وروی ابو اسحاق الفزاری عن ھشام بن عروۃ عن عباد بن حمزۃ ابن الزبیر قال کانت علی الزبیر عمامۃ صفراء معتجراً بھا یوم بدر ونزلت الملائکۃ علیھا عمائم بنو۔[1903]

عن عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان علیہ یوم اصیب ثوب اصفر۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے انہوں نے زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔[1904]

[1898] (کتاب المغازی ج ۱ ص ۸۱۔۷۵ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[1899] (البدایۃ والنہایۃ غزوۃ بدر العظمی ج ۳ ص ۲۸۰ و ص ۲۸۴ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

[1900] (فضائل صحابہ لابن حنبل ج ۲ ص ۷۳۶ رقم الحدیث ۱۲۶۹۔۱۲۶۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[1901] (تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۱۳۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1902] (کتاب السنن باب ماجاء فی الالویۃ والعمایم ج ۲ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۲۵۳۰ مطبوعہ الدار السلفیۃ الھند)

[1903] (الاستیعاب ج ۲ ص ۵۱۳ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1904] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۴۷۵۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔**لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر**۔ترجمہ: تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔[1905]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ **اللّٰھم اعز الاسلام بعمر خاصۃ**۔ترجمہ: اے اللہ اسلام کو خاص کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے عزت عطا فرما۔[1906]

عصمہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:**لو کان بعدی نبی لکان عمر**۔ترجمہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوتے۔[1907]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن ادریس عن الاعمش عن ابی ظبیان قال رایت علی علی قمیصا و ازارا اصفر۔

ترجمہ: ابوظبیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زرد رنگ کی قمیص اور ازار (تہبند) پہنے ہوئے دیکھا۔[1908]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:**انا مدینۃ العلم و علی بابھا فمن اراد العلم فلیأتہ من بابہ**۔ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے دروازہ ہیں۔جو علم کا ارادہ کرے تو دروازے سے آئے۔[1909]

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ **علی عیبۃ علمی**۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے علم کا خزانہ ہیں۔[1910]

[1905] (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۲۱ قدیمی کتب خانہ کراچی)،(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)،(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ جز ۴۷ ص ۹۶ رقم الحدیث ۱۰۴۶۷۔۱۰۴۶۸ ص ۹۷ رقم الحدیث ۱۰۴۷۰۔۱۰۴۷۱۔۱۰۴۷۲۔۱۰۴۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1906] (المستدرک ج ۳ ص ۸۹ رقم الحدیث ۴۴۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(سنن ابن ماجہ ص ۱۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)،(موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان ج ۱ ص ۵۳۵ رقم الحدیث ۲۱۸۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۹ ص ۶۵ مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

[1907] (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۹ ص ۷۱ مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)،(الاستیعاب ج ۳ ص ۱۱۴۷ برقم ۱۸۷۸ مطبوعہ دار الجیل بیروت)،(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ جز ۴۷ ص ۱۱۱ رقم الحدیث ۱۰۵۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)،(مشکوۃ المصابیح ص ۵۵۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[1908] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۴۷۵۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1909] (جامع المسانید و السنن ج ۳۲ ص ۹۰۳۷ رقم الحدیث ۳۲۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(المعجم الکبیر امام طبرانی ج ۱۱ ص ۶۵ رقم الحدیث ۱۱۰۶۱ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)،(جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۴۷۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1910] (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۳۰ رقم الحدیث ۷۸۴۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۳ جز ۴۵ ص ۲۹۴ رقم الحدیث ۹۷۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ **علی یقضی دینی۔**

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دینی امور کے معاملے میں قاضیٔ منصف ہیں۔[1911]

عن عمران بن مسلم قال رایت علی انس بن مالک ازار اصفر رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح۔

ترجمہ: عمران بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کو زرد چادر پہنے ہوئے دیکھا اس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔[1912]

حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل مبارک جن کے لئے حضور ﷺ نے دعا کی تھی۔

عن انس بن مالک، قال: انطلقت بی امی الی رسول اللہ ﷺ فقالت یارسول اللہ خویدمک فادع اللہ لہ، فقال: ((اللّٰھم اکثر مالہ وولدہ واطل عمرہ واغفرلہ)) قال فکثر مالی حتی صار یطعم فی السنۃ مرتین، وکثر ولدی حتی قد دفنت من صلبی اکثر من مائۃ، وطال عمری حتی قد استحیت من اھلی واشتقت لقاء ربی، واما الرابعۃ یعنی المغفرۃ۔ رواہ سلیمان بن حرب عن حماد فقال: وانا ارجو الرابعۃ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے میری والدہ بارگاہ نبوی ﷺ میں لے گئیں اور فرمایا حضور ﷺ آپ کا چھوٹا غلام حاضر ہے اس کے لئے دعا فرمایئے آپ ﷺ نے فرمایا یا اللہ اس کے مال، اولاد اور عمر کو زیادہ فرما اور مغفرت فرما۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا مال اتنا زیادہ ہوا کہ سال میں دو دفعہ کھایا جاتا تھا اور اولاد اتنی زیادہ ہوئی کہ میرے صلبی ۱۰۰ بچے مر گئے اور میری عمر اتنی زیادہ ہوئی کہ اپنے اہل وعیال سے حیا کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کیا اور چوتھی بات تو اس کی امید رکھتا ہوں۔[1913]

حدثنا محمد بن عبداللہ الخضر، ثنا جبارۃ بن مغلس ثنا شبیب بن شیبۃ عن علی بن زید عن انس بن مالک قال خدمت النبی ﷺ عشر سنین۔

ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی۔[1914]

[1911] (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۳۱ رقم الحدیث ۷۸۵۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج ۲۱ ص ۵۹۵۹ رقم الحدیث ۷۲۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[1912] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

[1913] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۵ جز ۹ ص ۲۶۰ رقم الحدیث ۲۳۴۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سیر اعلام النبلاء امام ذہبی ج ۳ ص ۳۹۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام اسماعیل بن محمد بن الفضل الاصبہانی ص ۸۵ رقم الحدیث ۷۶ مطبوعہ دار طیبۃ الریاض)

[1914] (المعجم الکبیر طبرانی ج ۱ ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۷۰۷۔۷۰۸ مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی عراق)، (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج ۴ ص ۵۴۳ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (تخریج الدلالات السمعیۃ لامام علی بن محمود الخزاعی ص ۶۸ مطبوعہ دارالغرب الاسلامی بیروت)

حدثنا داود بن رشید ثنا ابو حیوۃ شریح بن یزید الحضرمی قال رایت عبداللہ بن بسر المازنی صاحب رسول اللہ ﷺ وعلیہ عمامۃ صفراء او رداء اصفر۔

ترجمہ: ابو حیوہ شریح بن یزید حضرمی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں میں نے صحابی رسول ﷺ حضرت عبد اللہ بن بسر مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زرد رنگ کا عمامہ پہنے ہوئے دیکھا۔[1915]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا عبیداللہ بن موسی عن عمرو بن عثمان عن موسی بن طلحۃ ان طلحۃ کان یلبس المعصفر۔

ترجمہ: موسیٰ بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زرد رنگ کے کپڑے پہنتے تھے۔[1916]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن علیۃ عن عبدالرحمن بن اسحاق قال حدثنی ابی قال رایت نافع بن جبیر بالعرج وعلیہ معصفر۔

ترجمہ: عبد الرحمن بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نافع بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو زرد کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔[1917]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابو اسامۃ قال عن ابن عون عن محمد کان لا یری باسا بلبس الرجل الثوب المصبوغ بالعصفر والزعفران۔ ترجمہ: امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ مرد کے لئے زرد رنگ کے کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔[1918]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن عمرو بن مروان قال رایت علی ابراھیم ازاراً اصفر۔

ترجمہ: عمرو بن مروان بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو زرد رنگ کی ازار پہنے ہوئے دیکھا۔[1919]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن نمیر عن مالک بن مغول قال رایت حماداً یصلی وعلیہ ازار اصفر۔

ترجمہ: مالک بن مغول بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ زرد رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔[1920]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا حسین بن علی قال رایت علی عبداللہ بن الحسین ملحفۃ صفر ایحتبی فی المسجد الحرام۔

[1915] (مسند الحارث کتاب اللباس والزینۃ ج ۲ ص ۶۱۰ رقم الحدیث ۵۷۵ مطبوعہ المدینۃ المنورۃ)

[1916] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۴۷۱۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1917] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۴۷۱۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1918] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۲۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1919] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۵۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1920] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۶۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عبد اللہ بن حسین رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام میں زرد رنگ کا لحاف اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔[1921]

عن ایوب قال رایت علی القاسم بن محمد قلنسوۃ من خز اخضر و رداء سابر لہ علم ملون مصبوغ بشیٔ من زعفران۔

ترجمہ: حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر سبز رنگ کی ریشمی ٹوپی اور نشان زدہ سابری چادر جو زعفران میں کسی حد تک رنگی گئی تھی دیکھی۔[1922]

مَسْأَلَةٌ: ذَكَرَ بَعْضُهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ عِمَامَةً صَفْرَاءَ، فَهَلْ لِذَلِكَ أَصْلٌ؟.
الْجَوَابُ: نَعَمْ قَالَ الطَّبَرَانِيُّ: ثَنَا محمد بن الحسين الأنماطي البغدادي، ثَنَا مُصْعَبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُصْعَبٍ الزُّبَيْرِيُّ، حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ إسماعيل بن عبد الله بن جعفر، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: "«رَأَيْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَيْنِ مَصْبُوغَيْنِ بِزَعْفَرَانَ; رِدَاءً وَعِمَامَةً» "، أَخْرَجَهُ
الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ، وَقَالَ ابن سعد فِي الطَّبَقَاتِ، أَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ عَنْ هشام بن سعد، عَنْ يحيى بن عبد الله بن مالك قَالَ: " «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ ثِيَابَهُ بِالزَّعْفَرَانِ; قَمِيصَهُ وَرِدَاءَهُ وَعِمَامَتَهُ» "، وَقَالَ: أَنَا هاشم بن القاسم، ثَنَا عاصم بن عمر، عَنْ عمر بن محمد، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ: " «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ ثِيَابَهُ كُلَّهَا بِالزَّعْفَرَانِ حَتَّى الْعِمَامَةِ» ".
وَأَخْرَجَ ابن عساكر فِي تَارِيخِهِ مِنْ طَرِيقِ سلمان بن أرقم، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: " «خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ أَصْفَرُ وَرِدَاءٌ أَصْفَرُ وَعِمَامَةٌ صَفْرَاءُ» "، وَأَخْرَجَ ابن سعد عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: " «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَفِّرُ ثِيَابَهُ» "، وَفِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِهِ «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ».
وَقَالَ الطَّبَرَانِيُّ: ثَنَا أسلم بن سهل، ثَنَا محمد بن الصباح، ثَنَا عبيد بن القاسم، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ ابن أبي أوفى قَالَ: " «كَانَ أَحَبُّ الصَّبْغِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّفْرَةَ» "، وَأَخْرَجَ ابن عساكر مِنْ طَرِيقِ عباد بن حمزة، «عَنْ عبد الله بن الزبير أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ نَزَلَتْ يَوْمَ بَدْرٍ، عَلَيْهِمْ عَمَائِمُ صُفْرٌ، وَكَانَتْ عَلَى الزبير يَوْمَئِذٍ عِمَامَةٌ صَفْرَاءُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نَزَلَتِ الْمَلَائِكَةُ الْيَوْمَ عَلَى سِيمَا أبي عبد الله، وَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ صَفْرَاءُ» ". وَفِي ذَلِكَ يَقُولُ عامر بن صالح بن عبد الله بن عروة بن الزبير:

جَدِّي ابْنُ عَمَّةِ أَحْمَدَ وَوَزِيرُهُ ... عِنْدَ الْبَلَاءِ وَفَارِسُ الشَّعْوَاءِ
وَغَدَاةَ بَدْرٍ كَانَ أَوَّلَ فَارِسٍ ... شَهِدَ الْوَغَى فِي اللَّامَةِ الصَّفْرَاءِ
نَزَلَتْ بِسِيمَاهُ الْمَلَائِكُ نُصْرَةً ... بِالْحَوْضِ يَوْمَ تَأَلَّبَ الْأَعْدَاءُ[1923]

[1921] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۱ رقم الحدیث ۲۴۷۶۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1922] (حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ذکر ذکر قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[1923] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۰۴ ۱۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

و قد اخبرنی الشیخ الصالح عطیة الابناسی و الشیخ الصالح قاسم المغربی المقیم فی تربة الامام الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و القاضی زکریا الشافعی انھم سمعوا الشیخ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالی یقول: رأیت رسول اللہ ﷺ، فی الیقظة بضعا و سبعین مرة و قلت لہ فی مرة منھا: ھل انا من اھل الجنة یا رسول اللہ؟ فقال: نعم! فقلت: من غیر عذاب یسبق، فقال: لک ذلک، قال الشیخ عطیة: و سألت الشیخ جلال الدین مرة أن یجتمع بالسلطان الغوری فی ضرورة وقعت لی۔ فقال لی: یا عطیة أنا اجتمع بالنبی ﷺ، یقظة و أخشی ان اجتمعت بالغوری ان یحتجب عنی۔

ترجمہ: اور مجھے شیخ صالح عطیہ الابناسی اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تربت میں مقیم شیخ صالح قاسم المغربی اور قاضی زکریا الشافعی نے بتایا کہ انہوں نے شیخ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے بیداری میں رسول پاک ﷺ کی کچھ اوپر ستر مرتبہ زیارت کی ہے۔ اور ان میں سے ایک دفعہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ! کیا میں اہل جنت سے ہوں؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کی: پہلے کوئی سزا دیئے بغیر؟ فرمایا: تیرے لئے یہی ہے۔ شیخ عطیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ سلطان غوری کے پاس تشریف لے چلیں تو آپ نے مجھے فرمایا: اے عطیہ! میں بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ اگر غوری کے پاس چلا جاؤں تو کہیں حجاب لاحق ہو جائے۔[1924]

رایت ورقة بخط الشیخ جلال الدین السیوطی عند احد اصحابہ و ھو الشیخ عبد القادر الشاذلی مراسلة لشخص سألہ فی شفاعة عند السلطان قأیتبای رحمہ اللہ تعالی اعلم یا اخی اننی قد اجتمعت برسول اللہ ﷺ الی وقتی ھذا خمس و سبعین مرة یقظة و مشافھة و لولا خوفی من احتجابہ اعنی بسبب دخولی للولاة لطلعت القلعة و شفعت فیک عند السلطان و انی رجل من خدام حدیثہ او احتاج الیہ فی تصحیح الاحادیث التی ضعفھا المحدثون من طریقھم و لا شک ان نفع ذلک ارجح من نفعک۔

ترجمہ: امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام سیوطی کے خط کا ایک ورقہ اس کے اصحاب میں سے ایک صاحب یعنی شیخ عبد القادر شاذلی کے پاس دیکھا جو مراسلہ تھا اس شخص کے لئے جس نے آپ سے بادشاہ قایتبای کے پاس سفارش کا سوال کیا تھا (وہ مراسلہ جوابیہ بدیں مضمون تھا) جان لے اے بھائی کہ اس وقت تک میں ۷۵ مرتبہ عالم بیداری میں بالمشافہ حضور ﷺ کی زیارت سے مستفیض ہوا۔ اگر حاکموں کے پاس جانے کی وجہ سے حضور ﷺ کی زیارت کی محرومی کا خوف نہ ہوتا تو میں قلعہ شاہی میں داخل ہوتا اور بادشاہ کے ہاں تیرے حق میں سفارش کرتا اور میں خدّام حدیث سے ایک مرد ہوں۔ ان احادیث کی تصحیح کے بارے میں حضور ﷺ کا محتاج ہوں۔ جن کو محدثین نے اپنے طریقہ میں ضعیف کر دیا اور بے شک یہ نفع تیرے نفع سے بہت زیادہ ہے۔[1925]

[1924] (الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الاکابر ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1925] (میزان الکبری ج ۱ ص ۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرمایا کہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کی تائید وہ مشہور واقعہ بھی ہے کہ سیّدی محمد بن زین مدّاح رسول ﷺ، سرکار کی بیداری میں بالمشافہ زیارت کرتے تھے۔ جب وہ حج کے لئے گئے تو سرکار ﷺ نے قبر کے اندر سے ان سے بات کی۔[1926]

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ سیدی علی الخواص کو فرماتے سنا کہ جن لوگوں کا ہمیں علم ہوا کہ وہ حضور ﷺ سے بیداری میں بالمشافہ ملاقات کرتے تھے، ان میں سے شیخ ابومدین شیخ الجماعۃ، شیخ عبدالرحیم قناوی، شیخ موسیٰ رولی، شیخ ابوالحسن شاذلی، شیخ ابوالعباس المرسی، شیخ ابوالسعود بن ابوالعشائر، سیدی ابراہیم المتبولی اور شیخ جلال الدین سیوطی ہیں۔ فرمایا کرتے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور بیداری میں کچھ اوپر ستّر مرتبہ ملاقات کی۔[1927]

نقل عن السیوطی رحمہ اللہ تعالی انہ رآہ اثنین وعشرین مرۃ وسألہ عن احادیث ثم صححھا بعد تصحیحہ ﷺ۔ الخ۔

ترجمہ: امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے بائیس مرتبہ جاگتے ہوئے حضور ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ سے بہت سی حدیثوں کے متعلق پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ آپ کی حدیث ہے یا نہیں حضور ﷺ کے صحیح فرمانے کے بعد امام سیوطی نے ان احادیث کی تصحیح کی۔[1928]

نعیم اشرف نور احمد دیوبندی لکھتے ہیں۔

وھو مجدد المائۃ التاسعۃ خاتم الحفاظ جلال الدین عبدالرحمن بن کمال الدین السیوطی الشافعی، صاحب التصنیف التی سارت بھا الرکبان، وانتفع بہ الانس والجنان، وقد زادت علی خمسمائۃ وشھرۃ ذکرہ تغنی عن وصفہ۔

ترجمہ: آپ نویں صدی کے مجدد تھے۔ آپ سے انس وجن نے فائدہ لیا۔[1929]

واختلف العلماء فی الثیاب المعصفرۃ وھی المصبوغۃ بعصفر فاباحھا جمھور العلماء من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وبہ قال الشافعی وابو حنیفۃ ومالک لکنہ قال غیرھا افضل منھا وفی روایۃ عنہ انہ اجاز لبسھا فی البیوت وافنیۃ الدور وکرھہ فی المحافل والاسواق ونحوھا وقال جماعۃ من العلماء ھو مکروہ کراھۃ تنزیہ وحملوا النھی علی ھذا لانہ ثبت ان النبی البس حلۃ حمراء وفی الصحیحین عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال رایت النبی ﷺ یصبغ بالصفرۃ۔

[1926] (سعادۃ الدارین فی الصلوۃ علی سید الکونین اردو ج ۲ ص ۴۶۷۔۴۶۸ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور)

[1927] (سعادۃ الدارین فی الصلوۃ علی سید الکونین اردو ج ۲ ص ۴۷۰ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور)

[1928] (فیض الباری شرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1929] (حاشیہ الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ ۱۸۔۱۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

ترجمہ: زرد رنگ سے رنگے ہوئے کپڑوں کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم تابعین کرام رحمہم اللہ اور بعد کے لوگوں میں سے اہل علم نے اس کو جائز کہا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ ہے البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے علاوہ کوئی اور کپڑا پہننا افضل ہے۔ اور ایک روایت ہے کہ ان کپڑوں کو گھر میں پہننا جائز ہے اور بازاروں اور مجالس میں اس کو پہننا مکروہ ہے علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور جن احادیث میں ممانعت ہے اس کو مکروہ تنزیہی پر محمول کیا ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے سرخ رنگ کا حلہ پہنا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو زرد رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا۔[1930]

النواوی الامام الحافظ الاوحد القدوۃ شیخ الاسلام علم الاولیاء محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف بن مری الحزامی الحورانی الشافعی صاحب التصانیف النافعۃ۔

ترجمہ: امام نووی، امام، حافظ، قدوہ، شیخ الاسلام، اولیاء کی نشانی، دین کو زندہ کرنے والے یحییٰ بن شرف مری الحزامی الحورانی الشافعی فائدہ دینے والی تصانیف کے مصنف ہیں۔[1931]

قال ابن العطار ذکر لی شیخنا رحمہ اللہ تعالٰی انہ کان لا یضیع لہ وقتا لا فی لیل و لا فی نہار الا فی اشتغال حتی فی الطریق و انہ دام علی ھذا ست سنین ثم اخذ فی التصنیف و الافادۃ و النصیحۃ و قال الحق۔

قلت مع ما ھو علیہ من المجاھدۃ بنفسہ و العمل بدقائق الورع و المراقبۃ و تصفیۃ النفس من الشوائب و محقھا من أغراضھا کان حافظ للحدیث و فنونہ و رجالہ و صحیحہ و علیلہ راسا فی معرفۃ المذھب۔

ترجمہ: ابن عطار کہتے ہیں ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے بجز پڑھنے پڑھانے کے دن اور رات میں کبھی وقت ضائع نہیں کیا حتی کہ راستہ چلتے ہوئے بھی اسی شغل میں مصروف رہتے اور برابر چھ سال تک یہی معمول رہا پھر تعلیم و تصنیف عوام کی بھلائی اور احقاق حق کو اپنے پر لازم کر لیا اور عمر بھر قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

میں کہتا ہوں روح کو معصیت کی آلائشوں اور گناہوں کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کے لئے انتہائی تورع، مسلسل جہاد بالنفس اور لگاتار ریاضتوں میں مصروف رہنے کے باوجود آپ نامور حافظ حدیث اس کے جملہ فنون کے عالم فن رجال کے ماہر اور صحیح اور ضعیف کو خوب جاننے والے تھے تحقیق مذاہب میں تو آپ کا جواب نہیں تھا۔[1932]

[1930] (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1931] (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۷۰ برقم ۱۱۶۲ مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

[1932] (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

امام نووی ساتویں صدی ہجری کے ایک بلند پایہ محدث وفقیہ بلکہ ان فنون کے امام اور نہایت عابد وزاہد بزرگ تھے۔ شیخ صلاح الدین سبکی نے ان کو شیخ الاسلام استاذ المتاخرین کے عنوان سے اور حافظ ذہبی نے امام، حافظ واجد، شیخ الاسلام، علم الاولیاء کے القاب سے یاد کیا ہے دنیا اور لذائذ دنیا سے بالکل کنارہ کش تھے۔[1933]

تاج الدین سبکی نے لکھا ہے کہ میں ان کے فضل وکمال اور علوشان کی تفصیل میں جانے کے بجائے اپنے والد کے دو شعر لکھ دینا کافی سمجھتا ہوں۔ ان شعروں کا قصہ یہ ہے کہ جب ۷۴۲ھ میں دارالحدیث اشرفیہ کے ملحق مکانات میں میرے والد کی سکونت تھی اور وہ رات کو ایوان دارالحدیث میں تہجد پڑھنے جایا کرتے تھے تو دارالحدیث کے فرش پر اپنا منہ ملا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

وفی دار الحدیث لطیف معنی　　الی بسط لها اصبو واوی

عسی ادنی امس بحر وجهی　　مکانا مسه قدم النواوی

حاصل ان شعروں کا یہ ہے کہ دارالحدیث اشرفیہ کے فرش میں ایک لطیف بات ہے جس کی وجہ سے مجھے اس سے شیفتگی ہے (میں اس کے فرش پر اپنا منہ اس لئے رگڑتا ہوں) کہ ممکن ہے کبھی میرا منہ اس مقام بھی پہنچ جائے جہاں امام نووی کے قدم پڑے ہیں۔[1934]

شیخ الاسلام امام ابوزکریا محی الدین النووی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی شخصیت صاحب علم کے لئے پوشیدہ نہیں ہے۔ محدثین کرام کی جماعت میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کو امتیازی مقام حاصل ہے اور زہد وتقویٰ میں امام المتقین ہیں۔[1935]

ابن العطار کے شاگرد بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت تعلیم میں مشغول رہتے رات ہو یا دن بازار ہو یا مدرسہ بہر صورت ان سے استفادہ کرنے والے موجود ہوتے۔ شیخ قطب یونینی رقمطراز ہیں کہ امام نووی علم، ورع، عبادت، کمخوری اور سادہ زندگی گزارنے میں منفرد حیثیت کے مالک تھے حافظ ابن کثیر البدایہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دور کے بہت بڑے فقہاء میں شمار ہوتے تھے وہ کبھی روزہ نہیں چھوڑتے تھے اوران کے دستر خوان پر کبھی دو کھانے نہیں دیکھے گئے۔

[1933] (مقدمہ شرح اربعین نووی ص ۱۳ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

[1934] (مقدمہ شرح اربعین نووی ص ۱۴ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

[1935] (ریاض الصالحین اردو ج ۱ ص ۳ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور)

ابو بکر بن ہبتہ اللہ حورانی طبقات الشافعیہ ص۸۷ میں لکھتے ہیں کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ عشاء کے بعد ایک بار کھانا تناول فرماتے اور صبح کے وقت ایک بار پانی پیتے۔ انہوں نے نکاح نہیں کیا دو بار حج کے لئے تشریف لئے گئے علماء کی مجلس میں باوقار شخصیت کے مالک تھے اگرچہ سر پر پگڑی معمولی قسم کی ہوتی تھی لیکن شان میں بہت بڑے تھے۔[1936]

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یعنی امام نووی) کو رب ذوالجلال والاکرام نے تین چیزیں یکجا کر کے ودیعت کی تھیں ان میں (۱) علم اور اس پر صحیح عمل، (۲) کامل زہد، (۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھے۔[1937]

وذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وبه قال الشافعي وابو حنيفة ومالك الى الاباحة كذا قال ابن رسلان في شرح السنن۔

ترجمہ: جمہور علماء صحابہ تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک زرد رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہے اسی طرح امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بھی جائز ہے اور ابن ارسلان نے شرح السنن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔[1938]

حديث ابن عمر نهى النبى ﷺ ان يلبس المحرم ثوباً مصبوغاً بورس او زعفران قال و من تقيد المحرم جواز لبس الثوب المزعفر للحلال قال ابن بطال اجاز مالك وجماعة لباس الثوب المزعفر للحلال وقالوا انما وقع النهى عنه للمحرم خاصة۔

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے محرم کے لئے ورس زعفران سے رنگے ہوئے کپڑوں سے منع فرمایا محرم کی قید سے حلال کے لئے یہ جائز ہونا معلوم ہوتا ہے حلال کے لئے زعفرانی کپڑے جائز ہے نہی محرم کے لئے خاص ہے۔[1939]

سرخ رنگ کا عمامہ شریف، سرخ لباس پہننے کے جواز اور عدم جواز میں علماء کا اختلاف

سرخ لباس پہننے کے جواز اور عدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔ سراج الامۃ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حنفی مذہب کے صحیح قول کے مطابق سرخ کپڑے پہننا جائز ہے۔

سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول، امام ناصر الدین ابی القاسم محمد بن یوسف السمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

وعن ابى حنيفة لا باس بالصبغ الاحمر والاسود والاصفر۔

[1936] (رياض الصالحين اردو ج ۱ ص ۱۹ مطبوعه نعمانی کتب خانه لاهور)

[1937] (نزهته المتقين ج ۱ ص ۱۳ مطبوعه مكتبة العلم لاهور)

[1938] (نيل الاوطار ج ۲ ص ۸۷ مطبوعه دار الجيل بيروت)

[1939] (الفتح الربانی مع شرحه بلوغ الامانی ج ۱۷ ص ۲۴۲ مطبوعه مصر)

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرخ اور سیاہ اور زرد رنگ میں کوئی حرج نہیں۔[1940]

وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالی لاباس بالصبغ الاحمر والاسود۔

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرخ اور سیاہ رنگ میں کوئی حرج نہیں۔[1941]

واما الاحمر ومنه المعصفر والمزعفر فاجاز مالک والشافعی وابو حنیفة۔

ترجمہ: سرخ اور معصفر اور زعفرانی رنگ کو امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہم نے جائز فرمایا ہے۔[1942]

القول الاول الجواز مطلقاً وهو قول عدة من الصحابة وطائفة من التابعين منهم علی بن ابی طالب وابنه الحسن وطلحة وعبدالله بن جعفر والبراء ومن التابعين سعيد بن المسيب والنخعی والشعبی وابی قلابة وابی وائل ومن سواهم رضی الله تعالیٰ عنهم۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور متعدد صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام ابو قلابہ، امام ابو وائل اور متعدد فقہاء سرخ رنگ کو مطلقاً جائز کہتے ہیں۔[1943]

باب الصلاة فی الثوب الاحمر۔[1944]

حدثنا ابو الوليد حدثنا شعبة عن ابی اسحاق سمع البراء رضی الله تعالیٰ عنه يقول كان النبی ﷺ مربوعاً وقد رأيته فی حلة حمراء ما رايت شيئا احسن منه۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا قد مبارک متوسط تھا میں نے آپ ﷺ کو سرخ رنگ کے حلہ یعنی دو چادروں میں لپٹا ہوا دیکھا میں نے آپ ﷺ سے زیادہ کسی کو حسین نہیں دیکھا۔[1945]

[1940] (الملتقط فی الفتاوی الحنفية كتاب الآداب ص ۲۷۵ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)

[1941] (فتاوی عالمگیری كتاب الكراهية باب اللبس مايكره من ذلک الباب التاسع فی اللبس مايكره من ذلک وما لايكره ج۵ ص ۴۱۰ مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت)

[1942] (شرح زرقانی علی المواهب ج۵ ص ۲۳ مطبوعه دار المعرفة بيروت)

[1943] (فتح الباری ج۱۰ ص ۳۷۷۔۳۷۸ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)، (نيل الاوطار ج۲ ص ۹۲ مطبوعه دار الجيل بيروت)

[1944] (صحيح البخاری باب الثوب الاحمر ج۱ ص ۱۴۷ مطبوعه دار ابن كثير بيروت)

[1945] (صحيح البخاری كتاب اللباس باب الثوب الاحمر ج۵ ص ۲۱۹۸ رقم الحديث ۵۵۱۰ مطبوعه دار ابن كثير بيروت)، (مسلم شريف كتاب الفضائل باب فی صفة النبی ﷺ وانه كان احسن الناس وجها ج۴ ص ۱۸۱۸ رقم الحديث ۲۳۳۷ مطبوعه دار احياء التراث العربی بيروت)

حدثنا ابو بکر قال حدثنا شریک عن ابی اسحاق عن البراء قال ما رایت اجمل من رسول اللہ ﷺ مترجلا فی حلة حمراء۔[1946]

ودلیل جواز الاحمر وغیرہ مع الاجماع حدیث البراء رایت رسول اللہ ﷺ فی حلة حمراء رواہ البخاری ومسلم وروی ایضاً مثلہ من روایة ابی جحیفة۔[1947]

حدثنا موسیٰ بن اسمعیل حدثنا قیس یعنی ابن الربیع وحدثنا محمد بن سلیمان الانباری حدثنا وکیع عن سفیان جمیعاً عن عون ابن ابی جحیفة عن ابیہ قال اتیت النبی ﷺ بمکة وھو فی قبة حمراء من ادم فخرج بلال فاذن فکنت اتتبع فمہ ھبنا وھھنا قال ثم خرج رسول اللہ ﷺ وعلیہ حلة حمراء وبرود یمانیة قطری۔

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ مکہ مکرمہ کے اندر ایک سرخ خیمے میں جلوہ افروز تھے۔ پس حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے اور اذان کہی میں دیکھ رہا تھا کہ انہوں نے اپنا منہ ادھر ادھر کیا۔ پھر حضور ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے اوپر سرخ حلہ تھا یمنی چادر کا گویا قطر کی بنی ہوئی ہے۔[1948]

عن ھلال بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ بمنی یخطب علی بغلة وعلیہ برد احمر وعلی امامہ یعبر عنہ۔

ترجمہ: حضرت ھلال بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو منیٰ کے مقام پر ایک خچر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ کے اوپر ایک سرخ چادر تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے آگے کھڑے ہوئے آپ کے الفاظ (لوگوں تک) پہنچا رہے تھے۔[1949]

عن ھلال بن عامر عن ابیہ قال رایت النبی ابمنی یخطب علی بغلة وعلیہ برد احمر وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامہ یعبر عنہ۔

ترجمہ: حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ منیٰ میں ایک خچر پر خطبہ دے رہے تھے اور آپ ﷺ کے اوپر ایک سرخ چادر تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے آگے کھڑے ہوئے آپ ﷺ کے الفاظ آگے پہنچا رہے تھے۔[1950]

[1946] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۴۷۱۵ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

[1947] (المجموع شرح المھذب للنووی ج۴ ص ۳۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1948] (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۴۳ رقم الحدیث ۵۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الترمذی قال ابو عیسی حدیث ابی جحیفة حدیث حسن صحیح ج ۱ ص ۳۷۵۔ ۳۷۶ رقم الحدیث ۱۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (صحیح البخاری باب الثوب الاحمر ج ۱ ص ۱۴۷ رقم الحدیث ۳۶۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

[1949] (سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الرخصة ذلک ج۴ ص ۵۴ رقم الحدیث ۴۰۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1950] (سنن الکبریٰ للبیھقی ج۳ ص ۲۴۷ رقم الحدیث ۵۷۷۷ مطبوعہ مکتبة دار الباز مکة المکرمة)، (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۳۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

قال فی البدر المنیر و اسنادہ حسن۔ امام ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ نے البدر المنیر میں فرمایا کہ اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے۔[1951]

وروی ابن ابی شیبۃ عن ابی رمثۃ قال حججت فقدمت المدینۃ ولم اکن رایت رسول اللہ ﷺ فخرج وعلیہ ثوبان بردان احمران۔

ترجمہ: امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی رمثہ صبیان کرتے ہیں کہ میں نے حج کیا اور مدینہ آیا میں نے حضور ﷺ کو نہیں دیکھا تھا آپ ﷺ باہر آئے آپ پر دو سرخ چادریں تھیں۔[1952]

عن طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ بسوق ذی المجاز فمر وعلیہ جبۃ لہ حمراء۔

ترجمہ: حضرت طارق بن عبد اللہ المحاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو ذو المجاز کے بازار میں دیکھا اور آپ ﷺ پر سرخ جبہ تھا۔[1953]

وروی مسدد والامام احمد عن الاشعث بن سلیمان عن بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہ رای رسول اللہ ﷺ فی سوق ذی المجاز وعلیہ احمران۔

وروی وکیع بن الجراح عن طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ بسوق ذی المجاز وعلیہ جبۃ حمراء۔

ترجمہ: حضرت طارق بن عبد اللہ المحاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو ذو المجاز کے بازار میں دیکھا اور آپ ﷺ پر سرخ جبہ تھا۔[1954]

وروی ابن سعد عن شیخ من کنانۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ وعلیہ بردان احمران۔

ترجمہ: شیخ من کنانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ پر دو سرخ چادریں تھیں۔[1955]

عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ ﷺ کان یلبس بردہ الاحمر فی العید والجمعۃ۔

[1951] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۹۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[1952] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۲۔۳۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1953] (جامع الاحادیث الکبیر ج ۲۰ ص ۴۴ رقم الحدیث ۱۵۵۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السیرۃ النبویۃ لابن عساکر ج ۴ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1954] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۲۔۳۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1955] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۲۔۳۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں حضور ﷺ جمعہ اور عیدین کو سرخ چادر پہنتے تھے۔[1956]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا هشیم قال انا الحجاج عن ابی جعفر ان رسول اللہ ﷺ کان یلبس بردہ الاحمر یوم الجمعة ویعتم یوم العیدین۔

ترجمہ: حضرت ابو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں حضور ﷺ جمعہ اور عیدین کو سرخ چادر اور سرخ عمامہ باندھتے تھے۔[1957]

حدیث انہ ﷺ کان یتردی یوم الجمعة رواہ البیهقی من روایة جابر بلفظ کان له برد احمر یلبسه فی العیدین والجمعة و ابن خذیمة بلفظ کانت له جبة یلبسها فی العیدین والجمعة۔[1958]

ورواہ الطبرانی عن ابن عباس بلفظ کان یلبس یوم العید بردة حمراء قال الهیثمی ورجاله ثقات۔

ترجمہ: امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور ﷺ عید کے روز سرخ رنگ کی چادر پہنتے تھے۔

امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ تمام راوی ثقہ ہیں۔[1959]

فقد روی الطبرانی من حدیث ابن عباس انه کان یلبس یوم العید بردة حمراء قال الهیثمی ورجاله ثقات فالصحیح جواز لبس الاحمر۔

ترجمہ: امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور ﷺ عید کے روز سرخ رنگ کی چادر پہنتے تھے۔

اس حدیث مبارکہ سے سرخ لباس کا جائز ہونا بلکل صحیح ہے۔[1960]

حدثنا عبد بن حمید ثنا محمد بن الفضل حدثنا حماد بن سلمة عن حبیب بن الشهید عن الحسن عن انس بن مالک ان النبی ﷺ خرج وهو متکئ علی اسامة بن زید علیه ثوب قطری قد توشح به فصلی بهم۔

[1956] (سنن الکبریٰ للبیهقی ج ۳ ص ۲۴۷ رقم الحدیث ۵۷۷۸ مطبوعہ مکتبة دار الباز مکة المکرمة)، (نیل الاوطار ج ۲ ص ۹۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (مختصر تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)، (السیرة النبویة لابن عساکر ج ۴ ص ۱۴۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1957] (مصنف ابن ابی شیبة ج ۱ ص ۴۸۱ رقم الحدیث ۵۵۴۹ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

[1958] (خلاصة البدر المنیر ج ۱ ص ۲۲۱ رقم الحدیث ۷۷۳ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

[1959] (فیض القدیر ج ۵ ص مطبو ۲۴۶ مطبوعہ المکتبة التجاریة الکبری مصر)

[1960] (المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة للبیجوری ص ۷۲ فاروقی کتب خانہ ملتان)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ٹیک لگائے باہر آئے حضور ﷺ پر قطری (سرخ رنگ کا) کپڑا لپٹا ہوا تھا حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی امامت فرمائی۔[1961]

وفی روایۃ ثوب قطری اخرجھما الترمذی فی الشمائل قولہ ثوب قطر ھو ضرب من البرود فیہ حمرۃ لہ اعلام فیہ بعض الخشونۃ وقیل ھی حلل جیاد تحمل من قبل البحرین قال الازھری فی اعراض البحرین قریۃ یقال لھا قطر واحسب الثیاب القطریۃ تنسب الیھا۔ ترجمہ: قطری کپڑا ایک قسم کی نقش دار سرخ چادر تھی جو سخت تھی۔[1962]

عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ فی لیلۃ اضحیان وعلیہ حلۃ حمراء فجعلت انظر الیہ والی القمر فلھو عندی احسن من القمر۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو چودھویں رات میں دھاری دار سرخ یمنی جوڑا پہنے ہوئے دیکھا میں (کبھی) آپ ﷺ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاندی کی طرف تو آپ ﷺ میرے نزدیک چاند سے یقیناً زیادہ حسین تھے۔[1963]

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

اخبرنی یحیی بن منصور القاضی ثنا احمد بن سلمۃ ثنا اسحاق انبا المحاربی عن اشعث عن ابی اسحاق عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ فی لیلۃ اضحیان وعلیہ حلۃ حمراء فجعلت انظر الیہ والی القمر فلھو احسن فی عینی من القمر۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو چودھویں رات میں دھاری دار سرخ یمنی جوڑا پہنے ہوئے دیکھا میں (کبھی) آپ ﷺ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاندی کی طرف تو آپ ﷺ میرے نزدیک چاند سے یقیناً زیادہ حسین تھے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔[1964]

وعن جابر بن سمرۃ قال رایت النبی ﷺ فی لیلۃ اضحیان وعلیہ حلۃ حمرا فکنت انظر الیہ والی القمر فھو کان فی عینی احسن من القمر۔

[1961] (الشمائل المحمدیۃ والخصائل المصطفویۃ ص ۷۰ رقم الحدیث ۶۰ مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۰ رقم الحدیث ۵۰۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ للبغوی ج ۶ ص ۱۵۹ رقم الحدیث ۲۹۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1962] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۰ رقم الحدیث ۵۰۹۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1963] (الشمائل المحمدیۃ والخصائل المصطفویۃ مع تحفۃ الاحوذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ا ج ۱۰ ص ۴۹۰ رقم الحدیث ۱۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1964] (مستدرک قال المحقق قال فی التلخیص صحیح ج ۴ ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۷۳۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو چودھویں رات میں دھاری دار سرخ یمنی جوڑا پہنے ہوئے دیکھا میں (کبھی) آپ ﷺ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاندی کی طرف تو آپ ﷺ میرے نزدیک چاند سے یقیناً زیادہ حسین تھے۔[1965]

حدثنا احمد قال حدثنا ابو عمیر بن النحاس قال حدثنا ایوب بن سوید عن سفیان الثوری عن محمد بن المنکدر عن جابر قال ما رایت احسن من رسول اللہ ﷺ فی حلة حمراء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ سرخ حلہ کسی پر سجتے ہوئے نہیں دیکھا۔[1966]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا زید بن حباب قال حدثنی حسین بن واقد قال حدثنی عبداللہ بن بریدة عن ابیه قال کان رسول اللہ ﷺ یخطبنا فاقبل الحسن والحسین علیهما قمیصان احمران۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے خطبے کے وقت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیص پہنے ہوئے آئے۔[1967]

اخبرنا ابو الفضل الحسن بن یعقوب بن یوسف العدل حدثنا یحیی بن ابی طالب انبا زید بن الحباب انبا الحسین بن واقد حدثنی عبداللہ بن بریدة عن ابیه قال کان رسول اللہ ﷺ یخطب فاقبل الحسن والحسین علیهما قمیصان احمران فجعلا یعثران ویقومان فنزل فاخذهما فوضعهما بین یدیه وقال صدق اللہ ورسوله انما اموالکم واولادکم فتنة رایت هذین فلم اصبر ثم اخذ فی خطبته۔

هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه۔

ترجمہ: یہ حدیث مبارکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے معیار کے مطابق صحیح ہے لیکن شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔[1968]

قال المحقق وافقه الذهبی فی التلخیص علی شرط البخاری ومسلم۔[1969]

حدثنا احمد بن صالح ثنا بن وهب حدثنی معاویة بن صالح عن عبدالعزیز بن مسلم عن ابی معقل عن انس بن مالک قال رایت رسول اللہ ﷺ یتوضا وعلیه عمامة قطریة فادخل یده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه ولم ینقض العمامة۔

[1965] (مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۱۴۱)

[1966] (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۶۸۰ مطبوعہ دار الحرمین القاهرة)، (مسند الطیالسی ص ۹۸ رقم الحدیث ۷۲۱ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)

[1967] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۲۹ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

[1968] (مستدرک للحاکم کتاب اللباس ج ۵ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۷۵۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1969] (مستدرک للحاکم کتاب اللباس ج ۵ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۷۵۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ وضو فرمارہے ہیں اور آپ ﷺ پر قطری عمامہ تھا عمامہ مبارک کے نیچے ہاتھ مبارک داخل کرکے مسح فرمایا اور عمامہ مبارک کو نہیں کھولا۔[1970]

قوله (عمامة قطرية) هي ثياب حمر لها اعلام فيها بعض الخشونة۔ منسوبة الى قطر موضع بين عمان وسيف البحر۔

ترجمہ: قطری عمامہ سرخ نقش والا کپڑا جو سخت تھا قطر کی طرف منسوب جو عمان سیف البحر کے درمیان ہے۔[1971]

قطری بكسر القاف وسكون الطاء وقد تخفف ومع التخفيف هو ضرب من البرد فيه حمرة ولها اعلام فيها بعض الخشونة وفسره بعضهم بانه غليظ من قطن۔

ترجمہ: قطری ایک قسم کی چادر تھی جس میں سرخ رنگ اور نقش تھے اور روئی کی سخت چادر تھی۔[1972]

استدل به على التعميم بالحمرة وهو استدلال صحيح لو في الحديث ضعف۔

ترجمہ: اس حدیث مبارکہ میں سرخ عمامے کی دلیل ہے جو صحیح استدلال ہے اگرچہ حدیث ضعیف ہے۔[1973]

ثنا محمد ثنا الزبير حدثني محمد بن الحسن عن عبد العزيز بن محمد عن عبيد الله بن عمر عن سيار ابي الحكم عن عائشة انها قالت رايت جبريل عليه السلام عليه عمامة حمراء سادلها بين كتفيه۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا انہوں نے سرخ رنگ کا عمامہ باندھا تھا اور اس کا شملہ ان کی پشت پر لٹک رہا تھا۔[1974]

حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمي قال حدثنا اسماعيل بن بهرام قال حدثنا عبد العزيز بن محمد الدراوردي عن عبيد الله بن عمر عن سيار ابي الحكم عن شهر بن حوشب عن عائشة قالت رايت جبريل عليه السلام عليه عمامة حمراء يرخيها بين كتفيه۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا انہوں نے سرخ رنگ کا عمامہ باندھا تھا اور اس کا شملہ ان کی پشت پر لٹک رہا تھا۔[1975]

[1970] (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۶ رقم الحدیث ۱۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۱۶۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[1971] (شرح سنن ابی داؤد للعینی ج ۱ ص ۳۴۷ مطبوعہ دار القرآن والحدیث ملتان)، (المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية للبیجوری ص ۶۹ فاروقی کتب خانہ ملتان)

[1972] (سبل الهدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۳۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1973] (عون المعبود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1974] (المنتخب من کتاب ازواج النبی قصۃ تزوج عائشۃ رضی اللہ عنہا ص ۳۶ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1975] (طبرانی الاوسط ج ۵ ص ۳۸۱ رقم الحدیث ۵۶۲۰ مطبوعہ دار الحرمین القاهرۃ)، (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

قال ابن عباس ولم تقاتل فی یوم سواہ وکانوا یکونون فیما سواہ من الایام عددا و مددا لا یضربون و کانت سیماھم یوم بدر عمائم بیضاء قدارسلوھا فی ظھورھم ویوم حنین عمائم حمرا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی نشانی بدر کے دن سفید عمامے تھے کہ شملہ پیچھے لٹکاتے تھے اور حنین کے دن سرخ عمامے تھے۔[1976]

وروی البیھقی عن ابن عباس قال: کان سیماء الملائکۃ یوم بدر عمائم بیض قدارسلوھا علی ظھورھم ویوم خیبر عمائم حمراً۔

وروی الطبرانی وابن مردویہ بسند ضعیف عن ابن عباس مرفوعاً فی قولہ تعالٰی: (مسومین) قال: معلمین و کانت سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم سود ویوم احد عمائم حمر۔[1977]

وروی ابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابی ھریرۃ فی قولہ: (مسومین) قال: بالعھن الاحمر۔[1978]

کانت سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم سود ویوم احد عمائم حمر۔

ترجمہ: فرشتوں کی نشانی بدر کے دن سفید عمامے تھے اور احد کے دن سرخ عمامے تھے۔[1979]

عن یزید بن بلال حدثنی جدی حدثنا الحکم بن مروان حدثنا کیسان ابو عمر عن یزید بن بلال و کان من اصحاب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رایۃ علی حمراء مکتوب فیھا محمد رسول اللہ ﷺ۔ ترجمہ: یزید بن بلال رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرخ جھنڈا دیکھا جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھا ہوا تھا۔[1980]

حدثنا یحیی قال حدثنا وکیع عن موسی بن دھقان قال رایت ابن عمر جالسا علی سریر عروس علیہ ثیاب حمر۔

ترجمہ: موسیٰ بن دہقان فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سرخ کپڑوں میں دیکھا۔[1981]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا یزید بن ھارون عن العوام قال رایت علی ابراھیم التیمی وابراھیم النخعی علی کل واحد منھما ملحفۃ حمراء۔

[1976] (الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ والثلاثۃ الخلفاء غزوۃ بدر الکبری ج ۲ ص ۲۹ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[1977] (سبل الھدی والرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1978] (سبل الھدی والرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1979] (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۹۵ رقم الحدیث ۸۵۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1980] (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ ص ۱۳ برقم ۱۵۶۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (المسند الضعیف للعقیلی ص ۱۵۹ رقم الحدیث ۲۶۶ مطبوعہ نزار مصطفیٰ الباز المملکۃ العربیۃ)

[1981] (الادب المفرد ج ۱ ص ۳۹۹ مطبوعہ دار البشائر الاسلامیۃ بیروت)

ترجمہ: عوام رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابراہیم تیمی اور امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہما پر سرخ چادر دیکھی۔[1982]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن عمرو بن عثمان قال رایت علی ابی جعفر ملحفة حمراء۔

ترجمہ: عامر بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی بن ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ پر سرخ چادر دیکھی۔[1983]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن مالک بن مغول قال رایت علی الشعبی ملحفة حمراء۔

ترجمہ: مالک بن مغول رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ پر سرخ چادر دیکھی۔[1984]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن نصر بن اوس قال رایت علی علی بن الحسین ملحفة حمراء۔

ترجمہ: نصر بن اوس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما پر سرخ چادر دیکھی۔[1985]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سفید، سیاہ، سبز، سرخ، زرد عمامہ پہننا سنت ہے ان کے علاوہ ہر قسم کے رنگ کا عمامہ مباح ہے۔ سب سے افضل عمامہ سفید ہے اس کے بعد سیاہ عمامہ اس کے بعد سبز عمامہ اس کے بعد سرخ عمامہ اس کے بعد زرد رنگ کا عمامہ افضل ہے۔

ٹوپی کا ثبوت

ٹوپی پہننا بھی سنت ہے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم تابعین کرام رحمہم اللہ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ سے ٹوپی پہننا ثابت ہے۔ اور ہر قسم کی ٹوپی جناح کیپ وغیرہ سب پہننا جائز ہے جو ٹوپی کی کسی قسم کو ناجائز کہے تو وہ اس کے ناجائز ہونے پر دلیل پیش کرے اپنے قیاس پیش نہ کرے۔ البتہ اگر کسی جگہ کسی قسم کی ٹوپی غیر مسلموں سے مشابہت رکھتی ہو تو اس جگہ اس خاص قسم کی ٹوپی پہننا ناجائز ہو گا اگرچہ وہ ٹوپی کسی قسم کی بھی ہو۔

حدیث مبارکہ میں ہے: **من تشبه بقوم فهو منهم۔** ترجمہ: جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ انہیں میں سے ہو جائے گا۔[1986]

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال کان علی موسی علیه السلام یوم کلمه ربه کساء صوف و جبة صوف و کمه صوف و سراویل صوف و کانت نعلاه من جلد حمار میت۔ (و الکمه القلنسوة الصغیرة)۔

[1982] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۴۷۱۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1983] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۱۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1984] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۲۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1985] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۲۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[1986] (سنن ابو داؤد کتاب اللباس ج ۲ ص ۲۰۳ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا اس دن انہوں نے ایک اون کی چادر اون کا جبہ اون کی ٹوپی اور اون کی شلوار پہنی ہوئی تھی اور مردہ دراز گوش کی کھال سے بنے جوتے پہنے ہوئے تھے۔[1987]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الشھداء اربعۃ رجل مومن جید الایمان لقی العدو فصدق اللہ حتی قتل فذالک الذی یرفع الناس الیہ اعینھم یوم القیامۃ ھکذا و رفع راسہ حتی وقعت قلنسوتہ قال فما ادری اقلنسوۃ عمر ام قلنسوۃ النبی ﷺ۔۔۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا شہداء کی چار اقسام ہیں وہ مومن شخص جس کا ایمان مضبوط ہو وہ دشمن سے مقابلہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرے یہاں تک کہ شہید ہو جائے یہی وہ شخص ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے آپ ﷺ نے سر مبارک اوپر اٹھایا یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی گر گئی راوی بیان کرتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں اس سے حضور ﷺ کی ٹوپی مراد ہے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔[1988]

و رفع راسہ حتی سقطت قلنسوۃ رسول اللہ ﷺ او قلنسوۃ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ترجمہ: آپ ﷺ نے سر انور اتنا اوپر اٹھایا حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ٹوپی مبارک گر گئی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔[1989]

و رفع راسہ حتی وقعت قلنسوتہ قال فلا ادری قلنسوۃ عمر ام قلنسوۃ النبی ﷺ۔۔۔

ترجمہ: آپ نے سر مبارک اوپر اٹھایا یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی گر گئی راوی بیان کرتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں اس سے حضور ﷺ کی ٹوپی مراد ہے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔[1990]

کان یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر العمائم و یلبس العمائم بغیر قلانس و کان یلبس القلانس الیمانیۃ و ھن البیض المضریۃ و یلبس ذوات الآذان فی الحرب و کان ربما نزع قلنسوتہ فجعلھا سترۃ بین یدیہ و ھو یصلی و کان من خلفہ ان یسمی سلاحہ و دوابہ و متاعہ۔

[1987] (سنن الترمذی باب ماجاء فی لبس الصوف ج ۴ ص ۲۲۴ رقم الحدیث ۱۷۳۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1988] (سنن الترمذی باب ماجاء فی لبس الصوف ج ۴ ص ۲۲۴ رقم الحدیث ۱۷۳۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1989] (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳ رقم الحدیث ۱۵۰ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

[1990] (مسند ابی یعلی ج ۱ ص ۲۱۶ رقم الحدیث ۲۵۲ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ عمامے کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ بغیر ٹوپی کے بھی پہنتے تھے اور آپ یمنی ٹوپی پہنتے تھے اور جنگ میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے بعض اوقات اپنی ٹوپی اتار کر اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔[1991]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ ﷺ یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر العمائم و یلبس العمائم بغیر القلانس و کان یلبس القلانس الیمانیۃ ذوات الآذان فی الحرب و کان ربما نزع قلنسوتہ فجعلھا سترۃ بین یدیہ و ھو یصلی۔۔۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ بغیر ٹوپی کے بھی پہنتے تھے اور آپ یمنی ٹوپی پہنتے تھے اور جنگ میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے اور بعض اوقات اپنی ٹوپی اتار کر اس کو سترہ بنا کر نماز ادا کرتے تھے۔[1992]

و کان یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر عمامۃ و ربما نزع قلنسوتہ من راسہ فجعلھا سترۃ بین یدیہ ثم یصلی الیھا و ربما لم تکن العمامۃ فیشد العصابۃ علی راسہ و علی جبھتہ۔

ترجمہ: حضور ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور بغیر عمامہ کے بھی (ٹوپی پہنتے تھے) کبھی ٹوپی سر سے اتار کر سامنے سترہ کے لئے رکھتے تھے پھر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے کبھی عمامہ نہ ہوتا تو کوئی کپڑا سر مبارک پر لپیٹتے۔[1993]

(و کان) ﷺ (یلبس القلانس) جمع قلنسوۃ فضلوۃ بفتح العین و سکون النون (تحت العمائم) جمع عمامۃ (و) تارۃ یلبسھا (بغیر عمامۃ) و الظاھر انہ کان یفعل ذلک فی بیت و اما اذا ظھر للناس فالظاھر انہ کان لا یخرج الا بعمامۃ فوق القلنسوۃ (و ربما نزل قلنسوتہ من راسہ فجعلھا سترۃ بین یدیہ ثم یصلی الیھا) الظاھر انہ کان یفعل ذلک عند عدم تیسر ما یتستر بہ او بیاناً للجواز قال العراقی رواہ الطبرانی و ابو الشیخ و البیھقی فی الشعب من حدیث ابن عمر کان رسول اللہ ﷺ یلبس قلنسوۃ بیضاء و لابی الشیخ من حدیث ابن عباس کان لرسول اللہ ﷺ ثلاث قلانس قلنسوۃ بیضاء مضربۃ و قلنسوۃ یرد حبرۃ و قلنسوۃ ذات آذان یلبسھا فی السفر و ربما وضعھا بین یدیہ اذا صلی و اسنادھما ضعیف۔[1994]

قلت و حدیث ابن عباس اخرجہ ایضاً الرویانی و ابن عساکر بلفظ کان یلبس القلانس و کان یلبس القلانس الیمانیۃ و ھی البیض المضربۃ و یلبس ذوات الآذان فی الحرب و کان ربما نزع قلنسوتہ فجعلھا سترتہ بین یدیہ و ھو یصلی و حدیث ابن عمر الذی

[1991] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ ص ۴۴۰ رقم الحدیث ۷۱۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1992] (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۳۶۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (کنز العمال ج ۷ ص ۱۲۱ رقم الحدیث ۱۸۲۸۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[1993] (اتحاف سادۃ المتقین کتاب آداب المعیشۃ و اخلاق النبوۃ ج ۸ ص ۲۵۴۔۲۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1994] (اتحاف سادۃ المتقین کتاب آداب المعیشۃ و اخلاق النبوۃ ج ۸ ص ۲۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اورده اولاً تفرد به عبداللہ بن خراش وهو ضعیف وقال العراقی فی شرح الترمذی اجود اسناد فی القلانس ما رواه ابو الشیخ عن عائشة کان یلبس القلانس فی السفر ذوات الآذان وفی الحضر المضمرة یعنی الشامیة۔

(وربما لم تکن العمامة فیشد العصابة علی راسه وعلی جبهة) قال العراقی رواه البخاری من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما صعد النبی ﷺ المنبر قد عصب راسه بعصابة دسماء الحدیث (وکانت له) ﷺ (عمامة تسمی السحاب فوهبها من علی) رضی اللہ تعالیٰ عنه (فربما طلع علی فیها فیقول اتاکم علی فی السحاب) قال العراقی رواه ابن عدی وابو الشیخ من حدیث جعفر بن محمد عن ابیه عن جده وهو مرسل ضعیف جداً ولابی نعیم فی دلائل النبوة من حدیث عمر فی اثناء حدیث عمامته السحاب الحدیث اھ۔ [1995]

روی ابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ **عن عطاء بن ابی رباح عن ابی هریرة** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قال لرسول اللہ ﷺ قلنسوة شامیة بیضاء۔**

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بواسطہ حضرت عطاء ابن ابی رباح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضور ﷺ کے پاس ایک شامی سفید ٹوپی مبارک تھی۔ [1996]

حدثنا محمد بن ابراهیم بن داود نا عبداللہ بن محمد بن ابی اسامة الحلبی نا الضحاک بن حجرة المنبجی نا عبداللہ بن واقد عن ابی حنیفة عن عطاء بن ابی رباح عن ابی هریرة قال رأیت علی رأس رسول اللہ قلنسوة بیضاء شامیة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور ﷺ کے سر مبارک پر سفید شامی ٹوپی دیکھی۔ [1997]

قال خالد بن یزید حدثنا عاصم بن سلیمان عن جعفر بن محمد عن ابیه عن جده عن رسول اللہ ﷺ انه کان یلبس القلانس البیض والمزرورات وذوات الآذن۔ [1998]

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت کان لرسول اللہ ﷺ قلنسوة بیضاء لاطئة یلبسها۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس سفید ٹوپی تھی جسے آپ ﷺ پہنا کرتے تھے جو آپ ﷺ کے سر اقدس پر جمی رہتی تھی۔ [1999]

وکان ﷺ یلبس القلانس الیمانیة وهی البیض المضربة وکانت قلنسوته لاطیة۔

[1995] (اتحاف سادة المتقین کتاب آداب المعیشة واخلاق النبوة ج۸ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1996] (جامع المسانید مجموعة الاحادیث والآثار تضم ۱۵ مسانید الامام الافخم ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۱ ص ۱۹۸ مطبوعہ مجلس دائرہ المعارف حیدر آباد دکن ہند)

[1997] (اخلاق النبی ﷺ وآدابه ذکر قلنسوته ج ۲ ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۳۱۳ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[1998] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاغلام جدید ج ۱ ص ۵۹۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (سبل الهدی والرشاد ج۷ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[1999] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۹۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (کنز العمال ج۷ ص ۱۲۱ رقم الحدیث ۱۸۲۸۵ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)

ترجمہ: آپ ﷺ یمنی اور لاطیہ ٹوپی پہنتے تھے۔[2000]

حدثنا ابراھیم بن محمد بن الحسن نا یحیی بن حمید بایذ ج نا عثمان بن عبداللہ القرشی نا بقیۃ عن الاوزاعی عن حریز بن عثمان قال لقیت عبداللہ بن بسر فقلت اخبرنی قال رأیت رسول اللہ و لہ قلنسوۃ طویلۃ و قلنسوۃ لھا اذنان و قلنسوۃ لاطیۃ۔[2001]

اخبرنا ابو یعلی نا محمد بن عقبۃ نا عبداللہ بن خراش عن العوام بن حوشب عن ابراھیم التیمی عن ابن عمر قال کان رسول اللہ یلبس قلنسوۃ بیضاء۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔[2002] یہ حدیث مبارکہ حسن ہے

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو حسن کہا ہے۔[2003]

عن عائشۃ قالت کان لرسول اللہ ﷺ قلنسوۃ بیضاء۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کی سفید ٹوپی تھی۔[2004]

وعن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یلبس القلانس البیض المزرورات و ذوات الاردان وعن ابن عمر وعن انس ان النبی ایلبس کمۃ بیضاء۔ وعن عائشۃ قالت کان لرسول اللہ ﷺ قلنسوۃ بیضاء لاطئہ یلبسھا۔ وعنھا قالت کان رداء رسول اللہ ﷺ اربعۃ ازرع و شبراً فی ذراع و شبر۔[2005]

کان یلبس قلنسوۃ بیضاء۔ ترجمہ: حضور ﷺ سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔[2006]

کان یلبس قلنسوۃ بیضاء لاطئۃ۔ ترجمہ: حضور ﷺ سفید ٹوپی پہنتے تھے جو آپ ﷺ کے سر مبارک پر جمی رہتی تھی۔[2007]

عن ابراھیم التیمی عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یلبس قلنسوۃ بیضاء۔

[2000] (کشف الغمہ عن جمیع الائمۃ کتاب الصلاۃ باب مایحل ویحرم من اللباس ص ۱۹۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2001] (اخلاق النبی ﷺ وآدابہ ذکر قلنسوتہ ج ۲ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۳۱۶ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[2002] (اخلاق النبی او آدابہ ذکر قلنسوتہ ج ۲ ص ۲۰۵ رقم الحدیث ۳۱۲ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[2003] (السراج المنیر ج ۴ ص ۱۱۲)

[2004] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲ جز ۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2005] (مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۲۲۴)

[2006] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ ص ۴۴۰ رقم الحدیث ۷۱۶۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2007] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ ص ۴۴۰ رقم الحدیث ۷۱۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔[2008]

قال العزیری اسنادہ حسن۔ ترجمہ: امام عزیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے۔[2009]

وفی الجامع الصغیر بروایۃ الطبرانی عن ابن عمر قال کان یلبس قلنسوۃ بیضاء۔ قال العزیزی اسنادہ حسن۔[2010]

اخبرنا ابن الباغندی ابن مصفی نا محمد بن خالد عن مفضل بن فضالۃ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن خالتہ عائشۃ رضی اللہ عنھا ان النبی ﷺ کان یلبس من القلانس فی السفر ذوات الآذان وفی الحضر المشمرۃ یعنی الشامیۃ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ سفر میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے اور حضر میں شامی ٹوپی پہنتے تھے۔[2011]

قال الحافظ العراقی فی شرح الترمذی واجود اسنادفی القلانس ماروا ہ ابو الشیخ عن عائشۃ کان یلبس القلانس فی السفر ذوات الآذان وفی الحضر المضمرۃ یعنی الشامیۃ وفیہ ندب العمائم فوق القلانس۔

ترجمہ: حافظ عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ ٹوپی کے بارے میں سب سے عمدہ اسناد وہ ہے جو ابو الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان ہے کہ حضور ﷺ سفر میں کان والی ٹوپی پہنتے تھے اور حضر میں پتلی کی ہوئی یعنی شامی ٹوپی پہنتے تھے اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمامہ ٹوپی کے اوپر باندھنا مستحب اور مندوب ہے۔[2012]

حدثنا محمد بن عمران بن الجنید نا احمد بن عیسی المقانعی وسلیمان بن داود السلال نا بشر بن یحیی المروزی نا سالم بن سالم عن العرزمی عن عطاء عن ابن عباس قال کان لرسول اللہ ثلاث قلانس قلنسوۃ بیضاء مصریۃ وقلنسوۃ برد حبرۃ وقلنسوۃ ذات الآذان یلبسھا فی السفر وربما وضعھا بین یدیہ اذا صلی۔[2013]

وقال لی مسدد حدثنا معتمر قال سمعت ابی قال رایت علی انس برنسا اصفر من خز۔

[2008] (شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۵ رقم الحدیث ۶۲۵۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2009] (تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2010] (تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (عون المعبود شرح ابی اداؤد ج ۱۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2011] (اخلاق النبی ﷺ وآدابہ ذکر قلنسوتہ ج ۲ ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۳۱۴ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[2012] (فیض القدیر ج ۵ ص ۲۴۶ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر)

[2013] (اخلاق النبی او آدابہ ذکر قلنسوتہ ج ۲ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۳۱۵ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

ترجمہ: سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ریشم اور اون کی بنی ہوئی زرد رنگ کی مخصوص ٹوپی دیکھی۔[2014]

عبدالرزاق عن الثوری عن الاعمش عن سعید بن عبداللہ بن ضرار قال رایت انس بن مالک اتی الخلاء ثم خرج وعلیہ قلنسوۃ بیضاء مزرورۃ فمسح علی القلنسوۃ وعلی جوربین لہ مرعزا اسودین ثم صلی قال الثوری والقلنسوۃ بمنزلۃ یباع۔

ترجمہ: سعید بن عبداللہ بن ضرار سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ بیت الخلاء میں داخل ہوئے پھر نکلے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بٹن لگی ہوئی سفید ٹوپی تھی تو آپ نے اپنی ٹوپی پر مسح کیا۔ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ٹوپی بمنزلہ عمامہ ہے۔[2015]

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ مسح علی قلنسوۃ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ ٹوپی پر مسح کرتے تھے۔[2016]

عن اشعث عن ابیہ ان ابا موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خرج من الخلاء وعلیہ قلنسوۃ فمسح علیھا۔

ترجمہ: حضرت اشعث اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت الخلاء سے باہر آئے اور انہوں نے ٹوپی پہنی ہوئی تھی پھر انہوں نے اس ٹوپی پر مسح کیا۔[2017]

عن عبداللہ بن سعید قال رایت علی علی بن الحسین رضی اللہ عنہما قلنسوۃ بیضاء مصریۃ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما کو سفید مصری ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا۔[2018]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا معاویۃ عن ھشام قال رایت علی ابن الزبیر قلنسوۃ لھا رب کان یستظل بھا اذا طاف بالبیت۔

[2014] (صحیح البخاری باب البرانس ج ۲ ص ۸۶۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2015] (مصنف عبدالرزاق باب المسح علی القلنسوۃ ج ۱ ص ۱۹۰ رقم الحدیث ۷۴۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

[2016] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ذکر المسح علی العمامۃ ج ۱ ص ۵۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2017] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۰ رقم الحدیث ۲۴۸۵۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2018] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۲۴۸۵۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: حضرت ہشام بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو ایک چھجے والی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا بسا اوقات وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت اس کا سایہ کر لیتے تھے۔[2019]

حضرت صفیہ بنت نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند موئے مبارک تھے۔ ایک دفعہ دوران جہاد وہ ٹوپی گر پڑی وہ اس کو لینے کے لئے تیزی سے دوڑے جبکہ اس معرکے میں بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم شہید ہوئے؟ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لم افعلها بسبب القلنسوة بل لماتضمنته من شعره الئلا اسلب بركتها وتقع فی ایدی المشرکین۔

ترجمہ: میں نے صرف ٹوپی کے حاصل کرنے کے لئے اتنی تگ و دو نہیں کی تھی بلکہ اس لئے کہ اس ٹوپی میں حضور ﷺ کے موئے مبارک تھے مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور دوسرا یہ کہ یہ کفار و مشرکین کے ہاتھ نہ لگ جائے۔[2020]

وقد اتیتک بالقلنسوة المبارکة التی تنصر بها علی اعدائک۔

ترجمہ: میں آپ کے پاس مبارک ٹوپی لایا جس کے وسیلے سے دشمن پر مدد طلب کی جاتی ہے۔[2021]

امام محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

فسبقتهم الی ناصیته فجعلتها فی هذه قلنسوة فلم اهد قتالاً وهی معی الا رزقت النصر۔

ترجمہ: یعنی میں نے بھی آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کا ایک بال حاصل کر کے اپنی ٹوپی میں محفوظ کر لیا۔[2022]

عن ابی حیان قال کانت قلنسوة علی لطیفة۔

ترجمہ: ابی حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی باریک تھی۔[2023]

عن یزید بن الحارث بن بلال الفزاری قال رأیت علی علی قلنسوة بیضاء مصریة۔

[2019] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۲۴۸۵۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2020] (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۲ ص ۶۱۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2021] (فتوح الشام جبلۃ یحارب خالداً ج ۱ ص ۱۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2022] (مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۲۹۹)

[2023] (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۰ مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: یزید بن الحارث بن بلال الفزاری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر مصری سفید ٹوپی دیکھی۔[2024]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن عبداللہ بن سعید قال رأیت علی علی بن الحسین قلنسوۃ بیضاء مصریۃ۔

ترجمہ: یزید بن الحارث بن بلال الفزاری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے سر پر مصری سفید ٹوپی دیکھی۔[2025]

القلنسوۃ من لباس الانبیاء و الصالحین۔ ترجمہ: ٹوپی انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے لباس سے ہے۔[2026]

قال ابن العربی القلنسوۃ من لباس الانبیاء و الصالحین السالکین تصون الراس و تمکن یباع و ھی من السنۃ۔

"امام ابن العربی بیان کرتے ہیں کہ ٹوپی انبیاء اور صالحین کے لباس سے ہے سر کی حفاظت کرتی ہے اور عمامہ کو جماتی ہے جو سنت ہے"[2027]

و لا باس بلبس القلنسوۃ اللاطیۃ بالراس و المرتفعۃ المضربۃ و غیرھا تحت العمامۃ و بلا عمامۃ لان ذلک کلہ جاء عن المصطفی

ترجمہ: سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی اور بلند ٹوپی یا اس کے علاوہ کوئی اور ٹوپی عمامہ کے نیچے پہننے یا بغیر عمامہ کے پہننے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ سب حضرت مصطفی ﷺ سے منقول ہے۔[2028]

و قد لبسہ جماعۃ من الصحابۃ منھم ابو بکر الصدیق و ابن عباس و التابعین منھم ابن ابی لیلیٰ و غیرہ۔

ترجمہ: تحقیق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی ایک جماعت نے ٹوپی پہنی ہے جن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے بھی یہ مخصوص ٹوپی پہنی ہے جن میں حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں۔[2029]

عن ابی حنیفۃ لا باس بلبس قلنسوۃ الثعالب۔

[2024] (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۰ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[2025] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۲۴۸۵۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2026] (عارضۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ۷ ص ۲۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2027] (فیض القدیر ج ۵ ص ۲۴۷ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر)

[2028] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل و بھامش شرح الشمائل للمناوی ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

[2029] (ارشاد الساری ج ۸ ص ۴۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لومڑی کی کھال کی ٹوپی پہننے میں کوئی حرج نہیں۔[2030]

انہ لاباس بلبس القلانیس فقد صح انہ کان لرسول اللہ ﷺ قلانیس یلبسھا۔

ترجمہ: ٹوپی پہننے میں کوئی حرج نہیں آپ ﷺ ٹوپی پہنتے تھے۔[2031]

ولاباس بلبس القلانس لماروی ان النبی ﷺ کان لہ قلانس یلبسھا وقد صح ذلک فی الذخیرۃ۔[2032]

ولاباس بلبس القلانس وقد صح انہ ﷺ کان یلبسھا کذا فی الوجیز للکردری۔

ترجمہ: ٹوپی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ ٹوپی پہنتے تھے علامہ کردری نے وجیز میں اسی طرح لکھا ہے۔[2033]

وآں حضرت گاہے عمامہ بے کلاہ مے پوشد و گاہے باکلاہ کلاہ بے عمامہ۔

ترجمہ: حضور ﷺ کبھی ٹوپی کے ساتھ اور کبھی بغیر ٹوپی کے عمامہ پہنتے تھے اور کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنتے تھے۔[2034]

ان احادیث و آثار صحابہ اور اقوال فقہاء سے معلوم ہوا کہ ٹوپی پہننا بھی حضور ﷺ کی سنت مبارکہ ہے عمامہ شریف کی فضیلت اور درجہ اپنی جگہ پر ہے لیکن صرف ٹوپی پہننے کو مشرکوں کا شعار اور خلاف سنت کہنا بالکل غلط ہے۔ بعض علماء نے ٹوپی پہننے کو خلاف سنت کہا ہے ہمارے نزدیک یہ درست نہیں۔

ولبس القلانس من دون العمائم من ذی المشرکین۔[2035]

لم یروا انہ ﷺ لبس القلنسوۃ بغیر العمامۃ فیتعین ان یکون ھذا ذی المشرکین۔

ترجمہ: یعنی ہرگز مروی نہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنی ہو معین ہوا کہ یہ کافروں کی وضع ہے۔[2036]

[2030] (الملتقط فی الفتاوی الحنفیۃ کتاب الآداب ص ۲۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2031] (المحیط البرھانی کتاب الاستحسان والکراھیۃ الفصل العاشر فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالایکرہ ج ۶ جز ۱۱ ص ۷۴ مطبوعہ مطبوعہ المکتبۃ الغفاریۃ کانسی روڑ کوئٹہ)

[2032] (تبین الحقائق شرح کنز الدقائق مسائل شتیٰ ج ۶ ص ۲۲۸۔ ۲۲۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)، (البحر الرائق ج ۸ ص ۴۸۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2033] (فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیۃ باب اللبس مایکرہ من ذلک الباب التاسع فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالایکرہ ج ۵ ص ۴۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2034] (شرح سفر السعادۃ ص ۴۳۶ مطبوعہ منشی نول الکشور لکھنؤ)

[2035] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2036] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح والفصل الثانی من کتاب اللباس ج ۸ ص ۲۵۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

هذا كله يدل على فضيلة العمامة مطلقاً نعم مع القلنسوة افضل ولبسها وحدها مخالف للسنة كيف وهى ذى الكفرة وكذا المبتدقه فى بعض البلدان۔

ترجمہ: ان سب سے عمامہ کی فضیلت مطلقاً ثابت ہوئی (اگرچہ ٹوپی کے بغیر ہو) ہاں ٹوپی کے ساتھ افضل ہے اور صرف ٹوپی پہننا خلاف سنت ہے اور کیونکر نہ ہو کہ یہ کافروں اور بعض بلاد میں اہل بدعت کی وضع ہے۔[2037]

امام محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ ملا علی رحمۃ اللہ علیہ (ان کے علاوہ اور علماء نے بھی یہ فرمایا ہے) کا صرف ٹوپی پہننے کو مشرکوں کا شعار اور خلاف سنت کہنا بالکل غلط ہے اولاً تو امام محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اپنا قول ہے نہ یہ کوئی قرآن کی آیت ہے نہ حدیث نہ کوئی صحابی کا فرمان ہے دوم اگر یہ خلاف سنت ہے تو پھر سنت کس کو کہتے ہیں کیا حضور ﷺ کے فعل مبارک کو سنت نہیں کہتے اور آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ٹوپی پہنتے تھے دیکھئے امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن عاصم بن كليب عن ابيه عن خاله قال اتيت النبى ﷺ فى الشتاء فوجدتهم يصلون فى البرانس والاكسيه وايديهم فيها رواه الطبرانى فى الكبير وجاله موثقون۔

ترجمہ: کلیب کے والد اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سردیوں کے موسم میں حاضر ہوا۔ وہ سب ٹوپیاں پہنے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ ان کی چادروں میں تھے۔ اس کو امام طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔[2038]

قال الحسن كان القوم يسجدون على العمامة والقلنسوة ويداه فى كمه۔

ترجمہ: امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ قوم (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم) عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے۔[2039]

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے تابعی اور جلیل القدر امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ٹوپی پہنتے تھے۔ قوم سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ہیں۔

فتح الباری میں امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **وقال الحسن كان القوم اى الصحابة كما سياتى بيانه۔**

[2037] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح والفصل الثانی من کتاب اللباس ج ۸ ص ۲۵۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[2038] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2039] (صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

وضع ابو اسحاق قلنسوۃ فی الصلوۃ و رفعھا۔ ترجمہ: ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں اپنی ٹوپی کو رکھا اور اٹھایا۔[2040]

اب بتائیں کیا یہ سب خلاف سنت کر رہے تھے اور اس کے بعد کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ مشرکوں کا شعار ہے۔ اور جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ حدیث ضعیف ہے۔

حدثنا قتیبۃ بن سعید الثقفی ثنا محمد بن ربیعۃ ثنا ابو الحسن العسقلانی عن ابی جعفر بن محمد بن علی بن رکانۃ عن ابیہ ان رکانۃ صارع النبی ﷺ فصرعہ النبی ﷺ قال رکانۃ و سمعت النبی ﷺ یقول ثم فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس۔

ترجمہ: امام ابو جعفر محمد بن رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کشتی لڑی نبی کریم ﷺ نے انہیں پچھاڑ دیا۔ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان ٹوپیوں پر عمامے باندھنے کا فرق ہے۔ (یعنی مشرکین بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں اور ہم ٹوپی پر)[2041]

امام محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ ترمذی اس روایت کے بعد لکھتے ہیں۔

قال ابو عیسی ھذا حدیث حسن غریب و اسنادہ لیس بالقائم و لا نعرف ابا الحسن العسقلانی و لا ابن رکانۃ۔

ترجمہ: یعنی اس حدیث کی اسناد قائم نہیں اور ہم ابو الحسن عسقلانی اور ابن رکانہ کو جو اس حدیث کے راوی ہیں پہچانتے نہیں۔[2042]

محمد بن رکانۃ القرشی اسنادہ مجھول لا یعرف سماع بعضہ من بعض۔[2043]

لم یصح حدیث ابن رکانۃ انفرد بہ ابو الحسن شیخ لا یدری من ھو؟ متنہ فرق ما بینا و بین المشرکین العمائم علی القلانس۔[2044]

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کئی صاحبان تشدد کرتے ہیں کہ نماز میں سر پر ٹوپی اور عمامہ دونوں ہونے ضروری ہیں صرف عمامہ یا صرف ٹوپی سے نماز پڑھنا سخت ناپسند جانتے ہیں بلکہ بعض تو جھگڑے اور فساد پر اتر آتے ہیں حالانکہ یہ خیال اور استدلال صحیح نہیں۔

اولاً یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف اور کافی کمزور ہے اس کے دو راوی مجہول ہیں ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ **و اسنادہ لیس بالقائم و لا نعرف ابا الحسن العسقلانی و لا ابن رکانۃ** یعنی اس حدیث کی اسناد قائم نہیں اور ہم ابو الحسن عسقلانی اور ابن رکانہ کو جو اس حدیث کے

[2040] (صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2041] (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۵۵ رقم الحدیث ۴۰۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند ابی یعلی ج ۳ ص ۵ رقم الحدیث ۱۴۱۲ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)

[2042] (سنن الترمذی باب العمائم علی القلانس ج ۴ ص ۲۴۷ رقم الحدیث ۱۷۸۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2043] (التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۸۲ برقم ۲۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2044] (میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج ۶ ص ۱۴۵ برقم ۷۵۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

راوی ہیں پہچانتے نہیں۔ وقد قرره الملا العلی القاری فی شرح الشمائل ص ۱۶۶ جلد اول زرقانی علی المواهب ص ۱۴ جلد ۵ وزاد ومن ثم قال السخاوی هو واه یعنی امام سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت کمزور ہے۔ امام ذہبی میزان الاعتدال ص ۳۵۲ جلد ۳ میں ابن رکانہ اور ابو الحسن عسقلانی کو غیر معروف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں لایعرف (ابن رکانة) تفرد عنه ابو الحسن العسقلانی فمن ابو الحسن الخ تقریب التہذیب ص ۵۷۹ میں ہے ابو جعفر (د ت) بن محمد بن رکانۃ مجہول نیز ص ۵۸۲ میں ہے ابو الحسن (د ت) العسقلانی مجہول تو ایسی کمزور اسناد والی حدیث سے اکیلی ٹوپی یا عمامے کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ہاں ٹوپی پر عمامے کا مستحسن ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ مگر ترک استحسان مستلزم کراہت نہیں۔

ثانیاً یہ حدیث نماز کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی اس میں نماز کا ذکر ہے بلکہ مطلقاً لباس کا بیان ہے لہٰذا ائمہ حدیث ترمذی ابو داؤد وغیرہما نے اسے عام لباس کے بیان میں ذکر فرمایا ہے تو خارج نماز کے لئے بھی یہ اہتمام ضروری سمجھا جاتا کہ ہر وقت سر پر عمامہ بمع ٹوپی رہے حالانکہ یوں نہیں تو معلوم ہوا کہ مستحسن ہے۔

ثالثاً ٹوپی پر عمامہ کا ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق بننا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اور کوئی فرق ہے ہی نہیں بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ہر علامت اسلام ہی فرق ہے تو اگر اکیلی ٹوپی بھی کسی زمانے میں علامت اسلام بن جائے تو وہ بھی فرق بن جائے گی چنانچہ کافی مدت سے قادری ٹوپی اور ترکی ٹوپی علامت اسلام ہیں اور موجودہ دور میں جناح کیپ تو ایسی ٹوپی کا پہننا جبکہ علامت اسلام ہے اور فرق ہے تو اس حدیث کے منشا کے مخالف کیسے ہو سکتا ہے ہاں گاندھی ٹوپی وغیرہ جو شعار کفار ہیں وہ چونکہ علامت کفر ہیں لہٰذا ممنوع ہیں۔

رابعاً فرق و علامت اسلام جو اس حدیث کا اصل مقصود ہیں اس کا ہر وقت ظاہر کرنا ضروری نہیں کہ ترک مکروہ ہو کلمہ توحید جو بہت بڑا شعار اسلام ہے اس کا ہر وقت پڑھنا اور وہ بھی بلند آواز سے ضروری نہیں تو عمامہ بمع ٹوپی جیسا عمومی شعار ہر وقت قائم رکھنا کیونکر ضروری ہو اور جب ہر وقت ضروری نہیں تو نماز یا باہر نماز میں کیونکر ضروری ہو گا؟

خامساً خود نماز ہی اسلام کی ایسی زبردست علامت ہے کہ نمازی جب نماز پڑھ رہا ہو تو ہر ایک دیکھنے والا اسے مسلمان سمجھتا ہے وذا مما لا یخفی بحکم القرآن والاحادیث الکریمة قرآن کریم فرماتا ہے اقیموا الصلوة ولا تکونوا من المشرکین اور حدیث میں آیا بین العبد وبین الکفر ترک الصلوة تو اگر نمازی کے سر پر ٹوپی و عمامہ بھی ہو تو تب بھی روز روشن کی طرح وہ فرق واضح ہوتا ہے تو اس لحاظ سے نماز کے باہر ٹوپی پر عمامے کا ہونا فرق کرنے کے لئے ہونا چاہئے کہ نماز تو خود ہی فرق ہے حالانکہ یہ نہیں کہتے۔

سادساً و سابعاً ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہو کہ عمامہ ٹوپی پر پہننے کو جائز سمجھنا فرق ہے تو صرف یہ جائز سمجھنا ہی کافی ہو گا بالفعل پہننے کی ضرورت نہیں ہو گی یا یہ مراد ہو کہ اس خاص زمانِ اقدس میں فرق ہے۔ اور جب بعد میں اکیلی ٹوپی بھی فرق بن گئی تو وہ بھی کافی ہو گا کما قال مولانا علی القاری فی المرقاة ص ۲۳۷ جلد ۲ تحت حدیث خالفوا الیهود فانهم لایصلون فی نعالهم نصه او الادب فی زماننا عند عدم الیهود والنصاری او عدم اعتبارهما الخلع ثم بسنح لی ان معنی الحدیث خالفوا الیهود فی تجویز الصلوة مع النعال

والخفاف فانهم لایصلون ای لایجوزون الصلوۃ فیھما ولایلزم منه الفعل۔ اور ان وجوہ کی تائید ایک وجہ ثامن سے ہو رہی ہے **فاستمع بقلب شھید۔**

ثامناً جواب دوم میں روز روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے کہ محبوب مکرم ﷺ اکیلا عمامہ شریف اور اکیلی ٹوپی شریف پہنا کرتے تھے تو یہ بھی سنت بنی حالانکہ حضور پر نور ﷺ کی کوئی سنت بھی علامت کفر نہیں بن سکتی تو یہ کیسے علامت کفر یا ناجائز بن سکتے ہیں ہاں جو خاص ٹوپی یا کسی خاص شکل کا عمامہ شعار کفار بن جائے تو اس عارضے کے سبب اس کا استعمال ہمارے لئے ناجائز ہو گا جو اسی کے ساتھ خاص ہو گا لہٰذا ائمہ کرام وفقہائے عظام (جو معانی احادیث اچھی طرح سمجھتے ہیں اور آیات واحادیث سے ہی ہمارے لئے مسائل کا استنباط کیا کرتے ہیں) نے کسی کتاب میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ اکیلی ٹوپی یا اکیلا عمامہ پہن کر نماز مکروہ ہے اور نہ ہی یہ فرمایا کہ نماز میں عمامہ بمع ٹوپی پہننا ضروری ہے تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اگر یہ حدیث حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الواقع ثابت ہے تو اس کا ہر گز ہر گز یہ منشا نہیں جو وہ صاحبان سمجھتے ہیں۔ **وذلک مما لاریب فیھا اصلاً** بلکہ ہمارے ائمہ ومشائخ عظام تصریح فرماتے ہیں کہ نماز کے لئے کامل درجے کا مستحب لباس یہ ہے کہ مرد قمیص تہبند، عمامہ میں پڑھے جو تین کپڑے ہیں۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۷۳ جلد ا بدائع الصنائع ص ۲۱۹ جلد ا البحر الرائق ص ۲۵ جلد ۲ منیۃ المصلی اور غنیۃ المستملی ص ۳۳۷ فتاویٰ ہندیہ ص ۳۱ جلد ا طحطاوی علی الدر ص ۲۷۰ جلد ا میں بالفاظ متقاربہ ہے **المستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثۃ اثواب قمیص وازار وعمامۃ بدائع الصنائع** میں اضافہ فرمایا **کذا اذکرہ الفقیہ ابو جعفر الھندوانی فی غریب الروایۃ عن اصحابنا** اور یہ تاویل کہ عمامہ سے مراد ٹوپی پر عمامہ ہے محض غلط ہے کہ عمامہ کا معنی عمامہ بمع ٹوپی ہر گز نہیں نیز ٹوپی کے ساتھ کپڑے تین نہیں رہیں گے بلکہ چار بن جائیں گے تو واضح ہوا کہ اکیلے عمامہ کے ساتھ ستر سر کمال استحباب کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے بھی اور وضاحت ہوتی ہے کہ اس حدیث سے متشددین حضرات کا وہ استدلال محض غلط ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ جب اکیلا عمامہ مکروہ نہیں تو اکیلی ٹوپی بھی مکروہ نہیں ہو سکتی۔ **اذ لافارق بینھما فی عدم کون العمامۃ علی القلنسوۃ** بلکہ ننگے سر کی بہ نسبت افضل ومستحسن ہے **کما مر التصریح بہ عن الدرر وغیرھما** مگر چونکہ عمامہ میں زینت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے تو وہ کامل مستحب ہوا پھر جب اکیلے عمامہ سے استحباب کامل حاصل ہو جاتا ہے تو اگر عمامہ ٹوپی پر ہو تو بطریق اولیٰ حاصل ہو گا کہ اس میں زینت مطلوبہ میں کمی ہر گز نہیں ہوتی اور اس حدیث کے ظاہری معنے پر بھی عمل ہو گا نیز یہ بھی **اظھر من الشمس** ہے کہ کامل مستحب کی نفی سے مطلق مستحب کی نفی نہیں ہوتی اور یہ کہ مستحب کا انتفاء مستلزم کراہت نہیں کہ مکروہ تنزیہی کے لئے بھی دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے چہ جائیکہ تحریمی شامی ص ۶۱۱ جلد نمبر (۱) میں ہے۔ **لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لابد لھا من دلیل** خاص نیز وہیں ہے **لان الکراھۃ حکم شرعی فلابد لہ من دلیل۔**

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔[2045]

[2045] (فتاویٰ نوریہ ج ا ص ۵۰۶ تا ۵۰۹ ناشر دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور)

اعتراض: آپ نے جو ٹوپی کے ثبوت پر دلائل پیش کیے ہیں ان میں ٹوپی کا اثبات تو ہے مگر عمامہ کی نفی کا ذکر نہیں اس لئے ان دلائل سے صرف ٹوپی کا اثبات درست نہیں۔

جواب: یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ ہمارے پیش کردہ دلائل میں صرف ٹوپی کا ثبوت بھی موجود ہے، مختصراً چند دلائل دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

وکان یلبس القلانس تحت العمائم وبغیر عمامة۔

ترجمہ: حضور ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور بغیر عمامہ کے بھی (ٹوپی پہنتے تھے)۔[2046]

کان یلبس القلانس تحت العمائم وبغیر العمائم۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ عمامے کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے۔[2047]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا معاویة عن هشام قال رایت علی ابن الزبیر قلنسوة لها رب کان یستظل بها اذا طاف بالبیت۔

ترجمہ: حضرت ہشام بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو ایک چھجے والی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا بسا اوقات وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت اس کا سایہ کر لیتے تھے۔[2048]

ورفع راسه حتی سقطت قلنسوة رسول اللہ ﷺ او قلنسوة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

ترجمہ: آپ ﷺ نے سر انور اتنا اوپر اٹھایا حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ٹوپی مبارک گر گئی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔[2049]

وکان یلبسها ویلبس تحتها القلنسوة وکان یلبس القلنسوة بغیر عمامة ویلبس العمامة بغیر قلنسوة۔

ترجمہ: آپ ﷺ اس کو (یعنی عمامہ کو) باندھتے تھے اور اس کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی حضور ﷺ بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ بھی زیب تن سر فرماتے تھے۔[2050]

[2046] (اتحاف سادة المتقین کتاب آداب المعیشة واخلاق النبوة ج ۸ ص ۲۵۴۔۲۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2047] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ ص ۴۴۰ رقم الحدیث ۷۱۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادة الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۳۶۵۔۳۶۶ رقم الحدیث ۹۵۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2048] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۲۴۸۵۶ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

[2049] (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳ رقم الحدیث ۱۵۰ مطبوعہ موسسة قرطبة مصر)

[2050] (زاد المعاد فصل فی ملابسه ﷺ ج ۱ ص ۱۳۵ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)، (سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن خالہ قال اتیت النبی ﷺ فی الشتاء فوجدتھم یصلون فی البرانس والاکسیہ وایدیھم فیھا رواہ الطبرانی فی الکبیر وجالہ موثقون۔

ترجمہ: کلیب کے والد اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سردیوں کے موسم میں حاضر ہوا۔ وہ سب ٹوپیاں پہنے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ ان کی چادروں میں تھے۔ اس کو امام طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہے۔[2051]

حدثنا ادم قال حدثنا ابن ابی ذئب عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عن النبی ﷺ وعن الزھری عن سالم عن ابن عمر عن النبی ﷺ ان رجلاً سالہ ما یلبس المحرم؟ فقال لا یلبس القمیص ولا العمامۃ ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوباً مسہ الورس او الزعفران فان لم یجد النعلین فلیلبس الخفین ولیقطعھما حتی یکونا تحت الکعبین۔

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا محرم کیا پہنے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ قمیص نہ پہنے اور عمامہ نہ پہنے اور شلوار نہ پہنے اور نہ ٹوپی پہنے اور نہ ایسا کپڑا پہنے جس کو زعفران یا ورس سے رنگا ہوا ہو پس اگر اس کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو کاٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔[2052]

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما ان رجلا سال رسول اللہ ﷺ ما یلبس المحرم من الثیاب فقال رسول اللہ ﷺ لا تلبسوا القمیص ولا العمائم ولا السراویلات ولا البرانس۔۔۔[2053]

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ٹوپی پہنتے تھے اور ٹوپی پہننے کا رواج عام تھا اس لئے حضور ﷺ نے محرم کے لئے منع فرمایا۔ ان دلائل کے علاوہ اور بہت سے دلائل موجود ہیں اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

عمامہ حضور پر نور سید عالم ﷺ کی سنت متواترہ ہے جس کا تواتر یقیناً حد ضروریات دین تک پہنچا ہے۔[2054]

اس کا انکار کس درجہ اشد واکبر ہو گا اس کا سنت ہونا متواتر ہے اور سنت متواترہ کا استخفاف کفر ہے۔ وجیز کردری پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے: **لَوْ لَمْ یَرَ السُّنَّۃَ حَقًّا کَفَرَ لِأَنَّہُ اسْتِخْفَافٌ۔**[2055]

ترجمہ: اگر کوئی شخص سنت کو حق وسچ نہیں جانتا تو اس نے کفر کیا کیونکہ یہ اس کا استخفاف ہے۔

[2051] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2052] (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۰۹، ج ۲ ص ۸۶۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (مسند احمد ج ۲ ص ۶۳ رقم الحدیث ۵۳۰۸ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

[2053] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۳۴ رقم الحدیث ۱۱۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2054] (فتاویٰ رضویہ جدید ج ۶ ص ۲۰۸ مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاھور)

[2055] البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۳۲۰، رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۷۴۔ النھر الفائق شرح کنز الدقائق۔ ج ۱ ص ۲۰۰،

عمامہ کا باندھنا سنت مستمرہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ عمامہ باندھنا سنت ہے انہوں نے فرمایا ہاں سنت ہے۔ (عینی) ایک حدیث میں آیا ہے کہ عمامہ باندھا کرو عمامہ اسلام کا نشان ہے اور مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔[2056]

(**والصاق البطن بالفخذ للرجال**) اور مردوں کے لئے پیٹ کو رانوں کے ساتھ پیوست کرنا مکروہ ہے کیونکہ مردوں کے لئے پیٹ کو رانوں سے دور رکھنا سنت ہے اور رکوع و سجدے میں پیوست کرنے میں کیفیتِ مسنونہ کا ترک ہے اور قیدِ رجال (مردوں) کے ساتھ عورتوں سے احتراز کیا کیونکہ عورتوں کے لئے پیٹ کو رانوں کے ساتھ پیوست کرنا سنت ہے اس وجہ سے کہ عورتوں کی بناء حال ستر پر ہے اور پیوست کرنے میں ستر ہے۔

(**کذلک بسطھم العضدین**) اور اسی طرح کہنیوں کا زمین پر بچھانا مکروہ ہے کیونکہ کہنیوں اور رانوں کو زمین سے دور رکھنا سنت ہے اور سجدے میں کہنیوں کو بچھانے میں کیفیتِ مسنونہ کا ترک ہے کیونکہ حضرت ابی زر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **نھانی خلیلی عن ثلثۃ النقر کنقر الدیک والاقعاء کاقعاء الکلب والافتراش کافتراش الثعلب**۔ اور قید رجال (مردوں) کے ساتھ عورتوں سے احتراز کیا کہ عورتوں کے لئے کہنیاں بچھانا مستحب ہے اس لئے کہ عورتوں کے حال کی بناء ستر پر ہے۔

(**ونزعھم القمیص**) اور قمیص کا اتارنا مکروہ ہے (**او القلنسوۃ**) اور مردوں کے لئے ایک ہاتھ سے ٹوپی کو اتارنا مکروہ ہے اور قمیص سے مراد ہاتھ کو نکالنا ہے نہ کہ پوری قمیص کو نکالنا کیونکہ پوری قمیص کو نکالنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(**ولبسھم کذالک**) قمیص اور ٹوپی کا پہننا ان دونوں کے نکالنے کی طرح مکروہ ہے (**بعمل یسیر**) تھوڑے عمل کے ساتھ کہ ٹوپی اور قمیص کا ایک ہاتھ کے ساتھ پہننا اور نکالنا ہے ٹوپی میں تو ظاہر ہے لیکن قمیص ایک ہاتھ کے ساتھ نکالنے سے مراد یہ ہے کہ قمیص کا آستین کھلا ہو اور دوسرے ہاتھ کی امداد کے بغیر پہن اور نکال سکتا ہو اور اگر آستین تنگ تھے، بغیر دوسرے ہاتھ کی امداد کے نہیں نکال سکتا تھا تو پھر یہ عملِ کثیر ہو گا۔ ایک ہاتھ سے ہو یا دونوں ہاتھوں سے، اور قمیص پہننے سے مراد ایک ہاتھ آستین میں داخل کرنا ہے نہ کہ قمیص کا پہننا حقیقتاً کیونکہ پوری قمیص کا پہننا نماز کو توڑنے والی ہے۔ اور قید مردوں کے ساتھ عورتوں سے احتراز کیا کیونکہ قمیص کا پہننا اور عورتوں کے لئے کشف ستر کو مستلزم ہے۔ اور کشفِ ستر نماز کا مفسد ہوتا ہے کیونکہ قمیص کا پہننا اور نکالنا اعمالِ نماز میں سے نہیں تو یسیر مکروہ ہوا اور کثیر نماز کا مفسد ہوا۔ عملِ کثیر کی مثال یہ ہے جیسا کہ دونوں ہاتھوں کا عمل ہو اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے

:ان صلوتنا ھذہ لا یصلح فیھا شیء من کلام الناس وانما ھی تسبیح وتھلیل وقراءۃ القرآن۔

[2056] (عینی) (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی ﷺ ص ۸۸ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

ترجمہ: بے شک ہماری وہ نماز جس میں لوگوں کے ساتھ باتیں ہوں وہ درست نہیں اور بے شک نماز وہ ہے جس میں تسبیح و تہلیل اور قرآن کی قرأت ہو۔

قمیص کا پہننا اور نکالنا ان تینوں میں سے نہیں ہے۔

(**وتطویل الامام الصلوۃ علی القدر المروی**) اور امام کی قرأت اور تسبیحاتِ نماز کو لمبا کرنا مکروہ ہے جتنی مقدار قرأت اور تسبیحاتِ رکوع اور سجدے میں حضورِ اقدس ﷺ سے روایت ہے کہ صبح کی نماز میں چالیس، ساٹھ یا سو آیتیں ہیں اور ظہر عصر اور عشاء کی نماز سے کم مقدار کی قرأت ہے اور مغریب کی نماز میں چھوٹی سورتیں ہیں اور تسبیحات پانچ ہیں۔

(**بحیث یثقل علی القوم**) تسبیحات یا قرأت کی جتنی مقدار حضور ﷺ سے روایت ہے ان میں اس طرح طوالت کرنا کہ جس کی وجہ سے مقتدیوں کو تکلیف ہوتی ہو مکروہ ہے اور جتنی مقدار حضور ﷺ سے روایت ہے اسے مقتدیوں کی وجہ سے نہ چھوڑے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: **من ام قوما فلیصل بھم صلوۃ اضعفھم فان فیھم المریض و الکبیر و ذالحاجۃ**۔ یعنی جو کوئی امام ہو تو وہ ان (مقتدیوں) کے ساتھ ضعیف شخص کی نماز پڑھے اس لئے کہ ان میں مریض، بوڑھے اور حاجت والے بھی ہوں گے۔ شیخین (حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ) اور صاحبین (امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ) کے مذہب میں صبح کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں میں دوسری رکعت سے پہلی رکعت کو لمبا نہیں کرنا چاہیئے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کے مذہب میں دوسری رکعت سے پہلی رکعت کو لمبا کرنا بہتر جانتے ہیں، یہ اختلاف حجت اور برہان کا نہیں بلکہ یہ زمانے کا اختلاف ہے کیونکہ خواب و غفلت کی وجہ سے صبح کی نماز میں جمع پانے پر لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے کا سبب (علت) ہے اور لوگوں میں سستی کی وجہ سے اول وقت میں حاضر ہونے کی علت اعانت اب بھی موجود ہے۔

(**وتخفیفہ لھا**) اور امام کا نماز میں جلدی کرنا مکروہ ہے۔ تنزیہاً قدر مستحبہ چھوڑنے کے ساتھ یا تحریماً قدر مسنونہ کے ساتھ چھوڑنے سے (**لعجلتھم**) قوم کی جلدی کے لئے امام قدرِ مستحب پر راغبین کے ساتھ اضافہ نہ کرے اور کمزوروں کے ساتھ قدرِ مسنونہ سے کمی یعنی نقصان نہ کرے لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے قدرِ مسنونہ میں کمی کرے بقدر **مایجوز بہ الصلوۃ** قرأت پڑھے۔ اور جب وقت کی تنگی نہ ہو تو پھر تسبیحاتِ رکوع و سجدہ میں قدرِ مسنونہ ترک کرنا یا تشہد کے بعد ادعیہ ماثورہ ترک کرنا مکروہ ہے۔ البتہ نمازِ تراویح میں قوم پر ثقالت کی وجہ سے ادعیہ ماثورہ چھوڑ سکتا ہے۔ تاکہ قوم کو متنفر کرنے کا سبب نہ بنے۔

(**والقیام خلف صف وجد فیہ فرجۃ**) اس صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے کہ جس میں خالی جگہ موجود ہو اتنی جگہ کہ اس میں ایک آدمی سما سکتا ہو یعنی کھڑا ہو سکتا ہو کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: **ومن وجد فیہ فرجۃ فلیسدہ لان الشیطان یدخل فیہ**۔ یعنی جس شخص نے صف میں خالی جگہ پائی تو وہ اسے پورا کر دے اس لئے کہ اس میں شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

(والجاء الامام)جب امام قرأت میں پھنس جائے تو اس وقت اس (امام) کا مقتدیوں سے طمع کرنا مکروہ ہے (القوم للفتح) مقتدیوں سے فتح (لقمہ) لینے کی نیت سے امام کا خاموش رہنا یا تکرار کرنا مکروہ ہے (اذا قرء ما یجوز به الصلوة) اس وقت جب امام اتنی قرأت پڑھ چکا ہو کہ جس پر نماز ادا ہوتی ہو تو رکوع کرے اور اگر اتنی مقدار میں قرأت نہیں کی تو دوسری آیت کو نقل کر جائے یا پھر مقتدی کو آگے کر دے اگر مقتدی نے فتح کر دی تو فتح دینے والے کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر امام نے فتح لی تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ایسا حکم اس فتح کا ہے کہ امام کا دوسری آیت کو نقل کے بعد ہو نہ فاتح کی نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ ہی امام کی نماز فاسد ہوتی ہے، بناء بر صحیح مفتیٰ به کے قول پر۔ لیکن مقتدی امام کو فتح دینے میں جلدی نہ کرے، اپنے آپ کو اختلاف کی جگہ سے بچانے کی وجہ سے احتیاط اور غیر کا لقمہ دینا امام اور لقمہ دینے والے دونوں کی نماز کو فاسد کرتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الامام ضامن اے صلوة الامام متضمن لصلوة المقتدی صحة وفسادا**۔ یعنی امام ضامن ہے یعنی اگر امام کی نماز صحیح ہو تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہو گی اور اگر امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو گی۔ تو امام کی نماز میں فساد سے مقتدی کی نماز میں بھی فساد لازم ہوتا ہے اور غیر امام میں فاتح کے نماز کی اصلاح نہیں ہے کیونکہ نماز فاتح کے لئے غیر متضمن نہیں ہے اور جب فاتح فتح دیتا ہے تو فتح دینے کی نیت کرے قرأت کی نیت نہ کرے تاکہ قرأت خلف الامام لازم نہ ہو جائے کہ وہ منہی عنہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **مالی انازع فی القرآن فقالوا اما المنازعة فی القرأن یا رسول الله (ﷺ) فقال ﷺ القراءة خلف الامام**۔ یعنی قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) قرآن مجید میں کیا جھگڑا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا۔

(وجهر القراءة فی نوافل النهار) اور دن کی نوافل میں قرأت کو جہر کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، کیونہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **صلوة النهار عجماء ای لیست فیها قراءة مسموعة**۔ یعنی دن کی نماز میں خفی ہے یعنی ان میں جہر کے ساتھ قرأت نہیں۔ اور قیدِ نہار کے ساتھ رات کی نوافل سے احتراز کیا کیونکہ رات کی نوافل میں جہر بہتر ہے لیکن جہر نفل جہرِ فرض سے کم ہے۔

(وقراءة الامام اٰیة لسجدة فیما یخافت) اور امام کا اس نماز میں آیت سجدہ کو پڑھنا مکروہ ہے کہ جس نماز میں خفی طریقے سے قرأت پڑھی جاتی ہو جیسا کہ ظہر اور عصر کی نماز ہے۔ کیونکہ جب امام سجدہ سہو کرے گا تو لوگوں میں شک وشبہ پیدا ہو جائے گا کہ امام سہو ہو گیا ہو گا اور اگر امام سجدہ تلاوت نہیں کرتا تو امام اور مقتدیوں کے ذمہ واجب باقی رہ جائے گا۔ (الا الی اٰخر سورة) مگر آیت سجدہ سورت کے آخر میں رکوع کے ساتھ متصل پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ یہ رکوع میں چلا جائے گا تو یہ رکوع سجدہ اور رکوع دونوں کی جگہ قائم ہو جائے گا۔ اور مقتدیوں میں شک وشبہ پیدا نہیں ہو گا۔ سورۃ کو پڑھ لینا اور آیتِ سجدہ کو ترک کر لینا بھی مکروہ ہے کیونکہ آیتِ سجدہ کو چھوڑنا نفرت اور بھاگنے کے ساتھ مشابہ ہے اور یہ مؤمنوں کا اخلاق نہیں۔ تو حقیقت استنکاف کفر ہے اور اس کی تشبیہ مکروہ ہوئی۔ اور آیتِ سجدہ کو پڑھ کر باقی سورت کو چھوڑ دینا مستحب ہے۔ کیونکہ اس میں سجدہ کے لئے جلدی جانا ہے اور امر استحبابی ہے۔

(وتکرار الاٰیۃ سروراً او حزناً فی الفرائض) فرض اور واجب نماز میں کسی آیات کو سرور اور پریشانی کے لئے بار بار پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ رحمت اور عذاب کی آیات ہیں، (بلا عذرٍ) عذر کے بغیر اور عذر کے ساتھ مکروہ نہیں ہے۔ عذر کی مثال جیسا کہ نسیان یا اگلی آیت کا یاد نہ ہونا اور اگر خوشی اور پریشانی کے ساتھ تھی تو عذر ہوتا ہے کیونکہ عذر مطلقاً ایک چیز کو جائز کرنے والا ہے اور مباح میں اکتفا کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔ اور آیات کا تکرار خوشی اور پریشانی کے لئے یاد کرنے کے ارادے سے نہیں ہوتا بلکہ یاد کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ گو کہ اس کے یاد کرنے سے پریشانی اور خوشی بھی ہوتی ہے اور فرائض کے ارادے کے ساتھ نوافل سے احتراز کیا کیونکہ نوافل میں تکرار مکروہ نہیں ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: (الا فی النوافل و السنن مطلقاً) مگر نوافل اور سنتوں میں تکرار مکروہ نہیں ہے، مطلقاً۔ عذر کے ساتھ ہو یا بغیر عذر کے ہو۔ مابعد یاد کرنے کے ساتھ ہو یا مابعد یاد کرنے کے بغیر ہو۔ امام ہو یا منفرد، کیونکہ علماء حق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کیونکہ یہ لوگ رحمت یا عذاب کی آیات کے تکرار کو امید اور روزِ قیامت کے ڈر کی وجہ سے محبوب سمجھتے ہیں۔

(وتکرار السورۃ فی رکعۃ واحدۃ) اور ایک رکعت میں سورت کا تکرار کرنا مکروہ ہے۔ رکعتین سے احتراز کیا کیونکہ رکعتین میں تکرار مکروہ نہیں ہے (فی الفرائض) فرض نمازوں میں نفل سے احتراز کیا کیونکہ نفل کی ایک رکعت میں تکرار مکروہ نہیں ہے، (بلا عذرٍ) عذر کے بغیر کیونکہ فرض کی بناء تنگی پر ہے اور تنگی تکرار کا تقاضا نہیں کرتی، اور قیدِ عذر کے ساتھ حالتِ عذر سے احتراز کیا، کیونکہ سورۃ کا تکرار حالتِ عذر میں مکروہ نہیں ہے۔ مثال عذر کی جیسا کہ سورت کے آخر میں نسیان ہوا۔

(و اداء الصلوۃ رافعاً کمیہ الی المرفقین للرجال) اور مردوں کے لئے ایسے حال میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ دونوں آستینوں کو کہنیوں تک اٹھایا ہو، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: اذا سجد المؤمن سجد معہ کل عضو منہ (جب مؤمن سجدہ کرتا ہے تو اس کے سب اعضاء اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں)۔ اور آستینوں کے اٹھانے میں استنکاف کے ساتھ سجدہ سے مشابہت ہے اور قید رجال (مردوں) کے ساتھ عورتوں سے احتراز کیا کیونکہ آستین کے اٹھانے سے اعضاء مستورہ کے کشف کی وجہ سے عورتوں کی نماز ٹوٹتی ہے، بشرطیکہ آزاد عورت ہو نہ کہ باندی۔

(وقول المقتدی عند اٰیۃ الترغیب او الترھیب صدق اللہ تعالیٰ و بلغت رسلہ) اور آیاتِ ترغیب یا اٰیتِ ترہیب کے وقت مقتدی کا یہ کہنا سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (اس کے احکام کو) اس کے رسولوں نے (ہم تک) پہنچایا۔ صالح لوگوں کے لئے آیتِ ترغیب جیسا یہ قولِ خداوندی ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا (النساء ۵۷)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے وہاں ستھری بیبیاں ہیں اور ہم انہیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہو گا۔

یاامام کا کفار کے حق میں آیتِ عذاب پڑھنے کے وقت جیسا کہ یہ قولِ خداوندی ہے:

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ زدنٰھم عذاباً فوق العذاب بما کانوا یفسدون۔

ترجمہ: جنہوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا ہم نے عذاب پر عذاب بڑھایا بدلہ انکے فساد کا۔

یامنافقین کے حق میں آگ کے عذاب سے ڈرانے کیوجہ سے جیسا کہ یہ قول خداوندی ہے:

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔

ترجمہ: بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لئے اپنے وعدوں میں اور کفار کے لئے قیامت کے دن وعید میں سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اس کے بندوں تک پہنچایا اور ان احکامات کو پہنچانے میں خوف کی وجہ سے بندوں کا نقصان نہیں کیا۔

فان قیل۔ کہ مقتدی کا نصِ قطعی کے ساتھ خاموش رہنا فرض تھا اور خاموش رہنے کے لئے مقتدی کا یہ قول مخل ہے اور ہر وہ چیز جو فرض کو نقصان پہنچاتی ہو وہ حرام ہے تو مقتدی کا یہ قول حرام ہونا چاہیئے۔

قلنا۔ کہ آیتِ ترغیب یا آیتِ ترہیب کے آخر میں مقتدی سکوتِ امام کے وقت اتنی فراخی پالیتا کہ وہ لمبا وقفہ ہوتا ہے تو اس صورت میں مقتدی کا خاموش ہونا فوت نہیں ہوتا۔ کیونکہ انصات کے فوت ہونے کا خوف ثابت ہے تو مقتدی کا یہ قول کہ **صدق اللہ تعالیٰ و بلغت رسلہ** مکروہ ہوا۔

(**والاعتماد بحائط او اسطوانۃ بلاعذر**) اور ایک ہاتھ کی ہتھیلی سے کسی عذر کے بغیر دیوار یا ستون پر تکیہ کرنا مکروہ ہے اور دونوں ہاتھوں کے ساتھ تکیہ کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، عذر کی مثال جیسا کہ ضعف یا کوئی مرض ہوا۔ بغیر عذر کے ساتھ حالتِ عذر سے احتراز کیا کہ عذر کی حالت میں تکیہ مکروہ نہیں ہے بلکہ مباح ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے ضعف کی حالت میں دونوں ہاتھوں مبارک پر تکیہ کیا تھا اور جب آپ ﷺ ضعف کی حالت میں نہ ہوتے تو آپ ﷺ قدموں کے سینوں پر بیٹھے بغیر کھڑے ہوتے تھے۔

(**فی غیر النوافل**) غیر نوافل میں کہ فرائض، واجبات اور سنتِ موکدہ ہیں۔ نوافل سے احتراز کیا کیونکہ نوافل میں تکیہ کرنا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ نفل کی بناء توسیع پر ہے۔

ملحقات

(**والتربع**) اور تربع کرنا یعنی چار زانوں بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو چار زانوں بیٹھنے سے منع کیا تھا۔

(بلاعذرٍ) عذر کے بغیر، عذر سے احتراز کیا کیونکہ عذر کی حالت میں تربع کرنا مکروہ نہیں ہے۔ لان النبی ﷺ کان یتربع فی بعض احوالہ وھو الضعف والمرض وعامۃ جلوس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی المسجد النبوی التربع۔ (حضور نبی کریم ﷺ ضعف اور بیماری کی حالات میں چار زانوں بیٹھتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں چار زانو بیٹھتے تھے یا پھر نماز پڑھتے تھے)

(وان یصلی علی حذاء الصورۃ) اور تصویر کی برابر میں عبادت کرنے والے بت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے: انا لا ندخل بیتا فیہ صورۃ او کلب (ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو)۔ جیسا کہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان جبرائیل استاذن عن رسول اللہ ﷺ فقال لہ کیف ادخل بیتاً فیہ تماثیل حیوان او رجال اما ان تقطع رأسھا او تجعل بساطاً توطأ وقال انا معاشر الملئکۃ لا ندخل بیتاً فیہ کلب او صورۃ غیر مقطع رأسھا۔ (حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے اجازت مانگی کہ میں اس گھر میں کس طرح داخل ہوں جس میں حیوانوں یا انسانوں کی تصاویر ہوں لیکن اس صورت میں کہ ان کے سر قطع ہوں یا ان سے فرش بنا ہوا ہو اور لوگ ان پر چلتے ہوں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم فرشتوں کی جماعت اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو، اور ان کا سر کٹا ہوا نہ ہو۔

ایک ضروری تنبیہ

تصاویر کی حرمت اسلام میں ہجرتِ مدینہ کے بعد ہوئی

تصاویر سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو معلوم کرنے سے پہلے یہ معلوم کرلینا مناسب ہے کہ تصاویر کی حرمت شریعتِ اسلامیہ محمدیہ کا مخصوص حکم ہے، پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں تصاویر ممنوع نہیں تھیں، جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں ان کے حکم سے جنات کا تصاویر بنانا مذکور ہے:

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا ۱۳) اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں اے داؤد والو شکر کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔

اور ہجرت سے پہلے شریعتِ اسلام میں تصاویر کی حُرمت کا ثبوت نہیں ملتا، ہجرت کے بعد احکامِ حُرمت آئے ہیں۔ (کما ذکرہ فی فتح الباری ومرقاۃ شرح المشکوٰۃ) ان احکام کی تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں۔

فوٹو گرافر کو ہر فوٹو کھینچنے پر علیحدہ عذاب

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفسٌ فیعذبہ فی جھنم قال ابن عباس فان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر و مالا روح فیہ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر تصویر کش دوزخ میں جائے گا۔ اس کی ہر تصویر کے بدلے ایک شخص بنایا جائے گا جس کو اس نے بنایا اور وہ شخص اس مصور کو دوزخ میں عذاب دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اگر تم نے تصویر بنانی ہی ہے تو درختوں اور غیر ذی روح (بے جان چیزوں) کی بناؤ۔ یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔[2057]

تشریح: کل مصور: ہر تصویر بنانے والا۔

یجعل: مجہول کا صیغہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں اس کو فعل معلوم کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ **ای یجعل اللہ۔** معلوم صیغہ کی بناء پر "نفس" کو نصب دینا تو ظاہر ہے۔

البتہ مجہول کے صیغہ کے ساتھ المصابیح کے بعض نسخوں میں ہے جو کہ جامع صغیر کی روایت کے مطابق ہے اور "**نفس**" بالرفع تو ظاہر ہے۔

اکثر مجہول کے صیغہ کے ساتھ "نفساً" منصوب بھی ہے جو کہ جامع الاصول کی روایت کے مطابق ہے اور اکثر مصابیح کے نسخوں کے مطابق ہے، لیکن مشکل ہے۔ مگر اس کی توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس کی اسناد جار مجرور کی طرف ہے۔

فتعذبہ: یہ صیغہ تانیث کے ساتھ ہے۔ ای تعذب تلک النفس اور فعل کی اسناد اس کی طرف مجازاً ہے۔ کیونکہ یہی اس کا سبب اور اس کی تعذیب کا باعث ہے اور بعض نسخوں میں بصیغہ تذکیر ہے۔

ای فیعذبہ اللہ اور ایک نسخہ میں "**فیعذب بہ**" مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ **ای بسبب تصویر تلک النفس۔**

فی جھنم: علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہاں تک روایت کو احمد و مسلم نے ذکر کیا ہے۔ **قولہ: قال ابن عباس: فان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر و مالا روح فیہ:** خطاب اس کو ہے جس کا ذکر باب کی فصل ثالث کے آغاز میں آئے گا۔

[2057] (أخرجه البخاری فی صحیحه ۴/۴۱۶ الحدیث رقم ۲۲۲۵، ومسلم فی ۳/۱۶۷۰ الحدیث رقم (۹۹-۲۱۱۰)، وأحمد فی المسند ۱/۳۰۸)

قولہ: متفق علیہ: اور ممکن ہے کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ بھی اس طرح ہوں، تو معنیٰ میں یہ حدیث "**متفق علیہ**" کے قبیل سے ہوگی۔ لہٰذا یہ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس اقتصار کے منافی نہیں جو انہوں نے اختیار کیا ہے کہ اس کو صرف بحوالہ مسلم ذکر کیا ہے۔ **فتأمل۔**[2058]

من صوّر صورۃ عُذِّبَ و کُلِّفَ ان ینفخ فیھا ولیس بنافخ یعنی جو کوئی تصویر بنائے گا تو اس کو عذاب دیا جائے گا اور اسے اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے۔ وہ ڈال نہ سکے گا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔[2059]

تشریح: قولہ: ومن صور صورۃً: یعنی ذی روح کی تصویر بنائی، یا مطلق کوئی صورت بنائی۔ اور ذی روح کی تصویر کے بارے میں اس کو تغلیظاً حکم دیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے۔ **ان ینفخ:** ایک روایت میں **الروح** کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس کی نظیر "**من تحلم**" ہے۔

احمد رحمہ اللہ تعالیٰ شیخین رحمہ اللہ تعالیٰ اور نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح روایت کیا ہے: **من صور صورۃ فی الدنیا کلف ان ینفخ فیھا الروح یوم القیامۃ ولیس بنافخ۔**[2060]

قال رسول اللہ ﷺ کل مصور فی النار یجعل اللہ بکل صورۃ صورھا نفسا فتعذبہ فی جھنم۔

ہر فوٹو گرافر جہنم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی تھی ایک مخلوق پیدا کرے گا کہ وہ اسے دوزخ میں عذاب دے۔[2061]

مسلمان بھائی! ہوش کر! یہ قول حضور سرورِ کائنات ﷺ کا ہے مگر فی الحقیقت یہ قول اللہ کا ہے، یہ ذہن میں بٹھا کر سچے دل سے سن۔

فوٹو گرافر اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر رہے ہیں

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّ الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ، یقال لھم: احیوا ما خلقتم۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ تصاویر بناتے ہیں قیامت کے روز ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو۔[2062]

دوزخ میں سب سے بڑا گناہ فوٹو گرافر کو ہوگا

[2058] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۲۴-۵۲۳)

[2059] (أخرجہ البخاری فی صحیحہ ۱۲/۴۲۷ الحدیث رقم ۳۹۱۶، أبو داؤد فی السنن ۴/۲۸۵ الحدیث رقم ۵۰۲۴، والترمذی فی السنن ۴/۲۰۳ الحدیث رقم ۱۷۵۱)

[2060] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۲۶-۵۲۵)

[2061] (بخاری مسلم)

[2062] (صحیح بخاری باب عذاب المصورین ج ۲ ص ۸۸۰، قدیمی کتب خانہ)

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان من أشد الناس عذاباً یوم القیامۃ المصورون۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو دیا جائے گا۔[2063]

وعن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اشدّ الناس عذاباً عند اللہ المصوّرون۔
(متفق علیہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں جن کو سب سے سخت عذاب دیا جائے گا وہ تصویر بنانے والے ہیں۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔[2064]

تشریح: **اشد الناس عذابا عند اللہ المصوّرون:** بعض نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ اس کو تہدید پر محمول کیا جائے کیونکہ "**عند اللہ**" سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ اس طرح ہونے کے مستحق ہیں، اگرچہ یہ محل عفو ہے۔

علامہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جو عبادت کے لئے بنائی گئی ہو، کہ اس کے لئے سخت ترین عذاب ہو گا کیونکہ وہ کافر ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے کہ جو اس کو اللہ تعالیٰ کی خلقت کی مشابہت کے ارادہ سے کرے اور اس کا اعتقاد رکھے تو وہ بھی کافر ہے اور اس کا عذاب سخت ہو گا۔ البتہ جو اس ارادے سے اس کو نہ بنائے تو وہ فاسق ہے۔ وہ کافر نہیں ہو گا، جیسا کہ دوسرے گناہ ہوتے ہیں۔

البتہ جن چیزوں میں روح نہیں ہے مثلاً درخت وغیرہ تو اس کی تصویر بنانا کوئی حرام فعل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کمائی حرام ہے۔ یہ علماء کا مذہب مختار ہے سوائے مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے کہ انہوں نے پھل دار درخت کی تصویر کو بھی مکروہ قرار دیا ہے اور (مجاہد نے) اس حدیث سے استدلال کیا ہے: "**ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی**" کہ اس میں آپ ﷺ نے ذرۃ کا ذکر کیا ہے جو کہ ذی روح ہے اور حنطہ و شعیر کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں جمادات میں سے ہیں اور اس پر سخت وعید سنائی ہے۔ اس طور پر کہ جملہ استفہام انکاری کے طور پر ہے اور ظلم کو تفضیل کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ ان کا استدلال بالکل ظاہر و جلی ہے۔ اور فرمایا کہ جمہور علماء کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، **احیوا ما خلقتم**۔ میں کہتا ہوں ان کی دلیل یہ قول بھی ہے: "**لیخلقوا حبۃ**"۔ اور فرمایا خلق اللہ کے ساتھ مشابہت ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ علت مشترک ہے۔ (امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اس کی تائید حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ہوتی ہے: "**ان کنت لا بد فاعلاً فاصنع الشجر وما لا نفس لہ**" میں کہتا ہوں کہ اس کے

[2063] (صحیح بخاری، وصحیح مسلم، المسوعۃ الفقھیہ ۶: ۱۳۴، فتح الباری ۱۰:۳۸۲)

[2064] (أخرجہ البخاری فی صحیحہ ۱۰/۳۸۲ الحدیث رقم ۵۹۵۰، ومسلم فی ۳/۱۶۷۰ الحدیث رقم ۲۱۰۹-۹۸، والنسائی فی السنن ۸/۱۱۶ الحدیث رقم ۵۳۶۴)

باوجود کہ یہ مذہب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں ان کی رائے ہونے کا احتمال بھی ہے۔ لہٰذا اس کو ضرورۃً جواز فعل پر محمول کیا جائے گا اور اس کا ارتکاب "کراھۃ دون کراھۃ" پر محمول ہو گا کیونکہ ضروریات محظورات کو مباح کر دیتی ہیں۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالنیات)

اور اس کی نظیر حدیث مرفوع میں یہ وارد ہے: "ان کنت لابد سائلا فاسأل الصالحین" جیسا کہ اس کو ابو داؤد و نسائی نے الفراسی سے روایت کیا ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "مصور" اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو حیوانات کی شکلیں بناتا ہے اور وہ شخص جو درختوں کی شکلوں کا نقش لیتا ہو اور اس پر تداویر و خواتیم اور ان جیسے عمل کرتا ہو تو میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ اگرچہ من جملہ مکروہ ہے اور یہ لغو کام میں داخل ہے، اور اشتغال بما لا یعنی ہے اور یہ جو تصویر میں اس قدر سخت عقوبت ہے سو اس لئے ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔

میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ جمہور نے ذی روح کی جو تخصیص کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں (یعنی ذی روح) کی خلقت کی نسبت مخلوق کی طرف جائز نہیں ہے نہ ہی حقیقۃً اور نہ ہی مجازاً۔ برخلاف باقی نباتات اور جمادات کے، کہ بسا اوقات اس کے فعل کو مجازاً لوگوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: "انبت فلان ھذا الشجر، وصنع فلان ھذہ السفینۃ" اور ہر وہ چیز کہ جس کی عبادت کی جاتی ہو اگرچہ وہ جمادات میں سے ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ سورج اور چاند وغیرہ تو اس کی تصویر حرام ہونی چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

اشرف کہتا ہے کہ اس حدیث میں مشہور روایت رفع کے ساتھ ہے۔ ای "ان من اشد الناس عذاباً المصورون" اسی طرح ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرح میں ذکر کی ہے اور رفع سے اعتذار کیا ہے۔ چنانچہ امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ "من" زائدہ ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ضمیر شان مقدر ہے۔ أی انہ من أشد الناس عذابا المصورون۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں بہت ساری روایات ذکر کی ہیں ان میں لفظ "ان" نہیں ہے۔ البتہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں "اشد الناس عذابا" بغیر "من" کے ہے اور جامع الصغیر میں ہے: "ان اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ المصورون" امام احمد اور مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "ان" کے ساتھ بغیر "من" کے روایت کیا ہے۔ شاید اشرف کی مراد شہرۃ سے علماء عربیت کے ہاں شہرت ہے اور شاید بعض نسخوں میں ان حضرات نے اس طرح پایا ہو۔

بعض محدثین کرام نے اس حدیث کی تاویل میں یہ معنی بیان کیا ہے کہ "ان من اشد الناس" ترکیب لفظی کی رعایت کے بغیر انہوں نے اس طرح نقل کیا ہے اور حدیث میں اندراج کر دیا ہے۔

حاصل یہ کہ غیر اہل کے ہاں اس کی شہرت اور عدم شہرت کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کیسے سید سند اور سعد اسعد کے درمیان اس حدیث کے معنیٰ میں تنازع ہوا: "**حب الهرة من الايمان**"۔ یہ حدیث باتفاق حفاظ حدیث موضوع ہے اور اسی لئے شیخ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**المقاصد الحسنة فی الاحادیث المشتهرة علی الالسنة**" تصنیف فرمائی اور اس کا خلاصہ ان کے شاگرد ابن الدیبع نے کیا ہے۔[2065]

عن مسلم قال: کنا مع مسروق فی دار یسار بن نمیر فرأی فی صفته تماثیل فقال: سمعت عبد الله قال: سمعت النبی ﷺ یقول: ان أشد الناس عذاباً یوم القیامة المصوّرون۔ مسلم سے روایت ہے کہ ہم مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یسار بن نمیر کے گھر میں تھے، مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چبوترہ میں کچھ تصاویر دیکھیں تو فرمایا کہ میں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔[2066]

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس تصویر کے متعلق مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ تھی کہ یہ کسریٰ کی تصویر ہے اور مسلم کا خیال یہ تھا کہ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر ہے، حضرت مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مجوسی کی بنائی ہوئی تصویر سمجھا اور مسلم نے کسی نصرانی کی (فتح الباری)۔

اس حدیث میں مصوّروں کے لئے "**اشد العذاب**" کا ذکر اس آیت کے منافی نہیں جس میں آلِ فرعون کو **اشد العذاب** میں داخل کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ مراد عذابِ اشد میں داخل ہونا ہے، اس میں مصوّر بھی ہوسکتے ہیں آلِ فرعون بھی اور دوسرے مجرم بھی جیسا کہ حافظ نے طحاوی کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے: "**أشد الناس عذاباً یوم القیامة رجل هجا رجلا فهجا القبیلة باسرها۔**" مراد یہی ہے کہ ایسا کرنے والا عذابِ اشد میں آلِ فرعون وغیرہ کا شریک ہوگا۔[2067]

قال علیه السلام ان اشد اهل النار عذابا یوم القیمة من قتل نبیا او قتله نبی او امام جائر وهؤلآء المصورون۔ یعنی قیامت میں دوزخیوں میں زیادہ سخت عذاب اس پر ہے جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا کسی نبی نے اسے (جہاد میں) قتل کیا یا ظالم بادشاہ یا فوٹو گرافر۔[2068]

[2065] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۲۳-۵۲۱)

[2066] (بخاری مع فتح الباری کتاب اللباس ج۱۰ ص ۳۱۴)

[2067] (فتح الباری ج۱۰ ص ۳۱۵)

[2068] (بیهقی فی شعب الایمان ۶/۱۹۷ الحدیث رقم ۷۸۸۸)

تشریح: قولہ: ''ان اشد الناس عذابا یوم القیامة'' قولہ: أو قتلہ نبی: یہ ''فی سبیل اللہ'' کی قید کے ساتھ مقید ہے اس تقیید کی تائید ایک اور روایت سے ہوتی ہے: ''یشتد غضب اللہ علی رجل یقتلہ رسول اللہ'' امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کی قید اصل میں احتراز ہے اس سے جس کو کوئی نبی حد یا قصاص میں قتل کرے۔ کیونکہ جس کو اللہ کے واسطے نبی قتل کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص نبی کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا۔ اھ۔

البتہ اس پر غلام خضر کی وجہ سے اشکال پڑ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ صحیح قول کے مطابق نبی تھے۔ لیکن یہ اشکال ''فی سبیل اللہ'' کی قید سے رفع ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے اس کو ایک حکمت کی وجہ سے قتل کیا تھا جس کا ذکر اپنے موقع محل میں ہو چکا ہے۔ أو قتل أحد والدیہ یہاں ''او'' تنویع کے لئے ہے۔ والمصورون: اس کا عطف ''من قتل'' کے محل پر ہے اور اسی طرح ''وعالم لم ینتفع بعلمہ'' بے عمل عالم کو عذاب اس کی اپنی بے عملی کی وجہ سے ہو گا۔[2069]

سب سے بڑا ظالم فوٹو گرافر ہے

قال أبو زرعة: دخلت مع أبی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی دار مروان فرأی فیہا التصاویر فقال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: قال اللہ عزّ وجلّ: ومن أظلم ممن ذہب یخلق خلقاً کخلقی فلیخلقوا ذرّة ولیخلقوا حبّة أو لیخلقوا شعیرة۔

حضرت ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مروان کے گھر میں داخل ہوا، انہوں نے اس گھر میں تصاویر دیکھیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو میرے پیدا کرنے کی طرح پیدا کرتا ہے پس اس کو تو چاہیئے کہ وہ ذرہ پیدا کر کے دکھائے اور دانہ پیدا کر کے دکھائے اور جَو پیدا کر کے دکھائے۔[2070]

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تصویریں بنانے والے کو اپنی پاک ذات سے مقابلہ کرنے والا گردانتا ہے، گویا اس کام کو اللہ تعالیٰ نے شرک کہا ہے۔

روایاتِ مذکورہ میں تصویر بنانے والوں کو قیامت میں سخت عذاب ہونے کا بیان ہے اور اس ضمن میں تصاویر کے استعمال کی ممانعت اور برائی کا بھی بیان ہو گیا، کیونکہ جن حالات میں یہ ارشادات آئے ہیں وہ عموماً اس کے ہیں کہ کسی کے مکان یا کپڑے وغیرہ میں

[2069] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۳۶-۵۳۵)

[2070] (صحیح بخاری، باب نقض الصور، مسلم)

تصویر دیکھی تو اس پر مصوّروں کے عذاب کا ذکر فرمایا، جس میں اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ یہ عذاب کی چیز اپنے گھروں میں اور استعمال میں رکھنا بھی درست نہیں، جیسا کہ یہ مضمون صراحۃً بھی متعدد احادیث میں آگے آرہا ہے۔

ایک تیسری چیز ان روایات میں یہ بھی ہے کہ تصویر سازی یا تصویر کے استعمال کو شریعتِ اسلام نے کیوں حرام قرار دیا؟ اس کی بہت سی وجوہ میں سے ایک وجہ کا بیان ان روایات میں یہ ہے کہ تصویر اور تخلیق اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کی خاص صفات ہیں، جن میں کوئی غیر اللہ شریک نہیں ہو سکتا، حق تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ میں سے ایک خالق اور مصوّر بھی ہے، اور اس پر پوری اُمّت کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں اسم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں، غیر اللہ پر ان الفاظ کا اطلاق بھی جائز نہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: **هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر ۲۴)** اس میں خالق اور مصور ہونے کی صفت حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص صفت قرار دی گئی ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شریک نہیں ہو سکتا، تو جس شخص نے کسی جاندار کی تصویر بنائی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق و تصویر میں مداخلت اور شرکت کا عملی دعویٰ کیا، اسی لئے حدیث میں اس کا عذاب یہ ذکر فرمایا کہ قیامت کے روز تصویر سازوں سے کہا جائے گا کہ تم نے ہماری صفتِ تخلیق و تصویر کی نقالی کر کے عملی طور پر خالق ور مصور ہونے کا دعویٰ کیا ہے، تو اب تم اس دعویٰ کو پورا کر کے دکھاؤ کہ ان میں روح بھی ڈالو، اور یہ ظاہر ہے کہ کسی بے جان میں جان ڈالنا نہ دنیا میں کسی کی قدرت ہے نہ آخرت میں ہو گی، اس لئے وہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان نہ ڈال سکیں گے تو ان پر عذاب ہو گا۔

سب سے بڑا ظالم فوٹو گرافر!

وعن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول: قال الله تعالیٰ ومن أظلم ممن ذهب یخلق خلقاً کخلقی فلیخلقوا ذرّة ولیخلقوا حبّة أو شعیرة۔ ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ شخص سب سے بڑا ظالم ہے جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرتا ہے پس اسے چاہیئے کہ وہ ایک چیونٹی یا دانہ یا جو پیدا کرے۔[2071]

یعنی میں نے جس طرح صورت بنائی اسی طرح کی صورت بنائے۔ یہ درحقیقت پیدا کرنا تو نہیں جس مواد سے اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ یہ صورت بنا کر یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے بنایا ہے۔ اگر یہاں دعویٰ پیدا کرنے کا رکھے تو اسے چاہیئے کہ وہ ایک چیونٹی یا دانہ یا جو پیدا کرے۔

قوله: من اظلم: ای لا أحد أظلم "ذهب": (فعل شروع کے معنی میں ہے) أی ارادو طفق و شرع۔

[2071] (أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۸۵ الحدیث رقم ۵۹۵۳، ومسلم فی ۳/۱۶۷۱ الحدیث رقم ۱۱۱-۱۰۱، وأحمد فی المسند ۲/۲۳۲)

"فلیخلقوا": (اس سے پہلے شرط محذوف ہے۔ ای **فان زعموا ذلک فلیخلقوا**۔ یہ امر برائے تعجیز ہے۔

ذرۃ: چھوٹی چیونٹی یا ہوا میں غبار بنادے یا ان جیسی ایسی کوئی چیز جس کو میں نے بغیر اسباب کے پیدا کیا ہے کوئی اور چیز۔

او یخلقوا: یہاں پر "او" تنویع کیلئے ہے اور اس میں تردید کا بھی احتمال ہے۔

حبۃ او شعیرۃ: "حبہ" سے اشارہ عام دانہ کی طرف اور "شعیرۃ" سے خاص دانہ کی طرف اشارہ ہے۔ تو اس صورت میں "او" تقسیم کیلئے ہو گا۔

الجامع الصغیر میں ہے: **"قال اللہ تعالیٰ: و من اظلم ممن ذھب یخلق خلقا کخلقی فلیخلقوا حبۃ او یخلقوا ذرۃ او لیخلقوا شعیرۃ" رواہ احمد رحمہ اللہ تعالیٰ، و الشیخان رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔**[2072]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ سفر سے تشریف فرما ہوئے تھے میں نے ایک دروازہ پر تصویر دار پردہ لٹکا دیا۔ جب حضور اقدس ﷺ واپس تشریف لائے، اس کے ملاحظہ سے چہرہ انور کا رنگ بدل گیا۔ اندر تشریف نہ لائے۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں میں نے عرض کی۔ **یا رسول اللہ! اتوب الی اللہ و الی رسولہ ما ذا اذنبت۔** یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف توبہ کرتی ہوں، مجھ سے کیا خطا ہوئی۔ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: **ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیمۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم۔** بے شک یہ فوٹو گرافروں کو قیامت کے دن عذاب ہو گا (ان سے کہا جائے گا) کہ جو تم نے بنایا ہے اسے زندہ کرو۔[2073]

اے مسلمان بھائی! حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بے خبری کی بنا پر تصویر دار پردہ لٹکائے رکھا تھا اور وہ بھی صرف ایک بار۔ تم معلوم ہونے کے باوجود بار بار یہ گناہ کرتے ہو۔ تم خود سوچ لو کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کا کتنا غیظ و غضب ہو گا۔ یہ تم خود اپنے دل سے پوچھو کہ تم ان کی شفاعت کے امیدوار ہو یا نہیں؟

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: قدم رسول اللہ ﷺ من سفر و قد سترت سھوۃ لی بقرام فیہ تماثیل فلما راہ رسول اللہ ﷺ ھتکہ و قال: أشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھؤن بخلق اللہ، قالت: فقطعناہ فجعلناہ وسادۃ او وسادتین۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ سفر سے تشریف لائے، میں نے روشندان پر ایک باریک پردہ ڈال دیا تھا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ جب حضورِ اقدس ﷺ نے اس پردے کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا کہ قیامت کے

[2072] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۲۱)

[2073] (بخاری ص ۸۸۱، مسلم)

دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے عمل پیدائش کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے وہ پردہ کاٹ دیا اور اس سے ایک یا دو تکیے بنالئے۔[2074]

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قال: قدم النبی ﷺ من سفر وعلقت درنوکا فیه تماثیل فأمرنی ان انزعه، فنزعته۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے تو میں نے ایک چھوٹا کپڑا (دیوار پر) لٹکایا ہوا تھا جس میں تصاویر تھیں، آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کو ہٹادوں، تو میں نے اسے ہٹادیا۔[2075]

تشریح: درنوک: بضمِ دال ایسے سوتی کپڑے کو کہا جاتا ہے جو فرش کے طور پر بچھایا جاسکے اور کبھی اس کو پردے کی طرح بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں اس حدیث کے اندر تصاویر کے ذکر کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ تصاویر ایسے گھوڑوں کی تھیں جن کے پَر لگے ہوئے تھے۔[2076]

وعنها انها کانت قد اتخذت علی سهوة لها ستراً فیه تماثیل فهتکه النبی ﷺ فاتخذت منه نمرقتین فکانتا فی البیت یجلس علیها۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی خاص بیٹھنے کی جگہ پر پردہ لٹکایا جس پر تصاویر تھیں تو آپ ﷺ نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے دو تکئے بنالئے وہ دونوں گھر میں تھے، آپ ﷺ ان پر بیٹھتے تھے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: **سهوة**: سین مہملہ کے فتحہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ دو گھروں کے درمیان کی کھڑکی کو کہتے ہیں۔ (**ذکرہ فی شرح السنه**) اور الفائق میں ہے کہ گھر کے سامنے ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ رف یا طاق کے مشابہ ہوتا ہے جس میں چیزیں رکھی جاتی ہیں اور شاید اسی وجہ سے اسے "سہوۃ" کہا ہے کیونکہ یہ اپنے صغر و خفا کی وجہ سے نظروں سے غافل رہتا ہے۔ یہ **لها** (اس کا متعلق محذوف ہے) **ای کائنة لعائشة مختصة بها فیه تماثیل**: یہ "تمثال" کی جمع ہے۔ تمثال "شیئی مصور" کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حیوان کی تصویر ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یعنی اس کو کاٹ دیا اور اس میں موجود تصویر کو تلف کر دیا۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے

[2074] (صحیح بخاری، باب ما وطئی من التصاویر)

[2075] (بخاری مع فتح الباری ۱۰:۳۱۸)

[2076] (فتح الباری)

ہیں کہ پھر اس حدیث اور سابق حدیث کے درمیان تطبیق کیسے ہو گی؟ میں کہتا ہوں کہ تماثیل... کو تصاویر پر محمول کیا جائے، تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان تصویروں کے سر کاٹ کاٹ کر ان کو نمارق (تکیوں) میں استعمال کیا۔[2077]

تصویر کی وجہ سے چہرہ مبارک پر ناراضگی

وعنها (رضی الله عنها) انها اشترت نمرقة فيها تصاوير فلما رأها رسول الله ﷺ قام على الباب فلم يدخل فعرفت في وجهه الكراهية قالت فقلت يا رسول الله ﷺ اتوب الى الله والى رسوله ماذا اذنبت فقال رسول الله ﷺ ما بال هٰذه النمرقة قالت قلت اشتريتها لک لتقعد عليها وتوسدها فقال رسول الله ﷺ ان اصحاب هٰذه الصور يعذبون يوم القيمة ويقال لهم احيوا ما خلقتم وقال ان البيت الذی فيه الصورة لا تدخله الملائكة۔ (متفق عليه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک تکیہ خریدا جس پر تصاویر تھیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے جب اس کو دیکھا تو آپ ﷺ دروازے پر ٹھہرے رہے گھر میں تشریف نہ لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار پائے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ! میں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ میں نے کیا غلطی کی ہے کہ آپ ﷺ گھر میں تشریف نہیں لاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس تکیے، کا کیا معاملہ ہے اور تم اسے کہاں سے لائی ہو؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرنے لگیں کہ اس کو میں نے آپ ﷺ کے لئے خریدا ہے تاکہ آپ ﷺ اس پر بیٹھیں اور تکیہ لگائیں یعنی جس طرح پسند ہو۔ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا اس چیز کو زندہ کرو جس کو تم نے بنایا تھا اور ارشاد فرمایا یقیناً وہ گھر جس میں تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں داخل ہوتے (یعنی اور نہ ہی انبیاء و اولیاء اس میں داخل ہوتے ہیں) یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔[2078]

تشریح: نمرقة: نون اور راء کے ضمہ کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں دونوں کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ القاموس میں ہے کہ "النمرقة" چھوٹے تکیہ و النمرقة مثلثه ہے، یا اس تکیہ کو کہا جاتا ہے جو کجاوے کے اوپر رکھا جاتا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نون اور راء دونوں پر تینوں حرکتیں درست ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ دونوں کے کسرہ کے ساتھ ہے "وسادة" کو کہتے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "النمرق" نون کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ، چھوٹے تکیہ کو کہتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ مرقعة کو کہتے ہیں۔

[2077] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۹-۵۱۸)

[2078] (أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۹۳ الحدیث رقم ۵۹۶۱، ومسلم فی ۳/۱۶۶۹ الحدیث رقم (۲۱۰۷-۹۶) وأحمد فی المسند ۶/۲۴۶)

فیھا تصاویر: "تصاویر" یہ "صور" کے معنی میں ہے۔یعنی اس میں تصویریں تھیں۔ گویا کہ انہوں نے گھر کے سامنے والے حصہ میں ڈال رکھا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھا تو وہیں پر ٹھہر گئے اور جلال کی وجہ سے گھر میں داخل نہ ہوئے۔

فعرفت: یہ متکلم کا صیغہ ہے اور ایک نسخہ میں **بصیغۂ تانیث** ہے۔ اس صورت میں یہ قول راوی کا ہو گا۔یعنی انہوں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کے تاثرات اور عدم دخول کی وجہ سے آپ ﷺ کی ناراضگی معلوم کر لی۔

"الی" کے اعادۃ میں ان دونوں کی طرف استقلال رجوع پر دلالت ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حسن ادب ہے، کہ گناہ پر مطلع ہوتے ہی توبہ کو مقدم کیا۔ جیسا کہ اللہ کا قول ہے: {**عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ**}**التوبة:۴۳** رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تلطف اور رحم کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے عفو کو مقدم فرمایا۔ ذنب کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عفو سے ابتداء فرمائی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس گناہ پر کوئی اطلاع نہیں ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے توبہ کو معرفتِ ذنب پر مقدم کیا، گویا کہ آپ کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کی ناگواری ان تصاویر کی وجہ سے ہے بلکہ انہوں نے خیال کیا ہو گا کہ شاید کراہت اس کو بچھانے اور گھر کو سجانے کی وجہ سے ہے، اس لئے انہوں نے یہ کچھ کیا۔**قوله: ان أصحاب هذه الصور يعذبون:** اس کا عموم تصویر ساز اور تصویر استعمال کرنے والے دونوں کو شامل ہے البتہ پہلی بات کی تائید اگلے جملہ سے ہو رہی ہے کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم ان میں روح پھونک دو۔ ان کی مزید توہین مقصود ہے۔ کیونکہ خالق کے ساتھ مشابہت اختیار کی ہے اور ان کو "احیوا" کا حکم دراصل ان کا عجز بتلانے کے لئے ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے: {**فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ**}**البقرة:۲۳** تو اس سے معلوم ہوا کہ تصویر حرام ہے، اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ استعمال تصویر بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ اس کا سبب و باعث ہے۔ مزید یہ کہ یہ دنیا کی زینت ہے۔ اگلا جملہ "**ان البيت الذی فيه۔۔۔**" بھی اس کے امتناع اور سبب منع پر مشتمل ہے اور بظاہر اس حکم میں تمام گھروں کی تمام جگہوں کی تمام تصویریں شامل ہیں۔**قوله: لا تدخله الملائكة:** یعنی جس طرح ملائکہ داخل نہیں ہوتے اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبع بھی داخل نہیں ہوتے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کا دخول فی البیت سے ممتنع ہونا تصویر کی وجہ سے ہے چاہے صورۃ مباح ہو یا حرام ہو، جیسا کہ حدیث سابق میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: **واللہ الموفق**۔ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کے آخر حصہ کو روایت کیا ہے۔ [2079]

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حسنِ ادب

[2079] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۸-۵۱۷)

ادھر یہ بات قابلِ نظر ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ناراضگی کے آثار دیکھے تو پہلے عرض کیا کہ میں توبہ کرتی ہوں! بعد میں پوچھا کہ میرا گناہ کیا ہے؟ ازواج کو ایک مقام ناز کا بھی حاصل ہوتا ہے، آج تو کوئی جاں نثار خادم بھی یہ ادب نہیں جانتا، پہلے الزام ثابت کرنے کو کہتا ہے!

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان قرام لعائشۃ سترت بہ جانب بیتھا فقال لھا النبی ﷺ: امیطی عنی فانہ لا تزال تصاویرہ تعرض لی فی صلوٰتی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک پردہ تھا جس سے اپنے مکان کے ایک حصہ کو ڈھکا ہوا تھا، تو نبی کریم ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ: میرے پاس سے دور کر دو کیونکہ اس کی تصاویر میری نماز میں مخل ہوتی ہیں۔[2080]

مذکور الصدر احادیث سے ثابت ہوا کہ جاندار چیزوں کی تصویر کا جیسے بنانا حرام ہے، ویسے ہی ان کا اپنے گھروں میں زینت کے پردوں وغیرہ میں رکھنا بھی ناجائز ہے، اور یہ کہ جاندار چیزوں کی تصویر کے علاوہ بے جان چیزوں میں جن اشیاء کی پرستش عام طور پر کی جاتی ہو جیسے صلیب اس کا نقش اور تصویر بھی رکھنا جائز نہیں۔

اور بعض احادیث میں ایک مضمون تو وہی ہے کہ تصویر بنانے والوں کو قیامت میں سخت عذاب دیا جائے گا اور یہ کہ اس عذاب کی وجہ ان کی یہ حرکت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخصوص صورتِ تخلیق میں اپنا حصہ لگانے کا دعویٰ عملاً کیا۔

دوسری بات اس میں یہ بھی ثابت ہوگئی کہ صرف تصویر کے بنانے والے ہی مستحقِ عذاب نہیں بلکہ ان کا استعمال کرنا بھی گناہ میں داخل ہے۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ جس مکان میں تصاویر نمازی کے سامنے یا دائیں بائیں ہوں اس میں نماز بھی مکروہ ہے، **کما صرح بہ الفقھاء۔**

احادیثِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اختلافِ الفاظ

پردہ میں تصویر کے متعلق حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چار احادیث آئی ہیں، ان میں دو میں آنحضرت ﷺ کے سفر سے واپسی کا ذکر ہے، یہ بیہقی کی روایت کے مطابق غزوۂ تبوک کا اور ابو داؤد و نسائی کی روایت کے مطابق غزوۂ تبوک یا خیبر کا سفر تھا۔

اور ان دونوں احادیث میں دیوار کے کسی حصہ میں ایک باتصویر پردہ لٹکانے کا ذکر ہے، ایک حدیث میں پردہ کو بلفظ ''قرام'' اور دوسری میں بلفظ ''دُرنوک'' بیان کیا گیا ہے۔

[2080] (بخاری مع فتح الباری ۱۰:۳۲۱)

اوران دونوں روایتوں میں سے پہلی میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب اس مصوّر پردہ کو دیکھا تو خود بدستِ مبارک اس کو چاک کر دیا، اور دوسری روایت میں بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کے الگ کرنے کا حکم فرمایا۔ مگر مسندِ احمد میں اسی دوسری حدیث جس میں لفظ "دُرنوک" استعمال کیا گیا ہے، اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کو اپنے دستِ مبارک سے پھاڑ دیا۔

اور دونوں ہی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ پھاڑنے کے بعد صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے دو گدّے یا تکئے بنالئے تھے، جن کو رسول اللہ ﷺ بھی استعمال فرماتے تھے۔ قرام والی حدیث میں تو اس کے دو تکیے بنالینا خود بخاری کے الفاظ میں بھی ہے، اور دُرنوک والی حدیث میں اس کے دو تکیے بنالینا مسندِ احمد کی روایت میں موجود ہے۔

ان دونوں روایات کا واقعہ اتنی چیزوں میں مشترک ہے جن کا اُوپر ذکر آیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں روایات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔

البتہ جس حدیث میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک مصوّر نمرقہ یعنی گدّا خریدنا اور رسول اللہ ﷺ کا اس کو دیکھ کر غضبناک ہونا اور گھر میں داخل ہونے سے رکنا مذکور ہے، یہ بظاہر دوسرا مستقل واقعہ ہے، اس میں کسی سفر سے واپسی کا بھی ذکر نہیں اور اپنے ہاتھ سے چاک کر دینے کا بھی ذکر نہیں ہے، بلکہ اظہار ناراضی کے لئے گھر کے اندر تشریف لانے سے رُکنا اور اس پر صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا متنبہ ہو کر توبہ کرنا منقول ہے، مسند احمد کی روایت میں اس نمرقہ کے بھی دو ٹکڑے کر کے دو تکئے بنالینے کا ذکر ہے، مسند کے الفاظ میں نمرقہ کے بجائے نمط کا لفظ آیا ہے۔

اسی طرح حدیث بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس میں مصوّر پردہ کا ذکر ہے اس میں بہت نرم الفاظ آئے ہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ اس پردہ میں تصاویر ہونا آپ ﷺ کو پہلے سے معلوم بھی تھا اور اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کو گھر میں باقی رکھا، اور نہ صرف باقی رکھا بلکہ نماز بھی وہیں پڑھتے تھے، ایک روز یہ فرمایا کہ اس کو میری طرف سے ہٹادو کیونکہ اس کی تصویر میری نماز میں خلل انداز ہوتی ہے، جو سابقہ تینوں روایتوں سے بالکل مختلف ہے، خصوصاً مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: **انها كانت لها ثوب فيه تصاوير ممدود الى سهوة وكان النبي ﷺ يصلّي اليه فقال: اخريه عني! يعني** "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک کپڑا تھا جس میں تصاویر تھیں، یہ ایک طاق یا الماری کی طرف پھیلا ہوا تھا، نبی کریم ﷺ اس کی طرف نماز پڑھتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو میری طرف سے ہٹادو!"[2081]

[2081] (فتح الباری ۱۰:۳۲۱)

اسکے متعلق حافظ نے فتح الباری میں فرمایا: کہ اس روایت اور روایاتِ سابقہ میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلی روایات کے واقعہ میں جانداروں کی تصاویر تھیں اور اس روایت میں تصاویر ذی روح کی نہ ہوں بلکہ درختوں، پھولوں کے نقش و نگار ہوں، اسی لئے اس پردہ کو آپ ﷺ نے قائم رکھا اور وہ فرشتوں کے داخلہ سے بھی مانع نہیں ہوا، اور نماز میں اس کی طرف رُخ کرنا بھی گوارا کیا گیا، مگر چونکہ نقش و نگار بعض اوقات انسان کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں، اس لئے ازراہِ تقویٰ اس کو ہٹانے کا حکم فرمایا، اور یہ حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض روایات میں دیوار پر غیر مصوّر پردہ ڈالنے سے بھی اس لئے روکا گیا کہ یہ زہد اور شانِ نبوّت کے خلاف ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر پردہ دیکھ کر آپ ﷺ کا واپس ہو جانا جو آگے حدیث میں آرہا ہے، اس کی بھی یہ توجیہ خود حدیث میں مذکور ہے کہ ہم اور ہمارے اہل بیت کو نقش و نگار سے کیا کام ہے، عمدۃ القاری میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی روایات کی تطبیق اسی طرح نقل کی ہے۔[2082]

اور اگر اس میں ذی روح کی تصویریں ہوں تو پھر یہ حدیث تصاویر کی ممانعت سے پہلے ابتداء ہجرت کے وقت کی حدیث قرار دی جائے گی جیسا کہ بہت سے حضرات نے صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گُڑیوں کے متعلق ایسا فرمایا ہے۔

فرشتوں کی برکات سے محروم رکھنے والے "کتا اور تصاویر"

عن ابی طلحة قال قال النبی ﷺ لا تدخل الملٰئکة بیتاً فیه کلبٌ و لا تصاویر۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا اور تصاویر ہوں وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔[2083]

تشریح:

لا تدخل الملائکة: یہ صیغہ تذکیر و تانیث دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ اس سے مراد ملائکہ رحمت ہیں نہ کہ حفاظت پر مامور اور موت والے ملائکہ اس میں ان کی کراہت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ لیکن وہ ان کاموں پر مامور ہوتے ہیں اور جو ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے بجالاتے ہیں۔

بیتا فیه کلب: سے مراد رہائش کی جگہ ہے، اس سے شکار، کھیتی اور چوپاؤں کی حفاظت کے لئے رکھے جانے والے کتے مستثنیٰ ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بھی مانع ہیں اگرچہ ان کا رکھنا حرام نہیں ہے۔ **ولا تصاویر:** یہ تمام انواع کی صورت کو شامل ہے۔ البتہ وہ چیزیں جن کو پاؤں کے ساتھ روندا جاتا ہو۔ ان میں رخصت ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

[2082] (فتح الباری، ۷۴:۲۲)

[2083] (أخرج البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۸۰ الحدیث رقم ۵۹۴۹ و مسلم فی ۳/۱۶۶۵ الحدیث رقم (۲۱۰۶-۸۳)، وأبو داؤد فی السنن ۴/۳۸۴ الحدیث رقم ۴۱۵۳، والترمذی فی ۵/۱۰۶ الحدیث رقم ۲۸۰۴، والنسائی فی ۸/۲۱۲ الحدیث رقم ۵۳۴۷، وابن ماجه فی ۲/۱۲۰۳ الحدیث رقم ۳۶۴۹، وأحمد فی المسند ۴/۲۹، مشکوۃ شریف ص ۳۸۵ باب التصاویر)

علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ دراصل ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں وہ کتے اور تصویریں ہوں جو حرام ہیں ۔ البتہ جو کتے حرام نہیں ہیں، مثلاً کھیتی، شکار اور ماشیہ (جانوروں کی حفاظت) کیلئے رکھے گئے کتے اور وہ تصویریں جو حرام نہ ہوں، یعنی جو بستر اور تکیوں میں ہوں تو یہ دخول ملائکہ کیلئے مانع کی حیثیت نہیں رکھتے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ حکم کلب اور تصویر کے بارے میں عام ہے اور ان سب کی وجہ سے یہ ملائکہ گھر وغیرہ میں داخل نہیں ہوتے ہیں کیونکہ احادیث مطلق ہیں اور اس لئے بھی نبی علیہ السلام کے گھر میں کتا چارپائی کے نیچے تھا، اس میں تو عذر ظاہر تھا کیونکہ نبی علیہ السلام کو اس کا علم نہیں تھا مگر اس کے باوجود جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے گھر میں داخل نہیں ہوئے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا تصویر والے گھر میں داخل نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ تصویر ان چیزوں میں سے ہے جن کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے اور جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے اس لئے داخل نہیں ہوتے کہ کتا گندگی کھاتا ہے اور اس لئے بھی کہ ان میں سے بعض کو شیطان کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، اور ملائکہ شیطان کی ضد ہیں اور اس لئے بھی کہ کتوں سے قبیح قسم کی بو آتی ہے اور جو کوئی کتا رکھے گا اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو محروم کر دیا جائے بایں طور کہ نہ ملائکہ اس کے گھر میں داخل ہوں اور نہ اس کے لئے دعائے رحمت و استغفار کریں۔ یہ فرشتے حفاظت کرنے والوں کے علاوہ ہیں، کیونکہ وہ مکلفین سے جدا نہیں ہوسکتے۔ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ حیوان کی تصویر بنانا شدید حرام ہے اور کبائر میں سے ہے، کیونکہ اس پر یہ شدید قسم کی وعید وارد ہوئی ہے۔ چاہے کپڑے پر بنائے یا بستر پر دراہم و دینار پر بنائے یا کسی اور چیز پر۔ البتہ درختوں، کجاوہ اور پہاڑ اور اس طرح کی دوسری چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے۔ یہ نفس تصویر کا حکم ہے۔ البتہ اگر حیوان کی تصویر بنائے، تو اگر وہ دیوار پر معلق ہے چاہے اس تصویر کا سایہ ہو یا نہ ہو، کپڑے پر بنائے اور وہ کپڑا ملبوس ہو یا عمامہ یا اس طرح کی چیز ہو تو وہ بھی حرام ہے۔ البتہ تکیہ اور اس جیسی وہ چیزیں جس کو روندا جاتا ہے تو ان پر تصویر حرام نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ بھی دخول ملائکہ کا مانع بنتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں البتہ وہ گڑیا جو بچیوں کے کھیل کے لئے کپڑوں سے بنائی جاتی ہے تو اس میں رخصت ہے۔ لیکن امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کے لئے اس کے خریدنے کو مکروہ لکھا ہے اور بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے ساتھ بچیوں کے کھیلنے کی اباحت ان احادیث سے منسوخ ہو چکی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جامع صغیر میں ہے، کہ اس حدیث کو احمد، شیخین، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابو طلحہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: **لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب و لا صورة**۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ، ترمذی، ابن حبان، نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کیا ہے: **ان الملائکة لا تدخل بیتا فیه تماثیل او صورة**۔ ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے: **ان الملائکة لا تدخل بیتا فیه کلب و لا صورة**۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ولا تصاویر" کا عطف "کلب" پر ہے اور ظاہر کا حق یہ تھا کہ "لا" کا تکرار ہوتا اور یوں کہا جاتا: "لا کلب ولا تصاویر" لیکن سیاق نفی میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ جائز ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے: {ما ادری ما یفعل بی ولا بکم} اور اس میں تاکید ہے۔ اگر اس کو ذکر نہ کرتے تو اس میں یہ احتمال ہوتا کہ ان کے درمیان جمع کی نفی ہے۔ جیسا کہ یہ قول ہے: "ما کلمت زیداً ولا عمرواً" اگر اس کو حذف کرتے تو جائز تھا کہ ان میں سے کسی ایک کا تکلم ہوتا۔ کیونکہ "واؤ" جمع کے لئے ہے اور "لا" اعادۃ فعل کی طرح ہے۔"[2084]

عن أبی طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول: سمعت رسول اللہ ﷺ: لا تدخل الملائکة بیتاً فیه کلب ولا صورة۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔[2085]

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنهما قال: وعد جبریل النبی ﷺ فراث علیه حتی اشتد علی النبی ﷺ فخرج النبی ﷺ فلقیه فشکا الیه ما وجد فقال: انا لا ندخل بیتاً فیه صورة ولا کلب۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنے میں تاخیر کر دی، حضورِ اقدس ﷺ پر یہ بات شاق گزری، آپ ﷺ گھر سے باہر نکلے وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، آپ ﷺ نے انتظار کی وجہ سے جو تکلیف ہوئی اس کی شکایت فرمائی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ لا تدخل الملائکة بیتاً فیه تماثیل أو تصاویر۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مجسمے یا تصاویر ہوں۔[2086]

عن عبد اللہ بن نجیّ الحضرمی عن أبیه عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنهم فی حدیث طویل عن رسول اللہ ﷺ أنه ذکر عن جبریل علیه السلام أنه قال: انها ثلاث لن یلج ملک ما داموا فیها أبداً واحد منها کلب او جنابة او صورة روح۔ أخرجه احمد فی مسنده کما فی فتح الباری ۷:۲۷۹، وأخرجه أیضاً النسائی وابن ماجه مختصراً وسنده جید کما فی "الفتح الربانی"۔ حضرت عبد اللہ بن نجی الحضرمی اپنے والد سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث میں حضورِ

[2084] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۳-۵۱۲)

[2085] (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم تصویر صورة الحیوان، الموسوعة الفقهیه ج۶ ص ۱۳۴، فتح الباری ۱۰ ص ۳۸۰، مطبوعه السلفیة)

[2086] (صحیح مسلم)

اقدس ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب تک وہ کسی جگہ پر ہوں، فرشتے اس جگہ داخل نہیں ہوتے، ان میں سے ایک کتا، دوسرے ناپاکی کی حالت والا، تیسرے جاندار کی تصویر۔

انها ثلٰث لم یلج ملک ما دام فیها و احد منها کلب او جنابة او صورة روح۔ جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ کوئی فرشتہ رحمت وبرکت کا اس گھر میں داخل نہیں ہوگا جب تک اِن تین چیزوں میں ایک اس گھر میں ہو: کتا، جُنب، اور جاندار کی تصویر۔[2087]

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن میمونة ان رسول اللہ ﷺ اصبح یوما واجما وقال ان جبرئیل کان وعدنی ان یلقانی اللیلة فلم یلقنی اما واللہ ما اخلفنی ثم وقع فی نفسه جرو کلب تحت فسطاط له فامر به فاخرج ثم اخذ بیده ماءً فنضح مکانه فلما امسیٰ لقیه جبرئیل فقال لقد کنت وعدتنی ان تلقانی البارحة قال اجل ولکنا لا ندخل بیتا فیه کلب ولا صورة فاصبح رسول اللہ ﷺ یومئذ فامر بقتل الکلاب حتی انه یأمر بقتل کلب الحائط الصغیر ویترک کلب الحائط الکبیر۔[2088]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک صبح کو رسول اللہ ﷺ خاموش اور غمگین تھے تو آپ ﷺ نے غمگین ہونے کا سبب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا کسی اور زوجہ محترمہ سے یا بطور تعجب اور حیرانی کے فرمایا کہ آپ ﷺ کے دل میں یہ بات آئی کہ آج رات جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا مگر اس نے ملاقات نہیں کی اللہ کی قسم جبرائیل علیہ السلام اپنے وعدے کی خلاف ورزی مجھ سے نہیں کرتے پھر آپ ﷺ کے دل میں خیال آیا کہ کتے کا بچہ جو آپ ﷺ کے خیمہ (چارپائی) کے نیچے پڑا تھا جبرائیل علیہ السلام اس کی وجہ سے نہیں آئے آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اس کتے کے بچے کو نکال دیا جائے اسے نکال دیا گیا پھر آپ ﷺ نے تھوڑا سا پانی لے کر اس کی جگہ پر چھڑکا تو پھر جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے گزشتہ رات ملنے کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے کہا جی ہاں مگر ہم ان گھروں میں داخل نہیں ہوتے جہاں کُتا یا تصویر ہو، پس جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے چھوٹے باغوں کے کتوں کو بھی مارنے کا حکم دیا کیونکہ ان میں حفاظت کی ضرورت نہیں ہوتی اور بڑے باغوں کے کتوں کو چھوڑ دیا کیونکہ ان میں حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔[2089]

تشریح: **عن میمونة** "**اصبح**" یہ "**اصباح**" کے لئے ظرف ہے۔

[2087] (احمد، نسائی)

[2088] (رواہ مسلم)

[2089] (أخرجه مسلم فی صحیحه ۳/۱۶۶۴ الحدیث رقم (۲۱۰۵-۸۲) وأبو داؤد فی السنن ۴/۳۸۷ الحدیث رقم ۴۱۵۷)

واجماً: میم سے پہلے جیم ساکن ہے، یہ حال ہے۔**أی ساکناً حزیناً من الوجوم۔** غم اور غصہ کی وجہ سے خاموش ہونے کو کہتے ہیں اور "**النهایة**"میں ہے۔**ای مهتماً**"**واجم**"اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کو غم خاموش کرادے اور اس پر سخت رنج غالب آجائے۔

ان یلقانی: یاء متکلم کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کو ساکن کرنا بھی جائز ہے اور وصل میں اس کا حذف بھی جائز ہے۔

اللیلة: یہ "وعد"کیلئے ظرف ہے۔"**ام**"ہمزہ کے فتحہ اور میم کے ساتھ۔ یہاں پر "**ام**"تنبیہ کے لئے ہے اور الف کو تخفیفا حذف کر دیا گیا ہے۔"**الجرو**"جیم مکسور، راء ساکن اور پھر واؤ ہے۔ القاموس میں ہے کہ "**الجرو**" میں تینوں حرکات درست ہیں۔ کتے کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں۔

فسطاط: فاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ایک قسم کے خیمہ کو کہتے ہیں، یہاں اس سے مراد چارپائی ہے۔**فأمر به: ای باخراج الجرو۔** امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ جس شخص کا وقت ضائع ہو جائے اور اس کا وظیفہ خراب ہو جائے تو اس کو اس کے سبب میں غور و فکر کرنا چاہئے جیسا کہ یہاں نبی علیہ السلام نے کیا یہاں تک کہ اس کتے کو نکال دیا اور اس کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ دیا:{اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ}**الاعراف: ۲۰۱** "جو لوگ پرہیز گار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔" **أمسی: أی دخل المساء** زوال کے بعد یا سورج کے غروب ہونے کے بعد کا وقت مراد ہے۔"**أجل**": لام مخففہ کے سکون کے ساتھ بمعنی "**نعم**"۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے چھوٹے باغ کے کتوں کے قتل کرنے کا حکم کیا۔ کیونکہ ایسے باغوں کو حراست کی ضرورت نہیں تھی۔ جب کہ بڑے باغات کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ کتوں کے بغیر اس کی پہرہ داری مکمل نہیں تھی۔

حتی انه: "انّ بکسر الهمزہ ہے" اور ضمیر ضمیر شان ہے، یا نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے، علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "**یامر**" حکایت حال ماضیہ ہے۔"**یترک**" یہ معطوف ہے۔ اس تقدیر پر کہ یہ "**لم یأمر بقتل کلب الحائط الکبیر**" کے معنی میں ہے اور یہ "**حائط الکبیر**" کے وصف سے مستفاد ہوتا ہے۔ یہ اس شخص کے لئے دلیل ہے جو مفہوم مخالف پر عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ سائمہ غنم کی زکوٰۃ میں کہتا ہوں عمل بالقید اور عمل بالمفہوم میں فرق ہے اور حدیث مفہوم مخالف کے عدم اعتبار میں صریح ہے۔ ورنہ تو کلام میں واصل کا تکرار ہوتا اور تحصیل حاصل ہوتا۔ کیونکہ "**یأمر بقتل کلب الحائط الصغیر**" کا مفہوم یہ ہے **لم یأمر بقتل کلب الحائط الکبیر بل یترکه۔** کہ آپ نے بڑے باغ کے کتوں کے قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کو چھوڑ دیا اور اسی طرح "**ویترک کلب الحائط الکبیر**" کا مفہوم یہ ہے **لم یترک کلب الحائط الصغیر بل یأمر بقتله** کہ آپ ﷺ نے چھوٹے باغ کے کتوں کو نہیں چھوڑا بلکہ اس کے قتل کا حکم دیا۔ **واللہ اعلم۔**[2090]

[2090] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۴-۵۱۳)

فوٹو کی ہتک کے لئے جبرئیل علیہ السلام نے کیا فرمایا

قال علیه السلام أتانی جبریل فقال لی مر برأس التماثیل یقطع فتصیر کهیئة الشجرة وامر بالستر فیقطع فیجعل وسادتین منبوذتین توطئان۔ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کی کہ حضور آپ ﷺ حکم فرمائیں کہ فوٹو کا سر کاٹا جائے کہ پیڑ کی طرح رہ جائیں اور تصویر والے پردے کے لئے حکم فرمایئے کہ دو مسندیں بنالی جائیں کہ زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندی جائیں۔[2091]

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اتانی جبرئیل علیه السلام قال اتیتک البارحة فلم یمنعنی ان اکون دخلت الا انه کان علی الباب تماثیل وکان فی البیت قرامٌ سترٌ فیه تماثیل وکان فی البیت کلبٌ فمر برأس التمثال الذی علی باب البیت فیقطع فیصیر کهیئة الشّجرة ومر بالستر فلیقطع فلیجعل وسادتین منبوذتین توطان ومر بالکلب فلیخرج ففعل رسول الله ﷺ۔

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف آئے اور کہنے لگے گزشتہ رات بھی آپ کے پاس آیا تھا، مجھے گھر میں داخلہ سے دروازہ کی تصاویر نے منع کر دیا اور گھر میں تصویر والا رنگین منقش پردہ تھا جس کو لٹکایا گیا تھا اور گھر میں کتا تھا۔ پس آپ ان تصاویر کے سر کاٹنے کا حکم فرمائیں جو دروازے پر لگی ہوں یعنی پردے کی تصاویر کے سر کاٹ دیئے جائیں جس سے وہ درخت کی شکل بن جائیں، ان کی ہیئت تصاویر والی باقی نہ رہے اور آپ یہ حکم دیں کہ پردے کو کاٹ کر دو تکئے بنالئے جائیں۔ تاکہ وہ روندنے میں آئیں اور گھر سے کُتا نکالنے کا حکم فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ویسا ہی کیا جو جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا۔ یہ ترمذی وابوداؤد کی روایت ہے۔"[2092]

تشریح: قال: یہ استئناف ہے، سوال مقدر کے جواب کے لئے بیان ہے۔ **أن أکون:** (اس سے پہلے حرف جر مقدر ہے "تاء" کے فتح کے ساتھ "**تمثال**" بکسر الاول کی جمع ہے۔

ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حیوانات کی تصاویر ہیں۔

وکان: ماقبل "**کان**" حرفِ عطف ہے۔ لہٰذا یہ بھی کلام جبرائیل علیہ السلام کا حصہ ہے۔

القرام: قاف کے کسرہ کے ساتھ منقش پردے کو کہتے ہیں۔ اور القاموس میں ہے کہ "**القرام**" (ازروئے وزن) "کتاب" کی طرح ہے۔ سرخ پردہ کو کہتے ہیں یا وہ رنگدار کپڑا جو اون سے بنا ہو جس میں نقش ونگار اور پھول بوٹے ہوں یا باریک پردے کو کہتے ہیں۔

[2091] (ترمذی، نسائی)

[2092] (أخرجه أبو داؤد فی السنن ۴/۳۸۸ الحدیث رقم ۴۱۵۸، والترمذی فی السنن ۲۸۰۶، وأحمد فی المسند ۲/۳۰۵)

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے النہایہ سے نقل کیا ہے کہ قرام باریک پردہ کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد رنگ برنگی اون سے بنا ہوا کپڑا ہے اور اس میں اضافت ایسی ہے کہ جیسی "ثوب قمیص" میں ہے اور بعض کے ہاں "قرام" سے مراد وہ باریک پردہ ہے جو موٹے پردے کے پیچھے لٹکایا جاتا ہے اور اسی لئے اس کی اضافت ہے۔

یقطع: یہ مجہول کا صیغہ ہے، تخفیف کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں تشدید کے ساتھ ہے اور مرفوع ہے اور ایک نسخہ صحیح میں نصب کے ساتھ ہے اور ضمیر "رأس التمثال" کی طرف راجع ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جامع الاصول اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں رفع کے ساتھ ہے اس طور پر کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور بعض میں نصب کے ساتھ ہے جواب امر ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ شارع کا امر امتثال کا سبب ہوتا ہے اور پہلا (ضبط) معنیٰ کے لحاظ سے زیادہ لطیف ہے۔

فیصیر: اس میں بھی دونوں صورتیں ہیں۔ ای **یرجع التمثال المقطع رأسه**۔ اگر یہ کہا جائے۔ **کھیئة الشجرة:** کہ اس کے ذکر کا کیا فائدہ ہے؟ میں کہوں گا کہ یہ بتلانا تھا کہ قطع سے مراد اس کے سر کی جگہ کا مٹانا نہیں ہے بلکہ اس کو جدا کرنا مراد ہے کیونکہ یہ اس وقت تک شجر کی طرح نہیں ہوتا جب تک اس سے سر جدا نہ ہو۔ جب تک اس پر سر باقی رہے گا یا مٹا ہوا ہو گا تو وہ ھیئۃ شجرۃ نہیں ہو سکتا۔ (ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ) اور یہ معقول و منقول کے خلاف ہے۔ پہلی صورت میں جب سر مٹا دیا جائے گا اور چہرہ کی وہ صورت کہ جس سے امتیاز ہوتا ہے وہ بھی مٹا دی جائے گی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ھیئۃ شجرہ کی طرح ہو جاتا ہے اور یہ امر مشاہد ہے اور دوسری صورت میں یہ خلاف مذہب ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ مکروہ ہے کہ آدمی نماز پڑھے اور اس کے سامنے یا اس کے اوپر یا دائیں طرف یا بائیں طرف کپڑوں پر تصاویر ہوں اور "بساط" کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ بچھونے پر مکروہ نہیں ہے جب تک کہ تصاویر پر سجدہ نہ کرے فرمایا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب تصویر ناظرین کو بغیر تکلف کے نظر آتی ہو۔ اگر وہ تصویر چھوٹی ہو یا اس کا سر مٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس میں دلیل ہے کہ جب تصویر کی حقیقت متغیر ہو جائے اس طور پر کہ اس کے سر کو کاٹ دیا جائے، یا اس کے جوڑ جدا کر دیئے جائیں کہ صرف صورت کا اثر باقی رہ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ کہ جب تصویر کی جگہ کو توڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کے اوصال (اعضاء و جوڑ) کٹ جائیں تو پھر اس کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

توطان: یہ صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے یعنی ان کو روندنے، ان پر بیٹھنے یا اس سے ٹیک لگانے سے اس کی اہانت کی جاتی ہو اور "وطا" اصل میں پاؤں کے ساتھ مارنے کو کہتے ہیں اور پردہ کو کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے دو تکیے بنائے جائیں۔ جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے۔ اس سے تصویر دار چیز کے استعمال کا جواز نکلتا ہے جیسا کہ تکیہ بستر اور بساط۔

اور بعض نے کہا ہے کہ "**قطع**" سے مراد یہ ہے کہ تصویر کی کوئی جگہ باقی نہ رہے، یہ احتمال بعید ہے اور ممکن ہے کہ "**ستر**" سے مراد جنس ستر ہو و دروازہ وغیرہ پر لٹکے ہوئے پردے اور گھر میں موجود پردہ کو بھی شامل ہے اور "**قطع**" سے مراد برابر کر کے کاٹنا ہے۔ پھر اس کو سی کر دو تکیے بنا لئے جائیں۔

فیخرج: یہ مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں "**فلیخرج**" ہے۔

ففعل رسول اللہ ﷺ: یعنی جو کچھ مذکور ہوا، وہ سب کچھ کر دیا، یا فعل کو بمنزلہ لازم کے کیا ہے۔ **ای امتثل۔ واللہ اعلم۔**[2093]

بعض حضرات کے نزدیک تصویر والے گھر میں داخل ہونے سے باز رہنا صرف ملائکہ وحی جبرائیل واسرفیل وغیرہ کے ساتھ مخصوص ہے عام فرشتوں کا یہ حکم نہیں، اس قول پر یہ اعتراض تو صحیح نہیں کہ زمانۂ وحی یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد تصویر والے مکان میں داخل ہونا اور تصویر کا استعمال کرنا وغیرہ سب جائز ہو جانا لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب وحی بند ہوئی تو ان فرشتوں کا زمین پر آنا بھی بند ہو گیا اور یہ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سلسلۂ وحی بند ہو جانے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ملائکہ وحی جبرائیل علیہ السلام وغیرہ زمین ہی پر نہ اُتریں، بلکہ بہت سی احادیثِ صریحہ سے ان کا قیامت تک ہر زمانہ میں زمین پر تشریف لانا ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ اکثر مفسرین کے نزدیک {تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ} میں روح سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں، ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بیہقی وابن حبان وغیرہ نے بروایت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور طبرانی نے بروایت میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آنحضرت ﷺ سے بعبارات مختلفہ جبرائیل ومیکائیل واسرافیل وغیرہم کا ہر زمانہ میں زمین پر تشریف لانا نقل کیا ہے اور حدیث مشکوٰۃ دربارۂ نزولِ جبرائیل علیہ السلام "**فی کبکبۃ من الملٰئکۃ**"۔

اور یہ جو مشہور ہے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جبرائیل علیہ السلام زمین پر تشریف نہ لاویں گے، اس کو شیخ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "**الاعلام بنزول عیسیٰ علیہ السلام**" میں ردّ کر دیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

فوٹو گرافر کو ایک شرط پر عذاب سے تخفیف

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: سمعت محمداً ﷺ یقول: من صوّر صورۃ فی الدنیا کلّف یوم القیامۃ ان ینفخ الروح ولیس بنافخ۔ یعنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے محمد رسول اللہ ﷺ سے سنا،

[2093] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸، ص ۵۲۹-۵۲۷)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کوئی تصویر بنائے گا تو قیامت کے روز اس کو اس بات کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس کے اندر روح ڈالے اور وہ اس کے اندر روح نہیں ڈال سکے گا۔ [2094]

غور کر کے دیکھو کس طرف جا رہے ہو؟

عن سعید بن أبی الحسن قال کنت عند ابن عباس اذ جاءہ رجل فقال: یا ابن عباس! انی رجل انما معیشتی من صنعة یدی وانی اصنع ھذہ التصاویر، فقال: ابن عباس: لا أحدّثک الا ما سمعت من رسول اللہ ﷺ سمعته یقول: من صوّر صورة فانّ اللہ معذبه حتی ینفخ فیھا الروح ولیس بنافخ فیھا ابدا۔ فربا الرجل ربوة شدیدة واصفر وجھه، فقال: ویحک ان أبیت الا ان تصنع فعلیک بھذا الشجر کل شیء لیس فیه روح۔

حضرت سعید بن اَبی الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا، اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آکر کہا کہ اے ابن عباس! میری معیشت کا مدار میرے ہاتھ کی صنعت پر ہے اور میں یہ تصاویر بناتا ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے وہ بات بیان کرتا ہوں جو جناب رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنی ہے، میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے والے ہیں یہاں تک کہ وہ اس تصویر میں روح ڈال دے اور وہ کبھی بھی اس میں روح نہیں ڈال سکے گا، یہ سن کر اس شخص نے ایک لمبی سانس لی اور اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: تم پر بڑا افسوس ہے کہ تو تمام پیشوں سے انکار اور صرف مصوری کو اختیار کرنے والا ہے، اگر بنانا ہی ہے تو درختوں اور ہر اس چیز کی تصویر بنا جس میں روح نہ ہو۔ [2095]

تشریح: یعنی میری معاش کا ذریعہ تو صرف تصاویر ہی ہے۔ **لا احدث:** "لا" نافیہ ہے۔ **ای لا اخبرک فی جوابک۔** اور میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ نبی کی بات نفس میں زیادہ تأثیر رکھتی ہے۔ جس نے تصویر بنائی اور اس کو اپنا مشغلہ بنایا۔

قولہ: فان اللہ معذبه: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ایک نسخہ صحیحہ میں مضارع کے صیغہ کے ساتھ "**یعذبه**" ہے۔

حتی ینفخ فیه: اور ایک نسخہ میں "**فیھا**" ہے۔ **ای فی الصورة** اور اس کی تائید اگلے جملہ سے ہوتی ہے: **ولیس بنافخ فیھا ابدا۔** اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کا عذاب ہمیشہ ہو گا، یہ وعید شدید پر محمول ہے یا مستحل پر محمول ہے۔

قولہ: فربا الرجل ربوة شدیدة: یہ مصدریت (یعنی مفعول مطلق ہونے) کی بناء پر منصوب ہے۔ علامہ جوہری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ "**الربو**" نفس عالی (چڑھی ہوئی سانس) کو کہتے ہیں۔ "**ربا یربو ربوا**" اور القاموس میں ہے کہ "**ربا الفرس ربوا**" اس وقت کہا جاتا

[2094] (صحیح بخاری باب من صور صورة الخ)

[2095] أخرجه البخاری فی صحیحه ۴/۴۱۶، الحدیث رقم ۲۲۲۵ واحمد فی المسند ۱/۳۶۰۔

ہے جب دوڑنے سے اس کا سانس چڑھ جائے، یا خوف کی وجہ سے حاصل معنی یہ ہے کہ وہ خوف زدہ ہو گیا جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ حدیث شریف نقل فرمائی اور لمبی سانس لینے لگا۔

ویحک: یہ کلمہ اس شخص کے لئے کہا جاتا ہے جو ایسی ہلاکت میں گر جائے، جس کا مستحق نہ ہو، تاکہ اس پر رحم کیا جائے اور اسی سے یہ خبر مرفوع بھی ہے: **ویح عمار تقتله الفئة الباغية**۔ اس کو ابو داؤد نے "**الحلية**" میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ زیادتی پر نقل کیا: **يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار**۔ برخلاف کلمہ "**ویل**" کے چونکہ یہ مستحق ہلاکت شخص کے لئے کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: { وَيْلَكَ آمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ } **الاحقاف: ۱۷** اور القاموس میں ہے: "**ویح لزید ویحاً له**" کلمہ رحمت ہے اور اس کا رفع ابتداء کی وجہ سے ہے، اور اضمار فعل کی وجہ سے منصوب ہے اور "**ویح زید ویحه**" یہ دونوں (بھی اسی وجہ سے) منصوب ہیں۔

ان ابیت: یعنی اگر تم باقی صنعتوں سے انکاری ہو، اور صرف تصاویر ہی بنانا چاہتے ہو، تو پھر تم درختوں کی تصاویر بناؤ اور ان جیسی ان اشیاء کی تصویریں بناؤ۔ جو غیر ذی روح ہیں۔ جیسا کہ اس بات کو اگلے جملہ میں بیان کیا گیا ہے: **وکل شیء لیس فیه روح**۔

"**کل**" جر کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس میں جر اس وجہ سے جائز ہے کہ یہ شجر کا بیان ہو گا کیونکہ جب ان کو تصویر سے منع کر دیا اور ان کی راہنمائی "**جنس شجر**" کی طرف کر دی تو انہوں نے اس کو "**قصد**" کے لئے وافی نہیں دیکھا تو اس کی وضاحت فرمادی، یہ "**بدل**" کے قریب ہے اور نصب تفسیر کی بناء پر ہے۔ یعنی "**اعنی**" مقدر ہے اور اظہر یہ ہے کہ "**جر**" کے ساتھ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے اور ممکن ہے کہ اس کا نصب "**نزع الخافض**" کی بناء پر ہو اور اس پر دال کا وجود ہے۔

قیامت میں ایک خوفناک شئ فوٹو گرافر کے سر پر

وعن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ يخرج عنق من النار يوم القيمة لها عينان تبصران واذنان تسمعان ولسان ينطق يقول انی وكلت بثلثة بكل جبّار عنيد وكل من دعا مع الله الٰهاً آخر وبالمصورين۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی (یعنی آگ کا ایک ٹکڑا گردن کی صورت میں نمایاں ہو گا) جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی، دو کان ہوں گے جس سے وہ سنے گی، اور زبان ہو گی جس سے وہ بولے گی، وہ کہے گی مجھے تین اشخاص کے لئے متعین کیا گیا ہے (یعنی ان کو دوزخ میں داخل کروں اور

لوگوں کے سامنے رسوائی کا عذاب دوں): وہ جو حق سے تکبر اور عناد کرنے والے ہیں، ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک کرے اور تیسرا تصویر کھینچنے والوں کے لئے۔[2096]

تشریح: قوله: یخرج عنق: اس سے مراد شخص قوی ہے اور بعض نے اس سے مراد ایک طائفہ لیا ہے (**ذکرہ بعض شراح**) اور القاموس میں ہے کہ "**العنق**" ضمہ کے ساتھ اور دو ضموں کے ساتھ جیسا کہ صرد بمعنی "**جیدد**" مؤنث ہے۔ لوگوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں اور علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں "**یعنی طائفه**"۔

عینان تبصران: اسی قسم کے اوصاف حجر اسود کے بارے میں وارد ہیں کہ جس نے اس کے ساتھ عہد وہ میثاق کو پورا کیا یہ قیامت کے روز اس کے لئے گواہی دے گا۔

عن أبی جحیفة رضی الله تعالیٰ عنه قال: ان النبی ﷺ نهیٰ عن ثمن الدم و ثمن الکلب و کسب البغی و لعن آکل الربا و موکله و الواشمة و المستوشمة و المصوّر۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے خون کی قیمت لینے سے اور کتے کی قیمت لینے سے اور بدکاری کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور آپ ﷺ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور گودنے والی اور گدوانے والی اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[2097]

تخلیق الٰہی سے مشابہت کرنے والوں پر عذاب

وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها عن رسول الله ﷺ قال اشد الناس عذابا یوم القیامة الذین یضاهؤن بخلق الله۔ (متفق علیه) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ان پر سخت عذاب ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت اختیار کرنے والے ہیں۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔[2098]

تشریح: قوله: اشد الناس عذاباً یوم القیمة الذین یضاهؤن:

یضاهؤن: یاء کے ضمہ اور واؤ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں ہاء کے کسرہ اور واؤ سے پہلے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں اور اس آیت میں یہ لفظ دونوں طرح پڑھا گیا ہے: **یُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِینَ کَفَرُوا** التوبة: ۳۰ لیکن پہلی لغت زیادہ مشہور اور اکثر ہے۔ بمعنی

[2096] (أخرجه الترمذی فی السنن ۴/۶۰۴ الحدیث رقم ۲۵۷۴، وأحمد فی المسند ۲/۳۳۶)

[2097] (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من لعن المصور)

[2098] (أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۸۶ رقم ۴۹۵۴، ومسلم فی ۳/۱۶۶۸ رقم ۲۱۰۷-۹۲، والنسائی فی السنن ۸/۲۱۴ رقم ۵۳۵۶، وأحمد فی المسند ۶/۳۶)

"یشابھون"یعنی تصویر بنانے کے عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فعلِ خلق کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یعنی وہ ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ کے خلق یعنی اس کی مخلوق کے مشابہ ہیں، یا یہ کہ وہ اعتقاد رکھا تو وہ کافر ہو جائے گا اور قباحت کفر کی زیادتی کی وجہ سے اس کے عذاب میں بھی اضافہ ہو گا۔ ورنہ یہ حدیث تہدید پر محمول ہے۔[2099]

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نھی رسول اللہ ﷺ عن الصورۃ فی البیت و نھی أن یصنع ذلک۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا ہے اور تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے۔

حضور ﷺ نے فوٹو مٹانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا

عن علیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال لأبی الھیاج الأسدی: ألا أبعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ ﷺ ان لا تدع صورۃ الا طمستھا و لا قبراً مشرفاً الا سویتہ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو الہیاج الاسدی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے کام کی ترغیب نہ دوں جس کی حضورِ اقدس ﷺ نے مجھے ترغیب دی، وہ یہ کہ کسی تصویر کو نہ چھوڑو مگر یہ کہ تم اس کو مٹا دو اور کوئی بلند قبر نہ چھوڑو مگر یہ کہ تم اس کو برابر کر دو۔[2100]

صرف فوٹو کی وجہ سے نبی کریم ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دعوت سے واپس لوٹ گئے: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سید عالم ﷺ کی دعوت کی۔ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوئے، پردے پر کچھ تصویریں بنی دیکھیں تو آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کس سبب سے آپ واپس ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **ان فی البیت سترا فیہ تصاویر و ان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ تصاویر۔** گھر میں پردے پر تصویریں تھیں، اور ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں۔[2101]

اے ایسے ویسے مسلمان! حضورِ اقدس ﷺ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ناراض ہو کر ان کی دعوت کو رد فرما دیا، تو بے شک تجھ سے تصویر رکھنے کی صورت میں سارے تعلقات توڑ دیں گے!

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصویر کی وجہ سے ملک شام میں دعوت رد فرمائی۔[2102]

[2099] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۲۰)

[2100] (مسلم کتاب الجنائز، باب الامر بتسویۃ القبور، ترمذی: کتاب الجنائز حدیث ۱۰۴۹، و ابو داؤد: کتاب الجنائز، حدیث ۳۲۱۸)

[2101] (نسائی، ابن ماجہ)

[2102] (کنز العمال ج۲ ص ۲۱۹، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ)

تمام مشائخ کو چاہیئے کہ ایسی جگہوں میں دعوت پر نہ جائیں جہاں پر تصاویر موجود ہوں۔ بعض احمقان یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ تبرکاً رکھتے ہیں۔ جنابِ عالی! خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔ انہیں آنحضرت ﷺ کے حکم سے ختم کیا گیا۔ رہا تبرک کا تصور، تو حرام میں تبرک کہاں؟ **تدبر و لا تکن من الغٰفلین۔**

حضور ﷺ جس فوٹو کو دیکھتے توڑ دیتے

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی ﷺ لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصالیب الا نقضہ۔ (رواہ البخاری) نبی کریم ﷺ گھر میں جس چیز پر بھی تصویر ملاحظہ فرماتے اسے بغیر توڑے نہ چھوڑتے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔[2103]

تشریح: یعنی اس چیز کو زائل کر دیتے یا اس کو توڑ دیتے۔ اصل میں "**نقض**" عمارت کے اجزاء کے ابطال کو کہتے ہیں۔ ہمارے علماء میں سے علامہ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اصل میں راوی نے "**تصالیب**" کو تماثیل کی جگہ ذکر کیا ہے، حالانکہ اصل میں یہ دونوں چیزیں مختلف ہیں۔ کیونکہ "تصالیب" میں اصل یہ ہے کہ یہ "**تصلیب**" کی جمع ہے۔ "**تصلیب**" صلیب تصویر بنانے کو کہتے ہیں۔ صلیب ایک مثلث نما چیز ہوتی ہے جس کی عبادت نصاریٰ کرتے ہیں۔ پھر نفس "**تصلیب**" پر اس کا اطلاق کیا گیا۔ اور پھر جس چیز کی شکل و صورت تھی اس کو "تصلیب" کہنے لگے۔ "**تسمیہ بالمصدر**" کے قبیل سے ہے۔ پھر اس کی جمع لائے۔ جیسا کہ "تصاویر" ہے اور یہاں پر "تصالیب" سے مراد صورتیں (یعنی تصاویر) ہیں۔

تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

کان لا یترک فی بیتہ شیئاً فیہ تصالیب الا قضبہ۔ ای قطع موضع الصلیب منہ دون غیرہ و القضب القطع۔[2104]

اور "**قضبہ**" کا معنی "**قطعہ**" ہے (یعنی اس کو کاٹ دیتے)۔ احتمال ہے کہ اختلاف لفظین بعض رواۃ کی طرف سے واقع ہوا ہو۔ ابو داؤد کی حدیث زیادہ فصیح اور زیادہ قرین قیاس ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس میں نظر ہے، کیونکہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے رواۃ اوثق اور اضبط ہیں۔ بخاری کی روایت پر اعتماد اولیٰ و احریٰ ہے اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے، کہ ابو داؤد کے الفاظ کے بارے میں شیخ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ ابو داؤد کی روایت کے الفاظ از روئے لغت زیادہ فصیح اور از روئے صناعت زیادہ قرین قیاس ہیں، یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ کتاب البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہاں روایت کے اعتبار سے اصح اور درایہ کے اعتبار سے افصح ہے۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ قراء سبعہ میں سے بعض قراء بعض اوقات کسی ایسے قراءت میں منفرد ہوتے ہیں جو تمام قراءت متواترہ سے افصح ہوتے ہیں۔

[2103] (أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۸۵ الحدیث رقم ۵۹۵۲، وأبو داؤد فی السنن ۴/۳۸۳ الحدیث رقم ۴۱۵۱، وأحمد فی المسند ۶/۲۳۷)

[2104] (الموسوعة الفقهية، ۶:۱۳۴)

حاصل یہ ہے کہ کلامِ باری تعالیٰ میں فصیح اور افصح دونوں کا وقوع جائز ہے۔ اوراسی طرح آپ ﷺ کے کلام میں بھی ہے۔ البتہ ان دونوں میں سے ایک کا بطریق اصح ہونا، یا اکثر سے مروی ہونا ایک جدا بات ہے۔ پھر علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''**اعلام السنن**'' میں ذکر کیا ہے، یہ بخاری کی شرح ہے۔ ''**وفی سائر الروایات**'' کے الفاظ اس بات کا پتہ دے رہے ہیں کہ یہ کتاب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے کیونکہ ''**السائر**'' کا معنیٰ: ''**بقیة من الشیء**''۔ اس طرح صاحب النہایۃ نے تصریح کی ہے۔ کیونکہ یہ ''**سور**'' سے ماخوذ ہے۔

یہ ایک عجیب بحث اور ایک عجیب اعتراض ہے۔ اس لئے کہ ''**سائر**'' بمعنیٰ ''**جمیع**'' آتا ہے اور بمعنیٰ ''**الباقی**'' بھی آتا ہے۔ اکثر واظہر یہی ہے اور یہ معنیٰ اس مقام میں متعین ہے۔ لیکن علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مراد باقی روایات البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ خلاف ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ روایات بخاری کے تتبع کا محتاج بھی ہے۔ اور یہ معنیٰ اس مبنیٰ کے وجود پر مبنی ہونا ہے، اور اگر اس کی صحت فرض کرلی جائے، تو پھر یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ روایت ابو داؤد میں بھی اس طرح ہے اور یہ بھی ممتنع نہیں ہے کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی بعض روایات بخاری ہی کی بعض روایات سے افصح اور اقیس ہوں، روایۃً بھی اور درایۃً بھی۔ **واللہ اعلم**۔[2105]

فوٹو کے محب سے نبی علیہ السلام کی انتہائی بیزاری کا اظہار

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ سید عالم ﷺ ایک جنازے میں تشریف لے گئے اور فرمایا: **ایکم ینطلق الی المدینة فلایدع بھا وثنا الا کسرہ ولا قبرا الا سواہ ولا صورة الا لطخھا**۔ تم میں کون ہے کہ مدینے شریف جاکر ہر بُت کو توڑ دے اور ہر قبر کو برابر کردے اور ہر تصویر کو مٹادے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میں یارسول اللہ ﷺ۔ فرمایا تو پھر کیا دیر ہے جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاکر واپس آئے اور عرض کیا فرمان کی تعمیل کرلی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: **من عاد الی صنعة شیء من ھذا فقد کفر بما انزل علی محمد**۔ اب جو یہ سب چیزیں بنائے گا وہ کفر وانکار کرے گا اس چیز کے ساتھ جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔

مسلمان بنظر ایمان دیکھے تو صحیح اور صریح احادیث میں اس پر کتنی سخت وعیدیں فرمائی گئی ہیں، حتیٰ کہ تصاویر بنانے والے کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام احادیث عام، شامل اور محیط کامل ہیں، جس میں کسی بھی تصویر کے کسی بھی طریقے کی تخصیص نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کتنے بھی کامل ولی کی تصویر، خواہ کسی بھی طریقے سے بنائی جائے، ناجائز ہے۔[2106]

[2105] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۶-۵۱۵)

[2106] (رواہ احمد)

نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ کعبۃ اللہ شریف میں جو بُت نصب ہیں، ان کو باہر نکال کر نامعلوم جگہوں پر دفن کریں، چھپی ہوئی تصاویر کو دھو کر صاف کریں۔ انہوں نے آکر عرض کیا کہ ہم نے حکم کی تعمیل اور تکمیل کر لی۔ آپ ﷺ نے کعبۃ اللہ شریف میں پاؤں مبارک اندر کر کے دیکھا کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت بی بی مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تصاویر ابھی صحیح سلامت ہیں۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاید احتراماً ان کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اولی العزم رسول ہونے کے علاوہ سردار کریم ﷺ کے جد امجد بھی تھے۔ آپ ﷺ کعبۃ اللہ شریف کے اندر نہیں گئے اور واپس لوٹ آئے اور حکم فرمایا کہ ان تصویروں کو بھی جا کر مٹایا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے زم زم شریف کا پانی بھر بھر کر کپڑے کے ساتھ رگڑ رگڑ کر ان تصاویر کو مٹا دیا۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ کعبۃ اللہ شریف میں جو تصویریں تھیں، حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان کو مٹادو۔ حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لئے سرگرم ہوئے۔ زم زم شریف ڈول کے ڈول بھر کر آتے اور کعبہ اندر باہر سے دھویا جاتا۔ کپڑے بھگو بھگو کر تصویریں مٹائی جاتیں یہاں تک کہ مشرکوں کے آثار سب دھو کر مٹا دیئے۔ جب سرکار مدینہ ﷺ نے خبر پائی کہ اب کوئی نشان باقی نہ رہا، اس وقت کعبہ کے اندر رونق افروز ہوئے، اتفاق سے بعض تصاویر مثل تصویر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نشان رہ گیا تھا۔ پھر نظر فرمائی تو حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر بھی صاف نہ دھلی تھی۔ حضور سرور عالم ﷺ نے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانی منگا کر بنفس نفیس کپڑا تر کر کے ان کو مٹانے میں شرکت فرمائی اور ارشاد فرمایا: **قاتل اللہ قوما یصوّرون ما لا یخلقون**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مار ہو ان پر جو تصویر بناتے ہیں۔

علمائے حق، مشائخ کرام و سالکین اس پر غور کریں کہ تیرے پیر سے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام بڑے پیر تھے اور خوش اعتقادی میں تیرے نبی کریم ﷺ تجھ سے بڑھ کر تھے، اس کے باوجود بھی تو نہیں مانتا تو پھر تیرے جیسا بد قسمت اور کوئی نہیں! لہٰذا اپنے مشائخ کی تصاویر کو اپنے گھروں سے، اپنے حجروں سے، اور اپنے دکانوں اور دفاتر سے ہٹانا چاہیئے۔

میں نے اپنے شیخ محترم، جامع المعقول والمنقول جگر گوشہ قیوم الزمان حضرت علامہ محمد سعید حیدری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی اپنے گھر پر دعوت کی۔ ہمارے گھر میں حضرت مبارک صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے والد صاحب جناب سید جمیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصاویر ساتھ ساتھ لٹکی ہوئی تھیں۔ جب حضرت حیدری صاحب مبارک نے انہیں دیکھا تو خود بنفس نفیس انہیں پھاڑ دیا۔ اور میرے تسکینِ دل کے لئے فرمایا: ”شاہ صاحب! آپ ناراض نہ ہوں، میں نے اپنے والد صاحب کی تصویر بھی پھاڑ دی۔ آپ تو عالم بھی ہیں، سید بھی ہیں، اور آپ کو خود معلوم ہے کہ تصاویر گھروں میں رکھنا حرام ہے۔ اور آپ نے یہ حدیث شریف نہیں دیکھی: **لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ**۔ اور کیا آپ نے بخاری شریف کی یہ حدیث نہیں دیکھی: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے: **لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصاویر**۔ (حضور نبی کریم ﷺ جس چیز میں بھی تصویر ملاحظہ فرماتے اسے بغیر توڑے نہ چھوڑتے)۔“

سلام ہو ایسے مشائخِ عظام پر جو اس طرح اپنے مریدین کی تربیت کرتے ہیں:

اس طرح تمام سیفی حضرات سے عرض ہے کہ اپنے مرشد مبارک حضرت حیدری صاحب مبارک کی سنت کو زندہ کریں اور تمام تصاویر اپنے گھروں سے نکال دیں۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَتْ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِأَرْضِ الحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا: مَارِيَةُ، وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ، وَأُمّ حَبِيبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَتَتَا أَرْضَ الحَبَشَةِ، فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيرَ فِيهَا، فَرَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: «أُولَئِكِ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَةَ أُولَئِكِ شِرَارُ الخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب حضورِ اقدس ﷺ بیمار ہوئے تو بعض خواتین نے نصاریٰ کے کنیسہ کا تذکرہ کیا جس کو "ماریہ" کہا جاتا تھا، حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ دونوں حبشہ سے آئی تھیں، اس لئے ان دونوں نے اس کنیسہ کے حسن اور اس کے اندر جو تصاویر ہیں ان کا ذکر کیا، حضورِ اقدس ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے ہیں اور پھر اس مسجد میں تصاویر بنا دیتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔[2107]

مندرجہ بالا عبارات اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ تصاویر ممنوع ہیں اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ تصاویر جسم والی ہوں یا وہ تصاویر کپڑوں پر یا کاغذ وغیرہ پر بنائی گئی ہوں۔

تشریح: کنیسة: یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ "کنیشت" سے معرب ہے اور اس کنیسۃ کو ماریہ کہا جاتا تھا اور شاید ماریہ بھی معرب ہے "مارئی مثلها" سے۔

دونوں نے اس کو حبشہ میں دیکھا تھا اور اس پر تعجب کیا تھا دونوں نے آپ علیہ السلام کے سامنے "ماریہ" کی خوبصورت تصاویر حُسن کو بیان اور ذکر کیا تو نبی علیہ السلام نے کمال غیرت الٰہیہ کی وجہ سے سر اُٹھایا "اولئک" کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے مخاطب کوئی خاتون تھیں اور ان دونوں میں سے کسی کو خطاب فرمایا یا اپنی ازواج میں سے کسی عورت کو خطاب فرمایا۔ یا حضرت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا اور ایک نسخہ میں "اولئک" بفتح الکاف ہے اس صورت میں یہ خطاب عام ہے یا ان خواتین کو مردوں کے قائم مقام قرار

[2107] (اخرجه البخاری فی صحیحه ۷/۱۸۷، الحدیث رقم ۳۸۷۳، ومسلم فی ۱/۳۷۵ الحدیث رقم ۵۲۸-۱۶، وأحمد فی المسند ۶/۵۱، والنسائی)

دیا۔ مطلب یہ کہ ان اہل کتاب یا یہود و نصاریٰ کی جماعت میں سے کوئی نیک آدمی نبی یا ولی مر جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر سجدہ گاہ یعنی عبادت گاہ بنالیتے جس کو "کنیسۃ" کہتے ہیں۔ پھر انہوں نے اس میں ان صلحاء کی تصویریں بنائیں۔ ان کی یاد گار کے طور پر یا اس لئے کہ ان کی وجہ سے عبادت میں ترغیب ہو گی۔ پھر ان کے بعد اور لوگ آئے، پس شیطان نے ان کو یہ اشکال مزین کر دکھائیں اور ان سے کہا کہ تمہارے اسلاف اس کی عبادت کیا کرتے تھے، تو وہ بُتوں کی پوجا میں جا پڑے۔[2108]

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے: **الرّجل الصّالح ای من نبیّ او ولیّ تلک الصور الصّلحاء تذکیرا بھم وترغیبا فی العبادۃ لاجلھم**۔ یعنی مرد صالح سے مراد نبی یا ولی ہے تلک الصور سے مراد اولیاء کرام ہیں۔ تصاویر اس لئے کھینچتے ہیں کہ ان کو یاد کر کے اور ان کی عبادت کا تصور لا کر اپنی عبادت پیدا کریں۔

فائدہ: دیکھئے بعینہٖ یہی کیفیت آج کل کے پیر پرست بھائیوں کی ہے کہ کہتے ہیں ہم اپنے مشائخ یا بڑے مولویوں کی تصویریں اس لئے رکھتے ہیں تاکہ تصور شیخ یا ان کے کردار یاد کر کے عبادت میں نفع ہو۔ اگرچہ میں نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ ایسے لوگ صرف نام ہی کے محب ہوتے ہیں، اعمال صالحہ کی بجائے برے اعمال میں منہمک ہوتے ہیں۔

تصویر بنانے والے اور بنوانے والے دونوں پر لعنت

لعن اللہ المصوّر والمصور لہ۔ یعنی جو تصویریں بناتا ہے اور جس کی تصویر بنائی جاتی ہے، دونوں پر اللہ پاک لعنت بھیجتا ہے۔

یعنی دنیا و آخرت میں وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو گا جہنم کا ایندھن بنے گا۔ مگر جس کے دل میں ابلیس کے کئی آشیانے ہیں اور وہ اس کے دل کی یونین کونسل کا چیئرمین بنا بیٹھا ہے وہ کہے گا کہ یہ تو دو تین الفاظ ہیں، ان چند الفاظ سے کیا بنے گا، سب خیر ہے، اگر نہیں مانیں گے تو کون سا آسمان گر پڑے گا؟

تصاویر کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال اور ان کا تعامل

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بہت سے ایسے آثار وارد ہوئے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ حضرات بھی تصویر کو مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔ ان آثار میں سے چند آثار مندرجہ ذیل ہیں:

[2108] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۳۵-۵۳۴)

۱۔عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنہ قال للنصاری: انا لا ندخل کنائسکم من أجل التماثیل التی فیھا الصور۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصاری سے فرمایا کہ ہم تمہارے عبادت خانوں میں ان مجسموں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے جو کہ حقیقت میں تصاویر ہیں۔[2109]

عبد الرزاق نے اس اثر کو اسلم مولی عمر کے طریق سے اس طرح نقل کیا ہے کہ:

لمّا قدم عمر الشام صنع لہ رجل من النصاری طعاماً و کان من عظمائھم و قال: أحب أن تجیئنی و تکرمنی فقال لہ عمر: انا لا ندخل کنائسکم من أجل الصور التی فیھا یعنی التماثیل۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں تشریف لائے تو نصاریٰ کے ایک شخص نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کھانا تیار کیا، وہ شخص نصاریٰ کے بڑے لوگوں میں سے تھا، اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے یہاں تشریف لائیں اور مجھے عزت بخشیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا کہ ہم تمہارے عبادت خانوں میں ان تصاویر یعنی مجسموں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے جو اس میں موجود ہوتی ہیں۔

۳۔ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنہ رأی صورۃ فی البیت فرجع۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے گھر میں تصویر دیکھی تو واپس چلے گئے۔[2110]

۴۔عن أبی مسعود الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رجلاً صنع لہ طعاماً فدعاہ فقال: أفی البیت صورۃ؟ قال: نعم! فأبی أن یدخل حتی کسر الصورۃ ثم دخل۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان کے لئے کھانا تیار کیا اور پھر ان کو بلایا، انہوں نے پوچھا کہ کیا گھر میں کوئی تصویر ہے؟ داعی نے کہا ہاں! آپ نے اس کے گھر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا حتی کہ اس شخص نے وہ تصویر توڑ دی پھر آپ اس کے گھر میں داخل ہوئے۔[2111]

۵۔عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ رأی فرساً من رقاع فی ید جاریۃ فقال: الا تریٰ ھذا؟ قال رسول اللہ ﷺ انما یعمل ھذا من لا خلاق لہ یوم القیامۃ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک بچی کے ہاتھ میں کپڑے کا بنا ہوا ایک گھوڑا دیکھا، آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس کو نہیں دیکھتی ہو؟ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسی چیز وہی شخص بناتا ہے جس کا قیامت کے روز کوئی حصہ نہیں ہے۔[2112]

[2109] (ذکرہ البخاری تعلیقاً فی کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی البیعۃ)

[2110] (بخاری، کتاب النکاح، باب ھل یرجع اذا رأی منکراً)

[2111] (سنن بیھقی ۲۶۸:۷، کتاب النکاح، باب المدعو یریٰ صوراً)

[2112] (مسند احمد ۲۸۹:۲)

عن شعبة مولی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما ان المسور ابن مخرمة دخل علی عبد اللہ بن عباس یعوده، فرأی علیه ثوب استبرق، فقال: یا ابن عباس! ماهذا الثوب؟ قال ابن عباس: وماهو؟ قال: الاستبرق قال: انما کره ذلک لمن یتکبر فیه قال: ماهذه التصاویر فی الکانون؟ فقال: لا جرم، ألم ترکیف أحرقها بالنار؟ فلما خرج قال: انزعوا هذا الثوب عنی واقطعوا رءوس هذه التصاویر التی فی الکانون فقطعها۔ شعبہ مولی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیادت کے لئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے اوپر موٹا ریشمی کپڑا ہے، انہوں نے فرمایا اے ابن عباس! یہ کپڑا کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا یہ تو ریشمی کپڑا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے لئے مکروہ ہے جو اس کو پہن کر تکبر کریں۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ انگیٹھی میں تصاویر ہیں، وہ کیسی ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ ان کو آگ نے کس طرح جلا دیا ہے۔ جب حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس تشریف لے گئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کپڑے کو میرے اوپر سے ہٹا دو اور انگیٹھی میں جو تصاویر ہیں ان کے سروں کو کاٹ دو۔ پس ان کو کاٹ دیا گیا۔[2113]

۷۔ عن قتادة أن کعباً رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: وامّا من آذی اللہ فالذین یعملون الصور فیقال لهم: أحیوا ما خلقتم۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی، یہ وہ لوگ ہیں جو تصاویر بناتے ہیں، ان سے کہا جائے گا (قیامت کے دن) کہ جو تم نے بنالیا ہے ان کو زندہ کرو۔“[2114]

۸۔ عن قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: یکره من التماثیل ما فیه الروح فأمّا الشجر فلا بأس به۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ تماثیل مکروہ ہیں جو ذی روح ہوں، اگر درخت کی تماثیل ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[2115]

۹۔ أخرج ابن سعد فی طبقاته أن سعید بن المسیب کان لا یأذن لابنته فی اللعب ببنات العاج۔ ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبقات میں فرمایا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیٹی کو ہاتھی دانت کی گڑیا سے کھیلنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[2116]

فقہاء کے مذاہب

[2113] (سنن بیہقی ۷:۲۷۰، مسند احمد ۱:۳۵۳)

[2114] (مصنف عبد الرزاق ۱۰:۴۰۰، حدیث ۱۹۴۹۲)

[2115] (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۴۰۰، حدیث ۱۹۴۹۳)

[2116] (طبقات ۵:۱۳۴)

مندرجہ بالا احادیث و آثار کی وجہ سے جمہور فقہاء تصاویر بنانے اور تصاویر کو گھروں میں لگانے کی حرمت کے قائل ہیں، چاہے وہ تصاویر مجسم اور سایہ دار ہوں یا غیر مجسم ہوں اور سایہ دار نہ ہوں۔ چنانچہ حدیث نمبر ۴ جو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، مسلم شریف کی حدیث ہے، اس کے تحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی "شرح مسلم" میں فرماتے ہیں: **قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر، لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الاحاديث، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ۔۔۔ وأما اتخاذ المصور فيه صورة حيوان فان كان معلقاً على حائط أو ثوبا ملبوسا أو عمامة ونحو ذلك مما لا يعد ممتهنا فهو حرام، وان كان في بساط يداس ومخدة ووسادة ونحوها مما يمتهن فليس بحرام، ولا فرق في هذا كله بين ماله ظل ومالا ظل له۔ هذا تلخيص مذهبنا في المسئلة۔ وبمعناه قال جماهير العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وهو مذهب الثوري رحمه الله تعالىٰ ومالك رحمه الله تعالىٰ وأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وغيرهم۔** یعنی ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ حیوان کی تصویر بنانا انتہائی شدید حرام ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ اس عمل پر شدید وعید احادیث میں مذکور ہے، چاہے اس کو کسی حقیر چیز پر بنائے یا باعزت چیز پر بنائے، ہر حال میں اس کی صنعت حرام ہے، اس لئے کہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل پیدائش میں مشابہت اختیار کرنا ہے۔ جہاں تک کہ اس چیز کے رکھنے کا تعلق ہے جس پر کسی حیوان کی تصویر بنی ہوئی ہے، تو اگر وہ تصویر کسی ایسی چیز پر بنی ہوئی ہے جو کسی دیوار پر لٹکی ہوئی ہے یا وہ کپڑا ہے جو جسم پر پہنا ہوا ہے، یا عمامہ پر ہے، یا اس طرح کی کسی چیز پر ہے جس کو حقیر نہیں سمجھا جاتا ہو تو ایسی چیز رکھنا حرام ہے، اور اگر وہ تصویر ایسے بچھونے پر بنی ہوئی ہے جو روندا جاتا ہے، یا کسی چھوٹے یا بڑے ایسے تکیوں پر بنی ہوئی ہے جس کو معمولی سمجھا جاتا ہے تو ان کو رکھنا حرام نہیں۔ البتہ اس لحاظ سے حلت اور حرمت میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تصویر سایہ دار ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں مندرجہ بالا تفصیل ہمارے مذہب کا خلاصہ ہے، جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اور جمہور تابعین رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے بعد کے جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے۔ امام ثوری، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔[2117]

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے "عمدۃ القاری" میں اسی طرح کا قول نقل فرمایا ہے، دیکھئے جلد ۱۰، صفحہ ۳۰۹۔ اسی سے احناف اور شوافع کا مسلک بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے، چنانچہ علامہ مرداوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يحرم تصوير ما فيه روح ولا يحرم تصوير الشجر ونحوه والتمثال مما لا يشابه ما فيه روح، على الصحيح من المذهب۔۔۔ ويحرم تعليق ما فيه صورة حيوان وستر الجدار به وتصويره على الصحيح من المذهب۔** صحیح مذہب کے مطابق ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے اور درخت وغیرہ کی تصویر بنانا اور ایسا مجسمہ بنانا جو کسی ذی روح کے مشابہ نہ ہو، حرام نہیں۔ اور صحیح مذہب کے مطابق ایسی چیز لٹکانا جس پر حیوان کی تصویر بنی ہوئی ہو اور اس چیز سے دیوار کا پردہ کرنا اور کسی حیوان کی تصویر بنانا حرام ہے۔[2118]

[2117] (الارشاد الساری ج ۱۲ ص ۶۲۲)

[2118] (الانصاف للمرداوی ۱:۴۷۴)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی میں ص۷ج۷ کتاب الولیمہ میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی ہے۔

چونکہ تصویر کے مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف روایات ہیں اس وجہ سے علماء مالکیہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف پیش آیا ہے۔ البتہ مذہب مالکیہ کے تمام روایات و اقوال کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مجسم تصویر جو سایہ دار ہو حرام ہے، البتہ وہ تصویر جو سایہ دار نہ ہو جیسے کاغذ یا کپڑے پر بنائی ہوئی تصویر، اس کی حرمت کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابیؒ رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں **واختلف فی تصویر مالا ظل لہ فکرھہ ابن شھاب فی أیّ شیء صور من حائط او ثوب أو غیرھما و أجاز ابن القاسم تصویرہ فی الثیاب لقولہ فی الحدیث الآتی "الا رقماً فی ثوب"**۔ یعنی جو تصویر سایہ دار نہ ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے، علامہ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں چاہے وہ دیوار پر ہو یا کپڑے پر ہو یا کسی اور چیز پر ہو، جبکہ علامہ ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ صرف اس تصویر کو جائز قرار دیتے ہیں جو کسی کپڑے پر بنی ہوئی ہو، اس لئے اس حدیث شریف کے الفاظ 'الا رقماً فی ثوب' میں ایسی تصویر کی اجازت دی گئی ہے۔[2119]

اسی طرح علامہ موّاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ تصویر کی حرمت کا حکم صرف ان تصاویر کے ساتھ ہے جو جسم دار ہوں۔[2120]

علامہ دردیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **والحاصل أن تصاویر الحیوانات تحرم اجماعاً ان کانت کاملۃ لھا ظل مما یطول استمرارہ بخلاف ناقص عضو لا یعیش بہ لو کان حیوانا، و بخلاف مالا ظل لہ کنقش فی ورق أو جدار، و فیما لا یطول استمرارہ (کمالو کانت من نحو قشر بطیخ) خلاف، و الصحیح حرمتہ**۔ یعنی خلاصہ یہ ہے کہ اگر حیوانات کی تصاویر کامل ہوں، سایہ دار ہوں اور دیر پا ہوں تو ایسی تصاویر بالاجماع حرام ہیں۔ بخلاف اس تصویر کے جو ایسے ناقص عضو والی ہوں کہ اگر وہ حقیقی حیوان ہوتا تو اس عضو کے ناقص ہونے کی وجہ سے زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور بخلاف ایسی تصویر کے جو سایہ دار نہ ہو جیسے کاغذ یا دیوار پر کسی حیوان کا نقش، البتہ وہ تصویر جو دیر پا نہ ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ ایسی تصویر حرام ہے۔[2121]

مذہب مالکیہ کی کتابوں کی طرف مراجعت کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اکثر فقہاء مالکیہ تصویر کی کراہت کے قائل ہیں اگرچہ وہ سایہ دار نہ ہو، الا یہ کہ وہ تصویر ذلت والی جگہ پر بنائی گئی ہو۔ چنانچہ علامہ خرشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **قال فی التوضیح: التمثال اذا کان لغیر حیوان کالشجر جائز و ان کان لحیوان فمالہ ظل ویقیم فھو حرام باجماع، و کذا یحرم و ان لم یقم کالعجین خلافا لأصبغ و مالا ظل لہ ان کان غیر ممتھن فھو مکروہ و ان کان ممتھناً فترکہ أولی**۔ یعنی علامہ خرشی رحمہ اللہ "توضیح" میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی غیر حیوان کا مجسمہ ہو مثلاً درخت کا تو وہ جائز ہے اور اگر حیوان کا مجسمہ ہو تو اگر وہ مجسمہ سایہ دار ہو اور پائیدار ہو تو وہ بالاجماع حرام ہے اور

[2119] (شرح مسلم للابی، ۵:۳۹۴)

[2120] (التاج والاکلیل ۴:۴)

[2121] (حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر، ۲:۵۰۱)

اگر پائیدار نہ ہو جیسے گوندا ہوا آٹا تو بھی حرام ہے خلافا لاصبغ۔ اور اگر وہ ایسا مجسمہ ہے جو سایہ دار نہیں ہے تو اس صورت میں اگر وہ کسی حقیر اور ذلیل جگہ پر نہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر کسی ذلیل اور حقیر جگہ پر ہو تو بھی اس کا ترک اولیٰ ہے۔ علامہ دردیر رحمہ اللہ نے شرح الکبیر میں بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[2122]

خلاصہ یہ ہے کہ جسم دار تصویر بنانا ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے اگر جسم دار نہ ہو تو بھی آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک قول حرام ہونے کا ہے البتہ اکثر علماء مالکیہ کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ ایسی تصویر مکروہ ہے لیکن بعض علماء مالکیہ ایسی تصویر کے جواز کے قائل ہیں۔

جو حضرات فقہاء غیر مجسم تصویر کے جواز کے قائل ہیں وہ حضرت بسر بن سعید کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: **أن بسر بن سعيد حدثه أن زيد بن خالد الجهني حدثه ومع بسر عبيد الله الخولاني، أن أبا طلحة حدثه أن رسول الله ﷺ قال: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه صورة، قال بسر: فمرض زيد بن خالد فعدناه فاذا نحن في بيته بستر فيه تصاوير فقلت لعبيد الله الخولاني، ألم يحدثنا في التصاوير؟ قال أنه قال: الا رقماً في ثوب الم تسمعه؟ قلت: لا، قال: بلىٰ قد ذكر ذلك۔** حضرت بسر بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد جہنی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں اور حضرت بسر کے ساتھ عبید اللہ خولانی بھی تھے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ "فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔" حضرت بسر بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد الجہنی رحمہ اللہ تعالیٰ بیمار ہوگئے، ہم ان کی عیادت کے لئے گئے، ہم جس کمرے میں تھے اس میں پردہ تھا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں، میں نے حضرت عبید اللہ خولانی سے کہا کہ کیا انہوں نے تصاویر کے بارے میں حدیث بیان نہیں کی تھی؟ حضرت عبید اللہ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے یہ بھی تو فرمایا تھا "**الا رقما في ثوب**" کیا تم نے یہ الفاظ نہیں سنے تھے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے کہا کیوں نہیں سنا، انہوں نے یہ الفاظ بیان کئے تھے۔[2123]

ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے کہ: **عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة أنه دخل على أبي طلحة الأنصاري يعوده، قال: فوجدت عنده سهل بن حنيف، قال: فدعا أبو طلحة انساناً ينزع نمطاً تحته فقال له سهل: لم تنزعه؟ قال: لأن فيه التصاوير وقد قال فيه النبي ﷺ ما قد علمت، قال سهل: أو لم يقل: الا ما كان رقما في ثوب فقال: بلىٰ ولكنه أطيب لنفسي۔** حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ روایت فرماتے ہیں کہ وہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس عیادت کے لئے گئے، فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں حضرت سہل بن حنیف کو موجود پایا، فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو بلایا تاکہ وہ ان کے نیچے سے چادر نکال لے، حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ اس کو کیوں نکال رہے ہیں؟ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس میں

[2122] (دسوقی ۲:۳۳۸، الزرقانی علی مختصر خلیل ۴:۵۳)

[2123] (صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ)

تصاویر ہیں اور تصاویر کے بارے میں حضورِ اقدس ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا "الا رقما فی ثوب"؟ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ ضرور فرمایا ہے لیکن اس کا نکال دینا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے۔[2124] غیر مجسّد تصویر کے جواز کے قائلین مندرجہ بالا احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ وہ تصویر جو کسی کپڑے پر بنی ہوئی ہو، وہ حرمت سے مستثنیٰ ہے لہٰذا ایسی تصویر جائز ہے۔

جمہور فقہاء ان احادیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "**الرقم فی الثوب**" سے مراد وہ تصویر ہے جو کسی درخت یا کسی غیر ذی روح کی تصویر ہو، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ: **دخل علیّ رسول اللہ ﷺ وقد سترت سهوة لی بقرام فیه تماثیل، فلمّا رآه هتکه وتلوّن وجهه وقال یا عائشة! أشد الناس عذابا عند الله یوم القیامة الذین یضاهون بخلق الله**۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میں نے اپنے طاقچے کو ایک ایسے پردے سے ڈھانپا ہوا تھا جس پر تصاویر تھیں، جب حضور اقدس ﷺ نے وہ پردہ دیکھا تو آپ نے اس کو پھاڑ دیا اور آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا: اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے عمل سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ تصویر جو کسی کپڑے پر بنی ہوئی ہو، جائز ہوتی تو اس پردے پر بنی ہوئی تصویر پر حضورِ اقدس ﷺ نکیر نہ فرماتے جبکہ وہ پردہ کپڑے کا تھا۔ جہاں تک اس قصہ میں روایات کا اختلاف ہے، ان تمام روایات میں ایک ہی واقعہ مذکور ہے اور اس حدیث کو متعدد واقعات پر محمول کرنا بعید ہے۔

ہمارے زمانے کے بعض متجددین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تصویر کی حرمت ابتداء اسلام میں تھی، اس لئے کہ ابتداء اسلام کا زمانہ جاہلیت اور بت پرستی کے زمانے سے قریب تھا اور لوگوں کے دلوں میں توحید کا عقیدہ راسخ نہیں ہوا تھا، لہٰذا جب توحید کا عقیدہ ان کے اندر راسخ ہو گیا تو تصویر کی حرمت اٹھالی گئی۔ متجددین کے اس دعویٰ پر قرآن و حدیث میں کوئی دلیل موجود نہیں، اگر تصویر کی حرمت کا حکم منسوخ ہو جاتا تو حضور اقدس ﷺ صراحۃً اس کا نسخ بیان فرماتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تصاویر سے منع نہ فرماتے۔ اور آپ نے دیکھا کہ فقہاء صحابہ ایسے گھروں میں داخل ہونے سے منع فرماتے تھے جن میں تصاویر ہوتیں، یہ سب کچھ حضور اقدس ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد پیش آیا۔ یہ اس بات کی دلیل قطعی ہے کہ تصویر کی حرمت کا حکم اب بھی باقی ہے اور اس حکم کو کسی چیز نے منسوخ نہیں کیا۔ اور یہ حکم کیسے منسوخ ہو سکتا ہے جبکہ حضور اقدس ﷺ نے تصویر کی حرمت کی علّت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے

[2124] (ترمذی، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۵۰)

کے عمل سے مشابہت اختیار کرنا ہے، یہ علّت ایسی ہے جو کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ ایک زمانے میں پائی جائے اور دوسرے زمانے میں نہ پائی جائے۔

علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ "شرح العمدۃ" میں فرماتے ہیں: **ولقد أبعد غاية البعد من القال: ان ذلک محمول علی الکراهة وأن التشديد کان فی ذلک الزمان لقرب عهد الناس بعبادة الأوثان، وهذا الزمان حيث انتشر الاسلام وتمهدت قواعده فلا يساويه فی هذا التشديد ۔۔۔ وهذا القول عندنا باطل قطعاً لأنه قد ورد فی الأحاديث والأخبار عن أمر الآخرة بعذاب المصورين، وانهم يقال لهم: احيوا ما خلقتم، وهذه علة مخالفة لما قاله هذا القائل۔ وقد صرّح بذلک فی قوله عليه السلام: المشبهون بخلق الله، وهذه علّة عامّة مستقلة مناسبة ولا تخص زماناً دون زمان، وليس لنا أن نتصرف فی النصوص المتظاهرة المتضافرة بمعنی خياليّ۔**

ترجمہ: جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے انہوں نے نہایت دور کی بات کہی ہے کہ تصویر کی حرمت کراہت پر محمول ہے اور یہ تصاویر کی حرمت کی شدّت اسی زمانے میں تھی (جب اسلام نیا نیا تھا) کیونکہ لوگوں کا وہ زمانہ بتوں کی عبادت سے قریب کا زمانہ تھا، اب اس زمانہ میں چونکہ اسلام پھیل چکا ہے اور اسلام کے قواعد آسان ہو چکے ہیں، اس لئے اس حکم میں اب وہ شدّت باقی نہیں رہی۔ ہمارے نزدیک یہ قول قطعی طور پر باطل ہے اس لئے کہ احادیث اور اخبار میں تصویر بنانے والوں کو آخرت میں عذاب دیئے جانے کی وعید وارد ہوئی ہے اور قیامت کے روز تصویر بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو۔ لہٰذا یہ علّت ان متجددین کے قول کے بالکل مخالف ہے اور حضور اقدس ﷺ کے اس قول میں اس کی صراحت موجود ہے، وہ یہ کہ "**المشبهون بخلق الله**" یعنی یہ تصاویر بنانے والے اللہ تعالیٰ کے بنانے سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ یہ علّت عام، مستقل اور مناسب ہے، کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہٰذا ایک خیالی معنی کی وجہ سے ایسی نصوص میں تصرف کرنا جائز نہیں جو ظاہر ہیں اور جو ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں۔[2125]

علامہ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت کے بعد فرماتے ہیں: **هذا ما قاله ابن دقيق العيد منذ أكثر من ٦٧٠ سنة، يرد علی قوم تلاعبوا بهذه النصوص فی عصره أو قبل عصره، ثم يأتی هؤلاء المفتون المضلون واتباعهم المقلدون الجاهلون او الملحدون الهدّامون، يعيدونها جزعة ويلعبون بنصوص الاحاديث كما لعب اولٰئكم من قبل، ثم كان من اثر هذه الفتاوىٰ الجاهلة ان ملئت بلادنا بمظاهر الوثنية كاملةً فنصبت التماثيل وملئت بها البلاد تكريماً لذكری من نسبت اليه وتعظيماً ۔۔۔ وكان من أثر هذه الفتاوىٰ الجاهلة ان صنعت الدولة وهی تزعم أنها دولة اسلامية فی امّة اسلامية ماسمته مدرسة الفنون الجميلة أو كلية الفنون الجميلة صنعت معهداً للفجور الكامل الواضح! ويكفی للدلالة علی ذلک ان يدخله الشبّان الماجنون من الذكور والاناث اباحيين مختلطين، لا يردعهم دين ولا عفاف ولا غيرة، يصورون فيه الفواجر من الغانيات**

[2125] (شرح العمدة ۱:۱۷۲، کتاب الجنائز، حدیث ۱۱)

اللائی لا یستحیین ان یقفن عرایا ویجلسن عرایا ویضطجعن عرایا۔۔۔ثم یقولون لنا: ھذا فنّ، لعنھم اللہ ولعن من رضی ھذا منھم او سکت علیہ۔[2126]

ترجمہ: بعض متجددین تصویر کے جواز پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں نازل ہوئی ہے کہ {**یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ط**} (سبا: ۱۳) "وہ جنّات ان کے لئے وہ چیزیں بناتے جو ان کو (منظور) ہوتا، بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیاں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔" متجددین اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مورتیاں بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو نعمتوں کے بیان کے سیاق میں ذکر فرمایا ہے، لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ مورتیاں بنانا حرام نہیں۔

لیکن یہ استدلال دو وجہ سے درست نہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ لغت میں "**تمثال**" ہر اس تصویر کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسری شیء کی صورت کے مطابق بنائی گئی ہو، جیسا کہ "**لسان العرب**" وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ وہ "**تماثیل**" جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بناتے تھے وہ غیر ذی روح کی تصاویر ہوں، چنانچہ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "**کشّاف**" میں مندرجہ بالا آیت کے تحت فرماتے ہیں: **ویجوز أن یکون غیر صور الحیوان کصور الأشجار وغیرھا لانّ التمثال کل ما صور علی مثل صورۃ غیرہ من حیوان أو غیر حیوان۔** یعنی یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات جو تماثیل بناتے تھے وہ غیر حیوان مثلاً درخت وغیرہ کی تماثیل ہوں، کیونکہ "**تمثال**" ہر اس تصویر کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسری چیز کی صورت کے مثل بنائی جائے، چاہے وہ حیوان کی صورت ہو یا غیر حیوان کی ہو۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ توراۃ میں بھی ذی روح کی تصویر کی حرمت وارد ہوئی ہے، حتی کہ وہ محرف شدہ توراۃ جو آج ہمارے پاس ہے، اس میں بھی یہ حکم موجود ہے، چنانچہ "**سفر الخروج**" میں ہے: **لا تصنع لک تمثالاً منحوتاً ولا صورۃ ما مما فی السماء من فوق وما فی الارض من تحت وما فی الماء من تحت الارض۔** یعنی آپ کے لئے کوئی تراشیدہ صورت نہ بنائی جائے، نہ کسی ایسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان میں ہے یا جو نیچے زمین میں ہے یا جو زمین کے نیچے پانی میں ہے۔[2127]

[2126] (تعلیقات احمد شاکر علی مسند احمد ۱۵۱:۱۲، حدیث ۷۱۶۶)

[2127] (سفر الخروج، ۲۰:۲)

"سفر التثنية" میں یہ عبارت درج ہے: لئلا تفسدوا و تعملوا لأنفسكم تمثالاً منحوتاً صورة مثال ما شبه ذكر أو أنثى، شبه بهيمة مّا ممّا على الأرض، شبه طير مّا ذى جناح ممّا يطير فى السماء شبه دبيب مّا على الأرض، شبه سمك ما مما فى الماء من تحت الارض۔ [2128]

ترجمہ: یعنی تاکہ تم فساد نہ کرو (اس طرح کہ) تم اپنے لئے ایسی تراشیدہ تصویر بناؤ جو کسی مذکر یا مؤنث کے مشابہ ہو، یا کسی ایسے چوپائے کے مشابہ ہو جو زمین پر ہے، یا کسی ایسے پرندے کے مشابہ ہو جو پروں والا ہو جس سے وہ آسمان پر اڑتا ہو، یا زمین پر رینگنے والے کے مشابہ ہو، یا زمین کے نیچے پانی میں تیرنے والی مچھلی کے مشابہ ہو۔

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام توراۃ کی پیروی کرتے تھے، لہٰذا یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ ایسی تصاویر بنانے کا حکم دیں جس کو توراۃ نے حرام قرار دیا ہو۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ وہ تصاویر جو جنّات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بنایا کرتے تھے، وہ غیر ذی روح کی تصاویر ہوتی تھیں جیسے درخت اور پھول اور کائنات کے قدرتی مناظر وغیرہ کی تصاویر۔

اس آیات سے استدلال درست نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ذی روح کی تصاویر بنانے کی اجازت دے رکھی تھی، تو بھی اصول یہ ہے کہ سابقہ شرائع کے ذریعہ ایسی چیز کے بارے میں استدلال کرنا صحیح نہیں کہ ہماری شریعت میں اس کے معارض حکم موجود ہو۔ اور آپ نے دیکھ لیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے تصویروں کے بارے میں انتہائی تاکید سے ممانعت فرمائی ہے اور حضور اقدس ﷺ کا منع فرمانا ہمارے لئے حجت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ {**لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجاً**} "تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی۔" (المائدہ:۴۸)

تصویر کھینچوانے والے کی امامت

استفتاء: آپ اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی امام یا خطیب تصویر کھینچوانے جیسا حرام فعل کرتا ہو تو اس کی امامت میں نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: قصداً تصویر کھینچوانا گناہ ہے اور ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ ہاں کوئی شخص تصویر کھینچنے کو منع کرتا اور ناجائز بتاتا ہے، پھر بھی اس کی تصویر کھینچ لی گئی تو وہ گناہ گار نہیں ہے، یا گورنمنٹ نے جن جگہوں میں تصویر لگانا ضروری قرار دیا ہے، مثلاً پاسپورٹ شناختی کارڈ وغیرہ ان چیزوں کے لئے تصویر کھچوانا گناہ نہیں ہے۔ جس صورت میں تصویر کھچوانا ناجائز ہے اس صورت میں امامت بھی ناجائز ہے [2129]

بزرگانِ دین کی تصاویر بنانا اور تبرکاً لٹکانا

[2128] (سفر التثنية ۱۸۶:۴)

[2129] (وقار الفتاوی، کتاب الصلوۃ، جلد ۲ ص ۱۷۲)

حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کی تصویر لگانے میں کسی قسم کی خیر وبرکت نہیں بلکہ معصیت ہے۔ عام آدمی کی تصویر کے ساتھ برابر ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس گھر یا دوکان میں عام آدمی یا کسی بزرگ کی تصویر ہو اس کے گھر میں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔ لھٰذا مذکورہ بالا مقصد کے لئے کسی بزرگ کی تصویر لگانے سے اجتناب ضروری ہے۔ **لما ورد فی الحدیث: عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت دخل علیّ رسول اللہ ﷺ وانا مشترۃ بقرام فیہ صورۃ فتلون وجھہ ثم تناول الستر فھتکہ ثم قال ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یشبھون بخلق اللہ۔**[2130]

میرے مسلمان بھائی! اللہ تعالیٰ ہمیں بڑے اور سخت سے سخت تر عذاب سے پناہ میں رکھے اور ہمیں توبہ کی توفیق بخشے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ محمد وقار الدین قادری نوّر اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ فرماتے ہیں: کسی جاندار کی تصویر بنانا یا اس کا بنوانا، تصویر کی تعظیم کرنا اور کسی تصویر کو باعث خیر وبرکت سمجھنا، سب حرام ہے۔ احادیث میں تصویر سازوں کے لئے سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے: **ان اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔**[2131]

"یعنی بے شک اللہ کے یہاں سخت ترین عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔" دنیا میں شرک کی ابتداء ہی تصویروں سے ہوئی۔ صحاح ستہ کی احادیث میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ بزرگوں سے مسلمانوں کو عقیدت ہوتی ہے اس کی بناء پر وہ بزرگوں کی تصویروں کی بھی عزت کریں گے، یہ اور زیادہ سخت گناہ ہے۔ اس لئے تمام تصویروں کے مقابلے میں بزرگوں کی تصویر بنانے کا گناہ زیادہ سخت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ حکومت سے سخت احتجاج اور مطالبہ کریں کہ اس ناجائز کام کو بند کیا جائے۔"[2132]

بعض فوٹو کھینچوانے کے شوقین حضرات کہتے ہیں کہ تصویر سے مراد وہ ہے جو مصور نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہو، اس سے فوٹو مراد نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نقش ونگار کے ذریعہ بنائی ہوئی تصاویر اور عکسی تصاویر کے درمیان جو تفریق ہے اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ جو چیز اصلاً حرام اور غیر مشروع ہو، آلہ کے بدل جانے سے اس کا حکم نہیں بدلتا۔ مثلاً شراب حرام ہے، چاہے اس کو ہاتھ سے بنایا گیا ہو یا جدید مشینوں کے ذریعے تیار کیا گیا ہو۔ یا مثلاً قتل حرام ہے چاہے کوئی شخص چھری سے قتل کرے یا گولی چلا کر قتل کرے۔ یہی معاملہ تصویر کا ہے، شریعت نے تصویر بنانے اور رکھنے کو منع فرمایا ہے لہٰذا اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تصویر مصور کے برش سے بنائی گئی ہے یا کیمرہ کے ذریعہ کھینچی گئی ہو۔ واللہ سبحانہ اعلم۔[2133]

[2130] (صحیح مسلم، ج ۲ ص ۲۰۰) (بحوالہ فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۴۳۰)

[2131] (ج ۲، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ ص ۸۸۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

[2132] (حوالہ وقار الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۵۱۳)

[2133] (بحوالہ فقہی مقالات، ص ۱۳۰)

شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک علماء ازہر کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ کیمرے کی بنائی ہوئی تمام تصاویر اس لئے جائز ہیں کہ وہ ہاتھ سے نہیں بنائی جاتیں اور یہ کہ کیمرے کے ذریعہ صرف عکس کو مقید کر لیا جاتا ہے۔ دیکھئے پہلے شراب ہاتھ سے بنائی جاتی تھی، اب مشینی عمل کے ذریعہ شراب بنائی جاتی ہے تو کیا اس فرق سے اب شراب جائز ہو جائے گی؟ پہلے ہاتھوں کی تراش خراش سے مجسمے بنائے جاتے تھے، اب مشینوں کے ذریعے پلاسٹک اور دوسری اجناس کے مجسمے ڈھال لئے جاتے ہیں تو کیا اب وہ جائز ہو جائیں گے؟ فوٹو کے متعلق اسلام کا منشاء یہ ہے کہ کسی بھی جاندار کی صورت اور شبیہ کو مستقل طور پر محفوظ کر لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہمیشہ جانداروں کی تصویریں شرک اور فتنہ کی موجب بنتی رہی ہیں۔ اب بھی ہندوستان اور بعض دوسرے ممالک میں تصویروں اور بتوں کی پوجا ہوتی ہے۔ ہندوستان میں گاندھی کی تصویر کی تعظیم اور تکریم ہوتی ہے، روس میں سٹالن کی تصویر کی تعظیم کی جاتی ہے، پاکستان کے تمام دفاتر، اسمبلیوں اور سفارت خانوں میں بڑے سائز کی قائد اعظم کی تصویر تعظیما اونچی جگہ پر آویزاں کی جاتی ہے۔ اس لئے اصل فتنہ صورت کے محفوظ کرنے میں ہے، خواہ صورت کو سنگ تراشی سے محفوظ کیا جائے، قلم کاری سے یا فوٹو گرافی سے، جس طریق سے بھی تصویر کو حاصل اور محفوظ کر لیا جائے گا اس سے حاصل شدہ تصویر ناجائز اور حرام ہو گی اور بت تراشی، مصوری اور فوٹو گرافی میں جواز اور عدم جواز کا فرق کرنا صحیح نہیں ہے۔[2134]

مولوی محمد یوسف لدھیانوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "کیمرے کے اندر جو "چغد" بیٹھا ہوا ہے وہ مشین ہے، جو انسان کی تصویر کو محفوظ کر لیتی ہے۔ جو کام مصور کا قلم یا برش کرتا ہے وہی کام یہ مشین نہایت سہولت اور سرعت کے ساتھ کر دیتی ہے، اور اس مشین کو بھی انسان ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ منطق کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آتی کہ جو کام آدمی ہاتھ یا برش سے کرے تو وہ حرام ہو اور وہی کام اگر مشین سے کرنے لگے تو وہ حلال ہو جائے، اور پھر آنجناب فوٹو کے تصویر ہونے کا بھی انکار فرماتے ہیں، حالانکہ عرف عام میں بھی فوٹو کو تصویر ہی کہا جاتا ہے اور تصویر کا ہی ترجمہ "فوٹو" ہے۔ الغرض آپ نے ہاتھ کی بنائی ہوئی اور مشین کے ذریعہ اتاری ہوئی تصویر کے درمیان جو فرق کیا ہے، یہ صرف ذریعہ اور واسطہ کا فرق ہے۔ مآل اور نتیجہ کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں اور حدیث نبوی ﷺ: **المصورون اشدّ عذاباً یوم القیامۃ**۔ میں ہاتھ سے تصویر بنانے والے اگر شامل ہیں تو مشین کے ذریعہ بنانے والے بھی اس سے باہر نہیں، اور جن کو "اشد عذاباً" فرمایا ہو وہ گناہ کبیرہ کے مترکب ہیں یا صغیرہ کے؟ اس کا فیصلہ آپ خود ہی فرما سکتے ہیں، میرے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ "

بعض مولوی صاحبان سے یہ الفاظ بھی سنے ہیں کہ فلاں زبردست مولوی صاحب یہ فرماتے ہیں۔ حالانکہ مولوی صاحبان کو یہ کہنا چاہیئے کہ اس بارے میں اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ کا ارشاد مبارک یوں ہے۔ فقہہ شریف جو قرآن اور احادیث کے تمام

[2134] (بحوالہ شرح صحیح مسلم ج ٦ ص ٤٧٠)

مسائل کی ایک نہایت مستند مفصل فہرست اور قرآن وحدیث کا ماحصل ہے، اس فقہہ شریف میں یہ لکھا گیا ہے۔ باقی رہا زبردست عالم اور اس کا قول، تو اوّل تو وہ یوں کہے گا ہی نہیں، لیکن اگر قرآن وحدیث کے برعکس ایسی کوئی بات کہتا ہے، تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گمراہ ہے، مشت خاک لے کر اس کے منہ پر ماریں گے۔ کیا کسی زبردست عالم کو یہ اختیار ہے کہ جس کام کو اللہ نے حرام کیا ہو وہ اسے حلال کرے۔ ایسے عالم کو گڑینگ نہیں بلکہ گڑبڑنگ کہا جائے گا۔

بعض علماء ومشائخ کہتے ہیں کہ لوگ زبردستی ہماری تصویر اُتارتے ہیں، ہم کیا کریں، ہم تو انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں کرتے۔ اے برادرِ عزیز! لوگ تیری زبان پر تالے تو نہیں لگاتے۔ کوئی عالم غیر شرعی کام دیکھ کر خاموش ہو جائے اور منہ پر چونے اور پتھر کا مضبوط پلستر لگادے، اور چند الفاظ بھی حق گوئی کے ادا نہ کرے۔۔

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی　　دہن بر چہرہ زخم بود وبہ شد

امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الساکت عن الحق شیطان اخرس**۔ یعنی حق بات کہنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔[2135]

تم کہو کہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں تپایا ہوا لال لگام اس کے منہ میں ڈالیں گے یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ اگر حق بات کہنے سے تمہیں جان کا خطرہ ہے تو پھر ایسی سر تا پا گناہ ومغضوب علیہ مجلس سے اُٹھ تو سکتے ہو؟ جناب عالم صاحب، تم وہاں مضبوط ستون سے بندھے ہوئے تو نہیں بیٹھے ہو، کہ لوگ اس کا مطلب یہ نکالتے ہیں کہ تصویر سازی جائز ہے۔ کیونکہ ہم نے فلاں عالم صاحب کو اس مجلس میں خوشی کے ساتھ بیٹھے دیکھا جہاں تصویر بنائی جارہی تھی۔ عام آدمی جب اتنے بڑے گناہ کو جائز تصور کرنے لگے تو تم ٹھنڈے دل اور ایمانداری سے فیصلہ کر کے بتاؤ کہ اس کا گناہ تمہارے سر پر ہو گا یا نہیں؟

اے برادرِ عزیز! موت قریب ہے، جونہی لپکے گی، بچنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو گی۔ اللہ رب العزت کے آگے حاضر ہونا ہے۔ میرے مہربان بھائی، اس فانی دنیا کی گہما گہمی پر مست اور مگن مت ہو، کہ گویا تجھے آگے چلنا ہی نہیں۔ ذوالجلال والاکرام ربّ کے آگے پیش ہونا ہی نہیں۔ ملک الموت پہنچنے ہی والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے عمرِ دراز عطا فرمائے، لیکن سو سال بھی تو آخر گزر جائیں گے۔ وقتِ مقرر آگیا تو ڈاکٹر حضرات کی انجکشن جسم میں پیوست ہی رہیں گے، گلوکوز اور خون کی تھیلیاں دھری کی دھری رہ جائیں گے، سانس اس طرح اکھڑ جائے گی کہ گویا اس کا اندازہ بھی نہیں ہو سکے گا۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یعنی اگر مقرر وقت آیا تو ایک منٹ بھی پیچھے نہ ہو گا۔

[2135] (نور الانوار صفحہ ۲۱۹، باب الاجماع)

واذاالمنیۃانشبت اظفارھا　　الفیت کل تمیمۃ لاتنفع

یہ سانپ جیسے پیچ و خم اس دنیا میں تو کارگر ہوسکتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے کام نہ آئیں گے۔إِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیدٌ (البروج ۱۲) اللہ کی پکڑ بڑی شدید ہے۔ اللہ آپ کو، ہمیں اور ہر مسلمان کو اپنی سخت پکڑ سے بچائے۔ ہمیں بھی تو چاہئے کہ ہم اپنے بچاؤ کے راستے نکالیں۔ اے میرے دوست و مہربان! تم نے تو اپنے بچاؤ کے راستے بند کر دیئے ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ نہیں داخل ہو گا دوزخ میں مگر مارد اور متمرد۔ یعنی وہ شوخ اور سرکش جو کچھ بھی ہو جائے، وہ باز نہ آئے۔ اپنے شیطانی ضد سے ہرگز پیچھے نہ ہٹے۔ میرے بھائی تم رؤف اور رحیم، مشفق اور مہربان نبی اکرم ﷺ جو تمہاری کوئی بھی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ بحکم: عَزِیزٌ عَلَیْهِ مَاعَنِتُّمْ (التوبۃ ۱۲۸) تمہاری تکلیف محبوبِ کریم کو تکلیف دیتی ہے۔ اس رحمت للعالمین رسول ﷺ کی اتنی حدیثیں سننے کے باوجود اس کو نہیں مانتے۔ کچھ شرم کرو۔ پھر بھی باز نہیں آتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم محبوب کریم کی دامن سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو۔ پھر تم خود انصاف سے فیصلہ کرو کہ اس صورت میں تم مارد اور متمرد بن چکے ہو یا نہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الاعراف ۱۷۹) ہم نے خاص جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں بہت سے جن اور انسان (ان کی نشانی یہ ہو گی کہ) ان کے دل ایسے ہوں گے جن سے کچھ نہیں سمجھیں گے اور ان کی آنکھیں ایسی ہوں گی جن سے کچھ بھی نہیں دیکھیں گے اور ان کے کان ایسے ہوں گے جن سے وہ نہیں سنیں گے۔ وہ جانوروں کی مانند ہیں، بلکہ گمراہ ہیں اور غافل ہیں۔

جو گناہ چوری سے، شراب سے، سود سے بلکہ ناحق خون سے بھی ہزاروں گنا بھاری ہے، والدین کے قتل سے بھی بھاری، بلکہ کسی پیغمبر پاک کے قتل کے برابر، حتیٰ کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے اس منحوس گناہ کرنے والے کو کافر فرمایا ہے، ایسے ملعون گناہ کو سن اور سمجھ کر اور دیکھ کر نہ ڈرتے ہو اور نہ کوئی خوف اور ڈر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیات کے مصداق بننے سے بچائے تمہارے دل میں رب تعالیٰ فہم وادراک کوئی عقل یا نرمی، خدا ترسی، حق بینی، حق نیوشی عطا فرمائے۔ تم قیامت کے دن حضرت حبیب ہاشمی ﷺ کی امت میں سے اٹھائے جاؤ۔ تمہارا ہاتھ ان کے دامنِ رحمت سے نہ نکلے۔ تم خود بتاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کھلم کھلا کمربستہ بنے بیٹھے ہو یا نہیں۔ جی ہاں! تو پھر کان کھول کر سنو: أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ (التوبۃ ۶۳) کیا وہ شخص نہیں جانتا جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، یہ بڑی ذلت ہے۔"

اے اہل سنت والجماعت کے علماء کرام و مشائخ عظام! اگر اب بھی باز نہیں آتے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ آپ کی داڑھی مبارک جو آپ کے چہرہ اقدس پر جلوہ نمائی کر رہی ہے، وہ حضرت حبیب ﷺ کی مثال، امر اور اتباع سنت نہیں، مگر گرو گوبند سنگ کی پیروی ہے۔ تم نے محبوب کریم ﷺ سے منہ پھیر لیا ہے۔ کیا تم نے آپ ﷺ کی دامنِ رحمت سے ہاتھ نکال لیا ہے۔ کیا تمہیں یہ علم ہے کہ محشر کے

میدان میں شفیع المذنبین اور رحمت للعالمین رسول ﷺ بھی تجھ سے روگردان ہوں گے؟ نادان! پھر تم کس کے سامنے جھولی پھیلا کر بھیک مانگو گے؟ پھر تمہارا کون مددگار ہو گا؟ پھر تو تم ذلیل ہو کر عذاب والے مقامات کی طرف گھسیٹے جاؤ گے۔ آج یہ فلم تباہ و برباد ہو جائے آگ میں جل جائے اور پھر واپس نہ ہو۔ اس کی اور کیمرا کی اندھی چکاچوند نے تمہارے دل کو لُبھالیا ہے۔ تمہاری ان سے دل لگی ہوئی ہے۔ تمہارے دل میں ان کی لغار ہے۔ آج یہ تمہاری محبوبہ، جان نواز اور معشوقہ تند و طناز اور سراپا عشوہ، وناز ہے۔ اس کے دیکھنے کے لئے تمہاری آنکھیں ترستی ہیں۔ ان کے پلید پر تو دیکھنے کے لئے تمہارا دل حیران ہے، اور تم مرے جارہے ہو۔ حضرت حبیب ہاشمی کا یہ وسیع نہ تھمنے والا و بے شمار بیحد اور بے حساب نور جس میں سے ذرہ حاصل کر کے سورج، چاند اور ستاروں نے دنیا کو جگمگا دیا ہے، جس کے نور سے کل کائنات روشن ہو رہی ہے۔ بھٹائی بادشاہ نے شاید اسی جمال جہان آرا کا نقشہ کھینچا ہے۔ چاند کا نور آٹھویں سے لے کر چودھویں تاریخ تک پورے سات دن بہت زیادہ اور اچھا اور بے حد محبوب ہوتا ہے۔ ہر مہینے میں سات دن تو پورے سال کے بارہ مہینوں میں بارہ ستے ۸۴۔ مطلب یہ ہے کہ پورے سال میں چوراسی چاند سب سے بڑھ کر روشن ہوتے ہیں اور پورے سال میں ۳۶۴ سورج طلوع ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پورے سال کے چوراسی چاند اور تین سو چونسٹھ سورج اگر بیک وقت طلوع ہوں تو روشنی کا اندازہ کیا ہو گا؟ مطلب یہ ہے کہ اس روشنی کی کوئی حد و انتہاء نہ ہو گی۔ مگر بھٹائی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کہا ہے کہ محبوب کریم ﷺ کے جمال جہان آرا کی روشنی اس قدر لامتناہی، محیر العقل اور انسانی فکر کے پرواز کی حد سے زیادہ ہے، جو پورے سال کے شمس و قمر کی روشنی اس کے مقابلے میں گویا کہ اندھیرا ہے۔ جیسے روشنی ہے ہی نہیں۔ اس بڑے نور پر تمہاری نگاہ ہی نہیں پڑ رہی۔ ناہنجار و نابکار فلم کو دیکھ کر اپنا دل لبھا بیٹھے ہو۔ مہربانی فرما کر یہ وصیت مت کرنا کہ مرنے کے بعد فلم کو میرے ساتھ قبر کی پہلو میں ہم آغوش کر کے پھر میری میت کو دفنانا۔

میرے پیارے بھائی! اگر تمہارے اندر ذرہ برابر بھی عقل موجود ہے تو پھر یہ کہنا کہ تصویروں کی صنعت آج کل بہت ترقی کی ہے، یہ برائی بڑھ چڑھ کر کمالیت کو پہنچی ہے۔ آج اس پر اللہ کی پھٹکار اور غضب بھی پہلے سے بڑھ کر ہو رہا ہے۔ یہ برائی بہت بڑھ چکی ہے۔ اس لئے ابھی اس میں کوئی قباحت نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ یہ سوچ، یہ اندازِ فکر تم خود منصف ہو کر بتلاؤ کہ احمقانہ، سفیہانہ، جاہلانہ، وحشیانہ، ظالمانہ، بہیمانہ، غیر منصفانہ، باغیانہ، طاغیانہ، فاسقانہ، خر مغزانہ، مفسدانہ، معاندانہ، مجرمانہ، منافقانہ، مویشیانہ، آمرانہ، جابرانہ، ہٹلوانہ ہے یا نہیں۔

خدانخواستہ تمہاری یہ سوچ ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ تم بالکل گمراہ ہو، بالکل غلط ہو پھر تو تم زیرک، چالاک اور ذہین بالکل نہیں۔ پھر یہ کہا جائیگا کہ تم جیسا کند ذہن، تم جیسا عقل سے عاری، تم جیسا بیوقوف کہاں ملے گا؟ تو کہیں گے کہ ایک شاعر نے بھی تمہارا دیدار فرحت آثار کرنے کے بعد یہ شعر کہا ہے؟

یہ شک نہیں کہ حضرت ملا ہے خوب شخص — علامہ زمان و بڑا فیلسوف ہے

ذاتِ شریف ان کی ہے مجتمع الصفات — لیکن یہ بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہے

اے میرے پیارے اہل سنت والجماعت کے علماء کرام! میں تو ہر وقت بارگاہِ ایزدی کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ کرے تم ان علماء میں ہو جن کے لئے دریا کی مچھلیاں مغفرت کی دعا مانگتی ہیں۔ جن کی نیند بھی بفحوائے **نوم العلماء عبادۃ** عبادت ہو۔ جو جہاں پر قدم رکھتے ہیں، وہاں فرشتے اپنے پاک پر بچھا دیتے ہیں تاکہ تمہارے قدم ان کے پروں پر آئیں اور تمہارے قدم کی برکتوں اور سعادتوں سے وہ بہرہ ور ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ امتی پر ہے۔" اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ، فرشتے، زمین و آسمان کی مخلوق یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بلوں میں، مچھلی سمندروں میں ہر اس شخص پر رحمت کی دعا کرتے ہیں اور رحمت نازل فرماتا ہے جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے۔" خدا کرے تم ایسے علماء میں سے ہو جن کی شفاعت سے ستر دوزخ کے مستحقین کو بہشت کے مرصع تاج پہنائے جائیں۔ **العلماء ورثۃ الانبیآء**۔ کا سب سے بڑھ کر اعزاز خدا کرے تمہیں نصیب ہو اور تو ایسا عالم بنے جو کہ تمہاری رگ رگ سے حضور سرورِ کائنات ﷺ کے جسدِ اطہر کے ہر موئے مبارک پر سو سو جانیں قربان ہیں کی روح پر صدائیں بلند ہو رہی ہوں۔ خدا کرے تو ایسا عالم ہو کہ تمہارے وصال کے بعد رحمن کریم رب کی طرف سے یہ محبت بھرا پیغام پہنچے کہ **یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی**۔

خدا کرے تو وہ عالم بنے کہ بہشت کی حوریں تمہیں دیکھ کر پھولوں کی طرح باغ و بہار بنیں اور فرطِ مسرت سے تمہارا والہانہ اور عاشقانہ استقبال کریں۔

مفتی محمد شفیع صاحب فتاویٰ دار العلوم دیوبند، امداد المفتیین، میں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال: تصویر کشی کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: تصویر کشی شریعت اسلامیہ میں مطلقاً حرام ہے خواہ قلم سے ہو یا بصورت فوٹو گرافی یا بصورت طباعت و پریس بشرطیکہ کسی جاندار کی تصویر ہو۔ حدیث میں ہے: **اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھون بخلق اللہ رواہ البخاری و مسلم عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا مرفوعاً**۔ اور بعض روایات میں اس جگہ لفظ مصورون بھی موجود ہے۔ کما رواہ بخاری و مسلم عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری ایک حدیث میں مروی ہے۔ **سمعت رسول اللہ ﷺ قال اللہ تعالیٰ من اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی بخاری و مسلم** اور ایک اور حدیث میں ہے: **یقال لھم احیوا ما خلقتم** یعنی مصوروں سے عذاب کے وقت تنبیہاً کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی صورت میں جان بھی ڈالو۔ ان روایات اور دوسری اس قسم کی احادیث سے ثابت ہوا کہ تصور کشی مطلقاً حرام ہے۔ جس میں کسی قسم کا استثناء منقول نہیں۔

ایضاً۔ سوال: فوٹو تصویر ہے یا نہیں اور فوٹو گرافی تصویر کشی میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب: فوٹو بھی تصویر کی ایک قسم ہے جیسے پریس پر چھپی ہوئی تصویر ایک قسم ہے تصویر کی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دستی اور قلمی تصویروں میں قلم دوات کے ذریعہ سے تصویر کھینچی جاتی ہے اور پریس میں سیاہی کے رول سے اور فوٹو میں عکس پر اس کے مسالہ اور آلات سے۔ آئینہ اور پانی سے عکس پر اس کو قیاس کرنا محض بے معنی اور لغو ہے کیونکہ اس عکس کو کسی مسالہ سے پائیدار اور قائم نہیں کیا جاتا اور اگر بالفرض آئینہ یا پانی میں بھی کسی مسالہ کے ذریعہ سے عکس کو قائم کر دیا جائے تو وہ بھی تصویر کے حکم میں داخل ہو جائے گا پھر وہ عکس نہ رہے گا کیونکہ عکس اسی وقت تک عکس ہے جب تک ذی عکس کے تابع ہو اس کے وجود سے جدا نہ ہو سکے اور یہ ظاہر ہے کہ فوٹو کا عکس ذی صورت کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فوٹو گرافی بھی تصویر کشی کے حکم میں ہے۔

سوال: جاندار کی وہ مکمل تصویر جو محض آرائش اور زیب و زینت کے لئے رکھی جاتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو تصویر محض آرائش کے لئے رکھی جاتی ہے اگر وہ کسی جاندار کی تصویر ہے تو اس کا رکھنا ناجائز ہے البتہ اگر اسی کو ذلت و امتہان کی جگہ میں ڈال دیا جائے جیسے جوتوں کے فرش میں یا اور کسی ایسی جگہ تو پھر جائز ہو جاتا ہے۔ **کما فی حدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها عند احمد فی مسنده و عند البخاری و مسلم** بعض روایات حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔ **فاما ان تقطع رؤسها او تجعل بساطاً موطا البدر العینی و به قال مالک رحمه اللہ تعالیٰ و ابو حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ و الشافعی رحمه اللہ تعالیٰ۔**

سوال: وہ مکمل تصویر جو محض طبی معلومات یا نقشہ جات جنگ یا دوستوں سے خط ملاقات حاصل کرنے وغیرہا کے لئے ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: طبّی معلومات یا نقشہ جنگ وغیرہا کے لئے مکمل تصویر رکھنا جائز نہیں اول تو یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ ضرورت جس کو لوگ خواہ مخواہ ضرورت بنالیں شریعت اس کی اجازت بھی دے اور دوسرے اس جگہ تو یہ ضرورت اس طرح بھی رفع ہو سکتی ہے کہ ہر عضو کی علیحدہ علیحدہ تصویریں رکھی جائیں بجز سر کے کہ اس کی تصویر تنہا رکھنا بھی جائز نہیں جیسا کہ آئندہ سوال میں ذکر کیا جائے گا۔

سوال: صرف چہرہ کی تصویر یا نصف اعلیٰ کی تصویر شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب: صرف چہرہ کی تصویر یا نصف دھڑ کی یعنی نصف اعلی کی وہ بھی مکمل تصویر کے حکم میں ہے۔ **لما فی روایة الطحاوی عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه الصورة الرأس فکل شئ لیس له رأس فلیس بصورة معانی الاثار ص ۳۶۶ جلد اول** اور شرح احیاء العلوم میں حضرت مکرمہ سے مروی ہے۔ **کل شئ له رأس فهو صورة اتحاف السادہ صفحہ ۵۹ جلد ۷۔** اور **تلقیح فهوم اهل الاثر لابن الجوزی ص ۲۰** میں ہے۔ **کان لرسول اللہ ﷺ ترس فیه تمثال رأس کبش فکرهه رسول اللہ ﷺ فاصبح یوماً و قد اذهبه اللہ عز و جل۔**"[2136]

[2136] (امداد المفتیین، ج ۲ ص ۸۲۲ تا ۸۲۴)

سوال: ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ جدید فوٹو گرافی جو تصویریں کھینچی جاتی ہیں ان میں آئینہ کی طرح عکس آتا ہے البتہ غیر مستقل اور مستقل طور پر صورت قائم ہو جانے کا فرق ہے پس ارشاد ہوا کہ بلا ضرورت شدیدہ مثلاً لازمی پاسپورٹ وغیرہ اس جدید طریقہ فوٹو گرافی سے جاندار کے پورے قد کی تصویر کھینچنا اور کھچوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ پس اگر جائز ہے تو کیوں اور اس میں کیا مصلحت ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو اس طرح سے تصویر کھینچنے والے اور کھچوانے والوں کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز میں اقتدا درست ہے اور کیا یہ لوگ فاسق کے حکم میں داخل ہیں؟ اور اس قسم کی تصویریں اپنے پاس رکھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

جواب: کسی جاندار کی صورت بنانا خواہ مجسمہ کی صورت میں ہو یا نقش اور رنگ کی صورت میں اور پھر خواہ قلم سے اس کی نقاشی کی جائے یا پریس وغیرہ پر اس کو چھاپا جائے اور یا فوٹو کے ذریعے عکس کو قائم کیا جاوے یہ سب بلاشبہ تصاویر و تماثیل ہیں جن کی حرمت پر اس قدر احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں کہ اگر تواتر کا دعویٰ کیا جائے تو غالباً صحیح ہو گا۔ فوٹو کی تصویر کو یہ کہنا کہ یہ تصویر نہیں بداہت کا انکار ہے اور یہ شبہ کہ آئینہ اور پانی میں اپنا عکس دیکھنا ممنوع نہیں بالکل بے معنی اور بے اصل ہے کیونکہ فوٹو عکس نہیں بلکہ عکس کے ذریعے تصویر بنانا ہے، یعنی بجائے اس کے کہ تخمینہ اور نظر سے تصویر کھینچی جاتی، فوٹو میں عکس سے تصویر بنائی جاتی ہے مسالہ کے ذریعے عکس کو پائیدار بنانا یہی تصویر کشی ہے۔ عکس اسی وقت تک عکس ہے جب تک اس کو پائیدار نہ کیا جاوے اور جب اس کو فوٹو کے ذریعہ سے قائم کر لیا گیا تو وہ عکس کی حد سے نکل گیا اور تصویر کے مفہوم سے نکالنا نصوص شریعہ کی تحریف ہے، جو ایک مستقل دوسرا گناہ عظیم ہے۔

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ فوٹو کے ذریعے تصویر بنانا اور قلم سے تصویر کھینچنا دونوں ایک ہی حکم میں ہیں تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ جاندار کا فوٹو کھچوانا دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ حدیث صحیح البخاری و مسلم میں ارشاد ہے: **اشد الناس عذابا یوم القیامة الذین یصورون هذه الصور (بخاری ومسلم) بطرق متعددہ والفاظ مختلفة۔**

نیز بخاری و مسلم کی طویل حدیث میں ہے۔ **کل مصور فی النار۔** یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔ **وقال تعالیٰ: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ الآیة۔** اور فتح الباری شرح بخاری میں ہے: **قال اصحابنا وغیرهم تصویر صورة الحیوان حرام اشد التحریم وهو من الکبائر سواء منه لما یمتهن او لغیره فحرام بکل حال لان فیه مضاهات بخلق الله تعالیٰ وسواء کان فی ثوب او بساط او دینار او درهم او فلس او حائط (الی قوله) وبه قال جماعة العلماء مالک والسفیان وابو حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه انتهی۔ وفی رد المحتار ویکره الدخول الی بیت فیه صور علی سقفه او حیطانه او علی الستر والازر والوسائد العظام (الی قوله) وکذالک نفس التعلیق لتلک الصور الخ۔**[2137]

[2137] (شامی مکرر وهات الصلوة ومثله فی البدائع ۱۱۶ : ۱)

احادیث مذکورہ اور عبارات فقہاء سے یہ بھی ثابت ہے کہ فوٹو اور مطلقاً تصویر کھینچنا کھنچوانا اور ان کا استعمال کرنا اور ان کا اپنے پاس رکھنا گناہ کبیرہ ہے اور کرنے والا ان افعال کا فاسق ہے اور نماز اس کے پیچھے جب کہ دوسرا صالح امام مل سکتا ہو مکروہ تحریمی ہے، **کما صرح به فی رد المحتار وعامة کتب المذهب۔ واللہ وسبحانه وتعالیٰ۔ اعلم۔**[2138]

مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمن صاحب سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال: ہمارے یہاں مدرسے میں سال بھر کے بعد ایک سالانہ رپورٹ چھپواتے ہیں، جس میں کچھ اساتذہ اور طلباء کی تصاویر ہوتی ہیں، ایسی تصویریں جائز ہیں یا ناجائز؟

جواب: مدرسے کی سالانہ رپورٹ میں تصاویر کا شائع کرنا درست نہیں ہے، اس سے اجتناب بہتر ہے، کیونکہ یہ ایسی ضروریات میں سے نہیں ہے جن پر اس فقہی اصول کا اطلاق ہوتا ہے کہ: "**الضرورة تبیح المحظورات** یعنی ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔"[2139]

بعض خاص قسم کی تصاویر کی رُخصت واجازت

ابو هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه رفعه فی التماثیل رخص فیما کان یوطأ و کره ما کان منصوباً للاوسط بضعف۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تصاویر محلِ اہانت میں پامال ہوں ان کی اجازت ہے، اور جو کھڑی ہوں وہ ناجائز ہیں۔

اور مسند احمد میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مصوّر پردے کے قصہ میں جس میں پردہ کو پھاڑ کر دو گدّے بنادینا مذکور ہے، یہ الفاظ بھی ہیں: **فکان فی البیت یجلس علیه وفیه صورة۔** یہ گدّا گھر میں رہا جس پر آنحضرت ﷺ بیٹھتے تھے حالانکہ اس میں تصویر موجود تھیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کھڑی ہوئی تصویروں کو ناجائز سمجھتے تھے اور پامال میں کوئی مضائقہ نہیں جانتے تھے۔[2140]

یہی مضمون فتح الباری میں بحوالہ ابن ابی شیبہ حضرت ابنِ سیرین اور سالم بن عبد اللہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی نقل کیا ہے۔

[2138] کتبه الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ، مدرس دار العلوم دیوبند، ۳ شعبان ۵۶ (امداد المفتیین ج ۲ ص ۸۲۵-۶)

[2139] (تفهیم المسائل ج ۴ ص ۴۷۶)

[2140] (فتح الباری بحوالہ ابن ابی شیبہ ۳۴۶:۱۰)

عن اللیث قال: دخلت علیٰ سالم بن عبداللہ وھو متکی علیٰ وسادۃ فیھا تماثیل طیر و وحش فقلت: الیس یکرہ ھذا؟ قال: لا! انما یکرہ ما نصب نصبا۔ حضرت لیث فرماتے ہیں: میں حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گیا تو وہ ایک تکیہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے جس میں پرندوں اور وحشی جانوروں کی تصویریں تھیں، میں نے عرض کیا کہ کیا ان کا استعمال مکروہ و ناجائز نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں! بلکہ ناجائز وہ تصویریں ہیں جو کھڑی ہیں۔[2141]

طبقات ابنِ سعد جزء تابعین ص ۱۳۶ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بٹن میں آدمیوں کے چہرہ کی تصویریں تھیں۔

اسد الغابہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ہے کہ ان کی انگوٹھی کے نگینہ پر ایک شیر غرّاں کی تصویر بنی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگوٹھی میں جو نگینہ تھا اس میں دو مکھیوں کی تصویر بنی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک انگوٹھی دستیاب ہوئی تھی جس کے متعلق یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرت دانیال نبی علیہ السلام کی انگوٹھی ہے، اور اس کے نگینہ میں اک مرقع تھا کہ دو شیر دائیں بائیں تھے، بیچ میں ایک لڑکا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ انگوٹھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائی۔[2142]

ابو داؤد باب اللعب بالبنات میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بروایت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے: **قالت: کنت العب بالبنات فربما دخل علیّ رسول اللہ ﷺ وعندی الجواری فاذا دخل خرجن و اذا خرج دخلن۔** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، بسا اوقات رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے اور میرے ساتھ کھیلنے والی لڑکیاں ہوتیں، جب آپ ﷺ اندر آتے تو وہ باہر چلی جاتیں، جب آپ ﷺ باہر جاتے تو وہ پھر آجاتی تھیں۔[2143]

اور اسی باب میں بروایت ابی سلمہ بن عبد الرحمن اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قالت قدم رسول اللہ ﷺ من غزوۃ تبوک او خیبر و فی سھوتھا ستر فھب الریح فشکفت ناحیۃ الستر عن بنات لعائشۃ لعب فقال: ما ھٰذا یا عائشۃ! قالت: بناتی! و رأی بینھن فرساً لہ جناحان من رقاع، فقال: ما ھٰذا الذی اری فی وسطھن؟ قالت: فرس! قال: و ما ھٰذ الذی علیہ؟ قلت: جناحان! قال: فرس لہ جناحان؟ قال: اما سمعت ان لسلیمان خیلا لھا اجنحۃ! قالت: فضحک رسول اللہ ﷺ حتی رأیت نواجذہ۔

[2141] (مسند احمد مع فتح ربانی ۱۷:۲۷۷)

[2142] (منقول از معارف اعظم گڑھ)

[2143] (از بذل المجھود ۵:۲۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس آئے تو میرے طاق پر پردہ پڑا ہوا تھا، اتفاقاً ہوا چلی، جس نے پردہ کا ایک حصہ کھول دیا جہاں سے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ گڑیاں سامنے آ گئیں، آپ ﷺ نے پوچھا: عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی: میری گڑیاں ہیں! آپ ﷺ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو پر کاغذ کے لگے ہوئے تھے، تو فرمایا: یہ کیا ہے جو میں ان کے درمیان دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا: گھوڑا ہے! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے اوپر کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ: دو بازو ہیں! آپ ﷺ نے تعجب سے فرمایا کہ: گھوڑے کے بازو ہوتے ہیں؟ میں نے عرض کی: کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر لگے تھے! فرماتی ہیں: آپ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے دندان مبارک دیکھے۔

اور مشکوٰۃ کتاب النکاح باب الولی فی النکاح میں صحیح مسلم کی یہ حدیث خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کی ہے: **ان النبی ﷺ تزوجھا وھی بنت سبع سنین وزفّت الیہ وھی بنت تسع سنین ولعبھا معھا ومات عنھا وھی بنت ثمانی عشرۃ۔** نبی کریم ﷺ نے صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا جبکہ ان کی عمر سات سال کی تھی، اور رُخصتی ہوئی جبکہ ان کی عمر نو سال کی ہوئی، رُخصتی کے وقت ان کی گڑیاں بھی ان کے ساتھ آئیں، اور آپ ﷺ کی وفات ہو گئی جبکہ ان کی عمر کل اٹھارہ سال کی تھی۔[2144]

احادیثِ رخصت سے فقہائے امّت نے کیا سمجھا

احادیثِ حرمت میں خود جبرائیل علیہ السلام کی تلقین سے معلوم ہوا کہ جن تصاویر کا سر کاٹ دیا جائے یا کسی رنگ روغن سے لتھیڑ دیا جائے، اس کا استعمال جائز ہے۔[2145]

[2144] (مرقاۃ جدید ۶:۲۰۵)

[2145] (کما فی حدیث رواہ النسائی وحدیث رواہ احمد فی مسندہ)

اسی لئے سر کٹی ہوئی تصاویر کے جواز پر پوری اُمت کا اجماع ہے اس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خود ہی درختوں اور غیر ذی روح چیزوں کے حکم میں کر دیا ہے۔

دوسری رخصت وہ ہے جو احادیث میں مذکور ہے کہ تصاویر سالم ہی رہیں مگر ان کو محلِ اہانت و ذلّت میں مثلاً: پامال فرش یا گدّا وغیرہ جس کے اوپر بیٹھا جائے بنا دیا جائے، ان کے جواز پر بھی اُمّت کا اجماع ہے۔

تیسری رُخصت سے یہ ثابت ہے کہ بہت چھوٹی تصویریں جیسے بٹن یا انگوٹھی کے نگینے پر یا روپیہ پیسہ پر اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ اس پر بھی تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

چوتھی رُخصت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیاں جن گڑیوں سے کھیلتی ہیں یہ کھلونے استعمال کرنا بھی جائز ہے، مگر اس میں حضراتِ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

اقوال فقہاء و محدّثین

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح بخاری میں "الا رقما فی ثوب" والی حدیث کے ذیل میں فرمایا ہے: **وقالوا کرہ ما کان ستراً ولم یکرہ ما یداس علیہ ویوطاء۔ بھٰذا قال سعد بن ابی وقاص وسالم وعروۃ وابن سیرین وعطاء وعکرمۃ۔ قال عکرمۃ یوطاء من الصور ھو ذلّ لھا۔ وھٰذا اوسط المذاھب وبہ قال مالک والثوری وابو حنیفۃ والشافعی۔** حضراتِ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے ان تصاویر کو ناجائز قرار دیا ہے جو پردہ کی صورت میں معلّق ہوں، اور ان تصاویر کو ناجائز نہیں کیا جو پامال ہوں اور ان پر بیٹھا لیٹا جائے۔ یہی قول ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کا اور حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ اور عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو تصاویر پاؤں میں روندی جائیں یہ ان کی ذلّت ہے، یہی مذہب ہے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور سفیانِ ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ و شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا۔[2146]

مسئلہ تصویر کے بارے میں جمہور اُمّت کا اجماع اور ائمہ اربعہ کا مذہب شرحِ بخاری عمدۃ القاری میں بالفاظ ذیل منقول ہے: **وفی التوضیح قال اصحابنا وغیرھم: تصویر صورۃ الحیوان حرام اشد التحریم وھو من الکبائر وسواء صنعہ لما یمتھن او لغیرہ فحرام بکل حال لان فیہ مضاھات بخلق اللہ، وسواء کان فی ثوب او بساط او دینار او دراھم او فلس او اناء او حائط واما لیس فیہ صورۃ حیوان کالبحر ونحوہ فلیس بحرام، وسواء کان فی ھذا کلہ ما لہ ظل وما لا ظل لہ، وبمعناہ قال جماعۃ العلماء مالک والسفیان وابو حنیفۃ وغیرھم انتھیٰ۔** توضیح میں ہے کہ ہمارے فقہاء وغیرہم نے فرمایا ہے کہ: جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے شدید الحرمت اور کبیرہ

[2146] (عمدۃ القاری طبع قدیم ۱۰:۳۱۳)

گناہوں میں سے ہے، خواہ ایسی تصویریں ہوں جن کو عادۃً ذلیل و ممتہن رکھا جاتا ہے یا ایسی نہ ہوں، پس وہ بہر حال حرام ہے، اس لئے کہ اس میں مشابہت خلق اللہ ہے، اور برابر ہے کہ وہ تصویر کپڑے میں ہو یا فرش میں، دینار، درہم اور پیسوں میں ہو یا برتنوں میں اور دیواروں میں، اور برابر ہے کہ وہ مجسّم مورت ہو جس کا سایہ پڑتا ہے یا محض نقش اور رنگ کی صورت میں ہو، یہی فرمایا ہے جماعتِ علماء امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیر ہم نے۔

اور شیخ الاسلام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں لکھا ہے اور حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اسی کو توثیق کی ہے۔[2147]

قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانہ متوعد علیہ بھذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث وسواء صنعہ بما یمتھن او بغیرہ فصنعتہ حرام بکل حال لان فیہ مضاھات بخلق اللہ تعالیٰ وسواء ما کان فی ثوب او بساط او درھم او دینار او فلس او اناء او حائط او غیرھا واما تصویر صورۃ الشجر ورحال الابل وغیر ذٰلک مما لیس فیہ صورۃ الحیوان فلیس بحرام وان کان فی بساط یداس ومخدۃ ووسادۃ ونحوھا مما یمتھن فلیس بحرام، ولا فرق فی ھٰذا کلہ بین مالہ ظل وما لا ظل لہ، ھٰذا تلخیص مذھبنا فی المسئلۃ وبمعناہ قال جماھیر العلماء من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وھو مذھب الثوری ومالک وابی حنیفۃ وغیرھم۔[2148]

ترجمہ: ہمارے حضرات اور دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ: جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام ہے اور وہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اس لئے کہ اس پر ایسی وعید شدید وارد ہے جو بہت سی احادیث میں مذکور ہے، اور اس میں برابر ہے کہ ایسی چیز کی بہر حال بنانا اس کا حرام ہے، اس لئے کہ اس میں حق تعالیٰ کی صفتِ خلق کی نقل اتارنا ہے، اور یہ بھی برابر ہے کہ کپڑے میں ہو یا فرش میں، اور درہم و دینار یا پیسہ میں ہو یا برتن اور دیوار وغیرہ پر، لیکن درختوں، اُونٹ کے کجاوہ وغیرہ کی، ایسی چیزوں کی جو ذی روح نہیں تو اس کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے، یہ تو تصویر بنانے کا حکم ہے، لیکن ان چیزوں کا استعمال جن میں ذی روح کی تصویر بنی ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ دیوار پر معلق یا پہنے ہوئے کپڑے یا عمامہ وغیرہ ایسی چیزوں میں ہو جو عادۃً ذلیل یا حقیر نہیں سمجھی جاتی تو ان کا استعمال حرام ہے، اور اگر پامالِ فرش یا کسی گدّے اور تکیہ وغیرہ میں ہو جو عادۃً ذلیل و پامال ہوتے ہیں تو یہ حرام نہیں ہے، اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ یہ تصویر مجسّم ہو جس کا سایہ پڑتا ہے یا مجسمہ نہ ہو بلکہ محض نقش و رنگ ہو، یہ خلاصہ ہے ہمارے مذہب کا مسئلہ تصویر میں اور یہی مذہب ہے جمہور علماء کا صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علماء میں سے اور یہی مذہب ہے امام ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیر ہم کا۔

کسی جاندار کی تصویر بنانا کسی طرح بھی ہو بہر حال ممنوع و ناجائز ہے۔ چاہے وہ ہاتھ سے ہو یا کیمرے سے یا جدید دور کی نئی ایجاد موبائل کے ذریعے ہو۔ خصوصاً غیر محرم خواتین کی تصاویر بنانا یا انہیں موبائل میں محفوظ رکھنا تو ایسا قبیح فعل ہے جس کی قباحت پر کوئی بھی

[2147] (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۱۵)

[2148] (نووی مع مسلم ج ۲ ص ۱۹۹)

عاقل و سمجھدار شخص تردّد نہیں کر سکتا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ شادی بیاہ اور دیگر خوشی کے مواقع پر لوگ اپنے اہل خانہ اور رشتے دار خواتین کی تصاویر بڑے فخر و اصرار سے بنواتے ہیں اور انہیں سی ڈیز (CDs) وغیرہ اور موبائل میں محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ وباعام لوگوں میں ہی نہیں بلکہ بڑے سنجیدہ وظاہراً دیندار لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں۔ (**نعوذ باللہ من ذالک**)۔ ناجائز و ممنوع ہونے کے علاوہ اس میں یہ خطرہ بھی رہتا ہے کہ موبائل سے ایسی تصاویر کو چوری کر کے کوئی اجنبی یا دشمن ان میں ترمیم و قطع بُرید کر کے لوگوں کے سامنے لائے اور بلیک میل کرے جس سے اس خاندان کے لوگوں کی بے عزتی ہو اور انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ لہٰذا اپنی عزت کی حفاظت کرنا ضروری ہے جس کے لئے تصاویر سے پرہیز لازم ہے۔ موبائل فون کے ذریعے بھی تصویر کھینچنا اور محفوظ رکھنا حرام و ممنوع ہے۔ اس کا حکم بھی عام کیمرے کی تصویر کا حکم ہے۔

کسی نام نہاد مفتی سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ موبائل سے تصویر بنانا جائز ہے کیونکہ یہ حقیقت میں تصویر نہیں ہے بلکہ عکس ہے، جیسے کہ ہم جب آئینہ کے سامنے کھڑے ہوں تو ہمارا چہرہ (یعنی عکس) نظر آتا ہے سامنے سے ہٹ جائیں تو چہرہ (عکس) نظر نہیں آتا۔ یعنی مفتی مذکور نے موبائل کو آئینہ کے قائم مقام قرار دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو عام تصویروں کا حکم ہے وہی حکم موبائل کی تصویر کا بھی ہے۔ نام نہاد مفتی کا یہ کہنا کہ موبائل کی تصویر، تصویر نہیں عکس ہے، درست نہیں اور آئینے کی مثال دے کر مفتی نے اپنی تردید بھی خود کر دی۔ عکس اور تصویر میں فرق یہی ہے کہ جو مفتی مذکور نے بتایا کہ عکس کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہوتی وہ سائے کی مانند دوسری چیز کا پرتو ہوتا ہے جب کہ تصویر خود سے قائم اور پائیدار ہوئی ہے۔ آئینہ کا عکس اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اصل چیز قائم ہے۔ اس کے غائب ہوتے ہی عکس غائب اور معدوم ہو جاتا ہے۔ جبکہ موبائل کی تصویر محفوظ و پائیدار ہوتی ہے۔ اگر اسے خود ضائع نہ کریں تو سالوں تک محفوظ رہ سکتی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ یہ تصویر نہیں بلکہ عکس ہے۔ پس موبائل فون کے ذریعہ تصویر کھینچنا اور اسے محفوظ رکھنا پھر خود دیکھتے رہنا یا دوسروں کو دکھانا شرعاً جائز نہیں ہے اور اسی طرح دوسروں کو بھیجنا بھی ممنوع ہے، خصوصاً اجنبی عورت کی تصویر جس میں فتنہ و فساد بھی زیادہ ہے۔ (**نجّانا اللہ منھا**)۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے: **انّ اشدّ الناس عذابا عند اللہ المصوّرون۔ (رواہ الشیخین)** یقیناً قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، تصاویر بنانے والوں کو قیامت کے دن آگ کا عذاب دیا جائے گا۔"

آج کل بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو خود ساختہ تقوی اپنا کر اپنی بڑائی جتاتے ہیں اور دوسروں کو حقیر اور غیر متقی تصور کرتے ہیں، بازار کی چیزوں مثلاً مرغی کا گوشت، مشروبات، اور دیگر اقسام کی مباح و جائز اشیاء جو بازار میں ملتی ہیں، اور مسلمان انہیں بیچتے ہیں، ان سے شدّت کے ساتھ پرہیز کرتے ہیں بلکہ نفرت آمیز رویئے سے دیکھتے ہیں اور جو صاحبِ طریقت و شریعت حضرات ان مباح چیزوں کو استعمال

کرتے ہیں تو ان پر یہ لوگ تنقید کرتے ہیں۔ اور اگر کسی دعوت میں چلے جائیں تو صاحبِ دعوت کو ان کے اس عمل سے شرمندگی اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہے، حالانکہ بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو مشقت میں ڈالنا نہ صرف برائی ہے بلکہ حماقت بھی ہے۔ ایسے ہی خصوصاً متقی لوگوں کے پاس بھی کیمرے والا موبائل بڑی شان سے رکھا جاتا ہے جس میں تصویروں کا البم ہوتا ہے۔ حالانکہ تصویر بنانا حرام ہے تو اس حرام چیز کو اپنے پاس محفوظ رکھنا اور اسے بنانا کیا خلافِ تقویٰ نہیں؟ وہی کیمرے والا موبائل ان کے پاس ہوتا ہے جب کہ وہ نماز بھی پڑھاتے ہیں، پھر اپنے آپ کو پیر، مولانا و خلیفہ بھی کہلواتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ غلط چیز کہیں بھی ہو غلط ہی ہوتی ہے، چاہے پیر کرے، مولانا کرے، صدر کرے، وزیر اعظم کرے یا عام شخص کرے۔ جائز اور شرعاً مباح اشیاء کو استعمال کرنا خلافِ تقویٰ نہیں بلکہ حرام و مکروہ اشیاء کو ترک کرنا تقویٰ ہے۔ لہٰذا تصویر بنانا، چاہے موبائل کے ذریعے ہو، ممنوع و ناجائز ہے، اس سے بچنا تقویٰ کے زمرہ میں آئے گا۔

اسی طرح صاحب طریقت و شریعت مشائخ سے بد ظن ہونا بھی ممنوع ہے بلکہ ہلاکت کا سبب بھی ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''انّ **بعض الظّنّ اثم**'' بے شک بعض گمان بھی گناہ ہیں۔ عام تصویروں کے مقابلے میں موبائل کی تصویر زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ عام تصویریں عموماً چھپی رہتی ہیں، کبھی کبھی انہیں دیکھتے ہیں جبکہ موبائل تو ہر وقت پاس ہی ہوتا ہے۔ اور اکثر استعمال بھی ہوتا رہتا ہے تو تصاویر آسانی سے دیکھی اور بنائی جاسکتی ہیں یعنی ایک ممنوع کام جلدی اور آسانی سے ہو سکتا ہے، اس لئے یہ فتنہ زیادہ بڑا ہے۔ بعض لوگ تصاویر کو یادگار اور تبرک کے لئے بناتے اور محفوظ رکھتے ہیں (اس گمان سے) کہ شاید کہ اس سے کچھ فائدہ ملے گا۔ مگر یہ بات بھی انتہائی غلط ہے کیونکہ اگر تصویر میں برکت ہوتی تو سید کائنات ﷺ کی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مشائخِ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تصاویر ہوتیں اور وہ خود بنوا کر اپنے پاس رکھتے اور دوسروں کو تلقین کرتے کہ یہ تصاویر رکھا کرو کہ ان سے برکت ملتی ہے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا، اور نہ ہے۔ اس لئے بھی کہ ایک حرام و ممنوع چیز میں تبرک کہاں سے ہو سکتا ہے؟ ہاں تبرک کا حصول آپ ﷺ اور بزرگانِ دین کے آثار، مثلاً کرتہ، قمیص، چادر، بال، ناخن، وغیرہا سے ثابت ہے اور امت کا تعامل بھی ہے۔ لہٰذا تصویر کو تبرکاً بھی بنانا یا محفوظ رکھنا خاص کر لٹکانا ممنوع اور ناجائز ہے۔ بلکہ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں میں بت پرستی کا ایک ذریعہ تصاویر بنیں۔ وہ اپنے گزرے ہوئے نیک لوگوں کی تصاویر بناتے اور انہیں لٹکاتے تبرک کی نیت سے پھر آہستہ آہستہ ان کی عبادت شروع کر دیتے اور ان کو خدا بنا لیتے۔ گویا تصویر کشی ایسی لعنت ہے جس سے انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جناب میں گستاخی کا مرتکب ہو سکتا ہے اور ایمان سے محرومیت کا سبب بھی بن سکتا ہے، لہٰذا اس ناجائز کام سے اجتناب ضروری ہے۔ اور یہ تصویر بنانے والا عمل بہر حال حرام اور کفر کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے۔ فلہٰذا جو کام حرام و کفر کی طرف جانے کا سبب ہو وہ بھی حرام و ممنوع ہوتا ہے۔

وفی الدر المختار او کانت صغیرۃً لا تتبین تفاصیل اعضائھا للناظر قائما وھی علی الارض۔ ذکرہ الحلبی وقال الشامی وھٰذا اضبط لما فی القھستانی (ومثلہ فی الطحطاوی علی الدر وشرح المنیہ)۔

ترجمہ: اور در مختار میں ہے کہ اس تصویر کا استعمال بھی جائز ہے جو اتنی چھوٹی ہو کہ اگر اس کو زمین پر رکھ کر آدمی کھڑا ہو کر دیکھے تو اس کے اعضاء کی تفصیل نظر نہ آئے۔

طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شرح منیہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

یہ مذہب حنفیہ کا نقل کیا گیا ہے، مالکیہ کا بھی یہی مذہب رسالہ "**بلوغ القصد والمرام بما تنفر عنه الملٰئكة الكرام**" میں شیخ الاسلام ابو جعفر کتانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے، شوافع اور حنابلہ سے بھی اس کے خلاف کوئی قول نظر سے نہیں گزرا، یہ تین قسم کی تصاویر کی رخصت تقریباً سب فقہاء میں متفق علیہ ہے، البتہ چوتھی رخصت یعنی لڑکیوں کے کھیلنے کی گڑیاں، اس میں حضراتِ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ گڑیاں بھی عام تصاویر کی طرح حرام ہیں اور صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس زمانہ کی ہے جبکہ تصاویر کی حرمت کا حکم نہیں تھا۔ یہ قول محدث امام بیہقی، ابن جوزی، منذری، حلیمی، ابن بطّال اور محدث داؤدی رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے، اور ابو زید نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہ نقل کیا ہے کہ آپ لڑکیوں کے لئے گڑیاں خریدنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا: **ثبت النهي عن اتخاذ الصور فنحمل على ان الرخصة لعائشة ذٰلک كانت قبل التحريم۔ وبه جزم ابن الجوزی۔** [2149]

ترجمہ: چونکہ تصاویر کے استعمال کی حرمت نصوص سے ثابت ہو چکی ہے، اس لئے حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس پر محمول کیا جاوے گا کہ یہ حرمتِ تصاویر سے پہلے کا واقعہ تھا جو منسوخ ہو گیا۔ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو قولِ فیصل قرار دیا ہے۔

اور مسندِ احمد کی ایک مرفوع روایت سے بھی اس کی تائید ہوئی: **عن رجل من قريش عن ابيه انه كان مع ابی هريرة فرأى ابو هريرة فرسا من رقاع فی يد جارية فقال: الا تری هٰذا؟ قال رسول اللہ ﷺ: انما يعمل هٰذا من لا خلاق له۔**

ترجمہ: ایک شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، دیکھا کہ ایک لڑکی کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا گھوڑا تھا، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ کام ان لوگوں کا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ [2150]

[2149] (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۳۷)

[2150] (مسند احمد مع فتح ربانی ۱۷:۲۷۸)

بعض نے فرمایا ہے کہ: اس سے صرف نابالغ لڑکیوں کے معاملہ میں مساہلت کا معاملہ ہوتا ہے، نابالغ لڑکیاں جو احکام کی ابھی مکلف نہیں، ان کو گڑیوں کے کھیل سے منع نہ کیا جاوے گا، صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ واقعہ بھی ان کی بالغی کے زمانے کا ہے، بالغوں کے لئے ان کا استعمال حسبِ عموم احادیث حرام ہو گا۔

بعض علماء نے مطلقاً گڑیوں کی تصاویر کو عام حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، جیسا کہ پامال تصاویر مستثنیٰ کی گئی ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی تشریح میں لکھا ہے: **المراد ھذا اللعب المسماۃ بالبنات التی تلعب بھا الجواری الصغار معناہ التنبیہ علیٰ صغر سنھا قال القاضی وفیہ جواز اتخاذ اللعب واباحۃ لعب الجواری بھن وقد جاء انہ علیہ الصلوۃ والسلام رأی ذٰلک لم ینکرہ، قالوا وسببہ تدریبھن لتربیۃ الاولاد واصلاح شانھن وبیوتھن۔** مراد لعب سے وہ ہیں جن کو گڑیاں کہا جاتا ہے جن سے چھوٹی لڑکیاں کھیلتی ہیں اور مطلب اس روایت کا اس پر متنبہ کرنا ہے کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت بہت صغیر سن تھیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس روایت سے جواز ثابت ہوتا ہے گڑیاں رکھنے اور چھوٹی بچیوں کے ان سے کھیلنے کا کیونکہ اس حدیث میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو دیکھا اور اس پر نکیر واعتراض نہ فرمایا۔ علماء نے فرمایا کہ سبب اس کا لڑکیوں کو خانہ داری کا انتظام اور بچوں کی پرورش سکھانا ہے۔

اور شرح مشکوۃ میں ہے: **ویحتمل ان یکون مخصوصا من احادیث النھی من اتخاذ الصور لما ذکر من المصلحۃ ویحتمل ان یکون قضیۃ عائشۃ فی اوّل الھجرۃ قبل تحریم الصورۃ۔**[2151]

ترجمہ: اور مرقاۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ گڑیوں کی حدیث عام حرمتِ تصاویر سے مستثنیٰ اور مخصوص ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ حرمتِ تصاویر سے پہلے کا ہو، اور بعد احادیث حرمت کے وہ منسوخ ہو گیا ہو۔

فی متفرقات البیوع من الدر المختار وفی أخر حظر المجتبی عن ابی یوسف یجوز بیع اللعبۃ وان یلعب بھا الصبیان انتھیٰ۔ قال الشامی: ونسبتہ الیٰ ابی یوسف لاتدل علی ان الامام یخالفہ لاحتمال ان لا یکون فی المسئلۃ قول۔

ترجمہ: اور در مختار کی کتاب البیوع کے متفرقات میں مجتبیٰ کے حوالہ سے ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: گڑیا کی بیع جائز ہے اور بچوں کا ان سے کھیلنا بھی جائز ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہاں ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول کسی اختلاف کے بیان کے لئے نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں کوئی صریح قول منقول ہی نہ ہو۔[2152]

[2151] (مرقاۃ طبع جدید ملتان ۶:۲۰۶)

[2152] (ردالمختار ۲:۲۹۷ طبع استنبول، ومثلہ فی مکروھات الصلوۃ ۱:۶۰۸)

خلاصہ یہ ہے کہ لڑکیوں کی گڑیوں کے معاملہ میں فقہاء کے چار اقوال ہیں، ایک یہ کہ وہ بھی عام تصویر کی طرح حرام ہیں، اور جواز والی روایت حرمت سے پہلے کی ہے جو بعد میں منسوخ ہو گئی۔ دوسرا قول اس کے بالمقابل قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اسی حدیث کی رو سے بچیوں کی گڑیاں حرمتِ تصویر سے مستثنیٰ کر دی گئی ہیں، وہ جائز ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نابالغ بچیوں کے لئے اجازت ہے، عام اجازت نہیں ہے، حنفیہ کا مسلک مذکورہ عبارت در مختار سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں جن گڑیوں کا ذکر ہے وہ مکمل تصویر نہیں تھیں اس لئے حرمتِ تصاویر کی روایات سے اس کا کوئی تعارض نہیں۔ لیکن پہلے اور تیسرے قول پر ابو داؤد کی روایت جو مسلم کے طریق سے منقول ہے اس میں اس واقعہ کی تاریخ غزوۂ خیبر یا غزوۂ تبوک سے واپسی بتلائی ہے جو ۷ھ یا ۹ھ میں ہیں اس وقت تک تصاویر کی حرمت کے احکام نہ ہونا یا حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نابالغ ہونا دونوں چیزیں نہایت بعید ہیں۔

جب اس روایت کے دوسرے طرق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گڑیوں کے واقعہ میں غزوۂ خیبر و تبوک کا ذکر کہیں بجز اس ایک طریق ابو داؤد کے اور کسی کتاب میں نہیں، یہ واقعہ صحیحین بخاری و مسلم میں بھی آیا ہے، اور مسندِ احمد وغیرہ میں بھی، ان میں سے کسی میں سفر خیبر و تبوک کا کوئی ذکر نہیں اس لئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابو داؤد کے اس طریق میں کسی راوی کو مغالطہ پیش آیا ہے کہ دراصل سفر تبوک یا خیبر کا حوالہ اس واقعہ میں آیا ہے، جو حضرت سیدنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک مصوّر پردہ (قرام یا دُرنوک) اپنے گھر میں کسی طاق یا الماری پر ڈالا تھا، ان دونوں روایتوں میں صحیحین بخاری و مسلم کی روایت میں سفر کی واپسی کا ذکر ہے اور فتح الباری میں اس سفر کو بحوالہ بیہقی سفر تبوک اور بحوالہ ابو داؤد خیبر یا تبوک لکھا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابو داؤد کی روایت میں غزوۂ خیبر یا تبوک لکھا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابو داؤد کی روایت میں غزوۂ خیبر یا تبوک کا تعلق صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑیوں کے واقعہ سے نہیں بلکہ مصور پردہ کے واقعہ سے ہے، راوی کو مغالطہ کی وجہ سے شاید یہ پیش آئی ہو کہ قرام اور دُرنوک کے واقعہ میں صحیح مسلم کے الفاظ میں یہ بھی ہے کہ اس پر ایک پروں والے گھوڑے کی تصویر تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑیوں میں بھی کوئی ایسی چیز تھی جس کو انہوں نے پروں والا گھوڑا قرار دیا تھا، اس سے راوی کو یہ اشتباہ ہو جانا کچھ بعید نہیں اور خود ان دو واقعات کے الفاظ اور بیان کو دیکھئے تو وہ اس پر کھلی شہادت دیں گے کہ یہ گڑیوں کا واقعہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ابتدائی بچپن کے زمانہ کا ہے اور قرام اور دُرنوک کا واقعہ اس کے بعد کا ہے، صحیح مسلم کتاب النکاح کی حدیث میں صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ بلوغ سے پہلے گڑیاں ہونا اور رخصتی کے وقت ان کا ساتھ آنا مذکور ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے بالکل ابتدائی زمانہ کا ہے۔

ان سب قرائنِ قویہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑیوں کا واقعہ بالکل ابتداء ہجرت کے زمانے میں پیش آیا جبکہ تصاویر کی حرمت کے احکام نہ تھے، نیز حضرت صدیقہ صغیر السن لڑکی تھیں، اس لئے جن حضرات نے اس کو احادیثِ حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا، یا جنہوں نے اس کو صرف نابالغ لڑکیوں کی خصوصیت قرار دیا، ان کے کلام کی گنجائش بلاشبہ موجود ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان احادیثِ رخصت سے یہ نتائج نکالے ہیں:

تصویر کشی اور تصویر سازی کسی جاندار کی کسی حال میں جائز نہیں، صرف غیر ذی روح بے جان چیزوں کی تصاویر بنا سکتے ہیں۔

اور تصاویر کے استعمال میں مندرجہ ذیل قسم کی تصاویر کی اجازت دی ہے:-

۱۔ سر کٹی ہوئی تصویر جو درخت کے مشابہ ہو جائے۔

۲۔ پامال تصاویر جو جوتے کے تلے یا فرش وغیرہ میں ہوں۔

۳۔ بہت چھوٹی تصویریں جیسے انگوٹھی اور بٹن کی تصویریں وہ بھی عام نقش و نگار کے حکم میں ہیں۔

۴۔ بچیوں کے کھیلنے کی گڑیاں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض حرام فرماتے ہیں بعض جائز اور بعض خاص شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں

لیکن اصل مسئلہ تصویر کی حرمت کا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے، یہ کسی نے نہیں کہا کہ ان سے احادیثِ حرمت کو منسوخ قرار دے کر اصل تصویر ہی کو جائز کر ڈالا ہو، یا جائز تصویروں کی کوئی ایسی علّت ہو جس کی وسعت میں عام تصویریں بھی حلال ہو جائیں۔

مگر آج کل کے جدید مصنفین نے ان احادیثِ رخصت کو عام تصاویر کی حلت کا حیلہ بنالیا ہے، اور ایک نیا حیلہ تو ایسا ایجاد کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ تصاویر کی ساری ہی بحث ختم ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ آج کل جس طرح تمام مصنوعات جو پہلے زمانے میں دستی بنائی جاتی تھیں، اب مشینوں اور آلات کے ذریعہ بنائی جاتی ہیں، اسی طرح تصاویر سازی کے فن کو اس مشینی دور نے ترقی دے کر فوٹو گرافی اور عکّاسی کی صورت دے دی ہے، بعض علماء مصر نے پھر بعض علمائِ ہند نے بھی اس کے متعلق یہ فرمادیا کہ کیمرا کے ذریعہ جو تصویر لی جاتی ہے، وہ تصویر کے حکم میں داخل نہیں، وہ تو ایک ظل اور سایہ جیسے آئینہ اور پانی میں انسان کی شکل دیکھی جائے، اس کے حرام و ناجائز ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں ۔

اور یہ فتنہ ایسا عام ہوا کہ بہت سے علماء و صلحاء بھی کاغذی پراہنوں میں دنیا بھر میں چلتے پھرتے نظر آنے لگے، اور اربابِ عمائم و قبا کے فوٹو دنیا میں عام ہو گئے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض علماء کو اس فوٹو کے اسٹیج پر زبردستی ان کے علم و قصد کے خلاف لایا جاتا ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ بہت سے حضرات بالقصد اس میں شریک ہوتے ہیں۔

(وان یکون الامام علی الدکان) اور ایسا کرنا مکروہ کہ امام اونچی جگہ پر کھڑا ہو۔ یہ اونچائی انسان کے جتنی ہو یا ایک گز اونچی ہو اور یہ صحیح ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب کے وضع کے ساتھ مشابہت ہے کہ ان کے امام کا ایک خاص مکان ہوتا ہے۔

(والقوم علی الارض او بالعکس) اور قوم زمین پر ہو یا اس کے برعکس ہو، یعنی امام زمین پر اور قوم اونچی جگہ پر ہو۔ تو اس طرح کرنے میں امام کی توہین ہے اور ہم سب امام کی تعظیم پر مامور ہیں اس کی توہین پر نہیں۔

(وقیام الامام فی الطاق) اور امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، بخلافِ سجدہ امام کے قبیل تخصیصِ امام سے ہے، یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ اعتبار قدموں کی جگہ کے لئے ہے پیشانی کی جگہ کے لئے نہیں۔

(او یکون الحیوان فی ثوبہ او جبھۃ) اور اگر حیوان کی تصویر نمازی کے کپڑوں پر ہو یا سجدے والی جگہ پر یا اس کی پیشانی والی جگہ پر ہو تو ان تینوں صورتوں میں نماز مکروہ ہے، (غیر خلفہ وتحت) اور اگر پیچھے یا قدموں کے نیچے ہو تو پھر نماز مکروہ نہیں ہے۔ (لا ان صغر الحیوان جدا) اور نماز اس شرط کے ساتھ مکروہ نہیں ہے کہ حیوان کی وہ تصویر بہت چھوٹی ہو۔ تو تین صورتوں میں عبادت گزار (نمازی) کی بت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے نماز مکروہ ہے اور آخری دو صورتوں میں عبادت گزار (نمازی) کی بت کے ساتھ مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ نہیں ہے۔

فان قیل۔ کہ حضرت جبرائیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم کی حدیث مطلق ہے کہ آپ نے چھوٹے اور بڑے کے درمیان کوئی فرق نہیں فرمایا تو آخری دو صورتوں میں بھی مکروہ ہونا چاہیئے اور حکم ایسے نہیں ہے۔ قلنا۔ کراہیت میں موثر عبادت کرنا ہے اور چھوٹے کی عبادت نہیں کی جاتی۔

(والصلوۃ فی سراویل واحد) اور صرف شلوار میں نماز پڑھنا کہ اس کے ساتھ قمیص یا چادر نہ ہو مکروہ ہے۔

اثبات سراویل یعنی پاجامہ کا ثبوت

پاجامہ (شلوار) پہننا بھی سنت ہے بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ لبس السراویل سنۃ وھو من استر الثیاب للرجال والنساء کذافی الغرائب۔ پاجامہ (شلوار) سنت ہے اور یہ مردوں اور عورتوں دونوں اصناف کیلئے زیادہ ستر پوش ہے۔ یونہی الغرائب میں مذکور ہے۔[2153]

[2153] (فتاویٰ ھندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع ج۵ ص ۳۳۳ نورانی کتب خانہ پشاور)

حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے اپنی امت سے پاجامہ پہننے والی عورتوں کیلئے دعائے مغفرت کی اور مردوں کو تاکید فرمائی کہ خود بھی پہنیں اوراپنی عورتوں کو بھی پہنائیں کہ اس میں ستر زیادہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث روایت کی۔

رواہ الترمذی والعقیلی والضعفاء وابن عدی والدیلمی عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ بلفظ اللھم اغفر للمتسرولات من امتی یایھا الناس اتخذوا السراویلات فانھا من استر ثیابکم وحصنوا بھا نساءکم اذا خرجن وفی الحدیث قصۃ وفی اسانیدہ مقال رضبی یتقوی بتعدد طرقہ خلافہ الصنیع ابی الفرج۔

ترمذی نے اس کو روایت کیا اور عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ابن عدی اور دیلمی نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کی: اے اللہ! میری امت میں پاجامہ پہننے والی عورتوں کی بخشش فرما۔ اے لوگو، پاجامہ (یعنی شلوار) پہنا کرو کیونکہ یہ تمھارے لباس میں سب سے زیادہ ستر پوش لباس ہے شلوار سے اپنی عورتوں کو محفوظ کرو جب وہ باہر نکلیں۔ اور حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے اس کی سندوں میں اشکال پایا جاتا ہے۔ بسا اوقات متعدد سندوں اور طرق کی وجہ سے حدیث قوی ہو جاتی ہے لیکن اس میں علامہ ابوالفرج ابن جوزی کا اپنی کارکردگی کی وجہ سے اختلاف ہے۔[2154]

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے عرض کیا۔ حضور پاجامہ پہنتے ہیں۔ فرمایا: **اجل فی السفر والحضر وفی اللیل والنھار فانی امرت بالستر فلم اجد شیئا استر منہ۔ رواہ ابویعلی وابن حبان فی الضعفاء والطبرانی فی الاوسط والدار قطنی فی الافراد والعقیلی فی الضعفاء عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔** ہاں سفر وحضر میں شب وروز پہنتا ہوں اس لئے کہ مجھے ستر کا حکم ہوا ہے میں نے اس سے زیادہ ساتر کسی شئے کو نہ پایا (اس کو ابویعلی اور ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے الاوسط میں اورامام دار قطنی نے الافراد میں اور امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔[2155]

رواہ الترمذی واستقربہ والحاکم وصححہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان علی موسیٰ یوم کلمہ ربہ کساء صوف وکمہ صوف وجبۃ صوف وسراویل صوف وکانت نعلاہ من جلد حمار میت۔

اس کو امام ترمذی نے روایت کرتے ہوئے برقرار رکھا اور حاکم نے روایت کرکے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اس کی تصحیح فرمائی۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب

[2154] (کنزالعمال بحوالہ البزار حدیث ۴۱۸۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵ /۴۶۳)(الکامل لابن عدی ترجمہ ابراھیم بن زکریا العلم الخ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱ /۲۵۵)(الموضوعات لابن جوزی کتاب اللباس دارالفکر بیروت ۳/۴۶)

[2155](مجمع الزوائد بحوالہ ابویعلٰی والمعجم الاوسط للطبرانی کتاب اللباس باب فی السراویل دارالکتب العربی بیروت ۵/۱۲۲)

حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا تو اس دن وہ اون کی بنی ہوئی چادر اونی جبہ اونی ٹوپی اور اونی شلوار میں ملبوس تھے البتہ ان کے جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔[2156]

حدیث میں ہے کہ سب میں پہلے جس نے پاجامہ پہنا ابراھیم خلیل اللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ ہیں، **رواہ ابو نعیم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول من لبس السراویل ابراھیم الخلیل۔** ابو نعیم نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان وارشاد ہے کہ سب سے پہلے جس نے شلوار پہنی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام تھے۔[2157]

امام اہلسنت امام احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بالجملہ پاجامہ پہننا بلاشبہ مستحب بلکہ سنت ہے۔

بالجملہ پاجامہ پہننا بلاشبہہ مستحب بلکہ سنت ہے، ان لم یکن فعلا فقولا والا فلا اقل من الستنان تقریرا کما علمت۔ اگر فعلی سنت نہ بھی ہو تو قولی سنت ضرور ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو کم از کم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقریری سنت تو لامحالہ ہے۔ جیسا کہ تم نے جان بھی لیا۔[2158]

شلوار پہننا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سنت مبارکہ ہے، اور سب سے پہلے شلوار حضرت سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے پہنی اور شلوار بیٹھ کر پہننا سنت ہے۔

الامام الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وَأَخْرَجَ أَبُو يَعْلَى وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ دَخَلْتُ يَوْمًا السُّوقَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ إِلَى الْبَزَّازِ فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ الْحَدِيثَ وَفِيهِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّكَ لَتَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ قَالَ أَجَلْ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فَإِنِّي أُمِرْتُ بِالتَّسَتُّرِ وَفِيهِ يُونُسُ بْنُ زِيَادٍ الْبَصْرِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ قَالَ بن الْقَيِّمِ فِي الْهُدَى اشْتَرَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّرَاوِيلَ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ إِنَّمَا اشْتَرَاهُ لِيَلْبَسَهُ ثُمَّ قَالَ وَرُوِيَ فِي حَدِيثٍ أَنَّهُ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ وَكَانُوا يَلْبَسُونَهُ فِي زَمَانِهِ وَبِإِذْنِهِ قُلْتُ وَتُؤْخَذُ أَدِلَّةُ ذَلِكَ كُلِّهِ مِمَّا ذَكَرْتُهُ۔[2159]

[2156] (جامع الترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی البص الصوف امین کمپنی کراچی ۱/۲۰۷۔۲۰۶)

[2157] (تھذیب تاریخ ان عساکر ذکر ما کان من امر ابراھیم علیہ السلام بعد ذٰلک دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۴۹) (الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۸)

[2158] (فتاوی رضویہ ج ۲۲ ص ۱۵۵)

[2159] (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۱۰، صفحہ ۳۳۶، مکتبہ عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنھما)

قال ابن القيّم في "الهدى": اشترى - صلى الله عليه وسلم - السّراويل، والظّاهر أنّه إنّما اشتراه ليلبسه ثمّ قال: وروي في حديث أنّه لبس السّراويل، وكانوا يلبسونه في زمانه وبإذنه.[2160]

لُبسِ السَّرَاوِيلِ

حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادٍ، عَنِ الأَغَرِّ بْنِ مُسْلِمٍ وَيُكَنَّى أَبَا مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: دَخَلْتُ يَوْمًا السُّوقَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ إِلَى الْبَزَّازِينَ فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ. وَكَانَ لأَهْلِ السُّوقِ وَزَّانٌ يَزِنُ فَقَالَ لَهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اتَّزِنْ وَأَرْجِحْ فَقَالَ الْوَزَّانُ: إِنَّ هَذِهِ لَكَلِمَةٌ مَا سَمِعْتُهَا مِنْ أَحَدٍ. فَقَالَ أَبِي هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ لَهُ: كَفَى بِكَ مِنَ الرَّهْقِ وَالْجَفَاءِ فِي دِينِكَ أَنْ لاَ تَعْرِفَ نَبِيَّكَ.

فَطَرَحَ الْمِيزَانَ وَوَثَبَ إِلَى يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ أَنْ يُقَبِّلَهَا فَحَذَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ: «مَا هَذَا؟! إِنَّمَا يَفْعَلُ هَذَا الأَعَاجِمُ بِمُلُوكِهَا وَلَسْتُ بِمَلِكٍ إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ». فَوَزَنَ وَأَرْجَحَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّرَاوِيلَ. قَالَ أَبِي هُرَيْرَةَ: فَذَهَبْتُ لأَحْمِلَهُ عَنْهُ فَقَالَ: «صَاحِبُ الشَّيْءِ أَحَقُّ بِشَيْئِهِ أَنْ يَحْمِلَهُ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ ضَعِيفًا يَعْجَزُ عَنْهُ فَيُعِينُهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ». قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّكَ لَتَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ؟ قَالَ: «أَجَلْ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَبِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، فَإِنِّي أُمِرْتُ بِالسَّتْرِ فَلَمْ أَجِدْ شَيْئًا أَسْتَرَ مِنْهُ

المقصد العلي في زوائد أبي يعلى الموصلي۔[2161]

العلامۃ محمود محمد خطاب السبکی لکھتے ہیں

(قال) وفی زاد المعاد: واشترى صلى الله عليه وعلى آله وسلم السراويل. والظاهر أنه إنما اشتراه ليلبسه (وقد) روى فی غير حديث أنه صلى الله عليه وعلى آله وسلم لبس السراويل وكانوا يلبسون السراويلات فی زمانه وبإذنه أهـ.

العلامۃ صہیب عبد الجبار لکھتے ہیں

وَعَنْ عَائِشَةَ - رضي الله عنها - قَالَتْ: قَالَ رَسُول اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: ("إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا") ثُمَّ قَرَأَ: {كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ، وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ} (فَقُلْتُ: يَا رَسُول اللهِ، الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ؟) (فَقَالَ: "يَا عَائِشَةُ {لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ} (وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ") يُقَال: إِنَّ الْحِكْمَةَ فِي خُصُوصِيَّةِ إِبْرَاهِيمَ بِذَلِكَ, لِكَوْنِهِ أُلْقِيَ فِي النَّارِ عُرْيَانًا، وَقِيلَ: لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ لَبِسَ السَّرَاوِيل.[2162]

[2160] (فتح السلام شرح عمدة الأحكام، للحافظ ابن حجر العسقلاني مأخوذ من كتابه فتح الباري ج ۴۳۸۹)

[2161] (ج۴ص ۲۸۳ الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان)

[2162] (الجامع الصحيح للسنن والمسانيد ج۳ص ۴۵ فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ۳۹۰۶)

(بابُ السَّرَاوِيلِ)

أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابي الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى:855ھ-) لکھتے ہیں

أَي: هَذَا بَاب يذكر فِيهِ السَّرَاوِيل، وَقَالَ الْجَوْهَرِي: السَّرَاوِيل مَعْرُوف يذكر وَيُؤَنث، وَالْجمع السراويلات، وَقَالَ سِيبَوَيْهِ: سَرَاوِيل وَاحِدَة هِيَ عجمية عربت فَأَشْبَهت من كَلَامهم مَا لَا ينْصَرف فِي معرفَة وَلَا نكرَة، فَهِيَ مصروفة فِي النكرَة، وَمن النَّحْوِيين من لَا يصرفهُ أَيْضا فِي النكرَة، وَيَزْعُم أَنه جمع سروال وسروالة، وَقَالَ شَيخنَا زين الدّين، رَحمَه الله تَعَالَى: روينَا من حَدِيث أبي هُرَيْرَة مَرْفُوعا أَن أول من لبس السراويل إِبْرَاهِيم عَلَيْهِ السَّلَام رَوَاهُ أَبُو نعيم الْأَصْبَهَانِيّ، وَقيل: هَذَا هُوَ السَّبَب فِي كَون أول من يكسى يَوْم الْقِيَامَة، كَمَا ثَبت فِي (الصَّحِيحَيْنِ) من حَدِيث ابْن عَبَّاس، فَلَمَّا كَانَ أول من اتَّخذ هَذَا النَّوْع من اللبَاس الَّذِي هُوَ أستر للعورة من سَائِر الملابس جوزي بِأَن يكون أول من يكسى يَوْم الْقِيَامَة.

وَفِيه: اسْتِحْبَاب لبس السَّرَاوِيل، وَقد روى التِّرْمِذِيّ من حَدِيث سُوَيْد بن قيس قَالَ: جلبت أَنا ومخرفة الْعَبْدي بزاً من هجر، فجاءنا النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فساومنا بسراويل... الحَدِيث، وَرَوَاهُ أَبُو يعلى فِي (مُسْنده) من حَدِيث أبي هُرَيْرَة مطولا. وَفِيه: إِخْبَاره صلى الله عليه وآله وسلم-[2163]

زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاري، زين الدين أبو يحيى السنيكي المصري الشافعي (المتوفى:926ھ-) لکھتے ہیں

(وأول من يكسى يوم القيامة إبراهيم) خص بذلك؛ لأنه أول من كسى الكعبة، أو لأنه ألقي في النار عريانًا، أو لأنه أول من لبس السراويل مبالغة في الستر.[2164]

زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى:1031ھ-) لکھتے ہیں

(اتخذوا) خذوا أخذ معتن بالشيء مجتهد فيه والأمر للندب المؤكد (السراويلات) التي ليست بواسعة ولا طويلة جمع ص:110 سراويل أعجمي عرب جاء بلفظ الجمع وهو مفرد يذكر ويؤنث والسراوين بنون والشراويل بشين معجمة لغة (فإنها من أستر ثيابكم) أي أكثرها ستراً ومن مزيدة لسترها للعورة التي يسيء صاحبها كشفها وفيه ندب لبس السراويل لكن إذا لم تكن واسعة ولا طويلة فإنها مكروهة كما جاء في خبر آخر وفي تفسير ابن وكيع أن إبراهيم أول من تسرول قال الداراني: لما اتخذ الله إبراهيم خليلا أوحى إليه أن وار عورتك من الأرض فكان لا يتخذ من كل شيء إلا واحدا سوى السراويل فيتخذ اثنين فإذا غسل أحدهما لبس الآخر حتى لا يأتي عليه حال إلا وعورته مستورة به-[2165]

[2163] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ۲۱ ص ۳۰۶ الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[2164] (منحة الباري بشرح صحيح البخاري المسمى «تحفة الباري ج ٦ ص ٤٣٣ الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض - المملكة العربية السعودية)

[2165] (فيض القدير شرح الجامع الصغير ج ۱ ص ۱۰۹)

(فائدة) أول من لبس السراويل سيدنا ابراهيم عليه الصلاة والسلام، كان كثير الحياء حتى كان يستحي من أن تَرى الأرضُ مذاكيره، فاشتكى إلى الله تعالى فهبط عليه جبريل بخرقة من الجنة ففصلها جبريل سراويل وقال ادفعها الى سارة تخيطه. فلما خاطئة ولبسه ابراهيم قال ما أحسن هذا وأستره فإنه نعم الستر للمؤمن. ذكره في غذاء الألباب۔[2166]

شمس الدین، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي (المتوفى: 1188ھ) لکھتے ہیں

مَطْلَب: فِي أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَبِسَ السَّرَاوِيلَ أَمْ لَا؟.

(الثَّانِي): اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ هَلْ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ نَبِيُّنَا مُحَمَّدٌ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَمْ لَا؟ قَالَ فِي الْآدَابِ الْكُبْرَى: قَدْ رُوِيَ عَنْ إبْرَاهِيمَ وَمُوسَى - عَلَيْهِمَا السَّلَامُ - أَنَّهُمَا لَبِسَاهُ وَلَبِسَهُ النَّبِيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -.

وَرُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ الصَّحَابَةِ كَسَلْمَانَ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ أَمَرَ بِهِ.

وَذَكَرَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي كِتَابِهِ الْوَفِيِّ وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ عَنْ بُرَيْدَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ: «إنَّ النَّجَاشِيَّ كَتَبَ إلَى رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إنِّي قَدْ زَوَّجْتُك امْرَأَةً مِنْ قَوْمِك وَهِيَ عَلَى دِينِك أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ أَبِي سُفْيَانَ، وَأَهْدَيْتُ لَك هَدِيَّةً جَامِعَةً قَمِيصًا وَسَرَاوِيلَ وَعِطَافًا وَخُفَّيْنِ سَاذَجَيْنِ، فَتَوَضَّأَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا» قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُد أَحَدُ رُوَاةِ الْحَدِيثِ: قُلْت لِلْهَيْثَمِ بْنِ عَدِيٍّ مَا الْعِطَافُ؟ قَالَ: الطَّيْلَسَانُ.

وَأَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ عَنْ «سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: جَلَبْت أَنَا وَمَخْرَمَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرَ إلَى مَكَّةَ فَأَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ، وَثَمَّ وَزَّانٍ يَزِنُ بِالْأَجْرِ، فَقَالَ: إذَا زِنْت فَأَرْجِحْ» وَأَخْرَجَهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ أَيْضًا مِنْ حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ عَمِيرَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ «قَدِمْت قَبْلَ مُهَاجَرِ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَاشْتَرَى مِنِّي سَرَاوِيلَ فَأَرْجَحَ لِي» قَالَ فِي الْفَتْحِ وَمَا كَانَ لِيَشْتَرِيَهُ عَبَثًا وَإِنْ كَانَ غَالِبُ لُبْسِهِ الْإِزَارَ.

وَأَخْرَجَ أَبُو يَعْلَى وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ «دَخَلْت يَوْمًا السُّوقَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَجَلَسَ إلَى الْبَزَّازِينَ فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ» الْحَدِيثَ وَفِيهِ «فَقُلْت: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَإِنَّك لَتَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ؟ قَالَ: أَجَلْ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فَإِنِّي أُمِرْت بِالتَّسَتُّرِ» وَفِيهِ يُوسُفُ بْنُ زِيَادٍ الْبَصْرِيُّ ضَعِيفٌ.

قَالَ فِي الْهَدْيِ: اشْتَرَى - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - السَّرَاوِيلَ وَالظَّاهِرُ إنَّمَا اشْتَرَاهُ لِيَلْبَسَهُ. ثُمَّ قَالَ: وَرُوِيَ فِي حَدِيثٍ أَنَّهُ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ وَكَانُوا يَلْبَسُونَهُ فِي زَمَانِهِ وَبِإِذْنِهِ۔[2167]

أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى: 571ھ) لکھتے ہیں

[2166] (الدين الخالص أو إرشاد الخلق إلى دين الحق (والمجلد التاسع طبع باسم: إرشاد الناسك إلى أعمال المناسك جص ۱۵۸)

[2167] (غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب ج ۲ ص ۲۴۱ الناشر: مؤسسة قرطبة - مصر)

أخبرنا أبو عبد الله الفراوي وأبو محمد عبد الجبار بن محمد بن أحمد الخواري (1) قالا أنا أبو بكر البيهقي أنا أبو علي الحسين بن أحمد بن إبراهيم بن شاذان البغدادي بها أخبرنا عبد الله بن جعفر نا يعقوب بن سفيان نا أبو إسحاق إبراهيم بن زكريا البجلي نا همام عن قتادة عن قدامة بن وبرة عن الأصبغ بن نباتة عن علي قال كنت قاعدا عند النبي (صلى الله عليه وسلم) بالبقيع في يوم دجن مطر فمرت امرأة على حمار معها مكار فهوت يد الحمار في وهدة من الأرض فسقطت المرأة فأعرض النبي (صلى الله عليه وسلم) عنها بوجهه فقالوا يا رسول الله إنها متسرولة فقال اللهم اغفر للمتسرولات من أمتي ثلاثا يا أيها الناس اتخذوا السراويلات فإنها من أستر ثيابكم وخصوا بها نساءكم إذا خرجن۔[2168]

قال العلامة محمد بن يوسف الصالحى الشامى قال الشيخ برهان الدين الباجي حافظ الشام في كتابه قلائد العقيان فيما يورث الفقر والنسيان إن التعمم قاعدا والتسرول قائما يورثان الفقر والنسيان۔[2169]

قالا من تعمم قاعداً او تسرول قائماً ابتلاه الله تعالیٰ ببلاء لا دواء له۔[2170]

ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار میں ہے:

ولبس السراويل سنة وهو من استر الثياب للرجال والنساء واول من لبسه خليل الله عليه السلام ليكون حائلاًبين عضوه وبين الارض وأمر أن يغسل فيه ويكفن فوقه وكان الحسن والحسين رضى الله تعالیٰ عنهما يتغاطون فى الماء وعليهم سراويلات تستّرا عن سكّان الماء۔[2171]

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے۔

(ولبس السراويل سنة)الانبياء عليهم السلام (وهو من استر الثياب للرجال والنساء واول من لبسه ابراهيم خليل الله عليهم السلام ليكون حائلاًبين عضوه)المعهود(وبين الارض)روى عن ابى سليمان رحمه الله انه قال لما اتخذ الله تعالیٰ ابراهيم خليلا اوحى اليه ان استر عورتک من الارض وكان النبى ﷺ يتخذ من كل لباس واحدا الا السراويل فانه كان يتخذ سراويلين فاذا غسل احدهما كان يلبس الآخر۔[2172]

صحابی رسول ﷺ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی شلوار پہنا ہے۔

[2168](تاریخ دمشق ج۴ص ۲۰۶ ج۸ص ۲۲۲ الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

[2169](سبل الھدی والرشاد ج۷ص ۲۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2170](کشف الالتباس فی استحباب اللباس فارسی اردو ص ۱۶ مطبوعہ دار احیاء العلوم کراتشی)

[2171](ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار ص ۳۷)

[2172](شرح شرعۃ الاسلام ص ۲۸۳)

أبو السَّرِي هَنَّاد بن السَّرِي بن مصعب بن أبي بكر بن شبر بن صعفوق بن عمرو بن زرارة بن عدس بن زيد التميمي الدارمي الكوفي (المتوفى: 243ھ) لکھتے ہیں۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي مَرْزُوقٍ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ: " رَأَيْتُ سَلْمَانَ الْفَارِسِيَّ فِي سَرِيَّةٍ وَهُوَ أَمِيرُهَا عَلَى حِمَارٍ وَعَلَيْهِ سَرَاوِيلُ وَخَدَمَتَاهُ تَذَبْذَبَانِ, وَالْجُنْدُ يَقُولُونَ: قَدْ جَاءَ الْأَمِيرُ, فَقَالَ سَلْمَانُ: «إِنَّمَا الْخَيْرُ وَالشَّرُّ بَعْدَ الْيَوْمِ۔[2173]

(والاعتجار) اور ایسے حال میں نماز پڑھنا کہ سر کا درمیانہ حصہ ننگا ہو، مکروہ ہے اور اعتجار اس کو کہا جاتا ہے کہ سر کے ارد گرد پگڑی باندھ لے اور درمیان فاسقوں کی طرح خالی چھوڑ دے نہ کہ علماء وصالحین کی طرح۔ اور علماء وصالحین کی پگڑی کے درمیان خالی جگہ رہنے میں کوئی مذائقہ نہیں ہے کیونکہ علماء وصالحین کے فعل میں کوئی تکبر نہیں ہوتا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ عمامہ میں ٹوپی کو پوری طرح چھپانا چاہیئے اور ٹوپی کو ظاہر کرنے کو مکروہِ تحریمی قرار دیتے ہیں اور اسے اعتجار کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ اعتجار کو نہیں سمجھتے۔ میں اعتجار کی پوری وضاحت کروں گا تاکہ قارئین کرام پر حق واضح ہو جائے۔

پہلی تعریف: امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ کاسانی فرماتے ہیں: **اختلف فی تفسیر الاعتجار قیل ھو ان یشد حول رأسه بالمندیل ویترکھا منه بوجه تشبه اھل الکتاب۔** اعتجار کی تفسیر میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ رومال وغیرہ سر کے گرد باندھا جائے اور درمیان میں چھوڑ دیا جائے کہ اس طرح اہل کتاب سے مشابہت ہوتی ہے۔

دوسری تعریف: **ھو ان یلف شعرہ علی رأسه بمندیل فیصیر کالعاقص شعرہ والعقص مکروہ لما ذکرنا۔** اپنے بال سر پر رومال کے ساتھ لپیٹ لئے جائیں تو وہ بال مجتمع کرنے والے کی مانند ہو جائے اور بالوں کو لپیٹنا مکروہ ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

تیسری تعریف: **عن محمد رحمته اللہ انه قال لا یکون الاعتجار الا بالتنقب وھو ان یلف بعض العمامة علی رأسه ویجعل طرفا منھا علی وجھه کمعتجر النساء اما لأجل الحر والبرد او التکبر۔**

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں نقاب بنائے بغیر اعتجار نہیں ہوتا وہ اس طرح کہ پگڑی کو سر پر لپیٹا جائے اور اس کے کچھ حصہ سے منہ چھپالیا جائے۔ عورتوں کے نقاب کی طرح سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے یا تکبر کی وجہ سے۔[2174]

امام اجل شیخ فقیہ ابن نجیم رقمطراز ہیں: **وفی المغرب وھو ان یلف العمامة علی رأسه ویبدی الھامته۔** مغرب میں ہے کہ اعتجار یہ ہے دستار کو سر پر لپیٹا جائے اور کھوپڑی ننگی رکھی جائے یہ تعریف زیادہ اقرب ہے۔ **اعتجار معجر المرءة** سے ماخوذ ہے۔ معجر اس

[2173] (الزھد ج ۲ ص ۴۱۸ الناشر: دار الخلفاء للکتاب الإسلامي - الکویت)

[2174] (بدائع الصنائع ص ۲۱۶ ج ۱)

کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت اپنے سر پر گولائی میں باندھتی ہے امام ولوالجی نے اس کی وجہ کراہت یہ بیان کی ہے کہ اس میں اہلِ کتاب سے مشابہت آتی ہے جب کہ یہ نماز کے علاوہ بھی مکروہ ہے تو نماز میں بطریق اولی مکروہ ہے۔[2175]

شیخ اجل امام طاہر بن عبد الرشید نے اعتجار کی تعریف یوں کی ہے: **وھو ان یشد العمامته ویدع الھامته کما یفعله الشطار۔**

ترجمہ: دستار کو سر پر اس طرح باندھا جائے کہ درمیان میں کھوپڑی کو چھوڑ دے جیسے شطاری کرتے ہیں۔[2176]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **وھو ان یکور عمامته ویترک وسط رأسه مکشوفا کذا فی التبیین۔** یعنی سر پر عمامہ باندھا جائے اور درمیان میں سر ننگا رہے اسی طرح تبیین میں ہے۔[2177]

مراقی الفلاح میں بھی بدائع الصنائع والی پہلی دو تعریفیں درج ہیں۔[2178]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی بھی یہی تعریف کرتے ہیں کہ: **لف العمامته علی الرأس وترک وسطه مکشوفا۔** دستار سر پر باندھنا اور میانہ حصہ سر کا ننگا رکھنا۔[2179]

مذکورہ بالا فقہاء کرام کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ وجہ کراہت یا تو اہل کتاب سے مشابہت ہے جیسا کہ امام ولوالجی نے بیان کیا۔ ہمیں جہاں تک ہو سکے ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور وہ درمیان سے سر ننگا رکھتے تھے اور ہمیں ننگا نہیں رکھنا چاہیئے یا پھر شریر لوگوں کی عادات سے مشابہت کی وجہ سے ہے اور اپنے منہ تکبر کی بناء پر چھپا کر رکھتے ہیں یا سردی و گرمی سے بچنے کے لئے شملے سے منہ اور ناک کو ڈھانپ کر دوسری طرف اڑس لیتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے متعلق بھی ہے۔

چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مدارج النبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ: **عذبه** یعنی شملہ کی تحنیک بھی مروی ہے۔ تحنیک یہ ہے کہ شملہ کو بائیں جانب سے تالو اور تھوڑی کے نیچے سے نکال کر داہنی جانب عمامہ میں اڑس لینا۔"

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کے مطابق بھی تحنیک کے بغیر اعتجار ہوتا نہیں۔

[2175] (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۴)

[2176] (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۷)

[2177] (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۶)

[2178] (مراقی الفلاح ص ۲۸۴)

[2179] (الفقہ الاسلامی ص ۵۹۵ ج ۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی روایت و قول فقیہ میں موجود نہیں کہ اوپر ٹوپی کو بھی ڈھانپا جائے بلکہ رسول اکرم ﷺ کے متعلق حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس طرح دستار باندھتے تھے تو فرمایا آپ ﷺ سر پر گولائی میں دستار باندھتے دو کندھوں کے درمیان شملہ رکھتے اور دوسرے سرے کو سر کی پچھلی جانب دستار میں اڑستے تھے۔

استاذ الاساتذہ حجۃ الاسلام فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اعتجار کے متعلق سوال کے جواب میں تحریر کرتے ہیں: ”اعتجار کی دو تعریفیں کتب فقہ میں ہیں فتاویٰ عالمگیریہ ج ا ص ۵۵ میں ہے: **ھو ان یکور عمامۃ ویترک وسط رأسہ مکشوفا کذا فی التبیین۔** یعنی درمیان سے سر ننگا چھوڑ دے، زیادہ کتابوں میں یہی تعریف ہے، مراقی الفلاح ص ۲۱۰ طبع مع الطحطاویہ میں ”قیل“ کے ساتھ ہے: **ان ینقب بعمامتہ فیخطی انفیہ** مگر یہ کہیں کسی تعریف میں نہیں دیکھا کہ وسط میں ایک پیچ اعتجار سے بچنے کے لئے ضروری ہے حالانکہ پیچ کے علاوہ بھی عمامہ سے سر کا درمیانہ حصہ چھپ سکتا ہے اور نہ یہ کہیں دیکھا ہے کہ ٹوپی کا چھپانا بھی ضروری ہے اور وہ بھی عمامہ سے ہی ہو اور نہ یہ کہیں دیکھا کہ ٹوپی سے وسط سر کا چھپانا کافی نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**“

حضرت علامہ مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ (دار الافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری گیٹ لاہور) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”علماء کرام نے کتابوں میں علیحدہ علیحدہ تعریفیں نقل کی ہیں۔ چنانچہ:

۱) حضرت علامہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بہارِ شریعت حصہ سوم ص ۱۳۷ (مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی) پر فرماتے ہیں: ”اعتجار یعنی پگڑی اس طرح باندھنا کہ پیچ میں سر پر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے۔ نماز کے علاوہ بھی اس طرح عمامہ باندھنا مکروہ ہے۔“[2180]

۲) حضرت صدر الشریعہ اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور زمانہ فتاوی امجدیہ جلد اول ص ۱۹۹ (مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی) پر فرماتے ہیں:

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ ٹوپی کے کنارے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں اور پوری ٹوپی کھلی رہتی ہے، یہ اعتجار ہے۔ اس طرح نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔

نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے: **ویکرہ الاعتجار وھو شد الرأس بالمندیل او تکویر عمامتہ علی رأسہ ترک وسطھا مکشوفا۔** اس کے تحت طحطاوی میں ہے: **ای نصا العمامتہ حول الرأس وابداء العمامتہ فقولہ ”وترک وسطھا“ راجع الی تفسیر الشرح ایضا المراد انہ مکشوف عن العمامتہ لا مکشوف اصلا لانہ فعل مالا یفعل واللہ معانی اعلم۔**

[2180] (بحوالہ درمختار ص ۶۱۰، ۶۱۱، ج ا عالمگیری ص ۱۰۶، ۱۰۷، ج ا)

۳) لیکن اسی فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص۲۹۹ پر راقم فتاویٰ نے اعتجار کی تعریف یوں فرمائی: اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ٹوپی پہنے رہنے کی حالت میں اعجار ہو رہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اعتجار اسی صورت میں ہے کہ عمامہ کے نیچے کوئی چیز سر کو چھپانے والی نہ ہو۔

اس مسئلے کے حاشیہ میں مولانا شریف الحق امجدی صاحب فرماتے ہیں: **اختار ما فی الظهيرية و اما ما قال العلامته السيد الطحطاوی فی حاشيه المراقی المراد انه مكشوف عن العمامته لا مكشوف اصلا لانه فعل مالا يفعل ففيه نظر ظاهر لان كثيرا من جفاة الاعراب يلفون المنديل و العمامته حول الرأس مكشوف العمامته تعبير قلنسوة فليحرر امجدی۔**

حضرت مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہار شریعت اور فتاویٰ امجدیہ میں اعتجار کے بارے میں جو صراحت کی ہے اس میں کسی تاویل اور نظر کی گنجائش نہیں (پگڑی اس طرح باندھنا کہ بیچ میں سر پر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے بہار شریعت کی اس عبارت میں سر پر کہا گیا، بیچ میں ٹوپی پر نہیں کہا گیا۔ اس طرح فتاویٰ امجدیہ کی عبارت (اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹوپی پہنے رہنے کی حالت میں اعتجار ہوتا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اعتجار اس صورت میں ہوتا ہے کہ عمامہ کے نیچے کوئی چیز سر کو چھپانے والی نہ ہو، اس عبارت میں کتنی صراحت ہے اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

(**و الصلوة عاريا منكبيه**) اور ایسے حال میں نماز پڑھنا کہ کسی عذر کے بغیر کندھے ننگے ہوں مکروہ ہے کیونکہ اس میں نمازی کی بے ادبی ہے۔

(**او فوق رأسه او بيمينه او يساره صورة حيوان**) اور ایسے حال میں نماز پڑھنا کہ (نمازی کے) سر کے اوپر یا دائیں یا بائیں جانب کسی حیوان کی تصویر ہو، مکروہ ہے۔ (**او بين يديه**) اور ایسے حال میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ سامنے زمین پر حیوان کی تصویر پڑی ہو۔

(**و الاكتفاء بأية او آيتين بعد الفاتحة**) اور فاتحہ کے بعد نمازی کا ایک یا دو آیتوں پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے کیونکہ قدرِ مسنونہ باقی رہ گیا جو کہ تین آیات ہیں۔

(**و الصلوة اخذ غائط او بول او ريح**) اور ایسی حالت میں نماز پڑھنا کہ نمازی کو پاخانے یا پیشاب یا ہوا کی حاجت ہو، مکروہ ہے کیونکہ ابو داؤد میں ذکر کیا گیا ہے: **الاول التخلی ثم المصلی** (پہلے اپنے آپ کو خالی کرنا ہے اور پھر نماز پڑھنی ہے)۔ تو شغلِ دل کی وجہ سے کراہیت متحقق ہوتی ہے اور اگر شغل دل نہ ہو تو کراہیت نہیں ہے۔

(**او يجعل رداءه تحت ابطه الايمن و يلقی علی كتفه الايسر**) اور ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لا کر بائیں بازو کے اوپر ڈال لیا جائے اور دوسرے بازو کو کھلا رہنے دیا جائے۔

(**و الصلوة بارض مزروعة بغير اذن صاحبه**) ولی کی اجازت کے بغیر کاشت کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ بیگانی فصل خراب نہ ہو جائے اور اگر زمین پر کچھ کاشت نہ کیا ہو پھر مکروہ نہیں ہے۔

(والصلوۃ الی دکان او تنور فیہ نار موقودۃ) ایسی دکان یا تنور جس میں آگ جل رہی ہے، کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں آگ کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، بخلاف شمع لالٹین یا دیا، یعنی چراغ کے۔ کیونکہ ان تینوں سے نماز مکروہ نہیں ہوتی۔

(والصلوۃ بقرب النجاسۃ) اور پلیدی کے قریب نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں نماز کی بے ادبی ہے۔

(والصلوۃ بقلنسوۃ بلاعمامۃ) اور بغیر پگڑی یا چادر کے صرف ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

اور بعض مکروہات مصنف علیہ الرحمۃ نے ذکر نہیں کیے کیونکہ مذکور مصنف علیہ الرحمۃ کی نماز میں مصنف علیہ الرحمۃ کے قول کی دلالت کے ساتھ داخل تھے، وقد توجد الاربعۃ الاخیرۃ فیھا طبعاً۔ اور غیر مذکور نماز سے باہر ہیں۔

(وافتتاح الصلوۃ بالتھلیل والتسبیح ونحوھما) اور نماز میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم کے ساتھ شروع مکروہ ہے بغیر اللہ اکبر کے، جیسا کہ لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ ہے۔ کیونکہ اس میں واجب کا ترک ہے۔

(والصلوۃ حاسر رأسہ) اور ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں نماز کی تعظیم کا ترک ہے چاہے سستی کی وجہ سے ہو یا گرمی کی وجہ سے ہو البتہ خشوع کی نیت سے درست ہے اور وہ بھی رات کے نوافل میں۔

نماز کے مکروہات تحریمیہ

یعنی وہ کام جو حالت نماز میں کرنا منع ہیں اور جن کے کرنے سے نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔

جو نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے اس کا اعادہ واجب ہے یعنی اس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

جن کاموں کے قصداً کرنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، سجدہ سہو کرنے سے بھی نماز درست نہیں ہو گی بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہے۔

کراہت تحریمی سجدہ سہو سے زائل نہیں ہو گی۔ ہر مکروہ تحریمی گناہ و معصیت صغیرہ ہے۔

ہمارے مومن بھائی ناواقفیت کی وجہ سے حالت نماز میں ایسے کام کر لیتے ہیں جن کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے لیکن ان کو گمان تک بھی نہیں ہوتا کہ میں نے نماز میں ایسا کام کر لیا ہے جس کی وجہ سے میری نماز ایسی مکروہ ہوئی ہے کہ اس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ لہٰذا ہر مومن بھائی ان مسائل کی طرف توجہ فرمائیں اور اپنی نمازیں خراب ہونے سے بچائیں۔

نماز میں افعال کرنے سے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

مسئلہ: مکروہ تحریمی مرتبہ واجب میں ہے۔ اس کا ہلکا جاننا گمراہی و ضلالت ہے۔[2181]

[2181] (فتاویٰ رضویہ ج۶ ص۱۱۹)

مسئلہ: کپڑے یا داڑھی یا بدن کے ساتھ کھیلنا یعنی لغو اور بے معنی حرکت کرنا۔[2182]

مسئلہ: کپڑا سمیٹنا مثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے دامن یا دوسرا کوئی کپڑا اٹھانا یا پاجامہ کو دونوں ہاتھ سے کھینچنا۔[2183]

مسئلہ: رومال یا شال یا رضائی یا چادر کے کنارے دونوں مونڈھوں سے لٹکتے ہوں، یہ ممنوع و مکروہ تحریمی ہے اور ایک کنارہ دوسرے مونڈھے پر ڈال دیا اور دوسرا لٹک رہا ہے تو حرج نہیں اور اگر ایک ہی مونڈھے پر ڈالا اس طرح کہ ایک کنارہ پیٹھ پر لٹک رہا ہے دوسرا پیٹ پر، جیسے عموماً اس زمانہ میں مونڈھوں پر رومال رکھنے کا طریقہ ہے، تو یہ بھی مکروہ ہے۔[2184]

مسئلہ: کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی، یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی۔[2185] مسئلہ: نماز میں آستین اوپر کو اس طرح چڑھانا کہ ہاتھوں کی کہنی کھل جائے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی ۔اگر پھر سے دوبارہ نہ پڑھی تو گناہگار ہوگا۔[2186]

مسئلہ: شدت کا پاخانہ پیشاب معلوم ہوتے وقت، یا غلبہ ریاح کے وقت نماز پڑھنا، مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث میں ہے، "جب جماعت قائم کی جائے اور کسی کو بیت الخلا جانا ہو، تو پہلے بیت الخلا کو جائے۔" اس حدیث کو ترمذی نے عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور ابو داود و نسائی و مالک نے بھی اس کے مثل روایت کی ہے۔[2187]

مسئلہ: نماز شروع کرنے سے پیشتر اگر ان چیزوں کا غلبہ ہو تو وقت میں وسعت ہوتے ہوئے شروع ہی ممنوع و گناہ ہے، قضائے حاجت مقدم ہے، اگرچہ جماعت جاتی رہنے کا اندیشہ ہو اور اگر دیکھتا ہے کہ قضائے حاجت اور وضو کے بعد وقت جاتا رہے گا تو وقت کی رعایت مقدم ہے، نماز پڑھ لے اور اگر اثنائے نماز میں یہ حالت پیدا ہو جائے اور وقت میں گنجائش ہو تو توڑ دینا واجب اور اگر اسی طرح پڑھ لی، تو گناہ گار ہوا۔[2188]

مسئلہ: جوڑا باندھے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور نماز میں جوڑا باندھا، تو فاسد ہوگئی۔[2189]

2182 (عامہ کتب۔ بہار شریعت، جلد ۳، ص ۱۶۵)

2183 (بہار شریعت، جلد ۳، ص ۱۶۵)

2184 ("الدر المختار" و"رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ... إلخ، مطلب في الکراہۃ التحریمیۃ والتنزیہیۃ، ج ۲، ص ۴۸۸)(در مختار، رد المحتار)

2185 ("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، ج ۲، ص ۴۸۸. "الدر المختار" و"رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ... إلخ، مطلب في الکراہۃ التحریمیۃ والتنزیہیۃ، ج ۲، ص ۴۸۸. ،المرجع السابق، ص ۴۹۰، و"الفتاوی الرضویۃ"، کتاب الصلاۃ، ج ۷، ص ۳۸۵.)(در مختار)

2186 (فتح القدیر، بحر الرائق، فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۱۶-۴۲۳)

2187 ("الدر المختار" و"رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، مطلب في الخشوع، ج ۲، ص ۴۹۲. "جامع الترمذي"، أبواب الطھارۃ، باب ماجاء إذا أقیمت الصلاۃ... إلخ، الحدیث: ۱۴۲، ج ۱، ص ۱۹۲.)

2188 ("رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، مطلب في الخشوع، ج ۲، ص ۴۹۲.)

2189 ("الدر المختار" و"رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، ج ۲، ص ۴۹۲.)

مسئلہ: صرف پاجامہ یا تہبند پہن کر نماز پڑھی اور کُرتا یا چادر موجود ہے، تو نماز مکروہ تحریمی ہے اور جو دوسرا کپڑا نہیں، تو معافی ہے۔[2190]

حدیث: ابو داود اور حاکم نے مستدرک میں بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ حضور (ﷺ) نے اس سے منع فرمایا کہ "مرد صرف پاجامہ پہن کر نماز پڑھے اور چادر نہ اوڑھے۔"[2191]

حدیث: صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ حضور (ﷺ) فرماتے ہیں: "تم میں کوئی ایک کپڑا پہن کر اس طرح ہرگز نماز نہ پڑھے کہ مونڈھوں پر کچھ نہ ہو۔"[2192]

عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کی، کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نافع کو دو کپڑے پہننے کو دیے اور یہ اس وقت لڑکے تھے اس کے بعد مسجد میں گئے اور ان کو ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا، اس پر فرمایا: "کیا تمھارے پاس دو کپڑے نہیں کہ انھیں پہنتے؟ عرض کی، ہاں ہیں۔ تو فرمایا: بتاؤ اگر مکان سے باہر تمہیں بھیجوں تو دونوں پہنو گے؟ عرض کی، ہاں۔ فرمایا: تو کیا اللہ عزوجل کے دربار کے لیے زینت زیادہ مناسب ہے یا آدمیوں کے لیے؟ عرض کی، اللہ (عزوجل) کے لئے۔"[2193]

مسئلہ: کنکریاں ہٹانا مکروہ تحریمی ہے، مگر جس وقت کہ پورے طور پر بروجہ سُنت سجدہ ادا نہ ہوتا ہو، تو ایک بار کی اجازت ہے اور بچنا بہتر ہے اور اگر بغیر ہٹائے واجب ادا نہ ہوتا ہو تو ہٹانا واجب ہے، اگرچہ ایک بار سے زیادہ کی حاجت پڑے۔[2194]

مسئلہ: اُنگلیاں چٹکانا، انگلیوں کی قینچی باندھنا یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا، مکروہ تحریمی ہے۔[2195]

مسئلہ: کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، نماز کے علاوہ بھی کمر پر ہاتھ رکھنا نہ چاہیے۔[2196]

مسئلہ: اِدھر اُدھر مونھ پھیر کر دیکھنا مکروہ تحریمی ہے، کل چہرہ پھر گیا ہو یا بعض اور اگر مونھ نہ پھیرے، صرف کنکھیوں سے اِدھر اُدھر بلا حاجت دیکھے، تو کراہت تنزیہی ہے اور نادراً کسی غرض صحیح سے ہو تو اصلاً حرج نہیں، نگاہ آسمان کی طرف اٹھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔[2197]

2190 ("ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا، مطلب إذا تردد الحکم... إلخ، ج۲، ص۵۰۴.)(عالمگیری، غنیہ)

2191 ("سنن أبي داود"، کتاب الصلاۃ، باب إذا کان الثوب ضیقا یتزر بہ، الحدیث:۶۳۶، ج۱، ص۲۵۷.)

2192 ("صحیح البخاري"، کتاب الصلاۃ، باب إذا صلی في الثوب الواحد، الحدیث:۳۵۹، ج۱، ص۱۴۵.)

2193 ("المصنف"لعبد الرزاق، کتاب الصلاۃ، باب مایکفي الرجل من الثیاب، الحدیث:۱۳۹۲، ج۱، ص۲۷۴.)

2194 ("الدر المختار" و"ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ... إلخ، مطلب في الخشوع، ج۲، ص۴۹۳.)(در مختار، ردالمحتار)

2195 ("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا، ج۲، ص۴۹۳، وغیرہ.)(در مختار وغیرہ)

2196 (المرجع السابق، ص۴۹۴.)(در مختار)

2197 (بہار شریعت ج۳ص۱۶۷، فتاویٰ رضویہ ج۱ص۱۷۱)

مسئلہ: تشہد یا سجدوں کے درمیان میں کُتّے کی طرح بیٹھنا، یعنی گھٹنوں کو سینہ سے ملا کر دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر سرین کے بل بیٹھنا، مرد کا سجدہ میں کلائیوں کو بچھانا، کسی شخص کے مونھ کے سامنے نماز پڑھنا، مکروہ تحریمی ہے۔ یوہیں دوسرے شخص کو مصلّی کی طرف مونھ کرنا بھی ناجائز و گناہ ہے، یعنی اگر مصلّی کی جانب سے ہو تو کراہت مصلّی پر ہے، ورنہ اس پر۔[2198]

مسئلہ: اگر مصلّی اور اس شخص کے درمیان جس کا مونھ مصلّی کی طرف ہے، فاصلہ ہو جب بھی کراہت ہے، مگر جب کہ کوئی شے درمیان میں حائل ہو کہ قیام میں بھی سامنا نہ ہوتا ہو تو حرج نہیں اور اگر قیام میں مواجہہ ہو قعود میں نہ ہو، مثلاً دونوں کے درمیان میں ایک شخص مصلّی کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا کہ اس صورت میں قعود میں مواجہہ نہ ہو گا، مگر قیام میں ہو گا، تو اب بھی کراہت ہے۔[2199]

مسئلہ: قبر کا سامنے ہونا، اگر مصلّی و قبر کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔[2200]

مسئلہ: کفار کے عبادت خانوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ وہ شیاطین کی جگہ ہیں اور ظاہر کراہت تحریم۔ (بحر) بلکہ ان میں جانا بھی ممنوع ہے۔[2201]

مسئلہ: بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھنا کہ ہاتھ بھی باہر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے۔ (بہار شریعت) البتہ اس طرح کپڑا اوڑھنا کہ ہاتھ باہر نہ ہو جائز ہے۔

مسئلہ: اُلٹا کپڑا پہن کر یا اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور ظاہر تحریم۔ یوہیں انگرکھے کے بند نہ باندھنا اور اچکن وغیرہ کے بٹن نہ لگانا، اگر اس کے نیچے کرتا وغیرہ نہیں اور سینہ کھلا رہا تو ظاہر کراہت تحریم ہے اور نیچے کرتا وغیرہ ہے تو مکروہ تنزیہی۔ یہاں تک تو وہ مکروہات بیان ہوئے جن کا مکروہ تحریمی ہونا کتب معتبرہ میں مذکور ہے، بلکہ اسی پر اعتماد کیا ہے، اب بعض دیگر مکروہات بیان کیے جاتے ہیں کہ ان میں اکثر کا مکروہ تنزیہی ہونا مصرح ہے اور بعض میں اختلاف ہے، مگر راجح تنزیہی ہے۔ سجدہ یا رکوع میں بلا ضرورت تین تسبیح سے کم کہنا، حدیث میں اسی کو مرغ کی سی ٹھونگ مارنا فرمایا، ہاں تنگی وقت یا ریل چلے جانے کے خوف سے ہو تو حرج نہیں اور اگر مقتدی تین تسبیحیں نہ کہنے پایا تھا کہ امام نے سر اٹھالیا تو امام کا ساتھ دے۔[2202]

مسئلہ: چوری کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو گی۔[2203]

2198 ("الدر المختار" و"رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ... إلخ، مطلب إذا تردد الحکم... إلخ، ج ۲، ص ۴۹۵۔۴۹۷.) (در مختار)

2199 ("ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ و مایکرہ فیھا، مطلب إذا تردد الحکم... إلخ، ج ۲، ص ۴۹۷.) (ردالمحتار)

2200 ("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، ج ۲، ص ۵۴.) (در مختار، عالمگیری)

2201 ("البحر الرائق"، کتاب الدعوی، ج ۷، ص ۳۶۴. "رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، مطلب تکرہ الصلاۃ فی الکنیسۃ، ج ۲، ص ۵۳.)

2202 (بہار شریعت ج ۳ ص ۱۷۰)

2203 (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۵۱)

مسئلہ: دھوبی کو کپڑے دھونے کیلئے دیئے اور دھوبی کپڑا بدل کر لایا یعنی کسی اور کے کپڑے لے آیا، تو ان کپڑوں کو پہننا مرد و عورت سب کو حرام اور وہ کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔[2204]

مسئلہ: جس کپڑے پر جاندار کی تصویر بنی ہو اسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ نماز کے علاوہ بھی ایسے کپڑے پہننا جائز نہیں۔ اسی طرح نمازی کے سر پر یعنی چھت یا دیوار میں منقش ہے تو بھی نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔[2205]

مسئلہ: تصویر والا کپڑا پہنے ہوئے ہے اور اس پر دوسرا کپڑا پہن لیا کہ تصویر چھپ گئی تو اب نماز مکروہ نہ ہو گی۔[2206]

مسئلہ: جس جگہ سجدہ کیا جائے اس جگہ فرش پر اگر تصویر بنی ہوئی ہے یا مصلیٰ یا قالین پر تصویر چھپی ہوئی ہے اور تصویر کی جگہ پر سجدہ واقع ہو تو بھی نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔[2207]

مسئلہ: اگر تصویر ذلت کی جگہ ہو، مثلاً جوتیاں اُتارنے کی جگہ یا اور کسی جگہ فرش پر کہ لوگ اسے روندتے ہوں یا تکیے پر کہ زانو وغیرہ کے نیچے رکھا جاتا ہو، تو ایسی تصویر مکان میں ہونے سے کراہت نہیں، نہ اس سے نماز میں کراہت آئے، جب کہ سجدہ اس پر نہ ہو۔[2208]

مسئلہ: اگر عینک کا حلقہ اور قیمیں سونے یا چاندی کی ہیں تو ایسی عینک ناجائز ہے۔ ایسی عینک پہن کر نماز پڑھنا سخت مکروہ ہے اور اگر عینک کا حلقہ اور قیمیں تانبے یا دھات کی ہوں تو بہتر یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت اس عینک کو اتار دے، ورنہ نماز خلاف اولیٰ اور کراہت سے خالی نہیں۔[2209]

مسئلہ: امام کا مقتدیوں سے تین گرہ جتنا بلند مقام پر تنہا کھڑا ہونے سے بھی نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔[2210]

مسئلہ: مقتدی نے جماعت ہونے کی جلدی میں صف کے پیچھے ہی "اللہ اکبر" کہہ کر پھر صف میں داخل ہوا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوئی۔[2211]

2204 (فتاویٰ رضویہ ج۳ص۴۱۷)

2205 (عامہ کتب، بہار شریعت ج۳ص۱۶۸، فتاویٰ رضویہ ج۳، ص۴۴۸)

2206 (ردالمحتار، بہار شریعت ج۳ص۱۶۹)

2207 (بہار شریعت ج۳ص۱۶۸، فتاویٰ رضویہ ج۳ص۴۴۸)

2208 ("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا، ج۲، ص۵۰۳، وغیرہ.)(در مختار وغیرہ)

2209 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص۴۲۷)

2210 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص۴۱۵)

2211 (عالمگیری، بہار شریعت ج۳ص۱۷۰)

مسئلہ: نماز میں بالقصد جماہی لینا مکروہ تحریمی ہے اور اگر خود بخود جماہی آئی تو حرج نہیں مگر حتی الامکان جماہی روکے۔ جماہی روکنا مستحب ہے۔[2212]

مسئلہ: نماز کی حالت میں ناک اور منہ کو چھپانا یعنی ناک اور چہرہ کو کسی کپڑے یا کسی چیز سے چھپانا کہ ناک اور چہرہ نظر نہ آئے تو نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔[2213]

مسئلہ: اُلٹا قرآن مجید پڑھنا، کسی واجب کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے، مثلاً رکوع و سجود میں پیٹھ سیدھی نہ کرنا، یوہیں قومہ اور جلسہ میں سیدھے ہونے سے پہلے سجدہ کو چلا جانا، قیام کے علاوہ اور کسی موقع پر قرآن مجید پڑھنا، یا رکوع میں قراءت ختم کرنا، امام سے پہلے مقتدی کا رکوع و سجود وغیرہ میں جانا یا اس سے پہلے سر اٹھانا۔[2214]

مسئلہ: قیام کے علاوہ اور کسی موقع پر قرآن مجید پڑھنا یا رکوع میں قراءت ختم کرنے سے نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔[2215]

مسئلہ: مقتدی کا امام سے رکوع یا سجدہ میں جانا یا امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھانا مکروہ تحریمی ہے۔[2216]

مسئلہ: مرد کا سجدہ میں ہاتھ کلائیوں کو زمین پر بچھانا مکروہ تحریمی ہے۔[2217]

مسئلہ: جن چیزوں کا پہننا شرعاً ناجائز ہے ان کو پہن کو نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے مثلاً مرد کو چاندی کی صرف ایک انگشتری (انگوٹھی) جو ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی اور صرف ایک نگ کی جائز ہے۔ اگر کسی مرد نے چاندی کی ساڑھے چار ماشے سے زیادہ وزن کی، یا ایک سے زیادہ نگ کی، اس طرح سونے کی انگوٹھی یا سونے یا چاندی کی زنجیر پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔ اس طرح مرد نے زنانی وضع کی یا عورت نے مردانہ وضع کے کپڑے پہن کر نماز پڑھی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو گی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ مذہب صحیح پر ناجائز کپڑا پہن کر نماز مکروہ تحریمی کہ اسے اتار کر پھر اعادہ کیا جائے۔[2218]

مسئلہ: جماعت سے نماز پڑھتے وقت امام کے برابر (تین) مقتدیوں کے کھڑے ہونے سے امام اور مقتدیوں سب کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو گی۔[2219]

2212 (مراقی الفلاح، بہار شریعت ج۳ص ۱۶۳)

2213 (در مختار، عالمگیری، بہار شریعت ص ۱۶۷، مومن کی نماز ص ۱۷۴)

2214 (غنیہ، عالمگیری، بہار شریعت ج۳ص ۱۷۰، مومن کی نماز ص ۱۷۴)

2215 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص ۱۳۴)

2216 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص ۱۳۴)

2217 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص ۱۳۴)

2218 (فتاویٰ رضویہ ج۹، ص ۵۶ جز اول)

2219 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص ۳۲۳)

الباب السابع فی بیان المباحات

نماز کے آٹھ ابواب میں سے یہ ساتواں باب ہے (فی بیان المباحات) جو (نماز کے) مباحات کے بیان میں ہے۔ مباح اسے کہا جاتا ہے جس کے کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو (وھی احدعشر) اور یہ گیارہ ہیں۔ ان مباحات میں بعض عام ہیں اور بعض خاص۔ (العام ثمانیة) جو مباحات عام ہیں ان کی تعداد آٹھ ہے (نظرة بموق عینیه) نمازی کا آنکھوں کے گوشوں کے ساتھ دیکھنا مباح ہے نہ کہ پوری آنکھوں سے کیونکہ پوری آنکھ سے دیکھنا بغیر چہرہ پھیرے متصور نہیں ہوتا اور بعض (تھوڑا) چہرہ پھیرنے سے دیکھنا مکروہ ہے نہ کہ مباح۔

واؤ کے ساتھ مُوق اس طرف کو کہا جاتا ہے جو ناک کی طرف ہو اور میم کے بعد ھمزۃ کے ساتھ موئق اس طرف کو کہا جاتا ہے جو کان کی جانب ہو۔ (بلاتحویل وجهه) پورا یا تھوڑا سا چہرہ پھیرنے کے بغیر نظر کرنا مباح ہے کیونکہ حضور ﷺ دائیں بائیں اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف گردن پھیرے بغیر نظر فرماتے تھے اور چہرے کو تھوڑا سا پھیرتے ہوئے نظر مکروہ ہے اور پورا چہرہ پھیرتے ہوئے نظر کرنا حرام ہے۔

(وتسویة موضع سجوده) اور نمازی کے لئے سجدے کی جگہ کو ایک ہاتھ کے ساتھ برابر کرنا مباح ہے چاہے سجدے کی جگہ ہو یا گھٹنوں کی جگہ ہو، یا قدموں کی جگہ۔

(مرأة او مرّتین) ایک دفعہ برابر کی جائے یا دو دفعہ روایت، مغنی اور کافی میں کہا گیا ہے کہ جائے مذکورہ کو صرف ایک دفعہ برابر کیا جائے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا: یا اباذر فسویه مرة والافذر ای (اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) ایک مرتبہ برابر کرو اور پھر چھوڑ دو) چھوڑ دے اور دوسرے راوی نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ: یا اباذر فسویه مرة او مرتین والافذر۔

(للعذر) اور یہ برابر کرنا عذر کی وجہ سے مباح ہے جیسے چھوٹی کنکریوں کی وجہ سے سجدے پر قادر نہ ہو یا اس طرح کی کوئی دوسری چیز سجدے کی جگہ پر پڑی ہو، یہ مکروہ اس لئے نہیں کہ اس میں نماز کی اصلاح ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ایک ہاتھ کے ساتھ برابر کرنا مباح ہے تو یہ اس لئے کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ برابر کرنا مفسدِ نماز ہے۔

(وقتل الحیة المطلقة) اور نمازی کو نماز کی حالت میں مطلق سانپ کو مارنا مباح ہے چاہے سیاہ ہو یا سفید، زرد ہو یا سرخ، یا اس کے علاوہ کسی اور رنگ کا ہو سیدھا چلتا ہو یا ٹیڑھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اقتلوا الاسویدین ولو کنتم فی الصلوة۔ (مارو ان دو کالی چیزوں کو کہ ان میں سے ایک بچھو ہے اور دوسرا سانپ، اگرچہ تم نماز میں ہو)۔ اور اسودین سے مراد سانپ اور بچھو ہے یہ حدیث مدینہ منورہ میں بیان فرمائی گئی کیونکہ مدینہ منورہ کے سانپ اور بچھو سیاہ ہوتے تھے، اس لئے حضور ﷺ نے اسودین فرمایا اور مطلق کی قید سے قول فقیہ ابو جعفر علیہ الرحمۃ سے احتراز ہوا کیونکہ ان کے نزدیک جنی سانپ کا قتل مباح نہیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ایاکم عن قتل الحیة

البیضا من الجنیة۔(اپنے آپ کو سفید سانپ کے قتل کرنے سے بچاؤ اس لئے کہ یہ جنیات میں سے ہے)اس میں نماز یا غیر نماز کا فرق نہیں کیا گیا، لہذا نہ نماز کے اندر مارا جا سکتا ہے اور نہ ہی نماز کے باہر، مگر ڈرانے کے وقت جو اسے کہا جاتا ہے کہ **خل طریق المسلمین** (مسلمانوں کے راستے کو چھوڑ دو) تو اگر سانپ نے راستہ نہ چھوڑا تو قتل کر دیا جائے اور اسی طرح قولِ قیل سے احتراز ہوا کہ سانپ اور بچھو کے مارنے کی عدم کراہیت ایک ایک وار کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے بچھو کے مارنے میں ایسا کیا تھا اور ایک رکن میں بہت سے وار کرنا نماز کو توڑ دیتا ہے کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے۔ قبلہ کی طرف پیٹھ آئے یا نہ آئے اور لاٹھی یا پتھر کی ضرورت پڑے یا نہ پڑے۔ قلنا (ہم کہتے ہیں)۔ کہ حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ جنی اور غیر جنی سانپ میں فرق فاسد ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جنیات سے پکے وعدے لئے ہیں کہ آپ (جنات) میری امت کے لئے سانپوں کی شکل میں ظاہر نہیں ہوں گے اور ان کے گھروں میں داخل نہیں ہوں گے، تو جب جنات نے اپنا وعدہ توڑا تو ان کا قتل جائز ہوا۔ اور نص مطلق ہے قبلے کی طرف پیٹھ کرنے یا منہ کرنے یا ایک یا کئی وار کرنے میں فرق نہیں کیا ہے پس سانپ اور بچھو کے مارنے میں رخصت ہے جیسا کہ نماز میں وضو ٹوٹ جانے سے اگر جا کر دوبارہ وضو کیا جائے تو رخصت ہے (**مطلقاً**) سانپ اور بچھو کو مارنا مباح ہے چاہے ایک وار کے ساتھ ہو یا بہت سے واروں کے ساتھ اور اس میں منہ قبلے کی طرف ہو یا پھر جائے۔

اثمار الہدایہ میں ہے کہ نماز میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ اسودین یعنی سانپ اور بچھو کو قتل کرو۔ تشریح: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سانپ اور بچھو کو قتل کرو، اس حدیث کی وجہ یہ ثابت کیا کہ اگر نماز میں کسی موذی جانور سے **ولان فیہ ازالۃ الشغل فاشبہ درء المارِّ ویستوی جمیع انواع الحیات ھو الصحیح لاطلاق ما روینا** تکلیف کا خطرہ ہو تو نماز میں ہی اسکو قتل کر سکتا ہے۔ وجہ: سانپ یا بچھو سامنے ہو تو آدمی کا دل اسکی طرف مشغول رہتا ہے اور خشوع خضوع ختم ہو جاتا ہے، اور اسکو مار دیا جائے تو خشوع خضوع باقی رہے گا اسلئے اسکو نماز میں بھی مارنا جائز ہے۔ حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ **عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ اقتلوا الاسودین فی الصلوۃ: الحیۃ و العقرب**۔[2220] اس حدیث میں ہے کہ نماز میں بھی سانپ اور بچھو کو مار سکتے ہو۔ اس حدیث میں بھی اسکا ثبوت ہے۔ **قالت حفصۃ قال رسول اللہ ﷺ: خمس من الدواب لا حرج علی من قتلھن: الغراب، و الحدأ، و الفأرۃ، و العقرب، و الکلب العقور**۔[2221] اس حدیث میں ہے کہ ان پانچ جانوروں کو حرم میں بھی مارنا جائز ہے، اس لئے نماز میں بھی مارنا جائز ہو گا۔ نوٹ: بعض حضرات نے فرمایا کہ مارنے میں عمل کثیر ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی اسلئے نماز دہرانی ہو گی، اور اگر عمل کثیر نہیں ہوا تو بغیر کراہیت کے نماز ہو جائے گی۔ اور اس لئے کہ سانپ کے موجود رہنے میں مشغولیت ختم ہو جائے گی، اسلئے گزرنے والے کے دور کرنے کے مشابہ ہو گیا۔ تشریح: یہ سانپ کے مارنے کی دلیل عقلی ہے، سانپ مارنے میں نماز کے علاوہ کام کرنا ہے پھر بھی وہ جائز اس لئے ہے کہ جس طرح سامنے سے کوئی گزر رہا ہو تو نمازی کا دل اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے اسلئے حکم یہ ہے کہ اسکو اشارہ کر کے سجدے کی جگہ سے دور کرے

[2220] (ابو داود شریف، باب العمل فی الصلوۃ، ص ۱٤۱، نمبر ۹۲۱ ترمذی شریف، باب ما جاء فی قتل الاسودین فی الصلوۃ، ص ۱۰٤، نمبر ۳۹۰)

[2221] (بخاری شریف، باب ما یقتل المحرم من الدواب، ص ۲۹۵، نمبر ۱۸۲۸ مسلم شریف، باب باب ما یندب للمحرم و غیرہ قتلہ من الدواب فی الحل و الحرم، ص ٤۹۸، نمبر ۲۸٦۱۱۱۹۸)

اسی پر قیاس کر کے سانپ بچھو سامنے ہو تو اسکو مارے اور دور کرے تا کہ نمازی کا دل اسکی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس بارے میں تمام سانپ برابر ہیں یہی صحیح ہے اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے۔ حدیث میں مطلق سانپ مارنے کا حکم ہے اسلئے چاہے سفید سانپ ہو چاہے کالا سب کو نماز میں مارنا جائز ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سفید سانپ جو پتلا ہوتا ہے اور گھروں میں رہتا ہے وہ اصل میں جنات ہے۔ اسلئے اسکو نماز میں مارنا جائز نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث مطلق ہے اسلئے تمام سانپوں کو مارنا جائز ہے۔

(**وان احتاج الی المعالجة**) اگرچہ کہ سانپ کو مارنے کے لئے نمازی کسی چیز کا محتاج ہو جیسے لاٹھی یا پتھر کو اٹھانا یا تین قدم لینا یا تین وار کرنا وغیرہ اور یہ نص کے اطلاق کی وجہ سے ہے۔

سانپوں کی اقسام کا بیان: ابن خالویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سانپوں کی دو سو اقسام ہیں ان میں سے بعض کا نام یہ ہے۔

۱۔ **شجاع:** یہ بہت بڑا سانپ جو کہ دم پہ کھڑا ہوتا ہے اور انسان پر چھلانگ لگاتا ہے۔ **وربمابلغت رأس الفارس** یعنی کئی دفعہ سوار شخص کے سر تک پہنچ جاتا ہے۔ اور حدیث پاک میں اس سانپ کا ذکر آچکا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **مامن رجل لایؤدی زکوة ماله الامثل له یوم القیامة شجاعااقرع له زبیبتان یفرمنه وهویتبعه حتی یطوقه فی عنقه** ۔ اور اس سانپ کا منہ جھاگ سے بھرا ہوتا ہے۔ اور اس کا سر گنجا ہوتا ہے۔ اور جھاگ کا زیادہ ہونا زہر کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔

۲۔ **عاصہ:** یہ ایک ایسی قسم کا سانپ ہے جب یہ انسان کو کاٹتا ہے تو اس کا کوئی دم علاج وغیرہ بھی نہیں ہے اور وہ انسان مر جاتا ہے۔

۳۔ **تنین:** **هوحیة طویلة احمرالعینین مثل الدم واسع الفم والجوف یبتلع کثیرامن الحیوان واذاتحرک فی البحریموج البحرلشدة قوته** یعنی یہ ایسا سانپ ہے جو بہت لمبا ہے اور اس کی آنکھیں خون کی طرح لال ہوتی ہیں کشادہ منہ اور کشادہ پیٹ والا ہوتا ہے اور بہت سے حیوانات کو نگل لیتا ہے اور جب یہ سمندر میں حرکت کرتا ہے تو سمندر اس کی زیادہ قوت کے باعث موجیں مارتا ہے۔ اور اس تنین سانپ کا ذکر حدیث مبارکہ میں بھی آچکا ہے۔ **روی عن ابی شیبة عن ابی سعیدالخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی ﷺ قال یسلط اللہ تعالیٰ علی الکافر فی قبره تسعة وتسعین تنیناتنهشه وتلدغه حتی تقوم الساعة لو ان تنینامنهانفخ علی الارض مانبت خضراء**۔ ۴۔ **ملکہ:** یہ مچھلی کی شکل میں ہوتا ہے اور ایک بالشت لمبا ہوتا ہے اور اس کے سر پر تاج کی طرح سفید سفید نشان ہوتا ہے اور یہ سانپ جس جگہ سے گزر جاتا ہے اس پر سبزہ نہیں اگتا۔ اور اگر ہوا میں کوئی پرندہ اس کے سر کے اوپر سے گزر جائے تو وہ مر جاتا ہے۔ ۵۔ **رقشاء:** اور اس سانپ پر کالے اور سفید نشان ہوتے ہیں اور یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہوتا ہے۔ ۶۔ **ازب:** یہ بہت زہریلا قسم کا سانپ ہوتا ہے اور اس پر بال بھی ہوتے ہیں ۔ ۷۔ **عربد:** یہ بہت بڑا سانپ ہے اور اس کی خوراک باقی سانپوں کو کھانا ہے۔ ۸۔ **اصلہ:** **حیة وجهه کوجه الانسان وهوعظیم جداویقال انهاتصیر کذلک اذامرعلیهاالف سنة من العمر** یعنی یہ ایسا سانپ ہے جس کا منہ انسانی شکل کی طرح ہوتا ہے اور یہ بہت بڑا سانپ ہوتا ہے اور علماء فرماتے ہیں کہ اس کی یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب اس کی عمر ہزار سال سے اوپر ہو جائے۔ ۹۔ **فاعوس:** یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہوتا ہے۔ ۱۰۔ **موذی:** یہ بہت بڑا سانپ

ہے اگر اس کی آواز انسان سن لے تو انسان مر جاتا ہے۔ ۱۱۔ مکلۃ: یہ ایسا سانپ ہے کہ جس جگہ سے یہ گزر جاتا ہے وہاں سبزہ نہیں اگتا اور سبز پودا خشک ہو جاتا ہے۔ جب بھی کوئی پرندہ اس کے سر کے برابر ہو جائے تو وہ گر جاتا ہے۔ جب اس کی نظر کسی جاندار پر پڑتی ہے تو وہ جاندار مر جاتا ہے۔ دریائے چین میں ایک جزیرہ ہے جس میں بہت بڑے بڑے سانپ ہیں۔ ربما تبتلع الجاموس و الفیل۔ کئی دفعہ بھینس اور ہاتھی کو نگل لیتا ہے اور اس کے بعد درخت سے گولائی میں لپٹ جاتا ہے اور اپنے پیٹ میں وجود ہاتھی اور بھینس کی ہڈیوں کو توڑتا ہے یہاں تک کہ ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ ۱۲۔ ناظرہ: اس سانپ کو ناظرہ اس لیے کہا جاتا ہے جب یہ کسی جاندار کو دیکھ لیتا ہے تو وہ جاندار مر جاتا ہے۔ ۱۳۔ سالخ: اس کو سالخ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہر سال اپنی کھال بدلتا ہے۔ ۱۴۔ رقش: امام قزوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہے اور اس کی دم چھوٹی ہوتی ہے۔ جب بھی یہ سانپ سوتا ہے تو اس کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور جب یہ اندھا ہو جائے تو خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے اور یہ سردی کے چار ماہ زمین میں گزارتا ہے۔ ۱۵۔ ہاریہ: یہ بہت زہریلا قسم کا سانپ ہے اور اس کا کوئی دم نہیں ہے کیونکہ جب بھی یہ کسی کو کاٹتا ہے تو فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ عرب لوگ کہتے ہیں ھی التی یموت لدیغھا من ساعتہ۔ ۱۶۔ ایم: یہ ایک ایسا سانپ ہے جس کے حالات مجھے معلوم نہیں۔ ۱۷۔ سرکلو: یہ بہت ظالم قسم کا سانپ ہے جب بھی یہ انسان وغیرہ کو پھونک مارتا ہے تو اسے آگ لگ جاتی ہے اور وہ جل جاتا ہے۔ ۱۸۔ لال کلو: یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہوتا ہے۔ ۱۹۔ آفی مار: یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہے۔ ۲۰۔ دافی: ۲۱۔ تورمار: ۲۲۔ تیرمار: ۲۳۔ شاہ مار: ۲۴۔ لال گیر: ۲۵۔ دربستم مار: ۲۶۔ کیچ مار: یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہے۔ جس کا سر غصے کے وقت چوڑا ہوتا ہے جب بھی انسان وغیرہ کو کاٹ لے تو وہ مر جاتا ہے الا ماشاء اللہ۔ ۲۷۔ افعیٰ مار: یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہے۔ اس کی گردن پتلی اور سر چوڑا ہوتا ہے اور اکثر یہ کالے رنگ کا ہوتا ہے اور یہ اکثر انسان وغیرہ پر چھلانگ لگاتا ہے۔ اور سانپوں کی اس قسم میں مزید خطرناک قسم کے سانپ ہوتے ہیں اور وہ سجستان کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ ۲۸۔ ثعبان: یہ انسان کو زندہ نگل لیتا ہے۔

۲۹۔ جان: یہ چھوٹا سفید رنگ کا سانپ ہوتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تین نام ذکر فرمائے ہیں۔ جیسے کہ ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا۔ النمل ۱۰۔ وقال اللہ تعالیٰ فی موضع اخر فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى۔ طه ۲۰ وقال اللہ تعالیٰ فی موضع اخر فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ۔ اعراف ۱۰۷

الحاصل: فلما القی موسیٰ العصا صارت جانا فی الابتداء۔ جان چھوٹا اور تیز سانپ ہوتا ہے۔ ثم صارت ثعبانا فی الانتھاء ویقال وصف اللہ تعالیٰ العصا بثلثۃ اوصاف بالحیۃ والجان والثعبان لانھا کانت کالحیۃ لعدوھا وکالثعبان لابتلاءو کالجان لتحرکھا وسرعتھا۔ ۳۰۔ سلیم: یہ ایسا سانپ ہے کہ جس کا کوئی دم بھی نہیں ہے۔ ۳۱۔ ابتر: ھو قصیر الذنب۔ نضر بن شمیل رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی دم چھوٹی اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب بھی یہ سانپ کسی حاملہ خاتون کو دیکھتا ہے تو اس کا حمل گر جاتا ہے۔ ۳۲۔ پالن مار۔ ۳۳۔ بوسہ مار ۔ ۳۴۔ لعلو سرمار۔ ۳۵۔ سار غسرمار ۔ ۳۶۔ ہرچندمار۔ ۳۷۔ برچندمار۔ ۳۸۔ نکامار۔ ۳۹۔ کادھین مار۔ ۴۰۔ موشا مار۔ ۴۱۔ پشامار۔ ۴۲۔ چھمہ مار۔ ۴۳۔ کمچین مار۔ ۴۴۔ خاماردین مار۔ ۴۵۔ تیر سنے مار۔ ۴۶۔ خاک مار ۔

۴۷۔خاکین مار۔۴۸۔بادمار۔۴۹۔بادین مار۔۵۰۔خودمار۔۵۱۔خودیامار۔۵۲۔مادی بادشاہ مار۔۵۳۔مادی وزیرمار۔۵۴۔زندہ سرمار۔ ۵۵۔الحبوت۔اسم لحیة خبیثة۔یہ بہت خطرناک قسم کاسانپ ہے۔۵۶۔الحضب:حیة دقیقة۔وقیل ابیض من الحیات۔یعنی یہ باریک قسم کاسانپ ہوتاہےاورکسی نے کہاہے کہ یہ سفیدرنگ کاسانپ ہوتاہے۔۵۷۔الحنش:یہ بھی عجیب وغریب قسم کاسانپ ہوتاہے۔۵۸۔الحریس:یہ بھی ایک قسم کاسانپ ہے۔۵۹۔الحباب:یہ بھی ایک سانپ کانام ہے۔۶۰۔قترہ:یہ بھی ایک قسم کاسانپ ہے جس کوکاٹ لے وہ زندہ نہیں بچتا۔۶۱۔ارقم:الحیة التی فیھابیاض وسوادوقیل الارقم الحیة التی فیھاحمرة وسواد۔یہ ایساسانپ ہے جوکہ کالااورسفیدہوتاہےاوربعض علماءنے فرمایاہے کہ سرخ اورکالاہوتاہے۔۶۲۔ثعبان:حیة عظیم الھیئة ذوشکل حائل ومنظر محاب۔ابن سینافرماتے ہیں کہ اس میں سب سے چھوٹاسانپ پانچ گزلمبااورسب سے بڑاسانپ تیس گزلمباہوتاہےاوراس کی آنکھیں بہت بڑی ہوتی ہیں اورٹھوڑی کے نیچے بال ہوتے ہیں۔

(وامساکہ فی فمہ دراھم او دنانیر)اورنمازی کااپنے منہ میں درہم(یعنی روپے)یااشرفیوں کایاان کی مثل کسی چیزکارکھنامباح ہے۔

(بحیث لایمنعہ عن سنة القراءة)ان درہم اوردینارکااس طرح رکھنامباح ہے کہ وہ قرأت مسنونہ(ترتیل قرأت)میں رکاوٹ نہ بنیں اورطریقۂ مسنونہ کی قرأت سے منع کرنے کی وجہ سے قیدلایمنعہ کے ساتھ امساک سے احترازکیااورقرأت مسنونہ کے طریقہ میں رکاوٹ ڈالے توایساامساک مکروہ ہےاوراتمناع نفس نمازسے نمازکامقصودہے۔(اوفی یدہ مالایمنع عن سنة الاعتماد)یاکوئی ایسی چیزہاتھوں میں اس طرح رکھناکہ وہ طریقہ مسنونہ کے ساتھ ہاتھوں کے باندھنے کانوں تک اٹھانے رکوع سجوداورقاعدے میں رکاوٹ نہ بنے تواس طرح مباح ہے جیساکہ سنتوں اورمستحبات کے باب میں گزرچکاہے۔(وقراءة القرآن تالیف)اورلوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق قرآن عظیم الشان کاپڑھنامباح ہےاورحضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الحمدسے والناس تک اسی ترتیب کے ساتھ قرآن عظیم الشان کومدون کیاہےتوالحمدکے بعدنمازی کی مرضی ہے کہ اس الحمدکے ساتھ سورہ بقرہ کوپیوست کرتاہےیاکوئی دوسری سورت ضم کرتاہےاورتالیف الف ممدوہ کے ساتھ واؤمقصورہ کے ساتھ قرآن عظیم الشان کااس ترتیب کے ساتھ پڑھناہے کہ جس ترتیب کے ساتھ قرآن عظیم الشان ہے کہ نمازمیں ابتدائے قرآن کے ساتھ شروع کرے کچھ ایک نمازمیں پڑھےاورکچھ دوسری نمازمیں آخرتک اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمۃ کاوہم کودفع کی طرف اشارہ ہےوہم یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صالحین اورحفاظ توفرائض میں قرأت اس ترتیب کے ساتھ کرتے تھے کہ بعض ایک وقت کے فرائض میں اوربعض دوسرے وقت کے فرائض میں آخرتک۔اس میں باقی قرآن عظیم الشان کے چھوڑنے سے احترازہے توقرآن کاتالیف کے ساتھ پڑھناواجب ہوناچاہیئے جبکہ حکم ایسانہیں ہے تومصنف علیہ الرحمہ نے اس قول کے ساتھ جواب دیاکہ قراءة القرآن علی التالیف۔ترجمہ:قرأت قرآن ترتیب کے ساتھ۔

فان قیل۔جب قرآن عظیم کاپڑھناعلی التالیف مباح ہےتوبعدوالی سورت کی تقدیم مکروہ نہیں ہونی چاہیے۔قلنا۔بعدوالی سورت کومقدم کرنے میں قرآن عظیم الشان کاعکس لازم ہوتاہےاورحضورنبی کریم ﷺنے فرمایاہے کہ من قرء القرآن معکوساالقی فی

النارمعکوسا۔ترجمہ: جو شخص قرآن عظیم الشان کوالٹاپڑھتاہےتواللہ تعالیٰ اس شخص کوالٹادوزخ میں ڈالے گا۔(ونفض الثوب کیلایلصق بجسدہ فی الرکوع) اوررکوع سے اٹھتے ہوئے کپڑوں کا جھاڑنامباح ہے اس لئے تاکہ رکوع یاسجدے سے اٹھنے پر کپڑے جسم کے ساتھ چپک نہ جائیں چاہے کپڑے گیلے ہوں یاخشک رکوع میں ہوں یاکہ دیگراحوال نماز میں اور حضور ﷺ سے پسینہ مبارک بہتارہتاتھااورجب حضور ﷺ سجدے سے اٹھتے توکپڑوں کو جھاڑلیتے۔اورمصنف علیہ الرحمۃ نے رکوع کاذکراس لئے کیاہے کہ الصاق غالباًرکوع میں متحقق ہوتاہے۔(وقراءۃ اخرسورۃ فی رکعۃ) اورپہلی رکعت میں ایک سورت کاآخری یادرمیانی حصہ پڑھنامباح ہے۔(وآخراخری فی اخری) اوردوسری رکعت میں دوسری سورت کاآخری یادرمیانی حصہ پڑھنامباح ہے۔(علی الصحیح) یہ صحیح روایت ہے جیسے محیط ،جامع الصغیر،خانی اور خلاصۃ الفتاویٰ میں روایت ہےاوربعض مشائخ کی روایت سے احترازکیاگیاہے۔یہ حضرات فرماتے ہیں کہ دورکعتوں میں دوسورتوں کے آخری حصوں کوپڑھنامکروہ ہے کیونکہ اس میں نظم قرآن کاتغیرہےاورفرائض کی ایک رکعت میں پوری سورت کے پڑھنے سے اختلاف سے بچ جاتاہےاورجب ایک سورت شروع کرلی توپھردوسری سورتوں کوشروع کرناامرمرجح ہوا۔لہذامشروع فیہ کوترک کرنابہتر نہیں تاکہ اعراض وترجیح لازم نہ ہوالبتہ عذر کی حالت میں مکروہ نہیں ہے۔(والخاص ثلثۃ) اورخاص مباحات تین ہیں ۔(تکرارالسورۃ فی رکعۃ واحدۃ فی التطوع) سنتوں اورنوافل کی ایک رکعت یادونوں رکعت میں سورت کاتکرارکرنامباح ہےقیدتطوع سے فرائض اورواجب سےاحترازکیاگیاہےکیونکہ فرائض اورواجب میں سورت کاتکرارکرنامکروہ ہےاورنوافل میں رعایت ہےاورروایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک آیت صبح تک باربارپڑھتے تھےاوردورکعتوں میں تکرارکرنامکروہ نہیں ہےچاہے نفل ہوں یافرض۔(والاعتمادبحائط) اوردیوارکے ساتھ جسم یاہاتھوں سے تکیہ لگانامباح ہےاوربعض نسخوں میں ہے کہ (وان یکون معتمداحائطا) اوریہ کہ دیوارکے ساتھ تکیہ لگاہو۔نصب معتمداًکی بناءہے خبریت یکون پر۔اورنصب حائطاًکی بناءہے نزع خافظ کے ساتھ جوکہ علی کاکلمہ ہے۔(اواسطوانۃ) یاستون کے ساتھ۔بضم الھمزۃ وسکون السین وضم الطاءالمھملۃ وفتح الواووبعدہ الف وبعدہ نون مفتوح وتاءمکسورۃ۔عمود شروع کے بعدقعدے کی طرح اس لئے تکیہ طرح اس لئے تکیہ مکروہ نہیں ہے۔(فی التطوع) نوافل میں مطلقاًعذرکے ساتھ یابغیرعذرکے ساری نمازوں میں اورعذرکی حالت میں فرض نمازمیں بھی بغیرکراہیت کے اجماع کے ساتھ تکیہ لگاناجائزہے۔"کافی"میں اس پرتصریح کی گئی ہےاورمصنف علیہ الرحمۃ کایہ قول۔(بلاعذر) عذرکے بغیر۔جواب سوال ہے تقدیراس کی یہ ہے۔

فان قیل۔نفل میں تکیہ کی اباحت صرف عذرکے ساتھ ہوگی اورعذرکے بغیرمکروہ ہوگی جبکہ حکم ایسے نہیں ہے تومصنف علیہ الرحمۃ نے ولوبلا عذرکے ساتھ جواب دیاحاصلِ جواب یہ ہے کہ نفل میں تکیہ مطلقاًمباح ہے عذرکے ساتھ ہویابغیرعذرکے۔اورفرض میں فقط عذرکے ساتھ مباح ہے۔

(**ولحظة الامام**)۔ اور امام کا دیکھنا جوابِ سوال ہے اور تقدیر کی یہ ہے کہ ۔**فان قیل**۔ تخصیص روایات میں نفی کے ساتھ ماعدیٰ کے حکم میں دلالت کرتی ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ کے اس قول کا **والنظر بموق عینیه** کہ آنکھوں کے کناروں سے دیکھنا مکروہ ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ **ولحظة الامام** کہ امام کا دیکھنا مباح ہے۔

(**الی من خلفه**) اس شخص کو جو امام کے پیچھے کھڑا ہو اس سے مراد مقتدی ہے۔ (**شاکًّا**) حال کون میں کہ امام کو اپنی نماز میں شک ہو کہ یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری یا تیسری یا چوتھی، یا سجدے کے درمیان کہ یہ پہلا سجدہ ہے یا دوسرا سجدہ۔ (**لیقوم ان قام هو**) میں اٹھوں بشرطیکہ وہ پیچھے کھڑا شخص اٹھ جائے (**ونحوه**) یا میں بیٹھتا ہوں اگر میرا مقتدی بیٹھ جائے۔

اور مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول **والنظر بموق عینیه** قیدِ اتفاقی ہے نہ کہ احترازی تو جب آنکھوں کے کونوں سے دیکھنا مباح ہوا تو اسی طرح دوسری طرح سے بھی مباح ہے اور قیدِ امام کے ساتھ غیر سے احتراز کیا کہ مسبوقین اور منفردین ہیں تو اگر مسبوقین سلام کے بعد قضاء ماسبق کے لئے اٹھ گئے اور احدہما کو رکعتوں کے شمار میں شک پیدا ہو گیا یا دو منفردین کو نماز کی قدر میں شک ہو گیا اور شک کرنے والے نے اپنی نماز کی بناء دوسرے کی نماز پر کی تو شک کرنے والے کی نماز فاسد ہوئی۔

الباب الثامن فی بیان المفسدات

یہ آٹھ بابوں میں سے آٹھواں باب ہے۔ (**فی بیان المفسدات**) جو نماز کے مفسدات[2222] کے بیان میں ثابت ہے۔ (**وهی**) یہ مفسدات نماز میں جو ہیں (**فی التحقیق**) تحقیق میں نفس الامر میں مفسدات سے رجوع کے بعد جزئیات کے اعتبار سے ہر کُلی سے اپنے کلیات کی طرف (**خمسة علی العموم**) عام نمازیوں پر کل مفسدات پانچ ہیں کہ یہ (عام نمازی) امام، مقتدی، مذکر اور مؤنث ہیں اور عام نمازوں میں کہ یہ (عام نمازیں) فرض، نفل، جہری اور خفی ہیں۔ (**والحکم بکلام الناس مطلقا**) اور لوگوں کی باتوں کی اس طرح باتیں کرنا مطلقاً نماز کو فاسد کرتا ہے اور کلام اس کو کہا جاتا ہے کہ دو یا تین سے زیادہ حروف کا مرکب ہو یا حروف مبانیہ یا معانیہ سے ایک حرف ہو اگرچہ حرفِ اصل ہو یا حرفِ زائدہ۔ اور مشہور عرف اہلِ لغات میں کلام اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ دو یا اس سے زیادہ حروف کا مرکب ہو جیسا کہ "جلالی" کے مصنف

[2222] اور مفسد وہ ہوتا ھے جو اس عمل کو فاسد کرتا ھے جو کہ شروع کیا گیا ھو۔ اور مفسد پر قصداً عمل کرنے سے عذاب کا حکم ھے۔ خطاء اور بھول کی وجہ سے عمل کرنے پر عذاب نہیں ھوتا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ھے کہ رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔ یعنی میری امت سے خطاء اور نسیان اٹھالی گئی ھے۔ خطاء اور نسیان کے رفع سے رفعِ حکم مراد ھے نہ کہ رفع حقیقت۔ اگر رفع سے مراد حقیقتِ رفع خطاء و نسیان کی ھو تو پھر خطاء و نسیان کسی سے واقع نہ ھوتا جبکہ حال یہ ھے کہ لوگوں سے خطاء و نسیان واقع ھوتا ھے لھذا یہ حقیقت سے مجاز کی طرف تجاوز ھوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولیس علیکم جناح فیما اخطاتم بہ۔ یعنی اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادر ھوا۔ اگر نماز میں قصداً قھقھہ لگایا جائے تو عذاب دیا جائے گا اور اگر سھواً قھقھہ نکل گیا تو عذاب واجب نہیں ھوتا۔

علیہ الرحمۃ نے اس طرح فرمایا ہے کہ: **ان ادنی ما یقع علیه اسم لکلام المرکب من الحرفین**۔(ادنیٰ وہ ہے کہ جسے کلام کہا جاتا ہے وہ مرکبِ کلمہ ہے جو دو حروف سے بنا ہو) اور اسی طرح "کرمانی" میں مذکور ہے کہ: **ان تاؤہ بحرفین لا یفسد الصلوۃ عند ابی یوسف علیه الرحمة وان تاؤہ بثلثة احرف یفسد الصلوۃ اتفاقا والاول ان کان لامر الاخرۃ لا تفسد الصلوۃ وان کان لامر الدنیا تفسد الصلوۃ**۔(اگر دو حروف کے ساتھ آہ کی جائے تو حضرت امام یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی اور اگر تین حروف سے آہ کی جائے تو نماز اتفاق کے ساتھ فاسد ہو جاتی ہے وہ آہ جو دو حروف کے ساتھ ہو اگر آخرت کے خوف کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر دنیا کے غم کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے)

پہلے قول میں جزع اور وجع کی دلالت کا اظہار ہے اور دوسرے قول میں خشوع کی زیادت ہے۔ اور دلیل عمل میں صریح کی طرح ہے اور صریح، جزع اور فزع نماز کو توڑتی ہے اور جو چیز ان پر دلالت کرتی ہو وہ بھی نماز کو توڑتی ہے۔ "محیط" میں کہا گیا ہے کہ کلام صوت (آواز) اور حروف کا مرکب ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک ایک دوسرے کے بغیر کلام پر مسمی نہیں کیا جا سکتا۔ کرخی علیہ الرحمۃ اور شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے مذہب میں حصولِ کلام میں صوت شرط نہیں ہے اگر تصحیح حروف موجود ہو اور صوت موجود نہ ہو تو کرخی علیہ الرحمہ اور شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے مذہب میں نماز فاسد ہے اور جمہور فقہاء کے مذہب میں نماز فاسد نہیں اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب میں اگر کلام دو یا تین حروف سے مرکب ہو تو یہ نماز کو توڑ دیتی ہے۔ اور اگر دو حروفِ زائدہ سے یا ایک حرفِ زائدہ اور ایک حرفِ اصلی سے کلام مرکب ہو تو نماز مطلقاً فاسد نہیں ہوتی ضرورت کے وقت ہو یا غیر ضرورت، سویا ہو یا جاگتا ہو، قصداً ہو یا سہواً، تھوڑا ہو یا زیادہ، ضرورت کی مثال یہ ہے کہ مقتدی کا اپنے امام کو یہ قول امام کی تیسری یا پانچویں رکعت میں کھڑا ہونے کے وقت کہ **اقعد**۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ خطا اور نسیان میں اختلاف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما اکرھه علیه ولنا قوله علیه الصلوۃ والسلام إنَّ صلاتَنا هٰذِهِ لا یصلحُ فیها شيءٌ من کلامِ النّاسِ**۔[2223] یعنی میری امت سے خطاء اور نسیان اٹھالی گئی ہے اور وہ کام جو اس پر زبردستی کرایا جائے اور ہمارے لئے حضور ﷺ کا یہ قول ہے، بتحقیق ہماری نماز بات چیت کا محل و مقام نہیں ہے۔

اور ماروی حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم اخروی پر محمول ہے۔

(**حقیقةً**) کلام حقیقی ہو جیسا کہ زیدؓ کو نمازی کا یہ قول "اِضرِبِ الباب" یہ ظاہر ہے اور (**او حکماً**) یا کلامِ حکمی، جیسا کہ ایک نمازی کسی موسیٰ نامی شخص کو کہے وَمَاتِلْکَ بِیَمِینِکَ یَامُوسَی (طٰہٰ ۱۷) یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) اور یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے، یا یحییٰ نامی شخص کے سامنے ایک کتاب پڑی ہو اور نمازی اس (شخص) کو نماز میں کہے یَایَحْیَی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّةٍ (مریم ۱۲)، اے یحییٰ کتاب مضبوط تھام" یا جیسے خوشی کی خبر کے وقت "الحمد للہ" کہنا، یا تعجب کی خبر کے جواب میں "سبحان اللہ" کہنا یا غم کی خبر کے وقت "انا للہ وانا الیه راجعون" کہنا،

[2223] العيني (٨٥٥هـ)، نخب الافكار ٧/٣٣٠ • البيهقي (٤٥٨هـ)، السنن الصغير للبيهقي ١/٣١٦ • صحيح •

یا ایک شخص کشتی میں نماز پڑھ رہا ہو اور اس کا بیٹا زمین پر بیٹھا ہوا ہو اور یہ شخص نماز میں یہ آیت پڑھ لے "یا بنی ارکب معنا" یعنی اے میرے بچے میرے ساتھ سوار ہو جا، یا جیسا کہ ایک شخص کسی نمازی سے پوچھے "ھل مع اللہ الھا اٰخر" آیا اللہ کے ساتھ دوسرا اللہ ہے؟ اور یہ (جواب میں) کہے "لا الہ الا اللہ"، اس طرح سے اور آیتیں اور دعائیں جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہوں جن میں کسی کو خطاب ہو یا کسی کے ساتھ سوال یا جواب ہو، یا ایک فتح چاہنے والے کو فتح دینے کا ارادہ کر لے۔ فتح میں باتوں کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک فتح چاہنے والا یہ کہے کہ اس آیت کے بعد کون سی آیت ہے، تو فاتح اس سے کہے جب تم اس آیت کو پہنچ جاؤ تو اس کے بعد فلاں آیت ہے، اضطراب اور حیرانگی مت کرو، چونکہ صریح کلام مفسدِ نماز ہے۔ تو دلالتِ کلام بھی نماز توڑتی ہے چونکہ فتح تعلیم و تعلم ہے، اور یہ نماز کے منافی ہے، اور وہ جو مکروہات کے باب میں کہا گیا ہے کہ فاتح اور مستفتح کی نماز فاسد نہیں ہوتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس تو کہتا ہے کہ نماز ٹوٹ جائے گی لیکن قیاس کو یہاں چھوڑا گیا ہے کیونکہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں سورۃ المؤمن پڑھی لیکن آپ ﷺ سے ایک کلمہ رہ گیا، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو پوچھا کہ تم میں ابھی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جی حاضر ہوں! تو آپ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ تم نے مجھے فتح کیوں نہیں دیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے یہ گمان گزرا کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر یہ آیت منسوخ ہوتی تو میں تم کو بیان کر دیتا اور یہ دوسرا قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے: **اذا استطعمک الامام فاطعمہ ای اذا استفتحک فافتحہ** (اگر امام آپ سے طعام طلب کرے تو طعام دے دو، یعنی اگر امام فتح طلب کرے تو فتح دے دو)۔ تو فتح خلاف القیاس نص کے ساتھ امام اور مقتدی کی نماز کا مفسد نہ ہوا، غیر مقتدی اور امام پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور جب یہ نماز امام اور مقتدی کے درمیان مشترک تھی تو ہر ایک اپنی جگہ نماز کی اصلاح کو محتاج ہوا، تو فتح حکماً اعمالِ نماز سے ہوا۔ اگر نماز کے ساتھ حقیقتاً منافی تھا اور اعمالِ نماز سے اس لئے ہوا کہ اگر یہ مقتدی فتح نہ دے تو ہو سکتا ہے کہ امام کی زبان پر ایک ایسا لفظ آ جائے کہ جس سے نماز فاسد ہو جائے تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کے فساد کو مستلزم ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **الامام ضامن** مخالف منفرد کے انفراد کی حالت میں۔ (**والضحک**) ہنسنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، ضحک اس ہنسنے کو کہا جاتا ہے کہ صرف یہ خود سنے اور اس کا ہمسایہ نمازی نہ سنے۔ یہ اس لئے کہ ضحک کلام ہے اور کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کے ہمسائے نے بھی سنا تو اس قہقہہ سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **الا من ضحک منکم قھقھۃ فی الصلوۃ فلیعد الوضوء و الصلوۃ جمیعاً**۔ یعنی خبردار آپ میں سے جس نے نماز میں قہقہہ لگایا تو وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے یعنی دہرائے۔ اور اگر یہ ہنسا نہ تو اس نے خود سنا اور نہ کسی اور نے تو اسے تبسم کہا جاتا ہے۔ اس سے نہ وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی نماز۔ اور جب ہنسنا ضحک نماز کو توڑ دیتا ہے تو قہقہہ کرنے سے نماز بطریقِ اولیٰ ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ضحک کے ساتھ تبسم سے احتراز کیا کہ یہ (تبسم) نماز کو نہیں توڑتا (**والعمل الکثیر**) نماز میں عملِ کثیر کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، عمل قلیل سے احتراز کیا کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، پس عمل کثیر کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ عرفاً و عادتاً دونوں ہاتھوں کا عمل ہے یعنی جو کام عرف اور عادت میں دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے اگر کوئی شخص ایک ہاتھ سے کرے تو بھی عملِ کثیر ہے، مثال

کے طور پر اگر کوئی شخص ایک ہاتھ کے ساتھ پگڑی یا ازار بند (ناڑا) باندھے تو احتیاطاً نماز فاسد ہے اور اگر پگڑی یا ازار بند و دونوں ہاتھوں کے ساتھ کھول دیا تو شرعاً نماز فاسد نہیں ہوتی مگر تکرارِ عمل کے ساتھ اتفاقاً فاسد ہوتی ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اعتبار عمل کے لئے ہے نہ کہ عرف اور عادت کے لئے پہلے میں فساد نہیں اور دوسرے میں فساد ہے **کذافی الخزانۃ** اور یہ مختار امام فضلی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ **کذافی الخلاصۃ**۔ اور دونوں پاوں کا بعض عمل دونوں ہاتھوں کے عمل پر معتبر ہوتا ہے تو دونوں پاوں کی حرکت نماز کو توڑتی ہے اور ایک پاؤں کی حرکت ایک رکن میں بغیر تین بار کے نماز کو نہیں توڑتی اور کسی نے کہا ہے کہ دونوں پاؤں کا تھوڑا عمل نماز نہیں توڑتا۔ کذافی الذخیرۃ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عملِ کثیر وہ عمل ہے جو نمازیوں کو اپنے نفس میں زیادہ نظر آئے یہ عام مشائخ کا مختار ہے۔ **کذا فی الخلاصۃ وفی الصغیری وھو المختار وفی المضمرات وھو الصحیح وھذہ علامات الفتویٰ** اور بعض علماء نے کہا ہے کہ عملِ کثیر وہ عمل ہے جو نمازیوں کو اپنے نفس میں زیادہ نظر آئے یہ عام مشائخ کا مختار ہے۔ **کذافی الخلاصۃ وفی الصغیری وھو المختار وفی المضمرات وھو الصحیح وھذہ علامات الفتویٰ** اور بعض علماء نے کہا ہے کہ عملِ کثیر وہ عمل ہے کہ دیکھنے والا یہ گمان کرے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا کسی نے کہا ہے یقین معتبر ہے نماز پر نمازی کا شک اور وہم نماز کی نماز نہیں توڑتا اور اگر نمازی نے نماز میں کسی کو چوم لیا تو نمازی کی نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر ایک رکن میں اپنے آپ کو تین مرتبہ کھجایا تو نماز فاسد ہو گئی اور اگر ایک بار ہو یا دو بار ہاتھ اٹھانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور اگر ہاتھ نہیں اٹھایا تو نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ یہ ایک بار کھجانا ہے۔ (**بلا اصلاح**) کہ یہ عمل کثیر بغیر نماز کی اصلاح سے ہو اور اگر بقصد نماز کی اصلاح سے ہو تو مفسد نہیں ہوتا عملِ کثیر بقصدِ اصلاح نماز معاف ہے۔ جیسا کہ امام بے وضو ہو جائے اور دوسرے کو خلیفہ کر دے اور یہ قبلے سے منہ پھیر لے اور جا کر وضو کرے، یا جیسا کہ سانپ اور بچھو کو مارنا اور اپنے امام کو لقمہ دینا۔

(**والسلام عمدا**) اور دوسرا مفسدِ نماز قصداً سلام پھیرنا ہے سلام کے لئے دو شبہے ہیں ایک ذکر کا شبہ اور دوسرا باتوں کا شبہ۔ تو قصداً کلام سے عمل کی وجہ سے مفسدِ نماز ہے، اور نسیان کی حالت میں ذکر کے شبہ کی وجہ سے مفسد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے (**ورده**) اور ردِ سلام نماز کو توڑتا ہے چاہے قصداً ہو یا سہواً کیونکہ رد سلام کلام ہے اور کلام مفسدِ نماز ہے۔

(**وترک فرض من الفرائض**) اور فرائض میں سے کسی فرض کو چھوڑ دینا نماز کو فاسد کرتا ہے چاہے یہ فرض رکن ہو چاہے شرط۔ جیسے کہ قبلے کو منہ کرنا اور ترک کے ساتھ زیادتی سے احتراز کیا گیا اور ایک رکعت سے کم زیادتی پر نماز نہیں ٹوٹتی (**بلا عذر**) شرط یہ ہے کہ فرض کا ترک بلا عذر ہو اور اگر عذر کی وجہ سے ترک کرے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ عذر کی مثال یہ ہے کہ قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ کو مرض کی وجہ سے یا مرض کے بڑھنے کے خوف سے ترک کر دے یا جیسے گونگے اور اُمی کا قرأت ترک کرنا یا جیسے خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف رخ کرنے کو ترک کرنا۔ (**ولو طرىء فواته بدون اختياره**) اگر اس کے اختیار کے بغیر فرض پہلے فوت ہوا ہو جوابِ سوال ہے تقدیر اس کی یہ ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ فرائض کا ترک حالتِ اختیار میں مفسد نماز ہو جائے گا اور غیر اختیاری میں نہیں ہو گا، تو یہ عدم اختیار عذر ہو گا اور حکم ایسے نہیں ہے۔ تو مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ ولو طرء اگر اس کے اختیار کے بغیر فرض پہلے فوت ہوا ہو جیسا کہ نماز میں اس کے اختیار کے بغیر

کشفِ عورت ہوا یا جیسے نیند، بے ہوشی، جنوں اور نشہ کے ساتھ وضو ٹوٹ جائے یا جیسے سہو، نسیان اور نیند کی وجہ سے قرأت باقی رہ جائے۔ فان قیل۔ کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول ولو طری الخ فرائض کا ترک ہے تو عبارت میں تکرار لازم ہوا۔ قلنا۔ عدمِ اختیار میں وہم اور عذر کا احتمال تھا تو مصنف علیہ الرحمۃ نے ولو طری الخ کہا حاصلِ جواب یہ ہے کہ عدمِ اختیار عذر نہیں ہے کیونکہ عذر وجودی ہے اور عدمِ اختیار عدمی ہے۔ (وتعمد الحدث) اور آخری مفسدِ نماز اپنے آپ کو قصداً قعدہ اخیرہ سے پہلے بے وضو کرنا ہے بقدر تشہد۔ چاہے سبق کے بعد حدث سے ہو، اپنے آپ کو قعدہ اخیرہ میں بے وضو کرنے سے احتراز کیا قدرِ تشہد کے بعد۔ اور اپنے آپ کو قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد بے وضو کرنا نماز کو پورا کرتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اذا قلت ھذا او فعلت ھذا فقد تمت صلوتک ای اذا قلت التشھد وانت قاعد او فعلت ھذا ای قعدت قدر التشھد ولم تقل فیھا التشھد فقد تمت صلوتک ای فقد قاربت الصلوۃ الی الاتمام۔ یعنی اگر تم نے یہ کہا یا یہ کیا پس تمہاری نماز پوری ہو گئی یعنی جب آپ نے تشہد کہی اور حال یہ ہے کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور یا آپ نے یہ کیا یعنی آپ تشہد کی مقدار بیٹھے اور آپ نے اس میں تشہد نہیں پڑھی پس آپ کی نماز پوری ہو گئی یعنی آپ کی نماز ختم ہونے کے قریب ہے (ختم نہیں ہوئی کیونکہ نمازی کی صنع باقی ہے اور صنع کے بغیر نماز فاسد ہو جاتی ہے)۔ اور عین اتمام نہیں آیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے نماز کا اتمام تشہد کے یا قعدہ کے ساتھ متعلق کیا ہے تو دونوں کا وجود شرط نہ ہوا اور قعدہ اخیرہ اجماع کے ساتھ شرط ہوا تو اجماع کے ساتھ یہ نماز کو پورا کرنے والا ہوا اور تشہد شرط نہیں ہے۔ تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ تشہد کا پڑھنا بغیر قعدہ اخیرہ کے اتمامِ نماز کے لئے اجماع کے ساتھ کافی نہیں ہوتا۔ اور تشہد کے بعد بے وضو ہونا نماز کے پورا کرنے کو واجب نہیں کرتا بلکہ وضو کرے گا اور اپنی نماز کو شروع کرے گا اور دوبارہ پڑھنا بہتر ہے اور امام دوسرے شخص کو اپنی جگہ پر کھینچ کر کھڑا کر دے گا اور یہ خود وضو کرے گا اور اپنی نماز کو شروع کرے گا اور اگر اس کے وضو کرنے بعد اس کا خلیفہ نماز سے فارغ ہو چکا تھا تو پھر اس کی مرضی ہے کہ اپنی پرانی جگہ پر جاتا ہے یا یہیں پر نماز پڑھتا ہے اور اگر فارغ نہیں ہوا تھا تو پہلی والی جگہ پر جائے گا جیسا کہ مقتدی بھی ایسا کرے گا یہ مختار شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور پہلا مختار بعض کا ہے کذا فی المحیط۔

لیکن جب یہ اپنی جگہ پر آجائے تو پہلے قضاء مافات کرے پھر اپنے خلیفہ کے ساتھ باقی نماز پڑھے کیونکہ یہ لاحق ہے بقدر امام قیام، رکوع اور سجدہ کرے اور امام کا زیادت (اضافہ) اور نقصان کرنا نماز کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ کوئی کہتا ہے کہ اپنے آپ کو بے وضو کرنا تو بعینہ ترکِ فرض ہے تو تکرار لازم ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس میں وہم کے دفع کی طرف اشارہ اور صبی (یعنی بچے) کا تعمدِ حدث یعنی جان بوجھ کر بے وضو ہونا نماز کا مفسد نہیں کیونکہ صبی کے حق میں فرض کا ترک متحقق نہیں ہوتا۔ فان قیل۔ کہ جب صبی کے حق میں وضو کا فرق متحقق نہ ہوا تو صبی کی نماز بغیر وضو کے جائز ہونی چاہیئے، جبکہ حکم ایسا نہیں ہے۔ قلنا۔ کہ وضو نماز کا حق ہے نہ کہ صبی پر اللہ تعالیٰ کا حق، اور صبی کا بغیر وضو کے نماز پڑھنے سے نماز کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

مفسدات نماز کی پہیلیاں

۱۔ کس صورت میں آمین کہنے سے نماز ٹوٹ جائے گی؟

۲۔ آیتِ کریمہ پڑھنے سے نماز خراب ہو جاتی ہے۔اس کی صورت کیا ہے؟

۳۔ وہ کون سی نماز ہے کہ جس کے سبب پڑھی ہوئی نمازیں پھر سے پڑھنے پڑیں گی؟

۴۔ فرض نماز پڑھنے کے بعد نمازی نے کون سا ایسا کام کیا کہ اس کی پڑھی ہوئی فرض نماز بے کار ہو گئی؟

۵۔ ایک شخص نے نماز پڑھی اور حقیقت میں نماز کے سارے شرائط و فرائض پائے گئے، مگر اس کے باوجود اس شخص کی نماز بالکل نہیں ہوئی اس کی کیا صورت ہے؟

۶۔ کس صورت میں امام کے ساتھ سلام پھیرنے سے نماز جاتی رہے گی؟

۷۔ کپڑا پاک وصاف ہے مگر اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔اس کی صورت کیا ہے؟

۸۔ کس صورت میں کھنکھارنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

۹۔ کس صورت میں کھجلانے سے نماز جاتی رہتی ہے؟

۱۰۔ کس صورت میں لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

۱۱۔ کس صورت میں **الحمدللہ** کہنے سے نماز جاتی رہتی ہے؟

۱۲۔ کس طرح سجدہ کرنے سے نماز نہیں ہوتی؟

۱۳۔ کس طرح سجدہ کرنے سے نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے؟

۱۴۔ کس صورت میں عینک لگا کر نماز پڑھنا جائز نہیں؟

۱۵۔ کس طرح تکبیر تحریمہ کہنے سے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی؟

۱۶۔ کس طرح **اللہ اکبر** کہہ کر نماز شروع کرنے سے نماز نہیں ہوتی؟

۱۷۔ کس قسم کی دعا پڑھنے سے نماز خراب ہوتی ہے؟

۱۸۔ کس طرح **اللہ اکبر** کہنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

۱۹۔ کس صورت میں درود شریف پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

۲۰۔ وہ کون سی صورت ہے کہ مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا تو اس کی نماز بیکار ہو گئی؟

۲۱۔ حالتِ نماز میں سجدۂ تلاوت واجب ہوا مگر سجدہ کرنے سے نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۲۔ امام نے سجدہ کیا تو مقتدیوں کی نماز باطل ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۳۔ وہ کون سی صورت ہے کہ نمازی نے چار رکعت فرض کی نیت باندھی اور دو رکعت پر قعدہ کرنا بھول گیا تو سجدۂ سہو کرنے کے باوجود اس کی فرض نماز نہیں ہوتی؟

۲۴۔ وہ شخص آواز کے ساتھ اس طرح روئے کہ حروف پیدا ہوئے جس کے سبب ایک کی نماز فاسد ہو گئی اور دوسرے کی نہیں ہوئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۵۔ زید قرأت کرتے ہوئے رک گیا آگے نہیں بڑھ سکا تو نماز پڑھانے کے لئے دوسرے کو خلیفہ بنایا اس کی نماز ہو گئی اور بکر نے ایسا ہونے پر دوسرے کو خلیفہ بنایا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۶۔ امام نے غلط پڑھا اور مقتدی نے لقمہ صحیح دیا اور اس کے باوجود مقتدی کی نماز فاسد ہو گئی اور جب امام نے لقمہ لے لیا تو امام اور سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۷۔ کس طرح کلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی؟

۲۸۔ نماز کے اندر ہاں کہا اور نماز نہیں فاسد ہوئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۹۔ وہ کون سی صورت ہے کہ امام کو قعدۂ اولیٰ کے کرنے کا خیال نہ رہا مگر مقتدی لقمہ دے گا تو اس کی نماز برباد ہو جائے گی اور جب امام لقمہ لے لے گا تو امام اور مقتدی سب کی نماز خراب ہو جائے گی۔

۳۰۔ وہ کون سی باجماعت نماز ہے کہ عورت اس میں مرد کے محاذ ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ اگرچہ امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو۔

۳۱۔ وہ کون سا مقتدی ہے کہ جس کی اقتداء کے سبب امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

۳۲۔ ایک شخص وضو مکمل غسل اور کپڑے وغیرہ کی طہارت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا مگر اس نے پانی دیکھا تو نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۳۳۔ قرآن کی آیتِ کریمہ پڑھی مگر کسی کے جواب میں یا غلط لقمہ دینے کے لئے نہیں پڑھی۔ اس کے باوجود نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

{جوابات} مفسدات نماز کی پہیلیاں

۱۔ نماز پڑھنے والے کو چھینک آئی تو دوسرے نے یرحمک اللہ کہا اس پر چھینکنے والے نے آمین کہا: تو اس صورت میں آمین کہنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ غنیۃ: ص:۴۱۷: میں ہے: **لو عطس رجل فی الصلٰوۃ فقال لہ اخر یرحمک اللہ فقال المصلی العاطس امین تفسد صلاتہ۔**

۲۔ کسی نے پوچھا تیرے پاس کیا کیا مال ہیں؟ تو نماز پڑھنے والے نے جواب میں یہ آیت کریمہ تلاوت کی: **الخیل و البغال و الحمیر۔** یعنی گھوڑے خچر اور گدھے۔ یا کسی نے پوچھا آپ کہاں سے آئے؟ تو جواب میں اس نے یہ آیت کریمہ پڑھی: **و بئر معطلۃ و قصر مشید۔** یعنی بہت سے کنوئیں جو بیکار پڑے ہیں اور بہت سے محل جو کچ کئے ہوئے ہیں۔ تو اس طرح ان آیات کے پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۱۷: میں ہے: **یفسدھا ما کل قصد بہ الجواب کان قیل ما مالک فقال الخیل و البغال و الحمیر۔ او من این جئت فقال و بئر معطلۃ و قصر مشید۔**

۳۔ صاحبِ ترتیب نے اگر قضا نماز کے یاد ہونے اور وقت میں گنجائش ہونے کے باوجود قضا نہیں پڑھی اور وقتی نمازیں پڑھتا رہا پھر پانچویں نماز پڑھنے سے پہلے قضا پڑھ لی تو اس نماز کے سبب قضا کے بعد پڑھی ہوئی نمازیں پھر سے پڑھنی پڑیں گی۔ رد المحتار: جلد اول: ص:۴۹۱: میں ہے: **إِذَا فَاتَتْهُ صَلَاةٌ وَلَوْ وِتْرًا فَكُلَّمَا صَلَّى بَعْدَهَا وَقْتِيَّةً وَهُوَ ذَاكِرٌ لِتِلْكَ الْفَائِتَةِ فَسَدَتْ تِلْكَ الْوَقْتِيَّةُ فَسَادًا مَوْقُوفًا عَلَى قَضَاءِ تِلْكَ الْفَائِتَةِ، فَإِنْ قَضَاهَا قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ بَعْدَهَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ صَارَ الْفَسَادُ بَاتًّا وَانْقَلَبَتْ الصَّلَوَاتُ الَّتِي صَلَّاهَا قَبْلَ قَضَاءِ الْمَقْضِيَّةِ نَفْلًا۔**

۴۔ شہر میں کسی نے جمعہ کی نماز ہونے سے پہلے بلا عذر شرعی ظہر کی فرض نماز پڑھ لی تو اگرچہ وہ گنہگار ہوا مگر اس کی نماز ہو گئی۔ جیسا کہ غنیۃ: ص:۵۲۱: میں ہے: **من صلی الظھر یوم الجمعۃ قبل صلٰوۃ الامام الجمعۃ و لا عذر لہ صحت ظھرہ عندنا و ان کان عاصیا ثم اذا بدا لہ ان یصلی الجمعۃ بعد ذلک فتوجہ الیھا قبل الفراغ منھا بطلت ظھرہ التی صلاھا بمجرد السعی سواء ادرک الجمعۃ او لم یدرک عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔**

۵۔ نمازی نے یہ گمان کیا کہ فلاں شرط نہیں پائی جا رہی ہے اور اسی حالت میں اس نے نماز پڑھ لی حالانکہ حقیقت میں وہ شرط پائی جا رہی تھی تو اس صورت میں اس کی نماز بالکل نہ ہوئی جیسا کہ بہارِ شریعت: حصہ سوئم: ص: میں ہے: "کسی شخص نے اپنے کو بے وضو گمان کیا اور اسی حالت میں نماز پڑھ لی بعد کو ظاہر ہوا کہ بے وضو نہ تھا نماز نہ ہوئی" اور رد المحتار: جلد اول: ص:۲۹۳: میں ہے:

لَوْ صَلّٰی وَعِنْدَہٗ أَنَّہٗ مُحْدِثٌ أَوْ أَنَّ ثَوْبَہٗ نَجِسٌ أَوْ أَنَّ الْوَقْتَ لَمْ یَدْخُلْ فَبَانَ بِخِلَافِ ذٰلِکَ لَا یَجْزِیہِ فِي ذٰلِکَ کُلِّہٖ لِأَنَّ عِنْدَہٗ أَنَّ مَا فَعَلَہٗ غَیْرُ جَائِزٍ اھ۔

۶۔ مسبوق یعنی جس کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی ہیں وہ اگر امام کے ساتھ قصداً سلام پھیرے تو اس کی نماز جاتی رہے گی۔[2224]

۷۔ چرایا ہوا کپڑا یا دھوبی وغیرہ کے یہاں بدلا ہوا کپڑا اگرچہ پاک وصاف مگر اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔[2225]

۸۔ کھنکھارنے میں جب کہ دو حرف ظاہر ہوں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے بشرطیکہ کوئی عذر ہو اور نہ کوئی صحیح غرض۔ لہٰذا اگر عذر سے ہو مثلاً طبیعت کا تقاضا ہو یا کسی صحیح غرض کے لئے ہو جیسے آواز صاف کرنے کے لئے امام سے کوئی غلطی ہو گئی ہے اس کے لئے کھنکھارتا ہے کہ درست کرلے یا اس لئے کھنکھارتا ہے کہ دوسرے شخص کو اس کا نماز میں ہونا معلوم ہو جائے تو ان صورتوں میں نماز نہیں ٹوٹے گی۔ جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۱۵: باب ما یفسد الصلاۃ میں ہے: التنحنح بحرفین بلا عذر أَمَّا بِہٖ بِأَنْ نَشَأَ مِنْ طَبْعِہٖ فَلَا (أَوْ) بِلَا (غَرَضٍ صَحِیحٍ) فَلَوْ لِتَحْسِینِ صَوْتِہٖ أَوْ لِیَھْتَدِيَ إِمَامُہٗ أَوْ لِلْإِعْلَامِ أَنَّہٗ فِي الصَّلَاۃِ فَلَا فَسَادَ عَلَی الصَّحِیحِ۔

۹۔ ایک رکن میں تین بار کھجلانے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ یعنی اس طرح کہ کھجا کر ہاتھ ہٹالیا پھر کھجایا پھر ہٹایا اسی طرح تین بار کیا اور اگر ایک مرتبہ ہاتھ رکھ کر کئی بار حرکت دی تو یہ ایک ہی مرتبہ کھجانا کہا جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: ص:۹۷) میں ہے:

إِذَا حَکَّ ثَلَاثًا فِي رُکْنٍ وَاحِدٍ تَفْسُدُ صَلَاتُہٗ ھٰذَا إِذَا رَفَعَ یَدَہٗ فِي کُلِّ مَرَّۃٍ أَمَّا إِذَا لَمْ یَرْفَعْ فِي کُلِّ مَرَّۃٍ فَلَا تَفْسُدُ وَلَوْ کَانَ الْحَکُّ مَرَّۃً وَاحِدَۃً یُکْرَہُ. کَذَا فِي الْخُلَاصَۃِ۔

۱۰۔ غلط لقمہ دینے سے لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر امام نے ایسا لقمہ لے لیا تو امام کی اور اسکے ساتھ سب کی نماز خراب ہو جاتی ہے۔[2226]

۱۱۔ خوشی کی خبر سن کر الحمد للہ کہنے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: ص:۹۳: میں ہے أُخْبِرَ بِمَا یَسُوءُہٗ فَاسْتَرْجَعَ أَوْ بِمَا یَسُرُّہٗ فَحَمِدَ اللّٰہَ تَعَالَی وَأَرَادَ بِہٖ جَوَابَہٗ تَفْسُدُ صَلَاتُہٗ اھ۔ تلخیصا۔

۱۲۔ اس طرح سجدہ کرنا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہیں نماز نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ سجدہ میں کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا فرض ہے۔[2227] اور در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۳۰۰: میں ہے: وَضْعَ إِصْبَعٍ وَاحِدَۃٍ مِنْھُمَا شرط۔

[2224] (بہارِ شریعت: حصہ چہارم: ص:۵۴)

[2225] (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

[2226] (فتاویٰ رضویہ: جلد سوم: ص:۴۱۳)

[2227] (فتاویٰ رضویہ: جلد اول: ص:۵۵۶)

۱۳۔ سجدہ کرنے میں اگر ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین سے نہیں لگا یا یا ناک کی ہڈی تک نہ دبی تو ان صورتوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔[2228]

۱۴۔ اگر عینک کا فریم سونا چاندی کا ہو یا اس کے سبب سجدہ میں ناک ہڈی تک نہ دبتی ہو تو ان صورتوں میں عینک لگا کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

۱۵۔ مقتدی نے اگر تکبیر تحریمہ میں لفظ اللہ امام کے ساتھ کہا اور اکبر کو امام سے پہلے ختم کر دیا تو نماز نہیں ہو گی۔ جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۳۲۲: میں ہے: لَوْ قَالَ اللّٰہَ مَعَ الْإِمَامِ وَ أَکْبَرُ قَبْلَہُ لَمْ یَصِحَّ فِي الْأَصَحِّ اھ۔ تلخیصا۔

۱۶۔ اگر بطور تعجب اللہ اکبر کہا یا موذن کے جواب میں کہا اور اسی تکبیر سے نماز شروع کر دی تو اس طرح اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنے سے نماز نہیں ہوتی ہے۔ ایسا ہی بہارِ شریعت: حصہ سوم: ص:۶۷: پر ہے اور در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۳۲۳: میں ہے: لَوْ أَرَادَ بِتَکْبِیرِہِ التَّعَجُّبَ أَوْ مُتَابَعَۃَ الْمُؤَذِّنِ لَمْ یَصِرْ شَارِعًا۔

۱۷۔ ایسی دعا کہ جس کا سوال بندوں سے کیا جا سکتا ہے مثلاً: اللھم اطعمنی یا اللھم زوجنی۔ تو اس قسم کی دعا پڑھنے سے نماز خراب ہو جاتی ہے ایسا ہی بہارِ شریعت: حصہ سوم: ص:۱۵۰: میں ہے اور فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: ص:۹۴: میں ہے: لَوْ دَعَا بِمَا لَا یَسْتَحِیلُ سُؤَالُہُ مِنْ الْعِبَادِ مِثْلِ قَوْلِہِ اللَّھُمَّ أَطْعِمْنِي أَوْ اقْضِ دَیْنِي أَوْ زَوِّجْنِي فَإِنَّہُ یَفْسُدُ۔

۱۸۔ لفظ اللہ کو اُللہ یا اکبر کو اکبار کہنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے بلکہ ان کے معانی فاسدہ سمجھ کر قصداً کہنا کفر ہے۔ ایسا ہی بہارِ شریعت: حصہ سوم: ص:۶۷: میں ہے اور در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۳۲۳: میں ہے: إذْ مَدُّ أَحَدِ الْھَمْزَتَیْنِ مُفْسِدٌ، وَتَعَمُّدُہُ کُفْرٌ وَ کَذَا الْبَاءُ فِي الْأَصَحِّ۔

۱۹۔ کسی سے حضور ﷺ کا مبارک نام سنے تو اس کے جواب میں درود شریف پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری: جلد اول مصری: ص:۹۳: میں ہے: إنْ سَمِعَ اسْمَ النَّبِيِّ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ - فَقَالَ جَوَابًا لَہُ تَفْسُدُ صَلَاتُہُ۔

۲۰۔ امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرنے سے مسبوق کی نماز کے بیکار ہونے کی صورت یہ ہے کہ امام پر سجدۂ سہو واجب تھا مگر اسے سہو ہونا یاد نہ تھا اور اس لئے نماز ختم کرنے کی نیت سے دونوں طرف سلام پھیر دیا اب مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا یہاں تک کہ اس نے سجدہ بھی کر لیا اس کے بعد امام کو سہو ہونا یاد آیا اور ابھی تک اس نے کلام وغیرہ کوئی فعل منافی نماز نہ کیا تھا تو اس نے سجدۂ سہو کیا اور مسبوق اپنی نماز چھوڑ کر امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہو گیا تو اس کی نماز بیکار ہو گئی۔ جیسا کہ نور الایضاح و مراقی الفلاح: باب ما

[2228] (فتاویٰ رضویہ: جلد اول: ص: ۵۵۶۔ بہارِ شریعت: حصہ سوم: ص: ۷۱)

یفسد الصلٰوۃ میں ہے: یفسدھا متابعۃ الامام فی سجود السھو لمسبوق اذا تاکد انفرادہ بان قام بعد سلام الامام وقید رکعۃ بسجدۃ فتذکر الامام سجود سھو فتابعہ فسدت صلٰوتہ اھ۔ ملخصا۔

۲۱۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص جو نماز میں نہیں تھا اس نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدۂ تلاوت کیا تو ایک نمازی نے اس سے آیت سجدۂ سنی اور تلاوت کرنے والے کے ساتھ بہ نیت اتباع سجدہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔[2229]

۲۲۔ امام پر سجدۂ سہو واجب نہیں تھا مگر اس نے سجدہ کیا اور سب مقتدی نے اس کی اتباع کی تو مسبوق یعنی جن لوگوں کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی تھیں ان مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گئی جیسا کہ فتاویٰ رضویہ: جلد سوم: ص:۶۳۴: میں ہے کہ "اگر سجدۂ سہو میں مسبوق اتباع امام کرے بعد کو معلوم ہو کہ یہ سجدہ بے سبب تھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ: ص:۲۵۳: میں ہے: **لو تابعہ المسبوق ثم تبین أن لا سھو علیہ إن علم أن لا سھو علی إمامہ فسدت و إن لم یعلم أنہ لم یکن علیہ فلا تفسد و ھو المختار کذا فی المحیط۔**

۲۳۔ مسافر جس کو دو رکعت پڑھنا ضروری تھا اس نے چار رکعت فرض کی نیت باندھی اور دو رکعت پر قعدہ کرنا بھول گیا تو سجدۂ سہو کرنے کے باوجود اس کی فرض نماز نہیں ہوئی۔ جوہرہ نیرہ: جلد اول: ص:۸۶: میں ہے: **ان صلی اربعا و لم یقعد فی الثانیۃ قدر التشھد بطلت صلٰوتہ اھ تلخیصا۔**

۲۴۔ ایک شخص درد اور مصیبت کی وجہ سے رویا اس کی نماز فاسد ہو گئی اور دوسرا جنت یا جہنم کے ذکر سے رویا اس لئے اس کی نماز نہیں فاسد ہوئی۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: ص:۹۴: میں ہے: **أَوْ بَکَی فَارْتَفَعَ بُکَاؤُہُ فَحَصَلَ لَہُ حُرُوفٌ فَإِنْ کَانَ مِنْ ذِکْرِ الْجَنَّۃِ أَوْ النَّارِ فَصَلَاتُہُ تَامَّۃٌ وَإِنْ کَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِیبَۃٍ فَسَدَتْ صَلَاتُہُ۔**

۲۵۔ زید بقدر واجب قرأت نہیں کر سکا تھا اس حال میں دوسرے کو خلیفہ بنایا تو اس کی نماز ہو گی اور بکر نے سورۂ فاتحہ اور تین چھوٹی آیت کی مقدار پڑھنے کے بعد خلیفہ بنایا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی ایسا ہی شرح وقایہ: جلد اول مجیدی: ص:۱۶۱: میں ہے۔

۲۶۔ جب کہ مقتدی نے دیوار وغیرہ پر لکھے ہوئے قرآن کو دیکھ کر لقمہ دیا تو اس صورت میں صحیح لقمہ دینے کے باوجود اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ایسا لقمہ امام نے لیا تو سب کی نماز خراب ہو جائے گی۔ جیسا کہ عمدۃ الرعایہ: حاشیہ شرح وقایہ: جلد اول: ص:۱۶۴: میں ہے: **لو فتح المقتدی امامہ آخذا عن المصحف تفسد صلٰوتہ و صلٰوۃ الامام ایضا ان اخذ فتحہ اھ۔**

[2229] (بہارِ شریعت: حصہ چہارم: ص:۶۶: بحوالہ غنیۃ و عالمگیری)

۲۷۔ سر یا ہاتھ کے اشارہ سے کلام کرنے پر نماز نہیں ٹوٹتی ہے۔ جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۳۳: پر ہے: لَا بَأْسَ بِتَكْلِيمِ الْمُصَلِّي وَإِجَابَتِهِ بِرَأْسِهِ كَمَا لَوْ طُلِبَ مِنْهُ شَيْءٌ أَوْ أُرِيَ دِرْهَمًا وَقِيلَ أَجَيِّدٌ فَأَوْمَأَ بِنَعَمْ أَوْ لَا أَوْ قِيلَ كَمْ صَلَّيْتُمْ فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنَّهُمْ صَلَّوْا رَكْعَتَيْنِ۔

۲۸۔ جب کہ امام کو سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد قعدہ اولیٰ کے لئے مقتدی لقمہ دے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اس لئے کہ سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد بیٹھنا گناہ ہے اور گناہ کرنے کے لئے لقمہ دینے سے نماز برباد ہو جاتی ہے۔ پھر امام اگر مقتدی کے لقمہ دینے سے بیٹھ جائے گا تو کسی کی نماز نہیں ہو گی اس لئے کہ امام اس مقتدی کے بتانے سے لوٹا جو نماز سے خارج ہو گیا تو امام کی نماز باطل ہو جائے گی اور امام کی نماز باطل ہونے کے سبب مقتدیوں کی نماز بھی خراب ہو جائے گی۔ (۱) در مختار شامی: جلد اول: ص:۵۰۰: میں ہے: إِنْ اسْتَقَامَ قَائِمًا (لَا) يَعُودُ لِاشْتِغَالِهِ بِفَرْضِ الْقِيَامِ (وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ) لِتَرْكِ الْوَاجِبِ (فَلَوْ عَادَ إِلَى الْقُعُودِ) بَعْدَ ذَلِكَ (تَفْسُدُ صَلَاتُهُ) لِرَفْضِ الْفَرْضِ لِمَا لَيْسَ بِفَرْضٍ وَصَحَّحَهُ الزَّيْلَعِيُّ (وَقِيلَ لَا) تَفْسُدُ لَكِنَّهُ يَكُونُ مُسِيئًا وَيَسْجُدُ لِتَأْخِيرِ الْوَاجِبِ (وَهُوَ الْأَشْبَهُ) كَمَا حَقَّقَهُ الْكَمَالُ وَهُوَ الْحَقُّ بَحْرٌ اھ۔ ملخصا۔ شامی میں ہے: (قَوْلُهُ لَكِنَّهُ يَكُونُ مُسِيئًا) أَيْ وَيَأْثَمُ كَمَا فِي الْفَتْحِ۔

۳۰۔ وہ نمازِ جنازہ ہے کہ جس میں عورت مرد کے محاذی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہو گی اگر چہ امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو ایسا ہی بہارِ شریعت حصہ چہارم صفحہ:۱۵۶۔ میں ہے اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۱۵۳ میں ہے: وَتَفْسُدُ صَلَاةُ الْجِنَازَةِ بِمَا تَفْسُدُ بِهِ سَائِرُ الصَّلَوَاتِ إِلَّا مُحَاذَاةَ الْمَرْأَةِ كَذَا فِي الزَّاهِدِيِّ۔

۳۱۔ قاری یعنی جو ما یجوز بہ الصلوٰۃ قرأت کرتا ہے اگر وہ اقتداء کرے امی کی یعنی جو ما یجوز الصلوٰۃ قرأت نہیں کرتا تو ایسے مقتدی کی اقتداء کے سبب امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسا کہ الاشباہ والنظائر صفحہ ۱۶۸ پر ہے: اقْتَدَى قَارِئٌ بِأُمِّيٍّ فَصَلَاتُهُمَا فَاسِدَةٌ۔

۳۲۔ وہ شخص تیمم کرنے والے امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس صورت میں جب اس نے پانی دیکھا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ جیسا کہ الاشباہ والنظائر صفحہ ۲۹۵ میں ہے: فَقُلْ الْمُقْتَدِي بِإِمَامٍ مُتَيَمِّمٍ إذَا رَآهُ دُونَ إمَامِهِ۔

۳۳۔ نماز میں ایسا حدث لاحق ہوا جس سے بنا کر سکتا تھا مگر مسجد سے نکلتے ہوئے اس نے قرآن کی تلاوت کی تو اس صورت میں اگر چہ اس نے کسی کے جواب میں یا غلط لقمہ دینے کے لئے آیتِ کریمہ نہیں پڑھی مگر اس کے باوجود نماز فاسد ہو گئی اب بنا نہیں کر سکتا۔ الاشباہ والنظائر صفحہ ۲۸۴ میں ہے: أَيُّ مُصَلٍّ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ؟ فَقُلْ مَنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ. فَقَرَأَ فِي ذَهَابِهِ۔ (بحوالۂ عجائب الفقہ)

مسئلہ ضاد و ظاد کی تحقیق

ضاد کو ظاء یا مشابہ ظاء کر کے پڑھنا غلط ہے اور اس طرح پڑھنے سے نماز ٹوٹ جائے گی ایسا شخص امامت کا اہل نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے جو نماز پڑھی ہیں اس کا اعادہ واجب ہے۔ قرآن کریم کے حروف کے ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ضروری ہے اور تمام حروف کے مخارج جدا جدا معین ہیں۔

عن حذیفة قال رسول اللہ ﷺ اقرؤوا القرآن بلحون العرب . . . [2230]

ایک حرف کو دوسرے حرف کی طرح پڑھنا ناجائز ہے۔ ض اور ظاء دونوں حرف جدا جدا ہیں۔ ان کے مخارج بھی جدا ہیں۔ لہذا جو شخص قصداً یہ جان کر ض کو ظاء پڑھتا ہے کہ قرآن کریم میں اس جگہ یہ حرف اس طرح ہے کافر ہے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وقد اجمع المسلمون . . . من نقص منه حرفاً قاصداً لذلک او بدله بحرف آخر مکانه او زاد فیه حرفاً مما لم یشتمل علیه المصحف الذی وقع الاجماع علیه و اجمع علی انه لیس من القرآن عامداً لکل هذا انه کافر۔

ترجمہ: بے شک اہل اسلام کا اجماع ہے... کہ جس نے قرآن کا کوئی حرف عمداً گھٹایا یا اس کے عوض دوسرا بڑھایا یا کوئی ایسا حرف زائد کیا جو مصحف شریف کا نہیں اور عمداً ایسے کیا تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے۔ [2231]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وفی المحیط سئل الامام الفضلی ممن یقراء الظآء المعجمة او یقرء اصحاب الجنة مکان اصحاب النار او علی العکس فقال لا تجوز امامة و لو تعمد یکفر۔

ترجمہ: اور محیط میں ہے کہ امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی جگہ ظاء یا اصحاب جنت کی جگہ اصحاب النار پڑھے۔ فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔ [2232]

جامع الفصولین میں ہے۔ **یقراء الظآء الضاد و یقراء کیف شاء اصحاب الجنة مکان اصحاب النار لم تجز امامته و لو تعمد یکفر۔**

[2230] (الکامل ابن عدی ج ۲ ص ۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2231] (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ فصل فی بیان ما هو من المقالات کفر الخ ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2232] (شرح فقہ اکبر ص ۱۶۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: جو آدمی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اور اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔[2233]

منیۃ المصلی میں ہے۔اما اذا قرأ مکان الذال ظاء او مکان الضاد ظاء او علی القلب تفسد الصلوۃ و علیہ اکثر الائمۃ۔

ترجمہ: بہر حال جب ذال کی ظاء یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اسی پر اکثر ائمہ کا مسلک ہے۔[2234]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ولو قال ولا الضآلین بالظاء بطلت صلاتہ ارجع الوجھین الا ان یعجز عن الضاد بعد التعلم فیعذرہ۔

ترجمہ: جو ولا الضآلین کو ظاء کے ساتھ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی زیادہ راجح کی وجہ پر، مگر اس صورت میں کہ تعلیم کے باوجود ضاد کو صحیح ادا کرنے سے عاجز ہے تو پھر معذور سمجھا جائے گا۔[2235]

فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ولو قرء و العدیت ظبحاً بالظاء تفسد صلاتہ۔

ترجمہ: اور اگر کوئی وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا (العادیات ۱) کی بجائے ظبحاً ظاء سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔[2236]

نیز اسی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔وکذا لو قرء غیر المغظوب بالظاء او بالذال تفسد صلاتہ۔

ترجمہ: اور اسی طرح اگر غیر المغضوب کی بجائے غیر المغظوب ظاء یا ذال سے پڑھے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔[2237]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔قال القاضی الامام ابو الحسن و القاضی الامام ابو عاصم ان تعمد فسدت۔

ترجمہ: قاضی امام ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی امام ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر عمداً ضاد کو ظاء پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[2238]

مولوی قطب الدین اپنی تفسیر میں تحت آیت وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (التکویر ۲۴) میں لکھتے ہیں۔

[2233] (جامع الفصولین کلمات کفریہ ص ۳۱۶)

[2234] (منیۃ المصلی ص ۱۱۸)

[2235] (الاذکار المنتخبۃ من کلام سید الابرار ص ۴۶ مطبوعہ بیروت)

[2236] (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۴۱)، (کبیری ص ۴۴۹)

[2237] (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۴۲)، (کبیری ص ۴۴۹)

[2238] (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۹)، (فتاویٰ عالمگیری مترجم امیر علی دیوبندی ج ۱ ص ۱۲۲ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)، (فتاوی بزازیہ ج ۱ ص ۴۲)

کہ حرمین شریفین غیر ہما اکثر ممالک میں تو سب (ضاد کو) دال مفخم کی طرح پڑھتے ہیں اور دہلی وغیرہ یا اکثر ہند کے ممالک میں بھی پہلے اسی طرح پڑھتے تھے مگر اب ان ایام میں بعض دنیا سازوں نے ظاء کے طور پڑھنے کا فتویٰ دیا جو کہ سراسر غلط ہے ایک مجلس میں بھی اس کی تحقیق کے لئے منعقد ہوئی اکثر و کل قراء کی رائے بطور سابق کے ضاد پڑھنے پر غالب رہی۔[2239]

یہ وہی مولوی ہیں جنہوں نے مظاہر حق لکھی ہے اس پر دیوبندیوں کو اعتماد ہے کیونکہ مولوی محمد اسحاق کے شاگرد ہیں ان سے یہ پتہ چلا کہ اکابر دیوبند بھی ظاء نہیں پڑھتے تھے۔

بانی دارالعلوم دیوبند قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔

سوال: خدمت میں علماء دین کی عرض ہے کہ ایک شخص کوہ لنڈھورہ پرنگینہ ضلع بجبور کا رہنا والا آیا ہے کہتا ہے کہ ضاد بمخرج ظاء پڑھ ورنہ نماز باطل ہو جائے گی جواب ہر ایک امر کا اپنی مہر سے مذین فرما کر ارسال کریں کہ اس شخص کو جواب دیا جائے۔

جواب: جناب من جیسے بے کی جائے اور دال کی جگہ ذال اور جا کے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کے مقام میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر کوئی اسی کو سمجھتا ہے ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل و نقل ہے یہ بات عقل و نقل کی رو سے منجملہ تحریف ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آج کل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات کہدیتے ہیں اور اہل اسلام کیوں ایسی بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتووں کی مہروں کو دیکھ کر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا اور فتووں کا لکھنا ہر کسی کو نہیں آتا۔[2240]

اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔

سوال ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہیئے اور اکثر فقہاء کا قول کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں؟

جواب: . . . فی الجزریة والضاد من حافته اذا لی الاضراس من اسیر ولیناها۔ جب مخرج معلوم ہو گیا تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے اب اس نکالنے سے بوجہ عدم مہارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے اور اگر قصداً دال یا ظاء پڑھے وہ جائز نہیں جیسا بعض نے دال پڑھنے کی عادت کر لی ہے اور بعض نے فقہا کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ ظاء ہے ظاء پڑھنا شروع کر دیا حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا رہا قاضی خان کی اس جزئی سے **لو قرأ الضالین لا تفسد صلواۃ** ظاء پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا اس کو دوسری جزئیات قاضی خان کی رد کرتی ہے۔

[2239] (جامع التفاسیر ص ۳۶۱)

[2240] (تصفیۃ العقائد ص ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

وھی ھذا ولو قرأ والعادیات ظبحاً بالظاء تفسد صلواتہ اھ وکذا لو قرا غیر المغضوب علیھم بالظاء اور بالذال تفسد صلواتہ وامثال ذلک من الفروع المتعددۃ۔ واللہ اعلم۔[2241]

رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں۔

یہ قول قاری صاحب کا درست ہے کہ جو شخص باوجود قدرت کے ضاد کو ضاد کے مخرج سے ادا نہ کرے وہ گنہگار بھی ہے اور اگر دوسرا لفظ بدل جانے سے معنی بدل گئے تو نماز بھی نہ ہو گی اور اگر باوجود کوشش سعی ضاد اپنے مخرج سے ادا نہیں ہو تا تو معذور ہے اس کی نماز ہو جاتی ہے اور جو شخص خود صحیح پڑھنے پر قادر ہے ایسے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے مگر جو شخص قصداً دال یا ظاء پڑھے اس کے پیچھے نماز نہ ہو گی فقط۔[2242]

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

اصل حرف ضاد ہے اس کو اصل مخرج سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دال پر کی صورت سے بھی نماز ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی الجواب صحیح عزیز الرحمن۔ خلیل احمد، عنایت الٰہی، محمود، اشرف علی، غلام رسول۔[2243]

عوام جو مخارج اور صفات سے واقف نہیں بوجہ ناواقفیت کے حرف ضاد کے بجاء ظاء پڑھے تو نماز فاسد ہو گی یا نہیں یہ الگ مسئلہ ہے مگر جان بوجھ کر باوجود قادر بالفعل ہونے کے ایسا کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہمارے زمانہ میں اکثر دیوبندی خصوصاً پنجپیری قصداً ضاد کے بجائے ظاء پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ جھگڑتے اور فساد پھیلاتے ہیں۔ ان پنجپیری دیوبندیوں کو اپنے مستند عالم مفتی زرولی خان کے اس قول پر عمل کرنا چاہیے۔ مفتی زرولی خان دیوبندی سی ڈی کیسٹ آپ کے مسائل اور ان کا حل میں کہتے ہیں۔

اے قاریو! (جو نماز میں ظاد پڑھتے ہیں) دوسروں کی نمازیں خراب نہ کرو (یعنی اپنی نماز تو ہے ہی خراب مگر دوسری کی نمازیں تو خراب نہ کرو) عرب ظاد کو جانتے تک نہیں۔ اس کے بعد محیط برہانی والی عبارت بیان فرمائی ہے اور ظاد کو بالکل غلط ثابت کیا ہے۔

ہم بھی ان ضاد کے بجائے ظاد پڑھنے والوں کو یہی کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فساد نہ پھیلاؤ اور مسلمانوں کی نمازیں خراب نہ کرو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پھر تم کیوں وضوء، ضرورت، فضل الرحمن، ضیاء الدین، حضور وغیرہ الفاظ کہتے ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہیں اور قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

[2241] (فتاویٰ امدادیہ ج ۱ ص ۱۲۷ ربیع الاول باب تجوید ۱۳۲۲ھ)

[2242] (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۷)

[2243] (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۱)

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (یوسف ۲) ترجمہ: بے شک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا تاکہ تم سمجھو۔

یہ عجمی الفاظ ہیں اور اردو زبان میں اس کو ظاء پڑھا جاتا ہے جب کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے لہذا اس کو عجمی طریقہ اور تلفظ کے ساتھ نہیں بلکہ عربی تلفظ اور عربی مخارج کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

آٹھویں باب مفسدات نماز کا لب لباب:

مسئلہ: نماز کی حالت میں کلام (بات) کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ پھر چاہے وہ کلام کرنا عمداً ہو یا خطاً یا سہواً ہو۔ عمداً کلام کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو معلوم تھا کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ پھر بھی اس نے جان بوجھ کر کلام کیا۔ خطاً کلام کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو یہ مسئلہ معلوم ہی نہ تھا کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا قرأت وغیرہ اذکار نماز کہنا چاہتا تھا اور غلطی سے زبان سے کوئی جملہ (بات) نکل گیا اور سہواً کلام کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو اپنا نماز میں ہونا یاد نہ رہا ہو اور منہ سے کوئی بات نکال دے۔ الغرض! عمداً، خطاً اور سہواً کسی طرح بھی نماز میں کلام کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[2244]

مسئلہ: کلام کرنے سے زیادہ یا کم بولنے کا فرق نہیں اور یہ فرق بھی نہیں کہ اس کا کلام بیرون نماز کے امور سے متعلق ہو یا نماز کے متعلق یعنی نماز کی اصلاح کے متعلق ہو۔ مثلاً امام قعدہ اولیٰ میں بیٹھنا بھول گیا اور تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے امام کو بتانے کی غرض سے کہا "بیٹھ جاؤ" یا صرف "ہو" ہی کہا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو گئی۔[2245]

مسئلہ: نماز میں کسی کو سلام کیا یا کسی کے سلام کا جواب دیا یعنی "السلام علیکم" یا "وعلیکم السلام" کہا یا صرف "سلام" ہی کہا یا سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو نماز فاسد ہو گئی۔[2246]

مسئلہ: چار رکعت والی نماز پڑھ رہا تھا اور دو رکعت والی نماز پڑھ رہا ہوں یہ سمجھ کر دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو گئی۔ اس پر بنا بھی جائز ہے۔ از سر نو پڑھے۔[2247]

2244 (در مختار، مومن کی نماز ص ۱۶۰)

2245 (در مختار، عالمگیری)

2246 (عالمگیری، در مختار)

2247 (عالمگیری، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۴۹)

مسئلہ: کسی کو چھینک آئی اور نمازی نے اس کو جواب دیتے ہوئے "یرحمک اللہ" کہا تو نماز فاسد ہو گئی۔[2248]

مسئلہ: نمازی کو حالت نماز میں چھینک آئی تو سکوت کرے۔ اگر "الحمد للہ" کہہ لیا تو نماز میں حرج نہیں لیکن حالت نماز میں "الحمد للہ" نہ کہے بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حمد کرے۔[2249]

مسئلہ: خوشی کی خبر سن کر "الحمد للہ" کہا یا بری خبر سن کر "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرة ١٥٦)" کہا تو نماز فاسد ہو گئی۔[2250]

مسئلہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام ذات "اللہ" یا دوسرا کوئی صفاتی نام سن کر "جل جلالہ" کہا یا حضور اقدس سید عالم ﷺ کا اسم شریف سن کر "ﷺ" کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[2251]

مسئلہ: نماز میں زبان پر "نعم" یا "ارے" یا "ہاں" جاری ہو گیا تو نماز فاسد ہو گئی۔[2252]

مسئلہ: نمازی نے اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دیا تو نماز فاسد ہو گئی اور جس کو لقمہ دیا وہ نماز میں ہو یا نہ ہو یعنی وہ نماز میں قرآن پڑھتا ہو یا بیرون نماز قرآن پڑھتا ہو مثلاً قریب میں بیٹھ کر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو اور تلاوت میں غلطی کی اور اس کی اس غلطی پر نمازی نے اس کو لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو گئی۔ علاوہ ازیں وہ غلط پڑھنے والا نماز میں چاہے منفرد ہو یا مقتدی ہو یا کسی دوسرے کا امام ہو۔[2253]

2248 (عالمگیری، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۴۹)

2249 (عالمگیری)

2250 (عالمگیری، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۵۰، فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۲۳۰)

2251 (در مختار، ردالمحتار، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۵۰، فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۴۹)

2252 (در مختار)

2253 (در مختار، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۵۰، فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۲۲۶)

مسئلہ: اس طرح مقتدی کے سوا کسی دوسرے کا لقمہ لینا بھی مفسد نماز ہے مثلاً امام نے قراءت میں غلطی کی، یا منفرد نے قراءت میں غلطی کی یا امام نے ارکان نماز میں غلطی کی۔ مثال کے طور پر ایک رکعت کے بعد قعدہ کر لیا اور اس کی غلطی پر ایسے شخص نے لقمہ دیا جو شریک جماعت نہیں اور امام نے اس کا لقمہ قبول کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[2254]

مسئلہ: "آہ"، "اوہ"، "اف"، "تف"، "ہائے" یہ الفاظ درد یا مصیبت و تکلیف کی وجہ سے منہ سے نکلیں یا آواز سے رویا اور رونے میں حروف پیدا ہوئے تو ان سب صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر رونے میں صرف آنسو نکلے اور آواز و حروف نہ نکلے تو حرج نہیں۔ اور اگر خدائے تعالیٰ کے خوف سے رویا اور آواز نکلی تو نماز فاسد نہ ہو گی۔[2255]

"فان أن فيها أو تأوه أو بكى فارتفع بكاؤه فإن كان من ذكر الجنة أو النار لم يقطعها" لأنه يدل على زيادة الخشوع "وإن كان من وجع أو مصيبة قطعها" لأن فيه إظهار الجزع والتأسف فكان من كلام الناس۔[2256]

اگر نماز میں ایک شخص آہ یا اوہ یا ھو کرتا ہے یا روتا ہے اور اس کا رونا بلند ہوتا ہے یعنی حروف خارج یا حاصل ہوتے ہیں اور اگر یہ رونا جنت یا جہنم کی یاد سے حاصل ہوا ہے تو نماز فاسد نہ ہو گی اس لئے کہ یہ عاجزی اور انکساری کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔

"فتاوی امجدیہ میں مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں" ذکر جنت و نار پر اگر گریہ طاری ہو اور آہ اُف وغیرہما الفاظ زبان سے نکل گئے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اور اگر ایک دو قدم ایسی حالت میں آگے یا پیچھے ہٹ گیا جب بھی حرج نہیں (در مختار میں ہے) "**لا لذكر جنة او نار**" (رد المحتار میں ہے) "**لان الانين ونحوه اذا كان بذكرهما صار كانه قاله اللّٰهم انى اسئلك الجنة واعوذ بك من النار ولو صرح به لا تفسد صلٰوته**"[2257]

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انوار قدسیہ میں آداب الذکر میں فرماتے ہیں: "**اما مسلوب الاختيار فهو مع ما يرد عليه من الاسرار فقد يجرى على لسانه: الله، الله، الله، او، هو، هو، او لا، لا، او آه، آه او عا، عا او آ، آ او ها، ها، ها او صوت بغير حرف او تخبيط وادبه عند ذالك التسليم للوارد فاذا انقضى الوارد فادبه السكون من غير تقول۔** (جو کچھ مسلوب الاختیار سالک ہے اپنے اسرار جو ان پر وارد ہوتے ہیں اسے معذور سمجھا جائے گا۔ جب اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو جائیں اللہ، اللہ، اللہ کبھی ھو، ھو، ھو کبھی لا، لا، لا کبھی آ، آ، آ کبھی عا، عا، عا کبھی ھا، ھا، ھا اور کبھی بغیر حروف با معنی کے آواز نکالنا اور کبھی غیر معنی الفاظ کا اس کے زبان سے ادا ہونا۔ تو

2254 (در مختار، رد المحتار، فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۲۲۶)

2255 (در مختار)

2256 (الهداية ج ا ص ۱۲۰)

2257 (فتاوی امجدیہ: ج: ا: ص: ۱۸۱)

اس وقت سالک کیلئے ادب یہ ہے کہ اس کا یہ وارد تسلیم کر لیا جائے اور جب وارد ختم ہو جائے پھر اس کے لئے ادب یہ ہے کہ سکون سے اس سے کسی متعلق سوال نہ کیا جائے۔[2258]

(صاحب فقہ علی مذاھب اربعہ علامہ عبد الرحمن جزیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ا ص ۲۷۱ دار الکتب العلمیۃ) نے (تافیف) یعنی اُف، اُف کرنا باقی کی طرح شمار کیا ہے۔)

اور وجد کبھی ہنسنے کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ امام بزار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی صحیح سند کے ساتھ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے دعا فرمائی: **فَضَحِكَتْ عَائِشَةُ حَتَّى سَقَطَ رَأْسُهَا فِي حِجْرِهَا مِنَ الضَّحِكِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: "أَيَسُرُّكِ دُعَائِي؟". فَقَالَتْ: وَمَا لِي لَا يَسُرُّنِي دُعَاؤُكَ؟ فَقَالَ: "وَاللهِ إِنَّهَا لَدَعْوَتِي لِأُمَّتِي فِي كُلِّ صَلَاةٍ۔**

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت رسول اکرم ﷺ کی دعائے مبارکہ سے اس قدر تبسم فرمایا کہ آپ کا سر مبارک حضور ﷺ کے دامن اقدس سے مس ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آپ کو میری دعا سے اس قدر خوشی ہوئی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: جی ہاں! کیوں نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں ہر امتی کے لئے ہر نماز کے بعد یہی دعا کرتا ہوں۔[2259]

اس کی مزید تفصیل کیلئے "**تحفة الاحباء فی اثبات الوجدو التواجدو الرقص و الغشی و البکاء**" اوراسی طرح "**العطایاالسیفیة فی الفتاویٰ النقشبندیة**" ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ: چھینک، کھانسی، جماہی اور ڈکار نے میں جتنے حروف نکلتے ہیں وہ مجبوراً نکلتے ہیں اور مجبوراً نکلنے کی وجہ سے معاف ہیں۔ نماز فاسد نہیں ہوتی۔[2260]

2258 (انوار قدسیہ ج ۲ ص ۳۹)

2259 (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۹ ص ۲۴۳، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج ۱۱ ص ۱۷۲، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ۴ ص ۳۹۱)

2260 (در مختار، رد المحتار، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۵۰)

مسئلہ: پھونکنے میں اگر آواز پیدا نہ ہو تو وہ مثل سانس کے ہے کہ نماز فاسد نہ ہو گی مگر قصداً پھونکنا مکروہ ہے اور اگر پھونکنے میں دو حروف پیدا ہوئے۔ مثلاً "اف" یا "ہوف" یا "تف" یا "ہوش" تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[2261]

مسئلہ: کھنکارنے میں اگر دو حروف ظاہر ہوں جیسے "اح" یا "اخ" یا "ہخ" تو اگر کوئی عذر نہیں تو عبث کھنکارنے سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر صحیح غرض اور عذر کی وجہ سے کھنکارا مثلاً گلے میں کچھ پھنس گیا ہے یا بلغم آ گیا ہے یا آواز صاف کرنے کیلئے یا امام کی غلطی پر اسے متنبہ کرنے کیلئے کھنکارا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔[2262]

مسئلہ: نماز میں دیکھ کر قرآن شریف پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔[2263]

مسئلہ: مقتدی امام سے آگے کھڑا ہو گیا یا مقتدی نے امام سے پہلے کوئی رکن نماز ادا کر لیا اور پورا رکن امام سے پہلے ادا کر لیا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔[2264]

مسئلہ: نماز کی حالت میں دو صف جتنا چلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔[2265]

مسئلہ: نماز میں قہقہہ لگانا یعنی اتنی آواز سے ہنسنا کہ قریب والا سن سکے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔[2266]

مسئلہ: اگر نماز میں اتنی پست آواز سے ہنسا کہ خود سنا اور قریب والا نہیں سن سکا تو بھی نماز فاسد ہو گئی البتہ اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔[2267]

[2261] (غنیہ)

[2262] (در مختار، بہار شریعت ج۳ص ۱۵۲، فتاویٰ رضویہ ج۳ص ۱۰۲)

[2263] (در مختار)

[2264] (در مختار، ردالمحتار)

[2265] (در مختار، بہار شریعت ج۳ص ۱۵۴)

[2266] (در مختار، فتاویٰ رضویہ ج۱ص ۹۲)

[2267] (بہار شریعت ج۲ص ۲۵)

مسئلہ: نماز کی حالت میں کھانا پینا مطلقاً نماز فاسد کر دیتا ہے۔ قصداً ہو یا بھول کر۔ تھوڑا ہو یا زیادہ یہاں تک کہ اگر ایک تل بھی بغیر چبائے نگل لیا یا کوئی قطرہ چاہے وہ پانی کا ہی قطرہ ہو، اس کے منہ میں گیا اور اس نے نگل لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[2268]

مسئلہ: دانتوں کے اندر کھانے کی کوئی چیز رہ گئی تھی اور حالت نماز میں اس کو نگل گیا تو اگر وہ چیز چنے کی مقدار سے کم ہے تو نماز فاسد نہ ہو گی البتہ مکروہ ضرور ہو گی اور اگر چنے کے برابر یا زیادہ ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[2269]

مسئلہ: دانتوں سے خون نکلا اور حالت نماز میں اسے نگل لیا تو اگر تھوک غالب ہے تو نگلنے سے نماز فاسد نہ ہو گی اور اگر خون غالب ہے تو نگلنے سے نماز فاسد نہ ہو گی اور اگر خون غالب ہے تو نگلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ غلبہ کی علامت یہ ہے کہ حلق میں خون کا مزہ محسوس ہو۔ نماز اور روزہ توڑنے میں مزہ کا اعتبار ہے اور وضو توڑنے میں رنگ کا اعتبار ہے۔[2270]

مسئلہ: ایک رکن ادا کرنے کے وقت کی مقدار تک یا تین تسبیح کہنے کے وقت کی مقدار تک ستر عورت کھولے ہوئے یا بقدر مانع نجاست کے ساتھ نماز پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ بلا قصد ہو اور اگر قصداً ستر کھولا تو فوراً نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگرچہ فوراً ڈھانک لے۔ اس میں وقفہ کی بھی حاجت نہیں بلکہ ستر کے کھلتے ہی فوراً نماز فاسد ہو جائے گی۔[2271]

مسئلہ: ایسا باریک کپڑا یا تہبند باندھ کر نماز پڑھنا کہ اس سے بدن کی سرخی چمکے (بدن کا رنگ جھلکے) یا اگر اس باریک کپڑے سے ستر کا کوئی عضو اس ہیئت سے نظر آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح عورتوں کا وہ دوپٹہ کہ جس سے سر کے بالوں کی سیاہی چمکے مفسد نماز ہے۔[2272]

مسئلہ: حالت نماز میں تین کلمے (الفاظ) اس طرح لکھے کہ حروف ظاہر ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ مثلاً ریت یا مٹی پر لکھے اور اگر حروف ظاہر نہ ہوں تو فاسد نہ ہو گی۔ مثلاً پانی پر یا ہوا میں لکھا تو عبث ہے اور نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔ (غنیہ، بہار شریعت ج۳ ص۱۵۵)

2268 (در مختار، ردالمحتار)

2269 (در مختار، عالمگیری)

2270 (در مختار، عالمگیری، فتاویٰ رضویہ ج۱ ص۳۲و۵۲۲)

2271 (در مختار، بہار شریعت ج۳ ص۱۵۳، فتاوی رضویہ ج۳ ص۱)

2272 (ردالمحتار، فتاویٰ رضویہ ج۳ ص۱)

مسئلہ: سینہ کو قبلہ سے پھیرنا مفسد نماز ہے یعنی سینہ خانہ کعبہ کی خاص جہت سے پینتالیس (۴۵) درجہ ہٹ جائے۔

(در مختار، بہار شریعت ج۳ص ۱۵۴، فتاویٰ رضویہ ج۳ص ۱۶)

مسئلہ: ناپاک جگہ پر بغیر حائل سجدہ کیا تو نماز فاسد ہو گئی۔ اسی طرح ہاتھ یا گھٹنے سجدہ میں ناپاک جگہ پر رکھے تو نماز فاسد ہو گئی۔ (در مختار، ردالمحتار)

مسئلہ: تکبیرات انتقال میں "اللہ اکبر" کے الف کو دراز کیا یعنی "اللہ اکبر" یا "اللہ اکبر" کہا یا "ب" کے بعد "الف" بڑھایا یعنی "اللہ اکبار" کہا یا "اللہ اکبر" کی "ر" کو "دال" پڑھا یعنی "اللہ اکبد" کہا تو نماز فاسد ہو گئی اور اگر تکبیر تحریمہ کے وقت ایسی غلطی ہوئی تو نماز شروع ہی نہ ہوئی۔ (در مختار، بہار شریعت، فتاویٰ رضویہ ج۳ص ۱۲۱و۱۳۶)

مسئلہ: نماز میں قرآن مجید پڑھنے میں ایسی غلطی کرنا کہ جس کی وجہ سے فساد معنی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رضویہ ج۳ص ۱۳۵)

مسئلہ: نماز میں عمل کثیر کرنا مفسد نماز ہے عملِ کثیر کہ نہ اعمال نماز سے ہو نہ نماز کی اصلاح کے لیے کیا گیا ہو، نماز فاسد کر دیتا ہے، عملِ قلیل مفسد نہیں، جس کام کے کرنے والے کو دُور سے دیکھ کر اس کے نماز میں نہ ہونے کا شک نہ رہے، بلکہ گمان غالب ہو کہ نماز میں نہیں تو وہ عملِ کثیر ہے اور اگر دُور سے دیکھنے والے کو شبہہ و شک ہو کہ نماز میں ہے یا نہیں، تو عملِ قلیل ہے۔

("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ و مایکرہ فیھا، ج ۲، ص ۴۶۴، وغیرہ.) (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: حالت نماز میں کرتا یا پاجامہ پہنا یا تہبند باندھا، نماز جاتی رہی۔ ("غنیۃ المتملي"، کتاب الصلاۃ، مفسدات الصلاۃ، ص ۴۵۲.) (غنیہ)

مسئلہ: عملِ قلیل کرنے سے نماز فاسد نہیں ہو گی۔ عمل قلیل سے مراد یہ ہے کہ ایسا کوئی کام کرنا جو اعمال نماز سے یا نماز کی اصلاح کیلئے نہ ہو اور اس کام کے کرنے والے نمازی کو دیکھ کر دیکھنے والے کو گمان غالب نہ ہو کہ یہ آدمی نماز میں نہیں ہے بلکہ شک وشبہ ہو کہ نماز میں ہے یا نہیں، تو ایسا کام عمل قلیل ہے۔ (در مختار)

نوٹ: بعض لوگ حالت نماز میں سجدہ میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پاجامہ اوپر کی طرف کھینچتے ہیں یا قعدہ میں بیٹھتے وقت کرتا یا قمیص کا دامن دونوں ہاتھوں سے سیدھا کر کے بچھاتے ہیں۔ اس حرکت سے نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ فعل دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے اور عمل کثیر میں شمار ہونے کا امکان ہے لہذا اس سے بچنا لازمی اور ضروری ہے کیونکہ نماز مکروہ تحریمی تو ضرور ہوتی ہے اور جو نماز مکروہ تحریمی ہو اس کا اعادہ لازم ہے۔ (ماخوذ از: فتاویٰ رضویہ ج۳ص ۴۱۶)

مسئلہ: ایک رکن میں تین بار کھجانے سے نماز جاتی رہتی ہے، یعنی یوں کہ کھجا کر ہاتھ ہٹالیا پھر کھجایا پھر ہاتھ ہٹالیا وعلیٰ ہذا اور اگر ایک بار ہاتھ رکھ کر چند مرتبہ حرکت دی تو ایک ہی مرتبہ کھجانا کہا جائے گا۔ (المرجع السابق، ص۱۰۴، و"غنیۃ المتملي"، مفسدات الصلاۃ، ص۴۴۸.)(عالمگیری، غنیہ)

مسئلہ: اگر حالت نماز میں بدن کے کسی مقام پر کھجلی آئے تو بہتر یہ ہے کہ ضبط کرے اور اگر ضبط نہ ہو سکے اور اس کے سبب نماز میں دل پریشان ہو تو کھجالے مگر ایک رکن مثلاً قیام یا قعود یا رکوع یا سجود میں تین مرتبہ بہ کھجاوے۔ صرف دو مرتبہ تک کھجانے کی اجازت ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج۳ص۴۴۶)

مسئلہ: سانپ بچھو مارنے سے نماز نہیں جاتی جب کہ نہ تین قدم چلنا پڑے نہ تین ضرب کی حاجت ہو، ورنہ جاتی رہے گی، مگر مارنے کی اجازت ہے اگرچہ نماز فاسد ہو جائے۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ، النوع الثاني، ج۱، ص۱۰۳.)(عالمگیری، غنیہ)

مسئلہ: پے در پے تین بال اکھیڑے یا تین جوئیں ماریں یا ایک ہی جوں کو تین بار میں مارا نماز جاتی رہی اور پے در پے نہ ہو، تو نماز فاسد نہ ہو گی مگر مکروہ ہے۔ (المرجع السابق، و"غنیۃ المتملي"، مفسدات الصلاۃ، ص۴۴۸.)(عالمگیری، غنیہ)

مسئلہ: اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے چار گرہ سے زیادہ اونچی ہو تو سرے سے نماز ہی نہیں ہو گی اور اگر چار گرہ یا کم بلندی ممتاز ہوئی تو کراہت سے خالی نہیں۔ یعنی پاؤں رکھنے کی جگہ سے سجدہ کرنے کی جگہ ایک بالشت بھر اونچی ہو تو نماز ہی نہ ہو گی۔

(در مختار، فتاویٰ رضویہ ج۳ص۴۲ص۴۳۷)

نوٹ: ایک گرہ = تین انگل چوڑائی۔ (فیروز اللغات)

تین انگل چوڑائی = دو انچ، چار گرہ = بارہ انگل چوڑائی = ۸۔ انچ = ایک بالشت

مسئلہ: ایسی دعا جس کا سوال بندے سے نہیں کیا جا سکتا جائز ہے، مثلاً اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اور جس کا سوال بندوں سے کیا جا سکتا ہے، مفسد نماز ہے، مثلاً اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْنِیْ یا اَللّٰھُمَّ زَوِّجْنِیْ. ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، الفصل الأول، ج۱، ص۱۰۰.)(عالمگیری)

مسئلہ: موت و جنون و بے ہوشی سے نماز جاتی رہتی ہے، اگر وقت میں افاقہ ہوا تو ادا کرے، ورنہ قضا بشرطیکہ ایک دن رات سے متجاوز نہ ہو۔
("الدر المختار" و"رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، مطلب في المشي في الصلاۃ، ج۲، ص۴۷۲.)(در مختار، رد المحتار)

مسئلہ: نماز میں اُنگلیوں پر آیتوں اور سورتوں اور تسبیحات کا گننا مکروہ ہے، نماز فرض ہو خواہ نفل اور دل میں شمار رکھنا یا پوروں کو دبانے سے تعداد محفوظ رکھنا اور سب اُنگلیاں بطورِ مسنون اپنی جگہ پر ہوں، اس میں کچھ حرج نہیں، مگر خلافِ اَولیٰ ہے کہ دل دوسری طرف متوجہ ہو گا اور زبان سے گننا مفسد نماز ہے۔ ("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ... إلخ، مطلب إذا تردد الحکم... إلخ، ج۲، ص۵۰۷، وغیرہ.)(در مختار وغیرہ)

مسئلہ: مسبوق نے یہ خیال کر کے کہ امام کے ساتھ سلام پھیرنا چاہیے سلام پھیر دیا، نماز فاسد ہو گئی۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیمایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، الفصل الاول، ج۱، ص۹۸.)(عالمگیری)

مسئلہ: اللہ عزوجل کا نام مبارک سُن کر جل جلالہ کہا، یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سُن کر درود پڑھا، یا امام کی قراءت سُن کر صَدَقَ اللہ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہ کہا، تو ان سب صورتوں میں نماز جاتی رہی، جب کہ بقصد جواب کہا ہو اور اگر جواب میں نہ کہا تو حرج نہیں۔ یوہیں اگر اذان کا جواب دیا، نماز فاسد ہو جائے گی۔ ("الدر المختار" و"ردالمختار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ... إلخ، ج۲، ص۴۶۰.)(در مختار، ردالمختار)

مسئلہ: کوئی شخص نماز میں التحیات پڑھ رہا تھا۔ جب کلمہ تشہد کے قریب پہنچا تو موذن نے اذان میں "شہادتین" یعنی دو شہادتیں کہیں۔ اس نے التحیات کی قرأت کے بجائے اذان کا جواب دینے کی نیت سے "اشھدان لاالہ الااللہ و اشھدان محمداً عبدہ و رسولہ" کہا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ (در مختار، فتاویٰ رضویہ ج۳ ص۴۰۶)

مسئلہ: بے سبب نیت توڑ دینا یعنی نماز شروع کرنے کے بعد بلا کسی وجہ شرعی نماز توڑ دینا حرام ہے۔ (در مختار، فتاویٰ رضویہ ج۳ ص۴۱۴)

وتمت بالخیر آج بمورخہ ۲۰ جولائی ۲۰۲۰ء کو مکمل ہو چکی ہے۔ تمام قارئین و متعلقین کو التماس ہے کہ میری والدہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے ۳۰ جولائی کو وصال فرمایا تھا۔ اس لئے ان کیلئے بہت دعا کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نصیب فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ وببرکۃ مرشدنا خواجہ سیف الرحمن نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید ضیاء الحق شاہ عرف بادشاہ صاحب۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔ دعا عبادت الٰہی ہے مامور بہ عن الشارع ہے اس کی کسی ہیئت (خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی) پر از جانب شارع منع وارد نہیں اور اس کا ثبوت قرآن کریم و سنت رسول اکرم ﷺ اور اقوال فقہائے کرام اور خود علمائے دیوبند سے بھی موجود ہے۔ مثلاً

اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔(الغافر ٦٠) مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔"اس حکم ربانی میں وہ خاص فرد بھی داخل ہے جو ہیئت اجتماعی ہے اور بعد سنت ہو جیسے باقی افراد اور عام سے خاص پر استدلال مسلم اجماعی ہے جیسے توضیح تلویح میں مصرّح ہے دوسرا اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (٧) وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ (٨)(سورۃ الانشراح) تو جب تم نماز سے فارغ ہو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔" کے تحت تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۵۲۶ اور تفسیر روح المعانی ج۲ ص۱۹۸۔ میں ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے ملاحظہ ہو واخرج ابن جریر وغیرہ من طرق عن ابن عباس انہ قال إِذَا فَرَغْتَ من الصلوۃ فَانْصَبْ فی الدعاو روی نحوہ عن الضحاک وقتادہ اور فتح القدیر کی عبارات سے معلوم ہو گا کہ صلوۃ سے فراغت اس وقت ہوئی جب کہ سنت رواتب ادا کر دی جائیں گی کیونکہ یہ فرائض کیلئے مکملات ہیں لہذا اس آیت میں حکم بعد ادا الرواتب ہے اور دعا ہیئت اجتماع اقرب الی الاجابت ہے ملاحظہ ہو تفسیر فتح العزیز ج۱ ص۳۹۔ میں سورہ فاتحہ کی تفسیر فرماتے ہوئے شاہ عبد العزیز لکھتے ہیں "وایراد صیغہ جمع درآیت برائے ہماں نکتہ است کہ درنعبد مذکور شد علی الخصوص کہ دریخامقام دعااست ودعائے جماعت مسلمین اقرب باجابت است لہذا بعد السنت وبہیئت اجتماعی دعاان مفسرین کرام کے اقوال کی روشنی میں ثابت ہو گئی کیونکہ ہر قید شرعاً جائز وثابت ہو تو مجموع بھی ثابت ہو جائے گا۔ مزید بر آں فقہائے کرام حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر ج۲ ص۸۹ کے قول ۔وَالسُّنَّةُ فِي الْأَدْعِيَةِ تَأْخِيرُهَا عَنْ الصَّلَاةِ کے تحتار قام فرمایا اور يَسْتَقْبِلُ الْقَوْمَ بِوَجْهِهِ وَدَعَا وَيُؤَمِّنُونَ۔ جس میں بالکل بہیئت اجتماع کی تنصیص ہے نیز ابن ہمام وبقالی ودیگر علمائے کرام حنفیہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن رواتب ہوں اوران فرائض کے صرف اللھم انت السلام الخ۔ فصل بین الفرائض والسنن کرنا چاہیئے اور اس تقریبی اندازہ سے زیادہ فصل خلاف اولیٰ ہے لہذا جملہ اورادووظائف وادعیہ جو احادیث میں مروی ہیں رواتب کے بعد پڑھنا چاہیئے چنانچہ ملاحظہ ہو۔وَمُقْتَضَى الْعِبَارَةِ حِينَئِذٍ أَنَّ السُّنَّةَ أَنْ يَفْصِلَ بِذِكْرٍ قَدْرِ ذَلِكَ وَذَلِكَ يَكُونُ تَقْرِيبًا، فَقَدْ يَزِيدُ قَلِيلًا وَقَدْ يَنْقُصُ قَلِيلًا، وَقَدْ يُدْرِجُ وَقَدْ يُرَتِّلُ فَأَمَّا مَا يَكُونُ زِيَادَةً غَيْرَ مُقَارِبَةٍ مِثْلَ الْعَدَدِ السَّابِقِ مِنْ التَّسْبِيحَاتِ وَالتَّحْمِيدَاتِ وَالتَّكْبِيرَاتِ فَيَنْبَغِي اسْتِنَانُ تَأْخِيرِهِ عَنْ السُّنَّةِ أَلْبَتَّةَ،[2273]

لہذا فرائض وسنن کے درمیان اللھم انت السلام الخ ۔کے اندازہ سے زیادہ فصل یعنی اوراد پڑھنا یا دعائیں مانگنا خلاف سنت ہے اور جتنی دعائیں احادیث میں مروی ہیں احناف کے نزدیک یہ سب سنن رواتب کے بعد پڑھنا چاہیئے نیز ملاحظہ ہو شامی۔وَأَمَّا مَا وَرَدَ مِنْ الْأَحَادِيثِ فِي الْأَذْكَارِ عَقِيبَ الصَّلَاةِ فَلَا دَلَالَةَ فِيهِ عَلَى الْإِتْيَانِ بِهَا قَبْلَ السُّنَّةِ، بَلْ يُحْمَلُ عَلَى الْإِتْيَانِ بِهَا بَعْدَهَا؛ لِأَنَّ السُّنَّةَ مِنْ لَوَاحِقِ الْفَرِيضَةِ وَتَوَابِعِهَا وَمُكَمِّلَاتِهَا فَلَمْ تَكُنْ أَجْنَبِيَّةً عَنْهَا، فَمَا يُفْعَلُ بَعْدَهَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ أَنَّهُ عَقِيبُ الْفَرِيضَةِ.[2274]

اور صاحب ہدایہ کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ تمام ادعیہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد ہو لہذا مراد سنت موکدہ کے بعد ہوا لہذا واضح ہوا کہ قرآن کریم اور سنت رسول اکرم ﷺ اور مذہب حنفی یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنت موکدہ ہے ان سنتوں کے بعد

[2273] (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴۰)
[2274] (شامی ج ۱ ص ۴۹۴)

دعامانگی جائے اور سنتوں سے پہلے دعامانگنا خلاف سنت ہے اوراقوال علمائے احناف کے خلاف ہے۔ آخر میں فقہ حنفی کی مستند کتاب نورالایضاح اوراس کی شرح مراقی الفلاح اور حاشیۃ طحطاوی نے دعابعد السنۃ بہیئت اجتماعی کو جس انداز سے ذکر فرمایاہے ملاحظہ ہو۔

ويستحب للإمام بعد سلامه:

1-أن يتحول إلى يساره لتطوع بعد الفرض.

2-وأن يستقبل بعده الناس.

3-ويستغفرون الله ثلاثا.

4-ويقرءون "آية الكرسي" و "المعوذات".

5-ويسبحون الله ثلاثا وثلاثين ويحمدونه كذلك ويكبرونه كذلك.

6-ثم يقولون: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير".

7-ثم يدعون لأنفسهم وللمسلمين رافعي أيديهم ثم يمسحون بها وجوههم في آخره۔[2275]

ترجمہ: امام کیلئے سلام کے بعد درج ذیل سات چیزیں مستحب ہیں:

۱۔ بائیں طرف پھرے سنن کیلئے جو کہ فرض کے بعد ہو۔

۲۔ پھر سنتوں کے بعد قوم کی طرف منہ کرے۔

۳۔ تین بار استغفار شریف پڑھے۔

۴۔ آیت الکرسی اور معوذات پڑھے۔

۵۔ سبحان اللہ ۳۳بار، الحمد للہ ۳۳بار اور اللہ اکبر ۳۴بار پڑھے۔

۶۔ پھر **"لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير"** پڑھے

۷۔ پھر اپنے لئے دعامانگے اور مسلمانوں کیلئے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے ہو اور آخر میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرے۔"

نورالایضاح کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام اور قوم سنتوں کے بعد دعامانگے اور یہ دعامانگنا مستحب ہے۔ اب سنتوں کے بعد دعا کو بدعت کہنا بدعت ہے۔ مراقی الفلاح میں بھی یہی لکھا ہے۔ **ويدعون لأنفسهم وللمسلمين۔** "اپنے لئے دعامانگے اور مسلمانوں کیلئے۔"

سنن موکدہ کے بعد بہیئت اجتماعی دعا مذہب حنفی کے مستند فتاویٰ جات سے ثابت ہوا اور طریقہ بھی بتایا کہ سنن کے بعد امام قوم کی طرف منہ کرے اور استغفار تین مرتبہ وغیرہ کے بعد امام اور قوم مل کر اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کیلئے ہاتھ اونچا کر کے دعامانگے اور آخر میں ہاتھ منہ پر پھیر دے۔ مولوی اشرف علی تھانوی امداد الفتاویٰ میں تحریر کرتے ہیں۔

فتحصل من هذا كله ان الدعاء دبر الصلوات مسنون ومشروع فی المذاهب الاربعة لم ينكره الا ناعق مجنون قدضل فی سبيل هواه ووسوس له الشيطان فاغواه۔[2276] **والله تعالیٰ اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب۔**

[2275] (نور الإيضاح ونجاة الأرواح في الفقه الحنفي ص ۶۷ فصل، الأذكار الواردة بعد الفرض)

[2276] (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۷۱)

راقم الحروف۔سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ؟

۲۔ کیا تکرار دعا بھی مستحب ہے یا نہ؟

۳۔ اس سے انکار کرنے والوں کیلئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید اظہار الحق شاہ ترمذی حنفی سیفی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔ حمدلک اللھم یا عظیم صل علی نبیک الکریم و آلہ و صحبہ اولی التکریم۔

۱۔ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی جائز بلکہ مستحب ہے۔

۲۔ تکرار دعا بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔

۳۔ دعا سے روکنا بے دینوں کا کام ہے۔

دعا کرنا بعد از فراغتِ عبادت، ارشاد خداوندی ہے۔ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ الاٰیۃ۔ میرے محبوب! جب تم نماز سے فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا میں کوشش کرو۔"

تفسیر ابن جریر، خازن، جلالین وغیرہ آیت مقدسہ سے معلوم ہوا کہ نیک عمل کے بعد دعا مانگنا چاہیئے تو نماز بھی نیک عمل ہے فراغت کے بعد دعا کرنا چاہیئے۔

۲۔ سیدنا ابراہیم وسیدنا اسماعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد دعا کی۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرۃ ۱۲۷)

۳۔ حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ان بعد الصلوۃ دعاء۔[2277]

اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک باب باندھا الدعاء بعد الصلوۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فراغت نماز کے بعد دعا کرنا چاہیئے نماز فرض وسنت کے درمیان تو دعا نہیں بلکہ ایک ثناء ہے اللھم انت السلام الخ۔ اس سے زیادہ دعا اوراد مکروہ ہے دعا اوراد بعد فراغت صلوۃ کرنا چاہیئے فرض سنت کے درمیان دعا اوراد مکروہ ہے۔[2278] نماز کسوف خسوف جو کہ سنت ہیں وہاں اجتماعی دعا ہے تراویح بھی سنت ہیں ،تراویح کے بعد بھی تو دعا اجتماعی ہوتی ہے جو کہ خلفاء راشدین سے ثابت ہے۔

۲۔ تکرار دعا بھی جائز بلکہ مستحسن ہے بخاری شریف باب تکرار دعا ج ۲ ص ۹۶۵ حصن حصین شریف باب آداب الدعاء وان یکرر الدعاء واقلہ التثلیث۔ تین بار دعا سے روکنا بے دینوں کا کام ہے جو نیک عمل سے روکے وہ بھی مناع الخیر میں داخل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (الفرقان ۷۷) تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو تو تم نے تو جھٹلایا تو اب ہو گا وہ عذاب کہ لپٹ رہے گا۔" آیت مقدسہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والوں کو بخشیں گے اور دعا کو بدعت کہنے والوں اور نہ کرنے والوں کو عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہو گا۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (غافر ۶۰) میرے حبیب! اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا بیشک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھنچتے ہیں عنقریب جہنّم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔" آیت مقدسہ میں مومنوں کو دعا مانگنے کا اور دعا کو قبول کرنے کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور دعا سے روکنے والوں کیلئے سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (غافر ۶۰) فرمایا گیا جو لوگ دعا کرنے سے روکتے ہیں وہ خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچ لیں۔ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (۱۰۸) إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (۱۰۹) فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا (المومنون ۱۱۰) رب فرمائے گا دُتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو بیشک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے تو تم نے انہیں ٹھٹھا بنالیا۔" جو لوگ دعا سے روکتے ہیں وہ اس آیت کریمہ کو بار بار پڑھ کر سوچ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے دعا سے روکنے والوں کو جہنمی فرمایا۔ نیز آقا و مولیٰ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ لَا يَدْعُو اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ» جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتا ہے۔" جو خود دعا نہ کرے اس پر تو قہر خداوندی نازل ہو گا جو دعا کرنے سے روکے ان کا انجام کیا ہو گا۔ ھذا القدر کاف من لہ طبع۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[2277] (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۳۷)

[2278] (شامی شریف ج ۱ ص ۴۷۷، مراقی ص ۱۷۰، فتاویٰ برہنہ وغیرہ)

راقم الحروف۔سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید سیف الحق شاہ ترمذی حنفی سیفی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔ حمدلک اللھم یاعظیم صل علی نبیک الکریم وآلہ وصحبہ اولی التکریم۔

ان مطلق الدعاء فرض من القرآن والاحادیث۔

دلیل ۱۔ اُدۡعُونِي أَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ۔ (الغافر ۶۰) مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔"

دلیل ۲: اُدۡعُوا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَخُفۡيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِينَ (الاعراف ۵۵) اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اُسے پسند نہیں۔"

دلیل ۳: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلۡيَسۡتَجِيبُوا لِي وَلۡيُؤۡمِنُوا بِي لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُونَ (البقرۃ ۱۸۶) "اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو انہیں چاہئے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔"

دلیل ۴: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيۡنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (الحجرات ۱)

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔"

حضرت سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ امام سے پہلے دعا کرنا جائز نہیں۔

دلیل ۵: وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِالدُّعَاءِ»[2279]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک دعا نفع دیتی ہے اس بلا و مصیبت سے جو نازل ہو چکی ہے اور اس سے جو ابھی نازل نہیں ہوئی پس اے بندگان خدا تمہارے ذمہ ہر حال میں دعا کرنا ضروری ہے۔[2280]

فائدہ: اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ دعا ہر وقت کرنا چاہیئے کیونکہ حدیث میں عام حکم ہوا ہے نہ کہ خاص۔

دوسرا یہ کہ حدیث میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو کہ لفظ **فعلیکم** ہے۔ تو تم یہ کہاں سے ثابت کرتے ہو کہ سنت پڑھنے کے بعد دعا نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دعا ہر وقت جائز اور احسن ہے۔

دلیل ٦: عن عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «سَلُوا اللهَ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ، وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا، فَإِذَا فَرَغْتُمْ، فَامْسَحُوا بِهَا وُجُوهَكُمْ»

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حاجت مانگو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے اور مت مانگو ہتھیلیوں کی پشت سے جب تم فارغ ہو جاؤ تو مسح کر ڈالو ہتھیلیوں سے اپنے چہروں کو۔"

فائدہ: اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ دعا جمع کے ساتھ ضروری ہے کیونکہ **والإجابة في الجمع أرجى**۔ یعنی جمع کے ساتھ دعا کرنے میں قبولیت کی امید ہے۔[2281]

دلیل ۷: روی انه کان للحسن بصری رحمه الله تعالیٰ جاریحتطب علی ظهره فکان اذاسلم الامام خرج سریعافقال له الحسن یو مایاهذالم تجلس ساعة ان لم تکن لک حاجة فی الآخرة افلاحاجة لک فی الدنیا۔ قف بعد الصلاة وادعو الله واسئله۔

[2279] (تفسیر ابن کثیر و حقانی)

[2280] (ترمذی ج۵ ص۵۵۲)

[2281] (ہدایہ ج۱ ص۱۲۴)

ترجمہ: روایت کی گئی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک پڑوسی لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ پر لایا کرتا تھا پس جب کہ امام سلام پھیرتا تو یہ آدمی فوراً نکل جاتا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرمایا کہ اے آدمی کیا تم نہیں بیٹھتے کچھ وقت اگر تمہیں آخرت کی کوئی حاجت نہیں تو دنیا حاصل کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ٹھہر جا نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ۔[2282]

فائدة: اس روایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوا کہ دعا کیلئے بیٹھنا چاہیے اس لئے تو اپنے پڑوسی کو ڈانٹا اور متنبہ کیا کہ آئندہ ایسی حرکت سے باز آجا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِينَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔

اس طرح دوسری حدیث میں عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارش مانگنے کیلئے لوگوں کے ساتھ عید گاہ کو نماز پڑھنے کیلئے نکلے دو رکعت نفل نماز پڑھائی اور اس میں جہر کیا (یعنی قرأت بلند آواز سے پڑھی) پھر دعا کی (اس حال میں رسول اللہ ﷺ) کے ہاتھ مبارک اٹھے ہوئے تھے اور اپنی رداء مبارک کو پھیرا (اس حال میں) کہ آپ ﷺ کا چہرہ قبلہ شریف کی طرف تھا۔[2283]

اور صاحب تسہیل المشکواۃ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ **فثبت بهذا الحديث الدعاء بالجمع مع النبي** ﷺ۔ (تسہیل المشکوۃ ص ۱۲۰)

اس حدیث شریف سے دعا جماعت کے ساتھ حضور ﷺ سے ثابت ہوئی۔

دلیل ۸: تفسیر مدارک شریف میں ہے کہ جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ جہاد سے لابدی ہے تو وہ جماعت کے ساتھ دعا کرتے **يدعون الله يقولون اى ربنا انصرنا الخ**۔[2284]

یہاں بھی **يدعون، يقولون** جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔

دلیل ۹: والدعاء بالجمع مستحبة۔ اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔[2285]

[2282] (شرح شرعۃ الاسلام ص ۱۱۲)

[2283] (مشکاۃ شریف ص ۱۲۳)

[2284] (مدارک ص ۹۶ ج ۲)

[2285] (السعایا)

دلیل ۱۰: عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الحُيَّضَ يَوْمَ العِيدَيْنِ، وَذَوَاتِ الخُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ المُسْلِمِينَ، وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَا رَسُولَ اللهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ: «لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔

ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم (عورتوں کو) رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا (یہ کہ عیدین کے دن حیض والی عورتیں اور پردہ دار خواتین (عید گاہوں کی جانب) نکلیں اور مسلمانوں کے اجتماع اور دعاؤں میں حاضر ہوں (البتہ) حیض والی عورتیں نماز نہ پڑھیں، ایک خاتون نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے (ایسی غریب خواتین بھی ہیں) جن کے پاس بالاپوش نہیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (کوئی حرج نہیں جن خواتین کے پاس بالاپوش نہ ہو تو) اس کے ساتھ والی اپنے بالاپوش سے اسے ڈھانپ لے۔"

وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور پر نور ﷺ کا خواتین کو حکم دینا کہ (اگر نماز نہیں پڑھ سکتیں بوجہ عذر ماہواری کے تو کوئی حرج نہیں مگر) وہ ان دعاؤں میں شریک ہو جائیں جو دعائیں رسول اکرم ﷺ وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بہیئت اجتماعیہ مانگتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کرتے تھے حتی کہ مسلمان خواتین بھی ان دعاؤں میں شریک ہوتی تھیں۔

دلیل ۱۱: لا ريبَ أن الأدعيةَ دُبُر الصلوات قد تواترت تواترًا لا يُنْكَرُ۔ ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ نمازوں کے بعد دعائیں (حضور پر نور ﷺ کے زمانۂ مبارکہ سے لے کر آج تک اس) تواتر سے کی جارہی ہیں کہ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔[2286]

سنن نماز کے بعد دعا کو علمائے خراسان نے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

تسہیل الترمذی میں مولانا عبد الہادی دیوبندی شاہ منصوری کہتے ہیں **وافتیٰ علماء خراسان ولواحقه باستحبابها۔** یعنی علمائے خراسان اور خراسان کے ساتھ والوں نے دعا بعد سنن بہیئت اجتماعی کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔[2287]

كل صلاة بعدها سنة يكره القعود بعدها والدعاء بل يشتغل بالسنة كيلا يفصل بين السنة والمكتوبة۔[2288]

ترجمہ: جو نماز جس کے بعد سنت ہے تو نمازی کیلئے بیٹھنا مکروہ ہے بلکہ فوراً سنت پڑھنے کیلئے مشغول ہو تاکہ سنت و فرض میں اتصال رہے۔

[2286] (فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۲۵)

[2287] (تسہیل الترمذی ص ۳۱۵)

[2288] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح ج ۱ ص ۱۱۸)

فائدہ:اس سے معلوم ہوا کہ سنن تابع فراض ہے اور ذکر اور دعا سے فصل لازم آجائے گا۔لہذا سنت کے بعد دعا کا کرنا بدعت نہیں بلکہ ضروری ہے۔

دلیل ۱۲ :والمختار عند الحنفیۃ ان یشتغل بعد اداء المکتوبۃ بالسنۃ ویکرہ ان یشتغل بالدعاء والتسبیح۔[2289]

ترجمہ:مختار عند الحنفیۃ یہ ہے کہ ادائے فرائض کے بعد مصلی سنت پڑھے اور مکروہ ہے کہ مصلی فرائض کے بعد دعا اور تسبیح سے مشغول ہو جائے۔

فائدہ:یہ دلیل متمم ہے بارہ دلیل کیلئے قریب قریب دونوں دلائل سے ثابت ہوا کہ سنت موکدہ فرائض کے مکمل اور تابع اور الفرائض ہے لہذا سنت کے بعد دعا کا بدعت ہونا جیسا کہ عقائد پنجپیری میں ہے لغو اور بیہودہ کلام ہے۔لہذا سنتوں کے بعد دعا بہیئت اجتماعیہ مستحب ہے۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ ﷺ اعلم۔

ھذا القدر کاف من لہ طبع۔واللہ اعلم بالصواب۔

راقم الحروف۔سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی،اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔
حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ؟اور تکرار دعا جائز ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔

[2289] (عقائد السنیۃ بحث الدعاء والقسطلانی ج ۲ ص ۴۳۶)

المستفتی: گلاب خان سیفی صاحب۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب هو الموفق للصواب۔

سنتوں کے بعد دعا جو تمام شہروں میں زمانۂ قدیم سے آج تک معمول و جاری و ساری ہے جو قرآن مجید، احادیثِ مبارکہ اور کتبِ فقہ سے ثابت ہے۔

فاما الدلیل من کتاب اللہ تعالیٰ (قرآن کی دلیل یہ ہے کہ فرمان الٰہی ہے):

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (۷) {فَإِذَا فَرَغْت} مِنْ الصَّلَاة {فَانْصَبْ} اِتْعَبْ فِي الدعاء۔

ترجمہ: جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعاء میں خوب کوشش کریں۔

فرمانِ الٰہی ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔[2290]

ترجمہ: آپ کے رب نے فرمایا کہ مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

فرمان الٰہی ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرة ۱۸۶)

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو آپ فرمادیں کہ میں قریب ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے مانگنا چاہے، کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں یقیناً وہ ہدایت پالیں گے۔ (بقرہ: ۱۸۵)

فکلمة اذا لعموم الزمان و شموله فدخل فيه الادعية المعمولة بعد السنة ايضاً۔ (اس آیت میں اذا کا کلمہ عموم زمانہ کے لئے ہے تو اس میں وہ دعا بھی شامل ہے جو سنتوں کے بعد کی جاتی ہے)۔

اور فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (77)

[2290] (سورۃ غافر ۶۰)

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ میرا رب تم لوگوں کا کچھ پرواہ نہیں کرتا اگر تم لوگ دعاء نہیں کروگے۔

هذا زجر في ترک الدعاء و توبيخ و مثل ذٰلک کثير من الايات۔

اس آیت میں زجر و تنبیہ ہے دعا نہ کرنے پر۔ اور اس طرح کی آیتیں بہت ہیں۔

والاحاديث عن أبي أمامة الباهلي: قِيلَ يا رسولَ اللهِ: أيُّ الدعاءِ أسمَعُ قال جَوفَ الليلِ الآخِرِ و دُبُرَ الصلواتِ المكتوباتِ۔ (رہی احادیث تو): (۱) حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ہے کہ **قیل یا رسول اللہ ﷺ** (آپ ﷺ سے پوچھا گیا): **ای الدعاء اسمع** (یا رسول اللہ ﷺ کون سی دعاء جلدی قبول ہوتی ہے)؟ **قال جوف الليل الاخر** (آپ ﷺ نے فرمایا: رات کے آخری حصے میں کی گئی دعاء) **و دبر الصلوٰت المكتوبات** (اور فرض نماز کے بعد کی گئی دعاء)۔[2291]

(۲) عن فضالة بن عبيد: بَينا رسولُ اللهِ ﷺ قاعدٌ إذ دخلَ رجلٌ فصلّى فقالَ: اللّٰهمَّ اغفِر لي وارحَمني، فقالَ رسولُ اللهِ ﷺ: عَجِلتَ أيُّها المصلِّي، إذا صلَّيتَ فقعَدتَ فاحمَدِ اللهَ بما هوَ أهْلُهُ، وصلِّ عليَّ ثمَّ ادعُهُ۔[2292]

فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے جلدی کی: اے نمازی تم نے جلدی کیوں کی؟ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو، جیسا کہ وہ اس کا اہل و مستحق ہے، پھر مجھ پر درود پڑھو پھر اس کے بعد دعاء کرو۔

فهذا امر من الشارع بعد الصلوة (تو یہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے نماز کے بعد دعاء کرنے کا حکم ہے)۔

(۳) و قال في البخاری جلد ۲ ص ۹۳۷، باب الدعاء بعد الصلوة قال في حاشيه نمبر ۱ ايک المكتوبة، و في هذه الترجمة رد على ذعم ان الدعاء بعد الصلوة لا يشرع۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۷ پر باب باندھا "نماز کے بعد دعاء کرنا"۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ فرض نماز کے بعد اور اس باب میں رد ہے ان لوگوں کا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ نماز کے بعد دعاء جائز و مشروع نہیں۔

[2291] (مشكوة باب الذكر، باب الصلوة ص ۸۸، كذا ۸۲) الترمذي (۲۷۹هـ)، سنن الترمذي ۳٤۹۹ • حسن • أخرجه الترمذي (۳٤۹۹)، والنسائي في «السنن الكبرى» (۹۹۳٦) • المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ۲/۳۹٦] • إسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما • [محمد المناوي (۸۰۳هـ)، تخريج أحاديث المصابيح ۳۹۱ • ابن حجر العسقلاني (۸٥۲هـ)، تخريج مشكاة المصابيح ۲/٤۷ • ابن حجر العسقلاني (۸٥۲هـ)، الفتوحات الربانية ۳/۲۷ •

[2292] الترمذي (۲۷۹هـ)، سنن الترمذي ۳٤۷٦ • حسن • أخرجه أبو داود (۱٤۸۱)، والترمذي (۳٤۷٦) واللفظ له، والنسائي (۱۲۸٤)، وأحمد (۲۳۹۸۲) • المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ۲/۳۹٥ •] إسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما • [ابن حجر العسقلاني (۸٥۲هـ)، تخريج مشكاة المصابيح ۱/٤۱۸] • حسن كما قال في المقدمة • [السخاوي (۹۰۲هـ)، القول البديع ۲٥۸ • رجاله ثقات لكن فيهم رشدين بن سعد، وحديثه مقبول في الرقائق • الهيثمي (۸۰۷هـ)، مجمع الزوائد ۱۰/۱٥۸ •

(۴) واما تکریرہ قال فی البخاری جلد ۴ ص ۹۴۵، قال فی حاشیۃ الباب ان فی تکرارہ اظہار لموضع الفقر والحاجۃ الی الہ عز وجل۔ ولتذلل والخضوع لہ۔

رہی بات بار بار دعاء کرنے کی تو امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴۵ پر باب باندھا، اس کے حاشیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بار بار دعاء کرنے سے اپنی حاجت و فقر کا اظہار کرنا ہے، اور اپنی عاجزی و انکساری کو ظاہر کرنا ہے۔

(۵) فقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث۔ عن عبداللہ بن مسعود کان یُعجبُہ أن یدعوَ ثلاثًا و یستغفرَ ثلاثًا۔[2293]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ روایت فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو تین بار دعاء کرنا اور تین بار استغفار کرنا پسند تھا۔

(۶) واخرجہ ابن حبان و معنی التکرار ان یفعل فعلۃ ثم بعد فراغۃ یعود الیہ۔[2294]

ابن حبان رحمہ اللہ نے روایت کی کہ تکرار کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ کوئی کام کرنے کے بعد دوبارہ وہی کام کرے۔

(۷) قَالَ: یَارَبِّ فَإِنَّا نَکُونُ عَلَی حَالَۃٍ نَجِلُّکَ أَنْ نَذْکُرَکَ عَلَیْھَا مِنْ جَنَابَۃٍ وَغَائِطٍ، قَالَ: یَامُوسَی اذْکُرْنِي عَلَی کُلِّ حَالٍ۔[2295]

موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا اللہ اے میرے رب! ہم کبھی ایسے حالات میں ہوتے ہیں کہ اس وقت ہم پر حالتِ جنابت یا قضاء حاجت طاری رہتی ہے تو ہم تیرا ذکر نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسی! مجھے ہر حال میں یاد کرو۔

(۸) وقال فی ص ۲۰۲ وَعَلَی ھَذَا جَرَتِ السُّنَّۃُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الصَّلَاۃِ بِالدَّعَوَاتِ الْکَثِیرَۃِ فَمَنْ أَبْطَلَ الدُّعَاءَ فَقَدْ أَنْکَرَ الْقُرْآنَ۔[2296]

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعائیں مانگنے پر سنت جاری ہے، پس جس نے دعاء کو باطل (ناجائز) قرار دیا اس نے قرآن کا انکار کیا۔

[2293] أبو داود (۲۷۵ھ)، سنن أبي داود ۱۵۲٤ •الوادعي (۱٤۲۲ھ)، الصحیح المسند ۸۸۲ •صحیح، رجالہ رجال الصحیح۔شعیب الأرنؤوط (۱٤۳۸ھ)، تخریج سنن أبي داود ۱۵۲٤ •إسنادہ صحیح۔ابن حبان (۳۵٤ھ)، صحیح ابن حبان ۹۲۳ •أخرجہ في صحیحہ۔أحمد شاکر (۱۳۷۷ھ)، مسند أحمد ۵/۲۹۰ •إسنادہ صحیح۔السیوطي (۹۱۱ھ)، الجامع الصغیر ۷۰۷۸ •حسن۔

[2294] (فصول الشاشی ص ۲۰۸، ۱۵۰، کذا مولوی شرح حسامی ص ۱۰۷، وکذا تلویح ص ۳۴۵)

[2295] (تفسیر کبیر ص ۱۰۳، ج۵)

[2296] (تفسیر کبیر، ص ۱۰۹، ج۵)

(۹) واما الاجتماع الدعاء فقال فی تفسیر الکبیر الجذء السابع انه تعالیٰ حَکَی عَنِ الْمُؤْمِنِینَ هَذِهِ الْأَدْعِیَةَ بِصِیغَةِ الْجَمْعِ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَا تُؤاخِذْنا إِنْ نَسِینا أَوْ أَخْطَأْنا ... وَ لا تَحْمِلْ عَلَیْنا إِصْراً کَما حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِینَ مِنْ قَبْلِنا ... وَ لا تُحَمِّلْنا مَا لَا طاقَةَ لَنا بِهِ۔ فَمَا الْفَائِدَةُ فِي هَذِهِ الْجَمْعِیَّةِ وَقْتَ الدُّعَاءِ؟ وَ الْجَوَابُ: الْمَقْصُودُ مِنْهُ بَیَانُ أَنَّ قَبُولَ الدُّعَاءِ عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ أَکْمَلُ۔[2297]

رہی بات اجتماعی طور پر دعاء کرنے کی تو تفسیرِ کبیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی اجتماعی طور پر دعاء کرنے کی حکایت کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا کہ مؤمن (اجتماعی طور پر) کہتے ہیں کہ یا اللہ اگر ہم بھول جائیں تو ہماری گرفت نہ فرمایا ہم سے خطاء و غلطی ہو جائے تو بھی ہماری گرفت نہ فرمانا۔

دعاء کے وقت اجتماعیت کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اجتماعی دعاء سے قبولیت مقصود ہوتی ہے، جو اکمل ہے۔

(۱۰) تفسیرِ بیضاوی کے حاشیہ پر شیخ زادہ لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعاء کی برکت سے یہ امید قوی ہے کہ عبادت قبول ہو جائے اور تمام لوگوں کی دعاء قبول ہو جائے کیونکہ تمام لوگوں کی دعاء رد ہونا بعید ہے کیونکہ ان میں سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی عبادت اور دعاء رد نہیں کی جاتی۔ اور اجتماعیت میں بعض کی دعاء کو قبول کرنا اور بعض کی دعاء کو رد کرنا اللہ تعالیٰ کریم و رحیم کی شان کے لائق نہیں۔

(۱۱) ہدایہ کتاب الحج میں ہے: اجتماعی دعاء میں قبولیت کی امید زیادہ ہے۔

(۱۲) طحطاوی میں ہے: مستحب ہے امام کے لئے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد اپنے بائیں طرف ہو کر سنن و نوافل ادا کرے اور پھر سنتوں کی ادائیگی کے بعد مستحب ہے کہ وہ لوگوں کی طرف چہرہ کرے اور تمام لوگ (اجتماعی طور پر) اپنے ہاتھ اٹھائیں اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کریں اور آخر میں اپنے چہروں پر ہاتھ پھیر لیں، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اور یہ کہ دعاء تین بار مانگیں۔

(۱۳) ہدایہ میں ہے: عموم و تعمیم کی ضرورت میں سے بار بار دعا کرنا ہے۔

(۱۴) سنن کی ادائیگی دعاء سے پہلے ہو گی، بخاری میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جگہ سنتیں پڑھتے تھے جہاں وہ فرض پڑھتے تھے۔ اسی طرح قاسم بن محمد بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کرتے تھے۔ یعنی یہ دونوں فرض پڑھتے تھے پھر اپنی اسی جگہ سنتیں بھی پڑھتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام اپنے فرائض کی جگہ پر سنت ادا کر سکتے ہیں۔

[2297] (تفسیر کبیر ص ۱۴۰ ج ۷)

(۱۵) توضیح میں ہے: جب امام ارادہ کرے کہ وہ محراب میں نفل اور سنتیں پڑھے اور لوگوں کی طرف منہ کرکے ذکر اور دعاء کرے تو جائز ہے کہ وہ جیسے بھی نفل ادا کرے۔

فان قیل: اگر کوئی اعتراض کرے کہ شارع علیہ السلام سے جتنی روایتیں دعاء کے بارے میں منقول ہیں وہ فرض نماز کے بعد دعاء کرنے کے بارے میں ہیں نہ کہ سنت ادا کرنے کے بعد۔

قلنا: ہم جواب دیں گے کہ سنت فرائض کے لواحق اور توابع میں سے ہے اور فرض کو مکمل کرنے والے ہیں نہ کہ فرائض کے ساتھ معارض اور اجنبی ہے۔ تو جو عمل سنت کے بعد ہو گا وہ فرائض کے بعد ہی ہو گا۔[2298]

(۱۶) طحطاوی میں ہے کہ ہر وہ نماز کہ جس کے بعد سنتیں ہوں تو اس کے بعد بیٹھنا اور دعاء کرنا مکروہ ہے اور وہ روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے تو فرض کے ساتھ اتصال کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ یہ دعائیں سنت کے بعد ہوں گی۔

ھذاالقدر کاف من لہ طبع۔ واللہ اعلم بالصواب۔

راقم الحروف۔ سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

[2298] (شامی، ص ۳۵، جلد اول)

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید ضیاء الحق شاہ عرف بادشاہ صاحب۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔

سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ مطلق اجتماعی دعا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: **کقولہ تعالٰی: وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ط الآیۃ** (سورۃ مومن، پ ۲۴، آیت ۶۰) اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ آیت کریمہ میں غور کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرنے کا امر فرمایا ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں **ادعوا** اور دو مقام پر کم ضمیر جمع کا ذکر فرمایا ہے۔ اور کبیری ص ۳۸۹، شامی ۳۵۶، مراقی الفلاح ص ۱۸۷، اور فتح القدیر میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ سنت فرض کے مکمل تابع اور لواحق ہیں نہ کہ اس کا غیر اور اجنبی تو دعا بعد السنن جائز ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ الاٰیۃ**۔ جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش کرو۔ (الانشراح، پ ۳۰، آیت ۷)

حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی تفصیل میں فرمایا: **فاذا فرغت من الصلوۃ فاجتھد فی الدعاء۔**[2299]

یہ آیت مطلق ہے جو دعا بعد السنن کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **اِنَّہٗ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡ عِبَادِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَ ارۡحَمۡنَا وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ** (پ ۱۸، المومنون، آیت ۱۰۹) بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ (کنز الایمان) اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ گرامر کے لحاظ سے تمام صیغے اور خطاب جمع کے ہیں۔ مثلاً **یقولون** اور چار مقامات پر صیغہ متکلم مع الغیر کا استعمال ہوا ہے، جو اجتماعی دعا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت کریمہ سے بھی اجتماعی دعا کرنے پر دلیل معلوم ہوتی ہے: **کقولہ تعالی: وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِھِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الخ الآیۃ (سورۃ الحشر)**۔ ان تمام آیتوں سے مطلق اجتماعی دعا کرنے کا جواز اور ثبوت معلوم ہوا۔ اب بغیر کسی تقیید کے مطلق دعا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ الاٰیۃ** (البقرۃ پ ۲، آیت ۱۸۶) اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے

[2299] (تفسیر مدارک، خازن ص ۲۲۰، معالم التنزیل)

والے کی جب مجھے پکارے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی بغیر کسی قید زمانی و مکانی کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تو سنتوں کے بعد دعا کرنا بھی مطلق دعا کا ایک فرد ہے تو اس کا جواز بھی معلوم ہوا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے جو دعا نہیں کرتے: **قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ الخ الاٰية** (الفرقان پ ۱۹، آیت ۷۷) تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے پاس اگر تم اسے نہ پکارو یعنی دعا نہ کرو۔ علماء دیوبند کے استاذ العلماء حضرت مولانا شیخ القرآن عبد الہادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوٰۃ میں ص ۱۳۴ پر فرماتے ہیں: **فاعلموا ایها الاخوان الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب عند العلماء**۔ دوسری جگہ فرمایا ہے: **فمن قال ان الدعاء بعد السنة بدعة فهو ضال مضل اجتنبه ص ۱۵**۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب مبارک فرماتے ہیں: **ان الدعاء بعد السنن و النوافل مستحب صرح به فقهائنا و من انكره فهو ضال مضل**۔[2300]

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ "**لا يجتمع قوم فيدعوا بعضهم ويؤمن بعضهم الا اجابهم الله**"[2301] جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض کہیں آمین تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا ہے: **اجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الجماعة في المسجد**۔[2302] متقدمین و متأخرین علماء نے اس پر اجماع فرمایا ہے کہ مسجد میں اجتماعی ذکر کرنا مستحب ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس طرح کوئی دلیل پیش کریں کہ "**اجمع العلماء سلفا و خلفا على عدم استحباب ذكر الجماعة في المسجد**" نور الایضاح اور مراقی الفلاح جو مذہب حنفی کی معتبر کتب ہیں، میں ہے "**ويستحب ان يستقبل بعده اى بعد التطوع وعقب الفرض ان لم تكن بعده نافلة الناس ثم يدعون لانفسهم وللمسلمين بالادعية الماثورة الجامعة رافعي ايديهم حذاء الصدر وبطونهما مما يلي الوجه بخشوع وسكون ثم يختمون بقوله تعالٰى سبحان ربك رب العزة عما يصفون الاٰية ثم يمسحون بها اى بايديهم وجوههم في أخره واقره الطحطاوى**" مستحب یہ ہے کہ امام سنتوں کے بعد یا اس فرض کے بعد جس کے بعد سنت نہ ہوں لوگوں کی طرف منہ کرے اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے ایسی دعا کے ساتھ جو جامع اور مسنون ہو اور اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر اونچا کرے اور ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں اور سکون وعاجزی کے ساتھ دعا کرے پھر آیت کریمہ **سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ الخ** کے ساتھ دعا کو ختم کرے اور آخر میں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔ طحطاوی نے اس مسئلے کی تقریر فرمائی ہے۔ احناف کی ان تینوں کتابوں سے دعا بعد السنن ثابت ہوئی جو مستحب ہے۔ استاذ المحدثین ولی کامل مولانا نصیر الدین غورغشتوی دیوبندی کا فتویٰ "**دعا بعد السنن بهيئة اجتماعية**" ارشادات نصیری میں موجود ہے۔ دیوبندیوں کے

[2300] (دعا بعد از سنن و نوافل ص ۳۷)

[2301] (کنز العمال ج ۱، ص ۱۷۷)

[2302] (شامی ج ۲، ص ۴۸۸، مطلب فی احکام المسجد)

معتبر اور جید عالم علامہ شمس الحق صاحب شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے معدن السرور فتویٰ بہاولپور ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے جیسے کہ نور الایضاح میں ہے۔ مفتی رشید احمد بن مفتی فرید احمد صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ "**مسئلة التوسل والدعاء**" میں لکھتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا افضل ہے اور اس پر کثیر دلائل ذکر کئے اور پھر لکھا ہے کہ دعا پر دوام کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو مثلاً تہجد پر دوام مستحب ہے پس سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے۔ (ص ۶۱) مولانا عبد الحیٔ لکھنوی نے السعایہ میں لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔[2303] اسی کتاب میں علمائے دیوبند کے بزرگ اور استاذ مولانا عبد الہادی شاہ منصوری لکھتے ہیں: "**الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب**"[2304] **وفی الهداية والسنة فی الادعية تاخيرها عن الصلوة الخ** ۔[2305] یعنی دعا میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد کی جائے۔ دوسری جگہ لکھا ہے "**الاجابة فی الجمع ارجی**"[2306] کہ اجتماعی دعا میں قبولیت کی امید ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "**الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمين**" (خزینۃ الاسرار، ص ۱۴۰) دعا بعد السنن کا جواز واثبات یعنی استحباب مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے، جن میں سے بعض کی عبارات نقل کر دی گئیں اور بعض کے صرف حوالے ذکر کئے جاتے ہیں۔ نور الایضاح، ص ۸۰۔ بحر الرائق، ص ۴۳۔ تفسیر ابن عباس ص ۳۵۵۔ طحطاوی، ص ۱۸۷۔ فتاویٰ نور الہدای، ص ۵۴۔ کبیری، ص ۲۳۱۔ مظہر الحق، ص ۹۔ البصائر، ص ۱۲۱، لمولانا حمد اللہ مردان صوابی۔ تسہیل المشکوٰۃ، ص ۱۵۔ الذخائر، ص ۲۷، لمولانا حافظ کفایت اللہ صوابی۔ **الحجج البينات لمولانا** شائستہ گل علیہ الرحمہ۔ المسائل المنتخبہ، ص ۲۸۔ قاضی حبیب الحق پر مولی مردان۔ تنویر الایمان، ص ۱۶۲، لمفتی سید احمد شاہ اخون کلی سوات المعروف بہ قاضی باباقدس سرہ۔ الرسائل الستہ، ص ۶۷۔ بحر العلوم علامہ عبد المتین علیہ الرحمہ شموزی سوات۔

یہ مذکورہ مسئلہ یعنی دعا بعد السنن تقریباً اون کتابوں میں موجود ہے۔ اگر حوالہ جات دیکھنا چاہتے ہیں تو میرا رسالہ "عقائد المسلمین" کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر تحقیق چاہتے ہیں تو "**اطفاء الفتن فی مسئلة الدعابعدالسنن**" جو میری تصنیف ہے کا مطالعہ کریں۔ **فالحاصل الدعابعدالسنن والنوافل بهيئة الاجتماع مستحب والفاعل ماجور عنداللہ تعالی والمانع محروم عن اللہ تعالی من الاجر العظيم۔**

2303 (بحوالہ تسہیل الترمذی، ص ۳۱۵)

2304 (تسهيل الترمذی)

2305 (هداية كسوف ص ۲۲۵)

2306 (الهداية ج ۲، ص ۱۴۴)

الدعاء فی اللغة حاجت خواستن وفی الاصطلاح ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی علی خضوع وقال الامام الرازی وحقیقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله العنایة واستمداده ایاه المعونة(تفسیر کبیر، ج۵، ص۱۰۶)

قال العلامة غلام محمد الحقانی فاعلم ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی بالخضوع وهذا هو المراد بقولهم الدعاء حاجت خواستن۔(منہاج الحقائق، ص۳)

والدعاء اظهار العبودیة والذلة والانکسار والرجوع الی اللہ تعالی۔(کبیر ص۱۳۶، ج۲)

وفی روح البیان والمقصود من الدعاء انما هو اظهار العبودیة والافتقار الی رحمتک والاستعجال لنیل ایادیک۔(روح البیان ص۴۳، ج۲)

وفی قسطلانی مع ما فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظهار الافتقار الی اللہ تعالی۔(قسطلانی ص۱۵۸، ج۹)

وفی فتح الباری ولما فی ذالک ای فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظهار الافتقار۔(فتح الباری ج۱۱، ص۳۴)

وفی طحطاوی ویکون فی الدعاء بالاستغفار اظهار الافتقار الی اللہ تعالی۔(طحطاوی ص۱۷۳)(تنویر الایمان، ص۱۵۵)

وفی تفسیر الخازن الدعاء هو السوال وهو نوع من نوع العبادة۔(الخازن ج۲، ص۱۰۳)

اللہ تعالی نے دعا کو عبادت فرمایا ہے **کقوله تعالی إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي الخ۔**(سورۃ مومن، پ۲۴، آیت ۶۰)

قال الرازی فمن ابطل الدعاء فقد انکر القرآن۔(تفسیر کبیر ج۵، ص۱۰۹)

قال السدی یستکبرون عن عبادتی ای دعائی(تفسیر ابن جریر، ج۲۴، ص۵۲، نزھۃ المجالس، ج۱، ص۶۷، ابن کثیر، ج۴، ص۸۶)

وقال الصاوی الدعاء فی الاصل السوال والتضرع الی اللہ تعالی فی الحوائج الدنیویة والاخرویة الجلیلة والحقیرة (صاوی) وقوله تعالی عن عبادتی الخ قال علیه السلام الدعاء هو العبادة وقرء هذه الآیة ﷺ (مدارک) وفی تفسیر کبیر اعلم ان لفظ الدعاء یحتمل وجوها کثیرة ان یکون المراد من الدعاء العبادة قال علیه السلام الدعاء هو العبادة ومما یدل علیه قوله تعالی وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون الخ۔(کبیر، ج۲، ص۱۳۷)

مولوی محمد حسین صدیقی دیوبندی استاذ جامعہ بنوریہ لکھتے ہیں مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ترجمہ میں کہ "جو لوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر اور بڑائی کرتے ہیں الخ(روضۃ الطالبین ص۳۳) *احادیث نبوی پر نظر کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دعا کو عین عبادت فرمایا ہے۔"* **کقوله علیه السلام: عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الدعاء هو العبادة"**

(تفسیر خازن، ج۴، ص۵۶) ترمذی، تفسیر قرطبی، ج۱۵، ص۳۲۶، ابو داؤد، ج۱، ص۲۰۸، تفسیر ابن جریر، ج۲۴، ص۵۱، ابن کثیر، ج۴، ص۸۵، مشکوۃ، ج۱، ص۲۱۱، کتاب الدعوۃ)

قال القرطبی فدل هذا ان الدعاء هو العبادة۔(قرطبی، ج۱۵، ص۳۲۶)

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الدعاء مخ العبادۃ۔

(ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۵، مشکوۃ، ج ۱، ص ۲۱۱، البصائر، ص ۱۲۲، روضۃ الطالبین مع زاد الطالبین، ص ۳۳، نفائس مطلوبہ، ص ۱۴)

وقال الرازی لاجرم کان الدعاء اعظم انواع العبادۃ۔ (کبیر، ج ۴، ص ۲۳۶) (نفائس مطلوبہ لمولانا محمد روشن)

ملا علی قاری فرماتے ہیں: **فان السنۃ تابعۃ للفرض و مکملۃ لھا وقت العرض۔** (مرقات، ج ۲، ص ۱۱۹، طبع ملتان)

قال عبد الرحمن جزائری ان السنن من لواحق الفرائض فلیست باجنبیۃ عنھا۔ (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ج ۱، ص ۳۳۰)

ان مذکورہ اقوال کا استدلال اور ماخذ یہ حدیث ہے: **عن تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلوۃ فان کان اکملھا کتبت لہ کاملۃ وان لم یکن اکملھا قال للملائکۃ انظروا ھل تجدون لعبدی من تطوع فاکملوا بھا ما ضیع من فریضۃ ثم الزکوۃ ثم توخذ الاعمال بحسب ذالک۔** (مسند احمد، ج ۴، ص ۱۰۳، مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۱۱، ص ۴۱)

وفی رد المحتار ان السنن من لواحق الفریضۃ وتوابعھا ومکملاتھا فلم تکن اجنبیۃ عنھا فما یفعل بعدھا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ۔ (رد المحتار، ص ۳۹۱) وایضا فی الکبیری، ص ۳۵۵)

وھذا ھو السند علی کون الدعاء عبادۃ وھذا النص مطلق من ان یکون بعد الصلوۃ او لا وان یکون بالانفراد او الاجتماع فان المطلق یجری علی اطلاقہ فی الصفات ویراد منہ الفرد الکامل فی الذوات فحصل التوفیق بین الاصلین۔

(البصائر، ص ۱۲۲ لمولانا حمد اللہ دیوبندی مظاھری)

فان قیل! قال ابن عباس رضی اللہ عنھما فی تفسیرہ فاذا فرغت فانصب من الصلوۃ المکتوبۃ لا من الصلوۃ المطلقۃ قلنا قال ابن عباس فی تفسیرہ بصیغۃ الاطلاق ای قال ابن عباس وقتادۃ فاذا فرغت من صلوتک۔

(تفسیر قرطبی، ج ۲۰، ص ۱۰۸، در منثور، ج ۶، ص ۳۶۵، مظھری، ج ۱۰، ص ۲۹۴، ابن جریر، ج ۳۰، ص ۱۵۱، روح المعانی، ج ۳۰، ص ۱۹۸، بیضاوی، ج ۲، ص ۵۶۵، جلالین، ص ۵۶۵، مدارک، ص ۳۹۰)

اگر لفظ فرغت پر نظر فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ فراغت اس کو کہتے ہیں کہ جب تمام کام کو پورا کر لیا جائے۔ لغت کی کتابیں اس پر دال ہیں۔ مثلاً صراح میں فراغ کا معنی پرداختن از کاری، صراح ص ۳۸۸، فرہنگ۔ فراغ، فارغ شدن، کاری را تمام کردن وازاں آسودہ شدن، ج ۲، ص ۱۵۲۱، فیروز اللغات۔ فرصت، آرام، اطمینان ص ۴۶۳، منجد کام پورا کر کے خالی ہونا، تمام کرنا (ص ۷۴۲) ان معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب فرض اور سنت سے فراغت حاصل ہو یعنی ان سب کو پڑھ لے۔ (مخزن الدلائل ص ۷۷)

مذکورہ دلائل سے نفس دعاء اجتماعی دعا اور اس بات پر ثبوت پیش کیا گیا کہ سنن فرائض کے مکملات اور تابع ہیں۔ اب حدیث شریف سے سنت و نفل کے بعد عا کرنے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے سنت و نفل کے بعد اجتماعی دعا فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض بے علم اور بعض منکرین مع العلم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے سنت کے

بعد اجتماعی دعا نہیں کی لیکن یہ معاندین علم سمیت اس طرف خیال نہیں کرتے کہ ادلہ شرعیہ جو چار ہیں، جس میں سے پہلا قرآن (کتاب اللہ) ہے پھر سنت نبوی، اجماع اور قیاس ہیں اور اسی ترتیب سے کسی مسئلے کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا **کما لا یخفی علی من یعلم الخ** تو جب کتاب اللہ میں دعا کرنے پر اور مطلق دعا اور اجتماعی دعا کرنے پر دلائل کی کثرت ہے۔ تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن یہ سب سراسر اپنے مذہب سے لاعلمی یا تعصب وعناد وحسد نے اس مخالفت پر مجبور کیا ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری شیخ الحدیث بنوری ٹاؤن کراچی نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی ہے: **قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بھیئۃ اجماعیۃ رافعین ایدیھم بعد الصلوۃ المکتوبۃ ولم یثبت ذالک فی عھدہ ﷺ ولا اخص بالمواظبۃ۔ نعم ثبتت ادعیۃ کثیرۃ بالتواتر بعد المکتوبۃ ولکنھا من غیر رفع الایدی ومن غیر ھیئۃ اجتماعیۃ۔ نعم ثبت دعاءہ ﷺ یرفع الیدین باجتماع بعد النافلۃ فی واقعتین احدھما واقعۃ بیت ام سلیم حین صلی فیہ السبحۃ ودعا لانس رضی اللہ عنھما۔** (معارف السنن، ج۳، ص ۴۰۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: **ثم ان الدعاء بعد الصلوۃ بھیئۃ اجتماعیۃ برفع الایدی لم یثبت الا بعد النافلۃ فی اللاستسقاء وفی قصۃ الصلوۃ فی بیت ام سلیم۔** (معارف السنن، ج۴، ص ۴۲)

شاہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: **اذا لم نفز بالاذکار فینبغی لنا ان لا نحرم من الادعیۃ ونرفع لھا الایدی لثبوتہ عن عقیب النافلۃ وان لم یثبت بعد المکتوبۃ فاذا ثبت جنسہ لم تکن بدعۃ اصلا۔** (فیض الباری، ج۲، ص ۴۳۱، طبع بیروت، ج۴، ص ۴۱۷، طبع)

وھذا امر مسلم ان الصلوۃ لاستسقاء سنۃ کما فمتی احتاج الناس الی الماء فانہ یسن ان یصلوا صلوۃ الاستسقاء۔

(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ج۱، ص ۶۳۱)

وقال محمد بن الحسن اری ان یصلی الامام فی الاستسقاء۔ (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط، ج۱، ص ۴۴۸)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج یوما رسول اللہ ﷺ یستسقی فصلی بنا رکعتین بلا اذان واقامۃ ثم خطبنا ودعا۔

(ابن ماجہ، ص ۹۱)

مندرجہ بالا حدیث وفقہاء کے قول سے استسقاء کی نماز کی سنیت اور اس کے بعد دعا کرنا ثابت ہوئی اب وہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نوافل کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی: **"عن انس قال دخل النبی ﷺ وما ھو الا انا وامی وام حرام خالتی فقال قوموا فاصلی لکم فی غیر وقت صلوۃ فصلی بنا فقال رجل لثابت این جعل انسا منہ قال جعلہ علی یمینہ ثم دعا لنا اھل البیت بکل خیر من الدنیا والاٰخرۃ فقال امی یا رسول اللہ ﷺ خویدمک ادع اللہ لہ قال فدعا لی بکل خیر وکان فی اٰخر ما دعا لی بہ اللھم اکثر مالہ وولدہ وبارک لہ فیہ۔** (مسلم، ج۱، ص ۲۳۴، ج۲، ص ۲۹۸، دلائل النبوۃ بیہقی، ج۶، ص ۱۹۵)

قال العلامة عبد الهادی الشاہ منصوری فی کتابہ عن عبد اللہ بن زید قال خرج رسول اللہ ﷺ بالناس الی المصلی یستسقی فصلی بھم رکعتین وجھر فیھما بالقراءۃ واستقبل القبلۃ یدعو ورفع یدیہ وحول رداءہ حین استقبل القبلۃ انتھی فثبت ان النبی ﷺ دعا بالجمع مع المسلمین وکذا رواہ ابن ماجۃ۔ (تسہیل الترمذی، ص ۳۱۴)

قال العلامة سبحان الدین کوکاروی فی کتابہ فی اثبات الدعاء بعد النوافل من النبی ﷺ "وعن سعد ان رسول اللہ ﷺ مر بمسجد بنی معویۃ دخل فرکع فیہ رکعتین وصلینا معہ ودعا ربہ طویلا الخ۔

(مشکوۃ، ج ۲، ص ۵۰۴، باب فضائل سید المرسلین) (نفائس مطلوبہ، ص ۳۵)

وقال عبد الرحمن الجزری ویستحب ان یستغفر بعد السنن ثلاثا ویقرأ آیۃ الکرسی والمعوذتین ویسبح ویحمد ویکبر فی کل ثلاثا وثلاثین ویھلل تمام المأۃ بان یقول لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ثم یقول اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ویدعو او یختم بقولہ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔ (الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، ج ۱، ص ۳۳۰، درمختار، ج ۱، ص ۵۱)

وقال ابن نجیم (صاحب البحر) لاکن عندنا السنۃ مقدمۃ علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ۔ (بحر، ج ۱، ص ۳۰۴)

وفی شرح شرعۃ الاسلام ویختم الدعاء بعد المکتوبۃ قبل السنۃ علی ما روی عن البقالی (المعتزلی فی الاصول والحنفی فی الفروع) من انہ قال الافضل ان یشتغل بالدعاء ثم بالسنۃ وبعد السنن والاوراد علی ما روی عن غرہ وھو المشھور المعمول فی زماننا فانہ مستجاب بالحدیث۔ (تعلیق الکوکب الدری، ج ۲، ص ۲۹۱، مقالات مفتی محمد فرید دیوبندی، ص ۲۰، مخزن الدلائل، ص ۹۵)

وقال الحسن الشرنبلالی فی کتابہ وان یستقبل بعدہ الناس ویستغفرون اللہ ویقرؤن آیۃ الکرسی والمعوذتین ویسبحون اللہ ثلاثا وثلاثین ویحمدونہ کذالک ویکبرونہ کذالک ثم یقولون لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین رافعی ایدیھم ثم یمسحوا وجوھھم فی آخرہ۔ (نور الایضاح، ص ۸۰)

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نور الایضاح کی عبارت میں بعدہ سے مراد فرض نماز کے بعد دعا کرنا مراد ہے نہ کہ سنتوں کے بعد تو جواب یوں ہو گا کہ عبارت بعدہ میں ضمیر مذکر کی ہے جو تطوع کی طرف راجع ہے نہ کہ فریضۃ کی طرف یعنی عبارت یوں ہو گی کہ: **بعدہ ای بعد التطوع بعد الفریضۃ۔** *کیونکہ اگر ضمیر کا مرجع فریضۃ مراد لیا جائے تو راجع ومرجع میں مطابقت نہیں ہو گی کیونکہ ضمیر مذکر کی ہے اور فریضۃ مؤنث ہے۔ اسی کی طرف علامہ طحطاوی نے اشارہ فرمایا:* **کقولہ بعدہ ای بعد التطوع وعقیب الفرض اذا لم یکن بعدہ نافلۃ۔** (طحطاوی، ص ۱۷۱)

وفی مراقی الفلاح، ص ۱۷۱ ویستحب ان یشتغل بعدہ ای بعد التطوع الخ۔ (البصائر، ص ۱۲۳ مولانا حمد اللہ دیوبندی)

وفی منیر الایضاح شرح نور الایضاح ویستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع ای بعد السنن الخ۔

(منیر الایضاح، ص ۹۴ پشتو لمولانا قمر الحق دیوبندی)

وایضافی ذریعۃالنجاح حاشیۃنور الایضاح ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ الخ۔

(ذریعۃالنجاح حاشیۃنور الایضاح ص ۷۹ لمولانا عبدالرزاق بتھرالوی)

وفی سنن الھدی والجمھور علی ان الاولی الاشتغال بالسنۃ ثم بالدعاء وعلیہ عمل اھل الحرمین وسائر دیار العرب۔

(سنن الھدی، ص ۴۸، بحوالہ دعا بعد السنن والنوافل، ص ۱۶ لمولانا میاں ظاھر شاہ قادری)

وقال اشرف علی التھانوی واما نص الاحناف ففی شرح نور الایضاح للشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی مع المتن یستحب للامام بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ ان یستقبل الناس الخ ۔(امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۰، مسائل المنثورہ لمولوی تھانوی دیوبندی)

وقال ایضا فتحصل من ھذا کلہ ان الدعاء دبر الصلوات مسنون ومشروع فی المذاھب الاربعۃ لم ینکر الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل ھواہ ووسوس لہ الشیطان فاغواہ۔(امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۱ اشرف علی تھانوی دیوبندی)

قال العلامۃ حمد اللہ الدیوبندی السھارنفوری وعلم من الادلۃ المذکورۃ ان الدعاء بعد العبادات قاعدۃ متقررۃ فی الشرع ونجعلھا کبری ونضم معھا الصغری سھلۃ الحصول۔ الصلوۃ عبادۃ وکل عبادۃ فالدعاء بعدھا مستحب ینتج بعد اسقاط الاوسط الصلوۃ فالدعاء بعدھا مستحب اما الصغری فظاھر لان الصلوۃ اھم العبادات واربح البضاعات واما الکبری فلانھا من الاصول الموضوعۃ المسلمۃ عند الفقھاء المستنبطۃ من النصوص علا انہ ورد الامر بالدعاء بعد الصلوۃ علی طریق الخصوص قال اللہ تعالی فاذا فرغت فانصب قال المحقق البغدادی، ج ۳۰، ص ۱۷۲، وغیرہ من المفسرین ای اذا فرغت من الصلوۃ فاتعب فی الدعاء روی ھذا التفسیر عن قتادۃ وضحاک وغیرھما وکذا ذکر الامام البخاری باب الدعاء بعد الصلوۃ، ج۲، ص۹۳۷ (البصائر، ص ۱۲۲، ۱۲۳)

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:"**والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد الصلوۃ الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثۃ بعد الفراغ من السنۃ الخ۔**(الرسائل الستہ، ص ۶۹)

علمائے احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر وعصر میں فرض نماز کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنتوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے:

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما اجتمع ثلاثۃ بدعوۃ قط الا کان حقا علی اللہ ان لا یرد ایدیھم۔

(حلیۃ الاولیاء، مقالات فریدی، ص ۱۷)

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہ تھا جو اب رائج ہے کہ نماز باجماعت کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ اس بناء پر بعض علماء نے اس طریقے کو بدعت ٹھہرایا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر اس کو لازم نہ سمجھ لیا جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے اور اگر کبھی کبھی قصداً اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو پھر اسے بدعت قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ خدا سے دعا مانگنا بجائے خود تو کسی حال میں برا فعل نہیں ہو سکتا۔

(رسائل ومسائل، ص ۱۷۱، حصہ اول، ترجمان القرآن مارچ جون ۴۵ء)

تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان

تکرار الدعاء: مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ تکرار الدعاء یعنی دعا کو بار بار کرنا ہے جیسے کہ ہمارے اہلسنت وجماعت کی مساجد میں بالخصوص صوبہ سرحد میں سنتوں کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ منکرین دعا اس مسئلے پر بھی اختلاف کرتے ہیں اور اسے بدعت بتاتے ہیں۔ حالانکہ امام بخاری نے تکرار دعا کے بارے میں باقاعدہ باب ذکر فرمایا ہے: **کقولہ باب تکریر الدعاء**۔ (بخاری شریف، ج۲، ص۹۴۵)

علامہ عینی فرماتے ہیں: **"ھذا باب فی بیان تکریر الدعاء وھو ان یدعو بہ مرۃ بعد اخری لان فی تکررہ اظھار الموضع الفقر والحاجۃ الی اللہ عز وجل والتذلل والخضوع لہ وقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ کان یعجبہ ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا واخرجہ ابن حبان فی صحیحہ**۔ (عینی حاشیہ بخاری، ج۲، ص۹۴۵)

اسی طرح اگر کسی چیز کو تین دفعہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے تین دفعہ پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرماتا ہے: **کقولہ علیہ السلام "عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما سأل رجل مسلم عن اللہ عز وجل الجنۃ ثلاثا الا قالت الجنۃ اللھم ادخلہ الجنۃ ولا استجار مستجیر من النار ثلاث مرات الا قالت النار اللھم اجرہ من النار** (مسند احمد، ج۳، ۱۵۵)

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا۔

(التعلیق علی الترغیب الترھیب، ج۲، ص۴۸۴ لعلامہ مصطفی عمارہ، مخزن الدلائل، ص۵۵، مشکوٰۃ، ص۶۲۳)

مولانا یوسف بنوری دیوبندی شارح ترمذی تکرار الدعاء کے بارے میں یوں لکھتے ہیں: **"وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین ومن حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا۔**

(معارف السنن شرح ترمذی، ج۳، ص۱۲۲، مسلم، ج۱، ص۳۱۳)

قال النووی فی شرحہ فیہ استحباب اطالۃ الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین۔ (شرح مسلم للنووی، ج۱، ص۳۱۳)

وقال الامام الغزالی الثامن ان یلح فی الدعاء ویکررہ ثلاثا۔ (احیاء العلوم، ج۱، ص۲۱۱، مخزن الدلائل ص۵۷)

علامہ سبحان الدین کوکاروی فاضل وفاق المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ تکرار الدعاء کا ثبوت آپ ﷺ سے منقول ہے: **عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سأل سأل ثلاثا وقال النووی فیہ استحباب تکریر الدعاء ثلاثا**۔ (مسلم ج۲، ص۱۰۸)

اس کے بعد علمی تحقیق فرماتے ہیں کہ جب کان صدر کلام میں واقع ہو تو اس سے دوام اور استمرار پر دلالت ہوتی ہے عند الجمہور جیسے کہ شیخ دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں حدیث: **"کان النبی ﷺ اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنہ**۔ (مشکوٰۃ ص۳۳) کے تحت فرمایا: "در لفظ کان محدثان راسخن است مقرر ومشہور میان جمہور آن ست کہ افادۂ دوام واستمرار میکند یعنی چون گویند کہ بود آنحضرت ﷺ کہ این کار میکرد مراد آن بود کہ دوام میکرد وعادت شریف این بود الخ۔ (اشعۃ اللمعات، ج۱، ص۱۶۷، نفائس مطلوبہ ص۴۵)

وقال الرازی فی تفسیرہ فقال بعض الجھال الدعاء شیء عدیم الفائدۃ واحتجوا علیہ من وجوہ وقال جمھور من العقلاء ان الدعاء اھم مقامات العبودیۃ ویدل علیہ وجوہ من العقل والنقل الخ۔(کبیر ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹، نفائس مطلوبہ ص ۴۷)

وقال العلامۃ الشیخ السید احمد شاہ فی کتابہ ومنھا ای من أداب الدعاء تکرار الدعاء ثلاثا کما فی مسلم شریف فرفع رسول اللہ ﷺ یدیہ ثم قال اللھم اغثنا اللھم اغثنا اللھم اغثنا قال الامام النووی ھکذا ھو مکرر ففیہ استحباب تکرار الدعاء ثلاثا۔

(ج ۱، ص ۲۹۳)(تنویر الایمان ص ۲۱۴)

علامہ شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی آداب دعا میں معجم طبرانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تین بار دعا کرے۔(شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۴۳۷)

علامہ میاں ظاہر شاہ قادری تین دفعہ دعا کے بارے میں فرماتے ہیں: **وفی کنز العباد وادنی الالحاح ان یکررہ ثلاثا والاوسط خمسا والاکمل سبعا۔** (کنز العباد ص ۲۴، دعا بعد السنن والنوافل، ص ۲۹)

علامہ مفتی اعظم شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **ومن آداب الدعاء ان یکررہ ثلاثا۔**

(حصن حصین ص ۱۴ وشرحہ ص ۲ ثم طحطاوی ص ۱۸۹، خزینۃ الاسرار، ص ۱۴۳، احیاء العلوم)(اثبات الاغراض، ص ۱۴۳)

شیخ الاسلام حضرت علامہ نقی علی خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں: ”دعا میں تکرار چاہئے۔(احسن الوعاء لأداب الدعاء ص ۲۲)

اعلی حضرت مجدد وقت الشاہ احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ شرح میں فرماتے ہیں: ”**قال الرضا** تکرار سوال صدق طلب پر دلیل ہے اور یہ اس کریم حقیقی کی شان ہے کہ تکرار سوال سے ملال نہیں فرماتا بلکہ نہ مانگنے پر غضب فرماتا ہے: **من لم یسئل اللہ یغضب علیہ**“ بخلاف بنی آدم کہ کیسا ہی کریم ہو کثرت سوال وشدت تکرار وہجوم سائلاں سے کسی نہ کسی وقت دل تنگ ہوتا ہے۔(ذیل المدعا لاحسن الوعاء ص ۲۳، ۲۲)

حضرت علامہ عبد الجلیل دیوبندی سواتی فرماتے ہیں: **وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا وقال فی الھدایۃ ومن ضرورۃ التعمیم التکرار۔**(ج ۲، ص ۳۶۶)(تنبیہ الاخوان، ص ۳)

مولانا قمر الحق دیوبندی تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں: **قال العلامۃ الشیخ احمد طحطاوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا**(طحطاوی، ص ۱۷۳)

وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین من حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا واخرج الطبرانی عن ابی ھبیرۃ عن حبیب ابن مسلمۃ الفھری وکان مستجابا انہ امر علی جیش فدرب الدروب فلما لقی العدو قال للناس سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یجتمع ملأ فیدعو بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ تعالی وھو دلیل للدعاء بھیئۃ اجتماعیۃ۔(معارف السنن لبنوری، ج ۳، ص ۱۲۲) کنز العمال، ج ۲، ص ۱۰۷، حیاۃ الصحابۃ، ج ۳، ص ۳۳۵) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ص ۳۰۹ بحوالہ منیر الایضاح شرح نور الایضاح ص ۹۵، لقمر الحق دیوبندی۔

شیخ الحدیث غازی محمد الغازمی الحنفی لکھتے ہیں: ”بعض لوگ تین مرتبہ دعا کرنے کو بدعت بتاتے ہیں اور پھر خاص کر دعا میں رفع الیدین کو حالانکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب ذکر فرمایا ہے: ”باب تکریر الدعاء(ج ۲، ص ۹۴۵)“ اور تکرار الدعاء من حیث الالفاظ بھی ثابت ہے اور من حیث رفع الیدین بھی ثابت ہے۔ (مقالات غازی ص ۱۶) اس کی شرح میں مولانا عبد الہادی حقانی دیوبندی فاضل دار العلوم حقانیہ لکھتے ہیں: **وذکر فی الحصین وان یکرر الدعاء واقلها التثلیث ولا ینکر من اثبات الدعاء ثلاثا الا الجاهل بالسنة النبویة والتفصیل فی کتاب الشیخ غازی محمد الغازی المسمی به جامع الکمالات وهو المحقق۔** (کمالات حقانی علی مقالات غازی ص ۱۶)

قال العلامة الشیخ سید احمد شاه فی کتابه ”وفی قطب الارشاد ویکرر الدعاء واقله التثلیث ویلح فیه بالمداومة والمواظبة فی الحالات ولا یکفی بمرة ویتحقق الاضطرار والاحتیاج والافتقار۔ تکرار عبارت ہے افعال متماثلہ کو اوقات متعددہ میں واقع کرنے سے جیسے کہ تلویح میں ہے: ”**وتکراره ای الفعل وقوعه مرة بعد اخری وذالک بایقاع افعال متماثلة فی اوقات متعددة**“

(تلویح ص ۱۵۷ (اعلام المؤمنین، ص ۳۷)

قال العلامة الشیخ حمد الله الدیوبندی السهارنفوری الداجوی ”ومن اٰداب الدعاء تکرار الدعاء لان الامام البخاری ذکر باب تکرار الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵) وفی الحصن الحصین وان یکرر الدعاء واقله التثلیث۔

آگے فرماتے ہیں: **وذکر الامام مسلم (ج ۱، ص ۳۱۳) فی واقعة بقیع الغرقد انه علیه السلام رفع یدیه ثلاثا قال الامام النووی فیه استحباب اطالة الدعاء وتکرر رفع الیدین۔** (البصائر ص ۱۲۴)

قال العلامة عبد الرزاق بتهر الوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرة بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکرر۔

(ذریعة النجاح حاشیه نور الایضاح ص ۷۹)

مفتی محمد فرید شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ دعا کے آداب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ الفاظ دعا کو تین دفعہ مکرر کرنا **لحدیث مسلم وابی داؤد ان رسول الله ﷺ کان یعجبه ان یدعو ثلاثا۔** (مقالات ص ۱۶)

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں: **ویلح الداعی فی الدعاء ویکرره ثلاثا لانه نوع من الالحاح۔**

(امداد الفتاوی مسائل المنثوره ص ۵۷۰، جلد اول)

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی قدس سرہ تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں: **وفی کنز العباد ان یلح فی الدعاء والالحاح ان یکرره ثلاثا مع تکرار رفع الیدین ثلاثا وهو ادناه واوسطه خمسا واکمله سبعا لما دعی النبی ﷺ فی حق انس عشر مراة وفی حق احمس عشر مراة رواه ابو داؤد ص ۸۰** (الرسائل السته ص ۷۲)

مناظر اعظم علامہ محمد عمر اچھروی قدس سرہ فرماتے ہیں: **عن عبداللہ یعنی ابن مسعود قال کان احب الدعاء الی رسول اللہ ﷺ ان یدعو ثلاثا۔** رواہ الطبرانی فی الاوسط، کتاب الاذکار ص ۱۷۷، للنووی، مجمع الزوائد ص ۱۰) مسند امام احمد حنبل ج ۱، ص ۳۹۷، ج ۱، ص ۳۹۴، ج ۱، ص ۳۹۷، مسلم شریف ج ۱، ص ۳۱۳، ج ۱، ص ۲۹۳، مقیاس الصلوۃ، ص ۳۴۳ تا ۳۴۵)

دعا کے آداب: دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ جس کو مفتی محمد فرید دیوبندی نے ذکر کیا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا: **کما فی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔** (مقالات فریدی ص ۱۵)

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں: **الجزء التاسع فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء ان رفع الیدین فی الدعاء ای دعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیرھا دلت علیہ الاحادیث منھا ما قال سلمان قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل الیہ یدیہ ان یردھما صفرا خائبتین۔ وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ رحیم کریم یستحیی من عبد ان یرفع الیہ یدیہ ثم لا یضع فیھما خیرا۔** (امداد الفتاوی ج ۱، ص ۵۷۲)

حضرت علامہ نقی علی خان افغانی قدس سرہ فرماتے ہیں: بہ کمال ادب ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر سینے یا شانوں یا چہرے کے مقابل لائے یا پورے اٹھائے۔ یہاں تک کہ بغل کی سپیدی ظاہر ہو۔ (احسان الدعاء لآداب الدعاء ص ۱۹)

شیخ الحدیث غازی محمد الغازی دیوبندی لکھتے ہیں: دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا: **کما فی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔** (مقالات غازی ص ۱۴)

علامہ حمد اللہ دیوبندی سہارنپوری لکھتے ہیں: **ثم الدعاء لھا آداب رفع الایدی عند الدعاء ولذا ذکر الامام البخاری باب رفع الایدی فی الدعاء (ج ۲، ص ۹۳۸) وایضا ذکر فی نور الایضاح ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین رافعی ایدیھم وذکر الشارح فی تلک الصفحۃ فی اثباتہ قولہ علیہ السلام اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیک ولا تدع بظھورھما فاذا فرغت فامسح بھما وجھک اھ۔**

(ص ۱۷۳ (البصائر ص ۱۲۴)

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل صاحب آداب دعا کے بارے میں لکھتے ہیں: **عن ابن عباس قال المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک الخ۔** (ابو داؤد، ص ۲۰۹، مشکوۃ، ج ۱، ص ۲۱۳)

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔

(مشکوۃ ج ۱، ص ۲۱۲، ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۶، مستدرک ج ۱، ص ۵۳۶)

عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ الفجر فلما سلم انحرف رفع یدیہ ودعا۔

(معارف السنن، ج ۱، ص ۱۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ مخزن الدلائل، ص ۱۳ تا ۱۶)

علامہ میاں ظاہر شاہ فرماتے ہیں: **ان مسح الیدین علی الوجہ عقیب الدعاء سنۃ۔** (روح البیان، ج ۳، ص ۴۶۱)

ابن ماجہ نے باب رفع الیدین فی الدعاء لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔(دعا بعد السنن والنوافل، ص ۳۲)

علامہ مولانا سبحان الدین کو کاروی فرماتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے فیض الباری ج ۲، ص ۳۸۰ میں لکھا ہے کہ: **وقد اخرج النووی نحوا من ثلاثین حدیثا علی ثبوت الرفع عند الدعاء۔**(نفائس مطلوبہ، ص ۴۲)

علامہ شمس الحق افغانی دیوبندی لکھتے ہیں: **وکذا رفع الیدین ومسح الوجه بعد الفراغ کذا فی منهج العمال والعقائد السنیة کذا فی التحفة المرغوبة۔**

آگے لکھتے ہیں کہ جب دعا ثابت ہوئی تو رفع الیدین بھی ثابت ہوئی: **لما فی حصن حصین ان من آداب الدعاء رفع الیدین ولما فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعا المسئلة ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوهما وفی السعایة لما ندب فی مطلق الدعاء استحبه العلماء فی هذا الدعاء ایضا۔**(صحیح مسلک ص ۳۱، ۳۰)

فضیلۃ الشیخ علامہ سید احمد شاہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: آداب دعا میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا نہ کہ اس سے زیادہ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

ان رفعکم ایدیکم بدعة ما زاد رسول اللہ ﷺ علی هذا یعنی الی الصدر رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۸۸، المسئلة ای ادب السؤال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادة فیمن طلب شیئا ان یبسط یدیه ای الاکف الی المدعو له او لا ثم یسئل۔

صاحب نزہۃ المجالس ص ۵۰ پر فرماتے ہیں: **فالمؤمن یرفع یدیه الی ربه خمسین مرة مثلا اتراہ تردهما خائبتین الخ۔**

(اعلام المؤمنین ص ۳۹، تنویر الایمان، ص ۲۱۳)

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں: دعا کے آداب یہ ہیں کہ ہتھیلیوں کے باطن کی جانب سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے (ترمذی، ابوداؤد) پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اس کے بعد دعا کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے (معجم طبرانی) علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں: **ومنها ای من آداب الدعاء تقدیم الحمد والصلٰوة علی الدعاء والصلوة والثناء علی اللہ اولا واٰخرا۔**(البصائر ص ۱۲۴)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: **ویبدأ الدعاء بالحمد للہ والثناء علیه ویختم به ویصلی علی النبی ﷺ اوله واٰخره ووسطه۔**

(امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۶۹)

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں: دعا کیلئے اول وآخر حمد الٰہی بجالائے اور اول وآخر نبی ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر درود بھیجے کہ درود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔(احسن الوعاء ص ۱۵)

اس کی شرح میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں: بیہقی وابو الشیخ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی ہیں حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: **الدعاء محجوب عن اللہ حتی یصلی علی محمد و اھل بیتہ**۔ (ذیل المدعا ص ۱۶)

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ دعا سے پہلے حمد وصلوٰۃ پڑھنا **لحدیث ابی داؤد اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ و صل علی ثم ادعہ**۔ (مقالات ص ۱۶)

علامہ سید احمد شاہ لکھتے ہیں: **منھا ای من آداب الدعاء البدایۃ بالثناء ثم بالصلوۃ سنۃ الدعاء ھدایہ ص ۱۶۳، و قال النبی ﷺ اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ و الثناء علیہ ثم لیصل علی النبی ﷺ ثم لیدع بعد ما شاء ھذا حدیث حسن صحیح ترمذی ص ۱۸۶**۔ (تنویر الایمان، ص ۲۱۲)

آگے لکھتے ہیں کہ: **و لان الثناء و الصلوۃ یقدمان علی الدعاء تقریبا الی الاجابۃ کما فی غیرہ من الدعوات و الرفع سنۃ الدعاء ای رفع الایدی طریقۃ حسنۃ فی الدعاء**، (ھدایہ ص ۲۲۲، ھکذا فی المستخلص ص ۴۳۲، اعلام المؤمنین، ص ۴۱)

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں: **و من آداب الدعاء التوسل الی اللہ بعباد اللہ الصلحین**۔ (البصائر ص ۱۲۴)

قطب الارشاد میں ہے: **و یتوسل الیہ تعالی بانبیائہ و الصالحین من عبادہ من العلماء و الشھداء و الاولیاء**۔ (قطب الارشاد، ص ۲۴)

و ینبغی ان یتوسل الی اللہ تعالی بانبیائہ و الاولیاء الصالحین۔ (روح البیان، ج ۱، ص ۲۹۸، دعا بعد السنن و النوافل، ص ۲۱)

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی کتابوں خصوصًا قرآن اور ملائکہ وانبیاء کرام بالخصوص حضور سید انام علیہم السلام اور ان کے اولیاء واصفیاء بالتخصیص حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل اور انہیں اپنے انجاح حاجات کا ذریعہ کرے کہ محبوبانِ خدا کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ (احسن الوعاء، ص ۱۸)

اعلیٰ حضرت مندرجہ بالا عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں: **قال اللہ تعالی و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و قال تعالی یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ و ایضا فی الحدیث اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی و ایضا فی البخاری انا نتوسل الیک بعم نبینا ﷺ فاسقنا**۔ (ذیل المدعا، ص ۱۸)

اللہ تعالی و رسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔

ھذا القدر کاف من لہ طبع۔ واللہ اعلم بالصواب۔

راقم الحروف۔ سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
فاضل دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

ماقال ھذہ المسائل صحیحۃ۔

حررہ: مولوی مفتی محمد یوسف اکبری مدظلہ العالی ابن علامہ پیر طریقت رہبر شریعت حضرت عبد الاکبر عرف لالاجی۔

ماحررہ مولانا فھو عین مذھب الحنفیۃ فعلینا و علی سائر الاحناف اتباعہ۔

حررہ: مفتی سید سراج الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

و ذلک کذلک و انی مصدق بذلک۔

حررہ: مفتی استاذ العلماء خادم الحدیث والتفسیر محمد مہرداد سلطانی حنفی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ حیلہ اسقاط اور اس میں قرآن رکھنا جیسے ہمارے علاقوں میں رائج ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید عبد الاحد شاہ صاحب۔ کالا کلے سوات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔ حیلہ کی مشروعیت شریعت میں ضرورت کے وقت جائز ہے بشرطیکہ وہ حیلہ ادلۂ شریعہ کے خلاف نہ ہو حیلہ شریعہ کا ثبوت قرآن کریم واحادیث واقوال فقہائے کرام اور علمائے دیوبند کی کتابوں سے بھی ثابت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی اہلیہ کو سو کوڑے ماروں گا تو اللہ تعالیٰ نے قسم نہ توڑنے کیلئے آیت نازل فرمائی۔ وَخُذۡ بِیَدِکَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ (ص ۴۴) اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ۔"

جواز حیلہ میں قرآن مجید و مفسرین حضرات کی تصریحات

صاحب تفسیر مدارک اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ فَاضۡرِبۡ بِهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ (ص ۴۴) **وکان حلف في مرضه ليضربن امرأته مائة جلدة إذا برأ فحلل الله يمينه بأهون شيء عليه وعليها لحسن خدمتها إياه وهذه الرخصة باقية ويجب أن يصيب المضروب كل**

واحدة من المائة والسبب في يمينه أنها أبطأت عليه ذاهبة في حاجة فخرج صدره وقيل باعت ذؤابتيها برغيفين وكانتا متعلق أيوب عليه السلام۔(تفسير النسفي (مدارک التنزيل وحقائق التأويل ج ۲ ص ۱۸۱)

ترجمہ: مارو اس پر اور حانث نہ ہو جاؤ اور ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی کہ حالت بیماری میں اپنی عورت کو سو(۱۰۰) درے ماروں گا جب صحیح ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ ان کو حلف سے آسان چیز کے ساتھ حلال و بری کیا ان پر یہ مہربانی کی اور ان کی بیوی پر بھی کیونکہ وہ ان کی اچھی خدمت کرتی تھی اور یہ رخصت باقی ہے لیکن واجب ہے کہ مضروب کو ہر ایک ان سو(۱۰۰) سے پہنچ جائے اور ایوب علیہ السلام کے حلف کی وجہ یہ تھی کہ ایک کیلئے ان کی بیوی چلی گئی تھی لیکن آنے میں کچھ دیر ہوئی تھی تو ایوب علیہ السلام کا سینہ تنگ ہو گیا تو اسی وجہ سے حلف کیا اور بعض یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ بیوی نے اپنے دو ذوائب دو روٹیوں کے عوض فروخت کی تھیں اور ایوب علیہ السلام جب اٹھتے تھے تو ان سے سہارا لیتے تھے۔ اور علامہ آلوسی حنفی المذہب اس مقام پر بحث کرتے ہیں۔ فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ (ص ۴۴) **فان البر يتحقق به**۔

ترجمہ: اس پر مارو اپنی زوجہ کو اور یمین میں حانث نہ ہو جاؤ کیونکہ خلاصی از حلف اس کے ساتھ متحقق و ثابت ہوتا ہے۔

ولقد شرع الله تعالى ذلک رحمة عليه وعليها لحسن خدمتها إياه ورضاه عنها وهي رخصة باقية في الحدود في شريعتنا وفي غيرها أيضا لكن غير الحدود يعلم منها بالطريق الأولى۔ فقد أخرج عبد الرزاق الخ۔ وسعيد بن منصور وابن جرير وابن المنذر عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف قال حملت وليدة في بني ساعدة من زنا فقيل لها: ممن حملک؟ قالت: من فلان المقعد فسئل المقعد فقال: صدقت فرفع ذلک إلى رسول الله صلّى الله عليه وسلم فقال: خذوا عثكولا فيه مائة شمراخ فاضربوه به ضربة واحدة ففعلوا، وأخرج عبد الرزاق وعبد بن حميد عن محمد بن عبد الرحمن عن ثوبان أن رجلا أصاب فاحشة على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلم وهو مريض على شفا موت فأخبر أهله بما صنع فأمر النبي صلّى الله عليه وسلم بقنو فيه مائة شمراخ فضرب به ضربة واحدة، وأخرج الطبراني عن سهل بن سعد أن النبي عليه الصلاة والسلام أتى بشيخ قد ظهرت عروقه قد زنى بامرأة فضربه بضغث فيه مائة شمراخ ضربة واحدة، ولا دلالة في هذه الأخبار على عموم الحكم من يطيق الجلد المتعارف لكن القائل ببقاء حكم الآية قائل بالعموم لكن شرطوا في ذلک أن يصيب المضروب كل واحدة من المائة إما بأطرافها قائمة أو بأعراضها مبسوطة على هيئة الضرب. وقال الخفاجي: إنهم شرطوا فيه الإيلام أما مع عدمه بالكلية فلا فلو ضرب بسوط واحد له شعبتان خمسين مرة من حلف على ضربه مائة بر إذا تألم فإن لم يتألم لا يبر ولو ضربه مائة لأن الضرب وضع لفعل مؤلم بالبدن بآلة التأديب، وقيل: يحنث بكل حال كما فصل في شروح الهداية وغيرها انتهى. وأخرج ابن عساكر عن ابن عباس لا يجوز ذلک لأحد بعد أيوب إلا الأنبياء عليهم السلام، وفي أحكام القرآن العظيم للجلال السيوطي عن مجاهد قال: كانت هذه لأيوب خاصة، وقال الكيا: ذهب الشافعي وأبو حنيفة وزفر إلى أن من فعل ذلک فقد بر في يمينه، وخالف مالک ورأه خاصا بأيوب عليه السلام، وقال بعضهم: إن الحكم كان عاما ثم نسخ والصحيح بقاء الحكم، واستدل بالآية على أن للزوج ضرب زوجته وأن يحلف ولا يستثني وعلى أن الاستثناء شرطه الاتصال إذ لو لم يشترط لأمره سبحانه وتعالى بالاستثناء ولم يحتج إلى الضرب بالضغث. واستدل عطار بها على مسألة أخرج فأخرج سعيد بن منصور بسند صحيح عنه أن رجلا قال له: إني حلفت أن لا أكسو امرأتي درعا حتى تقف بعرفة فقال: احملها على حمار ثم اذهب فقف بها بعرفة فقال: إنما عنيت يوم عرفة فقال عطاء: أيوب حين حلف ليجلدن امرأته مائة جلدة أنوى أن يضربها

بالضغث إنما أمره الله تعالى أن يأخذ ضغثا فيضربها به ثم قال: إنما القرآن عبر إنما القرآن عبر. وللبحث في ذلك مجال، وكثير من الناس استدل بها على جواز الحيل وجعلها أصلا لصحتها، وعندي أن كل حيلة أوجبت إبطال حكمة شرعية لا تقبل كحيلة سقوط الزكاة وحيلة سقوط الاستبراء وهذا كالتوسط في المسألة فإن من العلماء من يجوز الحيلة مطلقا ومنهم من لا يجوزها مطلقا، وقد أطال الكلام في ذلك العلامة ابن تيمية۔(روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج۲۳ ص ۱۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہ جائز کیا ازروئے رحمت ایوب علیہ السلام پر اوران کی بیوی پر کہ وہ ان کی اچھی خدمت کرتی تھی اور یہ رخصت ہماری شریعت میں حدود وغیر حدود میں بھی باقی ہے لیکن غیر حدود بطریق اولیٰ معلوم ہوتے ہیں۔ عبد الرزاق نے اپنی کتاب میں تخریج کیا الخ۔

احکام قرآن مصنفہ مولانا جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ یہ ایوب علیہ السلام کیلئے تھا اور "کیا" (ایک عالم کا نام ہے) نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ وشافعی وزفر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب یہی ہے کہ اگر کسی آدمی نے ایسا حلف اٹھایا (یعنی حلف ایوب علیہ السلام کی طرح) اور پھر اس طرح کام کیا۔ تو یمین سے بری ہو گیا، اس مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلاف کیا کہ اس نے ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص کیا ہے اور بعض علماء نے یہی کہا ہے کہ یہ حکم پہلے عام تھا اب منسوخ ہو گیا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم باقی ہے الخ۔ اور بہت سے لوگ حیلوں کے جواز میں اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ اصل بناتے ہیں حیلہ کی صحت پر لیکن میرے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جو حیلہ حکمت شرعی کو باطل کرتا ہے وہ ہرگز قبول نہ ہو گی۔ جیسا کہ حیلہ برائے سقوط زکاۃ یا حیلہ سقوط استہزاء کیلئے اور ہماری رائے اس مسئلہ میں توسط کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ بعض علماء مطلقاً حیلہ کو جائز قرار کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں ابطال حق ہو اور بعض مطلقاً ناجائز قرار کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں ابطال حق ہو اور بعض مطلقاً ناجائز قرار کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں ابن تیمیہ نے بہت طویل سے بحث کی ہے اور علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں اسی مقام پر لکھتے ہیں۔ وهذه الرخصة باقية۔ اور یہ رخصت باقی یعنی منسوخ نہیں ہے اور تفسیر ابن کثیر اسی محل میں لکھتے ہیں۔

فَأَفْتَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَأْخُذَ ضِغْثًا - وَهُوَ: الشِّمراخ - فِيهِ مِائَةُ قَضِيبٍ فَيَضْرِبُهَا بِهِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً وَقَدْ بَرّت يَمِينُهُ وَخَرَجَ مِنْ حِنْثِهِ وَوَفَى بِنَذْرِهِ وَهَذَا مِنَ الْفَرَجِ وَالْمَخْرَجِ لِمَنِ اتَّقَى اللَّهَ وَأَنَابَ إِلَيْهِ الخ۔ وَقَدِ اسْتَدَلَّ كَثِيرٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ بِهَذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ عَلَى مَسَائِلَ فِي الْأَيْمَانِ وَغَيْرِهَا وَأَخَذُوهَا بِمُقْتَضَاهَا والله اعلم بالصواب۔(تفسیر ابن کثیر ج۴ ص ۴۰)

اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ایک ضغث جو بمعنی شمراخ ہے یعنی ایک شاخ کہ اس میں سو (۱۰۰) قضیب ہوں تو اس کو (عورت کو) ایک بار مارو تو قسم سے بری ہو جاؤ گے اور اس کی حنث سے نکلو گے اور اپنی نظر پر وفا پاؤ گے اور یہ حیلہ یا اس کی مانند حیلے ان لوگوں کیلئے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں (یعنی نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسے حیلے اور تدابیر تجویز کرتا ہے) بہت سے فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال پکڑا ہے۔ قسموں وغیرہ کے مسائل میں اور انہوں نے اپنی مقتضیات میں اس آیت پر عمل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ عالم ہے حق صواب بات پر۔

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ روح البیان میں لکھتے ہیں۔ فقد شرع الله هذه الرحمة رحمة عليه وعليها لحسن خدمتها إياه ورضاه عنها وهي رخصة باقية في الحدود يجب ان يصيب المضروب كل واحد من المائة اما بأطرافها قائمة او باعراضها مبسوطة على

هيئة الضرب اى بشرط ان توجد صورة الضرب ويعمل بالحيل الشرعية بالاتفاق - روى - ان الليث بن سعد حلف ان يضرب أبا حنيفة بالسيف ثم ندم من هذه المقالة وطلب المخرج من يمينه فقال ابو حنيفة رحمه الله خذ السيف و اضربنى بعرضه فتخرج عن يمينك كما فى مناقب الامام رضى الله عنه۔ (تفسیر روح البیان ص ۳۵۶ ج ۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہ رخصت جائز کی ایوب علیہ السلام پر ازروئے رحمت اوران کی بیوی پر کیونکہ وہ ایوب علیہ السلام کی اچھی طرح خدمت کرتی تھیں اوروہ ان سے راضی تھے اور یہ رخصت حدود میں باقی ہے اورواجب ہے کہ مضروب کو ہر ایک درہ ان سو(۱۰۰) میں سے پہنچ جائے برابر بات ہے کہ اطراف سے ہو حالت قیام میں یا عرض سے ہو حالت بسط میں لیکن صورۃ ضرب پر یعنی اس شرط سے کہ مارنے کی صورت پیدا ہو جائے۔

اتفاق علمائے کرام اس بات پر ہے کہ شرعی حیلوں پر عمل کیا جائے روایت ہے کہ قیس بن سعد نے قسم کھائی کہ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلوار سے ماروں گا پھر اپنے اس قول پر پریشان ونادم ہو گیا اورامام صاحب سے اپنے اس قول کا حیلہ طلب کیا تو امام صاحب نے کہا کہ تلوار لے لو اور مجھے اس کے عرض سے مارو پس تم اپنی حلف سے نجات پاؤ گے جیسا کہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں ذکر ہوا ہے۔ لہذا حیلہ شرعی قرآن پاک، احادیث مبارکہ، اقوال فقہائے کرام سے ثابت ہے اوراس سے انکار کرنے والا پکا کافر ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھے اوراز بھی ظاہر نہ ہونے پائے تو اللہ تعالیٰ نے حیلہ ارشاد فرمایا جس کا مفصل بیان سورہ یوسف میں موجود ہے۔ ایک بار حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قسم کھائی کہ میں اگر قابو پاؤں تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی عضو قطع کروں گی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ ان کی آپس میں صلح کرادو تو حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو گی کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کان چیر دیں۔

فى فتاوىٰ املح جاء الصحابى اى النبى ﷺ فقال هلكت و اهلكت فقال كيف قال جامعت امرئتى فى نهار رمضان فقال فعليك اعتاق رقبة فقال رقبتى هذه و ليس لى غيرها فقال ﷺ شهرين متتابعين فقال ليس لى طاقة صوم و احد جامعت مع امرئتى فكيف اصوم شهرين ليس لى طاقة فقال فاعط طعام ستين مسكينا فقال ليس لى طاقة انا بنفسه مسكين فقال اعطنى صاعا من تمر لافك به رقبتك فقال و الله ليس عندى صاع تمر فقال ياعثمان اعط لذلك الرجل صاعا من تمر ففعل عثمان بن عفان كما امر رسول الله ﷺ فاعطى لذلك الرجل فقال له النبى ﷺ اعطنى هذه الصاع من التمر من فدية صوم و احد ففعل و قبل النبى ﷺ ثم اعطى له فقال اعطنى ثانيا ففعل و قبل النبى ﷺ ففعل كك ستين مرة بالايجاب و القبول فقال عليه السلام قد فك رقبتك بهذه الحيلة و اعط الصاع المسكين فقال و الله ليس المسكين افضل منى فتبسم النبى ﷺ و اعطى له صاع التمر انتهى۔ و ايضاً عمر رضى الله تعالىٰ عنه فعل دورة الاسقاط كما جاء فى الدرر للامام الغزالى قال الشارح السمرقندى حدثنا عباس بن سفيان عن ابى حيلة عن بن عون عن محمد بن عبدالله (رضى الله تعالىٰ عنهم) انه قال قال عمر ايها المؤمنون اجعلوا القرآن وسيلة النجات الموتىٰ فتحلقوا و قولوا اللهم اغفر لهذا الميت بجزء من القرآن وتنالوا بايديكم متناولتا بدوران جزء القرآن لحيلة الاسقاط۔ (تحریر المسائل الخمسة) (تسهيل المشكوة ص ۱۱۷-۱۱۵)

ترجمہ: فتاویٰ املح میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں ہلاک ہوا۔ میں ہلاک ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیسے؟ عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے ماہ رمضان کے یوم میں مجامعت کرلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر غلام کا آزاد کرنا ہے۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ میں سوائے اپنی گردن کے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا یکے بعد دیگرے (یعنی متواتر) دو مہینے کے روزے رکھو۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے ایک روزہ رکھنے کی طاقت نہیں کہ میں نے تو بیوی سے جماع کیا تو کیسے لگاتار روزے رکھوں۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے کوئی طاقت نہیں، میں خود مسکین ہوں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیجئے مجھے ایک صاع کھجوریں تاکہ میں تیری طرف سے رقبہ کو آزاد کرلوں۔ پس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں ہے میرے پاس کھجور کا صاع۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عثمان بن عفان دیجئے اس آدمی کو ایک صاع کھجور سے۔ پس عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ویسا ہی کیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا پس دے دیا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کھجوروں کا ایک صاع۔

پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آدمی کو دیجئے مجھے یہ صاع کھجور کا ایک روزے کے فدیہ سے پس اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیا اور نبی ﷺ نے قبول فرمایا اور پھر وہی صاع اس کو دیا۔ پھر فرمایا آپ ﷺ نے مجھے دوبارہ دیجئے پس اس نے ایسا کیا اور آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ اسی طرح یہ طریقہ ساٹھ مرتبہ ایجاب و قبول سے ہوتا رہا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک آپ کا رقبہ اس حیلہ سے آزاد ہوا۔

فائدہ: فتاویٰ املح کی اس روایت سے صاف طور پر دورہ اسقاط مع ایجاب و قبول ثابت ہوا۔

اسی طرح دارالتصنیف امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ میں مذکور ہے بسند شارح سمرقندی بیان فرمایا۔ حضرت عباس بن سفیان نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ اے ایمان دارو بناؤ قرآن پاک کو وسیلۂ نجات موتیٰ کیلئے کہ حلقے بناؤ اور کہو کہ اے اللہ بخش دیجئے اس میت کو وسیلہ اس قرآن حاضر کے اور لگاؤ اپنے ہاتھ یکے بعد دیگرے قرآن کے دوران سے برائے حیلہ اسقاط۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حیلہ اسقاط بذریعہ قرآن درست اور جائز ہے۔

اذامات الرجل وعليه صلوات فائتة فاوصى بان يعطى كفارة صلواته فيعطى لكل صلوة نصف صاع من بر ولصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله وان لم يترك مالا يستقرض ورثته نصف صاع ويدفع الى المسكين ثم يتصدق المسكين على بعض ورثته ثم وثم وثم حتى يتم لكل صلوة انتهى۔ وفى البحر الرائق فى باب قضاء الفوائت اذامات الرجل وعليه صلوة فائتة واوصى بازيعطى كفارة

صلواته یعطی لکل صلوۃ نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم یوم نصف صاع وانمایعطی من ثلث ماله وان لم یترک مالاتستقرض ورثته نصف صاع ویدفع الی المسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض الورثة ثم وثم وثم حتی یتم لکل صلوۃ انتهی۔وبالتفصیل الکامل فی منحة الخالق علی البحر الرائق الی ان قال ثم طریق اسقاط الصلوۃ الذی یفعله الائمة فی زماننا ان یجمع الوارث عشرة رجال مثلاًلیس فیهم غنی لقوله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین آه۔

(شامی ص ۴۸۶ ج ۱،البحرالرائق ص ۹۱،وجامع الرموز ص ۱۶۱،عالمگیری ،فتاویٰ حمادیة ،مراقی الفلاح ص ۲۶۳،نورالایضاح ص ۴۴،طحطاوی ص ۳۴۱،والمنهاج الواضح ص ۴۶۴،خلاصة ص ۱۵۳،جواهرالنفیس ص ۳۰،المقاصدالسنیة)

جب وفات پانے لگے کوئی آدمی اوراس کے ذمہ فوت شدہ نمازیں ہوں تواس کو چاہیے کہ وصیت کرے کفارہ دینے کیلئے نصف صاع گندم میں سے بعوض ہر نمازاور ہر ایک روزے کیلئے اپنے ثلث مال میں سے اگراس نے کوئی مال نہ چھوڑاتواس کے ورثاء قرض لیں گے اورایک مسکین کو دیں گے پھر یہ مسکین صدقہ کردے اس کے بعض ورثاء پراس طرح یہی سلسلہ جاری رہے یہاں تک کہ تمام نمازوں کافدیہ اورروزوں کاادا ہو جائے اوراسی طرح ظاہر مذہب میں ہے کہ میت کے وارث دس آدمیوں کو جمع کریں جس میں کوئی غنی نہ ہو اور نہ غلام اور نہ نابالغ اور نہ دیوانہ ہو۔

ولاعبدولاصبی ولامجنون لان هبتهم لاتصح ثم یأخذ الوارث من مال الیتیم وجوباان اوصی واستحباباان لم یوص ثم یرده اویأخذ الاجنبی من مال نفسه تبرعافیدوره بنفسه اویوکل غیره الی أن یتم فدیة فواته ثم یهبونه الی الوارث مثلافیتصدقه علی الفقراء العشرة ماشاءولایجب تقسیم المال المذکورجمیعاعلی الفقراءیعنی یصح بعدالحیلة تقسیم مطلقاعلی الغنی والفقیروالاولیٰ به الفقیر کماهوالظاهرانتهی۔ملخصاوفی قاضی خان رجل مات وعلیه صلوات واوصی بان یطعموالصلواته اتفق المشائخ علی انه یجب هذه الوصیة من ثلث ماله یعطی لکل مکتوبة نصف صاع من الحنطة وللوتر ککک انتهی۔وحاصله ان تنفیذوصیته واجب بطریق الدوران ولاجل شهرة الدوران ماذکره المصنف کماهودابه وفی الکبیری فی فصل قضاءالفوائت ومن مات وعلیه صلوات فاوصی بمال معین لیعطی لکفارة صلواته لزم علی الورثة اعطائه ویعطی لکل صلوۃ کالفطرة وللوتر ککک وکذاالصوم کل یوم وانمایلزم تنفیذه من الثلث وان لم یوص وتبرع به الورثة جازوان کانت الصلوات کثیرة والحنطة قلیلة یعطی ثلاثة اصوم من صلوات یوم ولیلة مع الوتر مثلاًالفقیر ثم یدفعهاالفقیر الی الوارث ثم یدفعهاالوارث الیه وهکذایفعله مراراحتی یستوعب الصلوات ویجوزاعطائهاالفقیرواحددفعة بخلاف کفارة الیمین والظهاروالافطار بلاعذرانتهی۔وفی الدرالمختار (وَلَوْ مَاتَ الرجل وَعَلَيْهِ صَلَوَاتٌ فَائِتَةٌ وَأَوْصَى بِالْكَفَّارَةِ يُعْطَى لِكُلِّ صَلَاةٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ) كَالْفِطْرَةِ (وَكَذَا حُكْمُ الْوِتْرِ) وَالصَّوْمِ، وَإِنَّمَا يُعْطِي (مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا يَسْتَقْرِضُ وَارِثُهُ نِصْفَ صَاعٍ مَثَلًا وَيَدْفَعُهُ لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْفَقِيرُ لِلْوَارِثِ ثُمَّ وَثُمَّ حَتَّى يَتِمَّ.وفی الدرالمنتقی اذاارادواالاخراج عن المیت یخرجواعنه بقدرصلواته ان کان عندهم مایکفی والاتدفع مراراانتهی۔وفی الطحطاوی ولابدمن تکرارالقبض والدفع حتی تتم الهبةانتهی۔اعلم ان الحیلة فی اللغةهل هیئة الدافعة للثقل وفی الاصطلاح وجودالهیئة المسهلة لحصول المرادوهی قسمان حقانیة وشیطانیة الاولیٰ ماجوزه الشرع والثانیة مایمتنعوه الشرع وامثال الاولیٰ ماوجدمن ایوب علیه السلام ویوسف وابراهیم علیهماالسلام واما

الفقهاءجوزوهافی الدفع الشفعة والدفع حقوق اللہ تعالیٰ عن ذمة المیت کیف ماکانت فی دیارنامن الکابل والقندهار والصوبة السرحدیة واکتفیت بماحررت بمثل مشت نمونه خرواربعون اللہ الغفارواصلی فی اتمامهاعلی رسولنامحمدﷺ سیدالابرار وعلیٰ اله الاخیار۔آمین۔ (تسهیل المشکوة ص۱۱۷-۱۱۵)

نماز اور روزوں کا میت کے ذمہ سے ساقط کرنے کا بیان

اگر کسی میت کے ذمہ میں نماز اور روزہ قضا باقی ہو اور اس نے ان کی تمام کا فدیہ دینے کی وصیت کی ہو تو فدیہ دینا واجب ہے اور اگر وصیت نہ کی ہو اور اس میت کا ولی یا کوئی رشتہ دار اس کا فدیہ دیتا ہے تو بھی صحیح اور جائز ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے جلد اول میں اس پر بحث کی ہے۔ اسی طرح طحطاوی علی المراقی، عالمگیری، فتاوی قاضی خان ص ۲۸۶ جلد دوم میں کفارہ یمین کے موضوع میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔

رجل مات وعلیه صلوة شهرا ونحو ذلک ولم یترک مالا فاستفرض ورثة قفیز حنطة وتصدقوا علی المسکین ثم المسکین تصدق بذلک علی بعض ورثة ثم دفع الوارث الی المسکین عن صلوة المیت فلم یزل یفعل ذلک حتی تم لکل یوم قفیز حنطة جاز۔ وقال فی صفحه ۴۱۵ واجمعوا علی انما لا یبطل حق الغیر یکره فیه استعمال الحیلة والا الحیلة وکذا قال فی البخاری جلد اول صفحه ۲۶۲ حاشیه نمبر اول: وحجة اصحابنا الحنفیة ما رواه النسائی عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان رسول اللہ ﷺ قال لا یصلی احد عن احد ولکن یطعم عنه وعن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال رسول اللہ ﷺ من مات وعلیه صوم شهر فالیطعم عنه ما کان کل یوم مسکین قال القرطبی فی شرح الموتیٰ اسناده حسن وکذا فیه بروایة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها۔

ترجمہ: اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس پر مثلاً ایک مہینے کی نمازیں قضا ہوں اور اس کے فدیے کے لئے اس نے مال نہیں چھوڑا تو اس کے وارث کسی سے ایک قفیز (مثلاً ۴ کلو) گندم قرض لے کر کسی فقیر کو اس کے دو نمازوں کے فدیہ میں دیدے، پھر وہ فقیر اس کو قبول کر کے میت کے وارث کو اپنی طرف سے ہبہ (ہدیہ) کر دے، وہ وارث اس کو قبول کر کے دوبارہ اس فقیر کو میت کی دو نمازوں کے فدیہ میں دیدے اور وہ فقیر اس کو قبول کر کے دوبارہ اس وارث کو ہبہ کر دے، اس طرح کئی بار کرتا رہے تا کہ میت کے ذمہ جتنی نمازیں ہیں وہ اس سے ساقط ہو کر میت کا ذمہ فارغ ہو جائے۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نماز ادا کرے اور اس کی طرف سے کھانا کھلائے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس میت پر مثلا ایک مہینے کے روزے ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلاتا رہے، ایک ایک روزے کے بدل میں۔ قرطبی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

شرعاً یہ ثابت ہوا کہ نماز اور روزوں کے بدلے مال دینا فدیہ میں جائز ہے۔ اگر کسی نے حیلہ اسقاط کے عمل میں قرآن مجید رکھا تو یہ قرآن کی توہین نہیں ہے بلکہ کسی شخص کا ذاتی ملکیتی قرآن بھی مال ہے، اور وہ بھی فدیہ میں دے سکتا ہے کیونکہ قرآن کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

کسی کے لئے اس کی وصیت بھی جائز ہے اور میراث میں وارث کو بھی مل سکتا ہے، تو یہ سب اس پر دلالت کرتا ہے کہ قراٰن مال ہے تو دیگر مال کے ساتھ قراٰن کو بھی اگر فدیہ میں رکھ دیا جائے تو جائز ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے اور جو لوگ قراٰن پر ہاتھ رکھتے ہیں دورۂ اسقاط میں تو وہ بھی جائز ہے، کیونکہ سب لوگ باوضو ہوتے ہیں۔ قراٰن مجید کو بیت الخلاء لے جانا، ناپاک جگہ پر رکھنا، دار الحرب (میدانِ جنگ) میں لے جانا منع ہے، تو اے مسلمانوں ہمارا ملک نہ دار الحرب ہے، نہ حیلہ اسقاط میں قراٰن کو ناپاک جگہ پر رکھا جاتا ہے، اور نہ بے وضو لوگ اس کو ہاتھ لگاتے ہیں، تو کیسے منع اور ناجائز ہوا، اے وہابی اور پنج پیری کے بچے۔

بس کنم خود زیر اکاں را ایں بس است

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

راقم الحروف۔ سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
فاضل دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از جنازہ مستحب ہے یا نہ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنازے کے بعد دعاء کرنا ثابت نہیں ہے، بلکہ ممنوع وبدعت ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید اظہار الحق شاہ ترمذی حنفی سیفی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔

جنازے کے بعد دعا کرنا مستحب ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنازے کے بعد دعاء کرنا ثابت نہیں ہے، بلکہ ممنوع ہے، یہ بالکل بے بنیاد بات ہے کیونکہ جنازہ سے مراد چار تکبیریں ادا کرنی ہیں، فقط۔ کیونکہ آپ ﷺ سے نماز جنازہ کے بعد سلام پھیرنا ثابت نہیں ہے، نہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ میں اور نہ کسی اور جنازہ میں، بلکہ سلام پھیرنا نمازِ جنازہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے تو یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے جیسے کہ بدر العینی صفحہ ۲۳، جز ۸ میں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جنازہ سے مراد چار تکبیریں ہیں فقط۔ دعاء کرنا سلام سے پہلے اور چار تکبیروں کے بعد ممنوع ہے نہ کہ بعد میں۔

قال فی فتاویٰ قاضی خان وعن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: اذا لم یکبر حتی کبر الامام اربعاً فاتتہ الصلوۃ الجنازۃ۔

ترجمہ: فتاویٰ قاضی خان میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اگر مقتدی نے امام کی چوتھی تکبیر تک تکبیر نہیں پڑھی تو اس شخص سے نماز جنازہ فوت ہو گیا۔

قال فی طحطاوی وارکانها التکبیرات والقیام۔[2307]

ترجمہ: طحطاوی میں ہے کہ جنازہ کے ارکان تکبیرات اور قیام ہیں۔

وقال فی الشامی جلد اول ورکنها التکبیرات الاربع والقیام۔[2308]

کذا قال وهی اربع تکبیراتٍ۔[2309]

ترجمہ: اور شامی میں لکھا ہے جنازہ کے رکن چار تکبیر اور قیام ہیں، اور یہ جنازہ چار تکبیر ہے۔

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ صرف چار تکبیریں ہیں، تو دعاء کرنا چار تکبیروں کے بعد اور سلام سے پہلے ممنوع ہے نہ کہ سلام کے بعد۔ جیسے کہ شامی میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعاء کئے بغیر سلام پھیرنا ہے۔ طحطاوی میں بھی ایسا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد بغیر دعاء کے سلام پھیرنا ہے۔ یہ ظاہر الروایت میں ہے، تو یہ دعاء جو ممنوع ہے، یہ چار تکبیروں کے بعد، سلام سے پہلے والی دعاء ہے، نہ کے سلام کے بعد والی دعاء۔

وقال فی فتاویٰ عالمگیری جلد اول: وَلَيسَ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ هَكَذَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِقَاضِي خَانْ. وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ، هَكَذَا فِي الْكَافِي۔[2310]

فتاوی عالمگیری جلد اول میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعاء نہیں ہے، اسی طرح جامع الصغیر، قاضی خان میں بھی ہے، اور یہ ظاہر الروایۃ ہے، اور مذہب بھی یہی ہے۔

[2307] (طحطاوی ص۳۱۸) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ۱ ص ۵۸۱۔

[2308] (شامی ص۵۸۳)

[2309] (شامی صفحہ ۵۸۵)

[2310] (عالمگیری صفحہ ۱۳۱)

الحاصل یہ کہ جن کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لئے کھڑا نہ ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعاء ثابت نہیں ہے، سلام سے پہلے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سلام کے بعد دعاء ثابت اور جائز نہیں اور یہ دعاء ممنوع ہے۔ کیونکہ بعدیت (نماز کے بعد) کا وقت تو غیر متناہی ہے، پھر تو مانعین کے نزدیک قیامت تک مردوں کے لئے دعاء کرنا ممنوع قرار دیا جائے گا، حالانکہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولو جآء بعدما کبر الامام الرابعة قبل ان یسلم فقد فاتته صلوة الجنازة۔[2311]

ترجمہ: اگر کوئی شخص امام کی چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے آیا تو اس سے نمازِ جنازہ فوت ہو گیا۔

اور اسی طرح قاضی خان ۹۱، عالمگیری ۱۳۱ جلد اول میں ہے، اور کہا یہ ظاہر الروایۃ ہے۔ طحطاوی ۳۲۱و۳۲۶، شامی ۵۸۵ ج اول میں ہے:

سلام پھیرنا نمازِ جنازہ میں شامل و داخل نہیں ہے۔ جیسے امام عینی لکھتے ہیں۔ شرح بخاری ۲۳، جلد ۸:

وَقَالَ ابْن التِّين: وَسَأَلَ أَشهب مَالِكًا: أتكره السَّلَام فِي صَلَاة الْجَنَائِز؟ قَالَ: لَا، وَقد كَانَ ابْن عمر يسلم. قَالَ: فاستناد مَالك إِلَى فعل ابْن عمر دَلِيل على أَنه صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لم يسلم فِي صلَاته على النَّجَاشِيّ وَلَا على غَيره۔

ترجمہ: ابن تین نے کہا اشہب نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں؟ کہا نہیں، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سلام پھیرتے تھے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے دلیل لینے سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے حضرت نجاشی یا کسی اور کے جنازہ میں سلام نہیں پھیرا۔

تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سلام نہیں ہے، تو فقہاء کے قول سے معلوم ہوا کہ چار تکبیروں کے بعد دعاء نہیں ہے نہ کہ سلام کے بعد۔

اے میرے بھائیو! یہ طریقہ جو تمام شہروں یا ملکوں میں معروف اور جاری ہے کہ نمازِ جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد دعاء ہوتی ہے تو مشروع اور مسنون ہے۔ شرح الوقایہ حاشیہ مفتی عبد الرحیم صفحہ ۲۲۰ میں عبارت "یقوم المصلی بحذاء صدر المیت"

من صلی صلوة الجنازة ولم یقرء الدعاء لا یجوز جنازته لان الدعاء شرط بعد الصلوة وقال المعتزلة لا یفید الدعاء بعد صلوة الجنازة لان الصلوة دعاء من وجه قلت امر رسول الله ﷺ بدعاء بمكة حين سئل عمر رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله ﷺ ای فائدة بدعاء بعد صلوة الجنازة فقال رسول الله ﷺ هذا امر منهی فی حق الكافرين كذا فی الدرر۔

[2311] (خلاصۃ الفتاویٰ ج ا ص ۲۲۳)

ترجمہ: جس نے نماز جنازہ ادا کی اور اس کے بعد دعا نہ کی تو اس کی نماز جنازہ درست نہیں اس لئے کہ دعا بعد نماز جنازہ شرط ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کوئی فائدہ نہیں دیتی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ بھی ایک وجہ سے دعاء ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے امر فرمایا مکہ مکرمہ میں دعاء کے ساتھ جب آپ ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کوئی فائدہ دیتی ہے کہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امر ممنوع ہے کفار کے حق میں (یعنی کافروں کے لئے دعا کرنا منع ہے، نہ کہ مسلمانوں کے لئے)۔

اور حاشیہ شرح الوقایہ لمفتی محمد داؤد پشاوری ج ا ص ۲۲۴ پر بھی اس طرح ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں منھیّ فی حقّ الکافرین پر اگر غور کیا جائے تو اس سے پوری وضاحت سامنے آجائے گی۔ ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے لفظِ حقّ مصدر مضاف ہے اور الکافرین مضاف الیہ ہے۔ اب اگر یہ حقّ مصدر بمعنی فاعل کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نماز جنازہ کے بعد کی دعا کو کافر ممنوع قرار دیتے ہیں اور اگر حقّ مصدر بمعنی مفعول کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نماز کے بعد کی دعا کافروں کے لئے ممنوع ہے۔ تو بنابر تقدیرِ اوّل مانعین کافر ہو جاتے ہیں اور بنابر تقدیرِ ثانی مردے کافر ہو جاتے ہیں۔ تو مانعینِ دعا یا تو خود کافر ہیں اور یا مردوں کو کافر سمجھتے ہیں اس لئے دعا نہیں کرتے۔

اور بحر الرائق کی عبارت میں ہے "لانه لا یدعو بعد التسلیمتین"۔ تو یہ عبارت مذکورہ تمام عبارت کے ساتھ مخالف اور متناقض ہے اور مانعین کے لئے بہترین اور مضبوط دلیل ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ عبارت مذکورہ عباراتِ فقہاء کے ساتھ موافق ہے نہ کہ مخالف۔ اصل میں یہ کاتب سے غلطی ہوئی ہے جیسے کہ قرآن مجید کی آیات و حرکات و سکنات میں کبھی کبھی کاتب یا اشاعتی ادارے کی طرف سے سہو و غلطی ہوتی ہے، پھر قرآن مجید کے حفاظ و قراء اس کی تصحیح کر دیتے ہیں۔ اس بنا پر اصل عبارت یوں ہے: لانه لا یدعو ا بعد التسلیمتین اس کا معنی یہ ہوا کہ نمازی چوتھی تکبیر کے بعد دو طرفہ سلام کو ترک نہیں کرے گا۔ تو "لا یدعو" میں کاتب سے سہو اور غلطی ہوئی ہے اور بعد کا لفظ اسماء ظروف میں سے ہے جو مقطوع الاضافت ہے اور مضاف الیہ محذوف ہے جو تکبیر رابع ہے اور لفظ "تسلیمتین" لا یدعو کے لئے مفعول بہ ہے، صرف "لا یدعو" کا واؤ سہو اور غلطی ہے کاتب کی طرف سے، تو بحر الرائق کی عبارت تمام فقہاء کی عبارات کے موافق ہو گئی۔

هذا القدر کاف من له طبع۔ و الله اعلم بالصواب۔

راقم الحروف۔ سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
فاضل دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ میت کے اہل خانہ کی طرف سے پہلے سات دنوں میں صدقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید احتشام الحق شاہ ترمذی حنفی سیفی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔

میت کی پہلی رات سے لے کر سات دن تک خیرات وصدقہ کرنا مستحب ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ

وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوصِي الْحَافِرَ يَقُولُ: «أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ» فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهُ دَاعِي امْرَأَتِهِ فَأَجَابَ وَنَحْنُ مَعَهُ وَجِيءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَأَكَلُوا فَنَظَرْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يلوك لُقْمَةً فِي فَمِهِ ثُمَّ قَالَ أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ تَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى النَّقِيعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرَى لِي شَاةٌ فَلَمْ تُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِي قَدِ اشْتَرَى شَاةً أَنْ أرسل إِلَيّ بِهَا بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَطْعِمِي هَذَا الطَّعَامَ الْأَسْرَى» (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ص ۴۷۳ و الْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔ مشکاۃ المصابیح ص ۵۴۴)

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے باپ اور وہ انصار کا ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنازہ کیلئے نکلے۔ پس ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اس حال میں کہ قبر کے پاس آکر کھودنے والے کو وصیت فرمائی کہ میت کی قبر کو پاؤں کی طرف سے اور سرہانے کی طرف سے کشادہ کیجئے جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو آپ ﷺ کے سامنے اس میت کی عورت بلا رہی تھی پس آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ پس وہ عورت کھانا لائی اور آپ ﷺ کے سامنے رکھا اور پھر قوم کے سامنے پس

سب نے کھایا پس ہم نے دیکھا رسول اللہ ﷺ کی طرف کہ فم مبارک میں لقمہ الٹ پلٹ رہے ہیں اور فرمایا میں نے بھیڑ (یا بکری) کے گوشت سے معلوم کیا ہے کہ بغیر اجازت مالک حاصل کی گئی ہے الخ۔

فائدہ: اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ میت کے پیچھے پہلی رات میں صدقہ جائز ہے۔ مرقات میں امرأته کی امرأة المیت اور ابوداؤد میں امرأة آیا ہے۔ یہاں تنوین عوض ہے تو یہ معلوم ہوا کہ یہ عورت میت کی بیوی تھی دوسرا جواب یہ ہے کہ امرأة لفظ اگر عام لیا جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ میت کی بیوی نہ تھی اور کوئی اور تھی جب اس میں یہ احتمال پیدا ہوا۔ (اذا جآء الاحتمال بطلت الاستدلال) پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں کو شامل ہے اور تمام محدثین کے نزدیک یہ میت کی بیوی تھی۔ (فقط واللہ تعالیٰ بالصواب)

وھکذا الشیخ المحدث عبدالغنی الدھلوی شارح ابن ماجه حیث قال اما صنعته الطعام من اھل المیت اذا کان للفقراء فلا بأس به لان النبی ﷺ قبل دعوة امرأة المیت التی مات زوجھا کما فی سنن ابی داؤد ص ۴۷۳۔

ترجمہ: حضرت شیخ المحدث شاہ عبدالغنی صاحب الدہلوی فرماتے ہیں کہ کھانا میت کے ورثاء اگر فقراء کیلئے تیار کریں تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے میت کی عورت کی طرف سے دعوت قبول فرمائی تھی جیسا کہ ابوداؤد ص ۴۷۳۔

فائدہ: اس سے ظاہر ہوا کہ میت کے ورثاء اگر بخوشی فقراء کو کھانا کھلائیں تو کوئی حرج نہیں۔

وھکذا قال المحدث عبدالحق الدھلوی والمستحب ان یتصدق من المیت بعد ذھابه من الدنیا الی سبعة ایام۔ (اشعة اللمعات ج ۱ ص ۶۳۴)

اسی طرح حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ میت کے دنیا سے چل بسنے کے بعد سات دن تصدق بالطعام مستحب ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ میت کے پیچھے تصدق درست ہے۔

وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسناً۔ (شامی ج ۱ ص ۶۳۶)

ترجمہ: اگر کھانا فقراء کیلئے تیار کیا جائے تو اچھا ہے۔

والسنة ان یتصدق ولی المیت قبل مضر اللیلة الاولیٰ بشئی مما تیسر له فان لم یجد شیئا فلیصل رکعتین۔

(شرح شرعة الاسلام ص ۵۶۸، طحطاوی ص ۳۳۹، برھنه ج ۱ ص ۳۶۳)

ترجمہ: طریقہ مسنون یہ ہے کہ میت کے ورثاء تصدق کریں پہلی رات گزرنے سے پہلے جس قدر بھی ان کیلئے آسان ہو اگر ان کو کچھ میسر نہ ہو تو دو رکعت نفل ہی پڑھ کر میت کی روح کیلئے ان کا ثواب بخشیں۔

فائدہ: ثابت ہوا کہ صدقہ میت کیلئے پہلی ہی رات گزرنے سے پہلے پہلے بہت مفید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ شرح الصدور صفحہ ۵۷ پہ لکھتے ہیں۔ **عَنْ سفیان قَالَ: قَالَ طَاوُسٌ: إِنَّ الْمَوْتَى يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ سَبْعًا، فَكَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُطْعَمَ عَنْهُمْ تِلْكَ الْأَيَّامَ۔** (الحاوی للفتاویٰ، باب طلوع الثریا باظھار ما کان خفیا، ج ۲، ص ۲۱۶)

ترجمہ: امام احمد رحمہ اللہ نے الزہد اور ابونعیم رحمہ اللہ نے حلیہ میں طاؤس سے روایت کی کہ مردوں کو قبروں میں سات دن تک آزمایا جاتا ہے تو علماء نے ۷ دن تک ان کے لئے صدقہ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

والسنة أن يتصدق ولي الميت له قبل مضي الليلة الأولى بشيء مما تيسر له فإن لم يجد شيئا فليصل ركعتين ثم يهدي ثوابهما له قال ويستحب أن يتصدق على الميت بعد الدفن إلى سبعة أيام كل يوم بشيء مما تيسر اهـ

(حاشیۃ طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور، فصل فی حملها و دفنها، ج ۱ ص ۶۱۷)

طحطاوی میں ہے: کہ سنت یہ ہے کہ میت کا وارث میت کی طرف سے پہلی رات گزرنے سے پہلے صدقہ دیدے جو بھی اس کو میسر اور آسان ہو۔ اگر صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ پائے تو اس کے لئے دو رکعات نماز پڑھ کر اس کا ثواب اس کو بخش دے اور یہ مستحب ہے کہ جو بھی حسبِ استطاعت میسر ہو تو سات دن تک میت کے لئے صدقہ دیدے۔

وقال فی النسائی (۱) جلد اول صفحہ ۱۵ حاشیہ نمبر ۲، (۲) وقال فی النسائی جلد ثانی صفحہ ۲۴۱: لعن رسول اللہ ﷺ علی أکل الرباء و موکلہ و کاتبہ و مانع الصدقۃ۔ وقال فی الحاوی للفتاویٰ جلد ثانی ایضاً، صفحہ ۱۷۸۔

ترجمہ: نسائی شریف کے حاشیہ میں ہے اور ۲۴۱ میں ہے آپ ﷺ نے لعن فرمائی ہے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور صدقہ کو منع کرنے والے پر۔ الحاوی للفتاویٰ میں ص ۱۷۸ جلد ثانی میں بھی ایسا ہے۔

علامہ عبد الرشید صاحب رشید البیان میں لکھتے ہیں: اموات کے لئے صدقہ و خیرات کا ثواب پہنچتا ہے اور جو کہتا ہے کہ ایصال ثواب نہیں ہوتا تو وہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

بس کنم خود زیرا کاں را ایں بس است

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

راقم الحروف۔ سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
فاضل دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ کیا قرآن پڑھنے پڑھانے والوں کو کھانا کھلانا، تحفہ تحائف دینا اور اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید سمیع الحق شاہ ترمذی حنفی سیفی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔

قرآن خوانی کرنے والے علماء و طلباء کو یہ چیزیں دینا دو قسم پر ہے، یا تو ان کے ساتھ اجارا (مزدوری) کی بات کی ہو گی یا بغیر اجارے کے ان سے قرآن خوانی کروا رہے ہیں۔ اگر بغیر اجارے کے ہے تو قرآن پڑھنے والوں کے لئے اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے، اس کی دلیل قرآن و حدیث میں ہے۔ قرآن مجید میں فرمانِ خداوندی ہے:

هَلۡ جَزَاءُ الۡإِحۡسَانِ إِلَّا الۡإِحۡسَانُ (الرحمن ٦٠)

ترجمہ: احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے۔

رہی بات اجارے کے طور پر قرآن خوانی کرنا تو اس میں اختلاف ہے۔ بخاری میں ص ۳۴۰ ج ۱ میں ہے:

فقالعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰہِ (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب کاموں سے زیادہ اجرت لینے کے لائق اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) ہے)۔

اس عبارت کے حاشیہ نمبر ۸ میں ہے: وفيه جواز الرقية وبه قالت الائمة الاربعة وفيه جواز اخذ الاجرة یعنی اس حدیث میں دم کرنے کا جواز ہے اور یہ ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور دم کرنے پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے۔

وفی الحدیث ان حسین بن علی بعث ابنه علی بن الحسین زین العابدین الی عبدالرحمن السلمی لیعلمه القرآن فعلمه فاتحة الکتاب فقرأها بین یدی ابیه الحسین فارسل الیه بعشر بدرات (جمع بدرة) ای بعشرة الاف درهم بعشرة افراس و بعشرة نخوت من الثیاب، فقیل؟ بم استحق هذا قال له لانه علم ابنی فاتحة الکتاب وهی التی لم تنزل علی احدمن لدن آدم الی محمد علیهما الصلوة و السلام و لم تنزل علی جدی سورة افضل منها فهذا الذی انقدت الیه حقه کذا فی تفسیر حقی۔

ترجمہ: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے فرزند زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عبد الرحمن سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے تاکہ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں قرآن پاک پڑھادیں پس حضرت عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سورۃ فاتحہ سکھادی، پھر حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سورۃ فاتحہ پڑھی (سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے جب سورۃ فاتحہ سنی تو) حضرت عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دس ہزار (۱۰۰۰۰) دراہم اور دس گھوڑے اور دس جوڑے (کپڑوں کے) بھیج دیئے۔ تو (ایک سائل نے سوال کیا حضرت، جناب عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کس سبب سے (اتنے سارے مال کے) مستحق ہوئے؟ تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (اے سائل) جناب عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے صاحبزادے کو سورۃ فاتحہ پڑھائی ہے (یہ اس کا عوض ہے) (اور سنو) حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے نانا جان جناب محمد رسول اللہ ﷺ تک کسی (نبی علیہ السلام) پر میرے نانا جان ﷺ کے سوا سورۃ فاتحہ نازل نہیں ہوئی (یہ اعزاز صرف اور صرف میرے نانا جان ﷺ کو حاصل ہے مزید برآں) میرے نانا جان ﷺ پر اس سے افضل کوئی سورت نازل نہیں ہوئی۔ (اے سائل میں نے عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگر کچھ دیا ہے تو) یہ اس کا حق ہے۔" ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

(المقاصد السنیة ۴۷۰، خزینة الاسرار ص ۶۷)

فی عمدة الحکام من ملتقط الناصری سلم ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ ابنه حمادا الی معلم فلما علمه الحمدلله اوصله بخمس مائة درهم فاستکثره المعلم فغضب ابو حنیفة رحمه الله تعالی و حبس ابنه و قال لیس للقرآن عنده قدر انتهیٰ۔

عمدۃ الاحکام سے ملتقط ناصری میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے حماد کو معلم کے پاس بعوض تعلیم سپرد کیا جب انہوں نے سورۃ فاتحہ (الحمد للہ) سیکھ لی تو امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور ہدیہ پانچ سو درہم استاذ کیلئے بھیجے تو استاذ صاحب نے زیادہ سمجھا امام صاحب مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبارک بہت غصہ ہوئے اور اپنے بیٹے (حماد) کو ان کے پاس جانے سے روک دیا اور فرمایا کہ اس کے پاس قرآن کی قدر نہیں۔ (المتانة فی مرمة الخزانة باب فضل القرآن و قرآءته و آدابه ص ۶۲۹)

و اما الحدیث التی جاء فی مشکوة عَن بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَتَأَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عظم لَيْسَ عَلَيْهِ لحم». رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شعب الْإِيمَان۔

فالمراد به السؤال من الناس کما فی الحدیث السابق عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن حصین للاجارۃ مشکوۃ ص ۱۹۳۔

ترجمہ: رہی وہ حدیث جو مشکوۃ شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھ کر اس پر کھانا کھالے تو قیامت کے دن اس کے چہرہ پر صرف ہڈی ہوگی، گوشت نہیں ہوگا، تو اس سے مراد لوگوں سے مانگنا ہے جیسا کہ سابق حدیث سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

قال فی الفتاویٰ عالمگیری (جلد ۳ ص ۷۷۹، فی باب السادس عشرۃ) وَعِنْدَ عَدَمِ الِاسْتِئْجَارِ أَصْلًا أَوْ عِنْدَ الِاسْتِئْجَارِ بِدُونِ الْمُدَّةِ أَفْتَوْا بِوُجُوبِ أَجْرِ الْمِثْلِ. كَذَا فِي الْمُحِيطِ۔ وَكَانَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ يَقُولُ يُجْبَرُ الْمُسْتَأْجِرُ عَلَى دَفْعِ الْأُجْرَةِ وَيُحْبَسُ بِهَا قَالَ: وَبِهِ يُفْتَى۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: شیخ امام ابو بکر محمد بن الفضل کہتے ہیں کہ صاحبِ خانہ (جنہوں نے اجرت پر لوگوں کو بلایا) زبردستی اجرت اٹھا کر (قرآن خوانی کرنے والوں) کام کرنے والوں کو دے گا اور اس پر فتویٰ ہے۔

عقل لوگوں ذرا سوچ لیں کہ قرآن پڑھنے والے طالب العلم وغیرہ لوگ اپنی مرضی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی دوستی اور تعلقات کی بنا پر آکر قرآن خوانی کرتے ہیں اور صاحبِ خانہ ان کو جو کچھ عطا کرتا ہے تو یہ اس آیت کا مصداق ہے:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (الرحمن ۶۰) کہ احسان کا بدلا احسان ہی ہے۔

هذا القدر کاف من له طبع۔ واللہ اعلم بالصواب۔

راقم الحروف۔ سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فهو فیه مصیب۔
حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ (۱) اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا عرس منانا اور ان کے مزارات پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ (۲) اسی طرح مزار شریف کو چومنا کیسا ہے؟ (۳) اس کے علاوہ قبر شریف کے ارد گرد گھومنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ (۴) نیز میت کے لئے پہلے سے ساتویں دن تک، جمعہ کی رات، چالیسویں دن اور برسی میں خیرات کرنا کیسا ہے؟ (۵) عورتوں کے لئے مزارات پر حاضری کا کیا حکم

ہے؟(۶) اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر ماننا اور مزارات پر شکرانہ ڈالنا کیسا ہے؟(۷) کیا ختم القرآن الشریف کے وقت اپنے اہل وعیال اور دوست واحباب کو جمع کرنے اور اجتماعی دعا کرنے کا ثبوت ہے؟(۸) غیر صحابہ کے لئے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کا استعمال کرنا کیسا ہے؟۔(۹) ذکر بالجھر (یعنی اونچی آواز) سے ذکر کرنا بعد از نماز جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اسے بدعت اور گمراہی کہتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۰) سفید لباس اور عمامہ شریف کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سفید عمامہ شریف کا ثبوت نہیں ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟

بینوا جوابات ھذہ المسائل من کتب الشرعیۃ وتوجروا۔ المستفتی: سید سراج الحق شاہ سیفی ترمذی

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ الذی رفع اھل الحق وضع اھل الباطل واحق الحق وابطل الباطل والصلٰوۃ والسلام علی نبینا وسیّدنا وسندنا ووسیلتنا فی الدارین محمّد النبی المکمل الاکمل وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ جاھدوا لاحقاق الحق وابطال الباطل ورفعوا الحق ووضعوا الباطل وعلٰی التابعین الذین ناظروا لاظھار الحق واخفاء الباطل وعلٰی تبعھم الذین لایخافون لومۃ لائم فی احقاق الراسخ وابطال الباطل الزائل اللّٰھمّ انا نسئلک الفتح والغلبۃ فی المناظرات مع اھل الباطل بجاہ الرسول الاکمل امابعد!

الجواب ومنہ الصدق والصواب:

(۱) اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا عرس منانا اور ان کے مزارات پر گنبد وغیرہ بنانا

کسی امر کے جائز یا ناجائز ہونے کا انحصار قرآن وسنت پر ہے۔ لوگوں کی تہذیب وتمدن پر نہیں۔ مثلاً حج، اسلام کا عظیم الشان رکن ہے۔ اگر کوئی شخص دروان حج فحش گوئی کرے یا لوگوں کو ایذاء پہنچائے تو ان قبیح امور کی بناء پر حج میں نکتہ چینی کرنا یا اس رکن کو ناجائز وحرام قرار دینا، عقل وخرد کے مطابق نہیں، ہاں حج کی عظمت کو پامال کرنے والا شخص ضرور قابلِ مذمت ہے۔ اور یہی حال دیگر امور شرعیہ کا ہے۔ ان میں خرابیاں پیدا کرنے والا قابلِ مذمت ہے۔

اسی طرح بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عرس منانا، فاتحہ، قرآن خوانی، ایصال ثواب کرنا اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات پر حاضری دینا جبکہ اس کا جواز قرآن مجید اور صحیح احادیث مبارکہ میں وارد ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث ہے، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ "میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے روکا تھا، لیکن اب تم ان کی زیارت کیا کرو"۔

اس حکم کے بعد بھی اگر کوئی شخص قبروں کی زیارت سے اس بناء پر روکتا ہے، کہ وہاں قبروں کا تقدس پامال ہوتا ہے یا لوگ غیر شرعی امور کا مظاہرہ کرتے ہیں، جیسے سجدہ کرنا، یا وہاں عورتوں اور مردوں کا اس طرح اختلاط کہ احکامِ شرعیہ کا پاس نہ رہے، اگرچہ یہ امور ناجائز اور حرام ہیں، لیکن ان لغویات کی بناء پر مزارات کی زیارت کو ناجائز قرار دینا کہیں کا انصاف نہیں۔ نہ تو یہ عقل کے مطابق ہے اور

نہ ہی شرع کے۔ اس بات سے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ حرم مکہ ہو یا عام شہر، مزارات ہوں یا مسجدیں، جہاں کہیں بھی امور شرعیہ کا خلاف ہو رہا ہے، اس کی روک تھام کے لئے پوری قوت صرف کر دینی چاہئے، اور مذھب و دین کی راہ میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرنا چاہئے، لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ طوفان مزارات کے خلاف ہی کیوں؟

آج کل کچھ لوگوں کو توحیدی اور موحد کہلانے کا بڑا شوق ہے اور اسی آڑ میں وہ کہتے ہیں کہ مزارات شرک کی جڑ ہیں۔ یہ تو بالکل اسی طرح ہے کہ کوئی شخص حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر تل جائے اور معاذ اللہ، ان کی شان میں گستاخی کے کلمات اس بناء پر کہے کہ عیسائی ان کی پرستش کرتے ہیں تو اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ اس مشرکانہ عقیدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کسی قسم کا دخل نہیں، بلکہ قصور اس کا ہے، جو انہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔

بالکل اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مزارات اور قبروں پر جا کر ناجائز کام کرتا ہے، تو اسی کے خلاف مہم سازی ہونی چاہئے چہ جائیکہ قبروں پر جانے کی بندش کر دی جائے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی اجازت اور حکم دیا ہے۔ اگر مکھی ناک پر بیٹھے تو مکھی کو اڑانا چاہئے، نہ کہ ناک ہی کو کاٹ کر اس کا صفایا کر دیا جائے۔

عرس کے لغوی معنیٰ "شادی" کے ہیں اور مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں اولیائے کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ، علمائے صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ اور بزرگان دین رحمہم اللہ تعالیٰ کے یومِ وصال کو عرس کہتے ہیں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے۔ شافعِ روزِ محشر حبیب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "مومنین صالحین جب اپنی قبروں میں نکیرین علیہما السلام کے سوال کے جواب میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو فرشتے ان کی قبر میں جنتی کھڑکی کھول کر جنتی لباس میں ملبوس کر کے جنتی بچھونے پر لٹا کر کو یوں کہتے ہیں: **"نم کنومة العروس الذی لا یوقظه الا احب اهله الیه"**

یعنی تو اس دلہن کی طرح سو جا جس کو سوائے اس کے پیارے اور محب کے کوئی دوسرا نہیں جگاتا، تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا اور ان اللہ والوں کا یومِ وصال ان کے لئے عروس یعنی دلہن بننے کا دن ہوتا ہے اس لئے وہ دن یوم العروس یعنی شادی کا دن کہلاتا ہے یا اس لئے کہ وہ ساقیٔ کوثر جناب نبی کریم ﷺ کے جمالِ جہاں آراء کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونے کا دن ہے۔ کیونکہ وہ سارے عالم کے دولہا ہیں۔

عرس پاک کی حقیقت اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبروں کی زیارت کرنی، تلاوت قرآن، وظائف و اذکار پڑھ کر اور صدقات و خیرات کر کے ان کی اروح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (پ:۱۶ مریم ۱۵)

یعنی اور ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن قیامت میں زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے)

اس آیت کے تحت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ "وہ عند اللہ ایسے وجیہہ و مکرم تھے کہ ان کے حق میں من جانب اللہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ انتقال کریں گے اور جس دن قیامت میں زندہ ہو کر اٹھائے جاویں گے"۔ (تفسیر بیان القرآن حاشیہ ۵، ص ۲۷۶)

مولوی شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ: "اللہ جو بندہ پر سلام بھیجے، محض تشریف و عزت افزائی کے لئے ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اسپر کچھ گرفت نہیں، یہاں وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم ۱۵) سے غرض تعمیم اوقات و احوال ہے۔ یعنی ولادت سے لیکر موت تک اور موت سے قیامت تک کسی وقت اس پر خوردہ گیری نہیں، خدا کی پکڑ سے ہمیشہ مامون و مصون ہے"۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ ۷، ص ۴۰۸)

سید امیر علی ملیح آبادی، اپنی تفسیر مواھب الرحمٰن میں لکھتے ہیں:

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم ۱۵)

"سلام ازلی اس کی روح پر جب کہ اس کا ظہور ہوا تھا، نور کاف و نون سے کہ یہ دونوں صفات حق عزوجل کی تجلی سے ہیں۔ اور یہ سلام اسی کا سلام ہے۔ جمالِ حق نے روحِ یحییٰ علیہ السلام کے واسطے اول امر میں تجلی فرمائی۔ پس جب برکتِ سلامِ الٰہی مع نور وجود کے اس کی روح کو پہنچی تو صفت عصمت کے ساتھ اس کو روزِ خروج سے احاطہ کر لیا۔ پھر جب اس میں کمال کو پہنچی، تو اللہ تعالیٰ نے زیادہ کشفِ جمال سے مراعات فرمائی، اور وہ خطاب و سلام بوقت انتقال ہے کہ جب دارِ فناء سے دارِ بقاء کو انتقال فرمایا تا کہ اس کو خوفِ عافیت سے وحشت نہ ہو۔ اور دو سلام اور دو مشاھدہ کے درمیان رہے۔ یہاں تک کہ عرض اکبر یعنی قیامت کی پیشی کا وقت آوے۔ الخ۔

(تفسیر مواھب الرحمٰن، ج ۵، ص ۸۲، پ ۱۶)

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے متعلق ارشاد ہے: وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم ۱۵)

یعنی اور مجھ پر اللہ کی جانب سے سلام ہے، جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ (تفسیر بیان القرآن، ص ۲۷۷، سورہ مریم)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کا قرآن میں ذکر کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے والوں کی اگرچہ گھڑی اور ہر ساعت سلامتی والی ہوتی ہے لیکن خاص طور پر ان کی پیدائش مقدسہ اور وصالِ معظمہ کا دن خاص اہمیت کا حامل ہے جبھی تو پیغمبرِ خدا ﷺ خاص طور پر اپنی پیدائش اور وصال کے دن خود ہی خود پر سلامتی بھیجتے ہیں اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے میلاد و وصال کے دنوں پر تو اللہ تعالیٰ سلام بھیجتا ہے۔ ان دونوں آیات سے یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے کہ ولادت اور وصال کے دن کا ذکر کرنا ان مقررہ ایام میں عرس اور برسی کا تعین کر کے سلام بھیجنا اور سلامتی چاہنا قطعی طور پر جائز ہے۔

احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی شہدائے احد رضی اللہ عنہم کی قبروں پر ہر سال مقررہ ایام میں تشریف لاتے تھے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے: **کان النبی ﷺ یأتی قبور الشهداء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ . . . الخ۔**

رسول کریم ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء احد رضی اللہ عنہم کی قبروں پر تشریف لے جاتے، پھر کہتے، سلامتی ہو تم پر بعوض اس کے جو تم نے صبر کیا، پس اچھا ہوا آخری ٹھکانہ۔ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے اپنے زمانے میں ہر سال قبورِ شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر جایا کرتے تھے۔ (ج ۱۳، ص ۹۲)

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہر سال شہیدوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبروں پر جانا ثابت ہوا کہ جو عرس کی اصل ہے۔

فخر الملت والدین امام فخر الدین رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حدیث کو تفسیر کبیر میں نقل کرتے ہیں:

عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأتی قبور الشهداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعة رضی اللہ تعالیٰ عنہ هکذا کانوا یفعلون۔ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور پر تشریف لے جاتے، پھر کہتے، سلامتی ہو تم پر بعوض اس کے جو تم نے صبر کیا پس اچھا ہوا آخری ٹھکانہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے اپنے زمانے میں ہر سال قبور شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر جایا کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۹، ص ۴۵، تفسیر در منثور، ج ۴، ص ۵۸، تفسیر قرطبی، ج ۹، ص ۳۱۲)

مولوی شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر سال کے آغاز میں قبور شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تشریف لے جاتے اور فرماتے: "سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ یہی طرزِ عمل ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رہا۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ نمبر ۶، ص ۳۳۴)

مولانا شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فتاوٰی میں اس حدیث کو عرس کے ثبوت و جواز میں بطور اصل کے پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں: عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ رضی اللہ عنہم ھٰکذا کانوا یفعلون۔ (فتاوٰی عزیزی ج ۱، ص ۴۹)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ہر سال شہداء احد کی قبور پر تشریف لیجانا اور پھر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے اپنے زمانے میں اس سنتِ مصطفی پر عمل پیرا رہنا عرس بزرگانِ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتنی زبردست دلیل ہے کہ جس کو کسی صورت میں نہ تورد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کر دینے کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ ہر سال عرس اور برسی منانے کو شرک و بدعت وغیرہ کہنے والوں کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، کہ سنتِ مصطفی ﷺ اور سنت خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمسخر و استہزاء کی نظر سے دیکھنا اور دین سرورِ دو عالم ﷺ کو اس قدر سنگین مذاق کا شکار بنانا انہیں کس طرف لے جارہا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کتب معتبرہ میں بھی عرس کے جواز پر تصریح موجود ہے۔

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۵۱۱، (۲) تفسیر کشاف (ج ۲، ص ۵۲۷) (۳) روح المعانی ج ۷، ص ۱۴۵۔ (۴) شرح الصدور ص ۸۷، (۵) ارشاد الساری لملا علی قاری، ص ۳۴۷ (۶) البدایہ والنہایۃ (ج ۳، ص ۸۹)

قرآن کریم کی آیات کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کے حوالہ جات کے بعد اب ہم علماء و محدثین کرام کے فتاوٰی پیش کرتے ہیں تاکہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے اور مخالفین پر حجت تمام ہو جائے۔

مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ایں طعن مبنی است بر جہل باحوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نمیداند۔ آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں بامداد ثواب و تلاوتِ قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امور مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعین روز عرس برائے آنست کہ آں روزِ مذکور انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب، والا ہر روز یکہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است"۔ (فتاوٰی عزیزی ج ۱، ص ۴۹)

ترجمہ: یہ طعن لوگوں کے حالات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہے کہ کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کسی چیز کو فرض نہیں جانتا۔ ہاں صالحین کی قبروں سے برکت لینا ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا باجماع علماء اچھا ہے۔ عرس کا دن اس لئے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی عرس کے متعلق لکھتا ہے: ''جب منکر نکیر قبر میں آتے ہیں تو مقبولانِ الٰہی سے کہتے ہیں ''**نم کنومة العروس**'' عرس کہ رائج ہے، اسی سے ماخوذ ہے، اگر کوئی اس دن کا خیال رکھے اور اس میں عرس کرے تو کونسا گناہ لازم ہوا''۔

(امداد المشتاق ص ۸۸، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

مولوی اشرف علی تھانوی دوسری کتاب میں لکھتا ہے: ''فرمایا کہ یہاں تھانہ بھون میں ایک شاہ ولایت صاحب کا مزار ہے۔ یہ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء میں سے تھے اور اہلِ وجدان سے معلوم ہوا، کہ بہت بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں۔ ان کے مزار پر عرس بھی ہوتا ہے۔ عرس کے موقع پر والد صاحب مرحوم بڑے اہتمام سے التزاما کھانا پکوا کر وہاں بھجوایا کرتے تھے''۔

(اشرف السوانح، ج ۴، ص ۴۴) مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

مولوی اسماعیل دہلوی قتیل نے اپنی کتاب ''صراطِ مستقیم'' میں لکھا ہے: ''**پس در خوبی این قدر امر از امور مرسومہ فاتحھا و اعراس و نذر و نیاز اموات شک و شبہ نیست**'' (فارسی ۵۵)

ترجمہ: پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں اور عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں''

(صراط مستقیم (اردو) ص ۱۱۰، مطبوعہ لاہور)

دیوبندیوں کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' میں لکھا ہے کہ ''ایجادِ رسمِ عرس سے مقصد یہ تھا کہ سب سلسلہ کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں، باہم ملاقات ہو جائے، اور صاحب قبر کی روح کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے۔ یہ مصلحت ہے، تعین یوم میں۔ رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں، ان کا اظہار ضروری نہیں''۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۱۸، مطبوعہ مسلم کتابوی لاہور)

ایک دوسرے مقام پر اپنا عمل یوں بیان کرتے ہیں: ''مشرب فقیر اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں۔ اول قرآن خوانی ہوتی ہے، اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوتی، موائد پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلا دیا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے''۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۱۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ازیں جا است حفظِ اعراسِ مشائخ و مواظبت زیارتِ قبور ایشاں و التزامِ فاتحہ خواندن و صدقہ دادن... الخ'' (ہمعات از شاہ ولی اللہ محدث دھلوی ص ۱۶)

ترجمہ: اسی پر مبنی ہے مشائخ کے ایامِ عرس کی حفاظت کرنا اور ان کی زیارت کے لئے ان کے مزارات پر ہمیشہ حاضری دینا اور ان کے لئے فاتحہ پڑھنے اور صدقہ دینے کو لازم سمجھنا''۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب بیان کرتے ہیں: ''ایک دفعہ میرا دہلی جانا ہوا۔ وہاں عبد اللہ مسند نشین درگار حضرت صابر بخش نے تقریبِ عرس میں مجھ کو بلوایا، اور کسی مرید کا ہاتھی سواری کو بھیجا، جب میں ان کے مکان پر پہنچا، تو دیکھا کہ لوگ بڑی شان و شوکت سے جمع ہیں۔ میں فقیرانہ حالت سے گیا تھا۔ مجھ کو دیکھتے ہی تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور دست بوسی کر کے مسندِ صدور پر بٹھایا''۔

(شمائم امدادیہ ص ۸۲)

ان تمام مذکورہ بالا تصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ عرس منانا اور اس میں ایصال ثواب کے لئے صدقہ و خیرات کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعث خیر و برکت ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عرس کے لئے دن مقرر کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک تعین یوم ضروری نہیں، لیکن جائز ضرور ہے۔ اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ محافلِ عرس مختلف مقامات میں مختلف تواریخ پر ہوتی ہیں۔ اگر قرآن و حدیث میں غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے دنوں میں برکتیں رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ**۔ یعنی اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ (پ ۱۳، سورۃ ابراہیم آیت ۵)

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ۔ یعنی اور اللہ کی یاد کرو گنے ہوئے دنوں میں۔ (پ ۲، بقرۃ آیت ۲۰۳)

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ یہود، بوجہ نجاتِ موسیٰ علیہ السلام اور غرقِ فرعون، عاشورہ کے دن کے روزہ رکھتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا، تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''**فنحن احق و اولیٰ بموسیٰ منکم فصامہ رسول اللہ ﷺ و امر بصیامہ**۔ یعنی ہم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تم سے زیادہ حق دار ہیں اور اس دن کا روزہ رکھنا شروع کیا اور اپنے اصحاب کو بھی یہی حکم فرمایا۔

(مشکوٰۃ باب، صیام التطوع ص ۱۸۰)

اگر مخالفین یہ اعتراض کریں کہ اس میں تو یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے اور یہودیوں سے مشابہت اختیار کرنا ممنوع و ناجائز ہے۔ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ اس میں یہودیوں سے مشابہت نہیں ہے اس لئے کہ مذکورہ حدیث میں یہ عبارت ہے ''**فنحن احق و اولیٰ بموسیٰ منکم**''، یعنی ہم مشابہت موسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں۔ جو کہ بلاشک و شبہ جائز اور مستحسن امر ہے۔

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''**کان النبی ﷺ یأتی مسجد قباء کل سبت ماشیا و راکبا ویصلی فیہ رکعتین**۔ (مسلم شریف ص ۴۴۸)

یعنی حضور علیہ السلام ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء کبھی پیدل اور کبھی سواری پر تشریف لاتے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **ان النبی ﷺ خرج یوم الخمیس فی غزوۃ تبوک و کان یحب ان یخرج یوم الخمیس**۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳۸، اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۳۷۱، مرقات شریف ص ۳۲۶، کنز العمال، ج ۳، ص ۷۲، مطبوعہ بیروت)

یعنی نبی کریم ﷺ جمعرات کے دن غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ جمعرات کے دن نکلنا پسند فرماتے تھے۔

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں: **کان رسول اللہ ﷺ یأمرنی ان اصوم ثلٰثۃ ایام من کل شھر اولھا الاثنین والخمیس** (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۰، اشعۃ اللمعات، فارسی، ص ۱۰۵، ج ۲، مرقات شریف، ج ۴، ص ۳۰۰، ابو داؤد ج ۱، ص ۲۴۴، نسائی شریف)

یعنی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام مجھے امر فرماتے تھے کہ میں ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھوں۔ جس میں پہلا دن پیر اور جمعرات ہو۔

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "**اذا صمت من الشھر ثلٰثۃ ایام فصم عشرۃ و اربعۃ عشرۃ و خمس عشرۃ**۔ (مشکوٰۃ ص ۱۸۰، جامع ترمذی، ج ۱، ص ۹۵) یعنی جب تم مہینے میں تین دن روزہ رکھو تو دس تاریخ اور چودہ اور پندرہ، تاریخوں کے روزے رکھو۔

۲) بزرگانِ دین، سادات کرام اور علماء عظام کی قبروں پر قبے بنانا نہ حرام ہے نہ مکروہ ہے بلکہ جائز ہے اور بنانے والے کیلئے اجرِ عظیم ہے اور جن روایات سے قبروں پر آبادی بنانا منع ثابت ہے اس سے مراد سکونت کے لئے آبادی بنانا ہے۔ جس طرح آج کل کے لوگ مقبروں میں قبروں کو ویران کر کے ان پر رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ یہ مکانات تعمیر کرنا حرام ہے۔ لیکن جو حضرات بزرگانِ دین کی قبروں پر قبے بنانے کے حرام ہونے اور عدمِ جواز کے فتوے دیتے ہیں لیکن پھر وہ رہائش کیلئے قبروں پر مکانات تعمیر کرنے پر کوئی فتویٰ عدمِ جواز کا کیوں نہیں دیتے بلکہ ان کے اس فعل پر خوش ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کی دشمنی صرف اور صرف ساداتِ کرام اور علماء کرام کے ساتھ ہے۔

مفتی اعظم حضرت مظہر اللہ دہلوی مجددی فتاوی مظہری میں لکھتے ہیں۔ قبروں پر قبے وغیرہ بنانا علی الاطلاق حرام نہیں حرمت کیلئے نص (آیت) قطعی درکار ہے۔ اور یہاں کوئی ایسی نص موجود نہیں ہے جس سے اس کی حرمت ثابت ہو۔ (فتاویٰ مظہری ص ۴۱۳)

حضرت مولانا حافظ کفایت اللہ صاحب فاضل جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ نے اپنی کتاب "**تنبیہ اللاحقین بمعمولات السابقین** میں لکھا ہے" جاننا چاہئے کہ عام قبروں پر قبے اور گنبد بنانا بے فائدہ چیز ہے جبکہ علماء کرام، سادات کرام اور بزرگان دین کی قبروں پر قبے بنانا نہ صرف شرعاً جائز بلکہ سنتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔ (ص ۵۸)

توضیح العقائد میں حضرت علامہ محمد حامد بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں" قبور کی تعمیر اور ان پر قبہ بنانے کا سبب یہ ہے کہ وہ باقی رہیں اور زائرین اہل قبور کی زیارت کر سکیں اور قبوں کے سایہ میں بیٹھ کر تلاوتِ قرآن کریم اور اذکار کو جاری رکھ سکیں اگر قبور کا نشان نہ

ہو گا تو مزارات کی زیارت کس طرح ہو گی۔ ان ہی اغراض کے ماتحت علماء متقدمین و محققین نے قبور کے پختہ کرنے اور ان پر قبوں کا بنانا جائز ٹھہرایا اور ان کا یہ فعل اختراع یا بدعت نہ تھا بلکہ اس کی اصل پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم یہاں نہایت اختصار سے اس بحث کا ذکر کرتے ہیں۔ ''عصابہ فی احوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' میں ہے۔ ''**مات الحکم بن ابی العاص فی خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فضرب علی قبرہ فسطاس فی یوم صالیف فتکلم الناس فی ذالک فقال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد ضرب فی عھد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت جحشٍ فسطاس فھل رأیتم عاب ذالک۔** (توضیح العقائد ص ۱۵۰)

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کے زمانے میں حکم بن ابی العاص کا انتقال ہوا ان کی قبر پر گرمی میں خیمہ قائم کیا گیا تو لوگوں نے اس کے متعلق کچھ کلام کیا حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حضرت زینب بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر خیمہ قائم کیا گیا تھا تو کیا تم نے کسی کو دیکھا تھا کہ اس پر اعتراض کیا یا کسی عیب لگانے والے نے اس پر عیب لگایا''۔

منتقی شرح مؤطا امام مالک میں ابو عبد سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''**و ضربہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی قبر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت جحش و ضربتہ عائشۃ رضی اللہ عنہا علی قبر اخیھا عبد الرحمٰن و ضربہ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن الحنفیۃ علی قبر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و انما کرھہ لمن ضربہ علی وجہ السمعۃ و المباھاۃ۔**

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت جحش کی قبر پر قبہ بنایا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی قبر پر قبہ بنایا اور محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن علی) نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر قبہ بنایا تو جس نے قبر پر قبہ بنانے کو مکروہ کہا ہے تو اس لئے کہا کہ جو اس کو فخر اور ریاء کے لئے بنائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کے مزارات پر قبہ اور گنبد وغیرہ بنانا سنتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کرنا ماسوائے زندیقیت کے اور کچھ نہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے۔ **روی ان ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما مات بطائف صلی علیہ محمد ابن الحنفیۃ و جعل قبرہ مسنماً و ضرب علیہ فسطاطاً۔** (ص ۳۲۰، ج ۱)

جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنفیہ نے نماز جنازہ پڑھی اور ان کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔

قرآن کریم میں اصحاب کہف کا قصہ یوں بیان فرماتے ہوئے کہا: **قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا (الکھف ۲۱)** ترجمہ: وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔

(روح البیان شریف ج۵، ص ۲۳۲، مطبوعہ بیروت)

میں اس آیت میں "بنیاناً" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شوند **لا یعلم احد تربتهم و تکون محفوظة من تطرق الناس کما حفظت تربة رسول الله ﷺ بالحظیرة**۔ یعنی انہوں نے کہا کہ اصحابِ کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاوے جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔ مگر یہ بات نہ منظور ہوئی تب مسجد بنائی۔

"**مسجداً**" کے تحت روح البیان شریف میں ہے کہ **یصلی فیه المسلمون و یتبرکون بمکانهم**۔ لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ اور **شرائع من قبلنا** کے متعلق کتب اصول میں مرقوم ہے۔ **شرائع قبلنا فهو یلزمنا** کہ ہم سے پہلے جو باتیں جائز تھیں وہ ہم پر لازم ہیں۔ بخاری شریف کتاب الجنائز باب ماجآء فی قبر النبی ﷺ وابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبد الملک کے زمانے میں روضہ رسول ﷺ کی ایک دیوار گر گئی تو "**اخذوا فی بنائه**" صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تعمیر میں مشغول ہوئے تو ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور یہ سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں "**الا قدم عمر** رضی اللہ عنہ" یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تابعین کے زمانہ میں جو روضہ انور سے دیوار گری تو انہوں نے دیوار کو بنایا اور ان کے عقیدہ میں بھی انبیاء پر قبے بنانا جائز تھا۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہی قبہ بنایا تھا اور جو بنانے والے تھے وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔

مولانا افتخار احمد حبیبی نے اپنے رسالے "عرس کی شرعی حیثیت" میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر قبہ بنانا تاکہ لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی کریں اور فاتحہ پڑھیں تو صاحب قبر کی عظمت کے اظہار کے لئے بالکل جائز ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔ **فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء و وضع الستور والعمائم و الثیاب علی قبورهم امر جائز اذا کان القصد بذالک التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقر و اصاحب هذا القبر۔**

(تفسیر روح البیان ج۳ ک، ص ۴۰۰، مطبوعہ احیاء تراث العربی بیروت)

یعنی علماء، اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان کی قبروں پر چادر چڑھانا، عمامہ اور کپڑا رکھنا یہ جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا ہو تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات پر قبہ بنانے کے متعلق فرماتے ہیں: **وقد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ والعلماء المشهورین لیزورهم الناس ویستریحوا بالجلوس فیه... الخ**

(مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج۴، ص۱۷۸، مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: علماء سلف نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔

علامہ شامی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ مزاراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر قبہ بنانے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

وقیل لا یکره اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱، ص۶۰۱، باب دفن المیت)

اگر میت مشائخ، علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں۔ علامہ شیخ احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ قبر پر عمارت کے متعلق فرماتے ہیں "**ولا یرفع علیه بناء وقیل لا بأس به وهو المختار**"

اور اس پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے اس (قبر) پر عمارت بنانا جائز ہے اور یہی مختار ہے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۳۳۵)

شیخ الحدیث محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی، "مسائل اہل سنت بجواب مسائل نجدیت" میں لکھتے ہیں "اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات پر اس نیت سے گنبد بنانا کہ ایصالِ ثواب کے لئے آنے والے دھوپ اور بارش سے محفوظ رہیں گے اور لوگوں کی نظر میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوگی، بلاشبہ امر مستحسن ہے"۔

دیارِ مصر کے مفتی شیخ عبد القادر رافعی حنفی فرماتے ہیں:

فی روح البیان عند قوله تعالیٰ انما یعمر مساجد الله من اٰمن بالله والیوم الآخر واقام الصلاة وآتی الزکاة ولم یخش الا الله فعسیٰ اولٰئک ان یکونوا من المهتدین من سورة التوبة ما نصه قال الشیخ عبد الغنی النابلسی "فی کشف النور عن اصحاب القبور" ما خلاصته ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمّٰی سنة فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورهم امر جائز اذا کان القصد بذالک التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقروا اصاحب هذا القبر وکذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضا للاولیاء فالمقصد فیها حسن ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورهم تعظیما لهم ومحبة فیهم جائز ایضا لا ینبغی النهی عنه۔ (التحریر المختار لرد المحتار ص ۱۲۳)

ترجمہ: روح البیان میں آیہ مبارکہ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ (التوبة ۱۸) کے تحت فرمایا کہ علامہ عبد الغنی نابلسی "کشف النور" میں فرماتے ہیں کہ بدعت حسنہ جو مقصود شریعت کے مطابق ہو اسے سنت کہا جاتا ہے لہذا علماء اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر قبے بنانا، چادر وغیرہ چڑھانا جبکہ اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہو تا کہ وہ صاحبِ قبر کو حقیر نہ جانیں، جائز ہے اسی طرح دیئے اور موم بتی وغیرہ اولیاء وصلحاء کی قبروں کے پاس جلانا ان کی تعظیم و تکریم ہے اس میں مقصد حسن ہے تیل اور موم بتی کی جو اولیاء کے لئے نذر مانی جاتی ہے تا کہ تعظیم و محبت کے طور پر ان کی قبروں کے پاس روشنی کی جائے، جائز ہے، اس سے روکنا نہیں چاہئے۔

اسی عبارت کا کچھ حصہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار ج۵، ص۲۵۶ میں نقل کر کے اسے بر قرار رکھا اور فرمایا: "**کذافی کشف النور عن اصحاب القبور للاستاذ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ**" اسی طرح استاذ عبد الغنی نابلسی کی کتاب "کشف النور" میں ہے۔

حضرت سیدی علامہ عبد الوہاب شعرانی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وکان سیدی علی واخی افضل الدین یکرھان بناء القبۃ علی القبر ووضع التابوتِ الخشب والستر علیہ ونحو ذالک لاحاد الناس ویقولان ھذا لا یلیق الا بالانبیاء ومن داناھم من الاولیاء والاکابر۔** (لواقح الانوار لقدسیہ فی بیان العھود المجدیۃ ص ۲۴۲)

ترجمہ: سیدی علی خواص اور افضل الدین عوام کی قبروں پر قبے بنانے، لکڑی کے تابوت رکھنے اور چادر چڑھانے کو ناپسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے لائق ہے۔

کیا علامہ اسمٰعیل حقی صاحبِ روح البیان، علامہ طحطاوی اور علامہ شامی کے استاذ علامہ عبد الغنی نابلسی، شیخ عبد القادر رافعی حنفی، علامہ عبد الوھاب شعرانی، حضرت علی خواص اور افضل الدین وغیرہم حضرات بدعات سیئہ کی تائید و توثیق کر رہے ہیں۔ (حاشا وکلا)

(مسائل اہل سنت ص ۴۳)

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم اور توقیر کی توفیق عطا فرمائے اور بد مذھبی سے بچائے۔ (آمین)

شیخ الحدیث غازی محمد الغازی الحنفی مقالات غازی ص ۱۱۹ میں لکھتے ہیں "جاننا چاہئے کہ انبیاء اولیاء کرام اور علماء مشہورین کی قبروں پر قبے بنانا جائز ہے"۔

خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ یہ حدیث مبارک عدمِ جواز پر پیش کرتے ہیں۔ مسلم شریف ابو ھیاج اسدی سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: **الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ ﷺ ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ (مسلم شریف)** کہ میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں کہ جس کام پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تو کسی تصویر کو بھی بے مٹائے نہ چھوڑے نہ کسی قبر بلند کو مگر اس کو برابر کر دو۔

اس حدیث کو منکرین آڑ بنا کر لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہوئی ہو تو اسے گرا دینا واجب ہے سعودی عرب میں بھی اسی حدیث کو مان کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اھل بیتِ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارات گرا کر ہموار کر دیئے ہیں۔ اب فقیر آپ کے سامنے اس حدیث کی تشریح کرتا ہے امید ہے کہ اصل مسئلہ ذہن میں آجائے گا۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ زمانے تین ہیں۔ ماضی، حال، مستقبل، ماضی گزرے ہوئے زمانے کو کہا جاتا ہے۔ حال موجودہ زمانے کو اور مستقبل آنے والے زمانے کو کہا جاتا ہے۔ یہ تینوں زمانے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منسلک تھے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مستقبل تو آنے والے زمانے کو کہا جاتا ہے تو زمانہ موجود نہ تھا تو اس زمانے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبور کس طرح گرائی ہم بھی اس زمانے میں نہ تھے کہ منکرین کے نزدیک تو بزرگانِ دین کی قبروں پر قبے بنانے والے کو مشرک یا بدعتی کہتے۔ تو جب آنے والے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ تو حضرت نے کن لوگوں کی قبریں مسمار کیں؟ تو مستقبل زمانہ مراد نہیں ہو سکتا۔

باقی دو زمانے رہ گئے ایک حال دوسرا ماضی۔ حال زمانہ حضرت امیر المومنین کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ تھا۔ اور صحابہ کا زمانہ سنہری زمانہ تھا ان کا فعل بھی حجت ہے اگر کوئی صحابی قبر بنائے تو فرمانِ مصطفی ﷺ کہ: "**اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم**" میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

تو ایک صحابی قبر کو بنائے گا اور دوسرے صحابی گرا دیں اور صحابہ میں سے جو بھی فوت ہوتا تو اس کی نماز جنازہ خود حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ ﷺ کی موجودگی میں ان کو دفن کیا جاتا۔ تو کونسی ایسی غیر شرعی قبور تھیں جن کو امیر المؤمنین نے مسمار کیا۔ تو معلوم ہوا کہ زمانہ حال بھی مراد نہیں ہو سکتا۔

اب رہا ماضی کا زمانہ تو حضرت امیر المؤمنین سے پہلے کا زمانہ مشرکین اور کفار کا تھا اور جس طرح زندگی میں مشرک و کافر کی تعظیم ناجائز اور حرام ہے تو بعد موت کے تعظیم اشد حرام ہے۔ ان کی قبریں لمبی لمبی اور بلند تھیں اس لئے آپ کو یہ حکم دیا گیا اور یہ قبریں مسلمانوں کی نہیں تھیں۔ بخاری شریف میں مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔ **امر النبی ﷺ بقبور المشرکین فنبشت۔** (بخاری شریف ص ۶۱، ج ۱)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس وہ اکھاڑ دی گئیں۔ بخاری شریف کی اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ مشرکین کی قبریں ڈھانا چاہئے۔ اور اب یہ کہاں کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمانوں کی قبروں کیلئے یہ حکم تھا (مشرکین کا حکم مسلمانوں پر چسپاں کیا جاتا ہے)۔

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبد الحق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نعش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیسہ لگا کر اس کو بھر دی پھر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز جو اب تک موجود ہے بنایا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ روزہ مطہرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بنوایا تھا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خصوصیت ہے تو کہا جائے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوۃ باب البکا علی المیت میں ہے حضرت امام حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ **ضربت امراتہ القبۃ علی قبرہ سنۃ**۔ ترجمہ: تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر ج ا ص ۴۴۶ مطبوعہ ابن کثیر بیروت وفی نسخہ ج ا ص ۱۷۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں پھر گھر واپس چلی آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں: در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و توبیخ مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیزہا افزودن تا آنجایبت و شوکت اہل اسلام و اہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند۔ و ترویج و اعلاء شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشاں است و بسیار اعمال و اضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ۔ ترجمہ: آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے لہذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کر دی تا کہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاصکر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے رعب اور اطاعت کی ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔

(سفر السعادت باب زیارۃ القبور ص ۲۷۲ مطبوعہ نوریہ رضویہ)

الحاصل علماء وسادات کی قبروں پر گنبد بنانا، ان پر چادریں چڑھانا، عمامے وغیرہ رکھنا جائز ہے۔ اور اس کو بدعت یا حرام کہنا یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتراض ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتراض کرنا ماسوائے زندیقیت کے اور کچھ نہیں۔ اور مزارات پر گنبد بنانا اور قبے بنانا مندرجہ ذیل کتابوں میں لکھا ہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ، ص ۶۹، ج ۲ ☆ طحطاوی ص ۳۳۵، ☆ در المختار ج ۲، ص ۲۳۷ ☆ شامی ص ۲۳۳، ج ۲ ☆ فتاوی تنقیح الحامدیہ ص ۱۶۵ ☆ تفسیر روح البیان ص ۴۰۰، ج ۳ ☆ مقالاتِ کوثری ص ۳۷ ☆ کشف النور عن اصحاب القبور، ص ۱۴ ☆ رد المحتار علی الدر المختار ص ۲۳۲ ج ۵)

(۲) مزار شریف کو چومنا

سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ قبور کی دو قسمیں ہیں ایک عام مسلمانوں کی قبور جن کا شریعت وطریقت سے کوئی نسبت نہیں، دوم وہ قبور جو والدین، مشائخ، علماء، سادات کی ہیں تو پہلی قسم قبور کو بوسہ دینے کو فقہاء نے مکروہ، اور دوسری قسم قبور کو بوسہ دینے کو مستحسن، مستحب اور جائز قرار دیا ہے۔

نور الصراط فی اثبات جواز الحیل و دور الاسقاط مصنفہ شیخ القرآن والحدیث مفتی نور الدین نور اللہ مرقدہ کے صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے۔

بوسہ دادن قبر والدین را جسمی داشباحی یا اشباھی باشند یا روحی مثل اساتذہ و مشائخ علامہ علی القاری در مرقات شرح مشکوٰۃ تحت حدیث مر النبی ﷺ بقبور المدینۃ فاقبل علیھم آوردہ کہ وقال بعض العلماء لا بأس بتقبیل قبر الوالدین انتھی و در طوالع الانوار شرح در المختار آوردہ کہ والتقبیل لغیر المصحف کقبور الانبیاء ومن یتبرک بھم فللعلماء فیہ کلام کرھہ بعضھم واستحسنہ بعضھم حتی ان الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اباحہ مطلقا اذا کان۔ للتبرک۔ وآوردہ۔ واعتمدہ جماعۃ منھم الحافظ العینی الحنفی الشارح للبخاری والمقری المالکی صاحب فتح المتعال والسعنھوری الشافعی ولا منافات بین الکراھۃ والاستحسان بانہ مقید بنیۃ التبرک والاعمال بالنیات والامور بمقاصدھا ولکل امرائٍ بما نوی ونیۃ المؤمن خیر من عملہ قال السعھنوری نقل الطیب التاثری من المحب الطبری یجوز تقبیل القبر ومسہ، قال وعلیہ عامۃ الصالحین انتھی وفی مطالب المؤمنین ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ لما فی کفایۃ الشعبی ان رجلاً جاء الیٰ النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبۃ باب الجنۃ والحور العین فامرہ النبی ﷺ ان یقبل رجل الام وجبھۃ الاب ویروی انہ قال یا رسول اللہ ﷺ ان لم یکن لی ابوان فقال قبّل قبرھما قال فان لم اعرف قبرھما قال خط خطین والزبان احدھما قبر الام والاٰخر قبر الاب فقبلھما فلا تحنث فی یمینک کذا فی مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور۔

ترجمہ: والدین خواہ جسمی ہو یعنی جن سے پیدا ہو، یا علمِ ظاہر کے والدین یا طریقت کے والدین یعنی اساتذہ و مشائخ کی قبور کو بوسہ دینا ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں حدیث "آپ ﷺ مدینہ منورہ کی قبور کے پاس سے گزرے" کے تحت فرمایا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ والدین کی قبور کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **طوالع الانوار شرح الدر المختار** میں ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر متبرک قبور کو بوسہ دینے میں علماء کی کئی رائے ہیں بعض نے مکروہ اور بعض نے اچھا قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تبرک کے لئے مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ اس پر علماء کی ایک جماعت نے اعتماد فرمایا جن میں حافظ عینی حنفی شارح بخاری اور مقری مالکی مصنف فتح المتعال اور سعنھوری شافعی بھی ہیں۔ کراہت اور جواز کے مابین کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ قبر کو بوسہ دینا نیت پر منحصر ہے اور تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر کام کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے اور مؤمن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے۔ سعنھوری نے کہا کہ طیب التاثری نے محب طبری سے نقل کیا ہے کہ قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا جائز ہے اور یہ عام صلحاء کا طریقہ ہے۔ مطالب المؤمنین میں ہے والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے جیسا کہ کفایۃ الشعبی میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ جنت کی چوکھٹ اور حور کو بوسہ دوں گا۔ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور والد کے چہرے کو بوسہ دو۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میرے والدین نہ ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی قبروں کو بوسہ دو۔ کہا اگر میں ان کی قبریں نہیں جانتا تو؟ فرمایا دو لکیریں کھینچ کر یہ نیت کرو کہ یہ ایک میری ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی اور ان کو بوسہ دو تو حانث نہ ہو گا۔ جیسا کہ **مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور** میں ہے۔"

صدر الافاضل فخر الاماثل محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ روایت مخالفین کے مقبول و مسلم پیشوا مولوی عبد الحیٔ صاحب کے والد ماجد مولوی عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی نے لکھی اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قبروں کا چومنا جائز، اور قبر موجود نہ ہو تو ایک خط کو قبر فرض کر کے اس کا احترام کرنا بھی صاحب قبر کا احترام ہے۔ (فتاویٰ صدر الافاضل ص ۴۱۲ مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

عمدۃ القاری شرح بخاری (ص ۲۴۱ جلد ۹، مطبوعہ بیروت لبنان) میں ہے: **واما تقبیل الاماکن الشریفۃ علی قصد التبرک۔۔۔ فھو حسن محمود۔**

ترجمہ: مبارک جگہوں کا بوسہ اچھا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے حضور ﷺ کے مزار اور دیگر مزارات کے چومنے کا سوال ہوا تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔

(خلاصہ الوفاء محبوب مدینہ ص ۴۶)

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کو لکھا: **واذرأی قبور الصالحین قبلھا۔**

ترجمہ: جب بزرگوں کے مزارات دیکھتے تو انہیں چومتے۔

(مزارات کو چومنا، ص۷-۸، مطبوعہ مکتبہ فیضان مدینہ کراچی، بحوالہ سعید الحق فی تخریج جاء الحق، ص۶۷۵، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ، کراچی)

شرح الالیاس جلد ثالث صفحہ ۲۸۷ پر لکھا ہے۔ **قولہ و کرہ تقبیل فم الرجل الخ قال الفقیہ ابو اللیث القبلۃ علی خمسۃ اوجہ قبلۃ تحیۃ وھی قبلۃ علی الید و قبلۃ رحمۃ وھی قبلۃ الابوین للولد علی الخد و قبلۃ شفقۃ وھی قبلۃ الولد للابوین و فی الحدیث الجنۃ تحت اقدام امھاتکم روی ان رجلا جاء الی النبی ﷺ وقال انا حلفت ان اقبل عتبۃ باب الجنۃ و حور العین فامر النبی ﷺ ان تقبل رجل الام و جبھۃ الاب او یروی انہ قال یا رسول اللہ ﷺ لیس لی ابوان فقال قبل قبرھما ثم قال لم اعرف قبرھما قال خط خطین احدھما قبر الاب و الاٰخر قبر الام و قبلۃ المودۃ وھی قبلۃ الاخ للاخ و الاخت علی الجبھۃ و قبلۃ الشھوۃ وھی قبلۃ الرجل للزوجۃ، ابو المکارم۔**

فتاویٰ عالمگیری، جلد ۵، صفحہ ۳۵۱، (**الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور و قرأۃ القرآن فی المقابر**) پر لکھا ہے: ۔**ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ۔**

وکیل الاحناف ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ، کتاب الجنائز، الفصل الثانی، مطبعہ مکتبہ رشیدیہ صفحہ ۲۵۳ پر لکھتے ہیں: **لا بأس بتقبیل قبر والدیہ۔**

مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، صاحب قمر الاقمار شرح نور الانوار، نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن ﷺ میں لکھا ہے: والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے۔ مجمع البرکات میں بھی ہدایہ کی شرح "عینی" سے نقل کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔ "مطالب المؤمنین" میں ہے کہ اپنے والدین کی قبروں کا بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں اس کی وجہ "کفایۃ الشعبیٰ میں منقول یہ روایت ہے: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ! میں نے جنت کے دروازہ کی چوکھٹ اور حسین آنکھوں والی حور کا بوسہ لینے کی قسم کھائی ہے۔ نبی ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہ اپنی والدہ کے پاؤں اور اپنے والد کی پیشانی کا بوسہ لے لے۔ اور مروی ہے کہ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ! اگر میرے والدین موجود نہ ہوں تو؟ ارشاد فرمایا: ان کی قبر کا بوسہ لے لو۔ اس نے کہا اگر ان کی قبر کی شناخت مجھ سے نہ ہو سکے تو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دو لکیریں کھینچ لو اور نیت کر لو کہ ان میں سے ایک ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی قبر، اور پھر چوم لو۔ تمہاری قسم نہ ٹوٹے گی۔ (**مغفرۃ الذنوب فی زیارۃ القبور**)۔

شفا شریف جلد ۲، صفحہ ۷۰ میں ہے:

کان ابن عمر یضع یدہ علی الممبر الذی یجلس علیہ رسول اللہ علیہ السلام فی الخطبۃ ثم یضعھا علی وجھہ استنبط بعضھم من مشروعیۃ تقبیل الارکان جواز تقبیل کل من یستحق العظمۃ من ادمی و غیرہ نقل عن الامام احمد انہ سئل عن تقبیل منبر

النبی علیه السلام وتقبیل قبره قال فلم یر به باسا ونقل عن ابن ابی الصنف الیمانی احد علماء مکة من الشافعیة جواز تقبیل المصحف واجزاء الحدیث وقبور الصلحین ملخصاً۔

ترجمہ: جس منبر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے۔ ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے۔ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کا منبر یا قبر انور چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یمانی رحمۃ اللہ علیہ سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں، منقول ہے: قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبریں چومنا جائز ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **استنبط بعض العارفین من تقبیل الحجر الاسود تقبیل قبور الصلحین۔**

ترجمہ: حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔

مزارات کو چومنا نہ شرک ہے، نہ حرام ہے، نہ مکروہ تحریمی ہے بلکہ مزارات کو تبرک کی نیت سے چومنا جائز ہے اور اس کے بارے میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔ چند دلائل یہاں درج کئے جاتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبد الملک بن عمرو ثنا کثیر بن زید عن داود بن ابی صالح قال ثم اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فقال اتدری ما تصنع فاقبل علیه فاذا هو ابو ایوب فقال نعم جئت رسول اللہ ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تبکوا علی الدین اذا ولیه اهله ولکن ابکوا علیه اذا ولیه غیر اهله۔

ترجمہ: حضرت داؤد بن ابی صالح رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مروان آیا تو اس نے ایک آدمی کو قبرِ انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا ولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا ولی نا اہل ہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۲ رقم الحدیث ۲۳۶۳۳ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)(تاریخ مدینۃ دمشق ج ۵۷ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں:

فوجدرجلاواضعاوجهه علی القبر فاخذبرقبته وفقال اتدری ماتصنع قال نعم فاقبل علیه فاذاهو ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنه فقال جئت رسول اللہ ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لاتبکوا علی الدین اذا ولیه اهله ولکن ابکوا علیه اذا ولیه غیر اهله۔ هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه۔

ترجمہ: تو اس نے ایک آدمی کو (حضورِ اکرم ﷺ کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا ولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا ولی نا اہل ہو۔ (المستدرک للحاکم کتاب الفتن والملاحم ج ۵ ص ۴۱۸ رقم الحدیث ۸۷۴۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)، (طبرانی کبیر ج ۴ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۳۹۹۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (طبرانی الاوسط ج ۱۰ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۹۳۶۶ مطبوعہ دار الحرمین القاهرۃ مصر)۔

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں:

فَوَجَدَ رَجلا واضعا وجهه علی القبر فقال اتدری ما تصنع فاقبل علیه فاذا هو ابو ایوب فقال نعم جئت رسول اللہ ﷺ ولم آت الحجر۔

ترجمہ: تو اس نے ایک آدمی کو (حضور ﷺ کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ولایۃ اھلھا ج ۵ ص ۲۴۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

رواہ احمد بسند حسن۔ (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶، مطبوعہ بیروت)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: **قال عبد اللہ بن احمد رایت ابی یاخذ شعره من شعر النبی ﷺ فیضعها علی فیه یقبلها واحسب انی رایته یضعها علی عینه ویغمسها فی الماء ویشربه یستشفی به ورایته اخذ قصعة النبی ﷺ فغسلها فی جب الماء ثم شرب فیها ورایته یشرب من ماء زمزم یستشفی به ویمسح به یدیه ووجهه۔ قلت این المتنطع المنکر علی احمد وقد ثبت ان عبد اللہ سال اباه عمن یمس رمانة منبر النبی ﷺ ویمس الحجرة النبویة فقال لا اری بذلک باسا اعاذنا اللہ وایاکم من رای الخوارج ومن البدع۔**

ترجمہ: امام عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک سے ایک مو (بال) لے کر اپنے منہ پر رکھتے ہیں اور اسے چومتے ہیں اور میرا گمان ہے کہ میں نے موئے مبارک اپنی انکھوں پر رکھتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور شفا حاصل کرنے کے لئے وہ موئے اقدس پانی میں ڈبوتے اور اسے پی لیتے۔ اور میں نے اپنے ابا جان کو دیکھا کہ آپ نے آقائے دو عالم ﷺ کے پیالہ مبارکہ کو پکڑا اور اسے پانی کے مٹکے کے اندر دھویا پھر اس میں پانی پیا اور میں نے اپنے والد گرامی کو شفاء حاصل کرنے کے لئے آب زم زم پیتے دیکھا اور آب زم زم کے ساتھ اپنے ہاتھ اور چہرہ کا مسح کرتے دیکھا۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ کون امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے کلام کو منع کرنے والا ہے؟ حالانکہ ثابت ہو چکا ہے عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جو منبر و حجرہ نبوی ﷺ کو چھوئے و مس کرے تو جواباً امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو خارجیوں کی سوچ سے پناہ میں رکھے اور بدعتوں سے۔ (آمین)۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۲۱۲ مطبوعہ موسۃ الرسالۃ بیروت)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: **ان بلالاً رأی النبی ﷺ فی منامه وهو يقول ما هذه الجفوه يا بلال اما آن لک ان تزورنی فانتبه حزينا وركب راحلته وقصد المدينة فاتى قبر النبی ﷺ فجعل يبكی عنده ويمرغ وجهه عليه فاقبل الحسن والحسين فجعل يضمهما ويقبلهما۔۔۔**

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غمگین ڈرتے ہوئے جاگے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے قصد کے ساتھ تو جب نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے تو رونا شروع کر دیا اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے تو حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما آئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو سینہ سے لگایا اور دونوں کو بوسہ دیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۵۸ مطبوعہ موسۃ الرسالۃ بیروت) (شفاء السقام فی زیارت خیر الانام ص ۳۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن بھارت)، (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: **فاتى قبر النبی ﷺ فجعل يبكی عنده ويمرغ وجهه عليه۔**

ترجمہ: حضور ﷺ کی قبر انور پر آئے پھر روتے بھی جاتے تھے اور قبر انور پر چہرہ بھی ملتے تھے۔ (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶ مطبوعہ بیروت)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند جید مروی ہے۔

(الجوھر المعظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم اردو، ص ۱۰۴، مطبوعہ مرکز تحقیقات اسلامیہ، لاہور)

امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

محب طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حجر اسود اور دیگر ارکان کو بوسہ دینے سے ہر اس چیز کو بوسہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے جس کو بوسہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، کیونکہ اس سلسلے میں اگر کسی حدیث میں تعظیم کا حکم نہیں آیا تو کسی حدیث میں اس کی ممانعت یا کراہت بھی نہیں آئی ہے اور میرے جد محمد بن ابی بکر روایت کرتے ہیں محمد بن ابی صیف رحمۃ اللہ علیہ سے کہ بعض حضرات جب مصاحف کو دیکھتے تو ان کو بوسہ دیتے اور جب احادیث کے اوراق کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور جب صالحین کی قبروں کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور یہ بات بعید نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج۹ ص۲۴۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

مجموعۃ الفتاویٰ المعروف بہ انوار شریعت جلد اول صفحہ ۲۲۹ (از افادات مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ، مناظرِ اسلام حضرت مولانا نظام الدین ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ، مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، ڈجکوٹ روڈ، فیصل آباد) میں لکھا ہے: قبروں پر قبہ بنانا، پھول چڑھانا، بوسہ لینا اور غلاف قبر پر ڈالنا یہ سب جائز ہے۔ چنانچہ سنن ابن داؤد میں قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"قال دخلت علیٰ عائشۃ رضی اللہ عنہا فقلت یا اماہ اکشفی لی عن قبر رسول اللہ ﷺ و صاحبیہ فکشف لی ثلثۃ قبور ۔۔۔ الحدیث"

یعنی قاسم بن محمد اکابر تابعین اور فقہائے سبعہ مدینہ طیبہ علی صاحبہ التحیۃ والسلام صحابہ سے ہیں چنانچہ طبقات میں ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عرض کی کہ کھولو ہمارے سردار سید الابرار ﷺ کو مزار اقدس کو اور آپ ﷺ کے دونوں یاروں کی قبر منور کو پس حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے تینوں قبروں کو کھولا پس ان پر پردہ (یعنی غلاف) پڑا ہوا تھا۔ ان کو اٹھایا اور طوالع انوار کے حاشیہ پر یوں لکھا ہے: **وتقبیل بغیر المصحف کقبور الانبیاء و من یتبرک بھم فللعلماء فیہ کلام کرھہ بعضھم و استحسنہ بعضھم حتی ان الشافعی اباحہ مطلقاً"**

اور فتاویٰ سندی صفحہ ۱۳۷ میں لکھا ہے کہ علمائے اربعہ کا فتویٰ اس کی عدم کراہت پر ہے اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں ذیل اس حدیث کے یوں لکھا ہے: **عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مر النبی ﷺ بقبور المدینۃ فاقبل علیھم بوجھہ و قال بعض العلماء لا بأس بتقبیل قبر الوالدین"**

نہایہ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک شخص کو اپنے والدین کی قبر کو بوسہ دینے کی اجازت دی کیونکہ اس نے نذر مانی ہوئی تھی۔ فقط اصل الالفاظ حدیث شریف سلطان الفقہ کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔

علماء دیوبند کا معتبر شیخ الحدیث علامۃ العصر مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی فیض الباری میں حجر اسود کے بارے میں لکھتا ہے:

ان تقبیلہ ثابت شرعاً، فلیکن أصلا لتقبیل تبرکات الصالحین، وقبل عمر بن عبد العزیز المصحف، وأباح أحمد تقبیل الروضۃ المطھرۃ، وتحیر منہ الحافظ ابن تیمیۃ، فانہ لا یجوز عندہ۔

حجر اسود کو بوسہ دینا شرعاً ثابت ہے اس لئے صالحین کی تبرکات کو بوسہ دینے کی اصل ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مصحف کو بوسہ دیا۔ اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے روضہ مطہرہ کو بوسہ دینے کو جائز کہا۔ حافظ ابن تیمیہ اس سے حیران ہوا کیونکہ یہ اس کے نزدیک جائز نہیں۔ (فیض الباری، ج۳ص۹۶، کتاب المناسک، باب ماذکر فی الحجر الاسود)

امام سلیمان بن عمر البجیرمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۱۲۲۱ھ لکھتے ہیں:

ان قصد بتقبیل اضرحتھم ای واعتابھم التبرک لم یکرہ۔

ترجمہ: اگر اولیاء کی قبور یا ان کے دروازوں کی چوکھٹ کو بطور تبرک چوما جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

(حاشیہ البجیرمی علی شرح منہج الطلاب ج۱ص۴۹۵-۶ المکتبۃ الاسلامیۃ ترکی)

علامہ عبد الحمید شروانی شافعی متوفیٰ ۱۳۰۱ھ لکھتے ہیں: **ان قصد بتقبیل اضرحتھم التبرک لم یکرہ۔** ترجمہ: اولیاء کی قبور کو حصول برکت کے لئے چومنا مکروہ نہیں۔ (حواشی الشروانی علی تحفۃ المنھاج بشرح المنھاج، ج۳، ص۱۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مشارق الانوار میں ہے: **ولا یقبل الاعتاب الا لقصد التبرک فلا بأس بہ کما قال القطب الشعرانی۔** ترجمہ: اور چوکھٹوں کو نہ چوما جائے مگر برکت کے حصول کے ارادہ سے۔ ایسے ہی قطب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

(مشارق الانوار ص۱۰۴، مطبوعہ مصر)، (شواھد الحق، ص۹۶، المقاصد السنیۃ ص۴۴۴)

حضرت عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی سوالات کے جوابات دینے کے بعد فرماتے ہیں:

واما تقبیل توابیت الاولیاء واعتابھم فلا خلاف فی جوازہ بل ولا کراھۃ فی تقبیل اعتابھم علی قصد التبرک کما افتیٰ بہ شیخنا الرملی۔ ا(الیٰ اخرہ) قالہ الشیخ الامام العلامۃ محمد الشوبری المصری الشافعی ثم الشیخ عبد الغنی النابلسی فی کتابہ جمع الاسرار فی منع الاشرار عن الطعن فی الصوفیۃ الاخیار ثم شواھد الحق۔ (ص ۹۶)

ترجمہ: رہا اولیاء کرام کے تابوتوں اور انکی چوکھٹوں کو بوسہ دینا، تو اس کے جواز میں اختلاف ہی نہیں ہے بلکہ بطورِ تبرک بوسہ دینے میں کراہت بھی نہیں ہے، جیسے کہ شیخ رملی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا ہے، علامہ شوبری رحمۃ اللہ علیہ اس فتویٰ کے آخر میں فرماتے ہیں، یہ امر بالکل واضح وظاہر ہے اور محتاجِ دلیل نہیں ہے۔

کیونکہ دلیل کی ضرورت صرف جاہل کو ہو سکتی ہے یا مکر و معاند کو جن کی طرف نہ التفات کیا جاتا ہے اور نہ ہی مباحثہ شرعیہ میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ (مقاصد السنیۃ ص ۴۳۷)

زاد الفقیہ میں صفحہ ۱۵۳ پر لکھا ہے: **ولا بأس بتقبیل قبر والدیه، کذا فی الغرائب**۔ یعنی کوئی حرج نہیں کہ والدین کی قبر کو چوما جائے۔

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ونقل عن ابی الصیف والمحب الطبری جواز تقبیل قبور الصالحین وعن اسمٰعیل الیمنی قال کان ابن المنکدر یصیبه الصمات فکان یقوم فیضع خده علی قبر النبی ﷺ فعوتب فی ذٰلک فقال انه یستشفی بقبر النبی ﷺ۔

ترجمہ: علاوہ ازیں ابن ابی الصیف اور محب طبری رحمہما اللہ تعالیٰ سے قبور صالحین کو بوسہ دینے کا جواز منقول ہے اسماعیل الیمنی سے منقول ہے کہ محمد بن المنکدر تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو زبان میں بندش کا عارضہ لاحق ہو جاتا اور وہ بولنے سے قاصر ہو جاتے تو آکر نبی کریم ﷺ کے مزار اقدس پر اپنا رخسار رکھ دیتے انہیں اس فعل کے ارتکاب پر عتاب کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں محبوب خدا ﷺ کے مزار اقدس سے اپنی بیماری سے شفاء یابی میں توسل حاصل کرتا ہوں۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ مخالف جس نیک کام کی مخالفت کرتا ہے تو وہ نیک کام اور زیادہ اہتمام سے ہونے لگتا ہے۔ مخالفین نے مزارات کو جانا شرک اور انبیاء علیہم السلام واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبور کو چومنا حرام کہا ہے، لہٰذا عاشقانِ رسول ﷺ نے مزارات پر جانے اور قبور کو تبرکاً چومنے کا خوب اہتمام کیا۔ ویسے بھی فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قاعدہ وضع کیا ہے کہ جس نیک کام کی کوئی مخالفت کرے تو اس کام کو خوب اہتمام سے کیا جائے اور منکرین کو جلایا جائے۔ مثلاً جس علاقہ میں ہندو اور مسلمان دونوں موجود ہوں، ادھر گائے کی قربانی کرنا زیادہ افضل ہے ہندو کو جلانے کے لئے۔

اور جیسا کہ فتاوی در مختار کتاب الطھارۃ میں ہے:

والتوضی من الحوض افضل من رغما للمعتزله۔

ترجمہ: اور نہر کی بنسبت حوض سے وضو کرنا زیادہ بہتر ہے گمراہ فرقہ معتزلہ کو جلانے کے طور پر۔

(فتاویٰ در مختار ج ا، ص ۱۲۴، کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)۔

اس قول کی وضاحت فتاویٰ شامی میں اس طرح ہے:

أی لأن المعتزلة لا یجیزونه من الحیاض فنرغمهم بالوضوء منها۔

ترجمہ: چونکہ معتزلہ حوضوں سے وضو کرنا جائز نہیں جانتے تو ہم انہیں حوضوں سے وضو کر کے جلائیں گے۔

(فتاویٰ در مختار ج ا، ص ۱۲۴، کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)۔

فتاویٰ بزازیہ للکردری میں ہے:

والتوضی من الحوض افضل من التوضی بالجاری رغما للمعتزلة

ترجمہ: اور حوض سے وضو کرنا جاری پانی سے وضو کرنے کی نسبت افضل ہے معتزلہ فرقہ کو جلانے کے طریقہ پر۔

(الفتاویٰ البزازیہ ج ا، بہامش من الفتاویٰ الھندیۃ الجزء الرابع ص ۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان)۔

معلوم ہوا کہ جن شرعی امور سے بد مذھب خوارج کلاب النار زنادقہ مرجیہ جبریہ منع کریں ان امور کو زیادہ اہتمام سے کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی مزید تحقیق چاہے تو ہمارا رسالہ تحفۃ الابرار فی تقبیل المزار کو رجوع کرے۔

(۳) قبر شریف کے ارد گرد گھومنا

طواف کرنا بہ نیت تقرب و تعبد، یہ خاصہ ہے بیت اللہ شریف کا۔ مذکورہ نیت کے بغیر کسی اور چیز کا طواف کرنا یا اس کے ارد گرد گھومنا جائز ہے۔ اگر نیت تقرب اور تعبد (یعنی عبادت کرنے) کی نہ ہو بلکہ معائنہ کرنا مقصود ہو، یا اس سے برکت حاصل کرنا یا اس میں برکت ڈالنا مقصود ہو تو پھر جائز ہے اور شرع میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: **"انما الاعمال بالنیات"** (بخاری، ج ا، ص ۱۰۴)

ایک اور حدیث شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: **"طاف حول اعظمها بیدر أثلث مرات"** (مشکوۃ، ص ۵۳۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کھجوروں کے بڑے ڈھیر کے ارد گرد تین چکر لگائے۔ اسی روایت کو بخاری شریف ج ا صفحہ ۳۹۰ میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

"فجعل الناس یطوفون به ویتعجبون له اه"۔(بخاری ج ۱، ص ۵۰۱) **"فجعل یطوف بالجمل اه"**(بخاری ج ۱، ص ۴۰۱) **"فطاف بالنخل و دعا بثمرها اه"**(بخاری ج ۱، ص ۳۲۲ ، ایضا بخاری ج ۱،ص ۳۵۴) **"حدیث (طاف حول اعظمها ۔۔۔ الخ)طیبی شرح مشکوٰۃ شریف ج ۱ ۱،ص ۱۳۶ باب فی المعجزات اور مظاهر حق ج ۵ ص ۲۴، اور اشعة اللمعات ج ۴ ص ۸۷ پر بھی ہے۔۔یدور بیدرا بیدرا اه نسائی للمجتبیٰ** (ج ۲، ص ۱۳۰)

(۴)میت کے لئے چالیسویں اور برسی وغیرہ میں خیرات کرنا

میت کے لئے پہلے سے ساتویں دن تک، جمعہ کی رات، چالیسویں دن اور برسی میں خیرات کرنا بالکل درست، جائز اور رواء ہے اور اس کا ثواب بھی میت تک پہنچتا ہے۔ اور اس کا مخالف معتزلہ ہے۔ **عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن الرجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازة فرأیت رسول اللہ ﷺ: وهو علی القبر یوصی الحافر ویقول اوسع من قبل رجلیه اوسع من قبل رأسه فلما رجع استقبله: داعی امرأته، فاجاب ونحن معه وجئ بالطعام وضع یده ثم وضع القوم: فاکلوا فنظرنا الیٰ رسول اللہ ﷺ یلوک لقمة فی فیه ثم قال اجد لحم شاة اخذت بغیر اذن اهلها: فارسلت المرأة تقول یا رسول اللہ ﷺ انی ارسلت الی النقیع وهو موضع یباع فیه الغنم لیشتری لی شاة فلم تجد فارسلت الی جار لی قد اشتری شاة ان یرسل بها الیّ بثمنها فلم یوجد فارسلت الیٰ امرأة فارسلت الیّ بها فقال رسول اللہ ﷺ اطعمی هذا الطعام الاسریٰ رواه ابو داؤد والبیهقی فی دلائل النبوة۔**(مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۴)

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنازے میں گئے میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ قبر پر گورکن سے فرمارہے ہیں کہ اس قبر کو سر اور پاؤں کی طرف سے کشادہ کردو۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو مرحوم کی بیوی کی طرف سے ایک آدمی جو آپ کو بلانے کیلئے آیا تھا، آپ ﷺ سے ملا جب آپ ﷺ اس آدمی کے گھر پہنچے تو کھانا لایا گیا جو آپ ﷺ کے اور لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ وہ کھانا لوگوں نے کھایا اور آپ ﷺ اپنے منہ میں لقمہ چبانے لگے پھر فرمایا مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پکڑا گیا ہے، اس عورت نے آپ ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے بکری کی خریداری کے لئے بکری کی طرف ایک آدمی بھیجا تھا لیکن مجھے وہاں سے بکری نہ ملی پھر میں نے اپنے پڑوسی کو کہلا بھیجا کو جو بکری آپ خرید کر لائے ہیں وہ مجھے قیمتاً دے دیں مگر وہ آدمی نہ ملا پھر میں نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا تو اس عورت نے مجھے بکری بھجوادی، فرمایا کہ اسے قیدیوں کو کھلا دو۔

اس حدیث میں واضح طور پر ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو میت کے گھر والوں نے بلایا اور حضور ﷺ نے اس کی دعوت قبول فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہ کھانا بھی کھایا اور وہ لقمہ جو حضور ﷺ نے اپنے منہ میں ڈالا تھا اسے باہر نہیں گرایا۔ مرقات میں امرأۃ کی جگہ امرأۃ المیت اور ابو داؤد میں امرأۃ آیا ہے۔ ابو داؤد میں جو لفظ امرأۃ آیا ہے یہاں

تنوین عوض کی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ عورت میت کی بیوی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر امرأۃ لفظ عام لیا جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ میت کی بیوی نہ تھی بلکہ اور کوئی تھی۔ جب اس میں یہ احتمال پیدا ہوا اذا جآء الاحتمال بطلت الاستدلال۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں شامل ہیں اور تمام محدثین کے نزدیک یہ میت کی بیوی تھی۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ میت کے پیچھے پہلی رات میں صدقہ کرنا جائز ہے۔

وھکذا الشیخ المحدث عبد الغنی الدھلوی شارح ابن ماجہ حیث قال اما صنعۃ الطعام من اھل المیت اذا کان للفقراء فلابأس بہ لان النبی ﷺ قبل دعوۃ امرأۃ المیت التی مات زوجھا کما فی سنن ابی داؤد ص ۴۷۳۔

(انجاح الحاجۃ شرح ابن ماجہ شریف مولفہ عبد الغنی ص ۱۱۷)

"حضرت شیخ محمد شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ کھانا اگر میت کے ورثاء فقراء کے لئے تیار کریں تو کوئی حرج نہیں اس میں تحقیق دعوت قبول فرمائی رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی جس کا شوہر فوت ہو گیا تھا۔ یہ سنن ابی داؤد شریف میں ہے۔" اس سے ظاہر ہوا کہ اگر میت کے ورثاء بخوشی کھانا کھلائیں تو کئی حرج نہیں۔ **وھکذا قال عبد الحق المحدث الدھلوی والمستحب ان یتصدق عن المیت بعد ذھابہ من الدنیا الی سبعۃ ایام۔** (اشعۃ اللمعات ص ۶۳۴، ج ۱)

والسنۃ ان یتصدق ولی المیت قبل مضی اللیلۃ الاولیٰ بشیٔ ممّا تیسّر لہ فان لم یجد شیئاً فلیصل رکعتین۔ (طحطاوی ۳۳۸، برھنہ ۳۶۳، ج ۱، شرح شرعۃ الاسلام وشرحھا ص ۵۶۸) طریقہ مسنونہ یہ ہے کہ میت کے ورثاء تصدق کریں پہلی رات گزرنے سے پہلے جس قدر بھی ان کے لئے آسان ہو۔ اگر ان کو کچھ میسر نہ ہو تو دو رکعت نفل ہی پڑھ کر اس کی روح کو بخش دیں۔ ثابت ہوا کہ صدقہ میت کی پہلے رات گزرنے سے پہلے نہایت مفید ہے۔

حالانکہ یہ آج کل کا مسئلہ نہیں بلکہ مذہبی کتابوں میں یہ درج ہے شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاویٰ (ص ۱۷۸ تا ۱۹۴، جلد ۲) میں بعنوان طلوع الثریاء باظھار ما کان خفیا کے تحت تقریبا ۲۰ صفحات اس مسئلہ پر خوب تحقیق کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک مردوں کے لئے تصدق ۷ دنوں تک یہ رائج ہے جو کہ بہتر ہے۔ امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں بھی تصدق والے روایت کو نقل کیا ہے۔ تفسیر الدر منصور فی التفسیر القرآن بالماثور میں بھی مردوں کے لئے تصدق والی روایت نقل کی ہے۔

قال الامام أحمد بن حنبل رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فی کتاب الزھد لہ: حدثنا ھاشم بن القاسم قال: ثنا الاشجعی عن سفیان قال: قال طاوس: ان الموتی یفتنون فی قبورھم سبعا فکانوا یستحبون أن یطعموا عنھم تلک الأیام۔

تسھیل المشکوٰۃ (ص ۱۱۷) میں مولوی عبد الھادی شاہ منصوری دیوبندی لکھتا ہے:

واما التصدق فی بیت المیت فی اول الایام فجائز لحدیث النبی ﷺ فی الکتاب المختار ومطالع الانوار عن النبی ﷺ لا یاتی علی المیت اشد من اللیلة الاولیٰ فارحموا موتاکم بالصدقة فمن لم یجد فلیصل رکعتین یقرأ فیهما فاتحة الکتاب وایة الکرسی والهاکم التکاثر وقل هو الله احد احدی عشرة مرة انتهی فیبعث الله الی القبر الف ملک مع کل ملک نور وهدیة ویعطی الله المصلی حسنات بقدر ما طلعت علیه الشمس ویرفع له اربعین الف درجة واربعین الف حجة وعمرة ویعطی ثواب الف شهید فینبغی ان یصلی هذه الصلوٰة کل لیلة لاموات المسلمین۔

ترجمہ: میت کے گھر وفات کے ابتدائی دنوں میں صدقہ کرنا جائز ہے جیسا کہ کتاب المختار اور مطالع الانوار میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میت پر پہلی رات جیسی سخت رات یا دن نہیں آتا۔ اس لئے صدقہ کی صورت میں اپنی میت پر رحم کرو۔ اور جو صدقہ دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۃ تکاثر، گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے تو اللہ تعالیٰ ایک ہزار فرشتے ارسال فرمائے گا ہر فرشتے کے ساتھ نور اور تحفہ ہو گا۔ اور اس مذکورہ نماز پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس تمام مخلوق کہ جس پر سورج طلوع ہوتا ہے کے برابر نیکی دیگا۔ اور اس کے لئے چالیس ہزار درجہ بلندی عطا فرمائے گا۔ اور چالیس ہزار حج وعمرہ کا ثواب دیگا اور ہزار شہیدوں جتنا ثواب دیگا۔ تو چاہیئے کہ مُردوں کے لئے ہر رات یہ نماز پڑھنی چاہئے۔

البدایۃ والنہایۃ (صفحہ ۱۵۵، ج۷، مطبوعہ بیروت لبنان) میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کو غسل دینے اور دفنانے کے بعد، ان کے گھر پر جمع ہوئے اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہتعالیٰ عنہ کے گھر والوں نے جو بکرا ذبح کر کے پکایا تھا، اس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تناول فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت کے گھر پر کھانا پکانا جائز ہے، یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی رائج تھا۔ میت کے گھر میں ضیافت ممنوع ہے، تصدق جائز ہے۔

(۵) عورتوں کے لئے مزارات پر حاضری

عورتوں کا قبرستان میں جانا پردے کے ساتھ احادیث مبارکہ اور مذہب کی کتب سے ثابت ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت کنت ادخل بیتی الذی فیه رسول الله ﷺ وانی واضع ثوبی واقول انما هو زوجی وابی فلما دفن عمر رضی الله تعالیٰ عنه معهم فو الله ما دخلته الا وانا مشدودة علی ثیابی حیاء من عمر رضی الله تعالیٰ عنه رواه احمد ثم مشکوة زیارة القبور۔ (ص ۱۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی)

اور روایت ہے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ میں داخل ہوتی اپنے گھر میں، کہ اس میں مدفون تھے رسول خدا ﷺ یعنی اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدفون تھے اس حالت میں کہ تحقیق میں رکھتی یعنی اتارتی بدن سے کپڑا اپنا یعنی چادر اور کہتی میں

یعنی اپنے دل میں سوائے اس کے نہیں شان یہ ہے کہ مدفون ہیں خاوند میرے یعنی حضرت ﷺ اور باپ میرے یعنی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پس جب کہ دفن کئے گئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ انکے یعنی اس مکان میں پس قسم ہے اللہ کی نہیں داخل ہوئی میں گھر میں مگر میں باندھے ہوئے ہوتی اپنے پر کپڑے اپنے واسطے حیاء کے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ وہ اجنبی تھے۔ روایت کی یہ احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے۔(ترجمہ مظاہر حق ص ۸۵)

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعی بدعوی الجاھلیة متفق علیہ ثم۔ (المشکوۃ ص ۱۵۰، باب البکاء علی المیت)

اور روایت ہے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں اہل طریقہ ہمارے سے وہ شخص کہ پیٹے رخسارے اور پھاڑے گریبان اور پکارے پکارنا جاہلیت کا (یعنی وقت رونے کے وہ چیز کہے کہ نہیں جائز شرعاً، مانند نوحہ اور واویلا کرنیکے)۔

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مر النبی ﷺ بامرأة تبکی عند قبر فقال اتقی اللہ واصبری قالت الیک عنی فانک لم تصب بمصیبتی ولم تعرفہ فقیل لھا انہ النبی ﷺ فاتت بابہ فلم تجد عندہ بوّابین فقالت لم اعرفک فقال انما الصبر عند الصدمة الاولیٰ متفق علیہ ثم المشکوۃ۔ (ص ۱۵۰)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول اکرم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو کہ قبر کے پاس رو رہی تھی، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ تو اس عورت نے جواب میں کہا کہ ایک طرف ہو جا مجھ سے، تو میری مصیبت میں گرفتار نہیں ہے، اس عورت نے نبی کریم ﷺ کو نہ پہچانا۔ تو کہا گیا اس عورت سے کہ یہ تو نبی کریم ﷺ تھے تو یہ عورت آئی حضور ﷺ کے دروازے پر اور وہاں دربانوں کو نہیں پایا (جیسے کہ بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر ہوتے ہیں) تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اصل) صبر وہی ہے جو مصیبت کے اول وقت میں کیا جائے۔ **قد اجمع المؤمنون علی استحباب زیارة القبور اھ مشارق الانوار۔** (ص ۵۸)

مؤمنین کا اجماع ہے اس بات پر کہ قبروں کی زیارت مستحب ہے۔

وعلی الاصح من مذھبنا وھو قول الکرخی وغیرہ من ان الرخصة فی زیارة القبور ثابتة للرجال والنساء جمیعا۔ شامی (ج ۱، ص ۲۵۷) والبدر العینی فی شرح البخاری ثم الطحطاوی (ص ۳۷۶)۔ ونور الایضاح والطحطاوی جنائز (ص ۳۷۶) البخاری ومن السراج الوھاج والدر المختار (ص ۲۰۴، ج ۱)۔ والبحر والرملی چشم الشامی (ص ۶۰۴، ج ۱) وجامع الرموز (ص ۱۲۸، ج ۱) جنائز وشمس الائمة السرخسی ثم الاشربة ثم خزانة الفتاوی ثم عالمگیری (ص ۲۳۳، ج ۶) کراھیت باب ۱۶ ثم شرح فتاویٰ وما لا بد منہ۔ (ص ۵۷)

اور ہمارے مذہب کا صحیح قول یہ ہے جو کہ امام کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے، کہ زیارت قبور میں رخصت ثابت ہے مردوں اور عورتوں کے لئے۔ یعنی مرد اور عورت دونوں قبروں کی زیارت کے لئے جاسکتے ہیں۔

ولا بأس (ای ندب کمامر) بزیارۃ القبور وھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وظاھر قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یقتضی الجواز للنساء ایضا لانہ لم یخص الرجال وفی الاشربۃ اختلف المشائخ (ای المتأخرون) فی زیارۃ القبور للنساء قال السرخسی الاصح انہ لا بأس بھا اھ کذافی خزانۃ الفتاوی اھ عالمگیری ص ۲۳۳، ج ۶، کراھیت باب ۱۶۔

اور کوئی مسئلہ نہیں یعنی زیارتِ قبور ایک مستحب عمل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ظاہر قول تقاضہ کرتا ہے کہ عورتوں کے لئے قبروں پر جانا جائز ہے اور مرد کے لئے خاص نہیں ہے۔ اور (اشربہ) میں ہے کہ متاخرین مشائخ نے اختلاف کیا ہے کہ عورتیں قبروں پر جاسکتی ہیں یا نہیں۔ اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کوئی مسئلہ نہیں، عورتیں قبروں پر جاسکتی ہیں۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا انھا کانت تزور قبر اخیھا عبد الرحمٰن بمکۃ رواہ الترمذی (ص ۱۲۴) والبدر العینیثم الطحطاوی جنائز۔ (ص ۳۷۶) وشامی جنائز (ص ۶۰۴، ج ۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں اپنے بھائی کی قبر پر جاتی تھیں۔

عن عبد اللہ بن ملیکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال توفی عبد الرحمان ابن ابی بکر رضی اللہ عنھما بالحبشیٰ فحمل الی مکۃ فدفن فیھا فلما قدمت عائشۃ رضی اللہ عنھا اتت قبر عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنھا۔

رواہ الترمذی (ص ۲۳۳، ج ۱) وطحطاوی (ص ۳۷۶) وشامی (۶۰۴، ج ۱ جنائز)

حضرت عبد اللہ بن ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادہ عبد الرحمن وفات پاگئے حبشہ میں تو ان کو مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہاں پر ان کی تدفین ہوئی۔ جب عائشہ رضی اللہ عنھا تشریف لائیں تو ان کی قبر پر آئیں۔

قال عبد اللہ بن ابی ملیکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقبلت عائشۃ رضی اللہ عنھا ذات یوم عن المقابر فقلت لھا الیس کان رسول اللہ ﷺ ینھی عن زیارۃ القبور قالت نعم کان نھی عن زیارۃ القبور ثم امر بھا اھ۔

طحطاوی (ص ۳۷۶، جنائز) والشامی (ص ۶۰۴، ج ۱ جنائز) المستدرک (ص ۴۸۵، ج ۱، حدیث ۱۴۲۳)

عبد اللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے تشریف لائیں۔ میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین، کہاں سے آپ تشریف لائیں ہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اپنے

بھائی عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے۔ میں نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ نے قبور کی زیارت سے منع نہیں فرمایا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہاں، پہلے منع فرمایا تھا پھر قبور کی زیارت کا حکم جاری فرمادیا تھا۔

یہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمل، جو امت مصطفی ﷺ کی سب سے افقہ ہیں اور انہی کا ارشاد ہے کہ مصطفی ﷺ نے پہلے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی، قبور کی زیارت کے لئے عورتوں کو جانے کا حکم دے دیا، میں نے مصطفی ﷺ کے آخری حکم پر عمل کیا ہے خلاف نہیں کیا۔

اب اگر کوئی عورتوں کے قبور کی زیارت پر جانے کو بدعت کہتا ہے یا شرک کہتا ہے تو وہ خود سوچ لے کہ یہ فتویٰ کس پر لگایا ہے۔ العیاذ باللہ!

(مستدرک (ص ۴۸۶، ج ۱، حدیث نمبر ۱۴۲۷، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی) میں ہے:

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت النبی ﷺ اپنے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے ہر جمعہ تشریف لے جاتیں پھر وہاں قبر کے پاس نماز پڑھتیں اور روتیں۔ اس حدیث کے تمام رواۃ صحیح ہیں اور قبروں کی زیارۃ کے لئے لوگوں کو رغبت دلانے کے لئے مجھے یقین ہو گیا اور تاکہ گنہگار کو اپنے گناہوں کا علم ہو جائے کہ قبروں پر جانا سنت ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد والہ اجمعین۔ (بحوالہ مقیاس الوھابیۃ، ص ۳۰۶)

یہ ہے مصطفی ﷺ کی محبوب صاحبزادی کا اپنا عمل۔ کیا وہ نبی ﷺ کے حکم پر عمل نہ کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف پر جو مدینہ طیبہ سے تین میل ہے مسافت طے کر کے تشریف لے جاتیں اور وہاں فرض نمازیں اور نوافل قبر کے پاس ادا فرماتیں جس سے ثابت ہوا کہ:

(۱) قبروں کے پاس نماز پڑھی جائے۔ ان کی طرف سجدہ نہ ہو تو ثواب ہے۔

(۲) عورتوں کا سفر قبور کی زیارۃ کے لئے جائز ہے پردہ کے ساتھ۔

(۳) قبور کے پاس رونا خشوع و خضوع جائز ثابت ہوا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

والاصح ان الرخصة ثابتة للرجال والنساء لان السيدة فاطمة رضی اللہ عنها كانت تزور قبر حمزة رضی اللہ تعالیٰ عنه كل جمعة اھ۔ طحطاوی (ص ۳۷۶ جنائز) وشامی جنائز (۶۰۴، ج ۱)

اور صحیح قول یہ ہے کہ رخصت قبروں کی زیارت میں مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر انوار پر ہر جمعہ کو جاتی تھیں۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان رسول اللہ ﷺ ینھی عن زیارۃ القبور ثم رخص للرجال دون النساء ثم رخص فیھا مطلقاً قال کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکر الاٰخرۃ ولا تقولوا فحشا۔اھ۔ کشف الغمہ۔(ص۱۷۷،ج ازیارت)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قبروں کی زیارت سے منع فرماتے تھے، بعد میں مردوں کو رخصت دیا گیا نہ کہ عورتوں کو۔ پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت میں رخصت عام کی اور پھر فرمایا کہ میں آپ کو منع کرتا تھا قبروں کی زیارت سے لیکن اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے اور بری باتیں نہ کیا کرو۔

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزورھا فانھا تزھد فی الدنیا وتذکر الاٰخرۃ رواہ ابن ماجۃ اھ مشکوۃ۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں منع کرتا تھا قبروں کی زیارت سے لیکن اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت یاد دلاتی ہے۔

عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ نھیتکم عن زیارۃ القبور فزورھا رواہ مسلم اھ مشکوۃ۔(ص۱۴۶)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں منع کرتا تھا قبروں کی زیارت سے، اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔

پس زیارات القبور بکنید وآن حکم اول منسوخ دانید۔ اشعۃ اللمعات (ج۱، ص۱۴۶) یعنی پس زیارتِ قبور پر جایا کرو اور یہ جان لو کہ حکمِ اول منسوخ ہے۔

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ انی نھیتکم عن زیارۃ القبور فانہ قد أذن لمحمد ﷺ فی زیارۃ قبر امہ فزوروھا تذکرکم الاخرۃ۔ (مسلم شریف ص۳۱۴،ج۱ وابوداؤد ص۱۰۵،ج۲)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں منع کرتا تھا زیارت القبور سے، تحقیق کے ساتھ محمد ﷺ کو اجازت دی گئی ہے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی۔ پس قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ بعض احادیث ایسی بھی موجود ہیں کہ جن میں نبی کریم ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں کی زیارت کیلئے جاتی ہیں۔ اب دونوں احادیث کے درمیان تطبیق کیسے ہو گی۔ حنفی مشکوۃ شریف زجاجۃ المصابیح مع اردو ترجمہ نور المصابیح، جلد اول، صفحہ ۵۰۴ تا ۵۱۴ میں اس کی تطبیق بیان کی ہے، جو کہ درج ذیل ہے:

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وفی روایۃ لمسلم ان النبی ﷺ قال نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر، اور قبروں کے اوپر چراغ لگانے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (ابو داؤد، ترمذی اور نسائی اور مسلم کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو (خواہ مرد ہوں یا عورتیں) زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ قبروں کی زیارت کیا کرو، (کیوں کہ قبروں کی زیارت سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے)۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے تین چیزوں کو مستحق لعنت قرار دیا ہے۔

(۱) قبروں کی زیارت کرنے والی عورتیں

(۲) قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے

(۳) قبروں کے اوپر چراغ لگانے والے

واضح ہو کہ اس حدیث میں عورتوں کے لئے زیارت قبور سے جو ممانعت ثابت ہو رہی ہے وہ مسلم کی اس حدیث سے منسوخ ہے۔ **کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا لانھا تذکر الآخرۃ۔** میں نے تم کو (خوہ مرد ہوں یا عورتیں) قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب میں تم کو (مرد ہو کہ عورتیں) اجازت دیتا ہوں کہ قبروں کی زیارت کیا کرو۔ اس لئے کہ قبروں کی زیارت سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عورتوں کے لئے زیارت کے جواز میں حدیث "**لعن اللہ زائرات القبور**" کی روایت کے بعد فرماتے ہیں۔ "**قد رأی بعض اھل العلم ان ھذا کان قبل ان یرخص النبی ﷺ فی زیارۃ القبور فلما رخص دخل فی رخصتہ الرجال والنساء**" امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کی تحقیق یہ ہے کہ قبور کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے زیارت قبور سے مرد و عورت ہر دو کو منع فرما دیا تھا، اور جب حضور انور ﷺ نے زیارت قبور کی اجازت دے دی تو یہ

اجازت مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی حاصل ہوگئی ہے کیونکہ شریعت کا یہ عام قاعدہ ہے کہ اوامر ونواہی بالعموم مردوں کو دیئے جاتے ہیں اور چونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہوتی ہیں اس حیثیت سے سارے احکام عورتوں سے بھی متعلق ہو جاتے ہیں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

واحتج من اباح زیارۃ القبور للنساء بحدیث عائشۃ رضی اللہ عنھا رواہ فی التمھید من روایۃ بسطام بن مسلم عن ابی التیاح عن عبداللہ بن ملیکۃ انّ عائشۃ رضی اللہ عنھا اقبلت ذات یوم من المقابر فقلت لھا یا ام المؤمنین من این اقبلت قالت من قبر اخی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنھما فقلت لھا الیس کان رسول اللہ ﷺ ینھٰی عن زیارۃ القبور قالت نعم کان ینھٰی عن زیارتھا ثم امر بزیارتھا۔

جن حضرات نے عورتوں کے لئے زیارت قبور کے جواز کو ثابت کیا ہے وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو تمہید میں مروی ہے۔ بسطام بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو التیاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے عبد اللہ بن ابی ملیکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن قبرستان سے تشریف لارہی تھیں۔ ابن ابی ملیکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کہاں سے تشریف لارہی ہیں؟ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے بھائی عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کرکے آرہی ہوں، میں نے عرض کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ زیارت قبور سے منع نہیں فرماتے تھے؟ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔ ہاں حضور انور ﷺ نے (ابتداء اسلام میں) قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا پھر بعد میں آپ نے (مردوں اور عورتوں) دونوں کو اجازت دے دی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتداء اسلام میں زیارت قبور کی ممانعت کے اسباب بتاتے ہوئے فرمتے ہیں: **النھی عن زیارۃ القبور انما کان فی اول الاسلام عند قربھم بعبادۃ الاوثان واتخاذ القبور مساجد فلما استحکم الاسلام وقوی فی قلوب الناس وامنت عبادۃ القبور والصلوۃ الیھا نسخ النھی عن زیارتھا لانھا تذکر الاٰخرۃ وتزھد فی الدنیا۔**

علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں زیارت قبور سے ممانعت محض اسلئے تھی کہ عربوں کو بتوں کی پوجا اور قبروں کی پرستش کو (ترک کئے ہوئے) بہت تھوڑا زمانہ گزرا تھا لیکن جب دین کا استحکام ہوگیا اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت قوی ہوگئی اور قبروں کی پرستش اور قبروں کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا اندیشہ دور ہوگیا تو قبروں کی زیارت سے ممانعت منسوخ کردی گئی اس لئے کہ زیارت قبور آخرت کی یاد اور دنیا سے بے رغبتی کا سبب ہے۔

حضرت شاہ عبد الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لمعات میں فرماتے ہیں کہ زیارت قبور مستحب ہے کیونکہ اس سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے، موت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور فناء دنیا کا خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ میت کے لئے دعا اور استغفار کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ جمع مشائخ، صوفیاء

کرام اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اہل کشف اور کاملین کے نزدیک یہ ایک محقق بات ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بے شمار حضرات کو ارواح مقدسہ سے فیض حاصل ہوا ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "باب الامر بالاستغفار للمؤمنین" میں ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایک طویل حدیث کے آخر میں روایت کرتے ہیں کہ: فامرنی ان اتی البقیع فاستغفر لھم قلت کیف اقول یا رسول اللہ ﷺ قال قولی السلام علی اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین فیرحم اللّٰہ المستقدمین و المستاخرین وانا انشاء اللہ بکم للا حقون رواہ مسلم مشکوۃ زیارۃ القبور (ص ۳۱۴) نووی (ص ۳۱۴) فیہ دلیل لمن جوز للنساء زیارۃ القبور اھ۔ نووی زیارۃ القبور (ص ۳۱۴، ج ۱) واشعۃ اللمعات زیارۃ القبور۔ (ص ۲۳۵)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں بقیع (یعنی مدینہ منورہ کے قبرستان کو) جاؤں اور اہل بقیع کے لئے دعا کروں۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ میں کس طرح دعا کروں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا تم یہ کہو "سلام ہو تم پر اے مسلمانوں کے قبور والو اور نزول رحمت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پیش رؤوں پر اور ہمارے پس ماندوں پر اور بلاشبہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور ﷺ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اہل بقیع کی زیارت کا حکم دیا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں دعا اور استغفار کے لئے قبروں کی زیارت کر سکتی ہیں۔

در مختار اور رد محتار ہر دو کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ حدیث "کنت نھیتکم" کے پیش نظر عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اھ۔ بلکہ عورتوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ قبروں کی زیارت کریں اس کو بحر میں مجتبیٰ کے حوالہ سے لکھنے کے بعد واضح کیا ہے کہ یہ حدیث "کنت نھیتکم" الخ کے حکم صریح کی بناء پر ہے۔ علاوہ ازیں امداد میں بھی یہی مذکور ہے۔ علامہ شامی رد المحتار میں مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ بعض اوقات اولیاء کرام کی قبروں کے پاس بعض غیر مشروع امور ہوا کرتے ہیں، مثلاً مردوں اور عورتوں کا ہجوم کی وجہ سے خلط ملط ہو جانا وغیرہ تو ایسے غیر مشروع امور کی وجہ سے زیارت قبور ترک نہیں کرنا چاہئیے کیونکہ زیارت قبور جیسے نیک کام کو بعض غیر مشرع امور کی وجہ سے چھوڑ دینا نا مناسب ہے بلکہ انسان کو چاہئے کہ قبروں کی زیارت کرے اور بدعات پر تنبیہ کرے اور اگر قدرت ہو تو ان غیر مشروع امور کو زائل کر دے۔

دوسرے اس حدیث میں جن کو حضور انور ﷺ نے مستحق لعنت قرار دیا ہے وہ "قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے" ہیں۔

واضح ہو کہ اس حدیث میں جو وعید مذکور ہے وہ اس صورت میں صادق آئے گی جب یہ یہود و نصاریٰ کی طرح قبر کو بت بنا کر سجدہ کیا جائے یا قبروں کو حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر نماز میں قبروں کی طرف رخ کیا جائے۔ اس کے برخلاف کسی ولی کے مزار کے قرب مسجد بنائی جائے اور اس میں بغیر تبرک نماز پڑھی جائے تو یہ عمل اس وعید میں داخل نہ ہو گا۔ چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: **لما کانت الیھود و النصاریٰ یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانھم ویجعلونھا قبلۃ یتوجھون فی الصلوۃ نحوھا و اتخذوھا اوثانا لعنھم النبی ﷺ و منع المسلمین عن مثل ذلک فامامن اتخذ مسجدا فی جوار صالح و قصد التھرک بالقرب منہ لا للتعظیم لہ و لا للتوجہ الیہ فلا یدخل فی الوعید المذکور۔**

علامہ عینی فرماتے ہیں جب یہود و نصاریٰ انبیاء علیہم السلام کی تعظیم کے خیال سے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ کرنے لگے اور قبروں کو قبلہ بنا کر نماز میں قبروں کی طرف رخ کرنے لگے اور قبروں کو بت بنا کر پوجنا شروع کیا تو نبی ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو بھی ان افعال سے منع فرمایا لیکن جو اصحاب کسی ولی صالح کے قرب و جوار میں مسجد بنائیں اور ان صاحب قبر سے تقرب کا قصد کریں، بشرطیکہ نفس قبر کی تعظیم مقصود نہ ہو اور قبر کی طرف نمازیں رخ نہ کیا جائے تو ایسے حضرات اس وعید میں داخل نہیں ہوں گے۔

مرقات اور مجمع البحار میں علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مذکورہ بالا شرح کے بعد مزید یہ اضافہ ہے

الا تریٰ ان مرقد اسمٰعیل علیہ السلام فی المسجد الحرام عند الحطیم ثم ان ذلک المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلاتہ۔

کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مزار اقدس مسجد حرام میں حطیم میں واقع ہے اور اس جگہ مسجد حرام کے ان سارے مقامات میں فضیلت حاصل ہے جہاں نمازی کو نماز پڑھنا چاہیئے)۔ اولیاء اللہ کے مزارات کے قرب و جوار میں مسجدیں بنانے کے جواز پر تفصیلی بحث حدیث نمبر ۹۵۴۔۱۳ کے فائدے میں گزر چکی ہے۔

تیسرے جن کو حضور انور ﷺ نے مستحق لعنت قرار دیا ہے وہ جو قبروں کے اوپر چراغ جلانے والے ہیں۔

واضح ہو کہ حدیث میں قبروں کے اوپر چراغ جلانے والوں کی وعید میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ یہ ہیں "**المتخذین علیھا السرج**" جن کے حقیقی معنی یہ ہیں قبروں کے اوپر چراغ جلانے والے مستحق لعنت ہیں نہ یہ کہ قبروں کے پاس چراغ جلانے والے حرف "**علیٰ**" کو جس کے معنی (اوپر) کے ہیں "عند" یعنی نزدیک کے معنوں میں استعمال کرنا مجاز ہے اور کسی لفظ کے معنی مجازی اسی وقت مراد لئے جاسکتے ہیں جب کہ اس لفظ کے حقیقی معنی نہ بن سکتے ہوں، چونکہ یہاں حقیقی معنی بن سکتے ہیں اس لئے "**المتخذین علیھا السرج**" کی وعید میں یہود و

نصاریٰ اور مشرکین داخل ہوں گے جو قبروں کے اوپر چراغ جلایا کرتے ہیں اور چونکہ مسلمانوں کو ان گمراہوں کی مشابہت اور اس عمل سے باز رکھنا مقصود تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد میں مسلمانوں کو یہ تاکید ہے کہ ان اعمال سے باز رہیں اور ان کی مشابہت نہ کریں۔

"**المتخذین علیھا السرج**" کے جو معنی اختیار کئے گئے ہیں ان کی تائید علامہ سید عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف انیف **حدیقۂ ندیّہ شرح طریقۃ محمدیۃ** سے ہوتی ہے کیونکہ علامہ موصوف اس حدیث کے اس ٹکڑے کی شرح میں فرماتے ہیں "**والسرج**" **ای الذی ھن یوقدون السرج علی القبور عتبا من غیر فائدۃ یعنی** قبروں پر چراغ جلانے کی وعید ان لوگوں پر صادق آئے گی جو قبروں کے اوپر بلا ضرورت بے فائدہ چراغ روشن کرتے ہوں۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ حدیث شریف کے الفاظ "**المتخذین علیھا السرج**" کے حقیقی معنی بن سکتے ہیں تو وعید میں صرف وہی لوگ داخل ہوں گے جو قبروں کے اوپر چراغ روشن کرتے ہیں اور وہ حضرات جو قبروں کے پاس چراغ روشن کرتے ہوں اس وعید میں داخل نہیں ہوں گے۔

واضح ہو کہ قبروں کے پاس چراغ لگانے کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک ضرورتاً اور دوسرے بلا ضرورت، قبروں کے پاس بلا ضرورت چراغ کے روشن کرنا اسراف ہے اور اسراف بے شک ممنوع ہے۔ نیز چراغ کے روشن کرنے سے قبر کی تعظیم یا قبر کی زینت مقصود ہے تو ان صورتوں میں بھی قبروں کے پاس چراغ روشن کرنا ممنوع ہو گا کیونکہ یہ نیتیں شرعاً محمود نہیں، البتہ صاحب قبر اور اولیاء کرام کی تعظیم مقصود ہو تو اس نیت سے قبروں کے پاس چراغ روشن کرنا اسراف نہ ہو گا، بلکہ ی شرعاً محبوب اور مطلوب ہے۔

قبروں کے پاس ضرورتاً چراغ روشن کرنے کے جواز میں آیت وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (الملک ۵) کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر روح البیان اس طرح ناطق ہے۔ **وکذا یقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیآء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضا للاولیاء فالمقصد منھا مقصد حسن ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لھم ومحبۃ فیھم جائز ایضا لا ینبغی النھی عنہ۔**

تفسیر روح البیان میں ہے کہ اولیاء اور صلاح کے مزارات کے پاس قنادیل اور فانوس روشن کئے جاسکتے ہیں، کیونکہ یہ ان کی تعظیم اور بزرگی کا سبب ہے۔ اس لئے یہ عمدہ مقصد ہے، اسی طرح روغن زیتون اور موم بتی مزارات کے قریب جلانا اس سے بھی اولیاء اللہ کی تعظیم اور محبت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے ان چیزوں سے منع کرنا مناسب نہیں۔

علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ فعل مباح پر بھی حسن نیت سے ثواب ملتا ہے، چنانچہ فتح الباری، شرح صحیح البخاری میں مذکور ہے۔ **"ان المباح قدیر تفع بانیة الی درجه مایثاب علیه"** (کسی امر مباح کو اچھی نیت سے انجام دیا جائے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے) اس طرح ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کی تعظیم و تکریم کی غرض سے ان کی قبروں کے پاس چراغوں کو روشن کرنا حصول ثواب کا ذریعہ ہے۔

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

اخراج الشموع الی القبور بدعة و اتلاف المال کذا و فی البزازیة هذا کله اذا خلا عن فائدة و اما اذا کان موضع القبور مسجداً علی الطریق او کان هناک احد جالسا او کان قبر ولی من الاولیاء او عالم من المحققین تعضیما لروحه المشرفة علی تراب جسده کاشراق الشمس علی الارض اعلام للناس انه ولی یتبرکوا به و یدعو الله عنده الشمس علی الارض اعلام للناس انه ولی یتبرکوا به و یدعو الله عنده فیستجاب لهم فهو امر جائز لا منع فیه و انما الاعمال بالنیات۔

بزازیہ میں مذکور ہے کہ قبروں کی طرف موم بتیوں کا لے جانا بدعت ہے اور مال کا ضائع کرنا ہے جب کہ چراغوں کا روشن کرنا کسی فائدے سے خالی ہو اور اگر وہاں قبرستان میں مسجد ہو یا قبرستان سر راہ واقع ہو اور قبر کے پاس کوئی شخص بیٹھا ہو یا کسی ولی یا محققین علماء میں سے کسی عالم کا مزار ہے تو ان صورتوں میں چراغوں کا روشن کرنا جائز ہو گا۔ کیونکہ یہ ان کی روح مبارک کی تعظیم کا سبب ہے جو اپنے بدن کی خاک پر اس طرح تجلی ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر، اور وہاں چراغ کے روشن کرنے سے لوگ واقف ہو سکیں گے کہ ان کی دعا قبول ہو جائے تو یہ ایسا امر جائز ہے جس میں کوئی ممانعت نہیں ہے اس لئے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

مجمع البحار میں **"المتخذین علیها السرج"** کی شرح کرتے ہوئے یہ لکھا ہے جس کا ذکر نسائی کے حاشیہ پر بھی ہے **"و ان کان ثم مسجدا و غیره ینتفع فیه للتلاوة و الذکر فلا بأس بالسراج فیه"** یعنی اگر قبر کے پاس مسجد ہو اور کوئی ایسی جگہ ہو جہاں قرآن کی تلاوت اور ذکر کیا جاتا ہے تو اس جگہ چراغ جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادۃ میں ارشاد فرمایا ہے: **"انداختن غلاف بر قبر شریف وافروختن چراغ ہا و غیرہا تکلفات کہ بر مزارہائے اولیاء اللہ جملہ از مستحسنات اند"** یعنی قبر شریف پر غلاف ڈالنا اور اولیاء اللہ کے مزارات کے پاس چراغوں کا روشن کرنا اور ایسے ہی تکلفات کا استعمال مستحسن ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ **"لا تجتمع امتی علی الضلالة"** (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی) ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ہے: **من سن فی الاسلام سنة فعمل بها بعده کتب له مثل اجر من عمل بها و لا ینقص امن اجورهم شیء۔** (جو کوئی اسلام میں

کسی اچھے طریقہ کو جاری کرے کہ اس کے بعد اس طریقہ پر عمل ہو رہا ہو تو اس شخص کو بعد کے عمل کرنے والوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے ثواب میں بھی کسی قسم کی کمی نہیں ہو گی)۔

ان دونوں احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علماء وصلحاء کا فعل دلیل ہے اور ہر بدعت گمراہی نہیں۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح باجماعت کا اہتمام کر کے ارشاد فرمایا "نعمۃ البدعۃ ھذہ" (کیا اچھی بدت ہے) اس لئے ہر بدعت کو گمراہی سمجھنا نادانی کی بات ہے۔

امام اجل علامہ سید ابو الحسن علی نور الدین بن عبد اللہ المدنی قدس سرہ اپنی کتاب "**خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ**" میں فرماتے ہیں۔ روضہ انور ﷺ کی روشنی کا سامان سونے اور چاندی اور اس کے مثل اور قیمتی چیزوں کی قندیلیں جو روضہ مطہرہ کے گرد آویزاں کی جاتی ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی ابتداء کب سے ہے۔ ہاں امام حافظ الحدیث محمد بن محمد نجار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "**الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ**" میں فرمایا ہے کہ سقف مسجد کریم کے اتنے حصہ میں جو دیوار قبلہ سے حجرہ مقدسہ تک ہے چالیس سے زیادہ قندیلیں آویزاں ہیں ایک سونے کی اور دو بلور کی اور چھوٹی بڑی نقروی قندیلیں منقش اور سادہ ہیں جن کو سلاطین اور امراء اپنی حکومت کی طرف سے حاضر کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ روشنی خاص روضہ انور علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے لئے ہوتی تھی اور صدہا سال سے اس کا رواج تھا یہاں یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حجرہ مقدسہ میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آرام فرما ہیں اور روضہ کے گرد صدہا سال سے روشنی کی جاتی ہے، جس سے تلاوت قرآن اور ذکر وغیرہ میں فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور صحابہ کرام کے زمانہ سے آج تک یہاں چراغوں کے روشن کرنے پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

امام اجل تقی الملۃ والدین علی بن عبد الکافی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام "**منزل السکینۃ علیٰ قنادیل المدینۃ**" ہے اور اس میں ثابت کیا ہے کہ مزار مبارک کے آس پاس روشنی ہوتی ہے اور اس پر رحمتِ الٰہی کا سکینہ اترتا ہے۔

بعض حضرات قبور کے پاس چراغ روشن کرنے کو اس لئے ناجائز قرار دیتے ہیں کہ قبروں کے پاس آگ کا لے جانا آثار جہنم سے ہے حالانکہ اگر رات کے وقت تدفین عمل میں آرہی ہے تو قبر کے پاس چراغ لے جاسکتے ہیں چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح بخاری میں ضرورتاً قبر کے پاس چراغ لے جانے کے جواز میں کئی روایتیں نقل فرمائی ہیں۔ بطور نمونہ ایک حدیث یہاں نقل کی جاتی ہے:

روی ابو داؤد من حدیث جابر بن عبد اللہ قال رای ناس نارًا فی المقبرۃ فأتوھا فاذًا رسول اللہ ﷺ فی القبر واذًا ھو یقول فأتونی صاحبکم فاذاھم الرجل الذی کان یرفع صوتہ بالذکر ورواہ الحاکم وصححہ وقال النووی وسندہ علی شرط الشیخین۔

ابو داؤد نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ چند لوگوں کو قبرستان میں آگ نظر آئی تو وہاں پہنچے انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ قبر کے اندر ہیں اور ارشاد فرمارہے ہیں کہ اپنے دوست کو مجھے دے دو (کہ میں اس کو قبر میں اتار دوں) اور وہ وہی صحابی تھے جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے۔ (اس کی روایت حاکم نے کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند بخاری اور مسلم کی شرط کے موافق ہے)۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبرستان میں ضرورتاً چراغ لے جاسکتے ہیں، اس لئے وہ حضرات جو قبروں کے پاس مطلقاً چراغ لے جانے کو آثار جہنم بتا کر ناجائز قرار دیتے ہیں ان کا استدلال بے جا ہے۔

علاوہ ازیں اگر آگ کو آچار جہنم کی وجہ سے مردہ اور قبر کے پاس لے جانا حرام قرار دیا جاتا تو میت کو گرم پانی سے غسل دینا بھی آثارِ جہنم ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ "یصب من فوق رؤسھم الحمیم"** (دوزخیوں کے سروں پر سے گرم پانی بہایا جائے گا)۔

حالانکہ وہ مردہ کو گرم پانی سے غسل دینا شرعاً مطلوب ہے، چنانچہ در مختار میں مذکور ہے۔ **"یصب علیہ ماء مغلی بسدر ان یتسرو ءالافماء خالص"** (غسل میت کے لئے اگر بیری کے پتوں کا گرم شدہ پانی مل جائے تو بہتر ہے ورنہ خالص گرم پانی کافی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ گرم پانی کے آثار جہنم کے ہونیکے باوجود مردے کے لئے اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ یہ مامور بہ ہے۔ اس طرح قبروں کے پاس چراغ جلانا بھی جائز ہوگا، اور آثار جہنم کی توجیہہ کرکے قبروں کے پاس چراغ جلانے کی ممانعت کو ثابت کرنا غیر صحیح ہوگا۔

امام اہلسنت حامی دین مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قندھاری افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ **"بریق المنار بشموع المزار"** میں بالتفصیل دلائل کے ساتھ مزارات اولیاء اللہ پر روشنی کرنے کو بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

بالجملہ! حاصل حکم یہ ہے کہ قبور عامۂ ناس پر روشنی جب کہ خارج سے کوئی مصلحت مذکورہ کے امثال سے نہ ہو (اس کی تفصیل رسالہ مذکورہ کی ابتداء میں گزر چکی ہے) ضرور اسراف ہے۔ اور اسراف بے شک ممنوع ہے۔ فقہاء اس کو منع فرماتے ہیں کہ یہی علت منع بناتے ہیں۔ اور اگر زینت قبر مطلوب ہو تو قبر محل زینت نہیں۔ اب بھی اسراف ہوا۔ بلکہ کچھ زائد یوں ہی اگر تعظیم قبر مقصود ہو کہ یہاں تعظیم نسبت نہیں۔ رہے مزارات محبوبان الٰہ۔ ان میں اگر زینت قبر یا تعظیم نفس قبر کی ہو تو یہاں بھی وہی ممانعت رہے گی کہ یہ نیتیں شرعاً

محمود نہیں اور اگر ان کی روح کریم کی تعظیم و تکریم مقصود ہو۔ اب نہ اسراف ہے کہ نیت صالحہ موجود ہے۔ نہ تعظیم قبر بلکہ تعظیم روح محبوب۔ اور وہ شرعاً بلاشبہ مطلوب۔

امام اجل تقی الدین سبکی، وامام نور الدین سمہودی، وامام عبد الغنی نابلسی رحمہم اللہ تعالیٰ اسی کو جائز بناتے ہیں اور کسی کے قلب پر حکم لگانا کہ اسے تعظیم قبر ہی مقصود ہے، نہ تعظیم روح ولی، محض جزاف وبد گمانی وحرام بنص قرآنی ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔

ترجمہ: اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں، بے شک کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے سوال ہونا ہے۔

(پ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۶)

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ "۔

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔ (پ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت ۱۲)

وقال رسول اللہ ﷺ افلا شققت عن قلبه، قال رسول اللہ ﷺ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بد گمانی سے بچو بے شک بد گمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔

تعظیم روح اور تعظیم قبر میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے۔ عارف نابلسی کا ارشاد گزرا۔ امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لیس القصد تعظیم بقعة القبر لعینها بل من حل فیها

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسند شریف میں بسند حسن روایت فرماتے ہیں:

اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فاخذ مروان برقبته ثم قال هل تدری ما تصنع، فاقبل علیه فقال نعم انی لم أت الحجر انما جئت رسول اللہ ﷺ ولم أت الحجر، سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تبکوا علی الدین اذا ولیه اهله ولکن تبکوا علی الدین اذا ولیه غیر اهله۔

ترجمہ: یعنی مروان نے اپنے زمانہ تسلط میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبر اکرم سید عالم ﷺ پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں۔ مروان نے ان کی گردن مبارک پکڑ کر کہا جانتے ہو کیا کر رہے ہو۔ اس پر ان صاحب نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ہاں میں سنگ وگل کے پاس نہیں آیا ہوں، میں تو رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہوا ہوں۔ میں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے دین پر نہ روؤ جب اس کا اہل اس پر والی ہو، ہاں! اس وقت دین پر روؤ جبکہ نا اہل والی ہو۔

یہ صحابی سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ تو تعظیم قبر و روح مطہر میں فرق نہ کرنا مروان کی جہالت ہے اور اسی کے ترکہ سے وہابیہ کو پہنچی۔ تعظیم قبر سے جدا ہو کر تعظیم روح کی برکت لینا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت ہے اور اہل سنت کو ان کی میراث ملی ہے۔

اور اہل اللہ کی قبر پر جو چراغاں و روشنی کی جاتی ہے وہ ان کی تعظیم روح اور لوگوں کی توجہ کے لئے ہے کیونکہ مومن اہل قبر کی طرف متوجہ ہو کر دعا گو ہوتا ہے۔ ذکر اذکار، تلاوت قرآن اور درود پاک اور نوافل پڑھتا ہے جس کا فائدہ دونوں کو پہنچتا ہے۔ ویسے بھی قبور اہل اللہ میں شعائر اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم اور ہر مسلمان کے اوپر لازم و ضروری ہے۔ **وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲)**

ترجمہ: جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ (الحج ۳۰)

ترجمہ: جو اللہ کی آداب کی چیزوں کی تعظیم کرے تو اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بہتری ہے۔

الغرض ان سارے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ قبروں کے پاس چراغوں کو روشن کرنا حسب ذیل اغراض کی بناء پر جائز ہے۔

(۱) وہاں مسجد ہو کہ نمازیوں کو بھی آرام ہو گا اور مسجد میں بھی روشنی ہو گی۔

(۲) مقابر سر راہ ہوں کہ روشنی کرنے سے راہرو کو بھی نفع پہنچے گا اور اموات کو بھی کہ مسلمان مقابر پر مسلمین دیکھ کر سلام کریں گے، قرآن پڑھیں گے، دعا کریں گے، اور ثواب پہنچائیں گے، گزرنے والوں کی قوت زائد ہے تو اموات کو نفع پہنچے گا، اگر اموات کی قوت زائد ہے تو گزرنے والے فیض حاصل کریں گے۔

(۳) مزارات اولیاء کرام کے پاس روشنی تو ان کی ارواح طیبہ کی تعظیم کا سبب ہے جو موجب خیر و برکت ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ لعن زورات القبور رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح اہ ترمذی جنائز (ص ۱۳۳) ومشکوۃ جنائز (ص ۱۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کے لئے جاتی ہیں۔ اب یہ حدیث مبارکہ بھی عورتوں کے زیارت القبور پر نہ جانے کے اوپر دلالت کرتی ہے۔ تو ہم جواب دیتے ہیں، اول یہ کہ یہ حدیث مبارک منسوخ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے

رأی بعض اهل العلم ان حدیث اللعن کان قبل ان یرخص النبی ﷺ فی زیارة القبور فلما رخص دخل فی رخصة الرجال والنساء اه ترمذی جنائز (ص ۱۳۳، ج ۱) ومشکوة (۱۴۶) ولطیبی علی حاشیة الترمذی (ص ۱۳۳) واشعة اللمعات جنائز (ص ۹۳۵، ج ۱) وشرح مالابدمنه (ص ۸۷)

اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک جو لعنت کی ہے، زیارت القبور میں رخصت دینے سے پہلے ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے زیارت القبور میں رخصت دی تو اس میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہو گئے۔

قال ابن حجر فی فتاواه ولا تترک الزیارة لما یخص لعندها من منکرات فاسدة کاختلاط للرجال بالنساء وغیر ذلک لان القربات لا تترک لمثل ذلک بل علی الانسان فعلها وانکار البدع بازالتها ان امکن اه۔ شامی (ص ۶۰۴) مذاهب اربعه (۴۲۵) احیاء العلوم، مرقاة بر حاشیة مشکوة۔

اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ زیارت القبور کو نہیں چھوڑا جائے گا جیسے کہ وہاں پر منکرات اور مفاسد کام ہوتے ہیں، مثلاً مرد اور عورتوں کا اختلاط ہونا، اور اس کے علاوہ منکرات۔ اس لئے کہ نیک کام نہیں چھوڑے جائیں گے ان منکرات کی وجہ سے۔ بلکہ انسان کے اوپر واجب ہے کہ بدعت کا انکار کرے اور ان منکرات کام کا ازالہ کرے، جہاں تک ممکن ہو۔

کان من العادات النبویة ﷺ زیارة القبور والدعاء والاستغفار لهم ومثل هذه الزیارة مستحب۔ سفر السعادت (ص ۱۸۱) شامی (۶۰۵)، بحر الرائق (۲۳۵، ج ۸)

نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ وہ زیارت القبور پر جایا کرتے تھے اور ان کے لئے دعا اور استغفار کیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح زیارت القبور پر جانا مستحب ہے۔

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

کان نهی عنها لانها تفتح باب العبادة لها فلما استقرت الاصول الاسلامیة واطمأنت نفوسهم علی تحریم العبادة لغیر الله اذن فیها وعلل التجویز بأن فائدته عظمة وهی انها تذکر الموت۔

ترجمہ: اسلام کی ابتداء میں زیارت القبور پہ جانے سے منع کیا گیا اس لئے کہ اگر منع نہ کرتے تو لوگ عدم علم کی وجہ سے قبروں کی عبادت شروع کر دیتے۔ تو جب اسلام کے قواعد مظبوط اور قائم ہو گئے اور لوگوں کو حرام و حلال کی پہچان ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی عبادت حرام ہے تو اجازت دے دی گئی زیارت القبور کے لئے اور جائز ہونے کا سبب یہ ہے کہ زیارت القبور میں فائدہ عظیمہ ہے کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔

جامع الرموز کے مصنف عورتوں کا مزارات پہ جانے پر لکھتے ہیں: **زیارۃ القبور مستحبۃ للرجال و کذا للنساء علی الاصح۔**

(جامع الرموز، ج ۱، ص ۱۲۸)

یعنی مرد اور عورتوں کے لئے مزارات پر جانا مستحب ہے اور صحیح قول یہی ہے۔

اور مراقی الفلاح صفحہ ۳۴۰ میں لکھا ہے: **ندب زیارتھا من غیر ان یطأ القبور للرجال والنساء وقیل تحرم علی النساء والاصح ان الرخصۃ ثابتۃ للرجال والنساء فتندب لھن ایضاً علی الاصح۔**

یعنی قبروں پر جانا مستحب ہے بغیر نقصان پہنچائے ہوئے کسی قبر کو، مردوں اور عورتوں کے لئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورتوں کے لئے حرام ہے لیکن ہمارے مذہب کا اصح قول یہ ہے کہ رخصت مرد اور عورت دونوں کے لئے ثابت ہے۔ تو جس طرح مردوں کے لئے جائز ہے اسی طرح عورتوں کے لئے مزارات پر جانا مستحب ہے۔

اور فتح القدیر کتاب الحج جلد ۲، صفحہ ۳۳۸ میں ہے: **وندب زیارت القبور للرجال والنساء علی الاصح۔** یعنی مرد اور عورتوں کے لئے مزارات پر جانا مستحب ہے۔

تو حاصل جواب یہ ہوا کہ عورتوں کا مزارات پر جانا پردہ میں یہ امر جائز ہے اور اس سے انکار کرنے والا پکا وہابی ہے۔

(۶) اولیاء اللہ کے مزارات پہ نذرانہ اور شکرانہ ڈالنا

الدر المختار رد المحتار جلد ۲، ص ۱۷۵ میں ہے: "اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر ماننا اس حیثیت کے ساتھ کہ نذر خدا کے لئے ہو، اور ثواب اس ولی کی روح کے لئے ہو، یا نذر اللہ کے لئے ہو اور مصرف اس کے خادمین اور فقیر ہوں اس ولی اللہ کے دربار کے۔ تو اس قسم کی نذر جائز ہے۔"

فتاویٰ عزیزی جلد ۲، ص ۳۶ میں ہے: "ونذر و نیاز ہر روز کہ در درگاہ ولی مے آید بقدر حاجت در اولاد و خدام صرف باید نمود و متولی جمع و تقسیم را یک کس امین باید ساخت و تقسیم بر رؤس احیاء از اولاد و خدام باید نمود" یعنی نذر و نیاز ہر روز ولی کی درگاہ میں بقدر حاجت ان کی اولاد اور خادمین پر صرف کرنا چاہیئے اور متولی کو چاہیئے کہ جمع اور تقسیم کے لئے ایک امین شخص کو مقرر کر دے اور اس نذر و نیاز کو اس ولی کی اولاد اور خادمین پر صرف کرے۔

اور تفسیر احمدی صفحہ ۲۹ میں ہے: **ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب الخ** یعنی اور گائے جیسا حلال جانور نذر کرنا اولیاء اللہ کے مزارات پر، جیسا کہ یہ ہمارے زمانہ میں ایک رسم ہے، تو اس کا کھانا حلال اور اچھا ہے۔

اور فتاویٰ شامی قبیل کتاب الآبق ج۳، ص۳۳۴ میں ہے: **ومن القیٰ شیئًا علیٰ القبر ولا یکون لذالک القبر مجاوراً خاصا معینا فیجوز الاخذ لمن اخذ هذا الشیء غنیاً کان أو فقیرا** یعنی اگر کسی شخص نے قبر پر کوئی چیز ڈالی اور اس قبر کا کوئی خاص خادم نہ ہو تو یہ چیز جو کوئی بھی اٹھالے، چاہے وہ غنی ہو یا فقیر ہو، تو اس کے لئے لینا جائز ہے۔

اور اسی طرح مولانا حافظ کفایت اللہ اپنی کتاب التشریح الوحید شرح درۃ الفرید کے صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں: **وایضا الوضع فی الصندوق علیٰ طیرق التصدق علیٰ الولی وعلیٰ مجاورہ جائز و علیٰ طریق النذر باسم غیر اللہ لایجوز۔ کما فی البحر والدر المختار والفتاویٰ الفرائد بنقل حاشیہ تجهیز الجنائز۔**

یعنی اسی طرح مزارات کے ساتھ جو شکرانہ کے صندوق ہوتے ہیں، تصدق کی نیت سے اس میں ڈالنا یا اس کے خادم کو دینا یہ جائز ہے۔

اما النذر الذی ینذرہ العوام کان یکون له حاجة کالمریض وغیرہ فیأتی بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی رأسه ویقول یا سیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذهب کذا او من الشمع کذا فهذا باطل لان النذر عبادة وهی لا تجوز لغیر اللہ وان قال یا اللہ ان شفیت مریضی الی قولہ ولک کذا فهذا النذر صحیح ویقول اطعم بباب الولی الفلانی آہ۔ (هکذا فی الفتاویٰ عزیزیه بالفاظ مختلفة بحواله المقاصد السنیة ص ۶۷۳)

اور عوام الناس کی نذر جب ان کی حاجت ہو یا کوئی بیماری آجائے تو وہ اللہ کے بعض اولیاء کے مزارات پر چلے جاتے ہیں اور اس کی کوئی چیز اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا سید فلاں (ان کو نام سے پکارتے ہیں یا آداب کے کوئی اور الفاظ) اور کہتے ہیں اگر میری غائب چیز کو واپس کر دو، یا میرے بیمار کو صحیح کر دو یا میری حاجت کو پوری کر دو، اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز ہو جائے تو تجھے اتنا اتنا سونا ہے یا اتنا اتنا چراغ ہے تو اس طرح نذر ماننا یہ باطل ہے اسلئے کہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے عبادت جائز ہی نہیں۔ ہاں اگر یہ کہے کہ یا اللہ تو میرے مرض کو شفا بخش ان کے وسیلہ سے تو میں ایسا ایسا کروں گا، تو یہ نذر صحیح ہے۔ یا یہ کہے کہ میں فلانے ولی کے دروازے پر طعام تقسیم کروں گا، تو یہ بھی صحیح ہے۔

فهذا جائز لان هذا باسم اللہ ولا یجوز الاخذ لخادم الشیخ ان کان غنیا لان مصرف الزکوة، والنذر واحد وقال فی آخر هذا العبارة الا ان یقصد بهذا المال التصدق بالفقراء فجائز آہ۔ فعلم ان التصدق بالفقیر الخاص جائز ۔ وایضا فی التفسیر الاحمدی۔ البقرة المنذورة للمیت حلال طیب۔

یعنی جو پہلے عبارت میں گزرا تو ایسا نذر ماننا جائز ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کے نام پر ہے۔ اور خادم اگر غنی ہو تو پھر اس کو لینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ زکوۃ اور نذر کا حکم ایک ہے۔ اور اس عبارت کے آخر میں یہ کہا ہے کہ اگر اس مال کو فقراء پر تقسیم کر دیا جائے تو یہ جائز

ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خاص فقیر کے اوپر تصدق کرنا یہ بھی جائز ہے اور تفسیر احمدی میں ہے کہ گائے جیسے حلال جانور کو نذر کرنا میت کے لئے، تو یہ حلال ہے اور پاک ہے۔

اور یہاں تک کہ شاہ عبد الرفیع اپنے رسالہ میں المسماۃ برسالۃ النذور میں لکھتے ہیں: **ان ذکر اسم الولی فایضا جائز لانہ نذر المحبۃ انتھی۔ یعنی ذکر اسم الولی من نفس المحبۃ وفی الحقیقۃ النذر باسم اللہ تعالیٰ۔** یعنی کسی نذر پر ولی کا نام لینا یہ بھی جائز ہے اس لئے کہ یہ محبت کی نذر ہے یعنی ولی کا نام جو اس نے ذکر کیا ہے یہ خاص محبت کی وجہ سے ہے، لیکن حقیقت میں یہ نذر اللہ کے لئے ہے۔

تو اللہ جل شانہ کے اولیاء کے مزارات پر نذرانہ اور شکرانہ ڈالنا، یہ تمام امور جائز ہیں۔ جبکہ یہی نذرانہ اور شکرانہ لنگر خانہ میں صرف ہوتے ہیں اور فقرا اور عوام الناس میں تقسیم ہوتے ہیں۔

تو ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کا عرس منانا، ان کے مزارات پر گنبد بنانا، ان کی زیارت کے لئے جانا، قبر کے ارد گرد گھومنا، پہلے سے ساتویں دن، چالیسویں دن اور برسی وغیرہ پر خیرات کرنا، اور عورتوں کا مزارات پر جانا، اور اولیاء اللہ کے مزارات پر شکرانہ اور نذرانہ ڈالنا، یہ تمام کے تمام امور جائز ہیں۔ اور ان کو ناجائز اور حرام کہنا حق کو چھپانا ہے اور سراسر گمراہی ہے۔

(۷) ختم القرآن الشریف کے وقت اجتماعی دعا کرنا

ختمِ شریف کے وقت اھل وعیال کو جمع کرنا برادری کا اجتماع اور اکٹھا کرنا قرآء وصلحاء کا جمع ہونا صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کا پسندیدہ طریقہ ہے۔ اس کے بارہ میں بے شمار دلائل موجود ہیں اس سے انکار کرنے والا پکا وہابی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ۔** ترجمہ: ہر ختم قرآن کے وقت ایک مقبول دعا ہے۔ (۱) شعب الایمان ج ۲، ص ۳۸۴، رقم الحدیث ص ۲۰۸۶، (۲) الجامع الصغیر، رقم الحدیث ص ۸۳ / ۸، (۳) النشر القرأۃ العشر، ج ۲، ص ۴۵۲۔

حضرت ابن مسعود اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ **من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ**، ترجمہ: جس نے قرآن کریم کا ختم کیا تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔

(۱) المعجم الکبیر، ج ۱۸، ص ۲۵۹، (۲) فضائل القرآن لابی عبید ص ۴۸، (۳) الاتقان، (۴) مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۱۱۷۱۲، (۵) جلاء الافہام، ص ۲۳۲، (۶) نتائج الافکار، ج ۳، ص ۱۷۴، (۷) مختصر منہاج القاصدین ص ۷۷، (۸) النشر للجوزوری، ج ۲، ص ۴۵۵ (۹) انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۹۰۰۔

حضرت حمید الاعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر دعا مانگے تو چار ہزار فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔

(۱) سنن دارمی، رقم الحدیث ص ۳۴۸۱، (۲) الاذکار للنووی ص ۱۳۶، (۳) نتائج الافکار للعسقلانی ج ۳، ص ۱۷۷-۱۷۴، (۴) غیث النفع للصفاقسی ص ۳۳۴۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قرآن کریم کی تلاوت کی یہاں تک کہ اسے ختم کر دیا تو اس کے لئے پوری یا ذخیرہ کی ہوئی ایک مقبول دعا ہے۔ (التذکار، ص۱۱۶)

اس حدیث کی توضیح حسب ذیل حدیث سے ہوئی: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **ان لقاری القرآن دعوۃ مستجابۃ فان شاء صاحبھا عجلھا فی الدنیا و ان شاء أخرھا الی الاخرۃ۔** یعنی بیشک قرآن کریم پڑھنے والے کے لئے ایک مقبول دعا ہے پس اگر وہ چاہے تو دنیا میں ہی جلد مانگ لے اور اگر چاہے تو آخرت تک موئخر رکھے۔

(۱) جامع الصغیر، رقم الحدیث ۲۴۰۲، (۲) النشر للامام الجزری، جلد ۲، ص ۴۵۲

قیام اللیل میں لکھا ہے: **حدثنا یحییٰ اخبرنا صالح المری عن ایوب عن ابی قلابہ فی حدیث کان یرفعہ من شھد فتحاً فی سبیل اللہ و من شھد خاتمۃ حین یختم کان کمن شھد الغنائم۔ حین قسمت و کان انس اذا ختم القران جمع ولدہ و اھل بیتہ فدعاء لھم۔ و کان رجل یقراء القرآن من اولہ الی أخرہ فی مسجد رسول اللہ ﷺ (القیام الیل ص ۱۸۸ مولفہ شیخ الاسلام ابی عبد اللہ محمد بن نصر المروزی متوفی ۲۹۴ھ**

یحییٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہمیں صالح المری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اس نے ابی قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں بیان کیا جس سے وہ مرفوع بیان کرتا ہے کہ جو کوئی حاضر ہوا فاتحہ القرآن میں یعنی وقت شروع کرنے قرآن مجید کے یہ ایسے ہیں جیسے کوئی حاضر ہوا فتح سبیل اللہ میں اور جو اس کے ختم پر حاضر ہوا اسکی حیثیت اس شخص کی ہے جو تقسیمِ غنائم کے وقت حاضر ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ختم القرآن کرتے جمع کرتے اپنی اولاد کو اور اہل بیت کو پس دعا فرماتے ان کے (ساتھ)۔ اور تھا ایک شخص قرآن ختم کرتا اول سے آخر تک رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمین و فی روایۃ الدعاء مستجاب فی مجالس الذکر و عند ختم القرآن کذا فی الحصن الحصین۔** (خزینہ الاسرار، ص ۱۴۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے اجتماع میں کی گئی دعاء مقبول ہوتی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذکر کی مجالس اور ختم قرآن کے وقت دعا مقبول ہوتی ہے۔ اسی طرح حصن حصین میں بھی آیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مسلم شریف کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں: **وروینا فی مسند دارمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ کان یجعل یراقب رجلاً یقراء القرآن فاذا اراد ان یختم اعلم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیشھد ذالک۔ و روی ابن ابی داؤد باسنادین صحیحین عن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ التابعی الجلیل صاحب انس رضی اللہ عنہ۔ قال! انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک اذا ختم القرآن جمع اھلہ و دعالہ۔ و روی باسناد صحیحۃ عن الحکم بن عتیبۃ التابعی رضی اللہ عنہ الجلیل الامام قال: ارسل الی مجاھد و**

عبادہ بن ابی لبابہ فقال! انا ارسلنا الیک لانّا أردنا ان نختم القرآن۔ والدعاء یستجاب عند ختم القرآن و فی بعض روایۃ الصحیحۃ وانہ کان یقال ان الرحمۃ تنزل عند خاتمۃ القرآن۔ وروی باسناد الصحیح عن مجاھد قال کانو یجتمعون عند ختم القرآن یقولون تنزل الرحمۃ ویستجب الدعاء عند ختم القران۔

ترجمہ: مسند دارمی میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آدمی کو نگران مقرر کر دیا کرتے تھے اس آدمی کا جو قرآن پڑھتا تھا۔ پس جب وہ ختم کا ارادہ کرتا تو آپ (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو پتہ چل جاتا تو آپ اس محفل میں شرکت فرماتے۔ ابن ابی داؤد سے صحیح دو سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ تابعی جلیل صحابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن شریف ختم کرتے تو اپنے اھل و عیال کو اکٹھا کرتے اور دعا مانگتے۔ تابعی جلیل امام حکم بن عتیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ بھیجا میری طرف عبادہ اور ابی لبابہ کو پس کہا بے شک ہم نے بھیجا تمہاری طرف اس لئے کہ تحقیق ہم قرآن پاک کے ختم کا ارادہ رکھتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے ختم کے وقت۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور صحیح اسناد کے ساتھ حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ختم شریف کے وقت اجتماع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ ختم شریف کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اور ختم کے وقت دعا مستجب ہے۔

ویستجب الدعاء عند الختم استجاباً متاکدا شدید الماقدمناہ وروینا فی مسند دارمی عن حمید الاعرج رحمہ اللہ تعالیٰ قال! من قرأ القرآن ثمّ دعا امن علی دعائہ اربعۃ الاف ملک۔ و ینبغی ان یلح فی الدعاء و ان یدعوا بالامور المھمۃ والکلمات الجامعۃ و ان یکون معظم ذالک أو کلہ فی امور الاخرۃ و امور المسلمین و صلاح سلطانھم و سائر ولاۃ امورھم۔ وفی توفیقھم للطاعات و عصمتھم من المخالفات و تعاونھم علی البرّ و التقویٰ و قیامھم بالحق و اجتماعھم علیہ و ظھورھم علی أعداء الدین و سائر المخالفین۔ اذا فرغ من الختمۃ فالمستجب ان یشرع أُخری متصلاً بالختم فقد استحبہ السلف و احتجوا فیہ بحدیث۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال خیر الاعمال الحل و الرحلۃ۔ قیل و ماھما؟ قال افتتاح القرآن و ختمہٗ۔

(کتاب الاذکار مطبوعہ مصر، صفحہ ۹۸)

ترجمہ: ختم قران کے وقت دعا کے مستجاب ہونے کے متعلق شدید تاکید پائی جاتی ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور ہم نے مسند دارمی میں حمید اعرجؒ سے بیان کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک پڑھنے کے بعد دعا کرے اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ وہ دعا میں الحاح سے کام لے اور اہم امور اور جامع کلمات کے ساتھ دعا مانگے اس کی دعا کا اکثر حصہ یا ساری دعا ہی امور آخرت، امور مسلمین، بادشاہ اور اس کے دیگر حکموں کی درستگی، طاعات کیلئے ان کی توفیق، مخالف امور سے ان کی حفاظت نیکی اور تقوی پر ان کے تعاون متفقہ طور پر حق پر ان کے قیام اور مخالفین اور دشمنانِ دین پر ان کے غلبہ کے لئے ہو۔ اور جب وہ ختمِ قرآن سے فارغ ہو تو مستجب امر یہ ہے کہ ختم کے ساتھ یہ دوبارہ تلاوت شروع کر دے۔ سلف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مستجب سمجھا ہے اور اس بارے میں حضرت انس بن

مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بہترین عمل حل اور رحلت ہے۔ دریافت کیا گیا یہ دونوں کیا ہیں؟ تو فرمایا قرآن کا شروع اور اس کا ختم کرنا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "عمل الیوم واللیلۃ" مطبوعہ مصر، صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے: **ویسنّ صوم یوم الختم وان یحضر اھلہ واصدقاءہٗ لانّ الرحمۃ تنزل عندہ والدعا مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ۔ وکان النبی ﷺ اذا ختم فقراء قل أعوذ برب الناس وافتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الی اولئک ھم المفلحون۔ ثم دعا بعدھا الختمۃ۔** ترجمہ: اور ختم کے دن روزہ رکھنا سنت ہے اور حاضر ہونا اھل وعیال کا اور دعا کرنا ہر ختم کے ساتھ مقبول ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام جب ختم شریف فرماتے تھے پس پڑھتے تھے **قل اعوذ برب الناس** اور شروع فرماتے تھے **الحمد شریف** اور پھر پڑھتے تھے سورۃ بقرہ شریف "**اولٰئک ھم المفلحون**" تک پھر دعائے ختم شریف فرماتے۔

النشر فی قرأۃ العشر (مطبوعہ دمشق جلد ۲، صفحہ ۳۴۰، مولفہ: امام ابن جوزی متوفی ۸۳۳ھ) میں لکھا ہے: **ویقول عند کل ختم دعوۃ مستجابۃ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ من ختم القرآن لہ دعوۃ مستجابۃ عن مجاھد تنزل الرحمۃ عند ختم القرآن وعنہ ایضاً ان الدعاء مستجاب عند ختم القرآن عن قتادہ قال کان بالمدینۃ رجل یقراء القرآن من اولہ الی آخرہ علی اصحاب لہ فکان ابن عباس رضی اللہ عنہ یضع علیہ الرقباء فاذا کان عند الختم جآء ابن عباس رضی اللہ عنہ فشھدہ قال الامام النووی رحمۃ اللہ علیہ یستجب الدعاء بعد قرأۃ القران استجاباً یتاکد تاکیدا شدیداً فینبغی ان یلح فی الدعاء ونص الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ علی استجاب الدعاء عند الختم وکذا جماعۃ من السلف وکان بعض شیوخنا یختار ان القارئ علیہ اذا ختم ھو الذی یدعوا لظاھر ھذا الحدیث وھذا سھل اذا الداعی والمؤمن واحد قال اللہ تعالیٰ قد اجیبت دعوتکما قالا ابو العالیۃ وابو الصالح وعکرمۃ ومحمد بن کعب القرظی والربیع بن انس رضی اللہ عنہ دعا موسیٰ وآمن ھارون علیھم السلام فالداعی والمؤمن واحد واکان انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یجمع اھلہ وجیرانہ عند الختم رجاءً برکۃ الختم وحضورہ وروینا عنہ فی حدیث مرفوع ولفظہ ان النبی ﷺ کان اذا ختم القرآن جمع اھلہ قال البیھقی رفعہ وھم والصحیح عن انس رضی اللہ عنہ موقوفاً وکانوا یستحبّون جمع اھل الصلاح واھل العلم فقد روینا عن شعبۃ عن الحکم قال انما ارسلنا الیک انا نرید ان نختم القرآن وکان یقول ان الدعاء مستجاب عند ختم القرآن فلما فرغوا من ختم القرآن دعا بدعوات وکان کثیراً من السلف یستحبّ الختم یوم الاثنین ولیلۃ الجمعۃ۔** (النشر فی قرأۃ العشر)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہر ختم قرآن پر دعا قبول ہوتی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے قرآن پاک ختم کیا اس کی دعا مقبول ہوگی۔ حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا بیان ہے کہ ختم شریف کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی اپنے دوستوں کو ابتداء سے آخر تک قرآن پاک سنایا کرتا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس پر نگران مقرر فرمادیا کرتے تھے۔ جب وہ شخص ختم قرآن کے نزدیک پہنچتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لاکر اس مجلس

میں شمولیت اختیار فرماتے تھے۔ حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرأتِ قرآن پاک کے بعد دعا کی شدید تاکید پائی جاتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ انسان دعا میں الحاح سے کام لے اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختم قرآن پر دعا کے مستحب ہونے پر نص بیان کی ہے، ایسے ہی سلف کی ایک جماعت اور ہمارے بعض شیوخ ایک قاری کی خدمات حاصل کر لیتے تھے جب وہ قرآن پاک ختم کرتا تو اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق دعا کرتا جب داعی اور آمین کہنے والا ایک ہی شخص ہو تو یہ امر سہل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔ ابو العالیہ، ابو صالح، عکرمہ، محمد بن کعب القرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ عنھم نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ھارون علیہ السلام نے آمین کہی، پس داعی اور آمین کہنے والا ایک ہی ہے۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ختم قرآن کے وقت دعائے ختم اور اس میں حاضری کی برکت کی امید پر اپنے اہل و عیال اور اپنے ہمسایوں کو اکٹھا کر لیا کرتے تھے۔ اور ہم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ جب ختم قرآن کرتے تو اپنے اہل و عیال کو اکٹھا کرتے۔ اور بیہقی نے مرفوع حدیث بیان کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت یہ ہے کہ وہ موقوف ہے کہ وہ اہل صلاح اور اہل علم کو اکٹھا کرتے تھے اور ہم نے شعبہ سے، انہوں نے حکم سے بیان کیا ہے کہ حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا اور آپ کے پاس عبادہ بن ابی لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ ہم ختم قرآن کروانا چاہتے ہیں اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ سلف میں سے بہت سے لوگ سوموار (پیر) کے دن اور جمعہ کی شب کو ختم قرآن کو مستحب خیال کرتے تھے۔ (جلاء الافہام مطبوعہ دمشق۔ بیروت۔ صفحہ ۳۵۵)

لابن قیّم الجوزیۃ میں لکھا ہے کہ: **فقال فی روایۃ ابی الحارث: کان انس اذا ختم القران جمع اھلہ وولدہ، وقال فی روایۃ یوسف بن موسیٰ، وقد سئل عن الرجل یختم القرآن، فیجتمع الیہ قوم فیدعون؟ قال نعم، رأیت معمراً یفعلہٗ اِذا ختم۔**

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن کا ختم فرماتے تو اپنے اھل و عیال کو جمع فرما لیتے تھے۔ یوسف بن موسیٰ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ ختم قران کے وقت برادری کو جمع کر لیتا ہے؟ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں" (یعنی صحیح ہے) میں نے معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

انوار العرفان فی اسماء القرآن صفحہ ۹۰۱ (مولفہ: قاری ظہور احمد فیضی) پر ہے: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ معظمہ میں ایک شخص تھا جو از اول تا آخر قرآن کریم پڑھتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض ساتھیوں کے ذمے لگا رکھا تھا کہ وہ آپ کو اس کے ختم قرآن کی اطلاع کریں پس جب ختم کا وقت آتا تو آپ اپنی مجلس کے حاضرین کو فرماتے: **قوموا بنا حتی نحضر الختمۃ:** اٹھو تاکہ ختم قرآن میں شمولیت اختیار کریں۔ (التذکار للقرطبی، ص ۱۱۰ وغیرھا)

فرید ص ۹۰۲ پر ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو شخص قرآن پاک ختم کرے تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ختم قرآن فرماتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے پھر آپ دعا مانگتے اور وہ آمین کہتے۔ مذکورہ بالا دلائل سے جس طرح ختم قرآن کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت ہوا اسی طرح نماز جنازہ کے بعد اور سنتوں کے بعد بھی اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت حبیب بن مسلمہ الفہری نے روایت بیان فرمائی ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

لایجتمع ملأفیدعو بعضهم و یؤمن سائرهم الا اجابهم الله۔ یعنی نہیں کوئی گروہ اکٹھا ہوتا پھر ان میں سے ایک دعا کرتا ہے اور باقی سب آمین کہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔ (المعجم الکبیر جلد ۳، ص ۲۶، ھکذا فی المستدرک للحاکم المنح المطلوبة ص ۱۰۷، الدرة المکنهنة، ص ۴۵)

مولوی محمد یوسف بنوری دیوبندی نے معارف السنن جلد ۳، صفحہ ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ اجتماعی دعا کرنا ثاب ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ "**لایجتمع قوم فیدعوا بعضهم و یؤمن بعضهم الا اجابهم الله**" (کنز العمال ج ۱، ص ۱۷۷) یعنی جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ: **عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ ما اجتمع ثلاثة بدعوة قط الّا کان حقاً علی الله ان لا یرد ایدیهم۔** یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی کبھی دعا پر جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ان کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے۔

و فی الهدایه الاجابة فی الجمع ارجیٰ۔ (ج ۱، ص ۱۴۴)

یعنی: اجتماعی دعا میں قبولیت کی زیادہ امید ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں اصولِ تفسیر کی کتب خصوصاً **الاتقان القرآن لجلال الدین سیوطی ج ۱، ص ۱۱۱، ۱۱۰۔**

فالحاصل ان الدعاء بعد ختم القرآن و کذا بعد السنن و النوافل و بعد صلاة الجنازة بهیئة الاجتماعیة مستحب و الفاعل ماجور عند الله تعالیٰ و المانع محروم عن الله من الاجر العظیم و فی تسهیل المشکوٰة ص ۱۲۴، نکیر الدعاء بعد نفل و سنة لمنکر دین ذاک و الله جاحد۔

ایضاً قال۔

قد اجیبت دعوة داعٍ مطلق القول حجة الانبیاء

(۸) غیر صحابہ کیلئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا اور لکھنا

غیر صحابہ کیلئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (سورۃ التوبہ، ۱۰۰)

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ان کی "اتباع بالاحسان" کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا (یعنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اعزاز سے نوازا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ} جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ} (سورۃ البیّنہ، ۸-۷)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہی کل مخلوق میں بہتر ہیں، ان کا ثواب ان کے رب کے پاس (ہمیشہ) رہنے کے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کے اعزاز و اکرامِ ربانی کا مصداق عام مومنین صالحین بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ط لَهُمْ جَنّٰت "تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ}

(سورۃ المائدۃ، ۱۱۹)

ترجمہ: (روز قیامت) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا، ان کے لئے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ادب تک رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رضاء الٰہی کا انعام اور بندے کا تقدیر الٰہی پر راضی برضائے رب اور صابر و شاکر ہونا "صادقین" کا وصف ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شرفِ صحابیت کے ساتھ ساتھ "حاملینِ ایمان و عمل اور خیر البریہ" اور "صادقینِ کاملین" کا مصداق "اُولٰی" و "اُولٰی" صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ہیں اور ان کے اتباع میں امت کے دیگر اولیاء، صلحاء، علماء و کاملین "مخلِصین فی اللہ" و "مخلصین من اللہ" ہیں۔ علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں: (ویستحب الترضی للصحابة) و کذا من اختلف فی نبوته کذی القرنین ولقمان، وقیل: یقال صلی اللہ علی الانبیاء و علیه وسلم کما فی شرح المقدمة للقرمانی (والترحم للتابعین و من بعدهم من العلماء

والعباد و سائر الاخیار، و کذایجوز عکسه) الترحم للصحابةوالترضی للتابعین و من بعدهم (علی الراجح) ذکرہ القرمانی۔ وقال "الزیلعی": الاولی ان یدعو للصحابة بالترضی و للتابعین بالرحمة و لمن بعدهم بالمغفرة و التجاوز۔

ترجمہ: اور صحابہ کے لئے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کہنا مستحب ہے، اور اسی طرح ان شخصیات کیلئے جن کی نبوت میں اختلاف ہے، جیسے ذوالقرنین ولقمان (یعنی چوں کہ ان کی نبوت کا تذکرہ قرآن یا کسی حدیث صریح میں نہیں ہے، اس لئے بعض نے انہیں انبیاء میں شمار کیا ہے اور بعض نے حکماء وصلحاء میں) اور ایک قول کے مطابق "**صلی اللہ علی الانبیاء و علیہ وسلم**" کہا جائے، جیسا کہ قرمانی کے شرح مقدمہ میں ہے، اور (اسی طرح) راجح قول کے مطابق "**رحمة اللہ تعالیٰ علیہ**" تابعین اور بعد کے علماء، عباد (صالحین) اور بقیہ اہلِ خیر کے لے مستحب ہے، اور اسی طرح اس کا عکس بھی جائز ہے۔ (یعنی کسی صحابی کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" بھی کہہ سکتے ہیں اور کسی تابعی یا بعد کے عبدِ صالح کے لئے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" بھی کہہ سکتے ہیں) اسے قرمانی نے ذکر کیا ہے۔ "زیلعی" نے کہا: بہتر یہ ہے کہ صحابہ کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تابعین کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ اور بعد والوں کے لئے "**غفر اللہ لھم**" اور "**عفا اللہ عنھم**" کہا جائے۔

(رد المختار علی در المختار، جلد ۵، ص ۴۸۰، مطبوعہ بیروت، تفہیم المسائل، ص ۳۵)

حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد سوم صفحہ ۵۰۹ میں تحریر فرماتے ہیں: **ویذکر من سواهم ای من سوی الانبیاء من الائمة و غیرهم بالغفران و الرضی فیقال غفر اللہ تعالیٰ لهم و رضی عنهم۔ اھ مخلصاً۔** یعنی اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ائمہ وغیرہ علماء ومشائخ کو غفران ورضا سے یاد کیا جائے۔ **تو غفر اللہ تعالیٰ لهم و رضی اللہ تعالیٰ عنهم** کہا جائے۔

لہذا زید کا قول صحیح ہے کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بڑے بڑے علماء اور بزرگوں کے لئے بھی جائز ہے۔ اور بکر کا یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی دینی پیشوا خواہ کتنا ہی بڑا ہو اگر صحابی نہ ہو تو اسے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جائز نہیں۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ حضرت اویس قرنی کو اس لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں لکھا جاتا کہ وہ صحابی نہیں تھے۔ اس لئے کہ محدث کبیر حضرت شیخ عبد الحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو کتب خانہ رحیمیہ دیوبند نے اخبار الاخیار شریف کے ٹائٹل پیج پر سید المحققین اور برگزیدہ جناب باری لکھا ہے۔ انھوں نے اپنی مشہور کتاب اشعۃ اللمعات میں جلد چہارم صفحہ ۷۴۳ پر حضرت اویس قرنی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے تابعی ہیں کہ جن کی ملاقات بہت سے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہوئی اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے تابعی ہیں جن کی ملاقات صرف چند صحابہ سے ہوئی ہے۔ ان کو خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شامی جلد اول مطبوعہ دیوبند صفحہ ۳۵، ۳۶، ۳۷ اور صفحہ ۴۲ پر کل چھ جگہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔

اور انہی حضرت علامہ شامی نے اپنی اسی کتاب اسی جلد مطبوعہ دیوبند صفحات ۳۸،۳۵،۴۱ اور صفحہ ۴۳ پر کل سات جگہ حضرت امام شافعی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے اور صفحہ ۳۷ پر حضرت سہل بن عبد اللہ تستری کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے حالانکہ یہ دونوں بزرگ تابعی بھی نہ تھے کہ امام شافعی کی پیدائش ۱۵۰ھ میں ہوئی اور انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا اور حضرت تستری رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ۲۸۳ھ میں ہوا۔

اور حضرت علامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور کتاب در مختار مع رد المحتار جلد اول مطبوعہ دیوبند صفحہ ۴۵ پر حضرت امام شافعی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا اور صفحہ ۴۳ پر حضرت عبد اللہ بن مبارک کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا اور یہ بھی تابعی نہ تھے کہ ان کی پیدائش ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ ("بزرگوں کے عقیدے"، صفحہ ۴۱۰،۴۱۱)

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **یترضی ویترحم علی سائر العلماء والاخیار ویکتب کل ھذا**۔ ترجمہ: تمام علماء دین اور صالحین کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمہ اللہ کہنا اور لکھنا چاہیئے۔

(علامہ یحییٰ بن شرف نووی، شرح مسلم جلد ۱، ص ۲۰، بحوالہ شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، جلد اول صفحہ ۲۷۷)

حضرت مفسر القرآن والحدیث علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تمام علما اور صالحین کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے اور لکھنے کا جواز لکھا ہے۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی ائمہ مجتہدین کا ذکر کرتے ہیں ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں: **قال ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا مات فی الماء دابۃ لیس لھا نفس سائلۃ لم یفسد الماء وللشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قولان فی الماء القلیل** (امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب پانی میں ایسا جانور مر جائے جس کا بہنے والا خون نہ ہو تو وہ پانی کو نجس نہیں کرتا، اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کم پانی میں دو قول ہیں) اور: **قال ابو حنیفہ واصحابہ رضی اللہ عنھم اعضاء المحدث نجسۃ حکمیۃ**، ترجمہ: "امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بے وضو کے اعضاء حکمی طور پر نجس ہیں"۔ (تفسیر کبیر، جلد ۲، صفحہ ۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت مفتی جلالدین امجدی اپنی کتاب "بزرگوں کے عقیدے" میں صفحہ ۴۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں: "اور حضرت علامہ امام فخرت الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۳۸۶ پر حضرت امام ابو حنیفہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل مطبوعہ بمبئی صفحہ ۳ پر حضرت امام اعظم اور حضرت امام شافعی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور سید العلما حضرت سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مشہور تصنیف طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۱۱ پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور حضرت علامہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۷ پر حضرت

امام مالک اور حضرت امام شافعی کو رضی اللہ عنہما لکھا ہے۔ اور شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۱۸ پر امام بخاری کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جن کی پیدائش ۱۹۴ھ میں ہوئی اور انہی علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسی کتاب کے مقدمہ صفحہ ۲۱ پر حضرت امام شافعی کو بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا۔

اور شارح صحیح مسلم حضرت ابوزکریا امام محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ شرح مسلم شریف صفحہ ۱۱ پر حضرت امام مالک کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جن کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ اور محدث کبیر حضرت شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۱۶ پر حضرت امام شافعی کو رضی اللہ تعالی عنہ لکھا ہے اور اسی کتاب، اسی جلد کے صفحہ ۹ پر حضرت شیخ نے امام بخاری کو بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کے مصنف حضرت شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کے مقدمہ صفحہ ۱۱ پر صاحب مصابیح حضرت علامہ ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا۔ اور انہی علامہ بغوی کو تفسیر معالم التنزیل مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲ پر بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا گیا ہے جو تبع تابعی بھی نہ تھے کہ ان کا انتقال چھٹی صدی ہجری میں ہوا۔

اور حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف نسیم الریاض جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۵ پر حضرت علامہ قاضی عیاض کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے اور یہ بھی تبع تابعی نہ تھے۔ چھٹی صدی ہجری کے عالم تھے کہ ان کا انتقال ۵۵۴ھ میں ہوا۔ اور سید المحققین حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۱۷ پر اور اخبار الاخیار مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند کے صفحات ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، کل پندرہ مقامات پر حضرت غوث پاک شیخ عبد القادر محی الدین جیلانی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے جن کی ولادت ۴۷۰ھ میں اور بقول بعض ۴۷۱ھ میں ہوئی ہے۔ اور امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل صفحہ ۲۷ پر حضرت عبد اللہ بن مبارک، حضرت لیث بن سعد، حضرت امام مالک بن انس، حضرت داؤد طائی، حضرت ابراہیم بن ادہم اور حضرت فضیل بن عیاض وغیرہم کو رضی اللہ عنہم اجمعین لکھا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی صحابی نہیں ہے۔

اور عارف باللہ حضرت شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر صاوی جلد اول صفحہ ۳ پر حضرت علامہ شیخ سلیمان جمل، علامہ شیخ احمد درد، علامہ شیخ امیر، علامہ شمس الدین محمد بن سالم حفناوی، امام ابوالحسن شیخ علی صعیدی عدوی، علامہ محمد بن بدیری دسیاطی، علامہ نورالدین علی شبر املسی، علامہ حلبی صاحب السیرۃ، علامہ علی اجہوری، علامہ برہان علقمی، علامہ شمس الدین محمد علقمی، علامہ امام زیادی، علامہ شیخ رملی، شیخ الاسلام علامہ زکریا انصاری، علامہ جلال الدین محلّی اور علامہ جلال الدین سیوطی، ان تمام علماء کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے جن میں

سے کوئی بھی صحابی نہیں۔ اور علامہ ابو الحسن نور الملّۃ والدین علی بن یوسف شطنوفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف بہجۃ الاسرار میں غیر صحابہ کو بے شمار مقامات پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے اور ہدایہ میں صاحب ہدایہ کو ان کے شاگرد نے کئی مقامات پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ ان تمام شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے اگر یہ لفظ ان کے ساتھ خاص ہوتا یعنی غیر صحابہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا جائز نہ ہوتا تو اتنے بڑے بڑے محققین جو اپنے زمانے میں علم کے آفتاب و ماہتاب تھے، یہ لوگ غیر صحابہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرگز نہیں لکھتے۔

امیر اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی افغانوی قندھاری قادری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی کے نام کے ساتھ کئے مقامات پر ''رضی اللہ عنہ'' لکھا ہے۔ (فتویٰ رضویہ، جلد ۲۶، صفحات ۵۹۷، ۵۶۹ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

شیخ التفسیر استاذ العلماء علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی قادری رضوی فتاویٰ اویسیہ میں بہت مقامات پر غیر صحابہ کو ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا پڑھنا صحابہ سے خاص نہیں فلہذا غیر صحابہ کیلئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استعمال کرنا جائز ہے جیسا کہ در مختار مع شامی جلد ۵ ص ۴۸۰ میں موجود ہے'' (فتاویٰ اویسیہ، جلد اوّل، صفحہ ۴۰۳)

اور صحیح مسلم کے شروع میں ہے: **قال الامام ابو الحسین مسلم بن الحجاج رضی اللہ عنہ: بعون اللہ نبتدی و ایاہ نستکفی و ما توفیقنا الا باللہ جل جلالہ۔** (صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۶۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم نہ تو صحابی تھے اور نہ تابعی، اسی طرح غوث الاعظم بھی دورِ صحابیت، تابعیت و تبع تابعیت سے بہت موخر ہیں۔

استاذ العلماء بقیۃ السلف مناظرِ اہل سنت والجماعت شیخ التفسیر والحدیث جناب مولانا امین اللہ الحنفی الماتریدی الباجوری رحمۃ اللہ علیہ احقاق المعالی میں اپنے شیخ کے بارے میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جگہ استعمال کیا۔ آخر میں لکھتے ہیں۔ **حررہ الفقیر الی اللہ امین اللہ السیفی الحنفی الماتریدی النقشبندی المجددی الچشتی القادری السہروردی الباجوری غفر اللہ تعالیٰ لہ بفضلہ و کرمہ و بطفیل حبیبہ المعظم ﷺ و بحرمۃ مشائخہ العظام رضی اللہ عنہم۔** (احقاق المعالی جلد ۲، صفحہ ۲۹۲)

حضرت جامع الشریعۃ والطریقۃ عالم باعمل مرشد اکمل جناب فقیر سراج الحق نقشبندی عرف صاحب الحق اپنی کتاب ''اثبات البیعت مع مجموعۃ السلوک'' میں اپنے پیر مبارک کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔

یہاں تک کہ عام دیوبند وہابی جو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں اور غیر صحابہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے پر لڑتے جھگڑتے ہیں ان کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کو بھی رضی اللہ عنہما لکھا گیا ہے۔ جیسا کہ تذکرۃ الرشید جلد اول صفحہ ۲۸ پر ہے ''مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا رشید احمد صاحب رضی اللہ عنہما چند روز کے بعد ایسے ہم سبق بنے کہ آخرت میں بھی

ساتھ نہ چھوڑا"۔ اور کتب خانہ رشیدیہ دہلی نے بخاری شریف کی دونوں جلدوں کے ٹائٹل اور سرورق پر حضرت امام بخاری کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔

شیخ القرآن والحدیث عبدالمتین دیوبندی، وحدت کالونی، حیدرآباد، اپنے سلسلہ مبارکہ خاندانِ نقشبندیہ مجددیہ کے شجرہ میں صفحہ ۶ پر پیر عبدالمالک، جو کہ صوبہ سرحد کے اکثر دیوبندیوں کا پیر و مرشد ہے، کے نام کے ساتھ لکھتے ہیں "الٰہی بحرمت عاشق الرحمن ولرّسول قطب آوان حضرت مولانا خواجہ محمّد عبدالمالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ"۔ اس کے علاوہ، شجرہ میں اپنے تمام مشائخ کے ناموں کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" لکھا ہے۔

تحفۂ شاہجہانی یعنی مجموعہ شرح رسالہ آداب مطالعہ، علیم اللہ عبدالرّزاق، مقدمہ شرح تہذیب میں صفحہ ۴ پر لکھا ہے "**امام المفسرین سندالمحدثین، شیخ المتصوفین والمتزھدین مقبول الاوانی والاعالی حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ وجعل الجنۃ مثواہ**"۔

فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ میں کئی مقامات میں ناکت نے ماتن کے قول قال کے بعد کئی مقامات پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ جس طرح صحابی کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا جائز ہے تو اسی طرح غیر صحابی کے نام کے ساتھ بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا جائز ہے۔

ولکن الوھابیۃ قوم لایعقلون۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد الطالبین کے صفحہ ۲۱ پر امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" لکھا ہے۔ اور اسی طرح اصولِ فقہ کی مشہور کتاب اصول شاشی میں مولانا نظام الدین شاشی رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۲۸ اور ۳۴ پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" لکھا ہے۔

اور فقہ کی مشہور کتاب نور الایضاح کے مقدمہ پر امام اعظم ابو حنیفہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا ہے، عبارت اس طرح ہے: "**الدّرس الثالث فی نبذۃٍ من مناقب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ**"۔ اور نور الایضاح کے صفحہ ۳۹ میں امام شافعی اور امام مالک کو "رضی اللہ تعالیٰ عنھما" کہا ہے۔ عبارت اس طرح ہے: "**لانھما سنتان عند الامامین مالک والشافعی رضی اللہ عنھما**"۔ اور نور الایضاح ہی کے صفحہ ۴۴ پر عبارت ہے: **وَیُصَلِّیْ بِا التَّیَمُّمِ الْوَاحِدِ مَا شَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَ النَّوَافِلِ**۔ اس عبارت کے حاشیہ ۴ میں امام شافعی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا ہے۔

حیاۃ الحیوان الکبری کے صفحہ ۲۸۹ پر امام حسن بصری اور امام شافعی کو "**رضی اللہ تعالیٰ عنھما**" لکھا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: **احتج ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، الخ (عینی، ص ۳۹۳، ج ۲) وھو احدی الروایتین عن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ (عینی ص ۳۹۵، ج ۲) قال احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ۔** (عینی ص ۴۰۰، ج ۲، مطبوعہ دارالحدیث بوہڑ گیٹ، ملتان)

حضرت علامہ غوث محمد صاحب نے اپنی کتاب سراج لعارفین میں سلسلہ قادریہ، چشتیہ، اور سہروردیہ کے تمام مشائخ کے اسماء مبارکہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ (سراج العارفین، ص ۴۵، تا ۵۱)

قرآن کریم سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے: **رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ط ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ۔** یعنی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈریں۔ جیسا کہ تفسیر مدارک جلد چہارم مصری ص ۳۷۱ میں ہے **(ذلک) ای الرضا لمن خشی ربہ۔** اس کا مطلب یہ ہے کہ رضا یعنی رضی اللہ عنہم ورضو عنہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دل میں رب کی خشیت ہو۔ اور رب کی خشیت علماء کی کا خاصہ ہے۔ جیسا کہ علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیت کریمہ **ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ** کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔ **ھٰذا الاٰیۃ اذا ضم الیھا اٰیۃ اخری صار المجموع دلیلا علیٰ فضل العلم والعلماء و ذٰلک لانّہ تعالیٰ قال اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا فدلت ھذہٖ الایۃ علی ان لعالم یکون صاحب الخشیۃ یعنی** اس آیت کریمہ کو دوسری آیت سے ملانے پر علم اور علماء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صرف اس کے بندے علماء ہی کو خشیت الٰہی حاصل ہوتی ہے تو اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ خشیت الٰہی علماء کا خاصہ ہے۔ (تفسیر کبیر کلد ہشتم ص ۴۶۰)

اور اسی طرح تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۱ اور ۲۴ پر امام شافعی صاحب کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور تفسیر روح البیان جلد دہم ص ۴۹۱ میں اس آیت کریمہ (**ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ**) کے تحت ہے۔ **ذٰلِک الخشیۃ التی من خصائص العلماء بشؤن اللہ تعالیٰ (*) لجمیع الکمالات العلمیہ والعملیۃ المستتبعۃ اللسعادات الدینیۃ والدنیویۃ قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا** یعنی خشیت الٰہی جو خدائے تعالیٰ کے امور واحوال جاننے والوں کا خاصہ ہے۔ اسی پر تمام کمالات علمیہ وعملیہ کا دارومدار ہے۔ کہ جن سے دینی اور دنیوی سعادتیں حاصل کی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ رضی اللہ عنہم ورضو عنہ اس کے لئے ہے جسے خشیت الٰہی ہو۔ اور خشیت الٰہی خدائے تعالیٰ کے امور واحوال جاننے والوں کے لئے ہے لہذا ثابت ہوا کہ رضی اللہ عنہم ورضو عنہ خدائے تعالیٰ کے امور واحوال جاننے والوں کے لئے ہے یعنی جلیل القدر علماء ومشائخ کے لئے نہ کہ بے عمل علماء کے لئے کہ جب وہ بے عمل ہیں تو ان کو خشیت الٰہی حاصل نہیں ہے۔ اور جب خشیت الٰہی نہیں ہے تو وہ صرف نام کے عالم ہیں حقیقت میں عالم نہیں ہیں۔

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل جلد پنجم صفحہ ۳۰۲ میں ہے۔ **قال الشعبی انّما العالم من خَشِیَ اللّٰہَ عز و جل** یعنی امام شعبی نے فرمایا کہ عالم صرف وہ شخص ہے جسے خدائے عز و جل کی خشیت حاصل ہو۔ اور تفسیر خازن کے اسی صفحہ پر ہے۔ **قال الربیع بن انس من لم یخش اللہ فلیس بعالم**۔ یعنی امام ربیع بن انس نے فرمایا کہ جسے خشیت الٰہی حاصل نہ ہو وہ عالم نہیں۔

ثابت ہوا کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف باعمل علماء و مشائخ کے لئے ہے۔ مگر یہ لفظ چونکہ عرف میں بڑا موٴقر ہے یہاں تک کہ بہت سے لوگ اسے صحابہ کرام ہی کے لئے خاص سمجھتے ہیں لہٰذا اسے ہر ایک کے لئے نہ استعمال کیا جائے بلکہ اسے بڑے بڑے علماء و مشائخ ہی کے لئے استعمال کیا جائے جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے کیا ہے۔

ھذا ما ظھر لی و العلم بالحق عند اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(۹) نماز کے بعد ذکر بالجہر

نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ سیّدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: **ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی ﷺ**۔

یعنی نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر کرنا نبی اکرم ﷺ کے اور صحابہ کرام کے زمانہ میں تھا۔ (صحیح بخاری شریف ص۱۱۶ ج۱، صحیح مسلم شریف ص۲۱۷، ج۱)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اس حدیث شریف کے تحت لکھا ہے کہ "**فیہ دلیل علی جواز الجھر بالذکر عقب الصلوٰۃ**"۔ (ص۳۳۵، ج۲) یعنی "یہ حدیث نماز کے بعد ذکر جھر کرنے کی دلیل ہے۔"

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (ص۱۲۶، ج۶) میں لکھا ہے "**استدلّ بہ بعض السلف علی استحباب رفع الصوت بالتکبیر و الذکر عقیب المکتوبۃ**" یعنی اس حدیث شریف سے بعض سلفِ صالحین نے فرض نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر کرنے پر استدلال کیا ہے اور اسے مستحب جانا ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے فتاویٰ "امداد الفتاویٰ" میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے ذکر بالجھر ثابت ہے۔ (ص۴۴-۴۳، ج۴)

امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ **ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی ﷺ و قال ابن عباس کنت اعلم اذا انصرفوا بذالک اذا سمعتہ**۔ (ص۱۱۶، ج۱)

یعنی عہد رسالت میں معمول تھا کہ لوگ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے ذکر بالجھر کو سنکر جان لیتا تھا کہ جماعت ہو چکی ہے۔

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا کان یرفع صوتہ بالذکر فقال رجل لو ان ھذا خفض من صوتہ فقال رسول اللہ ﷺ فانہ آواہ قال فمات فرای رجل نارا فی قبرہ فاتاہ فاذا رسول اللہ ﷺ فیہ وھو یقول ھلموا الی صاحبکم فاذا ھو الرجل الذی کان یرفع صوتہ بالذکر۔ (حاکم، المستدرک: ج ۱ ص ۵۲۲، رقم ۱۳۶۱، بیھقی شعب الایمان ج ۱، ص ۴۱۸، رقم ۵۸۵، مناوی فیض القدیر ج ۱، ص ۴۵۷)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا، ایک آدمی نے کہا: اگر یہ آدمی اپنی آواز پست رکھتا (تو بہتر ہوتا) حضور علیہ السلام نے فرمایا: وہ مست ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ شخص انتقال کر گیا۔ پس ایک شخص اس کی قبر میں روشنی دیکھ کر اس کے قریب آیا۔ رسول اللہ ﷺ وہاں (پہلے سے) موجود تھے اور آپؐ نے فرمایا: اپنے اس ساتھی کی طرف آؤ جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رای ناس نارا فی المقبرۃ فاتوھا فاذا رسول اللہ ﷺ فی القبر واذا ھو یقول ناولونی صاحبکم واذا ھو الرجل الاَواہ الذی یرفع صوتہ بالذکر۔

(حاکم المستدرک ج ۲، ص ۳۷۵، بیھقی السنن الکبریٰ ج ۴، ص ۵۳، بیھقی شعب الایمان ج ۱، ص ۴۱۸)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ لوگوں نے قبر میں آگ دیکھی اور اس کے قریب آئے چنانچہ رسول اللہ ﷺ قبر میں (پہلے سے) موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا ساتھی مجھے پکڑا دو اور یہ وہ مست آدمی تھا جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔

عن جابر بن عبداللہ قال رای ناس نارا فی المقبرۃ فاتوھا فاذا رسول اللہ ﷺ فی القبر واذا ھو یقول ناولونی صاحبکم فاذا ھو الرجل الذی یرفع صوتہ بالذکر۔

(ابو داؤد، السنن ج ۳ ص ۲۰۱، بیھقی، السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۳۱، طبرانی المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۸۲، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۵۱، زیلعی نصب الرایۃ ج ۲ ص ۳۰۷، اندلسی تحفۃ المحتاج ج ۲ ص ۲۸، شوکانی نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۳۷، مبارکپوری تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۱۲۵، ۱۳۹)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے قبرستان میں روشنی دیکھی تو وہاں گئے۔ دیکھا تو رسول اللہ ﷺ ایک قبر میں کھڑے فرما رہے تھے: مجھے اپنا ساتھی پکڑاؤ، وہ ایسا شخص تھا جو بلند آواز سے ذکرِ الٰہی کیا کرتا تھا۔

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال الرجل، یقال لہ ذو البجادین: انہ أواہ، وذالک انہ کان رجلا کثیرا الذکر اللہ عز وجل فی القرآن، ویرفع صوتہ فی الدعاء۔

(احمد بن حنبل، المسند ج ۹ ص ۱۵۹، طبرانی، المعجم الکبیر ج ۱۷، ص ۲۹۵، بیھقی، شعب الایمان ج ۱، ص ۴۱۶، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱۱، ص ۵۲)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں بتایا جسے ذوالبجادین کہا جاتا تھا، کہ "وہ مست ہے کیونکہ وہ تلاوتِ قرآن کی صورت میں کثرت سے اللہ عزوجل کا ذکر کرنے والا ہے اور دعا میں اپنی آواز بلند کرتا ہے۔"

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ ﷺ یسیر فی طریق مکۃ فمر علی جبل یقال لہ: جمدان فقال: سیروا ھذا جمدان سبق المفردون قالوا وما المفردون یارسول اللہ ﷺ قال: اَلذَّاکِرُوْنَ اللہَ کَثِیْرًا وَّ الذَّاکِرَات"۔

(مسلم الصحیح، ج۴ ص ۶۲، ابن حبان، الصحیح ج۳ ص ۱۴۰، بیھقی، شعب الایمان ج ۱، ص ۳۸۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے راستے پر تشریف لے جارہے تھے کہ آپ کا گزر جمدان نامی پہاڑ سے ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چلے چلو! یہ جمدان ہے، مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ مفردون کون ہیں؟ فرمایا: اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

عن عبدالرحمن بن ابزی عن ابیہ قال کان یقول اذا سلم سبحان الملک القدوس ثلاثا یرفع صوتہ بالثالثۃ۔

(مشکوۃ شریف، ص ۱۱۲)

ترجمہ: "عبدالرحمن بن البزی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد تین بار "سبحان الملک القدوس" فرماتے اور تیسری مرتبہ آواز بلند کرتے"۔ اس کے تحت شیخ محقق محدث دھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دریں حدیث دلیل است بر مشروعیت جہر بذکر و آں ثابت است بے شبہ (اشعۃ اللمعات ج۱، ص ۵۳۷) یعنی اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے اور وہ بلاشبہ ثابت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **جمع عظیم یرفعون اصواتھم بالتسبیح والتھلیل جُملۃ لا بأس بہ۔** (ج۴ ص ۹۰) یعنی: "جماعتِ عظیم کے مل کر (**لا الہ الا اللہ**) اور (**سبحان اللہ**) کو بلند آواز سے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے"۔ اور آدابِ مسجد میں ہے: **ان لا یرفع الصوت من غیر ذکر اللہ۔** (عالمگیری ج۴، ص ۹۴) یعنی "مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کے سوا آواز بلند نہ کی جائے"۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: أکثروا ذکر اللہ تعالیٰ، حتی یقولوا مجنون۔ ترجمہ: "حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں"۔

(الکنز الثمین فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۹۳، امام احمد بن حنبل "المسند" ج۳ ص ۶۸، ۷۱، ابن حبان الصحیح ج۳ ص ۹۹، ابو یعلی المسند ج۲ ص ۵۲۱، عبد بن حمید المسند ج ۱ ص ۲۸۹، دھلی الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۷۲، ابن رجب جامع العلوم والحکم ج ۱ ص ۴۴۴، حاکم المستدرک ج ۱ ص ۶۷۷، بیھقی شعب الایمان ج ۱ ص ۳۹۷، منذری الترغیب والترھیب ج۲ ص ۲۵۶، مزی تھذیب الکمال ج۸ ص ۴۷۹، قزوینی التدوین اخبار قزوین ج۲ ص ۱۹۷، ابن معین التاریخ ج۴ ص ۴۱۳، ھیثمی مجمع الزوائد ۱۰، ص ۷۵،

عجلونی کشف الخفاء ج ۱ ، ص۱۸۷، قرطبی الجامع الاحکام القرآن ج۱۴، ص۱۹۷، تبلیغی نصاب باب فضائل ذکر، حدیث ۱۵ لمولوی زکریا، ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم ج۳،ص ۴۹۶)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ اذکروا اللہ ذکراً یقول المنافقون: انکم مراؤون۔ ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں"

(الکنز الشمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۹۴، طبرانی المعجم الکبیر ج ۱۲، ص ۱۶۹، ابو نعیم حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ج۳،ص ۸۱،ابن رجب جامع العلوم والحکم ج ۱،ص ۴۴۴،ص ۴۴۸،ابن کثیر ج ۴۹۶،۳،مناوی فیض القدیر ج ۱،ص ۴۵۶)

عن ابی جوزا علیہ الرحمۃ قال رسول اللہ ﷺ اکثروا ذکر اللہ حتی یقول المنافقون: انکم مراؤون۔ ترجمہ: حضرت ابی جوزا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں"

(الکنز الشمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۹۴، بیہقی شعب الایمان ج ۱،ص ۳۹۷،مناوی فیض القدیر ج ۲،ص ۸۵،عجلونی کشف الخفاء ج ۱،ص ۱۸۷)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ اذکروا اللہ ذکراً یقول المنافقون: انکم مراؤون۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار خیال کریں"۔ (ہیثمی المجمع الزوائد ج ۱۰،ص ۹۷، منذری الترغیب والترھیب ج ۲،ص ۲۵۶،الکنز الشمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۹۴)

مولوی زکریا نے تبلیغی نصاب فضائل ذکر ص ۵۵ پر اس آیتِ کریمہ "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا" کے تحت لکھتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو۔ رات میں، دن میں، جنگل میں، دریا میں، سفر میں، حضر میں، فقر میں، تونگری میں، بیماری میں، صحت میں، آہستہ اور پکار کر ہر حال میں۔" آگے چل کر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ پکار کر ذکر کرنے کو بدعت اور ناجائز بتاتے ہیں یہ خیال حدیث پر نظر کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ مولوی عبد الحیٔ صاحب نے ایک رسالہ "سباحۃ الفکر" اس مسئلے میں تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں تقریباً پچاس حدیثیں ایسی ذکر فرمائی ہیں جس سے ذکر پکار کر ثابت ہوتا ہے۔ (ص ۵۷)

علامہ ابن عابدین شامی نے رد المختار ج ۱،ص ؟، مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے فتاویٰ امدادیہ ج ۴،ص ۴۵، پر اور مولوی شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم ج ۲،ص ۱۷۲ میں لکھا ہے۔ "**اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قاریٔ**"۔

ترجمہ: "تمام متقدمین اور متأخرین علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر مساجد وغیرہ میں مستحب ہے الّا یہ کہ ان کے جہر سے کسی کی نیند قرأت یا نماز میں خلل ہو"۔

اور اجماع کی مخالفت کفر ہے جیسا کہ "مولوی شرح خیالی" میں ذکر کیا گیا ہے۔ **مخالفۃ الاجماع کفر** (ص ۲۲۶) مخالفت کرنا اجماع کی کفر ہے۔ اور نبراس میں بھی ہے کہ اجماع حجت قطعیہ ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔ **الانتقام الحقیق** میں ذکر کیا ہے کہ اجماع اور قیاس کا انکار کرنا عین قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ کا انکار کرنا ہے۔ اور "اشباہ" میں ہے کہ **مخالفۃ الاجماع سبب دخول النار**۔ یعنی اجماع کی مخالفت کرنا دخولِ نار کا سبب ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح لازم ہے۔ **کما فی النبراس و من صدر عنہ ما یوجب الکفر حبطت حسناتہ و وجب اعادۃ الحج و تجدید النکاح بعد تجدید الایمان و الا یکفیہ الایمان بکلمۃ الشہادۃ علی حسب العادۃ مال یقصد تجدید الایمان**۔ (ص ۵۷۱)

و قال صاحب المضمرات نقلاً عن الذخیرۃ یؤمر بالتوبۃ و الرجوع عن ذالک و تجدید النکاح بینہ و بین امرأتہ۔ (ص ۵۷۱)

و اللہ تعالیٰ و رسولہ اعلم۔

(۱۰) سفید لباس اور عمامہ

زندہ اور مردہ کا لباس سفید ہونا چاہیے

دلیل ۱) حدثنا محمد بن الصباح انباء عبداللہ بن رجاء الملکی عن ابن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خَیْرَ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضُ فَالْبَسُوْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵، کنز العمال جلد ۵، ص ۳۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روائت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تمہارے کپڑوں سے بہتر کپڑا سفید ہے، سفید کپڑے پہنو اور اپنے مُردوں کو سفید کفن دو۔

دلیل ۲) حدثنا علی بن محمد ثنا وکیع عن سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قَالَ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اَلْبِسُوْ ثِیَابَ الْبَیَاضِ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵) سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت پاک اور بہت صاف ہوتے ہیں۔

تم پر سفید لباس لازم ہے

دلیل ۳) اخبرنا عادم بن الفضل اخبرنا حماد بن زید و اخبرنا اسحق بن عیسیٰ اخبرنا حماد بن سلمۃ جمیعا عن ایوب بن ابی السختیانی عن ابی قلابۃ عن سمرۃ بن جندب اَنَّ رَسُوْلَ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قَالَ عَلَیْکُمْ بِالْبَیَاضِ مِنَ الثِّیَابِ فَیَلْبِسْھَا اَحْیَاءَ کُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۲۱۹)

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر سفید کپڑے لازمی ہے۔ تمہارے زندہ سفید کپڑے ہی پہنیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مُردوں کو کفن دو۔

سفید لباس مامور بہ ہے

دلیل ۴) اخبرنا الفضل بن دُکین اخبرنا المسعودی عن الحکم و حبیب بن ابی ثابت و حدثنا سفیان الثوری عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ اَلْبِسُوْا الثِّیَابَ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔ (طبقات ابن سعد جلد ا، ص ۴۴۹) سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنو بے شک وہ سفید کپڑا بہت اچھا ہے اور پسندیدہ ہے اور اسی سفید کپڑے میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔

دلیل ۵) اخبرنا عمرو بن علی قال ثنا یحیی بن سعید قال سمعت سعید بن ابی عرر بہ یحدث عن ایوب عن ابی قلابۃ عن ابی المھلب عن سمرۃ عن النبیّ صلّی اللہ علیہ و سلّم قال اَلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبِیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

(نسائی شریف، جلد ۲، ص ۲۹۷)

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے نبی کریم ﷺ سے آپ نے فرمایا سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت صاف اور پاکیزہ ہیں اور میت کو کفن بھی سفید دو۔

دلیل ۶) اخبرنا الفضل بن دکین و یحیی بن عبا قالا اخبرنا المسعودی عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم اَلْبِسُوْا الثِّیَابَ الْبَیْضَ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُم (طبقات اب سعد، جلد ا، ص ۴۵۰)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید کپڑے پہنو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔

سفید لباس اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اس میں نماز پڑھنی چاہیئے

دلیل ۷) اخبرنا الفضل بن دکین حدثنا ابو بکر الھذلی عن ابی قلابۃ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم اِنَّ مَنْ اَحَبِّ ثِیَابِکُمْ اِلَی اللّٰہِ الْبَیَاضُ فَصَلُّوْا فِیْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ (طبقات ابن سعد، جلد ا، ص ۲۱۹) ابو قلابہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفید کپڑا زیادہ محبوب ہے سفید کپڑے میں ہی نماز ادا کرو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔

دلیل ۸) حدثنا محمد بن بشار نا عبدالرحمٰن بن مھدی نا سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم اَلْبِسُوْا الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ (ترمذی شریف، جلد ۲، ص ۱۰۴)

سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفید لباس پہنو اس لئے کہ وہ بہت پاک اور بہت اچھا ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔

دلیل ۹) حدثنا احمد بن یونس نا زھیر نا عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اَلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ وَاِنَّ خَیْرَ اَکْحَالِکُمْ اَلْاِثْمِدُ یَجْلُوْا الْبَصَرَ وَ یُنْبِتُ الشَّعْرَ۔

(ابو داود، جلد ۲، کتاب اللباس، ص ۵۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سفید کپڑے پہنو اسلئے کہ وہ تمہارا بہتر لباس ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو اور بے شک تمہارے لئے بہتر سرمہ سرخ ہے آنکھ کو روشن کرتا ہے اور بال اُگاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا عبد الرّحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کالا عمامہ اتروانا اور سفید عمامہ پہنانا

دلیل ۱۰) حدثنا علی بن حمشاذ العدل، ثنا اَبو الجماھر محمد بن عثمان الدمشقی، حدثنی الھیثم بن حمید، اخبرنی ابو معبد حفص بن غیلان، عن عطاء بن اب رباح قال: کنت مع عبداللہ بن عمر فاَتاہ فتًی یسالُہ عن اسدال العمامۃ فقال ابن عمر: سَاَخبرک عن ذلک بعلم اِن شآءَ اللہ تعالٰی قال: کنت عاشِرَ عشرۃٍ فی مسجدِ رسول اللہ ﷺ: ابو بکر، و عمر، و عثمان، و علی، و ابن مسعود، و حذیفہ، و ابن عوف، و ابو سعید الخدری، فجاءَ فتیً من الانصارِ فسلَم علی رسول اللہ ﷺ ثم جلس فقال: یا رسول اللہ، اَیُّ المومنین افضل؟ قال: احسنُھُم خُلقاً، قال: فاَیُّ المومنین اَکیس؟ قال: اکثرھم للموتِ ذکراً، و اَحسنھم لہُ استعداداً قبلَ ان ینزِلَ بھم اُولٰئِکَ من الاکیاس، ثم سکت الفتی و اقبل علیہ النبیّ ﷺ فقال: یا معشر المھاجرین خمس ان ابتُلِیتُم بھنَّ و نزل فیکم، اَعوذ باللہ ان تدرِکُوھُنَّ، لم تَظْھر الفاحشۃ فی قوم قطُّ حتی یعملُوا بھا الا ظھر فیھم الطَّاعُونُ و الاوجاعُ التی لم تکُن مضَت فی اسلافھم، و لم یُنْقِصُوْا المکیالَ و المیزان الا اُخِذوا بالسِّنین و شدَّۃِ المومنۃ و جودِ السّلطان علیھم، و لم یمنعوا الزَّکاۃ ال منعوا القطر من السماءِ، و لولا البَھَائِم لم یمطروا، و لم ینقضوا عھد اللہ و عھد الرَّسولہ الا سلَّط علیھم عدُوَّ ھم من غیرھم، و اخذوا بعض ما کان فی ایدیھم، و مالم یحکم ائمَّتھم بکتابِ اللہ الا القی اللہ باسَھُم بینَھُم، ثم امر عبد الرَّحمٰن بن عوف یتجھزُ لسریّۃٍ بعثَہُ علیھا، و اصبحَ عبدالرَّحمٰن قد اعتمَّ بِعمامۃ من کرابیس سوداء، فاَدناہ النبیّ ﷺ ثم نقضہ و عمَّمَہ بعمامۃٍ بیضاء، و ارسل من خھلفہ اربع اصابع او نحو ذلک، و قال: ھکذا یا ابن عوف اعتمَّ فانہ اعرب و احسن، ثم امر النبی ﷺ بلال ان یدفع الیہ اللوائَ، فحمداللہ تعالٰی و اصلّٰی علی النبیّ ﷺ ثم قال: خذ ابن عوفٍ فاغزوا جمیعاً فی سبیل اللہ، فقاتلوا من کفر باللہ، لا تغلوا، و لا تغدروا، و لا تمثلُوا، و لا تقتُلُوا ولیداً، فھذا عھد اللہ و سیرۃ "النّبیّہُ ﷺ۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاہ۔

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس موجود تھا کہ ایک نوجوان آیا اور آپ سے عمامہ کے شملے لٹکانے کے بارے میں پوچھنے لگا۔ تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ میں تمہیں اس کے بارے میں یقینی خبر دے رہا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں دس آدمیوں میں سے ایک تھا۔ وہ دس آدمی

یہ ہیں، ۱) ابو بکر، ۲) عمر، ۳) عثمان، ۴) علی، ۵) ابن مسعود، ۶) حذیفہ، ۷) ابن عوف، ۸) ابو سعید خدری، (نواں عبد اللہ بن عمر خود اور دسواں سرور کونین رسول اللہ ﷺ) کہ انصار میں سے ایک جوان حاضر خدمت ہوا، اس نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا اور بیٹھ گیا پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کونسا مؤمن افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مؤمنوں میں سے اچھے اخلاق والا ہو۔ پھر عرض کیا کہ کون زیادہ عقلمند (ہوشیار) ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور موت کے آنے سے پہلے پہلے موت کیلئے تیاری کرنے والے زیادہ عقلمند لوگ ہیں۔ یہ جوان چپ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمانا شروع کیا کہ اے مہاجرین کے گروہ! اگر تم لوگ پانچ چیزوں سے آزمائے گئے اور وہ تم میں نازل ہو جائیں تو میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم پانچ چیزوں کو پاؤ گے۔ ۱) قومِ نوح میں بدکاری اس وقت تک ظاہر نہیں ہوئی جب تک کہ انھوں نے بدکاری کا عمل نہیں کیا مگر یہ کہ ان میں طاعون پھیل گیا اور ایسی بیماریاں جو اِن کے اسلاف میں نہیں گزریں تھیں۔ ۲) جب انھوں نے ناپ تول میں کمی کر دی تو قحط سالی، سخت مصیبتوں اور بادشاہ کے ظلم میں گرفتار ہوئے۔ ۳) جب زکوٰۃ دینا چھوڑ دیا تو اُن پر بارش برسنا بند ہو گئی اور اگر جانور نہ ہوتے تو اُن پر بارش کبھی نہیں برستی۔ ۴) جب اللہ و رسول کا عہد توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر دوسری قوموں سے دشمن مسلّط کر دیئے اور جو کچھ اُن کے ہاتھوں میں تھا وہ چھین لیا۔ ۵) اور جب ان کے حکمرانوں نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ سریّہ کیلئے تیاری کریں جس کے لئے اُن کو بھیجا جا رہا تھا۔ عبد الرّحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی حالت میں پایا کہ کالے رنگ کے کھردرے کپڑے سے عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کو اپنے قریب کیا اور وہ (کالے رنگ کا) عمامہ اُتار کر سفید رنگ کا عمامہ پہنایا اور پیچھے کی طرف چار انگلیوں یا اس کے اندازے سے شملہ لٹکایا اور فرمایا کہ اے ابنِ عوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! عمامہ باندھا کرو کہ یہ عربی ہونا اور خوبصورتی ہے۔ پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اِن کو جھنڈا دیں تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا اور فرمایا اے ابنِ عوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! (جھنڈا) پکڑو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں کافروں سے لڑتے رہو اور مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو، دھوکہ نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچّوں کو قتل نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور رسول ﷺ کی سیرت ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیابوری، حدیث ۸۸۰۱، جلد ۵، ص ۲۴۶۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

آپ ﷺ کا سفید عمامہ باندھنا

دلیل ۱۱) وَلَبِسَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعِمَامَۃَ الْبَیْضَاءَ وَالسِّوَادَ وَالصَّفْرَاءَ وَالْاَکْثَرَ الْبَیْضَاءُ۔ (الدعامہ صفحہ ۸۶)

۔"نبی اکرم ﷺ نے سفید، کالا، زرد عمامہ باندھا اور اکثر سفید عمامہ باندھا"۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا کالا عمامہ اتار کر دوبارہ نہ پہننا

دلیل ۱۲)وَ کَانَ مُحَمَّدٌ رَحْمَۃُ اللّٰہِ یَتَعَمَّمُ بِالْعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَاءِ فَدَخَلَتْ عَلَیْہِ یَوْماً مَسْتُوْرَۃً ''فَبَقِیَتْ تَنْظُرُ اِلٰی وَجْھِہٖ وَھِیَ مُتَحَیِّرَۃٌ فَقَالَ لَھَا مَاشَاْنُکِ فَقَالَتْ اَتَعَجَّبُ مِنْ بَیَاضِ وَجْھِکَ تَحْتَ سِوَادِ عِمَامَتِکَ فَوَضَعَھَا عَنْ رَاْسِہٖ وَلَمْ یَتَعَمَّمْ بِالْعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَآءِ بَعْدَ ذٰلِکَ۔

((۱)البحر الرائق جلد ۸، ص ۴۸۷، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ، پاکستان۔(۲)تبیین الحقائق، جلد ۴ ص ۲۲۹ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کالے رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت آپ کی مجلس میں حاضر ہوئی تو آپ کے چہرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں؟ عورت نے عرض کیا، میں آپ کے کالے عمامہ کے نیچے آپکے چہرے کی سفیدی سے تعجب کر رہی ہوں۔ تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سر سے (کالا عمامہ) اُتار دیا اور اسکے بعد کالا عمامہ نہیں باندھا۔

شعارِ اہلِ بدعت سے بچنا چاہئے

دلیل ۱۳) اِنَّ کُلَّ سُنَّۃٍ تَکُوْنُ شِعَارُ اَھْلِ الْبِدْعَۃِ تَرْکُھَا اَوْلٰی۔ (مرقاۃ جلد ۴، ص ۶۳) ترجمہ: ہر طریقہ جو اہلِ بدعت کی شعار بن جائے، اس کو چھوڑنا اولیٰ ہے۔ تفسیر روح البیان میں الشیخ اسمٰعیل الحقی البروسوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَ مِنْ سُنَّۃِ السَّلَفِ الصَّالِحِیْنَ الْاِنْقِطَاعُ عَنْ مَجَالِسِ اَھْلِ اللَّغْوِ وَ اللَّھْوِ وَ الْمُجَانَبَۃُ عَنْ اِتِّبَاعِ اَھْلِ الْھَوٰی وَ الْبِدَعِ۔** (ترجمہ: سلف الصالحین کی سنت یہ ہے کہ وہ اہلِ بدعت اور اہل لغو کی مجالس میں جانا چھوڑ دیتے تھے۔)

وَ رُوِیَ اَنَّ اِبْنَ الْمُبَارَکِ رُئِیَ فِی الْمَنَامِ فَقِیْلَ لَہٗ مَا فَعَلَ رَبُّکَ بِکَ فَقَالَ عَاتَبَنِیْ وَ اَوْقَفَنِیْ ثَلٰثِیْنَ سَنَۃً بِسَبَبِ اِنِّیْ نَظَرْتُ بِاللُّطْفِ یَوْماً اِلٰی مُبْتَدِعٍ فَقَالَ اِنَّکَ لَمْ تُعَادِ عَدُوِّیْ فِی الدِّیْنِ۔

ترجمہ: عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے عتاب دیا اور مجھے کھڑا کیا گیا تیس (۳۰) سال تک اس سبب کی وجہ سے کہ ایک دن میں نے اہلِ بدعت والے کے چہرے کو محبت سے دیکھا تو اللہ جلّ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے دشمن کے ساتھ دین میں دشمنی کیوں نہیں رکھتے ہو؟

اولین مہاجرین کا سفید عمامہ باندھنا

دلیل ۱۴) امام عبد اللہ محمد بن ابی شیبہ المتوفٰی ۲۳۵ھ فرماتے ہیں۔

عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ادرکت المھاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود و بیض و حمر و خضر و صفر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۸ جلد ششم)

سلیمان ابن ابی عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام (مہاجرین اولین) کو پایا (اور دیکھا) کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز، اور زرد عمامہ استعمال کیا کرتے تھے۔

ملائکہ کا سفید عمامہ والے کیلئے دعا مانگنا

دلیل ۱۵) مصنف اب ابی شیبہ کے حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔ یہ عمل سفید عمامہ کے ثبوت پر ایک مضبوط دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ابن جوزی سفید عمامہ کی فضیلت میں حدیث نقل کرتے ہیں۔

اخرج ابن الجوزی عن انس بن مالک عن النبی صلّی اللہ علیہ و آلہ و سلّم ان للہ ملائکۃ و قوفا بباب المسجد یستغفرون لاصحاب العمائم البیض (بحوالہ حکم العمامۃ)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر سفید عمامہ والے کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

ملائکہ کا سفید عمامہ والوں پر درود بھیجنا

دلیل ۱۶) اخرج ابو بکر الھیثمی و عزاہ الی الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ان اللہ و ملائکۃ یصلّون علی اصحاب العمائم البیض۔ (مجمع الزوائد للھشی، ج ۲، ص ۱۷۲) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سفید عمامہ والے پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔

صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول ﷺ اور سفید عمامہ

دلیل ۱۷) ابن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فعل سے سفید عمامہ کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **حدثنا الحسن بن صالح عن ابیہ قال رایت علی سعید بن جبیر عمامۃ بیضاء**۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۲ جلد ششم) حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔

سفر میں کالا عمامہ

دلیل ۱۸) و قال الطحاوی فی فتاواہ رایت ما نسب لعائشۃ ان عمامۃ فی السفر بیضاء و فی الحضر سوداء و کل منھا سبعۃ اذرع۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، ص ۹۵، جلد چہارم)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ میں نے وہ روایت دیکھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ آپ ﷺ کا عمامہ شریف سفر میں سفید اور گھر میں سیاہ ہوا کرتا تھا۔

انبیاء اور ملائکہ کا لباس سفید ہے

دلیل ۱۹) ھدایۃ الابرار صفحہ ۴۲ میں ہے کہ: **و فی شرح المشکوٰۃ لعبد الحق ان النبی صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلم قال البسوا الثیاب البیض فانّھا اطھر و اطیب و کفّنوا فیھا موتاکم احب الالوان البیاض فان الابیض لباس الانبیاء علیھم الصلوٰۃ و السلام و الصلحاء الخ**۔(شرح شرعۃ الاسلام بحوالہ القول الصریح ص ۵۹) رنگوں میں محبوب ترین رنگ سفید ہے کیونکہ سفید رنگ انبیاء اور صلحاء کا لباس ہے۔

غزوہ احد کے موقع پر ملائکہ کا لباس سفید تھا

دلیل ۲۰) علامہ عینی لکھتے ہیں: **الثیاب البیض ھی من افضل الثیاب و ھی لباس الملائکۃ الذین نصروا رسول اللہ ﷺ یوم احد وغیرہ و کان ﷺ یلبس البیاض و یحض علی لباسہ**۔(عینی علی البخاری ص ۳۶ جلد ۱۵)

لباس میں افضل لباس سفید ہے اور سفید لباس ان فرشتوں کا لباس ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی یوم اُحد وغیرہ میں مدد کی تھی، آپ ﷺ خود سفید لباس پہنتے تھے اور اسی کی ترغیب دیتے تھے۔

غوث الثقلین رحمہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ لباس

دلیل ۲۱) غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "**و افضل الوان الثیاب ما کان ابیض لقولہ ﷺ خیر ثیابکم البیاض** (الغنیہ ص ۲۹ جلد اول) یعنی کپڑوں میں افضل رنگ سفید ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لباس میں محبوب لباس سفید ہے۔

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سفید عمامہ پر دوام

دلیل ۲۲) مرقاۃ شریف میں ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔**بِاَنَّ الَّذِیْ وَ اظَبَ عَلَیْہِ اَلنَّبِی ﷺ وَ الْخُلَفَائِ الرَّاشِدُوْنَ اِنَّمَا ھُوَ الْبَیَاضُ**۔ (مرقاۃ جلد ۳، ص ۲۶۹)

ترجمہ:- حضرت رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہمیشہ سفید عمامہ پہنے۔

تمام سالکین سے گزارش ہے کہ شلوار پہننے میں اس بات کا اہتمام کریں کہ بجائے لمبی شلوار پہن کر اور بعد میں اسے اونچا کرنے کے، درزی سے کہہ کر شلوار چھوٹی سلوائیں تاکہ ٹخنے ہمیشہ کھلے رہیں۔ کیونکہ پائجامے یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے اور وہ دیدارِ خدواندی سے محروم ہوگا۔ اور ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے ٹخنوں کو کھلے رکھنے کا خاص خیال رکھیں۔

شلوار کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا شرعی حکم

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرا تہبند کچھ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا تھا، آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم عبد اللہ ہو تو اپنا تہبند اونچا کرو، میں نے اونچا کر لیا، یہاں تک کہ نصف پنڈلی تک آگیا، پھر میں نے اپنا یہی دستور عمل رکھا۔

(احمد بسند رویۃ ثقات از زواج، گناہ بے لذت، ص ۳۲)

ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی ازار ٹخنوں سے نیچی لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جاؤ دوبارہ وضو کر کے آؤ، چنانچہ وہ شخص گیا اور وضو کر کے حاضر ہوا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: جاؤ وضو کر کے آؤ! وہ شخص گیا اور وضو کر کے آیا، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا آپ نے اسے وضو کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جو اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے ہو۔ (ابو داؤد، ص ۹۳، ۱۷۰، باب الاسبال فی الصلوٰۃ)

ازار کا ٹخنوں کے نیچے والا حصہ جہنم میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہوگا۔ (مشکوٰۃ، مسلم، بخاری ص ۳۷۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مومن کی ازار نصف پنڈلی تک ہے اور اس سے نیچے دونوں ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو کوئی حرج نہیں اور ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا، وہ جہنم میں ہوگا۔ آپ

ﷺ نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (نظر رحمت سے) اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو اپنی ازار تکبر سے لٹکائے۔

فائدہ: مردوں کے لئے ازار وغیرہ سے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔ افضل صورت یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو۔ اگر اس سے نیچے ہو تو بیش از بیش ٹخنوں سے اوپر تک ہو، از راہ کبر ٹخنوں سے نیچے لباس پہننا سخت حرام ہے، احادیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے محرومی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) اس شخص پر نہیں کرے گا جو اپنی ازار از راہ تکبر ٹخنوں سے نیچے دراز کرے (یعنی لٹکائے)۔ (مشکوٰۃ شریف: ص ۳۷۳)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی ازار تکبر سے نیچے کھینچے (یعنی ٹخنوں سے نیچے لٹکائے) اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر (رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔ (مشکوٰۃ شریف: ص ۳۷۳)

تہبند لٹکانے والے کو زمین میں دھنسا دیا گیا

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص تکبر کی وجہ سے تہبند (ازار) کو لٹکا کر زمین سے کھینچ کر چلا کرتا تھا، اس کو دھنسا دیا گیا، وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ۳۷۲)

پائجامے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفی ﷺ نے فرمایا منافق کی علامت اپنے پاجامے کو لمبا کرنا ہے تو جس شخص نے اپنے پاجامے کو لمبا کیا حتیٰ کہ قدموں کے نیچے گھسٹتا ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو اس کے لئے دوزخ ہے۔ (کنز العمال ج ۱۵، ص ۳۱۷، حدیث نمبر ۴۱۱۹۸)

ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والوں کے لئے دردناک عذاب

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے اشخاص ایسے ہیں کہ نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن (رحمت کی) نظر سے دیکھے گا اور نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا اور ان

کے لئے دردناک عذاب ہو گا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو یقیناً ناکام ہو گئے اور خسارہ میں پڑ گئے، آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا، میں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو ناکام ہو گئے اور خسران میں پڑ گئے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا(۱) ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، (۲) احسان جتلانے والا، (۳) جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا مغفرت سے محروم

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہے کہ لیلۃ برأت (شب برأت، نصف شعبان کی رات) میں بھی ایسا شخص اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم رہتا ہے، چنانچہ مظاہر حق میں حدیث نقل کی ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب میں سب بخشے جاتے ہیں مگر (۱) والدین کی نافرمانی کرنے والا، (۲) ہمیشہ شراب پینے والا، (۳) ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا نہیں بخشا جاتا۔ (مظاہر حق: ص ۴۹۵، ج ۳، کتاب اللباس)

الجواہر الزواہر ترجمہ: البصائر میں ہے اور (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا آج کی شب بنو کلب کی بکریوں کے صوف اور بالوں کی مقدار خدا کی رہائی دیئے دوزخی چھوٹیں گے، البتہ جو مشرک ہو گا اور جو کینہ ور ہو گا اور جو رشتہ ناطہ کے حقوق نہ سمجھے گا اور جو ٹخنہ سے نیچے کپڑا لٹکا ہوا پہنے گا اور جو والدین کا نافرمان ہو گا اور شراب خوری کا خوگر ہو گا اس کی طرف نگاہ رحمت نہ فرمائے گا۔

(الجواہر الزواہر، ص ۲۵۱، فتاویٰ رحیمیہ: ص ۲۸۶، ج ۷)

مسئلہ: جو شخص فخر و تکبر سے اپنے تہبند یا پاجامہ وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچا رکھتا ہے وہ باتفاق سخت گناہ کبیر کا مرتکب ہے۔ جو بلا خیال تکبر کے ویسے ہی عادت پڑ گئی ہے جب بھی گناہ سے خالی نہیں (عالمگیری، اشباہ وغیرہ) ہاں کسی شخص کا تہبند یا پاجامہ بے اختیار کسی وقت لٹک جائے وہ اس میں داخل نہیں، جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا اور انہوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا آپ ﷺ نے ان کو معذور قرار دیا۔ (گناہ بے لذت: مفتی شفیع عثمانی)

تنبیہ: کتنی ذرا سی بات ہے جس کے لئے سید الاولین والآخرین اپنی امت کو سخت تاکید فرماتے ہیں مگر امت ہے کہ اپنی اتنی سی بے فائدہ اور لغو خواہش کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو راضی کرنے کے لئے نہیں چھوڑتی۔

مذکورہ روایات میں غور کیجئے ٹخنوں سے نیچے ازار، پاجامہ لٹکانے پر کتنی سخت وعید ہے، ان روایات کے پیش نظر کوئی طالب علم اس بات کی ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے اور یہ فعل عموماً ازراہ کبر اور غیروں کے ساتھ تشبہ سے ہوتا ہے جب شرعی حکم یہ ہے کہ لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو تو اس میں غفلت اور لاپرواہی نہ ہونی چاہیئے۔

پاجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے کو منع کرنا چاہئے

زید ابن اسلم فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اسی اثنا میں عبد اللہ ابن واقد ادھر سے گزرے ان کے جسم پر نیا لباس تھا۔ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے فرمایا اے بیٹا اپنا پاجامہ اوپر کر لو اس لئے کہ میں نے سرکار دوعالم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ وعید سنی ہے کہ جو شخص تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹتا ہے اسے اللہ قیامت کے دن نہ دیکھے گا۔

ٹخنوں سے نیچے والا پاجامہ کاٹ دینا چاہئے

حضرت خرشہ بن حر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے ایک نوجوان گزرا جس کی لنگی ٹخنوں سے نیچے جارہی تھی، بلکہ وہ اس کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے جارہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بلا کر فرمایا کیا تمہیں حیض آتا ہے؟ اس نے کہا کیا مرد کو بھی حیض آتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر تمہیں کیا ہوا کہ تم نے لنگی قدموں سے نیچے لٹکا رکھی ہے؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چھری منگوائی اور اس کی لنگی کا کنارہ پکڑ کر ٹخنوں سے نیچے سے کاٹ دیا، حضرت خرشہ کہتے ہیں اب بھی وہ منظر میرے سامنے ہے اور مجھے اس کی ایڑیوں پر دھاگے نظر آرہے ہیں۔ (حیاۃ الصحابہ: ج۲)

آج بھی اگر کوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس زندہ مثال کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہمارے مرشد گرامی قیوم زمان مجدد عصر حاضر حضرت اخندزادہ سیف الرحمن پیر ارچی خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آستانہ عالیہ میں آکر دیکھ سکتا ہے۔

اقوال فقہائے کرام

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: مردوں کے لئے شلوار لمبی کرنا کہ جس سے پائنچے پاؤں کو مس کریں، مکروہ ہے۔ (رد المختار ص۳۵۱، ج۶)

علامہ زین الدین ابن نجیم نے بھی یہی لکھا ہے۔ (بحر الرائق، ص۱۹۰، ج۸)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کپڑوں میں تقصیر سنت ہے اور ازار و قمیص میں اسبال بدعت ہے۔ مردوں کے لئے نصف پنڈلی تک سراویل و ازار وغیرہ ہونی چاہئے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں بطور تکبر دامن کو لمبا کرنے سے بعض میں منع فرمایا اور بعض میں مطلقاً منع فرمایا ہے۔ اور فقہائے کرام نے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے فرمایا صرف تکبر سے دامن لمبا کرنا حرام ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ ہے۔

صوفیائے کرام خصوصاً حضرات نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔ بدعات کی جگہ سنن پر عمل خواہ غیر مؤکدہ ہو اور سنن عادیہ ہی کیوں نہ ہوں، عمل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ جو عمل رسول پاک ﷺ نے کیا ہو خواہ زندگی میں ایک بار ہی کیا ہو، اس پر عمل کرنا ہزار درجہ زیادہ بہتر ہے اس مباح عمل سے جسے آپ ﷺ نے نہ کیا ہو بشرطیکہ بعد میں اس کا عکس ثابت نہ ہو یا ممانعت نہ آئی ہو۔ تکبر چونکہ غیر محسوس صفت رزیلہ ہے، جب تک مؤمن کا نفس نفس مطمئنہ نہ ہو جائے تکبر کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتا ہے۔ اس لئے نفس مطمئنہ ہونے سے قبل انسان کا کہنا کہ میں تکبر کی وجہ سے ٹخنے سے نیچے شلوار نہیں رکھتا، دعوی بلا دلیل ہے۔

نیز صحابہ کرام اور خود نبی اکرم ﷺ کے پاس اگر کوئی ایسا شخص آتا جس کی شلوار یا تہبند ٹخنوں سے نیچے ہوتی تو اسے اوپر کرنے کی ہدایت فرماتے بلکہ حضرت عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عذر بھی حضور اقدس ﷺ نے قبول نہ فرمایا۔

حضرت اشعت بن سلیم کے دادا کو فرمانا کہ کیا میرا طریقہ تجھے پسند نہیں؟ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے رکھنا آپ ﷺ کو بہت ناپسند تھا۔ تو جو چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت ناگوار ہو، اس کو اختیار کرنے سے مسلمان کو گریز کرنا چاہئے نہ کہ اس پر اصرار کیا جائے۔ اور بالخصوص علمائے کرام، مشائخ عظام اور سالکین کو تو عملی نمونہ پیش کرنا چاہئے۔

شیخ المشائخ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جو آپ کے خلیفہ اکبر حضرت سیدنا ولی الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کئے ہیں، ان سے نقل کیا جاتا ہے کہ تاکہ واضح ہو جائے کہ صوفیائے کرام کس قدر اس کا اہتمام کرتے تھے۔

شلوار کے پائنچے دراز کرنے کے بارے میں آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شلوار کا پائنچہ دراز کرنا منافقوں کی علامت ہے۔ اور جو شخص شلوار کا پائنچہ دراز کرتا ہے اور پاؤں کے نیچے تک لٹکاتا ہے تو ایسا شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے۔ پھر فرمایا جو شخص شلوار کے پائنچے کو اس قدر دراز کرے کہ وہ پاؤں کے نیچے تک لٹکے تو ہر قدم پر زمینی اور آسمانی فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے دوزخ میں اس کے لئے ایک مکان تیار ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو لمبا تہبند باندھتا ہے وہ منافق ہے اور جو اپنی آستین دراز کرتا ہے وہ لعنتی ہے۔ نیز حضرت ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بدن پر کپڑا پہننے میں فضول خرچی نہ کریں کیونکہ رسول خدا ﷺ نے مردے کے بدن پر کفن کے زیادہ کرنے کو منع فرمایا ہے اور دو چیزوں کے بدلے عذاب ہوگا۔ کفن کی زیادتی، دوسرا پائنچا دراز کرنے سے۔

(بحوالہ جزء الاسبال، تالیف شیخ القرآن والحدیث مفتی احمد الدین سیفی رحمہ اللہ تعالیٰ)

اگر کوئی اس بارے میں زیادہ تحقیق کرنا چاہے تو ہمارے مجموعہ رسائل حصہ دوم صفحہ ۱۰۱ کا مطالعہ کرلے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے تمام شکوک وشبہات رفع ہو جائیں گے۔ اگر حضور ﷺ کا سچا عاشق ہے تو کبھی ایسا عمل نہیں کرے گا کہ اپنا پائنچا ٹخنے سے نیچے لٹکائے۔ عاقل کے لئے صرف اشارہ کافی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے حق اہلِ سنت وجماعت اس مسئلے میں کہ نعت خوانی کے ساتھ ذِکر کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا یہ ناجائز ہے۔ مستفتی: سید سراج الحق شاہ ترمذی سیفی

الجواب ومنہ الصدق والصواب:

شرع مطہرہ سے اس کے عدمِ جواز پر دلیل نہ ہونا خود دلیلِ جواز ہے کہ سکوتِ شارع موجبِ اباحت ہے نہ کہ موجبِ حُرمت۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ مائدہ پارہ:۷: پر ارشاد فرماتا ہے: **يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ۔** (المائدۃ ۱۰۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو جن پر قرآن خاموش ہے کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں۔ (تمہیں بُری لگیں) اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل کیا جارہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر یعنی متعین کر دی جائیں گی (جس سے تمہاری صوابدید ختم ہو جائے گی اور ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے) اللہ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا اور اللہ بڑا بخشنے والا بُردبار ہے۔ (مائدہ:۱۰۱:۵)

تفسیر خازن شریف میں آیات کریمہ کے تحت حدیث نقل فرمائی ہے۔ **"عن سلمان رضی اللہ تعالی عنہ قال سئل رسول اللہ ﷺ عن اشیاء فقال الحلال ما احلّ اللہ فی کتابہ والحرام ما حرّمہ اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما قد عفا عنہ فلا تتکلّفوا"**

(تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل مطبوعہ بیروت: ج۱: ص۴۹۸)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور کریم ﷺ سے کچھ چیزوں کا سوال کیا گیا تو فرمایا کہ حلال وہ ہے جو خداوند قدوس نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جو رب نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا۔ اور جس سے سکوت فرمایا وہ ان میں سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا تو تکلّف سے سوال مت کرو۔ دار قطنی میں ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: **"ان اللہ تعالی فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرّم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وسکت**

عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنها" (سنن دار قطنی:۱۸۴:۴، تفسیر خازن: ج۱: ص۴۹۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کی ہیں انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائی ہیں ان کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بے بھولے سکوت فرمایا ان میں کاوش نہ کر۔

سید المفسرین سیدنا حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ارشاد فرماتے ہیں: **"و بعث اللہ نبیہ و انزل کتابہ و حلّ حلالہ و حرّم حرامہ فما احلّ فھو حلال و ما حرّم فھو حرام و ما سکت عنہ فھو عفو"**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (ﷺ) کو مبعوث فرمایا اور قدیم کتاب قرآن حکیم نازل فرمایا اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا تو جو چیز حلال کی گئی وہ حلال ہے جو حرام فرمائی گئی وہ حرام ہے اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔ (مشکوٰۃ شریف باب ما یحلّ اکلہٗ: صفحہ: ۳۶۰)

ایک بار جب حضور اکرم ﷺ سے گھی، پنیر اور دوسری اشیائے خوردنی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: **"الحلال ما احلل اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرم اللہ فی کتابہ و ما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ"** (جامع ترمذی: ۲۰۶: ۱)

ترجمہ: وہ چیز حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ رہیں وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت فرمایا تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔ **"و ما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ"** کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ شارع نے جن کا ذکر نہیں کیا وہ مباح اور جائز ہیں لہٰذا محض "ترکِ ذکر" سے کسی چیز پر حرمت کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ اللہ رب العزت نے قرآن میں ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جو اپنی طرف سے چیزوں پر حلت و حرمت کے فتوے صادر کرتے ہیں لہٰذا ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (النحل ۱۱۶)**

ترجمہ: اور وہ جھوٹ مت کہا کرو جو تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ اس طرح کہ تم اللہ پر بہتان باندھو۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر بہتان باندھتے ہیں کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

بناء علیہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب در مختار میں ہے: **"ان الفقھاء کثیرا ما یلھجون بان الاصل الاباحۃ"** یعنی اکثر فقہاء کرام کی نوکِ زبان پر ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (در مختار، کتاب الطہارۃ: جلد: ۱: صفحہ: ۹۸)

حضرت امام علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں: **"و صریح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ و الشافعیۃ"** (شامی: مطبوعہ مصر: جلد: ۱: صفحہ: ۹۸، مکتبہ حقانیہ فشاور: صفحہ: ۷۸)

تحریر میں صراحتاً فرمایا کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: **"فھو داخل تحت قاعدۃ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ"** (شامی کتاب الاشربہ: ج۵: ص۲۹۶، مکتبہ حقانیہ فشاور: ص۳۲۷: وفی ج۵: ص۳۲۶)

اسی جلد میں مزید ارشاد فرماتے ہیں: **"ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ باثبات الحرمۃ او الکراھۃ الذین لابدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل"** (صفحہ ۳۲۶)

ترجمہ: حرمت وکراہت کے ثبوت سے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے میں احتیاط نہیں کہ اس کے لئے دلیل ضروری ہے بلکہ احتیاط اباحت کہنے میں ہے کہ وہی اصل ہے۔

شریعتِ اسلامیہ کا معروف قاعدہ اور متفقہ اصول ہے کہ **"الاصل فی الاشیاء اباحۃ"** یعنی ہر چیز کی اصل اباحت ہے۔ فی نفسہٖ کوئی کام بھی از رُوئے شرع بُرا نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس میں قرآن وسنت کی رو سے بُرائی کا کوئی عنصر واضح طور پر نہ پایا جائے۔ اس لحاظ سے ہم ہر اس کام کو جو عہدِ رسالت ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نہ تھا اور بعد میں کسی ضرورت کے تحت وجود میں آیا قرآن وسنت پر پیش کریں گے، اگر اس کے ساتھ قرآن وسنت کا کسی اعتبار سے بھی اعتبار سے تعارض آجائے گا تو وہ بلاشبہ ناجائز، حرام اور گمراہی تصور ہو گا اور اگر اس کا قرآن وسنت کے کسی بھی حکم کے ساتھ کوئی تضاد یا تعارض واقع نہیں ہوتا تو اسے گمراہی یا حرام تصور کرنا حکمتِ دین کے منافی اور اسلام کے متعین کردہ نظامِ حلال وحرام سے انحراف برتنے اور حد سے تجاوز کرنے کے مترادف ہو گا۔

حضرت حکیم الامت مولانا مفتی الحاج احمد یار خان نعیمی اشرفی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "جآء الحق" صفحہ: ۲۳۶: پر تحریر فرماتے ہیں: جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنیٰ کریں گے کہ: **"الاصل فی الاشیاء الاباحۃ"** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہو گی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ واقوالِ فقہاء سے ثابت ہے اور غالبًا کوئی مقلد کہلانے والا تو اس سے اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم فرماتا ہے: **یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لَاتَسْأَلُوا عَنْ أَشْیَاءَ إِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْھَا حِینَ یُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَکُمْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا (المائدۃ ۱۰۱)**

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بُری لگیں اور اگر ان کو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اُتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں گی اللہ ان کو معاف کر چُکا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اسی لئے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ۔ ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں نیز فرمایا۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ۔ تم سے تفصیل دار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند مجربات ہیں جن کی تفصیل بتادی ان کے سوا سب حلال۔

مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔ **"الحلال ما احلّ اللہ فی کتابہ والحرام ما حرّم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ"**

ترجمہ: حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحتاً قرآن میں مذکور ہے دوسرے وہ جن کی حرمت صراحتاً آگئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے۔ شامی: جلد: ۱: کتاب الطہارۃ بحث تعریف سنت میں ہے۔

"المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ والشافعیۃ"

ترجمہ: جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر خازن وروح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہو گی۔ اب جو بعض لوگ اہلِ سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا جائز ہے یا حضور ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تابعین یا تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کب کیا تھا یہ محض دھوکہ ہے۔ اہلِ سنت کو چاہئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا حرام ہے جب خدا حرام نہ کرے رسول ﷺ منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونیکے علامت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (المائدۃ ۱۴۵) نیز فرماتا ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (الاعراف ۳۲) ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی۔ یہ حضرات اس سے حُرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی منطق ہے۔ اچھا بتاؤ کہ ریلوے سفر، مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

فقیہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی فتاویٰ نوریہ میں لکھا ہے:

اھل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے یعنی جب تک دلیل حرمت و کراہت نہ آئے کوئی چیز حرام مکروہ نہیں ہو سکتی۔ اس مدعا پر دلائل واضحہ آیات واحادیث سے صرف چند اختصاراً اقتصاد کیا جاتا ہے۔ سنئے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ۔

(المائدة ۱۰۱)

اے ایمان والوں ایسی چیزیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تعمیل بری لگے اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے جب قرآن اتر رہا ہو تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر چکا ہے اور اللہ عزوجل بخشنے والا حلم والا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایسی چیزیں جن کو حرمت کسی نص سے ثابت نہیں وہ معاف ہیں، یہی ہمارا مدعا ہے۔ تفسیر خازن صفحہ ۸۲ جلد ۲ میں ہے:

عن سلمان قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أشياء فقال «الحلال ما أحل الله في كتابه والحرام ما حرمه الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما قد عفا عنه فلا تتكلفوا» وعن أبي ثعلبة الخشني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال «إن الله تعالى فرض فرائض فلا تضيعوها وحد حدودا فلا تعتدوها وحرم أشياء فلا تقربوها وترك أشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها» هذان الحديثان أخرجهما في جامع الأصول ولم يعزهما إلى الكتب الستة۔ (خازن، ج ا ص ۵۳۱، مطبوعہ دار الکتب، پشاور)

ابن ماجہ ص ۲۴۹، میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث اول بایں نظم ہے۔

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ وروی نحوہ الترمذی عنہ مرفوعا ایضاً۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲ میں ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے: **قال کان اھل الجاھلیۃ یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث اللہ نبیہ وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو و تلا قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ الاٰیۃ** (تفسیر کبیر صفحہ ۴۵۹) **وکان عبید بن عمر یقول ان اللہ احل وحرم فما احل فاستحلوہ وما حرم فاجتنبوہ وترک اشیاء لم یحللھا ولم یحرمھا فذالک عفو من اللہ تعالیٰ ثم یتلوا ھٰذا الآیۃ وقال ابو ثعلبۃ الخشنی ان اللہ تعالیٰ فرض الحدیث نحو ما مر من المشکوٰۃ والخازن ونحوہ۔** (معالم ص ۸۲)

ان تمام احادیث اور عباراتِ تفسیر کا ماحاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو قرآن کریم میں حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جسے حرام فرمایا وہ حرام ہے اور جن چیزوں کا بیان نہ فرمایا وہ معاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر فرمائے تو ان کو ضائع نہ کرو اور کئی چیزوں کو حرام کیا ہے تو ان کے قریب نہ جاؤ اور حدود مقرر فرمائے ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو اور کئی چیزوں کے بیان کو ترک کیا تو ان سے بحث نہ کرو یعنی اس لئے کہ وہ معاف ہیں ان کا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ **بدلالۃ ھٰذہ لاحادیث وما فی معناھا کثیراً۔** اور حضرت نبی کریم ﷺ کا بیان،

بیان الٰہی اور تفسیر قرآن کریم ہے۔ **کما نص علیہ الائمۃ**۔ نیز ارشادِ رؤف الرحیم ہے **وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** (التوبۃ ۱۱۵) (ترجمہ: اور شانِ الٰہی نہیں کہ کسی قوم کو گمراہ فرمائے اور ان پر گمراہی کا حکم لگائے پیچھے ھدایت فرمائے ان کے یہاں تک کہ بیان فرمائے ان کے لئے ان چیزوں کو جن سے بچنا ضروری ہے ان پر، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

تو بین طور پر ثابت ہوا کہ جس چیز کا عدم جواز شرعِ مطہرہ سے ثابت نہیں وہ ممنوع نہیں ہے، جائز ہے۔ اور کوئی یہ وہم نہ کرے کہ وہاں فلاں حادثہ فلاں صورت زمانہ نزول قرآن میں نہ تھی لہٰذا اس کا حکم بیان نہ فرمایا کہ **إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** (التوبۃ ۱۱۵) بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ واقعات و حوادث آئندہ تمام کے تمام اسے معلوم ہیں اور سہو و بھول کو اس کی بارگاہِ اقدس تک ہرگز ہرگز رسائی و نسبت نہیں ہو سکتی، تو جس چیز سے منع نہیں فرمایا اسے جائز اور مباح قرار دیا۔ تفسیر کبیر ص ۵۱۳، جلد ۴، میں ہے۔ **و بین انہ تعالیٰ لا یواخذھم بعمل الا بعد ان یبین لھم انہ یجب علیھم ان یتقوہ و یحترزوا عنہ و نحوہ فی الخازن ص ۲۸۸ جلد ۲** (دار الکتب العربیہ قصہ خوانی پشاور)۔ نیز خازن ص ۲۲۸ جلد ۲ میں ہے۔ **و ھو ان یقدم الیھم النھی عن ذلک الفعل فاما قبل النھی فلا حرج علیھم فی فعلہ و مثلہ فی معالم التنزیل۔ صاوی علی الجلالین ص ۱۴۶، جلد ۲** میں ہے۔ **فبین اللہ تعالیٰ انہ لہ یواخذ احدا بذنب الا بعد ان یبین حکم فیہ۔**

خداوند قدوس کا فرمان تو سن چکے کہ وہ معاف فرما چکا ہے گرفت نہیں فرماتا گمراہی کا حکم نہیں لگاتا جب تک نہی نہ آئے مگر عجیب کہ وہابیہ خوارج اتنے دلیر ہیں کہ بات بات پر مسلمانوں کو گمراہ بلکہ مشرک و کافر کہہ دیتے ہیں۔ اور ہر چیز میں یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا جواز دکھاؤ حالانکہ جس سے منع کرتے ہیں اس چیز کے منع ہونے کا اثبات ان پر لازم جب تک نہی ثابت نہ ہو منع نہیں ہو سکتا کہ شرع میں غیر منہی عنہ جائز ہے۔ ایسے کا حق میں قرآن کریم کا یہ فتویٰ ہے۔ **وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (۱۱۶) مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔** (النحل ۱۱۷)

نیز جس طرح جواز بدونِ اجازتِ شرع جائز نہیں اس طرح منع بھی بدون شرع منع نہیں۔ تو یہ ان کی بے انصافی ہے کہ اپنی دلیل بیان نہیں کرتے الٹا مطالبہ ہم سے کرتے ہیں۔ شرع مطہرہ سے اباحتِ اصلیہ کا ثبوت نہایت خوش اسلوبی سے ہم نے پیش کر دیا۔ مانع پر لازم ہے کہ دلیلِ منع بیان کرے۔ اب میں وھابیوں دیوبندیوں اور متعصب لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس کے منع کرنے پر کوئی دلیل پیش کرو کہ ذکر کے ساتھ نعت خوانی کرنا ناجائز ہے۔ پھر ہم تسلیم کر لیں گے۔

فتاویٰ نوریہ میں ایک اور جگہ لکھا ہے کہ "اشیاء میں اصل اباحت ہے"۔ یعنی جب تک دلائل شرعیہ سے کسی شئ کی حرمت و ممانعت ثابت نہ ہو، حلال و جائز الاستعمال رہتی ہے۔ استعمال کرنے والے پر شرعاً کوئی گرفت نہیں کہ وہ معاف ہے۔ قرآن کریم نے صاف

صاف فرمادیا ہے عَفَا اللّٰہُ عَنۡھُمۡ۔(آل عمران ۱۵۵)(ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرماچکا ہے)اور قرآن کی آیات میں سے ایک حرف کا انکار کرنا کفر ہے۔ اللہ نے حرام نہیں کیا اور اللہ کے رسول ﷺ نے حرام نہیں کیا تو تم کون ہوتے ہو کہ اسے منع کرتے ہو؟ امامِ اھلِ سنت والجماعت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان الافغانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اور رسالوں میں اس قاعدہ مبارکہ کی توضیح و تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً فتاویٰ افریقیہ ص ۷۸ میں فرمایا "جواز کو یہی کافی ہے کہ شرعاً کوئی ممانعت نہیں، جس چیز کو اللہ اور رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرمائیں، اسے منع کرنا خود شارع بننا اور نئی شریعت گڑھنا ہے۔" پھر کافی دلائل کے بعد ص ۹۰ میں فرمایا "اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ وَمَا نَھَاکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَھُوا۔(الحشر ۷) اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔" تو معلوم ہوا کہ جس کا نہ حکم دیا نہ منع کیا وہ نہ واجب نہ گناہ اور اللہ تعالیٰ عزّوجلّ فرماتا ہے۔ یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَسۡأَلُوا عَنۡ أَشۡیَاءَ إِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ وَإِنۡ تَسۡأَلُوا عَنۡھَا حِینَ یُنَزَّلُ الۡقُرۡآنُ تُبۡدَ لَکُمۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡھَا وَاللّٰہُ غَفُورٌ حَلِیمٌ (المائدۃ ۱۰۱) یہ آیتِ کریمہ ان تمام حدیثوں کی تصدیق اور صاف ارشاد ہے کہ شریعت نے جس بات کا ذکر نہ فرمایا وہ معاف ہے۔ جب تک کلام مجید اتر رہا تھا احتمال تھا کہ معافی پر شاکر نہ ہو کر کوئی پوچھتا تو اس کے سوال کی شامت سے منع فرمادی جاتی۔ اب کہ قرآن مجید اُتر چکا، دین کامل ہو گیا، اب کوئی حکم نیا آنے کو نہ رہا، جتنی باتوں کا شریعت نے نہ حکم دیا نہ منع کیا، ان کی معافی مقرر ہو چکی جس میں اب تبدیلی نہ ہو گی۔ وہابی جو کہ اللہ تعالیٰ کی معافی پر اعتراض کرتے ہیں، مردود ہیں۔ وللہ الحمد۔

مردِ مجاہد، سایۂ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مظہر نعمان غیظ المنافقین، محسن المسلمین امام الفقہاوالمحدثین، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان قندھاری بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکامِ شریعت میں بھی فرمایا، "اصل اشیاء میں طہارت و حلت ہے"۔ قال اللہ تعالیٰ "خَلَقَ لَکُمۡ مَافِي الۡأَرۡضِ جَمِیعًا" (البقرۃ ۲۹) جب تک کسی عارض سے اصل کا زوال ثابت نہ ہو وہ کم اصل ہی رہے گا۔ محرر المذھب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "بہ نأخذ مالم نعرف شیأً حراما بعینہ"۔ فقیہ اعظم محمد نور اللہ نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے "بلا دلیل خاص شرعی کسی شیء کو مکروہ اور حرام کہنا جھوٹ اور حرام ہے۔ اور حضرت رب العالمین جلّ و علا پر اعتراض ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ!) (فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، ص ۳۷۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ای لا تفتشوا عن تلک الاشیاء دل علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کقولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً۔ (مرقات ج ۱، ص ۲۶۳)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد "باقی چیزوں سے بحث نہ کرو" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

(اشعۃ اللمعات، جلد ۳، ص ۴۷۹ اور ص ۵۰۶)

مفتی اعظم پاکستان، پروفیسر مفتی منیب الرحمن صاحب، تفہیم المسائل جلد سوم صفحہ ۱۱۸ پر ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اس سوال کا براہ راست جواب سننے سے پہلے ایک دو اصولی باتیں سمجھیں۔ اسلام اور دنیا کے ہر نظامِ قانون اور اصولِ قانون کا ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اشیاء امور میں اصل اباحت (یعنی جائز ہونا) ہے، لہٰذا کہیں بھی قوانین کی تشکیل میں مباحات (جائز امور) کا احاطہ نہیں کیا جاتا بلکہ ہر شعبے کے محرمات، ممنوعات اور مکروہات کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر امور جائز ہیں، مثلاً جن خواتین سے نکاح شرعاً حرام ہے، قرآن نے ان کو سورۃ النسآء آیات ۲۲ تا ۲۵ میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیا ہے اور پھر فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَاوَرَاءَ ذَٰلِكُمْ (النساء:۲۴)

ترجمہ: اور ان (مذکورہ محرمات) کے علاوہ باقی سب عورتوں کے ساتھ تمہارا نکاح جائز ہے۔

اسی طرح قرآن نے سورۃ بقرہ آیت نمبر ۷۳ اور سورۃ النحل آیت نمبر ۱۱۵ میں ماکولات میں سے محرمات (مردار، ذبح کے وقت بہنے والا خون، خنزیر، اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے) کا ذکر فرمایا، احادیث میں اس پر درندے، شکاری پرندے اور گدھے کا اضافہ فرمایا گیا، بعض دیگر جانوروں کو قیاس و اجتہاد کے ذریعے فقہاء امت نے مکروہ تحریمی قرار دیا، ان کے علاوہ دیگر لاتعداد جانور جو حلالا ہیں، کتاب و سنت اور ائمہ مجتہدین نے ان کا تفصیل سے احاطہ نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کرنا عملاً ممکن ہے، ہماری عملی زندگی میں اس کی مثال یہ ہے کہ جس سڑک پر دائیں یا بائیں مڑنا منع ہو، یا جس گلی یا سڑک پر گاڑی چلانا منع ہو ٹریفک کا عملہ وہاں مخصوص ممانعت کا نشان لگا دیتا ہے، باقی جس جس گلی یا سڑک پر گاڑی چلانا ممنوع نہیں ہے، وہاں کوئی مخصوص نشان نہیں لگایا جاتا، ممانعت کا نشان نہ ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس گلی یا سڑک پر گاڑی چلانے کی عام اجازت ہے بعینہٖ یہی اصول احکام شریعت کا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن سلمان قال: سئل رسول اللہ ﷺ عن اشیاء فقال: الحلال ما احل اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرمہ اللہ فی کتابہ و ما سکت عنہ فھو مما قد عفیٰ عنہ فلا تتکلفوا۔

ترجمہ: "حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بعض اشیاء (کی حلت و حرمت) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے (شرعی حکم) دریافت کیا گیا تو آپ ؐ نے فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دے دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دے دیا ہے اور جس کے بارے میں (کتاب و سنت میں) سکون فرمایا گیا ہے تو وہ معاف ہے (یعنی جائز و حلال ہے)، لہٰذا خواہ مخواہ اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالو"۔ (سنن ابن ماجہ، ص ۲۴۹، سنن ترمذی، ص ۲۱۹)

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ قد فصّل لکم ما حرم علیکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مسئلہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام چیزوں کا ذکر مفصل ہوتا ہے اور ثبوتِ حرمت کے لئے حکمِ حرمت درکار ہے اور جس چیز پر شریعت میں حرمت کا حکم نہ ہو وہ مباح ہے۔ (بحوالہ توضیح البیان ص ۴۲۹)

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں: **واعلم ان قوله كلوا واشربوا مطلق الاوقات والاحوال ويتناول جميع المطعومات والمشروبات فوجب ان يكون الاصل فيها هو الحل فى كل الاوقات وفى كل المطعومات والمشروبات الا ما خصه الدليل المنفصل والعقل ايضا مولد له لان الاصل فى المنافع الحل والاباحه** (تفسیر کبیر ج ۴، ص ۲۰۱)

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا قول کلوا واشربوا (کھاؤ پیو) مطلق ہے۔ جو تمام اوقات اور احوال کو شامل ہے اور اسی طرح تمام کھانے پینے کی چیزوں کو محیط ہے پس چاہئے کہ تمام چیزوں کو ہر وقت اور ہر حال میں کھانا جائز ہو مگر جس کو کسی دلیلِ شرعی نے حرام کر دیا ہو اور عقل بھی اس کی مؤید ہے کیونکہ اصل تمام منافع میں حلت اور اباحت ہے۔

علامہ بیضاوی قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (الاعراف ۳۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "**و فيه دليل على ان الاصل فالمطاعم والملابس وانواع التجمّلات الاباحة**"۔ اور اس آیت میں اس پر دلیل ہے کہ کھانے پینے کی اچھی چیزوں میں اباحت اصل ہے۔

احناف اہلسنت کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (تفسیر احمدی ص ۱۳) اور تفسیر احمدی میں اس بارے میں کافی بحث موجود ہے۔

شیخ القرآن والحدیث پیر طریقت رہبر شریعت مولانا حبیب الرحمن گبول طاہری اپنی کتاب "راہِ حقیقت" میں صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں:

"جمہور علماء وفقہاء متقدمین ومتأخرین کے یہاں یہ مسلہ قاعدہ کلیہ ہے کہ تمام امور واشیاء میں اصل (اباحہ، جائز ہونا) ناجائز اور حرام قرار دیئے جانے کے لئے ہی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت، خَلَقَ لَكُمْ مَافِيْ الْاَرْضِ جَمِيْعاً (تمہارے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے) کے تحت اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ کے ماہر حضرت ملا احمد علیہ الرحمہ نے لکھا ہے۔ "**فَفِي الْآيَةِ دَلِيْل" عَلٰى كَوْنِ الْاِبَاحَةِ اَصْلاً فِي الْاَشْيَاءِ صَرَّحَ بِهٖ صَاحِبُ الْكَشَّافِ وَ قَدْ صَرَّحَ بِهٖ صَاحِبُ الْمَدَارِكِ**" یعنی اشیاء میں اصل اباحہ (جائز) ہونے کے لئے یہ آیت دلیل ہے، صاحب تفسیر کشاف اور صاحب تفسیر مدارک نے اس کی تصریح کی ہے: "**وَقَالَ الْعَلَّامَةُ الْفَهَّامَةُ الشَّامِيُّ اَقُوْلُ وَصَرَّحَ فِي التَّحْرِيْرِ بِاَنَّ الْمُخْتَارَ اَنَّ الْاَصْلَ الْاِبَاحَةُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ فَجَعَلَ الْاِبَاحَةَ اَصْلاً وَالْحُرْمَةَ بِعَارِضِ النَّهْيِ**"۔ یعنی "حضرت علامہ شامی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جمہور علماء حنفی ہوں خواہ شافعی انکا مختار مذہب یہ ہے کہ اصل اباحہ (جائز ہونا) ہے، جبکہ حرمت (کسی چیز کو حرام قرار دینے) کے لئے منع کے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے"۔

یعنی کسی شی یا کسی کام کو حلال و جائز کہنے کے لئے دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، البتہ اگر کسی دلیل سے اس کی حرمت ثابت ہو جائے تو اس کو ترک کرنا لازم و واجب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے۔ "اِنَّ جَمِیْعَ الْاَشْیَاءِ عَلٰی الْاِبَاحَۃِ حَتّٰی یَثْبُتَ الْمَنْعُ مِنْ قِبَلِ الشَّارِعِ "یعنی تمام چیزیں جائز و مباح ہیں جب تک کسی چیز کے لئے مشارع علیہ السلام سے منع ثابت نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ جس بات سے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ نے منع نہیں فرمایا وہ جائز و مباح ہے۔ اسے ناجائز و بدعۃ کہنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ حرام، ناجائز یا بدعۃ صرف وہی چیزیں اور وہی کام کہلائیں گے جن کے لئے شریعت مطہرہ نے صراحۃً وضاحت کی ہے۔

اس اہم مسئلہ کی وضاحت ایک عام فہم مثال سے ہوتی ہے۔ مثلاً ملک بھر میں ہزاروں سڑکیں موجود ہیں ان میں سے انتہائی قلیل شاہراہوں پر یہ عبارت تحریر ہوتی ہے۔ "یہ شاہراہ عام نہیں ہے۔ متعلقہ محکمہ کے علاوہ دوسروں کا داخلہ ممنوع ہے"۔ وغیرہ۔ جبکہ دوسری شاہراہوں پر کوئی ایشا بورڈ نہیں ہوتا، اور ایسے بورڈ کا نہ ہونا ہی اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ یہاں آمد و رفت کی عام اجازت ہے۔ اسی طرح دین اسلام میں بھی جو باتیں ممنوع یا ناجائز ہیں ان کا اظہار فرما دیا گیا ہے۔ شریعت میں کسی چیز کے لئے ممانعت کا وارد نہ ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ جائز و مباح ہے۔ (مفید الواعظین، ص۲۳۹)

مشہور محدث حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث "اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ عَلَیْکُمْ فَرَائِضَ فَلَاتُضَیِّعُوْھَا وَ حَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَھِکُوْھَا وَ حَدَّ حُدُوْداً فَلَاتَعْتَدُوْھَا وَ سَکَتَ عَنْ اَشْیَاءَ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَاتَبْحَثُوْا عَنْھَا" (اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر کئی چیزیں فرض کی ہیں ان کو ضائع نہ کرو اور کچھ حرام کی ہیں ان سے آگے نہ گزرو، اور حدیں مقرر کی ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو اور بعض چیزوں سے خاموشی اختیار کی جان بوجھ کر سو ان میں بحث نہ کرو) کے تحت تحریر فرمایا: فَلَاتَبْحَثُوْ عَنْھَا اَیْ لَاتُفَتِّشُوْا عَنْ تِلْکَ الْاَشْیَاءِ دَلَّ عَلٰی اَنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَآءِ الْاِبَاحَۃُ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً۔ (مرقاۃ المفاتیح، ص۲۶۳)

(ان کے متعلق بحث نہ کرو یعنی ان چیزوں کی تفتیش نہ کرو، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمام اشیاء میں اصل جواز اباحہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ (اللہ) وہ ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے۔)

مفتی محمد فرید دیوبندی "منہاج السنن شرح جامع السنن" میں لکھتے ہیں: "جنازہ کے بعد دعا جائز ہے لحدیثِ "مَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ عَفْو" رَوَاہُ اَبُو دَاؤد و من ھٰھنا قالوا الاصلُ فِیْ الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ۔ (منہاج السنن، ص۶)

مولانا احمد نبی صاحب نے "اوضح البیان فی جواز حیلة الاسقاط مع دوران القرآن" میں لکھا ہے "یہ جمہور حنفیہ و شافعیہ کا مذھب ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے۔ کماقال اللہ تعالی هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا(البقرة ۲۹)۔ والفقهاء استدلّوا به ان الاصل فی الاشیاء الاباحات۔ (تفسیر کبیر)

لہٰذا ان تمام مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکر کے ساتھ نعت خوانی کرنا بالکل جائز ہے۔ اور اس سے منع کرنے والے اس آیت کا مصداق بن رہے ہیں۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (النساء، ۱۵۰) "اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے رسول ﷺ کو جدا کر دیں۔ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (الفرقان ۴۳) اور اگر کوئی مزید وضاحت کا طلبگار ہو تو اسے چاہئے کہ ہمارا رسالہ "تحقیق الدقیق فی ردّ فتویٰ المجاز فة غیر حقیق" کا مطالعہ کرلے تو اس کے تمام شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے۔ (ان شاءاللہ تعالیٰ)

واللہ ورسولہ اعلم

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi